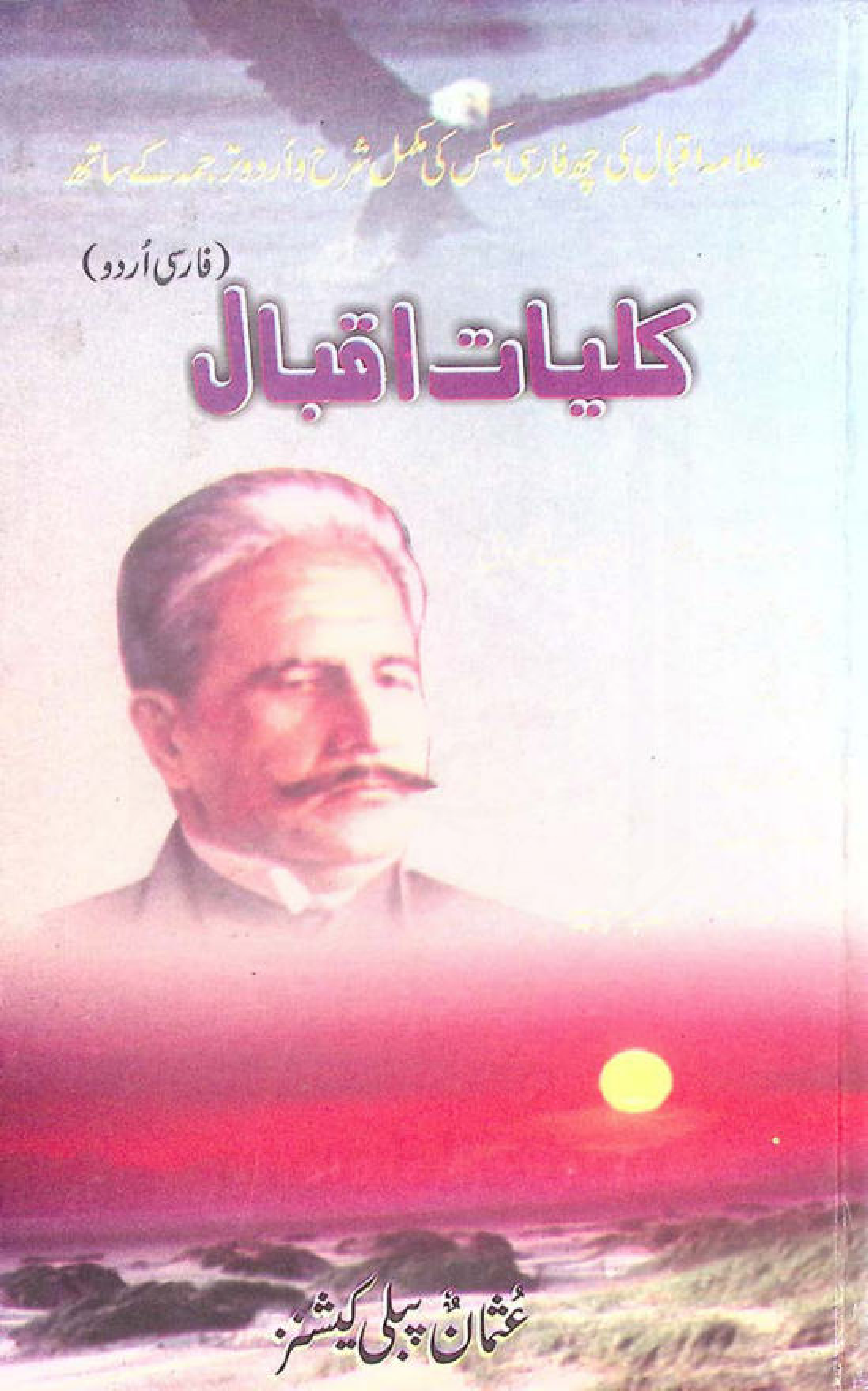

علامہ اقبال کی چھ فارسی بکس کی مکمل شرح و اُردو ترجمہ کے ساتھ
(فارسی اُردو)
کلیات اقبال
عثمان پبلی کیشنز

فارسی مجموعہ کلام کا ترجمہ اور تشریح ایک ساتھ

کلیات اقبال (فارسی)

اردو ترجمہ و شرح

مصنفین شرح:

ڈاکٹر الف دال نسیم

ڈاکٹر غلام جیلانی

معاونت:

امان اللہ کاظم ...... اسرار زیدی

قیمت: 660 روپے قیمت: 900

ہر قسم کی بکس وی پی منگوانے کیلئے اس پتہ پر خط لکھیں، فون کریں اور ایس ایم ایس کریں

عثمان پبلی کیشنز

عثمان پبلی کیشنز، ملک جلال دین ہسپتال، چوک اردو بازار، لاہور

دکان بند ہونے کی صورت میں نیچے والے پتہ پر تشریف لائیں

عثمان پبلی کیشنز، مچھلی منڈی، نزد اردو بازار، لاہور

Email: upublications@yahoo.com upublications@gmail.com

0333-4275783 - 042-37640094 - 0333-4096572

فہرس



وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینتِ برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگرتابی



ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

[illegible]

[illegible]

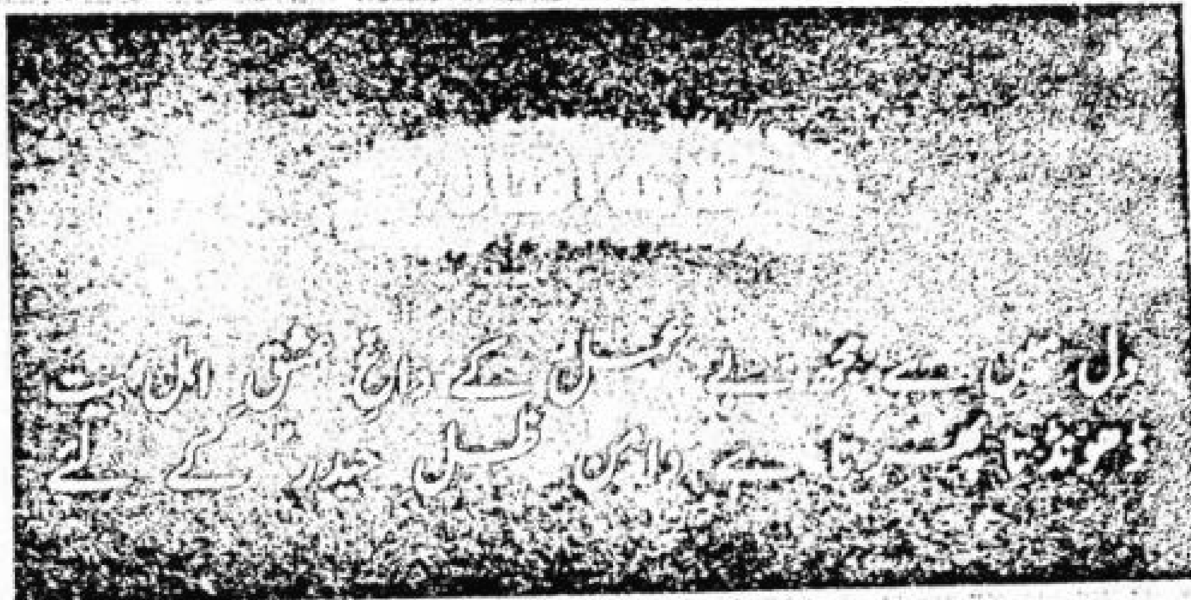


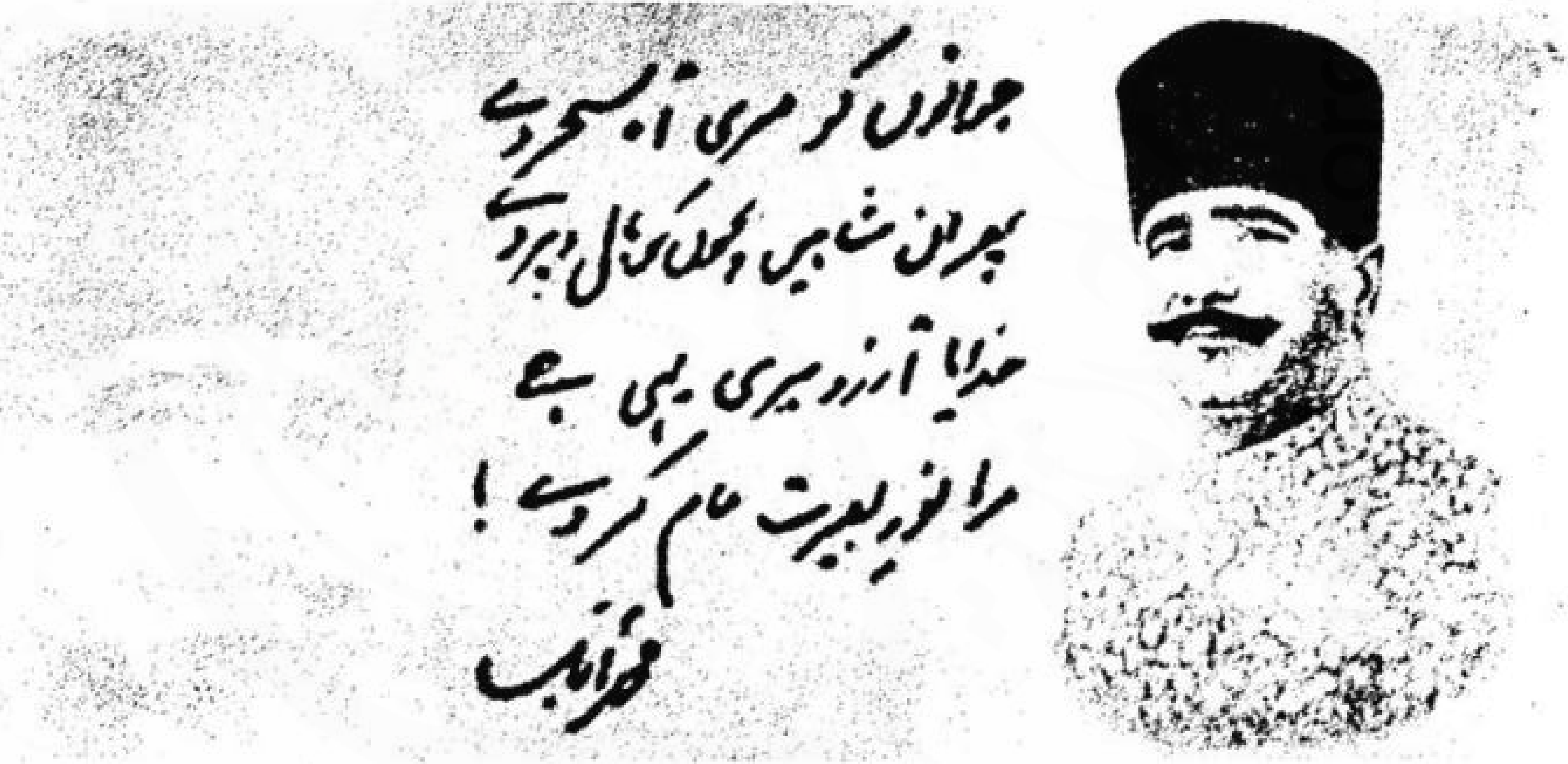
ہنسی آتی ہے مجھے حسرتِ انسان پر

فعلِ بد تو خود کرے لعنت بھیجے شیطان پر

علامہ اقبال






جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے!
محمد اقبال



تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نسیم کرم

فی ترجمہ و مطالب

زبور عجم

علامہ محمد اقبال

مترجم و شارح

ڈاکٹر الف ۔ د ۔ نسیم

ہر قسم کی بکس منگوانے کیلئے یا کسی بھی ادارے کی بکس منگوانے کے لیے اس پتہ پر رابطہ کریں

عثمان پبلی کیشنز

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ،

چوک اُردو بازار، لاہور

042-7640094, 0333-4275783

upublications@hotmail.com ,

sh_publication@yahoo.com

محمد عثمان

نے

سے چھپوا کر

عثمان پبلی کیشنز

سے شائع کی

7640094, 0333-4275783✆

قیمت:- R,S 225/-

فہرست



آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

کتاب کے نام

زبورِ عجم کا مختصر تعارف

زبور وہ الہامی کتاب ہے جو مشہور پیغمبر حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی تھی۔ علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری کو الہامی سمجھتے ہوئے اپنی اس تصنیف کو زبور کا نام دیا ہے۔ اصل زبور چونکہ کسی اور زبان میں تھی اور یہ زبور عجمی یعنی فارسی زبان میں ہے اس لئے اس کا پورا نام انہوں نے زبورِ عجم رکھا ہے۔

بخوانندہ کتاب زبور

کتاب زبور پڑھنے والے سے

می شود پردۂ چشمم پرِ کاہے گاہے　　دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے
وادیِ عشق بسے دور و دراز است ولے　　طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے
در طلب کوش و مدہ دامنِ امید ز دست　　دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے!

*

① کبھی تو گھاس کا ایک تنکا میری آنکھوں کا پردہ بن جاتا ہے + اور کبھی میں نے ہر دو جہاں کو ایک نگاہ میں دیکھا ہے۔ یہاں دیکھنے سے مراد ظاہری آنکھ سے ظاہر کا تماشا کرنا نہیں بلکہ دل یا باطن کی نگاہ سے تماشا کرنا ہے۔ جو اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی اولیا و صوفیا کا شیوہ ہے۔ ان کی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ جب فیضان الٰہی کا ان پر ورود ہو رہا ہوتا ہے تو وہ ایک نظر میں دونوں جہانوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور جب یہ فیضان رکا ہوا ہو تو ان کو اپنے اردگرد کی خبر نہیں ہوتی۔ تصوف کی اصطلاح میں پہلی حالت کو بسط اور دوسری حالت کو قبض کہتے ہیں۔

② عشق کی وادی بڑی دور و دراز ہے یعنی آسانی سے ملتی بھی نہیں اور آسانی سے طے بھی نہیں ہوتی مراد ہے اس منزل تک پہنچنا کہ ایک نظر میں دونوں جہانوں کی سیر ہو جائے بڑے مجاہدہ اور ریاضت کی بات ہے۔ صوفیوں نے نہ جانے کتنے جتن کئے تب جا کر یہ منزل ہاتھ لگی۔ (لیکن اگر اللہ کا فضل شامل حال ہو اور وہ کسی پر کرم کرنے پر آجائے تو پھر) + یہ سینکڑوں سالوں میں طے ہونے والی وادی عشق ایک آہِ عاشقانہ میں طے ہو جاتی ہے۔ دنیائے تصوف میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

③ تو بھی (اے میری کتاب پڑھنے والے) طلب میں لگا رہ اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ + یہ ایک ایسی دولت ہے جو راہ چلتے ہاتھ آجاتی ہے شرط طلب حق اور سفر در راہ حق کی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا راہرو مل جائے جس کی نظر کیمیا اثر تیری مٹی کو سونا کر دے کوئی ایسا راہبر میسر آجائے جو پل میں منزل کو تیرے قدموں میں ڈال دے۔

زبور عجم

حصہ اول

ز برون در گذشتم ز درون خانہ گفتم سخنے نگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم

*

① میں دروازے کے باہر (کے ماحول) سے گزر گیا۔ میں نے گھر کے اندر کی بات کہی + جو بات نہیں کہی گئی تھی میں نے کیا قلندرانہ طور پر کہہ دی مراد ہے اس کتاب میں' میں نے خارج کی بجائے اندروں اور جلوت کی بجائے خلوت کی باتیں کی ہیں۔ میری دوسری کتابوں میں مظاہر فطرت' تاریخ' سیاست وغیرہ پر بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن اس میں' میں نے کائنات و آدم کے ایسے رموز و اسرار کو بے باکانہ طور پر بیان کیا ہے جو اس سے پہلے بیان نہیں کیے گئے۔

دعا

یا رب درون سینہ دل باخبر بدہ — در بادہ نشہ را نگرم' آں نظر بدہ
ایں بندہ را کہ با نفس دیگراں نزیست — یک آہ خانہ زاد مثال سحر بدہ
سیلم' مرا بجوئے تنک مایہ میچ! — جولانگہے بوادی و کوہ و کمر بدہ
سازی اگر حریف یم بیکراں مرا — با اضطراب موج' سکون گہر بدہ
شاہین من بصید پلنگاں گذاشتی! — ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ
رفتم کہ طائران حرم را کنم شکار — تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بہ نور نغمہ داؤد بر فروز — ہر ذرۂ مرا پر و بال شرر بدہ

*

① یا رب میرے سینے میں باخبر دل عطا کر + مجھے وہ نظر دے جس سے کہ میں شراب کے اندر نشہ کو دیکھ سکوں۔ (باخبر دل سے وہ دل مراد ہے جو اس حقیقت سے باخبر ہو کہ کائنات اور اس کی ہر شے میں خدا کی جلوہ گری ہے اور اس میں وہ نظر پیدا ہو چکی ہو کہ وہ اس حقیقت کو ہر شے کے پس پردہ دیکھ بھی سکتا ہو۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے زندہ دل کہتے ہیں)۔

② اے خدا (اپنے) اس بندہ کو جو دوسروں کے سہارے نہیں جیا + (تو مجھے) ایک خانہ زاد آہ (دل کی گہرائی اور اخلاص سے نکلی ہوئی آہ) عطا کر۔ وہ آہ جو سحر (علی الصبح) کی مانند ہو یعنی جو میری زندگی کی رات کو صبح میں تبدیل کر دے۔ میرے اندر کی ظلمت کو نور میں بدل دے (آہ خانہ زاد سے مراد عشق صادق ہے)۔

③ میں تو ایک بہنے والی ندی میں نہ الجھا + تو وادی' پہاڑ اور گھاٹی کو

اس کے دوڑنے یا پھیلنے کی جگہ بنا۔ مراد ہے میری شاعری اور اس میں دئے گئے پیغام کو محدود نہ رکھنا بلکہ جہان اور جہان والوں تک پہنچا دینا۔

④ اگر تو مجھے بے کنار سمندر کا مد مقابل بنائے یعنی میرے پیغام کو آفاقی بنائے تو جس طرح موج کی بے قراری میں موتی کا سکون پوشیدہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی اضطراب کے ساتھ سکون عطا فرما۔ (اضطراب اس بات کا کہ دنیا میرے پیغام کو سمجھ لے اور قبول کر لے اور سکون اس بات کا کہ لوگوں نے اسے قبول کر لیا ہے یا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے) دریا کی موجیں مسلسل بے قرار رہتی ہیں کسی منزل تک پہنچنے کے لئے لیکن جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ ان کی تہ میں قیمتی اور چمکتا ہوا موتی پیدا ہو گیا ہے تو وہ باطنی طور پر اطمینان محسوس کرتی ہیں۔ علامہ نے اپنے اضطراب اور اطمینان کو اس مثال سے واضح کیا ہے۔

⑤ تو نے میرے شاہین (باز کی ایک قسم) کو چیتوں کے شکار کے لئے چھوڑا ہے + تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ ہمت عطا کر اور میرے پنجے زیادہ تیز بنا۔ (علامہ کو ایسے معاشرہ سے واسطہ پڑا ہے جو مغرب کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بہت بگڑ چکا تھا اور خود مسلمان بھی نور ہدایت سے نکل کر گمراہ ہو چکے تھے ان کو قابو میں لانا اور مغرب کے زہر آلود معاشرہ کو قند و شہد کی چاشنی دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ علامہ نے یہ دعا اس پس منظر میں کی ہے کہ جتنا بگاڑ ہے اس کے سنوار کے لئے اتنے ہی عزم و ہمت اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔

⑥ میں کعبہ کے پرندوں کے شکار کے لئے نکلا ہوں + مجھے ایسا تیر عطا کر کہ جو چلائے بغیر ہی اپنا کام کر دے۔ مراد ہے کہ میں نے اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں خصوصاً ان کی نوجوان نسل اور دین فروش علماو صوفیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ کام بڑا مشکل اور محنت طلب ہے۔ اے خدا اگر تیری توفیق شامل حال ہو اور تو چاہے تو میرا کام آسان اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

⑦ میں تو مٹی ہوں (بے نور مٹی) تو اس کو حضرت داؤدؑ کے نغمہ کے نور سے روشن کر دے + (اور) میری خاک کے ہر ذرہ کو چنگاری کے بال و پر عطا کر دے۔ مراد ہے میری خاک کے ذرہ ذرہ میں عشق کی تپش پیدا کر دے۔ حضرت داؤدؑ پر الہامی کتاب زبور اتری تھی۔ جب وہ اس کی قرآت کرتے تو اس نغمہ بار گلے کی بدولت جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا اسے جنوں' انسانوں' درندوں' پرندوں اور چرندوں میں سے جو بھی سنتا دم بخود ہو جاتا تھا۔ علامہ نے اپنے کلام میں اس تاثیر کی دعا کی ہے۔ تبھی تو یہ کتاب جس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے فارسی زبان کی زبور بن سکے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

①

عشق شور انگیز را ہر جادہ در کوے تو برد بر تلاش خود چہ می نازد کہ رہ سوے تو برد!

٭

① شور پیدا کرنے والے عشق کو ہر جادہ (راستہ کی پگڈنڈی) تیری گلی میں لے گئی + وہ اپنی تلاش پر کیا ناز کرتا ہے کہ راستہ خود تیری طرف لے گیا مراد ہے کہ عشق صادق اور طلب صادق شرط ہے۔ منزل مل ہی جاتی ہے۔ اللہ کی توفیق عاشق کو وہ راہیں دکھادیتی ہے جن پر چل کر وہ اس تک پہنچ جاتا ہے اس لئے عاشق کو اپنی جدوجہد اور تلاش یار پر ناز نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ تو معشوق کی نظر عنایت ہے کہ اس نے خود تک پہنچادیا۔

(اس غزل کا صرف ایک ہی شعر ہے)

غزل ②

درون سینۂ ما سوز آرزو ز کجاست؟ سبو ز ماست، ولے بادہ در سبو ز کجاست؟
گرفتم ایں کہ جہاں خاک و ما کف خاکیم بہ ذرہ ذرۂ ما درد جستجو ز کجاست؟
نگاہ ما بگریبان کہکشاں افتد جنون ما ز کجا؟ شور ہائے و ہو ز کجاست؟

٭

① ہمارے سینے میں آرزو کا سوز (حرارت) کہاں سے ہے ؟ پیالہ یا صراحی تو ہمارا ہے لیکن اس مٹکے (صراحی) میں جو شراب ہے وہ کہاں سے آئی ہے۔ مراد ہے کہ ہر شخص کے سینے میں آرزو کی حرارت جو دیکھنے میں آتی ہے اس کا منبع فیضان کہیں غائب میں ہے۔ ہمارا جسم تو مادی ہے اور مادی شے آرزو نہیں کر سکتی۔ ہمارے سبو (جسم) کے اندر بادہ (سوز و گداز اور کیفیات و جذبات) کا ہونا دلیل اس بات کی ہے کہ کوئی ہے جو مٹی کے جسم کے اندر ان کو پیدا کرتا ہے۔ اور وہ ہستی خالق جسم کی ہے۔ ہمیں اسی سے ملنے اور اسی کو دیکھنے کی آرزو بیتاب رکھتی ہے۔ قاعدہ ہے اصل سے جو چیز جدا ہو جائے وہ اصل میں جانے کے لئے بے قرار رہتی ہے۔ ہم بھی کبھی اس : ان میں (روح کی شکل میں) تھے جہاں ہم اپنے خالق کے دیدار میں محو رہتے تھے اب وہاں سے جسم کی قید میں آگئے ہیں اس جدائی میں وصل کے لئے بے تاب کیوں نہ ہوں۔

② ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جہان خاک (مٹی/مادہ) ہے اور ہم (بھی) مٹی کی مٹھی ہیں یعنی ہمارا جسم ظاہری بھی مادی سالمات کا بنا ہوا ہے + (لیکن) ہمارے جسم کے ذرہ ذرہ میں جو (کسی کی) تلاش کا درد چھپا ہوا ہے وہ کہاں سے ہے۔ اس کا کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہے۔

③ ہماری نگاہ کہکشاں کے گریبان پر پڑتی ہے + (لیکن) ہمارا جنوں (خوش سودا) کہاں سے ہے اور

(اس جنوں کی وجہ سے) جو ہائے و ہو کا شور ہمارے اندر برپا ہے یہ کہاں سے ہے مراد ہے ہماری نگاہ کہکشاں تک تو پہنچ سکتی ہے وہ سفید راستہ سا بناتے ہوئے ستاروں کے اس مجموعہ کو تو دیکھ سکتی ہے اور اس کی حقیقت تک تو پہنچ سکتی ہے لیکن یہ معلوم کرنے سے قاصر ہے کہ جسم خاکی میں دل، دل میں آرزو اور عشق و جنوں کہاں سے پیدا ہوتا ہے کون پیدا کرتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے اس فلسفہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس کا اجمالاً بیان پہلے شعر کی مطلب نگاری میں ہوا ہے اور اس فلسفہ کو سمجھنے کے لئے کسی مرد خدا کی نظر و محبت کا اور فیضان عشق کا ہونا لازمی ہے۔

غزل ③

غزل سرائے و نواہائے رفتہ باز آور　　بایں فسردہ دلاں حرف دل نواز آور
کنشت و کعبہ و بتخانہ و کلیسا را　　ہزار فتنہ ازاں چشم نیم باز آور
ز بادۂ کہ بخاک من آتشے آمیخت　　پیالۂ بجوانان نو نیاز آور!
نے کہ دل ز نوائش بسینہ می رقصد　　مے کہ شیشہ جاں را دہد گداز آور
بہ نیستان عجم باد صبحدم تیز است　　شرارۂ کہ فرو می چکد ز ساز آور

*

① علامہ اس شعر میں باری تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ غزل سرائی (کا وہ انداز) اور اس کے سر تال (کا وہ اسلوب) جو کبھی تھا پھر سے لا ان کے لئے (کن کے لئے) ان کے لئے جو افسردہ دل (بجھے ہوئے دل) رکھتے ہیں ان کے لئے ان کے دل کو نوازنے والا کلام لا۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان قوم کے اندر جو حرارت زندگی ختم ہو چکی ہے اور جس ذوق و شوق سے وہ محروم ہو چکے ہیں اپنی نگاہ عنایت سے اس کی افادیت اور لذت سے ان کو پھر سے آشنا کر۔

② آتش پرستوں کے مندر، مسلمانوں کے حرم کعبہ، کافروں اور مشرکوں کے بت خانہ اور عیسائیوں کے گرجا میں + اپنی اس نیم باز آنکھ (مستی کی وجہ سے پورے طور پر نہ کھلی ہوئی آنکھ) سے ہزاروں فتنے پیدا کر۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت ساری دنیا اپنے اپنے مذہب سے برگشتہ نظر آتی ہے اور اے خدا تجھے چھوڑ کر دنیا کی فریفتہ بن چکی ہے۔ ان میں مذہب کی چاشنی پھر سے پیدا کر دے۔ جس طرح پہلے تو کفر کو اسلام میں بدلنے کے لئے اقدامات کرتا رہا ہے۔ وہ قدم پھر اٹھا اور اپنے انوار و تجلیات سے منکروں اور غافلوں کو پھر سے اپنی محبت سے اور اپنے دین کی لذت سے آشنا کر دے۔

③ اس شراب سے کہ جس نے میری مٹی (جسم خاکی) میں آگ (نور حق) پیدا کر دی ہے + ایک پیالہ ان نوجوانوں کو بھی پلا جو تجھ سے نئی نئی نیازمندی رکھتے ہیں (اشارہ مسلمانوں کی اس نئی نسل یا جوانوں کی طرف ہے جو میری وجہ سے نئے نئے عشق الٰہی کی طرف راغب ہوئے ہیں)۔

④ وہ بنسری کہ جس کے سر یا آواز سے دل سینے میں رقص کرتا ہے + وہ شراب کہ جس سے جان کا پیالہ پگھل جاتا ہے پھر سے لا (مسلمانوں میں پھر سے اپنی محبت اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے اسباب پیدا کر)۔

⑤ عجم یعنی مشرق خصوصاً اسلامی مشرق کے سرکنڈوں کے جنگل میں صبح کے وقت کی ہوا بڑی تیزی سے چل رہی ہے (ہوا تیز ہو تو سرکنڈوں کی فضا میں بڑا شور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے شاعر نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا ہونے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں) + (ان کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے جس عزم و ہمت کی ضرورت ہے اس کے لئے) اپنے ساز سے ایک ایسا شرر پھینکنے والا سر پیدا کر کہ نیستان جل اٹھے (یہ شرر جس کی علامہ نے التجا کی ہے اس عشق کی ہے جو مسلمانوں میں مفقود ہو چکا ہے۔ اور جس کے ان کی خاک میں پیدا ہونے سے وہ پھر سے ایک زندہ قوم کی شکل اختیار کر سکتے ہیں)۔

غزل ④

اے کہ ز من فزودۂ گرمیِ آہ و نالہ را
زندہ کن از صدائے من خاک ہزار سالہ را

با دل ما چہا کنی! تو کہ بہ بادۂ حیات
مستیِ شوق می دہی آب و گِل پیالہ را

غنچۂ دل گرفتہ را از نفسم گرہ کشائے
تازہ کن از نسیم من داغ درون لالہ را

می گذرد خیال من از مہ و مہر و مشتری
تو بہ کمیں چہ خفتہ صید کن ایں غزالہ را

خواجۂ من! نگاہ دار آبروئے گدائے خویش
آنکہ ز جوئے دیگراں پر نکند پیالہ را

✱

① اے وہ خدا کہ جس نے آہ و نالہ (عشق) کی گرمی کو میری (شاعری) کے سبب بڑھا دیا ہے + میری صدا (شاعری) سے ہزاروں سال کی پرانی مٹی کو زندہ کر دے۔ مراد ہے کہ آدمی جو ہزاروں سالوں سے نسل در نسل چلا آ رہا ہے اور اب مادیت میں گم ہو کر آدمیت کی اقدار کھو چکا ہے اس کو پھر سے صفات آدمی سے آشنا کر اور اس کی صورت صرف ایک ہے کہ اس میں اپنی محبت اور ذوق و شوق پیدا کر دے۔ اگر ہزار سالہ سے مراد کافی عرصہ لیا جائے تو پھر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان قوم جو کافی عرصہ سے مردہ ہو چکی ہے اسے پھر سے زندگی بخش دے۔

② تو میرے دل کے ساتھ کیا کچھ کر سکتا ہے یعنی بہت کچھ کر سکتا ہے اسے اپنے فیضان سے طرح طرح سے نواز سکتا ہے۔ کیونکہ تو تو وہ ہے کہ زندگی کی شراب سے + پانی میں گوندھی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے پیالے کو شوق کی مستی عطا کر دیتا ہے۔ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق کی طرف کہ جس کی وجہ سے اس نے خمیر کی ہوئی مٹی کو آدمی کی شکل دے کر اس کے اندر جان پیدا کر دی (جو ہستی یہ کر سکتی ہے وہ میرے دل مردہ کو بھی زندہ کر سکتی ہے اور میرے جسم خاکی کو بھی حقیقت زندگی سے آشنا کر سکتی ہے۔ مجھے آتش عشق عطا کر سکتی ہے۔

③ بند دل غنچوں (غم زدہ غنچوں) کی گرہ کو میرے دم سے کھول دے (ان کو رنج سے نجات دے کر راحت کی نعمت عطا کر دے) + میری نسیم (نرم و لطیف ہوا) سے لالہ کے پھول کے اس سیاہ داغ کو (جو اپنی سیاہی مانند کر چکا ہے) پھر سے تر و تازہ کر دے۔ یہاں اشارہ اس طرف ہے کہ اے خدا میرے کلام کے نوع آدم خصوصا مسلمانوں کے دکھی اور رنجیدہ دلوں کو اطمینان و راحت عطا فرما۔ ان کو

پریشانیوں سے نجات دے اور ان کی مشکلات کو حل کر دے۔

④ میرا خیال چاند، سورج اور مشتری سے بھی آگے نکل جاتا ہے + تو گھات لگائے کیا بیٹھا ہے اس ہرنی کو شکار کر۔ مراد ہے میں دنیا طلبی میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں لیکن خود سے اور تجھ سے نا آشنا ہو گیا ہوں۔ تو میری اس مادیت کی دوڑ کو ختم کر کے مجھے اپنی معرفت کی منزل کی طرف کا سفر عطا کر۔

⑤ اے میرے آقا! اپنے گدا کی آبرو کی حفاظت کر + وہ گدا جو دوسروں کی نہر سے اپنا پیالہ نہیں بھرتا (جو صرف تیرے دروازے کا سائل ہے)۔

غزل ⑤

از مشت غبار ما صد نالہ برانگیزی
نزدیک تر از جانی با خوے کم آمیزی!

در موج صبا پنہاں دزدیدہ بباغ آئی
در بوئے گل آمیزی با غنچہ در آویزی!

مغرب ز تو بیگانہ، مشرق ہمہ افسانہ
وقت است کہ در عالم نقش دگر انگیزی

آنکس کہ بسر دارد سودائے جہانگیری
تسکین جنونش کن با نشتر چنگیزی

من بندۂ بے قیدم شاید کہ گریزم باز
ایں طرۂ پیچاں را در گردنم آویزی

جز نالہ نمی دانم، گویند غزل خوانم
ایں چیست کہ چوں شبنم بر سینہ من ریزی؟

*

① ہمارے غبار کی مٹھی یعنی جسم خاکی سے تو سینکڑوں نالے (فریادیں) بلند کرتا ہے + دوسروں سے کم ملنے کی عادت رکھنے کے باوجود تو جان سے بھی زیادہ ہمارے نزدیک ہے (اس میں اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف کہ اللہ تعالیٰ بندے کو کہتا ہے کہ میں تیری شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔ میری نالہ کشی اس بات کی دلیل ہے کہ تو واقعی میرے قریب ہے)۔

② تو صبح کی نرم و لطیف ہوا میں چھپ کر باغ میں آتا ہے + (اور) پھولوں کی خوشبو میں گھل مل جاتا ہے اور بند پھولوں (کلیوں) میں مل جل جاتا ہے مراد ہے کہ پھول کلیوں اور خوشبو کے پس پردہ بھی تو ہی ہے۔

③ (اے خدا اس وقت حالات دنیا یہ ہیں کہ) اہل مغرب تجھ سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ اور اہل مشرق بھی افسانہ کی مانند خیالی دنیا میں گم ہیں۔ یعنی وہ حقیقت سے دور ہو کر افکار باطلہ اور توہمات وغیرہ کا شکار ہیں + یہ وہ وقت ہے کہ تو پرانے نقش دنیا کو ختم کر کے ایک نیا نقش بنا (جس میں آدمی 'آدمی ہو جانور نہ ہو تیرا بندہ ہو تیرا باغی نہ ہو۔ تجھے معبود مانتا ہو شیطان سے بھاگتا ہو)۔

④ وہ شخص جو اپنے سر میں جہان کو قابو کرنے کا سودا رکھتا ہے۔ یعنی جہان پر قبضہ کر کے لوگوں کو تیری غلامی سے چھڑا کر اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے + اس کے پاگل پن کی تسکین یا علاج کے لئے اس پر چنگیز کا نشتر چلا (تاکہ اس کے دماغ سے فاسد خون بہہ جائے اور اسے عقل آ جائے اور اس بات کو وہ سمجھ سکے کہ اصل بادشاہت اللہ کی ہے۔ اشارہ مغربی اقوام کی طرف ہے جو اللہ کی حاکمیت ختم کر کے دنیا پر اپنی شیطانی حاکمیت مسلط کرنا چاہتی ہیں۔ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ کوئی چنگیز خان جیسا جابر و ظالم

حاکم و فاتح پیدا ہو جو' ان کو تس نہس کر کے دنیا اور اہل دنیا کو ان کی غلامی اور شیطنت سے نجات دلا سکے)۔

⑤ میں (اے خدا تیرا) ایسا غلام ہوں جس پر کوئی قید نہیں یعنی جو زنجیروں میں نہیں جکڑا ہوا (میں دور حاضر کے اثرات کی بنا پر تیرا بندہ ہوتا ہوا تیرے آقا ہونے کے آداب سے نا آشنا ہوں اس لئے ممکن ہے کہ) میں کسی وقت تجھ سے بھاگ جاؤں (تجھ سے کلی طور پر رابطہ ختم کرلوں اور تیرا سرکش ہو جاؤں) + (اس لئے اے خدا) تو اپنے اس بل کھائے ہوئے گیسو کو میری گردن میں لپیٹ دے۔ مراد ہے مجھے ہر طرح اپنی غلامی کے آداب سے آشنا کردے تاکہ میں کسی وقت اور کسی بہانے بھی تیری غلامی سے نہ نکل سکوں۔

⑥ میں تو نالہ (فریاد) کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں غزل پڑھ رہا ہوں + یہ کیا چیز ہے جو تو شبنم کی طرح میرے سینے پر گرا رہا ہے (یہ تیرا فیضان ہے جو میرے دل پر ہوتا ہے اور میں اسے شعر کے قالب میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں وہ اس راز سے بے خبر مجھے محض شاعر سمجھتے ہیں حالانکہ میں تو تیرا القا کیا ہوا پیغام ان تک پہنچا رہا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ذریعہ ابلاغ غزل یا شاعری ہے)۔

غزل ⑥

من اگرچہ تیرہ خاکم دلکے است برگ و سازم
بنظارۂ جمالے چو ستارہ دیدہ بازم

بہ ہوائے زخمہ تو ہمہ نالہ خموشم
تو بایں گماں کہ شاید ز نوا فتادہ سازم

بضمیرم آں چناں کن کہ ز شعلہ نوائے
دل خاکیاں فروزم' دل نوریاں گدازم

تب و تاب فطرت ما' ز نیازمندی ما!
تو خدائے بے نیازی' نرسی بسوز و سازم

یکے عیاں نکردم ز کسے نہاں نکردم
غزل آنچناں سرودم کہ بروں فتاد رازم

*

① میں اگرچہ تاریک مٹی ہوں (جسم خاکی ہوں) (اس مٹی کے اندر) ایک چھوٹا سا دل ہے جو میرا ساز و سامان ہے (یعنی آدمی جسم خاکی کا نام نہیں اس کی قدر و قیمت دل کی وجہ سے ہے۔ گوشت کے لوتھڑے کی شکل والا دل نہیں بلکہ وہ دل جو نور معرفت سے یا خدا کے نور سے روشن ہے۔ جب دل روشن ہو جاتا ہے تو جسم خاکی بھی روشن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی قیمت بھی پڑنے لگتی ہے کہ + (چونکہ میرا چھوٹا سا دل اے خدا تیرے نور کی وجہ سے منور ہے اس لئے) میں تیرے جمال کے نظارہ کے لئے تیری ایک جھلک دیکھنے کے لئے ستارہ کی طرح آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔

② میں تو تیری مضراب لگنے کی آرزو میں سراپا خاموش نالہ ہوں + (اور) تو اس گمان میں ہے کہ شاید میرے ساز میں نوا (نغمہ) ختم ہو گئی ہے۔ (ایسا نہیں نوا ہے تیری ضرب مضراب چاہیے)۔

③ تو میرے ضمیر کے ساتھ وہ سلوک کر (مجھ پر ایسی نگاہ کرم کر) کہ میں آواز کے شعلہ سے (اپنے کلام کے ذریعے) + خاک کے بنے ہوئے آدمیوں [illegible] کی بنی ہوئی مخلوق یعنی

فرشتوں کے دلوں کو پگھلاؤں۔ ان کو بھی سوز و گداز کی لذت سے آشنا کر دوں)۔

④ ہماری فطرت میں جو اضطراب یعنی حرارت اور چمک ہے وہ ہماری اس نیاز مندی کی وجہ سے ہے جو اے خدا ہماری تیرے ساتھ ہے + تو تو بے نیاز خدا ہے (نیاز مندی سے یکسر نا آشنا ہے) تو ہمارے سوز و ساز (ہماری جلن اور اس سے حاصل شدہ لذت) تک نہیں پہنچ سکتا۔

⑤ میں نے (اپنے ارادے سے رازوں کو) نہ کسی پر ظاہر کیا اور نہ کسی سے چھپایا + (بلکہ ہوا یہ کہ) میں نے غزل ہی اس طرح چھیڑی (شاعری اس انداز میں کی) کہ جو راز میرے اندر تھے باہر آ گئے۔ (یہ راز خالق مخلوق، بندہ و آقا اور عاشق و معشوق کے مقامات و حالات سے متعلق ہیں نہ کہ کوئی اور راز ---)۔

غزل ⑦

بصدائے دردمندے بنوائے دلپذیرے
خم زندگی کشادم بجہان تشنہ میرے

تو بروے بے نوائے در آں جہاں کشادی
کہ ہنوز آرزویش نہ دمیدہ در ضمیرے

ز نگاہ سرمہ سائے بدل و جگر رسیدی
چہ نگاہ سرمہ سائے، دو نشانہ زد بہ تیرے

بنگاہ نا رسایم چہ بہار جلوہ دادی
کہ بباغ و راغ نالم چو تذرو نو صفیرے

چہ عجب اگر دو سلطاں بہ ولایتے نہ گنجند
عجب ایں کہ می نگنجد بہ دو عالمے فقیرے!

✱

① میں نے دردمند صدا اور دل پذیر نوا (یعنی اپنی شاعری کے ذریعے) + زندگی کی شراب کا مٹکا پیاس سے مرنے والے جہان پر کھول دیا یعنی پیام دوست اور جذبہ عشق دوست ان لوگوں تک پہنچایا جو اس سے بے خبر تھے۔

② (تو نے اے خدا اپنے کرم خاص سے) ایک بے نوا کے لئے اس جہان کا دروازہ بھی کھول دیا + کہ جس کی آرزو بھی ابھی تک کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔

③ تو اپنی سرمہ لگائی ہوئی آنکھ کے ساتھ میرے دل اور میرے جگر میں اتر گیا + کیسی ہے یا کیا ہے وہ سرمہ لگائی ہوئی آنکھ جس نے ایک تیر سے دو شکار کر لئے۔

④ تو نے میری نگاہ نارسا کو یعنی اس نگاہ کو جو تیرے جلوہ تک رسائی کی صلاحیت نہ رکھتی تھی جلوؤں کی کیسی بہار سے آشنا کر دیا + کہ میں باغوں اور سبزہ زاروں میں اس چکور کی طرح جس نے ابھی ابھی بولنا سیکھا ہو فریاد کر رہا ہوں۔

⑤ یہ بات عجیب نہیں کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے + عجیب یہ ہے کہ ایک فقیر دونوں عالم میں نہیں سما سکتا۔ (صاحب فقر میں وہ وسعت ہوتی ہے کہ دونوں جہانوں کی پہنائی بھی اس کے لئے ہیچ ہے)۔

غزل ⑧

بر سر کفر و دیں فشاں رحمت عام خویش را — بند نقاب بر کشا ماہ تمام خویش را
زمزمہ کہن سرائے، گردش بادہ تیز کن — باز بہ بزم ما نگر، آتش جام خویش را
دام ز گیسواں بدوش زحمت گلستاں بری — صید چرا نمی کنی طائر بام خویش را
ریگ عراق منتظر کشت حجاز تشنہ کام — خون حسینؓ باز دہ کوفہ و شام خویش را
دوش براہبر زند، راہ یگانہ طے کند — می ندہد بدست کس عشق زمام خویش را
نالہ بہ آستان دیر بیخبرانہ می زدم — تا بحرم شناختم راہ و مقام خویش را
قافلہ بہار را طائر پیش رس نگر — آنکہ بخلوت قفس گفت پیام خویش را

*

① کفر اور دین دونوں پر اپنی رحمت عام نچھاور کر + اپنے مکمل چاند والے چہرے سے پردہ اٹھا (اس کے انوار و تجلیات کو عام کر) (اس کے نتیجے میں مومن کا ایمان مزید مضبوط اور کافر کا کفر ختم ہو جائے گا۔ جب کوئی کافر تیری جلوہ آرائی کا تماشا کرے گا تو لا محالہ تجھ پر ایمان لے آئے گا)۔

② (موجودہ دور نے چونکہ لوگوں کو خدا سے، آدمیت سے اور جذبہ عشق و محبت سے بیگانہ کر دیا ہے اس لئے شاعر خدا سے التجا کرتا ہے کہ) پرانا نغمہ پھر گا اور شراب کی گردش کو تیز کر + پھر ہماری بزم میں اپنے پیالے کی آتش (شراب) کو دیکھ یعنی پھر دیکھ کہ ہم رند کس طرح تیرا میخانہ آباد کرتے ہیں۔ (پرانے نغمہ اور شراب سے مراد اسلاف کی اقدار ہیں)۔

③ تو اپنے گیسوؤں کے جال کو کندھوں پر پھیلائے (شکار کے لئے) باغ میں جانے کی تکلیف کر رہا ہے + (باغ کے پرندوں کو شکار کرنے کی بجائے) تو اپنی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندے کو شکار کیوں نہیں کر لیتا (تیرے عشاق کب سے تیرے نظارہ کے لئے تیری چوکھٹ پر بیٹھے ہیں ان کو اپنے انوار سے نواز)۔

④ عراق کی ریت انتظار میں ہے حجاز کے کھیت پیاسے ہیں + اپنے شام اور کوفہ کے علاقوں کو پھر سے حضرت حسینؓ کا خون دے۔ (آج ہر اسلامی ملک اس انتظار میں ہیں کہ کوئی ایسا حق کی آواز بلند کرنے والا پیدا ہو جو باطل کو مٹا دے)۔

⑤ (عشق) راہبر کے برابر چلتا ہے یعنی اس کو راہبر کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنا راستہ تنہا طے کرتا ہے + عشق کسی اور کے ہاتھ میں اپنی لگام نہیں دیتا۔

⑥ میں نے بت کدہ کے دروازہ پر بے خبری کے انداز میں فریاد کی + (پھر جا کر) میں نے حرم تک اپنے راستے اور مقام کا پتہ پایا یعنی مدتوں دنیا کی غلامی کے بعد پتہ چلا کہ غلامی کے لئے اصل آقا تو کوئی اور ہے اور وہ رب کعبہ ہے رب العالمین ہے۔

⑦ اس پرندے کو دیکھ جو بہار کے قافلہ کی خوش خبری قافلہ بہار کے آنے سے پہلے دیتا ہے + (وہ پرندہ اگرچہ آزاد نہیں پنجرہ میں بند ہے) مگر اس نے پنجرے کی تنہائی سے بہار کی آمد کا پیغام دیا ہے۔ (اقبال کا اشارہ اپنی طرف ہے کہ اگرچہ میں انگریزوں کے محکوم ملک ہند میں ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آزادی کا قافلہ آنے والا ہے یا اس کا اشارہ عالم اسلام کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے آثار پیدا ہو رہے ہیں کہ

نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کو آزاد فضا نصیب ہوگی بلکہ اس میں اللہ کا دین بھی نافذ ہوگا)۔

غزل ⑨

نوائے من ازاں پر سوز و بیباک و غم انگیز است
بخاشاکم شرار افتاد و باد صبحدم تیز است

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشہ دارد
خراشد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است

مرا در دل خلید ایں نکتہ از مرد ادا دانے
ز معشوقاں نگہ کاری تر از حرف دلاویز است

بہ بالینم بیا، یکدم نشیں، کز درد مہجوری!
تہی پیمانہ بزم ترا پیمانہ لبریز است

بہ بستاں جلوہ دادم آتش داغ جدائی را
نسیمش تیز تر می سازد و شبنم غلط ریز است!

اشارتہائے پنہاں خانماں برہم زند، لیکن
مرا آں غمزہ می باید کہ بیباک است و خونریز است

نشیمن ہر دو را در آب و گل لیکن چہ راز است ایں
خرد را صحبت گل خوشتر آید، دل کم آمیز است

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمے بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

*

① میری نوا (شاعری) اس لئے سوز سے بھری ہوئی، بے خوف اور غم ابھارنے والی ہے + (کیونکہ) میرے خس و خاشاک (خشک تنکوں اور کوڑا کرکٹ) میں چنگاری گری ہوئی ہے اور صبح کی ہوا (بھی) تیز ہے (میرے اندر آتش عشق ہے ہر دم تیز سے تیز ہونے والی آتش عشق)۔ مراد میرے اندر سے غیر اللہ کی ہر گندگی صاف ہو چکی ہے۔

② عشق کوئی سامان نہیں رکھتا لیکن تیشہ یا ہتھوڑا ضرور رکھتا ہے + (جس سے کہ وہ) پہاڑ کا سینہ چیرتا ہے (اور) پرویز کے خون سے پاک بھی رہتا ہے (اس شعر میں شیریں اور فرہاد کے قصہ عشق کی طرف تلمیح ہے جس طرح فرہاد نے شیریں کے حصول کی خاطر پہاڑ سے نہر نکالنے کی شرط منظور کر لی تھی اور شرط لگانے والے بادشاہ پرویز کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے تیشہ سے پہاڑ کاٹنے میں مصروف رہا تھا اسی طرح ہر عاشق صادق کسی بھی قسم کا دنیاوی ساز و سامان نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود وہ دنیا سے الجھے بغیر اپنے جذبہ صادق کی تکمیل میں لگا رہتا ہے)۔

③ ایک ادا جاننے والے (واقف رموز و اسرار عشق) کا یہ نکتہ (رمز کی بات یا باریک بات) میرے دل میں چبھا + (کونسا نکتہ یہ نکتہ کہ) معشوقوں کی نگاہ کسی کے دل لبھانے والے بول سے زیادہ موثر یا کارگر ہے۔ (مرد کامل کی ایک نگاہ مٹی کو سونا بنا سکتی ہے۔ یہ کام تقریر و تحریر نہیں کر سکتی)۔

④ (اے محبوب) میرے سرہانے آ۔ ایک دم کے لئے بیٹھ کیونکہ تیرے ہجر کے غم کی وجہ سے + تیری محفل میں خالی پیالہ رکھنے والا یعنی تیری شراب وصال سے محروم عاشق (اپنی زندگی کا) پیمانہ لبریز رکھتا ہے مراد ہے زندگی کے آخری لمحات میں ہے)۔ یا یہ کہ اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔

⑤ میں نے اپنی جدائی کے داغ کی آگ کو باغ میں روشن کیا یا باغ میں لے گیا۔ (کہ شاید ہوائے باغ سے یہ ٹھنڈی ہو جائے) + (لیکن ہوا کیا) نرم و لطیف ہوا اسے اور تیز کر رہی ہے اور شبنم (بھی) غلط بخش رہی ہے یعنی اس کا پانی بھی بے اثر ہے۔ مراد ہے غم عشق یا غم جدائی میں کوئی ہمدرد اور دمساز نہیں ہوتا

بلکہ طعن و تشنیع کرنے والے عام ہوتے ہیں۔

⑥ (محبوب کے) پوشیدہ اشارے یا رمزو کنایہ کا انداز (اگرچہ عاشق کے) گھر کو برباد کر دیتا ہے لیکن + مجھے تو وہ غمزہ (نخرو اور ادا) چاہیے کہ جو مجھے (برباد کرنے میں) بے خوف (مصلحت نہ دیکھنے والا) اور خون بہانے والا ہو۔ یعنی میں تو محبوب کے عشق کی انتہا چاہتا ہوں۔

⑦ دونوں کا گھر پانی اور مٹی میں ہے یعنی دونوں آدم خاکی کے اندر ہیں لیکن یہ کیا راز ہے +(کہ) عقل کو مٹی کی صحبت زیادہ اچھی لگتی ہے یعنی وہ جسم خاکی اور عالم مادی میں پھنسی رہتی ہے لیکن دل اس سے بالکل نہیں گھلتا ملتا۔ (دل کو آلائش و علائق دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ دل سے مراد یہاں وہ دل ہے جس میں عشق صادق ہو یا جو دل بیدار ہو)۔

⑧ مجھے دیکھ کہ ہندوستان میں تو پھر نہیں دیکھے گا + کہ ہے تو وہ برہمنوں کی اولاد لیکن روم اور تبریز کی رمز سے آشنا ہے۔ مراد ہے روم کے مولانا جلال الدین اور تبریز کے شمش الدین (مولانا روم کے مرشد) کے معارف و حقائق کو جاننے والا ہے (برہمن ہندوؤں کا مذہبی پیشوا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کے آباؤ اجداد بھی کچھ پشتوں پہلے کشمیر کے علاقہ کے برہمن تھے)۔

غزل ⑩

دل و دیدۂ کہ دارم ہمہ لذت نظارہ
چہ گنہ اگر تراشم صنمے ز سنگ خارہ

تو بجلوہ در نقابی کہ نگاہ برنتابی
مہ من! اگر ننالم تو بگو دگر چہ چارہ

چہ شود اگر خرامی بسرائے کاروانے
کہ متاع ناروائش دلکے است پارہ پارہ

غزلے زدم کہ شاید بہ نوا قرارم آید
تپ شعلہ کم نگردد ز گسستن شرارہ

دل زندۂ کہ دادی بہ حجاب در نسازد
نگہے بدہ کہ بیند شررے بسنگ خارہ

ہمہ پارۂ دلم را ز سرور او نصیبے
غم خود چساں نہادی بدل ہزار پارہ

نکشد سفینہ کس بہ یمے بلند موجے
خطرے کہ عشق بیند بسلامت کنارہ!

بشکوہ بے نیازی ز خدائیگاں گذشتم
صفت مہ تمامے کہ گذشت بر ستارہ

*

① (اے میرے محبوب تو میری نظروں سے او جھل ہے اور) میں جو دل اور آنکھیں رکھتا ہوں وہ تیرا نظارہ پانے کی آرزو کی مکمل لذت لئے ہوئے ہیں + (تو چونکہ پنہاں ہے اور اپنے دیدار کی نعمت سے مجھے محروم رکھے ہوئے ہے) اس لئے اگر میں نے سخت پتھر سے تیرا تصوراتی بت تراش لیا ہے تو اس میں کیا گناہ ہے۔

② تو جلوہ کناں ہونے کے باوجود چھپا ہوا ہے۔ شاید اس لئے کہ تو ہمارے نظارہ کی تاب نہیں لا سکتا + اے میرے چاند (ایسی صورت میں جب کہ میں تیرا نظارہ کرنا چاہتا ہوں اور تو میری نگاہوں سے چھپا ہوا ہے) میں اگر روؤں نہ یا آہ و نالہ بلند نہ کروں تو میرے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے (جلوہ کناں محبوب حقیقی اس لئے ہے کہ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں منور ہے اور چھپا ہوا اس اعتبار سے ہے کہ اس کے باوجود

نظروں سے او جھل ہے)۔

③ (اے محبوب) کیا ہو جائے گا اگر تو اس کارواں سرا (قافلے کے ٹھہرنے کی جگہ) میں چل کر آ جائے + کہ جس کی نہ چلنے والی دولت یا کھوٹا سکہ ایک ٹکڑے ٹکڑے ہوا چھوٹا سا دل ہے (اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عاشق کے پاس ایک ٹوٹے پھوٹے دل کے سوا جس کی کوئی قدر و منزلت نہیں کرتا اور کچھ نہیں ہے اگر تو ایسے شکستہ و ریختہ اور بے سرو سامان عاشق کی طرف بھی کبھی توجہ کرے گا تو تیرا کیا بگڑ جائے گا البتہ اس کا کام بن جائے گا)۔

④ میں نے غزل چھیڑی یا کہی کہ شاید فریاد کرنے یا شعر کہنے سے مجھے چین آئے + (لیکن ایسا نہ ہو سکا) شعلے کی حرارت اس سے چنگاری کے نکل جانے پر کم نہیں ہوتی۔

⑤ تو نے جو زندہ دل مجھے عطا کیا ہے وہ پردے سے موافقت پیدا نہیں کر رہا ہے یعنی اے اے محبوب تیرا پردہ میں رہنا گوارا نہیں وہ تو تجھے صاف صاف دیکھنا چاہتا ہے + (اگر تو مکمل طور پر میری ظاہر آنکھوں کو اپنے جلوہ سے آشنا نہیں کر سکتا تو یوں کر کہ) مجھے ایسی نگاہ بخش جو سخت پتھر کے اندر چھپے ہوئے شرارہ کو دیکھ لے مراد ہے اشیائے کائنات میں تیری جلوہ گری کا تماشا کرلے۔

⑥ میرے دل کا ہر ٹکڑا (محبوب کے عشق کی شراب) کے سرور سے اپنا نصیب رکھتا ہے (یعنی مست و مسرور ہے) + (میں حیران ہوں کہ) تو نے اپنے عشق کا غم ہزارہا ٹکڑے ہوئے دل میں کس طرح رکھ دیا۔

⑦ کسی کی کشتی بلند موجوں والے سمندر میں وہ خطرہ نہیں دیکھتی + جو خطرہ کہ عشق سمندر کے کنارے کی سلامتی میں دیکھتا ہے (عشق کے لئے سکون موت اور حرکت زندگی ہے عشق کے لئے راحت مرگ اور کلفت حیات ہے۔ عشق کی زندگی سوز و ساز' درد و داغ اور تب و تاب میں ہے)۔

⑧ میں اپنی بے نیازی کی شان میں دنیاوی خداؤں سے گزر گیا (میں نے کبھی کسی دنیاوی اقتدار' دبدبہ' دولت' حرص کی پرواہ نہیں کی میں کبھی ان کا محتاج نہیں رہا) + چودھویں رات کے چاند کی طرح کہ جو ستاروں سے بے پروا گزر جاتا ہے میں سب سے بے نیاز گزر گیا۔

غزل (11)

گرچہ شاہین خرد بر سر پروازے ہست
اندریں بادیہ پنہاں قدر اندازے ہست

آنچہ از کار فرو بستہ گرہ بکشاید
ہست و در حوصلہ زمزمہ پردازے ہست

تاب گفتار اگر ہست شناسائے نیست
وائے آں بندہ کہ در سینہ او رازے ہست

گرچہ صد گونہ بصد سوز مرا سوختہ اند
اے خوشا لذت آں سوز کہ ہم سازے ہست

مردہ خاکیم و سزاوار دل زندہ شدیم!
ایں دل زندہ و ما! کار خدا سازے ہست

شعلہ سینہ من خانہ فروز است ولے
شعلہ ہست کہ ہم خانہ براندازے ہست!

تکیہ بر عقل جہاں بین فلاطوں نکنم
در کنارم دلکے شوخ و نظر بازے ہست

*

① اگرچہ عقل کا شاہین پرواز کے لئے تیار ہے + (لیکن) اس بیابان میں ایک تیر پھینکنے والا بھی چھپا

ہوا ہے، جو اسے شکار کر لیتا ہے اور وہ تیر انداز عشق ہے۔ جہاں عشق پہنچتا ہے عقل نہیں پہنچ سکتی)۔

② وہ چیز جو بند یعنی رکے ہوئے کام کی گرہ کھول سکتی ہے + (دنیا میں) موجود ہے مگر وہ زمزمہ پرداز یعنی عشق کے نغمے گانے والے عاشق کے حوصلہ میں ہے۔

③ اگر بات کرنے کی طاقت اور حوصلہ ہے تو اس کو سمجھنے (برداشت کرنے اور اس پر عمل کرنے) والا کوئی نہیں + افسوس ہے اس بندہ پر جس کے سینہ میں راز ہے (اس کے لئے راز کو چھپانا بھی مشکل ہے اور راز کا افشا کر دینا بھی مشکل ہے)۔

④ اگرچہ خالق کائنات نے مجھے سینکڑوں انداز سے سینکڑوں طرح کے سوز میں جلایا ہے + (مگر) اچھی ہے اس سوز کی لذت کہ جس میں ساز بھی ہے (یہ سوز صرف عشق کا ہے جس میں زندگی کی لذت بھی پوشیدہ ہے)۔

⑤ ہم تو مردہ مٹی ہیں یعنی بے جان مٹی کے بنے ہوئے ہیں لیکن زندہ دل کے لائق بن گئے ہیں۔ مراد ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے اندر کے گوشت کے لوتھڑے کو زندگی سے آشنا کر دیا ہے اور زندگی سے آشنا دل وہ ہوتا ہے جو آدمی کو اپنی اور اپنے خدا کی معرفت عطا کرتا ہے اور عشق آشنا ہوتا ہے + یہ زندہ دل اور ہم! یہ کام بنانے والے خدا کا کام یا اس کا کرم ہے۔

⑥ ہمارے سینہ کا شعلہ (شعلہ عشق) گھر کو روشن کرنے والا ہے (یعنی یہ ایسی نعمت ہے جس سے ہمیں حق کو پہچاننے اور خود کو جاننے کا نور ملا ہے اور اس سے ہمارے جسم خاکی کے تاریک گھر میں معرفت الٰہی اور خود معرفتی کی روشنی پیدا ہو گئی ہے) لیکن + یہ ایسا شعلہ ہے جو گھر کو برباد کرنے والا بھی ہے (اس بربادی کا تعلق دنیاوی ساز و سامان نہ ہونے اور بہت سے علائق دنیوی اور خواہشات نفسانی کے ترک کرنے سے ہے۔ یہ دنیاوی طور پر بربادی ہے لیکن عارفانہ اور فقیرانہ لحاظ سے آبادی ہے)۔

⑦ میں عقل پر (چاہے وہ افلاطون کی کیوں نہ ہو) بھروسہ نہیں کرتا + میرے پہلو میں چھوٹا سا (عشق بھرا) دل ہے جو شوخ بھی ہے اور نظرباز (ہر طرف حسن کو دیکھنے والا) بھی ہے۔ (وہ میرے لئے کافی ہے۔ جہاں عقل نہیں پہنچتی وہ [illegible] ہے)۔

غزل (12)

این جہاں چیست؟ صنم خانۂ پندار من است
جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است

ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے او را
حلقہ ہست کہ از گردش پرکار من است

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من!
چہ زمان و چہ مکاں شوخیٔ افکار من است

از فسون کاری دل' سیر و سکوں' غیب و حضور
ایں کہ غماز و کشایندۂ اسرار من است

آں جہانے کہ درو کاشتہ را مے دروند
نور و نارش ہمہ از سبحہ و زنار من است

ساز تقدیرم و صد نغمہ پنہاں دارم!
ہر کجا زخمہ اندیشہ رسد تار من است

اے من از فیض تو پایندہ! نشان تو کجاست؟
ایں دو گیتی اثر ماست' جہان تو کجاست؟

① یہ جہان کیا ہے یعنی اس کی حقیقت کیا ہے یہ میرے تصور یا احساس کا ایک بت خانہ ہے یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ میرے ہی احساسات و تصورات کا خارجی مظہر ہے + اس کا جلوہ یا ظہور میری بیدار آنکھ کا مرہون منت ہے۔ یعنی میں دیکھتا ہوں تو یہ سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں ہے (اسے نظریہ تصوریت کہتے ہیں جو نظریہ مادیت کی ضد ہے)۔

② ساری کائنات جو میری ایک نگاہ میں سما جاتی ہے + وہ ایک حلقہ یا دائرہ ہے جو میری پرکار کی وجہ سے ہے (جس طرح دائرہ کا وجود پرکار کی گردش پر ہے اسی طرح کائنات کا وجود میرے نفس مدرکہ یا ادراک پر ہے)۔

③ کائنات کا وجود یا عدم وجود میرے دیکھنے اور نہ دیکھنے سے ہے + کیا زمان اور کیا مکان میرے افکار کی شوخی کا نتیجہ ہیں یعنی میں نے اپنے افکار کے ذریعے یہ تصورات بنائے ہیں ورنہ حقیقت میں وہ نہیں ہیں۔

④ جہان کا سکون و ثبات، غیب و حضور یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہے چاہے وہ حرکت میں ہے چاہے ساکن ہے چاہے وہ ہماری نظروں کے سامنے ہے چاہے نظروں سے غیب سے دل کی فسوں کاری یا کرشمہ سازی ہے + یہ دل وہ ہے جو میرے اسرار کا کھولنے والا اور غمازی کرنے والا (اس بات کی چغلی کھانے والا ہے کہ اس میں کیا صلاحیتیں ہیں) ہے یعنی یہ دل مجھے بتاتا ہے کہ اصل حقیقت اے انسان تو خود ہے۔ خارج میں جو کچھ ہے وہ اس کا کوئی وجود نہیں جو کچھ تو ظاہر میں دیکھتا ہے یہ سب کچھ تیرے دل میں موجود ہے بشرطیکہ تیرا دل زندہ ہو اس اعتبار سے زندہ جسے صوفیا زندہ کہتے ہیں نہ کہ اس لحاظ سے زندہ جسے ہم کہتے ہیں۔

⑤ وہ جہان جس میں ہم وہ کاٹتے ہیں جو بوتے ہیں + اس کا نور یعنی جنت اور اس کی نار یعنی دوزخ اس دنیا میں میری تسبیح (ایمان و اعمال صالح) اور زنار (کفر اور اعمال بد) کا نتیجہ ہے۔ (زنار اس دھاگے کو کہتے ہیں جو ہندو برہمن اپنے گرد کفر کی نشانی کے طور باندھتے ہیں اور تسبیح مسلمانوں کے دین کی نشانی ہے۔ مراد ہے جو کچھ اس دنیا میں کریں گے آخرت میں اسی کے مطابق نتیجہ پائیں گے)۔

⑥ میں تقدیر کا ساز ہوں اور سینکڑوں چھپے ہوئے نغمے اپنے اندر رکھتا ہوں + جہاں کہیں بھی فکر کی مضراب لگتی ہے وہ (میرے ہی ساز کا) تار ہوتا ہے۔ یعنی پوری کائنات اور اس کے خارجی مظاہر میرے فکر کا کرشمہ ہیں۔

⑦ (اے خدا) میں تیرے فیضان کی وجہ سے پائندہ (ہمیشہ رہنے والا اور مرنے کے بعد بھی فنا نہ ہونے والا) ہوں (مگر) تیرا نشان کہاں ہے + یہ دونوں جہان تو میرے اثر کی وجہ سے ہیں یعنی میری فکر کے نقش و نگار ہیں (مگر) تیرا جہان کہاں ہے۔

غزل (13)

فصل بہار ایں چنیں، بانگ ہزار ایں چنیں   چہرہ کشا، غزل سرا، بادہ بیار ایں چنیں

اشک چکیدہ ام ببیں ہم بہ نگاہ خود نگر   ریز بہ نیستان من برق و شرار ایں چنیں

باد بہار را بگو، پے بخیال من برد   وادی و دشت را دہد نقش و نگار ایں چنیں

ادۂ باغ و راغ را از نفسم طراوتے
در چمن تو زیستم با گل و خار ایں چنیں

عالم آب و خاک را بر محک دلم بسائے
روشن و تار خویش را گیر عیار ایں چنیں

دل بکسے نباختہ' با دو جہاں نساختہ!
من بحضور تو رسم' روز شمار ایں چنیں

فاختہ کہن صفیر نالہ من شنید و گفت
کس نہ سرود در چمن نغمہ پار ایں چنیں

٭

① بہار کا موسم اس طرح کا (دلکش) اور بلبلوں کی آوازیں اس طرز کی (دلکش) + (تو بھی چہرے سے نقاب اٹھا' غزل گا اور اس طرح کی شراب پلا (جو اس ماحول کے موافق ہو)۔

② میرے ٹپکے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ اور اپنی نگاہ کرم سے بھی دیکھ + میرے سرکنڈوں کے جنگل یعنی بے عشق خشک زندگی میں اس طرح بجلی اور شرر پھینک (تاکہ میں تیرے عشق میں جل کر خاک ہو جاؤں)۔

③ بہار کی ہوا سے کہہ کہ میرے خیال کا پتہ پائے (میرے خیال کو معلوم کرے) + اور اس طرح وادی اور بیابان کو نقش و نگار عطا کرے یعنی جو افکار و نظریات میرے ہیں ان سے باغ دنیا کو روشناس کرے اور رونق بخشے۔

④ جو بھی باغ اور سبزہ زار میں پیدا ہوا ہے اس میں نمی یا شادابی میرے دم سے ہے + میں تیرے چمن میں پھولوں اور کانٹوں کے ساتھ اس طرح زندہ رہا ہوں یعنی میں نے ہر ایک کے ساتھ نبھا کیا ہے اور ہر ایک سے محبت کی ہے' چاہے وہ دوست تھا یا دشمن۔ اچھا تھا یا برا۔

⑤ پانی اور مٹی کے جہان کو (اس مادی جہان کو یا آدمی کے جسم خاکی کو) میرے دل کی کسوٹی پر لگا + (اور) اپنے روشن اور تاریک (اعمال و افکار) کو پرکھنے کا اس قسم کا معیار قائم کر یعنی خیر و شر' نیکی و بدی' حق و باطل وغیرہ کی پرکھ میرے دل کی کسوٹی کے مطابق کر کیونکہ جو اس کسوٹی پر ٹھیک ہو گا وہ ٹھیک اور جو غلط ہو گا وہ غلط ہو گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میرا دل مومن کا دل ہے اور خیر و شر کی پرکھ صرف مومن کا دل ہی کر سکتا ہے۔

⑥ میں نے (اے خدا تیرے سوا) کسی کو دل نہیں دیا میں نے (تجھ سے تعلق قائم رکھنے کے لئے) دونوں جہانوں سے نہیں نبھائی (خاطر میں نہیں لایا) + حساب کتاب یعنی قیامت کے دن میں تیرے حضور اس طرح پہنچوں گا۔

⑦ (باغ میں) پرانی نوا والی فاختہ نے میری فریاد سنی اور کہا + کہ کسی نے چمن میں پرانا نغمہ اس طرح نہیں گایا مراد ہے کہ جو انداز شاعری تو نے اختیار کیا ہے اور اپنی شاعری کے ذریعے (اپنے اسلاف کے حقائق و معارف (نغمہ پار) جس طرح تو نے بیان کئے ہیں اس انداز کو بڑے بڑے گزرے ہوئے بزرگوں کی روایات کو نبھانے والے مردان حق نے سراہا ہے (فاختہ کہن صفیر کے لغوی معنی تو ہیں پرانی نغمہ الاپنے والی فاختہ لیکن یہاں مراد ہے وہ مردان حق جو اسلام کی روایات سابقہ کے علم بردار ہیں)۔

غزل (14)

برون کشید ز پیچاک ہست و بود مرا — چہ عقدہ ہا کہ مقام رضا کشود مرا
تپید عشق و دریں کشت نابسامانے — ہزار دانہ فرو کرد تا درود مرا
ندانم اینکہ نگاہش چہ دید در خاکم — نفس نفس بعیار زمانہ سود مرا
جہانے از خس و خاشاک درمیاں انداخت — شرارۂ دلکے داد و آزمود مرا
پیالہ گیر ز دستم کہ رفت کار از دست — کرشمہ بازی ساقی ز من ربود مرا!

*

① مجھے موت و حیات یا ہستی و نیستی کے چکر سے باہر نکال لایا۔ (کون نکال لایا مقام رضا نکال لایا) + مقام رضا نے میرے کیسے کیسے عقدے کھول دئے (مقام رضا اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پر بندہ ہر شے کو خدا کی منشا سمجھتا ہوا اسے بہ ہنسی خوشی قبول کر لیتا ہے)۔

② عشق تڑپا اس نے اس کھیت میں جو بے سرو سامان تھا یعنی جس میں کوئی فصل نہیں تھی + ہزار دانے ڈالے پھر کہیں جا کر مجھے کاٹا (اس شعر میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق پہلے صرف خدا تھا باقی کچھ نہ تھا۔ پھر خالق نے کائنات پیدا کی اور اس میں زندگی نے جمادات' نباتات اور حیوانات کے کئی ارتقائی مراحل طے کئے تا آنکہ حیات آدم کے روپ میں ظاہر ہو گئی۔

③ میں نہیں جانتا کہ اس نے یعنی میرے خالق کی نگاہ نے میری مٹی یعنی جسم خاکی کے اندر کیا دیکھا + کہ اس نے میرے ہر ہر سانس پر مجھے زمانے کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا (کہ میں اس کے شاہکار عظیم ہونے کے قابل بھی ہوں)۔ مراد ہے ہر زمانے میں مجھے آزمائش کی کٹھالی میں ڈالا۔ غالباً یہ جاننے کے لئے ہر لمحہ میری امتحان کی آگ میں ڈال کر پرکھی گئی کہ یہ خالص سونا ہی ہے یا اس میں کوئی کمی اور کھوٹ آ گیا ہے۔ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لئے آزمائش کی بھٹی ہے۔ اسے خود کو آدمیت وانسانیت کے خالص سونے کی شکل میں قائم رکھنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنی پڑتی ہے ورنہ نفس اسے پیتل اور مٹی بنا دیتا ہے۔

④ میرے درمیان خس و خاشاک کا ایک جہان ڈال دیا گیا یعنی مجھے پیدا کر کے اس جہان میں بھیج دیا گیا جس کی قدر و قیمت میرے نزدیک گھاس پھوس کے تنکوں سے زیادہ نہیں + (مجھے بھیجا کس انداز میں گیا) مجھے ایک چھوٹے سے دل کی چنگاری دے دی اور یوں میری آزمائش کی (کہ دیکھئے اس شرارے سے یہ جہان کے خس و خاشاک کو جلاتا ہے یا خود کو جلا دیتا ہے۔ جہان کو اپنے تابع کرتا ہے یا خود جہان کے تابع ہو جاتا ہے)۔

⑤ پیالہ میرے ہاتھ سے لے لے کہ مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا + ساقی کے ناز اور نخرے نے مجھے مجھ سے اچک لیا مراد ہے محبوب حقیقی کی جلوہ آرائی نے مجھے یوں جذب کر رکھا ہے کہ مجھے کسی قسم کا ہوش ہی نہیں۔ سچ ہے جسے ساقی کی آنکھوں کی شراب مست کر دے اسے شراب کے پیالے کی کیا ضرورت ہے۔

غزل (15)

خیز و بخاک تشنہ' بادۂ زندگی فشاں — آتش خود بلند کن آتش ما فرو نشاں
میکدۂ تہی سبو' حلقہ خود فراموشاں — مدرسہ بلند بانگ بزم فسردہ آتشاں
فکر گرہ کشا' غلام' دیں بروائتے تمام — زانکہ درون سینہ ہا دل ہدفے است بے نشاں
ہر دو بمنزلے رواں' ہر دو امیر کارواں — عقل بحیلہ می برد' عشق برد کشاں کشاں
عشق ز پا در آورد خیمہ شش جہات را — دست دراز می کند تا بہ طناب کہکشاں

✱

① اٹھ اور پیاسی مٹی پر یعنی آدمی کے خاکی جسم پر زندگی کی شراب چھڑک (کیونکہ عشق کے بغیر آدمی جسمانی طور پر تو ضرور زندہ ہے لیکن آدمیت و انسانیت اور مسلمانی کے اعتبار سے مردہ ہے۔ اسے عشق کی شراب پلا کر اسے خدا زندہ کر دے) + (اس کا طریقہ کار یہ ہے) کہ تو اپنی آگ یعنی اپنے عشق کی آگ کو اس میں تیز کر۔ اور ہماری آگ کو جو نفس کی آگ ہے) ٹھنڈا کر۔

② (اس دور کے) شراب خانے کے مٹکے خالی اور اس میں موجود رندوں کے حلقے اپنی معرفت سے نا آشنا ہیں (شراب خانہ استعارہ ہے خانقاہ کا کہ جس سے مراد یہ ہے کہ آج کے صوفیا کی خانقاہیں بادہ معرفت سے خالی ہیں) + آج کا مدرسہ (علم و فن اور عقل و خرد سے آگاہ کرنے) کے بلند دعوے کرتا ہے لیکن یہ ایسے لوگوں کی انجمن ہے جن کے اندر (عشق) کی آگ بجھی ہوئی ہے۔ مراد ہے عہد حاضر نے خلوت و جلوت دونوں کو بے مقصد و بے رونق کر دیا ہے۔ اور وہ علم و عشق دونوں خود سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔

③ (عہد حاضر کے) مسلمانوں کا فلسفہ دوسروں کا غلام ہے یعنی ان کی فکر اپنی نہیں جو کچھ مغرب اور اہل مغرب کہتے ہیں وہ ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ اپنے اسلامی فکر اور اس کے تشخص کو بھلا بیٹھے ہیں (اور) ان کا دین اصلیت کھو کر محض روایت پرستی کا مذہب بن گیا ہے + اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے سینوں میں جو دل ہے وہ بے نشان ہدف ہے یعنی تیر پھینکنے کے لئے ایسا نشانہ ہے جس کا کچھ پتہ نہیں جب ہدف کا ہی علم نہیں تو تیر کہاں چلایا جائے مراد ہے ان کے سینے ایسے دلوں سے خالی ہو چکے ہیں جو کبھی عشق سے معمور تھے۔

④ (عقل اور عشق) دونوں منزل کی طرف جا رہے ہیں دونوں اپنے اپنے قافلہ کے امیر ہیں + (لیکن فرق یہ ہے کہ) عقل حیلے بہانوں اور مصلحتوں سے آگے بڑھتی ہے اور عشق آدمی کو (ہر مصلحت سے بے نیاز) کھینچتا ہوا لے جاتا ہے۔

⑤ عشق تو چھ اطراف والے خیمہ کو یعنی زمان و مکاں والے جہان کے خیمہ کو گرا دیتا ہے۔ (جہان کو تسخیر کر لیتا ہے) + وہ کہکشاں کی رسی تک اپنا ہاتھ دراز کرتا ہے (اور اسے توڑ دیتا ہے) مراد ہے صرف یہ جہان ہی نہیں بلکہ وہ جہان بھی جو اس سے ماورا ہے اس کی زد میں ہے۔ وہ عالم سفلی اور عالم علوی دونوں کو سخر کر لیتا ہے۔

غزل (16)

تو بایں گماں کہ شاید سر آستانہ دارم
بطواف خانہ کارے بخدائے خانہ دارم

شرر پریدہ رنگم، مگذر ز جلوۂ من
کہ بتاب یک دو آنے تب جاودانہ دارم

نکنم دگر نگاہے بہ رہے کہ طے نمودم
بسراغ صبح فردا روش زمانہ دارم

یم عشق کشتی من، یم عشق ساحل من
نہ غم سفینہ دارم، نہ سر کرانہ دارم

شررے فشاں ولیکن شررے کہ وا نسوزد
کہ ہنوز نو نیازم غم آشیانہ دارم

بامید ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد
ز کمند شہر یاراں رم آہوانہ دارم

تو اگر کرم نمائی بمعاشراں بہ بخشم
دو سہ جام دلفروزے ز مے شبانہ دارم

٭

① (مجھے طواف کعبہ میں مصروف دیکھ کر اے دیکھنے والے) تو یہ گمان کر رہا ہے کہ شاید میری آرزو کا مقصد آستانہ کعبہ ہے (بیت اللہ میرا مقصود ہے) + (اے گمان کرنے والے تیرا گمان غلط ہے) خدا کے گھر کے طواف میں اصل مقصد میرا خدا سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ اس کے گھر سے۔

② میں (تیری جدائی کی وجہ سے) ایک بے رنگ چنگاری ہوں تو مجھے جلوہ دکھائے بغیر نہ گزر + کیونکہ تیری ایک دو لمحوں کی حرارت دیدار سے مجھے سوز دوام حاصل ہو جائے گا۔

③ (زمانے کی روش یہ ہے کہ وہ آگے کو بڑھتا ہے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا اسی طرح) میں جو راستہ کہ طے کر چکتا ہوں مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھتا + میں تو آنے والی کل کے سراغ میں (اسے پانے کے لئے) زمانہ کی روش اختیار کئے ہوں۔ (آئندہ پر نظر رکھتا ہوں ماضی کی فکر نہیں کرتا)۔

④ عشق کا سمندر میری کشتی، عشق کا سمندر میرا ساحل (ہے) + میں نہ تو کشتی کا غم رکھتا ہوں اور نہ کنارے کی آرزو کرتا ہوں یعنی میرا سب کچھ عشق ہی ہے۔

⑤ اے محبوب مجھ پر (اپنے جلوے کی) چنگاری پھینک لیکن ایسی چنگاری جو مجھے بالکل بھسم نہ کر دے + کیونکہ ابھی میں تیرا نیا نیا نیازمند بنا ہوں یعنی عشق کے فن میں نو آموز ہوں (اور) ابھی اپنے آشیانہ کا غم رکھتا ہوں۔ (مجھے عشق میں فنا تو ضرور کر مگر میری ہمت دیکھ کر آہستہ آہستہ کیونکہ ابھی تک میں دنیا سے بالکل بے نیاز نہیں ہوا)۔

⑥ میں اس امید میں کہ ایک نہ ایک دن تو میرے شکار کو آئے گا + میں بادشاہوں کی کمند سے ہرن کی طرح کی چوکڑیاں بھرتا ہوا نکل آیا ہوں۔ مراد ہے اے میرے محبوب حقیقی میں تیرا غلام ہونے کا آرزو مند ہوں مجھے بادشاہوں اور ان کے درباروں سے کوئی سروکار نہیں۔

⑦ تو اے خدا اگر مجھ پر کرم فرمائے تو میں اپنے معاشرے کے لوگوں یا اپنے دوستوں اور ہم صحبتوں کو بھی بخش دوں دو تین پیالے دل کو روشن کرنے والی اس شراب کے جو کہ رات کی محفل سے بچی ہوئی میرے پاس ہے۔ مراد ہے میں اپنے اسلاف کی اقدار کی جو دولت بچا کر رکھی ہوئی ہے وہ میں اپنی شاعری کے ذریعے آج کے لوگوں میں یا دوستوں میں بھی تقسیم کروں تاکہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح معاشرتی زندگی بسر کر سکیں۔

غزل (17)

نظر بہ راہ نشیناں سوارہ می گذرد   مرا بگیر کہ کارم ز چارہ می گذرد
بہ دیگراں چہ سخن گسترم ز جلوۂ دوست   بیک نگاہ مثال شرارہ می گذرد
رہے بمنزلِ آں ماہ سخت دشوار است   چناں کہ عشق بدوش ستارہ می گذرد
ز پردہ بندیِ گردوں چہ جائے نومیدی است   کہ ناوک نظر ما ز خارہ می گذرد
یمے است شبنم ما، کہکشاں کنارۂ اوست   بیک شکستن موج از کنارہ می گذرد
بخلوتش چو رسیدی نظر باو مکشا   کہ آں دمے است کہ کار از نظارہ می گذرد!
من از فراق چہ نالم کہ از ہجوم سرشک   ز راہ دیدہ دلم پارہ پارہ می گذرد

٭

① میرا محبوب گھوڑے پر سوار راستہ میں بیٹھے ہوئے عشاق پر (بے پروائی کی) نظر ڈالے ہوئے گزر رہا ہے + مجھے سنبھالو کہ میرا کام میرے بس میں نہیں رہا (مجھ پر عالم مدہوشی طاری ہو رہا ہے)۔

② میں دوسروں سے دوست کے جلوے کے بارے میں کیا بات کروں + کہ ایک نگاہ میں وہ شرارے کی طرح گزر جاتا ہے مراد ہے اس کا جلوہ اس انداز اور اس کثرت سے پوری کائنات میں ہے کہ اس کا پورے طور پر احاطہ کرنا انسانی نگاہ کے لئے ناممکن ہے۔

③ اس چاند (یعنی محبوب) تک پہنچنے کا راستہ بڑا مشکل ہے + کیونکہ اس تک پہنچنے کے لئے عشق ستاروں کے کندھوں پر سے گزرتا ہے۔ مراد ہے عشق کی منزل ستاروں سے بھی کہیں آگے ہے۔

④ آسمان کی وہ پردہ بندی (جو اس نے محبوب کو چھپانے کے لئے کر رکھی ہے عاشق کے لئے) نا امیدی کا مقام نہیں (وہ اسے آسمانوں کے پردوں کے اس پار جہاں وہ عرش پر ہے' دیکھ لے گا) + کیونکہ ہماری نظر کا تیر تو سخت پتھر کے پار گزر جاتا ہے (یہ تو آسمانی پردے ہی ہیں)۔

⑤ ہماری شبنم ایک سمندر ہے اور کہکشاں اس کا کنارہ ہے + وہ لہر کی ایک شکست سے کنارے سے گزر جاتی ہے (اور سمندر میں مل کر سمندر بن جاتی ہے یا یہ کہ شبنم (قطرہ) سمندر کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی خودی کو وسعت آشنا کر دیتا ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی شبنم کے ایک قطرہ کی مانند ہے اگر وہ عشق اختیاری سے خود کو سمندر میں یعنی خدا سے ملا دے تو سمندر ہو جائے یعنی خدا کی صفات کا مظہر بن جائے۔

⑥ جب تو اس کی (محبوب کی) خلوت میں پہنچ جائے تو اس پر نگاہ نہ ڈال + کیونکہ یہ وہ لمحہ ہے کہ جب کام نظارے سے گزر جاتا ہے (یہ تو وصل کا مقام ہے یہاں کہ محبوب کے جمال کا نظارہ کرنا محال ہے)۔

⑦ میں محبوب کی جدائی پر کیا روؤں کہ آنسوؤں کے ہجوم کی وجہ سے + میرا دل آنکھوں کے راستے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گزر رہا ہے یعنی باہر آ رہا ہے (مجھے اپنے دل پر ماتم سے ہی فرصت نہیں۔ میں فراق کا رونا کیا روؤں)۔

غزل (18)

بر عقل فلک پیما ترکانہ شبیخوں بہ ۔ یک ذرۂ دردِ دل از علمِ فلاطوں بہ
دی مغبچہ با من اسرارِ محبت گفت ۔ اشکے کہ فرو خوردی از بادۂ گلگوں بہ
آں فقر کہ بے تیغے صد کشورِ دل گیرد ۔ از شوکتِ دارا بہ، از فرِ فریدوں بہ
در دیرِ مغاں آئی مضمونِ بلند آور ۔ در خانقہ صوفی افسانہ و افسوں بہ
در جوئے روانِ ما، بے منتِ طوفانے ۔ یک موج اگر خیزد آں موج ز جیحوں بہ
سیلے کہ تو آوردی در شہر نمی گنجد ۔ ایں خانہ بر اندازے در خلوتِ ہاموں بہ
اقبال غزل خواں را کافر نتواں گفتن ۔ سودا بدماغش زد از مدرسہ بیروں بہ

*

① آسمانوں تک رسائی والی عقل پر ترکانہ یعنی بہادروں کا سا شبخوں مارنا ہی بہتر ہے مراد ہے عقل کو عشق کے تابع کرنا ضروری ہے + دل کے درد یا عشق کا ایک ذرہ افلاطون جیسے فلسفی کے علم سے کہیں بہتر ہے۔

② کل شراب خانہ میں شراب پلانے والے کم سن لڑکے نے مجھے محبت کے راز بتائے + (کہنے لگا) جو آنسو کہ تو غم عشق محبوب میں پیتا ہے وہ گلاب کے رنگ کی شراب سے بہتر ہیں۔

③ وہ فقر جو بغیر تلوار کے سینکڑوں دلوں کو فتح کر لیتا ہے + وہ ایران کے بادشاہ دارا کی شوکت اور فریدوں بادشاہ کی شان سے بہتر ہے۔

④ اگر تو شراب کشید کرنے والے کے مندر میں آئے یعنی کسی مرد حق کی صحبت میں آئے تو بلند مقاصد اور حوصلے لے کر آ + البتہ آج کل کے لٹیروں اور دغا باز) صوفیوں کی خانقاہ میں آئے تو وہاں خیالی اور جنتر منتر کی باتیں ہی بہتر ہیں۔ (مرد حق کی خانقاہ میں حق پرستی اور صوفی دغا باز کی خانقاہ میں دنیا پرستی کا ماحول ہوتا ہے اس لئے دونوں طرح کے ماحول کے انداز اور تقاضے جدا جدا ہیں)۔

⑤ ہماری بہتی ہوئی ندی میں طوفان کے احسان کے بغیر + اگر ایک موج بھی اٹھے تو وہ موج دریائے جیحوں سے بہتر ہے (جیحوں وسط ایشیا کے علاقہ ترکستان کا ایک دریا ہے) مراد ہے دوسروں کے احسان سے آدمی کی خودی مر جاتی ہے۔ دوسروں کے احسان سے ندی کو سمندر بنانے سے کہیں بہتر ہے کہ اپنی ہمت سے اس میں صرف ایک موج ہی پیدا کر لے)۔

⑥ وہ سیلاب کہ تو لایا ہے شہر میں نہیں سما سکتا + یہ گھر برباد کرنے والا سیلاب صحرا کے اندر ہی رہنا بہتر ہے (اے اقبال جس عشق کا تو اپنی شاعری میں درس دے رہا ہے اس کو دنیا دار کب اپنے اندر سمو سکتے ہیں اس سے تو یہی بہتر ہے کہ یہ سیلاب تیرے دل کے صحرا کی عظیم وسعت میں ہی جذب رہے)۔

⑦ غزل کہنے والے اقبال کو کافر نہیں کہا جا سکتا (کیونکہ اس کے پیغام میں کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر کفر کا فتویٰ لگ سکے) + (پھر بھی) بہتر یہ ہے کہ وہ مدرسے سے باہر ہی رہے کیونکہ اس کے دماغ میں عشق کا سودا بھرا ہوا ہے (اور عشق کی بات مدرسہ والے یعنی اہل علم و عقل سمجھ نہ سکیں گے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی صحیح بات کو غلط سمجھتے ہوئے وہ اسے کافر کہہ دیں)۔

غزل (19)

یا مسلماں را مدہ فرماں کہ جاں بر کف بنہ　　یا دریں فرسودہ پیکر تازہ جانے آفریں
یا چناں کن یا چنیں!
یا برہمن را بفرما نو خداوندے تراش　　یا خود اندر سینہ زناریاں خلوت گزیں
یا چناں کن یا چنیں!
یا دگر آدم کہ از ابلیس باشد کمترک　　یا دگر ابلیس بہر امتحان عقل و دیں
یا چناں کن یا چنیں!
یا جہانے تازۂ یا امتحانے تازۂ　　می کنی تا چند با ما آنچہ کردی پیش ازیں
یا چناں کن یا چنیں!
فقر بخشی؟ با شکوہ خسرو پرویز بخش　　یا عطا فرما خرد با فطرت روح الامیں
یا چناں کن یا چنیں!
یا بکش در سینہ من آرزوے انقلاب　　یا دگرگوں کن نہاد ایں زمان و ایں زمیں
یا چناں کن یا چنیں!

٭

① اے خدایا تو مسلمانوں کو یہ پیغام نہ دے کہ وہ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیں یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کریں + یا پھر ان کے کمزور جسموں میں نئی جان پیدا کر دے مراد ہے جہاد کا شوق اور انقلاب کا ولولہ جو آج ان میں مفقود ہو چکا ہے پیدا کر دے۔

ترجمہ مصرعہ: یا ویسا کر یا ایسا کر۔

② یا ہندوؤں کے پیشوائے مذہبی یعنی برہمن کو یہ حکم دے کہ وہ (پرانے بتوں کو توڑ کر) ایک نیا خدا (بت) تراشے + یا خود زنار باندھنے والے ان برہمنوں کے سینے میں خلوت اختیار کر۔ مراد ہے کہ اس دور کے مسلمان اگر سرفروشی اور حق کوشی کے جذبہ سے خالی ہو چکے ہیں تو غیر مسلم بھی اپنے خداؤں سے بیزار ہو چکے ہیں یا تو ان میں بت پرستی کا خلوص پیدا کر دے یا پھر ان کے سینوں میں اتر کر ایسا نور بھر دے کہ وہ بتوں کی بجائے تیرے پرستار بن جائیں۔

ترجمہ مصرعہ: یا ویسا کر یا ایسا کر۔

③ یا کوئی اور آدم پیدا کر جو شیطان سے تو قدرے کم ہو + یا دین اور عقل کے امتحان کے لئے ایک اور شیطان پیدا کر (پرانے شیطان کی جگہ) مراد ہے کہ آج کا آدمی شیطان سے بھی گیا گزرا ہے۔ اور دین اور عقل کی باتیں بھی نئے پیمانوں سے ناپی جا رہی ہیں ایسے پیمانے جو شیطانی پیمانوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔

ترجمہ مصرعہ: یا ویسا کر یا ایسا کر۔

④ یا کوئی نیا جہان (پیدا کر) یا اس جہان کے لئے کوئی نیا امتحان لے + تو ہمارے ساتھ کب تک وہ کچھ کرتا رہے گا جو کچھ کہ تو نے اس سے پہلے کیا ہے مراد ہے ہر زمانہ میں نیکی و بدی اور آدم و ابلیس کی ایک

ہی قسم کی آویزش رہی ہے۔ اب آزمائش کے اس طریقہ کار کو بدل دے یا جہان ہی کو بدل دے۔

ترجمہ مصرعہ: یا ویسا کر یا ایسا کر۔

⑤ اگر تو نے فقر بخشا ہے تو خسرو پرویز جیسے شہنشاہ کا شکوہ بھی عطا کر + یا پھر وہ عقل عطا کر جس کی سرشت روح الامین یعنی جبرئیل فرشتہ جیسی ہو۔ یعنی جو اللہ کے ارسال کردہ پیام قرآن سے راہنمائی حاصل کرے۔

ترجمہ مصرعہ: یا ویسا کر یا ایسا کر۔

⑥ یا تو میرے سینے میں انقلاب کی آرزو ختم کر دے + یا اس زمین اور اس زمانے کی طبع (فطرت) بدل دے۔

ترجمہ مصرعہ: یا ویسا کر یا ایسا کر۔

غزل (20)

عقل ہم عشق است و از ذوق نگہ بیگانہ نیست
لیکن ایں بیچارہ را آں جرأت رندانہ نیست

گرچہ میدانم خیال منزل ایجاد من است
در سفر از پانشستن ہمت مردانہ نیست

ہر زماں یک تازہ جولاں گاہ می خواہم ازو
تا جنوں فرمائے من گوید دگر ویرانہ نیست

با چنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم
در جنوں از خود نرفتن کار ہر دیوانہ نیست

٭

① عقل بھی عشق ہی ہے اور ذوق نظر سے بیگانہ نہیں ہے + لیکن اس بیچارہ کے پاس وہ جرأت رندانہ نہیں ہے (جو عشق کو حاصل ہے)۔

② اگرچہ میں جانتا ہوں منزل کا خیال میرا ایجاد کردہ ہے + (لیکن) سفر میں تھک ہار کر بیٹھ جانا مردوں کی ہمت کے خلاف ہے۔ (تلاش منزل اور سفر منزل جاری رہنا چاہیے۔ چاہے وہ منزل ہمارے خیال ہی کی مقرر کردہ کیوں نہ ہو)۔

③ میں اس سے یعنی خدا سے ہر گھڑی ایک نئی جولانگاہ (کوشش کا میدان) چاہتا ہوں + یہاں تک کہ میرے جنوں کا عطا کرنے والا مجھے کہہ دے کہ اب کوئی ویرانہ باقی نہیں رہا۔ یعنی انتہائے جنوں کا طلب گار ہوں۔

④ ایسے جنوں یا سودا کے زور کے باوجود میں نے گریباں کا لحاظ رکھا (اسے پھٹنے نہیں دیا) جنوں کی حالت میں اپنے آپ سے باہر نہ ہونا ہر دیوانہ کا کام نہیں ہے۔

غزل (21)

سوز و گداز زندگی لذت جستجوئے تو
راہ چو مار می گزد گر نروم بسوئے تو

سینہ کشادہ جبرئیل از بر عاشقاں گذشت
تا شررے بافتد آتش آرزوئے تو

ہم بہوائے جلوۂ پارہ کنم حجاب را — ہم بنگاہ نارسا پردہ کشم بروئے تو
من بتلاش تو روم یا بتلاش خود روم — عقل و دل و نظر ہمہ گم شدگان کوئے تو
از چمن تو رستہ ام قطرۂ شبنمے بہ بخش — خاطر غنچہ وا شود کم نشود ز جوئے تو

✱

① زندگی کا سوز و گداز (حرارت اور پگھلنے کی کیفیت) تیری تلاش کی لذت کی وجہ سے ہے یا زندگی کا سوز و ساز تیری جستجو کی لذت میں ہے + اگر میں تیری طرف نہ جاؤں تو راستہ مجھے سانپ کی طرح کاٹتا ہے۔

② جبرئیل فرشتہ سینہ کھولے ہوئے عاشقوں کے پہلو سے ہوتا ہوا گزر گیا + تاکہ اس میں ایک چنگاری تیری آرزو کی آگ کی گر جائے (فرشتے آرزو سے خالی ہیں۔ آدمی آرزو سے بھرپور ہے)۔

③ میں تیرے جلوے کی خواہش میں اس پردہ کو (جو تیرے چہرہ پر ہے) ٹکڑے بھی کر رہا ہوں + اور اپنی اس نگاہ سے جو تیرے جلوہ کی تاب نہیں رکھتی تیرے چہرہ پر پردہ بھی ڈال رہا ہوں (عاشق کو خواہش دیدار محبوب حقیقی تو ہے لیکن اس کی نگاہوں میں اس کو دیکھنے کی تاب نہیں ہے)۔

④ (مجھے کچھ خبر نہیں کہ) میں تیری تلاش میں جا رہا ہوں یا اپنی تلاش میں جا رہا ہوں + کیونکہ میری عقل، میرا دل اور میری نظر (میرا سب کچھ) تیری گلی میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔

⑤ میں تیرے ہی چمن سے اگا ہوں۔ شبنم کا ایک قطرہ مجھے بھی بخش + (اس طرح) غنچہ کا دل کھل جائے گا تیری ندی (کے پانی) میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

غزل (22)

دریں محفل کہ کار او گذشت از بادہ و ساقی — ندیمے کو کہ در جامش فرو ریزم مے باقی
کسے کو زہر شیریں می خورد از جام زرینے — مے تلخ از سفال من کجا گیرد بہ تریاقی
شرار از خاک من خیزد کجا ریزم، کرا سوزم — غلط کردی کہ در جانم فگندی سوز مشتاقی
مکدر کرد مغرب چشمہ ہاے علم و عرفاں را — جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی
دل گیتی! انا المسموم، انا المسموم فریادش — خرد نالاں کہ ما عندی بتریاقی ولا راقی
چہ ملائی، چہ درویشی، چہ سلطانی، چہ دربانی — فروغ کار می جوید بسالوسی و زراقی!
بہازارے کہ چشم جیدنی شوراست وکم نوراست — نگینم خوار تر گردد چو افزاید بہ براقی

✱

① اس محفل میں کہ جس کا کام شراب اور ساقی سے گزر گیا ہے یعنی جس میں پینے پلانے والے نہیں رہے + ایسا ایک ساتھی کہاں ہے کہ میں اس کے پیالہ میں بچی ہوئی شراب انڈیل دوں مراد ہے میرے پاس وہ شراب عشق موجود ہے جو ہمارے اسلاف پیتے تھے آج اس کا طالب نظر نہیں آرہا کہیں نظر آئے تو میں اسے یہ شراب پلاؤں۔

② وہ (رند) جو سونے کے پیالے میں میٹھا زہر پیتا ہے + وہ میرے مٹی کے پیالے سے اثر زہر کو دور کرنے والی شراب کب لے گا۔ مراد ہے جو لوگ عہد حاضر کی عیش و عشرت میں مست نفس پرستی کی

زہریلی شراب پی کر اپنے اندر کے آدمی کو موت کی نیند سلا رہے ہیں وہ میرے کلام کے مٹی کے پیالے میں موجود اس شراب کو جوان کی زہریلی شراب کو ختم کر کے انہیں عشق الٰہی میں مست کر دے کب لیں گے یعنی نہیں لیں گے۔ وہ اس لئے نہیں لیں گے کہ عشق کی شراب پینے میں عیش و عشرت کے دلدادہ اور نفس کے غلام لوگ شیطانی لذت نہیں پائیں گے۔

③ میری مٹی سے تو (عشق کی) چنگاریاں اٹھتی ہیں (میں انہیں) کہاں پھینکوں (اور ان سے) کس کو جلاؤں (اس دور میں کوئی اس آگ کو اپنے اندر لینے کے لئے تیار نہیں) + اے خدا تو نے غلط کیا کہ میری جان کے اندر عشق کا سوزیا آگ ڈال دی۔

④ مغرب (کی تہذیب' تمدن اور ثقافت) نے علم اور عرفان کے چشموں کو گدلا کر دیا ہے کیا مشائی اور کیا اشراقی دونوں جہان کو پہلے سے زیادہ تاریک بنا رہے ہیں (قدیم یونانی حکیم ارسطو کے فکری پیروکاروں کو مشائی اور افلاطون کے فکری پیروکاروں کو اشراقی کہتے ہیں) مراد ہے آج کے دور کے افکار چاہے وہ کسی فلسفی کے ہوں دماغوں کو روشن مگر دلوں کو تاریک کر رہے ہیں اور دماغوں کی روشنائی بھی اوہام باطلہ کی ہے الہام ربانی کی نہیں ہے۔

⑤ (اس شعر کا مضمون عربی کے ایک شعر سے لیا گیا ہے جو یزید ابن معاویہؓ کا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ عشق کا زہر میرے اندر سرایت کر چکا ہے۔ میرے پاس نہ تو اس زہر کو دور کرنے کا علاج یعنی تریاق موجود ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اس لئے اے ساقی شراب کے پیالے کو گردش دے اور مجھے شراب پلا تا کہ یہ زہر جو مجھ میں سرایت کر گیا ہے دور ہو۔ علامہ نے اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا ہے کہ مغرب والوں نے عہد حاضر کا اور عہد حاضر کے لوگوں کا یہ حال کر دیا ہے کہ) دنیا کا دل "میں زہر آلودہ ہو گیا ہوں" میں زہر آلودہ ہو گیا ہوں کی فریاد کر رہا ہے (اور کہہ رہا ہے کہ مجھے اس زہر کے اثر سے چھٹکارا دلاؤ) + عقل رو رہی ہے کہ میرے پاس نہ تو اس زہر کو دور کرنے والا تریاق ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کر کے اس زہر کا اثر زائل کرنے والی موجود ہے۔ مراد ہے جسم دنیا اور بدن زمانہ میں مغربی علوم و فنون اور افکار و خیالات کی وجہ سے جو زہر اثر کر چکا ہے اس کا علاج اس کے پاس نہیں اس کا علاج صرف نفس اور ہوس کی پیروی چھوڑ کر دل اور عشق کی پیروی کرنے میں ہے۔ عقل انسانی کی بجائے الہام ربانی میں ہے۔

⑥ کیا ملائی کیا درویشی کیا سلطانی' کیا دربانی + (آج کے دور میں ہر شے) اپنے کاروبار کو فروغ دینے یا عروج بخشنے کے لئے سالوسی (فریب) اور زراقی (منافقت) سے کام لے رہی ہے۔

⑦ اس بازار میں جہاں پرکھنے والی کی آنکھ بیمار اور بے نور ہے + میرا نگین جب زیادہ چمک دمک دکھاتا ہے تو زیادہ خوار ہوتا ہے مراد ہے عہد حاضر کے لوگ جو میرے نگین (کلام و پیغام) کی قدر و قیمت کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کی نگاہ میں میری وہ شاعری جو زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے اور میرا وہ پیغام جو زیادہ والا و بالا ہے زیادہ بے قیمت ہے کیونکہ ان کے پاس اس کو جانچنے والی نگاہ ہی نہیں (فارسی میں کم نور سے نور کا کم ہونا نہیں بلکہ نور کا نہ ہونا مراد ہوتا ہے)۔

غزل (23)

ساقیا بر جگرم شعلہ نمناک انداز — دگر آشوب قیامت بکف خاک انداز
او بیک دانہ گندم بزمینم انداخت — تو بیک جرعہ آب آنسوے افلاک انداز
عشق را بادۂ مرد افگن و پرزور بدہ — لاے ایں بادہ بہ پیمانہ ادراک انداز
حکمت و فلسفہ کرد است گراں خیز مرا — خضر من! از سرم ایں بار گراں پاک انداز
خرد از گرمیِ صہبا بگدازے نرسید — چارۂ کارباں غمزۂ چالاک انداز
بزم در کشمکشِ بیم و امید است ہنوز — ہمہ را بے خبر از گردش افلاک انداز
می تواں ریخت در آغوش خزاں لالہ و گل — خیز و بر شاخ کہن خون رگ تاک انداز

*

① اے ساقی میرے جگر پر نم شدہ شعلہ پھینک یعنی مجھے شراب پلا + (اس طرح) پھر میری خاک کی مٹی یعنی جسم میں قیامت کا شور برپا کر (مجھے وہ شراب ایمان و عشق پلا جو کبھی اے خدا تو نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو پلائی تھی تاکہ میرے اندر ان جیسا کردار و عمل پیدا ہو جائے)۔

② اس نے یعنی باوا آدم نے مجھے ایک گندم کا دانہ کھانے کی سزا کی وجہ سے زمین پر پھینک دیا + تو مجھے پانی کا ایک گھونٹ (پلا کر) آسمانوں کے اس پار پھینک دے۔ (مجھے اپنے عشق کی شراب کا ایک گھونٹ پلا کر اپنے قرب میں لے آ)۔ بعض کے نزدیک او کی ضمیر اللہ کے لئے ہے یعنی اللہ نے آدم کو گندم کھانے کی سزا کے بدلے زمین پر پھینک دیا

③ عشق (جو اس دور میں بے حوصلہ اور بے ناموس ہو چکا ہے) کو پر سوز اور مردوں کو پچھاڑ دینے والی شراب دے (تاکہ مسلمانوں میں پھر سے تیرے وہ عشاق پیدا ہو سکیں جن کے کارنامے تاریخ عالم میں یادگار ہیں) + اس شراب عشق کی تلچھٹ ادراک (عقل) کے پیمانہ میں ڈال (تاکہ وہ بھی عشق آشنا ہو جائے) (لائے کے معنی تلچھٹ ہیں)۔

④ حکمت اور فلسفہ نے مجھے سست اور آرام طلب بنا دیا ہے + اے میرے خضر (راہبر) میرے سر سے یہ بوجھ یکسر اتار دے۔

⑤ عقل (کی صراحی) شراب کی گرمی سے نہیں پگھلی + تو اپنے اس انداز اور ادا سے جو تیرے پاس ہے اس نقصان کی تلافی کر (عقل کو اپنے عشوہ و غمزہ سے عشق آشنا کر دے یا یہ کہ مجھے عقل سے چھٹکارا دلا)۔ کیونکہ عقل کے ذریعے خدا کو پہچانا نہیں جا سکتا توفیق یزدی دستگیری کرے تو بات بنے سلوک کی بجائے جذب کا راستہ اختیار کیا جائے

⑥ (تیری) انجمن ابھی تک خوف اور امید کی کشمکش میں ہے + جملہ اہل انجمن کو آسمانوں کی گردش سے بے خبر کر دے (امید و بیم کی فضا سے نکال کر انہیں اپنے ایمان اور یقین کی دولت نصیب کر دے)۔

⑦ خزاں کی آغوش میں لالہ اور گلاب کے پھول ڈالے جا سکتے ہیں (خزاں کو بہار بنایا جا سکتا ہے) + اٹھ اور پرانی یعنی خزاں رسیدہ شاخ پر رگ تاک (انگور کی شراب سے بھرپور بیل) کا خون ڈال (نگاہ کرم کر کے مسلمانوں میں پھر سے عشق کی شراب کا نشہ پیدا کر دے اور انہیں دنیا کی بجائے پھر سے اپنی محبت میں دیوانہ کر دے۔ یوں ان کے اجڑے باغ میں بہار آ سکتی ہے)۔

غزل (24)

از آں آبے کہ در من لالہ کارد ساتگینے دہ ‌ ‌ ‌ کف خاک مرا ساقی بباد فرودینے دہ
ز میناے کہ خوردم در فرنگ اندیشہ تاریک است ‌ ‌ ‌ سفر ورزیدۂ خود را نگاہ راہ بینے دہ
چو خس از موج ہر بادے کہ می آید ز جا رفتم ‌ ‌ ‌ دل من از گمانہا در خروش آمد یقینے دہ
بجانم آرزو ہا بود و نابود شرر دارد ‌ ‌ ‌ شبم را کوکبے از آرزوے دل نشینے دہ
ہوستم خامہ دادی کہ نقش خسروی بندد ‌ ‌ ‌ رقم کش ایں چنینم کردۂ لوح جبینے دہ

*

① مجھے اس پانی (شراب والی) صراحی یا بڑا پیالہ عطا کر کہ جس کا پانی میرے (سینے کے اندر) لالے کے پھول بوئے یعنی جو میرے سینے اور دل کو عشق آشنا کردے + اے ساقی میری مٹی کی مٹھی کو (میرے جسم خاکی کو) بہار کی ہوا کے سپرد کر دے (کہ لے اڑے) یعنی میری ذات کو سراپا بہار بنا کر دوسروں کی خزاں کو بہار میں بدلنے کے قابل بنا دے۔

② اس صراحی کی شراب سے جو میں نے یورپ میں پی میرا فکر تاریک ہو گیا (یورپ والوں کے علم و فن نے مجھ سے میرے فکر کی روشنی چھین لی ہے + اپنے سفر اختیار کرنے والے اس مسافر کو راستہ دیکھنے والی نگاہ عطا کر (میں نے بھٹک کر اہل یورپ کے علوم و فنون کو اپنایا جس کی بنا پر میں مسلمان تو کیا آدمی بھی نہیں رہا۔ اے خدا مجھے جو سابقہ عمل پر پچھتا کر پھر تیری راہ پر آنا چاہتا ہے ایسی نگاہ راہ بیں عطا کر کہ میں منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکوں)۔

③ جس طرح ہر ہوا کا جھونکا تنکے کو اڑا لے جاتا ہے میں بھی (زمانہ میں چلتی ہوئی غلط نظریات و افکار کی ہواؤں میں) اڑ کر اپنی اصل اور مقام کو بھول گیا + (اب) میرا دل مختلف قسم کے گمانوں کی وجہ سے فریاد کر رہا ہے چیخ پکار کر رہا ہے اسے یقین عطا کر (تاکہ وہ مطمئن ہو جائے)۔

④ میری جان میں شرر کے یعنی (دنیاوی ساز و سامان اور راحت و عیش) کے ہونے یا نہ ہونے کی چنگاریاں موجود ہیں یعنی میں اسی فکر میں الجھا رہتا ہوں کہ میرے پاس دنیا کا یہ ساز و سامان ہے اور وہ نہیں ہے۔ میں سرتاپا دنیا کی طلب کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں + میری زندگی کی رات کو کسی دل لبھانے والی آرزو کا ستارہ عطا کر یعنی مجھے دنیا طلبی کی آرزو سے نکال کر اے خدا اپنی طلب کی آرزو سے آشنا کردے۔

⑤ تو نے اے خدا میرے ہاتھ میں قلم دیا کہ وہ شاہانہ نقش کھینچے یا بنائے + تو نے مجھے ایسا تحریر کرنے والا بنایا ہے تو اس کے لئے کسی پیشانی کی تختی بھی عطا کر (جس پر میں نقش تحریر کر سکوں) مراد ہے میری قوم میں یہ صلاحیت پیدا کردے کہ میں اپنی شعر و شاعری کے ذریعے جو پیغام اس کو دے رہا ہوں اس سے وہ اپنی تقدیر بنائے اور دنیا میں سربلند ہو جائے۔

غزل (25)

ز ہر نقشے کہ دل از دیدہ گیرد پاک می آیم ‌ ‌ ‌ گدا اندر معنیٔ پاکم تہی ادراک می آیم

گہے رسم و رہ فرزانگی ذوق جنوں بخشد
من از درس خرد منداں گریباں چاک می آیم!

گہے پیچد جہاں بر من، گہے من بر جہاں پیچم
بگرداں بادہ تا بیروں ازیں پیچاک می آیم

نہ ایں جا چشمک ساقی، نہ آنجا حرف مشتاقی
ز بزم صوفی و ملا بسے غمناک می آیم

رسد وقتے کہ خاصان ترا با من فتد کارے
کہ من صحرائیم پیش ملک بیباک می آیم

*

① میں ہر اس نقش سے پاک آیا ہوں جو دل پر آنکھوں کے ذریعے بنتا ہے + میں پاک معنوں کا گدا ہوں (اور تیرے پاس اے خدا) ہر فکر اور خیال سے خالی ہو کر آیا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ میں نے دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دل اور اپنی نگاہ کو دنیا طلبی سے پاک رکھا اور صرف پاک معنوں یعنی اے خدا تیرے پیام یا قرآن و حدیث کے پیام کا طالب رہا اور اس کے بغیر ہر قسم کے افکار و خیالات سے میں پاک رہا اور تیرے حضور اسی حالت میں چلا آیا ہوں۔

② کبھی فرزانگی (عقل اور ہوش) کی رسم و راہ (طور طریقے) جنوں کا ذوق بخشتی ہے + (مجھے دیکھئے) میں عقل مندوں کی درس گاہ سے چاک گریباں آیا ہوں۔ (بعض اوقات اہل علم و عقل کی محفلوں میں ایسی باتیں اور ایسی حرکات و سکنات ہو جاتی ہیں کہ جن سے متاثر ہو کر کوئی عقل مند عقل سے چھٹکارا حاصل کر کے عشق کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور فرزانوں سے بد ظن ہو کر جنوں کو گلے لگا لیتا ہے)۔

③ کبھی جہان مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور کبھی میں جہان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہوں (یعنی مجھ سے کسی ایک ڈگر پر ثابت قدمی نہیں ہو رہی۔ کبھی دنیا کی محبت مجھ پر غالب آجاتی ہے اور کبھی خدا کی) + (اے ساقی ایسا) شراب کا پیالہ گردش میں لا (جس کو پی کر) میں اس لپیٹ سے باہر آسکوں (اور صرف خدا کی محبت کی راہ پر ثابت قدم رہ سکوں)۔

④ نہ اس جگہ یعنی آج کے صوفیوں کے میکدے (خانقاہ) میں ساقی کی آنکھوں کے اشارے اور کنائے ہیں اور نہ اس جگہ یعنی آج کے ملاؤں کی درس گاہوں میں عشق اور ذوق و شوق کی بات ہے (خلوت اور جلوت دونوں جگہ حقیقت اور اصلیت مفقود ہے اور بناوٹ اور نمائش کے سوا کچھ نہیں) + (میں نے صوفی کی محفل بھی دیکھی ہے اور ملا کے مدرسہ میں بھی گیا ہوں) میں صوفی اور ملا دونوں کی بزم سے ان کے کردار و عمل کی وجہ سے بہت نم ناک آیا ہوں۔

⑤ وہ وقت آ رہا ہے کہ تیرے خاص بندوں کا مجھ سے واسطہ پڑے گا یعنی میں اپنے گرد تیرے خاص بندوں کا حلقہ بنا لوں گا (ایسے بندے جو صرف تیرے لئے جینا مرنا چاہیں) + کیونکہ میں تو صحرا سے تعلق رکھتا ہوں مراد ہے میں تو عاشق ہوں (اس لئے) بادشاہ کے سامنے بے خوف ہو کر آتا ہوں (میں نڈر ہو کر اپنے کلام کے ذریعے تیرے شیدائیوں کا حلقہ پیدا کر لوں گا)۔

غزل (26)

دل بے قید من با نور ایماں کافری کردہ
حرم را سجدہ آوردہ، بتاں را چاکری کردہ

متاع طاعت خود را ترازوے بر افرازد
بہ بازار قیامت با خدا سوداگری کردہ

زمین و آسماں را بر مراد خویش می خواہد — غبار راہ و با تقدیر یزداں داوری کردہ
گہے با حق در آمیزد، گہے با حق در آویزد — زمانے حیدری کردہ، زمانے خیبری کردہ
بایں بے رنگی جوہر از و نیرنگ می ریزد — کلیمے بیں کہ ہم پیغمبری ہم ساحری کردہ
نگاہش عقل دور اندیش را ذوق جنوں دادہ — ولیکن با جنون فتنہ ساماں نشتری کردہ
بخود کے می رسد ایں راہ پیمائے تن آسانے — ہزاراں سال منزل در مقام آزری کردہ

✱

① میرے بے قید دل نے (جو محبت محبوب حقیقی میں گرفتار نہیں ہے) ایمان کے نور کے ساتھ کافری کی ہے یعنی انکار ایمان کیا ہے + (تبھی تو میری حالت یہ ہے کہ) میں سجدہ تو کعبہ کو کر رہا ہوں لیکن غلامی بتوں کی کر رہا ہوں۔ (مسلمان ہوتے ہوئے اور اعمال مسلمانی کرتے ہوئے میرا دل خدا سے نہیں نفس سے جڑا ہوا ہے وہ نفس جو ہر بت کی ماں ہے۔ یہ بت پتھر کے نہیں غیر مرئی ہوتے ہیں جیسے حرص، فریب، شہوت، ظلم، فساد، رشوت وغیرہ وغیرہ کے بہت سے بت جن کی تعداد اہل نظر 360 تین سو ساٹھ بتاتے ہیں۔ ان بتوں سے چھٹکارا ہو تو توحید قائم ہو)۔

② (زاہد یا عابد) اپنی عبادت و ریاضت کو ترازو میں تولتا ہے (کہ اس کے بدلے میں اسے جنت اور اس کے لوازمات نصیب ہوں گے حالانکہ اللہ کی عبادت کسی غرض اور کسی لالچ کے بغیر ہونی چاہیے) + قیامت کے بازار میں (جہاں اعمال تولنے کے لئے ترازو لگیں گے) وہ خدا کے ساتھ تجارت کرتا ہے۔ (عبادت خدا اللہ کا حکم بھی ہے اس کا فرض بھی اسے اسی مقصد کے تحت کرنا چاہیے صلہ کی امید نہ رکھتے ہوئے نتیجہ اپنے معبود پر چھوڑ دینا چاہیے)۔

③ بندہ زمین و آسمان (کے معاملات) کو اپنی مراد اور منشا کے مطابق دیکھنا چاہتا ہے (حالانکہ زمین و آسمان کا خالق اور مالک تو اللہ ہے۔ ان پر اس کی بادشاہت ہے وہ انہیں جیسے چاہے چلائے دوسرے کی ملکیت اور ملوکیت میں اس کا کیا دخل ہے) + بندہ ایک راستہ کا غبار ہے (غبار کی طرح اڑ جانے والا فانی مٹی کا آدمی ہے اور جرأت اس کی یہ ہے کہ) وہ خدا کی تقدیر کے یا قدرت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ (خدا بندہ کا محتاج نہیں بندہ خدا کا محتاج ہے۔ بندہ کا کام آقا کی اطاعت ہے صلہ کا مختار آقا ہے)۔

④ (بندہ جو کامل طور پر حق کا بندہ نہیں ہوتا اس کی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ) کبھی وہ حق میں سما جاتا ہے یعنی حق کی حمایت کرتا ہے کبھی حق کے خلاف ہو جاتا ہے (اس میں ثابت قدمی نہیں ہوتی ثابت قدمی صرف محبوب سے عشق کی حد تک تعلق سے پیدا کرنے سے ہوتی ہے) + ایک وقت ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی طرح حیدری کر رہا ہوتا ہے (اللہ کا شیر بن کر کافروں کو للکار رہا ہوتا ہے) ایک دوسرے وقت میں وہ خیبر کے یہودیوں کی طرح حق کے خلاف ڈٹا ہوا ہوتا ہے۔

⑤ (وہ شخص جو اللہ کے راستے میں استقامت نہیں رکھتا) وہ ایک ایسے جوہر کی مانند ہے جو رنگ نہیں رکھتا لیکن اس بے رنگی کے باوجود اس میں سے رنگ اور عجائبات برآمد ہو رہے ہوتے ہیں + اس ایک کلیم کو دیکھ کہ وہ ایک ایسے کلیم (خدا سے کلام کرنے والے) کی مانند ہے جو ایک طرف تو خدا کا پیغام سناتا ہے اور دوسری طرف جادوگری میں ملوث ہے (یہ دو رنگی آج مسلمانوں کے عام اور خاص دونوں طبقوں میں نظر آتی ہے کیونکہ وہ اپنے اللہ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں)۔

⑥ اس کی نگاہ نے دور تک سوچنے والی عقل کو جنوں کا ذوق دیا + لیکن ساتھ ہی فتنے یا ہنگامے پیدا کرنے والے جنوں کو (ختم کرنے کے لئے اس کی رگوں میں) نشتر بھی چلاتا رہتا ہے (وہ عقل کو جنوں آشنا بھی کرتا ہے یعنی اس میں عشق و محبت کا ذوق بھی پیدا کرتا ہے اور اس ذوق و شوق کو ختم کرنے کی بھی مختلف تدبیریں کرتا ہے)۔

⑦ (ایسے شخص کے لئے جس کی منافقانہ اور دو رنگی چال کا اوپر کے شعروں میں ذکر ہے۔ کہا گیا ہے) ایسا آرام طلب اور سست راہ چلنے والا خود تک کیسے پہنچ سکتا ہے (اپنی حقیقت اور معرفت سے کیسے آشنا ہو سکتا ہے) + جس نے ہزاروں سال آذر' بت گر اور بت پرست کے گھر کو اپنا گھر بنا رکھا ہو (جس نے اپنی ساری زندگی غیر اللہ کی متابعت میں گزاری ہو اسے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے اور کون ہے اس کا مقام مخلوق میں اور خالق کے نزدیک کیا ہے)۔

غزل (27)

ز شاعر نالہ مستانہ در محشر چہ می خواہی — تو خود ہنگامہ' ہنگامہ دیگر چہ می خواہی
بہ بحر نغمہ کردی آشنا طبع روانم را — ز چاک سینہ ام دریا طلب' گوہر چہ می خواہی
نماز بے حضور از من نمی آید' نمی آید — دلے آوردہ ام دیگر ازیں کافر چہ می خواہی

*

① (اس شعر میں علامہ اقبال خدا سے پوچھتے ہیں کہ) محشر میں تو شاعر سے مستانہ نالہ کس لئے چاہتا ہے۔ تو تو خود ہنگامہ ہے تو اور ہنگامہ کس لئے چاہتا ہے۔ شاعر کی مراد یہ ہے کہ یہ ساری کائنات کا ہنگامہ چاہے اس جہان کا ہو اور چاہے آنے والا جہان کا ہو خالق کائنات کے تخلیقی عمل کی وجہ سے ہے۔ اور محشر میں تو ہر طرف ہنگامہ ہی ہنگامہ ہو گا اس لئے وہ داور محشر سے پوچھتا ہے آخر مجھے کیوں کہا جا رہا ہے کہ میں اپنی شاعری کے ذریعے اس ہنگامے میں اور تیزی لاؤں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو ہنگامہ شعر اپنی شاعری کے ذریعے پیدا کر سکتا ہے وہ محشر کے ہنگامے سے کہیں زیادہ ہے اسی لئے اس سے ہنگامہ یا محشر بپا کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔

② (شاعر مزید یہ کہتا ہے) کہ تو نے میری (شعر کہنے کے لئے) رواں طبیعت کو نغمہ کے سمندر سے آشنا کیا ہے + میرے سینے کے چاک سے تو دریا طلب کر تو گوہر کس لئے چاہتا ہے۔ مراد ہے کہ مجھے تو تو نے شعر و نغمہ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہی وہ تحفہ ہے جو آج میں محشر میں تیرے حضور لے کر آیا ہوں لیکن تو مجھ سے عمل کے موتی کیوں مانگ رہا ہے یہ میرے اشعار کے موتی کیا میرے اعمال سے کم ہیں۔

③ (اے خدا) مجھ سے ایسی نماز ادا نہیں ہوتی' نہیں ہوتی جس میں تیرے حضور میری حضوری نہ ہو۔ میں (تیری محبت سے بھرا ہوا) ایک دل (ضرور) رکھتا ہوں اور اسے ہی لے کر تیرے حضور آیا ہوں۔ اس کے سوا تو اس کافر سے یعنی نماز بے حضور ادا کرنے والے سے اور کیا چاہتا ہے۔

غزل (28)

نہ در اندیشہ من کارزار کفر و ایمانے　　نہ در جان غم اندوزم ہوائے باغ رضوانے
اگر کاوی درونم را خیال خویش را یابی　　پریشاں جلوۂ چوں ماہتاب اندر بیابانے!

✱

① نہ میری فکر میں (دماغ میں) ایمان اور کفر کی جنگ برپا ہے اور نہ میری غم بھری جان میں بہشت کے باغ کی آرزو ہے۔

② اگر تو میرے اندر کو کھودے یعنی میری اندرونی حالت پر نظر کرے تو وہاں تو اپنے خیال کو پائے گا یعنی تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تیرے سوا مجھے کسی اور کا خیال نہیں ہے + (اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ) جیسے کسی بیابان میں چاند کی چاندنی کا جلوہ بکھرا ہوا ہوتا ہے اسی طرح تیرا خیال میرے اندر جلوہ کناں ہے۔

غزل (29)

مرغ خوش لہجہ و شاہین شکاری از تست　　زندگی را روش نوری و ناری از تست
دل بیدار دکف خاک و تماشائے جہاں　　سیر ایں ماہ بشب گونہ عماری از تست
ہمہ افکار من از تست چہ در دل' چہ بلب　　گہر از بحر بر آری' نہ بر آری از تست
من ہماں مشت غبارم کہ بجائے نرسد　　لالہ از تست و نم ابر بہاری از تست
نقش پرداز توئی ما قلم افشانیم　　حاضر آرائی و آیندہ نگاری از تست
گلہ ہا داشتم' از دل بزبانم نرسید　　مہر و بے مہری و عیاری و یاری از تست

✱

① (اے خالق کائنات) اچھی آواز والا پرندہ یعنی بلبل ہو یا شکار کرنے والا باز ہو دونوں تیری ہی تخلیق ہیں + زندگی میں جو نور اور نار کی روشیں نظر آتی ہیں وہ بھی تیری وجہ سے ہیں۔ اس شعر میں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ جہان میں جمال و جلال اور زندگی میں نور اور نار کی جو صورتیں ہیں وہ اے خالق تیری قدرت تخلیق کی وجہ سے ہیں۔ تو ہے تو یہ سب کچھ ہے بلکہ ہر شے میں تیری ہی جلوہ گری ہے۔

② بیدار دل' مٹی کی مٹھی (یعنی جسم انسانی) اور دنیا کا تماشہ + رات کی مانند تاریک ڈولی میں سے اس چاند کی سیر تیری وجہ سے ہے۔ مراد ہے کہ آدمی کے مٹی کے تاریک جسم کے اندر ایک چاند سا روشن' بیدار دل ہے جو اس تاریک جسم کے اندر قید ہونے کے باوجود سارے جہان کی سیر کر سکتا ہے۔

③ میرے سارے افکار کیا دل میں یعنی پوشیدہ' کیا ہونٹوں پر یعنی ظاہر میں سب تیری وجہ سے ہیں۔ تو میرے (ان افکار) کے سمندر سے موتی نکالے یا نہ نکالے یہ تیری مرضی پر ہے۔ شاعر کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنے وجود اور اپنی فکر کے اعتبار سے اپنے خالق کا محتاج ہے۔ خود کچھ نہیں کر سکتا۔

④ میں تو وہی غبار کی ایک مٹھی ہوں کہ جو کسی جگہ پر نہیں پہنچتی۔ مراد ہے مجھ میں تو کوئی قدرت نہیں ہے + یہ لالے کے پھول اور یہ بہار کے بادل کی نمی یا بارش تیری وجہ سے ہے۔ مراد ہے ہر شے کا

حقیقی فاعل تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ آدمی اور اس کی کوشش تو صرف ایک سبب بنتی ہے۔

⑤ نقش کھینچنے والا یا بنانے والا تو (اصل میں) تو ہی ہے۔ ہم تو (محض) قلم چلاتے ہیں (اس قلم میں نقش نگاری کی کیفیت پیدا کرنے والا تو اصل میں اے خالق کائنات تو ہی ہے) + جو کچھ میرے سامنے ہو رہا ہے اور جو کچھ آنے والے زمانے میں ہونے والا ہے سب کا سبب تو ہی ہے۔ مراد ہے جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہو گا وہ صرف تیری وجہ سے ہو گا حقیقی فاعل تو صرف تو ہے۔

⑥ میں (جہان اور اہل جہان) کے متعلق بہت سے شکوے رکھتا تھا لیکن وہ شکوے میرے دل سے زبان تک نہ پہنچے یعنی میں نے ان کا اظہار نہیں کیا + (کیونکہ مجھے اس راز سے آگاہی ہو گئی تھی کہ) محبت اور عداوت اور مکاری اور یاری سب کچھ تیری طرف سے ہے (اس لئے گلہ کس سے اور کیسا)۔

غزل (30)

خوشتر ز ہزار پارسائی گامے بطریق آشنائی!
در سینہ من دمے بیاسائے از محنت و کلفت خدائی!
ما را ز مقام ما خبر کن مائیم کجاو تو کجائی؟
آں چشمک محرمانہ یاد آر تا کے بتغافل آزمائی
دی ماہ تمام گفت با من در ساز بداغ نارسائی
خوش گفت ولے حرام کردند در مذہب عاشقاں جدائی
پیش تو نہادہ ام دل خویش شاید کہ تو ایں گرہ کشائی!

٭

① ہزار قسم یا درجہ کی پارسائی سے + عاشقی کے راستے پر ایک قدم رکھنا زیادہ اچھا ہے۔

② (اس شعر میں علامہ نے خدا کو جو پوری کائنات کے معاملات کو نپٹانے میں شب و روز مصروف ہے اپنا محبوب گردانتے ہوئے اس خیال سے کہ میرے محبوب کو تکلیف اور محنت اٹھانی پڑ رہی ہے کہتا ہے) اے میرے محبوب خدائی کی یعنی اپنے خدا ہونے کی وجہ سے کائنات کے انتظام کو چلانے کے لئے تو جو محنت کر رہا ہے اور تکلیف اٹھا رہا ہے + اس سے بچنے کے لئے میرے سینے کے اندر ایک دم کے لئے آرام کر۔

③ ہمیں ہمارے مقام کی خبر کر
+ ہم کہاں ہیں اور تو کہاں ہے؟

④ اس راز آشنا آنکھ کے گوشہ چشم کو یاد کر (کہ جس نے شروع میں مجھ کو لوٹا تھا) + تو کب تک ہمیں اپنے تغافل سے آزماتا رہے گا یعنی مجھ پر پھر وہ نگاہ راز نہ ڈالنے سے پرہیز کرتا رہے گا جو تو نے شروع میں ڈالی تھی۔

⑤ کل (رات) مکمل چاند یعنی چودھویں کے چاند نے مجھ سے کہا + کہ نارسائی یعنی جدائی کے داغ سے موافقت پیدا کر لے (کیونکہ اسی میں تیری بھلائی ہے)۔

⑥ اس نے تو ٹھیک کہا (کہ مجھے جدائی سے موافقت کر لینی چاہئے) لیکن (میں کیا کروں قضا و قدر کے کارکنوں نے) حرام قرار دیا ہے + عاشقوں کے مذہب میں جدائی کو۔

⑦ میں نے اپنا دل تیرے سامنے رکھا ہوا ہے (اس امید پر) کہ شاید تو اس گرہ کو کھول دے۔ یعنی اس کی مشکل کو یا اس کی پریشانی کو جس کا ذکر اوپر کے شعروں میں کیا گیا ہے دور کر دے اور میرے دل کو مطمئن کر دے۔

غزل (31)

بر جہان دل من تاختنش را نگرید　　کشتن و سوختن و ساختنش را نگرید
روشن از پرتو آں ماہ دلے نیست کہ نیست　　با ہزار آئنہ پرداختنش را نگرید
آنکہ یک دست برد ملک سلیمانے چند　　با فقیراں دو جہاں باختنش را نگرید
آنکہ شبخوں بدل و دیدۂ دانایاں ریخت　　پیش ناداں سپر انداختنش را نگرید

*

① میرے دل کے جہان پر اس کی حملہ آوری کو دیکھو + اس کے مجھے مارنے، جلانے اور (مارنے جلانے کے بعد) مجھے استوار کرنے یا بنانے کے عمل کو بھی دیکھو۔ مراد ہے کہ اس کا مجھے قتل کرنا یا جلا کر خاک کرنا دراصل میری بہتری اور میری زندگی میں سوز و ساز پیدا کرنے کے لئے ہے۔

② اس چاند یعنی محبوب کے پرتو یعنی جلوہ سے کوئی دل روشن ہے یا نہیں ہے (اس سے قطع نظر) + اس کے ہزاروں آئینوں کے سامنے اپنے بناؤ سنگھار کے عمل کو دیکھو۔ اس شعر میں شاعر نے مسئلہ وحدت الوجود کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور کائنات کے ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے۔

③ وہ محبوب جو اپنے ایک اشارے یا وار سے حضرت سلیمانؑ کے ملکوں جیسے کئی ملکوں کو لوٹ لیتا ہے یا قبضے میں کر لیتا ہے + اسے فقیروں کے حضور دو جہانوں کو ہارنے یا پیش کرنے کے معاملے کو دیکھو۔ مطلب ہے کہ بڑے بڑے شکوہ، دبدبے اور جلال والے لوگ فقیروں کے آستانوں پر جھک جاتے ہیں۔

④ وہ محبوب جس نے عقل مندوں کے دل اور آنکھ پر شب خون مار کر انہیں لوٹ لیا ہے یعنی ان کی عقل و دانش اور بصیرت و بصارت کو بے اثر کر دیا ہے + اسی محبوب کو بے عقلوں یعنی عاشقوں کے سامنے سپر ڈالتے ہوئے یا اپنے آپ کو ان کے سپرد کرتے ہوئے یا اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے دیکھو۔ مراد ہے محبوب تک رسائی عقل و دانش سے نہیں، عشق کی بدولت ہوتی ہے۔

غزل (32)

مرا براہ طلب بار در گل است ہنوز　　کہ دل بقافلہ و رخت و منزل است ہنوز
کجاست برق نگاہے کہ خانماں سوزد!　　مرا معاملہ با کشت و حاصل است ہنوز
یکے سفینہ ایں خام را بطوفاں دہ　　ز ترس موج نگاہم بساحل است ہنوز

تپیدن و نرسیدن چہ عالمے دارد ... خوشا کسے کہ بدنبال محمل است ہنوز
کسے کہ از دو جہاں خویش را بروں نشناخت ... فریب خوردۂ ایں نقش باطل است ہنوز
نگاہ شوق تسلی بجلوۂ نشود ... کجا برم خلشے را کہ در دل است ہنوز
حضور یار حکایت دراز تر گردید ... چنانکہ ایں ہمہ ناگفتہ در دل است ہنوز

*

① ابھی تک طلب کی راہ میں میرا بوجھ کیچڑ میں پھنسا ہوا ہے۔ مراد ہے کہ طلب تو ہے لیکن منزل تک پہنچنے کے لئے جو ساز و سامان چاہیے وہ نہیں + کہ ابھی تک میرا دل' قافلہ' سامان سفر اور منزل (کے تصورات) ہی میں پھنسا ہوا ہے۔ مراد ہے میں مادی اسباب کی تلاش میں ہوں۔ حالانکہ راہ طلب میں مادی اسباب نہیں 'عشق کا وسیلہ کام آتا ہے۔

② (محبوب کی یا عشق کی) نگاہ کی وہ بجلی کہاں ہے جو میرے ساز و سامان یا گھر بار کو جلا دے + میرا معاملہ ابھی تک کھیتی اور اس سے حاصل ہونے والی پیداوار تک محدود ہے۔ مراد ہے کہ ابھی تک میرے اعمال میں اخلاص کی بجائے معاوضہ طلبی کا رنگ موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ محبوب اپنی نگاہ کرم سے میرے اس خیال و فکر کو جلا دے۔

③ اس ناپختہ (ملاح) کی کشتی کو ایک بار طوفان کے سپرد کر دے (کیونکہ) موج کے ڈر سے میری نگاہ ابھی تک ساحل پر جمی ہوئی ہے۔ مراد ہے کہ عشق کی راہ ڈرنے سے نہیں بے خوف و خطر ہو کر راہ کی مشکلات اور طوفانوں سے الجھنے سے طے ہوتی ہے۔

④ (عشق کے راستے میں یا طلب محبوب میں) تڑپتے رہنا اور مقصود تک نہ پہنچنا کیسا عالم رکھتا ہے یعنی عجب لذت رکھتا ہے + خوش نصیب ہے وہ شخص (جس نے ابھی تک اونٹنی پر رکھے ہوئے کجاوہ کے اندر جلوہ افروز محبوب کو نہیں دیکھا) اور وہ ابھی تک محمل کے یا اونٹنی کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ اس شعر میں علامہ نے اپنی اس فکر کو باندھا ہے کہ راہ عشق میں وصل سے شوق مر جاتا ہے اور جدائی میں زندہ رہتا ہے۔

⑤ وہ شخص کہ جس نے اپنے آپ کو دونوں جہانوں سے بالا اور ماورا نہیں سمجھا + وہ شخص اس باطل نقش یعنی مٹ جانے والے نقش جہان کا ابھی تک فریب کھائے ہوئے ہے یعنی وہ جہان کے نقش کو فانی کی بجائے دوامی سمجھے ہوئے ہے اسی لئے تو اس میں زندگی بھر گم رہتا ہے حالانکہ بحیثیت اشرف المخلوقات وہ خود اس سے پائیدار اور دوامی ہے۔

⑥ اے میری نگاہ شوق تیری تسلی (محبوب کے) ایک جلوہ سے نہیں ہوتی + میں اپنی اس خلش کو جو ابھی تک میرے دل میں ہے کہاں لے جاؤں۔ مقصود یہ ہے کہ عاشق ہر لحظہ اور ہر آن محبوب کی نئی نئی تجلیات کا مشتاق رہتا ہے اور ان نئی نئی تجلیات کے نظارے کے لئے بے تاب و بے قرار رہتا ہے شاید اس میں باری تعالیٰ کے اس پہلو کی طرف اشارہ ہو کہ وہ کائنات میں ہر وقت ہر لمحے ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور عاشق ہر اس نئی شان کی جلوہ آرائی کو دیکھنے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

⑦ دوست کے سامنے میں نے جو (اپنے عشق کی) حکایت بیان کی وہ لمبی سے لمبی ہوتی گئی + (اس کے باوجود میں نے محسوس کیا) کہ اتنا جو کچھ میں نے کہا ہے یہ ابھی تک میرے دل میں اسی طرح موجود ہے

جیسا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ مراد یہی ہے کہ اپنے ذوق و شوق، اشتیاق یا عشق کی بات کوئی عاشق بھی اپنے محبوب کے سامنے مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتا اور جو تھوڑا بہت وہ بیان کرتا ہے اس کے متعلق بھی وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے اپنا مدعا تھوڑا بہت بھی ادا نہیں کیا۔

غزل (33)

زمستاں را سر آمد روزگاراں نواہا زندہ شد در شاخساراں!
گلاں را رنگ و نم بخشد ہواہا کہ می آید ز طرف جوئباراں
چراغ لالہ اندر دشت و صحرا شود روشن تر از باد بہاراں
دلم افسردہ تر در صحبت گل گریزد ایں غزال از مرغزاراں!
دمے آسودہ با درد و غم خویش دمے نالاں چو جوئے کوہساراں
ز بیم اینکہ ذوقش کم نگردد نگویم حال دل با رازداراں!

*

① سردی کا زمانہ ختم ہو گیا (اور) درختوں کی شاخوں میں نغمے زندہ ہو گئے یعنی پرندے چہچہانے لگے۔ (کیونکہ سردی کا موسم ختم ہو کر بہار کا موسم آ گیا ہے)۔

② ہوائیں پھولوں کو رنگ اور تراوت بخش رہی ہیں + کیونکہ وہ نہروں کی طرف سے آ رہی ہیں۔

③ لالے کا چراغ یعنی چراغ کی طرح روشن سرخ گل لالہ بیابان اور صحرا میں + بہار کی ہوا سے زیادہ روشن یعنی زیادہ سرخ و شاداب ہو رہا ہے۔

④ میرا دل پھولوں کی صحبت سے اور زیادہ بجھ گیا + یہ اس ہرن کی طرح ہے جو سبزہ زاروں سے بھاگتا ہو۔ (اور بیابان پسند)۔

⑤ (میرے دل کی یہ حالت ہے کہ) کسی لمحے تو وہ اپنے درد اور غم میں اطمینان اور لذت پاتا ہے + کسی لمحے وہ پہاڑوں سے آتی ہوئی ندی کی طرح شور مچانے لگتا ہے۔

⑥ اس خوف سے کہ اس کا یعنی اپنے دل کا ذوق کم نہ ہو جائے + میں اپنے دل کے حال کو اپنے رازدار دوستوں سے بھی نہیں کہتا (کیونکہ اصول یہ ہے کہ کسی سے راز کی بات کرنے کے بعد وہ خلش جو اس بات کے نہ کرنے سے دل میں ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے اور عاشق کو تو اس خلش ہی میں لذت محسوس ہوتی ہے)۔

غزل 34

ہوائے خانہ و منزل ندارم سر راہم غریب ھر دیارم
سحر می گفت خاکستر صبا را "فسرد از باد ایں صحرا شرارم
گذر نرمک، پریشانم نگرداں ز سوز کاروانے یادگارم"

ز چشمم اشک چوں شبنم فروریخت — کہ من ہم خاکم و در رہگذارم!
بگوشم من رسید از دل سرودے — کہ جوے روزگار از چشمہ سارم
ازل تاب و تب دیرینۂ من — ابد از ذوق و شوق انتظارم
میندیش از کف خاکے میندیش — بجان تو کہ من پایاں ندارم!

*

① (میں چونکہ ایک عاشق ہوں اس لئے) مجھے نہ گھر کی آرزو ہے اور نہ منزل کی + میں تو ہر شہر میں اجنبی ہوں اور راستے میں ہوں (کبھی یہاں اور کبھی وہاں بیٹھ جاتا ہوں)۔

② علی الصبح (میری) راکھ نے نرم و لطیف چلنے والی ہوا سے کہا + کہ اس صحرا کی ہوا سے میری چنگاریاں بجھ گئیں۔

③ (اوپر کے شعر کے تسلسل میں شاعر صبا سے کہتا ہے کہ) مجھ پر سے آہستہ گزر یعنی آہستہ سے چل اور مجھے پریشان نہ کر + میں کسی (گزرے ہوئے) قافلے کی جلن کی یادگار ہوں۔

④ میری آنکھ سے شبنم کی طرح آنسو نیچے گرے۔ (جب مجھے یہ معلوم ہوا) کہ میں بھی مٹی ہوں اور راستے میں ہوں۔ یعنی میں بے ثبات اور فانی ہوں۔

⑤ میرے کان میں میرے دل کا یہ نغمہ پہنچا کہ روزگار (زمانہ) کی ندی میرے چشموں کے سلسلہ سے ہے۔ مراد ہے کہ دل انسان ہی سب کچھ ہے۔ یہ کائنات اس کے لئے یا اس سے پیدا کی گئی ہے۔

⑥ (دل مزید کہتا ہے کہ) ازل میری سابقہ تب و تاب ہے۔ اور ابد میرے انتظار کے ذوق و شوق کی بنا پر ہے مراد ہے میں ازلی اور ابدی ہوں (ازل آغاز زمانہ جس کی کوئی حد نہیں اور ابد اختتام زمانہ جس کی حد کا بھی کوئی علم نہیں۔

⑦ میری مٹی کی مٹھی سے خوف نہ کھا۔ خوف نہ کھا + تیری جان کی قسم میں کوئی حد نہیں رکھتا (دل کہتا ہے کہ مجھے محض مٹی کی مٹھی سمجھ کر مجھ سے بے گانہ نہ رہ میں تو ایک لامحدود شے ہوں)۔

غزل 35

از چشم ساقی مست شرابم — بے مے خرابم' بے مے خرابم
شوقم فزوں تر از بے حجابی — بینم نہ بینم' در پیچ و تابم
چوں رشتۂ شمع آتش بگیرد — از زخمۂ من تار ربابم!
از من بروں نیست منزلگہ من — من بے نصیبم' راہے نیابم!
تا آفتابے خیزد ز خاور — مانند انجم بستند خوابم!

*

① میں ساقی کی آنکھوں کی شراب پی کر مست ہوں + میں بغیر (ظاہری) شراب پئے خراب ہوں۔ نشہ میں چور ہوں' نشہ میں چور ہوں۔

② اس کے بے پردہ ہو کر سامنے آنے سے میرا شوق (کم ہونے کی بجائے) اور تیز ہوتا ہے۔ میں

اسے دیکھوں یا نہ دیکھوں دونوں صورتوں میں بے قرار رہتا ہوں۔

③ جس طرح شمع کا دھاگا (بتی) آگ دکھانے سے جل اٹھتا ہے اسی طرح میری مضراب سے رباب کے تار فریاد کرنے لگتے ہیں۔ یعنی میری آہ و فریاد سے میرے جذبات بھڑکنے یا تیز ہونے لگتے ہیں۔

④ میری منزل مجھ سے باہر نہیں ہے + (لیکن) میں بے نصیب ہوں کہ مجھے کوئی راستہ نہیں ملتا۔

⑤ اس وقت تک کہ مشرق سے سورج نکلے + ستاروں کی طرح مجھے بیدار رکھا ہوا ہے۔ مراد ہے کہ جس طرح ستارہ اس وقت تک روشن رہتا ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا اور طلوع آفتاب کے بعد بظاہر موجود ہونے کے بے روشن ہو جاتا ہے اسی طرح جب مجھے معرفت ذات حاصل ہو جائے گی تو میں بھی ہونے کے باوجود نہیں ہوں گا میں فنا فی اللہ ہو جاؤں گا۔

غزل 36

شب من سحر نمودی کہ بہ طلعت آفتابی — تو بطلعت آفتابی سزد ایں کہ بے حجابی

تو بدرد من رسیدی، بضمیرم آرمیدی — ز نگاہ من رمیدی بچنیں گراں رکابی

تو عیار کم عیاراں، تو قرار بے قراراں — تو دوائے دل فگاراں، مگر ایں کہ دیریابی

غم عشق و لذت او اثر دو گونہ دارد — گہے سوز و دردمندی، گہے مستی و خرابی!

ز حکایت دل من تو بگو کہ خوب دانی — دل من کجا کہ او را بکنار من نیابی!

بجلال تو کہ در دل دگر آرزو ندارم — بجز ایں دعا کہ بخشی بکبوتراں عقابی!

*

① تو نے میری رات کو صبح کر دیا ہے کیونکہ تو سورج کی مانند روشن چہرے والا ہے + تو چونکہ آفتابی چہرے والا ہے اس لئے بے حجاب (بے پردہ) جلوہ دکھانا تیرے لئے سزاوار ہے۔

② (تو نے مجھ پر کرم کیا کہ) تو نے میرے درد کو پہچانا اور میرے پر درد دل میں آکر آرام کرنے لگا + (مگر) اس قدر ثابت قدم ہونے کے باوجود تو میری نگاہ سے بھاگا ہوا یعنی دور ہے۔ (تو دل میں بسنے کے باوجود میری نگاہوں سے اوجھل ہے)۔

③ تو بے قیمتوں کی قیمت (اور) بے قراروں کا قرار (ہے) + تو زخمی دلوں کی دوا ہے مگر بات یہ ہے کہ جلدی ہاتھ نہیں آتا۔

④ عشق کا غم اور اس کی لذت دو طرح کے اثر رکھتی ہے + کبھی اس میں سوز اور دردمندی اور کبھی مستی و خرابی یعنی عشق کے سرور (کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں)

⑤ میرے دل کی حکایت تو بیان کر کیونکہ تو اچھی طرح جانتا ہے + کہ میرا دل کہاں ہے (وہ تو تیرے پاس ہے) اسے تو میرے پہلو میں یا سینہ میں نہیں پائے گا (میرا دل میرے پہلو میں ہوتا تو وہ اپنی کہانی سناتا)۔

⑥ تیری عظمت کی قسم میں دل میں کوئی اور آرزو نہیں رکھتا + سوائے اس کے کہ تو کبوتروں کو عقابی بخش دے۔ مقصود ہے کہ آج کے کمزور مسلمانوں میں طاقت پیدا کر دے۔

غزل 37

دریں میخانہ اے ساقی ندارم محرمے دیگر   کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر
دمے ایں پیکر فرسودہ را سازی کف خاکے   فشانی آب و از خاک آتش انگیزی دمے دیگر!
بیار آں دولت بیدار و آں جام جہاں بیں را   عجم را دادہ ہنگامہ بزم جمے دیگر

٭

① اے ساقی اس میخانے میں کوئی اور محرم نہیں رکھتا + کیونکہ شاید میں کسی اور جہان سے آنے والا پہلا آدمی ہوں۔ (شاعر کو گلہ ہے کہ جو کچھ وہ اپنے شعر کے ذریعے کہتا ہے کوئی اس پر کان نہیں دھرتا۔ عہد حاضر کا مسلمان اسے اجنبی خیالات کا حامل سمجھتا ہے)۔

② ایک وقت میں تو (آدمی کے) گھسے پٹے جسم کو مٹی کی مٹھی بناتا ہے یعنی اسے بے سوز اور بے معرفت محض ایک جسم خاکی کی حیثیت میں رکھتا ہے + ایک دوسرے وقت میں اسی مٹی پر پانی چھڑک کر اس مٹی سے آگ بھڑکا دیتا ہے یعنی اس میں سوز و گداز اور عشق و مستی کی کیفیات پیدا کر دیتا ہے۔

③ اس دولت بیدار (عظیم حکمت) اور جہان کو دیکھنے والے پیالے کو لا + (کیونکہ) عجم کو یعنی ان علاقوں اور لوگوں کو جو عرب نہیں ہیں تو نے جمشید شاہ ایران کی بزم پھر عطا کی ہے۔ مراد ہے تو نے مسلمانوں کو جہاں آزادی نصیب کر کے ان کے ملکوں کی حکومت بخشی ہے ان میں جہانبانی اور حکمرانی کی صلاحیت بھی پیدا کر۔

غزل 38

بجہان دردمنداں تو بگو چہ کار داری؟   تب و تاب ما شناسی؟ دل بے قرار داری؟
چہ خبر ترا ز اشکے کہ فرو چکد ز چشمے   تو بہ برگ گل ز شبنم در شاہوار داری!
چہ بگویمت ز جانے کہ نفس نفس شمارد   دم مستعار داری؟ غم روزگار داری؟

٭

① دردمندوں (عاشقوں) کے جہان سے تجھے کیا کام ہے + کیا تو ہماری تڑپ کو پہچانتا اور جانتا ہے اور کیا تو بے قرار دل رکھتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو تجھے ہمارے جہان سے کیا سروکار ہے۔

② تجھے اس آنسو کی کیا خبر ہے کہ جو کسی (غم زدہ) کی آنکھ سے گرتا ہے + تو تو پھول کی پتی پر شبنم کا شاہانہ موتی رکھتا ہے۔ (تجھے کسی کے رونے دھونے کی کیفیت کی کیا خبر ہے)۔

③ میں اپنی اس جان کے متعلق تجھ سے کیا کہوں جو اپنا ایک ایک سانس شمار کر کے گزر رہی ہے۔ یعنی جو مشکلات میں گزرتی ہے یا جو عارضی ہے اور ہر وقت موت کی آمد کے خطرے سے دوچار رہتی ہے + کیا تو عارضی دم یا زندگی رکھتا ہے (اور) کیا تو زمانے کا یا زندگی گزارنے کا غم رکھتا ہے (یقیناً نہیں رکھتا) تو ہر شے سے بے نیاز اور ازلی و ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس لئے تجھے میری زندگی کی

مشکلات اور اس کے عارضی پن کا احساس کیسے ہو سکتا ہے)۔

غزل 39

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولے
نگیرد با من ایں سودا بہا از بس گراں خواہی

سخن بے پردہ گو با ما' شد آں روز کم آمیزی
کہ می گفتند تو ما را چنیں خواہی' چناں خواہی

نگاہ بے ادب زد رخنہ ہا در چرخ مینائی
دگر عالم بنا کن گر حجابے درمیاں خواہی

چناں خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجود خود ز خون دوستاں خواہی!

مقام بندگی دیگر' مقام عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی!

مس خامے کہ دارم از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چوں رسم پیش تو از من ارمغاں خواہی!

*

① (اے میرے محبوب) اگر تیرا دیدار مجھ پر از خود رفتگی کا عالم طاری کرتا ہے یعنی مجھے خود سے بے خبر کرتا ہے تو میرے لئے تیرا پردہ میں رہنا ہی بہتر ہے (کیونکہ میں تیرے دیدار کے عوض اپنی شناخت کھونا نہیں چاہتا) + میرے لئے یہ سودا موافق نہیں تو (اپنے دیدار کے عوض) مجھ سے بہت بڑی قیمت مانگ رہا ہے (دراصل محبوب سے مراد یہاں خدا ہے)۔

② مجھ سے پردہ میں نہیں ظاہر میں بات کر کیونکہ وہ تیرے کم ملنے کا یا نہ ملنے کا زمانہ ختم ہو گیا ہے + (یعنی وہ زمانہ) جب کہا کرتے تھے کہ تو ہم کو اس طرح چاہتا ہے یا اس طرح چاہتا ہے۔

③ (انسان کی) بے ادب نگاہ نے اس نیلے آسمان میں خلل ڈال دیا ہے (اب تو انسان کی نگاہ سے آسمان کے اس پار چھپا ہوا نہیں رہ سکتا) + اگر تو اپنے اور انسان کے درمیان پردہ رکھنا چاہتا ہے تو کوئی اور جہان پیدا کر (اس جہان میں تو تیری جھلک ہر ذرہ میں دیکھی جا سکتی ہے تیرا خود کو چھپانا بے معنی ہو کر رہ گیا ہے)۔

④ تو اپنی ایسی نگاہ داری کرتا ہے (کہ دوسرے تجھے دیکھ نہ سکیں یا نہ سکیں) کہ ان بے نیازیوں کے باوجود + تو اپنے وجود کے لئے (کہ میں ہوں) اپنے دوستوں کے خون کی شہادت چاہتا ہے (کہ وہ تیرے راستہ میں جان دے کر گواہ بنیں کہ واقعی تو کہیں ہے)۔

⑤ بندگی کا مقام اور ہے (اور) عاشقی کا مقام اور ہے + تو نوری (فرشتہ) سے سجدہ چاہتا ہے اور خاکی (آدمی) سے اس سے زیادہ طلب کرتا ہے (یعنی اس سے صرف سجدہ میں سر رکھنے کی نہیں سجدہ میں سر کٹانے کی طلب رکھتا ہے)۔

⑥ میں جو کچا تانبا رکھتا ہوں اسے محبت سے سونا بناتا ہوں + کیونکہ کل (قیامت کے روز جب میں تیرے سامنے پیش ہوں گا) تو تو مجھ سے تحفہ مانگے گا (اور کچا تانبا یعنی میرا عام دل اس قابل نہیں ہو گا کہ میں اسے تیرے حضور پیش کروں میں اسے محبت سے سونا بنا کر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوں گا مراد ہے دل محبت کے بغیر مٹی اور محبت سے سونا ہے)۔

غزل 40

نور تو وا نمود سپید و سیاہ را　　دریا و کوہ و دشت و در و مہر و ماہ را

تو در ہوائے آں کہ نگہ آشنائے اوست　　من در تلاش آں کہ نیابد نگاہ را!

*

① (اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کے نور سے ہر شے کا وجود ہے لیکن دوسرا شعر جو اسی کے تسلسل میں ہے یہ مطلب اخذ کرنے سے روکتا ہے اس لئے یہاں نور سے مراد انسان کی عقل و فکر کا نور ہے۔ جس نے جہان کو پر رونق بنا رکھا ہے) اے انسان تیرے نور نے کائنات کے سفید و سیاہ یعنی ہر شے کو + (چاہے) وہ دریا ہو' جنگل ہو' آبادی ہو' سورج ہو یا چاند ہو' کھول کر سامنے رکھ دیا ہے۔ (تو نے فطرت کے پوشیدہ رازوں سے پردوں کو ہٹا دیا ہے)۔

② (اے مفکر اور اے محقق) تو اس چیز کی آرزو رکھتا ہے۔ جس کو تیری نگاہ دیکھ سکتی ہے یعنی تو زمان و مکاں کی اشیا کا طالب ہے + میں اس ہستی کی تلاش میں ہوں کہ جو نگاہ کی تاب نہیں لا سکتا (جو نگاہ کی گرفت میں نہیں آسکتا اور وہ ہے خالق زمان و مکاں اور رب اشیائے کائنات یعنی خدائے وحدہ' لا شریک لہ)۔

غزل 41

بدہ آں دل کہ مستی ہائے او از بادۂ خویش است　　بگیر آں دل کہ از خود رفتہ و بیگانہ اندیش است

بدہ آں دل بدہ آں دل کہ گیتی را فرا گیرد　　بگیر ایں دل بگیر ایں دل کہ در بند کم و بیش است

مرا اے صید گیر از ترکش تقدیر بیروں　　جگر دوزی چہ می آید ازاں تیرے کہ در کیش است

نگردد زندگانی ختم از کار جہانگیری　　جہانے در گرہ بستم جہانے دیگرے پیش است!

*

① (اے خدا) مجھے وہ دل عطا کر کہ جس کی مستی اس کی اپنی شراب سے ہو + مجھ سے وہ دل لے لے کہ جو مدہوش و بے خبر اور اپنی بجائے غیروں کی فکر کرنے والا ہو۔

② مجھے وہ دل دے وہ دل دے جو کائنات کو اپنی مٹھی میں لے لے یا مسخر کر لے + مجھ سے وہ دل لے لے وہ دل لے لے جو کم و بیش کی قید میں ہے یعنی جو کم یا زیادہ یا نفع اور نقصان کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔

③ اے شکاری تو مجھے تقدیر کے ترکش سے باہر نکال + وہ تیر جگر کو کیسے زخمی کر سکتا ہے یا جگر میں کیسے پیوست ہو سکتا ہے جو تیر دان میں ہی ہو مراد ہے مجھے تقدیر کے چکر سے نکال کر اے خدا اپنی مشیت کی آغوش میں لے۔

④ جہان پر قبضہ کرنے یا اس کو مسخر کرنے کے عمل سے زندگی تھکتی نہیں + میں جب ایک جہان کو قابو میں کر لیتا ہوں تو (میری یلغار کے لئے) دوسرا جہان میرے سامنے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تقدیر

کے چکر سے نکل کر مسلسل جدوجہد کرنے اور پیہم عمل سے کائنات کی ایک کے بعد دوسری شے کو تسخیر کرتے رہنا چاہیے۔

غزل 42

کف خاک برگ و سازم بر ہے فشانم او را
بامید ایں کہ روزے بفلک رسانم او را

چہ کنم چہ چارہ گیرم کہ ز شاخ علم و دانش
نہ دمیدہ ہیچ خارے کہ بدل نشانم او را

دہد آتش جدائی شرر مرا نمودے
بہ ہماں نفس بمیرم کہ فرو نشانم او را

ے عشق و مستئی او نرود بروں ز خونم
کہ دل آں چناں ندادم کہ دگر ستانم او را

تو بلوح سادۂ من ہمہ مدعا نوشتی
دگر آں چناں ادب کن کہ غلط نخوانم او را

بحضور تو اگر کس غزلے ز من سراید
چہ شود اگر نوازی بہ ہمیں کہ 'دانم او را'

✱

① میرا ساز و سامان تو مٹی کی ایک مٹھی ہے (اور) اسے میں راہ میں بکھیر رہا ہوں + اس امید میں کہ ایک دن میں اسے آسمان پر پہنچادوں گا (میں تو محض ایک خاکی بشر ہوں لیکن اے محبوب تیری راہ میں فنا ہو کر میں زندگی کا اعلیٰ مقصد حاصل کر لوں گا)۔

② میں کیا کروں کیا چارہ کروں کہ علم و دانش کی شاخ سے تو + کوئی کانٹا بھی ایسا نہیں نکلا جسے میں اپنے دل میں بٹھالوں یا چبھولوں۔ (فلسفہ اور حکمت سے مجھ میں محبت پیدا نہیں ہو سکی اور میرا دل ان کی بدولت دل نہیں بن سکا)۔

③ جدائی کی آگ میری چنگاری میں نمود (چمک کا اظہار) پیدا کرتی ہے + میں اسی سانس سے مرجاتا ہوں جس کو میں اندر لے جاتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ زندگی کی اصل عشق ہے اور عشق کی اصل جدائی ہے۔ وصل سے عشق مرجاتا ہے اور عشق کے مرنے سے زندگی' زندگی نہیں رہتی۔

④ اس کے عشق اور مستی کی شراب میرے خون سے باہر نہیں نکلتی یا جاتی + کیونکہ میں نے اسے دل اس طرح نہیں دیا تھا کہ اسے واپس لوں۔

⑤ تو نے میری سادہ (بے تحریر) تختی پر سارا مدعا لکھ دیا یعنی مجھے زندگی عطا کر کے اسے بسر کرنے کا طور طریقہ بھی سکھا دیا + اب اس کا ایسا لحاظ کر کہ میں اسے غلط نہ پڑھوں یعنی جیسا کہ تو نے مجھے زندگی گزارنے کے لئے کہا ہے اسی طرح گزاروں۔

⑥ تیرے حضور اگر کوئی میری غزل گائے + تو کیا ہو جائے گا اگر تو یہ الفاظ کہہ کر نواز دے گا کہ میں اسے جانتا ہوں۔

غزل 43

ایں دل کہ مرا داوی لبریز یقیں بادا
ایں جام جہاں بینم روشن تر ازیں بادا

تلخیے کہ فرو ریزد گردوں بسفال من ‌ ‌ ‌ در کام کہن رندے آنہم شکریں بادا

*

① (اے خدا) یہ دل جو تو نے مجھے عطا کیا ہے یقین سے بھرا رہے + میرا یہ جہان کو دیکھنے والا جام اس سے بھی زیادہ روشن رہے۔

② میری مٹی (کے پیالے) میں آسمان جو تلخ شراب یا تلچھٹ ڈال رہا ہے + (اس) پرانے رند کے حلق میں وہی شکر بن جائے۔ مراد ہے زندگی میں جو ناموافق اور ناپسند حالات مجھے پیش آئیں میں انہیں تیری رضا سمجھتے ہوئے برداشت کرتا رہوں۔

غزل 44

رمز عشق تو بہ ارباب ہوس نتواں گفت ‌ ‌ ‌ سخن از تاب و تب شعلہ بہ خس نتواں گفت
تو مرا ذوق بیاں دادی و گفتی کہ بگوے ‌ ‌ ‌ ہست در سینہ من آنچہ بکس نتواں گفت!
از نہاں خانہ دل خوش غزلے می خیزد ‌ ‌ ‌ سر شاخے ہمہ گویم' بہ قفس نتواں گفت
شوق اگر زندۂ جاوید نباشد عجب است ‌ ‌ ‌ کہ حدیث تو دریں یک دو نفس نتواں گفت

*

① تیرے عشق کی رمز ہوس کے پروردگاروں (اہل ہوس) سے نہیں کہی جا سکتی + شعلہ کی تڑپ اور جلن یا چمک کی بات خس (سوکھی گھاس) سے نہیں کہی جا سکتی مراد ہے جس طرح ایک تنکا اس وقت تک آگ کی کیفیت سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک وہ آگ میں نہ جلے اسی طرح ہوس والا عشق سے اس وقت آشنا نہیں ہو سکتا جب تک وہ عشق کی آگ میں نہ جلے خس کو آگ کا اور بوالہوس کو عشق کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔

② تو نے مجھے بیان کرنے کا ذوق عطا کیا ہے (اور ساتھ ہی) یہ بھی کہا ہے کہ اپنی قوت بیان سے (جو کچھ تیرے جی میں ہے دوسروں سے) کہہ + (لیکن) میرے سینے میں تو وہ کچھ ہے جو کسی سے نہیں کہا جا سکتا۔ (جب تک اس کو سننے کے اہل نہ ہوں میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ نا اہلوں کی جھولی میں موتی ڈالنا موتیوں کو بے قیمت و بے قدر کرنا ہے دل کی بات دل والوں سے ہی کہنی چاہیے اور اس دور میں دل والے نایاب ہیں)۔

③ میرے دل کی گہرائی یا پوشیدہ اسرار رکھنے والے دل سے ایک پیاری یا اچھی غزل پیدا ہو رہی ہے + مجھے کوئی شاخ میسر آئے تو اس پر بیٹھ کر کہوں پنجرے کے اندر یعنی دور غلامی میں وہ نہیں کہی جا سکتی مراد ہے آزاد اہل چمن میسر آئیں تو ان سے کہوں۔ میرے ہم نفس اور ہم راز جہاں نہ ہوں وہاں میں اس غزل کو کیوں گاؤں کیونکہ ان میں تو اس کے مضامین و اسالیب کے سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں ہو گی ان کو سنا کر میں اسے بے آبرو کیوں کروں۔

④ اگر شوق ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے تو یہ تعجب کی بات ہے + کیونکہ تیری حکایت ان ایک دو سانسوں (یعنی عارضی زندگی) میں نہیں کہی جا سکتی۔

غزل 45

یاد ایامے کہ خوردم بادہ ہا باچنگ و نے
جام مے در دست من مینائے مے در دست وے

در کنار آئی خزان ما زند رنگ بہار
ور نیائی فرودیں افسردہ تر گردد زدے!

بے تو جان من چو آں سازے کہ تارش در گسست
در حضور از سینہ من نغمہ خیزد پے بہ پے

آنچہ من در بزم شوق آوردہ ام دانی کہ چیست
یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خمخانہ مے!

زندہ کن باز آں محبت را کہ از نیروئے او
بوریائے رہ نشینے درفتد با تخت کے!

دوستاں خرم کہ بر منزل رسید آوارۂ
من پریشاں جادہ ہائے علم و دانش کردہ طے!

✱

① مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں رباب اور بنسری کے ساتھ (رنگ رنگ کی) شرابیں پیا کرتا تھا (جب) شراب کا پیالہ میرے ہاتھ میں ہوتا تھا اور شراب کی صراحی اس کے (ساقی کے یا محبوب کے) ہاتھوں میں ہوتی تھی۔

② اگر تو میرے پہلو میں آجاتا ہے تو میری خزاں بہار کا رنگ اختیار کر لیتی ہے + اور اگر تو نہیں آتا تو فرودیں (بہار) دے (خزاں) سے زیادہ افسردہ ہو جاتی ہے۔

③ تیرے بغیر میری جان اس ساز کی طرح ہے جس کے تار ٹوٹ گئے ہوں + تیرے حضور میرے سینے سے مسلسل نغمے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

④ جو کچھ میں بزم شوق میں لے کر آیا ہوں کیا تو جانتا ہے وہ کیا ہے + وہ ایک پھولوں کا چمن' ایک نالوں کے سرکنڈوں کا جنگل' (اور) ایک شراب سے بھرا ہوا خمخانہ ہے۔ مراد ہے میں عشق و محبت کے جملہ لوازمات لے کر تیرے حضور آیا ہوں)۔

⑤ پھر سے وہ محبت زندہ کر کہ اس کی قوت سے + ایک راہ نشین (فقیر) کا بوریا (ایران کے بادشاہ) کیخسرو کے تخت سے ٹکر لے لے۔

⑥ اے دوستو خوش ہو جاؤ یا دوست خوش ہیں کہ ایک آوارہ منزل پر پہنچ گیا ہے + میں (آخر) علم اور حکمت کے پریشاں راستے طے کر کے----- لیکن میں خوش نہیں ہوں کیونکہ علم اور حکمت منزل تک نہیں پہنچاتے

غزل 46

انجم بگریباں ریخت ایں دیدۂ تر ما را
بیروں ز سپہر انداخت ایں ذوق نظر ما را

ہر چند زمیں سائیم برتر ز ثریائیم
دانی کہ نمی زیبد عمرے چو شرر ما را

شام و سحر عالم از گردش ما خیزد
دانی کہ نمی سازد ایں شام و سحر ما را

ایں شیشہ گردوں را از بادہ تہی کردیم
کم کاسہ مشو ساقی! مینائے دگر ما را!

شایان جنون ما پہنائے دو گیتی نیست — ایں راہگذر ما را آں راہگذر ما را!

*

① میری اس بھیگی ہوئی (روتی ہوئی) آنکھ نے میرے دامن میں ستارے گرا دیئے ہیں (یعنی عشق کی کیفیت میں جو آنسو نکلتے ہیں وہ ستاروں کے موتیوں سے بھی قیمتی ہوتے ہیں) + (اس طرح مجھ میں جو ذوق نظر پیدا ہوا اس نے مجھے آسمانوں سے اس پار پھینک دیا (زمان ومکاں سے آزاد کردیا)۔

② ہم ہرچند کہ زمین پر چلنے والے ہیں لیکن (حقیقت ی) ثریا ستارے بھی بلند (مرتبہ والے) ہیں + تو جانتا ہے کہ ہمیں چنگاری کی طرح کی (لمحاتی یا عارضی) زندگی زیب نہیں دیتی (یعنی ہم آنی وفانی نہیں جاودانی ہیں)۔

③ جہان کی شام اور صبح ہماری گردش سے پیدا ہوتی ہے (نہ کہ سورج کی گردش سے) + تو جانتا ہے کہ یہ (سورج کی پیدا کردہ) شام اور صبح ہمارے موافق نہیں ہے۔ (کائنات کا وجود انسان کے وجود کا مرہون منت ہے)۔

④ اس آسمان کے پیالے میں جتنی شراب تھی ہم نے تو وہ پی کر اسے خالی کردیا ہے + اے ساقی کم کاسہ (کم پیالے یا شراب) رکھنے والا نہ بن (اگر ایک کاسہ خالی ہم نے پی کر خالی کردیا ہے تو) ایک اور صراحی لے کر آ (عارف الٰہی اور عاشق صادق کبھی سیر نہیں ہوتا وہ بلند سے بلند تر احوال ومقامات کا طالب رہتا ہے)۔

⑤ دونوں جہانوں کی وسعتیں میرے جنوں کے لائق نہیں ہیں + یہ (جہان) بھی ہمارے لئے ایک راہ گزر ہے اور وہ (جہان) بھی ہمارے لئے ایک راہ گزر ہے (انسان میں خالق نے وہ صلاحیتیں اور طاقتیں رکھی ہیں کہ وہ دونوں جہانوں سے اعلیٰ اور بالا ہے۔ اور ان کا وجود اس کے ہونے سے ہے۔ یہ جہان تو اس کی راہ گذر ہے ہی لیکن وہ آنے والے جہان کو بھی صرف راہ گذر سمجھتا ہے اور اپنی منزل اس سے بھی کہیں آگے دیکھتا ہے)۔

غزل 47

خاور کہ آسماں بہ کمند خیال اوست — از خویشتن گسستہ و بے سوز آرزوست
در تیرہ خاک او تب و تاب حیات نیست — جولان موج را نگراں از کنار جوست
بت خانہ و حرم ہمہ افسردہ آتشے — پیر مغاں شراب ہوا خوردہ در سبوست!
فکر فرنگ پیش مجاز آورد سجود — بینائے کور و مست تماشائے رنگ و بوست!
گردندہ تر ز چرخ و ربایندہ تر ز مرگ — از دست او بدامن ما چاک بے رفوست!
خاکی نہاد و خو ز سپہر کہن گرفت — عیار و بے مدار و کلاں کار و توبتوست!
مشرق خراب و مغرب ازاں بیشتر خراب — عالم تمام مردہ و بے ذوق جستجوست!
ساقی بیار بادہ و بزم شبانہ ساز — ما را خراب یک نگہ محرمانہ ساز!

*

① مشرق یا اہل مشرق کہ جن کے خیال کی کمند میں آسماں ہے (جو محض خیالی پلاؤ پکاتے ہیں) + خود سے نا آشنا اور آرزو کے سوز سے خالی ہیں (غیروں کے محتاج ہیں)۔

② اس کی سیاہ یا تاریک مٹی میں زندگی کی تڑپ اور حرارت نہیں ہے + وہ ندی کے کنارے سے اس کی موج کی اچھال کو دیکھ رہا ہے (یعنی وہ سست اور آرام طلب ہے)۔

③ بت خانہ ہو یا کعبہ سب میں آگ ٹھنڈی ہے (مذہب اور دین سے لگاؤ نہ ہونے کے سبب مسلمان اور کافر حقیقت کو چھوڑ کر اوہام و الحاد کا شکار ہیں) + پیر مغاں کے سبو میں جو شراب ہے وہ ایسی ہے جو کھلی ہوا میں پڑی رہنے کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے (مذہب و دین کے سربراہوں کی تعلیمات بھی بے اثر ہیں)۔

④ (مشرق کا حال بیان کرنے کے بعد شاعر مغرب کی حالت بیان کرتا ہے) یورپ والوں کی فکر مجاز (حکمت، دانش، علم وغیرہ) کے سامنے سربسجود ہے (وہ حقیقت سے بے خبر ہے) + وہ بینا (دیکھنے والے) تو ہیں لیکن (پھر بھی) اندھے ہیں (کیونکہ وہ حق کو نہیں دیکھ سکتے اور سراسر باطل میں گم اور مادہ پرستی کا شکار ہیں) ان کی نگاہیں رنگ و بو کی (دنیا کی ظاہری رونق اور خوبصورتی کی) تماشائی ہیں۔

⑤ وہ آسمان سے زیادہ تیز گردش کرنے والے اور موت سے بڑھ کر لوٹنے والے ہیں + ان کے ہاتھوں سے ہمارے گریبان میں ایسے چاک پڑ گئے ہیں جن کو سیا نہیں جا سکتا۔ مراد ہے آسمان اپنی گردش سے لوگوں کو اتنا اور اتنی تیزی سے تباہ نہیں کر سکتا اور موت لوگوں کو اس انداز سے زندگی سے محروم نہیں کر سکتی جس طرح اقوام یورپ نے مشرقی اقوام کو کیا ہے وہ ان کے شکنجے سے نکلنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتیں۔

⑥ اہل یورپ ہیں تو خاکی (ہماری طرح مٹی ہی کے بنے ہوئے بشر ہیں لیکن) انہوں نے اپنی عادتیں پرانے آسمان سے لی ہیں + وہ مکار، بے اصول، چالاک و ہوشیار اور منافق ہیں۔ (جس طرح آسمان صدیوں سے اپنی گردش کے سبب تباہی پھیلا رہا ہے یہ یورپی اقوام بھی ایسا ہی کر رہی ہیں)۔

⑦ مشرق خراب ہے اور مغرب اس سے بھی زیادہ خراب ہے + سارا جہاں مردہ اور جستجو کے ذوق سے خالی ہے (جستجو سے مراد یہاں حقیقت کی جستجو ہے نہ کہ دنیاوی جستجو)۔

⑧ اے ساقی شراب لا اور رات کی محفل سجا + ہمیں ایک محرمانہ نگاہ سے خراب کر (اصلاح احوال کی صورت اب یہی ہے کہ خدا لوگوں کے دلوں میں پھر سے اپنی محبت پیدا کر دے اور وہ اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ ہو کر بے مقصد اور حیوانی زندگی کو ختم کر دیں اور انسانی زندگی اختیار کر لیں)۔

غزل 48

فرصت کشمکش مده این دل بے قرار را ‎ ‎ یک دو شکن زیاده کن گیسوے تابدار را
از تو درون سینه ام برق تجلی که من ‎ ‎ با مه و مهر داده ام تلخی انتظار را
ذوق حضور در جهاں رسم صنم گری نهاد ‎ ‎ عشق فریب می دهد جان امیدوار را
تا بفراغ خاطرے نغمهٔ تازهٔ زنم ‎ ‎ باز به مرغزار ده طائر مرغزار را

طبع بلند دادهٔ بند ز پائے من کشائے — تا بہ پلاس تو دہم خلعت شہریار را
تیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقام گفتگو است — عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را!

*

① (اے میرے محبوب) میرے اس بے قرار دل کو کشمکش سے فرصت نہ دے یعنی اسے اپنے جلووں سے ہٹنے نہ دے + اپنے بل کھائے ہوئے گیسوؤں میں ایک دو شکن اور پیدا کر دے (تاکہ میرا دل زندگی بھر ان سے نکل نہ سکے)۔

② تجھ سے میرے سینے میں تجلی کی ایسی بجلی چمک رہی ہے + کہ اس کے لئے میں نے چاند' اور سورج کو بھی انتظار کی تلخی دے رکھی ہے مراد ہے وہ بھی میرے سینے کی تجلیات کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں حالانکہ وہ خود منور ہیں۔

③ (محبوب کو/خدا کو) اپنے سامنے لانے یا دیکھنے کی آرزو نے جہان میں بت گری کی رسم ڈال دی اس آرزو کے تحت لوگوں نے خدا کو اسے اپنی اپنی سوچ اور جذبہ کے مطابق مجسموں کی صورت میں تراش لیا) + (سچ ہے) عشق (محبوب کے دیدار کی آرزو رکھنے والی اور) اس دیدار کی امید رکھنے والی جان کو فریب دیا ہی کرتا ہے (کہ اگر محبوب سامنے نہیں تو کیا ہوا تو اس خیالی مجسمہ کی صورت میں سامنے لے آ)۔

④ تاکہ میں دل کے اطمینان اور آسودگی کے لئے کوئی نیا نغمہ گاؤں + سبزہ زار کے پرندے کو پھر سے سبزہ زار کے سپرد کر دے مراد ہے اب میرا دل غیر حق میں پھنسا ہوا ہے اسے پھر سے حق آشنا کر تاکہ وہ مطمئن بھی ہو اور حق کے لئے کوشاں بھی رہے۔

⑤ تو نے مجھے بلند طبع عطا کی ہے میرے پاؤں سے زنجیر بھی کھول دے یعنی میں کسی کا محتاج نہ رہوں اور آزادی سے پیغام حق کو دوسروں تک پہنچا سکوں + تاکہ میں اس موٹے کپڑے کے لئے (جو تو نے مجھے عطا کیا ہے) بادشاہ کے امیرانہ اور قیمتی لباس کو چھوڑ دوں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے وہ لوگ جو موٹا کپڑا پہننے والے غریب مگر غیرت مند ہیں ان کو شاہانہ طور طریقے سکھا سکوں۔

⑥ اگر (فرہاد نے) کسی پتھر یا پہاڑ پر (نہر کھودنے کے لئے) تیشہ چلایا تو یہ کونسی قابل ذکر بات ہے + عشق تو اس پورے پہاڑی سلسلے کو کاندھوں پر اٹھا لیتا ہے۔

غزل 49

جانم در آویخت با روزگاراں — جوئے است نالاں در کوہساراں!
پیدا ستیزد، پنہاں ستیزد — تا پائدارے با پائداراں!
ایں کوہ و صحرا ایں دشت و دریا — نے رازداراں نے غمگساراں
بیگانہ شوق! بیگانہ شوق! — ایں جوئباراں ایں آبشاراں
فریاد بے سوز! فریاد بے سوز! — بانگ ہزاراں در شاخساراں
داغے کہ سوزد در سینہ من — آں داغ کم سوخت در لالہ زاراں!

محفل ندارد و ساقی ندارد تلخئے کہ سازد با بیقراراں!

*

① میری جان کائنات یا زمان و مکان سے (اسی طرح(متصادم ہے + (جس طرح) پہاڑی سلسلے میں بہتی ہوئی ندی (پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے) فریاد کر رہی یا شور مچا رہی ہوتی ہے۔
② (یہ کائنات میری جان سے یا روح سے کبھی) ظاہرا طور پر تصادم اختیار کرتی ہے اور کبھی چھپ کر کرتی ہے + ناپائدار یا عارضی اور فانی دنیا سے میری پائدار یا ہمیشہ رہنے والی روح متصادم ہوتی رہتی ہے۔
③ یہ پہاڑ، صحرا، بیابان اور دریا + (انسان کے) نہ رازدار ہیں اور نہ غم کھانے والے --- (میں بھری دنیا میں تنہا ہوں کیونکہ میری درد بھری حالت کو یہ چیزیں اس لئے نہیں جانتیں کہ وہ درد سے خالی ہیں)۔
④ شوق سے بیگانہ، شوق سے بیگانہ (ہیں) + یہ ندیاں اور یہ آبشاریں۔
⑤ فریاد بے سوز، فریاد بے سوز (ہے) + شاخوں کے سلسلے میں آنے والی بلبلوں کی آواز (بے اثر ہے)۔
⑥ وہ داغ جو میرے سینے میں جلتا ہے + وہ داغ لالہ کے پھولوں کے چمن میں کم جلے ہوں گے یعنی نہیں جلے ہوں گے۔
⑦ محفل نہیں رکھتا، ساقی نہیں رکھتا + (کون سا ایسا) تلخ ہو جو بے قراروں یعنی عاشقوں کے ساتھ موافقت کرے یا یہ مراد ہے کہ ایسی شراب کہاں ہے جو عاشقوں کے مطلب کی ہو یعنی عشق کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

غزل 50

بہ تسلی کہ دادی نگذاشت کار خود را — جو بازمی سپارم دل بیقرار خود را
چہ دلے کہ محنت او ز نفس شماری او — کہ بدست خود ندارد رگ روزگار خود را
بضمیرت آرمیدم تو بجوش خود نمائی — بکنارہ بر فگندی در آبدار خود را
مہ و انجم از تو دارد گلہ ہا شنیدہ باشی — کہ بخاک تیرۂ ما زدۂ شرار خود را
خلشے بسینہ ما ز خدنگ او غنیمت! — کہ اگر بپائش افتد نبرد شکار خود را

*

① (اے چارہ گر میرے بے قرار دل کو) جو تسلی تو نے دی اس سے بھی اس نے اپنی بے قراری کے عمل کو نہیں چھوڑا + (اس لئے) میں اپنے دل کو جو بے قرار ہے پھر تیرے سپرد کر رہا ہوں (تاکہ تو اس کا کوئی اور علاج ڈھونڈے)۔
② کیا ہے وہ دل کہ جس کی محنت کا تعلق چار و ناچار زندگی گزارنے سے ہے + کہ وہ زمانے کی رگ اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا مراد ہے وہ دل جو عشق یا خودی سے بے خبر ہے وہ زمان و مکان کی مجبوریوں میں مقید ہوتا ہے۔ اس لئے بیکار و بے قیمت ہے۔
③ میں نے تیرے دل میں آرام کیا (لیکن) تو نے خود نمائی کے جوش میں یعنی خود کو ظاہر کرنے کے

جوش میں + اپنے چمکتے ہوئے قیمتی موتی کو (دریائے دل سے نکال کر) کنارے پر پھینک دیا مراد ہے کائنات کے موجود ہونے سے پہلے کچھ بھی نہ تھا صرف عدم تھا ہاں ایک خدا کی ذات تھی۔ خدا نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اس نے یہ ساری کائنات پیدا کر دی۔ اگر اس میں خواہش نمود پیدا نہ ہوتی تو کائنات کو وجود نہ ملتا۔

④ تو نے تو سنا ہو گا ستارے اور چاند تجھ سے (اے خالق کائنات) شکوہ رکھتے ہیں + (اور ان کا گلہ اس بنا پر ہے کہ تو نے ان میں دل پیدا نہیں کیا) تو نے ہماری تاریک مٹی یا خاکی جسم کے اندر اپنی چنگاری کو پھینکا ہے۔ (دل کی بجائے یہاں روح بھی مراد ہو سکتی ہے اور محبت کی چنگاری بھی --- یہ دونوں صرف انسانوں میں ہیں اور کسی مخلوق میں نہیں ہیں)۔

⑤ ہمارے سینہ میں اس کے تیر کی ایک خلش بھی غنیمت ہے + کیونکہ (وہ تو ایسا شکاری ہے) کہ اگر شکار خود اس کے قدموں میں آگرے (تب بھی) وہ اسے نہ لے جائے۔

غزل 51

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را

ز مشتاقاں اگر تاب سخن بردی نمیدانی
محبت می کند گویا نگاہ بے زبانے را!

کجا نورے کہ غیر از قاصدی چیزے نمی داند
کجا خاکے کہ در آغوش دارد آسمانے را!

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیز وجود من
بایں قیمت نمی گیرم حیات جاودانے را!

من اے دریائے بے پایاں بہ موج تو در افتادم
نہ گوہر آرزو دارم نہ می جویم کرانے را

ازاں معنی کہ چوں شبنم بجان من فروریزی
جہانے تازہ پیدا کردہ ام عرض فغانے را

٭

① ایک جہان کی تمنا کو ایک حرف میں ادا کیا جا سکتا ہے + میں نے (اے محبوب) تیرے حضور رہنے کے ذوق کی تسلی کے لئے اپنی داستان کو لمبا کیا ہے۔

② اگر تو نے اپنے مشتاقوں سے بات کرنے کی طاقت چھین لی ہے (تو کوئی مضائقہ نہیں) کیا تو نہیں جانتا + کہ محبت ایک بے زبان کی نگاہ کو گویا کر دیتی ہے۔ (نگاہ باتیں کرنے لگتی ہے)۔

③ کہاں نور یعنی نور کی مخلوق (فرشتے) کہ جو اللہ تعالیٰ کی قاصدی کے فرائض ادا کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتی + کہاں مٹی یعنی مٹی کا بنا ہوا آدمی جو آسمان کو اپنے پہلو میں رکھتا ہے۔ (اسے کسی قاصد کی ضرورت نہیں وہ راست سب کچھ جانتا اور پہچانتا ہے۔ یا یہ مراد بھی ہے کہ وہ کائنات کو مسخر کئے ہوئے ہے۔ جس میں سب کچھ آجاتا ہے)۔

④ اگر میرے وجود کی اٹھان سے یا میری سرشت سے ایک ذرہ بھی کم ہو جائے + (تو) میں اس قیمت کے بدلے میں ہمیشہ کی زندگی کو بھی نہیں لوں گا (کیونکہ اصل کائنات یا زندگی تو میں ہوں۔ کائنات (زندگی تو میرے وجود کی مرہون منت ہے)۔

⑤ میں اے بے کنار دریا تیری موج سے لپٹ گیا ہوں + نہ میں موتی کی آرزو رکھتا ہوں اور نہ کنارے کی تلاش کرتا ہوں یعنی میں خدا کا ہو گیا ہوں اور جو خدا کا ہو جائے اسے کسی اور شے کی ضرورت

کب باقی رہتی ہے۔

⑥ ان معانی (حقائق) سے کہ جو شبنم کی طرح تو نے میری جان میں نازل کئے ہیں + میں نے اپنی فریاد عرض کرنے کے لئے ایک نیا جہان پیدا کر لیا ہے (میں اپنے ان نازل شدہ حقائق کو اپنے کلام کے ذریعے ظاہر کرتا اور دوسروں تک ان کا ابلاغ کرتا رہتا ہوں)۔

غزل 52

چند بروے خود کشی پردۂ صبح و شام را — چہرہ کشا تمام کن جلوۂ ناتمام را
سوز و گداز حالتے است! بادہ ز من طلب کنی — پیش تو گر بیاں کنم مستی ایں مقام را
من بسرود زندگی آتش او فزودہ ام — تو نم شبنمے بدہ لالہ تشنہ کام را
عقل ورق ورق بگشت عشق بہ نکتہ رسید — طائر زیرکے برد دانہ زیر دام را
نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست — سوے قطار می کشم ناقہ بے زمام را!
وقت برہنہ گفتن است من بہ کنایہ گفتہ ام — خود تو بگو کجا برم ہم نفسان خام را!

*

① (اے خالق کائنات) تو کتنا یا کب تک اپنے چہرہ پر صبح اور شام کا پردہ کھینچتا رہے گا + چہرہ کو ظاہر کر دے اور اپنے اس جلوہ کو جو ہمیں پوری طرح نظر نہیں آ رہا ہمیں پوری طرح دکھا۔ (شاعر اللہ تعالیٰ کو ان مظاہر کا پردہ اٹھا کر صاف صاف اپنی جلوہ نمائی کرنے کے لئے کہہ رہا ہے جن میں وہ اپنے وجود کا اظہار کر رہا ہے)۔

② (عشق میں) جو سوز و گداز ہوتا ہے وہ ایک ایسی حالت ہے (جس سے مستی چھائی رہتی ہے لیکن) کہ تو مجھ سے شراب (کی مستی) طلب کرتا ہے + اگر میں اس یعنی سوز و گداز کے مقام کی مستی کا حال بیان کروں۔ (تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے بڑھ کر مست کرنے والی شراب اور کوئی نہیں ہے)۔

③ میں نے زندگی کا نغمہ سنا کر اس کی آگ کو بھڑکایا ہے + تو اس پیاسے حلق والے لالہ کے پھول کو شبنم کی نمی عطا کر مراد ہے میں نے اہل عشق میں عشق کی صفات سے ان میں آتش عشق کو تیز تر کر دیا ہے۔ تو ان پر فیضان کی بارش کر کے ان کو اپنی معرفت عطا کر دے۔

④ عقل (زندگی اور کائنات کی کتاب) کے ایک ایک ورق سے گزری یعنی اسے حرف بحرف پڑھا لیکن (پھر بھی زندگی اور کائنات کی) باریک بات تک نہیں پہنچ سکی + (وہ اس لئے نہیں پہنچ سکی کہ قاعدہ یہ ہے کہ) جال کے نیچے (پرندوں کو پھانسنے کے لئے) جو دانہ بکھیرا ہوا ہوتا ہے اس کو صرف عقل مند پرندہ ہی لے اڑتا ہے (ورنہ دوسرے پرندے تو جال میں پھنس جاتے ہیں۔ عشق زیرک اور عقل بے وقوف پرندے کی طرح ہے۔ عشق رمز پالیتا ہے عقل گورکھ دھندے میں پھنسی رہتی ہے)۔

⑤ کہاں نغمہ اور کہاں میں یہ شاعری کا ساز (تو محض نغمہ پیدا کرنے کا) ایک بہانہ ہے + (نغمے الاپ کر) میں اس اونٹنی کو جو مہار کے بغیر (آوارہ پھر رہی ہے) قطار کی طرف کھینچ رہا ہوں (میں اپنی شاعری کے ذریعے منتشر اور منقسم مسلمان قوم کو مرکز اور وحدت کی طرف لا رہا ہوں)۔

⑥ یہ وقت تو بات کو صاف صاف اور واضح بیان کرنے کا ہے (لیکن) میں اشاروں اور رمزوں میں بیان کر رہا ہوں + (اس کا سبب یہ ہے کہ میری بات سننے والے ذوق وشوق اور طلب کے اعتبار سے نامکمل اور ادھورے ہیں) تو خود ہی بتا میں ان خام یاروں کو کہاں لے جاؤں (کہ ان کی خامی دور ہو اور وہ میری تلوار جیسی ننگی باتیں سننے کے قابل ہو جائیں)۔

غزل 53

نفس شمار بہ پیچاک روزگار خودیم ۔۔۔ مثال بحر خروشیم و در کنار خودیم

اگرچہ سطوت دریا اماں بکس ندہد ۔۔۔ بخلوت صدف او نگاہدار خودیم

ز جوہرے کہ نہان است در طبیعت ما ۔۔۔ مپرس صیرفیاں را کہ ما عیار خودیم

نہ از خرابہ ما کس خراج می خواہد ۔۔۔ فقیر راہ نشینیم و شہریار خودیم

درون سینہ ما دیگرے! چہ بوالعجبی است! ۔۔۔ کرا خبر کہ توئی یا کہ ما دو چار خودیم!

کشاے پردہ ز تقدیر آدم خاکی ۔۔۔ کہ ما بہ رہگذر تو در انتظار خودیم!

*

① اپنی چار و ناچار زندگی گزارنے کے لئے (ان پابندیوں کی وجہ سے جن میں ہر بشر کی زندگی مجبور ہے) میں زندگی کے چکر میں یعنی طرح طرح کی ذمہ داریوں اور مشکلات میں پھنسا ہوا ہوں + میں سمندر کی طرح شور کر رہا ہوں لیکن اپنے کناروں کے اندر بہہ رہا ہوں۔ مراد ہے کہ انسان نوع بشر میں سے ہے وہ جتنی چاہے روحانی ترقی کر لے آخر بشر ہی رہے گا خدا نہیں بن سکے گا۔

② اگرچہ دریا کی ہیبت کسی کو امان نہیں دیتی + (لیکن) ہم اس کی صدف (سیپ) کی تنہائی میں خود کو نگاہ میں رکھنے والے ہیں یعنی محفوظ ہیں۔ مراد ہے حوادثات زمانہ اگرچہ ہر کسی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں لیکن اللہ کے برگزیدہ لوگ ان سے متاثر نہیں ہوتے وہ خدا کی پناہ میں ہوتے ہیں اور ان کا مقام صبر و رضا کا مقام ہوتا ہے اسی لئے وہ خوف و حزن سے ماورا ہوتے ہیں۔

③ اس جوہر کے متعلق جو ہماری طبیعت میں پوشیدہ ہے + جوہر پرکھنے والے سے کچھ نہ پوچھو کیونکہ ہم خود اپنی کسوٹی ہیں۔ (اگر انسان انسانیت کے صحیح مقام پر ہے تو اسے کھرے کھوٹے کی تمیز فطرتاً ہو گی)۔

④ ہمارے کھنڈر سے کوئی خراج وصول کرنا نہیں چاہتا + ہم تو راہ میں بیٹھنے والے فقیر ہیں اور اپنے آپ بادشاہ ہیں۔

⑤ ہمارے سینے میں کوئی اور ہو یہ کیا عجیب بات ہے (عقل کے خلاف ہے) + کسے خبر ہے کہ وہاں تو ہے یا ہم خود ہی خود سے دوچار (آمنے سامنے) ہیں۔ اس شعر میں وحدۃ الوجودی مسئلہ کے پس منظر میں یہ بتانا مقصود ہے کہ دوئی وہم ہے۔ اللہ کے سوا دوسرا تو کوئی موجود ہی نہیں۔ ہر شے اس کے صفات کی مظہر ہے۔

⑥ آدم خاکی (مٹی کے بنے ہوئے آدمی) کی تقدیر سے پردہ اٹھا (اور بتا کہ آخر وہ کیا ہے) + کہ ہم تو تیری راہ میں اپنے ہی انتظار میں ہیں۔ (یہ شعر بھی وحدۃ الوجود کا مضمون لئے ہوئے ہے اور بتاتا ہے کہ

آدمی خدا کی تلاش کرتا کرتا خود تک پہنچ جاتا ہے اور اپنی تلاش کرتا کرتا خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس پر اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں کا راز کھل جاتا ہے۔)

غزل 54

بہ فغاں نہ لب کشودم کہ فغاں اثر ندارد
غم دل نگفتہ بہتر ہمہ کس جگر ندارد

چہ حرم چہ دیر ہر جا سخنے ز آشنائی!
مگر ایں کہ کس ز راز من و تو خبر ندارد!

چہ ندیدنی است اینجا کہ شرر جہان ما را
نفسے نگاہ دارد نفسے دگر ندارد!

تو ز راہ دیدۂ ما بضمیر ما گذشتی
مگر آنچناں گذشتی کہ نگہ خبر ندارد!

کس ازیں نگیں شناساں نگذشت بر نگینم
بتو می سپارم او را کہ جہاں نظر ندارد!

قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد ما را
ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر ندارد!

*

① میں نے فریاد کے لئے لب نہیں کھولے یعنی فریاد نہیں کی کیونکہ فریاد کوئی اثر نہیں رکھتی (اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فریاد سننے کا اہل کہیں نہیں ہے) + دل کا غم نہ کہنا بہتر ہے کیونکہ ہر شخص کے پاس اس کے سننے کا حوصلہ نہیں ہے۔

② مسجد کیا' مندر کیا ہر جگہ تجھ سے آشنا ہونے کی باتیں ہو رہی ہیں (ہر کوئی تیری معرفت کا دعویدار ہے) مگر ان میں سے کوئی بھی من و تو (میرے اور تیرے) راز کی خبر نہیں رکھتا۔ (کوئی بھی یہ راز نہیں جانتا کہ من و تو عین یک دیگر ہیں۔ یعنی خودی عین خدا اور خدا عین خودی ہے)۔

③ یہ کیا نہ دیکھنے کے قابل حالت ہے کہ شرر (سوز عشق) ہمیں + ایک لحہ پر نگاہ میں رکھتا ہے اور دوسرے لحہ پر نہیں رکھتا۔ (راہ سلوک میں کبھی سالک پر بسط کی حالت ہوتی ہے یعنی وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور کبھی قبض کی جب کہ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ کبھی اس کے دل پر اللہ تعالٰی کے فیضان کا نزول ہوتا ہے اور کبھی نہیں)۔

④ تو ہماری آنکھوں کی راہ سے ہمارے دل میں گزرا یا داخل ہوا + مگر اس طرح سے گزرا کہ نگاہ خبر نہیں رکھتی۔

⑤ ان نگینوں کی پہچان رکھنے والوں میں سے کسی نے میرے نگینہ کی طرف گزر نہیں کیا + اسے میں تیرے سپرد کرتا ہوں کہ جہان (پہچان والی) نظر نہیں رکھتا۔ (نگینہ سے مراد عاشق کا دل ہے۔ اہل دنیا چونکہ نفس کے بندے اور مال و دولت دنیا کے پجاری ہیں اور انہیں دل کی قدر و قیمت کا کچھ پتہ نہیں اس لئے وہ اس کی قدر و قیمت نہ جانتے ہوئے اس طرف متوجہ نہیں ہوئے اس لئے میں اسے اس کے عطا کرنے والے کے حوالہ کرتا ہوں کہ وہی اس کی قدر و قیمت جانتا ہے)۔

⑥ عقل کو چمکا دینے والی (شراب) کا پیالہ جو فرنگ (اہل یورپ) نے مجھے دیا + (بے شک) تمام سورج ہے لیکن وہ صبح (پیدا کرنے کا) اثر نہیں رکھتا۔ (مغرب میں علم و دانش کی بے شک بڑی روشنی ہے لیکن یہ ذہن کو روشن کرتی ہے مگر دل کو تاریک سے تاریک تر بناتی ہے۔ اس سے دماغ کو تو جلا مل جاتی ہے لیکن

روح مرجاتی ہے)۔

غزل 55

ما کہ افتادہ تر از پرتو مہ آمدہ ایم
کس چہ داند کہ چساں ایں ہمہ رہ آمدہ ایم
با رقیباں سخن از درد دل ما گفتی
شرمسار از اثر نالہ و آہ آمدہ ایم
پردہ از چہرہ بر افگن کہ چو خورشید سحر
بہر دیدار تو لبریز نگہ آمدہ ایم
عزم ما را بہ یقیں پختہ ترک ساز کہ ما
اندریں معرکہ بے خیل و سپہ آمدہ ایم
تو ندانی کہ نگاہے سر راہے چہ کند
در حضور تو دعا گفتہ بہ آمدہ ایم

٭

① ہم کہ چاند کی چاندنی سے بھی زیادہ گرے ہوئے (عاجزی اور پستی کی حالت میں) روئے زمین پر آئے ہوئے ہیں + کوئی کیا جانتا ہے کہ ہم یہ ساری راہ کس طرح آئے ہیں (اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے ہم عالم بالا میں ارواح کی صورت میں تھے جہاں دیدار خداوندی ہمارے سامنے تھا پھر ہم جسم انسانی کی صورت میں زمین پر آگئے اور یہاں آکر ہماری وہ صلاحیتیں اور قوتیں جو عالم ارواح میں ہمارے اندر موجود تھیں جسم کی قید میں آنے کی وجہ سے دب گئیں۔ یہ سارا سفر از عالم علوی تا عالم سفلی کس طرح ہوا کسی کو کیا معلوم۔)

② تو نے رقیبوں (میدان محبت میں ہمارے دشمنوں) سے ہمارے دل کے درد کی بات کہہ دی + میں اپنی فریاد اور آہ کے اثر سے شرمسار آیا ہوں (یعنی رقیب یہ معلوم کرکے ضرور خوشی کا اظہار کر رہے ہوں گے کہ میرے نالہ و فریاد اور آہ و زاری میں کوئی اثر نہیں ہے۔ اثر ہوتا تو تو میرا ہوتا ان کی محفل میری بات کرنے نہ جاتا)۔

③ اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کہ صبح کے سورج کی طرح + ہم تیرے دیدار کے لئے نگاہ بھرے آئے ہیں۔ یعنی سراپا نگاہ بنے ہوئے ہیں۔

④ میرے ارادہ کو یقیں (عطا فرما کر) ذرا اور پختہ کر دے + (کیونکہ) ہم اس معرکہ میں گھوڑوں اور سپاہیوں کے بغیر آئے ہوئے ہیں (معرکہ سے مراد حق و باطل کا معرکہ بھی ہے دنیا و آخرت کا معرکہ بھی ہے اور عقل و عشق کا معرکہ بھی ہے جسے سر کرنے کیلئے ساز و سامان کی ضرورت ہے اور یقین سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی اور ساز و سامان نہیں۔ اگر ایمان اور یقین کا سرمایہ میسر آجائے اور توفیق خداوندی بھی شامل ہو جائے تو ہر معرکہ سر کیا جا سکتا ہے)۔

⑤ تو نہیں جانتا کہ کسی کی سر راہ نگاہ کسی کے ساتھ کیا کرتی ہے + (ہم چونکہ جانتے ہیں اس لئے) ہم تیرے حضور (پہنچنے کیلئے) دعا مانگ کر تیرے راستہ میں آئے ہیں کہ خدا خیر کرے تیری ایک نگاہ کہیں ہمیں لوٹ نہ لے)۔

غزل 56

اے خدائے مہر و مہ خاک پریشانے نگر ذرۂ در خود فرو پیچد بیابانے نگر
حسن بے پایاں درون سینہ خلوت گرفت آفتاب خویش را زیر گریبانے نگر!
بر دل آدم زدی عشق بلا انگیز را آتش خود را بآغوش نیستانے نگر!
شوید از دامان ہستی داغہائے کہنہ را سخت کوشی ہائے ایں آلودہ دامانے نگر!
خاک ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے ذرۂ ناچیز و تعمیر بیابانے نگر!

٭

① اے سورج اور چاند کے خدا میری پریشان مٹی کو دیکھ (یعنی ہوں تو میں مٹی کا بنا ہوا لیکن یہ عشق بھری ہے اور اس میں خدائی صفات آگئی ہیں) + (دیکھ کہ) یہ ہے تو ایک ذرہ (لیکن) اپنے اندر ایک بیابان کو پیچ دئے ہوئے یا سموئے ہوئے ہے۔

② تیرے بے حد و حساب حسن نے (میرے) سینہ میں خلوت اختیار کر رکھی ہے + اپنے (اس) سورج کو (میرے) گریبان کے اندر دیکھ (مراد ہے انسان مظہر صفات خداوندی ہے)۔

③ تو نے آدم کے دل پر اپنے بلا انگیز عشق کو مارا ہے یعنی پیدا کیا ہے + اپنی آگ کو اپنے سرکنڈوں کی آغوش میں دیکھ۔ (تیرے عشق نے آدمی میں اسی طرح آگ لگا رکھی ہے جس طرح سرکنڈوں میں آگ لگ جائے تو تیزی سے پھیل جاتی ہے اور باقی کچھ نہیں بچتا۔ عشق بھی عاشق کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے)۔

④ (تیرا عشق) ہستی کے دامن سے پرانے داغ دھو دیتا ہے + اس آلودہ دامن والے کی سخت جدوجہد کو دیکھ (آدمی پہلے کچھ کیوں نہ ہو جب عشق اس میں گھر کرتا ہے تو وہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے)۔

⑤ میری مٹی اٹھتی ہے کہ وہ ایک اور آسمان بنائے + ہے تو یہ ناچیز ذرہ لیکن دیکھ کہ وہ بیابان کی تعمیر کر رہا ہے (تیرا عشق وہ طاقت ہے جو عاشق کو ہر قسم کی ریاضت و مجاہدہ اور جدوجہد کے لئے تیار کر دیتا ہے اور جو اس میں ہر مہم سر کرنے کا حوصلہ اور طاقت پیدا کر دیتا ہے)۔

زبور عجم

حصہ دوم

شاخ نہال سدرۂ خار و خس چمن مشو منکر او اگر شدی منکر خویشتن مشو

*

① (اے انسان) تو سدرہ کے پودے کی شاخ ہے چمن کا کوڑا کرکٹ نہ بن + اگر تو اس کا یعنی اپنے خالق کا منکر ہو گیا ہے اپنا منکر تو نہ بن۔ (سدرہ عالم علوی میں آں سوئے افلاک وہ مقام ہے جس کے آگے ایک محمدﷺ نام کا آدمی تو معراج کی شب چلا گیا لیکن جبرئیل فرشتہ جوان کو لے کر گیا تھا باوجود نوری ہونے کے آگے نہ جا سکا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بشر کا مقام کیا ہے۔ شاعر بشر کو اس کا یہ مقام اعلیٰ و ادنیٰ یاد دلا کر کہتے ہیں کہ اللہ کو بے شک نہ مان لیکن اپنا انکار نہ کر کیونکہ تیرا وجود اللہ کی صفات کا مظہر ہے۔ جب تو مظہر صفات الٰہیہ بن جائے گا تو خدا کا خود بخود قائل ہو جائے گا۔ اور اس مقام پر تجھے یہ علم بھی ہو جائے گا کہ تو کائنات کے لئے نہیں کائنات تیرے لئے پیدا کی گئی ہے)۔

دوسرے چار شعر

دو عالم را تواں دیدن بمینائے کہ من دارم
کجا چشمے کہ بیند آں تماشائے کہ من دارم

دگر دیوانہ آید کہ در شہر افگند ہوئے
دو صد ہنگامہ بر خیزد ز سودائے کہ من دارم

مخور ناداں غم از تاریکی شبہا کہ می آید
کہ چوں انجم درخشد داغ سیمائے کہ من دارم

ندیم خویش می سازی مرا لیکن ازاں ترسم
نداری تاب آں آشوب و غوغائے کہ من دارم

*

① جو صراحی (شعروں کی شراب کی) میں رکھتا ہوں اس سے دونوں جہانوں کو دیکھا یا ان کے رازوں کو سمجھا جا سکتا ہے + وہ آنکھ کہاں ہے جو اس تماشا کو دیکھ لے جو میں رکھتا ہوں (جسے میں نے اپنی شاعری میں دکھایا ہے)۔

② (میری شخصیت کی صورت میں) ایک اور دیوانہ آیا ہے جو شہر میں اہل اللہ کا نعرۂ ھو لگا رہا ہے (یعنی ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔ ہر شے کا مرجع اللہ ہی ہے) + جو سودا (جنوں) کہ میں رکھتا ہوں اس سے دو سو ہنگامے اٹھتے ہیں (میں نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے قاری تک اللہ کے حوالے سے ایسی ایسی باتیں کی ہیں جو ان میں حصول مقاصد زندگی کی طرح طرح کی تڑپ پیدا کر سکتی ہیں)۔

③ اے نادان ان راتوں کے اندھیرے کا غم نہ کھا (خوف نہ کر) جو تیرے در پیش ہے + کیونکہ جو داغ میں پیشانی میں رکھتا ہوں وہ ستارے کی طرح چمکتا ہے (میرے پیغام سے تو اپنی زندگی کی اندھیری رات کو روشن کر)۔

④ . تو مجھے اپنا دوست بنا رہا ہے لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں + کہ تو اس آشوب (طوفان/ہنگامہ) اور شور و غل کی تاب نہ لا سکے گا جو میں رکھتا ہوں۔ (میرے پیغام پر عمل کرنے کے لئے پر حوصلہ اور باہمت لوگوں کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کے لئے میری شاعری میں دیا گیا پیغام سود مند اور قابل عمل ہو گا جو چیتے کا جگر اور شاہیں کا تجسس رکھنے والے ہوں گے)۔

غزل ①

بر خیز کہ آدم را ہنگام نمود آمد ‌ ‌ ‌ ‌ این مشت غبارے را انجم بسجود آمد!
آں راز کہ پوشیدہ در سینۂ ہستی بود ‌ ‌ ‌ ‌ از شوخی آب و گل در گفت و شنود آمد!

*

① (اے انسان) اٹھ کہ آدم کے (یعنی آدم کی صلاحیتوں کے) اظہار کا وقت آگیا + اس مٹی کی مٹھی (یعنی مٹی کے بنے ہوئے آدمی) کو ستاروں نے سجدہ کیا یا ستارے اس کے آگے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں مراد ہے آدمی ستاروں پر کمند ڈالنے اور مہر و ماہ کو تسخیر کرنے والا ہے۔

② وہ راز جو ہستی (کائنات) کے سینے میں چھپا ہوا تھا + پانی اور مٹی یعنی پانی اور مٹی کے بنے ہوئے آدمی کی شوخی کی وجہ سے گفتگو میں آگیا ہے۔ (آدم کی زبان پر آگیا ہے یا بولتے ہوئے آدمی کی شکل میں آ گیا ہے اور پوشیدہ نہیں رہا۔ صاف پتہ چل گیا ہے کہ کائنات کا راز خود آدم ہے۔ جب تک آدم تخلیق نہیں ہوا تھا کائنات ایک راز تھی تخلیق آدم نے یہ راز افشا کر دیا یا آدمی کی تسخیری قوتوں نے کائنات کا راز ظاہر کر دیا ہے)۔

غزل ②

مہ و ستارہ کہ در راہ شوق ہم سفر اند ‌ ‌ ‌ ‌ کرشمہ سنج و ادا فہم و صاحب نظر اند
چہ جلوہ ہاست کہ دیدند در کف خاکے ‌ ‌ ‌ ‌ قفا بجانب افلاک سوئے ما نگرند

*

① چاند اور ستارے جو شوق کی راہ میں اکٹھے سفر کر رہے ہیں + وہ کرشمہ سنج (اشارہ نگاہ و ابرو کو پرکھنے والے) ادا فہم (اداؤں کو سمجھنے والے) اور (حقیقت کو دیکھنے والی) نظر رکھنے والے ہیں۔ یعنی خالق کائنات نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ وہ اپنی منزل کی پہچان رکھتے ہیں۔ منشائے قدرت کو سمجھتے ہیں اور جس راہ پر قدرت نے انہیں گامزن کیا ہے اس پر پہلو بہ پہلو اور شانہ بشانہ مصروف سفر ہیں اور سب پر طرہ یہ ہے کہ وہ آسمان پر ہوتے ہوئے زمین کی ہر شے کو دیکھ رہے ہیں اور مصروف سفر ہیں)۔

② (اپنی جلوہ نمائیوں اور مخصوص صفات کے باوجود انہوں نے) مٹی کی مٹھی یعنی آدمی میں کون سے ایسے جلوے دیکھے ہیں + کہ (اس آدم خاکی کو دیکھنے کے لئے ان کی پیٹھ تو آسمانوں کی طرف ہے اور ان کی نظر آدمی کی طرف ہے۔ (یہ اس لئے ہے کہ آدمی نائب خدا ہے اسے خالق نے زمین پر اپنا فرشتہ بنایا ہے

اور جو خالق کائنات کا خلیفہ ہو گا وہ کائنات کی ہر شے پر حاوی ہو گی اسی لئے کائنات کی ہر شے اس کی مسخر یا مغلوب ہے)۔

غزل ③

درون لالہ گذر چوں صبا توانی کرد ۔۔۔ بیک نفس گرہ غنچہ وا توانی کرد
حیات چیست؟ جہاں را اسیر جاں کردن ۔۔۔ تو خود اسیر جہانی' کجا توانی کرد!
مقدر است کہ مسجود مہر و مہ باشی ۔۔۔ ولے ہنوز ندانی چہا توانی کرد!
اگر ز میکدۂ من پیالہ گیری ۔۔۔ ز مشت خاک جہانے بپا توانی کرد!
چساں بسینہ چراغے فروختی اقبال ۔۔۔ بخویش آنچہ توانی بما توانی کرد!

*

① لالہ کے پھول کے اندر صبا (نرم و لطیف ہوا) کی طرح گزرا جا سکتا ہے + ایک سانس سے غنچہ کی گرہ کھولی جا سکتی ہے۔ (اور اسے پھول بنایا جا سکتا ہے) استعاروں کے رنگ میں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ غم زدہ دلوں کی غم گساری کرنا اور مشکلات میں گھرے ہوؤں کی مشکلات کا حل ڈھونڈنا شیوۂ انسانیت ہے۔

② زندگی کیا ہے؟ (زندگی) جہان کو جان کا قیدی بنانے کا نام ہے یعنی دنیا کو غلام بنانے کا نام ہے نہ کہ دنیا کے غلام ہونے کا + تو خود جہان کا قیدی ہے یہ عمل یعنی جہان کو غلام بنانے کا عمل کیسے کر سکے گا۔

③ (اے انسان) تیرا مقدر یہ ہے کہ تو چاند اور سورج کا مسجود ہو (وہ تجھے سجدہ کرنے کے لئے یعنی تیرے مطیع رہنے کے لئے بنے ہیں۔ چاند اور سورج کے مطیع ہونے سے مراد ساری کائنات کا مطیع ہونا ہے) + لیکن ابھی تک تو نہیں جانتا کہ تو یہ کام کیسے کر سکتا ہے (اس کا طریقہ کسی صاحب مقام و حال سے پوچھ)۔

④ اگر تو میرے میخانہ سے ایک پیالہ (شراب کا لے لے یا پی لے + تو اپنی مٹی کی مٹھی سے ایک جہان بپا کر سکتا ہے یعنی نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے۔ وہ دنیا جس میں تو دنیا کا غلام نہ ہو اس کا آقا ہو۔

⑤ اے اقبال تو نے اپنے سینہ میں چراغ کس طرح روشن کیا ہے۔ (تجھے سینہ کو روشن کرنے کا علم آتا ہے) + جو کچھ تو نے خود سے کیا ہے ہم سے بھی کر سکتا ہے (میرے تاریک سینے کو بھی روشن کر سکتا ہے)۔

غزل ④

اگر بہ بحر محبت کرانہ می خواہی ۔۔۔ ہزار شعلہ دہی یک زبانہ می خواہی!
مرا ز لذت پرواز آشنا کردند ۔۔۔ تو در فضائے چمن آشیانہ می خواہی!
بے بدامن مردان آشنا آویز ۔۔۔ ز یار اگر نگہ محرمانہ می خواہی

جنوں نہ داری و ہوے فگندیؤ در شہر　　سبو شکستی و بزم شبانہ می خواہی!
توہم بعشوہ گری کوش و دلبری آموز　　اگر ز ما غزل عاشقانہ می خواہی!

*

① اگر تو محبت کے سمندر میں ہوتے ہوئے ساحل پر آنا چاہتا ہے + (تو یوں سمجھ کہ) تو ہزاروں شعلے دے کر ایک چنگاری لینا چاہتا ہے۔

② مجھے تو پرواز کی لذت سے آشنا کیا گیا ہے + (لیکن) تو فضائے چمن میں آشیانہ بنانا چاہتا ہے (بلندی چھوڑ کر پستی عمل چھوڑ کر بے عملی اور تب و تاب چھوڑ کر سکون اختیار کرنا چاہتا ہے اور اس طرح اپنی آتش ذوق و شوق کو سرد کرنا چاہتا ہے)۔

③ ایک بار واقف راز مردوں کے دامن سے لپٹ + اگر تو اپنے دوست کی محرمانہ یا دوستانہ نگاہ چاہتا ہے (واقف راز مردوہ ہیں جو عاشقانہ حق اور عارفان صادق ہیں۔ ان کی صحبت کے بغیر خدا تعالیٰ کی نگہ کرم کی امید نہ رکھ)۔

④ تو جنوں تو نہیں رکھتا اور (بلا وجہ) شہر میں شور مچائے پھرتا ہے + تو نے سبو تو توڑ رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ رات کی مجلس رندانہ قائم ہو۔

⑤ تو بھی معشوقانہ ناز و ادا میں کوشش کر یعنی پیدا کر اور محبوبیت (کے انداز) سیکھ + اگر تو ہم سے عاشقانہ غزل کی طلب رکھتا ہے۔

غزل ⑤

زمانہ قاصد طیار آں دلارام است　　چہ قاصدے کہ وجودش تمام پیغام است!
گماں مبر کہ نصیب تو نیست جلوۂ دوست　　درون سینہ ہنوز آرزوے تو خام است!
گرفتم ایں کہ چو شاہیں بلند پروازی　　بہوش باش کہ صیاد ما کہن دام است
باوج مشت غبارے کجا رسد جبریل　　بلند نامی او از بلندی بام است!
تو از شمار نفس زندہ نمیدانی　　کہ زندگی بہ شکست طلسم ایام است!
ز علم و دانش مغرب ہمیں قدر گویم　　خوش است آہ و فغاں تا نگاہ ناکام است
من از ہلال و چلیپا دگر نیندیشم　　کہ فتنۂ دگرے در ضمیر ایام است!

*

① زمانہ اس دل کو سکون پہنچانے والے محبوب یعنی خالق کائنات کا ایسا پیغامبر ہے جو ٹھہرتا نہیں اور ہر وقت اڑتا ہی رہتا ہے + وہ کیسا پیغام بر ہے کہ جس کا وجود سراپا پیغام ہے (اس میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ زمانہ کو برا نہ کہو میں خود زمانہ ہوں۔ اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محبوب حقیقی زمانے میں ہر لحہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے)۔

② یہ خیال نہ کر کہ دوست کا جلوہ تیری قسمت میں نہیں ہے (اس کے لئے آرزو کا پختہ ہونا ضروری ہے ایسی طلب کا ہونا ضروری ہے جس کے پیچھے عشق کی طرح کی لگن ہو) + (تجھے دوست کا جلوہ اس لئے

نصیب نہیں کہ) تیرے سینے میں جو آرزو ہے وہ ابھی کچی ہے۔

③ میں یہ بات مانتا ہوں کہ تو شاہین کی طرح بلند پرواز ہے (اور تجھے کوئی شکار نہیں کر سکتا لیکن تیری پرواز چونکہ عقل کے پروں سے ہے اس لئے اسے عشق کا شکاری شکار کر سکتا ہے۔ عشق کے آگے عقل بے کار ہے) + (اے عقل کے پروں سے اڑنے والے اور خود کو شاہین کی طرح کسی کے قابو میں نہ آنے والے غلط فہم) ہوش کر کیونکہ ہمارا (عقل کو شکار کرنے والا) شکاری یعنی عشق پر اتا جال بچھانے والا ہے۔ بڑا تجربہ کار ہے۔

④ غبار کی مٹھی (خاکی آدمی) کی بلندی تک جبرئیل فرشتہ کب پہنچ سکتا ہے + اس کی بلند نامی (نام کی شہرت) اس کی بلند رہائشی چھت یعنی آسمان کی وجہ سے ہے (ورنہ وہ زمین پر بسنے والوں سے کم تر مقام رکھتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ زمین پر بسنے والا آدمی خلیفۃالارض 'نائب خدا اور مظہر صفات الٰہی کے مقام پر ہو یہ بات نبی کریمؐ کے واقعہ معراج سے بھی ثابت ہے کہ وہ بنی نوع آدم میں سے ہوتے ہوئے سدرۃ المنتہی سے بھی آگے نکل گئے اور جبرئیل اس سے آگے نہ جا سکے)۔

⑤ تو سانسوں کے شمار سے زندہ ہے (تیری زندگی وقت کی قید کی مرہون منت ہے اسی لئے بقا کے جوہر سے محروم یعنی فانی ہے) + (کیا تو نہیں جانتا۔ کہ) زندگی دنوں یا زمانہ کے جادو کو توڑنے کی وجہ سے زندگی ہے (جس نے زمانہ پر قابو پا لیا اس نے بقا حاصل کر لی۔ اسے مر کر بھی فنا نہیں)۔

⑥ مغرب کے علم اور دانش کے متعلق میں صرف اتنا کہوں گا + کہ اس کی آہ اور فریاد اچھی ہے جب تک نگاہ ناکام ہے (دیدار سے محروم ہے) اہل مغرب نے فکری نگاہ پیدا کی اس لئے حقیقت کو نہ پا سکے یہی وجہ ہے کہ ان کے لب پر حقیقت تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے سوائے آہ و فغاں کے کچھ نہیں)۔

⑦ (صدیوں سے ہلال (مسلمانوں) اور صلیب (عیسائیوں) میں جو آویزش چلی آ رہی ہے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ) مجھے ہلال اور صلیب کی آویزش (جنگ یا تصادم) سے اس کے سوا کچھ اور ڈر نہیں + کہ زمانے کے دل میں کوئی نیا فتنہ ہے جو نمودار ہو گا (شاید یہ مراد ہو کہ مسلمان اور عیسائی جب آپس میں لڑتے رہیں گے تو دنیا میں بے دینی یا اشتراکیت کی صورت میں ایک نئی قوت نمودار ہو جائے گی جو دونوں کی دشمن ہو گی جیسا کہ اشتراکیت کے دنیا میں پھیل جانے سے ظاہر ہے)۔

غزل ⑥

دگر ز سادہ دلیہاے یار' نتواں گفت ۔۔۔ نشستہ بر سر بالین من ز درماں گفت!

زباں اگرچہ دلیر است و مدعا شیریں ۔۔۔ سخن ز عشق چہ گویم جز ایں کہ نتواں گفت

خوشا کسے کہ فرو رفت در ضمیر وجود ۔۔۔ سخن مثال گہر برکشید و آساں گفت

خراب لذت آنم کہ چوں شناخت مرا ۔۔۔ عتاب زیر لبی کرد و خانہ ویراں گفت

غمیں مشو کہ جہاں را نہ خود بروں ندہد ۔۔۔ کہ آنچہ گل نتوانست مرغ نالاں گفت

بیام شوق کہ من بے حجاب می گویم ۔۔۔ بہ لالہ قطرۂ شبنم رسید و پنہاں گفت

اگر سخن ہمہ شوریدہ گفتہ ام چہ عجب! کہ ہر کہ گفت ز گیسوے او پریشاں گفت

*

① اپنے یار کی سادہ دلی کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے + کہ وہ میرے سرہانے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کوئی علاج کیا۔

② زبان اگرچہ دلیر ہے یعنی قوت گویائی رکھتی ہے اور مدعا (یعنی جو وہ بیان کرنا چاہتی ہے وہ بات بھی بڑی میٹھی ہے) + لیکن میں (اس میٹھی بات) یعنی عشق کے متعلق اور کیا بات کہوں سوائے اس کے کہ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مراد ہے عشق کی بات لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

③ کتنا اچھا ہے وہ شخص کہ جو وجود کے دل میں اتر گیا + اس نے (اس کی تہ) سے موتی کی طرح بات نکالی اور بڑی آسانی سے بیان کر دی۔ (جس طرح غوطہ خور سمندر کی تہ سے قیمتی موتی نکال لاتا ہے اسی طرح وجود کائنات یا وجود آدم کے سمندر میں غوطہ لگا کر جو حقائق و معارف کے موتی نکال لاتے ہیں وہ خوش نصیب ہیں)۔

④ میں اس شخص کے ذوق کا سرشار ہوں کہ جس نے مجھے پہچان لیا + (اور پہچاننے کے بعد) زیر لب مسکراتے ہوئے مجھ پر غصہ کیا اور مجھے خانہ ویران کہا یعنی وہ جس کا گھر یا دنیا برباد ہو چکی ہو (یعنی اس نے مجھے پہچان لیا کہ میں تو عشق میں برباد ہو چکا ہوں۔ اس پر اس نے غصہ ضرور کیا لیکن میرے اس عمل کو سراہا بھی)۔

⑤ اس بات کا غم نہ کر کہ جہان اپنا راز نہیں اگلتا + (ضرور اگلتا ہے) اگر اسے گلاب کا پھول (نازک فکر والا فلسفی) نہیں کہہ سکتا اسے فریاد کرنے والا پرندہ (عاشق صادق) کہہ دیتا ہے۔

⑥ عشق کا وہ پیغام جو میں صاف صاف کہہ رہا ہوں + اسی راز کو کہنے کے لئے شبنم کا قطرہ لالہ کے پھول پر پہنچا اور اسے پوشیدہ طور پر کہہ دیا۔

⑦ اگر میں نے ساری بات بکھری بکھری اور پریشان سی کی ہے تو اس میں عجیب کیا ہے + (آخر جس محبوب کی بات میں کر رہا ہوں) اس کے گیسوؤں کے متعلق جس نے بھی بات کی ہے ان کو پریشان ہی کہا ہے۔

غزل ⑦

خرد از ذوق نظر گرم تماشا بود است ایں کہ جوئندہ و یابندۂ ہر موجود است
جلوۂ پاک طلب از مہ و خورشید گذر زانکہ ہر جلوہ دریں دیر نگہ آلود است

*

① عقل اگر گرم تماشا ہے (حقائق کائنات معلوم کر رہی ہے) تو یہ سب اس میں ذوق نظر (فیضان سماوی) کی بدولت ہے + (وہ عقل جو) ہر موجود کی تلاش کرنے والی اور اس کو پا لینے والی ہے (ورنہ بذات خود تو وہ کچھ شے بھی نہیں ذوق نظر سے مراد وہ نظر بھی کہی جا سکتی ہے جو عشق اس میں پیدا کرتا ہے خرد بے عشق نابینا اور خرد با عشق بینا ہے۔)

② پاک جلوہ (تجلی خدا) کی طلب کر اور چاند اور سورج کے جلوہ سے گزر + کیونکہ اس دور میں (جلوۂ خدا وندی کے سوا) ہر جلوۂ جہان نگاہ آلودہ ہے یعنی عقل کی نگاہ سے آلودہ یا مادیات سے آلودہ ہے جو ظاہری آنکھ کے بغیر نظر نہیں آتا لیکن حقائق کائنات و اشیا کا یہ حقیقت تجلی خدا کا علم ظاہری آنکھ سے نہیں دل کی آنکھوں سے ہو سکتا ہے۔

غزل ⑧

غلام زندہ دلانم کہ عاشق سرہ اند
نہ خانقاہ نشیناں کہ دل بکس ندہند

باں دلے کہ برنگ آشنا و بیرنگ است
عیار مسجد و میخانہ و صنم کدہ اند

نگاہ از مہ و پرویں بلند تر دارند
کہ آشیاں بگریبان کہکشاں نہ نہند

بروں ز انجمنے درمیان انجمنے
بخلوت اند ولے آنچناں کہ با ہمہ اند

بچشم کم منگر عاشقان صادق را
کہ ایں شکستہ بہایاں متاع قافلہ اند!

بہ بندگاں خط آزادگی رقم کردند
چنانکہ شیخ و برہمن شبان بے رمہ اند

پیالہ گیر کہ مے را حلال می گویند
حدیث اگرچہ غریب است راویاں ثقہ اند

*

① میں ان زندہ دلوں کا غلام ہوں جو خالص عاشق ہوتے ہیں + نہ کہ ان خانقاہ نشینوں کا جو کسی کو دل نہیں دیتے یعنی جو بے دل ہیں (یہاں مراد نقلی صوفیوں سے ہے اصلی صوفیا ہی تو زندہ دل ہوتے ہیں)۔

② (جن زندہ دل مردوں کی بات اوپر کے شعر میں کی گئی ہے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے شاعر مزید کہتا ہے کہ) وہ ایسا دل رکھتے ہیں کہ جو رنگ (دنیا) سے آشنا ہے پھر بھی بے رنگ (علائق دنیا سے آزاد) ہے یعنی وہ دنیا میں رہتے ہوئے آلائش دنیاوی سے آزاد ہوتے ہیں۔ وہ مسجد (اہل اسلام) میخانہ (اہل دنیا) اور صنم کدہ (اہل بت خانہ) سب کے لئے ایک معیار کی حیثیت رکھتے ہیں (کہ دنیا میں رہنا ہو تو اس طرح رہنا چاہیے)۔

③ یہ زندہ دل مرد چاند اور پروین ستارے سے بلند نظر رکھتے ہیں + کیونکہ وہ کہکشاں کے گریبان میں بھی آشیانہ نہیں بناتے۔ مراد ہے ان کا نقطہ نظر کائنات اور اشیائے کائنات کے متعلق یہ ہے کہ وہ ان میں پھنس کر نہیں رہ جاتے وہ ان سے دامن بچا کر اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود بناتے ہیں۔

④ وہ انجمن میں ہوتے ہوئے انجمن سے الگ ہوتے ہیں + وہ خلوت میں ہوتے ہیں مگر اس طرح کہ ہر ایک کے ساتھ ہوتے ہیں۔

⑤ سچے عاشقوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ + کیونکہ یہ (بظاہر) خستہ حال اور مفلس لوگ ہی قافلہ (قوم) کی دولت ہیں۔

⑥ وہ بندگان خدا کو آزادی کا خط لکھتے ہیں یعنی ان کو یہ کہتے اور سمجھاتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی غلامی اختیار نہ کرو + اور انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ شیخ (مسلمانوں کا مذہبی سردار) اور برہمن (ہندوؤں کا مذہبی سردار) دونوں ایسے گڈریے ہیں جن کا کوئی ریوڑ نہیں ان کی تقلید کی بجائے اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے ہادیوں کی تقلید کرو۔

⑦ پیالہ لے (شراب پینے کے لئے) کیونکہ شراب کو حلال کہتے ہیں + بات اگرچہ اجنبی سی ہے لیکن اس کے بیان کرنے والے ثقہ لوگ ہیں۔ شراب سے مراد یہاں شراب معرفت ہے نہ کہ انگور کی شراب۔

غزل ⑨

لالہ ایں چمن آلودۂ رنگ است ہنوز
سپر از دست میندار کہ جنگ است ہنوز

فتنہ را کہ دو صد فتنہ باغوشش بود
دخترے ہست کہ در مہد فرنگ است ہنوز

اے کہ آسودہ نشینی لب ساحل بر خیز
کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

از سر تیشہ گذشتن ز خردمندی نیست
اے بسا لعل کہ اندر دل سنگ است ہنوز

باش! تا پردہ کشایم ز مقام دگرے!
چہ دہم شرح نواہا کہ بچنگ است ہنوز!

نقش پرداز جہاں چوں بجنونم نگریست
گفت ویرانہ بسودائے تو تنگ است ہنوز

*

① اس چمن کے لالہ کا پھول ابھی رنگ آلودہ (رنگ میں اٹا ہوا) ہے مراد ہے ابھی مسلمان حق سے بے تعلق دنیا کے علائق میں پھنسا ہوا ہے + ہاتھ سے ڈھال مت رکھ کہ جنگ ابھی تک باقی ہے یعنی اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا تابع بنانا اور اس سے دنیا اور نفس کے رنگ کو اڑانے کا بہت بڑا کام ابھی پڑا ہے یا اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مخالفین اسلام ابھی تک مسلمان کو مٹانے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ان سے جنگ ابھی باقی ہے۔

② ایک ایسا فتنہ کہ جس کی آغوش میں دو سو فتنے ہیں + ایک ایسی بچی کی طرح ہے جو ابھی اہل یورپ کے ہنگھوڑے میں ہے (اس فتنے کے جوان ہونے پر اس ایک فتنے کی صدہا انداز کی فتنہ پردازیوں کا علم ہو جائے گا۔ عام طور پر یہ خیال ہے کہ اس میں اشتراکی فتنہ کی طرف اشارہ ہے جو یہ شعر لکھنے کے وقت ابھی شروع ہوا تھا)۔

③ اے کہ تو ساحل کے کنارے پر آرام سے بیٹھا ہے اٹھ (تیرے سامنے ایک بہت بڑا محاذ جنگ ابھی موجود ہے) + ابھی بھنور اور مگرمچھوں سے مقابلے کا مرحلہ باقی ہے (مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہر وقت تیار رہنے کے لئے کہا جا رہا ہے)۔

④ تیشہ پر سے گزر جانا یعنی تیشہ کو کام میں لانا چھوڑ دینا عقل مندی کا کام نہیں ہے + اے کہ بہت سے لعل ابھی تک پتھروں کے دل میں ہیں۔ مراد ہے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ بے عملی مناسب نہیں۔

⑤ ٹھہر! تاکہ میں ایک اور مقام سے پردہ اٹھاؤں + میں ان نواؤں کی کیا شرح بیان کروں جو ابھی تک رباب میں موجود ہیں (یعنی وہ واقعات' حالات اور حوادث جو ابھی تک پردۂ زمانہ میں پوشیدہ ہیں)۔

⑥ جہان کے نقش پرداز نے جب میرے جنون کو دیکھا + تو اس نے کہا کہ ویرانہ تیرے سودا کے لئے ابھی تک تنگ ہے۔

غزل ⑩

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند
کار حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند

گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند
عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند

چوں جہاں کہنہ شود پاک بسوزند او را
وز ہماں آب و گل ایجاد جہاں نیز کنند

ہمہ سرمایہ خود را بنگاہے بدہند
ایں چہ قومے است کہ سودا بزیاں نیز کنند

آنچہ از موج ہوا با پرکاہے کردند
عجبے نیست کہ با کوہ گراں نیز کنند

عشق مانند متاعے است ببازار حیات
گاہ ارزاں بفروشند و گراں نیز کنند

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ!
عشق کارے است کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

*

① (حق کا کام کرنے یا حق کو پھیلانے اور اس کی مدافعت کے لئے کبھی) دلیل اور بیان کے معجزہ پر بھی بھروسہ کیا جاتا ہے + (اور) کبھی حق کا کام تلوار اور نیزے یعنی طاقت سے بھی لیا جاتا ہے۔

② کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خرقہ کے نیچے زرہ پہن لیتے ہیں + (اللہ کے) عاشق جو صاحب حال ہوتے ہیں ایسا بھی کرتے ہیں (خانقاہوں سے نکل کر رسم حسینؓ بھی ادا کرتے ہیں)۔

③ جب جہان پرانا ہو جاتا ہے (اللہ کے عاشق) اسے صاف جلا دیتے ہیں + اور وہ اسی پانی اور مٹی سے ایک نیا جہان بھی ایجاد کر لیتے ہیں مراد ہے جب جہان میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اپنے افکار و اعمال سے اسے ختم کر کے ایک تازہ خوشگوار جہان پیدا کر لیتے ہیں۔

④ (عاشقان الٰہی) اپنا سارا سرمایہ ایک نگاہ کے عوض دے دیتے ہیں + یہ کیسی قوم ہے کہ نقصان کا سودا بھی کر لیتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ والے لوگ جن کو عام طور پر مرد درویش یا مرد مومن کہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر اپنا تن من دھن سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ محبوب کی ایک نگاہ پر قربان کر دیتے ہیں۔ بظاہر یہ نقصان کا سودا ہوتا ہے لیکن اصل میں یہی تو نفع کا سودا ہوتا ہے۔

⑤ وہ جو کچھ انہوں نے ہوا کی موج سے ایک تنکے کے ساتھ کیا + اس میں عجب نہیں اگر وہ بھاری پہاڑوں سے بھی ایسا کرتے ہیں۔ (اہل نظر درویش جہاں بے بسوں میں اپنے ہمدردانہ اور نرم رویہ سے ہمت اور آبرو پیدا کرتے ہیں۔ وہاں سرکشوں اور طاقت وروں کو عاجز اور کمزور بنانے کا کام بھی کرتے ہیں۔ معاشرہ کے دونوں طبقے ان سے فیض یاب ہوتے ہیں)۔

⑥ عشق زندگی کے بازار میں متاع کی مانند ہے + اسے کبھی سستی فروخت کرتے ہیں اور کبھی یہ مہنگی [illegible] جاتی ہے۔ کبھی بے طلب وصل مل جاتی ہے اور کبھی سر دینے سے بھی ہاتھ نہیں آتی)۔

⑦ [illegible] ہو جائے میں نے اس لئے نالہ کھینچا ہے ورنہ + عشق ایک ایسا کام ہے جو آہ اور فریاد [illegible] شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ میں نے شاعری صرف شعر گوئی کے شوق میں نہیں کی [illegible] میں بھٹکے ہوئے مسلمان کو راہ پر لا سکوں اور سوئی ہوئی قوم کو جگا سکوں اگرچہ یہ [illegible] سے بھی کیا جاتا ہے میں نے اس کے لئے شعر کی راہ اختیار کی ہے۔

غزل 11

چو موج مست خودی باش و سر بطوفاں کش
ترا کہ گفت کہ بنشیں و پا بداماں کش؟
بقصد صید پلنگ از چمن سرا برخیز
بکوہ رخت کشا خیمہ در بیاباں کش
بہ مہر و ماہ کمند گلو فشار انداز
ستارہ را ز فلک گیر و در گریباں کش
گرفتم ایں کہ شراب خودی بسے تلخ است
بدرد خویش نگر زہر ما بدرماں کش

*

① موج کی طرح خودی میں مست ہو اور طوفان سے ٹکرا + تجھے کس نے کہا ہے کہ بیٹھ جا اور دامن میں پاؤں سمیٹ لے یعنی بے عمل ہو کر بیٹھ جا۔

② شیر کے شکار کے ارادہ سے چمن کی جگہ سے اٹھ + (اور) پہاڑوں میں جا کر سازوسامان کھول یعنی قیام کر (اور) بیابان میں جا کر خیمہ لگا۔ (آرام نہ کر ہمت سے کام لے اور درپیش مشکلات کے حل کے لئے تدابیر کر)۔

③ سورج اور چاند پر ان کے گلے کو دبانے والی کمند پھینک + (اور) ستارے کو آسمان سے لے اور اپنے گریبان میں ڈال۔

④ میں نے مانا کہ خودی کی شراب بڑی تلخ ہے + (لیکن) تو اپنے درد کو دیکھ (اس کے لئے) میرے زہر کو اپنے علاج کے لئے استعمال کر (تیرے ہر درماں کا علاج خودی کی شراب پینے میں ہے جسے تو زہر سمجھتا ہے)۔

غزل 12

خضر وقت از خلوت دشت حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیِ دور و دراز آید بروں
من بسیمائے غلاماں فر سلطاں دیدہ ام
شعلہ محمود از خاک ایاز آید بروں!
عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں!
طرح نو می افگند اندر ضمیر کائنات
نالہ کز سینہ اہل نیاز آید بروں!
چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نغمہ خوں گشت و از رگہائے ساز آید بروں!

*

① حجاز کے بیابان یا صحرا سے زمانے کا خضر ظہور کر رہا ہے + اس دور و دراز وادی سے کوئی کارواں نکل رہا ہے۔ (مراد احیائے اسلام کی کوئی صورت اس زمانے میں پھر پیدا ہونے والی ہے)۔

② میں نے غلاموں کی پیشانی میں بادشاہ کی شان وشوکت دیکھی ہے + ایاز جو سلطان محمود کا غلام (یا محبوب) تھا اس کی خاک سے سلطان محمود کی شاہی کا شعلہ باہر آ رہا ہے (مراد ہے کہ دنیا کی غلام اور پسی ہوئی قوموں میں آزادی اور سرفرازی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی طرف خصوصی

غزل ⑩

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند | کار حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند | عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند
چوں جہاں کہنہ شود پاک بسوزند او را | وز ہماں آب و گل ایجاد جہاں نیز کنند
ہمہ سرمایہ خود را بنگاہے بدہند | ایں چہ قومے است کہ سودا بزیاں نیز کنند
آنچہ از موج ہوا با پرکاہے کردند | عجبے نیست کہ با کوہ گراں نیز کنند
عشق مانند متاعے است بہ بازار حیات | گاہ ارزاں بفروشند و گراں نیز کنند
تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ! | عشق کارے است کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

✱

① (حق کا کام کرنے یا حق کو پھیلانے اور اس کی مدافعت کے لئے کبھی) دلیل اور بیان کے معجزہ پر بھی بھروسہ کیا جاتا ہے + (اور) کبھی حق کا کام تلوار اور نیزے یعنی طاقت سے بھی لیا جاتا ہے۔

② کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خرقہ کے نیچے زرہ پہن لیتے ہیں + (اللہ کے) عاشق جو صاحب حال ہوتے ہیں ایسا بھی کرتے ہیں (خانقاہوں سے نکل کر رسم حسین رضی اللہ عنہ بھی ادا کرتے ہیں)۔

③ جب جہان پرانا ہو جاتا ہے (اللہ کے عاشق) اسے صاف جلا دیتے ہیں + اور وہ اسی پانی اور مٹی سے ایک نیا جہان بھی ایجاد کر لیتے ہیں مراد ہے جب جہان میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اپنے افکار و اعمال سے اسے ختم کر کے ایک تازہ خوشگوار جہان پیدا کر لیتے ہیں۔

④ (عاشقان الٰہی) اپنا سارا سرمایہ ایک نگاہ کے عوض دے دیتے ہیں + یہ کیسی قوم ہے کہ نقصان کا سودا بھی کر لیتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ والے لوگ جن کو عام طور پر مرد درویش یا مرد مومن کہتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر اپنا تن من دھن سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں محبوب کی ایک نگاہ پر قربان کر دیتے ہیں۔ بظاہر یہ نقصان کا سودا ہوتا ہے لیکن اصل میں یہی تو نفع کا سودا ہوتا ہے۔

⑤ وہ جو کچھ انہوں نے ہوا کی موج سے ایک تنکے کے ساتھ کیا + اس میں عجب نہیں اگر وہ بھاری پہاڑوں سے بھی ایسا کرتے ہیں۔ (اہل نظر درویش جہاں بے بسوں میں اپنے ہمدردانہ اور نرم رویہ سے ہمت اور آبرو پیدا کرتے ہیں۔ وہاں سرکشوں اور طاقت وروں کو عاجز اور کمزور بنانے کا کام بھی کرتے ہیں۔ معاشرہ کے دونوں طبقے ان سے فیض یاب ہوتے ہیں)۔

⑥ عشق زندگی کے بازار میں متاع کی مانند ہے + اسے کبھی سستی فروخت کرتے ہیں اور کبھی یہ مہنگی بھی کر دی جاتی ہے (کبھی بے طلب و سعی مل جاتی ہے اور کبھی سر دینے سے بھی ہاتھ نہیں آتی)۔

⑦ تاکہ تو بیدار ہو جائے میں نے اس لئے نالہ کھینچا ہے ورنہ + عشق ایک ایسا کام ہے جو آہ اور فریاد کئے بغیر میں بھی کیا جا سکتا ہے شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ میں نے شاعری صرف شعر گوئی کے شوق میں نہیں کی بلکہ اس لئے کی ہے تاکہ میں بھٹکے ہوئے مسلمان کو راہ پر لا سکوں اور سوئی ہوئی قوم کو جگا سکوں اگرچہ یہ کام اور طریقہ سے بھی کیا جاتا ہے میں نے اس کے لئے شعر کی راہ اختیار کی ہے۔

غزل 11

چو موج مست خودی باش و سر بطوفاں کش — ترا کہ گفت کہ بنشیں و پا بداماں کش؟
بقصد صید پلنگ از چمن سرا برخیز — بکوہ رخت کشا خیمہ در بیاباں کش
بہ مہر و ماہ کمند گلو فشار انداز — ستارہ را ز فلک گیر و در گریباں کش
گرفتم ایں کہ شراب خودی بسے تلخ است — بدرد خویش نگر زہر ما بدرماں کش

*

① موج کی طرح خودی میں مست ہو اور طوفان سے ٹکرا + تجھے کس نے کہا ہے کہ بیٹھ جا اور دامن میں پاؤں سمیٹ لے یعنی بے عمل ہو کر بیٹھ جا۔

② شیر کے شکار کے ارادہ سے چمن کی جگہ سے اٹھ + (اور) پہاڑوں میں جا کر ساز و سامان کھول یعنی قیام کر (اور) بیابان میں جا کر خیمہ لگا۔ (آرام نہ کر ہمت سے کام لے اور درپیش مشکلات کے حل کے لئے تدابیر کر)۔

③ سورج اور چاند پر ان کے گلے کو دبانے والی کمند پھینک + (اور) ستارے کو آسمان سے لے اور اپنے گریبان میں ڈال۔

④ میں نے مانا کہ خودی کی شراب بڑی تلخ ہے + (لیکن) تو اپنے درد کو دیکھ (اس کے لئے) میرے زہر کو اپنے علاج کے لئے استعمال کر (تیرے ہر درماں کا علاج خودی کی شراب پینے میں ہے جسے تو زہر سمجھتا ہے)۔

غزل 12

خضر وقت از خلوت دشت حجاز آید بروں — کارواں زیں وادیِ دور و دراز آید بروں
من بسیمائے غلاماں فر سلطان دیدہ ام — شعلہ محمود از خاک ایاز آید بروں!
عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات — تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں!
طرح نو می افگند اندر ضمیر کائنات — نالہ کز سینہ اہل نیاز آید بروں!
چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت — نغمہ خوں گشت و از رگہائے ساز آید بروں!

*

① حجاز کے بیابان یا صحرا سے زمانے کا خضر ظہور کر رہا ہے + اس دور و دراز وادی سے کوئی کارواں نکل رہا ہے۔ (مراد احیائے اسلام کی کوئی صورت اس زمانے میں پھر پیدا ہونے والی ہے)۔

② میں نے غلاموں کی پیشانی میں بادشاہ کی شان و شوکت دیکھی ہے + ایاز جو سلطان محمود کا غلام (یا محبوب) تھا اس کی خاک سے سلطان محمود کی شاہی کا شعلہ باہر آ رہا ہے (مراد ہے کہ دنیا کی غلام اور پسی ہوئی قوموں میں آزادی اور سرفرازی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی طرف خصوصی

اشارہ ہے جو دو صدیوں کی غلامی اور پستی کے بعد آزاد اور سربلند ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

③ زندگی مدتوں کعبہ اور بت خانہ میں روتی ہے + تب جا کر کہیں عشق کی بزم سے ایک دانائے راز باہر آتا ہے یا پیدا ہوتا ہے (سوئی ہوئی قوموں کو جگانے والے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے کبھی کبھار پیدا ہوتے ہیں اور جب کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے اس کا بھرپور ساتھ دینا چاہیے)۔

④ ضمیر کائنات میں وہ ایک نئی بنیاد ڈالتے ہیں + (کون) وہ نالے جو اہل نیاز کے سینوں سے باہر آتے ہیں (اہل نیاز سے مراد اللہ کے نیک' برگزیدہ اور تسلیم و رضا والے لوگ ہیں جو جب دعائیں کرتے ہیں تو اللہ منظور فرماتا ہے۔ ان کو ولیوں اور درویشوں کا گروہ بھی کہا جاتا ہے)۔

⑤ رباب کو میرے ہاتھ سے لے لو کہ میرا کام میرے ہاتھ سے جا رہا ہے یعنی میرے بس میں نہیں رہا + (حالت یہ ہو گئی ہے کہ) میرا نغمہ خون بن گیا ہے اور ساز کی رگوں سے باہر نکل رہا ہے۔ مراد ہے میں نے لوگوں تک شاعری کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچانے کے لئے اپنے دل و جگر کو خون کر لیا ہے اور اسے اپنے شعروں میں سمو کر قارئین تک پہنچایا ہے میں تو جو کچھ میرے بس میں تھا کر چکا اب کام ہے میرے مخاطبین کا کہ وہ اس خون سے خود کو کتنا رنگین کرتے ہیں۔

غزل 13

ز سلطاں کنم آرزوے نگاہے! مسلمانم از گل نہ سازم الٰہے
دل بے نیازے کہ در سینہ دارم گدا را دھد شیوۂ پادشاہے
ز گردوں فتد آنچہ بر لالہ من فرو ریزم او را بہ برگ گیاہے
چو پرویں فرو ناید اندیشہ من بدریوزۂ پرتو مہر و ماہے
اگر آفتابے سوے من خرامد بشوخی بگردانم او را ز راہے
بآں آب و تابے کہ فطرت بہ بخشد درخشم چو برقے بہ ابر سیاہے
رہ و رسم فرمانروایاں شناسم خراں بر سر بام و یوسف بچاہے!

*

① میں (صرف حقیقی مالک الملک) سلطان سے یعنی اللہ تعالیٰ سے (کرم کی) نگاہ کی امید رکھتا ہوں + (کیونکہ) میں مسلمان ہوں (اور مسلمان) مٹی کے الٰہ (معبود اور رب) نہیں بناتا۔ (غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا)۔

② وہ بے نیاز دل جو میں اپنے سینے میں رکھتا ہوں + گدا کو پادشاہ کا انداز عطا کرتا ہے۔

③ آسمان سے جو کچھ میرے لالہ یعنی دل پر نازل ہوتا ہے + میں اسے گھاس کے پتے پر گرا دیتا ہوں (جو افکار و خیالات قدرت کی طرف سے میرے دل میں آتے ہیں میں انہیں اشعار کی شکل میں عام آدمی تک پہنچا دیتا ہوں)۔

④ (پرویں ستاروں کا ایک جھرمٹ ہے جو سورج اور چاند سے بلندی پر ہے اس لئے شاعر کہتا ہے کہ) میرا فکر پرویں کی طرح نیچے نہیں آتا + چاند اور سورج سے روشنی کی بھیک مانگنے --- (میری بے

نیازی مجھے جس حال میں بھی میں ہوں غیر خدا کے آگے دست سوال دراز نہیں کرنے دیتی)۔
⑤ اگر سورج میری طرف آتا ہے (مجھے روشنی کی بھیک دینے کے لئے) + تو میں اس کو شوخی سے راستہ ہی میں سے واپس کر دیتا ہوں (اس میں بھی اپنے استغنا کا ذکر ہے)۔
⑥ اس آب و تاب سے جو (مجھے) فطرت بخشتی ہے + میں سیاہ بادل پر بجلی کی طرح چمکتا ہوں۔ (جس طرح سیاہ بادلوں میں بجلی کی چمک سے روشنی ہو جاتی ہے اس طرح میرے افکار و خیالات سے لوگوں کے ذہن اور قلب منور ہو جاتے ہیں)۔
⑦ میں حکمرانوں کی راہ و رسم (طرز عمل) کو پہچانتا اور جانتا ہوں + (ان کی غلط بخشیوں اور کج انداز فکر کی وجہ سے) گدھے تو چھت پر اور یوسف کنوئیں میں ہے (نااہل سرفراز ہیں اور اہل ذلیل ہو رہے ہیں)۔

غزل 14

با نشۂ درویشی درساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

گفتند جہان ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتند کہ برہم زن!

در میکدہ ہا دیدم شائستہ حریفے نیست
با رستم دستاں زن با مغبچہ ہا کم زن

اے لالۂ صحرائی تنہا نتوانی سوخت
ایں داغ جگر تابے بر سینۂ آدم زن

تو سوز درون او؛ تو گرمی خون او
باور نکنی؟ چاکے در پیکر عالم زن

عقل است چراغ تو؟ در راہگذارے نہ
عشق است ایاغ تو؟ با بندۂ محرم زن

لخت دل پر خونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بخاتم زن!

*

① درویشی کے نشہ سے موافقت کر اور اس نشہ کو مسلسل پیتے رہ + جب یہ نشہ پی کر تو پختہ (شرابی) ہو جائے تو پھر جمشید بادشاہ کی سلطنت سے خود کو ٹکرا دے (پہلے اپنے اندر فقیری شان پیدا کر پھر خانقاہ سے نکل کر باطل قوت سے ٹکرا۔ یہی اسلامی فقر کا شیوہ ہے)۔
② (قضا و قدر کے کارکنوں نے مجھ سے) کہا کیا ہمارا جہان تمہاری مرضی کے موافق ہے + میں نے کہا مرضی کے موافق نہیں۔ انہوں نے کہا (تو پھر) اس کو الٹ دے۔
③ میں نے شراب خانوں میں دیکھا کوئی شائستہ شراب نوش ساتھی نہیں ہے + تو دستاں کے بیٹے رستم کی صحبت اختیار کر (اور اس کے ساتھ بیٹھ کر پی) مغ بچوں کی صحبت میں نہ پی (عالی ظرفوں کی صحبت اختیار کر رذیلوں سے پرہیز کر)۔
④ اے صحرا (کی تنہائی میں کھلے ہوئے) لالے کے پھول اکیلے نہیں جلا جا سکتا + اس جگر کو حرارت دینے والے داغ کو آدم کے سینے میں ودیعت کر (اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے عشق کا داغ اور اس کی بنا پر سوز و گداز عطا کیا ہے تو اسے دوسروں تک بھی پہنچا)۔
⑤ (اے آدم) تو اس کا اندرونی سوز (اور) اس کے خون کی گرمی ہے۔ یعنی مخلوقات میں سے محض تو

ہے جسے خالق کائنات نے خون کی گرمی اور سینے کا سوز عطا کیا ہے (ورنہ باقی ساری مخلوق اس سے بے بہرہ ہے) + کیا تو یقین نہیں کرتا؟ (اگر نہیں کرتا تو یقین کرنے کے لئے) جہان کے پیکر میں دراڑ ڈال (اور اس میں سے جھانک کر دیکھ کہ کسی شے میں سوز دروں اور گرمی خون ہے کہ نہیں ہے یقیناً تو مشاہدہ کرلے گا کہ ہر شے (سوائے انسان) کے اس نعمت سے محروم ہے)۔

⑥ کیا عقل تیرا چراغ ہے؟ (اگر ہے تو اسے) کسی راستہ میں رکھ دے (تاکہ لوگ اس کی روشنی میں بخیریت راہ زندگی پر سے گزر سکیں) + کیا عشق تیرا پیالہ ہے؟ اگر ہے تو اسے کسی محرم بندہ کے ساتھ مل کر پی (عقل عام ہے اور عوام کے لئے ہے عشق خاص اور اخص لوگوں کے لئے ہے۔ عقل کی بات جس سے چاہے کر لیکن عشق کی بات صرف عشق کے محرموں سے ہی کر۔ عام آدمی عشق کی بات کو نہیں سمجھ سکتا)۔

⑦ میں خون بھرے دل کا ٹکڑا اپنی آنکھ کی راہ سے نیچے گرا رہا ہوں + یہ میرے بدخشاں کا لعل ہے اسے اٹھالے اور انگوٹھی میں جڑ لے (بدخشاں ایک علاقہ ہے جہاں کے لعل مشہور ہیں۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح بدخشاں کے لعل قابل قدر و قیمت ہیں اسی طرح کے میرے شعر بھی ہیں۔ اے مخاطب ان سے بے اعتنائی نہ برت ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی شخصیت کو بنا)۔

غزل 15

هوس ہنوز تماشاگر جہانداری است
دگر چہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است

زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل
بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری است!

امیر قافلہ سخت کوش و پیہم کوش
کہ در قبیلہ ما حیدری ز کراری است

تو چشم بستی و گفتی کہ ایں جہاں خواب است
کشائے چشم کہ ایں خواب خواب بیداری است

بخلوت انجمنے آفریں کہ فطرت عشق
یکی شناس و تماشا پسند بسیاری است

تپید یک دم و کردند زیب فتراکش
خوشا نصیب غزالے کہ زخم او کاری است

بباغ و راغ گہرہائے نغمہ می پاشم
گراں متاع و چہ ارزاں زکند بازاری است

✱

① ہوس ابھی تک جہاں داری کی تماشا کرنے والی ہے (وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتی ہے کہ کس طرح جہان کو قابو میں کیا جا سکتا ہے اور کس طرح دنیا کا مال اور دولت اکٹھی کی جا سکتی ہے اس سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے) + ہرے رنگ کے پردوں یعنی آسمان کے پیچھے اور کون سا فتنہ ہے؟ یعنی اگر دنیا میں ہوس کا بازار اسی طرح گرم رہا تو خدا جانے اہل دنیا کو کس کس مزید فتنہ کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ دنیا میں جتنے فتنے بھی پیدا ہوتے ہیں ان کا سبب ہوس انسانی ہے۔

② عقل جو کچھ تراشتی ہے اسے ساتھ ساتھ یا ہر لمحہ توڑتی بھی رہتی ہے (کیونکہ وہ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتی) + آ (اور عقل چھوڑ کر عشق اختیار کر) کیونکہ عشق مسلمان ہے اور عقل برہمن کا جنیو پہننے والی کافر ہے۔ (عشق یقین اور ایمان کی منزل تک پہنچاتا) ہے مشاہدہ اور معرفت کراتا ہے اس لئے اس کو

مسلمان کہا ہے۔ اس کے برعکس عقل کو حق کی منزل تک نہ پہنچنے کے سبب کافر کہا ہے)۔

③ تو قافلے کا سالار ہے (اس لئے قافلہ کی راہنمائی اور اسے منزل تک پہنچانے کے لئے) سخت محنت کر اور مسلسل کر + کیونکہ ہمارے قبیلے میں یعنی عاشقوں کی قوم میں حیدر (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سی شیرانہ بہادری یا صلاحیت امامت) باطل اور کفر پر پے در پے اور زوردار حملے کرنے میں ہے۔

④ تو نے آنکھ بند کرلی اور کہا کہ یہ دنیا تو ایک خواب ہے + آنکھ کھول (اور دیکھ کہ) یہ خواب بیداری کا خواب ہے (مراد ہے تو دنیا کو تو خواب کی طرح وہمی سمجھتا ہے اور اسے ترک کرنے کے لئے کہتا ہے جب کہ میں کہتا ہوں کہ یہ بے شک خواب سہی لیکن یہ خواب وہمی نہیں۔ اس میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ایک وجود ضرور رکھتا ہے اس لئے اس کو ترک نہیں کیا جانا چاہئے)۔

⑤ خلوت میں رہ کر انجمن پیدا کر۔ کیونکہ عشق کی فطرت + ایک کو پہچاننے والی اور بہت سوں کا نظارہ کرنے والی ہے۔ (عشق کا صاحب وحدت میں کثرت دیکھتا ہے۔ اور کثرت کا تماشا کرتے ہوئے وحدت میں گم رہتا ہے)۔

⑥ وہ ایک دم کے لئے تڑپا اور اسے اس کے یعنی شکار کرنے والے نے فتراک میں باندھ دیا (فتراک شکار کرنے والے کے گھوڑے کے ساتھ لٹکتا ہوا ایک تھیلا یا چمڑے کا آکڑہ ہوتا ہے جس میں شکار کو باندھ دیتے ہیں) + وہ ہرن بڑا خوش نصیب ہے جس کا (شکاری کا لگایا ہوا) زخم کاری یعنی گہرا، موثر اور نہ ٹھیک ہونے والا ہے (دوست کی نگاہ ناز نے جسے اس طرح زخمی کردیا ہو کہ اس کے اچھا ہونے ہی کی امید نہ ہو اس سے بڑھ کر اور خوش نصیب کون ہو سکتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ عمر بھر اس رستے ہوئے زخم کی لذت اٹھاتا رہے گا بلکہ دوست کی نگاہ میں بھی رہے گا)۔

⑦ میں باغوں اور سبزہ زاروں میں نغمہ کے (یعنی اپنی شاعری یا اس میں دئے گئے پیغام کے) موتی بکھیر رہا ہوں (اس خیال سے بکھیر رہا ہوں کہ شاید کوئی اٹھا کر کام میں لے آئے) + (اصول یہ ہے کہ موتی ان کی قدر کرنے والوں کو دینے چاہئیں بے قدروں کو نہیں لیکن میں کیا کروں ایسا خریدار ہی نظر نہیں آتا) + متاع اگرچہ مہنگی ہے اور (دیکھئے) بازار مندا ہونے کی وجہ سے کتنی سستی ہے۔

غزل 16

فرشتہ گرچہ بروں از طلسم افلاک است
نگاہ او بتماشاے ایں کف خاک است

گماں مبر کہ بیک شیوہ عشق می بازند
قبا بدوش گل و لالہ بے جنوں چاک است

حدیث شوق ادا می تواں بخلوت دوست
بنالہ کہ ز آلائش نفس پاک است

تواں گرفت ز چشم ستارہ مردم را
خرد بدست تو شاہین تند و چالاک است

کشاے چہرہ کہ آنکس کہ لن ترانی گفت
ہنوز منتظر جلوۂ کف خاک است

دریں چمن کہ سرود است و ایں نوا زکجاست؟
کہ غنچہ سر بگریبان و گل عرقناک است!

*

① فرشتہ اگرچہ آسمانوں کے جادو سے آزاد ہے یعنی وہ آدمیوں کی طرح قوانین فطرت اور احکام قضاو

قدر کا پابند نہیں ہے + (اس کے باوجود) اس کی نگاہ اس مٹی کی مٹھی یعنی آدمی کا تماشا کر رہی ہے (کیونکہ آدمی کے پاس عشق یا سوز و گداز کی نعمت ہے. جس سے فرشتہ محروم ہے)۔

② یہ خیال نہ کر کہ عشق کا کھیل ایک طریقہ پر کھیلتے ہیں یا عشق (کی بازی محبوب کے) ایک ناز و انداز پر ہار جاتے ہیں + (کیا تو نہیں دیکھتا کہ) گلاب کے اور لالے کے پھول کی قبا جنوں کے بغیر ہی چاک ہے۔ (عشق کا کھیل کھیلنے یا عشق میں بازی ہارنے کے کئی طریقے ہیں)۔

③ دوست کی خلوت میں شوق کی حکایت کہی جا سکتی ہے + (صرف اس نالہ کے ذریعے) جو سانس کی ملاوٹ یعنی زبان سے نکلی ہوئی بات یا الفاظ کے بغیر ہو یعنی جس میں صدق اور اخلاص ہو)۔

④ ستارے کی آنکھ سے اس کی پتلی کو چھینا جا سکتا ہے + (کیونکہ اے انسان) تیرے ہاتھ پر یعنی تیرے پاس جو عقل ہے وہ ایک تیز اور ہوشیار شاہین ہے (عقل انسانی میں اتنی طاقت اور پرواز ہے کہ وہ عناصر فطرت کے پرندوں کی آنکھیں اسی طرح نکال سکتی ہے جس طرح شاہین فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کی نکال سکتا ہے۔ مراد ہے عقل انسانی میں وہ طاقت ہے کہ وہ عناصر فطرت کو ہر طرح مسخر کر سکتی ہے)۔

⑤ اے انسان اپنا چہرہ کھول دے یعنی بے نقاب کر دے کیونکہ وہ ہستی جس نے (تیرے اس مطالعہ پر کہ (رب ارنی) اے رب مجھے اپنا دیدار کرا) لن ترانی کہا تھا (کہ تو میرا دیدار نہیں کر سکتا) + وہ خود ابھی تک مٹی کی مٹھی یعنی انسان کے جلوے کا منتظر ہے یعنی جس خدا کے دیدار کی ہم تمنا کرتے ہیں وہ خود انسان کے دیدار کی آرزو رکھتا ہے۔ عام انسان کے دیدار کی نہیں بلکہ اس انسان کے دیدار کی جو اس کی احسن تقویم ہونے کی بنا پر اس کی صفات کا مظہر ہے اور خلیفۃ الارض اور نائب خدا ہونے کا سزاوار ہے۔

⑥ اس چمن میں کون گا رہا ہے اور یہ نوا کہاں سے یا کس کی آ رہی ہے + کہ (جس کو سن کر) غنچہ حالت تفکر میں اور پھول پسینہ پسینہ ہے۔ مراد ہے کائنات میں یا کائنات کی اشیا میں کون جلوہ گر ہے. جس کا ہر کوئی تماشائی ہے۔

غزل 17

عرب کہ باز دہد محفل شبانہ کجاست؟
عجم کہ زندہ کند رود عاشقانہ کجاست

بزیر خرقہ پیراں سبوچہا خالی است
فغاں کہ کس نشناسد مے جوانہ کجاست

دریں چمن کدہ ہر کس نشیمنے سازد
کسے کہ سازد و وا سوزد آشیانہ کجاست؟

ہزار قافلہ بیگانہ وار دید و گذشت
ولے کہ دید باندازِ محرمانہ کجاست؟

چو موج خیز و بہ یم جاودانہ می آویز
کرانہ می طلبی بے خبر کرانہ کجاست!

بیا کہ در رگ تاک تو خون تازہ دوید
دگر مگوے کہ آں بادۂ مغانہ کجاست

بیک نورد فرو پیچ روزگاراں را
ز دیر و زود گذشتی دگر زمانہ کجاست!

① وہ عرب جو رات کی محفلوں کو زندہ کرے، کہاں ہے؟ + وہ عجم جو عاشقانہ ساز (یا نغمہ) کو زندہ کرے وہ کہاں ہے؟ مراد ہے نہ عربوں میں وہ ایمان کی حرارت باقی ہے اور نہ عجمیوں میں جو ان میں کبھی پہلے تھی۔

② پیروں کے خرقوں (لبادوں) کے نیچے ان کے چھوٹے مٹکے یا صراحیاں (شراب سے) خالی ہیں مراد ہے پیروں کے ظاہر تو پیرانہ ضرور ہیں لیکن ان کے دل کے پیالے شراب معرفت سے خالی ہیں + فریاد ہے کہ کوئی نہیں پہچانتا کہ جو کی بنی ہوئی شراب کہاں ہے (اگر پیر صحیح نہیں ہیں تو پیروں کی صحیح پہچان رکھنے والے بھی نہیں ہیں)۔

③ اس دنیا کے چمن خانہ میں ہر کوئی ایک نشیمن (آشیانہ) بناتا ہے + (لیکن) ایسا شخص کہ جو آشیانہ بنائے اور اسے صاف جلا ڈالے کہاں ہے یعنی اپنی متاع جان و مال کو بنانے والے تو بہت ہیں لیکن اللہ کی راہ میں اس کو قربان کر دینے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔

④ (دنیا میں روز ابتدا سے لے کر اب تک) ہزاروں قافلے (آئے) انہوں نے جہان کو بیگانوں کی طرح دیکھا اور چلے گئے + (لیکن) وہ کہ جس نے اسے محرمانہ انداز میں دیکھا ہو وہ قافلہ کہاں ہے (لاکھوں کروڑوں لوگ دنیا میں آتے ہیں اور اپنے مقصد حیات کو جانے بغیر اور خود کو پہچانے بغیر دنیا سے چلے جاتے ہیں)۔

⑤ لہر کی طرح اٹھ اور ہمیشہ سمندر میں گھلا ملا رہ + تو کنارہ چاہتا ہے اے بے خبر کنارہ کہاں ہے (جس طرح موج اپنے وجود کو منوانے کے لئے سمندر سے اٹھتی ہے اور سمندر ہی میں رہ کر سمندر ہو جاتی ہے اسی طرح تو بھی اپنی خودی کو بیدار کر کے یا خدا کی صفات کو اپنے اندر پیدا کر کے لامحدود ہو جا یہ بھی یاد رکھ کہ اس سمندر کا کوئی کنارہ نہیں جس کا تو ایک موج کی طرح حصہ بنے گا اس لئے تو بھی بے کنار ہو جائے گا۔

⑥ آ کہ تیری انگور کی بیل کی رگ میں نیا خون دوڑا + پھر نہ کہہ کہ وہ مے فروش کی شراب کہاں ہے (میری مجلس میں آنے سے اور میرے کلام کی صراحی سے شراب پینے سے تیرے اندر خود شناسی کا خون دوڑا اس لئے اب تو یہ نہیں کہہ سکے گا کہ خود شناسی اور خود بیداری کی شراب کہیں نہیں ہے)۔

⑦ ایک لپیٹ یا چھلانگ میں زمانے کو لپیٹ لے یا طے کر لے + (اس طرح) تو جب دیر اور جلدی یعنی زمانہ ظاہری کی تقسیم سے گزر گیا تو پھر زمانہ کہاں ہے تو اس پر غالب آ جائے گا۔

نظم 18

(یہ غزل کی طرز پر نہیں)

مانند صبا خیز و وزیدن دگر آموز   دامان گل و لالہ کشیدن دگر آموز
اندر دل غنچہ خزیدن دگر آموز!
موئینہ بہ بر کردی و بے ذوق تپیدی   آں گونہ تپیدی کہ بجائے نہ رسیدی

در انجمن شوق تپیدن دگر آموز!

کافر! دل آوارہ دگر بارہ باو بند بر خویش کشا دیدہ و از غیر فرو بند

دیدن دگر آموز و ندیدن دگر آموز!

دم چیست؟ پیام است، شنیدی، نشنیدی! در خاک تو یک جلوۂ عام است ندیدی!

دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!

ما چشم عقاب و دل شہباز نداریم چوں مرغ سرا لذت پرواز نداریم

اے مرغ سرا خیز و پریدن دگر آموز!

تخت جم و دارا سر راہے نفروشند ایں کوہ گران است بکاہے نفروشند

با خون دل خویش، خریدن دگر آموز!

نالیدی و تقدیر ہمان است کہ بود است آں حلقۂ زنجیر ہمان است کہ بود است

نومید مشو! نالہ کشیدن دگر آموز!

وا سوختۂ؟ یک شرر از داغ جگر گیر! یک چند بخود پیچ و نیستاں ہمہ در گیر!

چوں شعلہ بخاشاک دویدن دگر آموز!

٭

① صبح کی نرم و لطیف ہوا کی طرح اٹھ اور پھر سے چلنا سیکھ + گلاب اور لالہ کے پھول کے دامن کو کھینچنا پھر سے سیکھ (اپنی سوئی ہوئی مسلمانی حس کو پھر بیدار کر اور دوسروں کے اندر بھی یہ حس پیدا کرنے کا پھر سے بندوبست کر)۔

مصرع: غنچہ کے جھونکے سے دل میں پھر سے خلش پیدا کرنا سیکھ (لوگوں کے باطن کو درست کرنا سیکھ)۔

② تو نے صوف کا لباس پہنا (تاکہ تو صوفی لگے اور صوفی کہلائے) اور تو بے ذوق تڑپا (تو نے لوگوں کو دکھاوے کے وجد اور مستی سے فریب دیا) + تو اس طرح تڑپا کہ کسی مقام پر نہ پہنچا (کیونکہ تیری تڑپ بناوٹی تھی)۔

مصرع: اہل شوق کی محفل میں نئے انداز سے تڑپنا سیکھ۔

③ اے کافر تو اپنے دل کو پھر سے اس (محبوب حقیقی) سے لگا + (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) تو خود پر نظر دوڑا یعنی اپنی معرفت حاصل کر اور غیروں سے اپنی آنکھیں بند کر لے (یہاں کافر سے مراد ایمان سے خارج نہیں بلکہ اپنی اور اپنے خدا کی پہچان سے خارج ہونے والا مقصود ہے)۔

مصرع: نئے طرز سے دیکھنا اور نہ دیکھنا سیکھ۔

④ سانس کیا ہے؟ (یار کا) پیام ہے (چاہیے) تو نے سنا یا نہ سنا + تیری مٹی (جسم) میں (اس یار کا) عام جلوہ ہے (چاہیے) تو نے دیکھا یا نہ دیکھا مراد ہے کہ اے انسان تیرے اندر تیرے بنانے والے کا جلوہ پوشیدہ ہے اور تیری ہر سانس اس کا پیغام ہے کسی واقف راز سے اس بھید کو سمجھ اور پاس انفاس کر کے یار کے پیغام کو سن اور دیدۂ بیدار پیدا کر کے اس کو اپنے اندر دیکھ وہ تجھ سے باہر نہیں ہے۔ صوفیا نے اسی لئے کہا ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر---

مصرع: پھر سے دیکھنا سیکھ اور پھر سے سننا سیکھ۔

⑤ ہم عقاب کی آنکھ اور شہباز کا دل نہیں رکھتے + گھر کے پرندے کی طرح ہم پرواز کی لذت نہیں رکھتے۔

مصرع: اے گھر کے پرندے اٹھ اور پھر اڑنا سیکھ۔

⑥ دارا اور جمشید کا تخت راہ چلتے (یونہی) فروخت نہیں کرتے + یہ بھاری پہاڑ ہے تنکے کے عوض نہیں بیچتے۔

مصرع: اپنے دل کے خون سے خریدنا پھر سے سیکھ۔

⑦ تو رویا اور تیری تقدیر وہی ہے کہ جو رہی ہے + تیری زنجیر کا حلقہ (جس نے تجھے تقدیر کی مجبوری میں قید کر رکھا ہے) وہی ہے جو رہا ہے۔

مصرع: ناامید نہ ہو نئے انداز میں نالہ کھینچنا سیکھ۔

⑧ کیا تو جل کر راکھ ہو گیا ہے؟ (اگر ایسا ہے تو) تو اپنے جلے ہوئے جگر سے ایک چنگاری لے + اپنے گرد لپیٹ لیا یا اپنے گرد گھوم یعنی اپنی خودی کو مستحکم کر یا خود کو مزید وسعت دے اور پھیلا اور سرکنڈے کے سارے جنگل کو اپنی چنگاری کی لپیٹ میں لے لے

مصرع: شعلہ کی طرح خشک گھاس پھوس میں دوڑنا پھر سے سیکھ۔ مراد ہے اپنی پوشیدہ طاقتوں کو بروئے لا کر خود کو مخالف قوتوں سے متصادم کر اور اس طرح مقصد حیات کی کامیاب منزل تک پہنچ۔

نظم (یہ غزل نہیں ہے)

پہلا بند

اے غنچہ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز کاشانہ ما رفت بتاراج غماں خیز
از نالہ مرغ چمن، از بانگ اذاں خیز از گرمیِ ہنگامہ آتش نفساں خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① اے سوئے ہوئے غنچے نرگس کی طرح دیکھتے ہوئے اٹھ + ہمارا گھر غموں یا مصائب نے برباد کر دیا، لوٹ لیا، اٹھ۔ (قوم کے بے عمل نوجوانوں کو تباہی کا احساس دلا کر شاعر جگا رہا ہے)۔

② (اٹھ کسی تحریک سے اٹھ چاہے) چمن کے پرندے کی فریاد کی آواز سے اٹھ (چاہے) اذان کی آواز سے اٹھ + (اور چاہے) آگ بھرے سانس رکھنے والوں کی گرمی کے ہنگامہ سے اٹھ (لیکن کچھ کرنے کے لئے اٹھ ضرور)۔

مصرع ①② : غفلت کی یا گہری نیند بھری نیند سے اٹھ گہری نیند سے اٹھ۔

دوسرا بند

خورشید کہ پیرایہ بسیمائے سحر بست — آویزہ بگوش سحر از خون جگر بست
از دشت و جبل قافلہ ہا رخت سفر بست — اے چشم جہاں بیں بہ تماشائے جہاں خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① سورج جس نے صبح کے زیور سے ماتھے کو سجایا + اس نے صبح کے کانوں میں خون جگر سے بندہ لٹکایا (مراد ہے صبح ہو گئی ہے)۔
② بیابان، اور پہاڑ سے قافلوں نے سفر کے لئے سامان باندھ لیا + اے جہان کو دیکھنے والی آنکھ تو بھی جہان کے تماشا کے لئے اٹھ (آمادہ عمل ہو جا)۔
مصرع ①② : گہری نیند گہری نیند گہری نیند سے اٹھ۔ گہری نیند سے اٹھ۔

تیسرا بند

خاور ہمہ مانند غبار سر راہے است — یک نالہ خاموش و اثر باختہ آہے است
ہر ذرۂ ایں خاک گرہ خوردہ نگاہے است — از ہند و سمرقند و عراق و ہمدان خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① مشرق (مشرقی اقوام) سب کا سب راستے کے غبار کی مانند ہے (زندگی کے ہر شعبہ میں پس ماندہ ہے اور اس بنا پر ذلیل و خوار ہے) + (اس کی مثال یہ ہے کہ) وہ ایک خاموش نالہ اور بے اثر آہ ہے۔ (اس کا ہر قدم اور ہر کام بے نتیجہ فریاد اور بے اثر آہ کی مانند رائگاں ہے)۔
② اس مٹی کا ہر ذرہ ایک ایسی آنکھ ہے جس پر گرہ باندھ دی گئی ہو یعنی جو اپنی حالت دگرگوں اور اہل مغرب کی ترقی و مکاری کو دیکھنے سے غافل ہے + (اے مشرق والے تو جہاں جہاں بھی ہے) ہندوستان، سمرقند (وسطی ایشیا)، عراق، اور ہمدان (ایران) سے اٹھ۔
مصرع ①② : گہری نیند گہری نیند گہری نیند سے اٹھ۔ گہری نیند سے اٹھ۔

چوتھا بند

دریائے تو دریاست کہ آسودہ چو صحراست — دریائے تو دریاست کہ افزوں نشد و کاست
بیگانۂ آشوب و نہنگ است چہ دریاست! — از [illegible] چاکش صفت موج رواں خیز

از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① (تیری زندگی کا) دریا وہ دریا ہے جو صحرا کی طرح خاموش اور پر سکون ہے یعنی تجھ میں عمل کی کوئی حرکت نہیں + تیرا دریا وہ دریا ہے جو بڑھتا تو نہیں کم (ضرور) ہوا ہے یعنی تو بے عملی کے سبب پہلے سے بھی بری حالت میں چلا گیا ہے۔

② (تیرا دریا) طوفان، تلاطم اور خطرناک مگرمچھوں سے بیگانہ ہے یعنی تیری زندگی بے کیف، بے سوز، بے عمل، بے جوش کردار سے ناواقف اور مصائب کا مقابلہ کرنے سے بیزار ہے (تعجب ہے کہ) یہ کیسا دریا ہے + اس کے پھٹے ہوئے سینے سے بھی بھولی موج کی مانند اٹھ۔

مصرع ①② : گہری نیند گہری نیند سے اٹھ۔ گہری نیند سے اٹھ۔

پانچواں بند

ایں نکتہ کشائندۂ اسرار نہان است　　ملک است تن خاکی و دیں روح روان است
تن زندہ و جاں زندہ ز ربط تن و جان است　　با خرقہ و سجادہ و شمشیر و سناں خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① یہ باریک بات چھپے ہوئے بھیدوں کو کھولنے والی ہے + (کہ) ملک (اگر) مٹی کا جسم ہے (تو) دین (اس کی) روح رواں ہے یعنی ایسی روح ہے جو مرتی نہیں بلکہ جاری و ساری رہتی ہے۔

② جسم (اگر) زندہ ہے روح (اگر) زندہ ہے (تو) جسم اور روح کے آپس کے ربط کی وجہ سے زندہ ہے۔ تن کے بغیر جان (روح) اور جان کے بغیر تن (جسم) خود کو بروئے کار نہیں لا سکتا (یہی حال ملک اور دین کا ہے جب تک دونوں میں ربط نہیں ہوگا صحیح منزل مقصود تک ان کا سفر نہیں ہو سکتا۔ اسلام کہتا ہے کہ ملک اور دین یا سیاست اور دین کی تفریق شیطانی معاشرہ کو جنم دیتی ہے اور ان میں ربط الٰہی معاشرہ قائم کرتا ہے۔ آج کی دنیا کے ہر ملک میں جس قسم کا نظام و انتظام ہے اس سے یہ صداقت آپ کے سامنے آجائے گی) + (اسلام خرقہ و سجادہ کو بھی یعنی انسان کی باطنی اور روحانی ترقی کو اور تلوار اور نیزے کو یعنی لشکری قوت کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ دین کے بغیر طاقت چنگیزی طاقت بن جائے گی اور طاقت کے بغیر دین کا نفاذ نہیں ہو سکے گا اس لئے شاعر کہتا ہے) خرقہ و سجادہ اور شمشیر و سناں کے ساتھ اٹھ۔

مصرع ①② : گہری نیند گہری نیند سے اٹھ۔ گہری نیند سے اٹھ۔

چھٹا بند

ناموس ازل را تو امینی تو امینی!　　دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی

اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی صہبائے یقیں درکش و از دیر گماں خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① ازل کی ناموس (اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت) کا تو امانت دار ہے تو امانت دار ہے (تیرے پاس اللہ کی امانت یعنی اس کی خلافت ہے یا تیرے پاس اس کی امانت قرآن ہے) + تو جہان کے رکھوالے کا دایاں بازو ہے مراد ہے تو اللہ تعالیٰ کے نظام اور اس کے منشا کو جہان میں نافذ کرنے والی قوت ہے۔

② (تو اپنے امین ہونے کے منصب کو بھول کر محض ایک جسم خاکی رہ گیا ہے اور کھانے پینے اور سونے کے سوا تجھے اور کوئی کام نہیں) اے خود کو خاک کا غلام بنانے والے اے خاکی بندے تو (محض) زمانہ اور زمین یعنی زمان و مکاں کی قید میں پھنسا ہوا ہے (اس سے باہر بھی جہان ہے اور جو باہر میں ہوتا ہوا تیرے جسم خاکی کے اندر بھی سب کا سب موجود ہے لیکن تجھے اس کی خبر نہیں تو ایمان کی دولت کو چھوڑ کر بے یقینی اور تشکیک کی فضا میں سانس لے رہا ہے) + یقین کی شراب پی اور وہم کے مندر سے اٹھ (تو پھر زندگی کی تیرے حقیقت ہاتھ آجائے گی)۔

مصرع ①② : گہری نیند گہری نیند گہری نیند سے اٹھ۔ گہری نیند سے اٹھ۔

ساتواں بند

فریاد ز افرنگ و دل آویزیِ افرنگ فریاد ز شیرینی و پرویزیِ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!
از خواب گراں خیز!

*

① یورپ (مغرب) سے اور اس کی دل لبھانے والی (فضا سے) فریاد (خدا اس سے بچائے) + یورپ کے شیریں کی طرح کے حسن اور محبوبیت اور پرویز کی طرح کی مکاری سے فریاد ہے یا فریاد کرو (اس شعر میں شیریں اور فرہاد کے قصے کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق ایران کے بادشاہ کیخسرو پرویز نے ایک حسین عورت شیریں کو اس کے عاشق صادق فرہاد سے مکارانہ چالوں سے چھین کر اپنے محل سرا میں داخل کر لیا تھا اور فرہاد کو مروا دیا تھا۔ اہل یورپ پچھلی چند صدیوں سے اپنی خنزیری تہذیب، سگ پرستانہ ثقافت، شیطان پرور افکار اور دین فروش علوم و فنون کے ذریعے ساری دنیا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنی ظاہری چمک دمک کا فریب دے کر پھنسا رہے ہیں بلکہ پھنسا چکے ہیں اور مسلمان نام کا مسلمان رہ گیا ہے)۔

② سارا جہان فرنگیوں کی (فکری اور سیاسی یلغار کی) چنگیزیت کی وجہ سے ویرانستان بن چکا ہے (چنگیز نے

تو جسم کاٹے تھے شہر برباد کئے تھے انہوں نے قلب و روح کے جہانوں کو بھی برباد کر دیا ہے۔ دماغ و ذہن کی دنیا کو بھی غارت کیا ہے۔ ان کی بربادی چنگیز کی بربادی سے زیادہ خطرناک ہے + اے وہ مسلمان جس نے کبھی حرم کو تعمیر کیا تھا یعنی دین اسلام کے ذریعے دنیا کے ویرانے کو آباد کیا تھا (اور جسم و روح کی ایک دوسرے سے مربوط بستیاں قائم کی تھیں) دوبارہ جہان کی تعمیر کے لئے اٹھ (کیونکہ جہان کی صحیح تعمیر سوائے مسلمان کے اور کوئی نہیں کر سکتا بشرطیکہ وہ صحیح مسلمان بن کر تعمیر جسم و روح اور تعمیر دنیا و دیں کا فن جانتا ہو۔

مصرع ①② : گہری نیند گہری نیند گہری نیند سے اٹھ۔ گہری نیند سے اٹھ۔

سبق پھر پڑھ شجاعت کا، عدالت کا، صداقت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقبال

غزل 20

جہان ما ہمہ خاک است و پے سپر گردد
ندانم ایں کہ نفسہائے رفتہ برگردد

شبے کہ گور غریباں نشیمن است او را
مہ و ستارہ ندارد چساں سحر گردد؟

دلے کہ تاب و تب لایزال می طلبد
کرا خبر کہ شود برق یا شرر گردد

نگاہ شوق و خیال بلند و ذوق وجود
مترس ازیں کہ ہمہ خاک رہگذر گردد

چناں بزی کہ اگر مرگ ماست مرگ دوام
خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد!

*

① ہمارا جہان (جسم انسان) سب کا سب خاک ہے اور خاک اڑ جائے گی فنا ہو جائے گی + میں یہ نہیں جانتا کہ میرے جو سانس جا چکے ہیں وہ واپس بھی آجائیں گے (یا نہیں آئیں گے) مراد ہے مرنے کے بعد پھر میں زندہ ہو جاؤں گا یا نہیں مجھے کچھ خبر نہیں (پے سپر گرد کے معنی ہیں ڈھال پھینکنے والا یا شکست کھانے والا یہاں مراد ہے فنا ہونے والا)

② وہ رات کہ مر کر دوسرے جہان کی طرف سفر کرنے والوں کی قبر اس کا ٹھکانا ہے۔ (وہ رات) چاند تارے تو رکھتی نہیں نہ جانے اس کی صبح کیسے ہو گی؟ قبر کی تاریکی میں جانے کے بعد وہ مرنے والا جو مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا خدا ہی جانتا ہے وہ دوبارہ جسم انسانی میں اٹھے گا یا نہیں۔

③ وہ دل جو (یہاں دنیا میں) نہ ختم ہونے والی تڑپ اور حرارت کا چاہنے والا ہے + کسے خبر ہے کہ (وہاں یعنی قبر میں جانے کے بعد) برق (دوسروں کو جلانے اور خود زندہ رہنے والا) بنے گا یا چنگاری (کی طرح ختم ہو جانے والا) بنے گا۔

④ (پہلے تین شعروں میں مر کر فنا ہو جانے یا فنا نہ ہونے یا مر کر دوبارہ اٹھنے یا نہ اٹھنے کی گومگو کی حالت سے گزرنے کے بعد شاعر یقین کی حالت میں آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تیرے پاس) شوق کی نگاہ، بلند خیال اور وجود قائم رکھنے کا ذوق ہے + (تو پھر اس بات سے) نہ ڈر کہ یہ سب کچھ راستے کی گرد بن

جائے گا یعنی ختم ہو جائے گا۔ مطلب شاعر کا یہ ہے جس آدمی کے اندر پہلے مصرع میں بتائی گئی تین صفات موجود ہوں گی وہ مر کر بھی فنا نہیں ہو گا۔

⑤ اس طرح زندگی گزار کہ اگر ہماری موت ہمیشہ کی موت ہے + تو خدا اپنے کئے پر زیادہ شرمسار ہو یعنی پہلے وہ ہماری کرتوتوں کو دیکھ کر ہمیں پیدا کرنے پر شرمسار ہے کہ میں اسے پیدا نہ ہی کرتا تو اچھا تھا۔ میں نے تو اسے اپنا شاہکار' اشرف المخلوقات اور اپنا خلیفہ اور نائب بنایا تھا۔ یہ دنیا میں جا کر شیطان سے بھی بدتر ہو گیا اب اگر وہ ایک ایسے انسان کو جس نے دنیا میں آ کر اس طرح زندگی گزاری ہو جو منشائے خداوندی کے مطابق ہو ہمیشہ کی موت دے گا تو اس عمل پر زیادہ شرمندہ ہو گا کہ ایسے انسان کو جو میری صفات کا مظہر ہے جو میرے خلیفۃ الارض کے مقام پر فائز ہو چکا ہے میں نے اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ کی نیند کیوں سلا دیا۔ اس شعر میں مقصود شاعر کا یہ بتانا ہے کہ عام آدمی جو خدا کے احکام کو بھول کر حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتا ہے اس کے لئے موت ہمیشہ کی موت ہے لیکن جو اللہ کا بندہ بن کر جیتا ہے اس کے لئے موت موت نہیں یہ محض دوسری طرف جا کر زندہ ہونے کا ایک مرحلہ ہے۔

غزل 21

باز بر رفتہ و آئندہ نظر باید کرد ہلہ برخیز! کہ اندیشہ دگر باید کرد

عشق بر ناقۂ ایام کشد محمل خویش عاشقی؟ راحلہ از شام و سحر باید کرد

پیر ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست از خوش و ناخوش او قطع نظر باید کرد

تو اگر ترک جہاں کردہ سر او داری پس نخستیں ز سر خویش گذر باید کرد

گفتمش در دل من لات و منات است بسے گفت ایں بتکدہ را زیر و زبر باید کرد

*

① (تمہیں) پھر سے اپنی گزری ہوئی اور آنے والی (زندگی یا واقعات) پر نظر دوڑانی چاہیے + خبردار ہو جا اٹھ کہ تمہیں پھر سے اپنی فکر دوڑانی چاہیے (کہ میں کیا تھا مجھے کیا ہونا چاہیے تھا)۔

② عشق زمانے کی اونٹنی پر اپنا محمل استوار کرتا ہے یعنی عشق والا زمانے کا حکمران ہوتا ہے اس کے ماتحت نہیں ہوتا + (اس لئے) اگر تو عاشق ہے تو پھر تجھے شام و سحر کو اپنی سواری بنانا چاہئے (زمان و مکاں میں مقید ہونے کی بجائے اس پر سوار ہونا چاہئے یا اس سے آزادانہ زندگی گذارنی چاہیے۔

③ میرے پیر (مرشد) نے مجھ سے کہا کہ جہاں ایک طرز پر قائم نہیں ہے۔ (اس میں تغیر و تبدل ہوتے رہتے ہیں یہاں راحت و کلفت' محنت و آسائش' شادی و غم موت و حیات وغیرہ سے گزرنا ہی پڑتا ہے) + (اس لئے) آدمی کو یہاں کی اچھی اور بری یا پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزوں اور حالات سے قطع نظر کرنی چاہئے (اور ہر شے کو اللہ کی رضا سمجھتے ہوئے پر سکون زندگی بسر کرنی چاہئے)۔

④ اگر تو جہان کو ترک کر کے اس کا یعنی محبوب (کے حصول کا) قصد رکھتا ہے + تو پہلے تجھے چاہئے کہ اپنے سر سے گزر جائے یعنی اپنی زندگی اس کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے (دنیا ترک کرنا لیکن خود کو ترک نہ کرنا یہ راہ محبوب کے راستہ کو نہیں جاتی محبوب کی منزل تک جانے والی راہ خود کو فنا

کرنے سے ہاتھ آتی ہے)۔

⑤ میں نے اس سے (اپنے محبوب سے) کہا کہ میرے دل میں لات اور منات کی طرح کے بت سے بت ہیں (لات و منات زمانہ اسلام سے پہلے کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں میں سے دو بتوں کے نام ہیں) + اس نے کہا کہ اس بت کدہ کو برباد کر دینا چاہئے (یہ کہاں کی طلب ہے کہ بتوں کو بھی چاہنا اور مجھے بھی چاہنا یہ بت تو میرے راستے کے پتھر ہیں مجھ تک آنا ہو تو پہلے ان کو ہٹاؤ یہاں یہ یاد رہے کہ یہ بت مٹی پتھر کے بت نہیں بلکہ شیطانی خیالات و افکار اور ابلیسی اعمال و کردار کے بت ہیں جن کے ہونے سے دل بت کدہ بنا رہتا ہے اور نہ ہونے سے کعبہ بن جاتا ہے جس میں خدا جلوہ گر ہو جاتا ہے)۔

غزل 22

خیال من بہ تماشائے آسماں بود است	بدوش ماہ و باغوش کہکشاں بود است
گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمن ما است	کہ ہر ستارہ جہان است یا جہاں بود است!
بچشم مور فرو مایہ آشکار آید	ہزار نکتہ کہ از چشم ما نہاں بود است
زمیں بہ پشت خود الوند و بیستوں دارد	غبار ماست کہ بر دوش او گراں بود است
ز داغ لالہ خونیں پیالہ می بینم	کہ ایں گسستہ نفس صاحب فغاں بود است!

*

① اقبال نے بات اپنی کی ہے اور مراد وہ انسان لیا ہے جو ان کی اپنی اصطلاح میں مرد مومن ' درویش ' فقیر ' عاشق وغیرہ ہے۔ ایسا شخص خدا کا چیدہ و برگزیدہ بندہ ہوتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ) میرا خیال آسمانوں کا تماشا کرتا رہا ہے + (میرا خیال) چاند کے کاندھے اور کہکشاں کی گود میں رہا ہے (زمین پر ہوتے ہوئے میں آں سوئے گردوں ہر شے دیکھ رہا ہوتا ہوں)۔

② یہ خیال نہ کر کہ یہی خاکداں (مٹی کا گھر یعنی دنیا) ہمارا گھر ہے + کیونکہ ہر ستارہ ایک جہان ہے یا جہان رہا ہے (یہ سب ہمارے گھر ہیں۔ تمہیں کیا خبر ہم کن کن جہانوں سے ہو کر یہاں دنیا میں پہنچے ہیں اور پہنچنے کے بعد بھی کن کن جہانوں کی سیر کر رہے ہیں)۔

③ ایک حقیر چیونٹی کی آنکھ سے ظاہر ہو رہی ہیں + ہزاروں باریک باتیں جو ابھی تک ہماری نظروں سے اوجھل رہی ہیں (انسان کائنات کی وسیع و عریض فضا میں اگرچہ چیونٹی کی طرح ایک معمولی مخلوق نظر آتا ہے لیکن اس میں سے جو صاحب نظر ہو جاتے ہیں۔ ان پر بہت سی رمزیں منکشف ہو جاتی ہیں)۔

④ زمین اگرچہ اپنی پیٹھ پر الوند اور بیستوں نامی پہاڑوں کا بوجھ رکھتی ہے + (لیکن ایک ہمارا غبار (جسم خاکی انسانی) ایسا ہے جو اس کے کاندھوں کا بوجھ رہا ہے (پہاڑ جیسی عظیم چیزیں تو زمین پر قائم رہتی ہیں لیکن آدمی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے) اگر غبار سے مراد عشق لیا جائے تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ عشق کا بوجھ ہم تو اٹھائے ہوئے ہیں لیکن پہاڑوں جیسی عظیم اشیا اٹھانے والی زمین اس کو نہیں اٹھا سکتی۔

⑤ میں لالہ کے پھول کے خون بھرے پیالے کے داغ سے دیکھ رہا ہوں + کہ یہ سانس نہ لینے والا یعنی خاموش زبان والا لالہ (کبھی) فریاد کرنے والا رہا ہے۔ (لالہ کے سینے میں اس کا داغ بتا رہا ہے کہ یہ کبھی عشق

بھرا تھا اور دوسرے پیالوں میں یعنی دنیا کی اور اشیا میں جو لالے کے رنگ کی سرخی نظر آتی ہے وہ اسی داغ کی وجہ سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں عشق کی کارفرمائی ہے)۔

غزل 23

از نوا بر من قیامت رفت و کس آگاہ نیست ۔۔۔ پیش محفل جز بم و زیر و مقام و راہ نیست
در نہادم عشق با فکر بلند آمیختند ۔۔۔ نا تمام جاودانم کار من چوں ماہ نیست
لب فرو بند از فغاں' در ساز با درد فراق ۔۔۔ عشق تا آہے کشد از جذب خویش آگاہ نیست
شعلہ می باش و خاشاکے کہ پیش آید بسوز! ۔۔۔ خاکیاں را در حریم زندگانی راہ نیست
جرہ شاہینی بمرغان سرا صحبت مگیر ۔۔۔ خیز و بال و پر کشا پرواز تو کوتاہ نیست
کرم شب تاب است شاعر در شبستان وجود ۔۔۔ در پر و بالش فروغے گاہ ہست و گاہ نیست
در غزل اقبال احوال خودی را فاش گفت + ۔۔۔ زانکہ ایں نو کافر از آئین دیر آگاہ نیست

① (میرے نالہ سے مجھ پر تو قیامت گذر گئی اور کوئی اس سے آگاہ نہیں ہے (علامہ نے خود کو مغنی فرض کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے کتنا ہی خون جگر صرف کیا یا طویل ریاض کیا ہے گویا مجھ پر قیامت بیت گئی ہے لیکن اہل بزم موسیقی کے ظاہری پہلو کو جانتے ہیں لیکن اس کی اصل یعنی نے نواز کے دل سے واقف نہیں ہیں) + محفل یعنی اہل محفل کے نزدیک تو یہ آواز کی اونچ نیچ اور راگ کے پردوں کے سروں کے سوا کچھ نہیں۔ (سماع سے مستفیض ہونے کا ہر شخص اہل نہیں۔ عام لوگ صرف آواز کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتے ہیں مگر اہل دل اس نوا میں پوشیدہ رمز سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ صرف نوا اور نواگر کے گلے کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کو دیکھتے ہیں جس نے یہ نوا پیدا کرنے والا گلا بنایا ہے)۔

② (کارکنان قضا و قدر نے) میری سرشت میں عشق کو فکر بلند کے ساتھ ملایا ہے یعنی مجھ میں ایسا عشق پیدا کیا ہے جو صاحب عقل بھی ہے + میں ہمیشہ ناتمام (نامکمل) رہنے والا ہوں میرا کام چاند کی طرح کا نہیں ہے (کہ وہ چودھویں رات کو مکمل ہو جاتا ہے مراد ہے عاشق کتنا بڑھ جائے نامکمل ہی رہتا ہے۔ اس کا عشق ناتمام ہی رہتا ہے اگر عشق تمام ہو جائے تو عاشق نابود ہو جائے۔ فراق عشق کی جان اور وصل اس کی موت ہے)۔

③ فریاد سے لب بند کر لے (اور) فراق کے درد کے ساتھ موافقت پیدا کر لے + عشق جب آہ کھینچتا ہے (تو سمجھو کہ) وہ اپنے جذب سے آگاہ نہیں ہے (عشق میں رضائے محبوب ضروری ہے اور جب یہ ضروری ہے تو فغاں کیسی)۔

④ شعلہ بن اور جو تنکا راستہ میں آئے اسے جلا دے + (کیونکہ) مٹی کے بنے ہوئے لوگوں کے لئے زندگی کے حریم (گھر) میں داخل ہونے کے لئے کوئی راستہ موجود نہیں ہے (تو اگر اپنی مٹی کے اندر عشق کا شعلہ پیدا کر لے گا تو زندگی کی رمز سے آشنا ہو جائے گا ورنہ مٹی کا مادھو ہی رہے گا)۔

⑤ تو نر شاہین ہے گھر کے پرندوں کے ساتھ صحبت اختیار نہ کر + اٹھ بازو اور پر کھول۔ تیری پرواز کم نہیں ہے (تو سب پرندوں سے اونچی اڑان والا ہے۔ نر شاہین کا اشارہ مرد مسلمان کی طرف ہے)۔

⑥ شاعر وجود کی محفل شب میں رات کو چمکنے یا رات کو چمکانے والے کیڑے یعنی جگنو کی طرح ہے +

اس کے بازوؤں اور پروں میں کبھی روشنی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ہے۔ مراد ہے شاعر دنیا کے اندھیرے میں اجالا پھیلانے والا ہوتا ہے لیکن ہر وقت کبھی ایسا کرتا ہے کبھی نہیں کرتا کیونکہ اس کی شاعری کے افکار و مضامین اس کے اپنے نہیں ہوتے فیضان سماوی کے اثرات کے تحت ہوتے ہیں جو کبھی اس پر ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

⑦ اقبال نے غزل میں خودی کے احوال کو ظاہر کیا + کیونکہ یہ نیا نیا ہونے والا کافر مندرکے طور طریقوں یا دستور سے آگاہ نہیں ہے۔ نئے کافر سے مراد ہے خانقاہی ماحول میں نیا آنے والا ہے۔ جس بات کو صوفیا راز میں رکھتے ہیں اور کسی خاص شخص کو ہی بتاتے ہیں اسے اقبال نے ان سے لے کر عام کر دیا۔

غزل 24

شراب میکدۂ من نہ یادگار جم است — فشردۂ جگر من بشیشہ عجم است
چو موج می تپد آدم بجستجوئے وجود — ہنوز تا بہ کمر درمیانہ عدم است
بیا کہ مثل خلیل ایں طلسم در شکنیم — کہ جز تو ہرچہ دریں دیر دیدہ ام صنم است
اگر بسینہ ایں کائنات در نروی — نگاہ را بہ تماشا گذاشتن ستم است
غلط خرامی ما نیز لذتے دارد — خوشم کہ منزل ما دور و راہ خم بخم است
تغافلے کہ مرا رخصت تماشا داد — تغافل است و بہ از التفات دمبدم است
مرا اگرچہ بہ بتخانہ پرورش دادند — چکید از لب من آنچہ در دل حرم است!

*

① یعنی میری شاعری میں ایرانی افکار و خیالات نہیں ہیں + میری عجمی صراحی یعنی فارسی شاعری میں جو شراب ہے وہ میرے جگر کا نچوڑ ہے (یہ میرے اپنے افکار' خیالات اور جذبات ہیں۔ میں نے ان کو ایرانی شاعری سے نہیں لیا)۔

② آدم وجود کی جستجو میں موج کی طرح تڑپ رہا ہے + ابھی تک وہ کمر تک عدم کے درمیان ہے (وجود جس پر واقعی وجود کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کا ہے آدمی اس وجود کی وجہ سے موجود ہے اس لئے وہ عدم ہے وجود نہیں ہے۔ وہ تڑپ رہا ہے کہ اسے بھی وجود مل جائے لیکن وہ لاکھ وجود کی منزل کی طرف بڑھے وہ وہ وجود حاصل نہیں کر سکتا جو صرف خدا کا ہے جو وجود مطلق ہے جو واجب الوجود ہے اسی لئے غیر فانی کہا ہے کہ بندہ جہاں تک بھی ترقی کر جائے بندہ ہی رہے گا خدا نہیں ہو سکے گا البتہ وہ وجود مطلق کا مظہر بن کر اس کا مظہر کامل وجود بن سکتا ہے)

③ آ۔ کہ ہم (مل کر) حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح اس جادو کو یعنی کائنات کے جادو کو توڑ دیں + کیونکہ تیرے سوا جو کچھ بھی میں نے اس دنیا میں دیکھا ہے وہ بت ہی ہے۔ (لا موجود الا اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں یعنی کوئی شے بھی وجود حقیقی نہیں رکھتی۔ دنیا اور اس کی سب چیزیں اللہ کے وجود کی وجہ سے موجود ہیں اس لئے غیر وجود سے دل لگانا دانش مندی نہیں اور پھر یہ غیر وجود فانی بھی تو ہے۔ فانی شے سے دل لگانا بھی عقل مندی نہیں۔ دل لگانا ہے تو وجود حقیقی سے لگاؤ جس کو فنا نہیں اور جس میں فنا ہو کر فنا ہونے والا بھی بقا حاصل کر لیتا ہے)۔

④ اگر تو اس کائنات کے سینے کے اندر تک نہ جائے گا یعنی اس کی حقیقت کو نہ پائے گا، (تو پھر) اپنی نگاہ کو اس کے نظارۂ ظاہری تک محدود رکھنا ظلم ہے۔

⑤ ہماری غلط خرامی (صحیح راستہ کو نہ پا سکنا) بھی ایک قسم کی لذت رکھتی ہے + میں خوش ہوں کہ ہماری منزل دور اور راہ پیچ در پیچ ہے۔ (یہ اقبال کے فلسفۂ فراق کے پس منظر میں ہے۔ جس کے مطابق وصل میں آرزو مر جاتی ہے اور فراق میں طلب کی لذت موجود رہتی ہے)۔

⑥ (میں نے اے محبوب تیرے دیدار کی خواہش کی تو نے تغافل کیا یعنی ایک خاص ادائے معشوقانہ سے مجھ سے نظر چرائی یا مجھ سے منہ موڑ لیا اس کا مجھے یہ فائدہ ہوا کہ) تیرا وہ تغافل جس سے مجھے تیرے نظارے کا یا تیری ادا و ناز کے نظارے کا موقع مل گیا + یہ (بے شک) وہ تغافل ہے جو ہر وقت کی توجہ کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

⑦ اگرچہ مجھے بت خانہ میں پالا پوسا گیا یعنی میں ہندوستان کی غیر اسلامی فضا میں پھلا پھولا + (لیکن اس فضائے بت خانہ میں) جو کچھ میرے ہونٹوں سے نکلا وہ وہی ہے جو حرم کے دل میں ہے یعنی میں نے اس غیر اسلامی ماحول میں جو بات بھی کی ہے وہ اسلام کی بات ہے۔

غزل 25

لالہ صحرایم از طرف خیابانم برید
در ہوائے دشت و کہسار و بیابانم برید

روبہی آموختم از خویش دور افتادہ ام
چارہ پردازاں! بآغوش نیستانم برید

درمیان سینہ حرفے داشتم، گم کردہ ام
گرچہ پیرم پیش ملّائے دبستانم برید

ساز خاموشم نوائے دیگرے دارم ہنوز
آنکہ بازم پردہ گرداند بپے آنم برید

در شب من آفتاب آں کہن داغے بس است
ایں چراغ زیر فانوس از شبستانم برید

من کہ رمز شہریاری با غلاماں گفتہ ام
بندۂ تقصیر وارم پیش سلطانم برید

*

① میں تو صحرا کا لالہ ہوں (باغ کا لالہ نہیں ہوں) مجھے باغ میں سے لے جاؤ + (اور) جنگل، سلسلہ کوہ اور بیابان کی ہواؤں میں لے جاؤ (اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میری اصل عالم علوی سے ہے وہاں سے میں عالم دنیا (باغ) میں آیا ہوں مجھے پھر سے اس عالم علوی میں پہنچا دو۔ یہاں صحرا کنایہ ہے عالم علوی کا اور باغ کنایہ ہے عالم دنیاوی کا)۔

② (جب میں عالم لاہوت یا عالم علوی میں تھا تو شیر تھا دنیا میں آ کر میں لومڑی بن گیا) میں نے لومڑی کی عادتیں یعنی عیاری و مکاری سیکھ لی اور خود سے بیگانہ ہو گیا (اپنی حقیقت سے غافل ہو گیا) + اے علاج کرنے والو مجھے سرکنڈوں کے جنگل میں لے جاؤ (سرکنڈوں کے جنگل سے مراد عالم ارواح ہے جہاں پیدائش سے پہلے ہر آدمی روح کی شکل میں موجود تھا۔ پھر اس روح کے سرکنڈوں کے جنگل سے اسے کاٹ کر دنیا میں لے آئے۔ اب یہاں وہ اصل وطن کی تلاش میں بانس کی جنتری کی طرح چیختا پھرتا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ وہ کاٹی ہوئی بانس کی شاخ کو پھر سے بانسوں کے جنگل میں لے جائے یعنی پھر سے

اس عالم ارواح میں لے جائے جہاں سے اس کی روح آئی ہے)۔

③ میں اپنے سینے میں ایک حرف یعنی ایک بات رکھتا تھا جسے میں نے گم کر دیا ہے (وہ حرف **قالوا بلیٰ** کا تھا جو میں نے عالم ارواح میں اس وقت کہا تھا جب میرے رب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں تیرا رب نہیں ہوں تو میں نے جواب میں کہا تھا بلیٰ (ہاں) تو ہی میرا رب ہے + (اب یہاں) دنیا میں آ کر یہ وعدہ بھول گیا ہوں) اگرچہ اب میں بوڑھا یعنی تجربہ کار، جہاندیدہ اور عمر رسیدہ ہو گیا ہوں (لیکن اپنے وعدے کو ابھی تک بھولا ہوا ہوں۔ میرا علاج یہی ہے کہ مجھے پھر سے) مدرسہ کے ملا کے پاس لے جاؤ (مرشد کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ مجھے پھر سے میرا بھولا ہوا وہ سبق پڑھائے جس سے مجھے میری زندگی کا مقصد ہاتھ آ جائے)۔

④ میں ایک خاموش ساز ہوں (اس لئے کہ اس کے اپنے تاروں سے نکلے ہوئے نغموں کی بجائے اس میں سے دوسروں کے تاروں سے نکلنے والے نغمے نکل رہے ہیں۔ مطلب ہے کہ مجھے دنیا میں جس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا میں اسے بھول کر اور مقاصد کو سینے سے لگائے ہوئے ہوں) + مجھے اس موسیقار یا سازندے کے پاس لے جاؤ جو میرے سلگتے پردوں (تاروں) کو پھر سے ان نغموں سے آشنا کرے جو اس سے نکلنے چاہیں (کسی باخبر مرشد کی صحبت میں لے جاؤ تاکہ وہ مجھے میری اصل سے آگاہ کر سکے)۔

⑤ میری رات (کو روشن کرنے کے لئے) اسی پرانے داغ یعنی عشق کے داغ کا سورج کافی ہے + یہ فانوس میں رکھا ہوا چراغ (عقل کا چراغ) میری رات کی محفل سے لے جاؤ (زندگی کی رات کو عشق روشن کرتا ہے نہ کہ عقل)۔

⑥ میں وہ ہوں کہ میں نے غلاموں کو شہریاری (بادشاہی) کی رمزیں بتا دی ہیں + میں بادشاہ کا تصور کرنے والا بندہ ہوں۔ مجھے اس کے پاس سے لے جاؤ۔ (میں نے اللہ کے بندوں کو بندوں کی سلطانی کے مکر و فریب سے آگاہ کیا ہے اور ان سے چھٹکارا حاصل کر کے بندہ آزاد بننے کا سبق دیا ہے اس لئے دنیا کے سلطان مجھ سے ناراض ہیں۔ مجھے ان کی پرواہ بھی کب ہے میں یہ کلمہ حق ان کے درباروں میں کہنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے وہاں لے جا کر دیکھ لو۔)

غزل 26

سخن تازہ زدم کس بہ سخن وا نرسید
جلوہ خوں گشت و نگاہے بہ تماشا نرسید

سنگ می باش و دریں کارگہ شیشہ گذر
وائے سنگے کہ صنم گشت و بہ مینا نرسید!

کہنہ را در شکن و باز بہ تعمیر خرام
ہر کہ در ورطہ 'لا' ماند بہ 'الا' نرسید!

اے خوش آں جوئے تنک مایہ کہ از ذوق خودی
در دل خاک فرو رفت و بدریا نرسید

از کلیمے سبق آموز کہ دانائے فرنگ
جگر بحر شگافید و بہ سینا نرسید

عشق انداز تپیدن ز دل ما آموخت
شرر ماست کہ برجست بہ پروانہ رسید!

*

① (آج کے لوگ بے مقصد شاعری اور تفریحی ادب کو پسند کرتے ہیں میں نے اپنی شاعری میں ان لوگوں کے مذاق سے ہٹ کر باتیں کی ہیں اس لئے وہ مجھے پڑھتے نہیں ہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو میری بات

کی نہ تک نہیں پہنچتے) میں نے شاعری میں نئی باتیں کی ہیں + میرے جلوے کا یعنی مضامین کا خون بہہ گیا اور ایک نگاہ بھی اس کے نظارے کے لئے نہ پہنچی۔ (میں نے ایسے ایسے مضامین اپنی شاعری میں پیدا کئے جن میں میرے دل و جگر کا خون ہے لیکن کسی نے ان کے مطالعہ اور ان پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی)۔

② پتھر ہو جا (اور پتھر کی طرح) اس شیشے کے کارخانہ (دنیا) سے گزر + افسوس ہے اس پتھر پر جو بت تو بنا لیکن صراحی بننے کے عمل تک نہ پہنچا جس کی صراحی نہ بنی۔ مراد ہے پتھر اگر بت بن جائے تو کس کام کا۔ نہ دیکھے نہ بولے نہ سنے نہ سمجھے۔ صرف پجاریوں کی خاموش مورتی ہے جو کسی مندر کے کمرے میں قید ہے۔ اگر اس پتھر سے صراحی بنالی جائے تو میخانہ میں اس میں بھری جانے والی شراب سے ان گنت تشنہ لب رند سیراب ہوں (خلوتوں میں بیٹھ کر عبادت بے شک کام کی شے ہے بشرطیکہ جلوت میں کسی کے کام بھی آئے۔ جلوت میں خلق خدا کی دلجوئی خلوت میں دل بے پروائی سے بہتر ہے)۔

③ جو کچھ پرانا ہے اسے توڑ دے اور اسے پھر سے تعمیر کرنے (کے ارادہ و عمل) کی طرف چل + جو کوئی لا (لا الٰہ یعنی کوئی معبود نہیں ہے) کے بھنور میں چکر کھاتا رہا وہ الا (الا اللہ یعنی اللہ معبود ہے کے ساحل تک) نہ پہنچا۔ مراد ہے کہ پہلے لا الٰہ کہہ کر تمام معبودان باطل کی نفی کر دو پھر الا اللہ کہہ کر ایک خدا کی معبودیت اور ربوبیت تسلیم کر لو یہی منشائے فطرت' اور مقصود اسلام ہے۔

④ وہ تھوڑے پانی والی ندی خوش نصیب ہے کہ جو ذوق خودی کی بنا پر + مٹی کے دل میں یعنی زمین کے اندر تو چلی گئی لیکن دریا تک نہ پہنچی۔ مراد ہے اپنی انفرادیت اور انا کو قائم رکھنا چاہئے اور دوسروں کی دریوزہ گری سے اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔

⑤ کسی کلیم (اللہ سے کلام کرنے والے) سے سبق سیکھ کیونکہ یورپ کے داناؤں (علما، حکما اور سائنس دانوں) نے سمندر کا جگر تو چیرا۔ (لیکن وہ) وادی سینا تک نہیں پہنچے (اہل یورپ عناصر کائنات پر متصرف ہونے کے علم و فن سے ضرور واقف ہیں لیکن اپنی اور اپنے خدا کی معرفت سے بیگانہ ہیں۔ جو علم و حکمت بندہ کو خود سے اور خدا سے غافل اور بیگانہ کر دے وہ جہالت ہے کسی مرشد کامل کو تلاش کر اور اس سے مقصد حیات کا سبق پڑھ)۔

⑥ عشق نے تڑپنے کا انداز ہمارے دل سے سیکھا + یہ ہماری ہی چنگاری ہے کہ جو ہم سے نکلی اور پروانہ تک پہنچی (کائنات میں جہاں کہیں بھی عشق کی گرمی ہے وہ ہمارے دل کے فیضان ہی سے ہے)۔

غزل 27

عاشق آں نیست کہ لب گرم فغانے دارد
عاشق آن است کہ بر کف دو جہانے دارد

عاشق آن است کہ تعمیر کند عالم خویش
در نسازد بہ جہانے کہ کرانے دارد

دل بیدار ندادند بہ داناے فرنگ
ایں قدر ہست کہ چشم نگرانے دارد

عشق ناپید و خرد می گزدش صورت مار
گرچہ در کاسہ زر لعل روانے دارد

درد من گیر کہ در میکدہ ہا پیدا نیست
پیر مردے کہ مے تند و جوانے دارد!

① عاشق وہ نہیں جو ہونٹوں پر فریاد رکھتا ہے + (بلکہ) عاشق وہ ہے کہ جو اپنی ہتھیلی پر دونوں جہان (دنیا و آخرت) رکھتا ہے (وہ دونوں جہانوں سے بے نیاز ہوتا ہے دونوں جہان اس کی ہتھیلی پر گیند کی مانند ہوتے ہیں۔ وہ ان پر حکمران ہوتا ہے۔ یہی سچا عاشق ہے۔ رونے دھونے والے عاشق دنیا کے عاشق ہوتے ہیں۔ اللہ کے عاشق نہیں)۔

② عاشق وہ ہے کہ جو اپنا جہان آپ تعمیر کرتا ہے (دوسروں کے تعمیر کردہ جہان میں نہیں بستا یعنی وہ کسی لحاظ سے بھی کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا) + وہ اس جہان سے موافقت نہیں کرتا جس کی کوئی حد ہو (اس کا جہان لامحدود ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصود لامحدود ہوتا ہے)۔

③ یورپ کے علما و حکما کو (قضا و قدر کے کارکنان نے) بیدار دل نہیں دیا + صرف اتنا ہے کہ وہ دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہیں (ان کی نگاہ صرف ظاہر بین ہے ستاروں تک تو جا سکتی ہے دل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی)۔

④ (اہل یورپ میں) عشق ناپید ہے (عشق کا جذبہ ان میں موجود نہیں ہے) اور ان کی عقل انہیں سانپ کی طرح ڈس رہی ہے (وہ عقل سے کائنات کو تو مسخر کر رہے ہیں لیکن خود سے اور خدا سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں) + اگرچہ وہ سونے کے پیالے میں لعل کی طرح کی قیمتی اور چمکتی شراب رکھتے ہیں (ان کے پاس عیش و عشرت کے ہر قسم کے سامان، ہر قسم کی قوت اور ہر قسم کا مال و دولت موجود ہے لیکن ان کے دل معرفت سے بیگانہ ہیں)۔

⑤ (شاعر کا خطاب ہر قاری کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور اہل یورپ کے لئے بھی جن کے پاس سب کچھ ہے لیکن شراب معرفت نہیں بادہ عشق نہیں ہے انسانیت نہیں)۔ مجھ سے تلچھٹ لے کہ شراب خانوں میں موجود نہیں ہے + ایسا پیر مرد (شراب پلانے والا پیر مغاں) کہ جس کی شراب تیز اور تازہ ہو (جو کچھ میں نے اپنی شاعری میں خودی شناسی اور خدا شناسی کی بات کی ہے وہ لے کہ یہ بات آج تمہیں مشرق و مغرب میں کہیں نہیں ملے گی۔ یہ شراب میرے اسلاف کی وہ شراب ہے جو بچی ہوئی مجھ تک پہنچی ہے)۔

غزل 28

دریں چمن دل مرغاں زماں زماں دگر است — بشاخ گل دگر است و بآشیاں دگر است
بخود نگر! گلہ ہائے جہاں چہ میگوئی — اگر نگاہ تو دیگر شود جہاں دگر است!
بہ ہر زمانہ اگر چشم تو نکو نگرد — طریق میکدہ و شیوۂ مغاں دگر است
بہ میر قافلہ از من دعا رساں و بگوے — اگرچہ راہ ہمان است کارواں دگر است!

*

① اس باغ میں پرندوں کا دل لحہ بہ لحہ بدلتا رہتا ہے + پرندہ شاخ پر ہو تو اس کا دل اور گھونسلے میں ہو تو اور ہے (پرندوں سے مراد دنیا والے چمن سے مراد دنیا ہے جہاں طرح طرح کا دل رکھنے والے لوگ ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک ہی شخص کا دل کسی وقت کچھ اور کسی وقت کچھ ہوتا ہے۔ ایک ماحول میں ایک طرح کا اور دوسرے ماحول میں دوسری طرح کا ہوتا ہے۔ اہل دنیا کا یہ حال اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے

دل ان کے اغراض کے تابع ہوتے ہیں لیکن مردان حق کے دلوں کی یہ صورت نہیں ہوتی وہ ایک حال پر قائم رہتے ہیں)۔

② خود کو دیکھ (جہاں بینی کی بجائے خود بینی کا علم سیکھ) دنیا کے گلے کیا کرتا ہے + اگر تیری نگاہ اور ہو جائے گی تو تیرا جہان بھی اور ہو جائے گا۔

③ ہر زمانے میں اگر تیری آنکھ صحیح طور پر مشاہدہ کرے (تو تو دیکھے گا کہ) کہ ہر زمانے میں + شراب خانہ کا طریق اور شراب کشید کرنے والے کا شیوہ مختلف رہا ہے (زمانہ کبھی ایک سا نہیں رہا یعنی زمانے کے حالات کبھی ایک سے نہیں رہے۔ قضا و قدر کے کارکنان ضرورت کے مطابق ان کو بدلتے رہتے ہیں)۔

④ قافلے کے امیر کو میری طرف سے دعا و سلام پہنچا اور کہہ + اگرچہ راستہ وہی ہے لیکن قافلہ اور ہے۔ (راستہ ہر زمانے میں ایک ہی ہوتا ہے البتہ راستہ چلنے والے مختلف ہوتے ہیں اس لئے اے قافلہ کے سالار ان راستہ چلنے والوں کے حالات و کوائف کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کو راہ پر چلنے اور منزل پر پہنچنے کا طریق بتا)۔

غزل 29

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو ست
چوں ما نیازمند و گرفتار آرزو ست

گاہے بہ برگ لالہ نوید پیام خویش
گاہے درون سینہ مرغاں بہ ہائے وہو ست

در نرگس آرمید کہ بیند جمال ما
چنداں کرشمہ داں کہ نگاہش بہ گفتگو ست!

آہے سحر گہے کہ زند در فراق ما
بیرون و اندروں، زبر و زیر و چار سو ست!

ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکئے
نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بو ست

پنہاں بہ ذرہ ذرہ و ناآشنا ہنوز
پیدا چو ماہتاب و بآغوش کاخ و کو ست

در خاکدان ما گہر زندگی گم است
ایں گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ او ست؟

*

① ہم خدا کے پاس سے گم ہو چکے ہیں وہ ہماری تلاش میں ہے + ہماری طرح وہ بھی نیازمند اور آرزو میں گرفتار ہے یعنی آرزو مند ہے۔ اس شعر میں علما و صوفیا کا وہ فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ کبھی ہم عالم ارواح میں خدا کے حضور تھے اور ہم ایک دوسرے کے نظارگی تھے۔ اب دنیا میں آنے کے بعد ہم اس سے ملنے کی اور وہ ہمیں ملنے کی آرزو کر رہا ہے اور اس ملاپ کا طریقہ صرف یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہم اس کے اور وہ ہمارے قریب ہو جائے اور یہ طریقہ خود کو فنا کر کے خدا کے ساتھ بقا حاصل کرنے کا ہے جس کو صرف مرشد حقیقی ہی بتائے گا۔

② کبھی وہ لالہ کے پھول کی پتی پر اپنا پیغام لکھ دیتا ہے + کبھی وہ پرندوں کے سینوں کے اندر آہ و فریاد یا شور و غل کر رہا ہے۔

③ کبھی وہ نرگس کی آنکھ میں آکر آرام سے بیٹھ گیا (اس امید میں) کہ وہ ہمارا جمال دیکھے + ایسا ناز و انداز جاننے والا ہے کہ اس کی نگاہ گفتگو کر رہی ہوتی ہے۔ یعنی نرگس اس کی موجودگی کی شہادت دیتی

دکھائی دیتی ہے۔

④ صبح صادق کے وقت ہمارے فراق میں وہ جو آہ کھینچتا ہے + وہ (کائنات کے) اندر باہر، تحت و فوق ہر جگہ سے نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ مراد ہے ہر شے میں اس خالق کائنات کا ظہور ہے اور اس کا یہ ظہور اس لئے ہے کہ وہ آدمی کو دیکھ سکے اس آدمی کو جو اس کا شاہکار ہے۔ ہر مصور کو اپنے شاہکار نقش پر ناز ہوتا ہے اور وہ اس کے نظارے کا آرزومند رہتا ہے۔ چونکہ آدم اللہ تعالیٰ کا شاہکار ہے اور ساری مخلوق میں اعلیٰ و والا ہے اس لئے وہ بھی اس کی تلاش میں رہتا ہے (عام آدمی کی تلاش میں نہیں شاہکار آدم کی تلاش میں جو اس کا نائب اور خلیفہ ہو)۔

⑤ (خالق کائنات و آدم نے) یہ سارا ہنگامہ کائنات صرف اس لئے برپا کیا ہے تاکہ وہ مٹی کے بنے ہوئے انسان کا دیدار کر سکے (اس انسان کا جس کے اندر اس کی جلوہ گری ہو) + یہ کائنات کا (رنگ و بو کا) جتنا بھی تماشا ہے یہ محض (اس آدمی کے) نظارے کے لئے ایک بہانہ ہے۔ جو خالق کا شاہکار ہے یعنی خدا آدمی کے نظارے کے لئے ہر شے میں جلوہ گر ہے یا چشم کشا ہے۔

⑥ وہ ذرے ذرے میں پوشیدہ ہے اور ابھی تک نا آشنا ہے (اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا) + وہ چاند کی طرح ظاہر ہے اور گلی محل یعنی ہر شے نے (چاندنی کی شکل میں) اسے اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے۔ (لیکن انسان ہے کہ غفلت اختیار کئے ہوئے ہے اور اس کا تماشا نہیں کر رہا ہے حالانکہ وہ اس کے اندر بھی ہے)۔

⑦ ہمارے مٹی کے گھر یعنی ہمارے جسم کے اندر زندگی کا موتی گم ہے + یہ گم شدہ موتی کیا ہم ہیں یا کہ وہ ہے (اگر کوئی تلاش کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ وہ گوہر خود اس ذات حقیقی کا ہے جو ہمارے دل میں موجود ہے یا اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اگر میں خود کو تلاش کر لوں تو خدا کو پا لوں گا اور اگر اسے پا لوں گا تو خود کو پا لوں گا)۔

نظم 30

یہ غزل نہیں ہے

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

شیخ شہر از رشتہ تسبیح صد مومن بدام کافران سادہ دل را برہمن زنار تاب

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

میر و سلطاں نرد باز و کعبتین شاں دغل جان محکوماں ز تن بردند و محکوماں بخواب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ   آں بہ پیری کودکے ایں پیر در عہد شباب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

اے مسلماناں فغاں از فتنہ‌ہاے علم و فن   اہرمن اندر جہاں ارزان و یزداں دیریاب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

شوخیِ باطل نگر! اندر کمین حق نشست   شپر از کوری شبیخونے زند بر آفتاب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

در کلیسا ابن مریم را بدار آویختند!   مصطفیؐ از کعبہ ہجرت کردہ با ام الکتاب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

من درون شیشہ‌ہاے عصر حاضر دیدہ ام   آنچناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

با ضعیفاں گاہ نیروے پلنگاں می دہند   شعلہ شاید بروں آید ز فانوس حباب!

انقلاب!

انقلاب! اے انقلاب!

*

① خواجہ (سرمایہ دار) مزدور کی رگوں کے خون سے خالص ہیرا بنا رہا ہے (دولت مند ہوتا جا رہا ہے) + گاؤں کے خداؤں (زمینداروں) کے ظلم سے کسانوں کے کھیت خراب ہو گئے ہیں (کسان اجڑ گئے ہیں اور وڈیرے عیش و عشرت کر رہے ہیں)۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل ۔۔۔ اے تغیر و تبدل ۔۔۔ آ

② شہر کے شیخ (عالم یا فقیہہ) کی تسبیح کے دھاگے کی وجہ سے سینکڑوں مومن اس کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں + سادہ دل کافروں کے لئے برہمن (ہندوؤں کا پیشوا) خالص یا پکا جنیو (کا دھاگا) بنا ہوا ہے (اور ان کو گرفت میں لئے ہوئے ہے) مراد ہے دنیا میں ہر جگہ مذہبی پیشوا اپنے عقیدت مندوں کی عزت و آبرو، مال و دولت اور آزادی و آزاد خیالی لوٹ رہے ہیں۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل ۔۔۔ اے تغیر و تبدل ۔۔۔ آ

③ امیر اور بادشاہ چوسر کھیلنے والے ہیں (ایسی چوسر کھیلنے والے ہیں) جن کے کھیل کے پانسے دغل

ہیں (ایسے ہیں جن کے اکے کے اندر جیتنے کے لئے سیسہ چھپایا ہوا ہے تاکہ دوسرے ہر جائیں اور وہ خود جیت جائیں مراد ہے وہ کمزوروں غریبوں اور محکوموں کے ساتھ دغا کر کے ان کو قابو میں کئے ہوئے ہیں)۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل---اے تغیر و تبدل--- آ

④ واعظ مسجد میں اور اس کا بیٹا (جدید) مدرسے میں ہے + وہ بڑھاپے میں بچہ اور یہ عین جوانی کے عالم میں بوڑھا ہے (عالم دین مسجد میں دنیا کے حالات سے بے خبر اور اس کی اولاد انگریزی طرز کی تعلیم حاصل کر کے مدرسوں میں بے دین ہو گئی ہے)۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل---اے تغیر و تبدل--- آ

⑤ اے مسلمانو (جدید دور کے) علوم و فنون کے فتنوں سے فریاد کرو + (ان کی وجہ سے) دنیا میں شیطان سستا ہو گیا ہے اور خدا مشکل سے ملتا ہے۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل---اے تغیر و تبدل--- آ

⑥ اہل مغرب کی وجہ سے ایسا دور آگیا ہے کہ اس دور میں) باطل کی شوخی کو دیکھ کہ وہ حق کی گھات میں لگا ہوا ہے (کبھی حق باطل کی گھات میں ہوتا تھا آج اس سے الٹ ہو گیا ہے) + (اس کی مثال تو یہ ہے کہ آج) چمگادڑ باوجود اس کے کہ اسے دن کو کچھ دکھائی نہیں دیتا سورج پر شب خون مار رہی ہے (گھات لگا کر اور چھپ کر اسے غارت کر رہی ہے)۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل---اے تغیر و تبدل--- آ

⑦ (عیسائیوں نے) گرجے میں مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کو پھانسی پر چڑھا دیا (عیسائی اپنے مذہب سے نا آشنا ہو گئے) + حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قرآن لے کر کعبہ سے چلے گئے (مسلمان بھی اپنے دین سے بیگانہ ہو گئے) مراد ہے دور جدید میں نہ کافر کافر رہا نہ مسلمان مسلمان سب کے سب تہذیب حاضر کی چکا چوند میں کھو کر خود کو اور خدا کو بھول گئے۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔

تغیر و تبدل---اے تغیر و تبدل--- آ

⑧ میں نے موجودہ زمانے کے پیالوں یا صراحیوں یا مٹکوں میں دیکھا ہے + ایسا زہر (زہریلی شراب) کہ جس کی وجہ سے (مختلف قسم کے زہریلے) سانپ بھی پیچ و تاب میں ہیں یا تڑپ رہے ہیں (یہ خیال کر کے کہ آدمی کو مارنے والا ایسا زہر تو ہمارے پاس بھی نہیں جو روح کو مار دے ہمارا زہر تو صرف آدمی کے جسم کو ہلاک کرتا ہے روح تو زندہ رہتی ہے لیکن اہل مغرب کی تہذیبی و ثقافتی شراب روح کو ڈس کر اسے مردہ کر رہی ہے)۔

⑨ (لیکن اے میرے مخاطب اس سب کچھ کے باوجود: جس کا میں نے مذکورہ بالا شعروں میں ذکر کیا

- -

ہے تو ناامید نہ ہو حوصلہ کر ہم نے دیکھا ہے) کہ کارکنان قضا و قدر بعض دفعہ کمزوروں کو شیروں کی طاقت اور حوصلہ عطا کر دیتے ہیں + (اس لئے) شاید پانی کے بلبلے سے شعلہ نمودار ہو جائے (اور بے نواؤں کو نوا' بے طاقتوں کو طاقت بے ہمتوں کو ہمت اور بے حوصلوں کو ایسا حوصلہ عطا ہو جائے کہ وہ موجودہ غیر انسانی نظام حیات کو تبدیل کر کے رکھ دیں)۔

مصرع ①② :بدل دو۔ الٹا دو (سب کچھ)۔
تغیر و تبدل ---- اے تغیر و تبدل ---- آ

غزل 31

گرچہ می دانم کہ روزے بے نقاب آید بروں
تا نہ پنداری کہ جاں از پیچ و تاب آید بروں

ضربتے باید کہ جان خفتہ برخیزد ز خاک
نالہ کے بے زخمہ از تار رباب آید بروں

تاک خویش از گریہ ہائے نیم شب سیراب دار
کز درون او شعاع آفتاب آید بروں

ذرۂ بے مایہ ترسم کہ ناپیدا شوی
پختہ تر کن خویش را تا آفتاب آید بروں

در گذر از خاک و خود را پیکر خاکی مگیر
چاک اگر در سینہ ریزی ماہتاب آید بروں!

گر بروے تو حریم خویش را در بستہ اند
سر بسنگ آستاں زن لعل ناب آید بروں!

*

① اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ایک روز تو بے نقاب (بے پردہ) آئے گا + (لیکن) تو یہ نہ سمجھ کہ (اس طرح تیرے دیدار سے) میری جان پیچ و تاب (اضطراب اور تڑپ) سے نجات حاصل کر لے گی (عشق میں حضوری اور بے حضوری دونوں حالتوں میں بے قراری باقی رہتی ہے)۔

② کوئی ضرب (چوٹ) چاہئے جو سوئی ہوئی روح کو جسم خاکی کے اندر بیدار کرے مراد ہے جب تک ریاضت اور مجاہدہ سے کام نہ لیا جائے گا یا کسی کامل کی نظر نہ ہو گی تیرے اندر کا انسان نہیں جاگے گا + بغیر مضراب لگائے رباب کے تار سے نالے (نغمے) کیسے باہر آئیں گے۔

③ اپنی انگور کی بیل کو (یہاں مراد ہے اپنے وجود کو) آدھی راتوں کے رونے سے سیراب کر + (تاکہ شراب کی بجائے اس میں سے سورج کی شعاعیں نمودار ہوں (تیرے اندر کی مخفی صلاحیتیں اجاگر ہوں)۔

④ تو ایک بے قیمت ذرہ ہے مجھے ڈر ہے کہ تو فنا ہو جائے گا + (خود کو فنا ہونے سے بچانے کے لئے) خود کو مضبوط بنا تاکہ (اس ذرہ حقیر سے) سورج بر آمد ہو (جس نے اپنی خودی کو مضبوط کر لیا وہ فنا کی آغوش میں نہیں بقا کی آغوش میں جائے گا)۔

⑤ مٹی سے گزر اور خود کو مٹی کے جسم والا نہ جان + اگر تو اپنے سینے میں چاک ڈال لے (عشق سے تیرا سینہ شق ہو جائے) تو اس کے اندر سے چاند نمودار ہو گا (تو مٹی اس لئے ہے کہ تو نے اپنی خودی کو بھلا دیا ہے اگر تجھے اپنی خودی کی معرفت حاصل ہو جائے تو پھر تو حقیر ذرہ نہیں بلکہ نور والا اور نور دینے والا چاند بن جائے گا)۔

⑥ اگر تجھ پر (محبوب نے) اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا ہے + (تو غم نہ کھا۔ فکر نہ کر) اس کی چوکھٹ

کے پتھر پر سر مار (دیکھ) خالص لعل باہر آ جائے گا (مراد ہے ہر حالت میں اس کے آستانے کو نہ چھوڑ اور اس کے عشق میں ثابت قدم رہ ایک نہ ایک دن تیرے مقصد کا قیمتی لعل تیرے ضرور ہاتھ آ جائے گا)۔

غزل 32

کشادہ رو ز خوش و ناخوش زمانہ گذر
ز گلشن و قفس و دام و آشیانہ گذر

گرفتم ایں کہ غریبی و رہ شناس نہ
بکوئے دوست باندازِ محرمانہ گذر

بہر نفس کہ برآری جہاں دگرگوں کن
دریں رباط کہن صورت زمانہ گذر

اگر عنان تو جبریل و حور می گیرند
کرشمہ بر دل شاں ریز و دلبرانہ گذر

*

① زمانے کی خوشی اور ناخوشی سے ہنسی خوشی گزر جا + (زندگی میں ہر قسم کے معاملات پیش آتے ہیں) باغ اور پنجرہ اور جال اور گھونسلہ (جو کچھ بھی راستے میں آئے) اس سے گزر جا۔

② میں جانتا ہوں کہ تو اجنبی ہے اور تو راستہ نہیں جانتا + (پھر بھی) یار کے کوچے سے اس طرح گزر جیسے کہ تو اس کو جانتا ہے۔

③ ہر وہ سانس جو تو (سینہ سے) باہر نکالتا ہے اس سے جہاں کو بدل دے یعنی انقلاب پیدا کر دے + اس (دنیا کی) پرانی سرائے میں (جہاں ہر کوئی مسافر کی طرح آتا ہے اور چلا جاتا ہے) تو زمانے کی مانند گزر جا (جس طرح زمانہ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی تبدیلی پیدا کرتا رہتا ہے تو بھی اپنے عمل سے زندگی کو انقلابات سے روشناس رکھ)۔

④ اگر (تیرے مقصد کے سفر میں تیری مقصدی زندگی کے گھوڑے کی) لگام جبریل فرشتہ اور حوریں بھی پکڑ لیں (تو ان کی طرف توجہ نہ کر ان کو اپنے راستے کے پتھر سمجھ) + ان کے دل پر اپنے ناز و انداز کی جھلک ڈال اور محبوبانہ شان سے گزر جا۔ مراد ہے کہ تیرے مقصد کے راستے میں حسین سے حسین اور دلکش سے دلکش رکاوٹی مرحلے بھی کیوں نہ آئیں ان سے صرف نظر کرتے ہوئے منزل پر دھیان رکھ۔

غزل 33

زندگی در صدف خویش گہر ساختن است
در دل شعلہ فرو رفتن و نگداختن است

عشق ازیں گنبد در بستہ بروں تاختن است
شیشۂ ماہ ز طاق فلک انداختن است

سلطنت نقد دل و دیں ز کف انداختن است
بہ یکے داؤ جہاں بردن و جاں باختن است

حکمت و فلسفہ را ہمتِ مردے باید
تیغ اندیشہ بروئے دو جہاں آختن است

مذہب زندہ دلاں خواب پریشانے نیست
از ہمیں خاک جہاں دگرے ساختن است

*

① زندگی (کیا ہے؟) اپنی سیپ کے اندر موتی بنانا ہے + شعلہ کے دل میں اتر جانا اور نہ پگھلنا ہے۔

(اپنے جسم خاکی کی سیپ کے اندر دل بیدار ' روح عارفانہ یا خودی کا موتی پیدا کرنا زندگی ہے اگر یہ نہیں تو تیری زندگی زندگی نہیں موت ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ عشق کی آگ میں داخل ہو جاؤ اور اس طرح خود کو مٹی سے سونا بنا لو)۔

② عشق تو اس بند گنبد یعنی آسمان سے باہر نکل جانے کا عمل ہے+عشق تو آسمان کے طاق سے چاند کے پیالے کو لے کر اسے پھینک دیتا ہے (عشق زمان و مکان پر حکمران ہو جاتا ہے اور اس کی پرواز آنسوئے افلاک تک ہے)۔

③ (سلطنت کیا ہے) سلطنت دین اور دل دونوں کو ہاتھ سے گنوا دیتا ہے+ایک ہی داؤ میں جہان کو فتح کر لیتا اور جان کو ہار دیتا ہے (ملوکیت میں دنیا ضرور ہاتھ آ جاتی ہے دین ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ خلافت میں دین و دنیا دونوں قائم رہتے ہیں)۔

④ حکمت اور فلسفہ کے لئے کسی مرد کی ہمت کی ضرورت ہے+یہ فکر کی تلوار کو دونوں جہانوں پر کھینچتا ہے (فلسفی اور حکیم کو مخالف رائے کا مقابلہ کرنے اور اپنی رائے کو منوانے کے لئے بڑے حوصلہ سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ فلسفہ دونوں جہانوں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عمل ہے اور اس میں بڑے بڑے فکری مراحل آتے ہیں جن کو سر کرنے کے لئے شمشیر زن کی طرح مخالف قوتوں سے الجھنا اور لڑنا پڑتا ہے)۔

⑤ زندہ دلوں کا مذہب کوئی پریشان خواب نہیں ہے+(بلکہ ان کا مذہب) اسی مٹی سے ایک اور جہان پیدا کرنا ہے۔ (وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا سے الگ اپنی دنیا بساتے ہیں۔ ایسا ماحول پیدا کر کے زندہ رہتے ہیں جو ان کی خواہش کے مطابق ہو۔ دوسروں کی خواہش کے مطابق نہ ہو)۔

غزل 34

برون زیں گنبد در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہ سحرگاہے

تو اے شاہیں نشیمن در چمن کردی ازاں ترسم
ہوائے او بہ بال تو دہد پرواز کوتاہے!

غبارے گشتہ؟ آسودہ نتواں زیستن اینجا
بہ باد صبحدم در پیچ و منشیں بر سر راہے

ز جوئے کہکشاں بگذر' ز نیل آسماں بگذر
ز منزل دل بمیرد گرچہ باشد منزل ماہے

اگر زاں برق بے پروا درون او تہی گردد
بچشمم کوہ سینا می نیرزد با پر کاہے

چساں آداب محفل را نگہ دارند و می سوزند
مپرس از ما شہیدان نگاہ بر سر راہے!

پس از من شعر من خوانند و دریابند و میگویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے!

*

① میں نے اس بند دروازے کے گنبد یعنی آسمان میں ایک راستہ پیدا کر لیا ہے+کیونکہ میری صبح صادق کی آہ میرے خیال سے بھی زیادہ پرواز رکھتی ہے (عشق کی بدولت انسان زمان و مکاں پر حکمران ہو سکتا ہے)۔

② (شاہیں کی صفت یہ ہے کہ وہ اونچے پہاڑوں پر بسیرا کرتا ہے۔ سخت کوش ہوتا ہے شکار کرتا ہے

خود شکار نہیں بنتا اس کے برعکس باغوں اور مرغزاروں کے پرندے بلند پرواز نہیں ہوتے درختوں پر گھونسلے بناتے ہیں اور شکاریوں کا شکار بن جاتے ہیں اس پس منظر میں شاعر مرد مسلمان کو کہتا ہے) کہ تو تو شاہین ہے لیکن تو نے باغ میں اپنا گھونسلا بنا لیا ہے (سخت کوشی اور بلند پروازی چھوڑ کر آرام طلب اور نیچی پرواز والا بن گیا ہے) اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ + اس (چمن کی ہوا) تیرے بازوؤں کو کم بلندی پر اڑنے والی پرواز عطا کر دے گی (تیری آرام طلبی اور نرم کوشی تجھے دوسری اقوام کا شکار بنا دے گی)۔

③ کیا تو گرد ہو گیا ہے؟ (اگر یہ بات ہے) تو اس جگہ آرام سے نہیں رہا جا سکتا + صبح کی ہوا میں لپٹ اور راستے میں نہ بیٹھ (اگر تو مٹی سے پھر سونا بننا چاہتا ہے تو عمل کی راہ اختیار کر منزل کی آرزو پیدا کر کے اس کی طرف سفر کے لئے جدوجہد کر)۔

④ (آرام سے زندگی مردہ ہو جاتی ہے حیات جدوجہد میں اور ایک منزل کے بعد دوسری منزل کی طرف رواں دواں رہنے میں ہے) تو کہکشاں کی ندی سے گزر جا تو آسمان کے نیلے سمندر سے گزر جا (کسی بھی منزل کو منزل نہ بنا بلکہ چلتا جا) + (کیونکہ) منزل پر قیام سے اور اس سے موافقت کر لینے سے دل مر جاتا ہے چاہے وہ چاند کی منزل کیوں نہ ہو۔ (زندگی چلتے رہنے اور بڑھتے رہنے میں ہے)۔

⑤ اگر اس بے نیاز بجلی سے (جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور کوہ طور پر پھینکی تھی) اس کا یعنی کوہ طور کا اندر خالی ہو جائے (اور اس بجلی کی تجلی وہاں نہ ہو) + تو میری آنکھ میں یہ کوہ سینا (کوہ طور جو وادی سینا میں ہے) ایک تنکے کے برابر قیمت نہیں رکھتا۔

⑥ (میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ نگاہ کے شہید) کس طرح محفل کے آداب کو نگاہ میں رکھتے ہیں اور کس طرح جلتے ہیں + ہم راہ چلتے نگاہ کے شہید ہونے والوں سے یہ مت پوچھ (یہ بیان سے باہر ہے اس کا صرف احساس ہو سکتا ہے اور احساس صرف اسے ہو گا جو کبھی راہ چلتے کسی کی نگاہ کا شکار ہوا ہو گا)۔

⑦ میرے مرنے کے بعد لوگ میرے شعر پڑھیں گے ان کو سمجھیں گے اور کہیں گے + کہ ایک خود آگاہ مرد نے ایک جہان کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ (اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کے قلوب میں اور جہان میں انقلاب پیدا کر دیا ہے)

غزل 35

گنہگار غیورم مزد بے خدمت نمی گیرم
ازاں داغم کہ بر تقدیر او بستند تقصیرم

ز فیض عشق و مستی بردہ ام اندیشہ را آنجا
کہ از دنبالہ چشم مہر عالمتاب می گیرم

من از صبح نخستیں نقشبند موج و گردابم
چو بحر آسودہ میگردد ز طوفاں چارہ بر گیرم

جہاں را پیش ازیں صد بار آتش زیر پا کردم
سکون و عافیت را پاک می سوزد بم و زیرم

ازاں پیش بتاں رقصیدم و زنار بر بستم
کہ شیخ شہر مرد باخدا گردد ز تکفیرم!

زمانے رم کنند از من زمانے با من آمیزند
دریں صحرا نمی دانند صیادم کہ نخچیرم

دل بے سوز کم گیرد نصیب از صحبت مردے
مس ناتابیدہ آور کہ گیرد در تو اکسیرم

① میں غیرت مند گناہ گار ہوں میں بغیر محنت کے مزدوری نہیں لیتا (بغیر اطاعت و عبادت حق کے جنت میں نہیں جانا چاہتا) + میرے سینے میں تو اس بات کا داغ ہے کہ (کارکنان قضاو قدر) نے اس کی یعنی ابلیس کی تقدیر سے میری تقصیر (گناہ/ قصور) وابستہ کر دی ہے یعنی ہر وہ گناہ جو آدمی کرتا ہے اسے ابلیس کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے اور وہ خود پاک صاف ہو کر جنت کا حق دار بن جاتا ہے۔

② عشق و مستی کے فیض سے میں فکر کو (عقل کو) اس جگہ تک لے گیا ہوں + کہ میں جہان کو روشن کرنے والے سورج کے پیچھے جا کر اس کی روشن آنکھ کو بند کر دیتا ہوں۔ (عشق میں یہ قوت ہے کہ وہ عقل انسانی کو بھی جو عام حالات میں نابینا ہوتی ہے 'بینا بنا دیتا ہے۔ اسے وہ ایسی روشنی عطا کر دیتا ہے کہ سورج کی روشنی بھی اس کے آگے ماند پڑ جاتی ہے۔ مراد ہے سورج کی شعاعیں بھی وہاں ان چیزوں تک نہیں پہنچتیں جہاں عقل پہنچتی ہے۔ سورج کی آنکھ بھی وہ کچھ نہیں دیکھ سکتی جو وہ عقل دیکھ سکتی ہے جس کی آنکھیں عشق اور اس کی مستی کے فیضان سے روشن ہیں۔

③ میں پہلی صبح سے یعنی روز پیدائش سے موج اور بھنور کے نقوش بنا رہا ہوں یعنی میرا وجود ابتدائے آفرینش سے ہی کائنات میں ہنگامے پیدا کر رہا ہے + جب کبھی سمندر میں سکون ہوتا ہے (یعنی زندگی سکون آشنا ہونے لگتی ہے) تو میں طوفان سے (عشق سے) اس کا چارہ کر لیتا ہوں۔ (کائنات میں اور انسانی زندگی میں جس قدر ہنگامے ہیں وہ عشق کی بدولت ہی ہیں۔ عشق کائنات کے ذرہ ذرہ میں روز ازل سے ہی کار فرما ہے اور کائنات کی ساری رونقیں اور انسانی زندگی کی ساری رعنائیاں اسی کے فیضان سے ہیں)۔

④ پہلے شعر کے مضمون میں اضافہ کرتے ہوئے شاعر آدمی کی خصوصیت عشق کی بات کرتے ہوئے آدمی ہی کی زبان سے کہتا ہے) اس سے پہلے میں نے جہان کو سینکڑوں بار مضطرب کیا ہے + میرے عشق کا اتار چڑھاؤ سکوں کو یکسر جلا دیتا ہے۔ (جہاں عشق ہو وہاں سکون کا کیا مطلب)۔

⑤ میں نے بتوں کے سامنے اس لئے رقص کیا اور اس لئے برہمنوں کا جنیو پہنا + کہ میرے اس گناہ سے شیخ شہر خدا والا بن جائے۔ (مجھے کفر کا فتویٰ دینے والا شہر کا شیخ خود تکبر زہد و علم میں پھنسا ہوا ہے۔ جو شرک کی بہت بڑی قسم ہے لیکن وہ مشرک مجھے بنا رہا ہے۔ میں نے اس کے فتویٰ کفر کو تسلیم کرتے ہوئے اس لئے بت پرستی اختیار کر لی کہ شاید اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو جائے اور وہ اپنے گھمنڈ اور تکبر کے بت کو توڑ کر مسلمان ہو جائے۔ مجھ پر فتویٰ لگانے والا مفتی پہلے خود تو پاک صاف ہو پھر دوسروں کے عیب دیکھے۔ اگر وہ خود با خدا ہو جائے گا تو اسے اپنا آپ عیب دار نظر آنے لگے گا لیکن وہ دوسروں کی عیب جوئی نہیں کرے گا)۔

⑥ کسی وقت لوگ مجھ سے دور بھاگتے ہیں اور کسی وقت مجھ سے میل جول رکھتے ہیں (ابھی تک لوگ مجھے پہچان نہیں سکے گومگو کے عالم میں ہیں) + وہ نہیں جانتے اس صحرا یعنی دنیا میں' میں شکار ہوں کہ شکاری ہوں۔ (میری قوم ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائی کہ میں ان کا خیر خواہ ہوں یا بد خواہ۔ میری شاعری ان کی تقدیر بنانے کے لئے ہے یا محض تفریح کے لئے)۔

⑦ بے سوز دل والا شخص مرد خدا کی صحبت سے بے نصیب رہتا ہے + چمک دار پیتل لا کہ اس میں میری اکسیر عمل و اثر کرے (اور تو سونا بن جائے)۔

غزل 36

جہاں کور است و از آئینۂ دل غافل افتاد است
ولے چشمے کہ بینا شد نگاہش بر دل افتاد است

شب تاریک و راہ پیچ پیچ و بے یقیں راہی
دلیل کارواں را مشکل اندر مشکل افتاد است!

رقیب خام سودا مست و عاشق مست و قاصد مست
کہ حرف دلبراں دارائے چندیں محمل افتاد است

یقین مومنے دارد گمان کافرے دارد
چہ تدبیر اے مسلماناں کہ کارم با دل افتاد است

گہے باشد کہ کار ناخدائی می کند طوفاں
کہ از طغیان موجے کشتیم بر ساحل افتاد است

نعیمانم کہ داد ایں چشم بینا موج دریا را
گہر در سینۂ دریا' خزف بر ساحل افتاد است

نصیبے نیست از سوز درونم مرز و بوم را
زدم اکسیر را بر خاک صحرا باطل افتاد است

اگر در دل جہانے تازہ داری بروں آور
کہ افرنگ از جراحت ہاے پنہاں بسمل افتاد است!

*

① جہان اندھا ہے اور دل کے آئینہ سے غفلت میں پڑا ہوا ہے یعنی جہان والے اپنے دلوں کے آئینوں سے غافل ہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ ان کے سینوں میں دل نام کی ایک ایسی چیز ہے جس میں نہ صرف یہ کہ سارا خارجی جہان اس میں منعکس ہے بلکہ اگر باری تعالیٰ کی بھی کہیں جلوہ گری ہو سکتی ہے تو وہ صرف اسی دل میں ہو سکتی ہے۔ مسلمان صوفیا نے اپنا سارا نظام اسی دل کی بنیاد پر قائم کیا ہے۔ جس کے صاف و شفاف ہونے سے دل والا صاف و شفاف ہو جاتا ہے لیکن افسوس اہل جہان کی توجہ نفس پر تو ہے جو شیطان کا گھر ہے لیکن دل پر نہیں جو رب کا حرم ہے + لیکن جو آنکھ کہ بینا (دیکھنے والی) بن گئی (جس میں کسی مرشد کامل کی صحبت سے چشم باطن پیدا ہو گئی) اس کی نگاہ دل پر (ضرور) پڑی ہے۔ (اسے معلوم ہے کہ دل کیا شے ہے)۔

② (دور حاضر میں جملہ انسانوں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً بے راہ روی کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ آج صورت حال کچھ ایسی ہے کہ) اندھیری رات ہے اور راستہ بل دار ہے اور راستہ چلنے والا بے یقین ہے + قافلہ کے امیر یعنی راہرو کے راہنما کے لئے (ایسے بے یقین مسافر کو پیچ در پیچ راستوں سے گزار کر منزل مقصود تک پہنچانے میں) ایک کے بعد دوسری مشکل پیش آ رہی ہے۔

③ ناقص عشق والا رقیب مست ہے' عاشق مست ہے' پیغام لے جانے والا مست ہے + (یہ تینوں اس لئے مست ہیں) کہ محبوبوں کی تحریر یا بات (اپنی اونٹنی پر) کئی کجاوے رکھتی ہے یعنی کئی پہلو رکھتی ہے۔ جن کو رقیب اپنے موافق' عاشق اپنے موافق اور قاصد اپنے موافق سمجھتا ہے اور اس طرح محبوب کی اس نظر عنایت کی شراب میں ہر کوئی مست رہتا ہے۔ اس شعر سے یہ مراد ہے کہ خالق کائنات سے ہر کسی نے اپنے اپنے انداز میں رشتہ جوڑ رکھا ہے یہاں تک کہ انسان کے علاوہ دوسری جملہ مخلوق بھی اس کا ہی دم بھرتی ہے۔

④ (دور حاضر کی تہذیب' ثقافت اور علم کی بدولت) میرا دل (کبھی) مومن کا سا یقین رکھتا ہے اور کبھی

کافر کی سی بے یقینی رکھتا ہے یعنی مختلف قسم کے اوہام اور وساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ مستقل طور پر حالت یقین میں نہیں رہتا اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلک حق پر قائم رکھنے والا کوئی مرشد کامل میں نے نہیں پکڑا ہوا ہے جو مجھ میں عشق پیدا کر کے ہر قسم کے غیر اللہ کے خاشاک کو جلا کر راکھ کر دے + اے مسلمانو (اے وہ مسلمانو جو دولت یقین کے حامل ہو) میں کیا تدبیر کروں (کہ اس بے یقینی کی منزل سے نکل کر تم جیسا ہو جاؤں) کیونکہ میرا کام یعنی واسطہ (ایسے) دل سے پڑا ہے (جس کی حالت میں نے پہلے بیان کی ہے)۔

⑤ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ طوفان بھی ناخدائی (کشتی کو ساحل تک پہنچانے) کا کام کر دیتا ہے + کہ موجوں کے ایک تلاطم نے میری کشتی کو ساحل پر پھینک دیا ہے مراد ہے انسان کی زندگی میں بعض ایسے مصائب آتے ہیں اور وہ ایسے حادثات سے دوچار ہوتا ہے جو بظاہر اس کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے تھپیڑوں سے ایسی مار کھا کر ایسا سبق سیکھتا ہے کہ وہ گمراہی سے راستی پر آجاتا ہے۔

⑥ میں نہیں جانتا کہ دریا کی موج کو یہ دیکھنے والی یا تمیز کرنے والی آنکھ کس نے عطا کی ہے + کہ وہ موتیوں کو تو اپنی تہ میں (حفاظت سے) رکھتی ہے اور ٹھیکریوں (کوڑا کرکٹ) کو کنارے پر پھینک دیتی ہے۔ مراد ہے کہ کائنات کی ہر شے چاہے وہ عالم جمادات' عالم نباتات یا عالم حیوانات سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہو۔ کسی ان دیکھی ہستی کے تابع فرمان ہے اور ہر شے اس کے فرمان اور منشا کے مطابق کام کر رہی ہے لیکن انسان ہے کہ جو علم و خبر رکھنے کے باوجود اس ہستی علیم و حکیم کے احکام کی نافرمانی کر رہا ہے۔ (اور بظاہر اپنا فائدہ لیکن بباطن اپنا نقصان کر رہا ہے)۔

⑦ میرے اندر جو سوز عشق ہے اس سے میری کھیتی یعنی میرے مخاطبین کے نصیب نہیں پایا یعنی جو کچھ میں نے اپنی شاعری میں پیغام دیا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا + میں نے صحرا کی مٹی میں اکسیر کا عمل کیا جو بے کار گیا۔ (میری قوم میں قبولیت کی استعداد ختم ہو چکی ہے ورنہ جو کچھ میں نے انہیں دیا ہے اس سے وہ مٹی سے سونا بن جاتی)۔

⑧ اگر تو دل میں کوئی نیا جہان رکھتا ہے تو اس سے کوئی (ایسا علاج) لے کر آ (جس سے شیطان کے زخم خوردہ عہد حاضر کے انسانوں کے زخموں کا علاج ہو سکے) + کیونکہ اہل یورپ تو ان زخموں کا علاج کرتے کرتے خود زخمی پڑے ہیں (مغرب والوں نے اپنے ہی لگائے ہوئے زخموں کا علاج کرنے کے لئے طرح طرح کے طریقہ ہائے علاج دریافت کئے لیکن یہ زخم وہیں کے وہیں ہیں بلکہ پہلے سے بھی گہرے ہو گئے ہیں۔ اب اے مسلمان تو آگے آ اور کیونکہ تیرے پاس وہ علاج موجود ہے جو ان زخموں کو مندمل کر سکے۔ مراد ہے اہل یورپ نے اپنے علوم و فنون اور نظریات و افکار سے خود اپنا اور ساری دنیا کا معاشرہ کس طرح برباد کیا ہے اور کمیونزم' سوشل ازم' جمہوریت' وغیرہ کے طرح طرح کے نظام ہائے زندگی دے کر جس طرح اس کی اصلاح چاہی ہے وہ بے اثر ثابت ہوئے ہیں بلکہ مزید بگاڑ کا سبب بنے ہیں۔ یورپ والے خصوصاً اور ساری دنیا کے مغرب زدہ لوگ عموماً کسی ایسے نظام کی تلاش میں ہیں جو ان کو حیوانوں سے انسان بنا سکے وہ اے مسلمان صرف تیرے ہی پاس ہے۔ اٹھ پہلے اس نظام کو خود پر مسلط کر اور پھر اس کی نعمتیں ساری دنیا کو عطا کر۔

غزل 37

نہ یابی در جہاں یارے کہ داند دلنوازی را
بخود گم شو نگہدار آبروے عشق بازی را

من از کار آفریں داغم کہ با ایں ذوق پیدائی
ز ما پوشیدہ دارد شیوہ ہاے کارسازی را

کسے ایں معنئ نازک نداند جز ایاز اینجا
کہ مہر غزنوی افزوں کند درد ایازی را

من آں علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را!

بھر نرخے کہ ایں کالا بگیری سودمند افتد
بزور بازوئے حیدرؓ بدہ ادراک رازی را

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشت پرے داری
بیا من با تو آموزم طریق شاہبازی را

اگر ایں کار را کار نفس دانی چہ نادانی!
دم شمشیر اندر سینہ باید نے نوازی را!

✱

① تو جہان میں ایسا کوئی دوست نہیں پائے گا جو تیرے دل کو نوازنا جانتا ہو + اس لئے تو دوسروں کی دوستی کی بجائے اپنے آپ میں گم ہو جا اور عشق بازی کی عزت کی حفاظت کر۔

② میں (جہان کے) کام کاج کے منتظم یعنی خالق کائنات سے داغ رکھتا ہوں (کس بات کا داغ اس بات کا داغ) کہ وہ اپنی نمود اور ظہور کے اس قدر ذوق کے باوجود + ہم سے اپنی کارسازی کے طور طریقوں کو پوشیدہ رکھتا ہے مراد ہے کہ خالق کائنات کا ظہور اگرچہ کائنات کی ہر شے میں ہے لیکن اس کائنات کو چلانے کے انتظامات کی ہمیں کچھ خبر نہیں دیتا)

③ اس نازک معنی کو ایاز کے سوا کوئی نہیں جانتا + کہ غزنوی کی محبت ایاز کے درد کو اور بڑھا دیتی ہے (ایاز مشہور بادشاہ سلطان محمود غزنوی کا غلام اور منظور نظر تھا۔ مراد ہے خالق کائنات جتنا کسی بندے کے قریب ہوتا جاتا ہے اتنی ہی اس بندے کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے)۔

④ میں اس علم اور حکمت کو گھاس کے ایک تنکے کے بدلے بھی نہیں لیتا + جو مرد غازی کو اس کی تلوار اور ڈھال سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ (مسلمان کے دل سے جذبہ جہاد لے اڑتا ہے)۔

⑤ جس بھاؤ سے بھی تو یہ سودا خرید تا ہے تیرے لئے فائدہ مند ہے + حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بازوؤں کے زور کے بدلے میں امام فخر الدین رازی کی عقل کو دے دے (جو علم اور عقل بندہ مسلمان کو جہاد سے غافل کر دے وہ اس قابل ہے کہ دھتکار دیا جائے)۔

⑥ اگر تو خون کا ایک قطرہ رکھتا ہے اور اگر تو پروں کی ایک مٹھی رکھتا ہے یعنی تو ایک پرندہ کی مانند اڑنے والے پر رکھتا ہے + (تو) میرے پاس آ کہ میں تمہیں شاہبازی (دنیا میں سرفراز بلند اور حکمران ہونے) کا طریقہ سکھا دوں۔

⑦ اگر تو اس کام کو سانس کا کام سمجھتا ہے تو یہ تیری کیسی نادانی ہے + بنسری بجانے کے لئے (عام سانس کی نہیں) تلوار کے دم کی ضرورت ہے۔ (جس طرح نے نوازی کے لئے صرف سانس پھونکنا ہی کافی نہیں اس کے پیچھے سانس کو قائم رکھنے کے لئے سینے میں طاقت کی بھی ضرورت ہے اسی طرح اپنے کسی مقصد عظیم کے لئے سرفروشی کی آرزو ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے سر پہ کفن باندھنا یا سر بکف ہونا بھی لازمی ہے۔

غزل 38

علمے کہ تو آموزی مشتاق نگاہ نیست — واماندۂ راہے ہست' آوارۂ راہے نیست
آدم کہ ضمیر او نقش دو جہاں ریزد — بالذت آہے ہست' بے لذت آہے نیست!
ہر چند کہ عشق او آوارۂ راہے کرد — داغے کہ جگر سوزد در سینہ ماہے نیست
من چشم نہ بردارم از روے نگارینش — آں مست تغافل را توفیق نگاہے نیست!
اقبال قبا پوشد در کار جہاں کوشد — دریاب کہ درویشی با دلق و کلاہے نیست!

*

① جو علم تو پڑھ رہا ہے وہ نگاہ کا مشتاق نہیں ہے + وہ راستہ میں تھک کر بیٹھ جانے والا تو ہے راستہ طے کرنے والا نہیں ہے (اس علم میں خود کو یا خدا کو دیکھنے والی آنکھ پیدا کرنے کی آرزو اور شوق ہی نہیں ہے یہ علم تن پرور تو ہے جاں پرور نہیں۔ اس لئے بے حاصل ہے)۔
② وہ آدمی جس کا ضمیر دو جہان کا نقش کھینچتا ہے یعنی جس کی وجہ سے دونوں جہان کی رونقیں موجود ہیں + اس کا یہ عمل آہ کی لذت (عشق) کی بدولت ہے آہ کی لذت کے بغیر نہیں۔
③ ہر چند کہ اس کے یعنی محبوب حقیقی کے عشق نے اسے راہ میں آوارہ کر رکھا ہے (یعنی اس کی جستجو میں وہ آسمان کی راہوں میں سرگرداں ہے) + (لیکن) وہ داغ جو جگر جلا دے چاند کے سینے میں نہیں ہے (یہ نعمت صرف انسان کو نصیب ہوئی ہے اسی لئے چاند راہ ہی میں آوارہ رہتا ہے لیکن انسان منزل پا لیتا ہے)۔
④ میں اس کے دلکش اور حسین چہرہ سے آنکھ نہیں اٹھاتا + اس تغافل میں مست محبوب کو یعنی اس محبوب کو جس کا شیوہ ہی عاشقوں سے بے پرواہ رہنا ہے ہم پر ایک نگاہ ڈالنے کی فرصت نہیں۔
⑤ اقبال چغہ پہنتا ہے اور دنیا کے کاموں میں مصروف رہتا ہے + سمجھ لے یا اس بات کو پا لے کہ درویشی بوریا اور فقیری ٹوپی سے ہی نہیں ہوتی (درویشی لباس درستی کا نہیں دل درستی کا نام ہے)۔

غزل 39

چو خورشید سحر پیدا نگاہے میتواں کردن — ہمیں خاک سیہ را جلوہ گاہے می تواں کردن
نگاہ خویش را از نوک سوزن تیز تر گردان — چو جوہر در دل آئینہ راہے می تواں کردن
دریں گلشن کہ بر مرغ چمن راہ فغاں تنگ است — بانداز کشود غنچہ آہے می تواں کردن
نہ ایں عالم حجاب او را نہ آں عالم نقاب او را — اگر تاب نظر داری نگاہے می تواں کردن
"تو در زیر درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی" — بہ پرواز آ کہ صید مہر و ماہے می تواں کردن

*

① صبح کے سورج کی مانند نگاہ پیدا کی جا سکتی ہے + اسی خاک (جسم خاکی) کو ایک جلوہ گاہ بنایا جا سکتا

ہے (جس طرح صبح کا سورج خود بھی منور ہوتا ہے اور جہان کو بھی روشن کر دیتا ہے اسی طرح جو شخص نگاہ خود بیں یا چشم خدا بیں پیدا کر لے گا وہ خود بھی روشن ہو جائے گا اور دنیا بھی اس کے نور سے منور ہو جائے گی)۔

② اپنی نگاہ کو سوئی کی نوک سے زیادہ تیز بنا + جوہر کی طرح آئینہ کے دل میں راہ پیدا کی جا سکتی ہے۔ (یعنی ایسی نگاہ پیدا کر کہ جو حقیقت کو پا لے۔ جس طرح آئینہ کی چمک دمک یا اس کا جوہر آئینہ کا ایک حصہ ہے اسی طرح تیری خودی یعنی انائے مقید بھی انائے مطلق میں گم ہے)۔

③ اس باغ میں کہ جہاں باغ کے پرندے پر فغاں کی راہ تنگ ہے (اس پر ایسی قدغن ہے کہ وہ فریاد نہیں کر سکتا) + اس انداز سے آہ کھینچی جا سکتی ہے جس انداز سے کہ غنچہ آہ کھینچ کر پھول بن جاتا ہے (غنچہ کے کھلنے کی کوئی آواز نہیں ہوتی لیکن وہ خاموشی سے پھول بن جاتا ہے تجھ پر بھی اگر مجبوریاں مسلط کی گئی ہیں تو فکر نہ کر تو بھی غنچہ کی تقلید کرتا ہوا خاموشی سے ظلم کے خلاف احتجاج کرتا رہ ایک دن تو بھی اس کا اچھا نتیجہ دیکھ لے گا)۔

④ (وہ محبوب ایسا ہے کہ اس کی جلوہ گری ہر جگہ ہے) نہ یہ دنیا اس کے لئے پردہ ہے اور نہ آنے والا جہان اس کے لئے نقاب ہے (اس کا جلوہ ہر جگہ ہے صرف دیکھنے والی آنکھ چاہئے) + اگر اس پر نظر کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے تو اس پر نگاہ کی جا سکتی ہے (اسے دیکھا جا سکتا ہے)۔

⑤ تو بچوں کی طرح درختوں کے نیچے (کھڑا پرندوں کا) گھونسلہ دیکھ رہا ہے + پرواز اختیار کر کہ چاند اور سورج کو شکار کیا جا سکتا ہے (مسخر کیا جا سکتا ہے)۔

غزل 40

کشیدی بادہا در صحبت بیگانہ پے در پے
بنور دیگراں افروختی پیمانہ پے در پے!

ز دست ساقیِ خاور دو جام ارغواں درکش
کہ از خاک تو خیزد نالہ مستانہ پے در پے

دلے کو از تب و تاب تمنا آشنا گردد
زند بر شعلہ خود را صورت پروانہ پے در پے

ز اشک صبحگاہی زندگی را برگ و ساز آور
شود کشت تو ویراں تا نہ ریزی دانہ پے در پے

بگرداں جام و از ہنگامہ افرنگ کمتر گوے
ہزاراں کارواں بگذشت ازیں ویرانہ پے در پے!

*

① تو نے (اے مسلمان) بیگانوں کی صحبت میں (بیٹھ کر) متواتر شراب پی ہے (ان لوگوں کے افکار و تخیلات کو اپناتا رہا ہے جو تیرے دین کے منافی ہیں) + تو نے دوسروں کے نور سے مسلسل اپنے پیالے کو (دل کے پیالے) کو روشن کیا ہے (اپنی اصل کی طرف آ اور غیروں سے منہ کو موڑ)۔

② مشرق کے ساقی کے ہاتھوں سے سرخ شراب کے دو پیالے پی + تاکہ تیری مٹی یعنی جسم خاکی سے نالے کے بعد نالہ نکلتا رہے (شراب مغرب نے تجھے ذوق و شوق سے بیگانہ کر دیا ہے تو اپنی بادۂ علم و فن اور فکر و خیال پی تاکہ تیرے اندر پھر سے آدمیت کی رمق اور مسلمانی کا نور پیدا ہو اور تیری بے کیف مٹی

میں وہ سوز و گداز پیدا ہو جو زندگی کے لئے ضروری ہے۔)

③ وہ دل کہ جو آرزو کی گرمی اور تڑپ سے آشنا ہو جاتا ہے + وہ خود کو پروانہ کی مانند مسلسل شعلہ پر مارتا رہتا ہے یعنی اس پر قربان ہوتا رہتا ہے (ایسے دل والا شخص اپنے محبوب و مقصود سے مسلسل وابستہ رہتا ہے)۔

④ صبح کے وقت کے آنسوؤں سے زندگی کا ساز و سامان پیدا کر + تیری کھیتی ویران ہو جائے گی اگر تو اس میں متواتر دانے نہ ڈالتا رہے گا (جب تک انسان جذبہ عشق سے آشنا نہیں ہوتا یا کم از کم اس کے فکر و خیال پر سوز و گداز حاوی نہیں ہوتا اس کی زندگی کی کھیتی میں وہ فصل نہیں اگ سکتی جو منشائے تخلیق کائنات ہے)۔

⑤ (اپنے میخانہ اسلام کی شراب والے) پیالہ کو گردش میں لا اور فرنگیوں کے ہنگامہ کی بات نہ کر (کہ انہوں نے لوگوں کے ساتھ یہ کیا اور وہ کیا جب تو اپنی اقدار سے آشنا ہو کر پھر سے ان کو اپنا لے گا تو اہل مغرب کے اثرات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ تجھے ان کے خلاف زبان کھولنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی) + (دنیا کے) ویرانے سے ہزاروں قافلے یکے بعد دیگرے گزرے ہیں (کئی قومیں دنیا پر حکمران رہی ہیں لیکن کسی کو استقامت نصیب نہیں رہی ہے کچھ عرصہ کے بعد تبدیلی آجاتی ہے ایک قوم کو دوسری قوم نیست و نابود کر دیتی ہے اور خود غالب آجاتی ہے۔ یہ فرنگی بھی ایک دن نیست و نابود ہو جائیں گے۔ ان سے خوف نہ کھا ان کے طور طریقے نہ اپنا ان کے افکار و خیالات کو خود پر مسلط نہ کر بلکہ ان عقائد و افکار کو اپنا جو تجھے تیرے دین اور اسلاف نے دئے ہیں۔

غزل 41

عشق اندر جستجو افتاد و آدم حاصل است
جلوۂ او آشکار از پردۂ آب و گل است
آفتاب و ماہ و انجم می تواں دادن ز دست
در بہائے آں کف خاکے کہ دارائے دل است

*

① عشق جستجو میں لگا اور اس کا حاصل آدم ہے یعنی عشق کے جس بار گراں کو اٹھانے کے لئے سب نے انکار کر دیا اس کو آدم نے اٹھا لیا + اس کا یعنی عشق کا جلوہ اگر ظاہر ہے تو آب و گل یعنی آدم کے جسم خاکی کے پردہ سے ظاہر ہے جسم خاک آدم عشق سے متجلی و منور ہے اور کوئی شے نہیں)۔

② سورج، چاند اور ستاروں کو ہاتھ سے دیا جا سکتا ہے + اس مٹی کی مٹھی (جسم خاکی یا آدم) کی قیمت میں یا بدلے میں جو دل رکھنے والی ہے یعنی جس جسم کے اندر عشق آشنا دل ہے اس کے سامنے ہر شے ہیچ اور بے قیمت ہے۔

غزل 42

... کے ... غنچہ ... تازۂ بستیم دگر مرد بطاف ... کہ بشکستہ

چہ جلوہ ایست کہ دلہا بلذتِ نگہے — ز خاک راہ مثال شرارہ برجستند!
کجاست منزل تورانیان شہر آشوب — کہ سینہ ہائے خود از تیزئ نفس خستند
تو ہم بذوق خودی رس کہ صاحبان طریق — بریدہ از ہمہ عالم بخویش پیوستند
بچشم مردہ دلاں کائنات زندانے است — دو جام بادہ کشیدند و از جہاں رستند
غلام ہمت بیدار آں سوارانم — ستارہ را بسناں سفتہ در گرہ بستند
فرشتہ را دگر آں فرصت سجود کجاست — کہ نوریاں بتماشائے خاکیاں مستند!

*

① آکہ مشرق والوں نے نیا نقش باندھا ہے یعنی وہ فرنگی جادوگروں کا طلسم توڑ رہے ہیں + (جب یہ خوش گوار صورت حال پیدا ہو چکی ہے اب اس بت کے طواف میں مت جا جس کو توڑ چکے ہیں)

② یہ کیسا جلوہ ہے کہ جس پر نگاہ کرنے کی لذت سے دل + راستے کی خاک سے چنگاری کی مانند اچھل رہے ہیں (آزادی کے جلوہ میں عجب لذت ہے اس کے شیدائی باوجود کم مائگی اور کمزوری کے غلامی سے رہائی پانے کے لئے بیتاب رہتے ہیں)۔

③ (وسط ایشیا کے رہنے والے) تورانی نسل کے وہ مسلمان کہاں ہیں جو (ہمیشہ) آشوب (ہنگامہ / جنگ) کو پسند کرتے تھے (اور باطل کو مٹانے کے لئے شب و روز جہاد کرتے تھے) + وہ تورانی جو اپنے سانسوں کی تیزی سے اپنے سینے زخمی کر لیتے تھے (جو کبھی چین سے بیٹھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ راہ حق میں جدوجہد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے)۔

④ تو بھی خودی کے ذوق تک پہنچ (اپنی معرفت کے حصول کی لذت اپنے اندر پیدا کر) کہ مسلک عشق پر چلنے والے + سارے جہان سے قطع تعلق کر کے خود سے پیوست ہو گئے تھے۔

⑤ جو لوگ مردہ دل ہیں ان کی آنکھوں میں کائنات ایک قید خانہ ہے + انہوں نے ایک دو جام شراب کے پئے اور جہان سے چھٹکارا حاصل کر لیا یعنی جہان کو قید خانہ سمجھنے والے اس کی ذمہ داریوں اور مصروفیات سے کنارہ کشی کا بہانہ عیش و عشرت میں ڈھونڈتے ہیں حالانکہ انسان کو جہان میں رہتے ہوئے جہان سے ماورا ہونا چاہئے۔ انجمن میں خلوت پیدا کرنی چاہئے۔

⑥ میں ان سواروں کی ہمت بیدار کا غلام ہوں + جنہوں نے ستارہ کو نیزہ کی انی میں پرو دیا اور اپنی گرہ میں باندھا (جنہوں نے عزم و ہمت کی بلندی سے کائنات کی اشیا کو مسخر کیا میں تو ان کو بہادر تسلیم کرتا ہوں)۔

⑦ فرشتہ کو اب دوبارہ اس سجدہ کی فرصت کہاں ہے (جو کبھی اس نے خالق کائنات کے کہنے پر آدم کو کیا تھا) + کہ اب یہ نوری مخلوق خاکی مخلوق کے تماشا میں مست ہے (آدم میں جو پوشیدہ جوہر اس کے خالق نے رکھے ہیں فرشتوں سے روز ازل تو اس لئے پوشیدہ رہے کہ انہوں نے آدم کی صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں کیا اب جب کہ آدم روئے زمین پر آ کر اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو ظاہر کر رہا ہے تو فرشتے اس کے نظارے میں مست ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ واقعی یہ خالق کی احسن تقویم ہے واقعی اس کا شاہکار عظیم ہے اور واقعی ہمارے سجدے کے لائق ہے)۔

غزل 43

عشق را نازم کہ بودش را غم نابود نے　　کفر او زنار دار حاضر و موجود نے
عشق اگر فرماں دہد از جان شیریں ہم گذر
عشق محبوب است و مقصود است و جاں مقصود نے!
کافری را پختہ تر سازد شکست سومنات　　گرمیِ بتخانہ بے ہنگامۂ محمود نے
مسجد و میخانہ و دیر و کلیسا و کنشت　　صد فسوں از بہر دل بستند و دل خوشنود نے!
نغمہ پردازی ز جوئے کوہسار آموختم　　در گلستاں بودہ ام یک نالہ درد آلود نے
پیش من آئی؟ دم سردے، دل گرمے بیار　　جنبش اندر تست، اندر نغمۂ داؤد نے
عیب من کم جوے و از جامم عیار خویش گیر　　لذت تلخاب من بے جان غم فرسود نے

*

① میں عشق پر ناز کرتا ہوں کہ اس کی ہستی کو نیستی کا غم نہیں ہے (وہ فانی نہیں ایک ابدی حقیقت ہے) + وہ ایک ایسا کفر ہے جو حاضر و موجود کا زنار (جنیو) پہننے والا نہیں ہے یعنی عشق، صاحب عشق کو ہر شے سے بے نیاز کئے ہوئے ہے۔ (چونکہ عشق ظاہری زندگی اور عام قوانین حیات سے ہٹ کر اپنا ایک طور طریقہ رکھتا ہے جو عقل، فہم، وہم وغیرہ کی سمجھ سے بالاتر ہے اس لئے اسے کفر کہہ دیا ہے ورنہ حقیقی اسلام تو عشق ہی ہے۔ عشق نہ ہو تو شرع اور دین کی باتیں تصور کے بت کدہ کے سوا کچھ بھی نہ ہوں)۔

② عشق اگر فرمان دے تو اپنی میٹھی جان بھی قربان کر دے + (کیونکہ) جان مقصود نہیں ہے مقصود اور محبوب عشق ہے۔

③ سومنات (مندر یا بت) کا ٹوٹنا کافری کو اور مضبوط بناتا ہے + بت خانہ کی گرمی محمود کے ہنگامہ کے بغیر کچھ نہیں (اصول یہ ہے کہ کہیں دشمن ہو تو آدمی اپنی مدافعت کا سامان کرتا ہے۔ اسی کلیہ کے تحت اسلام سے خود کو بچانے کے لئے کفر خود کو مضبوط کرتا ہے۔ سلطان محمود کے حملوں کا خوف سومنات والوں کو سومنات کے مندر کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لئے آمادہ کرتا تھا۔ سلطان محمود نے سومنات کے مندر کو بے شک توڑ دیا لیکن اس کی بقا چاہنے والے کفر پسند خود کو مزید مضبوط بنانے میں مصروف ہو گئے۔ آج کا مسلمان کفر کی تیاری کو دیکھ کر اسلام کو مضبوط نہیں بنا رہا لیکن کافر مسلمان کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنے کفر کو مضبوط سے مضبوط تر کئے جا رہا ہے)۔

④ (ہر مذہب کے پرستاروں نے اپنے اپنے مذہب کی عبادت گاہوں میں آدمی کے دل کے اطمینان کے لئے طرح طرح کی دل نوازیاں رکھی ہیں) مسلمانوں کی مسجد ہو رندوں کا میخانہ ہو بت پرستوں کا مندر ہو یا آتش پرستوں کا کنشت ہو (عاشق ہر جگہ گیا) + ان جگہوں پر سینکڑوں طرز کی فسوں کاریاں (دل لبھانے کے سامان) موجود تھے لیکن دل خوش نہ ہو سکا (اس لئے خوش نہ ہو سکا کہ وہاں مقصد عاشق یعنی اس کا محبوب نہ تھا۔ خود محبوب نہ سہی اس کی جلوہ گری ہی کی کوئی صورت ہوتی تب بھی شاید بات بن جاتی لیکن یہ جملہ جگہیں تو نفرت، نفاق، اور دنیا خریداری کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ اگر ہر جگہ محبوب کی جلوہ گری ہی ہوتی تو فساد اور نفاق کیوں ہو دین فروشی اور دنیا خریداری کا بازار کیوں گرم ہو)۔

⑤ میں نے نغمہ اللہ اپنے کا فن پہاڑ سے آنے والی (گنگناتی شور کرتی) ندی سے سیکھا ہے۔ باغ کے اندر میں رہا ہوں وہاں تو ایک نالہ بھی ایسا نہیں (سنا گیا) جو درد بھرا ہو (نالہ وہ نکالتا ہے جو غم زدہ ہو۔ پہاڑ کی ندی اس لئے غم زدہ ہے کہ وہ اپنے اصل کہسار سے دور ہوتی جا رہی ہے اور اس کے غم میں نالہ کناں ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ فریاد اس اعتبار سے بھی کر رہی ہے کہ وہ اپنے محبوب (دریا) کی جانب اس کی تلاش کا اور اس کے دیدار کا شوق لئے بڑھی چلی جا رہی ہے۔ یہی ندی جب باغ میں سے گزر رہی ہوتی ہے تو خاموش ہوتی ہے یا یہ مراد ہو سکتی ہے کہ باغ میں پرندے چہچہا رہے ہوتے ہیں لیکن ان میں درد نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کا مقصود و محبوب پھول پھل' برگ و بار وغیرہ کی شکل میں ان کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ نالہ و فریاد کا تعلق تو فراق سے ہے وصال سے نہیں ہے۔ فراق زندگی میں تگ و دو پیدا کرتا ہے اور وصال سکون)۔

⑥ میرے پاس آتا ہے تو سرد دم اور گرم دل کے ساتھ آ + کیونکہ حرکت تیرے اندر ہے حضرت داؤدؑ کے نغمہ میں نہیں ہے (اگر زمین شور ہو تو کوئی دانہ ڈال دیں گل سڑ جائے گا اگر وہ زرخیز ہے تو بار آور ہو گا۔ اسی طرح نغمہ کی قبولیت کی استطاعت نغمہ سننے والے میں ہے خود نغمہ اس استطاعت کے بغیر بے کار ہے۔ میں نے بھی شعر میں جو کچھ کہا ہے اس سے فیض یاب وہی ہو سکتا ہے جو اس فیض کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

⑦ (اے میرا کلام پڑھنے اور سننے والے) میرا عیب نہ نکال اور میرے پیالے سے اپنے معیار کے مطابق (اپنی طلب اور صلاحیت کے مطابق) شراب لے (اور پی) + میری تلخ شراب کی لذت اس جان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جو غم میں (غم عشق میں) گھل نہ گئی ہو۔

غزل 44

بر دل بے تاب من ساقی مے نابے زند
کیمیا ساز است و اکسیرے بہ سیمابے زند

من ندانم نور یا نار است اندر سینہ ام
ایں قدر دانم بیاض او بہ مہتابے زند

بر دل من فطرت خاموش می آرد ہجوم
ساز از ذوق نوا خود را بمضرابے زند

غم مخور ناداں کہ گردوں در بیابان کم آب
چشمہ دارد کہ شبخونے بہ سیلابے زند!

اے کہ نوشم خوردۂ از تیزی نیشم مرنج
نیش ہم باید کہ آدم را رگ خوابے زند

*

① میرے بے قرار دل پر ساقی خالص شراب ڈالتا ہے + وہ کیمیا ساز ہے اور پارے کے ساتھ اکسیر لگاتا ہے یا اس پر اکسیر ڈالتا ہے (تاکہ وہ سونا بن جائے) مراد ہے میرا مرشد کامل ایسا ہے جو میرے دل پر پوری اور صحیح توجہ ڈالتا ہے اور اسے گوشت کے لوتھڑے سے دل خود شناس اور دل خدا شناس بناتا ہے۔ جس طرح اکسیر کے عمل سے پارے کو سونا بنایا جاتا ہے اسی طرح مرشد کامل اپنی نگاہ کی اکسیر سے مرید کے عام دل کو دل بیدار میں تبدیل کر دیتا ہے۔

② میں یہ تو نہیں جانتا کہ میرے سینے میں نور ہے یا نار ہے + (البتہ) اس قدر جانتا ہوں کہ اس کی

روشنی چاند کی روشنی کو شرما رہی ہے۔

③ خاموش فطرت میرے دل پر ہجوم کر رہی ہے + (یوں سمجھیں کہ) نوا کے ذوق سے ساز خود کو مضراب پر مار رہا ہے۔ مراد ہے کہ جب دل واقعی دل بن جاتا ہے تو اسے فطرت کی نہیں فطرت کو اس کی طلب اور ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرے اور بروئے کار لائے۔

④ اے نادان غم نہ کھا کہ آسمان پانی کے بغیر بیابان میں + ایسے چشمے رکھتا ہے جو سیلاب پر شبخون مارتے ہیں (خالق کائنات نے تیرے اندر بہت سی مخفی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں جن کو بروئے کار لا کر تو اپنی شخصیت کو عظمت دے سکتا ہے)۔

⑤ اے کہ تو نے میری شیریں غذا کھائی ہے یا میٹھا پانی پیا ہے۔ میرے ڈنگ کی تیزی سے رنجیدہ نہ ہو یا تکلیف محسوس نہ کر + (کیونکہ) ڈنگ مارنا بھی چاہئے تاکہ آدمی کی سوئی ہوئی رگ کو پھڑکا دے یا جگا دے (شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ میری شاعری سے جہاں تو نے مزا لیا ہے وہاں ان موضوعات و مضامین سے نہ گھبرا جو تجھے میدان تفریح سے نکال کر میدان عمل میں لاتے ہیں)۔

غزل 45

فروغ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے!
زمیں از کوکب تقدیر ما گردوں شود روزے!

خیال ما کہ او را پرورش دادند طوفانہا
ز گرداب سپہر نیلگوں بیروں شود روزے

یکے در معنی آدم نگر! از من چہ می پرسی
ہنوز اندر طبیعت می خلد موزوں شود روزے

چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیر او پر خوں شود روزے

*

① ایک دن آئے گا کہ خاک کے بنے ہوئے (آدمیوں) کی روشنی نور کی بنی ہوئی مخلوق (فرشتوں) سے بڑھ جائے گی + (اور) زمین ہماری تقدیر کے ستارے سے آسمان بن جائے گا (انسان اس قدر ترقی کر جائے گا کہ آسمانوں پر کمند ڈالنے لگے گا اور روئے زمین کو ستاروں سے سجے ہوئے آسمان سے کہیں زیادہ پر کشش بنا دے گا اور اپنی ذات کے اندر بھی وہ ترقی کرے گا کہ فرشتے پیچھے رہ جائیں گے)۔

② میرا خیال کہ جس کی پرورش طوفانوں نے کی ہے + ایک دن نیلے آسمان کے بھنور سے باہر نکل جائے گا (انسان کی فکر آنسوئے افلاک تک رسائی حاصل کر لے گی)۔

③ ایک دفعہ تو آدم کے معنی میں دیکھ (اس کے باطن میں جو کچھ ہے اسے دیکھ) مجھ سے کیا پوچھتا ہے + (یہ معنی) ابھی تک اس کی طبیعت میں مچل رہے ہیں ایک دن (شعر کی صورت) میں موزوں ہو جائیں گے یعنی آدمی کی باطنی صلاحیتیں اجاگر ہو جائیں گی وہ خلیفۃ الارض کے مقام پر فائز ہو جائے گا۔ اس کے اندر اس مقام پر فائز ہونے کی صلاحیتیں موجود ہیں شرط کسی مرشد کی صحبت میں ان کو پانے اور اجاگر کرنے کی ہے)۔

④ یہ عام مضمون (ایک دن) ایسا موزوں ہو گا + کہ خدا کا دل اس کی تاثیر سے ایک دن پر خون ہو جائے گا (متاثر ہو جائے گا) شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ آدمی مظہر صفات خدا ہونے کی اہلیت رکھتا ہے لیکن

غفلت کی وجہ سے معمولی حیثیت بلکہ حیوانی سطح پر آچکا ہے اگر وہ خود شناسی کی راہ پر چل نکلے تو ایک دن اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرلے گا وہ مقام جس کو دیکھ کر خالق بھی اپنی تخلیق پر ناز کرے)۔

غزل 46

ز رسم و راہ شریعت نکردہ ام تحقیق — جز اینکہ منکر عشق است کافر و زندیق!
مقام آدم خاکی نہاد دریابند — مسافران حرم را خدا دہد توفیق
من از طریق نہ پرسم، رفیق می جویم — کہ گفتہ اند نخستیں رفیق و باز طریق
کند تلافیِ ذوق آں چناں حکیم فرنگ — فروغ بادہ فزوں تر کند بجام عتیق
ہزار بار نکوتر متاع بے بصری — ز دانشے کہ دل او را نمی کند تصدیق
بہ پیچ و تاب خرد گرچہ لذت دگر است — یقین سادہ دلاں بہ ز نکتہ ہائے دقیق
کلام و فلسفہ از لوح دل فرو شستم — ضمیر خویش کشادم بہ نشتر تحقیق
ز آستانہ سلطاں کنارہ می گیرم — نہ کافرم کہ پرستم خدائے بے توفیق

*

① شریعت کی رسم و راہ سے میں نے تحقیق نہیں کی + سوائے اس کے کہ عشق کا انکار کرنے والا کافر اور زندیق ہے (زندیق جو آتش پرست ہو یا غیر مسلم ہو) شاعر کہنا چاہتا ہے کہ عشق کے بغیر مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان نہیں بن سکتا اگر ایک مسلمان میں عشق بالکل نہ ہو اور وہ صرف عقل پر بھروسہ کر رہا ہو تو پھر وہ ایمانیات اور شریعت کی بہت سی باتوں کا انکار کر سکتا ہے بلکہ آج کر رہا ہے۔ عشق نہ ہو تو شریعت کی بہت سی باتیں تصور کابت کدہ دکھائی دیتے ہیں)۔

② خاکی نہاد آدمی کے مقام کو پالیں + خدا حرم کے مسافروں کو (اس کی) توفیق دے (کعبہ کی جانب سفر کرنے والے مسلمانوں کو اللہ یہ توفیق بھی دے کہ وہ اپنے مقام کو بھی پائیں اور ان پر یہ راز کھل جائے کہ ایک کعبہ ان کے اندر بھی ہے اور وہ کعبہ ان کا دل ہے بشرطیکہ یہ خدا کا گھر بن جائے)۔

③ میں طریق (راہ) کے متعلق نہیں پوچھتا میں تو راہ کا ساتھی تلاش کر رہا ہوں + کیونکہ (عقل مندوں نے) کہا ہے کہ پہلے ساتھی اور پھر راستہ ——— (راستہ ہو لیکن راستہ اور اس کی مشکلات جاننے والا اور منزل تک پہنچانے والا موجود نہ ہو تو مسافر بھٹک سکتا ہے)۔

④ (یورپ کے حکیم نے دنیا کو ہر طرح سے گمراہ کیا ہے اب) وہ لوگوں کے ذوق بگاڑنے کے گناہ) کی تلافی اس طرح کر رہا ہے + کہ وہ عتیق کے پیالے میں شراب کے جوش اور نشش کو پہلے سے زیادہ کر رہا ہے (یورپ والے اپنے فکر و خیال، تمدن و معاشرت، سیاست و اقتصادیات، علوم و فنون وغیرہ کی تباہ کن خرابیوں کو چھپانے کے لئے اپنی تہذیب کی چکا چوند چمک سے لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہے ہیں۔ کہ وہ اس روشنی کے نیچے اس اندھیرے کو نہ دیکھ سکیں جو وہ مشرق و مغرب میں پھیلا چکے ہیں)۔

⑤ وہ جہالت کی دولت ہزار بار بہتر ہے + اس دانائی (دانش) سے جس کی دل تصدیق نہ کرتا ہو۔

⑥ اگرچہ عقل کی بھول بھلیوں میں ایک اور مزا ہے + (لیکن) سادہ دل لوگوں کا یقین مشکل نکتوں

(باریک اور رمزی باتوں) سے بہتر ہے۔

⑦ میں نے کلام اور فلسفہ کے (حروف کو) دل کی تختی سے دھو ڈالا + (اور) اپنے ضمیر کو تحقیق کے نشتروں سے کھول دیا (تحقیق کا علم مشاہدے کا علم ہے یقین کا علم ہے تصوف کا علم ہے علم کلام وہ علم ہے جس میں دینی مسائل کو عقل کی رو سے سمجھایا جاتا ہے) اس کے برعکس تصوف کا علم مشاہدہ کراتا ہے۔

⑧ میں بادشاہ کے آستانہ سے الگ یا دور ہو گیا ہوں + میں کافر نہیں ہوں کہ بے اختیار و بے طاقت خدا کو پوجتا رہوں (دنیاوی بادشاہ کتنا ہی طاقت ور اور با اختیار کیوں نہ ہو اپنی ضروریات میں کسی نہ کسی کا محتاج ہی ہوتا ہے۔ جس بادشاہ کو کسی قسم کی احتیاج نہیں وہ صرف زمین و آسمان کا بادشاہ خدا ہے۔ کیوں نہ میں اس خدا کا دروازہ پکڑ لوں جس کے سب محتاج ہیں)۔

غزل 47

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبت آشنا طلب — ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب
از خلش کرشمۂ کار نمی شود تمام — عقل و دل و نگاہ را جلوہ جدا جدا طلب
عشق بسر کشیدن است شیشہ کائنات را — جام جہاں نما مجو، دست جہاں کشا طلب
راہ رواں برہنہ پا راہ تمام خارزار — تا بہ مقام خود رسی راحلہ از رضا طلب!
چوں بہ کمال می رسد فقر دلیل خسروی است — مسند کیقباد را در تہ بوریا طلب
پیش نگر کہ زندگی راہ بعالمے برد — از سر آنچہ بود و رفت درگذر، انتہا طلب
ضربت روزگار اگر نالہ چو نے دہد ترا — بادۂ من ز کف بنہ، چارہ ز مومیا طلب

*

① ہر کسی سے الگ ہو جا (اور صرف) آشنا کی صحبت طلب کر (آشنا سے مراد خدا ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں وہی تیرا ولی یا دوست ہے) + خدا سے خودی مانگ اور خودی کے ذریعے خدا طلب کر (جس نے خودی کی دولت پالی اس نے خدا کو پالیا۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا)۔

② (دوست کے صرف) ابرو اور چشم کے اشارے سے کام نہیں بنتا + عقل، دل اور نگاہ کے لئے الگ الگ جلوہ طلب کر (عشق، عقل اور نظر تینوں کی بیک وقت پرورش کر)۔

③ عشق کائنات کی صراحی پی جانے کا نام ہے یعنی پوری کائنات کو اپنا مطیع کر لینے کا مسلک ہے + جہان کو دیکھنے والا پیالہ تلاش نہ کر (بلکہ) جہان کو فتح یا مسخر کرنے والا ہاتھ طلب کر (حالت جذب و مستی یا حالت مشاہدہ سے نکل اور مشاہدہ شدہ جہان کو اپنی روحانی طاقت سے مطیع کر)۔

④ راہ چلنے والے ننگے پاؤں (ہیں) اور راستہ سارا کانٹوں بھرا (ہے) + تاکہ تو اپنے مقام پر (بخیریت) پہنچ جائے (خدا کی) تسلیم و رضا کی سواری طلب کر (سلوک طے کرتے ہوئے سالک کے راستہ میں جو سات مقامات توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل وغیرہ آتے ہیں ان میں سے آخری مقام تسلیم و رضا کا مقام ہے۔ ہر مقام پہلے سے طے شدہ مقام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے آخری مقام یعنی تسلیم و رضا کے مقام میں سب مقامات موجود ہوتے ہیں

⑤ جب فقر کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ شہنشاہی کے لئے راہنما بن جاتا ہے یعنی جو شخص فقر میں کمال حاصل کرلیتا ہے وہ فقیر ہوتے ہوئے کائنات کا شہنشاہ ہوتا ہے + (اس لئے) ایران کے مشہور بادشاہ کیقباد کا تخت بوریائے فقر کے نیچے طلب کر یعنی وہ شہنشاہی طلب کر جو فقیری میں حاصل ہوتی ہے اور جس میں فقیر کسی ایک ملک کا حکمران نہیں ہوتا بلکہ جہان کا حکمران اور جہان والوں کے دلوں کا حکمران ہوتا ہے)۔

⑥ آگے دیکھ کہ زندگی کس عالم یعنی جہان کی طرف دوڑی جا رہی ہے یعنی کائنات اور اس کی ہر شے اپنے رب کی طرف یا اپنی اصل کی طرف جا رہی ہے (اس لئے وہاں تک جانے کی فکر اور تیاری کر) + جو کچھ کہ گزر چکا ہے اس کا خیال چھوڑ دے اور (تیری جو) انتہا ہے اس کو طلب کر۔

⑦ اگر زمانے کی چوٹ (یعنی مصائب و آلام) تجھ میں بنسری کی مانند فریاد پیدا کر رہی ہے (یعنی تو رنج و الم زمانہ میں مبتلا ہو کر چیخ پکار کر رہا ہے) + تو میری شراب (کے پیالے) کو ہاتھ سے پھینک دے اور مومیا سے یعنی اس دارو سے جو ہڈیوں کو جوڑتی اور چوٹوں کو ٹھیک کرتی ہے علاج طلب کر (میری شاعری کے اس حصہ پر نظر نہ کر جو تفریحی اور خمریاتی ہے بلکہ اس حصہ سے استفادہ کر جس میں تیرے رنج کا علاج اور تیرے دکھ کا مداوا ہے یا یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میری شاعری کی بجائے قرآن کی طرف رجوع کر)۔

غزل 48

بینی جہاں را خود را نہ بینی ۔ تا چند ناداں غافل نشینی؟
نور قدیمی شب را برافروز ۔ دست کلیمی در آستینی!
بیروں قدم نہ از دور آفاق ۔ تو پیش ازینی تو بیش ازینی!
از مرگ ترسی اے زندہ جاوید؟ ۔ مرگ است صیدے تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نگیرند ۔ آدم بمیرد از بے یقینی
صورت گری را از من بیاموز ۔ شاید کہ خود را باز آفرینی!

*

① تو جہان کو تو دیکھتا ہے خود کو نہیں دیکھتا یعنی اپنی معرفت حاصل نہیں کرتا + اے نادان تو (خود کو نہ دیکھنے یا اپنا نظارہ نہ کرنے سے) کب تک غافل بیٹھا رہے گا۔

② تو ایک قدیم نور ہے (تیری اصل کا تعلق مادہ سے نہیں تو قدیم ذات حق کا پرتو ہے) اس نور سے اپنی زندگی کی رات کو روشن کر + تو تو حضرت موسیٰؑ کا جو اللہ سے کلام کرتے تھے (روشن) ہاتھ ہے لیکن (ابھی تک) یہ تیری آستین میں ہے (اسے باہر نکال اور دیکھ کہ یہ عام ہاتھ نہیں بلکہ ید بیضا یعنی روشن ہاتھ ہے (تو اپنی حقیقت کو بھول چکا ہے جب اپنی معرفت حاصل کرلے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو اپنی اصل کے لحاظ سے کیا ہے)۔

③ کائنات کے دائرے سے باہر قدم رکھ (زمان و مکان سے باہر نکل) + تو اس کائنات سے مقدم (بہت پہلے کا) ہے تو اس کائنات سے زیادہ یا وسیع ہے (کائنات تیری محصور ہے تو کائنات کے حصار میں نہیں ہے لیکن تو خود سے غافل ہونے کی وجہ سے کائنات میں محصور ہو کر رہ گیا ہے)۔

④ تو موت سے ڈرتا ہے اے ہمیشہ رہنے والے + موت تو شکار ہے اور تو اس کی گھات میں ہے (کائنات کی طرح تو فانی نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ تو خود کو پہچان کر بقا حاصل کر لے)۔

⑤ (خالق کائنات و آدم) جو زندگی کہ آدمی کو عطا کر دیتے ہیں واپس نہیں لیتے (کیونکہ اصول ہے کہ دیا ہوا تحفہ کوئی واپس نہیں لیتا) + آدمی اگر مرتا ہے تو بے یقینی کی وجہ سے مرتا ہے (جو یقین کی حد تک ایمان پیدا کر لیتا ہے اس کو فنا نہیں)۔

⑥ صورتیں بنانے کا فن مجھ سے سیکھ + شاید کہ تو خود کو (ایک نئی صورت میں) دوبارہ پیدا کر لے (ایک پیدائش تو وہ ہے جو ہر آدمی کی ہے جس پیدائش کا تعلق ماں کے پیٹ سے ہے اور ایک قدرتی پیدائش کے بعد آدمی کی عملی پیدائش ہے جس کا تعلق اپنی معرفت حاصل کرنے سے ہے جسے علامہ خود کو پالینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں)۔

غزل 49

من ہیچ نمی ترسم از حادثہ شب ہا! | شب ہا کہ سحر گردد از گردش کوکب ہا!
نشناخت مقام خویش، افتادہ بدام خویش! | عشقے کہ نمودے خواست از شورش یا رب ہا!
آہے کہ ز دل خیزد از بہر جگر سوزی است | در سینہ شکن او را آلودہ مکن لب ہا!
در میکدہ باقی نیست از ساقی فطرت خواہ | آں مے کہ نمی گنجد در شیشہ مشرب ہا
آسودہ نمی گردد آں دل کہ گسست از دوست | با قرأت مسجدہا با دانش مکتب ہا!

*

① میں راتوں کے حادثہ سے بالکل نہیں ڈرتا + کیونکہ راتیں آخر ستاروں کی گردش کی وجہ سے صبح میں تبدیل ہو جاتی ہیں (اندھیرے کے بعد اجالا اور تکلیف کے بعد راحت کے اصول کا اگر یقین ہو تو پریشانی تکالیف لاحق نہیں ہوتی آخر رات کو سحر ہونا ہی ہے)۔

② اس نے اپنا مقام نہیں پہچانا وہ اپنے جال میں آپ گرفتار ہو گیا + (کون) وہ عشق کہ جس نے (تکالیف عشق کی وجہ سے) یا رب یا رب کا شور مچا رکھا (جس عشق میں ضبط احوال نہیں ہے وہ خام ہے)۔

③ (عشق میں نالے کھینچنا اور آہیں کرنا بے شک عشق کی مجبوری ہے لیکن) جو آہ کہ تیرے دل سے اٹھتی ہے وہ (دھواں باہر نکالنے کے لئے نہیں ہے بلکہ) جگر کو جلانے کے لئے ہے + (اس لئے) اسے سینہ ہی میں جذب کر دے ہونٹوں تک مت لا اس سے ہونٹ آلودہ مت کر۔

④ شراب خانوں میں باقی نہیں ہے (اب اسے) فطرت کے ساقی سے مانگ + (کیا باقی نہیں ہے) وہ شراب کہ جو مذہب کے مختلف طریقوں کی صراحیوں میں نہیں سماتی (وہ شراب مذہبی رسوم و عبادات کی شراب نہیں روحانیت عشق کی شراب ہے جو اس دور میں خلوت و جلوت یا خانقاہ و مسجد میں نہیں ملتی۔ اسے خدا سے طلب کر۔ آج کا ملا اور صوفی تو اس سے خالی ہے)۔

⑤ وہ دل جو دوست سے جدا ہو گیا (بے) تسکین نہیں پاتا + مسجدوں میں قرآن کی قرأت یا مدرسوں

کی حکمت سے۔ (عاشق کی تسکین دیدار محبوب اور وصل دوست کے علاوہ اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی چاہے وہ وعظ و نصیحت یا علم و حکمت ہی کیوں نہ ہو)۔

غزل 50

تو کیستی؟ ز کجائی؟ کہ آسمان کبود
ہزار چشم براہ تو از ستارہ کشود!

چہ گویمت کہ چہ بودی چہ کردہ چہ شدی
کہ خوں کند جگرم را ایازیِ محمود!

تو آں نہ کہ مصلّے ز کہکشاں میکرد
شراب صوفی و شاعر ترا ز خویش ربود

فرنگ اگرچہ ز افکار تو گرہ بکشاد
بجرعہ دگرے نشہ ترا افزود

سخن ز نامہ و میزاں درازتر گفتی
بحیرتم کہ نہ بینی قیامت موجود

خوشا کسے کہ حرم را درون سینہ شناخت
دمے تپید و گذشت از مقام گفت و شنود

ازاں بمکتب و میخانہ اعتبارم نیست
کہ سجدۂ نبرم بر در جبیں فرسود!

*

① تو کون ہے؟ تو کہاں سے ہے؟ کہ نیلے آسمان نے + (تجھے دیکھنے کے لئے یا تیرے انتظار میں) تیری راہ میں ستاروں کی ہزاروں آنکھیں کھول رکھی ہیں یا تیری راہ میں ستاروں کی آنکھیں بچھا رکھی ہیں (عظمت و رفعت انسان کی بات کی ہے کہ آسمان بھی اپنی بلندی کے باوجود اس پستی یعنی زمین پر رہنے والی مخلوق کے نظارے کا خواہش مند ہے بلکہ ساری کائنات اس کے جلوہ کی طالب ہے کیونکہ وہ محور کائنات اور باعث تخلیق کائنات ہے)۔

② میں کیا کہوں کہ تو کیا تھا تو نے کیا کیا اور تو کیا ہو گیا ہے + کہ محمود کی ایازی میرے جگر کو خون کر رہی ہے (ایاز سلطان محمود کا غلام تھا۔ اگر سلطان اپنی سلطانی چھوڑ کر ایاز کی غلامی کر لے تو کیا یہ بات قابل رحم و افسوس نہیں ہے یقیناً ہے اس مثال سے شاعر یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ آدمی کبھی مسجود ملائک تھا۔ فردوس میں مقیم تھا پھر اس نے بھولے سے ایسا کام کر دیا جس کی وجہ سے وہ زمین پر آ گیا اور مقام اعلیٰ سے مقام پست میں آ گرا یا اس شعر سے یہ بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ اے انسان تو تو خلیفۃ الارض اور نائب خدا بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ تجھے تو کائنات کا حکمران بنایا گیا تھا لیکن تو اپنے منصب کو بھول گیا اور نفس دنیا کا غلام بن گیا۔ تو نے کائنات کا سوار بننے کی بجائے کائنات کو خود پر سوار کر لیا)۔

③ تو وہی نہیں ہے جس نے کہکشاں کو مصلّٰی بنایا تھا + (غلط اور جاہل) صوفی اور (مقصد شاعری سے غافل) شاعر کی شراب نے تجھے خود سے بیگانہ کر دیا۔ (کہکشاں پر مصلّٰی بچھانے سے مراد ہے کہ تو کائنات پر حکمران بنا کر بھیجا گیا تھا)۔

④ یورپ نے اگرچہ تیرے افکار کی گرہیں کھولیں (تیرے ذہن کو جدید علوم سے روشن کیا) + مگر اس نے شراب کا ایک دوسرا گھونٹ پلا کر تیرے نشہ کو بڑھا دیا ہے اس گھونٹ کے پینے سے جو نشہ تجھے چڑھا ہے (اس نے تیرے افکار دینی سے تجھے غافل کر دیا ہے اور اس سے تجھ میں طرح طرح کے بے دینی کے افکار آ گئے ہیں۔ یہ دوسرا گھونٹ ملحدانہ نظریات و افکار اور شیطانی تہذیب و ثقافت کی شراب کا ہے)۔

⑤ تو نے (قیامت کے روز کے) نامہ اعمال اور ان کو تولنے کے ترازو کی بات تو بڑی لمبی کی ہے) + میں حیرت میں ہوں کہ تو اس قیامت کو نہیں دیکھ رہا جو تیرے سامنے موجود ہے (دنیا میں بھی ترقی و تنزل کا تعلق قوموں اور افراد کے اعمال ناموں کو تولنے سے ہے۔ یہ بھی قیامت ہی کا روز ہے)۔

⑥ خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے اپنے سینے کے اندر کے حرم کو پہچان لیا (سینے کے اندر کا حرم وہ دل ہے جو خدا آشنا ہے جو خدا کا گھر بن چکا ہے) + وہ ایک لمحہ کے لئے تڑپا (اس نے حقیقت پائی اس طرح) وہ قیل و قال ' بحث و مباحثہ اور گفت و شنید کی منزل سے گزر گیا (جسے مشاہدہ ہو گیا اس نے لب سی لئے)۔

⑦ مدرسے اور مے خانے میں میرا اس لئے اعتبار نہیں ہے + میں اس دروازے پر سجدہ نہیں کرتا۔ جس پر کہ ماتھے گھسے ہوئے ہیں (آج کل کے مدرسے ہوں یا خانقاہیں وہاں کے علما اور صوفیا لوگوں کو اللہ کے آگے جھکانے کی بجائے اپنے آگے جھکاتے ہیں۔ اپنے آستانوں پر سجدے کرواتے ہیں اور میں چونکہ ایسا نہیں کرتا اس لئے ان حلقوں میں میری عزت نہیں بلکہ مخالفت ہے اس سے یہ مراد بھی ہو سکتا ہے کہ مجھ جیسے جدت پسند کو میخانہ (خانقاہ) مکتب (دینی مدارس) کا فرسودہ نظام پسند نہیں ہے)

غزل 51

دیار شوق کہ درد آشناست خاک آنجا | بذرہ ذرہ تواں دید جان پاک آنجا
مے مغانہ ز مغ زادگاں نمی گیرند | نگاہ می شکند شیشہ ہائے تاک آنجا!
بہ ضبط جوش جنوں کوش در مقام نیاز | بہوش باش و مرو با قبائے چاک آنجا!

*

① شوق کے شہر میں کہ جہاں کی مٹی درد آشنا ہے + ذرہ ذرہ کے اندر وہاں پاک جان کو دیکھا جا سکتا ہے۔ (دنیائے عشق کا ذرہ ذرہ یا جسم عاشق کا ہر ہر رگ و ریشہ درد آشنا ہوتا ہے ان میں انوار الٰہی کی جلوہ گری ہوتی ہے اس لئے صرف عاشقوں کی زندگی ہی صحیح زندگی ہوتی ہے)۔

② شراب کشید کرنے والوں کی شراب ان کے بچوں سے نہیں لیتے + وہاں تو انگور کی بیل کی (شراب بھری) صراحیوں کو نگاہ توڑ دیتی ہے یعنی یہاں نگاہ سے شراب پی جاتی ہے۔ اہل اللہ اسباب ظاہری کے محتاج نہیں ' اسباب ان کے محتاج ہیں۔ ان کی نگاہوں میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ جو چاہیں کر سکتے ہیں یا خدا سے کروا سکتے ہیں)۔

③ (محبوب کا آستانہ) نیاز کا مقام ہے (ادب گاہ ہے) وہاں جا کر اپنے جنوں کے جوش کو ضبط میں رکھنا (کہیں بے خبری اور مدہوشی میں ایسی بات نہ ہو جائے کہ محبوب ناراض ہو جائے) + وہاں (جنوں پر قابو رکھ اور) ہوش میں رہ (جنوں میں) پھٹے ہوئے گریبان یا لباس کے ساتھ وہاں مت جا۔

غزل 52

مے دیرینہ و معشوق جواں چیزے نیست | پیش صاحب نظراں حور و جناں چیزے نیست

ہر چہ از محکم و پائندہ شناسی، گذرد — کوہ و صحرا و بر و بحر و کراں چیزے نیست
دانش مغربیاں، فلسفہ مشرقیاں — ہمہ بتخانہ و در طوف بتاں چیزے نیست
از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگذر — کہ تو ہستی و وجود دو جہاں چیزے نیست
در طریقے کہ بنوک مژہ کاویدم من — منزل و قافلہ و ریگ رواں چیزے نیست

*

① پرانی شراب (جو زیادہ نشہ آور ہوتی ہے) اور جوان معشوق کوئی شے نہیں ہے + جو نظر والے ہوتے ہیں ان کے لئے حور اور جنت کوئی شے نہیں ہے (اللہ والے اللہ کے طالب ہوتے ہیں نہ وہ دنیا داروں کی طرح عیش و عشرت کی خواہش رکھتے ہیں اور نہ دین داروں کی طرح جنت اور حوروں کی آرزو کرتے ہیں)۔

② جس شے کو تو مضبوط، پائدار اور ہمیشہ رہنے والی سمجھتا ہے وہ فنا ہو جاتی ہے + (اس لئے) پہاڑ، صحرا، سمندر اور ساحل کوئی شے نہیں ہے (پائدار اور قائم و دائم ذات صرف باری تعالیٰ کی ہے یا اس کی جس نے اپنے اسرار پا کر خود کو مظہر صفات خدا بنا لیا ہے باقی جو کچھ ہے منزل فنا کی طرف جانے کے لئے ہے)۔

③ اہل مغرب کی دانش (دانائی یا علم و حکمت، (اور) اہل مشرق کا فلسفہ + یہ سب بت خانہ ہے اور بتوں کے طواف میں کوئی چیز (فائدہ) نہیں ہے۔ (فلسفہ، کلام، حکمت اور سائنس آدمی کو کائنات شناس تو کراتی ہے خود شناس اور خدا شناس نہیں بناتی اس کے لئے عشق کا جذبہ درکار ہے۔ عشق فلسفہ اور حکمت کو بھی راہ بیں اور خدا بیں بنا دیتا ہے۔ کفر کو مسلمان کر لیتا ہے)۔

④ خود پر غور کر (اپنے اسرار کی یافت کر) اور اس (زندگی یا دنیا کے) بیابان میں سے ڈرتا ہوا مت گزر + (کیونکہ) تو ہے اور دونوں جہانوں کا وجود کوئی چیز نہیں ہے (تو اصل کائنات، محور کائنات اور مقصد کائنات ہے۔ کائنات مغلوب تو غالب ہے۔ دونوں جہانوں کا وجود تیرے ہونے سے اور تیرے لئے ہے۔ تو کائنات کے لئے نہیں کائنات تیرے لئے ہے)۔

⑤ اس راہ میں جو میں نے اپنی مژہ کی نوک سے کھودا ہے یا بنایا ہے + منزل، قافلہ اور اڑتی ہوئی ریت کوئی شے نہیں ہے (عاشق محبوب تک پہنچنے کے لئے جو راستہ بناتا ہے وہ آسانی سے نہیں بنتا اسے جگر کا خون دے کر بنانا اور سنوارنا پڑتا ہے اس راستہ میں نہ کوئی ٹھکانا ہوتا ہے جہاں وہ آرام کر سکے نہ کوئی سنگی ساتھی ہوتا ہے جس کی معیت میں بے خوف ہو کر راستہ طے کرتا جائے اور نہ راہ کی ضروریات کا کوئی سامان ہوتا ہے معشوق کی دھن اور عشق کے قدم، اسے کشاں کشاں لئے جاتے ہیں۔ عقل حیلے بہانے اور اسباب کے قدم لگاتی ہے۔ عشق ان سے بے نیاز اور سرخرو ہوتا ہے اس لئے منزل محبوب تک رسائی صرف اسی کی ہوتی ہے باقی سب تھک ہار جاتے ہیں اور واپس مڑ جاتے ہیں)۔

غزل 53

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند — ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بجلوت اند و کمندے بہ مہر و ماہ پیچند — بخلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند!
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر — بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند
نظام تازہ بچرخِ دو رنگ می بخشند — ستارہ ہائے کہن را جنازہ بر دوشند!
زمانہ از رخِ فردا کشود بند نقاب — معاشراں ہمہ سرمست بادۂ دوشند
بلب رسید مرا آں سخن کہ نتواں گفت — بحیرتم کہ فقیہان شہر خاموشند!

*

① قلندر جو کہ آب و گل (جسم خاکی اور مادی جہان) کو مسخر کرنے میں لگے رہتے ہیں + بادشاہوں سے خراج وصول کرتے ہیں (اگرچہ) درویش جبہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں (اگرچہ وہ بوریا نشین ہوتے ہیں لیکن تخت ان سے لرزتے ہیں)۔

② (جب) وہ جلوت (انجمن) ہوتے ہیں تو چاند اور سورج پر کمند پھینکتے ہیں (خلق خدا کے کام بناتے ہیں۔ ظالموں کے ظلم سے لوگوں کو بچاتے ہیں۔ بادشاہوں کو اور حاکموں کو حکمرانی اور بادشاہت کے خدائی آداب سکھاتے ہیں یعنی وہ خلق خدا میں شامل ہو کر ان کی ہر قسم کی حاجت بر آری کرتے ہیں) + (جب) وہ خلوت (تنہائی) میں ہوتے ہیں تو زمان و مکاں ان کی آغوش میں ہوتے ہیں (خلق خدا سے ہٹ کر' زمان و مکاں سے ماورا آنسوئے افلاک کہیں لو لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور مشاہدہ یار میں مستغرق ہوتے ہیں)۔

③ جس دن وہ محفل آراستہ کئے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ حریر اور پرنیاں جیسے ریشمی کپڑوں کی مانند نرم ہوتے ہیں (وہ سب سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں چاہے کوئی دشمن کیوں نہ ہو) + جس دن وہ میدان جنگ میں ہوتے ہیں اس دن وہ خود آگاہ (اپنے فرض جہاد اور آرزوئے شہادت سے واقف) اور اپنے جسم کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں یعنی جسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے اللہ کی راہ میں قربان کرنے والے ہوتے ہیں۔

④ (عام خیال یہ ہے کہ آسمان گردش کرتا ہے تو دنیا میں انقلابات اور انسانی زندگی میں تغیرات آتے ہیں۔ کبھی یہ گردش آسمان خوشی اور کبھی غم لاتی ہے اس لئے اس چرخ یعنی گھومنے والے آسمان کو دو رنگ کہا جاتا ہے شاعر کہتا ہے کہ قلندر) دو رنگ کی گردش کرنے والے آسمان کو ایک نیا نظام دیتے ہیں (گردش آسمان کو اس کے منشا کے خلاف اپنی منشا کے مطابق چلاتے ہیں) + (قلندر) پرانے ستاروں کے جنازے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں (ان کو دفن کر دیتے ہیں) یعنی ستارے جو لوگوں کی یا جہان کی تقدیر پر اثر انداز ہوتے کہے جاتے ہیں وہ ان کی اثر اندازی کو ختم کر دیتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لیتے ہیں۔

⑤ زمانے نے مستقبل کے چہرے سے نقاب کے بند کھول دئے ہیں یعنی اس دور کی قومیں آئندہ زمانے میں ترقی حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے اقدامات کر رہی ہیں + (لیکن) میرے ساتھی یعنی ملت اسلامیہ کے سب لوگ پرانی شراب میں مست ہیں۔ (یہاں پرانی شراب سے مراد غیر ترقی یافتہ مادی وسائل ہیں یعنی مسلمانوں میں ترقی کرنے کی کوئی آرزو نہیں ہے)۔

⑥ میرے ہونٹوں تک وہ بات آئی کہ جو نہیں کہی جا سکتی + میں حیرت میں ہوں کہ شہر کے فقیہہ (علمائے دین) خاموش ہیں (یعنی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دور جدید کے مسلمان علما اپنا فرض ادا نہیں کر رہے

اور قوم کو غفلت سے نہیں جگا رہے اس لئے کہ وہ خود غافل ہیں۔ میں یہ بات لب پر نہیں لا رہا کہ وہ میرے خلاف ہو جائیں گے یا ان کی جو عزت اور وقار معاشرے میں ہے وہ مجروح ہو جائے گا لیکن مجھے ان علما پر جو لحاظ کئے بغیر جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں حیرت ہے کہ ابھی تک انہوں نے میرے خلاف لب کیوں نہیں کھولے اور مجھ پر کیچڑ کیوں نہیں اچھالا۔ شاید اس لئے کہ انہیں مجھ میں ایسی کوئی بات ملی نہیں ورنہ یہ کہاں باز رہنے والے ہیں۔

غزل 54

دو دستہ تیغم و گردوں برہنہ ساخت مرا — فساں کشید و بروے زمانہ آخت مرا
من آں جہان خیالم کہ فطرت ازلی — جہان بلبل و گل را شکست و ساخت مرا
مے جواں کہ بہ پیمانہ تو می ریزم — ز راوقے است کہ جام و سبو گداخت مرا
نفس بہ سینہ گدازم کہ طائر حرمم — تواں ز گرمی آواز من شناخت مرا
شکست کشتی ادراک مرشدان کہن — خوشا کسے کہ بدریا سفینہ ساخت مرا!

*

① میں دونوں ہاتھوں سے چلانے والی تلوار ہوں اور آسمان نے مجھے ننگا یعنی بے نیام کر دیا یعنی وہ مجھے نیام سے باہر لے آیا + (اس نے) مجھے سان پر چڑھایا (تیز کیا) اور زمانے پر چلایا (قدرت نے مجھے عصر حاضر کی باطلی تحریکوں اور افکار کو مٹانے کے لئے مقرر کیا ہے اور میں نے دو ہاتھوں میں چلنے والی بے نیام تیز تلوار کی طرح ان کا مقابلہ کیا ہے اور ان کو مٹایا ہے)۔

② میں وہ خیالوں کا جہان ہوں کہ ازلی فطرت نے + بلبل اور گل کے جہان کو توڑا اور مجھے بنایا (میرے اندر خیالات و افکار کا ایک جہان آباد ہے کہ فطرت نے نامعلوم آغاز کے زمانہ میں جب مجھے بنایا تو مجھ سے نرمی و نزاکت نکال کر مجھے بنایا اسی لئے میں اس قابل ہوا ہوں کہ آج میں اپنی قوم کی تن آسانی کے خلاف اپنے شاعرانہ افکار کے ذریعے سعی کر رہا ہوں)۔

③ وہ جوان یعنی تیز و تند شراب جو میں تیرے پیالے میں ڈال رہا ہوں + اس شراب کے برتن سے ہے جس کی تیزی نے میرے پیالے اور مٹکے کو پگھلا دیا ہے۔ (میں تمہیں عشق کی وہ شراب پلا رہا ہوں جو عاشق کو گداز کر دیتی ہے)۔

④ میں اپنے سانس کو اپنے سینے میں گداز کر رہا ہوں یعنی ضبط نفس سے کام لے رہا ہوں کیونکہ میں حرم کا پرندہ ہوں + مجھے میری آواز کی گرمی سے پہچانا جا سکتا ہے (شاعروں میں میری شناخت میرے اس اسلامی افکار پر مبنی زندگی بخش اور سوز آفریں شاعری سے کی جا سکتی ہے جو سب سے الگ نوعیت کی ہے)۔

⑤ پرانے مرشدوں (ہر قسم کے علما و حکما) کی عقل و خرد کی کشتی ٹوٹ گئی + خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے دریا میں مجھے کشتی بنایا (میں نے اپنی شاعری کے ذریعے جو افکار و خیالات اپنے قارئین کے سامنے پیش کئے ہیں جس شخص نے ان کو اپنایا وہ اس دور پر آشوب میں کامیاب ہے کیونکہ پرانے حکما کے افکار

اس دور کے مسائل کا حل نہیں بتاتے یہ حل صرف میرے افکار میں ملے گا)۔

غزل 55

چوں شرر ذرہ را تن بہ تپیدن دہم
تن بہ تپیدن دہم، بال پریدن دہم!
سوز نوایم نگر! ریزۂ الماس را
قطرۂ شبنم کنم، خوے چکیدن دہم!
چوں ز مقام نمود نغمہ شیریں زنم
نیم شباں صبح را میل دمیدن دہم!
یوسف گم گشتہ را باز کشودم نقاب
تا بہ تنک مایگاں ذوق خریدن دہم
عشق شکیب آزما خاک ز خود رفتہ را
چشم ترے داد و من لذت دیدن دہم!

*

① میں ذرہ کو چنگاری کی مانند تن گرم کرنے کا (طریقہ) دیتا ہوں + میں اسے تن گرم کرنے کا طریقہ بتاتا ہوں (دراصل اس سے) اسے اڑنے والے بازو عطا کرتا ہوں (میرے کلام میں یہ اثر ہے کہ اس سے بے سوز شخص میں عشق کی گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کی حقیقی فضا میں زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس میں ہر قسم کی بلندی و رفعت تک پہنچنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے)۔

② میری نوا کے سوز کو دیکھ کہ میں الماس کے ٹکڑے کو + شبنم کا قطرہ بنا دیتا ہوں اور اسے ٹپکنے کی عادت دے دیتا ہوں۔ (جس شخص کا دل پتھر کا ہو اگر وہ میری شاعری کا مطالعہ کرے اس میں عشق کی کیفیت یا کم از کم سوز و گداز کی کیفیت ضرور پیدا ہو جائے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس کیفیت سے دوسرے بے نصیبوں کو بھی شناسا کرے گا)۔

③ چونکہ میں مقام نمود سے میٹھا نغمہ الاپ رہا ہوں + س لئے میں آدھی راتوں میں ہی صبح کو ظہور کی رغبت عطا کر دیتا ہوں (یعنی میں اپنی شاعری میں اس آغاز زمانہ یا تخلیق کائنات کی باتیں کر رہا ہوں جب وجود باری تعالیٰ نے وجود غیر کو یعنی کائنات کو وجود بخش اور یوں اس کی نمود ہو گئی اس خواہش نمود کے تحت کسی شے کے ظہور میں آنے سے پہلے اس میں نمود کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے پیغام شاعری کو سن کر بھی ہر شخص میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جس عمل کے لئے مجھے کہا جا رہا ہے اسے کل کی بجائے ابھی کروں)۔

④ گم شدہ یوسف کا میں نے پھر سے نقاب اٹھایا ہے + تاکہ کم حوصلہ والوں میں اس کے خریدنے کا ذوق پیدا کروں (جو لوگ اپنی پیدائش کے مقصد کو بھول گئے ہیں میں اپنی شاعری کے ذریعے ان میں اس مقصد کے حصول کے لئے عمل کی لذت پیدا کر رہا ہوں)۔

⑤ صبر کو یا حوصلہ کو آزمانے والے عشق نے خود کو بھولی ہوئی خاک (اپنے مقصد کو بھولے ہوئے آدمی) کو + بھیگی ہوئی آنکھ دی اور میں اس آنکھ میں دیکھنے کی لذت پیدا کر رہا ہوں۔ (عشق نے آدمی کو گداز دیا میں نے اس کے ذریعے اس میں اپنے مقصد تخلیق کو پانے کی لذت بخشی یعنی میں نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں میں عشق کے مقصود و محبوب کو پانے کا ذوق بھی پیدا کیا)۔

غزل 56

خودی را مردم آمیزی دلیل نارسائی ہا — تو اے درد آشنا بیگانہ شو از آشنائی ہا!

بدرگاہ سلاطیں تا کجا ایں چہرہ سائی ہا — بیا موز از خدائے خویش ناز کبریائی ہا!

محبت از جوانمردی بجائے می رسد روزے — کہ افتد از نگاہش کاروبار دلربائی ہا!

چناں پیش حریم او کشیدم نغمہ دردے — کہ دادم محرماں را لذت سوز جدائی ہا!

ازاں بر خویش می بالم کہ چشم مشتری کور است — متاع عشق نافرسودہ ماند از کم روائی ہا

بیا بر لالہ پا کوبیم و بیباکانہ مے نوشیم — کہ عاشق را بجل کردند خون پارسائی ہا

بروں آ از مسلماناں گریز اندر مسلمانی' — مسلماناں روا دارند کافر ماجرائی ہا!

*

① خودی کا لوگوں میں گھلنا ملنا اس کے (منزل تک) نہ پہنچنے کی دلیل ہے + اے درد آشنا تو آشنائی سے (لوگوں میں مکمل مل کر رہنے کی عادت سے) بیگانہ ہو جا (خودی سے مراد خودی والا شخص مراد ہے۔ جس شخص نے خودی کو پا لیا پھر وہ خواہ مخواہ لوگوں میں مکمل مل کر خود سے اور خدا سے غافل نہیں رہتا اگر کوئی خودی کا دعویٰ کرنے والا مخلوق کے ہجوم ہی میں گم ہو جاتا ہے تو اس کا دعویٰ خودی غلط ہے وہ اپنی حقیقت سے ابھی آگاہ نہیں ہوا اس لئے خود سے یا خدا سے غافل ہو کر ہمہ وقت غیر خدا کی طرف توجہ رکھنا شرف آدمیت' مقصد تخلیق آدم اور خودی کے خلاف ہے)۔

② بادشاہوں کے دربار میں کب تک چہرہ گھستا رہے گا یعنی ان کی چوکھٹ پر جبین کب تک رکھے رہے گا کب تک ان کا محتاج ہو کر خود کو ذلیل کرتا رہے گا + (تو تو خدا کا شاہکار عظیم ہے اس کی احسن تقویم ہے۔ اس کا خلیفۃ الارض اور نائب ہے اے اپنی حقیقت کو بھول کر غیر خدا کا محتاج ہونے والے) اپنے خدا سے کبریائی کا ناز سیکھ (تو مظہر صفات خداوندی ہے۔ تجھ میں کبریائی کی شان موجود ہے اس لئے غیر خدا کا محتاج ہو کر اپنی شان کبریائی کو رسوا نہ کر)۔

③ ایک دن محبت جواں مردی کی وجہ سے اپنے مقام پر پہنچ جائے گی + اور دلربائی کا کاروبار اس کی نگاہ میں گر جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ عاشق صادق محبوب کے ناز و انداز ہی میں پھنسا نہیں رہتا بلکہ محبوب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے وہ غیر خدا سے قطع نظر کر کے یا خدا کی صفات کے ذریعے خدا تک پہنچ جاتا ہے)

④ میں نے اس کے یعنی محبوب کے گھر کے سامنے اس طرح درد کے نالے بلند کئے + کہ میں نے محرموں کو جدائی کی مختلف صورتوں کی لذت عطا کر دی۔ (جدائی میں جو فریادیں میں نے در محبوب پر کیں ان کو سن کر دوسروں میں بھی خیال پیدا ہو گیا کہ وصل سے جدائی کی لذت زیادہ ہے وصل میں تو دل کی کیفیات ختم ہو جاتی ہیں۔ جدائی میں قائم رہتی ہیں وصل کے عوض جدائی کو فروخت کر دینا بہت مہنگا سودا ہے)۔

⑤ میں اپنے آپ پر اس لئے فخر کرتا ہوں کہ گاہک کی آنکھ اندھی ہے + عشق کی متاع اس کے عام عمل دخل کی وجہ سے نافرسودہ یعنی بے آبرو نہ ہوئی (عشق کا ہر کوئی خریدار نہیں ہوس کے خریدار عام ہیں عشق اختیار کرنے والے مرد تو خال خال ہوتے ہیں۔ عام لوگ تو عشق کے نام پر ہوس کاری کرتے ہیں)۔

⑥ آ کہ لالہ کے پھول پر ناچیں اور بے باک ہو کر شراب پیئیں + کیونکہ پارسائی کا خون کرنا عاشقوں پر حلال ہے۔

⑦ مسلمانوں سے باہر آ جا اور مسلمانی میں داخل ہو جا + (کیونکہ آج کے) مسلمانوں نے تو (اسلام کو چھوڑ کر) کافری طریقے اپنا رکھے ہیں۔ (ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ تو مسلمانی طور طریقے اختیار کر لے) اور موجودہ مسلمانوں کے ہجوم میں منفرد بن جا۔

غزل 57

چوں چراغ لالہ سوزم در خیابان شما   اے جوانان عجم جان من و جان شما!
غوطہ ہا زد در ضمیر زندگی اندیشہ ام   تا بدست آوردہ ام افکار پنہان شما
مہر و مہ دیدم نگاہم برتر از پرویں گذشت   ریختم طرح حرم در کافرستان شما!
تا سنانش تیزتر گردد فرو پیچیدمش   شعلہ آشفتہ بود اندر بیابان شما
فکر رنگینم کند نذر تہی دستان شرق   پارۂ لعلے کہ دارم از بدخشان شما
می رسد مردے کہ زنجیر غلاماں بشکند   دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما
حلقہ گرد من زنید اے پیکران آب و گل   آتشے در سینہ دارم از نیاگان شما!

*

① میں تمہارے باغ کی روش پر لالہ کے پھول کے چراغ کی طرح جل رہا ہوں + اے عجم کے (غیر عرب کے ملکوں کے) جوانو مجھے اپنی جان کی قسم مجھے تمہاری جان کی قسم۔ (مجھے ہر وقت تمہاری فکر دامن گیر رہتی ہے کہ تم پاکباز اور سرفروش جوان بن جاؤ)۔

② میرے فکر نے زندگی کے ضمیر (کے دریا) میں بہت سے غوطے لگائے + تب کہیں جا کر تمہارے پوشیدہ خیالات میرے ہاتھ آئے ہیں (برسوں غور و فکر کے بعد قوم کے نوجوانوں کے مسائل اور ان کا حل مجھے معلوم ہوا ہے)۔

③ میں نے سورج اور چاند کو دیکھا میری نگاہ پروین سے بھی آگے نکل گئی + میں نے تمہارے کافرستان میں کعبہ کی بنیاد رکھ دی۔ (میں نے کائنات چھان ماری آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ آج کا مسلمان جوان جو اسلام سے بے گانہ ہو چکا ہے اس کے اندر اسلامی شعور و شعائر پیدا کرنے ضروری ہیں)۔

④ تاکہ اس کی نوک اور تیز ہو جائے میں نے اسے لپیٹ لیا یعنی اس شعلہ آشفتہ کو ادھر ادھر سے لپیٹ کر یکجا کر دیا یا یہ کہیں شعلے کے فروغ میں نکھار آیا تاکہ اس کی لو اور تیز ہو جائے + (اس کی اس شعلہ کو جو تمہارے بیابان میں آوارہ تھا۔ مراد یہ ہے کہ اے عجم کے نوجوانو تمہارے افکار و خیالات منتشر اور پراگندہ تھے میں نے ان کو صحیح نقطہ پر مرکوز کر دیا۔ اور وہ صحیح نقطہ اسلام کے درد کا ہے یا عشق رسول ؐ کا ہے۔

⑤ میرا رنگین فکر مشرق کے خالی ہاتھ والوں کی نذر کر رہا ہے + وہ لعل کا ٹکڑا جو میں نے تمہارے بدخشاں سے لیا ہے (بدخشاں وسط ایشیا کا ایک علاقہ ہے جہاں کے لعل بہت مشہور ہیں بدخشاں شما کی علامت سے شاعر کی مراد اسلامی تعلیمات ہیں۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مشرقی اقوام غور و فکر، ترقی و ارتقا

اور دولت و ثروت کے لحاظ سے پس ماندہ ہیں وہ اگر اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں تو ان میں انقلاب آ سکتا ہے۔

⑥ وہ مرد آ رہا ہے کہ جو غلاموں کی زنجیریں توڑ دے گا + میں نے تمہارے قید خانہ کی دیوار کے روشن دان سے (اسے) دیکھا ہے۔ (مراد ہے مشرقی اقوام کی آزادی کے سامان ہونے والے ہیں)۔

⑦ اے مٹی اور پانی کے بنے ہوئے پیکرو (اے بے سوز جسم والے لوگو) میرے گرد حلقہ بناؤ یعنی میری صحبت میں آ کر مٹی میں آگ پیدا کرنے کا فن سیکھو اور اپنے مردہ جسم میں سوز و گداز پیدا کر کے اسے زندگی عطا کرو + میں اپنے سینہ میں ایسی آگ رکھتا ہوں جو میں نے تمہارے گزرے ہوئے بزرگوں سے لی ہے (اور وہ آگ ہے محبت کے سوز کی' ایمان کی حرارت کی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم و تلقین کی)۔

غزل 58

دم مرا صفت باد فروریں کردند | گیاہ را ز سرشکم چو یاسمیں کردند
نمود لالہ صحرا نشیں ز خونابم | چنانکہ بادۂ لعلے بساتگیں کردند
بلند بال چنانم کہ بر سپہر بریں | ہزار بار مرا نوریاں کمیں کردند
فروغ آدم خاکی ز تازہ کاری ہاست | مہ و ستارہ کنند آنچہ پیش ازیں کردند
چراغ خویش برافروختم کہ دست کلیم | دریں زمانہ نہاں زیر آستیں کردند
درآ بسجدہ و یاری ز خسرواں مطلب | کہ روز فقر نیاگان ما چنیں کردند

*

① (کارکنان قضا و قدر نے) میرے دم کو بہار کی ہوا کی مانند کر دیا + میرے آنسوؤں سے گھاس کو یاسمین کے پھولوں کی مانند بنا دیا۔ (شاعر کا اپنے کلام کی تاثیر کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے پڑھنے والوں کے قلب و ذہن میں انقلاب برپا ہوا ہے)۔

② صحرا میں کھلنے والے لالے کے پھول کی نمود میرے خالص خون (کی آبیاری) کی بنا پر ہے + کیونکہ میری صراحی میں لعل کی مانند سرخ شراب ڈالی گئی ہے (حسن کائنات میرے عشق کا مرہون منت ہے)۔

③ میں اتنا بلند پرواز والا ہوں کہ آسمان کی بلندیوں پر + فرشتوں نے مجھے پکڑنے کے لئے ہزار بار گھات لگائی ہے (لیکن میری بلند پروازی کی بنا پر وہ مجھ کو شکار نہ کر سکے کیونکہ آدم فرشتوں سے کہیں افضل ہے)۔

④ مٹی کے بنے ہوئے آدمی کا فروغ (آب و تاب یا قدر و قیمت) اس کے نئے نئے کام کرنے سے یعنی ایجادات و تسخیر اشیا کرنے سے ہے (اس کے درجہ بدرجہ اور لمحہ بہ لمحہ ترقی اور ارتقا کرنے سے ہے) + جب کہ چاند اور تارے (یعنی جملہ غیر انسانی مخلوقات) وہی کر رہے ہیں جو اپنی تخلیق کے وقت سے یعنی آج سے پہلے کرتے آئے ہیں (وہ سب تقدیر کے پابند ہیں آدمی ارادہ و عمل کی صفات کی بنا پر تقدیر بنانے پر قادر ہے اور وہ خود کو خوب سے خوب تر بنانے کی صلاحیتیں رکھتا ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ دوسری

مخلوق سے افضل کیسے کہلا سکتا یا بن سکتا ہے۔

⑤ میں نے اپنا چراغ روشن کیا کیونکہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ہاتھ کو (جو آستین سے نکلتا تھا تو روشن ہوتا تھا) + (قدرت نے) اس زمانے میں آستین کے اندر کر دیا ہے (پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر آتے تھے وہ اپنے پیغام کی روشنی سے ان کے اندر ہدایت کی روشنی پیدا کرتے تھے اور طرح طرح کے مافوق الفطرت معجزے دکھاتے تھے۔ عناصر کائنات میں معجزاتی عمل تسخیر کرتے تھے لیکن اب وہ زمانہ گزر گیا۔ آخری نبی حضرت محمدؐ کی آمد کے بعد نبی اور رسول آنے بند ہو گئے اس لئے اب ان کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی کے چراغ روشن کرنے ہیں یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ معجزاتی طور پر تسخیر کائنات کی بجائے اب ہمیں خود اپنے علم و دانش کی بدولت عناصر کائنات میں تصرف کرنا ہے جیسا کہ سائنس کر رہی ہے۔

⑥ (خدا کے آگے جو ہر حاجت مند کا حاجت روا ہے) سجدہ میں گر جا (اس سے مدد طلب کر) اور بادشاہوں کی یاری یا ان سے مدد طلب نہ کر + کیونکہ حاجت کے زمانے میں ہمارے گزرے ہوئے بزرگوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ (تیرا یہ ایک سجدہ ہزاروں سجدوں سے تجھے چھٹکارا دلا دے گا اور تیری غیرت اور خودداری کو ٹھیس لگنے نہیں دے گا)۔

غزل 59

گذر ازانکہ ندیدست و جز خبر ندہد — سخن دراز کند لذت نظر ندہد
شنیدہ ام سخن شاعر و فقیہ و حکیم — اگرچہ نخل بلند است برگ و بر ندہد!
تجلّی کہ بدو پیر دیر می نازد! — ہزار شب دہد و تاب یک سحر ندہد
م از خدا گلہ دارم کہ بر زباں نرسد — متاع دل برد و یوسفے بہ بر ندہد
نہ در حرم نہ بہ بتخانہ یابم آں ساقی — کہ شعلہ شعلہ بہ بخشد شرر شرر ندہد!

✱

① اس (عقل) سے گزر جا (کنارہ کش ہو جا) کہ جس نے (حقیقت کو) دیکھا نہیں اور جو سوائے اس کی خبر کے کچھ اور نہیں دیتی + وہ بات تو بہت لمبی کرتی ہے لیکن نظر کی لذت پیدا نہیں کرتی۔

② میں نے شاعر، فقیہ اور حکیم کی بات سنی ہے + (مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کی بات) ایک بلند درخت ہے (لیکن ایسا درخت ہے) جو پتے نہیں نکالتا اور پھل نہیں دیتا (ان کی باتوں سے روح کو تقویت اور دل کو غذا نہیں ملتی)۔

③ وہ تجلّی جس پر زمانے کا بوڑھا یعنی ہزاروں لاکھوں سالوں سے چلا آنے والا زمانہ ناز کرتا ہے + وہ ہزاروں راتیں تو دیتی ہے اور ایک صبح کی چمک نہیں دیتی (یہ تجلّی زمانہ عقل کی ہے۔ زمانے کے بوڑھے سے مراد فلسفی بھی ہو سکتا ہے جو اپنی عقل کے ناخنوں سے زمانے کے مسائل کا حل ڈھونڈتا ہے اس کی عقل حقیقت کی تلاش کے راستہ میں روشنی پیدا کرنے کی بجائے اس میں اندھیرا بکھیر دیتی ہے)۔

④ میں خدا سے بھی گلہ رکھتا ہوں کہ جو زباں تک نہیں آتا + وہ دل کی متاع تو لے جاتا ہے اور وہ

یوسف کو پہلو میں نہیں دیتا (خدا نے میرا دل تو لے لیا مگر اپنا جلوہ ابھی تک نہیں دکھایا)۔

⑤ میں وہ ساقی نہ حرم میں پاتا ہوں اور نہ بت خانے میں + جو شعلہ شعلہ (شراب) تو بخشے شرر شرر (شراب) نہ دے (جو بخیلی سے نہ پلائے جو قطرہ قطرہ کر کے نہ پلائے بلکہ تجلی کی طرح پیالوں میں انڈیل دے اور دریا دریا پلا دے مراد ہے اس زمانے میں دیر و حرم میں کہیں بھی ایسا فیض رساں نظر نہیں آتا)۔

غزل 60

دریں صحرا گذر افتاد شاید کاروانے را
پس از مدت شنیدم نغمہ ہائے ساربانے را
اگر یک یوسف از زندان فرعونے بروں آید
بغارت می تواں دادن متاع کاروانے را

٭

① اس صحرا میں شاید کسی قافلے کا گزر ہوا ہے + بہت مدت کے بعد میں نے ساربان کا نغمہ سنا ہے (مسلمان قوم میں جسے فرنگیوں کی عیاریوں نے زرخیز کھیت سے صحرا بنا دیا ہے ایک مدت کے بعد قوم کی شور زمین کو کار آمد بنانے کے لئے کچھ لوگ نظر آ رہے ہیں جن کی مساعی جمیلہ صحرا کو پھر سے زرخیز کھیت میں بدل سکتی ہے)۔

② اگر فرعون کے جیل خانہ سے ایک یوسف بھی باہر آ جائے + تو ایک قافلہ کی متاع کو غارت کیا جا سکتا ہے (فرعون کا تعلق عام طور پر حضرت موسیٰؑ سے بتایا جاتا ہے حضرت یوسفؑ سے نہیں لیکن یوسف کے زمانے کا بادشاہ مصر بھی فرعون تھا۔ فرعون تو مصر کے بادشاہوں کا ایک قسم کا لقب تھا اس لئے یوسفؑ کے زمانے کا عزیز مصر بھی فرعون ہی تھا۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اگر معاشرہ میں ایک سرفروش بھی پیدا ہو جائے تو آغاز انقلاب کے لئے وہ بھی کافی ہو سکتا ہے)۔

غزل 61

ترا ناداں امید غم گساریہا ز افرنگ است؟
دل شاہیں نسوزد بہر آں مرغے کہ در چنگ است
پشیماں شو اگر لعلے ز میراث پدر خواہی
کجا عیش بروں آوردن لعلے کہ در سنگ است
سخن از بود و نابود جہاں با من چہ می گوئی
من ایں دانم کہ من ہستم ندانم ایں چہ نیرنگ است
دریں میخانہ ہر مینا ز بیم محتسب لرزد
مگر یک شیشہ عاشق کہ از مے لرزہ بر سنگ است
خودی را پردہ میگوئی؟ بگو! من با تو ایں گویم
مزن ایں پردہ را چاکے کہ دامان نگہ تنگ است!
کس شاخے کہ زیر سایہ او پر برآوردی
چو برگش ریخت از مے آشیاں برداشتن ننگ است
غزل آں گو کہ فطرت ساز خود را پردہ گرداند
چہ آید زاں غزل خوانے کہ با فطرت ہم آہنگ است

*

① اے ناداں تجھے اپنے غموں کے مداوا کی امید یورپ والوں سے ہے + شاہیں کا دل نہیں جلتا اس پرندے کے لئے جو اس کے پنجے میں ہو (جس طرح شکاری اپنے شکار کو چیختا اور تڑپتا دیکھ کر اس پر رحم نہیں کھاتا اسی طرح یورپ کے ظالم و سفاک لوگ بھی ان لوگوں کو برباد دیکھ کر جو ان کے محکوم ہیں کبھی رحم نہیں کھاتے۔ اس لئے یورپ کے ظالموں سے امید نہ رکھ کہ وہ تجھ پر مہربان ہو کر تیرے دکھوں کا علاج کریں گے یا تیری حالت زار دیکھ کر تجھ پر ترس کھالیں گے)۔

② اگر تو اپنے باپ کی وراثت چاہتا ہے تو پچھتا + (کیونکہ) وہ مزا جو پتھر سے لعل نکالنے میں ہے اور کہاں ہے (یہ کہنا کہ مجھے وراثت پدری سے یہ ہاتھ آیا ہے وہ ہاتھ آیا ہے اور میں گھر بیٹھے عیش کر رہا ہوں کوئی دانشمندانہ بات نہیں تجھے اپنے دست و بازو سے اپنی کمائی حاصل کرنی چاہئے ہمت سے کام لینا چاہئے جو محنت اور جدوجہد میں مزہ ہے آرام اور تن آسانی میں کہاں ہے)۔

③ جہان کے ہونے یا نہ ہونے کی بات تو مجھ سے کیا کہتا ہے + میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میں (ضرور) ہوں اور میں یہ نہیں جانتا کہ (یہ جہان جو ہے) یہ کیا تماشا ہے یہ ہے یا نہیں ہے مجھے اس پر سوچ بچار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں حقیقت ہوں اور جہان قیاس ہے۔ میں ہوں تو جہان ہے میں نہ ہوتا تو جہان نہ ہوتا۔ جہاں محض محسوس و شہود ہے اصل میں نہیں ہے۔

④ اس میخانہ میں ہر صراحی احتساب کرنے والے سے کانپتی ہے (کہ اس کو خبر ہو جانے پر وہ مجھے توڑ نہ دے) + مگر ایک عاشق کا شیشہ ہے کہ اس سے پتھر پر لرزہ طاری ہے (عاشق دونوں جہانوں سے بے نیاز ہوتا ہے اسے کسی کا ڈر نہیں ہوتا)۔

⑤ تو خودی کو پردہ کہتا ہے؟ کہہ! میں تجھ سے یہ کہتا ہوں + کہ اس پردے میں چاک نہ ڈال کہ نگاہ کا دامن تنگ ہے (خودی کو اگر تو اپنے اور خدا کے درمیان پردہ سمجھتا ہے تو سمجھتا رہ لیکن میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جب تجھے یہ پردہ ہی دکھائی دیتا ہے تو اس پردہ کو بالکل نہ ہٹانا کیونکہ ایسا کرنے سے اس پردہ کے پیچھے جو تجلی خداوندی ہے اس کی تم تاب نہ لا سکو گے)۔

⑥ وہ پرانی شاخ جس کے سائے میں تو نے پر نکالے ہیں + جب اس کے پتے جھڑ گئے تو اس سے اپنا گھونسلا اٹھالینا باعث شرم ہے (مراد ہے تم اس ملت سے اس کے دور انحطاط میں رابطہ نہ توڑو جس نے تجھے عہد ترقی میں ہر طرح کی آسائش سے پالا تھا۔ ہر فرد کو ملت کے ساتھ رشتہ مضبوط استوار رکھنا چاہئے خواہ ملت کی حالت کچھ کیوں نہ ہو)۔

⑦ غزل وہ کہہ کہ فطرت اسے اپنے ساز کا پردہ جانے یعنی فطرت اس کے ہم آہنگ ہو جسے سن کر فطرت مچلے اور تبدیلی چاہے + اس غزل کہنے والے سے کیا حاصل ہوتا ہے جو فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہے یعنی جس کی شاعری فطرت کی منشا کے مطابق ہے اور اس میں فطرت کے نقصان دہ اثرات کو ختم کرنے کی صلاحیت نہیں ہے (شاعری ایسی ہونی چاہئے جس کے اندر عافیت کوشی اور تن آسانی کے سبق کی بجائے جدوجہد اور عمل پیہم کا درس ہو یعنی زمانہ سازی کی بجائے اپنے فکر و نظر سے انقلاب پیدا کرنا فن کا اصل مقصد ہے)

غزل 62

بگذر از خاور و افسونِ افرنگ مشو | کہ نیرزد بجوے ایں ہمہ دیرینہ و نو
چوں پر کاہ کہ در رہگذر باد افتاد | رفت اسکندر و دارا و قباد و خسرو
زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است | اے کہ در قافلہ بے ہمہ شو با ہمہ رو
تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدہ | آنچناں زی کہ بہر ذرہ رسانی پرتو!
آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختہ | ہم بجبریل امینے نتواں کرد گرو
از تنک جامیِ ما میکدہ رسوا گردید | شیشہ گیر و حکیمانہ بیاشام و برو

*

① مشرق سے گزر جا اور مغرب والوں (فرنگیوں) کے جادو کا اثر بھی نہ لے + کیونکہ یہ دونوں پرانے اور نئے دو جو کے برابر قیمت نہیں رکھتے (مشرقی اقوام کی سادہ تہذیبیں اور معاشرتیں ہوں یا مغربی اقوام کی پر تکلف عیارانہ اور مکارانہ تہذیبیں اور معاشرتیں ہوں) اے مسلمان تو ان دونوں سے اثر نہ لے (کیونکہ تیرے پاس تو اپنی حجازی تہذیب موجود ہے اسے اپنا لے یہ آدم گر ہے آدم کش نہیں)۔

② اس تنکے کی مانند جو ہوا کے راستہ میں پڑا ہو + یونان کا سکندر بادشاہ اور ایران کے دارا، قباد اور خسرو بادشاہ (باد فنا سے) اڑ گئے (اس کا ایک مطلب تو یہ ہے ہر شے کو فنا ہے باقی رہنے والی ذات اللہ کی ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ طاقت اور حکومت آنی جانی چیزیں ہیں۔ ان سے مرعوب ہو کر خود کو غیرت اور خودی سے محروم نہیں کر دینا چاہئے اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مشرق کے اور مغرب کے یہ حکمران اور ان کی حکمرانی کے قواعد و ضوابط ختم ہو گئے اس طرح اسلام کے دئے گئے قواعد و ضوابط ختم نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ازلی و ابدی ہیں اور قرآن کریم کے ذریعے جو ایک زندہ کتاب ہے ایک ازلی و ابدی اور زندہ خدا نے ہم تک پہنچائے ہیں)۔

③ زندگی انجمن آراستہ کرنے والی اور خود کو نگاہ میں رکھنے والی یا اپنی حفاظت کرنے والی ہے اے وہ شخص جو قافلہ میں شامل ہے۔ سب کے ساتھ رہ لیکن سب سے الگ چل (آدمی کو چاہئے کہ دنیا والوں کے ساتھ بھی رہے کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں لیکن دنیا والوں سے الگ اپنی خودی کی نگہداشت بھی کرے۔ فقرا کا مقولہ ہے کہ ہاتھ کام میں اور دل یاد یار میں۔ یہی مفہوم ہے اس شعر کا)۔

④ تو روشن اور روشنی دینے والے سورج سے بھی زیادہ روشن ہے + اس طرح زندگی بسر کر کہ تو ہر ذرہ تک اپنا پرتو یعنی روشنی پہنچائے (اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر وہ صلاحیتیں رکھی ہیں کہ وہ ان سے فائدہ اٹھا کر خود کو پر نور اور اس نور سے تاریک دلوں اور سیاہ دنوں کو منور کر سکتا ہے اور ایسا کرنا اس کا فرض ہے لیکن افسوس وہ خود دنیا کے اندھیروں کو روشنی سمجھ کر ان میں گم ہو گیا ہے)۔

⑤ اس نگین کو جسے تو شیطانوں کے پاس ہار چکا ہے + جبریل امین کے پاس بھی گروی نہیں رکھا جا سکتا تھا (نگین سے مراد انسانی دل ہے۔ جس کے درست ہونے سے انسان درست اور جس کے نادرست ہونے سے انسان نادرست ہوتا ہے۔ جس کی صلاحیتوں کو پہچان لینے سے انسان فرشتوں سے بھی افضل اور نہ پہچاننے سے انسان شیطان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ یہ دل گوشت کا لوتھڑا نہیں کچھ اور شے ہے۔ جس کی

خبر کسی اہل ذکر سے پوچھو جس کی پہچان کسی اہل دل سے سیکھو)۔

⑥ میرے پیالے کی تنگی سے شراب خانہ کی رسوائی ہو گئی (لوگوں نے خیال کیا کہ شاید شراب خانہ ہی میں کم شراب ہے حالانکہ شراب خانہ میں تو خم کے خم بھرے ہوئے تھے میرا ہی ظرف تنگ تھا) + مینا اٹھا عقل مندوں کی طرح پی (اور شراب خانے سے اس طرح) جا۔ مراد یہ ہے خانہ شریعت و طریقت میں شراب کی کمی نہیں مگر یہاں سے جو ملتی ہے رندوں کے ظرف طلب کے مطابق ملتی ہے)۔

غزل 63

جہان رنگ و بو پیدا تو می گوئی کہ راز است ایں
یکے خود را بتارش زن کہ تو مضراب و ساز است ایں
نگاہ جلوہ بدمست از صفائے جلوہ می لغزد
تو می گوئی حجاب است ایں ' نقاب است ایں ' مجاز است ایں!
بیا در کش طناب پردہ ہائے نیلگونش را کہ مثل شعلہ عریاں بر نگاہ پاکباز است ایں
مرا ایں خاکدان من ز فردوس بریں خوشتر
مقام ذوق و شوق است ایں ' حریم سوز و ساز است ایں
زمانے گم کنم خود را ' زمانے گم کنم او را
زمانے ہر دو را یابم! چہ راز است ایں! چہ راز است ایں!

*

① (یہ جہان رنگ و خوشبو کی طرح دلکشیاں تو رکھتا ہے لیکن اس کا رنگ و خوشبو عارضی اور فانی ہے اس لئے شاعر نے جہان کو رنگ و بو کا جہان کہا ہے) رنگ و بو کا یہ جہان تو ظاہر ہے لیکن تو کہتا ہے کہ یہ راز ہے + ایک دفعہ خود کو اس کے تاروں پر لگا (تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ) تو مضراب ہے اور یہ ساز ہے (جس طرح ساز کے تاروں سے مضراب کو نہ چھیڑنے سے ان میں سے نغمے نہیں نکل سکتے اسی طرح اے انسان تیرے بغیر کائنات مہمل ہے اگر تو خود شناس اور خدا شناس ہو جائے تو کائنات کا کوئی راز راز نہیں رہے گا)۔

② (محبوب حقیقی کے) جلوے میں پوری طرح مست رہنے کی آرزو رکھنے والی نگاہ (محبوب کے) جلوے کی چمک دمک سے لغزش کھا جاتی ہے (اس کا جلوہ تو جلوہ گری کے لئے بیتاب ہے بیتاب ہی نہیں کائنات کا ذرہ ذرہ اس سے روشن ہے ہماری آنکھیں ہی اس کو برداشت کرنے یا دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں) + اس لئے تو کہتا ہے کہ یہ نقاب ہے حجاب ہے اور مجاز ہے یعنی یہ جہان جس کے ذرہ ذرہ میں محبوب کی جلوہ گری ہے میری نگاہ کے معرفت نا آشنا ہونے کی بنا پر چہرہ یار کا پردہ نظر آتا ہے اور میں اسے مجاز یعنی حقیقت کے برعکس دنیائے موہوم سمجھتا ہوں جس سے رابطہ رکھنا یا جس پر غور کرنا فضول ہے حالانکہ رابطے اور غور سے معلوم ہو جائے گا کہ دنیائے موہوم خالق کی جلوہ گری کی بنا پر اس قابل ہے کہ اس سے رابطہ رکھا جائے اور اس پر غور و فکر کر کے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے)۔

③ آ (اور اس دنیا پر آسمان کے پڑے ہوئے) نیلے پردوں کی طنابیں کھینچ + کہ (یہ جہان) پاکباز نگاہ پر شعلہ کی طرح عریاں ہے یعنی بالکل ظاہر ہے (اگر تو اپنی کدورتیں دور کر کے اپنے اندر صفائی پیدا کر لے اور اس طرح تجھے وہ نظر مل جائے جو بلا روک ٹوک جہان کی حقیقت کو دیکھ سکے تو تجھے معلوم ہو کہ یہ جہان موہوم نہیں موجود ہے اس سے ربط رکھنا اس کی پوشیدہ طاقتوں کو اجاگر کر کے ان سے فائدہ اٹھانا عین منشائے فطرت ہے)

④ میرے لئے یہ (میرا) مٹی کا گھر یعنی جسم خاکی یا دنیا کا گھر فردوس بریں سے زیادہ اچھا ہے + (کیونکہ) یہ ذوق و شوق کا مقام ہے اور سوز و ساز کا گھر ہے (جب کہ جنت اس مقام و حال سے بے بہرہ ہے)۔

⑤ ایک وقت وہ ہوتا ہے کہ میں خود کو گم کر دیتا ہوں اور ایک وقت میں اس کو (یعنی خدا کو) گم کر دیتا ہوں (حالت بے خبری میں چلا جاتا ہوں) + پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ میں دونوں کو پا لیتا ہوں (خود کو بھی اور خدا کو بھی یہ کیا راز ہے یہ کیا راز ہے (اسے کوئی اہل دل ہی بتائے تو بتائے کیونکہ اس کا تعلق نظر سے ہے خبر سے نہیں عشق سے ہے عقل سے نہیں۔ کیفیت مراقبہ سے ہے علم سے نہیں دید سے ہے شنید سے نہیں۔ جو کچھ اہل راز کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کبھی راہ سلوک میں سالک تجلیات الٰہی میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی خبر نہیں رہتی اور کبھی وہ اپنی معرفت یا خودی میں اس طرح مستغرق ہوتا ہے کہ اسے خدا کی خبر نہیں رہتی اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ خودی اور خدا دونوں سے وہ رابطہ رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ سالک کے احوال و مقامات پر موقوف ہے جسے عقل کا راہی اور علم کا مسافر نہیں سمجھ سکتا)۔

غزل 64

از داغ فراق او در دل چمنے دارم — اے لالہ صحرائی با تو سخنے دارم
ایں آہ جگر سوزے در خلوت صحرا بہ — لیکن چہ کنم کارے با انجمنے دارم

*

① اس کے فراق کے داغ سے میں دل میں ایک چمن رکھتا ہوں (عاشق محبوب کی جدائی کے غم میں لگے ہوئے سینے کے زخموں کو ان کے کھلے ہوئے منہ اور خون کی سرخی کی وجہ سے پھول سمجھتا ہوا اپنے دل کو چمن خیال کرتا ہے اور دل کے اندر غم فراق محبوب سے پڑے ہوئے داغ کو صحرا میں کھلے ہوئے لالہ کے پھول کے اندر موجود سیاہ داغ خیال کرتا ہے اور اپنے ان پھولوں اور داغوں کو باغ و صحرا کے پھولوں سے کہیں بہتر سمجھتا ہے) + اے صحرا میں کھلے ہیے لالہ کے پھول میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں (یہ جتانے کے لئے کہ میرے دل کا لالہ تجھ سے زیادہ پرسوز و پر رنگ ہے)۔

② یہ جگر کو جلانے والی آہ (جو میں انجمن میں کھینچتا ہوں) صحرا کی خلوت میں کھینچنی بہتر ہے + لیکن میں کیا کروں کہ میں انجمن سے کام رکھتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ عشق کے تقاضے مجھے صحرا نوردی پر اور دنیا کے تقاضے مجھے فرائض دنیا نبھانے پر مجبور کرتے ہیں اس لئے میں دنیا میں رہ کر اپنے عشق کے تقاضے پورے کر رہا ہوں کیونکہ ترک دنیا سے خود کو تو روحانی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں لیکن خلق خدا ان روحانی فوائد

سے محروم رہتی ہے اسی لئے اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں۔

غزل 65

بہ نگاہِ آشنائے چو درون لالہ دیدم ہمہ ذوق و شوق دیدم ہمہ آہ و نالہ دیدم
بہ بلند و پست عالم تپش حیات پیدا چہ دمن چہ تل چہ صحرا رم ایں غزالہ دیدم
نہ بہ ماست زندگانی! نہ ز ماست زندگانی! ہمہ جاست زندگانی! ز کجاست زندگانی!

*

① جب میں نے واقف کارانہ نگاہ سے لالہ کے پھول کے اندر دیکھا + تو میں نے اسے سب کا سب ذوق و شوق دیکھا اور سر بسر آہ و نالہ دیکھا (کائنات کے ذرہ ذرہ میں ذوق و شوق' حیات اور نمو کا جوش موجود ہے۔ سکون و ثبات فریب ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ تڑپ رہا ہے)۔

② جہان کی پستی اور بلندی میں حیات کی حرارت ظاہر ہے + کیا وادی' کیا ٹیلہ' کیا صحرا میں نے اس ہرنی کو چوکڑیاں بھرتے ہوئے دیکھا ہے (ہر ذرہ اپنے ظہور کے لئے بے تاب ہے ہر ذرہ زندگی کا ولولہ لئے ہوئے ہے یہ اس لئے ہے کہ ہر ذرہ کے پیچھے زندہ خدا کا نور کار فرما ہے)۔

③ زندگی نہ ہمارے ساتھ ہے (اور) زندگی نہ ہم سے ہے یعنی نہ ہمیں اپنی زندگی پر اختیار ہے اور نہ ہم اس کو تخلیق کرنے والے ہیں + زندگی ہر جگہ ہے (لیکن) یہ کہاں سے ہے (کون اس کا خالق ہے۔ شریعت کہہ دے گی کہ خدا اس کا خالق ہے لیکن اس نے اسے کیسے تخلیق کیا اور کیوں تخلیق کیا اس کا جواب طریقت دے گی کہ خالق کائنات نے اپنے دیدار کے لئے یہ آئینہ ایجاد کیا ہے یہ اس انائے مطلق کی شان خلاقی ہے کہ وہ انائے مقید میں جلوہ گر ہو کر خود کو بھی دیکھے اور دیکھنے کی آرزو رکھنے والوں کو بھی خود کو دکھائے۔ یہ کچھ اس نے تخلیق کیا ہے اپنے جمال کے مشاہدہ کے لئے تخلیق کیا ہے جیسا کہ صاحبان اسرار ہمیں بتاتے ہیں اس کے لئے سب سے پہلے اس نے نور محمدی ﷺ کا آئینہ بنایا جس میں نہ جانے کتنا زمانہ اپنے جمال کو دیکھتا رہا اس مقام کو صوفیا نے حقیقت محمدی ﷺ کہا ہے۔ جب حقیقت محمدی ﷺ کی جلوہ نمائی کو عام کرنا چاہا تو نور محمدی ﷺ سے کائنات اور اس کی ہر شے کی تخلیق کر دی۔ لولاک لما خلقت الافلاک (اے محمد ﷺ اگر آپ ﷺ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں یہ کائنات پیدا نہ کرتا) کی حدیث اسی عمل تخلیق اور اس کے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے)۔

غزل 66

ایں ہم جہانے' آں ہم جہانے ایں بیکرانے' آں بیکرانے!
ہر دو خیالے' ہر دو گمانے از شعلۂ من موج دخانے!
ایں یک دو آنے' آں یک دو آنے من جاودانے' من جاودانے!
ایں کم عیارے' آں کم عیارے من پاک جانے' نقد روانے!

اینجا مقامے، آنجا مقامے اینجا زمانے، آنجا زمانے!
اینجا چہ کارم، آنجا چہ کارم؟ آہے، فغانے، آہے، فغانے
ایں رہزنِ من، آں رہزنِ من اینجا زیانے، آنجا زیانے
ہر دو فروزم، ہر دو بسوزم ایں آشیانے، آں آشیانے!

*

① یہ (دنیا) بھی ایک جہان ہے اور وہ (آخرت) بھی ایک جہان ہے + یہ بھی بے کنارہ ہے اور وہ بھی بے کنارہ یعنی لامحدود ہے۔

② دونوں ہی خیال اور دونوں ہی قیاس ہیں + دونوں میرے شعلہ کے دھوئیں کی لہریں ہیں۔ (اشارہ اس فلسفہ کی طرف ہے کہ انسان سوچتا ہے کہ یہ جہان اور اس کی اشیا ہیں تو ہیں ورنہ نہیں ہیں جس طرح شعلہ نہ ہوتا تو دھواں بھی نہ ہوتا اسی طرح اگر انسان کا نفس مدرکہ نہ ہوتا تو کائنات بھی نہ ہوتی)۔

③ یہ (دنیا) بھی ایک ،، لمحہ کے لئے ہے اور ،، وہ (دنیا) بھی ایک ،، لمحے کے لئے ہے (ان کو ہمیشگی حاصل نہیں ہے) + میں ہمیشہ رہنے والا ہوں میں ہمیشہ رہنے والا ہوں (بشرطیکہ میں اپنی خودی کی معرفت حاصل کر کے اس مقام پر فائز ہو چکا ہوں اگر ایسا نہیں تو میں بھی فنا بہ آغوش ہوں)۔

④ یہ (دنیا بھی) کم قیمت و قدر رکھنے والی یا ناقص ہے اور وہ (دنیا بھی) کم قیمت رکھنے والی اور ناقص ہے (ناقص اس لئے ہے کہ یہ خودی آشنا نہیں ہے اور فنا اس کا مقدر ہے) + میں ایک پاک جان ہوں (میں نے خودی کے حصول سے خود کو عناصر کی کثافتوں سے پاک کر کے لطافتوں کا پیکر بنا لیا ہے اس لئے) میں ایک ایسی نقدی ہوں (جو بند نہیں ہو گی) چلتی رہے گی۔ (وہ اس لئے چلتی رہے گی کہ اس میں کوئی کھوٹ نہیں۔ یعنی اس پاک جانی کی بنا پر جو مجھے حاصل ہے میں مر کر بھی نہیں مروں گا صرف اس جہان سے اس جہان میں منتقل ہوں گا اور وہاں بھی جاری و ساری رہوں گا چونکہ میں مروں گا نہیں اس لئے اس جہان فانی میں بھی اللہ کے حکم سے جب چاہوں اور جیسے چاہوں متصرف ہو سکوں گا۔ عناصر کا وجود اختیار کر سکوں گا اور یہ بات اللہ کے برگزیدہ بندوں کی زندگی سے جن کو ولی یا درویش کہتے ہیں ثابت بھی ہے۔ اسی لئے ان لوگوں کی قبریں بھی زندہ ہوتی ہیں اور بعض کو زندوں کی طرح فیض یاب بھی کرتی ہیں)۔

⑤ اس جگہ (میرا کچھ عرصہ کے لئے) مقام ہے اور وہاں (بھی کچھ عرصہ کے لئے میرا) مقام ہے + یہاں (کا مقام بھی) وقتی ہے اور وہاں (کا مقام بھی) وقتی ہے (مجھے دونوں جہانوں سے کوئی غرض نہیں اس جہان کی طرح اس جہان میں بھی میں جہان سے بے نیاز منزل تکمیل کی طرف سفر جاری رکھوں گا)۔

⑥ اس جگہ مجھے کیا کام ہے اس جگہ مجھے کیا کام ہے + (صرف ایک کام ہے) آہیں بھرنا فریادیں کرنا۔ آہیں بھرنا فریادیں کرنا (عشق یہاں بھی مجھے مضطرب اور ناصبور رکھے ہوئے ہے اور وہ وہاں بھی مجھے مضطرب اور ناصبور رکھے گا)۔

⑦ یہ (بھی) میرا راہزن ہے اور وہ (بھی) میرا راہزن ہے + اس جگہ بھی نقصان ہے اور اس جگہ بھی نقصان ہے (دونوں میرے مقصود حقیقی کے راستے کی رکاوٹ ہیں)۔

⑧ میں دونوں کو منور کرتا ہوں (پھر) دونوں کو جلا دیتا ہوں + (چاہے) یہ آشیانہ ہو (چاہے) وہ آشیانہ ہو (میں ان میں رہتا ضرور ہوں ان سے رابطہ ضروریات بھی ضرور رکھتا ہوں لیکن ان سے دل نہیں لگاتا۔

ان میں گم نہیں ہو جاتا)۔

غزل 67

بہار آمد نگہ می غلطد اندر آتش لالہ
ہزاراں نالہ خیزد از دل پرکالہ پرکالہ!
فشاں یک جرعہ بر خاک چمن از بادۂ لعلے
کہ از بیم خزاں بیگانہ روید نرگس و لالہ
جہان رنگ و بو دانی و لے دل چیست می دانی؟
مہے کز حلقہ آفاق سازد گرد خود ہالہ!

*

① بہار آگئی نگاہ لالہ کے پھول کی آگ کی طرح کی سرخی میں لوٹ پوٹ ہو رہی ہے + میرے ٹکڑے ہوئے ٹکڑے ہوئے دل سے ہزاروں فریادیں نکل رہی ہیں۔

② سرخ شراب سے ایک گھونٹ چمن کی مٹی پر ڈال دے + تاکہ لالے اور نرگس کے پھول خزاں کا ڈر لئے بغیر اگیں (اگر ساقی فطرت لالہ و نرگس کو شراب عشق پلا دے تو نرگس کو نگاہ اور لالے کو دل مل جائے گا اور وہ سدا بہار بن جائیں گے۔ مراد ہے اگر آدمی کو عشق دیدہ بیدار اور قلب زندہ عطا کر دے تو اسے فنا نہیں۔

③ اس رنگ اور خوشبو والے یعنی دلکش مگر عارضی جہان کو تو جانتا ہے (اور اپنی ساری عمر اس کی دلفریبیوں کے مزے لیتا ہے) لیکن دل کیا ہے کیا تو جانتا ہے + دل ایک ایسا چاند ہے جو اپنے گرد آفاق کا ہالہ بناتا ہے مراد ہے دل کائنات کا مرکز ہے۔ کیونکہ اگر دل نہ ہوتا تو عشق نہ ہوتا اور اگر عشق نہ ہوتا تو کائنات نہ ہوتی دل چونکہ وجہ تخلیق کائنات ہے اس لئے ساری کائنات اس کے طواف میں ہے۔

غزل 68

صورت گرے کہ پیکر روز و شب آفرید
از نقش این و آں بہ تماشائے خود رسید
صوفی! بروں ز ہنگہ تاریک پا بنہ
فطرت متاع خویش بسوداگری کشید!
صبح و ستارہ و شفق و ماہ و آفتاب
بے پردہ جلوہ ہا بنگاہے تواں خرید!

*

① وہ صورت گر جس نے دن اور رات کے اجسام (یعنی زمانہ یا کائنات) تخلیق کئے ہیں + وہ (اپنے تخلیق کردہ) اس یا اس نقش سے (یعنی اپنے بنائے ہوئے جملہ نقوش کے آئینوں کے ذریعے) اپنے تماشا تک پہنچا ہے یعنی اپنا آپ تماشائی ہوا ہے (اس میں تخلیق کائنات کے اس فلسفہ کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے سوائے خدا کے کچھ نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اس نے اپنا غیر یعنی کائنات پیدا کر دی اور اب اس کے ذرہ ذرہ کے اندر اپنا آپ تماشائی ہے کیونکہ ہر ذرہ اس کے نور کو لئے ہوئے ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ہر ذرہ مظہر صفات الٰہی ہے)۔

② اے صوفی! اپنے تاریک حجرہ سے باہر قدم رکھ + (دیکھ کہ) فطرت نے اپنی متاع کو سوداگری کے

لئے لا رکھا ہے (مطالعہ فطرت کے لئے باہر آ کیونکہ اس کا مطالعہ بھی اتنا ضروری ہے جتنا کہ خود کا مطالعہ ضروری ہے۔ صوفی وہ ہے جو انفس اور آفاق دونوں کی سیر کر چکا ہو)

③ صبح، ستارہ، شفق، چاند اور سورج + (ان سب کے) بے پردہ نظاروں کو ایک نگاہ (کے بدلے) خرید ا جا سکتا ہے (دید شرط ہے کائنات کی ہر شے انسان کو اپنا نظارہ کرانے کے لئے بے تاب ہے)۔

غزل 69

باز ایں عالم دیرینہ جواں می بائست
برگ کاہش صفت کوہ گراں می بائست

کف خاکے کہ نگاہ ہمہ بیں پیدا کرد
در ضمیرش جگر آلودہ فغاں می بائست

ایں مہ و مہر کہن راہ بجائے نہ برند
انجم تازہ بہ تعمیر جہاں می بائست

ہر نگارے کہ مرا پیش نظر می آید
خوش نگارے است و لے خوشتر ازاں می بائست

گفت یزداں کہ چنیں است و دگر ہیچ مگو
گفت آدم کہ چنیں است و چناں می بائست!

٭

① اس پرانے (بوڑھے) جہان کو پھر سے جوان ہونا چاہئے + اس کے برگ کاہ (تنکے) کو بھاری پہاڑ کی مانند ہونا چاہئے (اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان اس قابل ہو کہ وہ ان کو تبدیل کر سکے اور انسان اس کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود تبدیل نہ ہو اور اس کا خود کو تبدیل کرنا اس کے صاحب عشق ہونے اور صاحب عشق ہو کر اپنی خودی سے آشنا ہو جانے ایسا ہوگا تو ساری کائنات جوان یعنی اجلی ہو جائے گی)۔

② وہ مٹی کی مٹھی یعنی آدم خاکی جس نے ہر شے کو دیکھنے کی آنکھ پیدا کی + اس کے دل میں جگر (کے خون سے) آلودہ فریاد بھی ہونی چاہئے (عقل راہ بیں کے ساتھ ضروری ہے کہ عشق راہ رواں بھی ہو تاکہ راہرو منزل آشنا ہو سکے۔ فقرا نے ایسی عقل کو عقل بیدار کہا ہے جو عشق کے تابع چلتی ہے۔ بے عشق عقل منزل کے راستہ میں آوارہ رہتی ہے اور با عشق عقل منزل پر پہنچ جاتی ہے)۔

③ یہ (صدیوں) پرانے چاند اور سورج کسی منزل پر نہیں پہنچاتے (وہ تو خود صبح و شام کے چکروں میں پھنسے اور برجوں کی راہوں میں بھٹکتے رہتے ہیں) + (اب) جہان کی تعمیر کے لئے کوئی نیا ستارہ (طلوع ہونا) چاہئے (مراد ہے کہ انسانوں کی بہبود اور ان کے معاشرے کی اصلاح کے لئے صدیوں سے طرح طرح کے نظام ہائے حیات بنائے اور آزمائے گئے ہیں کسی سے بھی مطلوبہ نتیجہ بر آمد نہیں ہوا اب ضروری ہو گیا ہے کہ کوئی نیا نظام آزمایا جائے اور وہ نیا نظام قرآن کی صورت میں موجود ہے لیکن وہ کتاب زندہ ہونے کے باوجود عملاً نفاذ کے اعتبار سے زندگی سے محروم ہے۔ ضروری ہے کہ اسے دوبارہ منظر عام پر لایا جائے اور آزمایا جائے)۔

④ ہر وہ محبوب یا حسین جو میری نظروں کے سامنے آتا ہے + اچھا حسین ہے (محبوب بننے کے قابل ہے) لیکن اس سے بھی زیادہ اچھا ہونا چاہئے (انسانی فطرت کو خوب سے خوب تر کی تلاش ہے حسن کی انتہا حسن ازل ہے جب تک انسان اس حسن آخری کا دیدار نہیں کرتا وہ ایک کے بعد دوسرے حسن کی

تلاش میں لگا رہتا ہے۔ مجاز اسی لئے گردش کرتا ہے اور حقیقت میں اسی لئے ٹھہراؤ ہے)۔

⑤ خدا نے (آدم سے) کہا کہ ایسا ہی ہے اور تم کچھ اور نہ کہو یعنی ہم نے دنیا جیسی بنا دی ہے بس بنا دی ہے تم اس میں ترمیم و اضافہ کے لئے نہ کہو + آدم نے کہا کہ (ٹھیک ہے) یہ ایسی ہے (جیسی تم نے بنائی ہے لیکن) یہ ویسی چاہئے یعنی جیسی میں چاہتا ہوں ویسی ہونی چاہئے اس میں انسانی فطرت کے ایک شے پر قانع نہ رہ سکنے کی طرف اشارہ ہے۔ انسان کو رب تعالیٰ نے جو اختیارات دئے ہیں ان کے استعمال سے وہ دنیا میں اپنی منشا کے مطابق تبدیلیاں لانا چاہتا ہے۔ جب کسی مشین کو اس کے بنانے والے کے خاکے کے مطابق نہ جوڑا جائے گا وہ صحیح نہیں چلے گی آج دنیا میں جتنی خرابی ہے یا پہلے کسی دور میں جو خرابی بھی رہی ہے وہ محض اس لئے تھی اور ہے کہ لوگوں نے اللہ کے دئے ہوئے ضابطہ حیات کو چھوڑ کر من مانی کی ہے)۔

غزل 70

لالہ ایں گلستاں داغ تمنائے نداشت
نرگس طناز او چشم تماشائے نداشت

خاک را موج نفس بود و دلے پیدا نبود
زندگانی کاروانے بود و کالائے نداشت

روزگار از ہائے و ہوئے میکشاں بیگانہ
بادہ در میناش بود و بادہ پیمائے نداشت

برق سینا شکوہ سنج از بے زبانی ہائے شوق
ہیچ کس در وادی ایمن تقاضائے نداشت!

عشق از فریاد ما ہنگامہ ہا تعمیر کرد
ورنہ ایں بزم خموشاں ہیچ غوغائے نداشت!

*

① اس پھولوں کے باغ کا لالے کا پھول تمنا کا داغ نہ رکھتا تھا + اس کی شوخ و بیباک نرگس دیکھنے والی آنکھ نہ رکھتی تھی۔

② مٹی میں (آدم میں) سانس کی موج تو تھی لیکن اس کے اندر دل پیدا نہیں ہوا تھا + زندگانی ایک قافلہ تو تھی لیکن (قافلے کے لئے) کوئی ساز و سامان نہ رکھتی تھی۔

③ زمانے (کا شراب خانہ) شراب پینے والوں کی ہاؤ ہو کے ہنگامہ سے بیگانہ تھا + اس کی صراحی میں شراب تو تھی لیکن شراب پینے والا کوئی نہ تھا۔

④ (اس میں تلمیح ہے اس واقعہ کی طرف کہ حضرت موسیٰؑ نے وادی سینا یا وادی ایمن میں جہاں طور کا پہاڑ ہے اللہ تعالیٰ سے دیدار کی خواہش کی تھی جو اس لئے پورا نہ ہو سکی کہ حضرت موسیٰؑ اس کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔ باری تعالیٰ نے اپنی ایک ہلکی سی جھلک کوہ طور کے پردہ کے پیچھے سے نور کی شکل میں دکھائی تھی جس کی وجہ سے کوہ طور جل گیا تھا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے تھے) وادی سینا کی بجلی شوق کی بے زبانی سے شکوہ کر رہی تھی + کہ وادی ایمن میں کوئی شخص ایسا تھا ہی نہیں جو دیدار کا تقاضا کرے۔

⑤ عشق نے ہماری فریاد سے (سارے) ہنگامے تعمیر کئے یعنی برپا کئے + ورنہ یہ خاموش بزم (بے حس دنیا) کوئی غوغا (شور یا ہنگامہ) نہیں رکھتی تھی (کائنات کے سارے ہنگامے انسان کی بدولت ہیں۔

انسان نہ ہوتا تو کائنات اپنی تمام تر رعنائیوں اور دل کشیوں کے باوجود بے رونق رہتی)۔

غزل 71

ہنگامہ را کہ بست دریں دیر پاے؟ زناریان او ہمہ نالندہ ہم چو نائے!
در ہنگہ فقیر و بکاشانہ امیر غمہا کہ پشت را بجوانی کند دوتائے
درماں کجا کہ درد بدرماں فزوں شود دانش تمام حیلہ و نیرنگ و سیمیائے
بے زور سیل کشتی آدم نمی رود ہر دل ہزار عربدہ دارد بہ ناخدائے
از من حکایت سفر زندگی مپرس درساختم بدرد و گزشتم غزلسرائے
آمیختم نفس بہ نسیم سحرگہی! گشتم دریں چمن بہ گلاں نانہادہ پائے
از کاخ و کو جدا و پریشاں بکاخ و کوے کردم بچشم ماہ تماشائے ایں سرائے!

٭

① اس دیرینہ (مدتوں سے موجود) مندر میں ہنگامے کس نے پیدا کئے + (کہ اس (مندر کے) زنار پہننے والے پجاری یعنی دنیا دار لوگ سب کے سب بنسری کی مانند رو رہے ہیں یا فریاد کر رہے ہیں (دیر یا مندر سے مراد دنیا ہے۔ جس میں ہر شخص مضطرب اور فریاد کناں نظر آتا ہے)۔

② (فقیر کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک درویش اور ولی کے معنی میں اور دوسرا غریب اور محتاج کے معنی میں یہاں غریب یا محتاج کے معنی مراد ہیں) غریب کی جھونپڑی میں اور امیر کے محل میں + (دونوں جگہ ایسے) غم ہیں کہ جو پیٹھ کو (کمر کو) جوانی میں دوہری یا جھکی ہوئی کر دیتے ہیں یعنی جوانی میں بوڑھا کر دیتے ہیں۔

③ علاج کہاں کہ علاج سے تو درد اور بڑھ جاتا ہے + (کیونکہ زندگی کے دکھوں کا علاج کرنے کے جتنے بھی عقل نے طریقے نکالے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ) عقل اور دانائی سب کی سب بہانہ، شعبدہ اور نظر فریب جادو ہے۔

④ آدمی کی کشتی (زندگی کے سمندر میں) سیلاب کے زور کے بغیر نہیں چلتی + ہر دل، کشتی کے ناخدا کے ساتھ ہزار طرح کی جنگ رکھتا ہے۔ (لوگ مسائل میں الجھے ہوئے اور مصائب میں مبتلا ہیں اور پیشوایان مذہب و ملت ان کے حل کی سوچتے تک نہیں)۔

⑤ مجھ سے زندگی کے سفر کی بات نہ پوچھو (کہ میں نے یہ سفر کیسے طے کیا) + (میں نے تو زندگی کا سفر اس طرح طے کیا کہ) کہ میں نے رنج و غم سے موافقت کر لی اور غزل گاتا ہوا (ہنسی خوشی) گزر تا گیا مراد یہ ہے کہ جو لوگ تسلیم و رضا کو شیوہ بنا لیتے ہیں وہ خوف اور حزن سے بے پروا ہو جاتے ہیں جب درد کو درد نہیں محبوب کی طرف سے درماں سمجھا جائے تو درد، درد نہیں رہتا۔ یہ اللہ کے ولیوں اور نبیوں کا مقام ہے۔ مضبوط ایمان والوں اور عاشقان الٰہی کا شیوہ ہے۔

⑥ میں نے اپنے سانسوں کو صبح کی نسیم میں ملا دیا + اور اس چمن میں اس طرح گھوما پھرا کہ کہیں پھولوں پر پاؤں نہ آ جائے (میں نے اپنی زندگی کو بڑی عاجزی سے اور بغیر کسی کو دکھ پہنچائے گزارا ہے)۔

① (جب تک میں جیا) کانٹ کو کھچوں اور گلیوں یعنی دنیا) سے الگ لیکن کانٹے دکھ میں پریشان رہ کر (جیا) + میں نے اس جہان کا تماشا چاند کی طرح کیا ہے (جو دور آسمانوں پر سے زمین پر چاندنی بکھیرتا ہے یعنی جس طرح چاند زمین سے الگ بھی ہے اور اپنی چاندنی سے زمین کو روشن بھی کرتا ہے اسی طرح میں دنیا والوں سے الگ بھی رہا اور ان کی خدمت بھی کرتا رہا ان کے دکھ درد میں شریک بھی رہا)۔

غزل 72

اے لالہ اے چراغ کہستان و باغ و راغ	در من نگر کہ میدہم از زندگی سراغ
ما رنگ شوخ و بوے پریشیدہ نیستیم	مائیم آنچہ میرود اندر دل و دماغ
مستی ز بادہ می رسد و از ایاغ نیست	ہر چند بادہ را نتواں خورد بے ایاغ
داغے بسینہ سوز کہ اندر شب وجود	خود را شناختن نتواں جز بایں چراغ
اے موج شعلہ سینہ بباد صبا کشاے	شبنم مجو کہ میدہد از سوختن فراغ

*

① (لالے کا پھول سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک سیاہ داغ بھی ہوتا ہے اس بنا پر علامہ نے اپنے کلام میں اسے چراغ، عشق، عاشق، شہید وغیرہ کئی طرح کی علامتوں کے طور پر استعمال کیا ہے کہتے ہیں) اے باغ اور سبزہ زار کے پہاڑی سلسلوں میں کھلے ہوئے لالے کے پھول + تو مجھ میں جھانک کہ میں تجھے زندگی کا بھید بتاؤں میرے اندر جھانکنے سے تجھے معلوم ہو گا کہ میں نے من کی دنیا کو اجلا کیا ہے اور من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ لگایا ہے۔ تو بھی یہ کام کر ورنہ تیرا ظاہر کا خونی رنگ اور اندر کا سیاہ داغ بے کار ہے وہ عشق جو بندے کو خود آشنا نہ کرے یا اسے اپنے اسرار سے آگاہ نہ کرے وہ عشق نہیں کچھ اور ہے)

② ہم کوئی شوخ رنگ اور پریشان پھرنے والی خوشبو نہیں ہیں + (بلکہ) ہم تو وہ ہیں جو کچھ ہمارے دل اور دماغ میں ہوتا ہے یعنی ہمیں ہماری فکر اور ہمارا عشق ہمیں بناتا ہے رنگ اور خوشبو کتنا انداز دلکش کیوں نہ رکھتے ہوں آخر ان کو اڑنا اور ختم ہونا ہے۔ ان کو فنا ہے لیکن انسانی دل و دماغ (عقل اور عشق نے مل کر) جس آدمی کو آدمی بنایا ہو اس کو فنا نہیں۔ وہ شخص خود آشنا ہوتا ہے اور خود آشنا شخص خدا آشنا ہوتا ہے اس لئے وہ سراپا بقا ہے)۔

③ مستی شراب سے ملتی ہے اور پیالہ سے نہیں ملتی + ہر چند کہ شراب کو پیالے کے بغیر نہیں پیا جا سکتا مراد ہے کہ روح اگرچہ اصل ہے لیکن جب تک یہ جسم میں نہ ہو گی اس کی صلاحیتیں بکار نہیں آئیں گی۔ روح اور جسم دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

④ سینے کے اندر (غم عشق کے) داغ کو روشن کر کیونکہ وجود (آدمی) کی رات میں + خود کو اس چراغ کے بغیر نہیں پہچانا جا سکتا۔ (آدمی کی شب زندگی میں جس چراغ سے روشنی ہوتی ہے وہ صرف عشق کا چراغ ہے۔ باقی ہر چراغ اس اندھیرے کو اور گہرا کرتا ہے)۔

⑤ اے شعلہ کی موج سینے کو صبح کی نرم و لطیف ہوا کے لئے کھول دے + شبنم کی تلاش یا آرزو نہ کر

کہ جو جلنے سے فراغت دیتی ہے یعنی شعلہ کو بجھا دیتی ہے (جدوجہد زندگی کی اور تن آسانی موت کی علامت ہے۔ عمل کی حرارت کو قائم رکھنا زندگی کو قائم رکھنا ہے عمل سے گریز زندگی سے گریز ہے)۔

غزل 73

من بندۂ آزادم، عشق است امام من — عشق است امام من، عقل است غلام من
ہنگامہ ایں محفل از گردش جام من — ایں کوکب شام من، ایں ماہ تمام من
جاں در عدم آسودہ بے ذوق تمنا بود — مستانہ نواہا زد در حلقہ دام من
اے عالم رنگ و بو، ایں صحبت ما تا چند — مرگ است دوام تو عشق است دوام من!
پیدا بضمیرم او پنہاں بضمیرم او — این است مقام او، دریاب مقام من!

*

① میں آزاد بندہ ہوں عشق میرا امام ہے + عشق میرا امام ہے (تو) عقل میری غلام ہے۔

② اس محفل یعنی زندگی کی محفل کا ہنگامہ یا رونق میرے جام (دل کے پیالے) کی گردش کی وجہ سے ہے + یہ میری شام کا ستارہ اور میرا چودھویں کا چاند ہے (دل سے مراد عام دل نہیں بلکہ وہ دل ہے جس کے پیالے میں عشق کی شراب ہو)۔

③ جان عدم میں تمنا کے ذوق کے بغیر اطمینان و سکون سے تھی + میرے جال کے حلقہ میں اس نے مستانہ آوازیں پیدا کر دیں (ظہور آدم سے پہلے کائنات کے مختلف عالموں یعنی جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ میں زندگی تو موجود تھی لیکن اس میں کوئی ہنگامہ یا ہنگامہ پیدا کرنے والی بات نہ تھی یہ جس حالت میں پیدا کی گئی تھی اسی حالت پر مطمئن تھی کسی میں اس کے اندر ترمیم و اضافہ کی تمنا پیدا نہیں ہو سکتی تھی یہ تمنا صرف اس زندگی کو ملی جس سے آدم کو سرفراز کیا گیا اور اسی تمنا نے انسان اور کائنات کے اندر ہنگامہ بپا کر رکھا ہے)

④ اے رنگ اور خوشبو والے یعنی دل فریب گرفتا ہو جانے والے جہان ہماری آپس کی صحبت کب تک نبھے گی + (کیونکہ) تیرا دوام (ہمیشہ رہنے کی صفت) موت ہے اور میرا دوام عشق (زندگی) ہے (دونوں میں کیسے اور کب تک میل جول قائم رہ سکتا ہے۔ میرا تیرا رشتہ عارضی ہے اور اس قسم کا ہے کہ میں تجھ میں ہوتا ہوا بھی تجھ سے الگ ہوں اگر میں اپنی صفت عشق چھوڑ کر تیرے رنگ و بو میں گم ہو جاؤں گا تو میں بھی تیری طرح ہمیشہ کے لئے مر جاؤں گا)۔

⑤ وہ میرے ضمیر میں ظاہر بھی ہے میرے ضمیر میں چھپا ہوا بھی ہے (وہ میرے ظاہر میں بھی ہے میرے باطن میں بھی ہے) + یہ اس کا مقام ہے (جو میں نے بتا دیا اب تو) میرا مقام پا (کہ وہ کیا ہے)۔ یعنی جب سب کچھ وہی ہے تو میری کیا حیثیت ہے بقول علمائے توحید وجودی میرے اندر باہر جب وہی ہے تو میں بھی تو وہی ہوں گا (مظہر صفات خداوندی کے لحاظ سے)۔

غزل 74

کم سخن غنچہ کہ در پردۂ دل رازے داشت ‏ ‏ در ہجوم گل و ریحاں غم دمسازے داشت
محرمے خواست ز مرغ چمن و باد بہار ‏ ‏ تکیہ بر صحبت آں کرد کہ پروازے داشت!

*

① نہ بولنے والا غنچہ کہ جو اپنے دل میں ایک راز رکھتا تھا + گلاب کے پھولوں اور ریحاں کی نرم اور خوشبودار گھاس (کی انجمن میں ہوتے ہوئے) کسی دوست کا غم رکھتا تھا۔ (وہ کسی غم گسار کی آرزو دل میں لئے ہوئے تھا اور اس کے نہ ملنے کے غم میں خاموش تھا)۔

② اس نے چمن کے پرندے اور بہار کی ہوا سے محرم چاہا یعنی ان کو غم گسار اور دوست سمجھ لیا + ان کی صحبت پر اس نے اس لئے بھروسہ کیا کہ وہ اڑنا جانتے تھے (کچھ دنوں کے بعد جب خزاں کا موسم آیا تو نہ بلبل رہی نہ بہار۔ تب جا کر غنچہ کو اندازہ ہوا کہ جن کی صحبت میں میں نے خود کو پھول بنانا چاہا وہ تو میرا ساتھ چھوڑ گئے مراد یہ ہے کہ دنیائے فانی زندگی نبھانے کی جگہ ہے دل لگانے کی جگہ نہیں)۔

غزل 75 (آخری)

خود را کنم سجودے دیر و حرم نماندہ ‏ ‏ ایں در عرب نماندہ آں در عجم نماندہ
در برگ لالہ و گل آں رنگ و نم نماندہ ‏ ‏ در نالہ ہائے مرغاں آں زیر و بم نماندہ
در کارگاہ گیتی نقش نوی نہ بینم ‏ ‏ شاید کہ نقش دیگر اندر عدم نماندہ
سیارہ ہائے گردوں بے ذوق انقلابے ‏ ‏ شاید کہ روز و شب را توفیق رم نماندہ
بے منزل آرمیدند پا از طلب کشیدند ‏ ‏ شاید کہ خاکیاں را در سینہ دم نماندہ
یا در بیاض امکاں یک برگ سادۂ نیست ‏ ‏ یا خامہ قضا را تاب رقم نماندہ!

*

① میں (اب) اپنے آپ کو سجدہ کرتا ہوں (کیونکہ اب) مندر اور مسجد دونوں باقی نہیں رہے + یہ یعنی مسجد عرب میں نہیں رہی اور وہ یعنی مندر عجم میں نہیں رہا (دین و دنیا میں یا عرب و عجم میں لائق اتباع جب کوئی نظر نہیں آتا تو میرے لے سوائے اس کے اور کیا چارہ کار ہو سکتا ہے کہ میں اپنا آپ راہبر بن جاؤں اور جو کچھ مجھے اسلاف سے ملا ہے یا میرا ضمیر مجھے کہتا ہے اس کی اتباع کروں)۔

② (عہد حاضر میں جو فرنگیوں کی ابلیسی تہذیب کا پرتو لئے ہوئے ہے اس میں) لالہ اور گلاب کے پھولوں کی پتیوں میں وہ رنگ نہیں رہا (جو کبھی ان کا ہوتا تھا) + چمن کے پرندوں کے نالوں (فریادوں) میں بھی وہ سر کا اتار چڑھاؤ نہیں رہا جو کبھی تھا مراد ہے ماحول زمانہ اور افراد زمانہ دونوں اپنی اصل سے دور ہو گئے ہیں۔ نہ زمانہ میں انسانی قدریں رہی ہیں اور نہ انسانوں میں۔

③ کائنات یا دنیا کے اندر میں کوئی نیا نقش ابھرتا ہوا نہیں دیکھ رہا + شاید کہ ملک عدم میں کوئی اور نقش نہیں رہا (کہ جس کا کائنات کے وجود میں اظہار ہو سکے) یہاں نئے نقش سے مراد ان افکار جدیدہ اور

ایجادات ناپسندیدہ کو ختم کرنے والے کسی انقلاب سے ہے۔

④ آسمان کے سیارے انقلاب کے ذوق کے بغیر ہیں + شاید کہ دن اور رات میں حرکت کی توفیق نہیں رہی (آدمی کی بات تو چھوڑیئے وہ گردش آسمان جو انقلابات پیدا کرتی ہے وہ بھی تھم گئی معلوم ہوتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ رات اور دن میں جو ایک کو دوسرے پر حاوی ہونے کی صلاحیت تھی وہ بھی جاتی رہی ہے کیونکہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آدمی کی یہ تاریک رات جو اہل مغرب کی خنزیری تہذیب اور سگ پرستانہ ثقافت کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے کبھی تو دن میں یعنی اچھے وقتوں میں تبدیل ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس دور کے تبدیل ہونے یا اس دور کو تبدیل کرنے والوں کی آمد کی امید باقی نہیں ہے اس انقلاب کا داعی ایک اسلام ضرور ہے لیکن وہ مسلمان ملکوں اور مسلمانوں کے دل و دماغ میں کہیں سرد خانوں میں پڑا ہے)

⑤ (دنیاوی ترقی تو بہت ہو رہی ہے جسم کے لئے تو بہت سی آسائشیں پیدا کی جا رہی ہیں اور ذہن کو روشن کرنے کے تو بہت سے سامان موجود ہیں لیکن آخرت کی فکر' روح کی تربیت اور دل کی صفائی کی طرف کسی کا دھیان نہیں رہا۔ عرب و عجم' مشرق و مغرب اور کفر و اسلام کی دنیا میں ہر کوئی تن آشنا اور من بے خبر ہو چکا ہے۔ ظاہر کے اجلے پن میں اس قدر منہمک ہے کہ اپنے باطن کی میل کچیل صاف کرنے کا خیال تک نہیں کر رہا اس پس منظر میں شاعر کہتا ہے کہ اس دور کے لوگ) منزل کی فکر کیے بغیر آرام کرتے یا سوئے رہے اور انہوں نے منزل کی طلب کے لئے قدم نہیں اٹھائے + شاید مٹی کے بنے ہوئے انسانوں کے اندر دم باقی نہیں رہا (یہ مردہ ہو چکے ہیں۔ جب انسان اپنی تخلیق کے مقصد سے بے خبر ہو جاتا ہے اور خود کو اور خدا کو بھول جاتا ہے تو وہ انسان کے طور پر مرجاتا ہے ہاں حیوان کے طور پر ضرور زندہ رہتا ہے)

⑥ یا تو (یہ بات ہے کہ) امکان کی بیاض میں کوئی سادہ (بغیر تحریر کے) برگ (ورق) نہیں رہا یعنی ممکنات کا ظہور ختم ہو گیا ہے اور اب کچھ نہیں ہو گا + یا پھر یہ بات ہے (کہ ممکنات کا ظہور تو ابھی ہو سکتا ہے لیکن) قضا و قدر کے قلم میں لکھنے کی طاقت باقی نہیں رہی یعنی اس کی حیثیت ایسی نہیں رہی کہ وہ انقلاب کو پسند کرتی ہو (دراصل نہ ممکنات کے ظہور کی بات ختم ہوئی ہے اور نہ خامہ قضا کے عاجز ہونے کا کوئی معاملہ ہے۔ معاملہ صرف یہ ہے کہ لوگ بے حس ہو گئے ہیں۔ وہ شیطانی تہذیب مغربی اور ابلیسی افکار فرنگی کی جادوگری کے فریب میں آ کر یہ بھول چکے ہیں کہ ان کا مقام کیا ہے۔ ان کا مقصد تخلیق کیا ہے۔ جب تک ان میں اس تاریکی سے نور کی طرف آنے کی خواہش پیدا نہیں ہو گی پردۂ غیب سے کچھ ظہور میں نہیں آئے گا)

گلشن راز' جدید

تعارف: گلشن راز ایک منظوم فارسی تصنیف ہے جو ایران کے قصبے تبریز کے قریب شبستر گاؤں میں رہنے والے ایک عالم و عارف محمود نے لکھی تھی۔ اسعد الدین ان کا لقب تھا شبستر گاؤں کی نسبت سے محمود شبستری مشہور تھے۔ ان کے والد گرامی بھی بہت بڑے عالم اور عارف تھے۔ ان کا نام عبد الکریم بن یحیٰ تھا۔ محمود شبستری کی ولادت کے سال کا تو علم نہیں البتہ ان کی وفات 720ھ میں ہوئی ہے۔ ان کی دوسری تصانیف رسالہ شاہد' رسالہ حق الیقین اور رسالہ رب العالمین بھی اہم ہیں۔ لیکن زیادہ شہرت کتاب گلشن راز ہی کو حاصل ہے جو تصوف و معرفت کے موضوع پر ہے۔ ہرات (جو آج کل موجودہ افغانستان میں ہے) کے ایک عالم اور بزرگ میر حسین نے 717ھ میں تبریز کے علما کی طرف سترہ سوالات لکھ کر بھیجے کہ ان کا جواب تحریر کریں۔ اس لئے نہیں کہ یہ ان کو کوئی چیلنج تھا بلکہ اس لئے کہ میر حسین سمجھتے تھے کہ تبریز علم و عرفان کا گہوارہ ہونے کی بنا پر ایسے علما' حکما اور عرفا کی پرورش کر رہا ہے کہ اس قسم کے سوالات کے صحیح جواب ان سے ہی مل سکتے ہیں۔ تبریز کے علما صوفیا نے متفقہ طور پر یہ ذمہ داری محمود شبستری پر ڈال دی جو انہوں نے بخوشی قبول کر لی اور اپنے علم و عرفان کی روشنی میں ایک ہی نشست کے اندر ان سترہ سوالوں کے جواب لکھ کر ہرات میں علمائے خراسان کو بھیج دئے (اس زمانے میں ہرات خراسان کے ملک یا صوبے کا شہر تھا) آج کل ان سترہ سوالوں کے جوابات میں سے پندرہ سوالات اور ان کے جوابات مطبوعہ نسخوں میں ملتے ہیں۔ باقی دو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔ ممکن ہے مرور زمانہ سے ضائع ہو گئے ہوں یا آنے والے محققین کے کبھی ہاتھ لگ جائیں۔

گلشن راز تصوف کے اسرار و رموز پر بات کرتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف شیخ اکبر محی الدین کے فلسفہ وحدۃ الوجود کا داعی ہے۔ کیونکہ جوابات میں وحدۃ الوجودی پس منظر مسلسل ساتھ رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علمائے خراسان کے سوالات کی نوعیت بھی وحدۃ الوجودی قسم کی ہی ہے اس لئے ان کے جوابات میں بھی اس فضا کا قائم رہنا لازمی و لابدی تھا۔

علامہ اقبال بھی اپنے ابتدائی وحدۃ الوجودی مخالف عقائد سے ہٹ کر چونکہ بعد میں شیخ اکبر کے فلسفہ وحدۃ الوجود کے قائل و داعی ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے گلشن راز کا یعنی گلشن راز میں موجود سوالات کا جدید انداز میں جواب لکھنا چاہا اور لکھا بھی۔ اور اسے اپنی کتاب زبور عجم کے ساتھ شائع کیا اس لئے زبور عجم میں موجود اس حصے کا نام انہوں نے گلشن راز' جدید رکھا علامہ نے گلشن راز کے سترہ سوالات میں سے صرف نو سوالات کے جواب لکھے ہیں۔ اس حصے کو سمجھنے کے لئے فلسفہ تصوف کے معرکتہ الارا موضوع وحدۃ الوجود کی صحیح تفہیم ضروری ہے۔ جس کے لئے اس موضوع پر لکھی جانے والی عرفا و صوفیا کی کتابوں کے علاوہ میری کتاب اقبال اور وحدۃ الوجود دیکھئے جو بزم اقبال لاہور کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ یہ بڑا دقیق' باریک اور نازک موضوع ہے۔ جس کی غلط تفہیم سے قاری ملحد اور صحیح تفہیم سے عارف بن سکتا ہے۔ یہ دراصل علم' عقل' حکمت وغیرہ کی چیز نہیں انسان کی باطنی کیفیات و واردات کی شے ہے۔ صرف وحدۃ الوجود ہی نہیں تصوف کے سارے نظام کا تعلق انسان کے باطنی تجربات و واردات سے ہے۔

ان کے تعارف و تشریح کو علم و حکمت کے الفاظ میں سمجھانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے بلکہ بعض اوقات آئینہ حقیقت الفاظ و بیان کے زنگ میں بے عکس ہو جاتا ہے۔ تصوف اور وحدۃ الوجود کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں یا تو اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ سمجھانے والا ان کو کیفیاتی طور پر جانتا تو ہے لیکن علمی طور پر سمجھا نہیں سکتا یا پھر ایسے لوگوں نے اس کی تشریح و توضیح کی طرف توجہ دی ہے جن کا تصوف سے عملی طور پر تو کیا عقائدی طور پر بھی کوئی واسطہ نہیں ہے اس کتاب کو محدود صفحات تک رکھنے کی مجبوری کے تحت میں مسئلہ وجود کو تفصیل و تشریح کے ساتھ تو بیان نہیں کر سکتا البتہ مختصر طور پر ذہن نشین کرانے کی کوشش کروں گا تاکہ آئندہ آنے والے سوالات و جوابات کے مطالعہ کے پس منظر میں یہ تشریح ساتھ ساتھ رہے۔

وحدۃ الوجود کا مسئلہ کسی نہ کسی نام اور فارم میں قدیم زمانے سے حکما کا موضوع رہا ہے۔ غیر مسلم حکما خصوصاً یونان کے فلوطین، ہندوستان کے شنکر اچاریہ اور یورپ کے اسپنوزا نے اس مسئلہ کی جو تشریح و توضیح کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ وحدۃ الوجود نہ صرف مشرکانہ اور ملحدانہ ہے بلکہ رہبانیت اور ترک دنیا پر بھی اکساتا ہے ظاہر ہے مسلمان حکما و عرفا کا اس قسم کے وحدۃ الوجودی عقیدت سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ مسلمان حکما و عرفا نے وحدۃ الوجود کے متعلق جو کہا ہے وہ توحید خالص اور سعی و عمل کا پیغام لئے ہوئے ہے۔ اندلس کے بہت بڑے عارف و عالم شیخ محی الدین ابن عربی نے جنہیں شیخ اکبر بھی کہتے ہیں چونکہ اس باطنی تجربہ، داخلی کیفیت اور مشاہداتی چیز کی تفصیل و توضیح علمی طور پر اپنی کتب، خصوص الحکم اور فتوحات مکیہ میں کی ہے اس لئے اس مسئلہ کی ان سے خاص نسبت پیدا ہو گئی ہے اور وحدۃ الوجود کی بات کرتے ہوئے ان کو اس مسئلہ کے عظیم داعی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے بھی پہلے جب ابن عربی کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کیا تھا اور ان کے فلسفہ کی باتیں ان لوگوں سے لی تھیں جو مغرب زدہ تھے یہی خیال کیا تھا کہ ابن عربی غیر مسلم وحدۃ الوجودیوں کی طرح شرک، الحاد اور رہبانیت سکھاتے ہیں لیکن جب انہوں نے خود ابن عربی یا ابن عربی کے فلسفہ کے داعی دوسرے صوفیائے اسلام کے افکار سے واقفیت حاصل کی تو وہ پہلے خیالات سے تائب ہو کر وحدۃ الوجودی ہو گئے اور انہوں نے وحدۃ الوجود کے بہت بڑے قائل و عامل بزرگ اور عالم حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا اور یہ بات ان کے آخری دور کے کلام سے صاف ظاہر ہے۔ یہ مسئلہ وجود کیا ہے آئندہ سطریں دیکھئے۔

مسلمان صوفی کہتے ہیں کہ وجود صرف واحد (ایک) ہے اور وہ وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جو بخود قائم ہے اور جو اپنے ہونے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ موجود تو ہے لیکن اس موجود کو ہم وجود نہیں مان سکتے کیونکہ وہ اپنے موجود ہونے میں وجود خدا کا محتاج ہے۔ وہ خود بخود وجود میں نہیں آیا بلکہ خدا (ذات) نے اپنی صفات کے عمل سے ہر شے کو وجود بخشا ہے یا یوں کہہ لیں کہ ہر شے میں ذات خدا کی صفات کا جلوہ ہے۔ لا موجود الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں) کا دینی نظریہ اسی پس منظر میں ہے اسی "لا موجود الا اللہ" کی رمز کو صوفیائے وحدۃ الوجود "ہمہ اوست" کہہ دیتے ہیں وہ یہاں "ہمہ اوست" کے لغوی معنی کہ سب کچھ وہی یعنی سب اشیا خدا ہیں نہیں لیتے بلکہ اس کے اصطلاحی معنی لیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سب اشیا ذات خدا کی صفات کا عین ہیں یعنی اس ذات کی صفات کا مظہر

ہیں یا ان کا ظہور لئے ہوئے ہیں نہ کہ وہ خود خدا ہیں۔ اور جب یہ اشیا اپنے وجود میں خدا کے وجود کی محتاج ہیں تو پھر ان کا وجود تو نہ ہوا وجود حقیقی تو صرف خدا کا رہا۔ یہ تصور خالصتاً توحیدی ہے۔ خدا کے سوا کسی اور شے کا حقیقی وجود نہ ماننا اور وجود کی بجائے ان کو موجود ماننا "لا موجود الا اللہ" کی حقیقی توضیح ہے۔

ظاہر ہے جب ذات و صفات کے تعلق اور اشیا میں ظہور صفات کی بات چلے گی تو اس سلسلے میں کئی اور سوالات ذہن میں اٹھیں گے علامہ محمود شبستری نے ذہن میں ایسے ہی اٹھنے والے سترہ سوالوں کے جوابات اپنی تصنیف گلشن راز میں لکھے ہیں اور علامہ اقبال نے انہی میں سے نو سوالات لے کر گلشن راز جدید میں ان کے اپنے انداز میں جوابات لکھے ہیں۔ آئندہ صفحات پر ان کی تشریح ملے گی۔

ابتدا کے دو شعر

به سواد دیدهٔ تو نظر آفریده ام من | به ضمیر تو جهانے دگر آفریده ام من
همه خاوراں بخوابے که نهاں ز چشم انجم | به سرود زندگانی سحر آفریده ام من

*

① (اے قاری) میں نے تیری آنکھ کی پتلی میں نظر پیدا کر دی ہے (اب تو اپنے نفع و نقصان کو اور حق و باطل کو دیکھ سکتا ہے) + (اس طرح) میں نے تیرے ضمیر میں ایک نیا جہان پیدا کر دیا ہے۔

② سارے مشرق والے خواب (غفلت) میں سوئے ہوئے ہیں میں نے ستاروں کی آنکھوں سے چھپ کر + زندگی کا نغمہ الاپ کر (ان کے لئے) صبح پیدا کر دی ہے (اس وقت مشرق والوں کے خلاف جو بہت سی قوتیں کام کر رہی ہیں میں نے ان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے یا ان کا خوف نہ کھاتے ہیں اہل مشرق کو غفلت کی نیند سے جگایا ہے جس طرح ستاروں سے چھپ کر سحر پیدا ہو جاتی ہے میں نے بھی ان مخالف قوتوں کو بے خبر رکھ کر اپنی شاعری کے ذریعہ اہل مشرق میں زندگی کا ولولہ پیدا کیا ہے تاکہ ان کی شب زندگی بھی صبح سے روشناس ہو سکے اور وہ بھی ترقی کی منزل پر پہنچ کر عزت و آبرو کی زندگی بسر کر سکیں)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلشن راز جدید

تمہید

ز جان خاور آں سوز کہن رفت — دمش وا ماند و جان او ز تن رفت
چو تصویرے کہ بے تار نفس زیست — نمی داند کہ ذوق زندگی چیست
دلش از مدعا بیگانہ گردید — نے او از نوا بیگانہ گردید
بطرز دیگر از مقصود گفتم — جواب نامہ محمود گفتم
ز عہد شیخ تا ایں روزگارے — نزد مردے بجان ما شرارے
کفن در بر بخاکے آرمیدیم — ولے یک فتنہ محشر ندیدیم
گذشت از پیش آں دانائے تبریز — قیامت ہا کہ رست از کشت چنگیز
نگاہم انقلابے دیگرے دید — طلوع آفتابے دیگرے دید
کشودم از رخ معنی نقابے — بدست ذرہ دادم آفتابے
نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم — مثال شاعراں افسانہ بستم
نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست — کہ بر من تہمت شعر و سخن بست
بکوے دلبراں کارے ندارم — دل زارے غم یارے ندارم
نہ خاک من غبار رہگذارے — نہ در خاکم دل بے اختیارے
بجبریل امیں ہم داستانم — رقیب و قاصد و درباں ندانم
مرا با فقر سامان کلیم است — فر شاہنشہی زیر گلیم است
اگر خاکم بصحرائے نہ گنجم — اگر آبم بدریائے نہ گنجم
دل سنگ از زجاج من بلرزد — یم افکار من ساحل نہ ورزد
نہاں تقدیر ہا در پردۂ من — قیامت ہا بغل پروردۂ من
دمے در خویشتن خلوت گزیدم — جہانے لازوالے آفریدم
"مرا زیں شاعری خود عار ناید — کہ در صد قرن یک عطار ناید"

*

① مشرق کی جان سے وہ پرانا سوز چلا گیا + اس کی سانس تھک گئی اور اس کے جسم سے جان نکل گئی (اقبال جب اہل مشرق کی بات کرتا ہے تو خصوصی طور پر مسلمان مراد ہوتے ہیں)۔

② اس تصویر کی طرح جو نفس (سانس) کے تار کے بغیر زندہ ہے + (اہل مشرق بھی) نہیں جانتے کہ زندگی کا ذوق کیا ہے۔ (تصویر تو بغیر جان کے مردہ ہے اور یہ یعنی مسلمان زندہ ہوتے ہوئے زندگی کی لذت سے ناآشنا ہیں اس لئے یہ بھی مردہ ہیں)۔

③ اس کا یعنی مشرق کا دل آرزو سے بیگانہ ہو گیا + اس کی (زندگی کی) بانسری نوا سے بیگانہ ہو گئی ہے۔

④ میں نے ایک اور طرز پر اپنا مقصود بیان کیا ہے + میں نے محمود شبستری کے خط کا یعنی ان کی کتاب گلشن راز کا (جدید طرز پر) جواب لکھا ہے۔

⑤ شیخ یعنی شیخ محمود شبستری کے عہد سے لے کر اس زمانے تک + کسی مرد نے ہماری جان میں کوئی چنگاری (عشق کی) نہیں پھینکی۔

⑥ پہلو میں کفن لئے ہم مٹی میں سوئے رہے مراد ہے مردوں کی سی زندگی بسر کرتے رہے + لیکن ہم نے تو قیامت کا ایک فتنہ بھی نہیں دیکھا (مرنے کے بعد حشر میں تو ہر کوئی نئی طرز پر جی اٹھے گا لیکن مسلمان زندہ ہوتے ہوئے ایسے مردہ بن چکے ہیں کہ ان کی زندگی میں کوئی انقلاب یا کوئی محشر برپا نہیں ہوا)۔

⑦ تبریز کے رہنے والے اس دانا یعنی شیخ محمود شبستری کے سامنے سے گزریں + وہ قیامتیں جو مشہور فاتح چنگیز خان کے کھیت سے پیدا ہوئی تھیں یعنی جو قیامتیں چنگیز خان کی وجہ سے مسلمانوں پر گزری تھیں وہ محمود کے تبریز اور محمود سمیت جملہ اہل تبریز پر بھی گزری تھیں۔

⑧ (شیخ نے چنگیز کی پیدا کردہ تباہی دیکھی تھی ہم نے اہل مغرب کی طرح طرح کے سیاسی' تہذیبی' تمدنی' ثقافتی' فکری اور اقتصادی یلغار کی تباہی دیکھی ہے اہل مغرب کے حملوں نے جو تباہی مچائی ہے وہ چنگیز کے حملوں سے زیادہ خطرناک ہے چنگیز نے تو صرف جسم قتل کئے تھے اہل مغرب نے روحیں بھی قتل کر ڈالی ہیں۔ اس پس منظر میں شاعر کہتا ہے) میری نگاہ نے ایک اور طرح کا انقلاب دیکھا ہے + ایک اور طرح کے سورج کا طلوع دیکھا ہے (یعنی مغرب کی وجہ سے دنیا میں جو تاریک رات چھا چکی ہے اس میں سحر پیدا کرنے کے لئے میں نے انقلاب کا سورج طلوع کیا ہے۔ شاید میری شاعری کے پیغام سے لوگوں کی تاریک رات روشن دن میں بدل جائے)۔

⑨ میں نے معنی کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا (لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا) + میں نے ذرہ کے ہاتھ میں سورج (کا جام) دے دیا (کمزوروں میں قوت اور مایوسوں میں امید پیدا کی)۔

⑩ تو یہ نہ سمجھ کہ میں بغیر شراب پئے مست ہوں یعنی جو کچھ کہتا ہوں وہ کرتا نہیں یا میرا وہ حال نہیں + (یہ بھی خیال نہ کر) کہ میں نے (عام) شاعروں کی طرح خیالی باتیں کی ہیں (میں نے حقیقت کی نشاندہی کی ہے۔ قاری کو حقائق سے آگاہ کیا ہے)۔

(11) اس کمینے آدمی سے تو خیر نہ دیکھے گا + کہ جس نے مجھ پر شعر و سخن کی تہمت لگائی (میں نے شاعری کو صرف اپنے پیغام کا ذریعہ بنایا ہے شاعری میرا مقصود نہیں)۔

(12) (میں گل و بلبل کی شاعری کرنے والے شاعروں کی مانند) معشوقوں کی گلی سے کوئی کام نہیں رکھتا + میں ان کی طرح نحیف و نالاں دل اور کسی دوست کا غم بھی نہیں رکھتا یعنی میں نے اپنی شاعری کو عام اور دنیاوی روایات کے عشق و عاشق کے قصوں سے نہیں سجایا۔

(13) (عام شاعروں کی مانند) نہ میری مٹی کسی کے راستہ کی غبار ہے (یعنی معشوقوں کے گلی کوچوں میں رسوا ہو رہا ہوں) + نہ میری مٹی میں (جسم کے اندر کسی محبوب دنیاوی کے غم اور ہجر میں تڑپنے والا) بے اختیار دل ہے۔

(14) (میں عام شاعروں کی طرح زمینی اور زمینی سوچ رکھنے والا نہیں ہوں میں تو) امین فرشتہ جبرئیل کا ہم

زبان ہوں۔ (میں جو کہتا ہوں عرشی سطح پر کہتا ہوں فرشی سطح پر سے نہیں) + (اس لئے میں عام شاعروں کی طرح) رقیب، قاصد، درباں وغیرہ کو نہیں جانتا یعنی میری شاعری میں اس قسم کی باتیں نہیں ہیں جو عام غزلیہ اور عشقیہ شاعری میں ہوتی ہیں۔

(15) (میری شاعری میں) فقر حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کی شان کے ساز و سامان کے ساتھ موجود ہے + (یہاں تو دیکھے گا) شہنشاہی شان و شکوہ بوریا کے نیچے دبی ہوئی ہے (اگر تو اس شاعری کو پڑھے گا اور اس سے زندگی کے لئے ساز و سامان پیدا کرے گا تو حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا سے ہم کلام ہونے کی شان والا فقر اپنے اندر پیدا کرلے گا اور جب یہ فقر تیرے اندر پیدا ہو جائے گا تو تیرے بوریائے فقر کے سامنے تخت لرزیں گے)۔

(16) اگر میں مٹی ہوں تو وہ مٹی ہوں جو صحرا میں نہیں سما سکتی + اگر میں پانی ہوں تو وہ پانی ہوں جس کو دریا نہیں سمو سکتا۔

(17) میرے شیشے سے پتھر کا دل لرزتا ہے + میرے افکار کا سمندر ساحل نہیں رکھتا۔

(18) میرے پردے میں تقدیریں چھپی ہوئی ہیں + قیامتیں میری آغوش کی پروردہ ہیں۔

(19) میں نے ایک دم کے لئے اپنے آپ میں خلوت اختیار کی + اور ایک لازوال جہان پیدا کرلیا (میں نے اپنے اندر ڈوب کر خیالات و افکار کا ایک جہان پیدا کرلیا اور اس وقت ان کا اظہار ہی کر رہا ہوں)۔

(20) (مجھے آج کل کے عام شاعروں کے برعکس یہ خصوصی) شاعری کرتے ہوئے (جس میں گل و بلبل کے معاملات کی بجائے مقصد زندگی کی باتیں ہیں) شرم محسوس نہیں ہوتی + کیونکہ خواجہ فرید الدین عطارؒ جیسا (عارف شاعر) صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے۔ یا صدیوں گزر جانے پر بھی نہیں آتا۔ بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا بند

بجانم رزم مرگ و زندگانی است — نگاہم بر حیات جاودانی است
ز جاں خاک ترا بیگانہ دیدم — باندام تو جان خود دمیدم
ازاں نارے کہ دارم داغ داغم — شب خود را بیفروز از چراغم
بخاک من دلے چوں دانہ کشتند — بلوح من خط دیگر نوشتند
مرا ذوق خودی چوں انگبین است — چہ گویم واردات من ہمین است
نخستیں کیف او را آزمودم — دگر بر خاوراں قسمت نمودم

*

① میری جان میں موت و حیات کی جنگ رہتی ہے + میری نگاہ ہمیشہ رہنے والی زندگی پر لگی رہتی ہے (میں اپنی شاعری میں ایسے موضوعات کی طرف ہی متوجہ رہتا ہوں جو یہ بتاتے کہ زندگی کیا ہے اور موت کیا اور موت پر فتح پا کر ہمیشہ کی زندگی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے)۔

② میں نے تیری مٹی (خاکی بدن) کو جان سے بیگانہ دیکھا + (اس لئے) میں نے تیرے جسم میں (اپنی

شاعری کے افکار کے ذریعے) اپنی جان پیدا کر دی ہے۔

③ اس آگ سے جو میں رکھتا ہوں میں داغ داغ ہوں + (تو بھی) اپنی رات کو میرے چراغ سے روشن کر۔

④ (قضا و قدر کے کارکنوں نے) میری مٹی میں دانہ کی طرح دل کو بویا + (اور) میری تختی پر نئی طرز کا خط تحریر کیا (مجھے صاحب دل بنایا اور اس بنا پر میری زندگی دوسروں سے مختلف بنادی)۔

⑤ میرے لئے خودی کی لذت شہد کی لذت کی طرح ہے + میں کیا کہوں میری واردات ہی ایسی ہیں (یعنی میں اپنے شعروں میں اور کچھ بیان ہی نہیں کر سکتا کیونکہ میں خودی کی لذت سے آشنا ہوں اس لئے اسی لذت سے میں تجھے بھی آشنا کرنا چاہتا ہوں)۔

⑥ اس کے کیف کو پہلے میں نے خود آزمایا + پھر اہل مشرق (خصوصاً مسلمانوں) کی اسے قسمت بنایا (کہ وہ بھی خودی آشنا ہو کر اپنی تقدیر بدل لیں)۔

تیسرا بند

اگر ایں نامہ را جبریل خواند   چوں گرد آں نور ناب از خود فشاند
بنالد از مقام و منزل خویش   بہ یزداں گوید از حال دل خویش
"تجلی را چناں عریاں نخواہم   نخواہم جز غم پنہاں نخواہم
گذشتم از وصال جاودانے   کہ بینم لذت آہ و فغانے
مرا ناز و نیاز آدمے دہ!   بجان من گداز آدمے دہ"

*

① اگر اس خط کو جبریل جیسا نورانی فرشتہ پڑھ لے تو نورانی جسم کو چھوڑ کر خاکی جسم اختیار کرلے (کیونکہ عشق خاک میں پیدا ہوتا ہے اور نور میں نہیں)

② وہ (جبریل) اپنے (نورانی مگر بے سوز و گداز) مقام پر آنسو بہا رہا ہے + (اور) خدا کو اپنے دل کا حال یوں بیان کر رہا ہے۔

③ (میں تیری) تجلی کو اس طرح عریاں (ننگی یا بے پردہ) نہیں چاہتا + میں نہیں چاہتا میں اپنے اندر کے پوشیدہ غم کے سوا کچھ نہیں چاہتا (تیرے ہر وقت کے دیدار اور وصل مسلسل نے میرے اندر سے سوز و گداز کی لذت نکال لی ہے۔ سوز و گداز تو اس وقت پیدا ہو گا جب میں عالم فراق میں رہوں گا۔ چونکہ فرشتہ رہتے ہوئے عالم فراق اور کیفیت سوز و گداز میسر نہیں آسکتی اس لئے مجھے خاکیوں میں بنادے تاکہ میں عشق کی لذت اور فراق کی کسک سے تو آگاہ ہو سکوں)

④ میں نے (تیرے) ہمیشہ کے وصال کو چھوڑا + تاکہ میں (تیرے فراق میں) پیدا ہونے والی آہ و فریاد کی لذت دیکھ سکوں یعنی پا سکوں۔

⑤ مجھے آدم کا ناز و نیاز دے + میری جان میں آدم کا گداز پیدا کر (میرے اندر عاشق ہونے کا ناز اور معشوق کے حضور نیاز مند ہونے کی کیفیت پیدا کر دے۔ میری جان کے اندر اپنے عشق کا وہ گداز پیدا کر

دے جو آدمی کے اندر ہے)۔

سوال ①

نخست از فکر خویشم در تحیر
چہ چیز است آنکہ گویندش تفکر
کدامیں فکر ما را شرط راہ است
چرا گہ طاعت و گاہے گنہ است

٭

① سب سے پہلی (بات تو یہ ہے) کہ میں اپنی فکر سے حیرت میں ہوں + وہ کیا چیز ہے جسے تفکر کہتے ہیں۔

② ہمارے لئے کون سی فکر راہ چلنے (سلوک کا راستہ طے کرنے کے لئے) شرط ہے یعنی ایسی لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر راہ پر چلا نہیں جا سکتا + (یہ بھی بتائیں کہ یہ فکر) کبھی طاعت (عبادت یا ثواب) اور کبھی گناہ کیوں ہوتی ہے۔

(آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ بات کرنا ضروری ہے کہ کسی شے پر کسی خاص مقصد کے لئے غور کرنا فکر ہے اور اس فکر کے نتیجہ میں جو کیفیت ہاتھ آتی ہے وہ تفکر ہے)۔

جواب

پہلا بند

درون سینۂ آدم چہ نور است! چہ نور است ایں کہ غیب او حضور است
من او را ثابت و سیار دیدم من او را نور دیدم نار دیدم!
گہے نارش ز برہان و دلیل است گہے نورش ز جان جبرئیل است
چہ نورے جاں فروزے سینہ تابے نیرزد با شعاعش آفتابے
بخاک آلودہ و پاک از مکان است بہ بند روز و شب پاک از زمان است
شمار روزگارش از نفس نیست چنیں جوئندہ و یابندہ کس نیست
گہے واماندہ و ساحل مقامش گہے دریائے بے پایاں بجامش
ہمیں دریا ہمیں چوب کلیم است! کہ از وے سینۂ دریا دو نیم است
غزالے مرغزارش آسمانے خورد آبے ز جوئے کہکشانے
زمین و آسماں او را مقامے میان کارواں تنہا خرامے
ز احوالش جہان ظلمت و نور! صدائے صور و مرگ و جنت و حور
ازو ابلیس و آدم را نمودے ازو ابلیس و آدم را کشودے
نگہ از جلوۂ او ناشکیب است تجلی ہائے او یزداں فریب است

بچشمے خلوت خود را بہ بیند بچشمے جلوت خود را بہ بیند
اگر یک چشم بر بندد گناہے است اگر با ہر دو بیند شرط راہے است
ز جوے خویش بحرے آفریند گہر گردد بہ قعر خود نشیند!
ہماں دم صورت دیگر پذیرد شود غواص و خود را باز گیرد
درو ہنگامہ ہاے بےخروش است درو رنگ و صدا بے چشم و گوش است
درون شیشہ او روزگار است! ولے بر ما بتدریج آشکار است!

*

① آدم کے سینے میں یہ کیسا نور ہے + یہ کیسا نور ہے کہ اس کا غیب بھی اس کے لئے ظہور ہے یعنی اس پر ظاہر ہے (اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نور خودی کا نور ہے یہ نور اپنے اصل کے اعتبار سے اسمائے مطلق ہے۔ جب اسمائے مطلق غیب اور شہادت دونوں عالموں کا جاننے والا ہے تو یہ نور خودی جو خالق نے آدم کے سینے میں رکھا ہوا ہے کیوں نہ غیب و ظاہر کا جاننے والا ہو گا لیکن افسوس کہ آدم نے نور کے اس نقطہ کو جسے خودی کہتے ہیں ابلیسی افکار و عقائد اور دنیاوی علائق کے گہرے سیاہ پردوں میں چھپا دیا ہے)۔

② میں نے اس کو حرکت کرتا ہوا اور ساکن دیکھا ہے یا میں نے اسے حرکت کرتے ہوئے ستارہ کی طرح دیکھا ہے + میں نے اسے نور یعنی عشق یا وجدان (کی صورت میں بھی) دیکھا ہے اور اسے نار یعنی عقل اور تدبیر کی صورت میں بھی) دیکھا ہے (نور اور نار سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میں نے اس میں شان جمالی بھی دیکھی ہے اور شان جلالی بھی دیکھی ہے)۔

③ کبھی اس کی نار دلیل اور حجت سے ہے + کبھی اس کا نور جبرئیل فرشتہ کی جان سے ہے۔

④ یہ کیسا نور ہے (یہ نور ایسا ہے کہ آدمی کی) جان کو روشن کرتا ہے اور سینے میں حرارت پیدا کرتا ہے + سورج اس کی ایک شعاع کی قیمت نہیں رکھتا۔

⑤ یہ (نور یا نور خودی) مٹی سے آلودہ ہے لیکن مکان سے پاک ہے + (یہ نور خودی) دن اور رات کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے لیکن زمانے سے پاک ہے (نور خودی اگرچہ جسم انسانی میں مقید ہے اور یہ جسم دن رات کے چکروں میں پھنسا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ نور زمان و مکان سے آزاد ہے)۔

⑥ اس کی زندگی یا زمانہ کی گنتی اس کے سانسوں پر نہیں ہے + اس قسم کا تلاش کرنے والا (اور تلاش کی جانے والی شے کو) پالینے والا اور نہیں ہے۔

⑦ کبھی وہ تھکا ہوا ہوتا ہے اور اس کا مقام ساحل ہوتا ہے + (اور) کبھی بے کنار دریا اس کے پیالے میں ہوتا ہے۔

⑧ یہی دریا ہے اور یہی حضرت موسیٰؑ کی لکڑی (ڈنڈا) ہے + (وہ ڈنڈا کہ جس کے مارنے سے) دریا دو نیم (آدھا ادھر اور آدھا ادھر) ہو گیا ہے۔

⑨ وہ ایک ایسا ہرن ہے کہ اس کی چراگاہ آسمان ہے + وہ کہکشاں کی نہر سے پانی پیتا ہے۔

⑩ زمین اور آسمان اس کے مقامات ہیں + وہ قافلہ کے درمیان ہوتے ہوئے قافلے سے الگ چلنے والا ہے (کائنات میں منفرد ہے)۔

(11) اس کے احوال میں سے نور و ظلمت کا جہان + صور کی آواز ' موت ' جنت ' حور وغیرہ ہیں۔

(12) ابلیس اور آدم کی نمود اسی سے ہے + ابلیس اور آدم کی کشود (جو کچھ وہ کرتے ہیں) اسی سے ہے یعنی کائنات میں جتنی بھی اشیا ہیں چاہے وہ متضاد کیوں نہ ہوں سب اسی نور کی وجہ سے ہیں۔

(13) نگاہ اس کے جلوے سے قرار نہیں پاتی + اس کی تجلیاں خدا کو بھی پسند مرغوب اور محبوب ہیں (اس نور خودی کے جلوے ایسے دلکش ہیں کہ نہ آدم اس کو دیکھ دیکھ کر تھکتا ہے اور نہ خدا اس کو دیکھے بغیر رہ سکتا ہے)۔

(14) وہ (نور خودی) ایک آنکھ سے اپنی خلوت کو دیکھتا ہے + دوسری آنکھ سے اپنی جلوت کا تماشا کرتا ہے۔

(15) اگر وہ ایک آنکھ بند کر لیتا ہے تو یہ گناہ ہے + اگر وہ دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہے تو یہ راہ کی شرط ہے (سالک کو اپنی ذات اور اپنی ذات سے باہر جو کچھ ہے دونوں کا تماشا کرنا ہوتا ہے۔ اپنے تماشے کو صوفیا نے سیر انفسی اور اپنے سے باہر کے تماشے کو سیر آفاقی کہا ہے۔ دونوں کی سیر سلوک کی شرط ہے)۔

(16) وہ اپنی ندی سے ایک سمندر پیدا کر لیتا ہے + (پھر اس سمندر میں) موتی بن جاتا ہے اور (موتی بن کر) اپنی گہرائی میں بیٹھ جاتا ہے (خودی ترقی کرتے ہوئے خدا کی صفات کی مظہر بن جاتی ہے اور اس طرح موتی بن کر اپنی ذات کی گہرائی میں ڈوب جاتی ہے)۔

(17) اسی وقت وہ (خودی) ایک نئی صورت اختیار کر لیتی ہے + وہ غوطہ خور بن جاتی ہے اور غوطہ لگا کر خود کو دوبارہ پا لیتی ہے۔ (خودی انا ہے لیکن مقید ہے۔ خدا بھی انا ہے لیکن مطلق ہے انائے مطلق جب انائے مقید میں آتی ہے تو انائے مقید کو اپنی صفات سے جلوہ گر کر دیتی ہے یہاں صفات خدا تعین میں آ جاتی ہیں۔ ندی، بحر، گہر، گہرائی، غواص سب اسی انائے مطلق کے انائے مقید کے مقام پر متعین ہونے کی تعیناتی مقامات ہیں۔ اگر ان تعینات کے پردے ہٹا دیے جائیں تو انائے مطلق باقی رہ جائے گی۔

(18) اس کے اندر بے شور ہنگامے ہیں + اس کے اندر آنکھ اور کان کے بغیر رنگ اور آواز ہے (انائے مطلق (خدا) جب انائے مقید (خودی) میں متعین ہوتی ہے یعنی جب تعینات میں خدا کی صفات کا ظہور ہوتا ہے تو کائنات میں ہنگامے برپا ہوتے ہیں لیکن انائے مطلق خود خاموش رہتی ہے یعنی وہ ان ہنگاموں سے متاثر نہیں ہوتی۔ اس میں رنگ اور آواز پیدا ہوتی ہے لیکن آنکھ اور کان کے بغیر یعنی انائے مطلق خود بے رنگ و صدا رہتی ہے)۔

(19) اس کے شیشے میں زمانہ ہے + لیکن ہم پر درجہ بدرجہ ظاہر ہوتا ہے (حیات خودی کے شیشے میں ظہور کرتی ہے۔ حیات مسلسل ہی کا نام زمانہ ہے لہٰذا زمانہ بھی خودی کے شیشے میں ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم پر بیک وقت نہیں بلکہ بتدریج آشکار ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک تدریجی حقیقت اور تسلسلی رو ہے)۔

اس بند کا خلاصہ

اس بند کے 19 شعروں میں شاعر نے خودی کا تعارف کرایا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک فکر جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے خودی ہی کی ایک حرکت ہے اور چونکہ خودی (انائے مقید) خدا (انائے مطلق) کا پرتو صفات ہے اس لئے اسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی نور کی توضیح و تشریح اس بند میں ہے۔

دوسرا بند

حیات از وے براندازد کمندے شود صیاد ہر پست و بلندے
ازو خود را بہ بند خود در آرد گلوے ماسوا را ہم فشارد
دو عالم می شود روزے شکارش فتد اندر کمند تابدارش
اگر ایں ہر دو عالم را بگیری ہمہ آفاق میرد تو نہ میری
منہ پا در بیابان طلب سست نخستیں گیر آں عالم کہ در تست
اگر زیری ز خودگیری زبر شو خدا خواہی؟ بخود نزدیک تر شو
بہ تسخیر خود افتادی اگر طاق ترا آساں شود تسخیر آفاق

*

① زندگی اس سے (یعنی نور خودی سے) کمند پھینکتی ہے + (اور اس طرح) ہر پست اور بلند (شے) کی شکاری بن جاتی ہے مراد ہے کہ زندگی کائنات کو اگر مسخر کرتی ہے تو خودی کی بدولت کرتی ہے۔

② (حیات) اس سے یعنی خودی کی بدولت اپنی ہی قید میں آجاتی ہے + (اور اس طرح) اپنے سوا یا خدا کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا گلا دبا دیتی ہے یعنی ہر شے کو زیر کر لیتی ہے (جس طرح ابر نیساں کا قطرہ سیپ کی قید میں آکر موتی بن جاتا ہے اسی طرح حیات جب خودی کی قید میں آتی ہے تو گہر بن جاتی ہے جب تک حیات کو اپنی ذات کا شعور نہیں ہوتا اس کو اپنی قوتوں کا علم نہیں ہوتا
اور جب اسے اپنی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ ہر شے کی تسخیر کے قابل ہو جاتی ہے)۔

③ ایک دن دونوں جہان اس کے شکار ہو جاتے ہیں + (اور) اس کی بل کھائی ہوئی یا چمک والی کمند (پھندے) میں آجاتے ہیں (یہاں دونوں جہانوں سے مراد انفس اور آفاق کے جہان ہیں)۔

④ اگر تو ان دونوں جہانوں کو قابو میں کرلے گا + تو ساری کائنات مر جائے گی تو نہیں مرے گا (ایک وہ جہان جو انسان کے اندر ہے جہان انفس اور دوسرا وہ جہان جو اس سے باہر ہے جہان آفاق)۔

⑤ (ان دونوں جہانوں کو زیر کرنے کی) آرزو کے بیابان میں سستی سے قدم نہ رکھ + پہلے اس جہان کو قابو کر جو تیرے اندر ہے (یعنی سیر انفسی کر۔ خود کو پہچان۔ اپنی خودی اور اس کی قوتوں سے عملاً روشناس ہو)۔

⑥ اگر تو زیر (کمزور اور بے زور) ہے تو خود کو قابو کرنے یعنی اپنی معرفت حاصل کرنے کی بدولت زبر (طاقت ور اور زور والا) بن جا + (آگے) اگر تو خدا چاہتا ہے یعنی خدا سے ملنا یا اسے پانا چاہتا ہے (تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو) اپنے زیادہ نزدیک ہو جا یعنی اپنی خودی کو اچھی طرح پالے خودی پالے گا تو خدا کو پالے گا کیونکہ اپنے وجود کے لحاظ سے خودی خدا کا عین ہے یعنی اس میں خدا کا ظہور ہے جیسا کہ صوفیائے وحدۃ الوجود نے مشاہدہ کے بعد یہ بتایا ہے کہ دوئی تو ہے ہی نہیں صرف توحید ہی توحید ہے۔ ہر شے کا وجود خدا کے وجود کا مظہر ہے ساری کائنات میں خدا کی صفات کا ظہور ہے اور خودی میں یہ ظہور سب سے ارفع و کامل شکل میں ہے جب خودی کی تکمیل ہو جاتی ہے تو ظہور صفات خدا کا عمل بندے پر منکشف ہو جاتا ہے

جب وہ صفات کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو ذات کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے مصنوع سے صانع کی طرف از خود خیال منتقل ہو جاتا ہے۔ خوشبو ناک میں آئے تو عطر یا پھول فوراً ذہن میں آ جاتا ہے۔ ہر وجودی صوفی صفات کے آئینہ میں ذات کا مشاہدہ کرتا ہے یہی توحید ہے۔

⑦ اگر تو اپنی تسخیر کرنے میں کامل، فرد یا لاثانی ہو جائے گا + تو تیرے لئے آفاق کو تسخیر کرنا آسان ہو جائے گا۔

دوسرے بند کا خلاصہ

سالک کے لئے ضروری ہے کہ انفس اور آفاق دونوں پر فکر کرے۔ پہلے انفس پر اور پھر آفاق پر یہ اس کے لئے شرط راہ ہے۔

تیسرا بند

خنک روزے کہ گیری ایں جہاں را شگافی سینۂ نہ آسماں را
گذارد ماہ پیش تو جبینے برو پیچی کمند از موج دودے
دریں دیر کہن آزاد باشی! بتاں را بر مراد خود تراشی
بکف بردن جہان چار سو را مقام نور و صوت و رنگ و بو را
فزونش کم ، کم او بیش کردن دگرگوں بر مراد خویش کردن
بہ رنج و راحت او دل نہ بستن طلسم نہ سپہر او شکستن
فرو رفتن چو پیکاں در ضمیرش نداون گندم خود با شعیرش
شکوہ خسروی این است این است ہمیں ملک است کو توام بدین است

*

① مبارک ہو گا وہ دن جب تو اس جہان یعنی جہان آفاقی کی تسخیر کر لے گا + (اور) تو نو آسمانوں کے سینہ کو چیر لے گا (یعنی افلاک کے اس پار تیری رسائی ہو جائے گی۔ عام طور پر سات آسمان کہے جاتے ہیں یہاں نو آسمان بتائے گئے ہیں غالباً عرش اور کرسی کے مقامات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے)۔

② (مبارک ہو وہ دن جب) چاند تیرے حضور سجدہ کرے گا + اور تو اس پر دھوئیں کی کمند لپیٹے گا یعنی آسانی سے تسخیر کر لے گا۔

③ (مبارک ہو گا وہ دن جب) تو اس پرانے جہان یا زمانے میں آزاد ہو گا + (اور) بتوں کو اپنی مرضی کے مطابق بنائے گا (جب تک آدمی خود شناس نہیں ہوتا کائنات اس پر سوار رہتی ہے اور جب اسے اپنی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور اسے اپنے مقام اور طاقت کا علم ہو جاتا ہے تو کائنات اس کی غلام بن جاتی ہے اور وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ پہلے جب وہ کائنات کا غلام تھا تو کائنات اسے اپنی مرضی کے مطابق چلاتی تھی اب جب کہ کائنات اس کی غلام ہے تو وہ کائنات کو اپنی مرضی کے مطابق چلائے گا)۔

④ اس چار سمتوں والے جہان کو قابو میں کر لینا + (کون سا چار سو کا جہان یہ جہان جو) نوا، آواز، رنگ اور بو کا مقام ہے (جہاں کی ہر شے چمک دمک والی اور دلکش مگر فانی ہے)۔

⑤ اس کے زیادہ کو کم (اور اس کے) کم کو زیادہ کرنا + (اور) اسے اپنی مرضی کے مطابق الٹ پلٹ کرنا (اس میں انقلاب لانا)۔

⑥ اس کی تکلیف اور راحت سے دل نہ لگانا + اس کے نو آسمانوں کے جادو کو توڑنا (جہان کو فانی اور خود کو باقی جاننا)۔

⑦ جس طرح نیزہ جسم میں دھنس جاتا ہے اسی انداز سے اس کے ضمیر میں کھب جانا + (اور) اپنی گندم کو اس کے جو کے بدلے میں نہ دینا (جہان تو ہیچ ہے قیمت والا تو آدم ہے)۔

⑧ شاہی شوکت یہی ہے یہی ہے + یہی ملک ہے جو دین کے ساتھ توام (جڑواں) ہے (یہی اصل بادشاہت ہے جو ملک بقا کی بادشاہت ہے ملک فنا کی بادشاہت کس کام کی۔ اور ملک بقا وہ ملک ہے جہاں دین و دنیا دونوں ہیں۔ جہاں دونوں کی حسنات موجود ہیں۔ دنیا تو ہو دین نہ ہو یہ چنگیزیت ہے دین تو ہو لیکن دنیا نہ ہو یہ رہبانیت ہے۔ جب آدمی خود آشنا اور خدا آشنا ہو جاتا ہے تو پھر اس میں دین و دنیا دونوں کی سمائی ہو جاتی ہے۔ اس کا دین و دنیا ایک اکائی بن جاتا ہے اور یہی وہ راہ ہے جو طاعت کا راستہ ہے جو صراط مستقیم ہے)۔

تیسرے بند کا خلاصہ

جب آدمی اپنی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو تفکر کی منزل پر آجاتا ہے جس کے نتیجے میں آفاق اس کے زیر قدم آجاتے ہیں تو وہ حقیقی معنوں میں دنیا و دین کا شاد بن جاتا ہے۔

جواب کا خلاصہ

پہلے بند میں فکر کو خودی کی حرکت، دوسرے بند میں شرط راہ اور تیسرے بند میں اس کے نتیجے کو تفکر کہا ہے۔

سوال ②

چہ بحر است ایں کہ علمش ساحل آمد؟ ز قعر او چہ گوہر حاصل آمد؟

*

① یہ سمندر کیا ہے جس کا ساحل علم ٹھہرا ہے + اس (سمندر) کی گہرائی سے کونسا موتی ہاتھ آتا ہے۔

جواب

پہلا بند

حیات پُرنفس بحر روانے		شعور و آگہی او را کرانے
چہ دریائے کہ ژرف و موجدار است		ہزاراں کوہ و صحرا بر کنار است
مپرس از موج ہائے بیقرارش		کہ ہر موجش بروں جست از کنارش
گذشت از بحر و صحرا را نمے داد		نگہ را لذت کیف و کمے داد
ہر آں چیزے کہ آید در حضورش		منور گردد از فیض شعورش
بخلوت مست و صحبت ناپذیر است		ولے ہر شے ز نورش مستنیز است
نخستیں می نماید مستنیرش		کند آخر بآئینے اسیرش
شعورش با جہاں نزدیک تر کرد		جہاں او را ز راز او خبر کرد
خرد بند نقاب از رخ کشودش		ولیکن نطق عریاں تر نمودش
نگنجد اندریں دیر مکافات		جہاں او را مقامے از مقامات

*

① سانسوں بھری زندگی (یعنی وہ زندگی جو خودی کے سانسوں سے زندہ ہے) بہتا ہوا سمندر ہے + اور شعور و آگہی اس کے کنارے ہیں۔

② یہ کیا دریا (سمندر) ہے کہ جو بہت گہرا اور اٹھتی ہوئی موجوں والا ہے + اس کے کناروں پر ہزاروں صحرا اور پہاڑ ہیں (یہ دریا خودی کا دریا ہے اس آدمی کی زندگی کا دریا ہے جس نے خود کو پہچان لیا ہے اور جان لیا ہے کہ وہ انائے مقید ہوتے ہوئے انائے مطلق کی صفات کی جلوہ گری لئے ہوئے ہے۔ وہ مظہر صفات خدا ہونے کی وجہ سے ان صفات کی قوتیں اور صلاحیتیں بھی رکھتا ہے۔

③ اس کی بے قرار موجوں کے متعلق مت پوچھ + کہ اس کی ہر موج کناروں سے اچھلی ہوئی ہے۔ (خودی وہ موج ہے جو چین سے نہیں رہ سکتی۔ بے قراری کی بنا پر کناروں سے اچھل پڑتی ہے)۔

④ وہ سمندر سے گزر گئی اور اس نے صحرا کو نمی بخشی + اس نے نگاہ کو کیف و کم (ہر قسم کے حالات و اسرار کو دیکھنے) کی لذت عطا کی۔

⑤ ہر وہ چیز جو اس کے حضور آتی ہے + وہ اس کے شعور کے فیض سے منور ہو جاتی ہے (خودی اس کائنات میں ہر شے کی قدر و قیمت متعین کرتی ہے)۔

⑥ وہ خلوت میں مست ہے اور صحبت پسند نہیں کرتی + لیکن (پھر بھی) ہر شے اس کے نور سے منور ہے (انفرادیت پسند ہونے کے باوجود ہر شے کو فائدہ پہنچا رہی ہے)۔

⑦ پہلے یہ اس کو منور کرتی ہے + اور آخر اسے ایک آئین میں مقید کر دیتی ہے (خودی ہر شے کو قاعدہ اور قانون میں لے آتی ہے آوارہ نہیں چھوڑتی)۔

⑧ اس کے شعور نے اسے جہان کے زیادہ نزدیک کر دیا + اور (جہان) نے اسے اس کے راز سے خبر کی یعنی جب خودی نے کائنات کا مطالعہ کیا تو کائنات کے مطالعہ سے اسے معلوم ہوا کہ وہ کائنات سے برتر

بلکہ اس کے وجود کا سبب ہے۔

⑨ عقل نے اس کے چہرے سے نقاب اٹھایا + لیکن اس کی گویائی نے اسے اور عریاں کر دیا۔ مراد یہ ہے کہ خودی میں عقل بھی ہے اور گویائی بھی ہے اور گویائی اس کی قوتوں کے ظہور کی ہے۔

⑩ وہ اس مکافات کے جہان میں (جہاں ہر چیز کا بدلہ ہے) نہیں سماتی + جہان اس کے مقامات میں سے ایک مقام ہے یعنی خودی کائنات میں نہیں سما سکتی ہاں کائنات اس میں سمائی ہوئی ہے۔ خودی کا مقام صرف یہی جہان نہیں اس کے آگے اور جہان بھی ہیں۔

اس بند کا خلاصہ

اس بند میں یہ کہا گیا ہے کہ انائے مطلق (خدا) اور انائے مقید (خودی) میں بحر اور موج کا رشتہ ہے۔ جس طرح موج بحر کا عین یا ظہور ہے اسی طرح انائے مطلق ظہور کے لحاظ سے انائے مقید میں جلوہ گر ہے اور اس جلوہ گری کے طرح طرح کے رنگ اور کرشمے ہیں۔

دوسرا بند

برون از خویش می بینی جہاں را　　در و دشت و یم و صحرا و کاں را
جہان رنگ و بو گلدستہ ما　　ز ما آزاد و ہم وابستہ ما
خودی او را بیک تار نگہ بست　　زمین و آسمان و مہر و مہ بست
دل ما را باو پوشیدہ راہے است　　کہ ہر موجود ممنون نگاہے است
گر او را کس نہ بیند زار گردد　　اگر بیند یم و کہسار گردد
جہاں را فربہی از دیدن ما　　نہالش رستہ از بالیدن ما
حدیث ناظر و منظور رازے است　　دل ہر ذرہ در عرض نیازے است
تو اے شاہد مرا مشہود گرداں　　ز فیض یک نظر موجود گرداں
کمال ذات شے موجود بودن　　برائے شاہدے مشہود بودن
ز دانش در حضور ما نبودن　　منور از شعور ما نبودن!
جہاں غیر از تجلی ہائے ما نیست　　کہ بے ما جلوۂ نور و صدا نیست
تو ہم از صحبتش یاری طلب کن　　نگہ را از خم و پیچش ادب کن
یقیں می داں کہ شیران شکاری　　دریں رہ خواستند از مور یاری'

*

① تو جہان کو خود سے باہر دیکھتا ہے + (اور جہان میں موجود) آبادی' بیابان' سمندر' صحرا' کان وغیرہ یعنی کائنات کی ساری اشیا کو خود سے باہر جانتا ہے (اور اپنی بجائے ان کو دیکھتا ہے حالانکہ یہ تیرے نظارہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ خارج میں جو کچھ ہے تیری دید کا منتظر ہے کیونکہ اس کا وجود تیری نگاہ کا مرہون

منت ہے)۔

② یہ رنگ و بو کا جہان (دلکش مگر فانی جہان) ہمارا گلدستہ ہے + (یہ اگرچہ) ہم سے آزاد ہے یعنی ہم سے خارج میں موجود ہے لیکن ہمارے ساتھ وابستہ ہے (ہم سے جدا نہیں کیونکہ ہم ہیں تو یہ ہے)۔

③ خودی نے اس کو (جہان کو) نگاہ کے ایک تار میں باندھ لیا + (اور اس جہان میں موجود) زمین' آسمان' سورج اور چاند کو اس میں باندھ لیا (ان کا وجود نگاہ خودی کے نظارہ کا محتاج ہے)۔

④ ہمارے دل کو اس یعنی جہان کے ساتھ ایک خفیہ راہ یا تعلق ہے + کیونکہ ہر موجود (جو اس جہان میں ہے) نگاہ کا ممنون احسان ہے (اگر ہم نگاہ نہ کریں تو جو کچھ جہان میں موجود ہے بے کار ہے ہم ہیں تو جہان ہے۔ یہ ہمارے نفس مدرکہ کا محتاج ہے)۔

⑤ اگر جہان کو یا جہان کی اشیا کو کوئی نہ دیکھے تو وہ عاجز' (کمزور اور بے قیمت) ہو جائیں گی + اگر ان کو دیکھے گا تو وہ سمندر اور پہاڑ ہوں گے ورنہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

⑥ جہان کا موٹاپا یعنی رنگ و رونق ہمارے دیکھنے سے ہے + اس کا پودا ہمارے اگنے سے اگا ہے۔

⑦ دیکھنے والے اور جسے دیکھا جا رہا ہے ان دونوں کی کہانی ایک راز ہے + ہر ذرہ اپنی نیازمندی کا اظہار کر رہا ہے (یعنی ہر شے دیکھنے والے کی نگاہ کی محتاج ہے اور یہی ناظر و منظور کے درمیان راز ہے اگر کوئی ناظر (دیکھنے والا نہ ہو) تو منظور (جسے دیکھنا ہے وہ موجود ہوتے ہوئے عدم ہو جائے۔ کائنات کا **تحقق** اور وجود انسان کے دم سے ہے)۔

⑧ (ذرہ ذرہ کیا عرض کر رہا ہے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ) اے شاہد مجھے مشہود بنا دے یعنی تو اس بات کا گواہ بن جا کہ میں تیرے مشاہدہ میں حاضر ہوں + اپنی ایک نظر کے فیض سے مجھے موجود کر دے (کیونکہ میرا شہود یعنی میرا موجود ہونا تیری نظر کی گواہی پر موقوف ہے)۔

⑨ کسی شے کی ذات کا کمال اس کا موجود ہونا ہے + کسی شاہد کے لئے اس کا مشہود ہونا ہے (دیکھنے والی کی نظر ہر شے کو کمال عطا کرتی ہے اور کسی شے کو کسی کا نہ دیکھنا اس کے زوال کا سبب ہے۔ ہر شے اپنے موجود ہونے میں اپنے ناظر اور شاہد کی محتاج ہے۔ اشیائے کائنات کا کمال' ان کے ناظر و شاہد کی وجہ سے موجود ہونے اور زوال ناظر و شاہد کی نظر اور مشاہدہ سے محروم ہونے میں ہے۔

⑩ ہمارے سامنے عقل کی رو سے ان کا ہونا نہ ہونا ہے + ان کا ہمارے شعور سے منور نہ ہونا ان کا نہ ہونا ہے۔ یعنی کسی شے کا موجود ہونا صرف ناظر اور شاہد کی دید اور مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی اور صورت اس کے موجود ہونے پر دلیل نہیں ہے۔

(11) جہان ہماری تجلیوں کے سوا کچھ نہیں ہے + کیونکہ ہمارے بغیر نور و صدا (کائنات رنگارنگ) کا جلوہ نہیں ہے۔ کائنات ہمارے احساس شعور پر موقوف ہے۔

(12) (یہ کائنات اپنے موجود ہونے میں اگرچہ ہماری نظر کی محتاج ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ اپنے نور (روشنی) اور صدا (آواز) یعنی چشم و گوش کے لئے دلفریب نظارے لئے ہوئے ہے اس سے قطع نظر کرنا اس کو موہوم سمجھ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا مقصد زندگی کے خلاف ہے اس لئے) تو بھی اس کی صحبت سے یاری طلب کر یعنی اس سے فائدہ اٹھا + اپنی نگاہ کا اس کے خم و پیچ سے ادب کر یعنی کائنات پر حالات و اشیا کے تقاضوں کے مطابق نظر کر اور ان سے مستفید ہو۔

(13) یقین کر کہ شکار کرنے والے شیروں نے + اس راستے میں چیونٹی سے مدد چاہی ہے معرفت کے راستہ پر چلنے والے شیر دل عارفوں کے سامنے اگرچہ کائنات کی حیثیت ایک چیونٹی کی سی ہے لیکن ان لوگوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

دوسرے بند کا خلاصہ

اس بند میں جہان کو شاہد و ناظر کی شہادت اور نظر کا مرہون منت بتایا گیا ہے یہ کہا گیا ہے کہ کائنات کا موجود ہونا ہمارے نفس مدرک پر موقوف ہے اگر وہ کائنات کی اشیا کا ادراک نہ کرے تو ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اس کے باوجود کائنات کو ترک کرنا آداب تصوف کے خلاف اور اس سے فائدہ اٹھانا آداب تصوف کے عین مطابق ہے۔

تیسرا بند

بیارسائے او از خود خبر گیر — تو جبریل امینی بال و پر گیر
بہ بسیاری کشا چشم خرد را — کہ دریابی تماشائے احد را
نصیب خود ز بوئے پیرہن گیر — بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر
خودی صیاد و نخچیرش مہ و مہر — اسیر بند تدبیرش مہ و مہر
چو آتش خویش را اندر جہاں زن! — شبیخوں بر مکان و لامکاں زن!

*

① (کائنات کو اگرچہ شیر مردوں نے چیونٹی کی حیثیت دی ہے لیکن انہوں نے کائنات میں رہ کر زندگی بسر کی ہے کیونکہ یہ کائنات بھی ذات کی صفات کے رنگا رنگ ظہور لئے ہوئے ہے لیکن اس یاری میں خطرات بھی ہیں یاد رکھ کائنات تیرے لئے ہے تو کائنات کے لئے نہیں ہے اس لئے) اس کی دوستی کے (طور طریقوں) سے اپنے آپ کی خبر پا + تو امانت دار جبریل فرشتہ ہے تو اپنے بازو اور پر پیدا کر یعنی کائنات سے بلند بھی رہ اور اس کائنات کی سیر کے بعد یہ معلوم بھی کر لے کہ تو زمینی نہیں آسمانی ہے اور اس طرح اپنی حقیقت سے بھی آگاہی حاصل کر۔

② کائنات میں جو کثیر اشیا ہیں ان کا مشاہدہ کر کے عقل کی آنکھ کھول + تاکہ تو احد کا (ایک کا) تماشا کر لے (کثرت میں وحدت کو دیکھ لے۔ کیونکہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں صفات خداوندی کا ظہور ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ کثرت میں وحدت ہے یہ عین فطرت ہے)۔

③ اپنے نصیب پیرہن (لباس یا کرتہ) کی خوشبو سے لے + کنعان میں (بیٹھے ہوئے) ملک یمن اور ملک مصر کی نکہت حاصل کر (جس طرح حضرت یعقوبؑ کو کنعان میں ہوتے ہوئے مصر سے حضرت یوسفؑ کے پیرہن کی خوشبو پہنچ گئی تھی اور یمن میں حضرت اویس قرنی کو نبی کریم ﷺ کے کرتے کی خوشبو پہنچ گئی تھی اسی طرح عارف کو کائنات کی اشیا میں سے باری تعالیٰ کی ذات کی خوشبو آجاتی ہے اور وہ ہر

کثرت میں وحدت کا تماشا کر لیتا ہے۔

④ خودی شکاری ہے اور سورج اور چاند اس کے شکار ہیں + چاند اور سورج تیری تدبیر کے قیدی ہیں (اگر تو کثرت میں وحدت کے تماشا سے خبر گیر ہو کر اپنا تماشا کرے گا تو وہاں بھی ذات خداوندی کے ظہور کی جھلک دیکھے گا اور وہ جھلک تیری خودی کے آئینہ میں ہوگی جس کے حصول کے بعد تو مہر و ماہ یعنی کائنات پر حکمران ہو جائے گا۔

⑤ (خدا کا عارف بن کر) خود کو جہان میں آگ کی طرح پھینک (غیر اللہ کے خس و خاشاک کو جلا دے) + (خودی حاصل کر کے تیرے اندر جو خدائی صفات آ جائیں گی ان کے بل بوتے پر) مکان اور لامکان پر (اس جہان پر اور اس جہان سے ماورا جو جہان ہے اس جہان پر) چپکے سے حملہ کر (اور اس طرح دونوں کی تسخیر کر لے)۔

تیسرے بند کا خلاصہ

تو کائنات کا مشاہدہ کر اور پھر اس کے آئینوں میں جھانک کر کثرت میں وحدت اور اپنی خودی میں خدا کی صفات کی جلوہ گری دیکھ اور اس حقیقت کو پا لے کہ تیری حقیقت مادی نہیں نوری ہے اور اس نوری طاقت سے زمان و مکاں اور اس سے آگے آں سوئے افلاک تک کو زیر نگیں کر۔

سوال ③

وصال ممکن و واجب بہم چیست؟ حدیث قرب و بعد و بیش و کم چیست؟

*

① ممکن اور واجب میں باہمی وصال کیا ہے + نزدیک اور دور اور زیادہ اور کم کی بات کیا ہے (اللہ کی ذات واجب ہے اور اس کا غیر جو کچھ ہے وہ ممکن ہے۔ صوفیا کے نزدیک صرف بندہ ہی خدا سے رابطے کا آرزو مند نہیں خدا بھی اپنے بندہ سے رابطے کی طلب رکھتا ہے۔ اس لئے پہلے مصرع میں صرف وصال کی بات نہیں وصال کے ساتھ بہم کا لفظ بھی ہے جس کا مفہوم آپس کا وصال ہے۔ یہ رابطہ وصال تلازمی ہے یعنی دونوں کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ یہ تلازمی رابطہ بھی اتنا شدید ہوتا ہے کہ قرب ہو جاتا ہے اور کبھی اتنا ضعیف ہوتا ہے کہ آپس میں بعد محسوس ہوتا ہے۔ کبھی یہ زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے)۔

جواب
پہلا بند

سہ پہلو ایں جہان چون و چند است — خرد کیف و کم او را کمند است
جہان طوسی و اقلیدس است ایں — پے عقل زمیں فرسا بس است ایں
زمانش ہم مکانش اعتباری است — زمین و آسمانش اعتباری است
کماں را زہ کن و آماج دریاب — ز حرفم نکتہ معراج دریاب
مجو مطلق دریں دیر مکافات — کہ مطلق نیست جز نور السمٰوات
حقیقت لازوال و لامکان است — مگو دیگر کہ عالم بیکران است
کران او درون است و بروں نیست — درونش پست، بالا، کم، فزوں نیست
درونش خالی از بالا و زیر است — ولے بیرون او وسعت پذیر است
ابد را عقل ما ناسازگار است — یکے از گیر و دار او ہزار است
چو لنگ است او سکوں را دوست دارد — نہ بیند مغز و دل بر پوست دارد
حقیقت را چو ما صد پارہ کردیم — تمیز ثابت و سیارہ کردیم
خرد در لامکاں طرح مکان بست — چو زنارے زماں را بر میاں بست
زماں را در ضمیر خود ندیدم — مہ و سال و شب و روز آفریدم
مہ و سالت نمی ارزد بیک جو — بحرف "کم لبثتم" غوطہ زن شو
بخود رس از سر ہنگامہ برخیز — تو خود را در ضمیر خود فروریز

*

① یہ چند وچوں کا جہان تین پہلو رکھتا ہے + اس کے کیف و کم کے لئے عقل کمند ہے (جہان کو چند و چوں یعنی کتنا اور کیسا یا فائدہ و نقصان کا جہان اس لئے کہا ہے کہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق یوں ہی سوچتے ہیں اور اس کے حالات و کوائف کے بارے میں اسی طرح غور کرتے ہیں۔ مراد ہے اس سے اسباب کا جہان ہے جس کا عقل احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ جہان محسوس یا جہان مادہ ہے جس کے تین پہلو ہیں۔ طول' عرض اور گہرائی۔ ــــ عقل ایسے جہان کا بخوبی احاطہ کر سکتی ہے اور کر رہی ہے)۔

② یہ طوسی اور اقلیدس کا جہان ہے + زمین گھساتی ہوئی عقل کے لئے یہ کافی ہے (نصیر الدین طوسی چنگیزی حملوں کے زمانے کا ایک محقق' فلسفی' نجوم شناس' ریاضی دان' اور ہیئت و ہندسہ کا عالم تھا۔ اقلیدس قدیم زمانے میں ہیئت ہندسہ اور ریاضی کا ماہر ہوا ہے۔ یہ دونوں عقلی علوم کے ماہر بھی تھے۔ اس شعر میں جہان کو ایسا جہان کہا گیا ہے جو عقل' ریاضی' ہندسہ' نجوم' حکمت وغیرہ کے زاویوں سے دیکھا جاتا ہے جو مادی ہے۔ جو اعتباری ہے۔

③ اس جہان کا زمان اور مکان بھی اعتباری ہے + اس کے زمین و آسمان بھی اعتباری ہیں (اعتباری کے معنی ہیں فرضی وہ شے جسے آپ کا گمان کہے کہ ایسی ہے اور ایسی نہیں ہے وہ جسے انسان کا ذہن فرض لے یا گمان کرلے کہ ایسی ہے یا ایسی نہیں مراد ہے کہ جہان اور اس کی جملہ اشیا حقیقی نہیں ہیں۔ حقیقی اس لئے نہیں ہیں کہ یہ اپنے موجود ہونے میں باری تعالیٰ کے وجود کی محتاج ہیں یہ از خود موجود نہیں

ہیں)۔

④ کماں کا چلہ چڑھا یعنی کمان کی زہ میں تیر رکھ اور نشانہ پالے یا پہچان لے + میری بات سے معراج کی باریک رمز سمجھ لے مراد ہے اگر تم زمان و مکان کو کمان بنالو اور اس میں سے تیر چلا سکو۔ بہ الفاظ دیگر اگر تم زمان و مکان کو مسخر کرلو تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے نشانے پر تیر پہنچانے کا بندوبست کرلیا یعنی تم نے اپنی پوشیدہ قوتوں کو پہچان لیا یا اپنی حقیقت کو پالیا اسی بات سے تم معراج کے واقعہ کی حقیقت کو پاسکو گے۔ معراج کے لئے جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آنسوئے افلاک گئے تھے تو ان کے لئے زمان و مکان دونوں کالعدم ہو گئے تھے اور وہ آنکھ جھپکنے میں سدرۃ المنتہیٰ سے آگے مقام "قاب قوسین" پر پہنچ کر اور سیر و نظارہ عالم لاہوت کرنے کے بعد واپس بھی آ گئے تھے تم بھی اگر نور مطلق کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو طوسی اور اقلیدس کے حسابی اور نجومی جہان سے یعنی زمان و مکان کے جہان سے آزاد ہونے کے بعد ہی کر سکتے ہو۔

⑤ تو مطلق کو یعنی وجود مطلق کو (جو صرف اللہ تعالیٰ کا وجود ہے) اس "ادلے کے بدلے" والے جہان میں تلاش نہ کر + کیونکہ مطلق آسمانوں کے نور کے سوا کچھ نہیں (اور یہ نور اس جہان ظاہری میں نہیں باطن جہان میں نظر آئے گا۔ وہ ہر شے کا نور ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے نور کا ظہور لئے ہوئے ہے۔ تم وجود مطلق کو اس کے نور کے آئینے میں دیکھ سکتے ہو۔

⑥ حقیقت کو نہ زوال ہے اور نہ اس کا کوئی مکان ہے + پھر یہ نہ کہو کہ جہان بے کنارہ ہے صرف بے کنار حقیقت ہے جو زمان و مکاں سے ماورا ہے باقی جو کچھ ہے زمان و مکان میں مقید و محدود ہے۔ اس جہان کا وقت کتنا طویل کیوں نہ ہو جب گزر جائے تو ایک گھڑی پل کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ زمانے کا وجود خارج میں نہیں ہمارے اندر ہے زمانہ یہ نہیں جو خارج میں سال و ماہ پر منقسم ہے زمانہ وہ ہے جو ازل سے ابد تک کی ایک غیر منقسم رو ہے۔ جس کو صرف وہی جانتا اور پہچانتا ہے جو عارف ہے عالم و حکیم کو اس کا علم نہیں۔

⑦ (زمانہ کی حقیقت کے متعلق شاعر کہتا ہے کہ) اس کی انتہا تیرے اندر ہے تیرے باہر نہیں ہے یا زمانے کی حقیقت اس کے خارج میں یعنی ماہ و سال گزرنے میں تلاش نہ کر بلکہ اس کے باطن میں دیکھ + وہ باطن زمانہ وہ ہے جس میں ظاہر کی طرح اونچ نیچ اور کم و بیش نہیں ہے بلکہ وہ ایک مسلسل رو ہے۔ جو عارف (اس مسلسل رو سے منسلک ہو جاتا ہے وہ بھی اس کی طرح مسلسل ہو جاتا ہے)۔

⑧ اس کا اندر زیر (نیچے) اور بالا (اوپر) سے خالی ہے + لیکن اس کا باہر وسعت اختیار کرنے یا پسند کرنے والا ہے (آگے بڑھنے والا ہے)۔

⑨ ابد (وہ زمانہ جس کی انتہا کا کچھ علم نہیں) کے لئے ہماری عقل ناساز گار ہے (عقل اس کو نہیں پا سکتی) + ابد ایک اکائی ہے (غیر منقسم ہے) لیکن عقل کی پکڑ دھکڑ یعنی سوچ بچار کی وجہ سے وہ اکائی ہزاروں میں بٹ گئی ہے (کیونکہ عقل اس زمانے کو جس کی انتہا نہیں ہے دنیا کے ظاہری زمانے پر خیال کرتی ہے جو وقفوں اور ساعتوں پر منقسم ہے)۔

⑩ وہ یعنی عقل چونکہ لنگڑی ہے (حقیقت تک پہنچ نہ سکنے کے قابل نہیں ہے اس لئے) وہ سکون کو دوست رکھتی ہے یعنی حقیقت زمانہ تک پہنچنے کا سوچ بھی نہیں رہی + وہ مغز کو (زمانے کے باطن کو) نہیں

دیکھتی وہ اپنا دل اس کے پوست (ظاہر) پر جمائے ہوئے ہے۔

(11) حقیقت کو (جو صرف اکائی ہے) جب ہم نے سو ٹکڑے کر دیا + (تو پھر) ہم نے ساکن و محرک میں تمیز پیدا کی (جب صورت یہ ہے کہ جملہ اشیائے کائنات اللہ تعالیٰ کے نور ہی کا ظہور لئے ہوئے ہیں تو سب اشیا اشکال و افعال میں الگ الگ ہونے کے باوجود اپنے وجود ظہوری کے لحاظ سے ایک ہیں)۔

(12) عقل نے لامکان میں مکان کی بنیاد رکھی + اس نے زماں کو زنار کی طرح اپنی کمر میں باندھ لیا۔ (ورنہ نہ زماں ہے نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ)۔

(13) میں نے زمانے کو اپنے ضمیر میں نہ دیکھا (جو ازل سے ابد تک ایک مسلسل غیر منقسم رو ہے) + (اس وجہ سے میں نے زمانے کے) مہینے اور سال' رات اور دن پیدا کر لئے یعنی میں اس سال و ماہ اور شب و روز میں منقسم زمانہ ظاہری میں پھنس کر رہ گیا۔

(14) اس کے یعنی ظاہری زمانے کے مہینے اور سال ایک جو کے برابر قیمت نہیں رکھتے + (اس حقیقت کو پانے کے لئے) "کم لبثتم" کے حرف میں غوطہ زن ہو (قرآن کریم کی آیت ہے **قال کم لبثتم فی الارض عدد سنین ○ قالوا لبثنا یوما او بعض یوم** (قیامت کے دن خدا گنہگاروں سے دریافت کرے گا کہ تم دنیا میں کتنے عرصہ تک رہے تو وہ کہیں گے صرف ایک دن یا دن کا کچھ حصہ (پ 23 - آیت 123) ایک اور جگہ (ض 30 - آیت 55) میں آیا ہے (کہ وہ کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے۔ جب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے سو سال بھی گزرنے پر ایک پل کے برابر معلوم ہوں گے تو پھر یہ زمانہ ظاہری قابل اعتبار تو نہ ہوا لیکن اس کے باوجود ہم اسے شکار کرنے کی بجائے خود اس کا شکار بنے ہوئے ہیں)۔

(15) اپنے آپ تک رسائی حاصل کر (اور) ہنگامہ کے سر پر سے اٹھ جا یعنی دنیا میں منہمک ہونے اور زمانے میں گم ہونے کی بجائے اپنے اندر گم ہو اپنی معرفت حاصل کر + تو اپنے آپ کو اپنے ضمیر کے اندر ڈال یعنی اپنے من میں ڈوب کر اپنی زندگی کا سراغ پالے۔

پہلے بند کا خلاصہ

جہان کا وجود حقیقی نہیں اعتباری ہے یعنی ہم جس طرح گمان کرتے ہیں اس طرح کا وہ ہے اس کے زمان و مکان کی بھی یہی صورت ہے تو پھر اس وہمی وجود کے فریب میں نہیں آنا چاہئے اور وجود حقیقی کی تلاش کرنی چاہئے اور اس کا طریقہ خود میں گم ہونا یا اپنے "من" میں ڈوبنا ہے۔

دوسرا بند

تن و جاں را دوتا گفتن کلام است   تن و جاں را دوتا دیدن حرام است
بجاں پوشیدہ رمز کائنات است   بدن حالے ز احوال حیات است
عروس معنی از صورت حنا بست   نمود خویش را پیرایہ ہا بست

حقیقت روے خود را پردہ باف است ۔ کہ او را لذتے در انکشاف است

*

① تن اور جان کو دو کہنا اس پر کلام ہو سکتی ہے مراد ہے ان کو دو کہنا ٹھیک نہیں ہے + تن اور جان کو دو کہنا حرام ہے (تن اور جان دونوں چونکہ ایک ہی شان تخلیق خداوندی کے مظہر ہیں دونوں چونکہ ایک ہی وجود مطلق کے دو مظہر ہیں اس لئے دونوں اہم ہیں ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔ تن اور جان کی طرح مادہ اور انرجی کو بھی ایک ہی شان کے مظاہر سمجھتے ہوئے دونوں کو لازم وملزوم سمجھنا چاہیے)۔

② جان (روح) کے اندر کائنات کی رمز پوشیدہ ہے + اور بدن زندگی کے احوال میں سے ایک حال ہے یعنی حیات کو اپنے اظہار کے لئے بدن کی ضرورت ہے اگر بدن نہ ہو تو جان (روح) کا ظہور ممکن نہیں۔

③ معنی (جان یا روح) نے صورت (جسم یا بدن) کی مہندی لگائی + اس نے اپنی نمود کے لئے (مختلف قسم کے) لباس پہنے مراد ہے کہ روح اگر دلہن ہے تو بدن اس کے لئے بمنزلہ آرائش ہے۔ بدن کے بغیر جان اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتی۔

④ حقیقت اپنے چہرے کے لئے خود ہی پردہ بنتی ہے + کیونکہ اسے انکشاف میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ (حقیقت کو پردے میں رہ کر اپنے منکشف ہونے میں لطف ملتا ہے اس لئے روح جسم میں یا جان بدن میں پوشیدہ رہ کر اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا پسند کرتی ہے۔

دوسرے بند کا خلاصہ

اس بند میں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ ہر شے میں صفات خداوندی کا ظہور ہے اس لئے جان وبدن اور روح ومادہ میں دوئی کی بجائے اکائی ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔

تیسرا بند

بدن را تا فرنگ از جاں جدا دید ۔ نگاہش ملک و دیں را ہم دوتا دید
کلیسا سبحہ پطرس شمارد ۔ کہ او با حاکمی کارے ندارد
بکار حاکمی مکر و فنے بیں ۔ تن بے جان و جان بے تنے بیں
خرد را با دل خود ہم سفر کن ۔ یکے بر ملت ترکاں نظر کن
بہ تقلید فرنگ از خود رمیدند ۔ میان ملک و دیں ربطے ندیدند

*

① یورپ نے جب بدن کو جان سے جدا جانا + اس کی نگاہ نے ملک اور دین کو بھی دو دیکھا یعنی الگ الگ دیکھا انہوں نے دین اور مذہب کو ملک اور سیاست سے الگ کر دیا۔

② گرجا (حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس کی یا پوپ کی) مالا جپتا ہے + کیونکہ وہ حاکمی سے کوئی کام

نہیں رکھتا مراد ہے مذہب عیسائیت (جو سارے فرنگیوں کا مذہب ہے) مذہب کو ملک سے الگ یا مذہب کو دین سے الگ کئے ہوئے ہے۔ ان کا مذہب الگ ہے اور نظام حکومت الگ ہے جس کی وجہ سے نظام حیات اور انتظام کائنات درہم برہم ہے۔

③ حاکمیت کے کاروبار میں (ان فرنگیوں) کے مکروفن کو دیکھ + ان کے بے جان تن اور بے تن جان کو دیکھ (یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے مذہب کو حکومت سے الگ کر دیا وہ بدن پرست اور روح نفور ہو کر رہ گئے جس سے معاشرہ مادہ پرست اور جسم بے روح ہو کر رہ گیا)۔

④ عقل کو اپنے دل کا ہم سفر بنا + ایک دفعہ ترکوں کی ملت پر نظر کر (جس نے دین کو سیاست سے الگ کر دیا ہے اور وہ یورپ والوں کے مکروفریب میں آگئے ہیں حالانکہ وہ جس مذہب اسلام سے تعلق رکھتی ہے اس مذہب میں دین اور ملک (یا سیاست) میں دوئی نہیں ہے یہ ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہے بیکار ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ دین بغیر ملک کے رہبانیت ہے اور ملک بغیر دین کے چنگیزیت اور حیوانیت ہے۔

⑤ وہ یعنی ترک فرنگی کی تقلید میں اپنے آپ سے دور ہو گئے + انہوں نے ملک اور دین میں ربط نہیں دیکھا (اور نہیں رکھا اور بے دین حکومت قائم کر دی جو مذہب اسلام سے بغاوت ہے)۔

تیسرے بند کا خلاصہ

اس بند میں شاعر نے یہ کہا ہے کہ مادہ اور روح یا بدن اور جان میں دوئی نہیں ہے ان میں دوئی خطرناک ہے اور حالات دنیا اس کی شاہد ہے۔

چوتھا بند

یکی را آں چناں صد پارہ دیدیم | عدد بہر شمارش آفریدیم
کہن دیرے کہ بینی مشت خاک است؟ | دمے از سرگذشت ذات پاک است
حکیماں مردہ را صورت نگار اند! | ید موسیٰ دم عیسیٰ ندارند!
دریں حکمت دلم چیزے ندید است | برائے حکمت دیگر تپید است
من ایں گویم جہاں در انقلاب است | درونش زندہ و در پیچ و تاب است
ز اعداد و شمار خویش بگذر | یکے در خود نظر کن پیش بگذر
دراں عالم کہ جزو از کل فزون است | قیاس رازی و طوسی جنون است
زمانے با ارسطو آشنا باش | دمے با ساز بیکن ہم نوا باش
ولیکن از مقام شاں گذر کن | مشو گم اندریں منزل، سفر کن
بآں عقلے کہ داند بیش و کم را | شناسد اندرون کان و یم را
جہان چند و چوں زیر نگیں کن | بگردوں ماہ و پرویں را کمیں کن

ولیکن حکمت دیگر بیاموز رہاں خود را ازیں مکر شب و روز
مقام تو بروں از روزگار است طلب کن آں یمیں کو بے یسار است

*

① وحدت (اکائی) کو ہم نے اس طرح سینکڑوں ٹکڑوں میں دیکھا + کہ ان کو شمار کرنے کے لئے ہم نے عدد پیدا کر لئے (یعنی ہم نے وحدت کو پارہ پارہ کر دیا)۔

② یہ پرانا جہان یا زمانہ جسے تو دیکھ رہا ہے مٹی کی ایک مٹھی یعنی مادی ہے + وہ ذات پاک (وجود مطلق) کی کمائی کا ایک لمحہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے یا اس کے سامنے کائنات کی مدت ایک ساعت ہے۔

③ حکما مردوں کے صورت نگار ہیں + وہ ید موسیٰ اور دم عیسیٰ نہیں رکھتے مراد ہے کہ حکما کے پاس مردوں کو زندہ کرنے کے لئے کوئی نسخہ نہیں۔ جو لوگ دینا اور ملک کی دوئی اور تن اور جان کی ثنویت کی وجہ سے حیوان ہو گئے ہیں ان کو پھر سے انسان بنانا فلاسفروں کے بس کا نہیں ان کو انسان اسی وقت بنایا جا سکتا ہے جب جان و تن میں اتحاد ہو گا اور یہ اتحاد دین و دنیا کی وحدت کا عقیدہ رکھنے والے یعنی مسلمان ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کا ید بیضا جو لوگوں کو نور دیتا تھا اور حضرت عیسیٰ کا دم جو مردوں کو زندہ کرتا تھا چونکہ یورپ کے دیئے ہوئے کسی نظام میں نہیں ہے اس لئے اہل یورپ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ دنیا میں خدائی یا انسانی معاشرہ پیدا کر سکیں گے فضول ہے۔

④ میرے دل نے اس (فرنگی) حکمت میں کوئی (قابل فائدہ) چیز نہیں دیکھی ہے (اس لئے) وہ کسی اور حکمت کے لئے تڑپا یا بے قرار ہے (اور وہ حکمت صرف اسلام خصوصاً صوفیائے اسلام کے ہاں ہے جو دوئی کے نہیں یکی کے قائل ہیں جو ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا نور دیکھتے ہیں)۔

⑤ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جہان انقلاب کی حالت میں ہے + اس کا اندر زندہ ہے اور وہ بے قرار ہے مراد ہے کہ جہان ایک حالت پر قائم نہیں رہتا اس میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں (بقول صوفیا خدا تعالیٰ جو کائنات کی حقیقت ہے وہ ہر لمحہ اپنی جلوہ گری میں مصروف ہے اور ہر لمحہ ایک نئی شان سے جلوہ گری کرتا ہے جس کی بنا پر جہان بھی ہر لمحہ بدل جاتا ہے وہ جو ایک لمحہ پہلے تھا اب نہیں ہے اور جو اب ہے وہ اگلے لمحے نہیں ہو گا)۔

⑥ اپنے اعداد و شمار سے گزر + ایک بار اپنے اندر نظر کر اور آگے گزر مراد ہے عقل منطق اور طبیعات کے گورکھ دھندے سے نکل کر اپنی حقیقت پر غور کر اور اپنی معرفت حاصل کر اور دوسرے ہر علم، فلسفہ وغیرہ سے گزر جا۔

⑦ اس جہان میں جہاں جزو کل سے بڑھ کر ہے + امام فخرالدین رازی اور نصیرالدین طوسی کے (عقلی اور فکری) قیاسات، سودا پن ہے۔ مراد ہے کہ جب کوئی اپنی خودی سے آشنا ہو جاتا ہے تو اسے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی خودی اگرچہ ساری کائنات کا ایک جزو ہے لیکن یہ اپنی وسعت کے لحاظ سے کائنات سے بڑی ہے اسے رازی اور طوسی نہیں سمجھ سکتے کوئی ابن عربی کوئی رومی سمجھ سکتا ہے۔

⑧ ایک وقت کے لئے یونان کے ارسطو سے آشنا ہو + ایک لمحہ یورپ کے بیکن کے ساز کے ساتھ ہم نوا ہو (ان کے فلسفہ کو ضرور دیکھ مگر اثر قبول نہ کر)۔

⑨ لیکن ان کے مقام سے گزر جا + اس منزل میں گم نہ ہو اس سے سفر اختیار کر (کیونکہ ان کا فلسفہ

تجھے عشق سے نا آشنا کر دے گا ان سے جہاں ضروری ہو استفادہ کر ان میں گم نہ ہو)۔

⑩ اس عقل سے جو بیش و کم کو (نفع و نقصان کو) جانتی ہے + جو سمندر اور کان کے اندر جو کچھ ہے اس کو پہچانتی ہے۔

(11) (اس عقل سے) اس چند و چوں کے جہان کو یعنی اسباب کے جہان کو زیر نگیں کر + اور آسمان پر چاند اور پروین کو ساکن کر دے ان کی حرکت روک دے یعنی ان کو تسخیر کر لے۔

(12) لیکن حکمت کوئی اور سیکھ + اور خود کو رات اور دن کے مکر سے رہا کر یعنی زمان و مکاں کے چکر سے نکل کیونکہ تو ان سے ماورا ہے۔

(13) تیرا مقام زمانے (زمان و مکاں) سے باہر ہے + اس دائیں کو طلب کر جس کا پایاں نہیں ہے (جہاں جہتیں نہیں ہیں کیونکہ تو جہتوں سے آزاد ہے تو وجود مطلق کا تسں لئے ہوئے ہے تو خود کو کائنات میں گم نہ کر کائنات کو خود میں گم کر)۔

چوتھے بند کا خلاصہ

اس بند میں عقل کی بے بسی کا اظہار کر کے عشق کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو خصوصی طور پر اپنی معرفت سے آشنا ہونے کے لئے کہا گیا ہے اور فرنگیوں کے علم و فن کے نقائص بیان کر کے ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سوال ④

قدیم و محدث از ہم چوں جدا شد   کہ ایں عالم شد آں دیگر خدا شد
اگر معروف و عارف ذات پاک است   چہ سودا در سر ایں مشت خاک است

*

① قدیم اور محدث یا حادث ایک دوسرے سے کیسے جدا ہو گئے (خدا کو قدیم اور غیر خدا جو کچھ ہے وہ محدث یا حادث کہلاتا ہے) + کہ ان میں سے ایک عالم یعنی جہان ہو گیا اور دوسرا خدا ہو گیا۔

② اگر عارف اور معروف (وہی) ذات پاک ہی ہے + (تو پھر) اس مشت خاک یعنی آدمی (غیر خدا) کے سر میں یہ کیا سودا سمایا ہوا ہے (اپنے خدا سے ملنے کا سودا)۔

جواب

پہلا بند

خودی را زندگی ایجاد غیر است   فراق عارف و معروف خیر است

قدیم و محدث ما از شمار است   شمار ما طلسم روزگار است
دمادم دوش و فردا می شماریم   بہ ہست و بود و باشد کار داریم
ازو خود را بریدن فطرت ماست   تپیدن نارسیدن فطرت ماست
نہ ما را در فراق او عیارے   نہ او را بے وصال ما قرارے
نہ او بے ما نہ ما بے او! چہ حال است   فراق ما فراق اندر وصال است
جدائی خاک را بخشد نگاہے   دہد سرمایہ کوہے بکاہے
جدائی عشق را آئینہ دار است   جدائی عاشقاں را سازگار است
اگر ما زندہ ایم از دردمندی است   وگر پایندہ ایم از دردمندی است
من و او چیست؟ اسرار الٰہی است   من و او بر دوام ما گواہی است
بخلوت ہم بجلوت نور ذات است   میان انجمن بودن حیات است
محبت دیدہ ور بے انجمن نیست   محبت خودنگر بے انجمن نیست
بہ بزم ما تجلی ہاست بنگر   جہاں ناپید و او پیداست بنگر
در و دیوار و شہر و کاخ و کو نیست   کہ اینجا ہیچکس جز ما و او نیست
گہے خود را ز ما بیگانہ سازد   گہے ما را چو سازے می نوازد
گہے از سنگ تصویرش تراشیم   گہے نادیدہ بر وے سجدہ پاشیم
گہے ہر پردۂ فطرت دریدیم   جمال یار بے باکانہ دیدیم
چہ سودا در سر ایں مشت خاک است؟   ازیں سودا درونش تابناک است
چہ خوش سودا کہ نالد از فراقش   ولیکن ہم بنالد از فراقش
فراق او چناں صاحب نظر کرد   کہ شام خویش را بر خود سحر کرد
خودی را دردمند امتحاں ساخت   غم دیرینہ را عیش جواں ساخت
گہہا سلک سلک از چشم تر برد   ز نخل ماتمے شیریں ثمر برد
خودی را تنگ در آغوش کردن   فنا را با بقا ہم دوش کردن

٭

(1) خودی کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ اپنے غیر کو ایجاد کرے (خدا کی خودی نے بھی خود کو مشہود کرنے کے لئے اس لئے اپنا غیر پیدا کر لیا) + اس لئے عارف اور معروف میں جو جدائی یا غیریت ظاہری دکھائی دیتی ہے یہ ایک اچھی بات ہے وضاحت اس کی کچھ یوں ہے کہ خدا انائے مطلق ہے اس کی جلوہ گری کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ خود کو تعینات کے پردوں میں یا دوسرے الفاظ میں انائے مقید میں ظاہر کرے اس لئے اس نے یہ کائنات جو اس کا غیر ہے پیدا کر دی اس طرح عارف اور معروف کی دو الگ حیثیتیں ہو گئیں اور ایک اکائی سے دو ہونے کے سبب ایک دوسرے کے طالب ہو گئے۔ چونکہ خودی کی زندگی ایجاد غیر کے بغیر ہو نہیں سکتی تھی اس لئے یہ عارف اور معروف کا فرق خیر ہے۔ اور یہ فرق بھی اعتبارات کے لحاظ سے ہے ورنہ دوئی نہیں ہے۔ انائے مقید انائے مطلق ہی کا استمرار ہے۔

(2) ہمارے قدیم اور محدث گنتی کی بنا پر ہیں (کہ قدیم کو ہم اپنے وجود میں اول شمار کرتے ہیں اور

محدث کو دوئم ---- حالانکہ قدیم نے ہی اپنے آپ سے محدث کو پیدا کیا ہے اس لئے قدیم و محدث میں فرق ہوتے ہوئے بھی وہ واحد ہیں۔ محدث قدیم ہی کی جلوہ گری لئے ہوئے ہے) + ہماری گنتی زمانے کا طلسم ہے (اس لئے کہ جس زمانے کو ہم دن رات اور سال مہینے پر تقسیم دیکھتے ہیں وہ جادو کی طرح ہماری نظر فریبی کا نتیجہ ہے ورنہ زمانہ تو ایک مسلسل رو ہے نہ تقسیم ہونے والی رو ---- اس لئے زمانہ ظاہر کے اعتبار سے ایک وجود کو قدیم اور دوسرے وجود کو محدث کہنا پڑتا ہے ورنہ دونوں میں کوئی بعد نہیں ہے۔ محدث قدیم ہی کے جذبہ ظہور کا نتیجہ ہے۔ اسی کی صفات کا مظہر ہے۔ اس لئے دونوں میں دوئی کہاں ہے؟

(3) ہم ہردم گزرے ہوئی کل اور آنے والی کل کو گنتے رہتے ہیں + ہم اس بات سے کام رکھتے ہیں کہ یہ ہے یہ تھا اور یہ ہو گا یعنی زمانہ کے ماضی، حال اور مستقبل کی بات کرتے رہتے ہیں اور قدیم و محدث کو اسی زمانے کے شمار کے لحاظ سے اول و دوئم قرار دیتے ہیں جو غلط ہے۔

(4) خود کو اس سے جدا کرنا ہماری فطرت ہے یعنی محدث کی فطرت میں ہے کہ قدیم سے جدا ہو جائے یعنی ہم ہستی کے لئے اس سے جدا ہونے پر مجبور تھے اگر وہ اپنا آپ تماشائی بننے کے لئے اپنے غیر کا آئینہ نہ پیدا کرتا تو ہم کہاں ہوتے ہمارا الگ وجود کہاں ہوتا + (اب جب کہ ہم اس سے جدا ہو گئے ہیں تو اس سے دوبارہ ملنے کے لئے ہم بے تاب ہیں) تڑپنا اور اصل تک نہ پہنچنا ہماری فطرت ہے (اگر ہم دوبارہ اس میں مدغم ہو جائیں تو ہماری ہستی ختم ہو جائے گی۔ ہماری زندگی جدائی کی تڑپ میں ہی ہے)۔

(5) نہ اس کے فراق میں ہمارا کوئی معیار یعنی مرتبہ و قیمت ہے + نہ اسے ہمارے وصال کے بغیر چین ہے۔ (جہاں اسے ہمارا وجود ضروری ہے تاکہ اس میں اس کی صفات کی جلوہ گری ہو سکے وہاں ہمیں اپنے وجود کے لئے یا موجود ہونے کے لئے اس کی ضرورت ہے اگر وہ نہ ہو یا وہ اپنی صفات کی جلوہ گری نہ کرے تو ہم کہاں ہوں۔ یہ تلازمی رابطہ یا وصال دونوں کے لئے ضروری ہے۔

(6) نہ وہ ہمارے بغیر اور نہ ہم اس کے بغیر یا اس سے الگ ہیں یہ کیا حال ہے + ہمارا فراق وصال کے اندر فراق ہے یعنی ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں بھی ہیں لیکن جدا ہیں بھی۔ تعینات کے اعتبار سے وہ خدا ہے ہم بندے ہیں دونوں الگ الگ ہیں لیکن صفات ذات کی جلوہ گری کے لحاظ سے ایک ہیں۔ ہم میں چونکہ خدا کی صفات کی جلوہ گری ہے اس اعتبار سے ہم وصال کے مقام پر ہیں لیکن وجود کے لحاظ سے فراق میں ہیں۔ اس لئے خدا خدا ہے اور بندہ بندہ۔ نہ بندہ ارتقا کر کے خدا بن سکتا ہے اور نہ خدا تنزل کر کے بندہ بن سکتا ہے۔ سمندر اور موج کا سا دونوں میں تعلق ہے کہ موج سمندر بھی نہیں اور سمندر سے الگ بھی نہیں۔

(7) جدائی مٹی میں نگاہ پیدا کر دیتی ہے + ایک تنکے کو پہاڑ کا سرمایہ عطا کرتی ہے۔ (اگر انائے مطلق یعنی خدا اپنی صفات کے لحاظ سے غیر خدا میں جلوہ گری نہ کرتا اور اس طرح خود سے جدا ہو کر اپنے غیر میں مکین نہ ہوتا تو اس کا یہ غیر جو خاک ہے مادہ ہے نگاہ کیسے پیدا کرتا یعنی اس میں حیات اور حیات کے کرشمے کہاں سے آتے اسے اپنے حسن کی نمائش مقصود تھی کہ اس نے غیر کا آئینہ پیدا کر لیا کہ اپنا آپ تماشائی ہو سکے۔

(8) جدائی عشق کے لئے آئینہ دار ہے یعنی ایسا آئینہ ہے جس میں اس کا عکس موجود ہے + جدائی عاشقوں کے لئے سازگار ہے یعنی ان کے موافق ہے (خدا معشوق اور غیر خدا جو کچھ ہے وہ عاشق ہے۔ جب

تک خدا کے سوا کچھ نہ تھا اسے پہچاننے اور جاننے والا کوئی نہ تھا اس معشوق نے چاہا کہ میں بھی پہچانا جاؤں میری قدر افزائی کرنے والا بھی کوئی ہو اس نے اپنے حسن کی جلوہ گری سے اپنا غیر یعنی عاشق پیدا کر دیا جو اس حسن کے لئے آئینہ کا کام دے رہا ہے کیونکہ ہر ذرہ میں اس کی ہی جلوہ گری ہے۔ اپنی جلوہ گری کا وہ آپ تماشائی ہے۔ اگر خدائی صفات کا یہ عمل نہ ہوتا تو نہ آئینہ ہوتا اور نہ آئینہ میں اس کی جلوہ گری ہوتی۔ یہ جدائی عاشق کے لئے سازگار ہو گئی کیونکہ یہ جدائی کا عمل نہ ہوتا تو معشوق تو ضرور ہوتا عاشق کہاں ہوتا اسی لئے صوفیا نے کہا ہے کہ عاشق و معشوق دو الگ الگ وجود کی حیثیت رکھنے کے باوجود اپنی اصل کے مطابق ایک ہیں۔ عاشق میں معشوق ہی کی جلوہ گری ہے۔ فرق یہ ہے کہ معشوق کا جلوہ اپنا ہے اور عاشق کا معشوق کے سبب ہے۔

(9) اگر ہم زندہ ہیں تو دردمندی (سوز عشق) کے سبب زندہ ہیں + اگر ہم ہمیشہ رہنے والے ہیں تو دردمندی کی وجہ سے ہیں یعنی ہماری زندگی یا ہمارا موجود ہونا عشق کے اس عمل کی وجہ سے ہے۔ جس کا اوپر کے شعروں میں ذکر ہوا ہے اس شعر کا اس پس منظر میں یہ مطلب بھی ہے کہ انسان عشق کی وجہ سے زندہ ہے بے عشق انسان زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے۔

(10) "من" اور "او" کیا ہے؟ یہ اللہ کے بھید ہیں + "من" اور "او" یعنی میں اور وہ ہماری ہیشگی پر گواہی دے رہے ہیں مراد یہ ہے کہ انائے مقید اور انائے مطلق دونوں کا وجودی تعین اور دونوں کا نسبتی عمل یا مطلق کا مقید میں آنا یہ سب باتیں عقل و فکر کی دسترس سے باہر ہیں۔ یہ اللہ کے بھید ہیں جن کو اللہ والے ہی جان سکتے ہیں کیونکہ ان کے لئے یہ مقامات مشاہداتی ہوتے ہیں اور وہ عملاً ان میں سے گزرے ہوئے ہوتے ہیں۔

(11) خلوت میں اور جلوت میں بھی ذات کا نور ہے + زندگی انجمن میں ہونے کا نام ہے (انجمن عشق کی ضرورت ہے۔ عشق حسن کا خریدار ہو گا تو اس کی قیمت لگے گی۔ انائے مطلق (خدا) نے اسی لئے انائے مقید (اپنا غیر) پیدا کیا ہے)۔

(12) محبت انجمن کے بغیر نظارہ کرنے والی نہیں ہے + محبت انجمن کے بغیر اپنا تماشا کرنے والی بھی نہیں ہے۔

(13) ہماری بزم میں (معشوق کے حسن کی) تجلیاں ہیں دیکھ (تو سہی) + جہان نہیں ہے اور وہ ہے دیکھ (تو سہی) مراد ہے سارے جہان کا وجود حسن ازل کی تجلیات کا مرہون منت ہے۔

(14) (جہان کے) در و دیوار یعنی آبادیاں اور شہر اور محل اور گلیاں یعنی جہان کی جملہ اشیا (جو نظر آتی ہیں حقیقت میں) نہیں ہیں (کیونکہ ان کا اپنا وجود نہیں ہے وہ حسن ازل کی تجلیات کی بنا پر وجود میں آئی ہیں اس لئے معدوم ہیں) + اس جگہ ہمارے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یعنی جہان میں یا تو معشوق حقیقی کا وجود ہے یا اس کی تجلیات حسن کی وجہ سے معرض وجود میں آنے والے ہم موجود ہیں یعنی وہ انسان موجود ہیں جو خودی کی معرفت رکھتے ہیں مراد ہے یا تو خدا کا وجود ہے یا خدا کی صفات کی مظہر خودی موجود ہے باقی سب کچھ ناپید ہے۔ "ما" اور "او" خودی اور خدا ایک ہی ذات کے دو رخ ہیں جب وجود کو انائے مطلق کے رنگ میں دیکھا جائے تو وہ خدا ہے اور جب انائے مقید کے روپ میں دیکھا جائے تو وہ خودی ہے۔

(15) ("او" جو ہے) وہ کبھی خود کو "ما" سے بیگانہ بنالیتا ہے + اور کبھی "ما" کو ساز کی طرح بجاتا ہے مراد ہے خدا کبھی ہم سے بیگانوں کی طرح ہو جاتا ہے اور کبھی اپنوں کی طرح --- اپنی بے رنگی کی حالت میں وہ ہم سے بیگانہ اور لباس رنگ میں آنے کے بعد ہمارا آشنا بن جاتا ہے۔

(16) کبھی ہم پتھر سے اس کی تصویر بناتے ہیں + کبھی اسے دیکھے بغیر اس پر سجدے نچھاور کرتے ہیں (یہ سب کچھ اس ان دیکھے مصور کی دید کے حیلے ہیں جس نے ہماری تصویریں بنائی ہیں)۔

(17) (اس کے دیدار کے لئے) کبھی ہم نے فطرت کا ہر پردہ چاک کر دیا + (اور) یار کے حسن کو بیباکانہ دیکھا۔

(18) اس مٹی کی مٹھی یعنی آدمی کے سر میں (دیدار یار کا) یہ کیا سودا ہے + (کہ) اس سودا سے اس کا اندر تابناک ہے (روشن ہے)۔

(19) یہ کیسا اچھا سودا ہے کہ جو اس کے فراق میں نالے بلند کر رہا ہے + لیکن اسی کے فراق سے بڑھ بھی رہا ہے یعنی ارتقائی منازل طے کر کے نیابت الٰہی کے مقام تک پہنچ رہا ہے۔

(20) اس کے فراق نے ایسا صاحب نظر کیا + کہ اس نے اپنی شام کو خود پر سحر کر لیا مراد ہے حسن مطلق نے جب اشیائے کائنات میں جلوہ فرمائی کی اور خود سے جدا ہوا تو اس نے اپنے حسن کی قدر و قیمت جاننے والا پیدا کر لیا جو صاحب نظر بن کر اس کا تماشا کر رہا ہے۔

(21) اس نے خودی کو (فراق کے) امتحان کا درد مند بنا دیا + اس نے پرانے غم کو تازہ اور شاداب کر کے عیش بنا دیا (خودی کو جدائی کی بدولت درد سے آشنا کر دیا اور غم غم نہ رہا عیش بن گیا)۔

(22) وہ بھیگی ہوئی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتیوں کے بت سے ہار لے گیا + (وہ ماتمی درخت سے میٹھا پھل لے گیا (ایران میں رواج تھا کہ مردے کے تابوت کے چاروں کونوں پر سرو کے درخت بنا دیتے تھے اسے ماتمی درخت یا نخل ماتم کہتے تھے یہاں مراد ہے غم کی جگہ عیش نے لے لی)۔

(23) خودی کو مضبوطی سے اپنے پہلو میں لینا + فنا کو بقا کے مساوی کرنا ہے یعنی انائے مطلق جب پورے لوازمات کے ساتھ انائے مقید میں آجاتی ہے تو مقید میں مطلق کی صفات آجاتی ہیں اور اس طرح وہ بقا کا مقام پالیتی ہے۔

دوسرا بند

محبت؟ در گرہ بستن مقامات محبت؟ در گذشتن از نہایات
محبت ذوق انجامے ندارد طلوع صبح او شامے ندارد
براہش چوں خرد پیچ و خمے ہست جہانے در فروغ یکدمے ہست
ہزاراں عالم افتد در رہ ما بپایاں کے رسد جولانگہ ما
مسافر! جاوداں زی جاوداں میر جہانے را کہ پیش آید فراگیر
بہ بحرش گم شدن انجام ما نیست اگر او را تو درگیری فنا نیست

خودی اندر خودی گنجد محال است! خودی را عین خود بودن کمال است!

*

① محبت کیا ہے؟ (محبت) مقامات کو گرہ میں باندھنا ہے + محبت کیا ہے؟ (محبت) نہایات سے گزر جانا ہے مراد ہے محبت راہ سلوک کی منزلیں طے کر کے حجرۂ یار تک پہنچنے کا نام ہے یہ منزلیں وہ ہیں جو ہر راہی کو ریاضت' مجاہدہ' مراقبہ وغیرہ کے سفر کے دوران ملتی ہیں۔ جن کو طے کرتے ہوئے سالک سلوک کی آخری منزل پر یعنی منزل دیدار یار پر پہنچتا ہے اور محبت حدود زمان و مکاں سے گزر کر آنسوئے افلاک پہن کر وصال دوست کا نام ہے۔

② محبت انجام کا ذوق نہیں رکھتی (کہ آخر وہ کہیں جا کر ختم ہو جائے بلکہ یہ ایک مسلسل طلب اور تڑپ کا ذوق لئے ہوئے ہوتی ہے) + اس کی صبح کا طلوع کوئی شام نہیں رکھتا یعنی محبت اول و آخر زندہ و پائندہ ہوتی ہے کوئی شے یا کوئی منزل اس کا انجام نہیں وہ عین حضور میں پہنچ کر بھی مضطرب رہتی ہے۔ اگر اضطراب کی صفت اس میں سے ختم ہو جائے اور وصل حبیب اس کو مطمئن اور پر سکون کر دے تو پھر وہ محبت نہیں رہتی۔

③ اس کے راستے میں خرد کی طرح بل اور خم ہیں (مراد ہے سالک یا محبت کے راستے میں بہت سے پیچیدہ اور دشوار مرحلے آتے ہیں خرد ان سے گھبرا کر سفر ترک کر دیتی ہے لیکن محبت جواں مردوں کی طرح آگے بڑھتی رہتی ہے) + اس کے یعنی محبت کے ایک دم کے فروغ یعنی تجلی میں ایک جہان ہوتا ہے یعنی ہر منزل پر طرح طرح کے پڑاؤ اور قسم قسم کے راستوں کے نشانات ہوتے ہیں جن کو محبت بے باکی سے طے کرتی جاتی ہے)۔

④ ہمارے (سلوک محبت کے) راستے میں ہزاروں جہان آتے ہیں + ہماری تگ و دو یا سفر کا میدان (جو حد نہیں رکھتا) کیسے ختم ہوگا یا طے ہوگا (کیونکہ یہ بے کنارو بے حد ہے)۔

⑤ اے مسافر ہمیشہ زندہ رہ اور ہمیشہ مر + جو جہان بھی سامنے آئے اسے مسخر کر لے (پہلے مصرع کے دو مضامین یعنی ہمیشہ زندہ رہنے اور ہمیشہ مرنے میں بظاہر حیران کن تضاد ہے۔ یہ تضاد اس کے لغوی معنوں کی بنا پر ہیں لیکن تصوف کی اصطلاح میں جب ہم مرنے جینے کا مفہوم پالیں گے تو یہ تضاد رفع ہو جائے گا۔ ہمیشہ کے جینے کی بات تو عام فہم ہے کہ خود کو صفات خداوندی کا مظہر بنا کر دوام اختیار کر لینا اور ہمیشہ کا مرنا خود کو اللہ میں فنا کر دینا ہے اور اس طرح قطرے کو دریا بنا دینا ہے۔ اس سے مراد موتو قبل انتمو تو (مرنے سے پہلے مر جانے) سے بھی ہے جو تصوف کی ایک اہم اصطلاح ہے۔

⑥ اس کے سمندر میں گم ہو جانا ہمارا انجام نہیں ہے یعنی قطرے کو سمندر میں گم کر دینا یہ ہماری زندگی کا مقصد نہیں ہے اس سے تو قطرے کا وجود ختم ہو جاتا ہے + ہاں اگر تو سمندر کو خود میں لے لے تو یہ فنا نہیں ہے بقا ہے مراد ہے خودی کا کمال یہ نہیں کہ وہ خود کو کسی اور کی خودی میں ضم کر دے یا جذب کر دے بلکہ کمال یہ ہے کہ خود قائم رہے اور اس کو اپنے اندر سمو لے۔

⑦ خودی خودی میں سما جائے یہ مشکل ہے + خودی کا کمال اپنا عین ہونے یعنی اپنے ظہور میں ہے۔

پہلے اور دوسرے بند کا خلاصہ

چونکہ دوئی کہیں نہیں ہے اس لئے قدیم اور حادث میں حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تعین کے لحاظ سے فرق ہے کیونکہ ہر حادث قدیم ہی کی صفات کی جلوہ گری رکھتا ہے۔ خدا نے اپنے جمال کے مشاہدے کے لئے یہ اپنا غیر یعنی کائنات کا آئینہ پیدا کیا ہے اس لئے خودی کا عرفان خدا کا عرفان ہے۔ اس صاحب جمال کو انائے مطلق اور جس میں اس جمال کا ظہور ہے وہ انائے مقید کہلاتی ہے انائے مقید چونکہ انائے مطلق ہی کا پرتو ہے اس لئے وہ اپنے اصل کو دیکھنے کے لئے بے تاب رہتی ہے اور منزل بہ منزل دیدار یار کی منزل پر پہنچ جاتی ہے مگر اس طرح کہ خود اس میں گم نہیں ہوتی بلکہ سمندر میں موج کی طرح اس سے الگ بھی رہتی ہے اور اس میں شامل بھی ہوتی ہے۔

سوال ⑤

کہ من باشم مرا از "من" خبر کن   چہ معنی دارد "اندر خود سفر کن"؟

*

① میں کون ہوں مجھے "من" سے خبر کر (کہ "من" کیا ہے) + "اپنے اندر سفر کر" کے کیا معنی ہیں۔

جواب

خودی تعویذ حفظ کائنات است   نخستیں پرتو ذاتش حیات است
حیات از خواب خوش بیدار گردد   درونش چوں یکی بسیار گردد
نہ او را بے نمود ما کشودے   نہ ما را بے کشود او نمودے
ضمیرش بحر ناپیدا کنارے   دل ہر قطرہ موج بیقرارے
سر و برگ شکیبائی ندارد   بجز افراد پیدائی ندارد
حیات آتش خودی ہا چوں شررہا   چو انجم ثابت و اندر سفرہا
ز خود نارفتہ بیروں غیر بین است   میان انجمن خلوت نشین است
یکے بنگر بخود پیچیدن او   ز خاک بے سپہر بالیدن او
نہاں از دیدہ ہا [illegible] ہائے و ہوئے   دمادم جستجوئے رنگ و بوئے
ز سوز اندروں در جست و خیز است   بآئینے کہ با خود در ستیز است
جہاں را از ستیز او نظامے   کف خاک از ستیز آئینہ فامے
نریزد جز خودی از پرتو او   نخیزد جز گہر اندر زو او!
خودی را پیکر خاکی حجاب است   طلوع او مثال آفتاب است
درون سینہ ما خاور او   فروغ خاک ما از جوہر او

تو می گوئی مرا از 'من' خبر کن — چہ معنی دارد 'اندر خود سفر کن'؟
ترا گفتم کہ ربط جان و تن چیست — سفر در خود کن و بنگر کہ 'من' چیست
سفر در خویش؟ زادن بے اب و مام — ثریا را گرفتن از لب بام
ابد بردن بیک دم اضطرابے — تماشا بے شعاع آفتابے
ستردن نقش ہر امید و بیمے — زدن چاکے بدریا چوں کلیمے
شکستن ایں طلسم بحر و بر را — ز انگشتے شگافیدن قمر را
چناں باز آمدن از لامکانش — درون سینہ او در کف جہانش
ولے ایں راز را گفتن محال است — کہ دیدن شیشہ و گفتن سفال است
چہ گویم از 'من' و از توش و تابش — کند انا عرضنا بے نقابش
فلک را لرزہ بر تن از فر او — زمان و ہم مکاں اندر بر او
نشیمن را دل آدم نہاد است — نصیب مشت خاکے او فتاد است
جدا از غیر و ہم وابستہ غیر — گم اندر خویش و ہم پیوستہ غیر
خیال اندر کف خاکے چسان است؟ — کہ سیرش بے مکان و بے زمان است!
بزندان است و آزاد است! ایں چیست؟ — کمند و صید و صیاد است! ایں چیست؟
چراغے درمیان سینہ تست — چہ نور است ایں کہ در آئینہ تست؟
مشو غافل کہ تو او را امینی — چہ نادانی کہ سوے خود نہ بینی!

*

① خودی یہاں مراد ہے خدا کی خودی کائنات کی حفاظت کا تعویز ہے + اس کی ذات کا پہلا پرتو حیات ہے یعنی خدا نے جب پہلی تجلی فرمائی تو وہ اس مقام پر جلوہ گر ہوا جسے حکما تعین اول کہتے ہیں۔ یعنی ذات میں جب شوق تجلی پیدا ہوا تو اس وقت وہ تن تنہا تھا حتی کہ اس کی صفات بھی اسی میں گم تھیں کیونکہ ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا تھا جب اس کے جی میں یہ آئی کہ اس کی معرفت حاصل کرنے والا بھی کوئی ہو تو اس نے اپنی صفات کی تجلی کی یعنی وہ سب سے پہلے اپنی صفات کے آئینہ میں جلوہ گر ہوا۔ صفات کا یہ آئینہ جس میں اس نے سب سے پہلے اپنا تماشا کیا آئینہ نور محمدیؐ تھا یعنی ذات نے سب سے پہلے خود کو نور محمدیؐ میں ظاہر کیا اور نہ جانے اسی میں کب تک اپنا تماشائی رہا اور پھر اس نور محمدیؐ سے کائنات اور اس کی ہر شے تخلیق کی۔

② حیات میٹھی نیند سے بیدار ہوئی + تو اس کے اندر کی اکائی بسیار کی شکل میں آگئی یعنی وحدت نے اپنے ظہور کے اعتبار سے کثرت کا روپ دھار لیا اور وہ ہر شے میں نمودار ہو گئی۔

③ نہ اس کا ہماری نمود کے بغیر کشود ہو سکتا ہے اور نہ ہماری اس کی کشود کے بغیر نمود ہو سکتی ہے مراد ہے انائے مطلق اور انائے مقید دونوں ایک دوسرے کے لئے لازمی ہیں یعنی ہم نہ ہوں تو اس کا ظہور نہیں ہو سکتا اور وہ نہ ہو تو ہمارا وجود نہیں ہو سکتا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے ضروری ہونے کے باوجود تاج صرف ہم ہیں کیونکہ وہ ہو تو ہم موجود ہوں لیکن اس کو ہماری احتیاج نہیں ہم نہ بھی ہوں تو اس کا وجود گا۔

④ اس کا ضمیر ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں + اس سمندر کے ہر قطرہ کا دل ایک بے قرار موج ہے مراد ہے قطرہ (انائے مقید) بحر (انائے مطلق) سے جدا نہیں چونکہ ہر قطرہ اسی بحر کا ہے اس لئے موج در آغوش ہے مراد ہے ذات کی صفات کا جلوہ لئے ہوئے ہے۔

⑤ یہ صبر و قرار کا حوصلہ نہیں رکھتی (ہر وقت ظہور کے لئے بے تاب رہتی ہے) + یہ افراد کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی مطلب ہے کہ حیات باالصفات اپنی کشود کے لئے ہر وقت بے قرار رہتی ہے اور وہ دمادم مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔ اور اکائی سے کثرت میں آتی رہتی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ خود تقسیم ہو کر ہو جاتی ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ مختلف اشیا میں جلوہ گر ہو کر اپنے تعین کے اعتبار سے کثیر ہو جاتی ہے۔ اسی کو صوفیا کثرت میں وحدت کہتے ہیں۔

⑥ حیات آگ ہے اور (مختلف اشیا کی جو) خودیاں ہیں وہ شراروں کی مانند ہیں + (حیات) ستاروں کی طرح ساکن ہے (لیکن پھر بھی) سفروں میں ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ حیات جو ذات باالصفات ہے وہ تو آگ کی طرح ہے اور مختلف اشیا میں اس کی جلوہ گری شراروں کی مانند ہے۔ شرارے آگ سے جدا نہیں ہوتے۔ صفات بھی ذات سے الگ نہیں ہیں وہ ہر شے میں جلوہ گر ہیں۔ حیات اپنی ذات میں ساکن ہے لیکن جب اشیا میں آتی ہے تو سفری ہو جاتی ہے۔

⑦ (حیات) اپنے مقام پر برقرار رہ کر دوسروں کو دیکھ رہی ہے یعنی تعینات میں محدود ہو کر مصروف عمل ہے + انجمن میں ہوتے ہوئے وہ خلوت نشین ہے یعنی اگرچہ وہ جملہ اشیا میں موجود ہے لیکن جملہ اشیا سے الگ ہے۔

⑧ ایک دفعہ اس کا خود سے لپٹنا دیکھ + پاؤں میں مسلی ہوئی مٹی سے اس کا باہر آنا دیکھ۔ یعنی حیات ہر وقت اپنی نمود کے لئے بے قرار رہتی ہے اور عامیانہ سے عامیانہ اشیا میں بھی جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔ ہر شے خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ حیات ہی کے ظہور کا کرشمہ وجودی ہے۔ حیات کو تو اپنے ظہور سے غرض ہے شے چاہے کوئی کیوں نہ ہو۔

⑨ (حیات اگرچہ) ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے لیکن (ہر جگہ) اس کا شور یا اس کا ہنگامہ موجود ہے (ہم اشیا کی موجودگی سے حیات کے موجود ہونے کا سراغ لگا سکتے ہیں) + (حیات کو قرار نہیں) یہ ہر لحہ اپنی نمود کے لئے رنگ و بو کی تلاش میں رہتی ہے۔

⑩ اپنے اندر کے سوز کی وجہ سے یہ تلاش اور عمل میں لگی رہتی ہے + اس انداز سے کہ جس انداز سے وہ خود سے بھی مصروف جنگ رہتی ہے خود سے مصروف جنگ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ سے نمود کا تقاضا کرتی رہتی ہے اور ہر وقت اس نمود کے یا خود کو ظاہر کرنے کے عمل میں وہ مصروف رہتی ہے۔

(11) جہان کا نظام اس کی جنگ کی وجہ سے ہے + مٹی کی مٹھی اس کی جنگ کی وجہ سے آئینہ فام (آئینہ کی صورت یا رنگ کی) ہو جاتی ہے یعنی آدمی بھی اس کی تگ و دو کی وجہ سے پر نور ہو جاتا ہے۔

(12) اس کے عکس سے یا نور سے خودی کے سوا کچھ نہیں ٹپکتا + اس کے دریا سے موتی کے سوا کچھ نہیں ابھرتا۔ مراد ہے انائے مطلق بجود و پیچیدن کے عمل سے پہلے حیات میں ظہور کرتی ہے اور پھر اس حیات کے ذریعہ جملہ اشیا میں ظاہر ہوتی ہے۔

(13) خودی کے لئے مٹی کا جسم حجاب ہے + اس کا طلوع سورج کی مثل ہوتا ہے شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ آدم خاکی کے اندر خودی بدرجہ اتم جلوہ گر ہوتی ہے۔ اگر اس پیکر خاکی کے پردہ کو کسی طرح ہٹا دیا جائے تو اس تعین میں خودی کی جلوہ گری صاف نظر آئے گی یہاں خودی سے مراد خود خدا کی جلوہ گری سے ہے یہ وہ آفتاب ہے جو ہمارے سینوں سے طلوع کرتا ہے یعنی جو ہمیں روشن کئے ہوئے ہے اگر یہ آفتاب نہ ہوتا تو ہم بھی نہ ہوتے۔

(14) ہمارے سینے میں اس کا سورج ہے + ہماری مٹی کی تابناکی اس جوہر کے سبب ہے (یہ سورج ذات مطلق کا ہے صفاتی رنگ میں)۔

(15) تو یہ کہتا ہے کہ مجھے "من" سے خبر کر (کہ یہ کیا ہے) + (تو مجھ سے یہ پوچھتا ہے کہ) اپنے اندر سفر کرنے کا کیا مطلب ہے۔

(16) میں نے تجھے بتایا تھا کہ جان اور تن میں کیا ربط ہے + (اس ربط کی تفہیم کے بعد اپنے اندر سفر کر اور دیکھ کہ "من" کیا ہے (تجھے معلوم ہو جائے گا کہ "من" انائے مطلق کی ہی تعیناتی صورت کا نام ہے)

(17) خود میں سفر کرنا کیا ہے؟ (اس سوال کا جواب یہ ہے کہ) بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہونا "سفر در خویش" ہے + ثریا ستاروں کے جھرمٹ کو (جو آسمان کی بلندی پر ہے) آسمان کی چھت سے پکڑ لینا ہے (ایک پیدائش تو وہ ہے جو آدمی کی ماں کے پیٹ سے ہوتی ہے ایک پیدائش ماں کے پیٹ سے آنے کے بعد بھی ہوتی ہے اور وہ ہے خود کو انائے مطلق کے جلوہ کی آماجگاہ بنا کر ایک نئی صورت عطا کر دینا خود کو مٹی سے سونا بنا دینا خود کو عام آدمی سے بلند کر کے یا یوں کہہ لیں کہ تبدیل کر کے مصور کا شاہکار نقش بنا دینا خود کو خلیفۃ الارض کے مقام تک پہنچا دینا ایسا خود میں ڈوب کر اپنی حقیقت کو پا لینے کے بعد ہو گا۔ مشاہدہ نفس کے یا اپنی معرفت حاصل کرنے کے بعد ہو گا اور جب یہ مقام حاصل ہو جائے گا تو کائنات کی ہر شے تیرے تابع ہو جائے گی چاہے وہ ثریا ستاروں جیسی دور اور بلندی پر کیوں نہ ہو)

(18) ایک دم میں اضطراب کو ہمیشہ کے لئے لے جانا + آفتاب کی شعاع کے بغیر تماشا کرنا مراد یہ ہے کہ آدمی کا ابدی زندگی پا لینا اور ایسی صلاحیتیں حاصل کر لینا کہ سورج کی روشنی نہ بھی ہو تو بھی کائنات کی اشیا کا تماشا کرنا۔

(19) ہر امید اور خوف کے نقش کو مٹا دینا + اور حضرت موسیٰ کی طرح دریا کو پھاڑ دینا۔

(20) اس بحر و بر (خشکی و تری) کے جادو کو توڑ دینا + انگلی سے چاند میں شگاف ڈال دینا (جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ؐ نے کیا)۔

(21) اس کے یعنی خدا کے جہان لامکاں سے اس طرح واپس آنا + کہ سینہ میں تو وہ ہو اور ہتھیلی پر جہان ہو (اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کے سفر معراج کی طرف اشارہ ہے۔ معراج کے جملہ اسرار و رموز کا بیان نہ خدا نے اور نہ خدا کے رسول ؐ نے کیا ہے کیونکہ یہ نہ تو بیان میں آ سکتے ہیں اور نہ سب کے لئے ہیں۔ سورۃ والنجم میں باری تعالیٰ نے اشارتاً " صرف اتنا کہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر وحی کی جو وحی کی۔ اس لئے علامہ نے جو کچھ کیا ہے اس پر بھی اس سے زیادہ بات نہیں کی جا سکتی۔ سینہ میں خدا کا ہونا اور کف پر جہان کا ہونا کیسے ہے یہ اللہ جانتا ہے یا اللہ کا رسول ؐ جانتا ہے۔ اگلے شعر میں شاعر نے خود ہی اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

(22) لیکن اس راز کا کہنا یا کھولنا مشکل ہے + (یہ ایسا ہی ہے) کہ شیشے کو دیکھنا اور کہنا یہ کہ یہ تو سفال یعنی ٹھیکرا ہے (حقیقت کو بیان کرنا کچھ ایسا ہی ہے۔ اس کو لفظی تعارف سے الجھانا ہے سلجھانا نہیں)۔

(23) میں "من" اور اس کی طاقت اور تجلی کے بارے میں کیا کہوں (کیونکہ اس کا لفظوں میں بیان مشکل ہے صرف اتنا کہوں گا کہ) + اس کو آیت قرآنی قاعو ضا (ضرور) بے نقاب کرتی ہے۔ (قرآن کی سورۃ 33 کی آیت 72 کہتی ہے کہ "ہم نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر امانت پیش فرمائی انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے آدمی نے اس کو اٹھالیا"۔ اس بار امانت کو صوفیا نے عشق الٰہی کہا ہے جو سوائے دل انسانی کے اور کوئی نہیں اٹھا سکتا۔

(24) اس کے یعنی "من" کی شوکت سے آسمان کے بدن پر لرزہ طاری ہے + زمان بھی اور مکان بھی اس کے پہلو میں ہیں۔

(25) اس کے آشیانے کے لئے آدم کا دل بنیاد ہے + (اور وہ دل صرف) مٹی کی مٹھی یعنی آدمی ہی کو نصیب ہوا ہے (یہی وجہ تھی کہ آدمی نے عشق الٰہی کے بوجھ کو اٹھالیا جب کہ دوسری ہر مخلوق دل کی نعمت سے محروم تھی وہ کیسے اٹھالیتی)۔

(26) یہ غیر سے جدا بھی ہے اور غیر سے وابستہ بھی ہے + یہ اپنے اندر گم بھی ہے اور غیر سے پیوست بھی ہے یعنی متعلق بھی ہے (ہر شے سے الگ بھی ہے اور ہر شے میں موجود بھی ہے)۔

(27) کف خاک یعنی آدمی میں خیال کیا شے ہے + کہ اس کی سیر زمان و مکان کی قیود کے بغیر ہے (وہ جہاں چاہے اور جیسے چاہے جا سکتا ہے)۔

(28) وہ قید خانے میں ہے اور پھر بھی آزاد ہے یہ کیا ہے؟ + وہی کمند' وہی شکار اور وہی شکاری ہے یہ کیا ہے؟

(29) یہ تیرے سینے کے درمیان ایک چراغ ہے + یہ کیا نور ہے جو تیرے آئینے میں ہے۔

(30) تو غافل نہ ہو کہ تو اس کا امین ہے + تو کیسا ناداں ہے کہ اپنی طرف نہیں دیکھتا (حالانکہ تیرے اندر اتنی قیمتی چیز ہے)۔

خلاصہ

اس میں خودی کی من کی اور اپنے اندر سفر کی بات کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ وجود مطلق تعین میں آکر جب قابل اشارہ ہو جاتا ہے تو اسے "من" کہتے ہیں خودی بھی اسی کا دوسرا نام ہے اور اس سے تعارف اپنے اندر سفر کرنے سے ہوتا ہے اور اپنے اندر سفر کرنا ماں باپ کے بغیر دوبارہ پیدا ہونا ہے یعنی اپنی اندرونی طاقتوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ایک نیا آدمی بنتا ہے اور ان طاقتوں سے زمان و مکاں کو مسخر کرتا ہے۔

سوال ⑥

چہ جزو است آنکہ او از کل فزون است؟ طریق جستن آں جزو چون است؟

① وہ کیا جز ہے کہ جو کل سے بڑھ کر ہے + اس جز کے تلاش کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب

پہلا بند

خودی ز اندازہ‌ہاے ما فزون است — خودی زاں کل کہ تو بینی فزون است
ز گردوں بار بار افتد کہ خیزد — بہ بحر روزگار افتد کہ خیزد
جز او در زیر گردوں خود نگر کیست؟ — بہ بے بالی چناں پروازگر کیست؟
بہ ظلمت ماندہ و نورے در آغوش! — بروں از جنت و حورے در آغوش!
بآں نقطے دل آویزے کہ دارد — ز قعر زندگی گوہر بر آرد
ضمیر زندگانی جاودانی است — بچشم ظاہرش بینی' زمانی است
بتقدیرش مقام ہست و بود است — نمود خویش و حفظ ایں نمود است
چہ می پرسی چہ گون است و چہ گوں نیست — کہ تقدیر از نہاد او بروں نیست
چہ گویم از چگون و بے چگونش — بروں مجبور و مختار اندرونش
چنیں فرمودۂ سلطان بدر است — کہ ایمان درمیان جبر و قدر است
تو ہر مخلوق را مجبور گوئی — اسیر بند نزد و دور گوئی
ولے جاں از دم جاں آفرین است — بچندیں جلوہا خلوت نشیں است
ز جبر او حدیثے درمیاں نیست — کہ جاں بے فطرت آزاد جاں نیست
شبیخوں بر جہان کیف و کم زد — ز مجبوری بمختاری قدم زد

٭

(1) ہمارے اندازوں سے خودی بڑھ کر ہے + وہ کل جسے تو دیکھتا ہے اس سے خودی بڑی ہے (کل جسے ہم دیکھتے ہیں وہ کائنات ہے۔ خودی کو ہم اس کائنات میں ایک نقطہ سا خیال کرتے ہیں۔ ہم عامیوں کے نزدیک ایسا ہی ہے لیکن اہل نظر و دل دیکھتے ہیں کہ خودی کے مقابل میں عالم اصغر ہے اور خودی اکبر ہے)

(2) یہ یعنی خودی آسمان سے بار بار نیچے گرتی ہے تاکہ ابھرے + یہ زمانے کے سمندر میں گرتی ہے تاکہ ابھرے مراد یہ ہے کہ خودی ایک بلندی کی چیز ہے لیکن یہ انسانی جسم میں آکر مقید ہو جاتی ہے اس لئے قید ہو جاتی ہے تاکہ وہ جدوجہد سے اس قید خانہ سے آزادی حاصل کرے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے خودی ایجاد غیر سے نمو پاتی ہے۔ اپنے غیر سے متصادم ہونے سے اپنی صلاحیتوں کی نمود چاہتی ہے اور کرتی ہے۔

(3) آسمان کے نیچے یعنی عالم زمان و مکاں میں خود کو دیکھنے والی یا اپنی معرفت حاصل کرنے والی اس کے سوا اور کون سی شے ہے + اس کے اگرچہ بازو نہیں ہیں لیکن اس جیسا پرواز کرنے والا اور کون ہے مراد ہے شعور ذات سوائے انسانی خودی کے کسی کو نہیں ہے۔

(4) اگرچہ وہ ظلمت میں یعنی انسان کے مٹی کے جسم کے اندر رہتی ہے لیکن اپنی آغوش میں نور رکھتی ہے (وہ خود نورانی ہے خاکی یا ظلماتی نہیں ہے) + (اس کی مثال ایسی ہے جیسی کہ) وہ خود تو جنت سے باہر ہو لیکن اپنے پہلو میں حور لئے ہوئے ہو۔

(5) وہ دل کو لبھانے والی نطق یعنی قوت گویائی جو وہ رکھتی ہے + اس سے وہ زندگی (کے سمندر) کی گہرائی سے (اسرار و رموز) کے موتی نکال لاتی ہے یہاں نطق سے مراد صرف بولنا نہیں ہے جس کی بنا پر آدمی حیوان ناطق (بولنے والا حیوان) کہلاتا ہے بلکہ کلیات کا درک کرنے والی طاقت ہے جسے منطق والے مدرک کلیات کہتے ہیں جو ہر آدمی کا خاصہ نہیں ہے ہر آدمی صرف گویا ہے کلیات کا درک کرنے والا نہیں اس کی خودی اس کی مدرک ضرور ہے۔ اگر کوئی خودی آشنا ہو جاتا ہے تو وہ بھی کلیات کا مدرک ہو جاتا ہے اور وہ بھی اپنی خودی کی طرح حقائق علمیہ بیان کر سکتا ہے۔

(6) زندگی کی ضمیر ہمیشہ رہنے والی ہے + اگر تو ظاہری آنکھ سے دیکھے گا تو یہ زمانی یعنی لمحاتی اور عارضی ہے مراد ہے کہ انائے مقید ہمیں عارضی اور زمانی دکھائی دیتی ہے ظاہری آنکھ میں وہ ضرور ایسی نظر آتی ہے کیونکہ جو شے بھی زمانے سے تعلق رکھے گی وہ زمانے کی طرح تغیر و تبدل کے عمل سے گزرے گی ہمیشہ نہیں رہے گی لیکن جب اہل مشاہدہ اسے دیدۂ باطن سے دیکھتے ہیں تو اسے انائے مطلق کا پرتو پاتے ہیں اور مطلق انا چونکہ ہمیشہ رہنے والی ہے اس لئے انائے مقید (خودی) بھی دوامی ہے۔

(7) اس کی تقدیر میں یہ ہست و بود کا مقام ہے۔ ہست و بود سے مراد کائنات نہیں ہے بلکہ ماضی اور حال کے زمانے مراد ہیں جو خودی یا انائے مقید کی تقدیر یا اندازے ہیں + اپنی نمود اور پھر اس نمود کی حفاظت کرنا ہے مراد ہے انائے مقید زمانہ کے اندر رہ کر اپنی نمود چاہتی ہے اور نمود کرتی ہے اور اس قید زمانہ میں رہ کر اس نمود کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

(8) تو کیا پوچھتا ہے کہ وہ کس طرح کی ہے اور کس طرح کی نہیں ہے + کہ اس کی تقدیر اس کی سرشت یا ذات سے الگ نہیں ہے۔ یہ (باہر سے مسلط نہیں ہوتی وہ اس کی خود خالق ہے)۔

(9) میں اس کی ماہیت کے بارے میں کہ وہ کیسی ہے اور کیسی نہیں ہے کیا بتاؤں + (سوائے اس کے کہ) وہ خارج میں مجبور اور اندر سے مختار ہے (انائے مقید اگرچہ قید میں ہونے کی بنا پر مجبور دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت میں مختار ہے جو چاہے کر سکتی ہے وہ مجبور نہیں ہے)۔

(10) بدر کے بادشاہ کا یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ کا جنہوں نے مدینہ کے قریب بدر کے میدان میں کافروں کو پہلی شکست دے کر اسلام کی بنیاد رکھی تھی ایسا فرمان ہے یا ان کی یہ حدیث ہے کہ ایمان جبر اور قدر کے درمیان ہے مراد ہے کہ آدمی نہ مکمل طور پر بااختیار ہے کہ جو چاہے کرلے اور نہ مکمل طور پر مجبور ہے کہ کچھ نہ کر سکے۔ انسانی خودی بھی مجبور ہونے کے باوجود بہت سے معاملات میں بااختیار ہے وہ مجبور اس لئے ہے کہ جسم آدمی کے اندر ہے اور مختار اس اعتبار سے ہے کہ اس جسم خاکی کی ظلمت میں وہ نور والی اور نور پھیلانے والی بن سکتی ہے بلکہ خودی اگر اپنا مقام پالے تو مختار ہی ہوتی ہے۔

(11) تو ہر مخلوق کو مجبور کہتا ہے + نزدیک و دور یعنی زمان و مکاں کی قیود میں مقید سمجھتا ہے۔

(12) لیکن جان (یعنی روح) روح پیدا کرنے والے کے دم سے ہے (کیونکہ اس نے خود کہا ہے کہ جب میں نے آدم کو بنا لیا تو اس میں اپنی روح پھونک دی اس لئے جب جان آفریں کی جان آدمی میں ہو تو اس

جان کو بھی فنا نہیں ہے) + یہ جان اتنے جلووں کے باوجود خلوت نشین ہے (پوشیدہ ہے) یعنی جان کے آثار ہر جسم سے ظاہر ہیں لیکن جان کو دیکھ کوئی نہیں سکتا (یہاں یہ یاد رہے کہ وہ جان جو جسم کو زندگی دیتی ہے وہ اور ہے یہ وہ جان ہے جس کے بدن سے نکل جانے کے بعد جسم مرجاتا ہے۔ یہ حیوانی جان ہے جو ہر ذی جان میں ہوتی ہے وہ عناصر کی ایک خاص ترکیب سے پیدا ہوتی ہے اور اس ترکیب میں خلل آنے پر ختم ہو جاتی ہے یہاں جس جان کا ذکر ہو رہا ہے وہ اس جان حیوانی سے الگ شے ہے۔ اسے روح کہتے ہیں۔ روح نہیں مرتی کیونکہ یہ **نفخت فیہ من روحی** کا عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اپنی پھونکی ہوئی روح ہے۔

(13) (جب ہم جبر کی بات کرتے ہیں تو) اس کے یعنی روح کے جبر کی بات درمیان میں نہیں ہوتی + کیونکہ جان آزاد فطرت کے بغیر جان نہیں ہے۔

(14) اس نے کیف و کم کے جہان پر یعنی اس مادی اور زمان و مکان والے جہان پر بے خبری میں حملہ کیا + (اور اس طرح) مجبوری سے مختاری کی جانب قدم رکھا مراد یہ ہے کہ اگر جان یا روح یا خودی بھی دوسری مخلوقات کی طرح مجبور ہو اور اس میں اختیار کی جبلت نہ ہو تو پھر اس میں اور مٹی، پتھر، جانور وغیرہ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ خودی نے ان مجبور عالموں کو تسخیر کیا ہوا ہے اور درجہ اختیار پر فائز ہے۔ وہ جبر سے نکل کر اختیار کی دنیا میں ہے اسی لئے تو اس میں ہر شے کی تسخیر کی قوت ہوتی ہے وہ مجبور ہو تو یہ کام کیسے کر سکے۔

پہلے بند کا خلاصہ

اس بند میں خودی کی ماہیت بیان کی گئی ہے اور یہ جتایا گیا ہے کہ دوسری اشیا کی طرح وہ مجبور نہیں اور اس ضمن میں جبر و اختیار کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا بند

چو از خود گرد مجبوری فشاند جہان خویش را چوں ناقہ راند
نگردد آسماں بے رخصت او نہ تابد اخترے بے شفقت او
کند بے پردہ روزے مضمرش را بچشم خویش بیند جوہرش را
قطار نوریاں در رہگذار است پے دیدار او در انتظار است
شراب افرشتہ از تاکش بگیرد عیار خویش از خاکش بگیرد

*

① خودی جب اپنے آپ سے مجبوری کی گرد جھاڑ دیتی ہے یعنی مقام اختیار حاصل کر لیتی ہے + تو اپنے جہان کی اونٹنی کو خود ہانکتی ہے (وہ کسی کی محتاج نہیں رہتی)۔

② اس کی اجازت کے بغیر آسمان (بھی) نہیں گھومتا + اس کی مہربانی کے بغیر ستارہ (بھی) نہیں چمکتا۔

③ اس کے پوشیدہ دن کو بے پردہ کر دیتی ہے یعنی زمانے کے پردہ میں جو کچھ ہے اس کا خودی پر ظہور ہو جاتا ہے + وہ اس کے یعنی زمانے کے یا جہان کے جوہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے (اس پر حقیقت جہان منکشف ہو جاتی ہے وہ اس کے باطن کا مشاہدہ کر لیتی ہے)۔

④ فرشتوں کی قطاریں اس کی راہ میں ہیں + وہ اس کے دیدار کے منتظر ہیں۔ (صاحب خودی فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور فرشتے اس کے دیدار کے خواہاں ہوتے ہیں)۔

⑤ فرشتہ اس کی انگور کی بیل سے شراب لیتا ہے + (اور) اپنی قیمت اس کی خاک سے حاصل کرتا ہے (فرشتہ ہر طرح سے صاحب خودی کا فرماں بردار اور اس کا مشتاق بن جاتا ہے)۔

دوسرے بند کا خلاصہ

اس بند میں خودی کی طاقت کے متعلق بتایا گیا ہے اور صاحب خودی کے اختیارات کی بات کی گئی ہے۔

تیسرا بند

چہ پرسی از طریق جستجویش
فرو آرد مقام ہاے و ہویش
شب و روزے کہ داری بر ابد زن
فغان **صبحگاہے** بر خرد زن
خرد را از حواس آید متاعے
فغاں از عشق می گیرد شعاعے
خرد جز را فغاں کل را بگیرد
خرد میرد فغاں ہرگز نمیرد
خرد بہر ابد ظرفے ندارد
نفس چوں سوزن ساعت شمارد
ترا شد روزہا شب ہا سحرہا
نگیرد شعلہ و چیند شررہا
فغان عاشقاں انجام کارے است
نہاں در یک دم او روزگارے است

*

① تو اس کے تلاش کرنے کے طریقے کے متعلق کیا پوچھتا ہے + وہ اس کے ہائے و ہو کے مقام کو یعنی عشق کے مقام کو اپنے اندر لے لیتا ہے یعنی سمو لیتا ہے۔

② وہ رات اور دن جو تو رکھتا ہے یعنی تیرا وہ زمانہ جو حالت عشق میں گزرتا ہے اسے ابدی کر لے (ابد زمانے کی اس انتہا کو کہتے ہیں جس کی انتہا کا کچھ علم نہیں) + تو اپنی صبح کی فریاد کو یعنی اپنے عشق کو عقل پر لگا یعنی عقل کی بجائے عشق کی پیروی کر۔

③ خرد حواس سے دولت حاصل کرتی ہے یعنی وہ حواس خمسہ کی بنیاد پر اپنی عمارت تعمیر کرتی ہے + (جب کہ) فغاں عشق سے روشنی حاصل کرتی ہے (اس لئے فغاں بھی عشق ہی ہے)۔

④ خرد جز کو اور فغاں کل کو قابو کرتی ہے + خرد مر جاتی ہے فغاں ہرگز نہیں مرتی۔

⑤ خرد ابد کو اپنے میں سمونے کا ظرف نہیں رکھتی + (خرد تو اپنے) سانس کو گھڑی کی سوئی کی مانند شمار

کرتی ہے یعنی وہ تو زمانے کے ظاہری رخ سے وابستہ ہے جب کہ عشق اس کے باطنی رخ سے جو سال وماہ کی تقسیم سے آزاد ہے۔

⑥ (عشق) اپنے دن، اپنی راتیں اور اپنی صبحیں خود پیدا کرتا ہے (وہ زمانے کی صبح اور شام کا پابند نہیں) + وہ شعلہ کو نہیں لیتا (پھر بھی) چنگاریاں چنتا ہے یعنی زمانے کا پابند نہیں لیکن زمانہ ساز ہے۔ زمانے پر عبور رکھتا ہے اپنا جہان آپ پیدا کرتا ہے۔

⑦ عاشقوں کی فریاد انجام کو پہنچنے والی ہے (اسے سنا جاتا ہے وہ اپنے نتیجہ کو پاتی ہے یعنی عشق نتیجہ خیز ہوتا ہے عقل کی طرح بے نتیجہ نہیں رہتا) + (عشق کے) ایک دم کے اندر زمانہ چھپا ہوا ہوتا ہے (عشق زمانے کا نہیں زمانہ عشق کا محتاج ہے۔ عشق زمانے کے گھوڑے کا سوار ہوتا ہے جب کہ خرد پر زمانہ سوار ہوتا ہے۔ خرد فانی ہے اور عشق جاودانی ہے)۔

تیسرے بند کا خلاصہ

خودی کی جستجو کا طریقہ صرف ایک ہے اور وہ ہے عشق۔

چوتھا بند

خودی تا ممکناتش وا نماید
گرہ از اندرون خود کشاید

ازاں نورے کہ وا بیند نداری
تو او را فانی و آنی شماری

ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است
خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

ز مرگ دیگرے لرزد دل من
دل من جان من آب و گل من

ز کار عشق و مستی برفتادن
شرار خود بخاشاکے ندادن

بدست خود کفن بر خود بریدن
بچشم خویش مرگ خویش دیدن

ترا ایں مرگ ہر دم در کمین است
بترس از وے کہ مرگ ما ہمین است

کند گور تو اندر پیکر تو
نکیر و منکر او در بر تو

*

① اس لئے کہ خودی اپنے ممکنات کو پا سکے یعنی وہ یہ جان سکے کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہے اور اس کی کیا قوت ہے + وہ اپنے اندر کی گرہیں کھولتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر جو قابلیتیں، جو صلاحیتیں اور جو طاقتیں رکھی ہیں پہلے وہ ان کو پاتی ہے اور پھر ان سے جہان اور جہان والوں کے لئے کام لیتی ہے۔

② تو وہ نور نہیں رکھتا جس سے صاف طور پر دیکھا جا سکے + (اس لئے) تو اس کو یعنی خودی کو وقتی اور فانی شمار کرتا ہے۔

③ اس موت سے جو آیا کرتی ہے کیا ڈر ہے + خودی جب پختہ ہو جاتی ہے وہ موت سے پاک ہو جاتی ہے (اس کو موت نہیں)۔

④ میرا دل تو ایک اور موت سے ڈرتا ہے + (وہ موت) جس سے میرا دل ' میری جان اور میرا جسم تینوں (ڈرتے ہیں)۔

⑤ (یہ موت کیا ہے. جس سے میں ڈرتا ہوں یہ موت یہ ہے کہ) عشق اور مستی کے کام کو چھوڑ دینا + اپنے شرارے کو کسی تنکے پر نہ پھینکنا۔

⑥ اپنے ہاتھوں سے کفن خود پر چڑھانا یا پہننا + اپنی آنکھوں سے اپنی موت کو دیکھنا۔

⑦ یہ موت ہر وقت تیری گھات میں ہے + اس سے ڈر کہ ہماری موت یہی ہے۔

⑧ (اس موت کی ظاہری قبر نہیں ہوتی) یہ موت تیری قبر تیرے اندر ہی بناتی ہے + (قبر میں حساب کتاب لینے والے فرشتے) منکر اور نکیر بھی تیرے پہلو ہی میں ہوتے ہیں مراد یہ ہے کہ موت اس زندگی کو ہے جو بے عشق ہے جو خودی ناشناس ہے۔ اور یہ طبعی موت ہے جو ہر آدمی کو آتی ہے اور جس کے آنے کے بعد جسم کو مٹی میں دفنا دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک اور موت وہ موت ہے. جس میں آدمی زندہ ہوتے ہوئے مردہ ہوتا ہے وہ موت عشق نا آشنا اور خود نا آگاہ یا خدا ناپسند اور دنیا پسند شخص کی ہوتی ہے وہ زندہ جنازہ ہوتا ہے اس موت سے تو اصل موت بھی پناہ مانگتی ہے اور یہ موت خدا کی طرف سے نہیں آتی آدمی اس کے سامان خود پیدا کرتا ہے۔

چوتھے بند کا خلاصہ یہ ہے

عشق اور خودی کو موت نہیں خودی نا آشنا اور بے عشق شخص کی زندگی ہی موت ہے اسے اور کس موت کا انتظار ہے۔

سوال ⑦

مسافر چوں بود رہرو کدام است؟ کرا گویم کہ او مرد تمام است؟

*

① مسافر کیسا ہوتا ہے اور راستہ چلنے والا کون ہے + میں کسے کہوں کہ وہ مرد تمام ہے یعنی کامل مرد ہے۔

جواب

پہلا بند

اگر چشمے کشائی بر دل خویش درون سینہ بینی منزل خویش!
سفر اندر حضر کردن چنین است سفر از خود بخود کردن ہمین است

کسے اینجا نداند ما کجاییم — کہ در چشم مہ و اختر نیاییم
مجو پایاں کہ پایانے نداری — بپایاں تا رسی جانے نداری
نہ ما را پختہ پنداری کہ خامیم — بہر منزل تمام و ناتمامیم
بپایاں نارسیدن زندگانی است — سفر ما را حیات جاودانی است
ز ماہی تا بہ مہ جولاں گہ ما — مکان و ہم زماں گرد رہ ما
بخود پیچیم و بے تاب نمودیم — کہ ما موجیم و از قعر وجودیم
دمادم خویش را اندر کمیں باش — گریزاں از گماں سوئے یقیں باش
تب و تاب محبت را فنا نیست، — یقین و دید را نیز انتہا نیست
کمال زندگی دیدار ذات است — طریقش رستن از بند جہات است
چناں با ذات حق خلوت گزینی — ترا او بیند و او را تو بینی
منور شو ز نور "من یرانی" — مژہ برہم مزن تو خود نمائی
بخود محکم گذر اندر حضورش — مشو ناپید اندر بحر نورش
نصیب ذرہ کن آں اضطرابے — کہ تابد در حریم آفتابے
چناں در جلوہ یاری سوز — عیاں خود را نہاں او را برافروز
کسے کو "دید" عالم را امام است — من و تو ناتمامیم او تمام است!

*

(1) اگر تو اپنے دل پر آنکھ کھولے یعنی اسے دیکھے + تو اپنے سینے کے اندر اپنی منزل پائے گا۔

(2) حضر کے اندر سفر کرنا ایسا ہی ہے + خود سے خود کی طرف سفر کرنا اسی طرح کا ہے (حضر مقام کو کہتے ہیں اور سفر روانگی کو ــــ خارجی سفر میں ہر مسافر کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جانا پڑتا ہے اس روانہ ہونے کے عمل کو سفر اور روانہ ہونے والے کو مسافر کہتے ہیں یہ تو وہ سفر اور مسافر ہے جس سے ہر کوئی واقف ہے اور ہر کسی کو اس سے واسطہ پڑتا ہے لیکن ایک وہ سفر ہے جو بندے کے اندر ہوتا ہے اس سفر میں مسافر کو کہیں جانا نہیں پڑتا یہ مقام پر ٹھہراؤ کے باوجود سفر ہوتا ہے یہ اپنی طرف سے اپنی ہی جانب سفر ہوتا ہے۔ اسے صوفیا سفر در خویش بھی کہتے ہیں جو خارج میں نہیں آدمی کے باطن میں ہوتا ہے۔

(3) اس جگہ کوئی نہیں جانتا کہ ہم کیا ہیں + (کیونکہ) ہم تو چاند اور تاروں کی نظروں میں بھی نہیں آتے مراد ہے اہل نظر کے سوا ان مسافروں اور ان کے ٹھکانوں کو کوئی نہیں جانتا۔

(4) (سفر کی) حد تلاش نہ کر کیونکہ تو خود بے حد ہے (بے حد کے سفر کی بھی کوئی حد ہو سکتی ہے) + جب تک تو حد کو پہنچے گا تو خود نہیں ہو گا یعنی مقام فنا پالے گا وہ فنا جس میں بقا ہوتی ہے۔

(5) تو ہمیں پختہ نہ سمجھ کہ ہم ناقص ہیں + ہر منزل پر ہم تمام اور ناتمام ہیں یعنی جب ایک منزل کو پا لیتے ہیں تو دوسری منزل کی طرف رواں ہو جاتے ہیں اس لئے ہمیں منزل پر پہنچا ہوا پختہ مسافر خیال نہ کر ہم تو وہ مسافر ہیں جن کا سفر کبھی بھی تمام نہیں ہوتا۔

(6) حد کو نہ پہنچنا ہی زندگی ہے + سفر ہمارے لئے ہمیشہ کی زندگی ہے۔

(7) مچھلی سے لے کر چاند تک (زمین کی پستی سے لے کر آسمان کی بلندی تک) ہماری جدوجہد کا میدان ہے + زمان اور مکان بھی دونوں ہمارے راستے کی گرد ہیں۔

(8) ہم خود پر خودی کو لپیٹے ہیں اور نمود کی تاب کے بغیر ہیں مراد یہ ہے کہ خودی خدا ہی کا پر تو ہے اسے غیر سے کچھ لینا نہیں ہوتا + کیونکہ ہم موج ہیں اور وجود کے سمندر کی گہرائی سے ہیں (جس طرح موج سمندر ہی سے پیدا ہوتی ہے اور الگ نظر آنے کے باوجود سمندر ہی کا حصہ ہوتی ہے اسی طرح خودی بھی خدا ہی کا پر تو ہے انائے مقید میں انائے مطلق کی صفات و اسما کی جلوہ گری ہے اس لئے انائے مقید بھی انائے مطلق کی طرح بے حد و بے احتیاج ہے)۔

(9) ہر دم اپنے آپ کو شکار کرنے کے لئے گھات میں رہ + گماں سے بھاگتا ہوا یقین کی طرف ہو۔

(10) محبت کی تڑپ اور حرارت کو فنا نہیں ہے + یقین اور دید کی بھی انتہا نہیں ہے۔

(11) زندگی کا کمال ذات کا دیدار ہے + (اور اس دیدار کا) طریقہ جہات (طرفوں) یعنی زمان و مکان کی حدود کی قیود سے آزاد ہونا ہے۔

(12) تو ذات حق کی خلوت میں اس طرح بیٹھے + کہ تجھے وہ اور تو اسے دیکھے۔

(13) اس شعر میں حدیث **من رانی فی المنام فقد راء الحق** (جس نے مجھے خواب میں دیکھا گویا اس نے حق کو دیکھا) سے مضمون اخذ کیا گیا ہے۔ اے شخص تو خود کو حدیث من رانی کے نور سے منور کر اور اس طرح فنا فی الرسولؐ ہو کر دیدار ذات حق سے روشن ہو جا + (یہ مقام بڑا نازک ہے یہاں) نگاہ کو الٹ پلٹ نہ کر (کیونکہ اگر تو ایسا کرے گا) تو خود نہیں رہے گا۔ رویت حق موقوف ہے رویت رسولؐ پر۔ اور اس مشاہدہ کے لئے تجھ میں اتنا شکیب' اور برداشت ہونی چاہئے کہ دیدار ذات کے وقت آنکھ نہ جھکائے اور نہ نظر ادھر سے ادھر کرے اگر تو ایسا کرے گا تو یہ آداب مجلس حسن کے خلاف ہوتے ہوئے تجھے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔

(14) اس کے حضور خود کو مضبوط کر کے جا + اس کے نور کے سمندر میں ناپید نہ ہو جا یعنی قطرہ سمندر میں مل کر بھی اپنا وجود ختم نہ کرے۔ موج سمندر میں ہوتی ہوئی موج ہی رہے۔

(15) (تو اگر ذرہ ہے تو اس) ذرہ کے نصیب وہ اضطراب کر + کہ سورج کے گھر میں چمکے یعنی آفتاب تک پہنچ کر یا آفتاب میں شامل ہو کر اپنی چمک کو قائم رکھ سکے اگر تو بحر میں قطرہ ہے یا سورج میں ذرہ ہے تو اپنی انفرادیت قائم رکھ سکے اگر ان میں تحلیل ہو جائے گا تو اپنی انفرادیت کو کھو بیٹھے گا اور اس لحاظ سے فنا ہو جائے گا۔ اس کے برعکس تو ذرہ میں سورج اور قطرہ میں سمندر پیدا کر راز بقا یہی ہے۔

(16) یار کی جلوہ گاہ میں اس طرح جل کہ + خود کو ظاہر اور اس کو پوشیدگی میں چمکا مراد ہے تیری چمک چونکہ جلوۂ یار کی چمک ہے اس لئے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ سورج نہ ہو تو ذرہ نہیں چمک سکتا ذرہ میں چمک نہ ہو تو سورج کی چمک کا پتہ نہیں چلتا۔

(17) وہ جس نے کہ دیکھا (وہ جس نے کہ جلوۂ یار کا مشاہدہ کیا وہ جس نے کہ دیدار ذات کا مزہ لیا) جہان کا وہی امام ہے + میں اور تو یعنی باقی سب ناقص ہیں (صرف) وہ کامل ہے۔

پہلے بند کا خلاصہ

آدمی کی منزل اس کے اندر ہے۔ خود سے خود کی طرف سفر کرنے والا مسافر ہے اور جب وہ اپنی منزل پا لے تو وہ راہرو ہے اور منزل پر ذات حق کا مشاہدہ کرنے والا مرد کامل ہے۔

دوسرا بند

اگر او را نیابی در طلب خیز　　اگر یابی بدامانش در آویز
فقیہہ و شیخ و ملّا را مدہ دست　　مرو مانند ماہی غافل از شست
بکار ملک و دیں او مرد راہے است　　کہ ما کوریم و او صاحب نگاہے است
مثال آفتاب صبحگاہے　　دمد از ہر بُنِ مویش نگاہے
فرنگ آئین جمہوری نہاد ست　　رسن از گردن دیوے کشاد است
نوا بے زخمہ و سازے ندارد　　ابے طیارہ پروازے ندارد
ز باغش کشت ویرانے نکوتر　　ز شہر او بیابانے نکو تر
چو رہزن کاروانے در تگ و تاز　　شکمہا بہر نانے در تگ و تاز
رواں خوابید و تن بیدار گردید　　ہنر با دین و دانش خوار گردید
خرد جز کافری کافر گری نیست　　فن افرنگ جز مردم دری نیست
گروہے را گروہے در کمین است　　خدایش یار اگر کارش چنیں است
ز من دہ اہل مغرب را پیامے　　کہ جمہور است تیغ بے نیامے
چہ شمشیرے کہ جانہا می ستاند　　تمیز مسلم و کافر نداند
نہ ماند در غلاف خود زمانے　　برد جان خود و جان جہانے

*

(1) اگر تو اس مرد کامل کو (جس کا پہلے بند کے آخر میں ذکر ہوا ہے کہیں) نہیں پاتا تو اس کی طلب میں اٹھ (اس کی تلاش کر) + اگر تو اسے پالے تو اس کے دامن سے چمٹ جا۔

(2) فقیہہ، شیخ اور ملّا کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے یعنی اس کی بیعت نہ کر (مرد کامل کو تلاش کر کے جس نے مشاہدہ ذات کیا ہو اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دے) + مچھلی کی طرح اپنی شست سے یعنی اس کانٹے سے جو مچھلی کو پکڑنے کے لئے لگائی جاتی ہے غافل نہ ہو مراد یہ ہے کہ ملّا، شیخ، فقیہہ وغیرہ جو صرف ظاہری علوم کے حامل اور باطنی علوم سے غافل ہوتے ہیں وہ ایسی نگاہ نہیں رکھتے جو ناقص کو کامل بنا سکے یہ نگاہ صرف مرد فقیر یا مرد درویش کے پاس ہوتی ہے یہ نہیں کہ وہ ظاہری علوم سے بے خبر ہوتا ہے۔ ضرور ہوتا ہے لیکن باطنی علوم کی بھی خبر رکھتا ہے اور ظاہری علوم کو باطنی علوم کی راہبری میں پاک و صاف رکھتا ہے۔

(3) (ملّا اور شیخ کی طرح مردِ کامل صرف ایک رخ نہیں رکھتا اسے دین اور دنیا یا جسم اور روح دونوں کے آداب کی خبر ہوتی ہے) ملک اور دین کے کاموں میں وہ مرد راہ ہوتا ہے یعنی وہ دونوں راستوں کے

نشیب و فراز اور منازل و مراحل کو جانتا ہے + کیونکہ ہم اندھے ہیں اور وہ نگاہ والا ہے۔

(4) صبح طلوع ہوتے ہوئے سورج کی طرح + (مرد کامل کے) بربال کی جڑ سے نگاہ پیدا ہوتی ہے (اس کے پاس ہر قسم کی نگاہ فیض ہوتی ہے)۔

(5) (مغربی طرز کی جمہوریت میں جس طرف سو میں سے اکاون لوگ ہو جائیں وہ طرف حق سمجھی جاتی ہے چاہے صریحاً باطل کیوں نہ ہو اور جس طرف انچاس رہ جائیں وہ باطل قرار پاتی ہے چاہے حق پر کیوں نہ ہو اس آزادی افکار نے جو ابلیس کی ایجاد ہے جہاں جہاں بھی مغربی جمہوری نظام ہے شیطان کو عام کر دیا ہے اور خدا نایاب ہو چکا ہے ایسے معاشرے میں ابلیس تو پیدا ہو رہے ہیں فرشتے ناپید ہیں اس پس منظر میں علامہ فرماتے ہیں کہ) فرنگیوں نے آئین جمہوری کی بنیاد رکھی ہے + اس نے دیو کے گلے سے رسی کھول دی ہے۔

(6) ان کی یعنی جمہوریت والوں کی نوا بغیر مضراب کے ہے اور وہ کوئی ساز نہیں رکھتے + ہوائی جہاز کے بغیر ان کی پرواز نہیں ہے مراد ہے ان میں مادیت کے جلوے تو ہیں روح ان کی بے جلوہ ہے وہ ظاہری اسباب پر ہی تکیہ کرتے ہیں ان کو یہ علم ہی نہیں کہ باطنی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ انسان صرف بدن ہی نہیں روح بھی رکھتا ہے صرف ذہن ہی نہیں دل بھی رکھتا ہے جمہوری نظام میں بدن کی تزئین اور ذہن کی روشنی کے لئے تو بہت اہتمام کیا جاتا ہے لیکن روح اور قلب کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان مر جاتا ہے اور حیوان باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ اس جمہوری تماشے نے پوری دنیا میں انسانوں کو "بچہ جمورا" بنا دیا ہے۔

(7) اس کے باغ سے ویران کھیتی بہتر ہے + اس کے شہر سے بیابان زیادہ اچھا ہے۔

(8) چور کی طرح قافلہ ہی دوڑ دھوپ کر رہا ہے (لوٹ مار کے لئے) + سب پیٹ کی روٹی کیلئے کوشش کرنے میں لگے ہوئے ہیں یعنی لوگ شکم پرست ہو گئے ہیں اور روح کو بھول گئے ہیں۔

(9) روح سو گئی اور جسم بیدار ہو گئے + ہنر، دین اور دانش خوار ہو گئے۔

(10) خرد سوائے کافری کے اور دوسروں کو کافر بنانے کے اور کچھ نہیں (عہد حاضر کے افکار نے جو جمہوریت میں نشوونما پا سکے ہیں لوگوں کو دین سے دور اور دنیا کے نزدیک کر دیا ہے۔ خدا کو بھلا دیا ہے اور ابلیس کو ہر یاد میں بسا دیا ہے) + افرنگیوں کا فن سوائے آدمیوں کو پھاڑنے کے یعنی لوگوں کی آدمیت اور انسانیت کو اپنی تہذیب و ثقافت کے ذریعے ختم کر دینے کے سوا کچھ نہیں۔

(11) ایک گروہ کی گھات میں دوسرا گروہ لگا ہوا ہے یعنی ہر طرف طبقاتی اور گروہی استحصال کی صورت پیدا ہے۔ قومیں قوموں کو اور طبقات طبقات کو لوٹ رہے ہیں + لوگوں کا اللہ ہی یار یا محافظ ہو اگر ان افرنگیوں کا یہ کاروبار ہے۔

(12) میری طرف سے اہل مغرب کو یہ ایک پیام دو + کہ جمہوریا عام لوگ ننگی تلوار ہوتے ہیں مراد یہاں جمہوریت سے ہے۔

(13) یہ کیسی تلوار ہے جو جانیں مارتی ہے + جو کافر اور مسلمان کی تمیز نہیں رکھتی (نظام جمہوریت عوام حق میں ہلاکت ہے عوام چاہے کوئی ہوں کافر ہوں یا مسلمان دونوں کے حق میں ننگی تلوار کی طرح ہے تلوار جو جسم نہیں روح قتل کرتی ہے)۔

(14) یہ ایک لمحہ کے لئے اپنی نیام میں نہیں رہتی + یہ اپنی جان اور جہان کی جان لے جاتی ہے (جمہوریت کی جو تلوار چلاتا ہے وہ بھی اس تلوار سے محفوظ نہیں جمہور تو ہلاکت کی زد میں ہیں ہی ——)۔

دوسرے بند کا خلاصہ

اس میں مرد کامل اور مغربی جمہوریت کی بات کی گئی ہے۔ مرد کامل کی زندگی کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ وہ دیدار ذات کی منزل پر ہوتا ہے اور یہی زندگی کا کمال ہے ہمیں ایسے مرد کامل کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔ اس کے ساتھ مغربی جمہوریت کی خامیاں بتائی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ مرد کامل تو کجا یہ جمہوری نظام آدمی کو آدمی نہیں رہنے دیتا ابلیس بنا دیتا ہے۔

سوال ⑧

کدامی نکتہ را نطق است انا الحق   چہ گوئی ہرزہ بود آں رمز مطلق

*

① کس باریک بات یا رمز کا انا الحق بیان ہے + تو کیا کہتا ہے کہ وہ رمز مطلق ہرزہ یعنی فضول تھی (حسین بن منصور جو تھی صدی ہجری کے ایک صوفی تھے جنہوں نے انا الحق کے الفاظ کہے تھے جن کے عمومی معنی ہیں کہ میں حق ہوں اور اس اعلان کی پاداش میں وہ قتل کردیئے گئے تھے۔ اس کے جواب میں علامہ اقبال نے جو کچھ کہا ہے وہ آگے جواب میں ملے گا)۔

جواب

پہلا بند

من از رمز انا الحق باز گویم   دگر با ہند و ایراں راز گویم
مغے در حلقہ دیر ایں سخن گفت   "حیات از خود فریبے خوردو بمن: گفت
خدا خفت و وجود ما ز خوابش   وجود ما نمود ما ز خوابش
مقام تحت و فوق و چار سو خواب   سکون و سیر و شوق و جستجو خواب
دل بیدار. و عقل نکتہ بیں خواب   گمان و فکر و تصدیق و یقیں خواب
ترا ایں چشم بیدارے بخواب است   ترا گفتار و کردارے بخواب است
چو او بیدار گردد دیگرے نیست   متاع شوق را سوداگرے نیست"

*

① میں پھر انا الحق کی رمز کے بارے میں بات کررہا ہوں + میں پھر ایران اور ہندوستان والوں سے

اس کا راز بیان کر رہا ہوں (ایران اور ہندوستان کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان دو ملکوں کی شاعری میں جو اردو اور فارسی میں ہے حضرت منصور کے واقعہ کا بہت ذکر ملتا ہے اور ان ملکوں کے حلقہ صوفیا میں بھی منصور کا انا الحق کہنا عموماً زیر بحث رہا ہے)۔

② ایک شراب کشید کرنے والے نے اپنے مندر کے حلقہ میں یہ بات کہی + کہ حیات نے فریب کھایا تو "من" کہا۔ (ورنہ "من" کوئی شے نہیں)۔

③ خدا سو گیا اور ہمارا وجود اس کا خواب ہے + ہمارا وجود اور ہماری نمود اس کا خواب ہے (جہان اور جہان میں جو کچھ ہے وہ خواب و خیال ہے۔ قدیم ایران اور ہندوستان کے حکما کا یہی فلسفہ ہے کہ جہان موہوم ہے خواب ہے)۔

④ (جہان کے) نیچے اور اوپر کے مقامات اور چاروں اطراف سب کچھ خواب ہے۔ (جہان کا) سکون، سیر، شوق اور جستجو یہ سب کچھ بھی خواب ہے۔

⑤ دل بیدار اور باریک باتوں کو دیکھنے والی عقل خواب ہے + گمان، فکر، تصدیق اور یقین خواب ہے۔

⑥ تیری یہ جاگتی ہوئی آنکھ خواب میں جاگ رہی ہے + تیری بات چیت تیرا کردار یعنی عمل وغیرہ سب کچھ خواب ہے۔

⑦ جب وہ (سویا ہوا خدا) بیدار ہو جائے گا اس کے سوا جو کچھ ہے فنا ہو جائے گا + اس وقت شوق کی متاع کا کوئی سوداگر نہیں ہو گا یعنی کچھ باقی نہیں رہے گا۔

پہلے بند کا خلاصہ

ایرانی اور ہندی حکما کے نزدیک کائنات موہوم ہے۔ خواب ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ خواب سوئے ہوئے خدا کا ہے جب خدا جاگ پڑا خواب ختم ہو جائے گا یعنی کائنات ختم ہو جائے گی۔

دوسرا بند

فروغ دانش ما از قیاس است — قیاس ما ز تقدیر حواس است
چو حس دیگر شد ایں عالم دگر شد — سکون و سیر و کیف و کم دگر شد
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست — زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
تواں گفتن کہ خوابے یا فسونے است — حجاب چہرۂ آں بے چگونے است
تواں گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است — فریب پردہ ہائے چشم و گوش است
خودی از کائنات رنگ و بو نیست — حواس ما میان ما و او نیست
نگہ را در حریمش نیست راہے — کنی خود را تماشا بے نگاہے
حساب روزش از دور فلک نیست — بخود بینی ظن و تخمین و شک نیست

① ہماری دانائی یا عقل کی ترقی کا انحصار قیاس پر ہے + (اور) ہمارا قیاس حواس کی تقدیر کی بنا پر ہے یعنی قیاس کا تعلق انسان کے پانچوں حواس سے ہے (منطق میں حجت کی یا استدلال کی تین قسموں میں سے ایک قسم قیاس ہے۔ قیاس میں دو یا دو سے زیادہ قضیوں یا مسئلوں کو لے کر اور ان کو ایک دوسرے سے ترکیب دے کر نتیجہ نکالتے ہیں اس طریقہ نتیجہ کا تعلق چونکہ انسان کے حواس سے ہے جو ہر ایک جیسے نہیں ہوتے اس لئے مختلف حواس والے لوگ مختلف نتائج بر آمد کرتے ہیں اسی لئے قیاس قابل اعتماد نہیں سمجھا جاتا)۔

② جب حس بدل گئی تو جہان بدل گیا + سکون' حرکت' کیفیت اور کمیت کی صورت بدل گئی (اس طرح قیاس بھی بدل جائے گا)۔

③ (جب استدلال کا طریقہ قیاس ہی ہے جو حواس خمسہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے تو ایک قیاس کے نزدیک یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے اور) کہا جا سکتا ہے کہ یہ جہان جو رنگ و بو کا جہان ہے نہیں ہے اور یہاں کی زمین' آسمان' محل اور گلیاں نہیں ہیں۔

④ (پھر یہ بھی) کہا جا سکتا ہے کہ جہان خواب یا فسوں ہے + یہ اس خدا کے چہرے کا جس کی مثل کوئی شے نہیں ہے ایک پردہ ہے۔ (جب وہ پردہ اٹھادے گا تو وہی وہ رہ جائے گا اور کائنات ختم ہو جائے گی اس لئے کائنات تو ایک وہمی اور قیاسی چیز ہے اس سے دل کیوں لگایا جائے ایسے ہی خیالات رکھنے والے حکما اور صوفیا نے ترک دنیا کی تعلیم دی ہے)۔

⑤ (یہ بھی) کہا جا سکتا ہے کہ سب کچھ ہوش یا عقل کا شعبدہ ہے + آنکھ اور کان کے پردوں کا فریب ہے یعنی ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اور جو کچھ سنتے ہیں وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ساری کائنات مکرو فریب کے سوا کچھ نہیں)۔

⑥ (عقل کی بنیاد تو قیاس پر ہے جس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے لیکن) خودی کا تعلق اس رنگ و بو کے جہان سے نہیں ہے یعنی یہ اس سے ماورا کوئی چیز ہے + (خودی یہ بتاتی ہے کہ) ہمارے حواس ہمارے اور اس کے یعنی کائنات کے درمیان حائل نہیں ہیں۔ خودی حواس پر انحصار نہیں رکھتی اسی لئے وہ قیاس سے استدلال نہیں کرتی۔

⑦ اس کے حریم میں یعنی خودی کے گھر میں نگاہ کو دخل نہیں ہے (نگاہ تو دھوکا کھا سکتی ہے وہ جو کچھ دیکھتی ہے ضروری نہیں صحیح دیکھتی ہو) + خودی اپنا تماشا نگاہ کے بغیر کرتی ہے۔

⑧ اس کے یعنی خودی کے دنوں کا حساب آسمان کے دور کی بنا پر نہیں ہے یعنی جس طرح ظاہری اور جغرافیائی عمل سے دن رات پیدا ہوتے ہیں خودی کے دن رات اس طرز کے نہیں ہیں وہ اس زمانہ سے ماورا ہے + اس کی خود بینی یعنی خود کا تماشا کرنا گمان' اندازہ اور شک کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے۔

دوسرے بند کا خلاصہ

قیاس میں ظن' تخمین اور شک کا دخل ہے کیونکہ اس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے جب کہ خودی تخمین' ظن اور شک سے بالا ہے۔

تیسرا بند

اگر گوئی کہ "من" وہم و گمان است ۔۔۔ نمودش چوں نمود این و آن است
بگو با من کہ دارائے گماں کیست؟ ۔۔۔ یکے در خود نگر آں بے نشاں کیست؟
جہاں پیدا و محتاج دلیلے! ۔۔۔ نمی آید بفکر جبرئیلے
خودی پنہاں ز حجت بے نیاز است! ۔۔۔ یکے اندیش و دریاب ایں چہ راز است!
خودی را حق بداں. باطل مپندار ۔۔۔ خودی را کشت بے حاصل مپندار
خودی چوں پختہ گردد لازوال است ۔۔۔ فراق عاشقاں عین وصال است!
شرر را تیز بالے می تواں داد ۔۔۔ تپید لایزالے می تواں داد
دوام حق جزائے کار او نیست ۔۔۔ کہ او را ایں دوام از جستجو نیست
دوام آں بہ کہ جان مستعارے ۔۔۔ شود از عشق و مستی پایدارے!
وجود کوہسار و دشت و در ہیچ! ۔۔۔ جہاں فانی، خودی باقی، دگر ہیچ!
دگر از شنکر و منصور کم گوے! ۔۔۔ خدا را ہم براہ خویشتن جوے
بخود گم بہر تحقیق خودی شو ۔۔۔ انا الحق گوے و صدیق خودی شو

٭

(1) اگر تو یہ کہے کہ "من" وہم و گمان ہے (حقیقت میں نہیں ہے) + (اور) اس کی نمود اس اور اس کی مانند یعنی عام اشیا کی مانند ہے تو (اگلے شعر میں دیکھئے)۔

(2) تو مجھ سے یہ کہہ کہ وہ گمان رکھنے والی (یعنی من کو گمان اور وہم کہنے والی) کیا چیز ہے؟ (وہی تو تیرا "من" ہے) + ایک بار اپنے اندر دیکھ کہ وہ بے نشان کون ہے (وہی تو تیری خودی ہے تیری انائے مقید ہے)۔

(3) جہان (ظاہری) ظاہر ہے اور (اس کے باوجود اپنے ہونے میں) دلیل کا محتاج ہے + وہ جبرئیل جیسے فرشتے کی فکر میں بھی نہیں آتا (یعنی بڑے بڑے حکما نے اس کے وجود میں شک کیا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ ظاہری طور پر موجود ہے اس کے موجود ہونے کے موضوع پر بڑی بڑی بحثیں کی ہیں)۔

(4) (خودی (جہان ظاہر کے مقابلے میں) پوشیدہ ہے (لیکن یہ) استدلال سے بے نیاز ہے + ایک دفعہ غور کر اور پالے کہ راز کیا ہے۔

(5) خودی کو حق جان باطل نہ سمجھ + خودی کو ایک ایسی کھیتی نہ سمجھ جس کی کوئی پیداوار نہیں۔

(6) خودی جب پختہ ہو جاتی ہے تو لازوال ہو جاتی ہے + (جان لو کہ) عاشقوں کا فراق عین وصال ہوتا ہے یعنی یہ فراق وصال کا ظہور لئے ہوئے ہوتا ہے (خودی جو انائے مقید ہے اپنے خدا یعنی انائے مطلق سے الگ ہو کر ہی خودی بنی ہے انائے مطلق اس فراق یافتہ انائے مقید کے اندر جلوہ گر ہے)۔

(7) شرر کو تیز بازو عطا کئے جا سکتے ہیں + نہ ختم ہونے والی تڑپ عطا کی جا سکتی ہے (چنگاری کو خودی کی آنچ دے کر بلند پرواز بنایا جا سکتا ہے اور اس طرح پرورش خودی کے عمل سے اسے خدا کا مظہر بنا کر

لازوال کیا جا سکتا ہے)۔

(8) خدا کا دوام یعنی اس کا ہمیشہ ہونا اس کے اعمال یا جدوجہد کا نتیجہ نہیں (وہ تو اس کی ذات کا تقاضا ہے) + کیونکہ اس کا یہ دوام اس کی جستجو کے نتیجہ پر حاصل نہیں ہوا ہے (بلکہ وہ تو اپنے خدا یا وجود مطلق ہونے کی بنا پر از خود اس میں موجود ہے لیکن خودی کا دوام اس کی جدوجہد کی بنا پر ہے خودی خدا کی طرح از خود دوامی نہیں۔ یہ اس وقت دوامی بنتی ہے جب اس میں خدا کی صفات کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے)۔

(9) (خدا کا دوام تو اس کا ذاتی ہے اس کی جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے۔ مزہ تو اس دوام میں ہے جو ریاضت و مجاہدہ سے حاصل کیا جائے) دوام وہ بہتر ہے کہ جس میں خدا کی دی ہوئی ادھار جان + عشق اور مستی کی وجہ سے پائدار ہو جائے (فنا سے بقا حاصل کرلے)۔

(10) پہاڑوں کے سلسلے' بیابان' جنگل اور آبادی یہ سب کچھ بھی نہیں ہیں + جہان فانی ہے (صرف خودی باقی ہے باقی سب کچھ ہیچ ہے (کچھ بھی نہیں ہے)۔

(11) شنکر اور منصور کے تحقیق اور بات نہ کر + خدا کو اپنے راستہ سے تلاش کر یعنی اپنی خودی کو پہچان کر خدا کو پہچان (شنکر ہندوستان کا ایک ہندو حکیم تھا جس نے یہ فلسفہ دیا ہے کہ کائنات خدا کا ایک خواب ہے۔ موہوم ہے اس کو ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ منصور حلاج ایک درویش ہیں جن کا تعارف شروع میں ہو چکا ہے)۔

(12) خودی کی تحقیق کے لئے خود میں گم ہو جا + انا الحق کہہ اور اس طرح خودی کا تصدیق کرنے والا بن جا مراد یہ ہے کہ خودی کو حق سمجھ خودی کا عرفان خدا کا عرفان ہے۔ منصور حلاج نے بھی یہی کہا تھا کہ انا یعنی خودی حق ہے لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ خود کو خدا کہہ رہا ہے۔

تیسرے بند کا خلاصہ

معنی "یا خودی وہم نہیں حق ہے۔ انا الحق کا بھی یہی مقصود ہے کہ انا یا خودی حق ہے نہ کہ یہ کہ انا الحق کہنے والا خود حق ہے۔

سوال ⑨

کہ شد بر سر وحدت واقف آخر؟ شناسائے چہ آمد عارف آخر؟

*

① وحدت کے بھید سے آخر کون واقف ہوا + عارف نے آخر کس چیز کی پہچان کی ہے؟

جواب

پہلا بند

گردوں مقام دلپذیر است   ولیکن مہر و ماہش زود میر است
بدوش شام نعش آفتابے   کواکب را کفن از ماہتابے
پرد کہسار چوں ریگ روانے   دگرگوں می شود دریا بآنے
گلاں را در کمیں باد خزاں است   متاع کارواں از بیم جان است
ز شبنم لالہ را گوہر نماند   دمے ماند دمے دیگر نماند
نوا ناشنیدہ در چنگے بمیرد   شرر ناجستہ در سنگے بمیرد
مپرس از من ز عالم گیریِ مرگ!   من و تو از نفس زنجیریِ مرگ!

*

① آسمان کے نیچے (کی دنیا) دل پذیر جگہ ہے یعنی ہمارا جہان بڑا دلکش ہے + لیکن اس کا سورج اور چاند جلدی فنا ہو جانے والا ہے (جلدی فنا ہو جانے سے مراد ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج روز نکلتا ہے اور روز ڈوب جاتا ہے چاند کے عروج و زوال کی بھی یہی صورت ہے)۔

② شام کے کندھوں پر سورج کی نعش (دیکھنے میں آتی ہے) یعنی صبح کا طلوع شدہ سورج شام کو ڈوب جاتا ہے) + ستاروں کا کفن چاند (بن جاتا ہے) یعنی جب چاند نکلتا ہے تو ستاروں کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے بلکہ ختم بھی ہو جاتی ہے۔

③ پہاڑ ریت کی طرح اڑتے ہیں + دریا ایک لمحہ میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

④ خزاں کی ہوا گلاب کے پھولوں کی گھات میں ہے + قافلے کی متاع' جان کا خوف ہے یعنی قافلے والے راہزنوں کے ڈر سے لرز رہے ہیں۔

⑤ لالہ کے پھول پر شبنم کا موتی نہیں رہتا + ایک وقت ہوتا ہے دوسرے وقت میں نہیں ہوتا۔

⑥ نہ سنی جانے والی آواز رباب کے ساز ہی میں مرجاتی ہے + نہ نکلنے والا شرارہ پتھر کے اندر مرجاتا ہے۔

⑦ مجھ سے موت کے عالم گیر ہونے کے متعلق نہ پوچھ + میں اور تو سانس کے اعتبار سے موت کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں یعنی سانس جب تک آتا ہے ہم زندہ ہیں جب سانس آنا بند ہو جاتا ہے ہم مر جاتے ہیں۔

پہلے بند کا خلاصہ

جہان اور اس کی ہر شے خوبصورت ہے لیکن ہر شے فانی ہے۔

غزل

فنا را بادۂ ہر جام کردند | چہ بیدردانہ او را عام کردند
تماشاگاہ مرگ ناگہاں را | جہان ماہ و انجم نام کردند
اگر یک ذرہ اش خوے رم آموخت | بافسون نگاہے رام کردند
قرار از ما چہ می جوئی کہ ما را | اسیر گردش ایام کردند
خودی در سینہ چاکے نگہدار | ازیں کوکب چراغ شام کردند

*

① (قضاوقدر کے کارکنوں نے) فنا کو ہر پیالے کی شراب کردیا ہے + اس کو یعنی فنا کو کس بے دردی سے عام کیا ہے۔

② ناگہانی مرگ کی تماشاگاہ کو + انھوں نے چاند اور ستاروں کا جہان بنادیا (اگرچہ ہر جگہ موت اور فنا کا عمل دخل ہے لیکن ہم نے اس کے باوجود اسے دلکش سمجھا ہے)۔

③ اگر اس جہان کے ایک ذرہ نے بھی جہان سے دور ہونا سیکھا + تو انھوں نے اپنے جادو سے اسے گرفتار کرلیا مراد ہے جہان کی دلچسپیاں اور دلفریبیاں اس شخص کو جو اس سے بھاگنا بھی چاہتا ہے بھاگنے نہیں دیتیں۔

④ تو ہم سے قرار یعنی ہمارے دوامی یا مستقل ہونے کی تلاش کیوں کرتا ہے + کیونکہ ہمیں تو گردش ایام کا اسیر کیا ہوا ہے (چونکہ زمانہ کو قرار نہیں وہ بدلتا رہتا ہے اس لئے ہم بھی بدلتے رہتے ہیں)۔

⑤ (یہ سچ ہے کہ جہان اور اس کی ہر شے تغیر پذیر ہے کسی کو دوام حاصل نہیں ہے لیکن تو دوامی بن سکتا ہے تو موت پر قابو پا سکتا ہے بشرطیکہ تو خودی کی معرفت حاصل کرلے) خودی کی اپنے پھٹے ہوئے سینے میں یعنی عشق بھرے سینے میں حفاظت کر + (کیونکہ) اس ستارے کو شام کا چراغ بنایا گیا ہے یعنی اس سے شام کو روشن کیا گیا ہے (خودی کے ستارے سے فنا کی ظلمت میں بقا کا نور پھیلایا گیا ہے۔ جو شخص اپنی خودی سے غافل ہے وہ فنا ہو جاتا ہے اور جو اس کا عارف ہے وہ دوام حاصل کرلیتا ہے۔ ظاہری موت سے گزر کر بھی نہیں مرتا)۔

دوسرا بند

جہاں یکسر مقام آفلین است | دریں غربت سرا عرفاں ہمین است
دل ما در تلاش باطلے نیست | نصیب ما غم بے حاصلے نیست
نگہ دارند اینجا آرزو را | سرور و ذوق و شوق جستجو را
خودی را لازوالے می تواں کرد | فراقے را وصالے می تواں کرد
چراغے از دم گرمے تواں سوخت | بسوزن چاک گردوں میتواں دوخت

*

① جہان بالکل مٹ جانے والا باطل ہے + اس غربت سرا میں کہ جہاں انسان مسافر کی طرح آتا ہے اور پھر اپنے وطن اصلی کو لوٹ جاتا ہے عرفان یہی ہے کہ وہ جہان کو آفل یعنی غروب ہونے والا یا فنا ہونے

والا سمجھے یا باطل سمجھے۔

② ہمارا دل کسی باطل کی تلاش میں نہیں ہے + ہمارے نصیب میں ایسا غم نہیں ہے جس کا کوئی حاصل نہ ہو (جس سے کچھ ہاتھ نہ آئے)۔

③ اس جگہ آرزو کو نگاہ میں رکھتے ہیں + اس جگہ سرور' ذوق' شوق اور جستجو کو نگاہ میں رکھتے ہیں۔

④ خودی کو لازوال کیا جا سکتا ہے + فراق کو وصال کیا جا سکتا ہے۔

⑤ گرم سانس سے چراغ جلایا جا سکتا ہے + سوئی سے آسمان کے چاک کو سیا جا سکتا ہے مراد ہے جب عشق سے خودی لازوال ہو جائے تو سب کچھ حتیٰ کہ ناممکن کو ممکن کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے بند کا خلاصہ

باطل اور مٹنے والے جہان میں عرفاں یہی ہے کہ آرزو کو زندہ رکھا جائے اور ذوق و شوق اور جستجو سے خودی کو لازوال بنایا جائے تاکہ جہان کی تسخیر کی جا سکے۔

تیسرا بند

خدائے زندہ بے ذوق سخن نیست　　تجلی ہائے او بے انجمن نیست
کہ برق جلوۂ او بر جگر زد؟　　کہ خورد آں بادہ و ساغر بسر زد؟
عیار حسن و خوبی از دل کیست؟　　مہ او در طواف منزل کیست؟
الست' از خلوت نازے کہ برخاست؟　　بلیٰ' از پردۂ سازے کہ برخاست؟
چہ آتش عشق در خاکے برافروخت!　　ہزاراں پردہ یک آواز ما سوخت
اگر مائیم' گرداں جام ساقی است　　ہنوزش گرمیِ ہنگامہ باقی است!
مرا دل سوخت بر تنہائی او　　کنم سامان بزم آرائی او
مثال دانہ می کارم خودی را　　برائے او نگہدارم خودی را

*

① زندہ خدا سخن کے ذوق کے بغیر نہیں ہے (اسی لئے اس نے انسان کو بولنا سکھایا ہے تاکہ اس سے ہم کلام ہو سکے) + اس کی تجلیاں انجمن کے بغیر نہیں ہیں یعنی اس کی تجلی کے لئے اگر محفل نہ ہو گی تو وہ تجلی کس کے لئے دکھائے گا یہ جہان اور اس جہان کا انسان اس کی تجلی گاہ ہے وہ ان سے کلام بھی کرتا ہے)۔

② اس کے جلوے کی بجلی کو کس نے جگر پر گرایا + کس نے وہ شراب پی یعنی اس کی محبت کی شراب پی اور پیالے کو سر پر مارا یعنی اسے توڑ دیا مراد یہ ہے کہ اس کی محبت کی شراب پی کر پھر کوئی اور شراب نہیں پی۔

③ حسن اور خوبی کا معیار کس کے دل سے ہے یعنی کس کا دل حسن اور اچھائی کو پہچانے تو سمجھا جاتا

ہے کہ اس نے صحیح پہچانا + اس کا چاند کس کی منزل کے طواف میں ہے۔

④ الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کا سوال کس کے ناز کی خلوت سے بلند ہوا + جواب میں بلیٰ یعنی ہاں کا جواب کس کے ساز کے پردہ یعنی سر سے نکلا یعنی کس نے جواب میں کہا کہ ہاں تو میرا رب ہے۔

⑤ عشق نے مٹی میں یعنی جسم آدم میں کیا آگ روشن کی + کہ ہماری ایک آواز نے ہزاروں پردے جلا دئے (ہمارا بلیٰ کہنا یعنی یہ کہنا کہ اے خدا تو واقعی ہمارا رب ہے دراصل رب کے ساتھ محبت کا پیمان باندھنا تھا یہ جواب دے کر ہم نے اپنے آپ میں محبت کی آگ روشن کر لی اور پھر اس محبت سے خدا اور اپنے درمیان پڑے ہوئے ہزاروں پردوں کو اٹھا کر اس کے جلوے کو دیکھ لیا)۔

⑥ اگر ہم ہیں تو ساقی کا جام گردش میں ہے + (اگر ہم ہیں تو) اس کی بزم میں ہنگامہ باقی ہے (اگر محفل نہ ہو تو ساقی پلائے گا کسے محفل میں رندوں کا ہنگامہ کیسے برپا ہو گا جس طرح ساقی کیلئے رندان بزم کا اور رندوں کے لئے بزم کا ہونا ضروری ہے اسی طرح خدا کے لئے اس کی خدائی کا ہونا ضروری ہے)۔

⑦ میرا دل اس کے تنہا ہونے پر جلا + (اس لئے) میں اس کے لئے بزم سجانے کا کام کر رہا ہوں۔

⑧ میں (اپنی زندگی کی کھیتی میں) خودی کو دانہ کی طرح بو رہا ہوں + میں اس کے لئے خودی کی حفاظت کر رہا ہوں (کیونکہ خدا کی تلاش کا یہ طریقہ ہے کہ آدمی خود کو اپنے قریب کر لے۔ اپنی خودی کو پہچان لے۔ خود کو پہچاننا خدا کو پہچاننا ہے یا خودی کو پانا خدا کو پانا ہے)۔

تیسرے بند کا خلاصہ

خدا اور بندے کے درمیان محبت کا عہد نامہ ہے جو بندہ نے بلیٰ کہہ کر الست بربکم کی تصدیق کے وقت کیا تھا اب ضروری ہے کہ وہ اس سے دور ہو کر یعنی جہان میں آ کر اس وعدہ کو یاد رکھے اور خودی کے ذریعے اس تک رسائی رکھے۔ یہی معرفت ہے اور یہی عارف کا مقصود ہے۔

خاتمہ

تو شمشیری ز کام خود بروں آ — بروں آ از نیام خود بروں آ
نقاب از ممکنات خویش برگیر — مہ و خورشید و انجم را بہ بر گیر
شب خود روشن از نور یقیں کن — ید بیضا بروں از آستیں کن
کسے کو دیدہ را بر دل کشود است — شرارے کشت و پروینے درود است
شرارے جستہ گیر از درونم — کہ من مانند رومی گرم خونم
وگرنہ آتش از تہذیب نو گیر — برون خود بیفروز اندروں میر!

*

① (اے انسان) تو تلوار ہے اپنے حلق یعنی خول سے باہر ہے + باہر آ اپنی نیام سے باہر آ (یعنی تجھ

میں بہت سے جوہر ہیں ان کو دکھا)۔

② اپنی ممکنات (کے چہرہ سے) نقاب اٹھا دے یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر جو استعدادیں رکھی ہیں ان کو بروئے کار لا + (اور بروئے کار لا کر) چاند سورج اور ستاروں کو پہلو میں لے یعنی ان کو مسخر کر۔

③ اپنی رات کو یقین کے نور سے روشن کر + (حضرت موسیٰؑ کی طرح) اپنی آستین سے روشن ہاتھ نکال (اور نور خدا سے زندگی کی ظلمت دور کر دے)۔

④ وہ شخص جس نے دل پر آنکھیں کھولی ہیں یعنی جس نے اپنے دل کی آنکھیں پیدا کر لی ہیں یا جس نے اپنے دل کی تربیت کر کے دل کو وہ دل بنا لیا ہے جو مقصود عرفان ہے تو اس نے بلند ستاروں کے جھرمٹ یعنی پروین کی کھیتی کے شراروں کو کاٹا ہے یعنی بلند مقاصد کو پایا ہے۔ عظیم سے عظیم چیز کو قابو میں کر لیا ہے۔

⑤ (تیرے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو جیسا میں نے کیا ہے دل میں عشق کی آگ روشن کر کے اور اس میں یقین کا نور پیدا کر کے خود کو زندۂ جاوید کر لے) یا پھر نئی تہذیب سے آگ لے + (اور اس سے) اپنا ظاہر روشن کر لے مگر اندر سے مر جا یعنی تہذیب حاضر کی روشنی سے اپنے جسم اور ذہن کو تو روشن اور مزین کر لے مگر اپنی روح اور دل کو موت کی نیند سلا دے۔ زندگی کے ظاہری چہرہ کو چمکا لے اور اس کے اندرون کو ظلمتوں سے بھر دے کیونکہ یہی تہذیب حاضر کا خاصہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

بندگی نامہ

بندگی سے مراد یہاں غلامی ہے

گفت با یزداں مہ گیتی فروز ـــ تاب من شب را کند مانند روز
یاد ایامے کہ بے لیل و نہار ـــ خفتہ بودم در ضمیر روزگار
کوکبے اندر سواد من نبود ـــ گردشے اندر نہاد من نبود
نے ز نورم دشت و در آئینہ پوش ـــ نے بدریا از جمال من خروش
آہ زیں نیرنگ و افسون وجود! ـــ وائے زیں تابانی و ذوق نمود!
تافتن از آفتاب آموختم ـــ خاکدانے مردۂ افروختم
خاکدانے با فروغ و بے فراغ ـــ چہرۂ او از غلامی داغ داغ
آدم او صورت ماہی بہ شست ـــ آدمے یزداں کشے آدم پرست
تا اسیر آب و گل کردی مرا ـــ از طواف او خجل کردی مرا
ایں جہاں از نور جاں آگاہ نیست ـــ ایں جہاں شایان مہر و ماہ نیست
در فضائے نیلگوں او را بہل ـــ رشتۂ ما نوریاں از وے گسل
یا مرا از خدمت او وا گذار ـــ یا ز خاکش آدم دیگر بیار
چشم بیدارم کبود و کور بہ ـــ اے خدا ایں خاکداں بے نور بہ

*

(1) جہان کو یا زمین کو روشن کرنے والے چاند نے خدا سے کہا + میری روشنی رات کو دن کی مانند کر دیتی ہے۔

(2) مجھے وہ دن یاد ہیں جب دن اور رات کے بغیر + میں زمانے کے ضمیر میں سویا ہوا تھا یعنی ابھی میں وجود میں نہیں آیا تھا۔

(3) میری حدود یا اطراف میں کوئی ستارہ نہیں تھا + میری فطرت میں کوئی گردش نہیں تھی۔

(4) نہ میرے نور سے بیابان اور وادیاں یا آبادیاں آئینہ پہنے ہوئے تھیں یعنی میری چاندنی سے روشن نہ تھیں + نہ میرے حسن سے دریا میں خروش تھا یعنی میری کشش سے اس میں مدوجزر پیدا نہیں ہو رہا تھا (یہاں دریا سے مراد سمندر ہے)۔

(5) (چاند مزید کہتا ہے) آہ نکلتی ہے اس وجود کی فریب کاری اور شعبدہ بازی پر + افسوس ہے اس چاندنی کی روشنی اور ظاہر ہونے کے ذوق پر (جس نے مجھے وجود دیا حالانکہ ملک عدم میں کہیں میں استراحت کر رہا تھا)۔

(6) (وجود میں آنے کے بعد) میں نے سورج سے چمکنا سیکھا یعنی اس سے روشنی ادھار لے کر خود میں نور پیدا کیا + (اور پھر اس نور سے) مردہ مٹی کے گھر کو یعنی جہان کو یا زمین کو روشن کیا۔

(7) یہ مادی جہان (علم، عقل، تہذیب وغیرہ کی وجہ سے) روشن تو ہے لیکن اس میں فراغت (اطمینان و راحت) کسی کو نصیب نہیں + (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس کا چہرہ (روشن ہونے کے باوجود) غلامی سے داغدار ہے (یہ غلامی سیاسی تو ہے ہی اس کے علاوہ یہاں کے لوگ ذہنی، روحانی اور کئی دوسرے اعتبارات سے غلام ہیں)۔

(8) اس جہان کے لوگ مچھلی کی صورت میں کانٹے لگائے بیٹھے ہیں یعنی مکرو فریب، شعبدہ بازی اور عیاری سے دوسروں کو پھانسنے، لوٹنے اور مطیع بنانے میں لگے ہوئے ہیں دوسروں کے جسم و جان کی قیمت پر اپنے جسم و جان بنا رہے ہیں + یہاں کا آدم یزداں یعنی خدا کو مارنے یعنی بھلا دینے والا بلکہ اس کے وجود کو تسلیم نہ کرنے والا اور آدم کی پوجا کرنے والا ہے (یہاں کے طاقتور، با اثر، اور وسائل والے لوگ دوسرے لوگوں کو غلام بنائے رکھتے ہیں)۔

(9) (چاند مزید کہتا ہے پہلے جب میرا وجود نہیں تھا تو میں اس جہان مادی اور اس کے لوگوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا) جب تو نے مجھے آب و گل (پانی اور مٹی) میں قید کر دیا یعنی مجھے وجود مادی عطا کر دیا + (اور) میں اس جہان کا طواف کرنے لگا یعنی ابتدائے ماہ سے آخر ماہ تک جہان کو دیکھتا ہوا چلتا رہا تو میرے طواف نے مجھے شرمندہ کر دیا (کیونکہ یہاں کے لوگ آدم ہوتے ہوئے حیوانوں سے بھی بدتر نظر آئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی غلامی پر رضامند دکھائی دئے ان کے کاموں اور کارناموں کو دیکھ کر میں شرمندہ ہو جاتا ہوں لیکن ان کو اپنے کئے پر شرمساری نہیں ہوتی)۔

(10) یہ جہان جان کے نور سے آگاہ نہیں ہے۔ (یہاں کے لوگ جسم کو رونق بخشنے کے لئے تو دن رات تگ و دو کرتے ہیں لیکن روح جو اس مادہ پرستی کی وجہ سے تاریک ہو رہی ہے اس کو روشن کرنے کا ان میں خیال تک پیدا نہیں ہوتا) + (اس لئے) یہ جہان چاند اور سورج کے شایانِ شان نہیں ہے یعنی نور کے لئے موزوں نہیں ہے۔

(11) یا اس جہان کو نیلی فضا میں چھوڑ دے (ختم کر دے کوئی اور جہان بنا جو ہمارے نور کے قابل ہو + (یا پھر) ہم نور رکھنے والوں کا تعلق اس سے توڑ دے۔

(12) یا تو مجھے اس کی خدمت سے رہائی دے + یا اس کی مٹی سے کوئی نیا آدم پیدا کر (جو ابلیس سے تو کم ہو یا جو اپنے مقصد پیدائش کو جان کر آدم کی طرح زندگی بسر کرتا ہو عہد حاضر کے آدم کو تو فرنگی علوم و فنون، تہذیب و ثقافت اور افکار و نظریات نے شیطان سے بھی بدتر بنا دیا ہے)۔

(13) میری آنکھیں نیل لگی ہوئی نیلی یعنی اندھی اور نابینا بہتر ہیں (یعنی اس جہان کو نور دینے والی قوت مجھ سے واپس لے لے) + اے خدا یہ خاکدان بے نور ہی بہتر ہے (نور آدمی کے لئے ہوتا ہے حیوان کے لئے نہیں۔ نور آدم کے لئے ہوتا ہے شیطان کے لئے نہیں۔

دوسرا بند

از غلامی دل بمیرد در بدن | از غلامی روح گردد بار تن
از غلامی ضعف پیری در شباب | از غلامی شیر غاب افگندہ ناب

از غلامی بزم ملت فرد فرد — این و آں با این و آں اندر نبرد
آں یکے اندر سجود ایں در قیام — کاروبارش چوں صلوٰۃ بے امام
درفتد ہر فرد با فردے دگر — ہر زماں ہر فرد را دردے دگر
از غلامی مرد حق زنار بند — از غلامی گوہرش ناارجمند
شاخ او بے مہرگاں عریاں ز برگ — نیست اندر جان او جز بیم مرگ
کور ذوق و نیش را دانستہ نوش — مردۂ بے مرگ و نعش خود بدوش
آبروے زندگی در باختہ — چوں خراں با کاہ و جو در ساختہ
کشمکش بنگر محال او نگر — رفت و بود ماہ و سال او نگر
روزہا در ماتم یک دیگر اند — در خرام از ریگ ساعت کمتر اند

*

(1) غلامی سے بدن میں دل مرجاتا ہے + غلامی سے روح بدن کا بوجھ بن جاتی ہے (غلامی سے جسمانی اور روحانی دونوں طرز کی غلامی مراد ہے جسم کی غلامی تو آقاؤں کے جبر کی وجہ سے ہوتی ہے اور روح کی غلامی نفس کے جبر کی بنا پر ہوتی ہے)۔

(2) غلامی سے جوانی میں بڑھاپا (آجاتا ہے) + غلامی سے جنگل کا آزاد شیر وہ شیر بن جاتا ہے جس کے دانت گر جائیں یعنی مجبور و بے کار ہو جاتا ہے (بڑے بڑے طاقت ور کمزور اور بڑے بڑے بہادر بزدل بن جاتے ہیں)۔

(3) غلامی سے ملت کی مجلس بکھر جاتی ہے + یہ اور وہ' یہ اور وہ سے لڑنے لگتا ہے مراد ہے لوگوں کی آپس میں مخالفتیں اور دشمنیاں ہو جاتی ہیں۔ ملت کئی قسم کے گروہی' لسانی' مذہبی' مسلکی' نسلی اور عقائدی تقسیم کی شکار ہو کر اپنی وحدت کھو بیٹھتی ہے۔

(4) (ملت کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ ایک دوسرے سے موافقت نہیں رکھتا نماز کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ جب نماز جماعت کے ساتھ نہ ہو اور امام کی اقتدا میں نہ پڑھی جائے تو نمازیوں میں سے) وہ ایک سجدہ میں ہوتا ہے اور یہ ایک قیام میں ہوتا ہے + ایسی ملت کے لوگوں کا کاروبار بے امام نماز کی مانند ہوتا ہے یعنی قوم متحد ہونے کی بجائے منتشر ہوتی ہے اور جو قوم منتشر ہو وہ قوم کہلانے کی حقدار نہیں۔

(5) ہر فرد دوسرے فرد کے گلے پڑا ہوا ہوتا ہے + ہر وقت ہر فرد کسی نہ کسی نئے درد میں مبتلا رہتا ہے (ہر کوئی آپس کی تفریق و مخالفت کی بنا پر پریشان رہتا ہے)۔

(6) غلامی کی وجہ سے مرد حق زنار پہننے والا یعنی کافر ہو جاتا ہے (یہ ضروری نہیں کہ وہ مذہب تبدیل کر لیتا ہے بلکہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے کافرانہ انداز اپنا لیتا ہے) + غلامی سے اس کا موتی بے چمک' بے برکت اور بے قیمت ہو جاتا ہے۔

(7) اس کی (زندگی کی) شاخ خزاں کے موسم کے بغیر ہی پتوں سے خالی ہو جاتی ہے + اس کی جان میں سوائے موت کے خوف کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔

(8) (غلام شخص) کور ذوق ہوتا ہے یعنی اس میں لذت کی حس باقی نہیں رہتی اس لئے وہ زہر کو شہد سمجھنے لگتا ہے + وہ بے موت مردہ ہوتا ہے اور اپنی نعش کو خود کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوتا ہے (وہ چلتا

پھرتا جنازہ ہوتا ہے)۔

(9) وہ زندگی کی عزت لٹا چکا ہوتا ہے + وہ گدھوں کی طرح تنکے اور جو کھاتا پھرتا ہے (روزی کے ذلیل ذرائع سے پیٹ بھرتا ہے)۔

(10) ایسے شخص کی زندگی کے آسان مرحلوں اور مشکل مرحلوں کو دیکھ + اس پر جو کچھ ماضی میں بیتا ہے اور اس کی زندگی کے ماہ و سال جس طرح گزرے ہیں اور جس طرح گزر رہے ہیں انھیں دیکھ (معلوم ہو جائے گا کہ غلام کی زندگی کتنی ذلت آمیز ہے)۔

(11) اس کے دن ایک دوسرے کا ماتم کر رہے ہیں (کیونکہ ان کا ہر دن بے کار گزرتا ہے۔ دکھ درد سے بھرا گزرتا ہے) + رفتار میں وہ گھڑی کی ریت کی طرح ہیں یعنی عمل میں بہت سست ہیں (قدیم زمانے میں گھڑی اس طرح کی ہوتی تھی کہ ایک برتن میں ریت بھر دیتے تھے جو ذرہ ذرہ کر کے نیچے گرتی تھی اور چوبیس گھنٹوں کے اندر برتن کو خالی کر دیتی تھی اس سے وقت کا اندازہ کیا جاتا تھا یہاں شاعر نے اس کی سست روی سے مضمون اخذ کیا ہے)۔

تیسرا بند

شورہ بوم از نیش کژدم خار خار   مور او اژدر گز و عقرب شکار
صرصر او آتش دوزخ نژاد   زورق ابلیس را باد مراد
آتشے اندر ہوا غلطیدۂ   شعلہ در شعلہ پیچیدۂ
آتشے از دود پیچاں تلخ پوش   آتشے تندر غو و دریا خروش
در کنارش مارہا اندر ستیز   مارہا با کفچہ ہاے زہر ریز
شعلہ اش گیرندہ چوں کلب عقور   ہولناک و زندہ سوز و مردہ نور
در چنیں دشت بلا صد روزگار   خوشتر از محکومیِ یک دم شمار

*

① ایک بنجر زمین جو بچھوؤں کے ڈنگ کے زہر سے کانٹے ہی کانٹے رکھتی ہو + اس میں جو چیونٹیاں ہوں وہ اژدہے کو کاٹتی ہوں اور بچھوؤں کو شکار کرنے والی ہوں۔

② اس کی گرم اور تیز ہوا (چاہیے) دوزخ کی آگ کی نسل سے ہو یعنی عذاب النار ہو + اس کی ابلیسی کشتی (کو پار لگانے کے لئے چاہیے) موافق ہوائیں چلتی ہوں۔

③ (چاہیے اس میں) ہوا ایسی ہو جس میں آگ لپٹی ہوئی ہو + اور اس آگ میں (چاہیے) شعلہ کے اندر شعلہ لپٹا ہوا ہو یعنی ہوا آگ بھری ہو۔

④ ایسی آگ جس کو بل کھاتے ہوئے دھوئیں کی تلخی نے ڈھانپا ہوا ہو + ایسی آگ جو بجلی یا بادل کی کڑک والی اور دریا کے طوفان کے شور والی ہو۔

⑤ (ایسی آگ) جس کے پہلو میں سانپ آپس میں لڑ رہے ہوں + ایسے سانپ جن کے پھن زہر ٹپکاتے ہوں۔

⑥ اس کا شعلہ کٹ کھنے کتے کی طرح لپکتا ہو + وہ ڈرانے والا' زندہ حرارت والا اور مردہ نور والا ہو یعنی وہ دوزخ کی آگ طرح بے نور مگر تیز ترین حرارت والا اور دل دہلانے والا ہو۔

⑦ بلاؤں کے ایسے بیابان میں (جن کا مذکورہ بالا اشعار میں ذکر ہوا ہے) سو سال بسر کرنا + غلامی کے ایک دم سے زیادہ بہتر شمار کر۔۔۔ (علامہ نے غلامی کے مفاسد اپنے اردو اور فارسی کلام میں متفرق طور پر کئی جگہ بیان کئے ہیں لیکن جس انداز سے انہوں نے غلامی کی لعنت کو بندگی نامہ میں دکھایا ہے وہ منفرد ہے۔ انہوں نے صرف غلامی کی زندگی کے بھیانک ہونے کی ہی بات نہیں کی بلکہ غلاموں کے فنون لطیفہ اور مذہب کی بات بھی اسی انداز میں کی ہے۔ جس کا ذکر اس کے بعد آئے گا)۔

دربیان فنون لطیفہ غلاماں

غلاموں کے لطیف فنوں مثلاً موسیقی' شاعری' مصوری وغیرہ کے بیان میں

موسیقی

پہلا بند

مرگ ہا اندر فنون بندگی — من چہ گویم از فسون بندگی
نغمہ او خالی از نار حیات — ہمچو سیل افتد بدیوار حیات
چوں دل او تیرہ سیمائے غلام — پست چوں طبعش نواہائے غلام
از دل افسردۂ او سوز رفت — ذوق فردا ، لذت امروز رفت
از نے او آشکارا راز او! — مرگ یک شہر است اندر ساز او
ناتوان و زار می سازد ترا — از جہاں بیزار می سازد ترا
چشم او را اشک پیہم سرمہ ایست — تا توانی بے نوائے او مایست
الحذر ایں نغمہ موت است و بس — نیستی در کسوت صوت است و بس
تشنہ کامی؟ ایں حرم بے زمزم است — در بم و زیرش ہلاک آدم است
سوز دل از دل برد غم میدہد — زہر اندر ساغر جم میدہد
غم دو قسم است اے برادر گوش کن — شعلہ مارا چراغ ہوش کن
یک غم است آں غم کہ آدم را خورد — آں غم دیگر کہ ہر غم را خورد
آں غم دیگر کہ مارا ہمدم است — جان ما از صحبت او بے غم است
اندرو ہنگامہ ہائے غرب و شرق — بحر و در وے جملہ موجودات غرق
چوں نشیمن می کند اندر دلے — دل از و گردد یم بے ساحلے
بندگی از سرّ جاں نا آگہی است — زاں غم دیگر سرود او تہی است

من نمی گویم کہ آہنگش خطا است بیوہ زن را ایں چنیں شیون رواست!

*

(1) بندگی یعنی غلامی کے فنون میں اموات (پوشیدہ) ہیں + میں بندگی یعنی غلامی کی جادوگری کے متعلق کیا کہوں یعنی غلاموں کے ہر آرٹ میں زندگی کی بجائے موت نظر آتی ہے۔ ان کے آرٹ سے لوگ زندگی کی حرارت نہیں بلکہ موت کی خنکی پاتے ہیں۔

(2) اس کا نغمہ زندگی کی آگ سے خالی ہے + وہ زندگی کی دیوار پر سیلاب بن کر پڑتا ہے (جس سے زندگی کی دیوار گر جاتی ہے)۔

(3) غلام کی پیشانی اس کے دل کی طرح تاریک ہے یعنی اس کا ظاہر بھی تاریک ہے اور اس کا باطن بھی تاریک ہے + غلام کی سرشت کی طرح اس کی موسیقی کے نغمے بھی ذلت یا پستی کی طرف لے جانے والے ہیں۔

(4) اس کے افسردہ دل سے سوز غائب ہو گیا + مستقبل کا ذوق اور حال کی لذت ختم ہو گئی غلام کا دل چونکہ سوز سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس کے نغمے بھی اس سوز سے خالی ہوتے ہیں اس میں نہ تو حال کی زندگی کو اور نہ مستقبل کی زندگی کو پر لذت بنانے کی بات ہوتی ہے۔

(5) اس کی بنسری سے اس کا راز ظاہر ہے + اس کے ساز میں ایک شہر کی موت پوشیدہ ہے مراد ہے غلاموں کے ساز سے جو نغمے نکلتے ہیں وہ غلاموں کی سرشت کی طرح بے سوز ہوتے ہیں جن سے ایک فرد ہی نہیں پورا معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

(6) (غلاموں کے ساز سے نکلنے والا نغمہ یا ان کے لبوں سے بلند ہونے والا راز) تجھے کمزور اور عاجز بناتا ہے + تجھے وہ جہان سے بیزار کرتا ہے (اور جہان میں تگ و دو کرنے کے قابل نہیں چھوڑتا۔ تجھے افیون کی طرح سلا دیتا ہے۔ تجھے زندگی کی بجائے عیش و عشرت کا اور تفریح بے مقصدی کا بندہ بنا دیتا ہے)۔

(7) اس کی آنکھوں کے لئے تسلسل سے بہنے والے آنسوؤں کا سرمہ ہے یعنی غلام مستقل غم، رنج اور پریشانی کی حالت میں رہتا ہے + جہاں تک ہو سکے اس کی نوا (یا نغمہ یا موسیقی) پر کان نہ دھر۔

(8) ذرو یہ موت کا نغمہ ہے اور بس یعنی موت کے سوا کچھ نہیں۔ (موت سے مراد جسمانی موت نہیں انسانی اور روحانی موت ہے) + آواز کے لباس میں یہ فنا ہے اور کچھ نہیں۔

(9) کیا تو پیاسا ہے یعنی کیا تو موسیقی کا پیاسا ہے۔ نغمہ سننے کے لئے بے تاب ہے (اگر ایسا ہے تو اپنی پیاس بجھانے کے لئے اس کعبہ میں داخل نہ ہو) اس حرم میں زمزم کا پانی نہیں ہے یعنی یہ موسیقی تیری پیاس نہیں بجھا سکتی + اس موسیقی کے زیر و بم میں یعنی اونچے نیچے سروں میں آدم کی ہلاکت کا سامان چھپا ہوا ہے۔

(10) (یہ موسیقی) دل سے دل کا سوز لے جاتی ہے اور اس کی جگہ غم دے جاتی ہے + وہ جمشید کے ساغر میں زہر دیتی ہے مراد یہ ہے کہ بظاہر تو اس موسیقی کے سر تال بڑے دلکش ہوتے ہیں لیکن وہ سننے والے کو غم دے جاتی ہے ایسا غم جو انسان کے شایان شان نہیں ہوتا۔

(11) اے بھائی غم دو قسم کا ہے سن لے + میرے شعلہ کو اپنی عقل کے چراغ میں روشن کر لے یعنی بقائمی ہوش و حواس سمجھ لے۔

(12) ایک غم وہ غم ہے جو آدمی کو کھالیتا ہے + ایک دوسرا غم وہ ہے جو ہر غم کو کھالیتا ہے۔

(13) یہ دوسرا غم وہ ہے جو ہمارا دوست ہے + اس کی صحبت میں ہماری جان میں کوئی غم باقی نہیں رہتا (اور یہ غم عشق کا غم ہے)۔

(14) اس غم میں (جو ہر غم کو کھا جاتا ہے) مشرق اور مغرب کے ہنگامے ہیں یعنی اس غم عشق میں ساری دنیا کے ہنگامے موجود ہوتے ہیں + یہ غم ایک سمندر ہے کہ جس میں جملہ موجودات غرق ہیں۔

(15) یہ غم یعنی عشق کا غم جب کسی دل میں اپنا گھر بنا لیتا ہے + تو وہ دل اس غم کی وجہ سے ایک ایسا سمندر بن جاتا ہے جس کا کوئی کنارہ نہ ہو۔

(16) غلامی (چاہے وہ سیاسی ہو یا تہذیبی و ثقافتی) جان یا روح کے بھید سے آگاہ نہ ہونے کا نام ہے + (ایسے موسیقار کی موسیقی یا ایسے راگی کا راگ جو اپنے سیاسی یا تہذیبی آقاؤں کے فن موسیقی کا رسیا ہو) اس دوسرے غم سے (جس کی تشریح اوپر ہوئی ہے) خالی ہے (ایسے موسیقاروں کی موسیقی اور راگیوں کا راگ روح کو مارتا اور جسم کو زندہ کرتا ہے۔ ذہن میں ابلیسی خیالات پیدا کرتا ہے اور دل کو جذبات انسانی سے ناآشنا بنا دیتا ہے اس سلسلے میں مغربی موسیقی کے اس رخ کو خاص طور پر دیکھئے جو پاپ موسیقی کہلاتی ہے جس کو سن کر اور اس کے راگیوں کو دیکھ کر ہمارے اندر شیطان ناچنے لگتا ہے اور ہم اس وقت انسان نہیں کچھ اور ہو جاتے ہیں۔ ایسا نغمہ جو انسان کی روح کو آسمانی بلندیوں پر لے جانے کی بجائے زمینی پستیوں میں گرا دے انسان کے اندر کے انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

(17) میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے سر غلط ہیں (یعنی وہ موسیقی کے ضمن میں نہیں آتے کیونکہ ہر وہ شے جس کو سر کہتے ہیں موسیقی سے باہر نہیں البتہ ان کا اثر کے اعتبار سے اچھا یا برا ہونا الگ بات ہے۔ یہ مغربی آقاؤں کی ثقافت کے اثرات لئے ہوئے موسیقی بھی موسیقی کے دائرے میں ضرور آتی ہے لیکن اس میں سے جو آوازیں نکل رہی ہیں وہ ایسی ہیں کہ) اس قسم کی فریادیں یا نوحہ گری اس عورت کو بجا ہے جس کا خاوند مر گیا ہو (اور وہ واویلا کر رہی ہو مراد ہے کہ غلاموں کی موسیقی سروں میں ہونے کے باوجود موسیقی کے نام پر دھبہ ہے یہ موسیقی آدمی کو باہمت بنانے کی بجائے بے حوصلہ کرتی ہے)۔

دوسرا بند

نغمہ باید تند رو مانند سیل   تا برد از دل غماں را خیل خیل

نغمہ ---- می باید جنوں پروردۂ   آتشے در خون دل حل کردۂ

از نم او شعلہ پروردن تواں   خامشی را جزو او کردن تواں

می شناسی؟ در سرود است آں مقام   'کاندرو بے حرف' می روید کلام'

نغمہ روشن چراغ فطرت است   معنی او نقشبند صورت است

اصل معنی را ندانم از کجا ست   صورتش پیدا و با ما آشنا است

نغمہ گر معنی ندارد مردہ ایست   سوز او از آتش افسردہ ایست

راز معنی مرشد رومی کشود   فکر من بر آستانش در سجود

"معنی آں باشد کہ بستاند ترا بے نیاز از نقش گرداند ترا
معنی آں نبود کہ کور و کر کند مرد را بر نقش عاشق تر کند"
مطرب ما جلوۂ معنی ندید دل بصورت بست و از معنی رمید!

*

(1) نغمہ وہ چاہئے جو سیلاب کی طرح تیز رو ہو (جو سامع کے اندر ہمت' ولولہ' جوش اور زندگی پیدا کرے) + تاکہ وہ دل سے گروہ در گروہ غم لے جائے۔

(2) نغمہ وہ چاہئے جس کی جنوں نے پرورش کی ہو + جس کے خون دل میں آگ حل کی گئی ہو (گانے والے کے دل میں بھی عشق کی آگ ہونا ضروری ہے ایسا ہونے پر ہی راگ کے اندر آتش سوز و ساز پیدا ہو گی۔ گانے والا اگر صاحب جنوں ہو گا۔ تب اس کے نغمہ کے ذریعے دوسروں میں جنوں پیدا کرنے کی صلاحیتیں ہوں گی۔

(3) (ایسی موسیقی سے جس کا اوپر کے شعروں میں ذکر کیا گیا ہے حیرت انگیز اثرات مرتب ہو سکتے ہیں) اس کے نم سے شعلہ کی پرورش کی جا سکتی ہے + (اور) خاموشی کو اس کا جزو بنایا جا سکتا ہے (خاموشی اور آواز ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس لئے ہم سوچیں گے کہ خاموشی کو نغمہ کا جز کیسے بنایا جا سکے گا کیونکہ جہاں آواز ہو گی خاموشی نہیں ہو گی اور جہاں خاموشی ہو گی آواز نہیں ہو گی لیکن عشق میں ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں عاشق و معشوق کے درمیان بغیر الفاظ و صوت پیغام رسائی ہوتی ہے۔ صوفیا کے نزدیک اس انداز کلام کو کلام نفسی کہتے ہیں اس مقام پر انسان بغیر آواز و الفاظ کے متکلم ہوتا ہے)۔

(4) کیا تو جانتا ہے؟ راگ میں وہ مقام ہے + کہ جس مقام پر کلام بے حرف کیا جاتا ہے (دوسرا مصرع مولانا روم کے ایک شعر سے لیا گیا ہے۔ جس کا پہلا مصرع ہے "اے خدا بنما تو جاں را آں مقام" یعنی اے خدا تو جان کو وہ مقام دکھا جہاں کلام بغیر حروف کے ہوتا ہے یہ کلام الٰہی میں ہوتا ہے سالک راہ بھی اس مقام پر اللہ سے بے الفاظ و صوت اور اللہ اس سے بے الفاظ و صوت بات کرتا ہے۔ یہ روحانی مقام سالک کے مراقبہ کی حالت میں آتا ہے اور جو نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور متابعت کی وجہ سے صرف مسلمان صوفی کو ہی پیش آتا ہے ہر غیر مسلم چاہے وہ کتنا بڑا درویش کیوں نہ ہو اس سے محروم ہے)۔

(5) روشن نغمہ یعنی وہ نغمہ جو حقیقی ہے جو اپنے اندر آتش عشق رکھنے کی وجہ سے روشن ہے وہ نغمہ تو فطرت کا چراغ ہوتا ہے یعنی فطرت نے اس موسیقار کے اندر نور کی طرح ودیعت کیا ہوا ہوتا ہے + ایسے نغمہ کا معنی (یا حقیقت نغمہ جو ہے وہ) صورت کا نقش بند یا صورتیں بنانے والا ہے یعنی گانے والے کے دل میں جو عشق کا سوز و گداز ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس کے گلے سے حقیقی نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ عشق نغمہ کی صحیح صورتیں پیدا کرتا ہے اس سے وہ موسیقی کے صحیح مقامات سے نغمے پیدا کرتا ہے۔

(6) (عشق معنی کی طرح پوشیدہ شے ہے۔ جس کو نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی اور طرح گرفت میں لایا جا سکتا ہے ہاں صاحب عشق اسے یا اس کی کیفیت کو محسوس ضرور کرتا ہے اس لئے عشق جو ہے وہ کسی لفظ کے معنی کی مانند ہے اور جب وہ معنی الفاظ میں آجاتے ہیں تو صورت اختیار کر لیتے ہیں اسی طرح نغمہ پہلے معنی کی طرح عشق کی صورت میں ہوتا ہے پھر وہ مغنی کے گلے سے نکل کر سر' تال' راگ وغیرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معنی کی اصل کیا ہے اس کے متعلق شاعر کہتا

ہے) معنی کی اصل کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا کہ کہاں سے ہے اور کیا ہے مراد ہے اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا + (البتہ) اس معنی کی صورت (نغمہ کی آواز و الفاظ کی شکل میں) ظاہر ہے اور مجھ سے آشنا ہے۔ (مولانا روم اس معنی پر آگے چل کر روشنی ڈالتے ہیں۔ اقبال نے اس کی تشریح اپنے مرشد پر چھوڑ دی ہے اسی لئے کہا ہے کہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا)۔

(7) اگر نغمہ معنی یعنی عشق نہیں رکھتا تو وہ مردہ ہے + اس کا سوز بجھی ہوئی آگ کا سوز ہے یعنی بے معنی ہے۔

(8) معنی کا راز پیر رومی نے کھولا ہے + (وہ رومی) جس کے آستانے پر میرا فکر سربسجود ہے (جس سے میں نے مختلف علوم حاصل کئے ہیں۔ جن کی فکر نے میری فکر کو روشن کیا ہے چنانچہ مولانا روم اپنے اشعار میں کہتے ہیں)۔

(9) معنی وہ ہے جو تجھے خود میں اتار لے یا جذب کر لے + (اور) تجھے نقش سے بے نیاز کر دے یعنی معنی وہ ہے جو بغیر الفاظ کے تیرے دل میں جگہ بنا لے۔ اسی طرح صوفی بھی ایک مقام پر آ کر موسیقی کی آواز یعنی سر تال سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت کو پا کر اس میں مگن رہتا ہے۔

(10) معنی یہ نہیں ہے کہ آدمی کو اندھا اور بہرہ کر دے + (اور) آدمی کو صورت پر زیادہ عاشق کر دے مراد ہے معنی یہ نہیں کہ وہ تجھے حقیقت سے غافل کر دے۔

(11) ہمارے مطرب نے یعنی مغنی نے معنی کا جلوہ نہیں دیکھا + اس نے صورت سے دل لگایا اور معنی سے بھاگا۔

مصوری

پہلا بند

ہمچناں دیدم فن صورتگری نے براہیمی درو نے آزری
"راہبے در حلقہ دام ہوس دلبرے با طائرے اندر قفس
خسروے پیش فقیرے خرقہ پوش مرد کوہستانیٔ ہیزم بدوش
نازنینے در رہ بت خانہ جوگئے در خلوت ویرانہ
پیرکے از درد پیری داغ داغ آنکہ اندر دست او گل شد چراغ
مطربے از نغمہ بیگانہ مست بلبلے نالید و تار او گسست
نوجوانے از نگاہے خوردہ تیر کودکے بر گردن بابائے پیر"
می چکد از خامہ ہا مضمون موت ہر کجا افسانہ و افسون موت

*

① میں نے صورت گری کے فن یعنی مصوری کو بھی ایسا ہی دیکھا ہے + اس میں نہ براہیمی ہے اور نہ آزری ہے (حضرت ابراہیمؑ ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ توحید پرست تھے اور ان کی قوم کے جو بابا یا ان

کے چچا جو آزر نام کے تھے وہ بت گر اور بت پرست تھے ان کے حالات کے حوالے سے علامہ کہتے ہیں کہ غلاموں کی مصوری کے فن میں کوئی انفرادی خوبی نہیں ہوتی۔ نہ اس میں ابراہیمی ہے یعنی روایتی قدروں سے ہٹ کر کوئی نئی چیز پیدا کی جارہی ہے اور نہ پرانی روایات یعنی آزری ہی کی متابعت کی گئی ہے یعنی اس میں تخلیقی اور تقلیدی کوئی بھی چیز نہیں ہوتی بلکہ یہ غلامی کی پیدا کی ہوئی ذہنی پستی کی آئینہ دار ہوتی ہے اور غلام مصور اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں جن کا ذکر اگلے شعروں میں ہے۔

② (تصویریں کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ) ایک راہب اپنی ہوس کے جال میں گرفتار (کسی ویرانے میں بیٹھا ہے) + ایک معشوق ایک پنجرے میں قید کسی جانور کے ساتھ (دکھایا گیا ہے)۔

③ کسی خرقہ پوش فقیر کے حضور کسی درویش کو (بیٹھے یا کھڑے) + (اور) کسی پہاڑی علاقہ کے رہنے والے کو کندھوں پر لکڑیاں اٹھائے (دکھایا گیا ہے)۔

④ کوئی نازنین یعنی ناز بھری حسینہ بت خانہ کے راستہ میں + (اور) کوئی جوگی کسی ویرانے کی خلوت میں (دکھایا جاتا ہے)۔

⑤ کوئی حقیر بوڑھا یا ایسا بوڑھا جو دانائی میں بچوں کی طرح کا ہو لیکن وہ بڑھاپے کے درد سے داغ داغ ہو (اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ) + اس کے ہاتھ میں جو چراغ ہے وہ بجھ چکا ہے (جس سے اس کی جوانی یا عمر کے خاتمہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یا اس بڑھاپے میں اس کی دانائی کے بچگانہ ہونے کا عندیہ دیا جاتا ہے)۔

⑥ کوئی نغمہ گانے والا جو غیروں کے نغمہ میں مست ہو + اور کوئی ایسی فریاد کناں بلبل جس کی سانس ٹوٹ چکی ہو (دکھائی جاتی ہے)۔

⑦ کوئی نوجوان جو کسی کی نگاہ کا تیر کھا چکا ہو + (اور) کوئی بچہ کسی بوڑھے بابا کی گردن پر بیٹھا (دکھایا جاتا ہے)۔

⑧ (جیسا کہ اوپر دی گئی چند مثالوں سے ظاہر ہو گا دور غلامی کے مصوروں کے) قلموں سے موت کا مضمون ٹپکتا ہے + ہر کہیں موت کا افسانہ یا افسوں نظر آتا ہے۔

دوسرا بند

علم حاضر پیش آفل در سجود
شک بیفزود و یقیں از دل ربود

بے یقیں را لذت تحقیق نیست
بے یقیں را قوت تخلیق نیست

بے یقیں را رعشہا اندر دل است
نقش نو آوردن او را مشکل است

از خودی دور است و رنجور است و بس
رہبر او ذوق جمہور است و بس

حسن را دریوزہ از فطرت کند
رہزن و راہ تہی دستے زند

حسن را۔ از خود برون جستن خطاست
آنچہ می بانست پیش ما کجاست؟

نقش گر خود را چو با فطرت سپرد
نقش او افگند و نقش خود سترد

یک زماں از خویشتن رنگے نزد
بر زجاج ما گہے سنگے نزد

فطرت اندر طیلسان ہفت رنگ ماندہ بر قرطاس او با پائے لنگ
بے تپش پروانۂ کم سوز او عکس فردا نیست در امروز او
از نگاہش رخنہ در افلاک نیست زانکہ اندر سینہ دل بیباک نیست
خاکسار و بے حضور و شرمگیں بے نصیب از صحبت روح الامیں
فکر او نادار و بے ذوق ستیز بانگ اسرافیل او بے رستخیز
خویش را آدم اگر خاکی شمرد نور یزداں در ضمیر او بمرد
چوں کلیمے شد بروں از خویشتن دست او تاریک و چوب او رسن
زندگی بے قوت اعجاز نیست ہر کسے دانندۂ ایں راز نیست

*

(1) دور حاضر کا علم باطل یا فنا ہو جانے والی اشیا کے آگے سر سجدے میں رکھے ہوئے ہے + اس علم نے شک بڑھا دیا اور یقین کو دل سے اچک لیا۔

(2) بے یقین شخص میں تحقیق کی لذت نہیں ہوتی + بے یقین شخص کے اندر تخلیق کی قوت نہیں ہوتی۔

(3) بے یقین شخص کے دل میں رعشے ہوتے ہیں (اس کے دل میں کپکپی اور تھرتھری رہتی ہے) + نیا نقش پیدا کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔

(4) (ایسا بے یقین شخص) خود سے دور ہوتا ہے وہ تکلیف اور غم میں مبتلا ہوتا ہے اور بس + اس کا رہبر عام لوگوں کا ذوق ہوتا ہے اور بس یعنی وہ خود کچھ سوچنے اور تخلیق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ جو کچھ عام لوگ چاہتے ہیں وہ اس قسم کے نقش بناتا رہتا ہے)۔

(5) وہ فطرت سے حسن کی بھیک مانگتا ہے یعنی وہ حسن کو اپنے باہر ڈھونڈتا ہے حالانکہ تخلیق کار ہونے کی حیثیت سے حسن اس کے اندر ہونا چاہئے + اس کی مثال اس رہزن کی طرح ہے جو خالی ہاتھ یعنی بے دولت شخص کا راستہ روکے (اور اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے) یعنی فطرت کے پاس اس کو حسن دینے کے لئے کیا ہے وہ تو وہی حسن ہے جو عام ہے نیا حسن تو اس کی تخلیقی صلاحیت نے پیدا کرنا ہے مگر ایسا تبھی ہو سکتا ہے اگر اس کے اپنے اندر حسن ہو۔

(6) حسن کو اپنے باہر ڈھونڈنا غلطی ہے (حسن باہر نہیں دیکھنے والے کے اپنے اندر ہے) + جو کچھ کہ ہونا چاہئے وہ ہمارے سامنے کہاں ہے مراد ہے ہمارا دل جس حسن کو ڈھونڈتا ہے وہ خارج میں کہاں ہے وہ تو ہمارے اندر ہے دیکھنے والے کے اپنے ذوق کے اندر ہے اگر کسی میں حسن کی تحسین کا مادہ ہی نہیں ہے تو اسے خارج میں کہیں حسن نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا اندر ہی موسیقی پسند نہیں ہے تو لاکھ اچھے سے اچھا راگ، اور گیت اس کے سامنے پیش کریں وہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو گا بلکہ حرام تک کا فتویٰ لگا دے گا۔

(7) اگر کسی نقش بنانے والے نے خود کو فطرت کے سپرد کر دیا یعنی وہی نقش بنایا جو فطرت نے بنا رکھا ہے مثال کے طور پر کسی باغ کی، کسی شہر کی، کسی طلوع ہوتے یا ڈوبتے ہوئے سورج کی، کسی بہتے دریا یا بلند پہاڑ کی تصویر کھینچ دی تو اس میں اس کا کیا کمال ہے یہ تصویر تو فطرت نے پہلے ہی بنا رکھی ہے۔ وہ تو محض

ان تصویروں کا نقال ہے + (نقش گر نے فطرت کا نقشہ کھینچ کر صرف یہ کیا ہے کہ) اس کا نقش کھینچ دیا ہے اور اپنا نقش مٹا دیا ہے یعنی اس نے اپنی تخلیقی قوت کو ختم کر دیا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ اس نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ اس میں تخلیق کی قوت ہی نہیں ہے۔ تخلیق نقل کو نہیں کہتے نئی چیز پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔

(8) اس نے ایک بار بھی (تصویر میں) اپنی طرف سے کوئی رنگ نہیں بھرا (صرف فطرت یا قدرت کی بنی بنائی تصویروں کو جو ہماری خارجی دنیا میں ہر طرف کھینچی ہوئی ہیں انہی کے رنگ اور ڈھنگ میں کھینچا ہے ان میں اپنی سوچ اور جدت کا کوئی رنگ نہیں بھرا + اس نے کبھی ہمارے شیشے پر کوئی پتھر نہیں مارا یعنی ہمیں کوئی تصویر اپنی تخلیقی صلاحیت کے زور پر فطرت سے ہٹ کر نہیں دکھائی ایسی تصویر جس سے ہمارے اندر ایک ہلچل پیدا ہو۔ جس طرح اعلیٰ وارفع شاعروں کی شاعری الہامی ہوتی ہے اسی طرح اعلیٰ وارفع مصوروں کی تصویری فکر بھی القائی ہوتی ہے۔ ان کی تصویروں کے خطوط و دوائر اور رنگ و آہنگ وہ نہیں ہوتے جو پہلے سے بنے بنائے ہمارے چاروں طرف موجود ہیں بلکہ وہ اپنی تخلیقی قوت سے ان کو نئے زاویوں سے، نئے خطوط میں اور نئے رنگوں میں پیش کرتے ہیں اور اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ دیکھنے والے کے افکار و خیالات میں زلزلہ سا آجاتا ہے۔

(9) قدرت یا فطرت اپنی سات رنگ کی چادر میں (لپٹی ہوئی) + اس کے کاغذ پر لنگڑے پاؤں کے ساتھ موجود یا کھڑی ہوتی ہے یعنی قدرت کی فضا میں جو یہ سات رنگ مضمر ہیں قدرت ان سے مزین ہے۔ مصور انہی نظاروں کو ان کے رنگوں میں ہی اپنے کاغذ پر لے آتا ہے اور اس انداز میں لاتا ہے کہ فطرت کے اصل نظارہ، نقش اور رنگ کو دیکھ کر جو تاثر پیدا ہوتا ہے وہ مصور کے کھینچے ہوئے نقش سے پیدا نہیں ہوتا اصل اصل ہے اور نقل نقل ہے۔ نقاش فطرت نے جس طرح نقش بنایا ہے اس کی مکمل اور ہو بہو تصویر بنانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ نیچرل سین میں جو بات ہے وہ بناوٹ میں کہاں ہے۔

(10) اس کا پروانہ (شمع پر قربان ہو کر) نہ جلنے والا ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ اس میں عشق کی آگ نہیں ہے + اس کے حال میں مستقبل کا عکس نہیں ہے۔ (عشق کے سوز کے بغیر نئی چیز تخلیق کرنا ممکن نہیں جب تک خون جگر کو تصویروں کے رنگوں میں شامل نہ کیا جائے گا ان میں جدت پیدا نہیں کی جا سکے گی اور جو کچھ موجود ہے اس میں کوئی نئی بات تخلیق کر کے اسے منفرد نہیں بنایا جا سکے گا۔

(11) اس کی نگاہ سے آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں پڑتا یعنی وہ فطرت کے بنائے ہوئے نقوش کی نقالی کو نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ میں سوز نہیں اور سوز اس لئے نہیں کہ + اس کے سینے میں وہ دل نہیں ہے جو (عشق کی تپش کی وجہ سے) جرأت والا اور نڈر ہوتا ہے۔

(12) (نڈر اور جرأت مند ہونے کی بجائے) وہ تو خاکسار، بے حضور اور شرمسار ہے + اسے تو روح الامین یعنی حضرت جبرئیلؑ کی صحبت ہی نصیب نہیں مراد ہے کہ اس کے اندر القائی اور الہامی کوئی فکر ہی نہیں ہے کہ جس سے راہنمائی اور تائید حاصل کر کے وہ جرأت اور بے خوفی کے ساتھ فطرت سے ماورا اپنی تخلیقات پیش کر سکے۔

(13) اس کا فکر مفلس ہے یعنی اس میں نئی بات سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور وہ جنگ آزمائی کے ذوق سے بے گانہ ہے یعنی اس میں پرانی یا رسمی روایات سے متصادم ہو کر نئی روایات تخلیق کرنے کی جرأت ہی نہیں ہے + اس کے اسرافیل فرشتے کی آواز بھی [illegible] کے بغیر ہے (کہا یہ جاتا ہے کہ قیامت کے دن

اسرافیل فرشتہ صور پھونکے گا یعنی ایک آلہ میں جسے صور کہتے ہیں آواز پیدا کرے گا جس کو سن کر سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور حشر نشر برپا ہو جائے گا۔ ہمارے مصوروں کے پاس وہ تخلیقی قوت کہاں کہ وہ اپنی تصویروں سے مردہ دلوں کو زندہ کر سکیں یا ناداروں کو ناداری' غلاموں کو غلامی اور زیردستوں کو زیردستی سے نکال سکیں یا ان قوتوں سے برسرپیکار ہونے کا خیال پیدا کر سکیں جنہوں نے لوگوں کو نادار' بے بس' غلام اور زیردست بنا رکھا ہے۔ غلاموں کی تصویر گری کا فن بھی ان کی موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ کی طرح لوگوں کو بہلانے اور سلانے والا ہی ہوتا ہے ان میں قوت' حوصلہ' اور جگرداری پیدا کرنے والا اور ان کو غفلت کی نیند سے جگانے والا نہیں ہوتا۔ اور ایسا اس لئے نہیں ہوتا ہے کہ غلامی نے ان کی تخلیقی قوتوں کو بے حس کر دیا ہوتا ہے۔ ان کے آقاؤں نے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے ان کے ذہنوں کو پست فکر بنا دیا ہوتا ہے۔

(14) آدمی نے اگر خود کو خاک کا بنا ہوا (ایک پتلا ہی) شمار کیا (تو یوں سمجھو) + کہ اس کے اندر خدا کا جو نور تھا وہ ختم ہو گیا (آدم کی بشریت یعنی آدم کا خول بے شک مٹی کا ہے لیکن اس خول کے اندر جو اصل آدم ہے وہ نور یزداں کا مجسمہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح سے بنا ہے۔ وہ خدا کی صفات کا مظہر ہے۔ اس کو پانا خدا کو پانا ہے یہی مراد ہے علامہ کے اس قول سے کہ تو خدا سے ملنا چاہتا ہے یا خدا کو پانا چاہتا ہے تو اپنے نزدیک ہو جا یعنی خود کو پا لے۔

(15) حضرت موسیٰؑ جو اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی وجہ سے کلیم اللہ کہلاتے تھے ہاتھ اور لاٹھی کے دو معجزے رکھتے تھے۔ ہاتھ کا معجزہ یہ تھا کہ جب وہ اسے آستین یا بغل سے باہر کرتے تھے تو وہ روشن ہوتا تھا اسی لئے اسے ید بیضا کہا جاتا ہے۔ جب وہ اپنی لاٹھی یا عصا کو زمین پر پھینکتے تھے تو وہ اژدہا بن جاتا تھا ایک موقع پر جب حضرت موسیٰؑ کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا تھا تو عصائے موسیٰ نے اژدہا بن کر جادوگروں کی ان رسیوں کو نگل لیا تھا جو جادو کے زور سے بظاہر سانپ نظر آتی تھیں۔ علامہ اس پس منظر میں کہتے ہیں کہ) جب حضرت موسیٰؑ کے اندر سے کلیم اللہ باہر آ گیا یعنی نہ رہا (تو موسیٰ تو محض بشر رہ گئے ایسی صورت میں) + ان کا ہاتھ تاریک اور ان کا عصا محض رسی رہ گیا۔ (اگر حضرت موسیٰ کی شخصیت خاصیت نبوت سے خالی ہوتی تو وہ ایک عام بشر ہوتے ایسی صورت میں یہ معجزات دکھانے والا بشر ان کے اندر نہ ہوتا یہی صورت حال ہر بشر کی ہے اگر بشر کے اندر سے نور یزداں نکل جائے تو باقی وہ مٹی ہی کا چلتا پھرتا مجسمہ رہ جاتا ہے)۔

(16) زندگی معجزہ کی طاقت کے بغیر کچھ نہیں + ہر شخص اس راز کا جاننے والا نہیں ہے (جس زندگی میں اپنی نمود' اپنی پرواز اور اپنی تسخیری قوتوں کو عمل میں لانے کی صلاحیت نہیں یا وہ ان کو عمل میں نہیں لاتی وہ زندگی نہیں موت ہے)۔

تیسرا بند

آں ہنرمندے کہ بر فطرت فزود   راز خود را بر نگاہ ما کشود
گرچہ بحر او ندارد احتیاج   می رسد از جوئے ما او را خراج

چیں ربابد از بساط روزگار ہر نگار از دست او گیرد عیار
حور او از حور جنت خوشتر است منکر لات و مناتش کافر است
آفریند کائنات دیگرے قلب را بخشد حیات دیگرے
بحر و موج خویش را برخود زند! پیش ما موجش گہر می افگند
زاں فراوانی کہ اندر جان اوست ہر تہی را پر نمودن شان اوست
فطرت پاکش عیار خوب و زشت صنعتش آئینہ دار خوب و زشت
عین ابراہیم و عین آزر است دست او ہم بت شکن ہم بت گر است
ہر بنائے کہنہ را بر می کند جملہ موجودات را سوہاں زند

*

① وہ ہنرمند یعنی وہ مصور جس نے فطرت میں اضافہ کیا (اس نے صرف نقاشی نہیں کی بلکہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اس کے خطوط و دوائر اور رنگ و حسن میں مزید دلفریبی اور دلکشی پیدا کی ہے) + اس نے اپنے راز کو ہم پر کھولا ہے یعنی ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ اس میں حسن کی خوبیاں پہچاننے کا جوہر موجود ہے۔

② اگرچہ اس کا سمندر کوئی احتیاج نہیں رکھتا یعنی اس کو ہماری تعریف کی ضرورت نہیں ہے + لیکن ہماری ندی سے اس کو خراج ضرور ملتا ہے یعنی ہم اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے آرٹ کے حسن کو پہچاننے والا اس کے حسن کی تعریف و تحسین کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ مصور کی تصویر اگر آپ کو مجبور کرتی ہے کہ آپ اس کی تعریف کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تصویر واقعی تحسین کے قابل ہے۔

③ یہ زندگی کے فرش یا چادر سے اس کی شکنیں چن لیتا ہے یعنی زندگی کا صحیح رخ اپنے کاغذ پر پیش کرتا ہے + ہر محبوب اس کے ہاتھ سے اپنی قیمت یا معیار پاتا ہے یعنی جس کو وہ اپنی تصویر میں حسن کے معیار کے طور پر پیش کرے گا وہی حسین ہے۔ حسن کے باقی معیار محل نظر ہوں گے اس سے یہ مراد بھی ہے کہ ایسا مصور کائنات کے عیب دور کرتا ہے اور اس کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔

④ اس کی (بنائی ہوئی) حور جنت کی حور سے زیادہ اچھی اور حسین ہے + وہ اپنی تصویروں میں جو لات اور منات کے بت بناتا ہے ان کا انکار کرنے والا کافر ہے مراد یہ ہے کہ مصور جن مختلف انسانی اجسام کو اپنے موئے قلم سے صفحہ کاغذ پر متشکل کرتا ہے مذہبی لوگ ان کو لات و منات یعنی بت کہتے ہیں اور ان کے نقوش بنانے کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں لیکن علامہ کہتے ہیں کہ کسی مصور کے کھینچے ہوئے ایسے اعلیٰ ارفع نقوش کو جن سے ناظرین کے قلب و نظر میں نور اور عرفان پیدا ہو برا کہنا خود کفر ہے یعنی ایسے مصور کی تصویروں کا انکار کرنا مناسب نہیں ان کا انکار وہی کر سکتا ہے جو فن تصویر گری کے حسن و خوبی اور اثر و تاثیر کا منکر یعنی کافر ہے۔ وہ منکر یا کافر اسی لئے ہوتا ہے کہ اس میں تصویر کے حسن کی تحسین و آفرین کرنے کا ذوق نہیں ہوتا جس طرح صحیح سماع یا راست موسیقی ہر گوش کے لئے سازگار نہیں اسی طرح صحیح مصوری ہر آنکھ کے موافق نہیں۔ ان دونوں میں عیوب وہ تلاش کرتا ہے جو ذوق سماعت اور ذوق بصارت سے محروم ہوتا ہے (لات اور منات اسلام سے قبل کافروں کی طرف سے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بہت سے بتوں میں سے دو کے نام ہیں)۔

⑤ وہ ایک نئی کائنات پیدا کرتا ہے + (اور) دل کو ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے (اپنی تصویروں میں وہ

ایسی دنیا دکھاتا ہے جس کو عام نظریں نہیں دیکھ سکتیں اور جس کو دیکھ کر ہر کوئی محظوظ نہیں ہو سکتا وہ ایسی دنیا دکھاتا ہے جس کے نظارے سے قلب انسان کو زندگی ملتی ہے نہ کہ موت۔

⑥ وہ اپنے سمندر اور اس کی موج کو خود پر اچھالتا ہے + (اور اس طرح) اس کی موج ہمارے سامنے موتی پھینک دیتی ہے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر منفرد اور یگانہ تصویریں بناتا ہے دوسروں کے خیالات کا دریوزہ گر نہیں ہوتا۔ وہ اپنی جدت فکر سے ایسی تصویریں بناتا ہے جن میں کسی دوسرے کی فکری کاوش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

⑦ (تخیلات و افکار کی یا جذبات و کیفیات کی) جو فراوانی یا زیادتی اس کی جان میں ہے + (اس سے) ہر خالی کو پر کرنا اس کی شان ہے (جہاں کہیں بھی تصویر کشی میں کسی سے کمی رہ گئی ہو اس کو وہ پورا کر دیتا ہے یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ اچھی اور معیاری تصویروں کو دیکھنے سے محروم رہ جانے والی آنکھوں کو اپنے فن کے اعجاز سے سیر کر دیتا ہے)۔

⑧ اس (مصور) کی پاک فطرت اچھائی اور برائی کی کسوٹی ہے یعنی جس تصویر کو وہ برا کہتا ہے وہ بری ہے اور جس کو وہ اچھا قرار دیتا ہے وہ اچھی ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اپنی تصویروں کے تناظر میں اس نے جو اچھائی اور برائی کے امتیازات قائم کئے ہیں فن مصوری کے لحاظ سے وہی صحیح ہیں + اس کی صنعت یا فن تصویر گری ہی اس فن کے اچھے اور برے ہونے کا آئینہ دار ہے۔ (اس آئینہ میں جو شکل بری ہے وہ بری اور جو اچھی ہے وہ اچھی ہے)۔

⑨ اس کی مصوری کے فن میں حضرت ابراہیمؑ کی (ضرب بت شکنی) کا بھی ظہور ہے اور بت پرست آزر (کی بت گری کی) کا بھی ظہور ہے یعنی وہ اپنے موقلم سے فرسودہ خیالات لئے ہوئے مصوری کے بت کو توڑتا بھی ہے اور نئے خیالات لئے ہوئے مصوری کے بت تراشتا بھی ہے + (اس لحاظ سے) اس کا ہاتھ بت توڑنے والا بھی ہے اور بت بنانے والا بھی ہے۔

⑩ وہ ہر پرانی بنیاد کو اکھاڑ باہر پھینکتا ہے + وہ سب موجود چیزوں پر ریتی پھیر دیتا ہے مراد یہ ہے نئی اور جاندار تصویریں بنانے کے لئے وہ پرانی اور گھسی پٹی روایات والی تصویروں کو نظرانداز کر کے نئی نئی تصویریں بناتا ہے (ایسی تصویریں جن میں جدت ہو جن میں زندگی ہو) اس لئے وہ کائنات میں موجود جملہ چیزوں کی تصویر کشی ایک نئے اور جدت بھرے انداز میں کرتا ہے اور ان تصورات کو مٹا دیتا ہے جو غلامی کے دور کے مصوروں نے دیئے ہوں۔

چوتھا بند

در غلامی تن ز جاں گردد تہی از تن بے جاں چہ امید بہی
ذوق ایجاد و نمود از دل رود آدمی از خویشتن غافل رود
جبرئیلے را اگر سازی غلام برفتد از گنبد آئینہ فام
کیش او تقلید و کارش آزری ست ندرت اندر مذہب او کافری ست
تازگیہا وہم و شک افزایدش ہمکہنہ و فرسودہ خوش می آیدش

چشم او بے رفتہ از آیندہ کور   چوں مجاور رزق او از خاک گور
گر ہنر این است مرگ آرزو ست   اندرونش زشت و بیرونش نکو ست
طائر دانا نمیگوددد اسیر   گرچہ باشد دامے از تار حریر!

*

① غلامی میں جسم روح سے خالی ہو جاتا ہے + بے روح جسم سے بہتری یا اچھائی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

② (غلامی میں) ایجاد اور نمود کا یعنی نئی نئی تخلیقات کا اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا ذوق دل سے رخصت ہو جاتا ہے + (اور) آدمی خود سے غافل زندگی گزارتا ہے (اسے اپنی معرفت ہی نہیں ہوتی۔ اسے اپنے اندر موجود صلاحیتوں اور قوتوں کا علم ہی نہیں ہوتا)۔

③ اگر تو جبرئیل کو غلام بنا لے + تو وہ بھی آئینے کے رنگ کے گنبد یعنی آسمان سے نیچے (زمین پر) آ گرے گا یعنی وہ بھی اپنی صلاحیتوں کو بھول جائے گا اور مقام عزت سے مقام ذلت میں آگرے گا۔

④ اس کا یعنی غلام کا مذہب تقلید کرنا اور اس کا کام آزر کی طرح بت بنانا ہے۔ یعنی وہ اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتا ہے اور وہ ان آقاؤں کے بتوں کا پجاری ہوتا ہے + اس کے مذہب میں (تقلید سے ہٹ کر) نئی چیزیں پیدا کرنا کافری ہے۔

⑤ نئی باتیں اس کے وہم اور شک کو بڑھاتی ہیں + اسے پرانی اور گھسی پٹی باتیں اچھی لگتی ہیں۔

⑥ اس کی آنکھ جو کچھ گزر چکا ہے اس پر لگی رہتی ہے اور وہ آنے والے (حالات و واقعات) کو دیکھنے کے بارے میں اندھا ہوتا یعنی وہ اپنی زندگی ماضی میں کھو کر گزارتا ہے اور اسے مستقبل کی کوئی فکر نہیں ہوتی + مجاور کی طرح اس کا رزق قبر کی مٹی سے ہوتا ہے مراد ہے جس طرح مجاوروں کا طبقہ قبروں پر بیٹھا زائرین کی جیبوں سے دولت کھینچتا ہے یہ بھی ذلت اور بے عزتی کے ذرائع سے روزی کما کر اپنا پیٹ پالتا ہے جس طرح مجاور بے محنت کئے اپنی ذلیل روزی پیدا کرتا ہے غلام بھی ایسی روزی کمانے کی فکر میں ہوتا ہے جو محنت کئے بغیر ہاتھ آجائے چاہے اس میں انسانی شرف ہی جاتا رہے۔

⑦ اگر یہی ہنر ہے تو یہ آرزو کی موت ہے + اس کا اندر برا اور اس کا باہر اچھا ہے۔

⑧ دانا پرندہ کبھی (جال میں) میں قید نہیں ہوتا + چاہے اس کا جال ریشم کے تاروں سے بنا ہوا ہو مراد یہ ہے کہ کوئی بھی عقل مند تو غلامی کی زندگی قبول نہیں کر سکتا چاہے اس زندگی میں بظاہر کتنا ہی حسن کیوں نہ ہو۔

مذہب غلاماں

پہلا بند

در غلامی عشق و مذہب را فراق   انگبین زندگانی بد مذاق
عاشقی؟ توحید را بر دل زدن   وانگہے خود را بہر مشکل زدن

در غلامی عشق جز گفتار نیست کار ما گفتار ما را یار نیست
کاروان شوق بے ذوق رحیل بے یقین و بے سبیل و بے دلیل

*

① غلامی میں عشق اور مذہب میں فراق ہوتا ہے + (اور) زندگی کا شہد بے مزہ ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ غلام شخص کے مذہب میں عشق نہیں ہوتا یہ محض رسمی ہوتا ہے جس کی بنا پر اس کی زندگی بے لطف ہوتی ہے۔

② عاشقی کیا ہے! عاشقی توحید کو دل میں بساتا ہے + اور پھر خود کو ہر مشکل سے دو چار کرتا ہے (تاکہ توحید کے سارے تقاضے پورے ہو سکیں)۔

③ غلامی میں تو عشق سوائے قال کے کچھ نہیں ہوتا + (اور) ہمارا عمل یا ہمارا حال ہمارے قال کے موافق نہیں ہوتا۔

④ شوق کا قافلہ ذوق کے کوچ کے بغیر ہوتا ہے + (کیونکہ) وہ بے یقین' بے راہ اور بے دلیل ہوتا ہے۔

دوسرا بند

دین و دانش را غلام ارزاں دہد تا بدن را زندہ دارد جاں دہد
گرچہ بر لب ہاے او نام خداست قبلۂ او طاقت فرمانرواست
طاقتے نامش دروغ با فروغ از بطون او نزاید جز دروغ
ایں صنم تا سجدہ اش کردی خداست چوں یکے اندر قیام آئی فناست
آں خدا نانے دہد جانے دہد ایں خدا جانے برد نانے دہد
آں خدا یکتا ست ایں صد پارہ ایست آں ہمہ را چارہ ایں بیچارہ ایست
آں خدا درمان آزار فراق ایں خدا اندر کلام او نفاق
بندہ را با خویشتن خوگر کند چشم و گوش و ہوش را کافر کند
چوں بجان عبد خود راکب شود جاں بہ تن لیکن ز تن غائب شود
زندہ و بے جاں چہ راز است ایں نگر یا تو گویم معنیٔ رنگیں نگر
مردن و ہم زیستن اے نکتہ رس ایں ہمہ از اعتبارات است و بس
ماہیاں را کوہ و صحرا بے وجود بہر مرغاں قعر دریا بے وجود
مرد کر سوز نوا را مردۂ! لذت صوت و صدا را مردۂ
پیش چنگے مست و مسرور است کور پیش رنگے زندہ درگور است کور
روح با حق زندہ و پایندہ ایست ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ ایست
آنکہ حی لا یموت آمد حق است زیستن با حق حیات مطلق است
ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست گرچہ کس در ماتم او زار نیست

از نگاہش دیدنی ہا در حجاب قلب او بے ذوق و شوق انقلاب
سوز مشتاقی بکردارش کجا نور آفاقی بگفتارش کجا!
مذہب او تنگ چوں آفاق او از عشا تاریک تر اشراق او
زندگی بار گراں بر دوش او مرگ او پروردۂ آغوش او
عشق را از صحبتش آزارہا از دمش افسردہ گردد نارہا
نزد آں کرمے کہ از گل برنخاست مہر و ماہ و گنبد گرداں کجاست

*

(1) دین کو اور دانائی کو غلام سستے بھاؤ بیچ دیتا ہے + تاکہ وہ بدن کو زندہ رکھ سکے وہ جان دے دیتا ہے۔

(2) اگرچہ اس کے ہونٹوں پر خدا کا نام ہوتا ہے + اس کا کعبہ تو اس کے آقاؤں یا اس پر حکمران ہونے والوں کی طاقت ہوتا ہے (وہ خدا کی بجائے ان کے آگے جھکتا ہے)۔

(3) (فرماں روا کی طاقت) ایک ایسی طاقت ہے جو روشن یا ترقی کرتا ہوا جھوٹ ہوتا ہے + اس کے بطنوں سے (اندر سے) سوائے جھوٹ کے اور کچھ پیدا نہیں ہوتا۔

(4) یہ بت (جو تیرے حاکموں کے اقتدار کا بت ہے) جب تک تُو اسے سجدہ کرتا رہے گا تو یہ خدا ہے یعنی اس بت اقتدار کی زندگی تیرے اس کو تسلیم کرلینے کی وجہ سے ہے + اگر تو ایک دفعہ اس کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو پھر وہ فنا ہے۔

(5) خدا ایک تو وہ ہے جو ہمیں روٹی بھی دیتا ہے اور ہمیں زندگی بھی دیتا ہے (یہ وہ خدا ہے جو وجود مطلق اور واجب الوجوب ہے) + یہ خدا یعنی حاکموں کی طاقت کا خدا زندگی لے جاتا ہے تب جا کر روٹی دیتا ہے (اس کے رزق سے روح مرجاتی ہے)۔

(6) وہ خدا تو واحد ہے (جس کا کوئی ثانی اور شریک نہیں) اور یہ یعنی دنیا کے حاکم کی حکومت اور طاقت کا خدا سو ٹکڑے ہے + وہ خدا سب بے چاروں کا چارہ ہے اور یہ خدا بے چارہ ہے۔

(7) وہ خدا فراق کے رنج کا علاج ہے + یہ خدا وہ ہے جس کے کلام میں نفاق ہے (وہ خدا تو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتا ہے اور اتفاق پیدا کرتا ہے لیکن یہ خدا لوگوں کو منتشر کرتا ہے اور ان میں نفاق پیدا کرتا ہے)۔

(8) (یہ جھوٹا اور منافق خدا) بندہ کو خود سے مانوس کرلیتا ہے یعنی اسے غلامی کا عادی بنا دیتا ہے + (اور) اس کی آنکھوں، کانوں، اور عقل کو کافر بنا دیتا ہے یعنی بندہ نہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے نہ اپنے کانوں سے سنتا ہے اور نہ اپنی عقل سے کام لیتا ہے وہ ہر طرح سے اپنے جھوٹے خدا کے نقش قدم پر اور اس کے تابع فرمان ہو کر چلتا ہے۔

(9) جب یہ جھوٹا خدا اپنے بندے کی جان پر سوار ہو جاتا ہے + تو جان (بندے کے) تن میں ہوتی ہوئی تن سے غائب ہو جاتی ہے۔

(10) (بندہ) زندہ ہو اور بے جان ہو یہ کیا راز ہے + (اس بارے میں) میں تجھ سے رنگین (دلچسپ و دل کش) مضمون یا باطنی حقیقت بیان کرتا ہوں غور کر۔

(11) مرجانا بھی اور زندہ بھی رہنا اے باریک بات تک پہنچنے والے + یہ سب کچھ اعتبارات میں سے

ہے (اعتباری اس شے کو کہتے ہیں جس کے دو رخ ہوں ایک کے نزدیک ایک رخ اور دوسرے کے نزدیک اس کا دوسرا رخ ٹھیک ہو سکتا ہے مثلاً اندھے کے لئے دنیا میں کوئی رنگ نہیں ہے بینا کے لئے سب رنگ ہیں۔ بہرے کے لئے موسیقی یا آواز کوئی حقیقت نہیں رکھتی جو سن سکتا ہے اس کے لئے حق ہے اسی طرح آزاد لوگوں کے نزدیک غلام زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے اور غلاموں کے نزدیک وہ مردہ نہیں زندہ ہے۔ شاعر نے اگلے دو تین شعروں میں اس کی خود ہی وضاحت کی ہے۔

(12) مچھلیوں کے لئے پہاڑ اور صحرا وجود نہیں رکھتے۔
+ پرندوں کے لئے دریا یا اس کی گہرائی وجود نہیں رکھتی۔

(13) بہرہ آدمی نوا یا نغمہ کے سوز کے لحاظ سے مردہ ہے + وہ آواز اور صدا کی لذت کے اعتبار سے مردہ ہے۔

(14) رباب کے سامنے (یعنی اس کے نغمے سن کر) اندھا مست اور خوش ہے + (لیکن) رنگ (کو دیکھنے کے لحاظ سے) اندھا زندہ درگور ہے یعنی جیتے ہوئے بھی مردہ ہے کیونکہ اس کو کچھ خبر نہیں کہ رنگ کیا ہے۔

(15) (آدمی کی) روح حق (سچے خدا) کے ساتھ زندہ اور ہمیشہ رہنے والی ہے + ورنہ اس کے لئے یعنی سچے خدا کے نزدیک تو یہ مردہ ہے ہاں جھوٹے خداؤں کے نزدیک یہ زندہ ہے۔

(16) وہ جو ایسا زندہ ہے کہ اس کو موت نہیں وہ حق ہے + (اور) حق کے ساتھ جینا یعنی حق کا ہو کر جینا یہ مطلق حیات ہے جس کو موت نہیں (یہ مفہوم ہے زندہ ہوتے ہوئے مردہ ہونے کا اور ہمیشہ کے لئے زندگی حقیقی پالینے کا جو مذکورہ بالا شعروں میں علامہ نے بیان کیا ہے)۔

(17) جو شخص کہ حق کے بغیر جیا وہ سوائے مردار کے کچھ نہیں + اگرچہ اس کے ماتم میں کوئی رو نہیں رہا۔

(18) اس کی نگاہ میں دیکھنے کے لائق چیزیں پردہ میں رہتی ہیں یعنی وہ اسرار و رموز زندگی و کائنات سے بے خبر ہوتا ہے + اس کا دل انقلاب پیدا کرنے کے ذوق اور شوق سے خالی ہوتا ہے (وہ جدوجہد سے گھبراتا ہے۔ خود کو غلامی کے پنجے سے نجات دلانے کی بجائے اس پر صابر و شاکر ہوتا ہے)۔

(19) اس کے کردار میں سوز مشتاقی کہاں (ہوتا ہے) + اس کی گفتار میں آفاقی نور کہاں (ہوتا ہے) مراد ہے ایسے شخص کے کردار میں حرارت عمل اور ایسے شخص کی گفتار میں کائنات کی خبر رکھنے والی کوئی بات نہیں ہوتی اس کا عمل بے سوز اور اس کی بات محدود ہوتی ہے۔

(20) اس کے (افکار و کردار کی محدود دنیا کی) مانند اس کا مذہب بھی تنگ ہوتا ہے (تعصبات، نفاق، نفرت اور جنگ و جدال سے بھرا ہوا) + اس کی عشا یعنی رات سے اسکے اشراق یعنی صبح زیادہ تاریک ہوتی ہے۔

(21) اس کے کندھوں پر اس کی زندگی بوجھ ہے + اس کی موت اس کی آغوش میں پلی ہوئی ہے (زندگی کو وہ عذاب سمجھ کر اس سے چھٹکارا چاہتا ہے)۔

(22) اس کی صحبت سے عشق بھی مختلف قسم کے آزار یا بیماریوں اور روگوں میں مبتلا ہو جاتا ہے + اس کے دم سے آگ کی حرارتیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

(23) اس کیڑے کے نزدیک جو کبھی کیچڑ سے باہر نہیں نکلا + سورج، چاند اور گردش کرتا ہوا آسمان کہاں ہے یعنی نہیں ہے یعنی جس طرح اس کیڑے کے نزدیک کیچڑ کی دنیا کے سوا کوئی اور دنیا نہیں ہے اس طرح اس شخص کے نزدیک جو جھوٹے خداؤں کا غلام ہے اسے کیا خبر کہ آزادی کی دنیا اور سچے خدا کی حقیقت کیا ہوتی ہے اور اس میں زندگی کے کیا مزے ہیں۔

تیسرا بند

از غلامے ذوق دیدارے مجوے   از غلامے جان بیدارے مجوے
دیدۂ او محنت دیدن نبرد   در جہاں خورد و گراں خوابید و مرد
حکمراں بکشایدش بندے اگر   می نہد بر جان او بندے دگر
سازد آئینے گرہ اندر گرہ   گویدش می پوش ازیں آئیں زرہ
ریز ریز قہر و کیں بنمایدش   بیم مرگ ناگہاں افزایدش
تا غلام از خویش گردد نا امید   آرزو از سینہ گردد ناپدید
گاہ او را خلعت زیبا دہد   ہم زمام کار در دستش نہد
مہرہ را شاطر ز کف بیروں جہاند   بیدق خود را بفرزینی رساند
نعمت امروز را شیداش کرد   تا بمعنی منکر فرداش کرد
تن ستبر از مستی مہر ملوک   جان پاک از لاغری مانند دوک
گردد ار زار و زبوں یک جان پاک   بہ کہ گردد قریہ تن ہا ہلاک
بند بر پا نیست بر جان و دل است   مشکل اندر مشکل اندر مشکل است

*

(1) کسی غلام سے دیدار کا ذوق تلاش نہ کر + کسی غلام سے بیدار جاں تلاش نہ کر مراد یہ ہے کہ غلام کی روح مردہ ہوتی ہے اس لئے ان میں حقیقت کے دیدار یا حق کے دیدار کی اہلیت نہیں ہوتی۔

(2) اس کی آنکھوں نے حق کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور محنت ہی نہیں اٹھائی + (وہ زندگی اس طرح گزارتا ہے کہ) جہان میں (وہ جتنی دیر رہا) اس نے کھایا پیا، غفلت کی یا گہری نیند سویا اور مر گیا۔

(3) حکمران اگر اس کا ایک بند کھولتا ہے + تو اس کی جان پر ایک اور بند ڈال دیتا ہے (حکمرانوں کے پاس غلاموں کو اپنا مطیع رکھنے کے لئے ایک نہیں کئی بند یعنی ہتھکڑیاں ہوتی ہیں کئی زنجیریں ہوتی ہیں یہ زنجیریں صرف سیاسی اور فوجی ہی نہیں ہوتیں بلکہ ثقافتی، تہذیبی، اقتصادی، معاشرتی، علمی، فکری وغیرہ کئی قسم کی ہوتی ہیں ایک کھلتی ہے تو دوسری پڑ جاتی ہے۔

(4) حکمران غلاموں کے لئے جو آئین بناتا ہے وہ پیچ در پیچ ہوتا ہے (جس کو اپنی بھلائی میں سمجھتا ہوا غلام بخوشی اپنا لیتا ہے) + (حکمران اسے یہ مکرو فریب بھرا آئین زندگی دے کر) یہ کہتا ہے کہ اس کو اپنی زندگی کا لباس بنالے کیونکہ یہ ہر مخالفت سے تیری زندگی کو زرہ کا کام دے گا (تو بچا رہے گا حالانکہ وہ آئین حیات خود ہی اس کو اختیار کرنے والے کا دشمن ہوتا ہے)۔

(5) (حکمران طبقہ غلام کو) قہر اور کینے کا سامان دکھلاتا ہے (اور کہتا ہے کہ اگر تو نے ہمارا دیا ہوا آئین حیات نہ اپنایا تو اپنے مخالفوں کے ظلم اور دشمنی کا شکار ہو جائے گا) + (اس طرح حکمران طبقہ غلاموں کے اندر) اچانک آنے والی موت کا خوف بڑھاتا رہتا ہے (اور غلام اس خوف کے مارے حکمران کے آئین حیات کو گلے سے لگائے رکھتا ہے)۔

(6) (حکمران یہ انداز مکر و فریب اس لئے اختیار کرتا ہے) تاکہ غلام خود سے ناامید ہو جائے یعنی اس میں اس ڈر سے کہ اگر میں حاکم کی پناہ سے نکل گیا تو میری خیر نہیں ہے وہ حاکم کی پناہ کو آزادی پر ترجیح دیتا رہتا ہے + (اور) اس کے سینے سے (آزاد ہونے کی) آرزو غائب ہو جاتی ہے۔

(7) (حاکم اسے غلام رکھنے کے لئے طرح طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ سمجھے کہ مجھے حاکم کی پناہ میں بڑی آسودگی اور عیش ہے اسے اس غلط فہمی میں رکھنے کے لئے حاکم) کبھی اسے خوبصورت امیرانہ لباس عطا کرتا ہے (اسے نواب' جاگیردار' وزیر' وغیرہ بناتا ہے اور سر اور خان بہادر جیسے خطابات سے نوازتا ہے) (اور کبھی) کاروبار سلطنت کو چلانے کے لئے بھی اسے بعض شعبوں میں شریک بنالیتا ہے۔ (نوکریاں اور روزگار کے کئی قسم کے ذرائع اس کو مہیا کرتا ہے)۔

(8) (شطرنج کی اصطلاحوں سے مضمون پیدا کیا ہے۔ شاطر کے معنی شطرنج بازیا شطرنج کھیلنے والا' مہرہ سے مراد شطرنج کی گوٹ' جہاند کے معنی گوٹ کو چلایا بیدق شطرنج کی ایک گوٹ جسے پیادہ کہتے ہیں اور فرزین بھی ایک گوٹ کا نام ہے جس کو وزیر کہتے ہیں) حاکم وقت نے جو شطرنج باز ہوتا ہے اپنی ہتھیلی سے مہرے کو اس طرح چلایا + کہ اس نے اپنی بیدق گوٹ کو فرزین گوٹ تک پہنچا دیا یعنی پیادہ سے وزیر کو مروادیا اپنی چالوں سے بھنوں کی عظمتوں کو زمین بوس کر دیا۔

(9) اس نے یعنی حاکم نے غلام کو آج کی نعمتوں کا فریفتہ کر دیا + (یہاں تک فریفتہ کر دیا کہ) اسے بھی معنی کے لحاظ سے آنے والی کل کا انکار کرنے والا بنا دیا۔ (غلام حاکم کی عطا کردہ آج کی دلفریب نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اپنے مستقبل سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اس جانور کی طرح جو پنجرے میں قید طرح طرح کی نعمتیں ملنے کی بنا پر کبھی پنجرے سے نکلنے کا خیال تک نہیں کرتا غلام کی صورت بھی یہ ہو جاتی ہے)۔

(10) بادشاہوں کی مہربانیوں کی مستی میں اس کا بدن موٹا ہو جاتا ہے + (اور) اس کی پاک جان چرخے کے تکلے کی طرح لاغر ہو جاتی ہے۔ (بدن میں روح کمزور ہو جاتی ہے بلکہ مرجاتی ہے)۔

(11) اگر ایک پاک جان خستہ و عاجز ہو جائے + اس سے یہ بہتر ہے کہ جسموں کا پورا گاؤں تباہ ہو جائے (لیکن ایک جان ہلاک نہ ہو)۔

(12) (حاکم کی) زنجیریں غلام کے پاؤں میں نہیں ہوتیں بلکہ اس کی جان اور اس کے دل پر ہوتی ہیں + اس لئے غلاموں کی زندگی درمشکل کی طرح ہوتی ہے۔

در فن تعمیر مردان آزاد

آزاد مردوں کے فن تعمیر کے بارے میں

پہلا بند

یک زماں با رفتگاں صحبت گزیں   صنعت آزاد مرداں ہم بہ بیں
خیز و کار ایبک و سوری نگر   وا نما چشمے اگر داری جگر
خویش را از خود بروں آوردہ اند   ایں چنیں خود را تماشا کردہ اند
سنگہا با سنگہا پیوستہ اند   روزگارے را بآنے بستہ اند
دیدن او پختہ تر سازد ترا   در جہان دیگر اندازد ترا
نقش سوے نقشگر می آورد   از ضمیر او خبر می آورد
ہمت مردانہ و طبع بلند   در دل سنگ ایں دو لعل ارجمند
سجدہ گہ کیست ایں از من مپرس   بے خبر! روداد جاں از تن مپرس
وائے من از خویشتن اندر حجاب   از فرات زندگی نا خوردہ آب
وائے من از بیخ و بن برکندۂ   از مقام خویش دور افگندۂ
محکمی ہا از یقین محکم است   وائے من شاخ یقینم بے نم است
در من آں نیروئے الا اللہ نیست   سجدہ ام شایان ایں درگہ نیست

*

(1) ایک لحہ گزرے ہوئے لوگوں کی صحبت اختیار کر یعنی اپنے اسلاف کی زندگی اور کارناموں کو دیکھ + ان آزاد مردوں کی صنعت کو دیکھ۔

(2) اٹھ اور قطب الدین ایبک اور شیر شاہ سوری (جیسے شاہان ہند) کے کارناموں کو دیکھ + اگر تو جگر یا حوصلہ رکھتا ہے تو (آنکھیں کھول اور ان کے کارناموں کو دیکھ یہاں مراد ان کے تعمیری کارناموں سے ہے)۔

(3) انہوں نے (ان عمارتوں کی تعمیر میں) خود کو اجاگر کیا ہے + اس طرح انہوں نے اپنا آپ تماشا کیا ہے یعنی اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔

(4) انہوں نے پتھروں کو پتھروں کے ساتھ پیوست کیا ہے یعنی ملا دیا ہے + انہوں نے زمانے کو ایک آن میں بند کر دیا ہے یعنی ایسی عمارتیں تعمیر کی ہیں کہ ان پر زمانے کے گزرنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایسا اس لئے کر سکے ہیں کہ وہ خود دار شخصیتوں کے مالک تھے۔

(5) ان عمارتوں کا دیکھنا تجھے زیادہ پختہ کار بناتا ہے + اور تجھے ایک اور ہی جہان میں لا پھینکتا ہے یعنی ان عمارتوں کی مضبوطی سے تجھے ان کے معماروں کی مضبوطی کا خیال آتا ہے اور اس طرح تجھے خود اپنے

اندر بھی مضبوطی پیدا کرنے کا خیال آتا ہے)۔

(6) نقش تجھ کو نقش گر کی طرف لے جاتا ہے + (اور) اس نقش گر کے ضمیر کی خبر دیتا ہے۔

(7) مردانہ ہمت اور بلند سرشت یا فطرت + پتھر کے دل کے یہ دو مبارک ہیرے ہیں (آدمی کی شخصیت کے یہ دو جوہر ہیں اور ان پتھروں میں جو مسجدوں اور دوسری عمارات کی تعمیر میں صرف ہوئے ہیں۔ ان کے بنانے والوں کی شخصیتوں کے یہ جوہر نمایاں ہیں)

(8) یہ یعنی آدمی کی روح کس کی سجدہ گاہ ہے مجھ سے نہ پوچھ (اس کو تو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ آدمی تو مسجود ملائک ہے صرف اس روح کی وجہ سے جو اس کے تن میں رواں دواں لیکن پوشیدہ ہے) + اے بے خبر جان کی کہانی بدن سے نہ پوچھ (تن کو من کی کیا خبر ہے کہ وہ کیا ہے)۔

(9) مجھ پر افسوس ہے کہ میں خود اپنے آپ سے پردہ میں ہوں (مجھے اپنی صلاحیتوں کی خبر نہیں۔ مجھے اپنی معرفت نہیں۔ میں اپنی خودی سے آشنا نہیں) + میں نے تو اپنی زندگی کے دریائے فرات سے پانی ہی نہیں پیا یعنی مجھے حقیقت حیات کا علم ہی نہیں۔

(10) افسوس ہے مجھ پر جس نے خود کو بنیاد اور جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہوا ہے + جو اپنے مقام سے دور گرا ہوا ہے (جس کو اپنی اصلیت کی خبر نہیں ہے)۔

(11) مضبوطیاں تو مضبوط یقین سے پیدا ہوتی ہیں + مجھے خود پر افسوس ہے کہ میرے یقین کی شاخ بے نم ہے (سوکھی ہوئی ہے یعنی میں بے یقینی کا شکار ہوں)۔

(12) میرے اندر وہ طاقت اور بہادری نہیں ہے جو (میرے اسلاف میں) کلمہ طیبہ کی وجہ سے تھی (جو یقین رکھتے تھے اس بات کا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے تو اللہ کے سوا زر' زمین' زن اور اس سے متعلقہ کئی بت بنا رکھے ہیں جن کو شب و روز سجدہ کرتا ہوں) + (اس لئے) میرا سجدہ اس درگاہ یعنی بارگاہ خدا کی درگاہ کی شان کے قابل نہیں ہے یا سجدہ گاہ سے مراد وہ مسجدیں ہیں جو شاہان ہند نے برصغیر میں بنائی تھیں کہ میں اس قابل نہیں کہ ان میں سجدہ ریز ہو سکوں۔ یہ تو ان لوگوں نے بنوائی تھیں جو اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتے تھے میں اپنے نفس کے بتوں کے آگے جھکنے والا کب اس لائق ہوں کہ ان مسجدوں میں جاؤں اگر یہ مسجدیں عظیم ہیں تو اس لئے ہیں کہ ان کے بنانے والے بھی عظیم تھے۔ ان میں نمازیں ادا کرنے والے بھی عظیم تھے اور ان کی عظمت کا راز اللہ کو اللہ اور باقی سب کو بت گرداننے میں تھا فقرانے اللہ بس اور باقی ہوس کی بات اسی لئے کی ہے۔

دوسرا بند

یک نظر آں گوهر نابے نگر   تاج را در زیر مهتابے نگر
مرمرش ز آب رواں گردنده تر   یک دم آنجا از ابد پاینده تر
عشق مرداں سرّ خود را گفته است   سنگ را با نوک مژگاں سفته است
عشق مرداں پاک و رنگیں چوں بهشت   می کشاید نغمه‌ها از سنگ و خشت
عشق مرداں نقد خوباں را عیار   حسن را هم پرده در هم پرده دار

همت او آنسوے گردوں گذشت از جہان چند و چوں بیروں گذشت
زانکہ در گفتن نیاید آنچہ دید از ضمیر خود نقابے بر کشید

*

① ایک نظر اس خالص موتی کو دیکھ + (آگرہ شہر میں موجود) تاج محل کو چاند کی چاندنی میں دیکھ (جو شہنشاہ ہند شاہجہان نے بنوایا ہے)۔

② اس کے سفید پتھر بہتے ہوئے پانی سے زیادہ رواں ہیں یعنی شفاف ہیں + وہاں کا ایک دم ابد سے بھی زیادہ پائندہ ہے۔ یعنی اس کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ایک وقت میں بنائی جانے والی عمارت کو کس طرح ہمہ وقت کے لئے مضبوط اور پائندہ بنایا جا سکتا ہے اس خیال سے شاید ناظر کے دل میں بھی اپنی ایک آن کو ابد میں تبدیل کرنے کا خیال آ جائے اور وہ عشق پیدا کر کے اور خود آشنا ہو کر اپنی شخصیت کو فنا کی آغوش سے چھین لے۔

③ مردوں کے عشق نے اپنے رازوں کو (مختلف ظاہری عمارتوں میں) فاش کیا ہے + (اور) پتھروں کو اپنی پلکوں کی نوک سے پرویا ہے۔ یعنی انہیں جب عشق کی طاقت کا علم ہوا تو انہوں نے اس عشق کی بدولت فن تعمیر کے زندہ و پائندہ شاہکار پیدا کر لئے۔

④ مردوں کا عشق بہشت کی طرح پاک اور رنگین ہے + وہ پتھروں اور اینٹوں سے نغمے پیدا کر لیتا ہے۔ (ان کی عمارتوں میں ان کے عشق کی داستان پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ خون جگر دیئے بغیر تاج محل یا مسجد قرطبہ یا الحمرا کی عمارتیں پیدا نہیں کی جا سکتیں ان کی عمارتیں بہ زبان حال اپنے تعمیر کنندوں کے عشق کی اور ان کے خون جگر کی داستانیں بیان کر رہی ہیں ان کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کے بنانے والے کتنے جلیل اور جمیل ہوں گے)۔

⑤ مردوں کا عشق حسینوں کی نقدی کی کسوٹی ہے + وہ حسن کا پردہ پھاڑنے والا اور حسن کا پردہ رکھنے والا بھی ہے مراد یہ ہے کہ اصل حسین وہ ہے جس کو مردان حق حسین کہیں یا اس سے عشق کریں۔ ایسا عشق صحیح معنوں میں حسن کا محافظ بھی ہے اور حسن کی صلاحیتیں اجاگر کرنے والا بھی ہے۔

⑥ ایسے عشق کی ہمت آسمانوں سے اس طرف گزر گئی + وہ اسباب کے جہان سے باہر نکل گئی مراد ہے مردوں کا عشق اتنا باہمت ہوتا ہے کہ وہ زمان و مکاں کو عبور کر کے محیر العقول کارنامے دکھاتا ہے ایسے کارنامے جو زمانے کے ہاتھوں مٹ نہ سکیں۔

⑦ جو کچھ عشق نے دیکھا ہے چونکہ وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا + اس لئے عشق نے اپنے ضمیر سے خود نقاب اٹھا دی یعنی اس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کی بنا پر پتہ چل گیا کہ اس کی صلاحیت اور قوت کیا ہے۔ فن کے مختلف لافانی شاہکار ایسے ہی عشق کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تیسرا بند

از محبت جذبہ ہا گردد بلند ارج می گیرد ازو نا ارجمند
بے محبت زندگی ماتم ہمہ کاروبارش زشت و ، نامحکم ہمہ

عشق صیقل می زند فرہنگ را جوہر آئینہ بخشد سنگ را
اہل دل را سینۂ سینا دہد با ہنرمنداں ید بیضا دہد
پیش او ہر ممکن و موجود مات جملہ عالم تلخ و او شاخ نبات
گرمیِ افکار ما از نار اوست آفریدن' جاں دمیدن کار اوست
عشق مور و مرغ و آدم را بس است عشق تنہا ہر دو عالم را بس است'
دلبری بے قاہری جادوگری است دلبری با قاہری پیغمبری است
ہر دو را درکارہا آمیخت عشق! عالمے در عالمے انگیخت عشق!

*

① محبت سے جذبے بلند ہوتے ہیں + بے قیمت چیزیں اس سے قیمت اور بے قدر و منزلت اشیا اس سے قدر و منزلت والی بنتی ہیں۔

② محبت کے بغیر زندگی ساری ماتم ہے + اس کا کاروبار بد نما اور ناپائدار ہے۔

③ عشق آدمی کے ارادے اور عقل کو سان پر لگاتا ہے یعنی ان میں آب و تاب پیدا کر کے ان کو بروئے کار لانے میں مدد دیتا ہے + عشق پتھر کو آئینہ کا جوہر بخشتا ہے یعنی اس سے پتھر کے اندر عکس پیدا کرنے کی صلاحیت آجاتی ہے وہ پتھر کو آئینہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یعنی عقل کو جلا بخش دیتا ہے۔

④ عشق اہل دل کو وادی سینا کا سا سینہ عطا کرتا ہے یعنی ایسا سینہ عطا کرتا ہے جس میں تجلیات خدا کا ظہور ہوتا ہے + عشق ہنرمندوں کو ید بیضا بخشتا ہے۔ (حضرت موسیٰؑ جب آستین سے ہاتھ نکالتے تھے تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ عشق کی وجہ سے اہل ہنر ایسے کارنامے دکھاتے ہیں جو معجزاتی جوہر رکھتے ہیں)۔

⑤ عشق کے سامنے ہر ممکن اور ہر موجود یعنی کائنات اور اس کی ہر شے مات ہے (اس کے آگے سرنگوں ہے) + سارا جہان اگر تلخ ہے تو عشق مصری کی ڈلی ہے یعنی اگر عشق نہ ہوتا تو ساری کائنات بے مزہ اور کڑوی گولی کی مانند ہوتی۔ جہان میں جتنی بھی دلکشی' دلفریبی اور دل لگی ہے یہ ساری عشق ہی کی بدولت ہے۔ عشق نہ ہو تو جہان اور اس کی ہر شے زہر ہو یہ اگر قند ہے تو صرف عشق یا محبت کی بدولت ہے۔

⑥ ہمارے افکار میں گرمی اس کی آگ کی وجہ سے ہے + پیدا کرنا یا جان کو ظاہر کرنا اس کا کام ہے یعنی جان پیدا کر کے پھر اس جان میں تخلیقی قوت پیدا کرنا یہ عشق ہی کا کام ہے۔

⑦ عشق ہر مخلوق کے لئے کافی ہے چیونٹی' پرندہ' آدم کوئی ہو عشق اس کے وجود کے لئے ضروری ہے + عشق اکیلا ہر دو جہان کے لئے کافی ہے یعنی دونوں جہانوں کے مقاصد صرف عشق کی بدولت بروئے کار آتے ہیں۔ (عشق نہ ہو تو ہر شے تصوراتی ہو کر رہ جائے یاد رکھو ان کا وجود عشق کا مرہون منت ہے مزید یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جہانوں سے مستفیض و مستفید ہونے کے لئے عشق ضروری ہے)۔

⑧ دلبری قاہری کے بغیر جادوگری ہے۔ دلبری' قاہری کے ساتھ پیغمبری ہے یعنی صرف حسن ہو لیکن اس میں اپنی حفاظت کے لئے قوت نہ ہو تو وہ حسن دلفریبی اور نظر فریبی کے لئے تو کافی ہو سکتا ہے لیکن صحیح معنوں میں حسن نہیں ہو سکتا۔ صحیح معنوں میں حسن وہ ہے جس میں اس کے جمال کے ساتھ اس کا

جلال بھی ہو + حسن میں اگر قوت غلبہ بھی موجود ہو یعنی اس میں جمال و جلال دونوں موجود ہوں تو اس میں پیغمبری شان پیدا ہو جاتی ہے (ایک پیغام بر اگر پیغام رکھتا ہو لیکن اس پیغام کو عمل میں لانے کی قوت نہ رکھتا ہو تو کون اسے سنے گا کون مانے گا پیغمبری کے لئے پیغام کے ساتھ غلبہ کی قوت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن کے دستور کو اگر نافذ کرنے کی قوت کسی کے پاس موجود نہیں ہے تو ہر لحاظ سے مکمل و صحیح دستور ہونے کے باوجود کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ جمال کے ساتھ جلال بھی ہو)۔

⑨ عشق نے دونوں کو یعنی دلبری اور قاہری کو کاموں میں ملا رکھا ہے (اور اس طرح ملا کر یا ان کی آمیزش کر کے ان کو کاموں میں مصروف کر رکھا ہے کیونکہ ان میں سے تنہا کوئی بھی مثبت نتائج برآمد نہیں کر سکتا مثال کے طور پر قرآن ہے لیکن تلوار نہیں ہے تو قرآن کا نفاذ ناممکن ہے اگر تلوار ہے اور قرآن نہیں ہے تو تلوار صحیح مقاصد کے لئے یا نفاذ قرآن کے لئے نہیں اور کاموں کے لئے اٹھائی جائے گی دونوں صورتوں میں دنیا افراتفری، بے یقینی اور بے اطمینانی کا شکار ہو جائے گی ہر جگہ عدل کی بجائے ظلم کا بازار گرم نظر آئے گا) + عشق نے ایک عالم کے اندر ایک اور عالم برپا کر رکھا ہے یعنی جمال میں جلال اور جلال میں جمال کی کیفیات پیدا کر رکھی ہیں۔ ان دونوں کے امتزاج سے ہی صحیح دنیا وجود میں رہ سکتی ہے ان دونوں کے ہونے سے ہی نئے نئے جہانوں کی چاہے وہ علوم و فنون کے جہان کیوں نہ ہوں صحیح تعمیر ہو سکتی ہے)

ختم شد

الحمدللہ

اسرار خودی

و

رموز بے خودی

اُردو ترجمہ و مطالب

علامہ محمد اقبالؒ

مترجم

ڈاکٹر غلام جیلانی مخدوم

ناشر

عثمان پبلی کیشنز جلال الدین ہسپتال بلڈنگ،
چوک اُردو بازار، لاہور
042-7640094, 0333-4275783
upublications@hotm ·l.com
sh_publication@yahoo.‿om

محمد عثمان

نے

نیر اسد پرنٹرز ...

سے چھپوا کر

عثمان پبلی کیشنز

سے شائع کی

7640094, 0333-4275783

قیمت:۔ R,S:210/-

فہرست

باسمہ تعالیٰ

(1) دی شیخ با چراغ همی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

(2) زیں همرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

(3) گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

*

(1) کل ایک بزرگ دیا ہاتھ میں لئے شہر میں گھوم رہے تھے۔ اور کہتے جاتے تھے۔ کہ میں پھاڑنے والے جانوروں اور وحشیوں سے تنگ آگیا ہوں۔ مجھے ایک انسان (کامل) دیکھنے کی خواہش ہے۔

(2) میں ان ست اور کاہل ساتھیوں سے دل گیر ہو چکا ہوں۔ مجھے ایسے شیر صفت انسانوں کی ضرورت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے شیر ہوں۔ اور رستم (ایرانی پہلوان) کی سی طاقت رکھتے ہوں۔ (یعنی میں روحانی اور بدنی قوتیں رکھنے والے لوگوں کی خواہش رکھتا ہوں)۔

(3) میں نے جواب میں کہا۔ ہم نے بہت زیادہ تلاش کی۔ ہمیں ایسے لوگ نہیں ملتے۔
اس نے کہا۔ جو نہیں ملتے۔ مجھے ان ہی کی تلاش ہے۔
مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ان اشعار میں انسان کامل سے ملنے کی خواہش کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار خودی

تمہید

نیست در خشک و تر بیشہ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ "منبر" نشود، دار کنم
نظیری نیشاپوری

(1) راہ شب چوں مہر عالمتاب زد
گریہ من بر رخ گل آب زد

(2) اشک من از چشم نرگس خواب شست
سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رست

(3) باغباں زور کلامم آزموو
مصرعے کارید و شمشیرے درود

(4) در چمن جز دانہ اشکم نکشت
تار افغانم بپود باغ رشت

(5) ذرہ ام مہر منیر آن من است
صد سحر اندر گریبان من است

(6) خاک من روشن تر از جام جم است
محرم از ناز ادہائے عالم است

(7) فکرم آں آہو سر فتراک بست
کو ہنوز از نیستی بیروں نجست

(8) سبزہ ناروئیدہ زیب گلشنم
گل بشاخ اندر نہاں در دامنم

(9) محفل رامش گری برھم زدم
زخمہ برتار رگ عالم زدم

(10) بسکہ عود فطرتم نادر نواست
ہم نشیں از نغمہ ام نا آشناست

ترجمہ: میرے بیشہ میں کوئی بھی خشک اور تر ایسی چیز نہیں ہے۔ جو کار آمد نہ ہو۔ (یعنی بے کار ہو)۔

میں اس درخت کو سولی میں تبدیل کر دیتا ہوں۔ جس میں منبر بننے کی اہلیت نہیں ہوتی۔ (محمد حسین نظیری نیشاپوری)۔

(1) جب دنیا میں نور پھیلانے والے سورج نے رات کا اندھیرا ختم کر دیا تو پھول کے چہرے پر میرے آنسوؤں نے پانی چھڑکا۔

(2) میرے رونے اور گریہ و زاری نے نرگس کے پھولوں کی آنکھوں سے نیند کے اثرات دور کر دیئے۔ میرے شور و غل سے سبزہ بیدار ہوا۔ اور زمین سے باہر نکل آیا۔

(3) فطرت کے باغبان نے میرے کلام کو آزمایا۔ اس نے ایک مصرع بویا۔ وہ بڑھتے بڑھتے تلوار بن گیا۔

مصرع بو کر تلوار کاٹی۔

(4) باغبان نے میرے آنسوؤں کے دانوں کے بغیر کوئی اور چیز نہ بوئی۔ اس نے میری فریاد کے تانے کو باغ کے بانے سے ملا دیا۔

(5) اگرچہ میں ایک ذرہ ہوں۔ لیکن آفتاب کی ساری روشنی میرے ایک لمحے کے برابر ہے۔ کیونکہ میرے گریبان میں کئی صبحیں چھپی ہوئی ہیں۔ یعنی ہر روز نئی صبح کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

(6) میری مٹی مراد قبر کی مٹی جمشید کے پیالے سے زیادہ نورانی ہے۔

میں ان تمام حوادثات سے بخوبی واقف ہوں۔ جو ابھی دنیا میں رونما نہیں ہوئے۔

(7) میرے فکر رسا نے اپنے شکار میں وہ ہرن باندھ لئے ہیں۔ جو ابھی تک وجود میں نہیں آئے۔ یعنی عدم میں ہیں۔

(8) وہ سبزہ جو ابھی رونما تک نہیں ہوا۔ وہ میری قوت فکری کے باغ کا سامان زیب و زینت بنا ہوا ہے۔

وہ پھول جو ابھی ٹہنیوں سے پیدا نہیں ہوئے۔ وہ میری قوت فکر کے دامن میں موجود نہیں۔

(9) میں عیش و عشرت کی مجلس برہم کر دیتا ہوں۔

میں دنیا کی رگوں کے تار کو اپنی مضراب سے چھیڑتا ہوں۔

(10) کیونکہ میری فطرت کے سازوں سے عجیب و غریب نغمے ظاہر ہو رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میرے پاس بیٹھنے والے ان نغموں سے ناواقف ہیں۔

ادارے کی بہترین بکس

ادھورا فاتح عالم

سکندر اعظم

یونان کی ریاست مقدونیہ کے شہزادے سکندر کی داستانِ حیات فہم و فراست اور حربی مہارت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس نے ارسطو جیسے نابغہ روزگار صاحب حکمت استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور درسِ حیات حاصل کیا۔ سکندر تیئس سو سال پہلے کا وہ عظیم فاتح ہے جس نے ایشیاء کی سب سے بڑی سلطنت (ایران) کو اپنی قوت بازو سے زیر کر لیا تھا اور سرزمین ہند کو تاراج کر دیا تھا۔ اس نے یہ غیر معمولی کارنامے اس عمر میں انجام دیئے جس عمر میں لوگ آغاز بھی نہیں کر پاتے۔ اس کی فوج میں بڑے بڑے تجربہ کار اور عمر رسیدہ فوجی سردار موجود تھے مگر اس نوجوان فاتح نے خود کو ان سب پر فائق ثابت کر دیا۔ یہ مرد پوری دنیا کو فتح کرنے کا عزم لے کر نکلا تھا مگر زندگی نے اس کے ساتھ دغا کیا اس لئے اس کا یہ خواب ادھورا ہی رہا۔ یہ ادھورا فاتح عالم اپنی یہ حسرت دل میں لئے ہوئے عالم جوانی ہی میں دائی ملک عدم ہوا۔ اس نوجوان فاتح اعظم کی داستان عزیمت کو امان اللہ کاظم نے اپنے شعلہ بداماں قلم سے ایک ادبی شہ پارہ بنا دیا ہے۔

(11) در جہاں خورشید نوزائیدہ ام
رسم و آئین فلک نادیدہ ام
(12) رم ندیدہ انجم از تا بم ہنوز
ہست نا آشفتہ سیمابم ہنوز
(13) بحر از رقص ضیایم بے نصیب
کوہ از رنگ حنایم بے نصیب
(14) خوگر من نیست چشم ہست و بود
لرزہ بر تن خیزم از بیم نمود
(15) بام از خاور رسید و شب شکست
شبنم نو بر گل عالم نشست
(16) انتظار صبح خیزاں می کشم
اے خوشا زرتشتیان آتشم
(17) نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم
من نوائے شاعر فرداستم
(18) عصر من دانندۂ اسرار نیست
یوسف من بہر ایں بازار نیست
(19) نا امید استم ز یاران قدیم
طور من سوزد کہ مے آید کلیم
(20) قلزم یاراں چو شبنم بے خروش
شبنم من مثل یم طوفاں بدوش
(21) نغمہ من از جہان دیگر است
ایں جرس را کاروان دیگر است
(22) اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بر بست و چشم ما کشاد
(23) رخت باز از نیستی بیروں کشید
چوں گل از خاک مزار خود دمید
(24) کارواں ہا گرچہ زیں صحرا گذشت
مثل گام ناقہ کم غوغا گذشت
(25) عاشقم فریاد ایمان من است
شور حشر از پیش خیزان من است

*

(11) میں دنیا میں ایسا سورج ہوں۔ جو بالکل نیا ہوں۔
میں نے ابھی آسمان کے انداز وغیرہ نہیں دیکھے۔
(12) ستارے ابھی تک میری روشنی سے ماند نہیں پڑے۔ میرے پارے میں ابھی تڑپنے کی قوت پیدا نہیں ہوئی۔
(13) سمندر ابھی تک میری شعاعوں کے اثرات سے بے بہرہ ہیں۔
ابھی تک پہاڑوں نے میرا مہندی کا رنگ قبول نہیں کیا۔
(14) دنیا کی آنکھوں نے ابھی تک میری عادات اختیار نہیں کیں۔
میں بذات خود اپنے مشہور ہونے سے آشنا نہیں ہوا ہوں۔ میرے بدن پر کپکپی طاری ہوئی ہے۔
(15) میرے سورج کی صبح مشرق سے روشن ہو چکی ہے۔ اور رات کی سیاہی ختم ہو چکی ہے۔
دنیا کے پھولوں پر میرے آنسو شبنم بن کر گر چکے ہیں۔
(16) میں صبح سویرے اٹھنے والوں کا انتظار کر رہا

ہوں۔ وہ آدمی کس قدر خوش بخت ہیں۔ جو میرے آگ جیسے جذبے کی پوجا کرتے ہیں۔

(17) میں وہ نغمہ ہوں جسے مضراب کی ضرورت نہیں ہے۔
میں زمانہ مستقبل کا شاعر ہوں۔

(18) میرے زمانے میں اسرار کی کیفیت کا پتہ نہیں چلتا۔
میرا یوسف ابھی اس قابل نہیں ہے۔ جسے بازار میں لایا جائے۔

(19) میں اپنے پرانے دوستوں سے اس لئے ناامید ہوں۔ کہ وہ میری بات نہیں سمجھ سکے۔
میرا طور سینا اس انتظار میں جل رہا ہے۔ کہ کوئی کلیم (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے)۔

(20) میرے ہمراہیوں کے سمندر میں کوئی جوش و خروش نہیں ہے۔ لیکن میری شبنم سمندر کی طرح طوفان خیز ہے۔

(21) میرے نغموں کا تعلق ایک دوسری دنیا کے لئے ہے۔ اس جرس کے لئے کوئی اور قافلہ آئے گا۔ یعنی نیا قافلہ آئے گا۔

(22) بہت سے اہل سخن ایسے ہوتے ہیں۔ جنہیں مرنے کے بعد زندگی نصیب ہوتی ہے۔ یعنی وہ مر جانے کے بعد مشہور ہوتے ہیں۔ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ لیکن ہماری آنکھیں کھول دیتے ہیں۔

(23) وہ ایسے ہوتے ہیں۔ جو عدم سے دوبارہ زندگی حاصل کرتے ہیں۔
یعنی زندگی کا ساز و سامان تیار کرتے ہیں۔ پھول کی طرح اپنی قبر سے اگتے ہیں۔

(24) اگرچہ اسی بیاباں سے کئی قافلے گزرے ہیں۔ لیکن وہ ناقہ (اونٹنی) کے قدموں کی طرح کسی شور و غل کے بغیر گزرے ہیں۔

(25) میں عاشق صادق ہوں۔ اسی لئے فریاد و فغاں کرنا میرے ایمان میں شامل ہے۔
میری فریاد و فغاں سے اسی قدر شور پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کے سامنے قیامت کا شور بھی ان غلاموں کے قدموں کے شور کی طرح ہے۔ جو بادشاہوں کی سواریوں کے آگے آگے دوڑتے ہیں۔ اور بادشاہوں کے آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔

(26) نغمہ ام ز اندازۂ تار است بیش
من نترسم از شکست عود خویش

(27) قطرہ از سیلاب من بیگانہ بہ
قلزم از آشوب او دیوانہ بہ

(28) در نمی گنجد بجو عمان من
بحر ہا باید پے طوفان من

(29) غنچہ کز بالیدگی گلشن نشد
در خور ابر بہار من نشد

(30) برقہا خوابیدہ در جان من است
کوہ و صحرا باب جولان من است

(31) پنجہ کن با بحرم ار صحراستی
برق من در گیر اگر سیناستی

(32) چشمہ حیواں بہ اتم کردہ اند
محرم راز حیاتم کردہ اند

(33) ذرہ از سوز نوایم زندہ گشت
پر کشود و کرمک تابندہ گشت

(34) ہیچکس رازے کہ من گویم نگفت
ہمچو فکر من در معنی نہ سفت

(35) سر عیش جاوداں خواہی بیا
ہم زمیں ہم آسماں خواہی بیا

(36) پیر گردوں با من ایں اسرار گفت
از ندیماں راز ہا نتواں نہفت

(37) ساقیا بر خیز و مے در جام کن
محو از دل کاوش ایام کن

(38) شعلہ آبے کہ اصلش زمزم است
گر گدا باشد پرستارش جم است

(39) می کند اندیشہ را ہشیار تر
دیدۂ بیدار را بیدار تر

(40) اعتبار کوہ بخشد کاہ را
قوت شیراں دہد روباہ را

(26) اگرچہ میرے ساز کے تار میرے نغموں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مجھے اس بات کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ کہ وہ ٹوٹ جائیں گے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اپنی فریاد (نغمہ) ضرور سنائے گا۔

(27) قطروں یعنی کم ہمت لوگوں کو میرے نغموں کے سیلاب سے دور ہی رہنا اچھا ہے۔ سمندر کو ہی میرے نغموں کے سیلاب (شور) سے دیوانہ پن حاصل کرنا چاہئے۔

(28) میرا سمندر چھوٹی ندی میں سما نہیں سکتا۔ میرے پیدا کردہ طوفان کو سنبھالنے کے لئے کئی سمندر درکار ہیں۔

(29) وہ کلیاں جو ترقی کر کے باغ کی شکل اختیار نہیں کر سکتیں۔ وہ میرے نغموں کے ابر بہار کے قابل نہیں۔

(30) میری فطرت میں بجلیاں سوئی ہیں۔ پہاڑ اور جنگل ہی مری دوڑ دھوپ کے شایاں ہیں۔

(31) اے مخاطب! اگر تو جنگل اور صحرا کی طرح ہے۔ تو میرے سمندر پر قابو پالے اور اگر تو طور سینا کا رتبہ رکھتا ہے۔ تو میری بجلی کو اپنے اندر سمو لے۔

(32) میری قسمت میں آب حیات لکھا گیا ہے۔

مجھے زندگی کے رازوں سے شناسا کیا گیا ہے۔

(33) میری درد بھری آواز کی تپش سے ذرے ذرے میں زندگی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ اور وہ پر و بال نکال کر جگنو کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔

(34) جن بھیدوں سے میں نے پردہ اٹھایا ہے۔ وہ کسی دوسرے نے بیان نہیں کئے۔ اور کسی آدمی نے بھی ان حقیقتوں کے موتیوں کو میری طرح ایک لڑی میں نہیں پرویا۔

(35) اگر تو ہمیشہ کی عیش کے بھیدوں کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو تو میرے پاس آ۔
اگر تو دنیا کا طالب ہے۔ یا آخرت کا خواہشمند ہو۔ تجھے میرے پاس آنا چاہیے۔

(36) ہر بھید مجھے پیر گردوں نے بتائے ہیں۔ اگرچہ انہیں ظاہر نہیں کرنا چاہیے لیکن دوستوں یعنی واقفیت رکھنے والوں سے چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔

(37) اے ساقی! تو اٹھ اور میرے پیالے میں وہ شراب حقیقت ڈال دے۔
جو میرے دل سے زمانے کی تمام تکلیفیں دور کر دے۔

(38) وہ شراب آگ کا اثر رکھنے والی ہے۔ اس کا اصل آب زمزم سے ہے۔
اس کا طلب کرنے والا اگر گدا بھی ہو۔ تو بادشاہ ہے۔

(39) اس قسم کی شراب افکار کو اور زیادہ تیز کر دیتی ہے۔ جس آنکھ میں بیداری کے آثار موجود ہوں۔ اس کے پینے سے اس میں اور زیادہ بیداری آجاتی ہے۔

(40) یہ شراب ایسی ہے۔ جو تنکوں کو بھی پہاڑوں کی شان عطا کرتی ہے اور لومڑی میں شیروں کی سی طاقت پیدا کرتی ہے۔

(41) خاک را اوج ثریا میدہد
قطرہ را پہنائے دریا میدہد

(42) خامشی را شورش محشر کند
پائے کبک از خون باز احمر کند

(43) خیز و در جام شراب ناب ریز
بر شب اندیشہ ام مہتاب ریز

(44) تا سوئے منزل کشم آوارہ را
ذوق بیتابی و ہم نظارہ را

(45) گرم رو از جستجوئے نو شوم
روشناس آرزوئے نو شوم

(46) چشم اہل ذوق را مردم شوم
چوں صدا در گوش عالم گم شوم

(47) قیمت جنس سخن بالا کنم
آب چشم خویش در کالا کنم

(48) باز بر خوانم ز فیض پیر روم
دفتر سربستہ اسرار علوم

(49) جان او از شعلہ ہا سرمایہ دار
من فروغ یک نفس مثل شرار

(50) شمع سوزاں تاخت بر پروانہ ام
بادہ شبخوں ریخت بر پیمانہ ام

(51) پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

(52) ذرہ از خاک بیاباں رخت بست
تا شعاع آفتاب آرد بدست

(53) موجم و در بحر او منزل کنم
تا در تابندۂ حاصل کنم

(54) من کہ مستی ہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفس ہایش کنم

(55) شب دل من مائل فریاد بود
خامشی از یاربم آباد بود!

*

(41) کم مایہ مٹی کو ثریا کی بلندی تک لے جاتی ہے۔ قطرے میں سمندر کا جوش پیدا کرتی ہے۔

(42) چپ اور خاموشی کو قیامت کے شور میں بدل دیتی ہے۔ اور چکوروں کو بازوں سے لڑا دیتی ہے۔

(43) اے ساقی اٹھ! اور میرے پیالے میں خالص شراب ڈال دے۔ اس طرح میرے افکار کی رات پر چاندنی پھیلا دے۔

(44) اس طرح میں راستہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو منزل کی طرف لے جاؤں۔ اور دیکھنے کے شوق میں بے قراری کا ذوق و شوق پیدا کردوں گا۔

(45) تاکہ میں ایک نیا راستہ ڈھونڈنے میں سرگرم عمل ہو جاؤں۔ اور اپنے آپ کو نئی آرزوؤں سے متعارف کراؤں۔

(46) میں اہل ذوق کی آنکھ بلکہ آنکھ کی پتلی بن جاؤں۔ اور دنیا کی آواز میں صدا کی طرح مل جاؤں۔ (گم ہو جاؤں)۔

(47) تاکہ میں شاعری میں اپنے آنسو شامل کر کے اس کی قیمت کو بڑھا سکوں۔
(48) اور مولانا روم (پیر روم) کے فیض بابرکت سے مختلف علموں کے بھیدوں کو کھول کر بیان کروں۔
(49) میری چمک چنگاری کی طرح تھوڑی مدت کے لئے ہے۔
اس کے مقابلے میں مولانا روم کی شخصیت کئی شعلوں کی آئینہ دار ہے۔
(50) اس کی جلتی ہوئی شمع نے میرے پروانے پر تابڑ توڑ حملہ کر دیا۔
گویا اس کی شراب نے میرے پیانے پر شبخون (رات کا حملہ) مارا۔
(51) مولانا روم کی پیری نے میری مٹی کو اکسیر بنا دیا۔
اور میرے غبار سے کئی جلووں کو نمودار کیا۔
(52) میرے ذروں نے جنگل کی مٹی سے کوچ کیا۔
تاکہ وہ سورج کی کرنوں کو اپنے بس میں کر لے۔
(53) میری حیثیت ایک لہر کی ہے۔ اور میں نے مولانا روم کے سمندر علم کو اپنی سکونت کا مقام مقرر کیا ہے۔
تاکہ میں اس جگہ سے آبدار موتی حاصل کر سکوں۔
(54) میں مولانا کی شراب سے مستی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔
میرا جینا انہی کی وجہ سے ہے۔
(55) میرا دل رات کو فریاد کر رہا تھا۔
میری خاموشی یا رب یا رب کی آواز سے آباد ہو رہی تھی۔

(56) شکوہ آشوب غم دوراں بدم
از تہی پیمانگی نالاں بدم

(57) ایں قدر نظارہ ام بیتاب شد
بال و پر بشکست و آخر خواب شد

(58) روئے خود بنمود پیر حق سرشت
کو بحرف پہلوی قرآں نوشت

(59) گفت اے دیوانۂ ارباب عشق
جرعہ گیر از شراب ناب عشق

(60) بر جگر ہنگامۂ محشر بزن
شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن

(61) خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز
اشک خونیں را جگر پرکالہ ساز

(62) تا بکے چوں غنچہ می باشی خموش
نکہت خود را چو گل ارزاں فروش

(63) در گرہ ہنگامہ داری چوں سپند
محمل خود بر سر آتش بہ بند

(64) چوں جرس آخر ز ہر جزو بدن
نالۂ خاموش را بیروں فگن

(65) آتش استی بزم عالم بر فروز
دیگراں را ہم ز سوز خود بسوز

(66) فاش گو اسرار پیر مے فروش
موج مے شو کسوت مینا بپوش

(67) سنگ شو آئینہ اندیشہ را
بر سر بازار بشکن شیشہ را

(68) از نیستاں ہمچو نے پیغام دہ
قیس را از قوم حے پیغام دہ

(69) نالہ را انداز نو ایجاد کن
بزم را از ہائے و ہو آباد کن

(70) خیز و جان نو بدہ ہر زندہ را
از قم خود زندہ تر کن زندہ را

٭

(56) میں نے زمانے کے غموں کا طوفان برپا کیا ہوا تھا۔ اور اپنے بے سرو سامان ہونے پر رو رہا تھا۔

(57) میری تڑپتی ہوئی نگاہوں سے بال و پر جاتے رہے۔ میں اسی حالت میں سو گیا۔

(58) میرے حق پرست پیر یعنی مولانا روم نمودار ہوئے۔ مولانا وہ ہیں۔ جنہوں نے فارسی زبان میں قرآن پاک کی حکمتیں بیان کی ہیں۔

(59) انہوں نے فرمایا۔ کہ تو تو اہل عشق کا شیدائی ہے۔ اس لئے عشق کی خالص شراب پی لے۔

(60) شراب عشق پی کر اپنے جگر میں قیامت کا شور پیدا کر۔ یہ شراب پی کر سرمست ہو جا اور آنسوؤں کو خون کی طرح سرخ کر لے۔

(61) اپنی ہستی سے سینکڑوں نالوں کا سامان پیدا کر۔ یعنی اپنی ہستی کو رونے دھونے اور نالہ و فریاد میں تبدیل کر لے۔ اور اپنے خون جیسے آنسوؤں میں جگر کے ٹکڑوں کو ملا لے۔

(62) تو پھول کی کلی کی طرح کب تک خاموش رہے گا۔
اپنی خوشبو کو پھولوں کی طرح عام کر دے۔ یعنی بو بن کر ساری دنیا پر چھا جا۔
(63) تجھے لازم ہے۔ کہ ہر مل کے دانوں کی طرح اپنے اندر ہنگامے پیدا کرے۔
اور اپنے کجاوے (محمل) کو آگ کی اونٹنی (ناقہ) پر باندھ لے۔
(64) اپنے بدن کے ہر بال سے جرس کی طرح خاموش نالے پیدا کر۔
(65) اے مخاطب! تو آگ ہے۔ اور دنیا کو جگمگا دے۔
دوسرے لوگوں کو بھی اپنی تڑپ عطا کیجئے۔
(66) مرشد کامل کے بھیدوں کو کھلم کھلا بیان کیجئے۔
اپنے آپ کو شراب کی لہر میں تبدیل کر لے۔ اور صراحی کا لباس پہن لیجئے۔
(67) عقل کے کاروبار کے لئے یعنی عقل کے آئینے کے لئے پتھر بن کر اسے عین بازار کے اندر توڑ دیجئے۔
(68) بانسری کی طرح نے ستاں کا پیام عام کیجئے۔
قیس یعنی مجنوں کے لئے لیلیٰ کا پیغام لے آیئے۔
(69) نالہ و فریاد کے لئے نئے انداز ایجاد کیجئے۔
یعنی سونی محفل کو اپنی ہاؤ ہو سے گرم کر دیجئے۔
(70) بیدار ہو کر زندوں میں نئی جان ڈالئے۔
قم (اٹھ) کا لفظ کہہ کر زندہ دل لوگوں میں اور زیادہ زندگی کے آثار پیدا کیجئے۔

(71) خیزد پا بر جادۂ دیگر بنہ
جوش سودائے کہن از سر بنہ

(72) آشنائے لذت گفتار شو
اے درائے کارواں بیدار شو

(73) زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم
مثل نے ہنگامہ آبستن شدم

(74) چوں نوا از تار خود برخاستم
جنتے از بہر گوش آراستم

(75) بر گرفتم پردہ از راز خودیٔ
وا نمودم سر اعجاز خودی

(76) بود نقش، ہستیم انگارۂ
نا قبولے نا کسے ناکارۂ

(77) عشق سوہاں زد مرا آدم شدم
عالم کیف و کم عالم شدم

(78) حرکت اعصاب گردوں دیدہ ام
در رگ مہ گردش خوں دیدہ ام

(79) بہر انساں چشم من شبہا گریست
تا دریدم پردۂ اسرار زیست

(80) از درون کارگاہ ممکنات
بر کشیدم سر تقویم حیات

(81) من کہ ایں شب را چو مہ آراستم
گرد پائے ملت بیضاستم

(82) ملتے در باغ و راغ آوازہ اش
آتش دلہا سرود تازہ اش

(83) ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد
خرمن از صد رومی و عطار کرد

(84) آہ گرمم رخت بر گردوں کشم
گرچہ دو دم از تبار آتشم

(85) خامہ ام از ہمت فکر بلند
راز ایں نہ پردہ در صحرا فگند

(71) اٹھیے۔ اور نئی راہ پر چل پڑیے۔ اور اپنے سر سے پرانی روایتوں کا سودا نکال دیجئے۔

(72) بات چیت کرنے کی لذت سے واقفیت حاصل کر کے کچھ کہئے۔ آپ کا وجود قافلے کے لئے کوچ کا آوازہ ہے۔ اٹھ کر قافلے کو بیدار کیجئے۔

(73) اس آواز نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی ہے۔ اور میں اس بانسری کی طرح ہوں۔ جو مختلف نغموں سے بھری ہوئی ہے۔

(74) میں اپنے ساز کے تاروں سے نغموں کی طرح اٹھا۔ اور میں نے سماعت (نغمے سننا) کے لئے بہشت کی طرح آرائش کر دی ہے۔

(75) میں نے خودی یعنی خود دانی' خود شناسی کے بھیدوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور اس کے معجز نما کاموں کو اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے۔

(76) میرا وجود اس نقش کی طرح تھا۔ جو غیر مکمل اور ناتمام تھا۔

جسے کوئی قبول نہیں کرتا تھا۔ جس کی کوئی قیمت نہ تھی۔ اور کسی کام کا نہ تھا۔

(77) عشق حقیقت نے مجھے سان پر پرکھا۔ تو میں نے آدمی کی شکل اختیار کی۔
اس طرح مجھے اس دنیا کی چیزوں کا علم حاصل ہوا۔

(78) میں نے راز عشق کی واقفیت حاصل کرنے کی بنا پر آسمان کے اعصاب کی حرکات سے شناسائی پیدا کی۔
اور اسی عشق کے زور سے مجھے چاند کی رگوں میں خون گردش کرتے ہوئے نظر آیا۔

(79) انسان کے لئے میری آنکھیں راتوں بھر روتی رہیں۔
تو اس طرح میں زندگی کے رازوں پر سے پردے اٹھانے میں کامیاب ہوا۔

(80) میں نے عالم امکان کے کارخانوں سے زندگی کے مضبوط ہونے کا بھید حاصل کر لیا ہے۔

(81) میں نے زندگی کی رات کو چاند کی طرح خوبصورت بنا دیا ہے۔
میں صرف روشن ملت کے پاؤں کی گرد ہوں۔

(82) وہ ایسی ملت ہے۔ جس کی مشہوری باغوں اور جنگلوں میں پائی جاتی ہے۔
وہ زندگی ایسی ہے۔ جس کے تازہ اور نئے نغمے دلوں میں گرمی پیدا کرتے ہیں۔

(83) وہ ملت ایسی ہے۔ جس نے ذرے کاشت کئے۔ مگر حاصل میں سورجوں کے انبار لگا دیے ہیں۔
جس کے کھلیانوں میں سینکڑوں مولانا روم اور فرید الدین عطار پائے جاتے ہیں۔

(84) میں ایک گرم آہ ہوں۔ جس کا اثر آسمان تک جاتا ہے۔
اگرچہ میں آہ کا دھواں ہوں۔ لیکن آگ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔

(85) میرے قلم نے بلند افکار کی بنا پر کائنات کے تو پردوں کے بھیدوں کو جنگل میں ڈال دیا ہے۔ یعنی ان بھیدوں کو واضح کر دیا ہے۔

(86) قطرہ تا ھم پایہ دریا شود
ذرہ از بالیدگی صحرا شود

(87) شاعری زیں مثنوی مقصود نیست
بت پرستی بت گری مقصود نیست

(88) ہندیم از پارسی بیگانہ ام
ماہ نو باشم تہی پیمانہ ام

(89) حسن انداز بیاں از من مجو
خوانسار و اصفہان از من مجو

(90) گرچہ ہندی در عذوبت شکر است
طرز گفتار دری شیریں تر است

(91) فکر من از جلوہ اش مسحور گشت
خامہ من شاخ نخل طور گشت

(92) پارسی از رفعت اندیشہ ام
در خورد با فطرت اندیشہ ام

(93) خردہ بر مینا مگیر اے ہوشمند
دل بذوق خردۂ مینا بہ بند

(86) اس طرح۔ کہ قطرے دریا کی برابری کریں۔ اور ذرہ ذرہ بڑھ کر جنگل کا منظر پیش کرے۔

(87) اس کتاب یعنی مثنوی کا مقصد شاعری یعنی بت سازی اور بت پرستی سکھانا نہیں ہے۔

(88) میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ اور فارسی میری زبان نہیں ہے۔ میں چاند کی طرح اندر سے بالکل خالی ہوں۔

(89) آپ کو یہ امید نہیں رکھنا چاہیے۔ کہ میرا انداز بیان خوبصورت ہو۔

در بیان اینکہ اصل نظام عالم از خودی است وتسلسل حیات تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد

(1) پیکر ہستی ز آثار خودی است
ہر چہ می بینی ز اسرار خودی است

(2) خویشتن را چوں خودی بیدار کرد
آشکارا عالم پندار کرد

(3) صد جہاں پوشیدہ اندر ذات او
غیر او پیدا ست از اثبات او

*

میں خوانسار اور اصفہان کے شاعروں جیسی زبان پیش نہیں کر سکتا۔ (خوانسار اور اصفہان دونوں ایران کے شہر ہیں۔ جہاں بڑے بڑے شاعر پیدا ہوئے)۔

(90) اگرچہ ہندوستانی زبان میٹھی ہونے میں شکر کی طرح ہے۔

لیکن فارسی زبان کا انداز بیان اس سے زیادہ شیریں ہے۔
(91) فارسی زبان کے جلووں نے میرے افکار میں جادو کا اثر پیدا کر دیا ہے۔
یہی وجہ ہے۔ کہ میرا قلم نخل طور کی شاخ بن گیا ہے۔
(92) میرے افکار کے بلند ہونے کے لحاظ سے فارسی زبان اس کی فطرت سے زیادہ نسبت رکھتی ہے۔
(93) اے عقل مند آدمی! تو میری مینائے کلام (الفاظ) پر نکتہ چینی نہ کر۔
بلکہ اس شراب (معانی) سے لطف حاصل کرنے کا ذوق پیدا کر۔

اس بیان میں کہ دنیا کے انتظام کی بنیاد خودی (خود دانی' خودشناسی' خود آگاہی) پر ہے۔ اور زندگی کی مختلف شکلوں کا مدار اور ان کی ترقی خودی کے مضبوط ہونے پر موقوف ہے

(1) زندگی کا وجود خودی کے آثار (نشانات) میں سے ہے۔
جو کچھ تجھے نظر آرہا ہے۔ یہ سب کچھ خودی کے بھیدوں کا ظاہر کرتا ہے۔
(اس عنوان کے اشعار میں سے خودی کے معنوں کی روشنی ظاہر ہوتی ہے)۔
(2) جب خودی نے اپنے آپ کو بیدار کیا۔
تو اس نے اس دنیا کو ظاہر دیکھا۔
(3) خودی کی حقیقت میں ہزاروں دنیائیں پوشیدہ ہیں۔
جب خودی اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ تو ایک نئی دنیا پیدا ہو جاتی ہے۔ (خودی کی قوت سے نئی دنیا وجود میں آتی ہے)۔ وہ نئی دنیا خودی سے الگ ہوتی ہے۔

(4) در جہاں تخم خصومت کاشت است
خویشتن را غیر خود پنداشت است

(5) سازد از خود پیکر اغیار را
تا فزاید لذت پیکار را

(6) میکشد از قوت بازوے خویش
تا شود آگاہ از نیروے خویش

(7) خود فریبی ہاے او عین حیات
ہمچو گل از خوں وضو عین حیات

(8) بہر یک گل خون صد گلشن کند
از پے یک نغمہ صد شیون کند

(9) یک فلک را صد ہلال آوردہ است
بہر حرفے صد مقال آوردہ است

(10) عذر ایں اسراف و ایں سنگیں دلی
خلق و تکمیل جمال معنوی

(11) حسن شیریں عذر درد کوہکن
نافہ عذر صد آہوے ختن

(12) سوز پیہم قسمت پروانہ ہا
شمع عذر محنت پروانہ ہا

(13) خامہ او نقش صد امروز بست
تا بیارد صبح فرداے بدست

(14) شعلہ ہاے او صد ابراہیمؑ سوخت
تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

(15) می شود از بہر اغراض عمل
عامل و معمول و اسباب و علل

(16) خیزد، انگیزد، پرد، تابد، رمد
سوزد، افروزد، کشد، میرد، دمد

(17) وسعت ایام جولانگاہ او
آسماں موجے ز گرد راہ او

(18) گل بجیب آفاق از گلکاریش
شب ز خوابش، روز از بیداریش

(4) اس طرح خودی نے اپنے آپ کو غیر سمجھ کر دنیا میں کھینچا تانی کا بیج بویا۔

(5) خودی اپنے آپ سے ہی اپنے غیروں کے وجود تیار کرتی ہے۔ تا کہ باہمی جدل کی لذت زیادہ ہو۔ (اس امر کا تعلق جدلیات کے فلسفہ سے ہے)۔

(6) بعد ازاں خودی اپنے بازو کی طاقت سے بعض کو فنا کر دیتی ہے۔ تا کہ اسے اپنی طاقت سے واقفیت حاصل ہو۔ (اس امر کا تعلق Survival of the Fittest یعنی بقاء اصلح سے ہے)۔

(7) خودی کی یہی خود فریبیاں اپنے آپ سے اپنا غیر پیدا کرتی ہیں۔ پھر اسے غیر جانتے ہوئے مٹا دیتی ہیں۔ یہی زندگی کی روح ہے۔ پھول کی طرح خون سے وضو کرنا ہی اس کی زندگی ہوتی ہے۔

(8) خودی ایک پھول کو بچانے کی خاطر سینکڑوں باغوں کو فنا کر ڈالتی ہے۔ ایک نغمے کے لئے سینکڑوں نالے بلند کرتی ہے۔

(ان ہزاروں نالوں کے پس منظر سے ایک دل آویز نغمہ پیدا ہوتا ہے)۔

(9) خودی ایک آسمان کو سجانے کے لئے سینکڑوں ہلال (پہلی رات کا چاند) لاتی ہے۔
یعنی خودی ایک مطلب کا حرف بیان کرنے کے لئے مختلف انداز بیان لاتی ہے۔

(10) یہ اسراف یعنی بے جا خرچ کرنا اور بے دردی کا اظہار یعنی بہت سی چیزوں کو مٹا دینا ہی جمال معنوی کی تکمیل اور تخلیق ہی سے ذوق حسن کا اظہار ہوتا ہے۔

(11) شیریں کی خوبصورتی ہی کوہ کن (فرہاد) کے دکھوں کو جائز قرار دیتی ہے۔

(12) ایک مشک نافے کا حصول ختن کے ہزاروں ہرنوں کے ضائع کرنے کا جواز پیدا کرتا ہے۔

(13) پروانوں اور پتنگوں کی قسمت میں جو لگاتار سوزش پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے پناہ مشقت برداشت کرتے ہیں۔ ان تمام امور کو جائز قرار دینے کے لئے صرف ایک شمع کا وجود ہے۔

(14) خودی کی وجہ سے (کے قلم سے) سینکڑوں آج کے نقش تیار کئے جاتے ہیں۔ اور مٹائے جاتے ہیں۔
تاکہ ایک حسین کل کی صبح کو پیش کیا جاسکے۔

(15) خودی کے شعلوں نے کئی حضرت ابراہیم جیسے جلا دیے۔
تاکہ ایک محمد مصطفیٰ ﷺ کا چراغ روشن ہو۔ (یہ تمام مثالیں معنوی جمال کو مکمل کرنے کی ہیں)۔

(16) عمل کی غرض پوری کرنے کے لئے خودی کبھی عامل کا روپ اختیار کرتی ہے۔ اور کبھی معمول بن کر سامنے آتی ہے۔ اور کبھی اسباب اور ذرائع کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔
خودی کے مختلف روپ ① اٹھتی ہے ② اٹھاتی ہے ③ اڑاتی ہے ④ جاگتی ہے ⑤ جلتی ہے ⑥ روشن کرتی ہے ⑦ مارتی ہے ⑧ مرتی ہے ⑨ اور زندہ ہوتی ہے۔ اس انداز کلام میں ڈاکٹر مرحوم نے خودی کے مختلف شیون بیان فرمائے ہیں۔

(17) خودی کی جولانیوں کا مقام زمانے کی فراخی میں ہے۔
آسمان ایک موج کا درجہ رکھتا ہے۔ جو اس کی گرد راہ سے پیدا ہوتی ہے۔

(18) خودی کی گل کاریوں نے تمام زمانے کے دامن کو پھولوں سے بھر دیا ہے۔
رات خودی کی نیند ہے۔ تو دن اس کی بیداری سے مراد ہے۔

(19) شعلۂ خود در شرر تقسیم کرد
جز پرستی عقل را تعلیم کرد
(20) خود شکن گردید و اجزا آفرید
اندکے آشفت و صحرا آفرید
(21) باز از آشفتگی بیزار شد
وز بہم پیوستگی کہسار شد
(22) وا نمودن خویش را خوئے خودی است
خفتہ در ہر ذرہ نیروے خودی است
(23) قوت خاموش و بیتاب عمل
از عمل پابند اسباب عمل
(24) چوں حیات عالم از زور خودی است
پس بقدر استواری زندگی است
(25) قطرہ چوں حرف خودی ازبر کند
ہستی بے مایہ را گوہر کند
(26) بادہ از ضعف خودی بے پیکر است
پیکرش منت پذیر ساغر است
(27) گرچہ پیکر می پذیرد جام مے
گردش از ما وام گیرد جام مے
(28) کوہ چوں از خود رود صحرا شود
شکوہ سنج جوشش دریا شود
(29) موج تا موج است در آغوش بحر
می کند خود را سوار دوش بحر
(30) حلقہ زد نور تا گردید چشم
از تلاش جلوہ ہا جنبید چشم
(31) سبزہ چوں تاب دمید از خویش یافت
ہمت او سینۂ گلشن شگافت
(32) شمع ہم خود را بخود زنجیر کرد
خویش را از ذرہ ہا تعمیر کرد
(33) خود گدازی پیشہ کرد از خود رمید
ہم چو اشک آخر ز چشم خود چکید

(19) خودی نے اپنے شعلوں کو چنگاریوں میں بانٹ دیا ہے۔
عقل ایک ایک چنگاری کو سمجھنے کے لئے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ (اسی سے مراد عقل کی غیر پرستی ہے)۔

(20) خودی نے اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور اپنے اجزا پیدا کر لئے ہیں۔
تھوڑی سی آشفتگی پیدا کی۔ تو جنگل وجود میں آ گئے۔

(21) اس پریشانی سے بے زار ہوئی۔
تو پیوستہ ہونے کی وجہ سے پہاڑوں کی شکل میں نمایاں ہوئی۔

(22) اپنے آپ کو نمایاں کرنا خودی کی خو ہے۔
دنیا کے ہر ذرے میں خودی کی قوت موجود ہے۔ (خوابیدہ ہے) بیدار ہو کر ظاہر ہونا چاہتی ہے۔

(23) خودی اگرچہ ایک خاموش قوت ہے۔ مگر عمل کے لئے بے تاب ہے۔
اور عمل ہی کی خاطر عمل کے اسباب کی پابندی اختیار کرتی ہے۔

(24) اس دنیا کی زندگی کا مدار خودی کی قوت پر ہے۔
اس لئے ہر چیز کی زندگی خودی کی مضبوطی کے مطابق ہے۔
(25) جب قطرے خودی کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔
تو وہ اپنی بے قیمت زندگی کو موتی بنا لیتے ہیں۔
(26) خودی کے کمزور ہونے کے باعث شراب کی اپنی کوئی شکل نہیں ہوتی۔
اسے اپنا وجود ثابت کرنے کے لئے ساغر کا احسان مند ہونا پڑتا ہے۔
(27) اگرچہ شراب کے پیالے کی شکل ہوتی ہے۔
مگر گردش اسے ہم سے ادھار لینا پڑتی ہے۔(یعنی گردش کے لئے ہمارے ہاتھوں کا محتاج ہے)۔
(28) جب پہاڑ اپنے آپ کو ترک کر دیتا ہے۔ تو وہ صحرا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔
بعد ازاں دریا کے سیلاب کی شکایت کرتا ہے۔
(29) موجیں جب تک سمندر کی گودی میں موجوں کی شکل میں رہتی ہیں۔
تو وہ سمندر کے کندھوں پر سوار رہتی ہیں۔
(30) نور نے جب اپنی خودی سے کام لیا۔ تو اس نے حلقے کی شکل اختیار کی۔ تو وہ آنکھ بن گیا۔
آنکھیں پھر جلوؤں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں۔
(31) سبزے نے جب اپنے آپ میں اگنے کی طاقت پیدا کی۔
تو اس نے اپنی ہمت سے باغ کا سینہ چاک کر دیا۔
(32) شمع نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے وابستہ کر لیا۔
تو اس نے اس طرح اپنی تعمیر کی۔
(33) بعد ازاں اس نے اپنے آپ کو پگھلانا شروع کر دیا۔ تو وہ اپنی تعمیر (خودی) سے دور ہو گئی۔
آخر کار آنسو کی طرح اپنی آنکھ سے نیچے ٹپک پڑی۔

(34) گر بفطرت پخته‌تر بودے نگیں
از جراحت ہا بیاسودے نگیں

(35) می شود سرمایه دار نام غیر
دوش او مجروح بار نام غیر

(36) چوں زمیں بر ہستی خود محکم است
ماه پابند طواف پیہم است

(37) ہستی مہر از زمیں محکم تر است
پس زمیں مسحور چشم خاور است

(38) جنبش از مژگاں برد شان چنار
مایه دار از سطوت او کوہسار

(39) تار و پود کسوت او آتش است
اصل او یک دانه گردن کش است

(40) چوں خودی آرد بہم نیروئے زیست
می کشاید قلزمے از جوئے زیست

(34) اگر نگینہ اپنی فطرت میں زیادہ پختہ ہوتا۔ تو وہ ان زخموں سے محفوظ رہتا۔ جو اسے گھڑنے کے موقع پر لگتے ہیں۔

(35) اس نگینے پر اب کسی غیر کا نام لکھا جاتا ہے۔ تو دوسروں کے بوجھ سے اس کا کندھا زخمی ہو جاتا ہے۔

(36) زمین نے اپنی خودی اس لئے برقرار رکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی میں مضبوط اور محکم ہے۔ اسی وجہ سے چاند اس کے گرد گھومتا رہتا ہے۔

(37) چونکہ سورج کا وجود زمین کے وجود سے زیادہ محکم ہے۔ اس وجہ سے وہ سورج کی آنکھ سے مسحور نظر آتا ہے۔ (یہی وجہ ہے۔ کہ زمین اس کے گرد چکر لگاتی ہے)۔

(38) چنار کی بلندی کو دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ اس بناء پر پہاڑ اس کی سطوت کو اپنی دولت سمجھتے ہیں۔

دربیان اینکه حیات خودی از تخلیق و تولید مقاصد است

(1) زندگانی را بقا از مدعا ست
کاروانش را درا از مدعا ست

(2) زندگی در جستجو پوشیده است
اصل او در آرزو پوشیده است

(3) آرزو را در دل خود زنده دار
تا نگردد مشت خاک تو مزار

(4) آرزو جان جہان رنگ و بو ست
فطرت ہر شے امین آرزو ست

(5) از تمنا رقص دل در سینه ہا
سینه ہا از تاب او آئینه ہا

(6) طاقت پرواز بخشد خاک را
خضر باشد موسئ ادراک را

*

(39) چاند کے درخت کے لباس کا تانا بانا آگ سے ہے۔
کیونکہ اس کی اصل ایک بلند ہمت دانہ سے ہے۔
(40) جب خودی کو زندگی کی قوت میسر ہوتی ہے۔
تو وہ زندگی کی ندی سے سمندر پیدا کر لیتی ہے۔

اس بیان میں کہ خودی کی زندگی مقاصد کے پیدا ہونے سے ہے

(1) زندگی کی بقا مقصد سے وابستہ ہے۔
مقصد ہی زندگی کے لئے بانگ درا کا کام دیتا ہے۔
(2) زندگی کا راز جستجو ہی ہے۔
اس کی حقیقت آرزو میں چھپی ہوئی ہے۔
(3) اس وجہ سے تو اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھ۔
مبادا تیرا بدن قبر بن جائے۔
(4) آرزو یعنی خواہشات ہی اس دنیا کی جو کہ رنگ اور بو پر مشتمل ہے' جان ہے۔
ہر چیز کی فطرت میں آرزو (خواہشات) امانت کے طور پر موجود ہیں۔
(5) تمناؤں کی وجہ سے دل سینوں کے اندر رقص کرتے ہیں۔
اسی کی چمک سے آئینے شیشے کی مانند صاف شفاف ہیں۔
(6) آرزو ہی اس خاکی فطرت انسان کو پرواز کرنے کی طاقت عطا کرتی ہے۔
ہماری سمجھ میں آرزو اسی طرح رہنمائی کرتی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے حضرت خضر راہنما تھے۔

(7) دل ز سوز آرزو گیرد حیات
غیر حق میرد چو او گیرد حیات

(8) چوں ز تخلیق تمنا باز ماند
شہپرش بشکست و از پرواز ماند

(9) آرزو ہنگامہ آرائے خودی
موج بیتابے ز دریائے خودی

(10) آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر افعال را شیرازہ بند

(11) زندہ را نفی تمنا مردہ کرد
شعلہ را نقصان سوز افسردہ کرد

(12) چیست اصل دیدۂ بیدار ما
بست صورت لذت دیدار ما

(13) کبک پا از شوخی رفتار یافت
بلبل از سعی نوا منقار یافت

(14) نے بروں از نیستاں آباد شد
نغمہ از زندان او آزاد شد

(15) عقل ندرت کوش و گردوں تاز چیست
ہیچ میدانی کہ ایں اعجاز چیست؟

(16) زندگی سرمایہ دار از آرزو ست
عقل از زائیدگان بطن اوست

(17) چیست نظم قوم و آئین و رسوم
چیست راز تازگیہائے علوم

(18) آرزوئے کو بزور خود شکست
سیر ز دل بیروں ز دو صورت بہ بست

(19) دست و دندان و دماغ و چشم و گوش
فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش

(20) زندگی مرکب چو در جنگاہ باخت
بہر حفظ خویش ایں آلات ساخت

(21) آگہی از علم و فن مقصود نیست
غنچہ و گل از چمن مقصود نیست

(7) آرزوؤں کے سوز سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جب دل زندہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کے اندر سے اللہ تعالٰی کے بغیر ہر نقش مٹ جاتا ہے۔

(8) جب دل آرزو پیدا نہیں کرتا۔

تو اس کے پر و بال شکستہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں اڑنے کی طاقت نہیں رہتی۔

(9) خواہشات (آرزو) ہی خودی کے لئے ہنگامہ آرائی کرتی ہے۔

کیونکہ آرزو خودی کی ایک بے قرار موج ہے۔

(10) آرزو ہی مقاصد کے پورا کرنے (شکار کرنے) میں کمند کا کام دیتی ہے۔

آرزو سے ہی انسان کے کردار و عمل میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔

(11) تمناؤں کے ختم ہو جانے سے زندہ انسان بھی مردہ خیال کیا جاتا ہے۔

جس طرح سوز کے ختم ہوتے ہی شعلہ بجھ جاتا ہے۔

(12) ہماری دیدہ بیدار (کھلی آنکھ) کی حقیقت کیا ہے۔

٭

یہی ہے کہ ہماری دیکھنے کی لذت نے ایک آنکھ کی شکل اختیار کرلی ہے۔

(13) چکور (پرندہ) کو رفتار کی شوخی کی وجہ سے پاؤں حاصل ہوئے۔
اور بلبل نے نغمہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ تو اسے چونچ نصیب ہوئی۔

(14) جب بانسری نے ستاں سے باہر نکل کر آباد ہوئی۔
تو نغمہ اس کے قید خانہ سے آزاد ہوا۔ (یعنی اس کے اندر مختلف نغمے نکلنے شروع ہوئے)۔

(15) عقل کیا ہے۔ جو عجیب و غریب چیزیں تلاش کرتی ہے۔ اور آسماں تک رسائی رکھتی ہے۔
کیا تو نے یہ بھی کبھی غور کیا ہے۔ کہ یہ معجزات اسے کس طرح حاصل ہوئے۔

(16) حقیقت دراصل یہ ہے۔ کہ آرزو ہی زندگی کا سازو سامان ہے۔
اور عقل زندگی کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔

(17) قوم کے نظم کا کیا مطلب ہے۔ اور اس کا آئین اور رسوم کیا ہیں۔
نئے نئے علوم موجود ہونے کا کیا راز ہے؟

(18) آرزو جب اپنے زور سے ٹوٹ جاتی ہے۔
اور دل کے اندر سر اٹھاتی ہے۔ اور کوئی صورت اختیار کرتی ہے۔

(19) ہاتھ، دانت، دماغ، آنکھ اور کان، سوچ، تخیل، شعور، یاد اور سمجھ (سب کے سب)۔

(20) یہ سب آلات کا کام دیتے ہیں۔ جو زندگی نے اپنی حفاظت کے لئے وضع کئے ہیں۔
جب (آرزو) نے اپنا گھوڑا جنگ کے میدان میں دوڑایا۔ اس وقت اس نے یہ سب ہتھیار اپنی حفاظت کے لئے پیدا کئے۔

(21) علم اور فن سے مراد صرف معلومات حاصل کرنا ہی نہیں۔
اسی طرح باغ سے صرف غنچہ اور گل حاصل کرنا ہی مقصود نہیں ہے۔

(22) علم از سامان حفظ زندگی است
علم از اسباب تقویم خودی است
(23) علم و فن از پیش خیزان حیات
علم و فن از خانه زادان حیات
(24) اے ز راز زندگی بیگانه خیز
از شراب مقصدے مستانه خیز
(25) مقصدے مثل سحر تابندۂ
ماسوی را آتش سوزندۂ
(26) مقصدے از آسماں بالا ترے
دل ربائے، دلستانے، دلبرے
(27) باطل دیرینه را غارتگرے
فتنه در جیبے، سراپا محشرے
(28) ما ز تخلیق مقاصد زنده ایم
از شعاع آرزو تابنده ایم

(22) اصل میں علم زندگی کی حفاظت کا سامان ہے۔ جن وجوہ سے خودی مستحکم ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے۔
(23) علم اور فن زندگی کے خادم اور غلام ہیں۔ (ان اشعار میں فن برائے فن اور فن برائے زندگی کا فرق بیان کیا گیا ہے)۔
(24) اے وہ آدمی! تو زندگی کے راز سے ناواقف ہے۔ اٹھ۔ اور مقصد کی

در بیان اینکه خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد

(1) نقطهٔ نورے که نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است
(2) از محبت می شود پاینده تر
زنده تر، سوزنده تر، تابنده تر
(3) از محبت اشتعال جوهرش
ارتقائے ممکنات مضمرش
(4) فطرت او آتش اندوزد ز عشق
عالم افروزی بیاموزد ز عشق
(5) عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست
(6) در جہاں ہم صلح و ہم پیکار عشق
آب حیواں تیغ جوہر دار عشق

شراب پی کر مستانہ وار اٹھ۔
(25) تیرا مقصد ایسا ہونا چاہیے۔ جو صبح کی طرح روشن ہو۔ اور جو غیر اللہ کو جلا دینے والا ہو۔ اور آگ کی حیثیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔
(26) یہی مقصد آسمان سے بھی بلند ہے۔ یہ مقصد ایسا ہے۔ جو دل کو لبھانے والا ہے۔ دل چھین لینے والا ہے۔ اور دلوں پر قبضہ کرنے والا ہے۔

(27) یہ مقصد ایسا ہے۔ جو دیرینہ باطل کو فنا کر دینے والا ہے۔
اس کے گریبان میں قیامت کے ہنگامے موجود ہیں۔

(28) ہم مقصدوں کے وجود سے ہی زندہ ہیں۔
آرزو کی شعاع ہمیں روشن رکھتی ہے۔

اس بیان میں کہ خودی عشق اور محبت سے مضبوط ہوتی ہے

(1) نور کا نقطہ جس کا نام خودی ہے۔
یہی نقطہ ہمارے بدن میں زندگی کی چنگاری ہے۔

(2) یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہے۔ جو زیادہ زندہ' زیادہ پائیدار' زیادہ چمک دار اور زیادہ جلانے والی ہے۔

(3) محبت ہی سے اس کے جوہر میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔
محبت ہی کی وجہ سے اس کے اندر کی صلاحیتوں کی تربیت ہوتی ہے۔

(4) اس کی فطرت عشق ہی کی وجہ سے گرمی حاصل کرتی ہے۔
اور عشق کی وجہ سے ہی دنیا کو جگمگا دینے والا طریقہ سیکھتی ہے۔

(5) عشق کو تلوار اور خنجر سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ عشق کی اصل عناصر اربعہ (آگ' پانی' مٹی' ہوا) سے نہیں ہے۔

(6) عشق کی جوہر دار تلوار کا تعلق آب حیات سے ہے۔
اسی سے دنیا میں صلح و آشتی کا وجود ہے۔ اور اسی سے جنگ و جدل کا نام باقی ہے۔

(7) از نگاه عشق خارا شق بود
عشق حق آخر سراپا حق بود

(8) عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشم نوحے، قلب ایوبے طلب

(9) کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسه زن بر آستان کاملے

(10) شمع خود را همچو رومی بر فروز
روم را در آتش تبریز سوز

(11) هست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری، بیا، بنمائمت

(12) عاشقان او ز خوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

(13) دل ز عشق او توانا میشود!
خاک همدوش ثریا میشود

(14) خاک نجد از فیض او چالاک شد
آمد اندر وجد و بر افلاک شد

(15) در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

(16) طور موجے از غبار خانه اش
کعبه را بیت الحرم کاشانه اش

(17) کمتر از آنے ز او قاتش ابد
کاسب افزایش از ذاتش ابد

(18) بوریا ممنون خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے امتش

(19) در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

(20) ماند شبہا چشم او محروم نوم
تا به تخت خسروی خوابید قوم

(21) وقت ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدهٔ او اشکبار اندر نماز

(7) عشق کی نگاہ پتھر کو توڑ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عشق کرنا انسان کو مولا صفات بندہ بنا دیتا ہے۔

(8) اے مخاطب! تو عاشقی کے انداز سیکھ۔ اور اپنے لئے محبوب تلاش کر۔ مگر یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے حضرت نوحؑ کی آنکھ اور حضرت ایوبؑ کا دل چاہئے۔

(9) اپنے مٹھی بھر مٹی کے وجود کو کیمیا بنالے۔ کسی کامل انسان کے آستان پر بوسہ زنی کر۔ (یہ مقصد تجھے ایسی وابستگی اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے)۔

(10) اپنی شمع کو مولانا روم کی طرح روشن کر۔ اور روم کو تبریز کی آگ میں جلا دے۔ (اس شعر میں مولانا روم اور ان کے مرشد کامل شمس تبریز کا ذکر کیا گیا ہے)۔

(11) تیرے دل کے اندر ایک محبوب پوشیدہ ہے۔ اگر تو آنکھ رکھتا ہے۔ تو میرے پاس آ۔ میں تجھے دکھاؤں۔

*

(12) اس بنا پر محبت کرنے والے محبوبوں سے زیادہ خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ خوش وضع اور پیارے ہو

جاتے ہیں۔
اس سے پیار کرنے والے زیادہ حسین اور خوبصورت ہو جاتے ہیں۔
(13) آپ سے عشق کرنے سے دل طاقت حاصل کرتا ہے۔
اور خاکی فطرت والے انسان کا رتبہ ثریا (ستاروں کا مجموعہ) جتنا بلند ہو جاتا ہے۔
(14) نجد کی زمین نے آپ کے فیض سے اتنا بلند مرتبہ پایا۔
کہ آسمانوں تک پہنچ گئی۔
(15) آپؐ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے۔ (آپ سے مراد رسول کریم صلعم ہیں)۔
آپ ہی کے نام سے ہماری عزت اور آبرو قائم ہے۔
(16) طور سینا آپ کے گھر کے غبار کی ایک لہر ہے۔
آپ کا حجرہ مبارک کعبہ کے لئے بیت الحرام (عزت کا گھر) ہے۔
(17) ابد آپ کے اوقات کے لئے ایک پلک سے بھی کم ہے۔
حقیقت یہ ہے۔ کہ ابد نے آپ کی ذات ستودہ صفات سے ابدیت حاصل کی ہے۔ (یہ سب فیضان آپ ہی کے وجود مطہر کا ہے)۔
(18) آپ خواب راحت کے لئے بوریا پر احسان فرماتے تھے۔
اور آپ کی امت نے کسریٰ (ایران کا بادشاہ) کا تاج اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔
(19) آپ نے غار حرا میں خلوت گزینی اختیار فرمائی۔
آپ نے نئے آئین، نئی ملت اور نیا انداز حکومت اختیار فرمایا۔
(20) آپ نے کئی راتیں نیند کے بغیر گزار دیں۔
تو پھر آپ کی امت نے خسروی تخت پر آرام کیا۔
(21) جنگ کے دوران میں آپ کی تلوار لوہے کو آسانی سے کاٹ دیتی تھی۔
اور نماز کے دوران میں آنحضورؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔

(22) در دعائے نصرت آمیں تیغ او
قاطع نسل سلاطیں تیغ او

(23) در جہاں آئین نو آغاز کرد
مسند اقوام پیشیں در نورد

(24) از کلید دیں در دنیا کشاد
ہمچو او بطن ام گیتی نزاد

(25) در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست

(26) در مصافے پیش آں گردوں سریر
دختر سردار طے آمد اسیر

(27) پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود
گردن از شرم و حیا خم کردہ بود

(28) دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید
چادر خود پیش روے او کشید

(29) ما ازاں خاتون طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں بے چادریم

(30) روز محشر اعتبار ماست او
در جہاں ھم پردہ دار ماست او

(31) لطف و قہر او سراپا رحمتے
آں بیاراں ایں با عدا رحمتے

(32) آں کہ بر اعدا در رحمت کشاد
مکہ را پیغام لا تثریب داد

(33) ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم
چوں نگہ نور دو چشمیم و یکیم

(34) از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنم یک صبح خندانیم ما

(35) مست چشم ساقی بطحا ستیم
در جہاں مثل مے و مینا ستیم

(36) امتیازات نسب را پاک سوخت
آتش او ایں خس و خاشاک سوخت

*

(22) نصرت اور فتح مندی کی دعا کے ساتھ آمین کہتے ہوئے آپؐ اپنی تلوار میان سے باہر نکال لیتے تھے۔ (دعا کے ساتھ ساتھ اسباب پر بھی آپ کی نظر ہوتی تھی)۔

(آپؐ کی تلوار نے بادشاہت کا سلسلہ ختم کردیا)۔

(23) آپؐ نے دنیا میں نیا آئین رائج فرمایا۔ (ایران و روم کی بالادستی کو ختم کردیا)۔

(24) آپؐ نے دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا۔

زمانے کے بطن سے آپؐ جیسا کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔

(25) آپؐ کی نظروں میں بالا و پست ایک ہی درجہ رکھتے تھے۔ (عزت کی بنیاد صرف تقویٰ تھی) چنانچہ آپؐ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔

(26) اس بلند مرتبہ سردار کے سامنے ایک لڑائی میں حاتم طائی کی لڑکی قیدی بن کر پیش ہوئی۔

(27) اس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔

اور بے پردہ ہونے کی وجہ سے شرم اور حیا سے اپنی گردن کو جھکائے ہوئے تھی۔

(28) جناب رسول اکرم ﷺ نے جب اس لڑکی کو پردے کے بغیر دیکھا۔
اپنی چادر اس کے چہرے پر ڈال دی۔

(29) ہم موجودہ زمانے میں قبیلہ طے کی اس خاتون سے زیادہ بے پردہ ہیں۔
دنیا کی قوموں کے سامنے ہم بھی عزت کی چادر کے بغیر ہیں۔

(30) قیامت کے دن آپ کی شفاعت پر ہمیں بھروسا ہے۔
اس دنیا میں آپؐ ہی ہمارے عیب چھپانے والے ہیں۔

(31) آپؐ کا لطف و قہر دونوں سراپا رحمت ہی ہیں۔
لطف دوستوں کے لئے اور قہر دشمنوں کے لئے رحمت ہے۔

(32) آپؐ نے اپنے دشمنوں پر بھی رحمت کے دروازے کھول دئے۔
اور اہل مکہ کو 'تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے' فرما کر معاف کر دیا۔

(33) ہم وطن کی حد بندیوں سے آزاد ہیں۔ ہم ایک ہیں۔
اور دونوں آنکھوں کا نور ہیں۔ یعنی آنکھوں کے نور کی طرح یکساں ہیں۔

(34) ہم حجاز' چین' ایران کے شہری ہیں۔
لیکن ایک ہی صبح خنداں (آنجنابؐ) کی شبنم ہیں۔ جو پھولوں کو تازگی دیتی ہے۔

(35) ہم بطحا کے ساقی کی آنکھوں کی شراب سے مست ہیں۔
دنیا میں ہماری مثال مے اور صراحی کی ہے۔ یعنی ہمارا آپؐ کے ساتھ وہی تعلق ہے۔ جو مے اور مینا میں ہوتا ہے۔

(36) آپ نے نسلی اور ذاتوں کے امتیاز کو یکسر ختم کر دیا۔
اور دنیا کے باغ کو اس کوڑے کرکٹ سے پاک کر دیا۔

(37) چوں گل صد برگ ما را بو یکیست
اوست جان این نظام و او یکیست

(38) سر مکنون دل او ما بدیم
نعرہ بے باکانہ زد، افشا شدیم

(39) شور عشقش در نئے خاموش من
می تپد صد نغمہ در آغوش من

(40) من چہ گویم از تولایش کہ چیست
خشک چوبے در فراق او گریست

(41) ہستی مسلم تجلی گاہ او!
طور ہا بالد ز گرد راہ او

(42) پیکرم را آفرید آئینہ اش
صبح من از آفتاب سینہ اش

(43) در تپید دمبدم آرام من
گرم تر از صبح محشر شام من

(44) ابر آزار است و من بستان او
تاک من نمناک از باران او

(45) چشم در کشت محبت کاشتم
از تماشا حاصلے برداشتم

(46) خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

(47) کشتۂ انداز ملا جامیم
نظم و نثر او علاج خامیم

(48) شعر لب ریز معانی گفتہ است
در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است

(49) "نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"

(50) کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

(51) کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

(37) گل صد برگ کی طرح ہماری خوشبو ایک ہی ہے۔
آپؐ اس نظام کی جان ہیں۔ اور آپؐ ایک ہیں۔

(38) ہم آپؐ کے قلب میں چھپے ہوئے راز تھے۔
آپؐ نے نعرۂ بیباکانہ یعنی لا الٰہ الا اللہ بلند فرمایا اور ہم ظاہر ہوئے۔

(39) آپؐ کے عشق کا شور میری خاموش نے میں ہے۔
اور میری آغوش میں سینکڑوں نغمے پیدا ہوتے ہیں۔

(40) میں آپؐ کی محبت کے بارے میں کیا بیان کروں۔
خشک لکڑی نے (حنانہ۔ جو ایک ستون تھا) بھی آپؐ کی جدائی میں رونا شروع کر دیا۔

(41) مسلمانوں کا وجود آپؐ کی تجلی کا مقام ہے۔
آپؐ کی گرد راہ سے کئی طور پیدا ہوتے ہیں۔

(42) آپؐ کے آئینہ نے مجھے وجود بخشا۔

میری صبح آپؐ کے سینے کے آفتاب سے تعلق رکھتی ہے۔
(43) اس دم دم کی تڑپ میں میرے لئے تسکین ہے۔
(44) آپؐ بہار کے بادل ہیں۔ اور میں آپؐ کا باغ ہوں۔
میرے انگوروں کا باغ آپؐ کی رحمت کی بارش سے ترو تازہ ہے۔
(45) میں نے شوق کی نگاہ محبت کی کھیتی میں بوئی۔
اور آپؐ کے نظارہ جمال سے حاصل برداشت کیا۔
(46) یثرب (مدینہ منورہ) کی خاک دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔
وہ شہر کتنا ٹھنڈا ہے۔ جہاں دلبر مقیم ہو۔
(47) میں ملا جامی کے انداز کا گھائل ہوں۔
ان کی نظم اور نثر میری خامیوں کا علاج ہے۔
(48) اس نے معنوں سے بھرا ہوا شعر کہا ہے۔ (یعنی اس کی شاعری پر معنی ہے)۔
انہوں نے آپؐ کی تعریف میں موتی پروئے ہیں۔
(49) آپؐ کونین کی کتاب کا دیباچہ ہیں۔
ساری دنیا غلام ہے۔ اور آقا صرف آپؐ ہی ہیں۔
(50) عشق کے شراب سے کئی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔
تقلید بھی آپؐ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔
(51) بسطام کے مرد کامل بایزید تقلید میں بے مثال تھے۔
آپ نے خربوزہ کھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ آپ کو حضورؐ کے کھانے کا انداز معلوم نہ تھا۔

(52) عاشقی؟ محکم شو از تقلید یار
تا کمند تو شود یزداں شکار
(53) اند کے اندر حرائے دل نشیں
ترک خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
(54) محکم از حق شو سوئے خود گام زن
لات و عزائے ہوس را سر شکن!
(55) لشکرے پیدا کن از سلطان عشق
جلوہ گر شو بر سر فاران عشق
(56) تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرح انی جاعل سازد ترا

(52) اگر تو عشق کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو تقلید سے اپنے عشق کو مضبوط کرلے۔
تا کہ تیری کمند اللہ تعالیٰ کو شکار کر سکے۔ اللہ کی محبت اتباع رسولؐ میں ہے۔
(53) اے مخاطب! تو تھوڑی دیر کے لئے اپنے دل کے غار حرا میں بیٹھ۔

در بیان اینکہ خودی از سوال ضعیف میگردد

(1) اے فراہم کردہ از شیراں خراج
گشتہ روبہ مزاج از احتیاج
(2) خستگی ہائے تو از ناداری است
اصل درد تو ہمیں بیماری است
(3) می رباید رفعت از فکر بلند
می کشد شمع خیال ارجمند
(4) از خم ہستی مے گلفام گیر!
نقد خود از کیسہ ایام گیر!
(5) خود فرود آ از شتر مثل عمرؓ
الحذر از منت غیر الحذر
(6) تا بکے دریوزۂ منصب کنی
صورت طفلاں ز نے مرکب کنی
(7) فطرتے کو بر فلک بندد نظر
پست میگردد ز احسان دگر
(8) از سوال آشفتہ اجزائے خودی
بے تجلی نخل سینائے خودی

اپنے آپ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کر۔
(54) حق سے محکم ہو کر اپنی طرف واپس آ۔ اور حرص و ہوا کے بتوں (لات و منات) کو ٹکڑے ٹکڑے کردے۔
(55) سلطان عشق سے لشکر پیدا کر۔
اور عشق کے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر ہو۔
(56) تا کہ کعبہ کا خداوند تعالیٰ تجھ پر نوازش کرے۔
اور تو 'میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں' کی شرح اور تفصیل بن سکے۔

*

اس بیان میں کہ مانگنے یعنی سوال کرنے سے

خودی میں کمزوری آتی ہے

(1) اے مسلمان! تو نے کبھی شیروں سے خراج حاصل کیا تھا۔
حاجت مندی کی وجہ سے ترا مزاج لومڑی کا ہو گیا ہے۔
(2) تیرا خستہ (کمزور) ہونا تیری ناداری کی وجہ سے ہے۔
یہی ایک ایسی بیماری ہے۔ جو تیرے درد کا اصل ہے۔
(3) ناداری بلند فکری سے رفعت چھین لیتی ہے۔
مبارک شمع خیال کو بجھا دیتی ہے۔ (ناداری میں بلند خیالی ختم ہو جاتی ہے)۔
(4) تو زندگی کے مٹکے سے سرخ شراب حاصل کر۔
زمانے کی جیب سے اپنی نقدی نکال لے۔
(5) تو حضرت عمرؓ کی طرح اونٹ سے نیچے اتر۔ (تاکہ تو گرا ہوا کوڑا اٹھا سکے)۔
دوسروں کا احسان مند نہ ہو۔ ہرگز احسان برداشت نہ کر۔
(6) تو کب تک حکم چلانے کے لئے منصب و منزلت کی گداگری کرتا رہے گا۔
بچوں کی طرح کب تک سرکنڈوں سے گھوڑا بناتا رہے گا۔
(7) وہ فطرت جس کی رسائی آسمانوں تک ہو۔
دوسروں کے احسان سے پست اور کمتر ہو جاتی ہے۔
(8) سوال کرنے یعنی مانگنے سے خودی کے مختلف اجزاء برہم ہو جاتے ہیں۔
خودی کے سینا کا نخل (پودا) بغیر تجلی کے ہو جاتا ہے۔

(9) از سوال افلاس گردد خوار تر
از گدائی گدیہ گر نادار تر

(10) مشت خاک خویش را از ہم مپاش
مثل مہ رزق خود از پہلو تراش

(11) گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت
در رہ سیل بلا افگندہ رخت

(12) رزق خویش از نعمت دیگر مجو
موج آب از چشمہ خاور مجو

(13) تانباشی پیش پیغمبرؐ خجل
روز فردائے کہ باشد جاں گسل

(14) ماہ را روزی رسد از خوان مہر
داغ بر دل دارد از احسان مہر

(15) ہمت از حق خواہ و با گردوں ستیز
آبروئے ملت بیضا مریز

(16) آنکہ خاشاک بتاں از کعبہ رفت
مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(17) وائے بر منت پذیرِ خوان غیر
گردنش خم گشتہ احسان غیر

(18) خویش را از برق لطف غیر سوخت
با پشیزے مایہ غیرت فروخت

(19) اے خنک آں تشنہ کاندر آفتاب
می نخواہد از خضر یک جام آب

(20) تر جبیں از خجلت سائل نشد
شکل آدم ماند و مشت گل نشد

(21) زیر گردوں آں جوان ارجمند
میرود مثل صنوبر سربلند

(22) در تہی دستی شود خود دار تر
بخت او خوابیدہ او بیدار تر

(23) قلزم زنبیل سیل آتش است
گر ز دست خود رسد شبنم خوش است

(9) سوال کرنے سے مفلسی اور ذلیل ہو جاتی ہے۔

(10) اپنی مٹھی بھر مٹی کو اور زیادہ پریشان نہ کر۔ چاند کی طرح اپنی روزی اپنے پہلو سے پیدا کر۔ یعنی خود پیدا کر۔

(11) اگرچہ تیری روزی تنگ ہو۔ اور تیرا نصیبہ یاور نہ ہو۔ اور تو تکلیفوں کے گھرے سمندر میں ہو۔

(12) پھر بھی دوسروں کی نعمت سے رزق تلاش نہ کر۔ اور مشرق کے چشمہ سے پانی کی موجیں طلب نہ کر۔

(13) تاکہ توکل قیامت کے دن حضور ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔

(14) چاند کو سورج کے دستر خوان سے روزی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کے دل پر اس احسان کا داغ نمایاں ہے۔

(15) دعا اللہ تعالی سے مانگ۔ اور آسمان یعنی حالات کا مقابلہ کر۔ اور روشن ملت کی عزت کو ضائع نہ کر۔

٭

(16) وہ ذات پاک جس نے کعبے کو بتوں کے تنکوں سے صاف کیا۔
انہوں نے ہی فرمایا ہے۔ کہ کمائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔
(17) اس آدمی پر افسوس ہے۔ جو غیروں کے دستر خوان کا احسان مند ہے۔
اور دوسروں کے احسان سے اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی ہے۔
(18) اس نے اپنے آپ کو دوسروں کی مہربانی کی بجلی سے جلا لیا۔
ایک دمڑی کے بدلے اس نے اپنی غیرت کو بیچ دیا۔
(19) وہ آدمی کیا ہی اچھا ہے۔ جو دھوپ میں پیاسا ہے۔
لیکن پھر بھی حضرت خضرؑ سے پانی کا طلب گار نہیں ہوتا۔
(20) جس کا ماتھا مانگنے والے کی شرم سے تر نہیں ہوتا۔
جو اپنی آدمیت برقرار رکھتا ہے۔ مٹھی بھر مٹی بن کر شرمندہ نہیں ہوتا۔
(21) اس قسم کا بلند ہمت نوجوان آسمان کے نیچے صنوبر کی طرح اپنا سر اٹھا کر چلتا ہے۔
(22) اگر وہ خالی ہاتھ ہو۔ تو اور زیادہ خوددار بن جاتا ہے۔
اس کا بخت سو جائے گا۔ تو وہ اور بیدار ہو جاتا ہے۔
(23) کاسہ گدائی کا بھرا ہوا سمندر بھی آگ کا سیلاب ہے۔
اگر اپنے ہاتھوں سے شبنم بھی حاصل کر لی جائے۔ تو وہ اچھی ہوتی ہے۔

(24) چوں حباب از غیرت مردانه باش
ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانه باش

(24) بلبلے کی طرح غیرت سے مرد ہو جا۔ سمندر کے اندر بھی اپنا پیمانہ الٹائے رکھے

دربیان اینکه چوں خودی از عشق و محبت محکم میگردد قواے ظاہره و مخفیه نظام عالم را مسخر می سازد

(1) از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرمانده عالم شود

(2) پیر گردوں کز کواکب نقش بست
غنچه ہا از شاخسار او شکست

(3) پنجه او پنجه حق می شود
ماه از انگشت او شق می شود

(4) در خصومات جہاں گردد حکم
تابع فرمان او دارا و جم

(5) با تو میگویم حدیث بو علیؒ
در سواد ہند نام او جلی

(6) آں نوا پیراے گلزار کہن
گفت با ما از گل رعنا سخن

(7) خطه ایں جنت آتش نژاد
از ہواے دامنش مینو سواد

(8) کوچک ابدالش سوے بازار رفت
از شراب بو علیؒ سرشار رفت

(9) عامل آں شہر می آمد سوار
ہمرکاب او غلام و چوبدار

(10) پیشرو زد بانگ اے نا ہوشمند
بر جلو داران عامل رہ مبند

(11) رفت آں درویش سر افگنده پیش
غوطه زن اندر یم افکار خویش

(12) چوبدار از جام استکبار مست
بر سر درویش چوب خود شکست

سمندر میں بھی اپنے پیالے کو الٹا رکھ۔

☆ اس بیان میں جب خودی عشق اور محبت سے مضبوط ہو جاتی ہے۔

☆ تو وہ دنیا کے انتظام کی ظاہری اور پوشیدہ قوتوں کو مطیع کر لیتی ہے۔

(1) جب خودی اللہ تعالیٰ کے عشق سے مضبوط ہو جاتی ہے۔ تو اس کی قوت دنیا کی حاکم بن جاتی ہے۔

(2) بوڑھے آسمان نے ستاروں سے آرائش حاصل کی ہے۔ اس کی ٹہنیوں کے غنچے ٹوٹ جاتے ہیں۔ (یعنی جس کی خودی مضبوط اور محکم ہوتی ہے۔ وہ جہاں کا فرماں روا ہوتا ہے)۔

(3) اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا

ہاتھ ہو جاتا ہے۔
اس کی انگلیوں سے چاند بھی ٹوٹ جاتا ہے۔
(4) ایسا آدمی دنیا کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے والا ہو جاتا ہے۔
دارا اور جمشید جیسے بادشاہ بھی اس کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔
(5) میں تمہیں بو علی قلندر کا واقعہ سناتا ہوں۔
ان کا نام ہندوستان میں مشہور ہے۔
(6) اس پرانے باغ کے نغمہ الاپنے والے نے۔
ہمارے ساتھ گل رعنا کی بات کی ہے۔
(7) آگ کے اصل والا یہ زمین کا ٹکڑا اس کے دامن کی ہوا سے حقیقت میں بہشت کا ٹکڑا ہو گیا۔
(8) ان کا ایک چھوٹا مرید بازار کی طرف گیا۔
وہ حضرت بو علی کی شراب سے مست تھا۔
(9) اس شہر کا حاکم سوار ہو کر گزرا۔
تو اس کے ساتھ کئی غلام اور نوکر چاکر تھے۔
(10) ان میں کے ایک نے بڑھ کر آواز دی۔ اے نا سمجھ
حاکم کے ہمراہیوں کا راستہ مت روکئے۔
(11) وہ درویش اپنا سر نیچا کئے چلتا رہا۔
وہ اپنے افکار کے سمندر میں غوطہ زنی کر رہا تھا۔
(12) دوسری طرف چوبدار (حاکم کا نوکر) اپنے تکبر میں مست تھا۔
درویش کے سر پر اس نے اپنی لاٹھی توڑ ڈالی۔

(13) از رہ عامل فقیر آزردہ رفت
دلگران و ناخوش و افسردہ رفت

(14) در حضور بوعلیؒ فریاد کرد
اشک از زندان چشم آزاد کرد

(15) صورت برقے کہ بر کہسار ریخت
شیخ سیل آتش از گفتار ریخت

(16) از رگ جاں آتش دیگر کشود
با دبیر خویش ارشادے نمود

(17) خامہ را برگیر و فرمانے نویس!
از فقیرے، سوے سلطانے نویس!

(18) بندہ ام را عاملت برسر زدہ است
بر متاع جان خود اخگر زدہ است

(19) باز گیر ایں عامل بد گوہرے
ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے

(20) نامہ آں بندۂ حق دستگاہ
لرزہ ہا انداخت در اندام شاہ

(21) پیکرش سرمایہ آلام گشت
زرد مثل آفتاب شام گشت

(22) بہر عامل حلقہ زنجیر جست
از قلندر عفو ایں تقصیر جست

(23) خسرو شیریں زبان، رنگیں بیاں
نغمہ ہایش از ضمیر کن فکاں

(24) فطرتش روشن مثال ماہتاب
گشت از بہر سفارت انتخاب

(25) چنگ را پیش قلندر چوں نواخت
از نوائے شیشہ جانش گداخت

(26) شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود
قیمت یک نغمہ گفتار بود

(27) نیشتر بر قلب درویشاں مزن
خویش را در آتش سوزاں مزن

(13) حاکم کی طرف سے فقیر آزردہ ہو گیا۔ اس کا دل بھاری تھا۔ وہ ناخوش تھا۔ اور افسردہ ہو گیا۔

(14) اس نے بوعلی کے پاس فریاد کی۔ آنکھ کے قید خانے سے آنسو بہائے۔

(15) اس کی فریاد سننے کے بعد پہاڑ پر گرنے والی بجلی کی طرح شیخ نے باتیں کیں۔

(16) اس کے اندر سے ایک اور قسم کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور اپنے میر منشی کو بلا کر کہا۔

(17) قلم اٹھا کر ایک فرمان تحریر کیجئے۔ فقیر کی طرف سے بادشاہ کی طرف لکھیے۔

(18) تیرے عامل نے میرے درویش کے سر پر لاٹھی ماری ہے۔ گویا اس نے اپنی جان کی متاع پر آگ کے انگارے برسائے ہیں۔

(19) اس بدگوہر حاکم کو واپس بلا لیجئے۔
ورنہ میں تیرا ملک کسی دوسرے کو بخش دوں گا۔

(20) اس خدا رسیدہ بندے کے خط نے
بادشاہ کے وجود پر کپکپی طاری کر دی۔

(21) اس کا وجود رنج والم کا پیکر ہو گیا۔
اور شام کے سورج کی طرح زرد ہو گیا۔

(22) حاکم کے لئے حلقۂ زنجیر طلب کیا۔ یعنی اسے قید کر دیا۔
اور قلندر سے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔

(23) امیر خسرو جو شیریں زبان اور رنگیں بیان تھے۔
جن کے نغمے کن فکاں (کائنات) کے اندر سے پھوٹتے ہیں۔

(24) ان کی فطرت چاند کی طرح روشن تھی۔
ان کو سفیر بنانے کے لئے منتخب فرمایا۔

(25) جب امیر خسرو نے قلندر کے سامنے نغمہ سرائی کی۔
تو ان کی آواز نے درویش کے جان کے شیشے کو پگھلا دیا۔

(26) وہ شان و شوکت جو پہاڑ کی طرح مضبوط تھی۔
اس کی قیمت ایک نغمہ گفتار تھی۔ یعنی ایک نغمے نے ان کو خرید لیا۔

(27) درویشوں کے دل پر نشتر نہ لگایئے۔
اپنے آپ کو جلتی ہوئی آگ میں مت پھینکئے۔

حکایت دریں معنی کہ مسئلہ نفی خودی از مخترعات اقوام مغلوبہ بنی نوع انسان است کہ بایں طریق مخفی اخلاق اقوام غالبہ را ضعیف می سازند

(1) آں شنیدستی کہ در عہد قدیم
گوسفنداں در علف زارے مقیم

(2) از وفور کاہ نسل افزا بدند
فارغ از اندیشۂ اعدا بدند

(3) آخر از ناسازی تقدیر میش
گشت از تیر بلائے سینہ ریش

(4) شیرہا از بیشہ سر بیروں زدند
بر علف زار بزاں شبخوں زدند

(5) جذب و استیلا شعار قوت است
فتح راز آشکار قوت است

(6) شیر نر کوس شہنشاہی نواخت
میش را از حریت محروم ساخت

(7) بسکہ از شیراں نیابد جز شکار
سرخ شد از خون میش آں مرغزار

(8) گوسفندے زیرکے، فہمیدۂ
کہنہ سالے، گرگ باراں دیدۂ

(9) تنگ دل از روزگار قوم خویش
از ستم ہائے ہزبراں سینہ ریش

(10) شکوہ ہا از گردش تقدیر کرد
کار خود را محکم از تدبیر کرد

(11) بہر حفظ خویش مرد ناتواں
حیلہ ہا جوید ز عقل کارواں

(12) در غلامی از پئے دفع ضرر
قوت تدبیر گردد تیز تر

☆ اس بیان کی وضاحت کے لئے ایک حکایت کہ

خودی کی نفی کا سوال اقوام مغلوبہ کی اختراع ہے

تاکہ وہ اس پوشیدہ طریقے سے غالب قوموں کے اخلاق کو کمزور کریں

(1) یہ تو نے سنا ہوگا کہ پرانے وقتوں میں بہت سی بھیڑ بکریاں ایک چراگاہ میں رہتی تھیں۔

(2) گھاس وغیرہ کی کثرت کی بنا پر ان کی نسل میں اضافہ ہو رہا تھا۔
وہ دشمنوں سے بے خبر تھیں۔

(3) آخر کار بھیڑوں کی تقدیر کی خرابی سے۔
مصیبتوں اور بلاؤں کے تیروں سے ان کا سینہ زخمی ہو گیا۔

(4) جنگل سے شیروں نے نکل کر۔
بھیڑوں کی چراگاہ پر حملہ کرنا (شبخون: رات کا حملہ) شروع کیا۔

(5) کشش اور غلبہ قوت کا شعار ہوتا ہے۔
فتح قوت اور طاقت کا کھلا ہوا بھید ہے۔

(6) شیروں نے اپنی بادشاہی کے اعلان کا نقارہ بجا دیا۔
بھیڑوں کو آزادی سے محروم کر دیا۔

(7) شیروں سے چونکہ شکار کے بغیر اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔
شیروں کے شکار کرنے کی وجہ سے بھیڑوں کی چراگاہ خون سے سرخ ہو گئی۔

(8) ان بھیڑوں میں ایک بھیڑ عقل مند' سوچ سمجھ والی تھی۔
وہ بوڑھی تھی' اور بارش دیکھے بھیڑیئے کی طرح تجربہ کار تھی۔

(9) وہ اپنی قوم کے حالات سے بہت پریشان ہوئی۔
شیروں کے ظلم و جور کی وجہ سے اس کا سینہ زخمی ہو گیا۔

(10) بھیڑوں کی تقدیر کی گردش سے اس کے دل میں شکایت پیدا ہوئی۔
اس بنا پر اس نے اپنا کام تدبیر سے مضبوط کیا۔

(11) کمزور آدمی اپنی حفاظت کے لئے۔
تجربہ کار اور کام سے واقف عقل سے حیلہ سازی کرتا ہے۔

(12) غلامی کی زندگی میں تکالیف کو دور کرنے کے لئے۔
تدبیر کی قوتیں تیز ہو جاتی ہیں۔

(13) پختہ چوں گردد جنون انتقام
فتنہ اندیشی کند عقل غلام

(14) گفت با خود عقدۂ ما مشکل است
قلزم غمہاے ما بے ساحل است

(15) میش نتواند بزور از شیر رست
سیم ساعد ما و او پولاد دست

(16) نیست ممکن کز کمال وعظ و پند
خوئے گرگی آفریند گوسفند

(17) شیر نر را میش کردن ممکن است
غافلش از خویش کردن ممکن است

(18) صاحب آوازۂ الہام گشت
واعظ شیران خوں آشام گشت

(19) نعرہ زد اے قوم کذاب اشر
بے خبر از یوم نحس مستمر

(20) مایہ دار از قوت روحانیم
بہر شیراں مرسل یزدانیم

(21) دیدۂ بے نور را نور آمدم
صاحب دستور و مامور آمدم

(22) توبہ از اعمال نا محمود کن
اے زیاں اندیش فکر سود کن

(23) ہر کہ باشد تند و زور آور شقی است
زندگی مستحکم از نفی خودی است

(24) روح نیکاں از علف یابد غذا
تارک اللحم است مقبول خدا

(25) تیزی دنداں ترا رسوا کند
دیدۂ ادراک را اعمیٰ کند

(26) جنت از بہر ضعیفان است و بس
قوت از اسباب خسران است و بس

(27) جستجوئے عظمت و سطوت شر است
تنگدستی از امارت خوشتر است

*

(13) جب انتقام لینے کی دیوانگی پختہ ہو جاتی ہے۔ تو غلام (کمزور) کی عقل فتنے سوچتی ہے۔

(14) اس بوڑھی بھیڑ نے اپنے آپ سے کہا۔ ہماری گرہ بہت مشکل ہے۔ ہمارے غموں کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

(15) بھیڑیں طاقت کی بنا پر شیروں سے نجات نہیں پا سکتیں۔ ہماری کلائی چاندی کی ہے۔ شیر کا پنجہ فولاد کی طرح سخت ہے۔

(16) یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ وعظ اور نصیحت کے کمال پر بھیڑیے کی خصلتیں بھیڑوں میں پیدا ہوں۔

(17) یہ ممکن ہے۔ کہ نر شیر کو بھیڑ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کو اپنے آپ سے غافل کرنا ممکن ہے۔

(18) اس بھیڑ نے الہام کا دعویٰ کیا۔ خون پینے والے شیروں کو وعظ کرنے لگا۔

(19) اس نے نعرہ لگایا۔ اے جھوٹو! اے شریرو! تم اس دن سے بے خبر ہو۔ جو منحوس ہے۔ (قیامت کا دن)۔

(20) میں روحانی قوتوں سے بہرہ یاب ہوا ہوں۔
شیروں کے لئے میں اللہ کا بھیجا ہوا شخص ہوں۔
(21) میں بے نور آنکھوں کے لئے روشنی کا حکم رکھتا ہوں۔
میں ایک آئین (شریعت) کی مالک ہوں۔ اور تمہاری طرف بھیجی گئی ہوں۔
(22) اے شیرو! برے کاموں سے توبہ کرو۔
اے ہمیشہ گھاٹے کی سوچنے والو اپنے نفع کی فکر کرو۔
(23) جو بھی تند خصلت والا اور زور آور ہوتا ہے۔ بد بخت ہوتا ہے۔
زندگی خودی کے مٹا دینے سے مضبوط ہوتی ہے۔
(24) نیکوں کی روح گھاس سے غذا حاصل کرتی ہے۔
گوشت چھوڑنے والا خداوند تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔
(25) تجھے دانت کا تیز ہونا ذلیل اور خوار کرتا ہے۔
سوچ سمجھ کی آنکھوں کو اندھا کر دیتا ہے۔
(26) بہشت کمزور لوگوں کے لئے ہے۔ اور بس۔
طاقت سے صرف نقصان ہوتا ہے۔ اور بس۔
(27) بزرگی اور علیحدگی کی خواہش گناہ ہے۔
امیر ہونے سے تنگ دست ہونا بہتر ہے۔

(28) برق سوزاں اور کین دانہ نیست
دانہ گر خرمن شود فرزانہ نیست

(29) ذرہ شو' صحرا مشو گر عاقلی!
تا ز نور آفتابے بر خوری

(30) اے کہ می نازی بذبح گوسفند
ذبح کن خود را کہ باشی ارجمند

(31) زندگی را می کند ناپایدار
جبر و قہر و انتقام و اقتدار

(32) سبزہ پامال است و روید بار بار
خواب مرگ از دیدہ شوید بار بار

(33) غافل از خود شو اگر فرزانہ
گر ز خود غافل نہ دیوانہ

(34) چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
تا رسد فکر تو بر چرخ بلند

(35) ایں علف زار جہاں ہیچ است ہیچ
تو بریں موہوم اے ناداں مپیچ

(36) خیل شیر از سخت کوشی خستہ بود
دل بذوق تن پرستی بستہ بود

(37) آمدش ایں پند خواب آور پسند
خوردہ از خامی فسون گوسفند

(38) آنکہ کردے گوسفنداں را شکار
کرد دین گوسفندی اختیار

(39) با پلنگاں سازگار آمد علف
گشت آخر گوہر شیری خزف

(40) از علف آں تیزی دنداں نماند
ہیبت چشم شرار افشاں نماند

(41) دل بتدریج از میان سینہ رفت
جوہر آئینہ از آئینہ رفت

(42) آں جنون کوشش کامل نماند
آں تقاضائے عمل در دل نماند

(28) ایک دانے کے جلا دینے کی گھات میں بجلی نہیں ہوتی۔ (وہ خرمن کی طالب ہوتی ہے)۔

اس لئے دانہ اگر خرمن کی صورت اختیار کرے۔ تو اس کی عقل مندی نہیں ہے۔

(29) اگر تو عقل مند ہے۔ تو ذرہ ہو جا۔ صحرا نہیں۔

تاکہ تو سورج کے نور سے فائدہ اٹھائے۔

(30) اے مخاطب! تو بھیڑ ذبح کرنے پر ناز کرتا ہے۔

اپنے آپ کو ذبح کرو تاکہ عزت حاصل کر سکو۔

(31) زندگی کو جبر اور قہر کرنا' بدلہ لینا' اور قدرت حاصل کر لینا۔

زندگی کو ناپائیدار کر دیتے ہیں۔

(32) سبزہ پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے۔ کئی بار اگتا ہے۔

اپنی آنکھ کو نیند کی موت سے بار بار دھولیتا ہے۔

(33) اگر تو عقل مند ہے۔ تو اپنے آپ کو بھول جا۔

اگر تو اپنے آپ سے غافل نہیں ہے۔ تو دیوانہ ہے۔

*

(34) آنکھوں کو بند کر لے۔ کانوں کو بند کر لے۔ اور ہونٹ بھی بند کر لے۔

تاکہ بڑے افکار بلند آسمان تک پہنچ سکیں۔

(35) یہ دنیا کی چراگاہ بالکل ہیچ ہے۔
اے بے وقوف! تو اس موہوم پر پیچ و تاب نہ کھا۔

(36) شیروں کا گروہ سخت محنت کرنے سے تھک گیا تھا۔
کیونکہ ان کا دل اپنے جسم کے پالنے کی طرف مائل تھا۔

(37) شیروں کو یہ نیند لانے والی نصیحت بہت پسند آئی۔
اپنی خامی اور کمزوری کی وجہ سے بھیڑ کی باتوں میں آگئے۔

(38) وہ (شیر) جو بھیڑوں کا شکار کیا کرتا تھا۔
اس نے بھیڑوں کا دین (مسلک) اختیار کر لیا۔

(39) شیروں کو گھاس کھانا موافق آگیا۔
تو شیر ہونے کا جوہر گوسفندی میں تبدیل ہو گیا۔

(40) گھاس کھانے سے ان کے دانتوں کی تیزی مٹ گئی۔
آگ برسانے والی آنکھ کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔

(41) شیروں کے دل سینے کے اندر سے آہستہ آہستہ چلے گئے۔
آئینے سے آئینے کا جوہر جاتا رہا۔

(42) کامل دیوانگی کا جوش نہ رہا۔ (کوشش کامل کی دیوانگی جاتی رہی)۔

(43) اقتدار و عزم و استقلال رفت
اعتبار و عزت و اقبال رفت
(44) پنجہ ہائے آہنیں بے زور شد
مردہ شد دلہا و تن ہا گور شد
(45) زور تن کاہید و خوف جاں فزود
خوف جاں سرمایہ ہمت ربود
(46) صد مرض پیدا شد از بے ہمتی
کوتہ دستی، بیدلی، دوں فطرتی
(47) شیر بیدار از فسون میش خفت
انحطاط خویش را تہذیب گفت

(43) ان کی قدرت، ارادہ اور استقلال ختم ہو گئے۔ اعتبار اور عزت و اقبال مٹ گئے۔ (باقی نہ رہے)۔

(44) ان کے لوہے کے پنجوں میں طاقت نہ رہی۔ ان کے دل مر گئے۔ اور ان کے جسم قبر میں تبدیل ہو گئے۔

در معنی اینکہ افلاطون یونانی کہ تصوف و ادبیات اقوام اسلامیہ از افکار او اثر عظیم پذیرفتہ بر مسلک گوسفندی رفتہ است و از تخیلات او احتراز واجب است

(1) راہب دیرینہ افلاطوں حکیم
از گروہ گوسفندان قدیم
(2) رخش او در ظلمت معقول گم
در کہستان وجود افگندہ سم
(3) آنچناں افسون نا محسوس خورد
اعتبار از دست و چشم و گوش برد
(4) گفت سر زندگی در مردن است
شمع را صد جلوہ از افسردن است
(5) بر تخیلہائے ما فرماں رواست
جام او خواب آورد گیتی رباست
(6) گوسفندے در لباس آدم است
حکم او بر جان صوفی محکم است

(45) جسم کی طاقت کم ہو گئی۔ اور جان کا خوف بڑھ گیا۔ جان کے خوف نے ان کی ہمت کا سرمایہ لے لیا۔

(46) ان میں بے ہمت ہونے کی وجہ سے سینکڑوں بیماریاں پیدا ہو گئیں۔ ہاتھوں کا چھوٹا ہونا، بے دلی اور کم فطری کے روگ پیدا ہوئے۔

(47) بیدار شیر بھیڑ کے جادو سے سو گیا۔
اور اپنی کمزوری کو تہذیب کہنے لگا۔

اس بیان میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ افلاطون کے افکار سے تصوف اور مسلمانوں کے ادب نے بہت زیادہ حصہ لیا ہے۔ وہ (افلاطون) گوسفندی مسلک (بھیڑوں کے دین) کا پیرو تھا۔ اس لئے اس کے خیالات سے بچنا چاہئے

(1) دانا افلاطون جو پرانے زمانے کا راہب ہے۔
بھیڑوں کے گروہ سے تھا۔
(2) اس کے گھوڑے نے عقلی چیزوں میں اپنا راستہ گم کر لیا ہے۔
جس نے وجود کوہستان میں اپنے سم کو ڈال لیا ہے۔
(3) وہ اس طرح نا محسوس اشیاء کا فریب کھا گیا۔
ہاتھ، کان اور آنکھ پر سے اس کا اعتبار جاتا رہا۔
(4) اس نے کہا، زندگی کا بھید مر جانے میں ہے۔
بجھ جانے سے شمع میں سینکڑوں جلوے پیدا ہوتے ہیں۔
(5) وہ (افلاطون) ہمارے افکار پر حاکم ہے۔
اس کا پیالہ خواب آور ہے۔ اور دنیا کو مٹانے والا ہے۔
(6) وہ اصل میں گوسفند ہے۔ اور آدمی کے لباس میں ہے۔
اس کا حکم صوفی کی جان پر مسلط ہے۔ (صوفیانہ خیالات پر حاوی ہے)۔

(7) عقل خود را بر سر گردوں رساند
عالم اسباب را افسانہ خواند

(8) کار او تحلیل اجزائے حیات
قطع شاخ سرو رعنائے حیات

(9) فکر افلاطوں زیاں را سود گفت
حکمت او بود را نابود گفت

(10) فطرتش خوابید و خوابے آفرید
چشم ہوش او سرابے آفرید

(11) بسکہ از ذوق عمل محروم بود
جان او وارفتہ معدوم بود

(12) منکر ہنگامہ موجود گشت
خالق اعیان نا مشہود گشت

(13) زندہ جاں را عالم امکاں خوش است
مردہ دل را عالم اعیاں خوش است

(14) آہوش بے بہرہ از لطف خرام
لذت رفتار بر کبکش حرام

(15) شبنمش از طاقت رم بے نصیب
طائرش را سینہ از دم بے نصیب

(16) ذوق روئیدن ندارد دانہ اش
از طپیدن بے خبر پروانہ اش

(17) راہب ما چارہ غیر از رم نداشت
طاقت غوغائے ایں عالم نداشت

(18) دل بسوز شعلہ افسردہ بست
نقش آں دنیائے افیوں خوردہ بست

(19) از نشیمن سوئے گردوں پر کشود
باز سوئے آشیاں نامد فرود

(20) در خم گردوں خیال او گم است
من ندانم درد یا خشت خم است

(21) قومہا از سکر او مسموم گشت
خفت و از ذوق عمل محروم گشت

(7) عقل نے اپنے آپ کو آسمان تک پہنچا دیا۔ اور اسباب کو محض افسانہ بنا دیا۔

(8) اس کا کام زندگی کے اجزاء کو تحلیل کرنا ہے۔ (کھولنا ہے)۔ زندگی کے سرو رعنا کی شاخوں کو کاٹنا ہے۔

(9) افلاطون کے افکار نے نقصان کو فائدے کا نام دیا۔ اس کی دانائی نے نابود (معدوم) کو بود (موجود) کہا۔

(10) اس کی فطرت سوئی ہوئی ہے۔ یعنی خواب کی دنیا پیدا کی۔ اس کے ہوش کی آنکھ نے ایک سراب (دھوکا) پیدا کیا۔

(11) چونکہ وہ ذوق عمل سے محروم تھا۔ اس کی جان معدوم اشیاء پر والہ و حیران تھی۔

(12) اس نے موجودات کے ہنگامے کا انکار کیا۔ اور نہ دیکھی ہوئی اشیاء کو پیدا کیا۔

(13) زندہ جانوں کے لئے ممکنات کی دنیا ہی بہتر ہے۔ مردہ دلوں کے لئے عالم اعیان (خیالی دنیا) اچھی ہے۔

(14) افلاطون کا ہرن خرام کے لطف سے نا آشنا ہے۔
اس کے چکور کے لئے رفتار کی لذت حرام ہے۔

(15) اس کی شبنم میں بھاگ جانے کی طاقت نہیں ہے۔
اس کے پرندے کے سینے میں نغمہ آرائی کا جوہر نہیں ہے۔

(16) اس کے دانے میں اگنے اور بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔
اس کے پروانوں میں تڑپنے کی طاقت نہیں ہے۔

(17) اس راہب (افلاطون) کے لئے بھاگ جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔
اس دنیا کے شور و غل کو برداشت نہ کر سکا۔

(18) اس وجہ سے اس نے بجھے ہوئے انگارے کی جلن سے دوستی کی۔
اور اپنی افیوں خوردہ دنیا کا نقشہ پیش کیا۔

(19) اپنے نشیمن سے اس نے آسمان کی طرف پرواز کی۔
تو اپنے آشیانے کی طرف دوبارہ نہیں لوٹا۔ (دنیائے عمل کی طرف نہیں آیا)۔

(20) اس کے خیالات آسمان کے مٹکے میں گم ہو چکے ہیں۔
مجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ اس (افلاطون) کے پاس تلچھٹ ہے۔ یا وہ مٹکے کی اینٹ اٹھائے ہوئے ہے۔

(21) قومیں اس کے جادو سے زہر آلودہ ہو گئیں۔
وہ سو گئیں۔ اور ذوق عمل سے محروم ہو گئیں۔

در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ

شعر کی حقیقت کے بارے میں - اور اسلامی ادب کی اصلاح کے بیان میں

(1) گرم خوں انساں ز داغ آرزو
آتش ایں خاک از چراغ آرزو

(2) از تمنا مے بجام آمد حیات
گرم خیز و تیز گام آمد حیات

(3) زندگی مضمون تسخیر است و بس
آرزو افسون تسخیر است و بس

(4) زندگی صید افگن و دام آرزو
حسن را از عشق پیغام آرزو

(5) از چہ رو خیزد تمنا دمبدم؟
ایں نوائے زندگی را زیر و بم

(6) ہر چہ باشد خوب و زیبا و جمیل
در بیابان طلب ما را دلیل

(7) نقش او محکم نشیند در دلت
آرزو ہا آفریند در دلت

(8) حسن خلاق بہار آرزوست
جلوہ اش پروردگار آرزو ست

(9) سینہ شاعر تجلی زار حسن
خیزد از سینائے او انوار حسن

(10) از نگاہش خوب گردد خوب تر
فطرت از افسون او محبوب تر

(11) از دمش بلبل نوا آموخت است
غازہ اش رخسار گل افروخت است

(12) سوز او اندر دل پروانہ ہا
عشق را رنگیں ازو افسانہ ہا

(13) بحر و بر پوشیدہ در آب و گلش
صد جہان تازہ مضمر در دلش

(14) در دماغش تا دمیدہ لالہ ہا
تا شنیدہ نغمہ ہا ہم نالہ ہا

(1) انسان کے اندر آرزو کے داغ سے خون گرم ہو جاتا ہے۔ اس خاک (انسان) کی آگ آرزو سے روشن ہوتی ہے۔

(2) تمنا زندگی کے جام کی شراب ہے۔ اسی سے زندگی میں تیزی اور سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔

(3) زندگی سے مراد کائنات کی قوتوں کو مسخر کرنا ہے۔ آرزو مسخر کرنے کی افیون ہے۔اور بس۔

(4) زندگی شکار کھیلنے والی ہے۔ اور آرزو اس کا جال ہے۔ اور آرزو حسن کے لئے عشق کا پیغام ہے۔

(5) ہر گھڑی آرزو کیسے پیدا ہوتی ہے۔ جو زندگی کے نغمے کا زیر وبم ہے۔

(6) جو چیز خوبصورت' زیبا اور جمیل ہوتی ہے۔ وہی طلب کے میدان میں ہمارے لئے راہنما کا کام دیتی ہے۔

(7) تیرے دل میں اس کا نقش پختہ طور پر بیٹھ جاتا ہے۔
اور اس سے تیرے دل میں آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔
(8) خوبصورتی آرزو کی بہار کی پیدا کرنے والی ہے۔
اس کے جلوے سے آرزو پیدا ہوتی ہے۔(پرورش پاتی ہے)۔
(9) شاعر کا سینہ حسن کی تجلی کا مقام ہے۔
اس کے طور سینا سے حسن کے انوار پیدا ہوتے ہیں۔
(10) شاعر کی نگاہ سے خوبصورت چیز اور زیادہ خوبصورت ہو جاتی ہے۔
شاعر کے شعروں کے جادو سے فطرت کا حسن اور زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔
(11) شاعر کے نغموں سے بلبل نوا پیرائی سیکھی ہے۔
اس کے غازے نے پھول کے رخساروں کو چمکا دیا ہے۔
(12) شاعر کا سوز پروانوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔
اس کی وجہ سے عشق کے افسانوں میں رنگینی آتی ہے۔
(13) اس کے آب و گل میں تری اور خشکی (بحر و بر) پوشیدہ ہیں۔
اس کے دل میں سینکڑوں تازہ دنیائیں پوشیدہ ہیں۔
(14) اس کے دماغ ایسے گل ہائے لالہ ہیں۔ جو ابھی پھوٹے نہیں۔
اس کے نالوں اور نغموں کو ابھی تک کسی نے سنا نہیں ہے۔

(15) فکر او با ماہ و انجم ہم نشیں
زشت را نا آشنا' خوب آفریں

(16) خضر در ظلمات او آب حیات
زندہ تر از آب چشمش کائنات

(17) ما گراں سیریم و خام و سادہ ایم
در رہ منزل ز پا افتادہ ایم

(18) عندلیب او نوا پرداخت است
حیلہ از بہر ما انداخت است

(19) تا کشد ما را بفردوس حیات
حلقہ کامل شود قوس حیات

(20) کاروانہا از درایش گام زن
در پے آواز نایش گام زن

(21) چوں نسیمش در ریاض ما وزد
نرمک اندر لالہ و گل می خزد

(22) از فریب او خود افزا زندگی
خود حساب و ناشکیبا زندگی

(23) اہل عالم را صلا بر خواں کند
آتش خود را چو باد ارزاں کند

(24) وائے قومے کز اجل گیرد برات
شاعرش وابوسد از ذوق حیات

(25) خوش نماید زشت را آئینہ اش
در جگر صد نشتر از نوشینہ اش

(26) بوسہ او تازگی از گل برد
ذوق پرواز از دل بلبل برد

(27) سست اعصاب تو از افیون او
زندگانی قیمت مضمون او

(28) می رباید ذوق رعنائی ز سرو
جرہ شاہیں از دم سردش تدرو

(29) ماہی و از سینہ تا سر آدم است
چوں بنات آشیاں اندریم است

*

(15) اس کے افکار چاند اور ستاروں کے ہم نشیں ہیں۔ وہ بد صورتی سے نا آشنا ہے۔ اور اچھی چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔

(16) اس کی حیثیت شاعر جیسی ہے۔ اس کی تاریکیوں میں آب حیات پایا جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے پانی سے کائنات زندہ ہے۔

(17) ہم سست رفتار' ناپختہ اور سیدھے سادے ہیں۔ اور منزل کی راہ میں گرے ہوئے ہیں۔

(18) اس کا بلبل نغمہ سرائی کر رہا ہے۔ اس نے ہمارے لئے ایک حیلہ پیدا کر دیا ہے۔ (ہمیں سفر پر تیار کیا ہے)۔

(19) تاکہ وہ ہم کو زندگی کے بہشت میں لے جائے۔ اور ہماری زندگی کی کمان پورے دائرے کی شکل اختیار کر لے۔

(20) اس کی آواز سے قافلے روانہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی لے کی آواز پر سفر جاری رکھتے ہیں۔

(21) وہ ہماری زندگی کے باغوں میں باد نسیم کی طرح بن کر آتا ہے۔

اور گل لالہ اور دوسرے پھولوں میں آہستگی سے داخل ہو جاتا ہے۔

(22) اس کے جادو سے زندگی میں ترقی ہوتی ہے۔

وہ اپنا محاسبہ کرتی ہے۔ اور زندگی میں بڑھنے کے لئے بے قرار ہے۔

(23) وہ وفا والوں کو اپنے دستر خوان کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اور اپنے شوق کی آگ ہوا کی طرح عام کرتا ہے۔

(24) اس قوم پر افسوس ہے۔ جو اپنی موت خود لاتا ہے۔

اور جس کا شاعر زندگی کے ذوق سے منہ موڑے ہوئے ہے۔

(25) اس کا آئینہ بری چیز کو بھی اچھی کرکے دکھاتا ہے۔

اور جس کے شہد میں بھی جگر کے لئے سینکڑوں نشتر ہیں۔

(26) وہ اگر پھول کو بوسہ دے۔ تو پھول خشک ہو جاتا ہے۔ (تازگی زائل کر دیتا ہے)۔

اور بلبل کے دل سے ذوق پرواز کو لے جاتا ہے۔

(27) اے مخاطب! اس کے افیون سے تیرے اعصاب ست ہو جاتے ہیں۔

اس کے مضمون کی قیمت زندگی ہوتی ہے۔ (قوم سے اپنے مضمون کی بنا پر زندگی لے لیتا ہے)۔

(28) وہ سرو سے رعنائی چھین لیتا ہے۔

اس کے افسوں سے شاہین کا بچہ چکور ہو جاتا ہے۔

(29) ایسا شاعر مچھلی ہے۔ لیکن سینہ سے سر تک آدم کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اور بنات البحر (سمندر کی بیٹیاں) کی طرح سمندر میں ہی رہتا ہے۔

(30) از نوا بر ناخدا افسوں زند
کشتیش در قعر دریا افگند

(31) نغمہ ہایش از دلت دزدد ثبات
مرگ را از سحر او دانی حیات

(32) وابہ ہستی ز جان تو برد
لعل عنابی ز کان تو برد

(33) چوں زیاں پیرایہ بندد سود را
می کند مذموم ہر محمود را

(34) در یم اندیشہ اندازد ترا
از عمل بیگانہ می سازد ترا

(35) خستہ ما از کلامش خستہ تر
انجمن از دور جامش خستہ تر

(36) جوے برقے نیست در نیسان او
یک سراب رنگ و بو بستان او

(37) حسن او را با صداقت کار نیست
در یمش جز گوہر تف دار نیست

(38) خواب را خوشتر ز بیداری شمرد
آتش ما از نفسہایش فسرد

(39) قلب مسموم از سرود بلبلش
خفتہ مارے زیر انبار گلش

(40) از خم و مینا و جامش الحذر
از مے آئینہ فامش الحذر

(41) اے ز پا افتادۂ صہباے او
صبح تو از مشرق میناے او

(42) اے دلت از نغمہ ہایش سرد جوش
زہر قاتل خوردۂ از راہ گوش

(43) اے دلیل انحطاط انداز تو
از نوا افتاد تار ساز تو

(44) آں چناں زار از تن آسانی شدی
در جہاں ننگ مسلمانی شدی

(30) اس کے نغمے سے ملاح پر اس طرح جادو کا اثر ہوتا ہے۔ کہ اس نی کشتی عین دریا میں غرق کر دیتا ہے۔ (31) اس کے نغمے دلوں سے مستقل مزاجی چھین لیتے ہیں۔ تو اس کے جادو سے موت کو بھی زندگی سمجھتا ہے۔ (32) وہ تیرے دل سے زندگی کی خواہش نکال لیتا ہے۔ تیری کان سے سرخ لعل نکال لیتا ہے۔ (33) وہ نفع کو نقصان کی طرح جلوہ گیر کرتا ہے۔ اور ہر اچھی چیز کو بری ظاہر کرتا ہے۔ (34) تجھے افکار کے سمندر میں ڈال دیتا ہے۔ اور تجھے قوت عمل سے نا آشنا کر دیتا ہے۔ (35) تھکا ہارا اس کے کلام سے زیادہ تھک جاتا ہے۔ اور اس کے پیالے کی گردش سے مجلس افسردہ ہو جاتی ہے۔ (36) اس کے ساون کے بادل میں بجلی کی نہر نہیں ہے۔

اس کا باغ رنگ اور بو کا سراب نظر آتا ہے۔

(37) اس کے حسن کو سچائی کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔
اس کے سمندر میں عیب دار موتیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

(38) اس نے سونے کو جاگنے سے بہتر سمجھا۔
اس کی پھونکوں سے ہماری آگ بجھ جاتی ہے۔

(39) اس کی بلبلوں سے دل زہر آلود ہو جاتا ہے۔
اس کے پھولوں کے انبار کے نیچے سانپ سویا ہوا ہے۔

(40) اس کے مٹکے' صراحی اور پیالے سے پناہ بخدا۔
اس کی آئینہ کے رنگ والی شراب سے پرہیز لازم ہے۔

(41) اے مخاطب! اس کی شراب نے تجھے گرا دیا ہے۔
تیری صبح اس کی صراحی کے مشرق کی احسان مند ہے۔

(42) اے وہ آدمی! اس کے نغموں کی وجہ سے تیرے دل کا جوش سرد ہو گیا ہے۔
اور کان کے راستے سے تو نے قتل کرنے والا زہر پیا ہے۔

(43) تیرا انداز انحطاط کی دلیل ہے۔
تیرے ساز کی تاریں نغمہ سرائی سے معذور ہیں۔

(44) تو تن آسانی اور سہل انگاری سے اس قدر کمزور ہو گیا ہے۔
کہ تو دنیا میں مسلمانی کے لئے ننگ بنا ہوا ہے۔

(45) از رگ گل میتواں بستن ترا
از نسیمے میتواں خستن ترا

(46) عشق رسوا گشتہ از فریاد تو
زشت رو تمثالش از بہزاد تو

(47) زرد از آزار تو رخسار او
سردی تو بردہ سوز از نار او

(48) خستہ جاں از خستہ جانیہاے تو
ناتواں از ناتوانیہاے تو

(49) گریہ طفلانہ در پیمانہ اش
کلفت آہے متاع خانہ اش

(50) سرخوش از دریوزۂ میخانہ ہا
جلوہ دزد روزن کاشانہ ہا

(51) ناخوشے افسردۂ آزردۂ
از لگد کوب جہاں مردۂ

(52) از غماں مانند نے کاہیدۂ
وز فلک صد شکوہ بر لب چیدۂ

(53) لابہ و کیں جوہر آئینہ اش
ناتوانی ہمدم دیرینہ اش

(54) پست بخت و زیر دست و دوں نہاد
نا سزا و نا امید و نا مراد

(55) شیونش از جان تو سرمایہ برد
لطف خواب از دیدۂ ہمسایہ برد

(56) واے بر عشقے کہ نار او فسرد
در حرم زائید و در بتخانہ مرد

(57) اے میان کیسہ ات نقد سخن
بر عیار زندگی او رابزن

(58) فکر روشن بیں عمل را رہبر است
چوں درخش برق پیش از تندراست

(59) فکر صالح در ادب می بایدت
رجعتے سوے عرب می بایدت

(45) تجھے پھول کی رگوں سے باندھا جا سکتا ہے۔ اور باد نسیم کے چلنے سے تو زخمی ہو جاتا ہے۔

(46) تیری فریاد و فغاں سے عشق رسوا ہو گیا ہے۔ تیرے بہزاد سے اس کی تصویریں بری ہو گئی ہیں۔ (بدصورت نظر آتی ہیں)۔

(47) اس کے رخسار میری بیماری کی وجہ سے زرد ہو گئے ہیں۔ تیری سرد نفسی نے اس کی آگ سے سوز دور کر دیا ہے۔ (یعنی تیرے بے حس ہونے نے عشق کی آگ کو بجھا دیا ہے)۔

(48) تیرے زخموں کی وجہ سے عشق بھی خستہ اور بے جان ہو گیا ہے۔ اور تیری ناتوانیوں کی وجہ ناتواں ہو گیا ہے۔

(49) اس کے پیمانے میں بچوں کے رونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اس کے گھر کی متاع آہوں کے سوا کچھ نہیں۔

(50) تیرا عشق میخانوں کی گداگری سے سرخوش اور مست ہے۔

اور دوسرے لوگوں کی کھڑکیوں سے جلوے چراتا ہے۔

(51) یہ عشق ناخوش' افسردہ اور آزردہ رہتا ہے۔

اور پھرے دار کی لکد کوبی سے مردگی اختیار کرتا ہے۔

(52) غموں کی وجہ سے بانسری کی طرح کمزور اور ذلیل ہے۔

اور آسمان سے اس کے ہونٹوں پر ہزاروں شکایتیں ہیں۔

(53) اس کے آئینے کا جوہر خوشامد اور کینہ ہے۔

کمزوری اس کی پرانی دوست اور یار ہے۔

(54) وہ بدبخت' کمزور اور کم فطرت ہو گیا ہے۔

ناسزا' ناامید اور نامراد ہو گیا ہے۔

(55) اس کی گریۂ زاری تیری جان کا سرمایہ لے گئی ہے۔

اور پڑوسیوں کی آنکھوں سے نیند کا لطف ضائع کر دیا ہے۔

(56) اس عشق پر افسوس ہے۔ جس نے عشق کی گرمی کو افسردہ کر دیا۔

جو حرم میں پیدا ہوا۔ اور بت خانے میں مرگیا۔

(57) اے مخاطب! تیری جیب میں سخن کی نقدی ہے۔

اپنی شاعری کو زندگی کی کسوٹی پر پرکھ (شاعر سے خطاب ہو رہا ہے)۔

(58) روشن افکار قوت عمل کے رہبر ہوتے ہیں۔

جس طرح گرجنے والے بادل سے پہلے بجلی کی چمک ہوتی ہے۔

(59) تجھے ادب فکر صالح پیدا کرنا چاہئے۔ (جو عمل کی طرف راہنمائی کرے)۔

تجھے دوبارہ عرب کے ادب کی طرف لوٹنا چاہئے۔

(60) دل بہ سلمائے عرب باید سپرد
تا دمد صبح حجاز از شام کرد

(61) از چمن زار عجم گل چیدۂ
نوبہار ہند و ایراں دیدۂ

(62) اندکے از گرمی صحرا بخور
بادۂ دیرینہ از خرما بخور

(63) سرکیے اندر بر گرمش بدہ
تن دمے با صرصر گرمش بدہ

(64) مدتے غلطیدۂ اندر حریر
خو بہ کرپاس درشتے ہم بگیر

(65) قرنہا بر لالہ پا کوبیدۂ
عارض از شبنم چو گل شوئیدۂ

(66) خویش را بر ریگ سوزاں ہم بزن
غوطہ اندر چشمہ زمزم بزن

(67) مثل بلبل ذوق شیون تا کجا
در چمن زاراں نشیمن تا کجا

(68) اے ہما از یمن دامت ارجمند
آشیانے ساز بر کوہ بلند

(69) آشیانے برق و تندر دربرے
از کنام جرہ بازاں برترے

(70) تا شوی در خورد پیکار حیات
جسم و جانت سوزد از نار حیات

(60) دل عرب کی سلمیٰ کے سپرد کرنا چاہیے۔ تا کہ بڑی کرد کی شام حجاز کی صبح نمودار ہو۔
(61) اے مخاطب! تو نے عجم کے چمن زار سے پھول توڑے ہیں۔ تو نے ہندوستان اور ایران کی بہاروں کو دیکھا ہے۔
(62) تھوڑی دیر کے لئے صحرا کی گرمی برداشت کیجئے۔ اور کھجوروں سے حاصل شدہ شراب کو چکھیے۔
(63) صحرا کے گرم پہلو میں تھوڑی دیر کے لئے سر ڈالئے۔ اور تھوڑی مدت کے لئے اپنے بدن کو باد صرصر کے سپرد کیجئے۔
(64) تو نے مدتوں تک ریشم کا لباس پہنا ہے۔ اب تھوڑی دیر کے لئے کھردرے کپڑے کا بھی مزہ چکھیے۔
(65) تو نے مدتوں تک گلہائے لالہ پر رقص کیا ہے۔

در بیان این کہ تربیت خودی را سہ مراحل است مرحلہ اول را اطاعت و مرحلہ دوم را ضبط نفس و مرحلہ سوم را نیابت الٰہی نامیدہ اند

مرحلہ اول اطاعت

(1) خدمت و محنت شعار اشتر است
صبر و استقلال کار اشتر است

اپنے رخساروں کو پھولوں کی طرح شبنم سے دھویا ہے۔

(66) اپنے آپ کو جلتی ہوئی ریت پر بھی ڈال۔
اور زمزم کے چشمے کے اندر غوطہ زنی کر۔

(67) بلبل کی طرح کب تک گریہ زاری میں مشغول رہے گا۔
اور کب تک چمن زاروں میں محفل آرائی کرتا رہے گا۔

(68) اے مخاطب! تیرے جال کی برکت سے ہمارا رجمند ہو جاتا ہے۔
تو بھی اونچے پہاڑوں پر اپنا گھونسلا بنا۔

(69) ایسا آشیانہ کہ بجلی اور کڑک اس کے اندر ہو۔
جو نر بازوں کے گھونسلے سے بلند ہو۔

(70) تاکہ تو زندگی کی دوڑ دھوپ کے قابل ہو جائے۔
اور تیرا جسم اور تیری جان آتش حیات سے سوزاں ہو۔

اس مطلب کے بیان میں کہ خودی کی پرورش کے لئے تین درجے ہیں۔
پہلا درجہ اطاعت ہے۔ دوسرا درجہ ضبط ہے۔
اور تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا ہے۔

پہلا درجہ اطاعت

(1) اونٹ کا کام خدمت کرنا اور محنت کرنا ہے۔
صبر اور مستقل مزاجی اونٹ کا کام ہے۔

(2) گام او در راہ کم غوغاستے
کارواں را زورق صحراستے

(3) نقش پائش قسمت ہر بیشہ
کم خورد کم خواب و محنت پیشہ

(4) مست زیر بار محمل می رود
پائے کوباں سوئے منزل می رود

(5) سر خوش از کیفیت رفتار خویش
در سفر صابر تراز اسوار خویش

(6) توہم از بار فرائض سرمتاب
بر خوری از عندہ' حسن المآب

(7) در اطاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار

(8) ناکس از فرماں پذیری کس شود
آتش ار باشد ز طغیاں خس شود

(9) ھر کہ تسخیر مہ و پرویں کند
خویش را زنجیری آئیں کند

(10) باد را زنداں گل خوشبو کند
قید بو را نافہ آہو کند

(11) می زند اختر سوئے منزل قدم
پیش آئینے سر تسلیم خم

(12) سبزہ بر دین نمو روئیدہ است
پائمال از ترک آں گردیدہ است

(13) لالہ پیہم سوختن قانون او
بر جہد اندر رگ او خون او

(14) قطرہ ہا دریاست از آئین وصل
ذرہ ہا صحراست از آئین وصل

(15) باطن ھر شے ز آئینے قوی
تو چرا غافل ز ایں ساماں روی

(16) باز اے آزاد دستور قدیم
زینتِ پا کُن ھماں زنجیر سم

(2) اس کے چلنے سے آواز پیدا نہیں ہوتی۔
وہ قافلے والوں کے لئے ریگستان کا جہاز ہے۔

(3) اس کے پاؤں کے نقش ہر جنگل میں ملتے ہیں۔
وہ کم کھاتا ہے' کم سوتا ہے' اور محنت کرنا اس کا کام ہے۔

(4) وہ کجاوے کے بوجھ کے نیچے سرمست ہو کر چلتا ہے۔
اور رقص کرتے ہوئے منزل کی طرف جاتا ہے۔

(5) وہ اپنی رفتار کی کیفیت سے ہی مست رہتا ہے۔
اور سفر میں اپنے سوار سے زیادہ صبر کرنے والا ہوتا ہے۔

(6) تو بھی اپنے فرائض کی ادائیگی سے سرکشی نہ کر۔
تاکہ دربار خداوندی سے تجھے اچھا مقام ملے۔

(7) اے غافل فرماں برداری اختیار کر۔
کیونکہ جبر و ضبط سے اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(8) نالائق انسان بھی اطاعت اختیار کرنے سے قابل ہو جاتا ہے۔

اگر وہ سرکشی کی بنا پر آگ بھی ہو۔ تو اطاعت اختیار کرنے سے تنکا ہو جاتا ہے۔

(9) جو آدمی چاند اور ستاروں کو مسخر کرتا ہے۔ (اطاعت گزیں بنتا ہے)۔
وہ پہلے اپنے آپ کو کسی آئین کا پابند بناتا ہے۔

(10) ہوا کو قید خانے میں رکھ کر خوشبو بنتا ہے۔
اور خوشبو قید میں آکر نافہ آہو بن جاتی ہے۔

(11) ستارے منزل کی طرف گام زنی کرتے ہیں۔
اور آئین کے سامنے اپنے سر کو جھکا لیتے ہیں۔

(12) سبزہ بڑھنے کے آئین پر ہی اگتا ہے۔
اور اس قانون کو چھوڑنے پر پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے۔

(13) گل لالہ (افیوں کا پھول) کا قانون یہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ جلتا رہتا ہے۔
اور اس کا خون اس کی رگوں کے اندر حرکت کرتا رہتا ہے۔

(14) وصل کے قانون کی پابندی کرنے سے قطرات دریا کی شکل اور ذرے صحراؤں کی صورت اختیار کرتے ہیں۔

(15) ہر چیز کا باطن آئین سے ہی قوت حاصل کرتا ہے۔
تو اس سامان سے کیوں بے خبری جا رہا ہے۔ (آئین کی پابندی لازم ہے)۔

(16) اے مخاطب! تو پرانے دستور سے آزادی اختیار کئے ہوئے ہے۔
اسی چاندی کی زنجیر (آئین کی پابندی) سے پاؤں کو زینت دے۔

(17) شکوہ سنج سختی آئیں مشو
از حدود مصطفیٰ بیروں مرو

(17) آئین کی سختی کی شکائتیں نہ کر۔ اور رسول کریم ﷺ کی حدوں سے باہر نہ جا۔(اطاعت شریعت)۔

مرحلہ دوم ضبط نفس

دوسرا درجہ ضبط نفس ہے

(1) نفس تو مثل شتر خود پرور است
خود پرست و خود سوار و خودسر است
(2) مرد شو آور زمام او بکف
تا شوی گوہر اگر باشی خزف
(3) ہر کہ برخود نیست فرمانش رواں
می شود فرماں پذیر از دیگراں
(4) طرح تعمیر تو از گل ریختند
با محبت خوف را آمیختند
(5) خوف دنیا خوف عقبیٰ خوف جاں
خوف آلام زمین و آسماں
(6) حب مال و دولت و حب وطن
حب خویش و اقربا و حب زن
(7) امتزاج ماوطیں تن پرور است
کشتہ فحشا' ہلاک منکر است
(8) تا عصائے لا الہ داری بدست
ہر طلسم خوف را خواہی شکست
(9) ہر کہ حق باشد چو جاں اندر تنش
خم نگردد پیش باطل گردنش
(10) خوف را در سینہ او راہ نیست
خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست
(11) ہر کہ در اقلیم لا آباد شد
فارغ از بند زن و اولاد شد
(12) می کند از ما سوی قطع نظر
می نہد ساطور بر حلق پسر

(1) تیرا نفس اونٹ کی طرح اپنی پرورش کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنی پرورش کرتا ہے۔ اپنا سوار آپ ہے۔ اور خودسر ہے۔
(2) تو مرد بن کر اونٹ کی باگ سنبھال لے۔ اس طرح تو اگر ٹھیکری بھی ہوا۔ تو موتی بن جائے گا۔
(3) جس کا حکم اپنے آپ پر جاری نہیں ہے۔ اسے دوسروں کا فرماں بردار ہونا پڑتا ہے۔
(4) تیری تعمیر مٹی سے کی گئی ہے۔ اور تیرے اندر محبت اور خوف کی آمیزش ہے۔
(5) دنیا کا خوف' آخرت کا ڈر' اور اپنی جان کا خوف ہے۔ زمین اور آسمان کی مصیبتوں کا خوف ہے۔
(6) مال و دولت کی محبت' اور وطن کی محبت ہے۔

اپنے رشتہ داروں کی محبت' اور خویش واقربا اور بیوی کی محبت۔

(7) پانی اور مٹی کے یک مزاج ہونے سے بدن کی پرورش ہوتی ہے۔
پھر یہی بدن بے حیائی اور ناپسندیدہ کاموں کے مغلوب ہو جاتا ہے۔

(8) جب تک لا الٰہ (کوئی معبود نہیں) کا عصا تو اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔
خوف کے ہر طلسم کو توڑ دے گا۔

(9) جس آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ جان کی طرح قائم ہے۔ (سمایا ہوا ہے)۔
اس کی گردن کسی باطل کے سامنے نہیں جھکتی۔

(10) ایسے آدمی کے سینے میں خوف سما نہیں سکتا۔
اس کا دل غیر اللہ سے مرعوب نہیں ہوتا۔

(11) جو کوئی لا کے ملک میں آباد ہو جاتا ہے۔
وہ بیوی بچوں کے فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔

(12) ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے قطع تعلق ہو جاتا ہے۔
وہ اپنے بیٹے کے حلق پر چھرا رکھ دیتا ہے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کی طرف اشارہ ہے)۔

(13) با یکی مثل ہجوم لشکر است
جاں بچشم او ز باد ارزاں تر است

(14) لا الہ باشد صدف گوہر نماز
قلب مسلم را حج اصغر نماز

(15) در کف مسلم مثال خنجر است
قاتل فحشا و بغی و منکر است

(16) روزہ برجوع و عطش شبخوں زند
خیبر تن پروری را بشکند

(17) مومناں را فطرت افروز است حج
ہجرت آموز و وطن سوز است حج

(18) طاعتے سرمایہ جمعیتے
ربط اوراق کتاب ملتے

(19) حب دولت را فنا ساز و زکوۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوۃ

(20) دل ز حتیٰ تنفقوا محکم کند
زر فزا ید الفت زر کم کند

(21) ایں ہمہ اسباب استحکام تست
پختہ محکم اگر اسلام تست

(22) اہل قوت شو ز ورد یا قوی
تا سوار اشتر خاکی شوی

مرحلہ سوم نیابت الٰہی

(1) گر شتر بانی جہانبانی کنی
زیب سرتاج سلیمانی کنی

(2) تا جہاں باشد جہاں آرا شوی
تاجدار ملک لا یبلیٰ شوی

(3) نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است

*

(13) اس کا اکیلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا لشکر کثیر کے ساتھ ہونا ہے۔ اس کی نظروں میں جان ہوا سے زیادہ ارزاں ہو جاتی ہے۔

(14) کلمہ طیبہ (پاک کلمہ لا الٰہ ...... الخ) سیپ کی حیثیت رکھتی ہے۔ نماز اس کا موتی ہے۔ اور مسلمان کے لئے نماز حج اکبر کا درجہ رکھتی ہے۔

(15) نماز مسلمان کے ہاتھ میں خنجر کی طرح ہے۔ جو بے حیائی کے کاموں کو دور کرتی ہے۔ اور نازیبا کاموں کو ختم کرتی ہے۔

(16) روزہ بھوک پیاس پر شبخون (رات کا حملہ) مارتا ہے۔ اور تن پروری کے قلعوں کو توڑ دیتا ہے)۔

(17) حج سے مومنوں کی فطرت روشن ہوتی ہے۔ حج ہجرت کا سبق دیتا ہے۔ اور وطن کی محبت جلا دیتا ہے۔

(18) فرماں برداری جمعیت کا سرمایہ ہوتی ہے۔ اور ملت کی کتاب کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ ہے)۔

(19) زکوٰۃ دولت کی محبت کو مٹا دیتی ہے۔
اور مساوات (برابری) سے آشنا کرتی ہے۔

(20) زکوٰۃ دلوں کو حتی تنفقوا (جب تک تم خرچ نہ کرو۔ قرانی آیہ شریفہ) سے مضبوط کرتی ہے۔
رزق کو بڑھاتی ہے۔ اور مال کی محبت کم ہوتی ہے۔ (حدیث شریف)۔

(21) اے مخاطب! یہ تمام چیزیں تیری شخصیت کو محکم کرنے کے لئے ہیں۔
تیرا اگر اسلام محکم ہے۔ تو تیری شخصیت بھی پختہ ہے۔

(22) تو یا قوی (اللہ تعالیٰ کا نام ہے) سے طاقت اور قوت حاصل کر۔
تاکہ تو اپنے خاکی رنگ بدن کے اونٹ کا شہسوار ہو جائے۔

تیسرا درجہ: اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا

(1) اگر تو حقیقت میں شتر سوار ہے۔ تو تو دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ اور تاج سلیمانی (شاہی تاج) تیرے سر کی زینت ہو گا۔

(2) جب تک یہ دنیا باقی ہے۔ تو اسے آراستہ کرنے والا ہو گا۔ اور تو نہ فنا ہونے والی سلطنت کا تاجدار ہو گا۔

(3) دنیا میں خداوند تعالیٰ کا نائب ہونا بہت اچھا ہے۔
اور عناصر پر حکومت کرنا بہت اچھی بات ہے۔

(4) نائب حق ہمچو جان عالم است
ہستی او ظل اسم اعظم است

(5) از رموز جزو و کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

(6) خیمہ چوں در وسعت عالم زند
ایں بساط کہنہ را برہم زند

(7) فطرتش معمور و می خواہد نمود
عالمے دیگر بیارد در وجود

(8) صد جہاں مثل جہان جزو و کل
روید از کشت خیال او چوگل

(9) پختہ ساز و فطرت ہر خام را
از حرم بیروں کند اصنام را

(10) نغمہ زا تار دل از مضراب او
بہر حق بیداری او خواب او

(11) شیب را آموزد آہنگ شباب
می دہد ہر چیز را رنگ شباب

(12) نوع انساں را بشیر و ہم نذیر
ہم سپاہی ہم سپہگر ہم امیر

(13) مدعائے علم الاسمائے
سر سبحان الذی اسرائے

(14) از عصا دست سفیدش محکم است
قدرت کامل بعلمش توام است

(15) چوں عناں گیرد بدست آں شہسوار
تیز تر گردد سمند روزگار

(16) خشک سازد ہیبت او نیل را
می برد از مصر اسرائیل را

(17) از قم او خیزد اندر گور تن
مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

(18) ذات او توجیہ ذات عالم است
از جلال او نجات عالم است

*

(4) اللہ تعالیٰ کا قائم مقام اس دنیا کی جان کی طرح ہے۔ اس کا ہونا (یعنی وجود) اسم اعظم کا سایہ ہے۔

(5) نائب حق جزو اور کل کی تمام رمزوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم رہتا ہے۔ (فباذن اللہ)

(6) وہ جب اپنا خیمہ دنیا کی وسعت میں گاڑ دیتا ہے۔ تو اس پرانی بساط (پرانی رسمیں) کو لپیٹ دیتا ہے۔

(7) اس کی فطرت نئے افکار سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ تو وہ ایک نئی دنیا پیدا کرتا ہے۔

(8) جزو و کل کی دنیا کی طرح سینکڑوں نئی دنیائیں پھولوں کی طرح اسی کے خیالات کی کھیتی سے اگتی ہیں۔

(9) وہ ہر خام کی فطرت کو پختہ اور مضبوط کرتا ہے۔ اور خانہ کعبہ دل سے بتوں کو باہر نکال پھینکتا ہے۔

(10) اس کی مضراب سے دلوں کے تار نغمے نکالتے ہیں۔

اس کا سونا بھی خداوند تعالیٰ کے لیے بیدار ہونے کی طرح ہے۔

(11) وہ بڑھاپے کو جوانی کے نغمے سکھاتا ہے۔
اور ہر چیز کو جوانی کا رنگ دیتا ہے۔

(12) وہ (نائب حق) نوع انسان کے لیے خوشخبری دینے والا بھی ہوتا ہے۔ اور ڈرانے والا بھی۔ (عذاب سے ڈرانے اور بہشت کی خوش خبری دینے والا)۔

وہ سپاہی بھی ہوتا ہے۔ فوج کو منظم کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ اور امیر قوم کی بھی اہلیت رکھتا ہے۔

(13) وہ علم الاسماء (نام سکھا دینا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے) اور سبحان الذی اسرا (پاک ہے وہ ذات جس نے راتوں کو سیر کرائی۔ معراج شریف کا دعوٰی دار بھی ہوتا ہے)۔

(14) اس کے سفید ہاتھ عصا سے مضبوط ہیں۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی طرف اشارہ ہے۔

اسے پورا علم اور اختیار ہوتا ہے۔ اس کا علم قدرت کامل کا ہمزاد ہے۔ (یعنی عالم کل ہوتا ہے)۔

(15) جب وہ شاہ سوار اپنے ہاتھ میں باگ لیتا ہے۔
تو زمانے کا گھوڑا تیز تر ہو جاتا ہے۔

(16) اس کا جاہ و جلال دریائے نیل کو خشک کر دیتا ہے۔
اور وہ اسرائیل کو مصر سے باہر لے جاتا ہے۔

(17) اس کے قم (اٹھ) کہنے سے قبروں کے اندر سے جانیں اس طرح اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔
جس طرح باغ کے اندر سے صنوبر کے درخت۔

(18) اس کا وجود دنیا کے وجود کی توجیہہ ہے۔
اسی کی شان و شوکت سے اہل دنیا کے لئے نجات ہے۔

(19) ذرہ خورشید آشنا از سایہ اش
قیمت ہستی گراں از مایہ اش

(20) زندگی بخشد ز اعجاز عمل
می کند تجدید انداز عمل

(21) جلوہ ہا خیزد ز نقش پاے او
صد کلیم آوارۂ سینائے او

(22) زندگی را می کند تفسیر نو
میدہد ایں خواب را تعبیر نو

(23) ہستی مکنون او راز حیات
نغمہ نشنیدۂ ساز حیات

(24) طبع مضموں بند فطرت خوں شود
تا دو بیت ذات او موزوں شود

(25) مشت خاک ما سر گردوں رسید
زیں غبار آں شہسوار آید پدید

(26) خفتہ در خاکستر امروز ما
شعلہ فرداے عالم سوز ما

(27) غنچہ ما گلستاں در دامن است
چشم ما از صبح فردا روشن است

(28) اے سوار اشہب دوراں بیا
اے فروغ دیدۂ امکاں بیا

(29) رونق ہنگامہ ایجاد شو
در سواد دیدہ ہا آباد شو

(30) شورش اقوام را خاموش کن
نغمہ خود را بہشت گوش کن

(31) خیز و قانون اخوت سازدہ
جام صہبائے محبت بازدہ

(32) باز در عالم بیار ایام صلح
جنگجویاں را بدہ پیغام صلح

(33) نوع انساں مزرع و تو حاصلی
کاروان زندگی را منزلی

✽

(19) اس کے سا... ذرے بھی خورشید آشنا ہوتے ہیں۔
اور اس کی متاع سے زندگی کی قیمت گراں ہو جاتی ہے۔

(20) وہ اپنے اعمال کے اعجاز سے دنیا کو نئی زندگی دیتا ہے۔
اور وہ انداز عمل سے نئے نئے طریقے ایجاد کرتا ہے۔

(21) اس کے پاؤں کے نقوش سے کئی ایک جلوے پیدا ہوتے ہیں۔
اس کے کوہ سینا کے سینکڑوں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے آرزو مند ہوتے ہیں۔ (کلیم بھی اس کے طور کے مشتاق ہوتے ہیں)۔

(22) وہ زندگی کی نئے انداز سے تشریح کرتا ہے۔
اس خواب کی نئی تعبیر پیش کرتا ہے۔

(23) اس کی پوشیدہ ہستی زندگی کا راز ہے۔
اور وہ زندگی کے ساز کا ایک نہ سنا ہوا نغمہ ہے۔

(24) طبیعت بند ہو جاتی ہے۔ اور فطرت خون کے سانچوں میں ڈھل جاتی ہے۔

تب جا کر اس نائب حق کے متعلق دو ایک شعر موزوں ہوتے ہیں۔

(25) ہماری مٹھی بھر مٹی (پریشان ہونے کی صورت میں) آسمان تک جا پہنچی۔
ہو سکتا ہے کہ اس غبار سے وہ شاہ سوار نمایاں ہو۔

(26) ہماری آج کی راکھ میں ایک ایسا شعلہ پوشیدہ ہے۔
جو آنے والے دور میں ہماری دنیا میں گرمی پیدا کرے۔

(27) ہمارے غنچے کے ہاتھ میں باغ پوشیدہ ہے۔
اور ہماری آنکھیں کل کی صبح سے روشن ہیں۔

(28) اے زمانے کے گھوڑے کے شاہ سوار آئیے۔
تو امکان کی آنکھوں کا نور ہے۔ آئیے۔

(29) آپ آئیں۔ اور ہنگامہ ایجاد کے لئے رونق بن جائیے۔
اور آپ آنکھوں کی پتلیوں میں آباد ہو جائیے۔

(30) دنیا کی قوموں کے شور و غل کو خاموش کر دیجئے۔
اور اپنے نغمے کو کان کے لئے بہشت بنائیے۔

(31) آپ اٹھیں۔ اور دوبارہ ایسا قانون لائیں۔ جو بھائی چارہ پیدا کرنے والا ہو۔
اور ایسا پیالہ لائیے۔ جس کے اندر محبت کی شراب ہو۔

(32) دوبارہ زمانے میں صلح کا دور لے آئیے۔
اور آپس میں لڑنے والوں کو صلح کا پیغام دیجئے۔

(33) ابنائے عالم ایک کھیتی کی مانند ہیں۔ اور تو اس کا حاصل ہے۔
اور تو زندگی کے قافلے کے لئے منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔

(34) ریخت از جور خزاں برگ شجر
چوں بہاراں بر ریاض ما گذر
(35) سجدہ ہاے طفلک و برنا و پیر
از جبین شرمسار ما بگیر
(36) از وجود تو سرافرازیم ما
پس بہ سوز ایں جہاں سوزیم ما

(34) خزاں کے ظلم و ستم سے درختوں کے پتے گر چکے ہیں۔ ہمارے باغوں پر باد بہاراں کے اثرات نمایاں کیجئے۔
(35) ہمارے جوان اور بوڑھے جو غیراللہ کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ (طفلانہ حرکت مراد ہے)۔ ان کی شرمسار پیشانیوں کو اس سے چھٹکارا دیجئے۔
(36) آپ کے ہونے سے (وجود مطہر سے) ہمارے سربلند ہیں۔ بحالت موجودہ ہم اس دنیا کے سوز میں جل رہے ہیں۔

در شرح
اسرار اسماے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(1) مسلم اول شہ مرداں علیؓ
عشق را سرمایہ ایماں علیؓ
(2) از ولاے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثل گہر تابندہ ام
(3) نرگسم وارفتہ نظارہ ام
در خیابانش چو بو آوارہ ام
(4) زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست
مے اگر ریزد ز تاک من ازوست
(5) خاکم و از مہر او آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام
(6) از رخ او فال پیغمبرؐ گرفت
ملت حق از شکوہش فر گرفت
(7) قوت دیں مبیں فرمودہ اش
کائنات آئیں پذیر از دودہ اش
(8) مرسل حق کرد نامش بو تراب
حق ید اللہ خواند در ام الکتاب
(9) ہر کہ داناے رموز زندگیست
سر اسماے علیؓ داند کہ چیست
(10) خاک تاریکے کہ نام او تن است
عقل از بیداد او در شیون است

حضرت علی کرم اللہ وجہ ' کے ناموں کے بھیدوں کے بارے میں شرح

(1) بہادر مردوں میں سے پہلے مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔
آپ عشق کے صحن میں ایمان کا سرمایہ ہیں۔(ایمان لانے والوں کی اللہ تعالی کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہے۔ القران)۔

(2) میں ان کے خاندان کی محبت سے زندہ ہوں۔
اور دنیا میں موتیوں کی مانند چمک رہا ہوں۔

(3) میں نرگس کے پھول کی طرح ہوں۔ اور ان کے نظارے سے مست ہوں۔
میں ان کے باغ میں بو کی طرح پھر رہا ہوں۔

(4) اگر میری خاک (قبر) سے زمزم کا چشمہ ابل رہا ہے۔ تو یہ ان ہی کی وجہ سے ہے۔
اور اگر میرے انگور سے شراب ٹپک رہی ہے۔ تو ان ہی کے سبب سے ہے۔

(5) میں اگرچہ مٹی کی طرح کم حیثیت ہوں۔ تو ان کی محبت سے آئینہ بن گیا ہوں۔
اور میرا سینہ اس قدر صاف اور شفاف ہے۔ کہ اس کے اندر سے نغمہ دیکھا جا سکتا ہے۔

(6) آپ چہرہ مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فال لیا کرتے تھے۔ ☆
اور ان کی شان و شوکت سے ملت اسلامیہ نے عزت حاصل کی ہے۔

(7) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غالب اور روشن دین کی طاقت فرمایا ہے۔
دنیا نے ان کے خاندان سے آئین اور قانون حاصل کیا ہے۔

(8) اللہ تعالی کے سچے رسول نے آپ کا نام (لقب) بو تراب رکھا۔
اللہ تعالی نے قران پاک میں انہیں ید اللہ (اللہ تعالی کا ہاتھ) قرار دیا ہے۔
(بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اس بیعت میں اللہ تعالی نے صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں کو اللہ تعالی کا ہاتھ قرار دیا۔

(9) جو کوئی زندگی کی رمزوں سے واقف ہے۔
وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے بھید کو جانتا ہے۔

(10) یہ سیاہ مٹی جس کا نام بدن ہے۔
اس کے ظلم سے عقل گریہ زاری کرتی ہے۔

(11) فکر گردوں رس زمیں پیما ازو
چشم کور و گوش ناشنوا ازو

(12) از ہوس تیغ دو رو دارد بدست
رہرواں را دل بریں رہزن شکست

(13) شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گل تاریک را اکسیر کرد

(14) مرتضیٰؓ کز تیغ او حق روشن است
بوتراب از فتح اقلیم تن است

(15) مرد کشور گیر از کراری است
گوہرش را آبرو خود داری است

(16) ہر کہ در آفاق گردد بو تراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

(17) ہر کہ زیں بر مرکب تن تنگ بست
چوں نگیں برخاتم دولت نشست

(18) زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است
دست او آنجا قسیم کوثر است

(19) از خود آگاہی ید اللہی کند
از ید اللہی شہنشاہی کند

(20) ذات او دروازۂ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم

(21) حکمراں باید شدن بر خاک خویش
تا مے روشن خوری از تاک خویش

(22) خاک گشتن مذہب پروانگی است
خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

(23) سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن
تا شوی بنیاد دیوار چمن

(24) از گل خود آدمے تعمیر کن
آدمے را عالمے تعمیر کن

(25) گر بنا سازی نہ دیوار و درے
خشت از خاک تو بندد دیگرے

(11) ہماری آسمان تک رسائی حاصل کرنے والی عقل اس کی وجہ سے زمین پیمائی کرتی ہے۔
اس کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہو جاتے ہیں۔

(12) یہ ہوس کے فکر کی بنا پر اپنے ہاتھ میں دو دھاری تلوار رکھتا ہے۔
اس کی وجہ سے (راہ زن کی وجہ سے) راہ رووں کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

(13) حضرت علیؓ نے جو کہ خدا کے شیر ہیں۔ اس مٹی کو مسخر کیا۔
اور بدن کی تاریک مٹی کو اکسیر میں تبدیل کر لیا۔

(14) حضرت علیؓ کی تلوار سے حق روشن ہے۔
بدن کی ولایت کو فتح کرنے کی وجہ سے آپ نے بو تراب کا لقب حاصل کیا۔

(15) ملک در ملک فتح کرنا کراری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (کراری - بار بار حملہ کرنا)۔
اور اس کے گوہر کی آبرو خودداری میں ہوتی ہے۔ کیونکہ کراری ہی خودداری ہوتی ہے۔

(16) جو کوئی دنیا میں بوتراب بن جاتا ہے۔
وہ مغرب سے سورج کو واپس لوٹا لیتا ہے۔

(17) جس کسی نے وجود کے گھوڑے (سواری) کی زین کس کر باندھی۔
وہ سلطنت کی انگوٹھی میں نگینے کی طرح ہو جاتا ہے۔

(18) اس کے پاؤں کے نیچے خیبر کی شان و شوکت ہوتی ہے۔
اس کا ہاتھ وہاں حوض کوثر کو تقسیم کرنے والا ہو جاتا ہے۔

(19) وہ اپنے آپ سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہو جانے کی بنا پر وہ شاہنشاہ بن جاتا ہے۔

(20) اس کی ذات بابرکات علموں کے شہر کا دروازہ بن جاتی ہے۔
اس کے زیر فرمان حجاز، چین اور روم ہو جاتے ہیں۔

(21) اے مخاطب! تجھے اپنے بدن کی مٹی کا حاکم ہونا چاہیے۔
تاکہ تو اپنے انگور سے تازہ شراب پیے۔

(22) مٹی ہو جانا پروانوں کا دین ہے۔
مٹی کا باپ (بوتراب-اب خاک) ہو جانا ہی مردانگی ہے۔

(23) اے مخاطب! تو جو پھول کی طرح نازک بدن ہے۔ پتھر ہو جا۔
تاکہ تو باغ کی دیوار میں بنیاد کا کام دے سکے۔

(24) اے مخاطب! اپنی مٹی سے آدمی تعمیر کر۔
پھر آدمی کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر۔

(25) اگر تو اپنی مٹی سے دیوار و در کی تعمیر نہیں کرے گا۔
تو تیری مٹی سے کوئی دوسرا آدمی اینٹ بنا لے گا۔ اور اپنی دیوار میں استعمال کرے گا۔

(26) اے ز جور چرخ ناہنجار تنگ
جام تو فریادی بیداد سنگ

(27) نالہ و فریاد و ماتم تا کجا
سینہ کوبیہائے پیہم تا کجا

(28) در عمل پوشیدہ مضمون حیات
لذت تخلیق قانون حیات

(29) خیز و خلاق جہان تازہ شو
شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو

(30) با جہان نا مساعد ساختن
ہست در میداں سپر انداختن

(31) مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار

(32) گر نہ سازد با مزاج او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں

(33) بر کند بنیاد موجودات را
میدہد ترکیب نو ذرات را

(34) گردش ایام را برہم زند
چرخ نیلی فام را برہم زند

(35) می کند از قوت خود آشکار
روزگار نو کہ باشد سازگار

(36) در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

(37) آزماید صاحب قلب سلیم
زور خود را از مہمات عظیم

(38) عشق با دشوار ورزیدن خوش است
چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است

(39) ممکنات قوت مردان کار
گردد از مشکل پسندی آشکار

(40) حرب دوں ہمتاں کین است و بس
زندگی را ایں یک آئین است و بس

✱

(26) اے وہ آدمی جو آسمان کے ظلم سے تنگ آیا ہوا ہے۔ اور تیرا جام (پیالہ) پتھر کے ظلم سے تنگ ہے اور فریاد کرتا ہے۔

(27) یہ رونا دھونا تو کب تک کرتا رہے گا۔ اور پے بہ پے اپنے سینے کو کوٹتا رہے گا۔

(28) زندگی کے سارے مضموں عمل کے اندر پوشیدہ ہیں۔ زندگی کا قانون پیدا کرنے کی لذت میں ہے۔

(29) اٹھو! اور ایک نئی دنیا کی تخلیق کیجئے۔ شعلے اپنے پاس رکھو۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا منصب اختیار کیجئے۔

(30) ناموافق دنیا کے ساتھ موافقت اختیار کرنا میدان جنگ میں ڈھال پھینک دینا (ہار جانا) ہوتا ہے۔

(31) خوددار آدمی جو کہ تجربہ کار ہوتا ہے۔ تو زمانہ اس کے مزاج کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔

(32) اگر دنیا اس کے مزاج کے ساتھ موافقت نہیں کرتی۔

تو وہ آسمان کے ساتھ جنگ آزمائی شروع کر دیتا ہے۔

(33) وہ موجود اشیاء کی بنیادیں کھود دیتا ہے۔
اور ذروں کو نئے سرے سے ترکیب دیتا ہے۔

(34) وہ ایام کی گردش اور نیلے آسمان کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔

(35) وہ اپنی قوت سے نئے زمانے کو جو کہ
موافق ہوتا ہے۔ ظاہر کرتا ہے۔

(36) اگر دنیا میں مردوں کی طرح زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔
تو مردانہ وار اپنی جان قربان کر دینا ہی زندگی ہوتی ہے۔

(37) سلیم دل کا مالک بڑی بڑی مہموں میں اپنے زور کو آزماتا ہے۔

(38) مشکلات سے ہی عشق اختیار کرنا اچھا ہے۔
حضرت ابراہیمؑ کی طرح شعلوں سے پھول چننا اچھا ہے۔

(39) تجربہ کار اور آزمودہ کار آدمیوں کی ممکن قوت مشکل پسندی سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ (یعنی وہ اپنی قوت سے مشکل کاموں کو ممکن بنا دیتے ہیں)۔

(40) کم ہمت لوگوں کا حربہ صرف کینہ پروری ہی ہے۔
ان کی زندگی کا یہی ایک آئین ہے۔

(41) زندگانی قوت پیداستے
اصل او از ذوق استیلاستے

(42) عفو بیجا سردی خون حیات
سکتہ در بیت موزون حیات

(43) ہر کہ در قعر مذلت ماندہ است
ناتوانی را قناعت خواندہ است

(44) ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش از خوف و دروغ آبستن است

(45) از مکارم اندرون او تہی است
شیرش از بہر ذمائم فربہی است

(46) ہوشیار! اے صاحب عقل سلیم
در کمینہا می نشیند ایں غنیم

(47) گر خرد مندی فریب او مخور
مثل حر باہر زماں رنگش دگر

(48) شکل او اہل نظر نشناختند
پردہ ہا بر روے او انداختند

(49) گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار
گاہ می پوشد ردائے انکسار

(50) گاہ او مستور در مجبوری است
گاہ پنہاں در تہ معذوری است

(51) چہرہ در شکل تن آسانی نمود
دل ز دست صاحب قوت ربود

(52) با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

(53) زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرح رمز حق و باطل قوت است

(54) مدعی گر مایہ دار از قوت است
دعوی او بے نیاز از حجت است

(55) باطل از قوت پذیرد شان حق
خویش را حق داند از بطلان حق

*

(41) زندگی ظاہر قوت سے ہی ہے۔
زندگی کی حقیقت غلبہ حاصل کرنے میں ہی ہے۔

(42) بے جا معافی سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خون سرد ہو گیا ہے۔
یہ عمل زندگی کے با وزن شعر میں سکتہ پیدا کرتا ہے۔

(43) جو کوئی ذلت کی گہرائیوں میں رہتا ہے۔
وہ اپنی کمزوری کو قناعت کا نام دیتا ہے۔

(44) کمزوری زندگی کے لئے ڈاکو کی حیثیت رکھتی ہے۔
اس کا باطن خوف اور جھوٹ سے بھرا ہوا ہے۔ (یعنی کمزور ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے۔ اور جھوٹ بھی بولتا ہے)۔

(45) اس کا اندرون بلند اخلاقی اقدار سے خالی ہوتا ہے۔
اس کا دودھ برائیوں کو موٹا کرتا ہے۔

(46) اے عقل سلیم کے مالک ہوشیار رہیں۔
یہ دشمن گھات لگائے ہوئے ہے۔

(47) اگر تو عقل مند ہے۔ تو اس کے دھوکے میں مت آئیں۔

گرگٹ کی طرح ہر گھڑی وہ رنگ بدلتی ہے۔(یعنی کمزوری رنگ بدلتی ہے)۔

(48) اہل نظر بھی اس کی شکل پہچاننے سے قاصر نہیں۔
بلکہ وہ اس کے چہرے پر پردے ڈال دیتے ہیں۔

(49) کبھی کبھار نرمی اور رحم اس کی پردہ داری کرتے ہیں۔
اور کبھی عاجزی کی چادر پہن لیتی ہے۔

(50) کبھی وہ مجبور ہونے میں پوشیدہ ہوتی ہے۔
اور کبھی معذوری میں چھپی ہوتی ہے۔یعنی کمزور لوگ مجبوری اور معذوری کے بہانے بناتے ہیں۔

(51) کبھی اپنے آپ کو تن آسانی اور سہل انگاری میں نمایاں کرتی ہے۔
اور ہمت والے شخص کے ہاتھ سے دل لے جاتی ہے۔یعنی کمزور کر دیتی ہے۔

(52) سچائی توانائی کے ساتھ جڑواں بچے کی حیثیت رکھتی ہے۔
اگر تو اپنے آپ سے آگاہ ہے۔تو یہ واقف ہونا ہی جام جم ہے۔

(53) زندگی ایک کھیتی ہے۔اس کا حاصل طاقت اور قوت ہے۔
اور حق و باطل کا راز قوت میں ہی پوشیدہ ہے۔

(54) اگر دعویٰ کرنے والے کے پاس قوت اور طاقت ہے۔
تو اس کے دعوے کو کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں۔

(55) قوت کی وجہ سے ہی باطل حق کی شان اختیار کرتا ہے۔
حق کے جھوٹا کر کے اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔

(56) از کن او زہر کوثر می شود
خیر را گوید شرے شر می شود

(57) اے ز آداب امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر

(58) از رموز زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

(59) چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

(56) باطل کے پاس قوت ہونے کی وجہ سے زہر کو کوثر کہا جا سکتا ہے۔
خیر کو شر کہتا ہے۔ تو وہ شر ہو جاتا ہے۔

(57) اے وہ آدمی جو امانت کے آداب سے ناواقف ہے۔
اپنے آپ کو دونوں جہانوں سے بہتر شمار کر۔

(58) زندگی کی رمزوں (باریک باتوں) سے آگاہ ہو۔
اور باقی ہر چیز سے ظالم اور جاہل ہو جا۔ (خلافت آدمؑ کی طرف اشارہ ہے)۔

(59) اے عقل مند ہوش والے آدمی اپنے کان، آنکھیں اور ہونٹ کھول کر رکھ۔
اگر راہ حق نظر نہ آئے۔ تو بے شک میری ہنسی اڑا دیجئے۔

حکایت نوجوانے از مرو کہ پیش حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آمدہ از ستم اعدا فریاد کرد

(1) سید ہجویرؒ مخدوم امم
مرقد او پیر سنجرؒ را حرم

(2) بند ہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

(3) عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

(4) پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب

(5) خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

(6) عاشق و ہم قاصد طیار عشق
از جبینش آشکار اسرار عشق

(7) داستانے از کمالش سر کنم
گلشنے در غنچۂ مضمر کنم

(8) نوجوانے قامتش بالا چو سرو
وارد لاہور شد از شہر مرو

(9) رفت پیش سید والا جناب
تا رباید ظلمتش آفتاب

مرو کے نوجوان کی حکایت جس نے

سید مخدوم علی ہجویری رحمتہ اللہ کے پاس دشمنوں کے ظلم کی شکایت کی

(1) ہجویر کے سید (سردار) اور امتوں کے مخدوم۔
جن کا مقبرہ سنجر کے بوڑھے کے لئے حرم کا درجہ رکھتا ہے۔ (پیر سنجر سے مراد خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہیں)۔
(2) پہاڑوں کی رکاوٹوں اور مشکلات کو آسانی سے بدل کر۔
ہندوستان کے ملک میں سجدہ کرنے کا بیج بویا۔ (رسوم اسلام کی ادائیگی مراد ہے)۔
(3) آپ (سید مخدوم علی ہجویری) کے جمال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تازہ ہو گیا۔
جن کی تبلیغ سے دین حق کا بول بالا ہوا۔
(4) آپ کلام پاک (قرآن مجید) کی عزت کے نگہبان تھے۔ (ام الکتاب لفظی ترجمہ کتابوں کی ماں ہے۔ مراد قرآن مجید ہے)۔
آپ کی نگاہ سے ہند کے اندر باطل کا خانہ خراب ہوا (برباد ہو گیا)۔
(5) آپ کے مبارک نفس سے پنجاب کی سرزمین زندہ ہو گئی۔
ہماری صبح کو آپ کے آفتاب نے روشن کر دیا۔
(6) آپ بذات خود بھی عاشق تھے۔ اور عشق کے تیز پرواز پیام بر تھے۔
آپ کے ماتھے سے عشق کے بھید ظاہر ہوئے۔
(7) آپ کے کمال کی میں ایک داستان سناتا ہوں۔
ایک غنچے میں پورے باغ کو پوشیدہ کرتا ہوں۔
(8) ایک نوجوان جس کا قد سرو کی طرح بلند تھا۔
وہ مرو سے لاہور کے شور میں وارد ہوا۔
(9) سید بلند مرتبہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
تاکہ آپ کا سورج اس کے دل کی سیاہی دور کر دے۔

(10) گفت محصور صف اعدا ستم
درمیان سنگہا مینا ستم

(11) با من آموز اے شہ گردوں مکاں
زندگی کردن میان دشمناں

(12) پیر دانائے کہ در ذاتش جمال
بستہ پیمان محبت با جلال

(13) گفت اے نا محرم از راہ حیات
غافل از انجام و آغاز حیات

(14) فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدۂ بیدار شو

(15) سنگ چوں بر خود گمان شیشہ کرد
شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد

(16) ناتواں خود را اگر رہرو شمرد
نقد جان خویش با رہزن سپرد

(17) تا کجا خود را شماری ماء و طیں
از گل خود شعلہ طور آفریں

(18) با عزیزاں سر گراں بودن چرا
شکوہ سنج دشمناں بودن چرا

(19) راست میگویم عدو ہم یار تست
ہستی او رونق بازار تست

(20) ہر کہ دانائے مقامات خودی است
فضل حق داند اگر دشمن قوی است

(21) کشت انساں را عدو باشد سحاب
ممکناتش را بر انگیزد ز خواب

(22) سنگ رہ آب است اگر ہمت قوی است
سیل را پست و بلند جادہ چیست

(23) سنگ رہ گردد فسان تیغ عزم
قطع منزل امتحان تیغ عزم

(24) مثل حیواں خوردن آسودن چہ سود
گر بخود محکم نہ بودن چہ سود

*

(10) وہ کہنے لگا۔ میں دشمنوں کی صفوں میں گھرا ہوا ہوں۔ (میری حالت یہ ہے) کہ میں پتھروں میں شیشے کی مانند ہوں۔

(11) اے آسمان کے رہنے والے سید! مجھے دشمنوں میں زندگی بسر کرنا سکھا دیجئے۔

(12) آپ پیر دانا تھے۔ کہ آپ کی ذات میں جمال نے جلال کے ساتھ محبت کا پیمان باندھ رکھا تھا۔

(13) آپ نے فرمایا۔ کہ تم زندگی کے راہ و رسم سے ناواقف ہو۔ تم زندگی کے آغاز اور انجام سے نا آشنا ہو۔

(14) آپ نے فرمایا۔ تم دشمنوں کا خوف اپنے دل سے نکال دو۔ تجھ میں ایک سوئی ہوئی طاقت ہے۔ تو بیدار ہو جا۔ (تو خود ایک قوت خوابیدہ ہے۔ بیدار ہو جا)۔

(15) پتھر جب اپنے آپ کو شیشہ سمجھنے لگتا ہے۔ وہ شیشہ بن گیا۔ اور ٹوٹ گیا۔

(16) اگر راہ رو (مسافر) نے اپنے آپ کو کمزور جانا۔

تو اس نے اپنی جان کی نقدی رہزنوں کے سپرد کر دی۔

(17) تو کب تک اپنے آپ کو پانی اور کیچڑ کا پتلا سمجھتا رہے گا۔
تجھے چاہئے۔ کہ اپنی فطرت سے طور سینا کے شعلے پیدا کرے۔

(18) اپنے عزیزوں سے (یعنی دشمنوں سے) تو کیوں ناراض ہے۔
اور دشمنوں کے بارے میں شکایت کیوں کرتا ہے۔

(19) میں سچ کہتا ہوں۔ کہ دشمن بھی تیرے دوست ہیں۔
ان کا وجود ہی تیرے بازار کی رونق ہے۔

(20) جو کوئی خودی کے درجات سے واقف ہے۔
اگر اس کا دشمن قوی اور طاقت ور ہے۔ تو وہ اسے خداوند تعالیٰ کا فضل جانتا ہے۔

(21) دشمن انسان کی کھیتی کے لئے بارش کی مانند ہیں۔
کیونکہ وہ ممکن اشیاء کو نیند سے بیدار کرتا ہے۔

(22) اگر آدمی ہمت والا ہو۔ تو راستے کی رکاوٹیں پانی کی طرح بہ جاتی ہیں۔
سیلاب کے سامنے پستی اور بلندی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

(23) راستے کی رکاوٹیں (پتھر) ارادے کی تلوار کے لئے فسان کا حکم رکھتے ہیں۔
منزل مقصود تک رسائی حاصل کرنا ارادے کی تلوار کا امتحان ہوتا ہے۔

(24) حیوانوں کی طرح کھانا اور آرام کرنا کیا حقیقت رکھتے ہیں۔
اگر تو اپنے آپ میں مضبوط نہیں ہے۔ تو ہونے (زندگی) سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

(25) خویش را چوں از خودی محکم کنی
تو اگر خواہی جہاں برہم کنی

(26) گر فنا خواہی ز خود آزاد شو
گر بقا خواہی بخود آباد شو

(27) چیست مردن از خودی غافل شدن
تو چہ پنداری فراق جان و تن؟

(28) در خودی کن صورت یوسف مقام
از اسیری تا شہنشاہی خرام

(29) از خودی اندیش و مرد کار شو
مرد حق شو حامل اسرار شو

(30) شرح راز از داستانہا می کنم
غنچہ از زور نفس وا می کنم

(31) "خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں"

حکایت طائرے کہ از تشنگی بیتاب بود

(1) طائرے از تشنگی بیتاب بود
در تن او دم مثال موج دود

(2) ریزۂ الماس در گلزار دید
تشنگی نظارۂ آب آفرید

(3) از فریب ریزۂ خورشید تاب
مرغ ناداں سنگ را پنداشت آب

(4) مایہ اندوز نم از گوہر نشد
زو بر و منقار و کامش تر نشد

(5) گفت الماس اے گرفتار ہوس!
تیز بر من کردہ منقار ہوس

(6) قطرۂ آبے نیم ساقی نیم
من برائے دیگراں باقی نیم

(7) قصد آزارم کنی دیوانہ؟
از حیات خود نما بیگانہ

(25) اپنے آپ کو جب خودی سے مضبوط کرلے گا۔۔ تو اس طرح تو دنیا کو بھی زیر و زبر کرسکتا ہے۔

(26) اگر تو فنا ہونا چاہتا ہے۔ تو اپنے آپ سے آزاد ہو جا۔ (اپنی خودی سے بے تعلق ہو جا)۔ اور اگر زندہ رہنا چاہتا ہے۔ تو اپنے آپ کی تعمیر کر۔

(27) موت سے مراد اپنی خودی سے غافل ہونا ہے۔ تو ان رمزوں یعنی بدن اور روح کی جدائی کو کیا خیال کرتا ہے۔ (موت سے مراد صرف بدن اور روح کا الگ ہو جانا نہیں۔

(28) حضرت یوسفؑ کی طرح اپنی خودی میں مرتبہ حاصل کر۔ تاکہ تو قید ہونے سے بادشاہی تک جا پہنچے۔ (حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے ہاں وزیر خزانہ تھے)۔

(29) تو خودی کے بارے میں سوچ۔ اور کام کا آدمی بن جا۔ (باہمت ہو جا)۔ اور مرد حق ہو جا۔

کیونکہ مرد حق رازوں سے شناسا ہوتا ہے۔

(30) میں پوشیدہ رازوں کو کہانیوں کے ذریعے بیان کرتا ہوں۔
اور کلام کے زور سے دوسروں کے دلوں کے غنچے کھلاتا ہوں۔

(31) "سب سے بہتر یہ بات ہے۔ کہ دلبروں کے بھید
دوسرے لوگوں کی باتوں سے واضح کئے جائیں"۔

پرندے کی کہانی جو پیاس سے بے قرار تھا

(1) ایک پرندہ پیاس سے بے قرار تھا۔
اس کے جسم میں سانس دھوئیں کی لہروں کی مانند تھی۔ (شدت پیاس)۔

(2) اس نے ایک باغ میں ہیرے کا ٹکڑا (دیکھا)۔
پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ ٹکڑا اسے پانی کی شکل میں نظر آیا۔

(3) وہ دھوپ سے چمکنے والے ٹکڑے سے دھوکا کھا گیا۔
بے وقوف پرندے نے پتھر کو پانی جانا۔

(4) اسے گوہر سے پیاس بجھانے والی نمی حاصل نہ ہوئی۔
اس نے اس پر چونچ ماری۔ لیکن اس کا حلق تر نہ ہوا۔

(5) ہیرے نے کہا۔ اے حرص و ہوا میں گرفتار پرندے۔
تو نے ہوس کی چونچ مجھ پر ماری۔

(6) میں پانی کا قطرہ نہیں ہوں۔ ساقی نہیں ہوں۔
میں دوسروں کے لئے زندہ نہیں ہوں۔

(7) تو دیوانہ ہے۔ جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔
تو اپنے آپ کو زندہ رکھنے والی زندگی سے بے خبر ہے۔

(8) آب من منقار مرغاں بشکند
آدمی را گوهر جاں بشکند

(9) طائر از الماس کام دل نیافت
روئے خویش از ریزهٔ تابنده تافت

(10) حسرت اندر سینه اش آباد گشت
در گلوے او نوا فریاد گشت

(11) قطرهٔ شبنم سر شاخ گلے
تافت مثل اشک چشم بلبلے

(12) تاب او محو سپاس آفتاب
لرزه بر تن از هراس آفتاب

(13) کوکب رم خوے گردوں زادهٔ
یک دم از ذوق نمود استادهٔ

(14) صد فریب از غنچه و گل خوردهٔ
بهرهٔ از زندگی نا بردهٔ

(15) مثل اشک عاشق دلدادهٔ
زیب مژگانے چکید، آوارهٔ

(16) مرغ مضطر زیر شاخ گل رسید
در دهانش قطرهٔ شبنم چکید

(17) اے که می خواهی ز دشمن جاں بری
از تو پرسم قطرهٔ یا گوهری؟

(18) چوں ز سوز تشنگی طائر گداخت
از حیات دیگرے سرمایه ساخت

(19) قطره سخت اندام و گوهر خو نبود
ریزهٔ الماس بود و او نبود

(20) غافل از حفظ خودی یک دم مشو
ریزهٔ الماس شو، شبنم مشو

(21) پخته فطرت صورت کهسار باش
حامل صد ابر دریا بار باش

(22) خویش را دریاب از ایجاب خویش
سیم شو از بستن سیماب خویش

(23) نغمه پیدا کن از تار خودی
آشکارا ساز اسرار خودی

(8) میرا پانی پرندوں کی چونچ کو توڑ دیتا ہے۔
بلکہ آدمی کے جان کے گوہر کو بھی توڑ دیتا ہے۔

(9) پرندے کو ہیرے سے دل کا مطلب حاصل نہ ہوا۔
اپنے چہرے کو چمکنے والے ٹکڑے سے ہٹا لیا۔

(10) اس کے سینے میں حسرت آباد ہو گئی۔
آواز اس کے گلے میں فریاد بن گئی۔

(11) ایک پھول کی ٹہنی پر شبنم کا ایک قطرہ
بلبل کی آنکھ کے آنسو کی طرح چمک رہا تھا۔

(12) جس کی چمک سورج کی احسان مند تھی۔
سورج کے خوف سے اس کے بدن پر کپکپی چھائی ہوئی تھی۔

(13) گویا کہ وہ آسمان کا ایسا ستارہ تھا۔ جو ہر وقت حرکت میں رہتا تھا۔
ایک گھڑی بھر کے لئے اپنے آپ کو دکھانے کے لئے رک گیا تھا۔

(14) اس قطرے نے غنچہ اور گل سے سینکڑوں دھوکے کھائے تھے۔

لیکن زندگی کے بارے میں وہ کچھ حاصل نہ کرسکا۔

(15) وہ دل دیئے ہوئے عاشق کے آنسوؤں کی مانند تھا۔
جو ٹپک پڑنے کے لئے آمادہ پلکوں کی زینت بنا ہوا تھا۔

(16) وہ بے قرار پرندہ پھول کی ٹہنی کے نیچے آیا۔
پانی کا قطرہ اس کے منہ میں ٹپک پڑا۔ (مراد شبنم کا قطرہ ہے)۔

(17) اے وہ آدمی! جو دشمن سے اپنی جان بچانا چاہتا ہے۔
میں تجھ سے پوچھتا ہوں۔ تو پانی کا قطرہ ہے۔ یا گوہر ہے۔ (ہیرا)۔

(18) جب پرندہ پیاس کی شدت سے مرنے کے قریب ہو گیا۔
تو اس نے دوسروں کی زندگی اپنے لئے زندگی کا سرمایہ بنا لی۔

(19) قطرہ سخت نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ گوہر (ہیرے) کی فطرت رکھتا تھا۔

(20) اے مخاطب! تو ایک لمحے کے لئے بھی اپنی خودی سے غافل نہ ہو۔
ہیرے کا ٹکڑا ہو جا۔ شبنم کا قطرہ نہ بن۔

(21) پہاڑ کی طرح اپنی فطرت کو پختہ اور مضبوط کر۔
تو اپنے آپ میں سینکڑوں بادل پیدا کر۔
جن سے دریا برس پڑیں۔ (کثرت بارش سے دریا بھر جائیں)۔

(22) اپنی قبولیت سے (خودی کے استحکام) اپنے آپ کو پالے۔
اپنے پارے کو منجمد کر کے چاندی بنا لے۔

(23) خودی کے تاروں سے نغمے پیدا کر۔
اور خودی کے بھیدوں کو آشکار کر دے۔ (بلند ہمتی کی وجہ سے خودی کو پالے)۔

حکایت الماس و زغال
ہیرے اور کوئلے کی کہانی

(1) از حقیقت باز بکشایم درے
با تو میگویم حدیث دیگرے

(2) گفت با الماس در معدن زغال
اے امین جلوہ ہاے لا زوال

(3) ہمدمیم و ہست و بود ما یکیست
در جہاں اصل وجود ما یکیست

(4) من بکان میرم ز درد ناکسی
تو سر تاج شہنشاہاں رسی

(5) قدر من از بد گلی کمتر ز خاک
از جمال تو دل آئینہ چاک

(6) روشن از تاریکی من مجمر است
پس کمال جوہرم خاکستر است

(7) پشت پا ہر کس مرا بر سر زند
بر متاع ہستیم اخگر زند

(8) بر سر و سامان من باید گریست
برگ و ساز ہستیم دانی کہ چیست؟

(9) موجہ دودے بہم پیوستہ
مایہ دار یک شرار جستہ

(10) مثل انجم روے تو ہم خوے تو
جلوہ ہا خیزد ز ہر پہلوے تو

(11) گاہ نور دیدۂ قیصر شوی
گاہ زیب دستہ خنجر شوی

(12) گفت الماس اے رفیق نکتہ بیں!
تیرہ خاک از پختگی گردد نگیں

(13) تا بہ پیرامون خود در جنگ شد
پختہ از پیکار مثل سنگ شد

(1) میں حقیقت سے ایک بار پھر دروازہ کھولتا ہوں۔ اور تجھے دوسروں کی کہانی سناتا ہوں۔

(2) ایک کوئلے نے کان میں ہیرے سے کہا۔ تو نے اپنے اندر سینکڑوں لازوال جلوے بطور امانت رکھے ہوئے ہیں۔

(3) ہم دونوں ہمدم ہیں۔ اور ہماری زندگی یکساں ہے۔ دنیا میں ہمارے اصل وجود کی اصل بھی ایک ہی ہے۔

(4) میں کان کے اندر ہی کس مپرسی کی حالت میں مر جاتا ہوں۔ اور تو بادشاہوں کے تاجوں تک پہنچ جاتا ہے۔

(5) بدصورتی کی وجہ سے میری قدر مٹی سے بھی کم ہے۔ اور تیری خوبصورتی کی وجہ سے آئینے کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

(6) میری تاریکی سے انگیٹھی روشن ہوتی ہے۔

لہٰذا میرے جوہر کا کمال راکھ ہو جاتا ہی ہے۔

(7) میرے سر پر کوئی اپنا پاؤں رکھتا ہے۔
اور ہر کوئی میری ہستی کی متاع چنگاری ڈال کر تباہ کر دیتا ہے۔

(8) میری حالت پر رونا لازم ہے۔
تو جانتا ہے۔ کہ میری زندگی کے برگ و بار کیا ہیں۔ (میری حقیقت کیا ہے؟)

(9) میں ایک دھواں ہوں۔ جس کے اجزا آپس میں ملے ہوئے ہیں۔
اور میرا سرمایہ ایک اڑتی ہوئی چنگاری ہے۔

(10) تیرا چہرہ بھی ستاروں کی طرح ہے۔ اور تیری خصلتیں بھی اسی طرح کی ہیں۔
اور تیرے ہر پہلو سے جلوے پیدا ہوتے ہیں۔

(11) کبھی تو قیصر کی آنکھوں کا نور بن جاتا ہے۔
اور کبھی تو خنجر کے دستے کی زیبائش ہو جاتا ہے۔

(12) ہیرے نے کہا۔ اے نکتہ چینی کرنے والے دوست۔
تاریک مٹی میں جب پختگی آتی ہے۔ تو وہ نگینہ بن جاتی ہے۔

(13) جب وہ مٹی اپنے اردگرد سے ٹکراتی ہے۔
تو اس پیکار میں پتھر کی مانند سخت ہو جاتی ہے۔

(14) پیکرم از پختگی ذوالنور شد
سینہ ام از جلوہ ہا معمور شد
(15) خوار گشتی از وجود خام خویش
سوختی از نرمی اندام خویش
(16) فارغ از خوف و غم و وسواس باش
پختہ مثل سنگ شو الماس باش
(17) می شود از وے دو عالم مستنیر
ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر
(18) مشت خاکے اصل سنگ اسود است
کو سر از جیب حرم بیروں زد است
(19) رتبہ اش از طور بالا تر شد است
بوسہ گاہ اسود و احمر شد است
(20) در صلابت آبروے زندگی است
ناتوانی، ناکسی، ناپختگی است

(14) میرا وجود بھی پختہ ہونے کی وجہ سے نورانی ہو گیا ہے۔(نوروالا)۔ اور میرا سینہ جلووں سے بھر گیا ہے۔

(15) تو اپنی خامی کی بنا پر ذلیل اور خوار ہو گیا ہے۔ اور اپنے وجود کے نرم ہونے کی بنا پر جل گیا ہے۔

(16) تو خوف، غم اور وسوسوں سے خالی ہو جا۔ (خوف اور غم انسان کو کمزور کر دیتے ہیں)۔ پتھر کی مانند پختہ ہو جا۔ اور ہیرا بن جا۔

(17) دونوں دنیا میں اس سے نور حاصل کرتی ہیں۔ جو اپنے آپ میں سخت کوش اور سخت گیر ہوتا ہے۔

(18) سنگ اسود (حجر اسود) کا اصل بھی مٹھی بھر مٹی ہے۔ جو اپنے سر کو خانہ کعبہ سے باہر نکالے ہوئے ہے۔

حکایت شیخ و برہمن و مکالمہ گنگا و ہمالہ در معنی ایں کہ تسلسل حیات ملیہ از محکم گرفتن روایات مخصوصہ ملیہ می باشد

(1) در بنارس برہمنے محترم
سر فرو اندر یم بود و عدم
(2) بہرۂ وافر ز حکمت داشتے
با خدا جویاں ارادت داشتے
(3) ذہن او گیراؤ ندرت کوش بود
با ثریا عقل او ہمدوش بود
(4) آشیانش صورت عنقا بلند
مہر و مہ بر شعلہ فکرش سپند
(5) مدتے میناء او در خوں نشست
ساقی حکمت بجامش مے نہ بست

(19) اس کا مرتبہ طور سینا سے بلند ہو گیا ہے۔
سب گورے انسان اسے بوسہ دیتے ہیں۔
(20) زندگی کی عزت مضبوطی اور سختی میں ہے۔
کمزوری اور بے چارگی ناپختگی کی وجہ سے ہے۔

شیخ اور برہمن کی حکایت

گنگا اور ہمالہ کی باہمی گفتگو جو اس مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ کہ زندگی ملت کے سلسلہ وار ہونے کا مدار اپنی مخصوص روایات پر مضبوطی سے جمے رہنے سے ہوتا ہے۔

(1) بنارس میں ایک برہمن تھا۔
جو بود و نابود کے سمندر میں غوطہ زنی کرتا تھا۔ (زندگی کے بارے میں سوچ)۔
(2) اس کے پاس دانائی کا بہت زیادہ ذخیرہ تھا۔
اور خداوند تعالیٰ کی حقیقت معلوم کرنے والوں کے ساتھ بھی اسے ارادت مندی تھی۔
(3) اس کا ذہن سب کچھ حاصل کرنے والا اور نادرات کا جویا تھا۔
اور اس کی عقل رسا ثریا تک پہنچی ہوئی تھی۔
(4) اس کا آشیانہ عنقا کے آشیانے کی طرح بلند تھا۔
سورج اور چاند اس کے افکار کے شعلوں پر ہرمل کے دانوں کی طرح جلتے تھے۔ (یعنی بہت بڑا عالم تھا)۔
(5) اس کی صراحی (ذہن مراد ہے) مدتوں تک خون میں ڈوبی رہتی تھی۔
لیکن دانائی کے ساقی نے اس کے پیالے میں شراب نہیں ڈالی۔

(6) در ریاض علم و دانش دام چید
چشم دامش طائر معنی ندید

(7) ناخن فکرش بخوں آلودہ ماند
عقدۂ بود و عدم نکشودہ ماند

(8) آہ بر لب شاہد حرمان او
چہرہ غماز دل حیران او

(9) رفت روزے نزد شیخ کاملے
آنکہ اندر سینہ پرورودے دلے

(10) گوش بر گفتار آں فرزانہ داد
بر لب خود مہر خاموشی نہاد

(11) گفت شیخ اے طائف چرخ بلند
اند کے عہد وفا با خاک بند

(12) تا شدی آوارۂ صحرا و دشت
فکر بیباک تو از گردوں گذشت

(13) با زمیں در ساز اے گردوں نورد
در تلاش گوہر انجم مگرد

(14) من نگویم از بتاں بیزار شو
کافری؟ شائستہ زنار شو

(15) اے امانت دار تہذیب کہن
پشت پا بر مسلک آبا مزن

(16) گر ز جمعیت حیات ملت است
کفر ہم سرمایہ جمعیت است

(17) تو کہ ہم در کافری کامل نہ
در خور طوف حریم دل نہ

(18) ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آذر من ز ابراہیمؑ دور

(19) قیس ما سودائی محمل نشد
در جنون عاشقی کامل نشد

(20) مرد چوں شمع خودی اندر وجود
از خیال آسماں پیما چہ سود

*

(6) اس نے کتنی مدت علم و حکمت کے باغ میں جال بچھائے رکھا۔ لیکن اس کے جال کی آنکھ میں کوئی دانائی کا پرندہ نہ آیا۔

(7) اس کے افکار کے ناخن خون میں لت پت رہے۔ بود و نابود کا مسئلہ حل نہ ہوا۔

(8) اس کے ہونٹوں پر آہیں رہتی تھیں۔ جو اس کی محرومی کی گواہی دیتی تھیں۔ اس کا چہرہ اس کے دل کی حیرانی کو ظاہر کرتا تھا۔

(9) ایک دن وہ ایک مرد کامل کے پاس گیا۔ جو کہ پر درد سینے میں دل رکھتا تھا۔ (یعنی درد مند دل رکھتا تھا)۔

(10) وہاں جا کر اس نے اس عقل مند آدمی کی گفتگو پر کان لگائے (سنتا رہا)۔ اور اپنے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگا دی۔ (خاموش ہو گیا)۔

(11) مرد کامل شیخ نے کہا۔ اے بلند آسمانوں کے گرد چکر لگانے والے۔ تھوڑی مدت کے لئے خاک کے ساتھ وفاداری کا عہد باندھئے۔

(12) چوں کہ تو خود جنگلوں میں آوارہ پھرتا رہتا ہے۔
تیری بے باک فکر آسمانوں سے بھی پار ہو گئی۔
(13) اے آسمان لپیٹنے والے زمین کے ساتھ بھی موافقت کر۔
ستاروں کے موتیوں کی تلاش میں نہ پھر۔
(14) میں یہ نہیں کہتا کہ تو بتوں سے بے زار ہو جا۔
تو کافر ہے۔ زنار کے قابل تو ہو جا۔
(15) اے وہ شخص جو پرانی تہذیب کا امانت دار ہے۔
اپنے باپ دادا کے مسلک کو نہ ٹھکرا۔
(16) اگر جمعیت سے ہی ملت کی زندگی ہو سکتی ہے۔ تو
کفر بھی تو جمعیت کا سرمایہ ہے۔ (جمعیت سے مراد اتحاد ہے)۔
(17) تو جو کہ کفر میں بھی کامل نہیں ہے۔
اور حریم دل کے گرد چکر لگانے کے قابل نہیں ہے۔
(18) ہم تسلیم کی راہ سے دور جا پڑے ہیں۔
تو آذر سے اور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دور ہوں۔
(19) ہمارا قیس (مجنوں) محمل کا سودائی نہ بن سکا۔
اور عاشقی کے جنوں میں کمال حاصل نہ کر سکا۔
(20) جب خودی کی شمع وجود کے اندر بجھ چکی ہو۔
آسمان کی پیمائش رکھنے والے خیالات سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

(21) آب زد در دامن کہسار چنگ
گفت، روزے با ہمالہ رود گنگ

(22) اے ز صبح آفرینش یخ بدوش
پیکرت از رود ہا زنار پوش

(23) حق ترا با آسماں ہمراز ساخت
پات محروم خرام ناز ساخت

(24) طاقت رفتار از پایت ربود
ایں وقار و رفعت و تمکیں چہ سود؟

(25) زندگانی از خرام پیہم است
برگ و ساز ہستی موج از رم است

(26) کوہ چوں ایں طعنہ از دریا شنید
ہم چو بحر آتش از کیں بر دمید

(27) گفت اے پہنائے تو آئینہ ام
چوں تو صد دریا درون سینہ ام

(28) ایں خرام ناز سامان فناست
ہر کہ از خود رفت شایان فناست

(29) از مقام خود نداری آگہی
بر زیان خویش نازی، ابلہی!

(30) اے ز بطن چرخ گرداں زادۂ
از تو بہتر ساحل افتادۂ

(31) ہستی خود نذر قلزم ساختی
پیش رہزن نقد جاں انداختی

(32) ہمچو گل در گلستاں خود دار شو
بہر نشر بو پے گلچیں مرو

(33) زندگی بر جائے خود بالیدن است
از خیابان خودی گل چیدن است

(34) قرنہا بگذشت و من پادر گلم
تو گماں داری کہ دور از منزلم

(35) ہستیم بالید و تا گردوں رسید
زیر داماں ثریا آرمید

*

(21) پانی (دریائے گنگا) نے پہاڑ کے دامن پر قبضہ جمایا۔
تو دریائے گنگا نے ایک دن کوہ ہمالہ سے کہا۔

(22) اے کوہ ہمالہ تو دنیا کے آغاز سے برف سے ڈھکا ہوا ہے۔
تیرا وجود ندیوں سے زنار پوش ہے۔ (سینکڑوں ندیاں نکلتی ہیں)۔

(23) اللہ تعالٰی نے تجھے آسمان کے ساتھ ہمراز کیا ہے۔
تیرے پاؤں کو خرام ناز سے محروم کر دیا ہے۔ (پہاڑ چل پھر نہیں سکتا)۔

(24) تیرے پاؤں سے چلنے کی طاقت لے لی۔
تو اس شان و شوکت، بلندی اور وقار کا کیا فائدہ۔

(25) زندگی لگاتار چلنے کا نام ہے۔
موجوں کی زندگی کا ساز و ساماں دوڑنے بھاگنے سے ہے۔

(26) پہاڑ نے جب یہ طعنہ دریا سے سنا۔
تو وہ غصے کی بنا پر کینے کی وجہ سے آگ کے سمندر کی طرح بھڑک اٹھا۔

(27) اس نے کہا۔ تیرا وسیع ہونا آئینے کی طرح ہے۔

تیری طرح کے سینکڑوں دریا میرے اندر موجود ہیں۔

(28) یہ چلنا (خرام ناز) فنا کا سامان ہے۔
جو کوئی بھی اپنے آپ سے باہر ہوا۔ فنا ہونے کے قابل ہے۔

(29) تجھے اپنے مقام کا پتہ ہی نہیں۔
تو بے وقوف ہے۔ جو اپنے نقصان پر نازاں ہے۔

(30) تو جو آسمان کے بطن سے پیدا ہوئی ہے (ندی)۔
تجھ سے اپنی جگہ قائم رہنے والا ساحل ہی اچھا ہے۔

(31) تو نے اپنی زندگی سمندر کو دے دی ہے۔
اپنی جان کی نقدی کو ڈاکو کے آگے پھینک دیا ہے۔

(32) باغ میں پھول کی طرح خوددار ہو جا۔
اپنی بو پھیلانے کے لئے مالی کے پیچھے نہ جا۔

(33) اپنی جگہ پر رہ کر ہی بڑھنا زندگی ہوتی ہے۔
اور خودی کے باغ سے پھول چنے جائیں۔

(34) سینکڑوں برس گزر گئے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوں۔
تیرا خیال یہ ہے۔ کہ میں اپنی منزل سے دور ہوں۔

(35) میری ہستی نے اس قدر پرورش پائی ہے۔ کہ آسمان تک جا پہنچی ہے۔
ثریا بھی میرے دامن میں آرام کر رہی ہے۔

(36) هستی تو بے نشاں در قلزم است
ذرهٔ من سجده گاه انجم است
(37) چشم من بینائے اسرار فلک
آشنا گوشم ز پرواز ملک
(38) تا ز سوز سعی پیهم سوختم
لعل و الماس و گهر اندوختم
(39) "در درونم سنگ و اندر سنگ نار
آب را بر نار من نبود گذار"
(40) قطرهٔ؟ خود را بپائے خود مریز
در تلاطم کوش و با قلزم ستیز
(41) آب گوهر خواه و گوهر ریزه شو
بهر گوش شاهدے آویزه شو
(42) یا خود افزا شو، سبک رفتار شو
ابر برق انداز و دریا بار شو
(43) از تو قلزم گدیه طوفاں کند
شکوه ها از تنگی داماں کند
(44) کمتر از موجے شمار و خویش را
پیش پائے تو گداز و خویش را

(36) تیری ہستی سمندر میں پہنچ کر بے نشاں ہو جاتی ہے۔ میری چوٹی ستاروں کی سجدہ گاہ ہے۔

(37) میری آنکھیں آسمان کے بھیدوں کو جانتی ہیں۔ میرے کان فرشتوں کے اڑنے سے آشنائی رکھتے ہیں۔

(38) جب سے میں نے لگاتار کوشش سے جلنا سیکھا ہے۔ تو میں نے ہیرے، لعل اور موتی اکٹھے کر لئے ہیں۔

(39) میرے اندر پتھر ہیں۔ اور پتھروں کے اندر آگ ہے۔

در بیان ایں کہ مقصد حیات مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است وجہاد اگر محرک او جوع الارض باشد در مذہب اسلام حرام است

(1) قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
(2) طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم ار عاشق نباشد کافر است
(3) تابع حق دیدنش نا دیدنش
خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش

پانی کو میری آگ تک کوئی رسائی حاصل نہیں ہے۔

(40) تو قطرے ہے۔ اپنے پاؤں پر اپنے آپ کو مت گرا۔ تھپیڑے کھا۔ اور سمندر کے ساتھ لڑائی کر۔

(41) اگر تو موتی کی چمک کا خواہشمند ہے۔ تو ٹکڑا بن کر
کسی معشوق کے کان کی بالی بن جا۔
(42) یا تو اپنے آپ کو بڑھا۔ اور تیز رفتار ہو جا۔
بجلی گرانے والا بادل اور دریا پر برسنے والا بادل بن جا۔
(43) سمندر بھی تجھ سے طغیانی کی گدائی کرے۔
اور اپنے دامن کی تنگی کا شکوہ کرے۔
(44) اپنے آپ کو موجوں سے بھی کمتر شمار کرے۔
اور اپنے کو تیرے پاؤں میں ڈال دے۔

اس بیان میں کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنا ہے۔ اور جہاد اگر زمین فتح کرنے کا محرک ہو۔ تو ایسی لڑائی مذہب اسلام میں حرام ہے۔

(1) اے مخاطب! اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ دے۔
اور اپنے عشق کو نام و ننگ اور ناموس عطا کر۔
(2) مسلمان کی طبیعت میں عشق خداوندی کی خاطر تمہاری پیدا ہوتی ہے۔
مسلمان اگر عاشق خدا نہ ہو۔ تو وہ کافر ہوتا ہے۔
(3) حق کو دیکھنا۔ نہ دیکھنا
کھانا' پینا اور سونا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ماتحت ہوتا ہے۔

(4) در رضائش مرضی حق گم شود
این سخن کے باور مردم شود

(5) خیمہ در میدان الا اللہ زدست
در جہاں شاہد علی الناس آمدست

(6) شاہد حالش نبی انس و جاں
شاہدے صادق ترین شاہداں

(7) قال را بگذار و باب حال زن
نور حق بر ظلمت اعمال زن

(8) در قبائے خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

(9) قرب حق از ہر عمل مقصود دار
تا ز تو گردد جلالش آشکار

(10) صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض، جنگ است خیر

(11) گر نہ گردد حق ز تیغ ما بلند
جنگ باشد قوم را نا ارجمند

(12) حضرت شیخ میانمیرؒ ولی
ہر خفی از نور جان او جلی

(13) بر طریق مصطفیٰ محکم پے
نغمہ عشق و محبت را نے

(14) تربتش ایمان خاک شہر ما
مشعل نور ہدایت بہر ما

(15) بر در او جبہ فرسا آسماں
از مریدانش شہ ہندوستاں

(16) شاہ تخم حرص در دل کاشتے
قصد تسخیر ممالک داشتے

(17) از ہوس آتش بجاں افروختے
تیغ را ہل من مزید آموختے

(18) در دکن ہنگامہ ہا بسیار بود
لشکرش در عرصہ پیکار بود

*

(4) اس کی رضامندی حق کی مرضی میں سما جاتی ہے۔
اس بات پر عام لوگ کس طرح یقین کریں گے۔

(5) اس نے الا اللہ کے میدان میں جھنڈا گاڑا ہے۔
اور دنیا میں لوگوں پر گواہ ہے۔ یعنی شاہد حق ہے۔

(6) اس کے حال کے شاہد انسانوں اور جنوں کے نبی ہیں۔
وہ ایسا شاہد ہے۔ کہ تمام شاہدوں سے زیادہ صادق ہے۔

(7) باتوں کو چھوڑ' اور حال کا دروازہ کھٹکھٹا۔
اعمال کی سیاہی پر حق کا نور پھیلا دے۔

(8) بادشاہوں کے لباس میں درویشانہ زندگی اختیار کر۔
اپنی آنکھوں کو بیدار کر۔ اور خدا اندیش زندگی بسر کر۔

(9) ہر عمل سے تیرا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب ہونا چاہیے۔
تا کہ تجھ سے اس کا جلال نمایاں ہو۔

(10) اگر مقصد غیر ہو۔ تو صلح بھی شر بن جاتی ہے۔
اگر مقصد خداوندی ہو۔ تو جنگ بھی خیر ہوتی ہے۔

(11) اگر ہماری تلوار سے حق بلند نہ ہو۔
تو اس قسم کی جنگ قوم کے لئے بے برکت ہوتی ہے۔
(12) حضرت میاں میر جو اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔
اس کی جان کے نور سے ہر پوشیدہ امر ظاہر ہو جاتا ہے۔
(13) آپ رسول کریم ﷺ کے طریقوں پر مضبوطی سے قائم تھے۔
آپ (وہ) عشق و محبت کے نغموں کی نے تھے (عشق و محبت خداوندی کے بحر بے پایاں کے شناور تھے)۔
(14) آپ کا مزار ہمارے شہر کی مٹی کے لئے ایمان کا درجہ رکھتا ہے۔
اور ہمارے لئے آپ ہدایت کے نور کے چراغ تھے۔
(15) آپ کے مزار پر آسمان بھی جبیں سائی کرتا ہے۔ ہندوستان کا بادشاہ یعنی شاہ جہاں آپ کے مریدوں میں سے تھا۔
(16) بادشاہ نے دل میں حرص کا بیج بویا۔
وہ ملکوں کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (دکن کے بعض ممالک مراد ہیں)۔
(17) ہوس نے اس کے دل کے اندر آگ روشن کی۔
اپنی تلوار کو "کچھ اور ہے" کا درس دیا۔
(18) اس وقت دکن میں بہت زیادہ ہنگامے پیدا ہو رہے تھے۔
اس کا لشکر اس جگہ لڑائی میں مصروف تھا۔

(19) رفت پیش شیخ گردوں پایہ
تا بگیرد از دعا سرمایہ

(20) مسلم از دنیا سوے حق رم کند
از دعا تدبیر را محکم کند

(21) شیخ از گفتار شہ خاموش ماند
بزم درویشاں سراپا گوش ماند

(22) تا مریدے سکہ سیمیں بدست
لب کشود و مہر خاموشی شکست

(23) گفت ایں نذر حقیر از من پذیر
اے ز حق آوارگاں را دستگیر

(24) غوطہ ہا زد در خوئے محنت تنم
تا گرہ زد درہمے را دامنم

(25) گفت شیخ ایں زر حق سلطان ماست
آنکہ در پیراہن شاہی گداست

(26) حکمران مہر و ماہ و انجم است
شاہ ما مفلس ترین مردم است

(27) دیدہ بر خوان اجانب دوخت است
آتش جوعش جہانے سوخت است

(28) قحط و طاعوں تابع شمشیر او
عالمے ویرانہ از تعمیر او

(29) خلق در فریاد از ناداریش
از تہی دستی ضعیف آزاریش

(30) سطوتش اہل جہاں را دشمن است
نوع انساں کارواں' او رہزن است

(31) از خیال خود فریب و فکر خام
می کند تاراج را تسخیر نام

(32) عسکر شاہی و افواج غنیم
ہر دو از شمشیر جوع او دو نیم

(33) آتش جان گدا جوع گداست
جوع سلطاں ملک و ملت را فناست

(34) ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید
تیغ او در سینہ او آرمید

(19) وہ آسمان کے رتبے والے شیخ (میاں میر صاحب) کے پاس گیا۔
تاکہ دعاؤں سے سرمایہ حاصل کرے۔

(20) مسلمان دنیا سے حق کی طرف بھاگتا ہے۔
اپنی تدبیروں کو دعا سے مضبوط کرتا ہے۔

(21) وہ بزرگ (میاں میر صاحب) اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئے۔
اور آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے درویش جواب سننے کا انتظار کر رہے تھے۔

(22) یہاں تک کہ ایک مرید چاندی کا سکہ (روپیہ وغیرہ) ہاتھ میں لئے آگے بڑھا۔
اس نے ہونٹ کھولے۔ اور خاموشی کی مہر کو توڑا۔

(23) اس نے کہا۔ کہ مجھ سے یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں۔
آپ حق سے آوارہ ہوئے ہوئے لوگوں کی مدد فرماتے تھے۔

(24) میرے وجود نے محنت کے پسینے میں کئی بار غوطہ زنی کی ہے۔

تب جا کر میرے دامن نے اس کو درہم اپنے پلو میں باندھا۔
(25) شیخ (میاں میر صاحب) نے فرمایا۔ کہ یہ مال و دولت ہمارے بادشاہ کا حق ہے۔
جو کہ بادشاہی کے لباس میں بھی بھکاری ہے۔
(26) اگرچہ سورج، چاند اور ستاروں پر حکمرانی کرتا ہے۔
ہمارا بادشاہ تمام لوگوں سے زیادہ نادار ہے۔
(27) اس نے اجنبیوں کے دستر خواں پر آنکھیں لگا رکھی ہیں۔
اس کی بھوک کی آگ نے دنیا کو جلا ڈالا ہے۔
(28) قحط اور طاعون (بیماری) اس کی تلوار کے پیچھے چلتے ہیں۔
اس کی تعمیر نے ایک دنیا کو ویران اور غیر آباد کر دیا ہے۔
(29) لوگ اس کی ناداری، خالی ہاتھ ہونے اور کمزوروں کو ستانے سے فریاد کرتے ہیں۔
(30) اس کی شان و شوکت اہل دنیا کی دشمن ہے۔
بنی نوع انساں کارواں ہیں۔
اور وہ قافلے کے لئے ڈاکو اور راہ زن ہے۔
(31) وہ اپنی خود فریبی اور فکر کی خامی کی وجہ سے
لوٹ مار کو فتح کرنے کا نام دیتا ہے۔
(32) بادشاہی لشکر اور دشمن کی فوج ہر دو
اس کی بھوک کی تلوار سے دو ٹکڑے ہیں۔ (بھوک سے مراد حرص)۔
(33) بھکاری کی بھوک بھکاری کی جان کے لئے آگ ہوتی ہے۔
لیکن بادشاہ کی بھوک ملک و ملت کو فنا کر دیتی ہے۔
(34) جس کسی نے بھی تلوار غیر اللہ کے لئے نیام سے باہر نکالی۔
تو اس کی تلوار اس کے سینے میں پیوستہ ہو گئی۔

اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی

کہ برائے مسلمانان ہندوستان رقم فرمودہ است

میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی

کی نصیحت جو انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تحریر کی

(1) ای کہ مثل گل ز گل بالیدۂ
توہم از بطن خودی زائیدۂ

(2) از خودی مگذر بقا انجام باش
قطرۂ می باش و بحر آشام باش

(3) تو کہ از نور خودی تابندۂ
گر خودی محکم کنی پائندۂ

(4) سود در جیب ہمیں سوداستے
خواجگی از حفظ ایں کالاستے

(5) ہستی و از نیستی ترسیدۂ
اے سرت گردم غلط فہمیدۂ

(6) چوں خبردارم ز ساز زندگی
با تو گویم چیست راز زندگی

(7) غوطہ در خود صورت گوہر زدن
پس ز خلوت گاہ خود سر بر زدن

(8) زیر خاکستر شرار اندوختن
شعلہ گردیدن نظر ہا سوختن

(9) خانہ سوز محنت چل سالہ شو
طوف خود کن شعلہ جوالہ شو

(10) زندگی از طوف دیگر رستن است
خویش را بیت الحرم دانستن است

(11) پر زن و از جذب خاک آزاد باش
ہمچو طائر ایمن از افتاد باش

(12) تو اگر طائر نہ اے ہوشمند
بر سر غار آشیان خود مبند

(1) جو تو مٹی سے پھول کی طرح نکلا ہے۔ اور تو نے اے وہ آدمی! نشوونما حاصل کی ہے۔

تو بھی خودی کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

(2) خودی کا ساتھ نہ چھوڑے۔ تو تیری زندگی دائمی ہوگی۔

تو ایک قطرہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ایسا قطرہ بن۔

جو سمندر پی جانے والا ہو۔ (سمندر کو سنبھال لے)۔

(3) تو اگر درخشاں ہے۔ تو خودی کے نور سے ہی چمکدار ہے۔

اور اگر تو اپنی خودی کو مضبوط کرلے گا۔ تو تو پائیدار ہو جائے گا۔

(4) تیرا فائدہ (نفع) اسی سودے کی جیب میں ہے۔

اسی متاع کی حفاظت سے تجھے آقائی حاصل ہوگی۔

(5) اے وہ آدمی! جو تو بود ہو

کرتا ہو دے خوف کھاتا ہے۔(یعنی زندہ ہے۔ فنا سے ڈرتا ہے)۔
میں تجھ پر قربان جاؤں۔ تو غلط سمجھا ہے (زندگی کو)۔
(6) چونکہ میں زندگی کے رازوں سے واقف ہوں۔ اس لئے
میں تجھ کو زندگی کے راز بتاتا ہوں۔(زندگی کی حقیقت)۔
(7) موتی کی طرح اپنے آپ میں غوطہ زنی کرنا اور
پھر اپنی خلوت گاہ سے سر باہر نکالنا ہے (یعنی زندگی اپنے آپ میں ہی پوشیدہ ہے)۔
(8) راکھ کے نیچے پہلے اپنے شرارے اکٹھے کرنا اور
شعلہ ہو کر نظروں کو خیرہ کر دینا ہی زندگی ہے۔
(9) چالیس سال کی لمبی ریاضت کو جلانے والا بن۔
اپنے اردگرد چکر لگا۔ اور گھومنے والا شعلہ بن جا۔ یعنی مراد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے راز اپنے آپ میں ڈوب کر ہی معلوم ہوتے ہیں۔
(10) زندگی سے مراد ہے۔ کہ دوسروں کے اردگرد چکر لگانے سے رہائی حاصل ہو۔
اور اپنے آپ کو ہی بیت الحرام سمجھنا چاہیے۔(کعبہ خداوندی)۔
(11) اپنے پروں کو کھول اور زمین کی کشش سے آزاد ہو جا۔
اور پرندوں کی طرح گرنے سے بے خوف ہو جا۔
(12) اے عقل مند انسان اگر تو پرندہ نہیں ہے۔
تو اپنا گھونسلا غاروں کے دہانے پر نہ بنا۔(مبادا اندر گر پڑے)۔

(13) اے کہ باشی در پے کسب علوم
با تو میگویم پیام پیر روم

(14) "علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی، یارے بود"

(15) آگہی از قصہ اخوند روم
آنکہ داد اندر حلب درس علوم

(16) پاے در زنجیر توجیہات عقل
کشتیش طوفانی "ظلمات" عقل

(17) موسیٰ، بیگانہ سینائے عشق
بے خبر از عشق و از سودائے عشق

(18) از تشکک گفت و از اشراق گفت
و ز حکم صد گوہر تابندہ سفت

(19) عقدہ ہائے قول مشائیں کشود
نور فکرش ہر خفی را وا نمود

(20) گرد و پیشش بود انبار کتب
بر لب او شرح اسرار کتب

(21) پیر تبریزی ز ارشاد کمال
جست راہ مکتب ملا جلال

(22) گفت ایں غوغا و قیل و قال چیست
ایں قیاس و وہم و استدلال چیست

(23) مولوی فرمود ناداں لب بہ بند
بر مقالات خرد منداں مخند

(24) پاے خویش از مکتبم بیروں گذار
قیل و قال است ایں ترا با وے چہ کار

(25) قال ما از فہم تو بالا تر است
شیشہ ادراک را روشنگر است

(26) سوز شمس از گفتہ ملا فزود
آتشے از جان تبریزی کشود

(27) بر زمیں برق نگاہ او فتاد
خاک از سوز دم او شعلہ زاد

(13) اے وہ آدمی! جو علم حاصل کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔
پھر تجھے مولانا روم کا پیغام سناتا ہوں۔

(14) اگر علم دنیوی اغراض کی خاطر نفع اندوزی کا ذریعہ بنائے گا۔ تو وہ تیرے لئے سانپ بن جائے گا۔
اور اگر علم سے دل کی دولت حاصل کرے گا۔ تو وہ تیرا دوست اور یار ہو گا۔

(15) کیا تو استاد رومی کا قصہ جانتا ہے۔
جو کہ حلب کے اندر درس دیا کرتے تھے۔

(16) ان کے پاؤں عقلی دلیلوں سے جکڑے ہوئے تھے۔
ان کی کشتی (مراد دل ہے) عقل کے اندھیروں میں تھپیڑے کھاتی تھی۔

(17) ان کی مثال حضرت موسیٰؑ کی تھی۔ لیکن عشق کے سینا کی حقیقتوں سے بے خبر تھے۔
وہ عشق اور عشق کے سودا سے ناواقف تھے۔

(18) وہ شک پیدا کرنے اور اشراق کے بارے میں درس دیتے تھے۔

اور دانائی کی باتوں کے سینکڑوں موتی پروتے تھے۔

(19) وہ مشائیوں کی باتوں کی گرہیں کھولتے تھے۔

آپ کے افکار کے نور ہر پوشیدہ چیز کو ظاہر کرتے تھے۔ (اشراقی اور مشائی یونانی فلسفیوں کے دو بڑے گروہ تھے)۔

(20) ان کے آگے پیچھے کتابوں کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

اور آپ کی زبان پر کتابوں کے بھیدوں کی تشریح ہوتی تھی۔

(21) شمس تبریزی شیخ کمال جندی کے ارشاد کے مطابق

مولانا رومی کے مدرسے کی طرف روانہ ہوئے۔

(22) انھوں (شمس تبریزی) نے وہاں جا کر کہا۔ کہ یہ قال و قیل اور شور و غل کیا ہے۔

یہ قیاس، وہم اور استدلال کیا ہے۔

(23) رومیؒ نے کہا۔ اپنی زبان کو بند رکھ۔

اور عقل مندوں کے مقالات کا تمسخر نہ اڑا۔

(24) میرے مدرسے سے پاؤں باہر رکھئے۔

یہ فلسفہ دانوں کی گفتگو ہے۔ تجھے اس سے کیا واسطہ ہے۔

(25) ہماری بات چیت تیری سمجھ سے بلند ہے۔

یہ سمجھ اور عقل کے شیشے کو روشن کرنے والی ہے۔

(26) شمس تبریزی کی سوزش طبع ملا (رومی) کی باتوں سے اور زیادہ تیز ہوئی۔

اور ان کے دل کی آگ بھڑک اٹھی۔

(27) ان کی نگاہ کی بجلی رومی کے دل کی زمین پر پڑی۔

مٹی نے اس کے دم کے سوز سے شعلہ مارا۔

(28) آتش دل خرمن ادراک سوخت
دفتر آں فلسفی را پاک سوخت

(29) مولوی بیگانہ از اعجاز عشق
نا شناس نغمہائے ساز عشق

(30) گفت ایں آتش چساں افروختی
دفتر ارباب حکمت سوختی

(31) گفت شیخ اے مسلم زنار دار
ذوق و حال است ایں، ترا با وے چہ کار

(32) حال ما از فکر تو بالا تر است
شعلہ ما کیمیائے احمر است

(33) ساختی از برف حکمت ساز و برگ
از سحاب فکر تو بارد تگرگ

(34) آتشے افروز از خاشاک خویش
شعلہ تعمیر کن از خاک خویش

(35) علم مسلم کامل از سوز دل است
معنی اسلام ترک آفل است

(36) چوں ز بند آفل ابراہیم رست
درمیان شعلہ ہا نیکو نشست

(37) علم حق را در قفا انداختی
بہر نانے نقد دیں در باختی

(38) گرم رو در جستجوئے سرمہ
واقف از چشم سیاہ خود نہ

(39) آب حیواں از دم خنجر طلب
از دہان اژدہا کوثر طلب

(40) سنگ اسود از در بتخانہ خواہ
نافہ مشک از سگ دیوانہ خواہ

(41) سوز عشق از دانش حاضر مجوئے
کیف حق از جام ایں کافر مجوئے

(42) مدتے محو تگ و دو بودہ ام
رازدان دانش نو بودہ ام

*

(28) دل کی آگ نے ان کی عقل کے کھلیان کو آگ لگا دی۔
اور اس فلسفی کے دفتر کو جلا کر راکھ کر دیا۔

(29) مولوی رومی عشق کے اعجاز سے نا آشنا تھے۔
اور وہ ساز عشق کے نغموں سے ناواقف تھے۔

(30) رومی نے کہا۔ یہ آگ تو نے کس طرح روشن کی۔
جس نے فلسفہ (عقلیات) کا دفتر راکھ کر دیا ہے۔

(31) شیخ نے کہا۔ اے زنار رکھنے والے مسلم
یہ ذوق و حال کا معاملہ ہے۔ تجھے اس سے کیا واسطہ ہے۔

(32) ہمارا حال ترے افکار سے بہت اونچا ہے۔
اور ہمارے شعلے سرخ کیمیا ہیں۔ (سرخ تانبا کیمیا کی وجہ سے سونے میں بدل جاتا ہے)۔

(33) تو نے دانائی کی برف سے ساز و سامان تیار کیا ہوا ہے۔
تیرے افکار کے بادل سے صرف اولے ہی برستے ہیں۔

(34) خس و خاشاک سے آگ روشن کر۔
اور اپنی مٹی سے شعلہ تعمیر کر۔
(35) مسلمانوں کا علم دل کے سوز سے کامل تر ہوتا ہے۔
اسلام کی حقیقت غروب ہونے والی اشیاء کے چھوڑ دینے سے ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ جنہوں نے ستارے چاند اور سورج کو جو غروب ہونے والی اشیاء تھیں، کو خدا ماننے سے انکار کر دیا تھا)۔
(36) جب حضرت ابراہیمؑ غروب ہونے والی اشیاء کی قید سے رہا ہوئے۔
وہ شعلوں میں بھی بیٹھ کر محفوظ رہے۔

اگلے اشعار میں علامہ اقبال مسلمانان دور حاضر سے مخاطب ہیں

(37) اے مسلم! تو نے حق کے علم کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے۔
اور ایک روٹی کے لئے دین کی نقدی کو ضائع کر دیا ہے۔
(38) تو سرے کی تلاش میں بہت بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔
اور اپنی سیاہ آنکھ سے واقف نہیں ہے۔
(39) آب حیات خنجر کی دھار سے طلب کر۔
اور اژدہا کے منہ سے آب کوثر طلب کر۔
(40) حجر اسود کی تلاش بت خانے سے کیجئے۔
اور کستوری کا مشک نافہ دیوانہ کتوں سے طلب کر۔
(41) موجودہ زمانے میں علم سے عشق کا سود حاصل نہ کیجئے۔
اور اس کافر سے حق کے پیالے کی حقانی شراب طلب نہ کیجئے۔
(42) میں کتنی مدت دوڑ دھوپ کرتا رہا۔
اور نئی فکر اور نئے علم کا راز داں بنا رہا۔

(43) باغباناں امتحان نم کردہ اند
محرم ایں گلستانم کردہ اند
(44) گلستانے لالہ زار عبرتے
چوں گل کاغذ سراب نکہتے
(45) تا ز بند ایں گلستاں رستہ ام
آشیاں بر شاخ طوبیٰ بستہ ام
(46) دانش حاضر حجاب اکبر است
بت پرست و بت فروش و بت گر است
(47) پا بزندان مظاہر بستہ
از حدود حس بروں ناجستہ
(48) در صراط زندگی از پا فتاد
بر گلوے خویشتن خنجر نہاد
(49) آتشے دارد مثال لالہ سرد
شعلہ دارد مثال ژالہ سرد
(50) فطرتش از سوز عشق آزاد ماند
در جہان جستجو ناشاد ماند
(51) عشق افلاطون علتہاے عقل
بہ شود از نشترش سوداے عقل
(52) جملہ عالم ساجد و مسجود عشق
سومنات عقل را محمود عشق
(53) ایں مے دیرینہ در میناش نیست
شور 'یا رب' قسمت شبہاش نیست
(54) قیمت شمشاد خود نشناختی
سرو دیگر را بلند انداختی
(55) مثل نے خود را ز خود کردی تہی
بر نوائے دیگراں دل می نہی
(56) اے گدائے ریزۂ از خوان غیر
جنس خود می جوئی از دکان غیر
(57) بزم مسلم از چراغ غیر سوخت
مسجد او از شرار دیر سوخت

✽

(43) باغبانوں نے میرا امتحان لیا۔ (باغبان سے مراد استاد علوم جدیدہ)
اور اس باغ کا محرم بنایا۔

(44) مگر میں نے مغربی علوم کے باغ کو عبرت کا لالہ زار پایا ہے۔
پھول کے کاغذ کی طرح بو کا سراب پایا ہے۔ (خوشبو ندارد)۔

(45) اسی بنا پر میں نے اس گلستان کے بندھن سے خود کو آزاد کرایا ہے اور طوبیٰ کی شاخ پر اپنا گھونسلہ بنایا ہے۔

(46) موجودہ علوم و فنون بہت بڑا پردہ ہیں۔
جو کہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ بت فروش اور بت بنانے والے ہیں۔

(47) انہوں نے اپنے پاؤں کو مظاہر فطرت کے قید خانے میں ڈالا ہوا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو قید کیا ہوا ہے۔
اور حواس ظاہر کی حدوں سے باہر نہیں نکلتے۔

(48) موجودہ علوم و فنون زندگی کی راہ میں آ کر عاجز ہو کر گر پڑے ہیں۔
اور انہوں نے اپنے گلے پر خنجر رکھ دیا ہے۔

(49) ان میں آگ ہے۔ جو

گل لالہ کی طرح ٹھنڈی ہے۔
اور ان کا شعلہ اولوں کی طرح ٹھنڈا ہے۔

(50) علم جدید کی فطرت میں سوز عشق نہیں ہے۔
اسی وجہ سے تلاش حق کی راہ میں نامراد ہے۔

(51) عقل کی بیماریوں کا افلاطوں (استاد) صرف عشق ہے۔
اس کے نشتر سے عقل کے سودا کو شفا ہوتی ہے۔

(52) ساری دنیا عشق کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ اور عشق مسجود ہے۔
عقل کے سومنات کے لئے عشق محمود کا درجہ رکھتا ہے۔

(53) یہ پرانی شراب تیری صراحی میں نہیں ہے۔
اور اس کی راتوں کی قسمت میں یا رب یا رب کرنے کا شور نہیں ہے۔

(54) اے فلاں! تو نے اپنے شمشاد کی قیمت کے متعلق کچھ نہیں جانا۔ (مراد اسلامی تعلیمات ہے)۔
تو نے دوسروں کے سرو (مغربی تعلیم) کا درجہ بلند کیا۔

(55) بانسری کی طرح تو نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے خالی کر دیا۔
اور دوسروں کی آواز دل میں رکھے ہوئے ہے۔

(56) تو ایسا بھکاری ہے۔ جو غیروں کے دروازے سے بھیک مانگتا ہے۔ یعنی غیروں کے دستار سے بچے ہوئے ٹکڑے کھاتا ہے۔
اور اپنی جنس دوسرے کی دکان سے خریدتا ہے۔ یعنی اہل مغرب نے ہمارے ہی علوم سے استفادہ کیا ہے۔

(57) مسلمانوں کی مجلس غیروں کے چراغ سے جل گئی ہے۔
اور بت خانے کی چنگاری سے مسلم کی مسجد جل گئی ہے۔

(58) از سواد کعبہ چوں آہو رمید
ناوک صیاد پہلویش درید

(59) شد پریشاں برگ گل چوں بوے خویش
اے ز خود رم کردہ باز آسوے خویش

(60) اے امین حکمت ام الکتاب
وحدت گم گشتہ خود بازیاب

(61) ما کہ دربان حصار ملتیم
کافر از ترک شعار ملتیم

(62) ساقی دیرینہ را ساغر شکست
بزم رندان حجازی بر شکست

(63) کعبہ آباد است از اصنام ما
خندہ زن کفر است بر اسلام ما

(64) شیخ در عشق بتاں اسلام باخت
رشتہ تسبیح از زنار ساخت

(65) پیرہا پیر از بیاض مو شدند
سخرہ بہر کودکان کو شدند

(66) دل ز نقش لا الہ بیگانہ
از صنم ہاے ہوس بتخانہ

(67) می شود ہر مو درازے خرقہ پوش
آہ ازیں سوداگران دیں فروش

(68) با مریداں روز و شب اندر سفر
از ضرورت ہاے ملت بیخبر

(69) دیدہ ہا بے نور مثل نرگس اند
سینہ ہا از دولت دل مفلس اند

(70) واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست
اعتبار ملت بیضا شکست

(71) واعظ ما چشم بر بتخانہ دوخت
مفتی دین مبین فتویٰ فروخت

(72) چیست یاران بعد ازیں تدبیر ما
رخ سوے میخانہ دارد پیر ما

*

(58) جب ہرن کعبہ سے بھاگا۔ تو شکاری نے تیر سے اس کا پہلو پھاڑ دیا۔

(59) پھولوں کی پتیاں اپنی بو کی طرح پریشان ہو گئیں۔ اے مخاطب! تو اپنے آپ سے بھاگا ہے۔ دوبارہ اپنی طرف آ۔

(60) اے مسلمان! تو قرآن پاک کی دانائیوں کا امانت دار ہے۔ اپنی گم ہوئی ہو وحدت کو دوبارہ حاصل کر۔

(61) ہم سب جو ملت کے قلعے کے دربان ہیں۔ اپنی ملت کے شعار کو ترک کر کے کافری اختیار کر رکھی ہے۔

(62) پرانے ساقی کا پیالہ ٹوٹ گیا۔ حجازی رندوں کی مجلس برہم ہو گئی۔

(63) ہمارے بتوں سے کفر آباد ہو گیا ہے۔ آج ہمارے اسلام پر کفر خندہ زنی کرتا ہے۔

(64) شیخ نے بتوں کے عشق میں اسلام کو ہار دیا۔ اور اس نے زنار سے تسبیح کا دھاگا بنا لیا۔

(65) اب حالت یہ ہے۔ کہ بوڑھے صرف سفید بالوں کی وجہ سے بوڑھے ہو گئے۔
گلی کے بچوں کے لئے اپنے اعمال کی بنا پر سامان تمسخر بنے ہوئے ہیں۔
(66) لا الٰہ (کوئی معبود) کے نقش سے دل خالی ہو گئے۔
اور ہوس کے بتوں کی وجہ بت خانوں میں تبدیل ہو گئے۔
(67) ہر لمبے بالوں والا گدڑی پوش (روحانی بزرگ) بنا ہوا ہے۔
افسوس۔ ان دین بیچنے والے تاجروں سے سو افسوس ہے۔
(68) آج کل کے پیر رات دن اپنے مریدوں کے ساتھ سفر کرتے رہتے ہیں۔
اور ملت کی ضرورتوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔
(69) ان کی آنکھیں نرگس کی طرح بے نور ہیں۔
اور ان کے سینے دل کی دولت سے خالی ہیں۔
(70) وعظ کرنے والے اور کیا ہی صوفی۔ سب منصب پرست ہیں۔
اور روشن مذہب کا اعتبار شکستہ ہو گیا ہے۔
(71) ہمارے واعظ کی آنکھ بت خانے پر لگی ہوئی ہے۔
دین روشن کے مفتی نے فتویٰ فروخت کر دیا ہے۔
(72) اے دوستو! اس کے بعد کیا تدبیر ہونی چاہیے۔
جب کہ ہمارے پیر کا منہ بت خانے کی طرف ہو۔

الوقت سیف

وقت تلوار ہے

(1) سبز بادا خاک پاک شافعیؒ
عالمے سرخوش ز تاک شافعیؒ

(2) فکر او کوکب ز گردوں چیدہ است
سیف براں وقت را نامیدہ است

(3) من چہ گویم سر ایں شمشیر چیست
آب او سرمایہ دار از زندگیست

(4) صاحبش بالا تر از امید و بیم
دست او بیضا تر از دست کلیم

(5) سنگ از یک ضربت او تر شود
بحر از محرومی نم بر شود

(6) در کف موسیٰ ہمیں شمشیر بود
کار او بالا تر از تدبیر بود

(7) سینہ دریائے احمر چاک کرد
قلزمے را خشک مثل خاک کرد

(8) پنجہ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود
قوت او از ہمیں شمشیر بود

(9) گردش گردون گرداں دیدنی است
انقلاب روز و شب فہمیدنی است

(10) اے اسیر دوش و فردا در نگر
در دل خود عالم دیگر نگر

(11) در گل خود تخم ظلمت کاشتی
وقت را مثل خطے پنداشتی

(12) باز با پیمانہ لیل و نہار
فکر تو پیمود طول روزگار

(13) ساختی ایں رشتہ را زنار دوش
گشتہ مثل بتاں باطل فروش

*

(1) اللہ تعالیٰ حضرت امام شافعیؒ کی قبر کو سرسبز رکھے۔
ایک دنیا ان کی شراب سے مست ہے۔ (سرخوش : مست جو شراب پینے کے بعد ہوش میں رہے)۔

(2) ان کے افکار نے آسمان سے تارے توڑے ہیں۔
انہوں نے وقت کو کاٹنے والی تلوار کہا ہے۔

(3) میں اب اس تلوار کی حقیقت کیا بتاؤں۔
اس کی آب میں زندگی پوشیدہ ہے۔

(4) اس تلوار کا مالک امید و بیم سے بلند تر ہے۔
ان کا ہاتھ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے زیادہ روشن ہے۔

(5) اس تلوار کی ایک ضرب سے پتھر پانی بن جاتا تھا۔
اور سمندر پانی سے محروم ہو کر خشکی میں بدل جاتا ہے۔

(6) موسیٰؑ کے ہاتھ میں یہی تلوار تھی۔
اسی لئے ان کا کام تدبیروں سے بالا تھا۔
(7) انہوں نے دریائے احمر (بحر قلزم) کا سینہ چاک کر دیا۔
اور سمندر کو مٹی کی طرح خشک کر دیا۔
(8) حضرت علیؓ کا پنجہ جنہوں نے خیبر کو فتح کیا تھا۔
اس کی قوت بھی اسی تلوار سے تھی۔
(9) چکر لگانے والے آسمان کے چکر بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔
اور رات اور دن کا انقلاب بھی سمجھنے کے قابل ہے۔
(10) اے آنے والے کل اور گزر جانے والے کل کے قیدی۔ دیکھ
اور اپنے دل میں ایک دوسری دنیا دیکھ۔
(11) تو نے اپنی زمین میں تاریکی کا بیج بویا ہے۔
اور تو نے وقت کو خط خیال کیا ہے۔ (خط یعنی لکیر سینکڑوں نقطوں سے مل کر بنتا ہے۔ .... ان نقطوں کو ملا دیا جائے۔ تو خط بن جاتا ہے۔
(12) پھر تیرے فکر نے زمانے کی لمبائی کو رات اور دن کے پیمانوں سے ناپا ہے۔
الوقت سیف امام شافعی علیہ الرحمتہ کا مقولہ ہے۔
(13) تو نے رات اور دن کے دھاگوں کو اپنے کندھے کا زنار بنا لیا ہے۔
اور بتوں کی طرح باطل فروش بن گیا ہے۔

(14) کیمیا بودی و مشت گل شدی
سر حق زائیدی و باطل شدی

(15) مسلمی؟ آزاد این زنار باش
شمع بزم ملت احرار باش

(16) تو کہ از اصل زماں آگہ نہ
از حیات جاوداں آگہ نہ

(17) تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر

(18) این و آں پیدا ست از رفتار وقت
زندگی سر یست از اسرار وقت

(19) اصل وقت از گردش خورشید نیست
وقت جاوید است و خور جاوید نیست

(20) عیش و غم عاشور و ہم عید است وقت
سر تاب ماہ و خورشید است وقت

(21) وقت را مثل مکاں گستردۂ
امتیاز دوش و فردا کردۂ

(22) اے چو بو رم کردہ از بستان خویش
ساختی از دست خود زندان خویش

(23) وقت ما کو اول و آخر ندید
از خیابان ضمیر ما دمید

(24) زندہ از عرفان اصلش زندہ تر
ہستی او از سحر تابندہ تر

(25) زندگی از دہر و دہر از زندگی است
لا تسبوا الدهر فرمان نبی است

(26) نکتہ می گویمت روشن چو در
تا شناسی امتیاز عبد و حر

(27) عبد گردد یاوہ در لیل و نہار
در دل حر یاوہ گردد روزگار

(28) عبد از ایام می بافد کفن
روز و شب را می تند بر خویشتن

✻

(14) تو حقیقت میں کیمیا تھا۔ مگر مٹھی بھر مٹی بن گیا۔ تو سر حق (حق کا بھید) پیدا ہوا تھا۔ مگر تو باطل بن گیا۔

(15) تو مسلم ہے۔ اس زنار سے آزاد ہو جا۔ اور ملت احرار کی مجلس کی شمع بن جا۔

(16) تو جو کہ زمانے کی اصلیت سے آگاہ نہیں ہے۔ اور ہمیشہ کی زندگی سے واقف نہیں ہے۔

(17) تو کب تک رات اور دن میں جکڑا رہے گا۔ تو وقت کی رمزوں کو لی مع اللہ (میرے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے) سے جان۔ اور سمجھنے کی کوشش کر۔ (حضرت رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ مجھے بارگاہ ربوبیت میں ایسا وقت میسر ہے۔ جو کسی نبی مرسل یا فرشتہ مقرب کو حاصل نہیں)۔

(18) حالات اور واقعات (ایں و آں۔ یہ اور وہ) وقت کی رفتار سے پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی وقت کے رازوں میں ایک راز ہے۔

(19) وقت کی حقیقت سورج کی گردش سے نہیں۔

بلکہ وقت ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور سورج دائمی نہیں ہے۔

(20) وقت ہی عیش و غم ہے۔ اور وقت ہی عاشورہ اور عید ہے۔
اور وقت ہی سورج کی روشنی کا بھید ہے۔

(21) تو نے وقت (زماں) کو مکان کی طرح بچھایا ہوا ہے۔
اور تو نے گذشتہ کل اور آئندہ کل میں امتیاز پیدا کیا ہوا ہے۔

(22) اے وہ آدمی! جو بو کی طرح اپنے باغ سے بھاگ گیا ہے۔
اور اپنے ہاتھوں ہی تو نے اپنا قید خانہ بنایا ہے۔

(23) ہمارے وقت کی نہ ابتداء ہے۔ اور نہ ہی آخر ہے۔
وہ ہمارے ضمیر کی کیاریوں سے پیدا ہوتا ہے۔ (پھوٹتا ہے)۔

(24) ہر زندہ اپنی اصلیت کی پہچان سے زندہ تر ہو جاتا ہے۔
اور اس کی ہستی صبح کی مانند چمکدار ہو جاتی ہے۔

(25) زندگی زمانے سے ہے۔ اور زمانہ زندگی سے ہے۔
اس بارے میں رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ کہ زمانے کو برا نہ کہو۔

(26) میں موتی کی طرح تمہیں ایک نکتے کی بات کہتا ہوں۔
تاکہ تو غلام (عبد) اور آزاد (حر) میں امتیاز کر سکے۔

(27) غلام (وقت کا غلام) رات اور دن کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔
اور حر (آزاد) کے دل میں زمانہ گم ہو جاتا ہے۔ (یاوہ۔ بیہودہ)۔

(28) غلام رات اور دن سے کفن بنتا ہے۔
اور رات اور دن کو اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ (اوڑھ لیتا ہے)۔

(29) مرد حر خود راز گل بری کند
خویش را بر روزگاراں می تند

(30) عبد چوں طائر بدام صبح و شام
لذت پرواز بر جانش حرام

(31) سینۂ آزادۂ چابک نفس
طائر ایام را گردد قفس

(32) عبد را تحصیل حاصل فطرت است
واردات جان او بے ندرت است

(33) از گراں خیزی مقام او ہماں
نالہ ہائے صبح و شام او ہماں

(34) دمبدم نو آفرینی کار حر
نغمہ پیہم تازہ ریزد تار حر

(35) فطرتش زحمت کش تکرار نیست
جادۂ او حلقۂ پرکار نیست

(36) عبد را ایام زنجیر است و بس
بر لب او حرف تقدیر است و بس

(37) ہمت حر با قضا گردد مشیر
حادثات از دست او صورت پذیر

(38) رفتہ و آیندہ در موجود او
دیر ہا آسودہ اندر زود او

(39) آمد از صوت و صدا پاک ایں سخن
در نمی آید بہ ادراک ایں سخن

(40) گفتم و حرفم ز معنی شرمسار
شکوۂ معنی کہ با حرفم چہ کار

(41) زندہ معنی چوں بہ حرف آمد بمرد
از نفس ہائے تو نار او فسرد

(42) نکتہ غیب و حضور اندر دل است
رمز ایام و مرور اندر دل است

(43) نغمہ خاموش دارد ساز وقت
غوطہ در دل زن کہ بینی راز وقت

(29) آزاد آدمی اپنے آپ کو مٹی سے باہر نکالتا ہے۔ اور زمانے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

(30) غلام پرندے کی طرح صبح اور شام کے جال میں رہتا ہے۔ اور اڑنے کی لذت اس پر حرام ہوتی ہے۔

(31) آزاد آدمی کا سینہ پر عزم ہوتا ہے۔ جو زمانے کے پرندے کے لئے جال کی مانند ہوتا ہے۔

(32) غلام کی فطرت یہ ہے۔ کہ وہ حاصل کی ہوئی چیز کو حاصل کرتا ہے۔ اور اس کی جان کی اندر کی چیزیں ندرت سے خالی ہوتی ہیں۔

(33) اپنی سستی اور گراں خیزی کی وجہ سے غلام اسی مقام پر رہتا ہے۔ جہاں تھا۔ اور اس کے صبح اور شام کے نالوں کی ایک ہی لے ہوتی ہے۔

(34) آزاد آدمی کا کام ہر گھڑی نئی چیز پیدا کرنا ہے۔ اور آزاد کے تاروں سے لگاتار تازہ اور نئے نغمے نکلتے ہیں۔

(35) اس کی فطرت میں تکرار (بار بار کرنا) نہیں ہوتا۔
اس کا راستہ پرکار کا دائرہ نہیں ہوتا۔

(36) غلام کے لئے زمانہ محض پاؤں کی زنجیر ہوتا ہے۔
اور اس کے ہونٹوں پر تقدیر کا شکوہ ہوتا ہے۔

(37) آزاد کی ہمت تقدیر کو مشورہ دیتی ہے۔
اور زمانے کے حوادث اس کے ہاتھ سے صورت اختیار کرتے ہیں۔

(38) گزرے ہوئے حالات اور آنے والے واقعات اس کے موجود ہونے میں ہوتے ہیں۔
اس کے جلدی فیصلوں میں دور کے واقعات آسودہ ہوتے ہیں۔

(39) یہ باتیں صوت وصدا سے وابستہ نہیں ہیں۔
اور یہ باتیں آسانی سے سمجھ نہیں آتیں۔

(40) میں نے کہہ تو دیں۔ مگر میرے الفاظ معنوں سے شرمندہ ہیں۔
معنوں کو یہ شکایت ہے۔ کہ میرا ان الفاظ سے کیا واسطہ ہے۔ (یعنی سمجھ سے بالا ہیں)۔

(41) زندہ معانی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ جب وہ الفاظ کا جامہ پہنیں۔
اس کے سانس سے اس کی آگ بجھ جاتی ہے۔

(42) غائب ہونے اور حاضر ہونے کی باریکیاں دل میں ہی پوشیدہ ہیں۔
اور زمانے کی گزرنے کی رمز دل میں ہی ہے۔

(43) وقت کے ساز کا نغمہ خاموش ہے۔
اپنے دل کے اندر غوطہ زنی کر۔ تاکہ تجھے وقت کا راز معلوم ہو۔

(44) یاد ایامے کہ سیف روزگار
با توانا دستی ما بود یار

(45) تخم دیں در کشت دلہا کاشتیم
پردہ از رخسار حق برداشتیم

(46) ناخن ما عقدۂ دنیا کشاد
بخت ایں خاک از سجود ما کشاد

(47) از خم حق بادۂ گلگوں زدیم
بر کہن میخانہ ہا شبخوں زدیم

(48) اے مے دیرینہ در مینائے تو
شیشہ آب از گرمی صہبائے تو

(49) از غرور و نخوت و کبر و منی
طعنہ بر ناداری ما میزنی

(50) جام ما ہم زیب محفل بودہ است
سینہ ما صاحب دل بودہ است

(51) عصر نو از جلوہ ہا آراستہ
از غبار پائے ما برخاستہ

(52) کشت حق سیراب گشت از خون ما
حق پرستان جہاں ممنون ما

(53) عالم از ما صاحب تکبیر شد
از گل ما کعبہ ہا تعمیر شد

(54) حرف اقرا حق بما تعلیم کرد
رزق خویش از دست ما تقسیم کرد

(55) گرچہ رفت از دست ما تاج و نگیں
ما گدایاں را بچشم کم مبیں

(56) در نگاہ تو زیاں کاریم ما
کہنہ پنداریم ما، خواریم ما

(57) اعتبار از لا الٰہ داریم ما
ہر دو عالم را نگہ داریم ما

(58) از غم امروز و فردا رستہ ایم
با کسے عہد محبت بستہ ایم

(44) وہ دن یاد آتے ہیں۔ کہ زمانے کی تلوار ہمارے طاقتور بازوؤں کی دوست تھی۔

(45) ہم نے دین (اسلام) کا بیج دلوں کے اندر بویا۔ اور حق کے چہرے سے ہم نے پردہ اٹھایا۔

(46) ہمارے ناخنوں نے اہل دنیا کی گتھیوں کو سلجھایا تھا۔ اس زمین کی قسمت ہمارے سجدوں سے چمک اٹھی۔

(47) ہم نے حق کے مٹکے سے سرخ رنگ شراب نوش کی۔ اور ہم نے پرانے میخانوں (نظریات) پر شبخوں مارے (رات کا حملہ)۔

(48) اے وہ شخص! جس کی صراحی میں پرانی شراب ہے۔ (مراد اہل یورپ)۔ تیری شراب کی گرمی سے شیشہ پگھل رہا ہے۔

(49) تم (اہل یورپ) غرور، تکبر، اور خودپسندی سے ہماری ناداری پر طعنہ زنی کرتے ہو۔

(50) ہمارا پیالہ بھی کبھی زیب مجلس رہا ہے۔

اور کبھی ہمارے سینے کے اندر بھی دل تھا۔

(51) نیا زمانہ جو اس وقت جلوؤں سے آراستہ ہے۔
ہمارے پاؤں کے غبار سے ہی پیدا ہوا ہے۔

(52) حق کی کھیتی ہمارے خون سے سیراب ہوتی تھی۔
اس وجہ سے دنیا کے حق پرست ہمارے احسان مند تھے۔

(53) ہماری وجہ سے ہی دنیا کے اندر اللہ اکبر کی آواز گونجی۔
اور ہماری ہی مٹی سے کعبہ کی تعمیر ہوئی۔

(54) اقراء (تو پڑھ) کے حروف اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائے۔
اور اپنی ہدایت کا رزق اپنے ہاتھوں سے بانٹا۔

(55) اس وقت اگرچہ ہمارے پاس حکومت نہیں ہے۔ (تاج و نگیں سے مراد حکومت ہے)۔
ہم بھکاریوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔

(56) تیری نظروں میں ہم نقصان کرنے والے ہیں۔
اگرچہ ہم ذلیل ہیں۔ لیکن ہم اپنے ماضی کا گھمنڈ لیے ہوئے ہیں۔

(57) ہم لا الٰہ کا اعتبار رکھتے ہیں۔ دونوں دنیاؤں کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں۔

(58) ہم آج اور کل کے غم سے چھوٹے ہوئے ہیں۔
ہم نے کسی کے ساتھ محبت کا عہد استوار کیا ہوا ہے۔ (مراد رسول کریم صلعم)۔

(59) در دل حق سر مکنونیم ما
وارث موسیٰؑ و ہارونیمؑ ما
(60) مہر و مہ روشن ز تاب ما ہنوز
برقہا دارد سحاب ما ہنوز
(61) ذات ما آئینۂ ذات حق است
ہستی مسلم ز آیات حق است

دُعا

(1) اے چو جاں اندر وجود عالمی
جان ما باشی و از ما می رمی
(2) نغمہ از فیض تو در عود حیات
موت در راہ تو محسود حیات
(3) باز تسکین دل ناشاد شو
باز اندر سینہ ہا آباد شو
(4) باز از ما خواہ ننگ و نام را
پختہ تر کن عاشقان خام را
(5) از مقدر شکوہ ہا داریم ما
نرخ تو بالاؤ ناداریم ما
(6) از تہی دستاں رخ زیبا مپوش
عشق سلمانؓ و بلالؓ ارزاں فروش
(7) چشم بیخواب و دل بیتاب دہ
باز ما را فطرت سیماب دہ
(8) آیتے بنماز آیات مبیں
تا شود اعناق اعدا خاضعین
(9) کوہ آتش خیز کن ایں کاہ را
ز آتش ما سوز غیر اللہ را
(10) رشتۂ وحدت چو قوم از دست داد
صد گرہ بر روئے کار ما فتاد
(11) ما پریشاں در جہاں چوں اختریم
ہمدم و بیگانہ از یک دیگریم

(59) اللہ تعالیٰ کے دل میں چھپا ہوا بھید ہم ہیں۔
حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کے وارث ہم ہیں۔
(60) اب بھی چاند اور سورج ہماری چمک سے روشن ہیں۔
ہمارے بادلوں میں ابھی بجلیاں موجود ہیں۔
(61) ہمارا وجود ذات حق کا آئینہ ہے۔
مسلمانوں کی زندگی اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہے۔

دعا

(1) آپ دنیا میں جان کی مانند ہیں۔
ہماری جان ہو کر ہم سے بھاگتے ہو۔
(2) آپ کے فیض سے ہی زندگی کا ساز بج رہا ہے۔
آپ کی راہ میں جو موت آئے۔ زندگی اس پر رشک کرتی ہے۔
(3) آپ پھر دل ناشاد کے لئے وجہ تسکین ہو جائیں۔
دوبارہ سینوں میں آباد ہو جائیں۔
(4) دوبارہ ہم سے آپ نام و ننگ طلب کریں۔

اور کچے عاشقوں کو پختہ کیجئے۔

(5) ہمیں اپنے مقدر سے شکایت ہے۔
آپ کی قیمت بہت بلند ہے۔ اور ہم نادار ہیں۔

(6) خالی ہاتھ والے یعنی مفلسوں سے اپنا خوبصورت چہرہ نہ چھپائیں۔
حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کا عشق ارزاں کیجئے۔

(7) بغیر نیند کے آنکھ اور بغیر قرار کے دل عطا کیجئے۔
دوبارہ ہمیں پارے کی فطرت یعنی بے قراری عطا کیجئے۔

(8) اپنی روشن آیتوں (نشانیوں) سے کوئی نشانی دکھایئے۔
تاکہ دشمنوں کی گردنیں جھکنے والی ہو جائیں۔

(9) اس گھاس کے تنکے کو آتش فشاں پہاڑ میں تبدیل فرما دیجئے۔
اور ہماری آگ سے غیر اللہ کو جلا دیجئے۔

(10) قوم (مسلمانوں) نے جب وحدت کا تعلق ہاتھ سے چھوڑ دیا۔
تو ہمارے کاموں میں سینکڑوں گرہیں پڑ گئیں۔

(11) ہم (مسلمان) اس وقت دنیا میں ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔
ہم ایک دوسرے کے ہمدم بھی ہیں۔ اور ایک دوسرے کے نا آشنا بھی ہیں۔

(12) باز ایں اوراق را شیرازہ کن
باز آئین محبت تازہ کن
(13) باز ما را بر ہماں خدمت گمار
کار خود با عاشقان خود سپار
(14) رہرواں را منزل تسلیم بخش
قوت ایمان ابراہیم بخش
(15) عشق را از شغل لا آگاہ کن
آشنائے رمز الا اللہ کن
(16) منکہ بہر دیگراں سوزم چو شمع
بزم خود را گریہ آموزم چو شمع
(17) یا رب آں اشکے کہ باشد دلفروز
بے قرار و مضطر و آرام سوز
(18) کارمش در باغ و روید آتشے
از قبائے لالہ شوید آتشے
(19) دل بدوش و دیدہ بر فرداستم
درمیان انجمن تنہاستم
(20) "ہر کسے از ظن خود شد یار من
از درون من نجست اسرار من"
(21) در جہاں یا رب ندیم من کجاست
نخل سینایم کلیم من کجاست
(22) ظالم بر خود ستم ہا کردہ ام
شعلہ را در بغل پروردہ ام
(23) شعلہ غارت گر سامان ہوش
آتشے افگندہ در دامان ہوش
(24) عقل را دیوانگی آموختہ
علم را سامان ہستی سوختہ
(25) آفتاب از سوز او گردوں مقام
برقہا اندر طواف او مدام
(26) ہمچو شبنم دیدۂ گریاں شدم
تا امین آتش پنہاں شدم

(12) دوبارہ ان بکھرے ہوئے پتوں کی شیرازہ بندی کیجئے۔
دوبارہ محبت کا طور طریقہ تازہ کیجئے۔
(13) ہمیں پھر اس پر یعنی اشاعت اسلام پر مامور فرمائیں۔
اپنا کام اپنے عاشقوں کے سپرد کیجئے۔
(14) راہ حق پر چلنے والے تسلیم کی منزل عطا فرمائیں۔
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی طاقت عنایت فرمائیے۔
(15) عشق خداوندی کو لفظ لا سے آگاہ کیجئے۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے)۔
اور الا اللہ کی رمزوں سے آشنائی عنایت فرمائیں۔
(16) میں جو کہ دوسروں کے لئے شمع کی طرح جلتا ہوں۔
اپنی مجلس کو شمع کی طرح رونا بھی سکھاتا ہوں۔
(17) اے اللہ تعالیٰ وہ آنسو جو دل فروز (دل کو روشن کرنے والا) ہو۔
بے قرار ہو، مضطر ہو، اور آرام جلانے والا یعنی بے چین ہو۔ عنایت فرمائیں۔

(18) میں ان آنسوؤں کو باغ میں کاشت کروں۔ اور اس سے آگ پیدا ہو۔
ایسی آگ ظاہر ہو۔ جو گل لالہ کی قبا کو بھی شرمندہ کردے۔ (گل لالہ افیون کا پھول ہوتا ہے۔ جو بہت سرخ ہوتا ہے)۔

(19) میرا دل دوش (گزرا ہوا کل) یعنی ماضی میں الجھا ہوا ہے۔
اور میں اپنی مجلس میں اکیلا ہوں۔

(20) ہر ایک اپنے ظن و خیال کے مطابق میرا دوست بنا۔
کسی نے میرے دل کے راز معلوم نہ کئے۔

(21) اے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں میرا دوست کہاں ہے۔
میں وادی سینا کا درخت ہوں۔ میرا کلیم (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کہاں ہے۔

(22) میں ظالم ہوں۔ اور میں نے اپنے اوپر خود ظلم کئے ہیں۔
اور میں نے اپنی بغلوں میں شعلوں کی پرورش کی ہے۔

(23) ایسا شعلہ جو سامان ہوش و حواس کو غارت کردے۔
اور ہوش و حواس کے دامن کو آگ لگادے۔

(24) اس نے عقل کو دیوانہ پن سکھایا ہے۔
اور علم کی ہستی کا سامان جلا ڈالا ہے۔

(25) اس کے سوز سے سورج نے آسمان کو مقام بنایا ہے۔
اور جلانے کے لئے بجلیاں ہر وقت اس کے اردگرد چکر لگاتی رہتی ہیں۔

(26) میں شبنم کی طرح سر سے لے کر پاؤں تک رونے والی آنکھ بنا۔
تب جاکر میں اس کی آتش نہاں کا امانت دار ہوا۔

(27) شمع را سوز عیاں آموختم
خود نہاں از چشم عالم سوختم

(28) شعلہ ہا آخر ز ہر مویم دمید
از رگ اندیشہ ام آتش چکید

(29) عندلیبم از شرر ہا دانہ چید
نغمہ آتش مزاجے آفرید

(30) سینہ عصر من از دل خالی است
می تپد مجنوں کہ محمل خالی است

(31) شمع را تنہا تپیدن سہل نیست
آہ یک پروانہ من اہل نیست

(32) انتظار غم گسارے تا کجا
جستجوے رازدارے تا کجا

(33) اے ز رویت ماہ و انجم مستنیر
آتش خود را ز جانم باز گیر

(34) ایں امانت باز گیر از سینہ ام
خار جوہر بر کش از آئینہ ام

(35) یا مرا یک ہمدم دیرینہ دہ
عشق عالم سوز را آئینہ دہ

(36) موج در بحر است ہم پہلوئے موج
ہست با ہمدم تپیدن خوئے موج

(37) بر فلک کوکب ندیم کوکب است
ماہ تاباں سر بزانوے شب است

(38) روز پہلوے شب یلدا زند
خویش را امروز بر فردا زند

(39) ہستی جوے بجوے گم شود
موجہ بادے ببوے گم شود

(40) ہست در ہر گوشہ ویرانہ رقص
میکند دیوانہ با دیوانہ رقص

(41) گرچہ تو در ذات خود یکتاستی
عالمے از بہر خویش آراستی

(27) میں نے شمع کو بظاہر رونا سکھایا۔ میں خود لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ جلتا رہا ہوں۔

(28) آخرکار میرے ہر بال سے شعلہ پیدا ہوا۔ اور میرے افکار کی رگوں سے آگ ٹپکنے لگی۔

(29) میرے بلبل نے چنگاریوں سے دانہ حاصل کیا ہے۔ اور آگ کے مزاج کا ایک نعرہ بلند کیا۔

(30) میرے زمانے کے لوگوں کے سینے دل سے خالی ہیں۔ مجنوں تڑپ رہا ہے۔ اور محمل خالی پڑا ہوا ہے۔

(31) شمع کا اکیلا جلنا آسان نہیں ہے۔ افسوس اس بات کا ہے۔ کہ میرے پروانوں میں کسی ایک میں بھی اہلیت نہیں ہے۔

(32) میں کب تک غم گساروں کا انتظار کرتا رہوں۔ اور اپنے رازدار کی کب تک تلاش کرتا رہوں۔

(33) آپ کے رخ تاباں سے چاند اور سورج روشنی حاصل کرتے ہیں۔
آپ میری جان سے اپنی آگ واپس لے لیں۔
(34) میرے سینے سے یہ امانت واپس لے لیجئے۔
اور میرے آئینے سے جوہر کا خار جو میرے سینے میں کھٹک رہا ہے' نکال دیجئے۔
(35) یا آپ مجھے ایک پرانا دوست عطا فرمائیں۔
اور میرے دنیا کو جلا دینے والے عشق کو آئینہ عنایت فرمائیں۔
(36) سمندر میں موجیں موجوں کے پہلو میں ہیں۔
موج کا کام اپنے جیسے کے ساتھ ساتھ مل کر تھپیڑے کھانا ہے۔
(37) آسمان پر ایک ستارہ دوسرے ستارے کا دوست ہے۔
چمکتے ہوئے چاند نے اپنا سر رات کے زانو پر رکھا ہوا ہے۔
(38) دن سیاہ رات کے پہلو میں رہتا ہے۔
اور آج اپنے آپ کو آنے والے کل سے پیوستہ کیا ہوا ہے۔
(39) ایک ندی کا وجود دوسری ندی میں گم ہو جاتا ہے۔
خوشبو ہوا کی بو کے ساتھ مل جاتی ہے۔
(40) جنگل کے ہر کونے میں رقص کی محفل جمی ہوئی ہے۔
ایک دیوانہ دوسرے کے ساتھ رقص میں مشغول رہتا ہے۔
(41) اے اللہ تعالیٰ - آپ اپنی ذات میں یکتا اور یگانہ ہیں۔
پھر بھی آپ نے اپنے لئے کائنات کو آراستہ فرمایا ہے۔

(42) من مثل لالۂ صحراستم
درمیان محفلے تنہاستم
(43) خواہم از لطف تو یارے ہمدمے
از رموز فطرت من محرمے
(44) ہمدمے دیوانہ فرزانہ
از خیال این و آں بیگانہ
(45) تا بجان او سپارم ہوے خویش
باز بینم در دل او روے خویش
(46) سازم از مشت گل خود پیکرش
ہم صنم او را شوم ہم آزرش

*

(42) میں بھی جنگلی گل لالہ کی طرح ہوں۔ اور محفل کے اندر بھی تنہا ہوں۔
(43) میں آپ کی مہربانی سے ایک یار و ہمدم کی خواہش رکھتا ہوں۔ جو میری فطرت کی رمزوں کا واقف ہو۔
(44) ایسا دوست جو دیوانہ بھی ہو۔ اور عقل مند بھی ہو۔
اس اور اس یعنی دنیا کے نفع و نقصان سے بالا ہو۔
(45) تا کہ اپنا جنوں اس کے سپرد کر دوں۔
اور پھر اس کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھوں۔
(46) تا کہ میں اپنی خاک سے اس کا پیکر بناؤں۔
میں اس کا بت بھی بنوں۔ اور اس کا آزر (بت تراش) بھی بنوں۔

رموز بیخودی

جہد کن در بیخودی خود را بیاب
زود تر واللہ اعلم بالصواب
(مولانا رومؒ)

(ترجمہ)

کوشش کر اور اپنے آپ کو خودی میں پالے۔
یہ آسان طریقہ ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

(مولانا رومؒ)

پیش کش بحضور ملت اسلامیہ

ملت اسلامیہ کے حضور میں پیش کش

☆ منکر نتواں گشت اگر دم زنم از عشق
این نشہ بمن نیست اگر با دگرے ہست
(عرفی)

(1) اے ترا حق خاتم اقوام کرد
بر تو ہر آغاز را انجام کرد

(2) اے مثال انبیا پاکان تو
ھمگر دلہا جگر چاکان تو

(3) اے نظر بر حسن ترسا زادۂ
اے ز راہ کعبہ دور افتادۂ

(4) اے فلک مشت غبار کوئے تو
"اے تماشا گاہ عالم روئے تو"

(5) ہمچو موج آتش تہ پا میروی
"تو کجا بہر تماشا میروی"

(6) رمز سوز آموز از پروانہ
در شرر تعمیر کن کاشانہ

(7) طرح عشق انداز اندر جان خویش
تازہ کن با مصطفیٰ پیمان خویش

(8) خاطرم از صحبت ترسا گرفت
تا نقاب روے تو بالا گرفت

(9) ہم نوا از جلوۂ اغیار گفت
داستان گیسو و رخسار گفت

(10) بر در ساقی جبیں فرسود او
قصہ مغزادگاں پیمود او

✱

☆ اگر میں عشق کی بات کرتا ہوں۔ تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نشہ اگر مجھ میں نہیں ہے۔ تو کسی دوسرے میں ہو گا۔

(جمال الدین عرفی)

(1) اے امت مسلمہ! تو وہ امت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قوموں کو ختم کرنے والا بنایا ہے۔

اور اس نے اس امت پر اپنی ہر ابتداء کو انتہاء کر دیا ہے۔

(2) ترے پاک باز انبیاء کی طرح ہیں۔

اور تیرے جگر چاک دلوں کو جوڑنے والے ہیں۔

(3) اے امت مسلمہ تو نے عیسائیوں (اہل کلیسا) کے حسن (علوم) پر نظر کرم رکھی ہوئی ہے۔

اس بنا پر تو کعبہ کی راہ سے بہت دور جا پڑی ہے۔

(4) آسمان بھی تری گلی کا غبار ہے۔

تیرا چہرہ دنیا کے لئے

تماشا گاہ ہے۔(ساری دنیا تجھ پر مر رہی ہے)۔

(5) تو موج کی طرح اپنے آپ سے آتش زیر پا (تیز) ہو کر بھاگ رہی ہے۔
تو کسے دیکھنے کے لئے جا رہی ہے۔

(6) جلنے کی رمزیں پروانے سے سیکھئے۔
اور چنگاریوں میں اپنا کاشانہ تعمیر کیجئے۔

(7) اپنی جان کے اندر اپنے عشق کی بنیاد رکھئے۔
اور رسول کریمؐ کے ساتھ تجدید عہد کیجئے۔

(8) عیسائیوں یعنی اہل یورپ سے میں دل گرفتہ ہو گیا ہوں۔
جب سے آپ نے اپنے خوبصورت چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔

(9) میرے ہم نواؤں نے دوسروں کی خوبصورتی کے بارے میں کہا۔
انہوں نے رخسار اور گیسوؤں کے متعلق کی ہیں۔

(10) انہوں نے ساقی یعنی مغرب کے دروازے پر اپنی پیشانی رکھی ہے۔(سجدہ کیا ہے)۔
اور وہاں کے مغ زادوں کی داستانیں بیان کی ہیں۔

(11) من شہید تیغ ابروے توام
خاکم و آسودۂ کوئے توام

(12) از ستایش گستری بالا ترم
پیش ہر دیواں فرو ناید سرم

(13) از سخن آئینہ سازم کردہ اند
و ز سکندر بے نیازم کردہ اند

(14) بار احساں برنتابد گردنم
در گلستاں غنچہ گردد دامنم

(15) سخت کوشم مثل خنجر در جہاں
آب خود می گیرم از سنگ گراں

(16) گرچہ بحرم، موج من بیتاب نیست
بر کف من کاسہ گرداب نیست

(17) پردۂ رنگم، شمیمے نیستم
صید ہر موج نسیمے نیستم

(18) در شرار آباد ہستی اخگرم
خلعتے بخشد مرا خاکسترم

(19) بر درت جانم نیاز آوردہ است
ہدیہ سوز و گداز آوردہ است

(20) ز آسمان آبگوں یم می چکد
بر دل گرمم دما دم می چکد

(21) من ز جو بار جگر می سازمش
تا بہ صحن گلشنت اندازمش

(22) زانکہ تو محبوب یار ماستی
ہمچو دل اندر کنار ماستی

(23) عشق تا طرح فغاں در سینہ ریخت
آتش او از دلم آئینہ ریخت

(24) مثل گل از ہم شگافم سینہ را
پیش تو آویزم ایں آئینہ را

(25) تا نگاہے افگنی بر روئے خویش
می شوی زنجیری گیسوے خویش

(11) ان کے خلاف میں – امت مسلمہ کی بھنوؤں کا مارا ہوا ہوں۔ میں خاک ہو گیا۔ لیکن تیری گلی میں ہی سکوں پایا ہے۔

(12) میں تعریف کرنے یعنی قصیدہ گوئی سے بالاتر ہوں۔ میرا سر ہر دیوان کے سامنے نہیں جھکتا۔

(13) ارکان قضا و قدر نے شاعری سے میری آئینہ سازی کی ہے۔ اور مجھے سکندر کے آئینے سے بے نیاز کر دیا ہے۔

(14) میری گردن کسی کے احسان کا بوجھ اٹھا نہیں سکتی۔ باغ میں میرا دامن غنچوں کی طرح ہوتا ہے۔ (بند ہوتا ہے)۔

(15) میں دنیا میں خنجر کی طرح سخت کوشش کرنے والا ہوں۔ اور بھاری پتھروں سے اپنی آب حاصل کرتا ہوں۔ (مراد چمک ہے)۔

(16) اگرچہ میں سمندر ہوں۔ مگر میری موجوں میں بے قراری نہیں ہے۔ میرے ہاتھ پر بھنور کا کاسہ نہیں ہے۔

(17) میں مختلف رنگوں کا پروردہ ہوں۔ لیکن بو نہیں ہوں۔
میں نسیم نہیں ہوں۔ نہ ہر موج کا شکار بن جاؤں۔

(18) میں زندگی کے شرر آباد میں ایک انگارہ ہوں۔
میری راکھ ہی مجھے خلعت بخشتی ہے۔

(19) اے ملت اسلامیہ! میری جان تیرے دروازے پر نیازمندانہ طور پر آئی ہے۔
اور سوز و گداز کا تحفہ لائی ہے۔

(20) نیلے رنگ والے آسمان سے سمندر ٹپکتا ہے۔
اور میرے گرم دل پر لگاتار بارش ہو رہی ہے۔

(21) میں نے ندی سے بھی ان کو زیادہ باریک کر دیا ہے۔ (افکار کو باریک کر دیا ہے)۔
تاکہ تیری گلشن کے صحن میں ڈال دوں۔

(22) چونکہ تو ہمارے دوست کی محبوب ہے۔
اس وجہ سے تو دل کی طرح میرے پہلو میں ہے۔

(23) عشق نے جب سے میرے سینے میں فریاد و فغاں پیدا کی ہے۔ (بنیاد رکھی ہے)۔
اس کی آگ نے میرے دل کو شیشہ بنا دیا ہے۔

(24) میں پھولوں کی طرح اپنے سینے کو چیرتا ہوں۔
اور اس شیشے کو تیرے سامنے رکھتا ہوں۔

(25) تاکہ تو اپنے چہرے کو دیکھ سکے (نظر ڈال سکے)۔
اور اپنی ہی زلفوں کا قیدی بن جائے۔

(26) باز خوانم قصہ پارینہ ات
تازہ سازم داغہاے سینہ ات

(27) از پے قوم ز خود نا محرمے
خواستم از حق حیات محکمے

(28) در سکوت نیم شب نالاں بدم
عالم اندر خواب و من گریاں بدم

(29) جانم از صبر و سکوں محروم بود
ورد من یا حی یا قیوم بود

(30) آرزوئے داشتم خوں کردمش
تا ز راہ دیدہ بیروں کردمش

(31) سوختن چوں لالہ پیہم تا کجا
از سحر دریوزۂ شبنم تا کجا

(32) اشک خود بر خویش میریزم چو شمع
با شب یلدا در آویزم چو شمع

(33) جلوہ را افزودم و خود کاستم
دیگراں را محفلے آراستم

(34) یک نفس فرصت ز سوز سینہ نیست
ہفتہ ام شرمندۂ آدینہ نیست

(35) جانم اندر پیکر فرسودۂ
جلوۂ آہے است گرد آلودۂ

(36) چوں مرا صبح ازل حق آفرید
نالہ در ابریشم عودم تپید

(37) نالہ افشا گر اسرار عشق
خونبہاے حسرت گفتار عشق

(38) فطرت آتش دہد خاشاک را
شوخی پروانہ بخشد خاک را

(39) عشق را داغے مثال لالہ بس
در گریبانش گل یک نالہ بس

(40) من ہمیں یک گل بدستارت زنم
محشرے بر خواب سرشارت زنم

(41) تا ز خاکت لالہ زار آید پدید
از دمت باد بہار آید پدید

(26) میں پھر پرانا قصہ پڑھتا ہوں۔ (یعنی پرانی داستاں سناتا ہوں)۔
تاکہ تیرے سینے کے داغ تازہ ہو جائیں۔

(27) میں نے اس قوم کے لئے جو کہ اپنے آپ سے نامحرم ہو چکی تھی۔
اللہ تعالیٰ سے **مضبوط** زندگی کی دعا مانگی ہے۔

(28) میں آدھی رات کی خموشی میں نالہ ہائے زار کرتا تھا۔
دنیا والے سو رہے ہوتے تھے۔ اور میں رو رہا ہوتا تھا۔ (عالم سے مراد ہے)۔

(29) میری جان میں صبر و سکون نام کو بھی نہ تھا۔
میں ہر وقت **یا حی یا قیوم** کا ورد کرتا رہتا تھا۔ (اے ہمیشہ قائم رہنے والے اور زندہ خداوند تعالیٰ)۔

(30) میں نے اپنی بہت سی آرزوؤں کا خون کر دیا۔ جو ملت اسلامیہ کے متعلق تھیں۔
اور میں نے اسے آنکھوں کے راستے باہر نکال دیا ہے۔ (یعنی آنسو بنا کر باہر کر دیا ہے)۔

(31) میں گل لالہ کی طرح کب تک لگاتار جلتا رہوں۔

اور صبح سے اوس کی دریوزہ گری (گدائی) کب تک کرتا رہوں؟

(32) میں اپنے آنسو شمع کی طرح اپنے اوپر گرا رہا ہوں۔
اور سیاہ رات کے ساتھ ختم گھٹتا ہو رہا ہوں۔

(33) میں نے جلوے میں اضافہ کیا۔ اور اپنے آپ کو گھٹایا (شمع کی طرح گھل گھل کر)۔
اور دوسرے لوگوں کے لئے محفل آراستہ کی ہے۔

(34) مجھے جینے کی جلن سے ایک گھڑی کی بھی فرصت نہیں ہے۔
میرے ہفتے میں جمعہ کا دن نہیں ہے۔ (جمعے کی چھٹی نہیں ہے)۔

(35) میری جان مجھے پنے وجود میں ہے۔ (بدن کہنہ میں ہے)۔
جو کہ گرد آلود آہوں کا جلوہ ہے۔

(36) جب اللہ تعالیٰ نے صبح ازل میں پیدا کیا۔
تو میرے عود کے ریشمی تاروں میں نالے تڑپتے رہے۔

(37) وہ نالے اس نوعیت کے تھے۔ جو عشق کے بھیدوں کو ظاہر کرتے تھے۔
ان کی حیثیت عشق کی گفتگو کی حسرت کا خون بہا ہے۔ (یعنی زیب دیتا ہے۔ کہ انہیں حسرت گفتار عشق کا خون بہا کہا جائے)۔

(38) میرا نالہ کوڑے کرکٹ کو آگ کی فطرت عطا کرتا ہے۔
اور خاک کو پروانوں کی شوخی دیتا ہے۔

(39) عشق کے لئے گل لالہ کی طرح ایک ہی داغ کافی ہے۔
اور اس کے گریبان میں ایک نالے کا پھول ہی کافی ہے۔

(40) اے ملت اسلامیہ! میں صرف یہی ایک پھول تیری دستار میں لگاتا ہوں۔
اس کے ذریعے تیری گہری نیند پر قیامت بپا کرتا ہوں۔

(41) تاکہ تیری مٹی سے لالہ زار پیدا ہوں۔
اور تیری وجہ سے بہار کی ہوا ظاہر ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

آغاز

در معنی ربط فرد و ملت

فرد و ملت کے باہمی ربط کے بارے میں

(1) فرد را ربط جماعت رحمت است
جوہر او را کمال از ملت است

(2) تا توانی با جماعت یار باش
رونق ہنگامہ احرار باش

(3) حرز جاں کن گفتۂ خیر البشرؐ
ہست شیطاں از جماعت دور تر

(4) فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند
سلک و گوہر، کہکشاں و اختر اند

(5) فرد میگیرد ز ملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام

(6) فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

(7) مایہ دار سیرت دیرینہ او
رفتہ و آیندہ را آئینہ او

(8) وصل استقبال و ماضی ذات او
چوں ابد لا انتہا اوقات او

(9) در دلش ذوق نمو از ملت است
احتساب کار او از ملت است

(1) فرد کے لئے جماعت (جمع ہونا) کا رابطہ رحمت خداوندی ہے۔
اس کے جوہر کو کمال اس سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

(2) جب تک تجھ سے ہو سکے۔ جماعت کا ہی یار (مددگار) بن۔
اور اسی طرح احرار (آزاد لوگ) کے ہنگامے کی رونق بن جا۔

(3) جو کچھ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے۔ اسے اپنی جان کے لئے تعویذ بنا لیجئے۔
کہ شیطان جماعت سے دور رہتا ہے۔ (شطن کے معنی بعد ہیں۔ جس کے معنی دور ہونا ہیں)۔

*

(4) فرد اور قوم ایک دوسرے کے لئے آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں۔
اس کی مثال دھاگے اور موتی اور کہکشاں اور ستارے کی ہے۔

(5) فرد ملت سے عزت حاصل کرتا ہے۔
اور ملت افراد سے انتظام حاصل کرتی ہے۔

(6) فرد جب جماعت میں گم ہو جاتا ہے۔
وہ قطرہ جو وسعت طلب کرتا ہے۔ سمندر بن جاتا ہے۔

(7) فرد اپنی پرانی روایات کا حامل ہوتا ہے۔
وہ ملت کے گزرے ہوئے اور آنے والے حالات کا آئینہ ہوتا ہے۔

(8) فرد کی ذات ماضی اور مستقبل کا وصال ہوتی ہے۔
اس کے اوقات ابد کی طرح لا انتہاء ہو جاتے ہیں۔

(9) اس کے دل میں بڑھنے کا ذوق ملت کی وجہ سے ہوتا ہے۔
اور اس کے کام کا محاسبہ ملت سے ہی لگایا جاتا ہے۔

(10) پیکرش از قوم و هم جانش ز قوم
ظاهرش از قوم و پنهانش ز قوم

(11) در زبان قوم گویا می شود
بر ره اسلاف پویا می شود

(12) پخته تر از گرمی صحبت شود
تا بمعنی فرد هم ملت شود

(13) وحدت او مستقیم از کثرت است
کثرت اندر وحدت او وحدت است

(14) لفظ چوں از بیت خود بیروں نشست
گوهر مضموں بجیب خود شکست

(15) برگ سبزے کز نهال خویش ریخت
از بهاراں تار امیدش گسیخت

(16) هر که آب از زمزم ملت نخورد
شعله هاے نغمه در عودش فسرد

(17) فرد تنها از مقاصد غافل است
قوتش آشفتگی را مائل است

(18) قوم با ضبط آشنا گرداندش
نرم رو مثل صبا گرداندش

(19) پا به گل مانند شمشادش کند
دست و پا بندد که آزادش کند

(20) چوں اسیر حلقه آئیں شود
آهوے رم خوے او مشکیں شود

(21) تو خودی از بیخودی نشناختی
خویش را اندر گماں انداختی

(22) جوهر نوریست اندر خاک تو
یک شعاعش جلوهٔ ادراک تو

(23) عیشت از عیشش غم تو از غمش
زندهٔ از انقلاب هر دمش

(24) واحدست و برنمی تابد دوئی
من ز تاب او من استم، تو توئی

*

(10) اس کا وجود بھی قوم سے ہوتا ہے۔ اور اس کی جان کا واسطہ بھی قوم سے ہوتا ہے۔
اس کا ظاہر بھی قوم سے ہوتا ہے۔ اور اس کا باطن بھی قوم سے ہی ہوتا ہے۔

(11) فرد قوم کی زبان میں ہی گفتگو کرتا ہے۔
اسی کے ذریعے اپنے بزرگوں کے راستے پر چلتا ہے۔

(12) فرد صحبت کی گرمی سے اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔
یہاں تک کہ فرد کے لباس میں ملت بن جاتا ہے۔

(13) فرد کی وحدت اس کی کثرت سے ہی استقامت پذیر ہوتی ہے۔
اور کثرت اسی کی وحدت کے اندر وحدت ہو جاتی ہے۔

(14) جب کوئی لفظ شعر سے باہر ہو جاتا ہے۔
تو وہ گوہر مضمون کو اپنی جیب میں توڑ دیتا ہے۔ (یعنی بے معنی ہو جاتا ہے)۔

(15) سبز پتا جب اپنے درخت سے گر جاتا ہے۔
تو اس کا تار بہاروں کی امید سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ (بہار میں بھی سبز نہیں ہوتا)۔

(16) جو کوئی ملت کے زمزم سے پانی نہیں پیتا۔
تو اس کے عود (ساز) میں نغموں کے شعلے بجھ جاتے ہیں۔

(17) فرد اگر اکیلا ہو۔ تو وہ اپنے مقاصد سے غافل ہوتا ہے۔
تو اس کی قوتیں آشفتگی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ (افسردہ ہو جاتی ہیں)۔

(18) قوم فرد کو ضابطے کے ساتھ واقفیت دلاتی ہے۔
اور اسے بادِ صبا کی طرح آہستہ آہستہ لے چلتی ہے۔

(19) قوم اس کو شمشاد کی طرح مٹی کا پابند کرتی ہے۔
اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہے۔ اور اسے آزاد کرنا چاہتی ہے۔

(20) جب فرد آئین کے حلقوں میں جکڑا جاتا ہے۔
تو اس کے بھاگ جانے والے ہرن میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔

(21) اے مخاطب! تو نے خودی اور بے خودی میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔
اور اپنے آپ کو ظن اور گمان میں ڈال دیا ہے۔

(22) تیری سرشت میں ایک نورانی جوہر ہے۔ (یعنی خودی)۔
تو اس کی ایک شعاع تیرے فہم و ادراک کا جلوہ ہے۔

(23) خودی کے عیش سے تیرا عیش ہے۔ اور تیرا غم اس کے غم سے ہے۔
اور اس کے ہر گھڑی کے انقلاب سے تیری زندگی ہے۔

(24) خودی واحد ہے۔ دوئی کی گنجائش نہیں ہے۔
میں بھی اس کی طاقت سے زندہ ہوں۔ اور تو بھی اسی کی طاقت سے ہی ہے۔

(25) خویش دارد خویش بازد خویش ساز
ناز ہا می پرورد اندر نیاز
(26) آتشے از سوز او گردد بلند
ایں شرر بر شعلہ اندازد کمند
(27) فطرتش آزاد و ہم زنجیری است
جزو او را قوت کل گیری است
(28) خوگر پیکار پیہم دیدمش
ہم خودی ہم زندگی نامیدمش
(29) چوں ز خلوت خویش را بیروں دہد
پائے در ہنگامہ جلوت نہد
(30) نقش گیر اندر دلش "او" می شود
من ز ہم می ریزد و "تو" می شود
(31) جبر قطع اختیارش می کند
از محبت مایہ دارش می کند
(32) ناز تا ناز است کم خیزد نیاز
ناز ہا سازد بہم خیزد نیاز
(33) در جماعت خود شکن گردد خودی
تا ز گلبرگے چمن گردد خودی
(34) "نکتہ ہا چوں تیغ پولاد است تیز
گر نمی فہمی ز پیش ما گریز"

(25) خودی کی صفات یہ ہیں۔ وہ خوددار ہے۔ اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اپنی تعمیر خود کرتی ہے۔
اس کی نیاز مندی میں ہزاروں ناز پرورش پاتے ہیں۔
(26) آگ اسی کے سوز سے بلند ہوتی ہے۔
اور یہ چنگاریاں شعلوں پر کمند ڈالتی ہیں۔
(27) اس کی فطرت آزاد بھی ہے۔ اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی بھی ہے۔
اور اس کے جزء میں کل پر (تمام دنیا پر) غلبہ حاصل کرنے کی قوت ہے۔
(28) میں نے ہمیشہ اس کو لڑتے جھگڑتے (جدوجہد کرتے) دیکھا ہے۔

در معنی ایں کہ ملت از اختلاط افراد پیدا می شود و تکمیل تربیت او از نبوت است

(1) از چہ رو بر بستہ ربط مردم است
رشتہ ایں داستاں سر در گم است
(2) در جماعت فرد را بینیم ما
از چمن او را چو گل چینیم ما
(3) فطرتش وارفتہ یکتائی است
حفظ او از انجمن آرائی است

میں نے اس کا نام خودی بھی رکھا۔ اور زندگی بھی۔
(29) جب خودی خلوت سے باہر نکلتی ہے۔
تو وہ جلوت کے ہنگاموں میں قدم رکھتی ہے۔

(30) اس کے دل میں ملت کا نقش بیٹھ جاتا ہے۔
میں اپنے آپ سے گر جاتا ہوں۔ اور تو ہو جاتا ہے۔(ذات کی جگہ ملت آجاتی ہے)۔

(31) جبر(ملت کے فوائد) اس کے اختیارات قطع کر دیتا ہے۔
اور قوم کی محبت سے اسے سرشار اور مست کر دیتا ہے۔

(32) ناز جب تک ناز کی صورت میں ہوتا ہے۔ تو اس سے نیاز مندی پیدا نہیں ہو سکتی۔
جب بہت سے ناز اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تو نیاز مندی کی شکل نمایاں ہوتی ہے۔

(33) خودی جماعت میں خود شکن ہو جاتی ہے۔(یعنی جماعت کے ساتھ اتفاق پیدا کرتی ہے۔
جب حالات ایسے ہو جاتے ہیں۔ تو پھول کی پتی سے خودی مکمل باغ بن جاتی ہے۔

(34) میری باتیں فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں۔
اگر تو سمجھ نہیں سکتا۔ تو ہمارے پاس سے بھاگ جا۔

اس حقیقت میں کہ ملت افراد کے باہم ملاپ سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی پرورش کی تکمیل نبوت سے ہوتی ہے

(1) آدمیوں کا باہمی رابطہ کس طرح پیدا ہوا۔
اس کہانی کے آغاز کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

(2) ہم صرف فرد کو جماعت میں دیکھتے ہیں۔
اور باغ سے پھول کی طرح اسے چن لیتے ہیں۔

(3) اس کی فطرت یکتائی کی مشتاق ہے۔
مگر اس کی حفاظت انجمن آراستہ کرنے سے ہوئی ہے۔(اجتماعیت سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے)۔

(4) سوزدش در شاہراہ زندگی
آتش آوردگاہ زندگی

(5) مردماں خوگر بیک دیگر شوند
سفتہ در یک رشتہ چوں گوہر شوند

(6) در نبرد زندگی یار ہم اند
مثل ہمکاراں گرفتار ہم اند

(7) محفل انجم ز جذب باہم است
ہستی کوکب ز کوکب محکم است

(8) خیمہ گاہ کارواں کوہ و جبل
مرغزار و دامن صحرا و تل

(9) ست و بیجاں تار و پود کار او
نا کشودہ غنچہ پندار او

(10) ساز برق آہنگ او نواختہ
نغمہ اش در پردہ نا پرواختہ

(11) گوشمال جستجو ناخوردہٴ
زخمہ ہائے آرزو ناخوردہٴ

(12) نا بساماں محفل نوزادہ اش
می تواں با پنبہ چیدن بادہ اش

(13) نو دمیدہ سبزہٴ خاکش ہنوز
سرد خوں اندر رگ تاکش ہنوز

(14) منزل دیو و پری اندیشہ اش
از گمان خود رمیدن پیشہ اش

(15) تنگ میداں ہستی خامش ہنوز
فکر او زیر لب باکش ہنوز

(16) بیم جاں سرمایہ آب و گلش
ہم ز باد تند می لرزد دلش

(17) جان او از سخت کوشی رم زند
پنجہ در دامان فطرت کم زند

(18) ہر چہ از خود میدمد بردار دش
ہر چہ از بالا فتد بردار دش

(4) زندگی کے میدان رزم کی آگ شاہراہ حیات میں اس کی انفرادیت کو جلا دیتی ہے۔ (اجتماعیت کو قائم رکھتی ہے)۔

(5) آدمی ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ اور موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔

(6) زندگی کی رزمگاہ میں ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اور ایک ہی پیشہ اختیار کرنے والوں کی طرح آپس میں گھل مل جاتے ہیں۔ اور ساتھی بن جاتے ہیں۔

(7) ستاروں کی مجلس باہمی ربط سے قائم ہے۔ ایک ستارے کو دوسرے ستارے سے استحکام حاصل ہوتا ہے۔

(8) پہاڑ اور جبل 'چراگاہیں' ٹیلے اور صحرا کا دامن سب زندگی کے کاروان کی خیمہ گاہیں ہیں۔

(9) فرد کے کام کا تانا بانا کمزور اور بے جان تھا۔ اس کے پندار کے غنچے ابھی کھلے نہیں تھے۔ (بلند ارادے پورے نہیں ہوئے تھے)۔

(10) اس کا جلووں کی آواز والا ساز ابھی بجا نہیں تھا۔
اس کا نغمہ ابھی پردہ ساز پر مرتب نہیں ہوا تھا۔
(11) ابھی جستجو کی گوشمالی بھی دکھائی نہیں تھی۔
اور اس کے ساز کے تار آرزوؤں کے مضراب سے ناواقف تھے۔
(12) پہلی مجلس انسانی سرو سامان کے بغیر تھی۔
اس کی شراب کو روئی میں جذب کیا جا سکتا تھا۔ (شراب کم تھی)۔
(13) اس کی خاک کا سبزہ ابھی نیا تھا۔
اور اس کے انگور کی رگوں میں خون ابھی گرم تھا۔
(14) اس کے افکار دیووں اور پریوں کی داستانوں تک محدود تھی۔
اور اپنے وہموں سے ڈر کر بھاگ جانا اس کا پیشہ تھا۔
(15) اس کی ہستی کا میدان ابھی تنگ تھا۔ کیونکہ وہ ہنگاموں سے خالی تھا۔
اور اس کے افکار زیر لب بام تھے۔ (یعنی پست تھے)۔
(16) اس کے آب و گل (یعنی وجود کا خمیر) کا سرمایہ نیم جان تھا۔
ہوا کی تیزی سے اس کا دل کانپنے لگتا تھا۔
(17) اس کی جان سخت محنت سے دم زن ہو جاتی تھی۔ (گھبرا جاتی تھی)۔
اس وجہ سے فطرت کے رازوں کو جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔
(18) زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا تھا۔ اسے اٹھا لیتا تھا۔
اور جو کچھ اوپر سے پھل وغیرہ گرتے تھے۔ اٹھا کر کھا لیتا تھا۔ (انسان کی ابتدائی حالت)۔

(19) تا خدا صاحبدلے پیدا کند
کو ز حرفے دفترے املا کند

(20) ساز پردازے کہ از آوازۂ
خاک را بخشد حیات تازۂ

(21) ذرۂ بے مایہ ضو گیرد ازو
ہر متاعے ارج نو گیرد ازو

(22) زندہ از یک دم دو صد پیکر کند
محفلے رنگیں ز یک ساغر کند

(23) دیدۂ او میکشد لب جاں دہد
تا دوئی میرد یکی پیدا شود

(24) رشتہ اش کو بر فلک وارد سرے
پارہ ہائے زندگی را ہمگرے

(25) تازہ انداز نظر پیدا کند
گلستاں در دشت و در پیدا کند

(26) از تف او ملتے مثل سپند
بر جہد شو را فگن و ہنگامہ بند

(27) یک شرر می افگند اندر دلش
شعلہ در گیرد میگردد گلش

(28) نقش پایش خاک را بینا کند
ذرہ را چشمک زن سینا کند

(29) عقل عریاں را دہد پیرایہ
بخشد ایں بے مایہ را سرمایہ

(30) دامن خود میزند بر اخگرش
ہر چہ غش باشد رباید از زرش

(31) بند ہا از پا کشاید بندہ را
از خداونداں رباید بندہ را

(32) گویدش تو بندۂ دیگر نہ
زیں بتان بے زبا کمتر نہ

(33) تا سوے یک مدعایش می کشد
حلقہ آئیں بپایش میکشد

(34) نکتہ توحید باز آموزدش
رسم و آئین نیاز آموزدش

(19) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبدل (مراد نبی ہے) پیدا کیا۔
جس نے ایک حرف سے دفتر لکھوالیا۔

(20) وہ ایک ایسا ساز پرداز ہوتا ہے کہ اپنی آواز سے
مٹی (انسان) کو تازہ زندگی عطا کرتا ہے۔

(21) ہیچ مقدار ذرہ (یعنی فرد) اس سے روشنی حاصل کرتا ہے۔
ہر متاع اس سے بلند درجہ حاصل کرتی ہے۔

(22) وہ اپنے دم (پھونک) سے دو سو (مراد سینکڑوں) انسانوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔
اور ایک پیالے سے ساری محفل کو رنگیں کر دیتا ہے۔ (سرشار و مست)۔

(23) اس کی آنکھیں کشتہ کرتی ہیں۔ اور ہونٹ جان دیتے ہیں۔
یہاں تک کہ دو رنگی مر جاتی ہے۔ اور یک رنگی پیدا ہوتی ہے۔

(24) اس کا رشتہ جس کا سرا آسماں تک پہنچا ہوتا ہے۔
زندگی کے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ دیتا ہے۔ اور ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔

(25) وہ لوگوں میں نیا انداز نظر پیدا کرتا ہے۔
اور بے آب و گیاہ جنگل میں باغ پیدا کر دیتا ہے۔
(26) اس کی تپش اور گرمی سے ملت حرمل کے دانے کی طرح
اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور شور و غل برپا کر دیتی ہے۔
(27) وہ فرد کے دل میں ایک چنگاری ڈالتا ہے۔ جس سے
اس کا وجود سر سے پاؤں تک شعلہ ہی شعلہ بن جاتا ہے۔
(28) اس کے پاؤں کے نقوش مٹی کو بینا یعنی صاحب نظر کر دیتے ہیں۔
(29) وہ عریاں عقل کو لباس یعنی عمل عطا کرتا ہے۔
اور اس طرح وہ بے مایہ کو سرمایہ دیتا ہے۔ (مالدار بنا دیتا ہے)۔
(30) اس کے انگاروں پر اپنا دامن مارتا ہے۔
اس طرح کھوئی چیز کو لے جاتا ہے۔ یعنی سونے سے کھوٹ نکال دیتا ہے۔
(31) غلاموں کے پاؤں کی بیڑیاں کھول دیتا ہے۔
اور غلام کو مختلف آقاؤں سے رہائی دیتا ہے۔
(32) اسے کہتا ہے۔ تو کسی دوسرے کا غلام نہیں ہے۔
اور ان بے زباں بتوں سے گھٹ درجے کا نہیں ہے۔
(33) یہاں تک کہ وہ اسے ایک مقصد کی طرف لے جاتا ہے۔
اور اس کے پاؤں پر آئین یعنی شریعت کا حلقہ ڈال دیتا ہے۔
(34) پھر توحید (وحدت خداوندی) کی باریک باتیں اسے سکھاتا ہے۔
اور نیازمندی کے آئین اور رسوم سکھاتا ہے۔ (یعنی خداوند کریم اسے توحید کی باریکیوں کی واقفیت دیتا ہے۔ اور نیازمندی کے آداب کا سبق دیتا ہے)۔

ارکان اساسی ملیہ اسلامیہ

ملت اسلامیہ کے بنیادی ارکان

رکن اول - پہلا رکن

توحید

توحید خداوندی

خداوند تعالیٰ کا واحد ہونا

(1) در جہان کیف و کم گردید عقل
پے بہ منزل برد از توحید عقل

(2) ورنہ ایں بیچارہ را منزل کجاست
کشتی ادراک را ساحل کجاست

(3) اہل حق را رمز توحید از بر است
در **اتی الرحمن عبدا** مضمر است

(4) تا ز اسرار تو **بنماید** ترا
امتحانش از عمل باید ترا

(5) دیں ازو' حکمت ازو' آئیں ازو
زور ازو' قوت ازو' **تمکیں** ازو

(6) عالماں را جلوہ اش حیرت دہد
عاشقاں را بر عمل قدرت دہد

(7) پست اندر سایہ اش گردد بلند
خاک چوں آکسیر گردد ارجمند

(8) قدرت او برگزیند بندہ را
نوع دیگر آفریند بندہ را

(9) در رہ حق تیز تر گردد **تگش**
گرم تر از برق خوں اندر رگش

(1) اس کیف و کم کی دنیا میں عقل سرگشتہ پھر رہی تھی۔ (کیف اور کم ہر دو اصطلاحیں ہیں۔ جہاں کیف و کم سے مراد دنیا اور کائنات ہے)۔ عقل کو توحید کی وجہ سے منزل کی طرف رہنمائی حاصل ہوئی۔

(2) ورنہ عقل بے چارہ کو منزل کب نصیب ہوتی۔ کیونکہ عقل و ادراک کی کشتی کا ساحل ناپید ہوتا ہے۔

(3) اہل حق کو توحید کی رمزیں اچھی طرح یاد ہیں۔ اور وہ رمزیں **اتی الرحمن عبدا** میں پوشیدہ ہیں۔ (آیت کے اس حصہ سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے۔ کہ آسمان اور زمین سب اللہ تعالیٰ

کے عبد (بندے) ہیں۔

اس آیت کا تعلق سورۃ مریم کی آیہ 93 سے ہے۔

(4) تاکہ تیری پوشیدہ صلاحیتیں تجھ پر نمایاں کرے۔

تو تیرے عقیدہ توحید کا امتحان ہونا چاہئے۔ جس کا تعلق عمل سے ہونا چاہئے۔

(5) توحید خداوندی میں دین 'حکمت اور شریعت سب کچھ ہے۔

اسی توحید کی وجہ سے افراد قوم میں زور 'قوت اور استحکام ہوتا ہے۔

(6) توحید کا جلوہ اہل علم (علماء) کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اور عاشقان حق کو عمل کی طاقت عطا کرتا ہے۔

(7) توحید کے سایہ کے نیچے پست بھی بلند ہو جاتے ہیں۔

اور مٹی اکسیر کی طرح بڑی قیمتی ہو جاتی ہے۔

(8) توحید خداوندی توحید کی وجہ سے بندے کو برگزیدہ بنا دیتی ہے۔

اور بندے کو نئی نوع میں تبدیل کر دیتی ہے۔

(9) اس کی دوڑ دھوپ حق کی راہ میں تیز ہو جاتی ہے۔

اور اس کی رگوں میں بجلی سے بھی زیادہ گرم خون ہو جاتا ہے۔

(10) بیم و شک میرد عمل گیرد حیات
چشم می بیند ضمیر کائنات

(11) چوں مقام عبدہ' محکم شود
کاسۂ دریوزہ جام جم شود

(12) ملت بیضا تن و جاں لا الہ
ساز ما را پردہ گرداں لا الہ

(13) لا الہ سرمایۂ اسرار ما
رشتہ اش شیرازۂ افکار ما

(14) حرفش از لب چوں بدل آید ہمے
زندگی را قوت افزاید ہمے

(15) نقش او گر سنگ گیرد' دل شود
دل گر از یادش نسوزد گل شود

(16) چوں دل از سوز غمش افروختیم
خرمن امکاں ز آہے سوختیم

(17) آب ولہا درمیان سینہ ہا
سوز او بگداخت ایں آئینہ ہا

(18) شعلہ اش چوں لالہ در رگہائے ما
نیست غیر از داغ او کالائے ما

(19) اسود از توحید احمر می شود
خویش فاروقؓ و ابوذرؓ می شود

(20) دل مقام خویشی و بیگانگی است
شوق را مستی ز ہم پیمانگی است

(21) ملت از یک رنگی دلہاستے
روشن از یک جلوہ ایں سیناستے

(22) قوم را اندیشہ ہا باید یکے
در ضمیرش مدعا باید یکے

(23) جذبہ باید در سرشت او یکے
ہم عیار خوب و زشت او یکے

(24) گر نباشد سوز حق در ساز فکر
نیست ممکن ایں چنیں انداز فکر

(10) توحید کی وجہ سے خوف اور شک مرجاتے ہیں۔ اور عمل زندہ ہو جاتا ہے۔
اور اس کی آنکھ کائنات کی ضمیر کو دیکھتی ہے۔ (کائنات کے پوشیدہ راز دیکھنے لگتی ہے)۔

(11) جب عبدہ' (اس کا بندہ) کا مقام مضبوط ہو جاتا ہے۔
تو بھیک مانگنے کا کاسہ جام جمشید بن جاتا ہے۔

(12) روشن ملت بدن اور لا الٰہ جان ہے۔
اور لا الٰہ ہی ہمارے ساز کے سارے نغموں میں یک رنگی پیدا کرتا ہے۔

(13) لا الٰہ ہمارے اسرار کا سرمایہ ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے افکار کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔

(14) جب یہ لفظ زبان سے نکل کر دل میں چلا جاتا ہے۔
تو اس سے زندگی کی قوت میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

(15) اگر پتھر بھی اس کا نقش اختیار کرے۔ تو دل ہو جاتا ہے۔
دل اگر اس کی یاد سے سوختہ نہ ہو۔ تو مٹی بن جاتا ہے۔

(16) جب ہم نے دل کو اس کے سوزِ غم سے روشن کیا۔

تو ایک ہی آہ نے دنیا کی ممکنات کے خرمن کو جلا دیا۔ یعنی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے چند برسوں میں دنیا کے تمام حصوں میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ اور تا حدِ امکاں کامیابیاں حاصل کیں۔

(17) توحید کی آب و تاب سینوں کے اندر ہے۔

اور اس توحید کے سوز نے ہی اس کے آئینے کو پگھلا دیا ہے۔

(18) توحید کا شعلہ گلہائے لالہ کی طرح ہماری رگوں میں ہے۔

ہمارا ساز و سامان اور کل متاع اس کے داغ کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

(19) سیاہ رنگ کا انسان توحید خداوندی کی وجہ سے سرخ ہو جاتا ہے۔

تو حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا رشتہ ہو جاتا ہے۔

(20) دل اپنائیت اور غیریت کا مقام ہے۔

ہم پیمانہ ہونے کی وجہ سے شوق میں مستی پیدا ہوتی ہے۔ یعنی توحید گورے اور کالے کا امتیاز دور کر دیتی ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور برابر ہیں۔

(21) ملت کا وجود دلوں کی یک رنگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ سینا (کوہ سینا) اس ایک جلوے سے روشن ہے۔

(22) قوم کے افکار اور سوچ میں یکرنگی ہونی چاہئے۔

اور اس کا ایک ہی مدعا ہونا چاہئے۔

(23) اس کی سرشت میں ایک ہی جذبہ ہونا چاہئے۔

اس کی اچھائی اور برائی کا معیار بھی یکساں ہونا چاہئے۔

(24) اگر افکار کے ساز میں سوزِ حق نہ ہو۔

تو اس قسم کا اندازِ فکر ناممکن ہے۔ (توحید کا سوز ضروری ہے)۔

(25) ما مسلمانیم و اولاد خلیلؑ
از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل
(26) با وطن وابستہ تقدیر امم
بر نسب بنیاد تعمیر امم
(27) اصل ملت در وطن دیدن کہ چہ
باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ
(28) بر نسب نازاں شدن نادانی است
حکم او اندر تن و تن فانی است
(29) ملت ما را اساس دیگر است
ایں اساس اندر دل ما مضمر است
(30) حاضریم و دل بغائب بستہ ایم
پس زبند این و آن وارستہ ایم
(31) رشتہ ایں قوم مثل انجم است
چوں نگہ ہم از نگاہ ما گم است
(32) تیر خوش پیکان یک کیشیم ما
یک نما، یک بیں، یک اندیشیم ما
(33) مدعاے ما، مآل ما یکے ست
طرز و انداز خیال ما یکے ست
(34) ما ز نعمتہاے او اخواں شدیم
یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم

(25) ہم مسلمان ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ اگر تو کوئی دلیل چاہتا ہے۔ تو ابیکم آیہ 22 : 78 سے حاصل کر۔ (القرآن)۔
(26) قومیں اپنی تقدیریں وطن سے وابستہ کرتی ہیں۔ اور امتوں کی تعمیر نسب پر کرتی ہیں۔
(27) ملت کا اصلی وطن میں دیکھنے کا کیا مطلب ہے۔ ہوا، پانی اور کیچڑ کی عبادت کرنے کا کیا مطلب ہے۔
(28) نسب پر ناز کرنا بے وقوفی ہے۔ اس (نسب) کا حکم بدن پر ہے۔ اور بدن فنا ہونے والا ہے۔
(29) ہماری ملت کی بنیاد دوسری ہے۔ یہ بنیاد ہمارے دلوں کے اندر پوشیدہ ہے۔

در معنی ایں کہ یاس و حزن و خوف ام الخبائث است و قاطع حیات و توحید ازالہ ایں امراض خبیثہ می کند

(1) مرگ را ساماں ز قطع آرزوست
زندگانی محکم از **لا تقنطوا** ست
(2) تا امید از آرزوے پیہم است
نا امیدی زندگانی را سم است
(3) نا امیدی ہمچو گور افشاردت
گرچہ الوندی ز پا می آوردت

(30) ہم خود حاضر ہیں (موجود ہیں) لیکن دل کا معاملہ غائب (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ ہے۔ اسی وجہ سے ہم اس اور اس کی قید سے آزاد ہیں۔ (یعنی ہم وطن اور نسب کی قید

سے مطلقاً آزاد ہیں)۔

(31) اس قوم کا تعلق ستاروں کی مانند ہے۔ یہ تعلق نگاہ کی وجہ سے ہماری نگاہ سے گم ہے۔

(32) ہم ایک ہی ترکش (تیردان) کے تیز پیکان والے تیر ہیں۔

ہم ایک دکھانے والے' ایک دیکھنے والے اور ایک سوچنے والے ہیں۔ یعنی ہماری سوچ اور اظہار ایک ہی ہے۔

(33) ہمارا مدعا بھی ایک ہے۔ اور ہمارا مقصد بھی یکساں ہے۔

ہمارا انداز خیال اور طرز اظہار ایک ہی ہے۔

(34) ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھائی بھائی بنے ہوئے ہیں۔ 103.3 (القران)۔

ہم اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے یک زبان' یک دل اور یک جان ہو گئے ہیں۔ (کاش موجودہ مسلمان اس طرح ہو جائیں)۔

اس بیان میں۔ کہ نا امیدی' غم اور خوف برائی کی جڑیں ہیں اور زندگی کے تعلق کو کاٹنے والے ہیں توحید خداوندی ان برائیوں کو دور کرتی ہے

(1) خواہشات کو چھوڑ دینا موت کا سامان کرنا ہے۔

انسانی زندگی لاتقنطوا (تم ناامید نہ ہو) سے محکم ہے۔ (القران)۔

(2) لگاتار کوشش سے امید قائم رہتی ہے۔

ناامیدی زندگی کے لئے قتل کرنے والا زہر ہے۔

(3) ناامیدی تجھے قبر کی طرح بھیجتی ہے۔

اگر تو کوہ الوند بھی ہو۔ تو یہ تجھے گرا دیتی ہے۔

(4) ناتوانی بندۂ احسان او
نامرادی بستۂ دامان او

(5) زندگی را یاس خواب آور بود
ایں دلیل سستی عنصر بود

(6) چشم جاں را سرمہ اش اعمیٰ کند
روز روشن را شب یلدا کند

(7) از دمش میرد قوائے زندگی
خشک گردد چشمہ ہائے زندگی

(8) خفتہ با غم در یک چادر است
غم رگ جاں را مثال نشتر است

(9) اے کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیم **لا تحزن** بگیر

(10) ایں سبق صدیقؓ را صدیق کرد
سرخوش از پیمانہ تحقیق کرد

(11) از رضا مسلم مثال کوکب است
در رہ ہستی تبسم بر لب است

(12) گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

(13) قوت ایماں حیات افزایدت
ورد **لا خوف علیهم** بایدت

(14) چوں **کلیمے** سوے فرعونے رود
قلب او از **لا تخف** محکم شود

(15) بیم غیر اللہ عمل را دشمن است
کاروان زندگی را رہزن است

(16) عزم محکم ممکنات اندیش ازو
ہمت عالی تامل کیش ازو

(17) تخم او چوں در **گلت** خود را نشاند
زندگی از خود نمائی باز ماند

(18) فطرت او تنگ تاب و سازگار
باد لرزان و دست رعشہ دار

(4) ناتوانی اور کمزوری نا امیدی ہی کی لونڈیاں ہیں۔
نامرادی اور ناکامی اس (نا امیدی) کے دامن میں بندھی ہوئی ہے۔

(5) نا امیدی زندگی کو سلا دیتی ہے۔
اور یہ عناصر کی سستی کی دلیل ہے۔

(6) نا امیدی کا سرمہ جان کی آنکھوں کو اندھا کر دیتا ہے۔
روشن دن کو سیاہ رات میں تبدیل کر دیتی ہے۔

(7) اس کے دم (پھونک) سے زندگی کے قویٰ مردہ ہو جاتے ہیں۔
اور زندگی چشموں کو خشک کر دیتی ہے۔ (نا امیدی)۔

(8) نا امیدی غم کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوئی رہتی ہے۔
غم جان کی رگوں کے لئے نشتر کی طرح ہے۔

(9) اے مخاطب! تو غم کے قید خانے میں قیدی بنتا ہے۔
تو رسول کریمؐ سے **لا تحزن** کی تعلیم حاصل کیجئے۔
(**لا تحزن** قرآن پاک کی آیہ کریمہ ہے۔ یہ الفاظ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غار ثور میں فرمائے تھے)۔

(10) اس سبق نے حضرت

ابو بکرؓ کو صدیق بنا دیا۔

اور آپ کو پیمانہ تحقیق سے مست کر دیا۔

(11) اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے سے مسلم کی مثال ستارے جیسی ہے۔

اور زندگی کی راہ میں ہمیشہ اس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے۔

(12) اگر تیرا خدا ہے۔ یعنی تیرا خداوند تعالیٰ پر ایمان ہے۔ تو غم سے آزاد ہو جا۔

زیادتی (نفع) اور کمی (نقصان) کے خیالات کو ترک کر کے آزاد ہو جا۔

(13) ایمان کی طاقت تیری زندگی بڑھائے گی۔

اس لئے تجھے **لا خوف علیھم** (ان پر کوئی خوف نہیں ہے۔ القرآن) کا ورد کرنا چاہئے۔

(14) (خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے) مسلم حضرت موسیٰؑ کی طرح فرعون کی طرف جاتا ہے۔

تو اس کا دل **لا تخف** (تو خوف نہ کر) محکم ہوتا ہے۔

(15) اللہ تعالیٰ کے سوا کا خوف عمل کے لئے دشمن ہوتا ہے۔

اور زندگی کے قافلے کے لئے راہ زن اور ڈاکو ہوتا ہے۔

(16) اس کا پختہ ارادہ ممکنات کے بارے میں سوچتا ہے۔

اور بلند ہمتی کا طریق سوچ اور بچار ہو جاتا ہے۔

(17) اللہ تعالیٰ کے سوا کا خوف جب تیری مٹی میں تخم ریزی کرتا ہے۔

تو زندگی اپنے آپ کو ظاہر کرنے سے رک جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف ہی انسان کو مکمل انسان بناتا ہے۔ مومن کے دل میں غیر اللہ کا خوف ہرگز نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہی انتہائی عقل مندی ہے۔

راس الحکمتہ مخافتہ اللہ۔ دانائی اور عقل مندی کی چوٹی اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ لازم ہے۔ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتا رہے۔

(18) اس کی فطرت تنگ تاب ہو جاتی ہے۔ اور وہ

کمزور اور کانپنے والے دل اور رعشہ دار ہاتھ کی طرح ہو جاتا ہے۔ (یعنی دل کمزور ہو جاتا ہے۔ اور ہاتھوں میں سکت نہیں رہتی۔

(19) دزدد از پا طاقت رفتار را
میرباید از دماغ افکار را

(20) دشمنت ترسان اگر بیند ترا
از خیابانت چو گل چیند ترا

(21) ضرب تیغ او قوی تر می فتد
هم نگاهش مثل خنجر می فتد

(22) بیم چون بند است اندر پای ما
ورنه صد سیل است در دریای ما

(23) بر نمی آید اگر آهنگ تو
نرم از بیم است تار چنگ تو

(24) گوش تابش ده که گردد نغمه خیز
بر فلک از ناله آرد رستخیز

(25) بیم جاسوس است از اقلیم مرگ
اندرونش تیره مثل میم مرگ

(26) چشم او برهم زن کار حیات
گوش او بند گیر اخبار حیات

(27) هر شر پنهان که اندر قلب تست
اصل او بیم است اگر بینی درست

(28) لابه و مکاری و کین و دروغ
این همه از خوف می گیرد فروغ

(29) پردهٔ زور و ریا پیراهنش
فتنه را آغوش مادر دامنش

(30) زانکه از همت نباشد استوار
می شود خوشنود با ناسازگار

(31) هر که رمز مصطفیٰ فهمیده است
شرک را در خوف مضمر دیده است

(19) خوف اس کے پاؤں سے چلنے کی رفتار چرا لیتا ہے۔ اور اس کے دماغ سے اعلیٰ افکار کو چھین لیتا ہے۔

(20) جب دشمن تجھے ڈرنے والا پاتا ہے۔ (یعنی خوف زدہ دیکھتا ہے)۔ تو کیاری سے پھول کی طرح توڑ لیتا ہے۔

(21) (تو پھر) خوف کی ضرب بھی تجھ پر بڑے زور سے پڑتی ہے۔ بلکہ اس کی نگاہ بھی خنجر کی طرح کا اثر پیدا کرتی ہے۔

(22) خوف جب تک ہمارے پاؤں کی بیڑی بنا ہوا ہے۔ اس وقت تک ہماری ہمت کی راہ میں سینکڑوں سیلاب ہیں۔

(23) اگر تیرے ساز سے آواز نہیں آتی۔ تو اس کا مطلب ہے۔ کہ خوف کی وجہ سے اس کا تار نرم پڑ گیا ہے۔

(24) اس ساز کے تار کو اچھی طرح کسیے۔ تاکہ نغمہ پیدا ہو۔ اور اس کا نالہ آسمان پر بھی قیامت بپا کردے۔

محاورہ تیر و شمشیر

(1) سر حق تیر از لب سوفار گفت
تیغ را در گرمی پیکار گفت

(25) خوف موت کی ولدیت کا جاسوس ہے۔
اور اس کا دل مرگ کے میم کی طرح تاریک ہے۔
(26) خوف کی آنکھیں زندگی کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔
اور اس کے کان زندگانی کی بڑی بڑی خبریں چرا لے جاتے ہیں۔ (بز گیر چور مراد ہے۔ لفظی ترجمہ بکری پکڑنے والا ہے)۔
(27) ہر برائی جو تیرے دل کے اندر پوشیدہ ہے۔
اگر تو غور سے دیکھے۔ تو اس کی بنیاد خوف ہی ہے۔ (اصل۔ جڑ)۔
(28) خوش آمد، مکر و فریب، کینہ اور جھوٹ۔
یہ تمام خوف سے ہی فروغ حاصل کرتے ہیں۔
(29) خوف کا پیراہن مکر و فریب اور ریاکاری کا پردہ ہے۔
اور اس کا دامن فتنے کے لئے ماں کی گود کی حیثیت رکھتا ہے۔
(30) اس لئے کہ جو کوئی ہمت سے محکم نہیں ہوتا۔
وہ ناسازگار چیزوں سے بھی بخوشی موافقت کر لیتا ہے۔
(31) جو کوئی آدمی حضرت رسول اکرمؐ کی رمز میں سمجھ گیا ہے۔
تو اس نے شرک خداوندی کو خوف کے اندر پوشیدہ دیکھا ہے۔

تیر اور تلوار کی باہمی گفتگو

(1) تیر نے اپنے سوفار کی زبان سے یہ بات کہی ہے۔ (سوفار: تیر کا پچھلا حصہ مراد ہے)۔
اور تلوار کو گھمسان کے رن کے اندر کہا۔

(2) اے پرِما جوہر اندر قاف تو
ذوالفقار حیدرؓ از اسلاف تو

(3) قوت بازوے خالدؓ دیدۂ
شام را بر سر شفق پاشیدۂ

(4) آتش قہر خدا سرمایہ ات
جنت الفردوس زیر سایہ ات

(5) در ہوایم یا میان ترکشم
ہر کجا باشم سراپا آتشم

(6) از کماں آیم چو سوے سینہ من
نیک می بینم بہ توے سینہ من

(7) گر نباشد درمیاں قلب سلیم
فارغ از اندیشہاے یاس و بیم

(8) چاک چاک از نوک خود گردانمش
نیمہ از موج خوں پوشانمش

(9) در صفاے او ز قلب مومن است
ظاہرش روشن ز نور باطن است

(10) از تف او آب گردد جان من
ہمچو شبنم می چکد پیکان من

حکایت شیر و شہنشاہ عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ

(1) شاہ عالمگیر گردوں آستاں
اعتبار دودمان گورگاں

(2) پایہ اسلامیاں برتر ازو
احترام شرع پیغمبرؐ ازو

(3) درمیان کارزار کفر و دیں
ترکش ما را خدنگ آخریں

(4) تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

(5) شمع دل در سینہ ہا روشن نبود
ملت ما از فساد ایمن نبود

(2) اے تیرے کوہ قاف میں پریوں کے جوہر ہیں۔ اور حضرت علیؓ کا ذوالفقار بھی تیرے باپ دادا میں سے تھا۔

(3) کیا تو نے حضرت خالدؓ کے بازو کی ہمت بھی دیکھی ہے۔ جنہوں نے ملک شام پر خون کی سرخی پھیلائی ہے۔

(4) تیرا سرمایہ خداوند تعالیٰ کے قہر کی آگ ہے۔ یہ تیرا ایک پہلو ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ جنت الفردوس تیرے سائے کے نیچے ہے۔

(5) (تیر کہتا ہے)' اگر میں فضاء میں اڑ رہا ہوں۔ یا تیروان میں پڑا ہوا ہوں۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں۔ سر سے لے کر پاؤں تک آگ ہی آگ ہوں۔

(6) میں جب کمان سے دشمن کے سینے کی طرف آتا ہوں۔ تو میں اس کے سینے کی طرف اچھی طرح دیکھ لیتا ہوں۔

(7) اگر اس کے پاس ایسا قلب سلیم نہ ہو۔ جو یاس و بیم سے فارغ ہو۔

(8) میں اسے اپنی نوک سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہوں۔ اور اس کو خون کی موجوں سے نیمہ (مراد لباس) پہنا دیتا ہوں۔ (نیمہ: لباس جو آدھے جسم کو ڈھانپتا ہے۔ جیسے صدری وغیرہ)۔

(9) اگر اس کے اندر مومن کے دل کی صفائی ہو۔
اور اس کا ظاہر باطن کے نور سے روشن ہو۔

(10) تو اس کی گرمی سے میری جان پانی پانی ہو جاتی ہے۔
اور اوس کی طرح میرے پیکان سے ٹپک جاتی ہے۔

شہنشاہ عالمگیرؒ (اورنگ زیب) اور شیر کی کہانی

(1) آسماں کے مرتبے والا شہنشاہ عالمگیر
جو تیمور کے خاندان کے لئے باعث فخر ہے۔

(2) اہل اسلام کا مرتبہ اس کی وجہ سے برتر تھا۔ یعنی اسلام کی توقیر بڑھی۔
اور رسول کریمؐ کی شریعت کا احترام قائم ہوا۔

(3) کفر اور دین اسلام کی جنگ میں
ہمارے تیردان میں آپ (عالمگیر) آخری تیر تھے۔

(4) بے دینی کا بیج جو اکبر نے بویا۔ (جلال الدین اکبر)
وہ دوبارہ دارا کی فطرت سے پھوٹا۔

(5) سینے کے اندر دلوں کی شمعیں بجھ چکی تھیں۔
اور ہماری ملت فتنہ و فساد سے بے خوف نہ تھی۔

(6) حق گزید از ہند عالمگیر را
آں فقیر صاحب شمشیر را

(7) از پے احیاے دیں مامور کرد
بہر تجدید یقیں مامور کرد

(8) برق تیغش خرمن الحاد سوخت
شمع دیں در محفل ما بر فروخت

(9) کور ذوقاں داستانہا ساختند
وسعت ادراک او نشناختند

(10) شعلہ توحید را پروانہ بود
چوں براہیمؑ اندریں بتخانہ بود

(11) در صف شاہنشاہاں یکتاستے
فقر او از تربتش پیداستے

(12) روزے آں زینندۂ تاج و سریر
آں سپہدار و شہنشاہ و فقیر

(13) صبحگاہاں شد بہ سیر بیشہ
با پرستارے وفا اندیشہ

(14) سرخوش از کیفیت باد سحر
طائراں تسبیح خواں بر ہر شجر

(15) شاہ رمز آگاہ شد محو نماز
خیمہ بر زد در حقیقت از مجاز

(16) شیر ببر آمد پدید از طرف دشت
از خروش او فلک لرزندہ گشت

(17) بوے انساں دادش از انساں خبر
پنجہ عالمگیر را زد بر کمر

(18) دست شہ نادیدہ خنجر بر کشید
شرزہ شیرے را شکم از ہم درید

(19) دل بخود راہے نداد اندیشہ را
شیر قالیں کرد شیر بیشہ را

(20) باز سوے حق رمیداں ناصبور
بود معراجش نماز با حضور

(6) اللہ تعالیٰ نے ہندوستان سے عالمگیر کو منتخب فرمایا۔ وہ (عالمگیر) فقیر تھا۔ لیکن صاحب شمشیر تھا۔

(7) دین کو زندہ کرنے کے لئے اسے مامور فرمایا۔ اور یقین کی تجدید کے لئے مامور فرمایا۔

(8) اس کی تلوار کی بجلی نے بے دینی کے کھلیان کو جلا دیا۔ اور ہماری محفل میں دین (اسلام) کی شمع روشن کی۔

(9) بد مذاق لوگوں نے اس کے بارے میں کئی کہانیاں گھڑ لیں۔ وہ جاہل اس کے ادراک کی وسعت کو سمجھ نہ سکے۔

(10) وہ توحید کے شعلوں کے لئے پروانہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور وہ ہندوستان کے بت خانے میں حضرت ابراہیم کی حیثیت رکھتے تھے۔

(11) وہ بادشاہوں اور شہنشاہوں میں یگانہ ہیں۔ ان کا فقر ان کی قبر سے ظاہر ہوتا ہے۔

٭

(12) ایک دن وہ جو تاج و تخت کو زیب دینے والے تھے۔
سپہ سالار بھی تھے۔ اور شہنشاہ اور فقیر بھی تھے۔
(13) صبح کے وقت جنگل کی سیر کو نکلے۔ جب کہ
ان کے ساتھ ایک وفادار ساتھی بھی تھا۔
(14) صبح کی ہوا کی کیفیت سے (جنگل کے پرندے)
ہر درخت پر سرمست ہو کر حمد سرائی کر رہے تھے۔
(15) دین کی رمزوں سے واقف بادشاہ محو نماز ہوتے۔ تو
بادشاہ نے حقیقت میں مجاز سے اکھیڑ کر خیمہ لگایا۔ (مجاز سے حقیقت کی طرف آئے)۔
(16) جنگل کی طرف سے ایک شیر ببر نکلا۔
اس کی دھاڑ پکار سے آسمان پر لرزہ طاری ہو گیا۔
(17) انسان کی بو نے اسے (شیر) انسان کے موجود ہونے کی خبر دی۔
تو شیر نے عالمگیر کی کمر پر پنجہ مارا۔
(18) بادشاہ نے اسے دیکھے بغیر خنجر نکالا۔
اور مست شیر کا پیٹ چاک کر دیا۔
(19) بادشاہ نے اپنے دل میں خوف کو راہ نہ دی۔
جنگل کے شیر کو قالین کا شیر بنا دیا۔
(20) پھر وہ حق پر شیدا ہونے والا حق پر متوجہ ہوا۔
اس کی یہ باحضور نماز معراج کی حیثیت رکھتی تھی۔

(21) ایں چنیں دل خود نما و خود شکن
دارد اندر سینہ مومن وطن

(22) بندۂ حق پیش مولیٰ لاستے
پیش باطل از نعم برجاستے

(23) توہم اے ناداں دلے آور بدست
شاہدے را محملے آور بدست

(24) خویش را در باز و خود را باز گیر
دام گستر از نیاز و ناز گیر

(25) عشق را آتش زن اندیشہ کن
روبہ حق باش و شیری پیشہ کن

(26) خوف حق عنوان ایمان است و بس
خوف غیر از شرک پنہان است و بس

(21) مومن کے سینے میں اسی قسم کا خود نما اور خود شکن دل ہوتا ہے۔

(22) اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل رکھنے والے انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے لا (خود شکن) ہوتا ہے۔ اور باطل کے سامنے (نعم) خود نما ہوتا ہے۔

(23) اے بے وقوف تو بھی ایسا دل پیدا کر۔ جو کہ محبوب (حق تعالیٰ) کا محمل ہو۔

رکن دوم

رسالت

(1) تارک آفل براہیم خلیلؑ
انبیا را نقش پائے او دلیل

(2) آں خدائے لم یزل را آیتے
داشت در دل آرزوئے ملتے

(3) جوئے اشک از چشم بیخوابش چکید
تا پیام طہر بیتی شنید

(4) بہر ما ویرانہ آباد کرد
طائفاں را خانہ بنیاد کرد

(5) تا نہال تب علینا غنچہ بست
صورت کار بہار ما نشست

(6) حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
وز رسالت در تن ما جاں دمید

(7) حرف بے صوت اندریں عالم بدیم
از رسالت مصرع موزوں شدیم

(24) اپنے آپ کو قربان کر دے۔ اور اپنے آپ کو حاصل کر لے۔ نیاز (عاجزی) کا جال لگا کر ناز کو شکار کر۔

(25) عشق خداوندی سے اپنے اندیشوں کو جلا دے۔ اللہ تعالیٰ کی لومڑی بن کر شیروں کا عمل اختیار کر۔

(26) ایمان کا عنوان اللہ تعالیٰ کا خوف ہی ہے۔ اور بس اللہ تعالیٰ کے سوا کا خوف ہی شرک کا درجہ رکھتا ہے۔ اور بس

دوسرا رکن (ستون)

رسول ہونا

رسالت سے مراد وہ مقصد ہے۔ جو پیغمبر صاحبان بذریعہ وحی لوگوں کی ہدایت کے لئے سرانجام دیتے ہیں۔ رسول کا لفظی ترجمہ قاصد ہے۔

(1) غروب ہونے والے کو ترک کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ آپ کا لقب خلیل اللہ ہے۔

جن کے پاؤں کے نقوش نبیوں کو راستہ دکھانے والے ہیں۔

(2) وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔

اور وہ اپنے دل میں ایک ملت کی خواہش رکھتے تھے۔

(3) ان بے خواب آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ نکلیں۔

تب جا کر انہوں نے طهر بیتی (میرے گھر کو پاک رکھ) کا پیغام سنا۔

(4) ہمارے لئے انہوں نے ایک جنگل آباد کیا۔

طواف کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کی از سرِ نو تعمیر کی (بنیاد رکھی)۔

(5) تب جا کر تب علینا (ہم پر رجوع کیجئے۔ توبہ قبول کیجئے) کے درخت سے ایک کلی پھوٹی۔

اور ہماری بہار کی صورت آراستہ ہوئی۔

(6) اللہ تعالیٰ نے ہمارا یعنی ہماری ملت کا پیکر (ڈھانچہ) پیدا فرمایا۔

اور رسالت کی وجہ سے ہمارے وجود میں روح پھونکی گئی۔

(7) ہم اس دنیا میں بے آواز حرف تھے۔

رسالت کی وجہ سے ہم کو موزوں مصرع بنا دیا۔

(8) از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما

(9) از رسالت صد ہزار ما یک است
جزو ما از جزو ما لاینفک است

(10) آں کہ شان اوست یھدی من یرید
از رسالت حلقہ گرد ما کشید

(11) حلقۂ ملت محیط افزاستے
مرکز او وادی بطحاستے

(12) ما ز حکم نسبت او ملتیم
اہل عالم را پیام رحمتیم

(13) از میان بحر او خیزیم ما
مثل موج از ہم نمی ریزیم ما

(14) امتش در حرز دیوار حرم
نعرہ زن مانند شیراں در اجم

(15) معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیق اگر

(16) قوت قلب و جگر گردد نبیؐ
از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

(17) قلب مومن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الورید ملت است

(18) دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از باد خزاں افسردن است

(19) زندگی قوم از دم او یافت است
ایں سحر از آفتابش تافت است

(20) فرد از حق ملت ازوے زندہ است
از شعاع مہر او تابندہ است

(21) از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

(22) کثرت ہم مدعا وحدت شود
پختہ چوں وحدت شود، ملت شود

(8) رسالت سے ہی اس دنیا میں ہماری پیدائش ہوئی۔ (ہمارا وجود رسالت سے ہی قائم ہے)۔

(9) رسالت ہی کی وجہ سے ہم سو ہزار (لاکھوں) بھی ہو کر ایک ہیں۔ ہمارا ایک جزء دوسرے جزء سے جدا ہونے والا نہیں ہے۔

(10) حق تعالی جس کی شان یہ ہے۔ جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں۔ (یھدی من یرید)۔ رسالت کی وجہ سے ہمارے گرد ایک حلقہ بنا دیا۔

(11) ہماری ملت کا حلقہ ایک بڑھنے والا سمندر ہے۔ جس کا مرکز بطحا کی وادی ہے۔ (بیت اللہ شریف مراد ہے)۔

(12) ہم رسول کریمؐ کی نسبت کے حکم ایک ملت ہیں۔ اور ہم دنیا والوں کے لئے رحمت کا پیغام ہیں۔

(13) ہم رسالت کے سمندر سے پیدا ہوئے ہیں۔ (اٹھے ہیں)۔ اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

*

(14) آپؐ کی امت خانہ کعبہ کی پناہ میں ہے۔
اور اس طرح ہم شیروں کی طرح جنگل میں نعرہ زنی کرتے ہیں۔ (اجم اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں شیر رہتے ہیں۔ یہ شعر یعنی "امتش__________ در اجم" قصیدہ بردہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

احل امتہ فی حرز ملتہ کاللیث حل مع الاشبال فی الاجم

ترجمہ: اپنی امت کو اپنی ملت کے قلعہ میں ایسا لے لیا ہے۔ جیسے شیر اپنے بچوں کو نیستان میں۔

(15) اگر تو میرے حرف (میری بات) کی تحقیق کرے۔
اور اگر تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھ سے دیکھے۔

(16) تو نبیؐ دل اور جگر کی طاقت بن جاتے ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب تیرے ہو جاتے ہیں۔

(17) آپؐ پر نازل شدہ کتاب (قران پاک) مومن کے دل کے لئے طاقت اور قوت ہے۔
اور آپؐ کی باریک حکمت آمیز باتیں ملت کے لئے شاہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(18) آپؐ کا امن چھوڑ دینا موت کو دعوت دینا ہے۔
یہ اس طرح ہے۔ جیسے پھول باد خزاں سے مرجھا جائے۔

(19) قوم نے اگر زندگی حاصل کی ہے۔ تو آپؐ کے دم قدم سے۔
اور ملت کی صبح آپؐ کے سورج سے روشن ہوئی ہے۔

(20) فرد اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے زندہ ہے۔ اور ملت آپؐ کے ساتھ تعلق کی بنا پر زندہ ہے۔
اور آپ کے آفتاب کی کرنوں سے تاباں ہے۔

(21) ہم رسالت کی وجہ سے ہم نوا، ہم نفس
اور ہم مدعا ہوئے ہیں۔

(22) ہم مدعا کثرت بھی وحدت ہو جاتی ہے۔
وحدت جب پختہ ہو جاتی ہے۔ تو ملت کی شکل اختیار کرتی ہے۔

(23) زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است
وحدت مسلم ز دین فطرت است

(24) دین فطرت از نبیؐ آموختیم
در رہ حق مشعلے افروختیم

(25) ایں گہر از بحر بے پایان اوست
ما کہ یکجانیم از احسان اوست

(26) تا نہ ایں وحدت ز دست ما رود
ہستی ما با ابد ہمدم شود

(27) پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد

(28) رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

(29) خدمت ساقی گری با ما گذاشت
داد ما را آخریں جامے کہ داشت

(30) لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردۂ ناموس دین مصطفیؐ است

(31) قوم را سرمایہ قوت ازو
حفظ سر وحدت ملت ازو

(32) حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تا ابد اسلام را شیرازہ بست

(33) دل ز غیر اللہ مسلماں بر کند
نعرۂ لا قوم بعدی می زند

(23) ہر کثرت وحدت کی بنا پر زندہ ہے۔ مسلمانوں کی وحدت دین فطرت یعنی اسلام میں ہے۔

(24) ہم نے فطرت کا دین نبیؐ سے سیکھا ہے۔ اور حق کے راستے میں ایک مشعل فروزاں کی ہے۔

(25) یہ (دین فطرت) رسول کریمؐ کے بے حد و کنار سمندر کا موتی ہے۔ یہ انؐ کا ہی احسان ہے۔ کہ ہم یک جان ہوئے ہیں۔

(26) جب تک یہ وحدت ہمارے ہاتھ سے چھوٹتی نہیں ہے۔ اس وقت تک ہمارا وجود ابد تک قائم ہے۔

در معنی ایں کہ مقصود رسالت محمدیہؐ تشکیل و تاسیس حریت و مساوات و اخوت بنی نوع آدم است

(27) اللہ تعالیٰ نے ہم پر شریعت ختم کردی۔ اور ہمارے رسول اکرمؐ پر رسالت ختم کردی۔

(1) بود انساں در جہاں انساں پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست

(2) سطوت کسریٰ و قیصر رہزنش
بندہا در دست و پا و گردنش

(28) ہماری ہی وجہ سے دنیا کی محفل قائم ہے۔
آپ رسولوں کو ختم کرنے والے ہیں اور ہم قوموں کے خاتم ہیں۔

(29) خداوند کریم نے ساقی گری کی خدمت ہمارے سپرد کی ہے۔
اور ہم کو آخری ہدایت کا پیالہ عطا کیا ہے۔

(30) میرے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک ہے۔
اسی طرح دین مصطفیٰ کا پردہ ناموس قائم ہے۔ یعنی دین مصطفیٰ کا تحفظ ہے۔

(31) قوم کے لئے یہی چیز سرمایہ قوت ہے۔
اور وحدت ملت کے بھید کی حفاظت اسی سے قائم ہے۔

(32) اللہ تعالیٰ نے ہر دعویٰ باطل کو شکست کر دیا ہے۔
اور قیامت تک اسلام کی شیرازہ بندی کر دی ہے۔

(33) مسلمان نے اللہ تعالیٰ کے سوا سے دل اٹھا لیا ہے۔
اور میرے بعد کوئی قوم نہیں کا نعرہ لگاتا ہے۔

ان اشعار میں بھی قصیدہ بردہ کا حوالہ موجود ہے۔ جو ملت کی بزرگی کی دلیل ہے۔

لما دعیٰ اللہ داعینا لطاعتہ باکرم الرسل کنا اکرم الامم

ترجمہ: جب بلایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے بلانے والے کو اپنی عبادت کو۔
تو ان کو پیغمبروں کا بزرگ ترین کیا۔ اور ہم امتوں کے بزرگ ترین ہوئے۔

اس بیان میں کہ حضرت محمدؐ کی رسالت کا مقصد بنی نوع انسان کی آزادی۔ مساوات (برابری) اور بھائی چارے کو شکل دینا اور بنیاد رکھنا ہے

(1) انسان دنیا میں انسان کی پوجا کرتا ہے۔
سارے انسان ناکس بغیر کسی ہستی کے کمزور انسان تھے۔

(2) ایران کے بادشاہ کی شان و شوکت اور روم کے شہنشاہ کی عظمت نے راہ زن بن کر ان کی گردن، ہاتھ اور پاؤں کو بیڑیوں سے جکڑا ہوا تھا۔

(3) کاہن و پاپا و سلطان و امیر
بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر

(4) صاحب اورنگ و ہم پیر کنشت
باج بر کشت خراب او نوشت

(5) در کلیسا اسقف رضواں فروش
بہر ایں صید زبوں دامے بدوش

(6) برہمن گل از خیابانش ببرد
خرمنش مغ زادہ با آتش سپرد

(7) از غلامی فطرت او دوں شدہ
نغمہ ہا اندر نے او خوں شدہ

(8) تا امینے حق بحقداراں سپرد
بندگاں را مسند خاقاں سپرد

(9) شعلہ ہا از مردہ خاکستر کشاد
کوہکن را پایہ پرویز داد

(10) اعتبار کارنداں را فزود
خواجگی از کار فرمایاں ربود

(11) قوت او ہر کہن پیکر شکست
نوع انساں را حصار تازہ بست

(12) تازہ جاں اندر تن آدم دمید
بندہ را باز از خداونداں خرید

(13) زادن او مرگ دنیائے کہن
مرگ آتش خانہ و دیر و شمن

(14) حریت زاد از ضمیر پاک او
ایں مے نوشیں چکید از تاک او

(15) عصر نو کایں صد چراغ آوردہ است
چشم در آغوش او وا کردہ است

(16) نقش نو بر صفحہ ہستی کشید
امتے گیتی کشائے آفرید

(17) امتے از ما سوا بیگانہ
بر چراغ مصطفیٰ پروانہ

(3) کہیں غیب کی خبریں بتانے والے کاہن، کہیں پاپائے اعظم، کہیں سلطان اور امیر تھے۔
ایک شکار کے لئے سینکڑوں شکاری تھے۔

(4) تاج و تخت کا مالک بادشاہ اور پیر کنشت (مذہبی رہنما اور خانقاہی پیر مراد ہے) دونوں
انسانیت کی اجڑی ہوئی کھیتی پر لگان لگاتے تھے۔

(5) گرجاؤں میں بہشت کے پروانے بیچنے والے لاٹ پادری
اس کمزور شکار کے لئے
اپنے کندھوں پر جال اٹھائے پھرتے تھے۔

(6) برہمنوں نے بھی اس کمزور انسان کی کیاری سے پھول توڑ لئے تھے۔
اور مغ زادوں (آگ کے پجاریوں کے سردار) نے اس کے کھلیان کو آگ کے سپرد کر دیا تھا۔

(7) غلامی کی وجہ سے اس کی فطرت پست ہو گئی تھی۔ اس کی بانسری کے اندر نغمے خون آلود ہو گئے تھے۔

(8) ان حالات میں رسول کریمؐ کا ظہور پر نور ہوا۔ انہوں نے حقداروں کے سپرد ان کا حق کیا۔
بادشاہوں کے تخت غلاموں کے سپرد کئے۔

ان اشعار میں اسلام سے پہلے کی لادینیت کا ذکر ہے۔ خانقاہی اور پاپائی نظام نے انسانیت کو ذلیل کر دیا تھا۔ انسانوں کو جانوروں سے بھی زیادہ پست خیال کیا جاتا تھا۔ برہمن غیر برہمن کو انسان تک نہیں سمجھتے تھے۔ کفر اور گمراہی کی ان گھنگھور گھٹاؤں میں رسول کریمؐ کا وجود ذی جود بدر منیر کی طرح نہاں تھا۔ آپ نے تشریف لاتے ہی اسلام کا بول بالا کر دیا۔ ہر طرف مساوات اور آزادی کا سبق دے کر دین فطرت کو بلند کر دیا۔ اسلام دین فطرت ہے۔ قیامت تک زندہ رہے گا۔

(9) آپؐ نے انسان کی بجھی ہوئی راکھ سے نئے شعلے پیدا کئے۔
پہاڑ کھودنے والے (فرہاد) کو پرویز (ایران کا بادشاہ) کا درجہ عنایت فرمایا۔

(10) آپؐ نے کام کرنے والے مزدوروں کی توقیر میں اضافہ کیا۔
اور آقاؤں سے خواجہ ہونے کے اختیارات چھین لئے۔

(11) آپؐ کی عظمت اور طاقت نے ہر پرانی شکل کو توڑ دیا۔
اور بنی نوع انسان کے ارد گرد نیا حفاظت کا قلعہ تعمیر کیا۔

(12) حضرت آدمؑ کے وجود (مراد بنی نوع انسان) کے اندر تازہ روح پھونکی۔
غلاموں کو دوبارہ آقاؤں سے خرید لیا۔

(13) آپؐ کا ظہور پر نور پرانی دنیا کے لئے موت ثابت ہوا۔
آتش کدے، بت خانے سب کے سب مٹ گئے۔

(14) آپؐ کے پاک ضمیر سے آزادی پیدا ہوئی۔
اور آپؐ کی انگور کی بیل سے نئی میٹھی شراب وجود میں آئی۔

(15) دور حاضر (جس نے علم کے ہزاروں چراغ روشن کئے) نے
آپؐ ہی کی آغوش عاطفت میں اپنی آنکھیں کھولیں۔

(16) آپؐ نے زندگی کے صفحے پر نیا نقش ثبت کیا۔
اور ایسی امت کو پیدا کیا۔ جس نے دنیا کو فتح کیا۔

(17) وہ ایسی امت جو اللہ تعالیٰ کے سواے ناواقف ہے۔
اور وہ رسول کریمؐ کے چراغ پر پروانوں کی طرح گرتی ہے۔

(18) امتے از گرمی حق سینہ تاب
ذرہ اش شمع حریم آفتاب

(19) کائنات از کیف او رنگیں شدہ
کعبہ ہا بت خانہ ہائے چیں شدہ

(20) مرسلان و انبیا آبائے او
اکرم او نزد حق اتقائے او

(21) کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

(22) نا شکیب امتیازات آمدہ
در نہاد او مساوات آمدہ

(23) ہمچو سرو آزاد فرزندان او
پختہ از **قالوا** بلیٰ پیمان او

(24) سجدۂ حق گل بسیمائش زدہ
ماہ و انجم بوسہ بر پائش زدہ

(18) وہ ایسی امت ہے۔ جس کا سینہ حق کی گرمی سے گرم ہے۔ اس کے ایک ایک ذرے نے حریم آفتاب کی شمع کو روشن کیا ہوا ہے۔ (19) اس امت نے اپنی کیف سے کائنات کو رنگیں کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے چین کے بت خانے کعبوں میں تبدیل ہو گئے۔ (20) اس امت کے آباء و اجداد میں مرسلین اور انبیاء شامل ہیں۔ اور

حکایت بو عبید و جابان در معنی اخوت اسلامیہ

(1) شد اسیر مسلمے اندر نبرد
قائدے از قائدان یزد جرد

(2) گبر باراں دیدہ و عیار بود
حیلہ جو و پر فن و مکار بود

(3) از مقام خود خبردارش نہ کرد
ہم ز نام خود خبردارش نہ کرد

(4) گفت می خواہم کہ جاں بخشی مرا
چوں مسلماناں اماں بخشی مرا

(5) کرد مسلم تیغ را اندر نیام
گفت خونت ریختن بر من حرام

(6) چوں درفش کاویانی چاک شد
آتش اولاد ساساں خاک شد

(7) آشکارا شد کہ جابان است او
میر سر بازان ایران است او

اس امت کے ڈرنے والے لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معززین ہیں۔ (21) تمام مومن آپس میں بھائی ہیں' کا نغمہ اس امت کے دل میں جاگزیں ہے۔ اور آزادی اس کے خمیر میں شامل ہے۔ (22) اس امت کے وجود میں مساوات بسی ہوئی ہے۔ اس لئے دنیوی امتیازات پر اس کو شکیب حاصل نہیں ہے۔

(23) اس امت کے فرزندان سرو کی طرح آزاد ہیں۔
اور قالوا بلیٰ (انہوں نے کہا۔ کیوں نہیں) سے ان کا پیمان مستحکم ہے۔
اسی پیماں کو الست کا پیمان کہتے ہیں۔

(24) اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدوں کی وجہ سے آپ کی پیشانی پر نشانات پھولوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔
چاند اور سورج بھی آپ کے پاؤں کو بوسہ دیتے ہیں۔

جابان اور ابو عبید کے درمیان اخوت اسلامیہ کے بارے میں حکایت

(1) لڑائی کے دوران میں یزدگرد کے سرداروں میں ایک سردار
مسلمانوں کا قیدی بن گیا۔

(2) وہ ایرانی قیدی آگ کا پجاری، چالاک اور مکار تھا۔
حیلہ جو تھا، پرفن اور مکار تھا۔

(3) اس (ایرانی) نے اپنے نام، مقام اور منصب سے مسلم مجاہد کو خبردار نہ کیا۔ (یعنی اپنے متعلق کچھ نہ بتایا)۔

(4) اس نے کہا۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ میری جان بخشی کی جائے۔
مسلمانوں کے طریقے کی طرح مجھے امن دیا جائے۔

(5) مسلمانوں نے اپنی تلواریں میان میں کر لیں۔
اور اس (مسلم مجاہد) نے کہا۔ تیرا خون ہم پر حرام ہے۔

(6) جب ایرانی جھنڈا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔
ساسانیوں کی آگ بجھ گئی (یعنی ایرانیوں کو شکست ہو گئی)۔

(7) بعد میں پتہ چلا۔ کہ وہ ایرانیوں کا سردار جابان ہے۔
اور وہ ایرانی جنگ بازوں کا سردار ہے۔

(8) قتل او از میر عسکر خواستند
از فریب او سخن آراستند

(9) بو عبید آں سید فوج حجاز
در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز

(10) گفت اے یاراں مسلمانیم ما
تار چنگیم و یک آہنگیم ما

(11) نعرہ حیدرؓ نوائے بوذرؓ است
گرچہ از حلق بلالؓ و قنبرؓ است

(12) ہر یکے از ما امین ملت است
صلح و کینش صلح و کین ملت است

(13) ملت ار گردد اساس جان فرد
عہد ملت می شود پیمان فرد

(14) گرچہ جاباں دشمن ما بودہ است
مسلمے او را اماں بخشودہ است

(15) خون او اے معشر خیر الانام
بر دم تیغ مسلماناں حرام

(8) لشکر کے سردار سے اس کے قتل کے بارے میں پوچھا گیا۔ اس کے فریب کی داستان آراستہ کی۔

(9) ابو عبیدہ جو کہ حجاز کی فوجوں کے سردار تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ارادہ لشکر سے بے نیاز ہوتا تھا۔

(10) اس نے کہا۔ اے میرے دوستو۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم سب ایک ہی ساز کے تار ہیں۔ اور ہمارا آہنگ بھی ایک ہے۔

(11) ہم اس نعرے کو حضرت علیؓ اور بوذرؓ کا ہی نعرہ سمجھتے ہیں۔ وہ نعرہ حضرت بلالؓ اور قنبرؓ کے حلق سے ہو۔

(12) ہم میں سے ہر ایک ملت کا امین ہے۔ اس کی طرف سے صلح اور کینہ ملت کے صلح و کینے کے برابر ہے۔

(13) اگر ملت تمام فرد کی بنیاد بن جائے۔

حکایت سلطان مراد و معمار در معنی مساوات اسلامیہ

(1) بود معمارے ز اقلیم خجند
در فن تعمیر نام او بلند

(2) ساخت آں صنعت گر فرہاد زاد
مسجدے از حکم سلطان مراد

(3) خوش نیامد شاہ را تعمیر او
خشمگیں گردید از تقصیر او

(4) آتش سوزندہ از چشمش چکید
دست آں بیچارہ از خنجر برید

(5) جوئے خوں از ساعد معمار رفت
پیش قاضی ناتوان و زار رفت

(6) آں ہنر مندے کہ دستش سنگ سفت
داستان جور سلطان باز گفت

تو فرد کا بیان ملت کا ہی بیان ہوتا ہے۔

(14) اگرچہ جاپان ہمارا دشمن رہا ہے۔
مگر ایک مسلم نے اس کو امان دے دی ہے۔

(15) اے خیر الانام (حضرت محمدؐ) کی امت
اس کا خون مسلمانوں کی تلوار پر حرام ہے۔

اخوت اسلامیہ کے بارے میں سلطان مراد اور ایک معمار کی حکایت

(1) شہر خجند (دریائے سیحوں کے کنارے) ایک معمار تھا۔
جس کا نام تعمیر کے فن میں بہت بلند تھا۔

(2) اس فرہاد کے خاندان سے تعلق رکھنے والے صنعت گر نے
سلطان مراد کے حکم سے ایک مسجد بنائی۔ (تعمیر کی)۔

(3) بادشاہ کو اس کی تعمیر پسند نہ آئی۔
اس لئے وہ (بادشاہ) معمار کی کوتاہی کی وجہ سے غصے میں آگیا۔

(4) بادشاہ کی آنکھ سے غصے کی بنا پر آگ کے انگارے نکلنے لگے۔
اس بے چارے کا ہاتھ خنجر سے کاٹ دیا۔

(5) معمار کی کلائی سے خون کی ندی بہ نکلی۔
ناتوان و زار ہو کر قاضی وقت کے پاس گیا۔ (پیش ہو گیا)۔

(6) وہ ہنر مند ایسا تھا۔ کہ اس کے ہاتھ پتھر پروتے تھے۔
بادشاہ کے ظلم کی داستان (قاضی سے) بیان کی۔

(7) گفت اے پیغام حق گفتار تو
حفظ آئین محمدؐ کار تو
(8) سفتہ گوش سطوت شاہاں نیم
قطع کن از روے قرآں دعویم
(9) قاضی عادل بدنداں خستہ لب
کرد شہ را در حضور خود طلب
(10) رنگ شہ از ہیبت قرآں پرید
پیش قاضی چوں خطا کاراں رسید
(11) از خجالت دیدہ بر پا دوختہ
عارض او لالہ ہا اندوختہ
(12) یک طرف فریادی دعویٰ گرے
یک طرف شاہنشہ گردوں فرے
(13) گفت شہ از کردہ خجلت بردہ ام
اعتراف از جرم خود آوردہ ام
(14) گفت قاضی **فی القصاص** آمد **حیوۃ**
زندگی گیرد بایں قانوں ثبات
(15) عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگیں تر از معمار نیست
(16) چوں مراد ایں آیہ محکم شنید
دست خویش از آستیں بیروں کشید
(17) مدعی را تاب خاموشی نماند
آیہ **بالعدل والاحسان** خواند
(18) گفت از بہر خدا **بخشیدمش**
از براے مصطفیٰؐ **بخشیدمش**
(19) یافت مورے بر سلیمانے ظفر
سطوت آئین پیغمبرؐ نگر
(20) پیش قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

*

(7) اس نے کہا۔ کہ تیری گفتگو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
اور رسول کریمؐ کے آئین کی حفاظت کرنا تیرا کام ہے۔

(8) (قاضی نے کہا) میں بادشاہوں کی شان و شوکت کے کان کی بالی نہیں ہوں۔ یعنی میں بادشاہوں کی عظمت کا غلام نہیں ہوں۔
میرے دعویٰ کا فیصلہ قرآن کریم کی رو سے کیجئے۔

(9) عدل کرنے والے قاضی نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹے۔ اور فوراً
اس نے بادشاہ کو اپنے حضور میں بلایا۔

(10) قرآن کریم کی ہیبت سے بادشاہ کا رنگ اڑ گیا۔
اور گنہگاروں کی طرح بادشاہ قاضی کے سامنے پیش ہوا۔

(11) شرم کی وجہ سے اپنی آنکھیں پاؤں پر جمائے ہوئے تھا۔
اس کے رخسار گلہائے لالہ کی طرح سرخ ہو رہے تھے۔

(12) عدالت میں ایک طرف فریادی اپنا دعویٰ لئے کھڑا تھا۔

اور دوسری طرف آسمان کی شان والا بادشاہ تھا۔

(13) بادشاہ نے کہا۔ کہ مجھے اپنے کئے پر شرم آتی ہے۔
اور اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں۔

(14) قاضی نے کہا۔ کہ بدلہ لینے میں زندگی کا دارومدار ہے۔ (قانون قصاص)
اس قانون سے ہی زندگی ثابت ہوتی ہے۔

(15) مسلم غلام احرار سے کم نہیں ہے۔
بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگدار نہیں ہے۔

(16) جب مراد نے یہ محکم آیت سنی۔
تو اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا۔ (اور آگے بڑھایا)۔

(17) یہ دیکھتے ہوئے مدعی میں تاب خاموشی نہ رہی۔
اس نے عدل اور احسان کی آیہ کریمہ پڑھی۔

(18) معمار نے کہا۔ میں نے خداوند تعالیٰ کے لئے بخشا۔
اور رسول کریمؐ کی خاطر بخشا۔

(19) پیغمبرؐ کے آئین کی شان دیکھئے۔
کہ اس آئین کی بدولت چیونٹی نے سلیمان پر فتح پائی۔

(20) قرآن مجید کی رو سے غلام اور آقا ایک ہیں۔
بوریا پر بیٹھنے والے اور ریشمی تکیوں پر بیٹھنے والے میں کوئی فرق نہیں۔

در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا

اسلامی حریت (آزادی) اور حادثہ کربلا کے بھید کے بارے میں

(1) ہر کہ پیماں با ہوالموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست

(2) مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

(3) عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

(4) عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگاں باز میدان عمل

(5) عشق صید از زور بازو افگند
عقل مکار است و دامے می زند

(6) عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است

(7) آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں کہ آباداں کند

(8) عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

(9) عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریاں از لباس چون و چند

(10) عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن

(11) عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و با خود در حساب

(12) عقل گوید شاد شو، آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

(13) عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را سارباں حریت است

(14) آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

(1) جس کسی نے ہوالموجود (وہ موجود ہے) کے ساتھ پیمان باندھا۔
اس کی گردن ہر معبود کی قید سے آزاد ہو گئی۔

(2) مومن عشق خداوندی سے قائم ہے۔ اور عشق کا وجود مومن کی وجہ سے ہے۔
عشق کے سامنے ہماری ناممکن چیزیں بھی ممکن ہیں۔

(3) عقل تکمیل مقاصد میں خون بہا دیتی ہے۔ اور عشق اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔
عشق پاک تر ہے۔
اپنے عمل میں زیادہ چالاک اور نڈر ہے۔

(4) عقل اسباب اور وجہوں کے چکر میں رہتی ہے۔
اور عشق میدان عمل کا چوگان باز (مراد شہسوار) ہے۔

(5) عشق اپنے بازو کی قوت سے شکار کو گراتا ہے۔

عقل مکار ہے۔ اور شکار کے لئے جال بچھاتی ہے۔

(6) عقل کا سرمایہ خوف اور شک ہے۔
عشق کے لئے ارادہ اور یقین لازم اور ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(7) عقل کی تعمیر کا تعلق ویرانی کے ساتھ ہے۔
عشق کی ویرانی کا عمارت سے تعلق ہے۔

(8) عقل دنیا میں ہوا کی طرح سستی ہے۔
عشق کم یاب ہے۔ اور بہت مہنگا ہے۔ (زیادہ قیمت والا ہے)۔

(9) "عقل کیوں اور کتنا" کی بنیاد سے محکم ہے۔
اور عشق چون وچند کے لباس سے عاری ہے (یعنی چون وچند سے بے نیاز ہے)۔

(10) عقل کہتی ہے۔ کہ اپنے آپ کو پیش کیجئے۔
عشق کہتا ہے۔ کہ اپنا امتحان کیجئے۔ (آزمایئے)۔

(11) عقل غیروں کے ساتھ کسب کی بنا پر آشنائی پیدا کرتی ہے۔
عشق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے ہے۔ اور اپنا محاسبہ خود کرتا ہے۔

(12) عقل کہتی ہے۔ خوش رہو اور آباد رہو۔
عشق کہتا ہے۔ کہ بندہ ہو کر آزاد رہیے۔ (یعنی خداوند تعالیٰ کی غلامی اختیار کر کے دوسروں سے آزاد ہو جایئے)۔

(13) عشق کو حریت میں آرام جان حاصل ہوتا ہے۔
عشق کی ناقہ کے لئے حریت ساربان ہوتا ہے۔

(14) اے مخاطب! کیا تونے وہ سنا ہے۔ کہ میدان جنگ میں
عشق نے ہوس پرور عقل کے ساتھ کیا کیا۔

(15) آں امام عاشقاں پور بتولؓ
سرو آزادے ز بستان رسولؐ

(16) اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

(17) بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

(18) سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی ایں مصرع از مضمون او

(19) درمیان امت آں کیواں جناب
ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب

(20) موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

(21) زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

(22) چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

(23) خاست آں سر جلوۂ خیر الاممؐ
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

(24) بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

(25) تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

(26) بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

(27) مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں ساماں سفر

(28) دشمناں چوں ریگ صحرا لا تعد
دوستان او بہ یزداں ہم عدد

(29) سر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(15) وہ عاشقوں کے پیشوا حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند ارجمند تھے۔ اور رسول کریمؐ کے باغ کے سرو آزاد تھے۔

(16) کیا کہنا! آپ کے پدر بزرگوار کا مرتبہ بسم الرحمٰن الرحیم میں باء کا سا تھا۔ اور بیٹے کا رتبہ **ذبح عظیم** (بڑی قربانی) میں مضمر ہے۔

(17) امت مسلمہ کے اس بہترین شاہزادے کے لئے رسول کریمؐ کے مبارک کندھے سواری تھے۔ (**نعم الجمل**: بہترین اونٹ)۔

(18) آپ کے خون سے غیرت مند عشق سرخ رو ہوا۔ عشق کے مصرعے کی شوخی اسی مضموں (واقعہ کربلا) سے ہے۔

(19) وہ کیوان ستارے کی بارگاہ والے (مراد حضرت حسینؓ) امت کے درمیاں اس طرح ہیں۔ جس طرح قرآن (کتاب) میں سورۃ اخلاص (**قل ھو اللہ احد** .... **کفوا احد**) ہے۔

(20) موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور شبیر (حسینؑ) اور یزید یہ دونوں قوتیں حیات سے ہی ظہور پذیر ہوئیں۔

(21) حق شبیر طاقت سے زندہ ہے۔ اور باطل کا انجام حسرت کی موت ہے۔

(22) جب خلافت نے اپنا تعلق قرآن پاک سے توڑ لیا۔
تو اس نے حریت کے حلق کے اندر زہر ڈال دیا۔

(23) بہترین امت کا وہ بہترین جلوہ اس طرح اٹھا۔
جس طرح قبلے کی طرف سے بارش سے بھرا ہوا بادل۔

(24) کربلا کی زمین پر برس کر کھل گیا۔
جنگل میں گلہائے لالہ کی کاشت کی۔ اور آگے بڑھ گیا۔

(25) آپ نے قیامت تک استبداد کی جڑیں کاٹ دیں۔
اس طرح آپ کے خون کی موجوں نے ایک نیا باغ پیدا کیا۔

(26) آپ حق کی خاطر خاک و خون میں لوٹے۔
پس آپ لا الہ کی بنیاد بن گئے۔

(27) اگر آپ کا مدعا سلطنت ہوتا۔
تو اتنے قلیل سامان کے ساتھ سفر نہ کرتے۔

(28) دشمن صحرا کی ریت کی طرح بے شمار تھے۔
اور آپ کے دوست لفظ یزداں کے اعداد (72) کے برابر تھے۔

(29) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا سر تھے۔
یعنی آپ اس اجمال کی تفصیل ثابت ہوئے۔

(30) عزم او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیر و کامگار

(31) تیغ بہر عزت دین است و بس
مقصد او حفظ آئین است و بس

(32) ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

(33) خون او تفسیر ایں اسرار کرد
ملت خوابیدہ را بیدار کرد

(34) تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

(35) نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

(36) رمز قرآں از حسینؓ آموختیم
زاتش او شعلہ ہا اندوختیم

(37) شوکت شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت

(38) تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

(39) اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک او رساں

(30) آپ کا ارادہ پہاڑوں کی طرح محکم تھا۔
اور آپ کا ارادہ مستقل، عمل کے لئے تیار اور کامیاب تھا۔
(31) تلوار دین کی عزت کے لئے ہے۔ اور بس
اس کا مقصد آئین اسلام کی حفاظت کرنا ہے۔ اور بس
(32) مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا غلام نہیں ہے۔
اس کا سر کبھی فرعون کے سامنے نہیں جھکتا۔
(33) آپ (حضرت حسینؓ) کے خون نے ان بھیدوں کی تفسیر کی۔
اور اپنے عمل سے سوئی ہوئی ملت کو بیدار کیا۔

در معنی ایں کہ چوں ملت محمدیہ موسس بر توحید و رسالت است پس نہایت مکانی ندارد

(1) جوہر ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بجامے بستہ نیست

(2) ہندی و چینی سفال جام ماست
رومی و شامی گل اندام ماست

(3) قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرز و بوم او بجز اسلام نیست

(34) جب آپ نے لا کی تلوار میان سے باہر نکالی۔
تو باطل لوگوں کی رگوں سے خون بہ نکلا۔ (لا: کوئی معبود نہیں ہے)۔

(35) آپ نے الا اللہ (مگر ایک اللہ) کا نقش صحرا کی سرزمیں پر لکھا۔
آپ نے اس طرح ہماری نجات کے عنوان کی سطر رقم فرمادی۔
(36) ہم نے حضرت حسینؓ سے قرآن کی رمزکی باتیں سیکھی ہیں۔
ہم نے ان کی آگ سے آزادی کے شعلے اکٹھے کیے ہیں۔
(37) شام کی شان و شوکت اور بغداد کی عظمت جاتی رہی۔
غرناطہ کی شان و شوکت بھی یاں سے چلی گئی۔
(38) لیکن ہماری زندگی کا ساز ان کی مضراب سے لرزاں ہے۔
اور آپ کی تکبیروں سے ہمارا ایمان تازہ ہے۔
(39) اے باد صبا! اے دور رہنے والوں کی قاصد۔
ان کی خاک پاک (قبر) پر ہمارے آنسو پہنچادے۔

اس بیان میں کہ جب ملت محمدیہؐ کی بنیاد توحید اور رسالت پر ہے تو اس کے مکان کی انتہاء نہیں ہے۔ (لامکان ہے: حدود سے باہر ہے)

(1) ہمارا جوہر کسی ایک مقام کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔
اس کی تند شراب کا کسی جام کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔
(2) ہندی اور چینی ہمارے پیالے کی مٹی ہیں۔
رومی اور شامی ہمارے بدن کی مٹی ہے۔
(3) ہمارے دل کا واسطہ ہند' روم اور شام کے ساتھ نہیں ہے۔
اسلام کے بغیر ہمارا دوسرا کوئی وطن نہیں ہے۔

(4) پیش پیغمبرؐ چو کعب پاک زاد
ہدیہ آورد از بانت سعاد
(5) در ثنایش گوہر شب تاب سفت
سیف مسلول از سیوف الہند گفت
(6) آں مقامش برتر از چرخ بلند
نامدش نسبت با قلیمے پسند
(7) گفت سیف من سیوف اللہ گو
حق پرستی جز براہ حق مپو
(8) ہمچناں آں رازدان جزو و کل
گرد پایش سرمہ چشم رسل
(9) گفت با امت ز دنیائے شما
دوستدارم طاعت و طیب و نسا"
(10) گر ترا ذوق معانی رہنماست
نکتہ پوشیدہ در حرف "شما" ست
(11) یعنی آں شمع شبستان وجود
بود در دنیا و از دنیا نبود
(12) جلوہ او قدسیاں را سینہ سوز
بود اندر آب و گل آدم ہنوز
(13) من ندانم مرز و بوم او کجا ست
ایں قدر دانم کہ باما آشنا ست
(14) ایں عناصر را جہان ما شمرد
خویشتن را میہمان ما شمرد
(15) زانکہ ما از سینہ جاں گم کردہ ایم
خویش را در خاکداں گم کردہ ایم
(16) مسلم استی دل با قلیمے مبند
گم مشو اندر جہان چون و چند
(17) می نگنجد مسلم اندر مرز و بوم
در دل او یاوہ گردد شام و روم
(18) دل بدست آور کہ در پہنائے دل
می شود گم ایں سرائے آب و گل

✽

(4) پیغمبرؐ کے حضور جب حضرتؓ قصیدہ بانت سعاد بطور تحفہ لائے۔

حضرت کعب اسلام لانے سے پیشتر آپؐ کو بہت زیادہ تکلیف دیا کرتے تھے۔ مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد طائف کی طرف بھاگ کر چلے گئے۔ اور آپؐ کی شان میں یہ قصیدہ بانت سعاد لکھ کر پیش کیا۔ اور اپنے پہلے گناہوں پر نادم ہوئے۔ طالب معافی ہو گئے۔ آپؐ نے معاف فرما دیا۔ اور صلے کے طور پر اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔

اس قصیدے میں حضرت کعبؓ نے آنحضورؐ کو ایک شعر میں سیف الھند سے ملقب کیا۔ آپؐ نے ہند کے بجائے اللہ لکھوا دیا۔ یعنی سیف ہند کے بجائے سیف اللہ کہنا چاہئے۔ اس قصیدے کو بھی چادر کی نسبت سے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔ علامہ بوحیری والا قصیدہ ہی قصیدہ بردہ کہلاتا ہے۔

(5) کعبؓ نے آپؐ کی تعریف میں چمکدار موتی پروئے۔ اور آنجنابؐ کو ہندی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی تلوار کہا۔

(6) آپ کا مرتبہ بلند آسمان سے بھی برتر ہے۔
مگر آپ نے کسی ملک کے ساتھ منسوب ہونا پسند نہ فرمایا۔
(7) آپ نے فرمایا۔ اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار کہو۔
تو حق پرست ہے۔ اس لئے حق کے سوا کوئی اور بات نہ کہئے۔
(8) اسی طرح جناب رسول کریم جو کہ جزو اور کل کے رازدان ہیں۔
آپ کے پاؤں کی گرد رسولوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے۔
(9) آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے آپ کی دنیا سے عبادت (نماز) خوشبو اور عورت کا وجود پسند ہے۔
(10) اگر معنوں کا ذوق تیری راہنمائی کرتا ہے۔ تو اس حدیث میں حرف ثما (تم) میں ہی پوشیدہ نکتہ ہے۔ (راز کی بات ہے)۔
(11) آپ شبستان وجود کی شمع تھے۔ لیکن دنیا میں ہوتے ہوئے بھی دنیا سے نہیں تھے۔
(12) آپ کا جلوہ اس وقت بھی فرشتوں کا سینہ جلا رہا تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے۔ (یعنی پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے)۔
(13) میں نہیں جانتا کہ آنجناب کا وطن کہاں ہے۔
صرف اس قدر جانتا ہوں۔ کہ آپ ہم سے آشنائی رکھتے ہیں۔
(14) آپ نے اس جہان کو ہمارا جہاں شمار کیا۔
اور اپنے آپ کو ہمارا مہمان خیال فرمایا۔
(15) چونکہ ہم اپنے سینے سے جان گم کر چکے ہیں۔
اسی وجہ سے ہم دنیا کے خاکدان میں گم ہو گئے ہیں۔
(16) اگر تو مسلم ہے۔ تو دل کسی ملک کے ساتھ وابستہ نہ کر۔
اور اس دنیا کی چند وچوں میں گم نہ ہو۔
(17) مسلم کسی ملک میں نہیں سماتا۔ یعنی کسی ملک کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا۔
بلکہ شام و روم اس کے دل میں گم ہو جاتے ہیں۔
(18) اپنے دل کو قابو میں لا۔ کیونکہ دل کی پہنائیوں میں
پانی اور کیچڑ کا یہ جہاں گم ہو جاتا ہے۔

(19) عقدۂ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود

(20) حکمتش یک ملت گیتی نورد
بر اساس کلمہ تعمیر کرد

(21) تا ز بخششہائے آں سلطان دیں
مسجد ما شد ہمہ روئے زمیں

(22) آں کہ در قرآں خدا او را ستود
آں کہ حفظ جان او موعود بود

(23) دشمناں بے دست و پا از ہیبتش
لرزہ بر تن از شکوہ فطرتش

(24) پس چرا از مسکن آبا گریخت؟
تو گماں داری کہ از اعدا گریخت؟

(25) قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند
معنی ہجرت غلط فہمیدہ اند

(26) ہجرت آئین حیات مسلم است
ایں ز اسباب ثبات مسلم است

(27) معنی او از تنک آبی رم است
ترک شبنم بہر تسخیر یم است

(28) بگذر از گل گلستاں مقصود تست
ایں زیاں پیرایہ بند سود تست

(29) مہر را آزادہ رفتن آبرو ست
عرصہ آفاق زیر پاے او ست

(30) ہمچو جو سرمایہ از باراں مخواہ
بیکراں شو در جہاں پایاں مخواہ

(31) بود بحر تلخ رو یک سادہ دشت
ساحلے و رزید و از شرم آب گشت

(32) بایدت آہنگ تسخیر ہمہ
تا توی باشی فرا گیر ہمہ

(33) صورت ماہی بہ بحر آباد شو
یعنی از قید مقام آزاد شو

*

(19) آپؐ نے مسلم کی قومیت کا عقدہ حل فرما دیا۔ اسی وجہ سے ہمارے آقا نے وطن سے ہجرت فرمائی تھی۔

(20) آپؐ نے کلمہ توحید کی بنیاد پر ایک ہمہ گیر ملت تعمیر فرمائی۔

(21) اس سلطان دین کی بخششوں میں ایک یہ ہے۔ کہ آپؐ نے تمام روئے زمین کو ہمارے لئے مسجد بنا دیا۔

(22) اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں آپؐ کی تعریف فرماتے ہیں۔ کہ آپؐ کی جان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے تھی۔

(23) آپؐ کی ہیبت سے دشمن بے دست و پا ہو جاتے تھے۔ (لرزہ براندام)۔ اور آپؐ کی فطرت کی شان سے ان کے بدن پر کپکپی طاری رہتی تھی۔

(24) آپؐ نے اپنا آبائی وطن کیوں ترک فرمایا۔ کیا تیرا خیال یہ ہے۔ کہ دشمنوں سے بھاگ گئے۔

(25) قصہ بیان کرنے والوں نے ہم سے سچی بات چھپائی ہے۔

وہ ہجرت کے معنے غلط سمجھے ہیں۔

(26) ہجرت کرنا مسلم کی زندگی کا آئین ہے۔
اور مسلم کے اثبات کے اسباب میں سے ایک سبب (ہجرت) ہے۔

(27) ہجرت کے معنی ہیں۔ کہ کم پانی والی جگہ کو چھوڑ دیا جائے۔
شبنم کو چھوڑنا اس لئے ہے۔ کہ سمندر کو مسخر کیا جائے۔

(28) پھول کو چھوڑ دے۔ باغ تیرا مقصد ہے۔
یہ نقصان تیرے فائدے کا پیرایہ بند ہے۔ (مراد پیش خیمہ ہے)۔

(29) سورج کی عزت اسی میں ہے۔ کہ وہ مکانیت سے آزاد ہو۔ تاکہ
سارے جہاں کی وسعت اس کے پاؤں کے نیچے ہو۔

(30) ہنر کی طرح پانی کا سرمایہ بارش سے طلب نہ کر۔
دنیا میں بے کراں ہو کر انتہاء کا طلب گار نہ ہو۔

(31) کڑوے پانی کا سمندر ایک سادہ جنگل تھا۔ (بیاباں)
اس نے ساحل اختیار کیا۔ تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

(32) تیرا ارادہ سب کو فتح کرنے کا ہونا چاہیے۔
تاکہ تو سب کو اپنے اندر سمیٹ لے۔

(33) مچھلی کی طرح سمندر میں آباد ہو۔
یعنی مقام کی قید سے آزاد ہو جا۔

(34) هر که از قید جهات آزاد شد
چوں فلک در شش جهت آباد شد

(34) جو کوئی طرفوں کی قید سے آزاد ہوا۔ وہ آسمان کی طرح چھ طرفوں پر ہی آباد ہو گیا۔

(35) بوئے گل از ترک گل جولانگر است
در فراخائے چمن خود گستر است

(35) پھول کی خوشبو پھول کو چھوڑ کر ہر طرف جولانی کرتی ہے۔ اور باغ کی فراخی میں ہر طرف پھیل جاتی ہے۔

(36) اے که یک جا در چمن انداختی
مثل بلبل با گلے در ساختی

(36) اے وہ آدمی جس نے باغ میں اپنے آپ کو ایک جگہ وابستہ کرلیا ہے۔ اور بلبل کی طرح ایک پھول کے ساتھ دوستی لگا لی ہے۔

(37) چوں صبا بار قبول از دوش گیر
گلشن اندر حلقۂ آغوش گیر

(37) باد صبا کی طرح قبولیت کا بوجھ اپنے کندھوں سے اتار لے۔ اور سارے باغ کو اپنی آغوش میں لے لے۔

(38) از فریب عصر نو هشیار باش
ره فتد اے راهرو هشیار باش

(38) نئے زمانے کے مکر و فریب سے ہوشیار ہو جایئے۔ اس جگہ ہر قدم پر راہ زنی ہوتی ہے۔ ہوش کیجئے۔

در معنی ایں که وطن اساس ملت نیست

(1) آں چناں قطع اخوت کرده اند
بر وطن تعمیر ملت کرده اند

(2) تا وطن را شمع محفل ساختند
نوع انساں را قبائل ساختند

(3) جنتے جستند در بئس القرار
تا احلوا قومهم دار البوار

(4) ایں شجر جنت ز عالم برده است
تلخی پیکار بار آورده است

(5) مردمی اندر جہاں افسانه شد
آدمی از آدمی بیگانه شد

(6) روح از تن رفت و هفت اندام ماند
آدمیت گم شد و اقوام ماند

(7) تا سیاست مسند مذهب گرفت
ایں شجر در گلشن مغرب گرفت

(8) قصه دین مسیحائی فسرد
شعله شمع کلیسائی فسرد

(9) اسقف از بے طاقتی در ماندۀ
مهره ها از کف بروں افشاندۀ

اس بیان میں کہ ملت اسلامیہ کی بنیاد وطن نہیں ہے

(1) اہل مغرب نے بھائی چارے کی جڑیں اس طرح کاٹی ہیں۔
کہ قوم کی تعمیر وطن پر کی ہے۔
(2) جب سے انہوں نے وطن کو محفل کی شمع قرار دیا ہے۔
اس وقت سے نوع انسان مختلف قبیلوں میں بٹ گئی ہے۔
(3) انہوں نے برے قرار (دوزخ) کی جگہ بہشت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔
اس طرح انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر تک پہنچا دیا ہے۔
(4) وطنیت کے اس درخت نے دنیا سے جنت کو نکال دیا ہے۔
اس درخت کا پھل جنگ کی تلخی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ (ہر طرف لڑائی)۔
(5) انسانیت دنیا میں افسانوی حیثیت بن گئی۔
اور آدمی آدمی سے بیگانہ ہو گیا۔
(6) بدن سے روح نکل گئی۔ سات اندام رہ گئے۔ (دو ہاتھ۔ دو پاؤں۔ ایک سر۔ ایک سینہ۔ ایک پیٹھ)
صرف بدن کا ڈھانچہ رہ گیا۔
آدمیت تو گم ہو گئی۔ قومیں باقی رہ گئیں۔
(7) جب سے سیاست نے مذہب کی مسند پر قبضہ کیا۔
تو مغرب میں وطنیت کے درخت نے جڑیں پکڑیں۔
(8) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا قصہ ختم ہوا۔ اور گرجا (مذہب) کی شمع کا شعلہ بجھ گیا۔
(9) لاٹ پادری بے تواں ہو گیا۔ یعنی اس کے ہاتھ سے اختیارات چلے گئے۔
تو اس نے بیچارگی کی بنا پر مہرے اپنے ہاتھ سے پھینک دیئے۔

(10) قوم عیسیٰ بر کلیسا پا زدہ
نقد آئین چلیپا وا زدہ

(11) دہریت چوں جامہ مذہب درید
مرسلے از حضرت شیطاں رسید

(12) آں فلا رنساوی باطل پرست
سرمہ او دیدۂ مردم شکست

(13) نسخہ بہر شہنشاہاں نوشت
در گل ما دانہ پیکار کشت

(14) فطرت او سوئے ظلمت بردہ رخت
حق ز تیغ خامہ او لخت لخت

(15) بت گری مانند آزر پیشہ اش
بست نقش تازۂ اندیشہ اش

(16) مملکت را دین او معبود ساخت
فکر او مذموم را محمود ساخت

(17) بوسہ تا بر پائے ایں معبود زد
نقد حق را بر عیار سود زد

(18) باطل از تعلیم او بالیدہ است
حیلہ اندازی فنے گردیدہ است

(19) طرح تدبیر زبوں فرجام ریخت
ایں خسک در جادۂ ایام ریخت

(20) شب بچشم اہل عالم چیدہ است
مصلحت تزویر را نامیدہ است

(10) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کلیسا پر لات مار دی۔ (مذہب ترک کر دیا)۔ صلیب کے آئین کی نقدی کو ہار دیا۔ یعنی عیسائیت ترک کر دی۔

(11) دہریت نے جب مذہب کا کپڑا پھاڑ دیا۔ تو شیطان کی طرف سے ایک مرسل بھی آ پہنچا۔

(12) وہ شیطان فلارنس باطل پرست تھا۔ جس کے سرمے نے انسانوں کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

(13) اس نے شہنشاہوں کے لئے ایک نسخہ (کتاب) لکھا۔ جس کی وجہ سے اس نے ہمارے کیچڑ (زمیں) میں جنگ و جدل کا بیج بویا۔ (بنی نوع انسان میں لڑائی جھگڑا پیدا کر دیا)۔

در معنی ایں کہ ملت محمدیہ نہایت زمانی ہم ندارد
کہ دوام ایں ملت شریفہ موعود است

(1) در بہاراں جوش بلبل دیدۂ
رستخیز غنچہ و گل دیدۂ

(2) چوں عروساں غنچہ ہا آراستہ
از زمیں یک انجم خاستہ

(14) اس کی فطرت اپنا ساز و سامان تاریکی کی طرف لے گئی۔ (روشنی کے بجائے اندھیرا)۔

حق اس کے قلم کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

(15) آزر کی طرح اس کا پیشہ بت سازی تھا۔
اس کے افکار نے ایک نئے نظریے کی بنیاد رکھی۔

(16) اس کے مذہب (خیالات) نے سلطنت کو معبود بنا دیا۔
اس کے افکار نے اچھوں کو برا بنا دیا۔ (محمود۔ مذموم)۔

(17) جب اس نے اس معبود کے پاؤں پر بوسہ دیا۔ (نیا مذہب اختیار کیا)۔
تو اس نے حق کی نقدی کو نفع (سود) کی کسوٹی پر پرکھا۔ (دنیوی فائدے کو اس نے سچائی کا معیار بنایا)۔

(18) باطل نے اس کی تعلیم سے ترقی حاصل کی ہے۔ اور حیلہ اندازی نے فن کی شکل اختیار کر لی ہے۔

(19) اس کے مسلک نے برے انجام کی بنیاد رکھی۔
اس طرح اس نے زمانے کے راستے میں کانٹے بکھیر دیے ہیں۔

(20) اس نے اہل عالم کی آنکھوں میں رات کا اندھیرا پھیلا دیا۔
اور مکر و فریب کا نام مصلحت رکھا۔

اس بیان میں کہ محمدؐ کی ملت وقت کی انتہاء نہیں رکھتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس ملت شریفہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (یعنی مکان کی طرح اس ملت کا زمان بھی غیر محدود ہے)

(1) اے مخاطب! تو نے بہار کے موسم میں بلبل کا جوش دیکھا ہے۔
پھولوں اور کلیوں کا کھلنا دیکھا ہے۔

(2) کلیاں نویلی دلہن کی طرح آراستہ نظر آتی ہیں۔
گویا زمین سے ستاروں کا ایک شرر اٹھ کھڑا ہے۔

(3) سبزہ از اشک سحر شوئیدۂ
از سرود آب جو خوابیدۂ

(4) غنچہ بر می دمد از شاخسار
گیردش باد نسیم اندر کنار

(5) غنچہ از دست گلچیں خوں شود
از چمن مانند بو بیروں رود

(6) بست قمری آشیاں بلبل پرید
قطرۂ شبنم رسید و بو رمید

(7) رخصت صد لالہ ناپائدار
کم نسازد رونق فصل بہار

(8) از زیاں گنج فراوانش ہماں
محفل گلہائے خندانش ہماں

(9) فصل گل از نسترن باقی تر است
از گل و سرو و سمن باقی تر است

(10) کان گوہر پرورے گوہر گرے
کم نگردد از شکست گوہرے

(11) صبح از مشرق ز مغرب شام رفت
جام صد روز از خم ایام رفت

(12) بادہ ہا خوردند و صہبا باقی است
دوشہا خوں گشت و فردا باقی است

(13) ہمچناں از فردہائے پے سپر
ہست تقویم امم پایندہ تر

(14) در سفر یار است و صحبت قائم است
فرد رہ گیر است و ملت قائم است

(15) ذات او دیگر صفاتش دیگر است
سنت مرگ و حیاتش دیگر است

(16) فرد برمی خیزد از مشت گلے
قوم زاید از دل صاحبدلے

(17) فرد پور شصت و ہفتاد است و بس
قوم را صد سال مثل یک نفس

(3) سبزہ اس طرح معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ صبح کی شبنم سے دھلا ہوا ہے۔
اور ندی کے راگوں کی وجہ سے سویا ہوا نظر آتا ہے۔

(4) شاخوں سے غنچے پھوٹ رہے ہیں۔
اور باد نسیم انہیں اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

(5) مگر کلی پھول توڑنے والے کے ہاتھ سے خون ہو جاتی ہے۔
تو خوشبو کی طرح باغ سے باہر ہو جاتی ہے۔

(6) قمری نے اپنا آشیانہ بنا لیا۔ جب بلبل اڑ گئی۔
پھولوں کی بو رخصت ہوئی۔ اور شبنم کے قطرے آ پہنچے۔

(7) سینکڑوں فانی گلہائے لالہ کے رخصت ہو جانے پر فصل بہار کی رونق کم نہیں ہو جاتی۔

(8) اس نقصان سے بھی فطرت کے خزانے میں فراوانی رہتی ہے۔
اور کھلے ہوئے پھولوں کی مجلس اسی طرح برقرار رہتی ہے۔

(9) پھولوں کا موسم نسترن کے چلے جانے سے باقی رہتا ہے۔
گل و سرو اور چنبیلی کے نقصان کے باوجود بہار ختم نہیں ہو جاتی۔

(10) موتی بنانے والے اور موتی پرورش کرنے والے کی کان میں ایک موتی ٹوٹ جانے سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔

(11) مشرق سے کئی صبحیں اور مغرب سے لاتعداد شامیں پیدا ہوئیں۔
زمانے کے مٹکے سے سینکڑوں جام لنڈھائے گئے۔

(12) لوگ آتے رہے۔ اور شراب پیتے رہے۔ مگر شراب باقی ہے۔
گزرے ہوئے کل کا خون ہو گیا۔ اور آنے والا کل باقی ہے۔

(13) اسی طرح لوگ یکے بعد دیگرے آتے اور جاتے رہے۔
لیکن امتوں کی جنتری ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (افراد باقی رہتے ہیں۔ اور قوم افراد سے ہی بنتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ قوم افراد سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے)۔

(14) دوست سفر میں ہیں۔ مگر یاروں کی مجلس قائم ہے۔
افراد سفر کرنے والے ہیں۔ لیکن ملت قائم ہے۔

(15) ملت کی ذات اور ہے۔ اور اس کی صفات بھی اور ہیں۔
اس کے مرنے اور زندگی کا قانون مختلف ہے۔

(16) فرد ایک مٹھی بھر مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔
لیکن قوم کسی صاحب دل کے باطن سے ظاہر ہوتی ہے۔

(17) فرد صرف ساٹھ ستر کا بیٹا ہے۔ (فرد کی عمر ساٹھ یا ستر سال ہوتی ہے)۔
لیکن قوم کی زندگی میں سو سال ایک لحظہ کی مانند ہیں۔

(18) زندہ فرد از ارتباط جان و تن
زندہ قوم از حفظ ناموس کہن
(19) مرگ فرد از خشکی رود حیات
مرگ قوم از ترک مقصود حیات
(20) گرچہ ملت ہم بمیرد مثل فرد
از اجل فرماں پذیرد مثل فرد
(21) امت مسلم ز آیات خدا ست
اصلش از ہنگامہ **قالوا بلیٰ** ست
(22) از اجل ایں قوم بے پروا ستے
استوار از **نحن نزلنا** ستے
(23) ذکر قائم از قیام ذاکر است
از دوام او دوام ذاکر است
(24) تا خدا **ان یطفئوا** فرمودہ است
از فسردن ایں چراغ آسودہ است
(25) امتے در حق پرستی کاملے
امتے محبوب ہر صاحبدلے
(26) حق بروں آورد ایں تیغ اصیل
از نیام آرزو ہائے خلیلؑ
(27) تا صداقت زندہ گردد از دمش
غیر حق سوزد ز برق **پیہمش**
(28) ما کہ توحید خدا را **حجتیم**
حافظ رمز کتاب و **حکمتیم**
(29) آسماں با ما سر پیکار داشت
در بغل یک فتنہ تاتار داشت
(30) بندہا از پاکشود آں فتنہ را
بر سر ما آزمود آں فتنہ را
(31) فتنہ پامال راہش محشرے
کشتہ تیغ نگاہش محشرے
(32) خفتہ صد آشوب در آغوش او
صبح امروزے نزاید دوش او

*

(18) فرد جان اور بدن کے ربط سے زندہ رہتا ہے۔ لیکن قوم اپنے پرانے ناموس کی حفاظت سے زندہ رہتی ہے۔

(19) فرد کے مرجانے سے زندگی کی نہر خشک ہو جاتی ہے۔ اور قوم کی موت مقصد حیات کے ترک کردینے سے ہوتی ہے۔

(20) اگرچہ قوم بھی فرد کی طرح مرجاتی ہے۔ اور موت سے فرد کی طرح فرمان پذیر ہوتی ہے۔ یعنی فرد پر بھی موت کا قانون نافذ ہوتا ہے۔

(21) امت مسلم اللہ تعالیٰ کی آیات سے ایک آیہ ہے۔ اس کی اصل **قالوا بلی** (انہوں یعنی ارواح نے) سے ہے۔

(22) یہ ملت اصل کے دائرے سے لاپرواہ ہے۔ اور **نحن نزلنا** (ہم نے نازل کیا) سے مضبوط ہے۔

(23) ذکر یعنی قرآن پاک ذاکر یعنی امت مسلمہ کے قیام سے وابستہ ہے۔ امت مسلمہ کا دوام قرآن پاک کے دوام میں ہے۔

(24) جب سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اس کا نور بجھایا نہیں جا سکے گا۔
اس لئے ملت کا چراغ بھی نہیں بجھایا جا سکتا۔

(25) یہ امت جو حق پرستی میں کامل ہے۔
وہ ہر صاحب دل کی محبوب ہے۔

(26) اس اصیل تلوار کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے میان سے باہر نکالا۔

(27) تاکہ اس کی وجہ سے صداقت زندہ رہے۔ اور
اس کی چمک سے غیر اللہ کو جلا کر رکھ دے۔

(28) ہم جو کہ خداوند تعالیٰ کی توحید کی حجت ہیں۔ اس لئے
ہم کتاب (قرآن پاک) اور حکمت کی رمزوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(29) آسمان ہم سے بر سرپیکار رہا۔
اس کی بغلوں میں فتنہ تاتار پوشیدہ تھا۔

(30) پھر اس فتنے کے پاؤں سے بیڑیاں کھول دیں۔
اور اس فتنے کو ہمارے سروں پر آزمایا۔

(31) وہ ایسا فتنہ تھا۔ جس کی راہ قیامت کا فتنہ پامال ہوا۔
اور قیامت اس کی نگاہ کی تلوار کی کشتہ تھی۔ (قیامت سے بڑا تھا)۔

(32) اس کی بغل میں سینکڑوں ہنگامے سوئے ہوئے تھے۔
اس کے گذشتہ کل سے کسی آج کی صبح کا نام ونشاں نہیں ملتا تھا۔

(33) سطوت مسلم بخاک و خوں تپید
دید بغداد آنچہ روما ہم ندید

(34) تو مگر از چرخ کج رفتار پرس
زاں نو آئین کہن پندار پرس

(35) آتش تاتاریاں گلزار کیست؟
شعلہ ہائے او گل دستار کیست؟

(36) زانکہ ما را فطرت ابراہیمی است
ہم بہ مولیٰ نسبت ابراہیمی است

(37) از تہ آتش بر اندازیم گل
نار ہر نمرود را سازیم گل

(38) شعلہ ہائے انقلاب روزگار
چوں بباغ ما رسد گردد بہار

(39) رومیاں را گرم بازاری نماند
آں جہانگیری جہانداری نماند

(40) شیشہ ساسانیاں در خوں نشست
رونق خمخانہ یوناں شکست

(41) مصر ہم در امتحاں ناکام ماند
استخوان او تہ اہرام ماند

(42) در جہاں بانگ اذاں بود ست و ہست
ملت اسلامیاں بود ست و ہست

(43) عشق آئین حیات عالم است
امتزاج سالمات عالم است

(44) عشق از سوز دل ما زندہ است
از شرار لا الہ تابندہ است

(45) گرچہ مثل غنچہ دلگیریم ما
گلستاں میرد اگر میریم ما

*

(33) مسلمانوں کی شان و شوکت خاک و خون میں لوٹتی رہی۔
بغداد پر وہ تباہی آئی۔
جو روم پر بھی نہیں آئی تھی۔

(34) تو ٹیڑھی چال والے آسمان سے پوچھ۔ جو پرانے پندار والا نیا آئین لانے والا ہے۔ (یعنی ہر دور میں نئے ہتھکنڈے استعمال کرتا رہا ہے)۔

(35) تاتاریوں کی آگ کس کے لئے باغ بن گئی۔
اور اس کے شعلے کس کی دستار کے پھول بنے۔

(36) چونکہ ہماری فطرت ابراہیمی ہے۔ اور ہماری بھی اللہ تعالیٰ سے ابراہیمی نسبت ہے۔

(37) ہم آگ کے نیچے سے ہمیشہ پھول کھلاتے ہیں۔
ہر نمرود کی آگ کو باغ میں تبدیل کردیتے ہیں۔

(38) زمانے کے انقلاب کے شعلے جب ہمارے باغ تک آتے ہیں۔
تو فصل بہار میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

(39) اہل روما کی گرم بازاری ختم ہو گئی۔
نہ ان کی حکومت رہی۔ اور نہ ہی ان کی شوکت قائم رہی۔

(40) ساسانیوں کا پیالہ شراب کی بجائے خون سے بھر گیا۔
یونان کے خم کدوں کی رونق ختم ہو گئی۔

(41) مصر بھی آزمائش میں ناکام رہا۔
اس کے فرعونوں کی ہڈیاں اہرام کے نیچے ہیں۔

(42) دنیا میں اذان کی آواز اب بھی ہے۔ اور تھی بھی۔
ملت اسلامیہ پہلے بھی تھی۔ اب بھی ہے۔

(43) دنیا کا آئین اور قانون عشق ہے۔ دنیا کے تمام سالم اجزاء اسی سے پیوستہ ہیں۔

(44) ہمارے سوز دل سے عشق زندہ ہے۔ اور لا الٰہ کی چمک سے روشن ہے۔

(45) اگرچہ ہم غنچوں کی طرح دلگیر ہیں۔ لیکن ہماری موت سب باغ کی موت ہے۔

در معنی ایں کہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملت محمدیہ قرآن است

اس بیان میں۔ کہ ملت کا انتظام قانون کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا اور ملت محمدیہ کا آئین قرآن پاک ہے

(1) ملتے را رفت چوں آئین ز دست
مثل خاک اجزائے او از ہم شکست
(2) ہستی مسلم ز آئین است و بس
باطن دین نبیؐ این است و بس
(3) برگ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد
گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد
(4) نغمہ از ضبط صدا پیدا ستے
ضبط چوں رفت از صدا غوغا ستے
(5) در گلوئے ما نفس موج ہوا ست
چوں ہوا پابند نے گردد نوا ست
(6) تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
(7) آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لا یزال است و قدیم
(8) نسخہ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
(9) حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
(10) پختہ تر سودائے خام از زور او
در فتد با سنگ جام از زور او
(11) می برد پابند و آزاد آورد
صید بنداں را بفریاد آورد
(12) نوع انساں را پیام آخریں
حامل او رحمتہ للعالمین

(1) جب آئین ملت کے ہاتھ سے چلا گیا۔
مٹی کی طرح اس کے اجزاء بھی بکھر گئے۔
(2) مسلمان کی ہستی صرف آئین پر ہی ہے۔ اور بس۔
نبیؐ کے دین کا باطن یہی ہے۔ اور بس۔
(3) جب پھول کے پتے آئین سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ پھول بن جاتے ہیں۔
پھول آئین سے متعلق ہو کر گل دستہ بن جاتے ہیں۔
(4) آواز کو ضابطے میں لانے سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔
جب نظم و ضبط ختم ہوتا ہے۔ تو صدا محض شور و غل بن جاتی ہے۔
(5) ہمارے گلے میں سانس کی موجیں ہوا ہی ہیں۔

جب ہوا بانسری میں بند ہو جاتی ہے۔ تو نوا بن جاتی ہے۔

(6) کیا تو جانتا ہے۔ کہ تیرا آئین کیا ہے؟
آسمان کے نیچے تیری شان و شوکت کا کیا بھید ہے؟

(7) وہ کتاب زندہ جسے قرآن حکیم کہتے ہیں۔
اس میں حکمت کی درج باتیں ہمیشہ رہنے والی اور پرانی ہیں۔

(8) وہ (قرآن پاک) زندگی کے ہونے یا نہ ہونے کے بھیدوں کا نسخہ ہے۔
بے ثبات بھی اس کی وجہ سے ثابت قدم ہو جاتا ہے۔

(9) اس کے حروف میں نہ کوئی شک ہے۔ اور نہ کوئی تبدیلی ہے۔
اس کی آیات کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔

(10) اس کے زور سے خام جذبہ بھی پختہ تر ہو جاتا ہے۔
اور ہمالہ بھی پتھر کے ساتھ جا ٹکراتا ہے۔

(11) یہ (آئینِ قرآن) آدمیوں کو پابند کر کے آزادی عطا کرتا ہے۔ اور اس کی بنا پر شکاری (انسانیت کے شکاری) فریاد کرتے ہیں۔

(12) یہ انسان کی نوع کے لئے آخری پیغام ہے۔
اس کے لانے والے رحمۃ للعلمین ہیں۔ (رسول کریمؐ)۔

(13) ارج می‌گیرد ازو نا ارجمند
بندہ را از سجدہ سازد سر بلند
(14) رہزناں از حفظ او رہبر شدند
از کتابے صاحب دفتر شدند
(15) دشت پیمایاں ز تاب یک چراغ
صد تجلی از علوم اندر دماغ
(16) آنکہ دوش کوہ بارش برنتافت
سطوت او زہرۂ گردوں شگافت
(17) بنگر آں سرمایہ آمال ما
گنجد اندر سینہ اطفال ما
(18) آں جگر تاب بیابان کم آب
چشم او احمر ز سوز آفتاب
(19) خوشتر از آہو رم جمازہ اش
گرم چوں آتش دم جمازہ اش
(20) رخت خواب افگندہ در زیر نخیل
صبحدم بیدار از بانگ رحیل
(21) دشت سیر از بام و در نا آشنا
ہرزہ گرد و از حضر نا آشنا
(22) تا دلش از گرمی قرآں تپید
موج بیتابش چو گوہر آرمید
(23) خواند ز آیات مبین او سبق
بندہ آمد خواجہ رفت از پیش حق
(24) از جہانبانی نوا زد ساز او
مسند جم گشت پا انداز او
(25) شہر ہا از گرد پایش ریختند
صد چمن از یک گلش انگیختند
(26) اے گرفتار رسوم ایمان تو
شیوہ ہائے کافری زندان تو
(27) قطع کردی امر خود را در زبر
جادہ پیمائی الی شئی نکر

*

(13) ایک بے وقعت انسان اس کی برکت سے قدر و قیمت حاصل کرلیتا ہے۔
اور سجدہ سے سربلندی حاصل کرتا ہے۔ (قرآنی تعلیم)۔
(14) ڈاکو اس کی حفاظت سے راہنما بن گئے۔
ایک کتاب والے دفتروں کے مالک ہو گئے۔
(15) جنگل میں رہنے والوں نے اس ایک چراغ کی چمک سے
اپنے دماغ میں سینکڑوں علوم کی تجلیات رکھتے ہیں۔
(16) وہ کتاب ہے۔ جس کا بوجھ پہاڑ برداشت نہ کرسکے۔
اور اس کی سطوت سے آسمان کا کلیجہ پھٹ گیا۔ (زہرہ: سیارہ)۔
(17) وہ قرآن پاک جو ہماری امیدوں کا سرمایہ ہے۔
وہ ہمارے بچوں کے سینوں کے اندر سمایا ہوا ہے۔
(18) وہ تھوڑے پانی کی سختی برداشت کرنے والا جس کی آنکھ
سورج کی چمک سے سرخ ہے۔

(19) اس کی اونٹنی کی رفتار ہرن کی قلانچوں سے زیادہ اچھی ہے۔
اور اس کی سانس آگ کی طرح گرم ہے۔

(20) وہ رات کو سونے کا بستر کھجور کے درخت کے نیچے بچھالیتا ہے۔
اور صبح کے وقت کوچ کی آواز سے بیدار ہوتا ہے۔

(21) وہ جنگل کی سیر کرنے والا ہے۔ بام و در (آبادی) سے ناواقف ہے۔
جو جنگل میں آوارہ پھرتا رہتا ہے۔ اور گھر کے ساز و سامان سے ناآشنا ہے۔

(22) جب تک اس کا دل قرآن شریف کی گرمی سے تپش حاصل کرتا رہا۔
اس کی بے قرار موتی کی طرح آسودہ رہی۔

(23) جب تک وہ قرآن پاک کی روشن آیتوں سے سبق لیتا رہا۔
وہ اللہ تعالیٰ کے پاس بندہ بن کر آیا۔ اور وہاں سرداری حاصل کرنے نکلا۔

(24) اللہ تعالیٰ نے اس کے ساز کو جہاں بانی (بادشاہی) سے نوازا۔
اور جمشید کا تخت اس نے پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔

(25) اس کے پاؤں کے گرد سے سینکڑوں شہر آباد ہوئے۔
اور اس کے ایک پھول سے کئی باغ پیدا ہوئے۔

اب خطاب موجودہ مسلمانوں کو ہے

(26) اے وہ مسلمان! تیرا ایمان رسوم میں جکڑا ہوا ہے۔
کافروں کے سے اطوار تیرے لئے قید خانہ بنے ہوئے ہیں۔

(27) تو نے اپنے امور میں تفرقہ بازی ڈال رکھی ہے۔
اور عجیب و غریب چیز کی طرف چل نکلا۔

(28) گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(29) صوفی پشمینہ پوش حال مست
از شراب نغمہ قوال مست

(30) آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

(31) از کلاہ و بوریا تاج و سریر
فقر او از خانقاہاں باج گیر

(32) واعظ دستاں زن افسانہ بند
معنی او پست و حرف او بلند

(33) از خطیب و دیلمی گفتار او
با ضعیف و شاذ و مرسل کار او

(34) از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب

(28) اگر تو مسلمان ہو کر زندہ رہنا چاہتا ہے۔ تو بغیر قرآن پر عمل کئے زندہ رہنا ناممکن ہے۔ (29) آج کل کے اون کے کپڑے پہننے والے صوفی جو اپنے حال میں مست ہوتے ہیں۔ اور قوالوں کے نغموں کی شراب سے سرمست ہوتے ہیں۔ (30) عراقی کے شعروں سے ان کے دلوں میں گرمی پیدا ہوتی ہے۔

در معنی ایں کہ در زمانہ انحطاط تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است

(1) عہد حاضر فتنہ ہا زیر سر است
طبع نا پروائے او آفت گر است

(2) بزم اقوام کہن برہم ازو
شاخسار زندگی بے نم ازو

(3) جلوہ اش ما را ز ما بیگانہ کرد
ساز ما را از نوا بیگانہ کرد

(4) از دل ما آتش دیرینہ برد
نور و نار لا الہ سینہ برد

(5) مضمحل گردد چو تقویم حیات
ملت از تقلید می گیرد ثبات

(6) راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است

(7) در خزاں اے بے نصیب از برگ و بار
از شجر مگسل بامید بہار

لیکن قرآن پاک ان کی محفلوں کے راس نہیں آتا۔ (31) انہوں نے ٹوپی اور بوریا سے تاج و تخت بنایا ہوا ہے۔ اور ان کا فقر خانقاہوں سے اپنا محصول وصول کرتا ہے۔ (32) واعظ جو ہاتھ بجا بجا کر کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ ان کے کلام تو بہت بلند ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں معنویت نہیں ہوتی۔

(33) ان کی تقریر کا مدار خطیب اور دیلمی جیسے محدثوں کے حوالوں پر ہوتا ہے۔
ضعیف شاذ اور مرسل حدیثوں سے انہیں واسطہ ہوتا ہے۔
(34) کتاب (قرآن پاک) تجھ پر تلاوت کا حق رکھتا ہے۔
تو اس کی تلاوت سے اپنا ہر مقصد حاصل کر سکتا ہے۔

اس بیان میں۔ کہ انحطاط کے زمانے میں تقلید اجتہاد سے اعلیٰ اور برتر ہے

(1) موجودہ زمانے میں اس کے اندر بہت سے فتنے پائے جاتے ہیں۔
اس کی لاپرواطبیعت سراپا آفت اور مصیبت ہے۔
(2) اس موجودہ نے پرانی اقوام کو برہم کر دیا۔
اور زندگی کی ٹہنیوں میں نمی تک نہ رہی۔
(3) عصر حاضر کی جلوہ نمائی نے ہم کو اپنے آپ سے بھلا دیا ہے۔
اور ہمارے ساز میں نوا تک نہ رہی۔
(4) ہمارے دلوں سے عشق کی پرانی آگ چھین لی ہے۔
لالہ کی روشنی اور آتش ہمارے سینوں سے ختم کر دی ہے۔
(5) جب زندگی کی ہیئت کمزور پڑتی ہے۔
تو اس وقت قوم اپنے آپ کو تقلید سے ثابت قدم رکھتی ہے۔
(6) اپنے آباء واجداد کی راہ اختیار کر۔ کیونکہ اسی میں جمعیت ہے۔
تقلید کی حقیقت ملت کو ضبط کے اندر رکھنا ہے۔
(7) وہ درخت جو خزاں کے موسم میں پھل اور پھول کے بغیر ہوتے ہیں۔
انہیں بہار کی امید پر درخت سے تعلقات کو قطع نہیں کر لینا چاہیے۔

(8) بحر گم کردی، زیاں اندیش باش
حافظ جوئے کم آب خویش باش

(9) شاید از سیل قہستاں بر خوری
باز در آغوش طوفاں پروری

(10) پیکرت دارد اگر جان بصیر
عبرت از احوال اسرائیل گیر

(11) گرم و سرد روزگار او نگر
سختی جان نزار او نگر

(12) خوں گراں سیر است در رگہائے او
سنگ صد دلیز و یک سیمائے او

(13) پنجہ گردوں چو انگورش فشرد
یادگار موسیٰ و ہاروں نمرد

(14) از نوائے آتشینش رفت سوز
لیکن اندر سینہ دم دارد ہنوز

(15) زانکہ چوں جمعیتش از ہم شکست
جز براہ رفتگاں محمل نہ بست

(16) اے پریشاں محفل دیرینہ ات
مرد شمع زندگی در سینہ ات

(17) نقش بر دل معنی توحید کن
چارۂ کار خود از تقلید کن

(18) اجتہاد اندر زمان انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بساط

(19) ز اجتہاد عالمان کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

(20) عقل آبایت ہوس فرسودہ نیست
کار پاکاں از غرض آلودہ نیست

(21) فکر شاں ریسد ہمے باریک تر
ورع شاں با مصطفیٰؐ نزدیک تر

(22) ذوق جعفرؒ کاوش رازیؒ نماند
آبروئے ملت تازی نماند

(8) اگر تو سمندر کو گم کر چکا ہے۔ اپنے نقصان کا خیال رکھ۔
تاکہ تو کم از کم اپنے تھوڑے پانی والی ندی کی حفاظت کر سکے۔

(9) ہو سکتا ہے۔ کہ تجھے دوبارہ کہستانی سیلاب سے واسطہ پڑ جائے۔
تو پھر تو اپنی بغل میں طوفان کی پرورش کرے۔

(10) اگر تیرے بدن میں بصارت والی جان موجود ہے۔ تو
بنی اسرائیل کے حالات سے عبرت حاصل کر۔

(11) اس (بنی اسرائیل) کے حالات کی گرمی اور نرمی کو دیکھ۔
اس کی کمزور جان کی سختی کو دیکھ۔

(12) اس کی رگوں میں خون کی گردش کمزور پڑ چکی ہے۔
اس کی ایک پیشانی کو سو دہلیزوں پر گھسنا پڑا ہے۔ (سینکڑوں کا محتاج)۔

(13) آسمان کے پنجے نے جب اسے انگور کی طرح نچوڑ ڈالا۔

یہ قوم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی یادگار ہے۔ مٹ نہ سکی۔

(14) اس کی آگ جیسی نوا سے سوز جاتا رہا۔
لیکن اس کے سینے میں ابھی دم موجود ہے۔

(15) جب اس کی جمعیت ختم ہو گئی۔
تو اس نے بزرگوں کی راہ پر چلنا ترک نہ کیا۔

(16) اے مسلم! تیری پرانی مجلس بگڑ چکی ہے۔
تیرے سینے میں زندگی کی شمع بجھ گئی ہے۔

(17) لازم ہے۔ کہ تو اپنے دل پر توحید کا نقش لکھے۔ اور
اپنے کام کا چارہ اپنے بزرگوں کی راہ پر چلنے سے کرے۔

(18) اس بربادی اور تباہی کے زمانے میں اجتہاد قوم کی بساط لپیٹ دیتا ہے۔

(19) کوتاہ اندیش عالموں کے اجتہاد سے بہتر یہی ہے۔
کہ اپنے آباء واجداد کی راہ اختیار کی جائے۔ جو ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔

(20) تیرے آباء واجداد کی عقل فرسودہ نہ تھی۔
کیونکہ پاک نژاد لوگوں کے کام غرضوں سے آلودہ نہیں ہوئے۔

(21) ان کے افکار نے بڑی باریکیاں پیدا کیں۔
ان کی پرہیزگاری رسول کریمؐ کے زیادہ نزدیک تھی۔

(22) اب امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کا ذوق و شوق اور امام رازی کی کوشش اور کاوش باقی نہیں رہی۔
لہٰذا ملت حجازی کی بھی وہ شان و شوکت نہیں ہے۔

(23) تنگ بر ما رہگذار دیں شد است
ہر لئیمے رازدار دیں شد است

(24) اے کہ از اسرار دیں بیگانہ
با یک آئیں ساز اگر فرزانہ

(25) من شنیدستم ز نباض حیات
اختلاف تست مقراض حیات

(26) از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآں زندہ است

(27) ما ہمہ خاک و دل آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

(28) چوں گہر در رشتہ او سفتہ شو
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

(23) ہم پر دین کا راستہ تنگ ہو چکا ہے۔ ہر بدبخت دین کے رازوں کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(24) اے وہ آدمی! جو تو دین کے رازوں سے واقف نہیں ہے۔ اگر تو عقل مند ہے۔ تو ایک آئین کے ساتھ سازگاری اختیار کر۔

در معنی ایں کہ پختگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الہیہ است

(1) در شریعت معنی دیگر مجو
غیر ضو در باطن گوہر مجو

(2) ایں گہر را خود خدا گوہر گر است
ظاہرش، گوہر بطونش گوہر است

(3) علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

(4) فرد را شرع است مرقات یقیں
پختہ تر از وے مقامات یقیں

(5) ملت از آئین حق گیرد نظام
از نظام محکمے خیزد دوام

(6) قدرت اندر علم او پیدا ستے
ہم عصا و ہم ید بیضا ستے

(7) با تو گویم سر اسلام است شرع
شرع آغاز است و انجام است شرع

(8) اے کہ باشی حکمت دیں را امیں
با تو گویم نکتہ شرع مبیں

(25) میں نے ایک زندگی کی نبض کے ماہر سے سنا ہے۔ کہ تیرے آپس کے اختلافات زندگی کو قینچی کی طرح کترنے والے ہیں۔

(26) مسلمان صرف ایک ہی آئین کی وجہ سے زندہ ہے۔ اس لئے ملت کا وجود قرآن پاک سے ہی زندہ ہے۔

(27) ہم سب کے خاک ہیں دلوں کو روشنی دینے والا صرف قرآن ہی ہے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی وہی ہے۔

(28) اپنے آپ کو موتیوں کی طرح اس (قرآن پاک) کے رشتے میں پرولے۔
ورنہ راستے کے غبار کی طرح پریشان ہو کر بکھر جا۔

اس بیان میں۔ کہ کردار کا پختہ ہونا شریعت مطہرہ کا اتباع ہے

(1) شریعت میں کوئی اور مطلب نہ نکالو۔
موتی کے باطن میں بھی چمک کے سوا کچھ نہیں۔

(2) شریعت کا موتی ایسا ہے۔ جس کا بنانے والا خود خداوند کریم ہے۔
اس کا ظاہر بھی موتی ہے۔ اور باطن بھی موتی ہے۔

(3) حق کا علم شریعت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔
سنت کا اصل رسول کریمؐ کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(4) فرد کے لئے شریعت یقین کی سیڑھی ہے۔
اس کی وجہ سے یقین کے تمام مراحل پختہ تر ہوتے ہیں۔

(5) ملت آئین حق سے انتظام حاصل کرتی ہے۔
اور نظام محکم میں ہی دوام حاصل ہوتا ہے۔

(6) اس (شریعت) کے علم سے ہی عمل پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔
یہ شریعت عصا یعنی قوت کا نشاں اور ید بیضا یعنی نور و ہدایت بھی ہے۔ (ید بیضا۔ روشن ہاتھ)۔

(7) میں تجھے بتاتا ہوں۔ کہ اسلام کا بھید ہے۔
شریعت ہی آغاز ہے۔ اور شریعت ہی انجام ہے۔

(8) اے وہ شخص۔ تو جو دین کی حکمتوں کا امانت دار ہے۔
میں تجھے روشن شرع کی ایک باریک بات بتاتا ہوں۔

(9) چوں کسے گردد مزاحم بے سبب
با مسلماں در ادائے مستحب
(10) مستحب را فرض گردانیده اند
زندگی را عین قدرت دیده اند
(11) روز هیجا لشکر اعدا اگر
بر گمان صلح گردد بے خطر
(12) گیرد آساں روزگار خویش را
بشکند حصن و حصار خویش را
(13) تا نگیرد باز کار او نظام
تاختن بر کشورش آمد حرام
(14) سر ایں فرمان حق دانی کہ چیست؟
زیستن اندر خطر ہا زندگیست
(15) شرع میخواهد کہ چوں آئی بجنگ
شعلہ گردی' وا شگافی کام سنگ
(16) آزماید قوت بازوے تو
می نهد الوند پیش روے تو
(17) باز گوید سرمہ ساز الوند را
از تف خنجر گداز الوند را
(18) نیست میش نا توانے لاغرے
در خور سر پنجہ شیر نرے
(19) باز چوں با صعوہ خوگر می شود
از شکار خود زبوں تر می شود
(20) شارع آئیں شناس خوب و زشت
بہر تو ایں نسخہ قدرت نوشت
(21) از عمل آہن عصب می سازدت
جائے خوبے در جہاں اندازدت
(22) خستہ باشی استوارت می کند
پختہ مثل کوهسارت می کند
(23) هست دین مصطفیٰ دین حیات
شرع او تفسیر آئین حیات

*

(9) اگر کوئی آدمی مستحب کے ادا کرنے میں بغیر سبب کے رکاوٹ ڈالتا ہے۔

(10) اس وقت مستحب کو فرض قرار دے کر۔
زندگی کو عین قدرت قرار دے دیا جاتا ہے۔

(11) لڑائی کے موقع پر اگر دشمن کا لشکر صلح کے گمان پر بے خطر ہو جائے۔

(12) اور وہ سہل انگار ہو کر اپنی مدافعت کے ضمن میں
اپنے لشکر اور قلعہ کو توڑ دے۔

(13) جب تک اس کا جنگ کا کاروبار پوری طرح آراستہ نہ ہو جائے۔
اس کے ملک پر حملہ کرنا حرام ہوتا ہے۔

(14) کیا تو جانتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھید کیا ہے؟
کیونکہ خطرات میں ہی جینا زندگی ہے۔

(15) شریعت کا یہ حکم ہے۔ کہ جب تو جنگ کے لئے آئے۔
تو اس وقت شعلہ بن کر تو پتھر کے حلق میں شگاف کر دے۔

(16) اللہ تعالیٰ تیرے بازو کی قوت آزمانا چاہتا ہے۔

اس لئے مشکلات کے الوند جیسے پہاڑ تیرے سامنے آتے ہیں۔

(17) پھر شریعت کا حکم ہوتا ہے۔ اس الوند (پہاڑ کا نام) کو ریزہ ریزہ کر دو۔
اپنے خنجر کی گرمی سے اس پتھر کو پگھلا دو۔

(18) کمزور بھیڑ شیر نر کے سر پنجہ کے قابل نہیں ہے۔

(19) باز جب مولے کے شکار کا عادی ہو جاتا ہے۔
تو وہ اپنے شکار سے بھی زیادہ کمزور اور ذلیل ہو جاتا ہے۔

(20) رسول اکرمؐ جو اچھے اور برے کے آئین شناس ہیں۔
ترے لئے انہوں نے یہ نسخہ رقم فرمایا ہے۔ جو عمل کی تلقین کرتا ہے۔

(21) یہ آئین عمل کے ذریعے تجھے لوہے کے اعصاب رکھنے والا بنا دیتا ہے۔
اور تجھے دنیا میں کسی اچھے مرتبے پر فائز کرتا ہے۔

(22) اگر تو کمزور اور نرم ہو جائے۔ تجھے مضبوط کرتا ہے۔
اور تجھے پہاڑ کی طرح پختہ بنا دیتا ہے۔

(23) حضرت محمد مصطفیٰؐ کا دین زندگی کا دین ہے۔
اور شرع محمدیؐ زندگی کے آئین کی تفسیر ہے۔

(24) گر زمینی آسماں سازد ترا
آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا

(25) صیقلش آئینہ سازد سنگ را
از دل آہن رباید زنگ را

(26) تا شعار مصطفیٰؐ از دست رفت
قوم را رمز بقا از دست رفت

(27) آں نہال سربلند و استوار
مسلم صحرائی اشتر سوار

(28) پائے تا در وادی بطحا گرفت
تربیت از گرمی صحرا گرفت

(29) آں چناں کاہید از باد عجم
ہمچو نے گردید از باد عجم

(30) آنکہ کشتے شیر را چوں گوسفند
گشت از پامال مورے درد مند

(31) آنکہ از تکبیر او سنگ آب گشت
از صفیر بلبلے بیتاب گشت

(32) آنکہ عزمش کوہ را کاہے شمرد
با توکل دست و پائے خود سپرد

(33) آنکہ ضربش گردن اعدا شکست
قلب خویش از ضربہائے سینہ خست

(34) آنکہ گامش نقش صد ہنگامہ بست
پائے اندر گوشہ عزلت شکست

(35) آنکہ فرمانش جہاں را ناگزیر
بر درش اسکندر و دارا فقیر

(36) کوشش او با قناعت ساز کرد
تا بہ کشکول گدائی ناز کرد

(37) شیخ احمدؒ سید گردوں جناب
کاسب نور از ضمیرش آفتاب

(38) گل کہ می پوشد مزار پاک او
لا الہ گویاں دمد از خاک او

*

(24) اگر تو زمین کی طرح پست ہے۔ تو تجھے آسمان بنا دیتا ہے۔ (بلند رتبہ)۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ وہی تجھے بنا دیتا ہے۔

(25) شریعت کا صیقل پتھر کو آئینہ بنا دیتا ہے۔ اور پتھر کے دل سے بھی زنگ کو دور کر دیتا ہے۔

(26) جب سے رسول اکرمؐ کا شعار شریعت ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ تو قوم بقا (زندہ رہنا) کی رمزوں سے کلی طور پر محروم ہو گئی ہے۔

(27) وہ اونٹ کا سوار جنگل میں رہنے والا مسلمان درخت کی طرح سربلند اور مضبوط تھا۔

(28) وہ بطحا کی وادی میں رہنے والا تھا۔ اور صحرا کی گرمی سے تربیت حاصل کرتا تھا۔

(29) وہ عجم کی ہوا سے کمزور ہو گیا۔ گویا کہ باد عجم سے نے کی طرح ہو گیا۔ (نے۔ بانسری)۔

(30) وہ مسلماں جو شیر کو دنبے کی طرح کمزر جان کر مار دیتا تھا۔ وہ چیونٹیوں کے پاؤں تلے آکر درد مند ہو رہا ہے۔

(31) وہ مسلمان جن کی تکبیر سے پتھر پانی ہو جاتا تھا۔
وہ اب کمزور ہو کر بلبل کی آواز سے بھی لرز رہا ہے۔

(32) وہ مسلمان جس کا ارادہ پہاڑ کو تنگ سمجھتا تھا۔ اب
اس نے توکل کے نام پر اپنے ہاتھ پاؤں باندھ لئے ہیں۔

(33) وہ مسلمان جس کی ایک ضرب دشمنوں کی گردنیں توڑ دیتی تھی۔
اس نے سینہ کوبی سے اپنے دل کو زخمی کر لیا ہے۔

(34) وہ مسلمان جس کے قدم قدم کے ساتھ سینکڑوں ہنگامے وابستہ تھے۔
اب وہ علیحدگی کے کونوں میں پاؤں توڑے بیٹھا ہے۔

(35) وہ مسلمان جس کا حکم دنیا مجبور ہو کر مانتی تھی۔ جس کے
دروازے پر سکندر و دارا جیسے فقیروں کی طرح کھڑے رہتے تھے۔

(36) اب اس مسلمان نے اپنی کوشش کو قناعت کے سپرد کر دیا ہے۔
اور گدائی کے کشکول پر فخر کرتا پھرتا ہے۔

(37) شیخ احمد سرہندیؒ جن کی دہلیز آسمان جیسی بلند ہے۔ اور
جن کے ضمیر سے سورج بھی روشنی حاصل کرتا ہے۔

(38) وہ پھول جو آپ کے مزار کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ وہ
زمین سے لا الہ کہتے ہوئے اگتے ہیں۔

(39) با مریدے گفت اے جان پدر
از خیالات عجم باید حذر
(40) زانکہ فکرش گرچہ از گردوں گذشت
از حد دین نبیؐ بیروں گذشت
(41) اے برادر ایں نصیحت گوش کن
پند آں آقائے ملت گوش کن
(42) قلب را زیں حرف حق گرداں قوی
با عرب در ساز تا مسلم شوی

(39) ایک دفعہ انہوں نے اپنے ایک مرید سے کہا۔ اے جان من! عجمی خیالات سے پرہیز کرنا چاہیے۔
(40) اگرچہ عجمی افکار آسمان پر سے بھی گزر گئے ہیں۔ لیکن اس نے نبیؐ کے دین سے تجاوز کرلیا ہے۔
(41) اے بھائی! اس نصیحت کو سن
اس ملت کے آقا و سردار کی نصیحت (شیخ سرہندی مراد ہیں) غور سے سن۔
(42) اپنے دل کو اس حرف حق سے مضبوط کرلو۔
عرب کے ساتھ موافقت کر تا کہ مسلمان ہو جائے۔ (یہ امر حقیقت پر مبنی ہے۔ کہ عجمی خیالات کی کثرت نے دین حق کے چمکدار چہرے کو تاویلات باطلہ سے ڈھانپ لیا ہے۔ الحذر اے مسلم۔ الحذر)۔

در معنی ایں کہ حسن سیرت ملیہ از تادب بآداب محمدیہؐ است

(1) سائلے مثل قضائے مبرمے
بر در ما زد صدائے پیہمے
(2) از غضب چوبے شکستم بر سرش
حاصل دریوزہ افتاد از برش
(3) عقل در آغاز ایام شباب
می نیندیشد صواب و ناصواب
(4) از مزاج من پدر آزردہ گشت
لالہ زار چہرہ اش افسردہ گشت
(5) بر لبش آہے جگر تابے رسید
در میان سینہ او دل تپید
(6) کوکبے در چشم او گردید و ریخت
بر سر مژگاں دمے تابید و ریخت
(7) ہمچو آں مرغے کہ در فصل خزاں
لرزد از باد سحر در آشیاں
(8) در تنم لرزید جان غافلم
رفت لیلائے شکیب از محملم
(9) گفت فردا امت خیر الرسلؐ
جمع گردد پیش آں مولائے کل

وہ مجاہد جس نے اپنے دو پاس پڑے ہوئے تڑپتے بھائیوں کو پانی کا پیالہ اپنی پیاس سے مرغ خیال کرتے پیش کیا تھا۔ وہ شہید ہو گیا ہے۔

اس بیان کی وضاحت میں کہ

ملت کا حسن سیرت جناب رسول اللہؐ کے آداب اپنانے میں ہے

(1) ایک بھکاری نہ ٹلنے والی قضا کی طرح ہمارے
دروازے پر لگاتار صدا لگا رہا تھا۔

(2) میں نے غصے میں آ کر اس کے سر پر ایک ڈنڈا توڑ دیا۔ (مارا)۔
جس کی وجہ سے جھولی میں رکھی ہوئی بھیک زمین پر گر پڑی۔

(3) جوانی کے زمانے کے شروع میں عقل
اچھے یا برے کے متعلق نہیں سوچتی۔

(4) میری اس قسم کی طبیعت سے میرے والد صاحب آزردہ خاطر ہوئے۔
ان کا گل لالہ کی طرح کا سرخ چہرہ افسردہ ہو گیا۔

(5) ان کے ہونٹوں پر ایک جگر جلانے والی آہ نکلی۔
سینے کے درمیان ان کا دل تڑپا۔

(6) ان کی آنکھوں میں ستارے کی طرح آنسو پیدا اور
آپ کی پلکوں پر پل بھر چمکنے کے بعد گر پڑا۔

(7) اس پرندے کی طرح جو خزاں کے موسم میں
گھونسلے میں بیٹھا، صبح کی ٹھنڈی ہوا میں لرز جاتا ہے۔

(8) میری غافل جان جسم میں پڑی ہوئی لرز اٹھی۔
صبر کی لیلیٰ میرے محمل سے چلی گئی۔ (صبر و قرار جاتا رہا)۔

(9) میرے والد صاحب نے فرمایا۔ کہ کل جب قیامت کے دن۔
خیر الرسل (مراد رسول کریمؐ) کی امت مولائے کل کے گرد و پیش اکٹھی ہو گی۔

(10) غازیان ملت بیضائے او
حافظان حکمت رعنائے او

(11) ہم شہیدانے کہ دیں را حجت اند
مثل انجم در فضائے ملت اند

(12) زاہدان و عاشقان دل فگار
عالمان و عاصیان شرمسار

(13) درمیان انجمن گردو بلند
نالہ ہائے ایں گدائے دردمند

(14) اے صراطت مشکل از بے مرکبی
من چہ گویم چوں مرا پرسد نبیؐ

(15) "حق جوانے مسلمے با تو سپرد
کو نصیبے ازو بستانم نبرد

(16) از تو ایں یک کار آساں ہم نشد
یعنی آں انبار گل آدم نشد"

(17) در ملامت نرم گفتار آں کریم
من رہین خجلت و امید و بیم

(18) اند کے اندیش و یاد آر اے پسر
اجتماع امت خیر البشرؐ

(19) باز ایں ریش سفید من نگر
لرزۂ بیم و امید من نگر

(20) بر پدر ایں جور نازیبا مکن
پیش مولا بندہ را رسوا مکن

(21) غنچہ از شاخسار مصطفیؐ
گل شو از باد بہار مصطفیؐ

(22) از بہارش رنگ و بو باید گرفت
بہرۂ از خلق او باید گرفت

(23) مرشد رومی چہ خوش فرمودہ است
آنکہ یم در قطرہ اش آسودہ است

(24) "مگسل از ختم الرسلؐ ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش"

✱

(10) تو اس دن ملت کے غازی ایک طرف ہوں گے۔
دوسری طرف اس کی حکمت رعنا کے حفاظت کرنے والے ہوں گے۔

(11) اسی طرح شہید بھی ہوں گے۔ جو دین کے لئے حجت ہوں گے۔ اور
ملت کی فضا میں ستاروں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔

(12) وہاں زاہد بھی ہوں گے۔ اور دل فگار عاشق بھی موجود ہوں گے۔
عالم بھی ہوں گے۔
اپنے کئے پر گنہگار بھی شرمندہ ہوں گے۔

(13) اس انجمن میں اس گداگر کی صدا بھی بلند ہوگی۔
اور اس درد مند بھکاری کے نالے بھی ہوں گے۔

(14) اے میرے بیٹے! وہاں سواری (نیک اعمال) کے بغیر تیرا چلنا مشکل ہو جائے گا۔
میں کیا جواب دوں گا۔
جب رسول اکرمؐ مجھ سے پرسش فرمائیں گے۔

(15) اللہ تعالیٰ نے ایک مسلم جوان تیرے سپرد کیا تھا۔(تاکہ اس کی تربیت صحیح طور پر ہو)۔
مگر وہ میری ادب گاہ کا کوئی سبق حاصل نہ کر سکا۔

(16) تجھ سے اتنا سا آسان کام بھی نہ ہو سکا۔
یعنی یہ مٹی کا انبار تجھ سے بندہ نہ بن سکا۔

(17) وہ کریم طبیعت والے نرم گفتار ملامت فرما رہے تھے۔
میں امید و بیم کی شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

(18) اے میرے بیٹے! کچھ سوچ اور یاد کر۔
اور امت خیر البشر کے اجتماع کے بارے میں بھی سوچئے۔

(19) پھر میری اس سفید داڑھی کا بھی کچھ خیال کر۔اور
میرے بیم و رجا کی وجہ سے لرزے کو بھی سوچ۔

(20) اپنے باپ پر نازیبا ظلم نہ کر۔
مولا کے سامنے اس غلام کو رسوا نہ کر۔

(21) تو رسول کریمؐ کی شاخ کا ایک غنچہ ہے۔
تو بہار مصطفیؐ سے کھل کر پھول ہو جا۔

(22) تجھے آپؐ کی بہار سے رنگ اور بو حاصل کرنا چاہئے۔
اور آپؐ کے خلق عظیم سے حصہ لینا چاہئے۔

(23) میرے مرشد مولانا رومؒ نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے۔
آپ وہ ہیں۔کہ ان کے کلام کے ہر قطرے میں سمندر موجزن ہے۔

(24) اپنے ایام(زندگی) کو رسول کریمؐ سے قطع نہ کیجئے۔
اپنے فن اور اپنے کام پر بھروسہ نہ کر۔

(25) فطرت مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

(26) آنکہ مہتاب از سر انگشتش دو نیم
رحمت او عام و اخلاقش عظیم

(27) از مقام او اگر دور ایستی
از میان معشر ما نیستی

(28) تو کہ مرغ بوستان ماستی
ہم صفیر و ہم زبان ماستی

(29) نغمہ داری اگر تنہا مزن
جز بہ شاخ بوستان ما مزن

(30) ہر چہ ہست از زندگی سرمایہ دار
میرد اندر عنصر نا سازگار

(31) بلبل استی در چمن پرواز کن
نغمہ با ہم نوایاں ساز کن

(32) در عقاب استی بہ دریا مزی
جز بخلوت خانہ صحرا مزی

(33) کوکبی؟ می تاب بر گردون خویش
پا منہ بیروں ز پیرامون خویش

(34) قطرۂ آبے گر از نیساں بری
در فضائے بوستانش پروری

(35) تا مثال شبنم از فیض بہار
غنچہ تنگش گیرد در کنار

(36) از شعاع آسماں تاب سحر
کز فسونش غنچہ می بندد شجر

(37) عنصر نم برکشی از جوہرش
ذوق رم از سالمات مضطرش

(38) گوہرت جز موج آبے ہیچ نیست
سعی تو غیر از سرابے ہیچ نیست

(39) درہم اندازش کہ گردد گوہرے
تاب او لرزد چو تاب اخترے

*

(25) مسلمان کی فطرت سر سے لے کر پاؤں تک شفقت ہی شفقت ہے۔
اور اس کے ہاتھ اور زبان دنیا کے واسطے باعث رحمت ہیں۔

(26) آپؐ وہ تھے۔ کہ آپؐ کی انگشت مبارک کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔
آپؐ کی رحمت عام تھی۔ اور آپؐ کا خلق عظیم تھا۔

(27) تو اگر آپؐ کے مقام سے دور ہے۔
تو تو ہمارے گروہ میں سے نہیں ہے۔

(28) تو ہمارے باغ کا پرندہ ہے۔
تو ہمارا ہم زبان ہے۔
اور ہم آواز ہے۔

(29) اگر تیرے پاس کوئی نغمہ ہے۔ تو اسے اکیلے نہ گا۔
اور ہمارے باغ کی ٹہنی کے بغیر اور کہیں نہ بیٹھ۔

(30) جو بھی زندگی سے سرمایہ دار ہے۔
وہ ناموافق حالات میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

(31) تو بلبل ہے۔ باغ میں پرواز کر۔

اور اپنے ہم نواؤں کے ساتھ نغمہ سازی کر۔

(32) اگر تو عقاب ہے۔ تو دریا کی تہ میں نہ رہ۔

صحرا کے خلوت خانوں کے سوا اور کہیں زندگی بسر نہ کر۔

(33) اور اگر تو ستارہ ہے۔ اپنے آسمان پر چمک۔

اور اپنے ماحول سے باہر نہ جا۔ (پیرامن۔ گردو پیش)۔

(34) اگر تو ابر نیساں (مرد بارش) سے ایک قطرہ لے۔

اور اس کی پرورش باغ کی فضا میں کرے۔

(35) تاکہ وہ فیض بہار سے شبنم کی طرح بند غنچے کو اپنی بغل میں لے لے۔

(36) پھر صبح کی آسمان کو چمکانے والی شعاعوں کے

فسون سے شجر (پودا مراد ہے) میں کلیاں پھوٹ آئیں۔

(37) اگر تو اس کے جوہر سے نمی کا عنصر نکال لے۔ اور اس کے

بے قرار اجزائے ترکیبی سے بے قراری چھین لے۔

(38) تو پھر تیرا یہ خیال ہو۔ کہ وہ موتی بن جائے۔ وہ موتی ہرگز نہیں بنے گا۔ وہ پانی کی موج کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تیری تمام تر کوشش سراب کے بغیر کچھ نہیں۔

(39) اسے (قطرے کو) سمندر میں پھینک دے۔ تاکہ موتی بن جائے۔

اس کی چمک ستاروں کی چمک کی طرح لرزاں ہو۔

(40) قطرۂ نیساں کہ مہجور از یم است
نذر خاشاکے مثال شبنم است

(41) طینت پاک مسلماں گوہر است
آب و تابش از یم پیغمبرؐ است

(42) آب نیسانی بآغوشش در آ
وز میان قلزمش گوہر بر آ

(43) در جہاں روشن تر از خورشید شو
صاحب تابانی جاوید شو

(40) نیسان کا قطرہ جو دریا سے دور ہے۔ وہ شبنم کی طرح خس و خاشاک کی نذر ہو جاتا ہے۔
(41) مسلمان کی پاک طینت موتی کی طرح ہے۔

در معنی ایں کہ حیات ملیہ مرکز محسوس میخواہد و مرکز ملت اسلامیہ بیت الحرام است

(1) می کشاییم عقدہ از کار حیات
سازمت آگاہ اسرار حیات

(2) چوں خیال از خود رمیدن پیشہ اش
از جہت دامن کشیدن پیشہ اش

(3) در جہان دیر و زود آید چساں؟
وقت او فردا و دی زاید چساں؟

(4) گر نظر داری یکے بر خود نگر
جز رم پیہم نہ اے بیخبر

(5) تا نماید تاب تا مشہود خویش
شعلہ او پردہ بند از دود خویش

(6) سیر او را تا سکوں بیند نظر
موج جویش بستہ آید در گہر

(7) آتش او دم بخویش اندر کشید
لالہ گردید و ز شاخے بر دمید

(8) فکر خام تو گراں خیز است و لنگ
تہمت گل بست بر پرواز رنگ

(9) زندگی مرغ نشیمن ساز نیست
طائر رنگ است و جز پرواز نیست

اس کی آب و تاب جناب رسول کریمؐ کے سمندر سے ہے۔
(42) تو نیسان کا پانی (بارش کا قطرہ) ہے۔ اس کی آغوش میں آ جا۔
تو اس (رسول کریمؐ) کے اتھاہ سمندر سے موتی بن کر نکل۔
(43) پھر دنیا میں سورج سے بھی زیادہ روشن ہو جا۔ اور دائمی چمک کا صاحب ہو جا۔ (یعنی دائمی چمک حاصل کر لے)۔

اس بیان میں۔ ملت کی زندگی مرکز محسوس چاہتی ہے اور ملت اسلامیہ کا مرکز بیت الحرام ہے

(1) میں زندگی کے کاروبار سے ایک گرہ کھولتا ہوں۔ اور
زندگی کے بھیدوں سے تجھے آگاہ کرتا ہوں۔

(2) خیال کی طرح زندگی کا بھی پیشہ اپنے آپ سے بھاگتا ہے۔ اور
جہات سے دامن کشاں رہنا اس کا پیشہ ہے۔ (یعنی ایک طرف کبھی دوسری طرف)۔

(3) یہ دنیا جو دیر اور زود سے مرکب ہے۔ زندگی اس میں کیسے عمل کرتی ہے۔
اس کا وقت مستقبل اور ماضی کس طرح پیدا کرتا ہے۔

(4) اگر تو نظر رکھتا ہے۔ تو ایک دفعہ اپنے اوپر نگاہ ڈال۔
اے بے خبر! تو بھی لگاتار دوڑ بھاگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(5) تاکہ تجھے اپنی نشو و نما چمک نظر آئے۔ کیونکہ
اس کا شعلہ اپنے دھوئیں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

(6) جب نظر اس کی حرکت کو پر سکون دیکھتی ہے۔ تو اس وقت
اس کی ندی کی موجوں میں موتی ہوتے ہیں۔ (پر سکون ہونے کی حالت میں پانی کی موج موتی بن جاتی ہے)۔

(7) جب زندگی نے اپنی آگ کو اپنے اندر پوشیدہ رکھا۔
تو گل لالہ کی صورت ایک ٹہنی سے پھوٹ پڑی۔

(8) تیری سوچ سست ہے۔ اور لنگڑی ہے۔
اس نے پھول پر تہمت لگائی۔ تو اس کا رنگ اڑ جاتا ہے۔

(9) زندگی نشیمن کے ساتھ موافقت کرنے والا پرندہ نہیں ہے۔
وہ طائر رنگ ہے۔ اور ہر گھڑی اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔

(10) در قفس واماندہ و آزاد ھم
با نوا ہا می زند فریاد ھم

(11) از پرش پرواز شوید دمبدم
چارۂ خود گرده جوید دمبدم

(12) عقدہ ہا خود می زند در کار خویش
باز آساں می کند دشوار خویش

(13) تا بگل گردد حیات تیز گام
تا دوبالا گرددش ذوق خرام

(14) ساز ہا خوابیدہ اندر سوز او
دوش و فردا زادۂ امروز او

(15) دمبدم مشکل گر و آساں گذار
دمبدم نو آفرین و تازہ کار

(16) گرچہ مثل بو سراپا لیش رم است
چوں وطن در سینہ گیرد دم است

(17) رشتہ ہاے خویش را بر خود تند
تکمہ گردد، گرہ بر خود زند

(18) در گرہ چوں دانہ دارد برگ و بر
چشم بر خود وا کند گردد شجر

(19) خلعتے از آب و گل پیدا کند
دست و پا و چشم و دل پیدا کند

(20) خلوت اندر تن گزیند زندگی
انجمن ہا آفریند زندگی

(21) ہمچناں آئین میلاد امم
زندگی بر مرکزے آید بہم

(22) حلقہ را مرکز چو جاں در پیکر است
خط او در نقطہ او مضمر است

(23) قوم را ربط و نظام از مرکزے
روزگارش را دوام از مرکزے

(24) رازدار و راز ما بیت الحرم
سوز ما ہم ساز ما بیت الحرم

٭

(10) زندگی کا پرندہ پنجرے میں عاجز بھی ہے۔ اور آزاد بھی ہے۔
اور اپنی عمدہ آواز کے ساتھ فریاد بھی کرتا رہتا ہے۔

(11) اس کے پروں سے ہر گھڑی پرواز کم ہوتی رہتی ہے۔
اور اپنے کئے کا علاج بھی کرتی رہتی ہے۔

(12) زندگی خود اپنے معاملوں میں مشکلات پیدا کرتی ہے۔
اور پھر اپنی دشواریوں کو آسان بھی بناتی رہتی ہے۔

(13) تیز چلنے والی زندگی اپنے آپ کو کیچڑ میں الجھالیتی ہے۔
تا کہ اس کی چلنے کی لذت دوچند ہو جائے۔

(14) اس کے سوز کے اندر بھی ساز پوشیدہ ہے۔
کل (ماضی) اور کل (مستقبل) اس کے حال کی پیداوار ہیں۔

(15) زندگی ہر گھڑی مشکلات پیدا کرنے والی اور انھیں آسان بنانے والی ہے۔
اور ہر لمحہ نئی چیز پیدا کرنے والی ہے۔ اور نیا انداز اپناتی ہے۔

(16) اگرچہ بو کی طرح وہ سراپا پرواز ہی پرواز ہے۔
جب یہ سینے کو اپنا وطن بناتی ہے۔ تو سانس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔
(17) زندگی اپنے ممکنات کے دھاگوں کو اپنے اوپر تنتی رہتی ہے۔
کبھی گھنڈی بن کر گرہ اپنے اوپر خود لگا دیتی ہے۔
(18) اور دانہ جب گرہ کے اندر برگ و بر پیدا کر کے آنکھ کھولتا ہے اور درخت بن جاتا ہے۔
(19) پھر وہ دانہ پانی اور کیچڑ سے اپنے لئے خلعت پیدا کرتا ہے۔
ہاتھ' پاؤں' آنکھ اور دل پیدا کرتا ہے۔
(20) اسی طرح زندگی جب انسانی وجود میں خلوت پیدا کرتی ہے۔
تو زندگی مختلف انجمنیں لا کھڑی کرتی ہے۔
(21) اسی طرح ملتوں کے پیدا ہونے کا آئین ہے۔ اور
زندگی ایک مرکز پر اکٹھی ہو جاتی ہے۔
(22) دائرے کے لئے مرکز ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لئے جان۔ دائرے کا محیط اس کے مرکز میں پوشیدہ ہے۔
(23) قوم میں ربط و ضبط مرکز سے ہی پیدا ہوتا ہے۔
اور اس (قوم) کے زمانے کو دوام مرکز سے ہی حاصل ہوتا ہے۔
(24) ہمارا راز اور ہمارا رازدار خانہ کعبہ ہے۔
ہمارا سوز اور ساز بھی بیت الحرم ہی ہے۔

(25) چوں نفس در سینۂ او پروریم
جان شیریں است او ما پیکریم

(26) تازہ رو بستان ما از شبنمش
مزرع ما آب گیر از زمزمش

(27) تاب دار از ذرہ ہایش آفتاب
غوطہ زن اندر فضایش آفتاب

(28) دعویٰ او را دلیل استیم ما
از براہین خلیلؑ استیم ما

(29) در جہاں ما را بلند آوازہ کرد
با حدوث ما قدم شیرازہ کرد

(30) ملت بیضا ز طوافش ہم نفس
ہمچو صبح آفتاب اندر قفس

(31) از حساب او یکی بسیاریت
پختہ از بند یکی خود داریت

(32) تو ز پیوند حریمے زندۂ
تا طواف او کنی پایندۂ

(33) در جہاں جان امم جمعیت است
در نگر سر حرم جمعیت است

(34) عبرتے اے مسلم روشن ضمیر
از مآل امت موسیٰ بگیر

(35) داد چوں آں قوم مرکز راز دست
رشتہ جمعیت ملت شکست

(36) آنکہ بالید اندر آغوش رسل
جزو او دانندۂ اسرار کل

(37) دہر سیلی بر بناگوشش کشید
زندگی خوں گشت و از چشمش چکید

(38) رفت نم از ریشہ ہائے تاک او
بید مجنوں ہم نروید خاک او

(39) از گل غربت زباں گم کردۂ
ہم نوا ہم آشیاں گم کردۂ

٭

(25) ہم اس کے سینے میں سانس کی طرح پرورش پاتے ہیں۔
وہ ہماری جان شیریں ہے۔اور ہم ڈھانچے ہیں۔

(26) اس کی شبنم سے ہمارے باغ میں ترو تازگی ہے۔اور
ہماری کھیتی اس کے زمزم سے پانی لیتی ہے۔

(27) سورج اس کے ذروں سے روشنی حاصل کرتا ہے۔
اور سورج اس کی فضا میں غوطہ زنی کرتا ہے۔

(28) اس کے دعووں کی دلیل ہم ہیں۔(دعویٰ توحید)
اور ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دلیلوں میں سے ہیں۔

(29) کعبہ نے ہی ہماری آواز کو بلند کیا۔اور
ہمارے حدوث کو قدم کے ساتھ ملا دیا۔(حادث ہونا۔قدیم ہونا)۔

(30) روشن ملت کعبہ کا طواف کرنے کی وجہ سے ہی مجتمع ہے۔
کعبہ شریف صبح کے سورج کی طرح نور بکھیر رہا ہے۔اور ملت نے اس کو مجتمع کیا ہوا ہے۔

(31) اس کی وجہ سے ہماری کثرت وحدت ہے۔ اور
اس کی وجہ سے ہماری پختگی ہے۔
(32) تو حریم کعبہ کی بنا پر زندہ ہے۔
جب تک تو اس کا طواف کرتا رہے گا۔ پائندہ رہے گا۔ دائم۔
(33) دنیا میں جان امم جمعیت کی وجہ سے ہے۔
غور سے دیکھیے۔ حرم کا بھید جمعیت ہی میں ہے۔ (مرحبا۔ واہ واہ)۔
(34) اے روشن ضمیر والے مسلمان! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے انجام سے عبرت حاصر کر۔
(35) جب اس قوم نے مرکز کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔
تو ملت کی جمعیت کا رشتہ ٹوٹ گیا۔
(36) وہ قوم جو رسولوں کی گود میں پلی تھی۔
اس کے اجزاء کل کے بھیدوں کو جاننے والے تھے۔
(37) زمانے نے اس کی کنپٹی پر تھپڑ مارا۔
جس کی وجہ سے زندگی خون ہو کر اس کی آنکھوں سے بہ نکلی۔
(38) اس کی انگور کی بیلوں سے نمی جاتی رہی۔ اب
اس کی زمین سے بید مجنوں بھی پیدا نہیں ہوتا۔
(39) اس نے وطن ہونے کی وجہ سے اپنی زبان بھی گم کر دی ہے۔
وہ اپنی آواز بھی بھول چکی ہے۔ اور اپنا آشیانہ بھی گم کر چکی ہے۔

(40) شمع مرد و نوحه خواں پروانه اش
مشت خاکم لرزد از افسانه اش

(41) اے ز تیغ جور گردوں خسته تن
اے اسیر التباس و وہم و ظن

(42) پیرہن را جامه احرام کن
صبح پیدا از غبار شام کن

(43) مثل آبا غرق اندر سجده شو
آنچناں گم شو که یکسر سجده شو

(44) مسلم پیشیں نیازے آفرید
تا به ناز عالم آشوبے رسید

(45) در ره حق پا به نوک خار خست
گلستاں در گوشه دستار بست

(40) اس کی شمع بجھ گئی۔ تو پروانے اس پر بین کرنے لگے۔ اس کی کہانی سے میرا بدن (مٹھی بھر خاک) بھی کانپنے لگتا ہے۔

(41) اے مسلم! تو زمانے کی ظلم کی تلوار سے زخمی ہے۔ اور تو شک، وہم اور ظن کا اسیر ہے (وہم و ظن میں پڑا ہوا ہے)۔

در معنی ایں که جمعیت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملیه است و نصب العین امت محمدیه حفظ و نشر توحید است

(1) با تو آموزم زبان کائنات
حرف و الفاظ است اعمال حیات

(2) چوں ز ربط مدعاے بسته شد
زندگانی مطلع برجسته شد

(3) مدعا گردد اگر مہمیز ما
ہمچو صرصر می رود شبدیز ما

(4) مدعا راز بقاے زندگی
جمع سیماب قواے زندگی

(5) چوں حیات از مقصدے محرم شود
ضابط اسباب ایں عالم شود

(6) خویشتن را تابع مقصد کند
بہر او چیند، گزیند، رد کند

(7) ناخدا را یم روی از ساحل است
اختیار جاده با از منزل است

(42) اے مسلم! تو احرام کے کپڑے سے اپنا لباس بنا۔ اور شام کے غبار سے اپنی صبح پیدا کر۔

(43) اپنے آباء و اجداد کی طرح سجدوں کے اندر غرق ہو جاؤ۔ سجدوں میں اس طرح گم ہو جاؤ۔ کہ یکسر سجدہ بن جاؤ۔

(44) پہلے زمانے کے مسلمانوں نے نیاز مندی پیدا کی تھی۔ (اختیار کی تھی)۔ اس نے وہ ناز حاصل کیا۔ کہ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

(45) اس نے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے پاؤں کانٹوں کی نوک سے زخمی کیے۔
تو جا کر اس نے گوشہ دستار میں ایک باغ سجایا۔

اس بیان میں کہ حقیقی جمیعت ملت کے نصب العین کو مضبوطی سے پکڑنا ہے۔ اور "امت محمدیہ" کا نصب العین توحید خداوندی کی حفاظت کرنا ہے۔ اور اسے پھیلانا ہے

(1) میں تمہیں کائنات کی زبان بتاتا ہوں۔ (مراد زندگی)
کہ زندگی کے اعمال الفاظ اور حروف ہیں۔ (مراد زندگی کی زبان)۔
(2) جب زندگی کسی مدعا کے ربط سے وابستہ ہو جاتی ہے۔
تو وہ زندگی کا مطلع (پہلا شعر غزل یا قصیدہ) بن جاتی ہے۔
(3) اگر مدعا ہماری زندگی کی مہمیز بن جائے۔ تو
ہمارے گھوڑے کی رفتار باد صرصر کی طرح تیز ہو جائے۔
(4) زندگی کی بقا کا راز مدعا ہی ہے۔ اور اسی سے
زندگی کی قوتوں کا سیماب اکٹھا ہوتا ہے۔
(5) جب زندگی کسی مقصد سے واقف ہو جاتی ہے۔
تو اس دنیا کے اسباب کو ایک ضابطے میں لے آتی ہے۔
(6) پھر زندگی اپنے آپ کو مقصد کے تابع کرتی ہے۔ اور
مقصد کے لئے چند چیزوں کو چن لیتی ہے۔ اور بعض کو رد کر دیتی ہے۔
(7) ملاح کو ساحل سے ہی ہم روی (دریا کے ساتھ چلنا) حاصل ہوتی ہے۔
راستوں کا اختیار کرنا منزل کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

(8) بر دل پروانہ داغ از ذوق سوز
طوف او گرد چراغ از ذوق سوز

(9) قیس اگر آوارہ در صحرا ستے
مدعایش محمل لیلا ستے

(10) تا بود شہر آشنا لیلائے ما
بر نمی خیزد بصحرا پائے ما

(11) ہمچو جاں مقصود پنہاں در عمل
کیف و کم از وے پذیرد ہر عمل

(12) گردش خونے کہ در رگہائے ما ست
تیز از سعی حصول مدعا ست

(13) از تف او خویش را سوزد حیات
آتشے چوں لالہ اندوزد حیات

(14) مدعا مضراب ساز ہمت است
مرکزے کو جاذب ہر قوت است

(15) دست و پائے قوم را جنباند او
یک نظر صد چشم را گرداند او

(16) شاہد مقصود را دیوانہ شو
طائف ایں شمع چوں پروانہ شو

(17) خوش نوائے نغمہ ساز قم زد است
زخمہ معنی بر ابریشم زد است

(18) تا کشد خار از کف پارہ سپر
می شود پوشیدہ محمل از نظر

(19) گر بقدر یک نفس غافل شدی
دور صد فرسنگ از منزل شدی

(20) ایں کہن پیکر کہ عالم نام او ست
ز امتزاج امہات اندام او ست

(21) صد نیستاں کاشت تا یک نالہ رست
صد چمن خوں کرد تا یک لالہ رست

(22) نقشہا آورد و افگند و شکست
تا بہ لوح زندگی نقش تو بست

*

(8) پروانے کے دل پر ذوق سوز سے داغ ہے۔ تو اسی ذوق سوز کی وجہ سے چراغ کے اردگرد طواف کرتا ہے۔

(9) قیس اگر صحرا میں آوارہ ہے۔ تو لیلیٰ کا محمل اس کا مدعا ہوتا ہے۔

(10) جب سے ہماری لیلیٰ شہر آشنا ہوئی ہے۔ تو صحرا کی طرف ہمارے پاؤں نہیں اٹھتے۔

(11) جان کی طرح مقصود عمل میں پوشیدہ ہے۔ اسی سے زندگی میں کیف و کم پیدا ہوتا ہے۔ (کیسا اور کتنا)۔

(12) ہماری رگوں میں جو خون کی گردش ہے۔ تو وہ مدعا حاصل کرنے کی کوشش سے تیز ہو جاتا ہے۔

(13) مقصود کی گرمی سے زندگی اپنے آپ کو جلاتی ہے۔ اسی لئے زندگی گل لالہ کی طرح آگ اکٹھی کرتی ہے۔

(14) مقصد ہی ہمت کے ساز کا مضراب ہے۔

یہ ایسا مرکز ہے۔ جو ہر قوت کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

(15) قوم کے ہاتھ اور پاؤں میں حرکت اسی کی وجہ سے ہوتی ہے۔
اسی سے سینکڑوں آنکھیں ایک نظر بن جاتی ہیں۔

(16) اے مسلم! تو شاہد مقصود کا دیوانہ بن جا۔
اور اس شمع کا پروانے کی طرح طواف لگانے والا ہو جا۔

(17) قم کے خوش نوا شاعر نے کیا اچھی بات کہی ہے۔ اس نے گویا
ابریشم کے تار پر معنوں کا مضراب لگایا ہے۔

(18) جب تک مسافر اپنے پاؤں سے کانٹا نکالتا ہے۔ تو اس تھوڑی سی مدت میں ہی محمل نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

(19) اگر تو ایک لمحے کے لئے بھی غافل ہوا۔ تو منزل سے سینکڑوں میل دور ہو گیا۔

(20) یہ پرانی دنیا جس کا نام عالم ہے۔ اور
عناصر کے امتزاج سے اس کا وجود قائم ہے۔

(21) اس نے سینکڑوں نیستان کاشت کئے۔ تاکہ
بنسری سے نالہ پیدا ہو۔
اسی طرح سینکڑوں باغوں کا خون کیا۔ تو ایک گل لالہ پیدا ہوا۔

(22) اس نے کئی نقش بنائے۔ قائم کئے اور توڑ دیئے۔
تاکہ زندگی کی لوح پر تیرا نقش قائم ہو۔

(23) ناله ها در کشت جاں کاریده است
تا نوائے یک اذاں بالیده است

(24) مدتے پیکار با احرار داشت
با خداوندان باطل کار داشت

(25) تخم ایماں آخر اندر گل نشاند
با زبانت کلمه توحید خواند

(26) نقطه ادوار عالم لا اله
انتہائے کار عالم لا اله

(27) چرخ را از زور او گردندگی
مهر را پایندگی رخشندگی

(28) بحر گوهر آفرید از تاب او
موج در دریا تپید از تاب او

(29) خاک از موج نسیمش گل شود
مشت پر از سوز او بلبل شود

(30) شعله در رگهائے تاک از سوز او
خاک مینا تابناک از سوز او

(31) نغمه هایش خفته در ساز وجود
جویدت اے زخمه ور ساز وجود

(32) صد نوا داری چو خوں در تن رواں
خیز و مضرابے به تار او رساں

(33) زانکه در تکبیر راز بود تست
حفظ و نشر لا اله مقصود تست

(34) تا نه خیزد بانگ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

(35) می ندانی آیه ام الکتاب
امت عادل ترا آمد خطاب

(36) آب و تاب چهرهٔ ایام تو
در جهاں شاهد علی الاقوام تو

(37) نکته سنجاں را صلائے عام ده
از علوم امیے پیغام ده

(23) اس نے جان کی کھیتی میں کئی نالے کاشت کئے۔ تاکہ ان کے اندر سے ایک اذان کی آواز پیدا ہو۔

(24) یہ دنیا لمبی مدت تک احرار سے لڑتی رہی۔ کیونکہ اسے جھوٹے معبودوں سے الفت تھی۔

*

ملک قمی کا شعر۔

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ را ہم دور شد

(25) آخر کار اس نے انسان کے بدن کے اندر ایمان کا بیج بویا۔
اور تیری زبان پر توحید کا کلمہ جاری کیا۔

(26) اہل عالم کی گردشوں کا مرکز لا الہ ہے۔
اور اس جہاں کے کام کی انتہاء بھی لا الہ ہی ہے۔

(27) آسمان کی گردش اسی کے زور سے ہے۔
سورج نے ہیشگی اور چمک اسی سے پائی ہے۔

(28) سمندر نے اس کی چمک کی بنا پر موتی پیدا کئے۔
دریا میں موجیں بھی اسی کی تپش سے تڑپیں۔

(29) مٹی اس کی نسیم کی موجوں سے پھول بن جاتی ہے۔
مٹھی بھر پر اس کے سوز سے بلبل ہوئے۔

(30) انگور کی رگوں میں شعلے اسی کے سوز سے ہیں۔
اور اس کے سوز سے صراحی کی مٹی چمکدار بنی۔

(31) دنیا کے وجود کے ساز کے اندر نغمے سوئے ہوئے ہیں۔
اے زخمہ ور وجود کا ساز تیری تلاش میں ہے۔

(32) تو اپنے جسم میں سینکڑوں خونیں نغمے رکھتا ہے۔
اٹھ۔ اور تار عالم کو اپنے مضراب سے چھیڑ دے۔

(33) چونکہ تیری زندگی کا راز نعرہ تکبیر (اللہ اکبر) میں پوشیدہ ہے۔
اس وجہ سے توحید کی حفاظت اور اشاعت تیرا مقصد ہے۔

(34) جب تک ساری دنیا سے حق کی آواز بلند نہ ہو۔ اس وقت تک اگر تو مسلمان ہے۔ تو ایک لمحے کے لئے بھی آرام سے نہ بیٹھے۔

(35) کیا تو قرآن پاک کی وہ آیت نہیں جانتا۔
جس میں تجھے امت عادل (وسطی) کا خطاب ملا۔

(36) اے مسلمان! تو چہرہ ایام کی چمک دمک ہے۔
تو دنیا میں قوموں پر شاہد ہے۔ (دنیا کی قوموں کا تو معیار ہے)۔

(37) تو باریکیاں ڈھونڈنے والوں کو عام دعوت دے۔
اور رسول کریمؐ (امی) کا پیغام دے۔

(38) اسپے پاک از هوئی گفتار او
شرح رمز ما غوئی گفتار او

(39) تا بدست آورد نبض کائنات
وا نمود اسرار تقویم حیات

(40) از قبائے لالہ ہائے ایں چمن
پاک شست آلود گیہائے کہن

(41) در جہاں وابستہ دینش حیات
نیست ممکن جز بآئینش حیات

(42) اے کہ می داری کتابش در بغل
تیز تر نہ پا بہ میدان عمل

(43) فکر انساں بت پرستے بتگرے
ہر زماں در جستجوے پیکرے

(44) باز طرح آزری انداخت است
تازہ تر پروردگارے ساخت است

(45) کاید از خوں ریختن اندر طرب
نام او رنگ است و ہم ملک و نسب

(46) آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند
پیش پائے ایں بت نا ارجمند

(47) اے کہ خور دستی ز مینائے خلیلؑ
گرمی خونت ز صہبائے خلیلؑ

(48) بر سر ایں باطل حق پیرہن
تیغ **لا موجود الا ھو** بزن

(49) جلوہ در تاریکی ایام کن
آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

(50) لرزم از شرم تو چوں روز شمار
پرسدت آں آبروے روزگار

(51) حرف حق از حضرت ما بردۂ
پس چرا با دیگراں نسپردۂ

*

(38) آپؐ ایسے امی لقب تھے۔ کہ آپؐ کی گفتگو ہوائے نفس سے پاک تھی۔
اور آپؐ کی گفتار ما **غوی** کی رمزوں کی شرح تھی۔ (**ما ضل صاحبکم وما غوی**) کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ترجمہ شاہ ولی اللہؒ اس طرح فرماتے ہیں۔ گمراہ نہ شد ایں یار شما۔ تمہارا یار گمراہ نہیں ہوا۔ و غلط نکردہ است راہ را۔ اور راہ کے بارے میں کوئی غلطی نہیں کی۔
پہلے مصرع میں **وما ینطق عن الھوا** - و سخن نمی گوید از خواہش نفس یعنی آپؐ خواہشات نفس کی بنا پر گفتگو نہیں فرماتے تھے)۔

(39) جب سے اس نبی امی نے کائنات کی نبض کو ہاتھ میں لیا ہے۔
اس وقت سے آپؐ نے زندگی کے راز کھول دیے۔

(40) آپؐ نے اس باغ کے لالہ کے پھولوں کی قبا سے۔
پرانی آلودگیاں اچھی طرح دھو ڈالیں۔

(41) اب زندگی دنیا میں آپؐ کے دین سے وابستہ ہے۔
اور آپؐ کے آئین کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔

(42) اے مسلمان تو کتاب (قرآن پاک) اپنی بغل میں لئے پھرتا ہے۔
اس قرآن پاک پر عمل کرنے کی رفتار کو تیز تر کر دے۔

(43) انسان کی فکر یہ ہے۔ کہ وہ بت بناتا ہے۔ اور ان کی پوجا کرتا ہے۔
اور ہر گھڑی ایک نئے بت کی تلاش میں رہتا ہے۔

(44) اب اس نے آزری طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ (آزر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد)۔
اور ایک نیا خدا بنایا ہے۔

(45) وہ ناحق خون گرانے سے بہت خوش رہتا ہے۔ اور اس نئے خدا کا نام رنگ، ملک اور نسب ہے۔
(اسلام میں رنگ، ملک اور نسب کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

(46) ان نامبارک (منحوس) بتوں کے سامنے انسانیت
بھیڑ، بکری کی طرح ذبح ہو گئی ہے۔

(47) اے مسلمان! تو نے حضرت ابراہیمؑ کی مینا سے شراب حق پی ہے۔
اور تیرے خون میں گرمی حرت ابراہیمؑ کے خون کی وجہ سے ہے۔

(48) ان حق نما بتوں کے سر پر تیغ **لا موجود الا ھو** - (اس کے بغیر کوئی موجود نہیں ہے) کی ضرب
کاری لگا۔

(49) اے مسلمان! اپنے عمل سے زمانے کی تاریکی میں نور ہدایت پھیلا دے۔
اور جو کچھ تم پر مکمل ہو کر آیا ہے۔ اسے عام کر دے۔

(50) میں شرم کی وجہ سے لرزہ براندام ہو جاتا ہوں۔ کہ جب قیامت کے دن
وہ زمانے بھر کی آبرو (رسول کریمؐ) پوچھیں گے۔

(51) تو نے حرف حق کی تعلیم ہمارے دربار سے لی۔ تو
اسے تو نے دوسروں پر کیوں تقسیم نہیں کیا۔ (یعنی دوسرے لوگوں کو اس سے روشناس کیوں نہیں
کیا)۔

تکمیل اسلام کی طرف اشارہ ہے۔
آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں۔ اور اسلام میں
تمہارے لئے دین پسند کیا ہے۔

در معنی ایں کہ توسیع حیات ملیہ از تسخیر قواے نظام عالم است

اس بیان میں۔ کہ ملی زندگی کی وسعت کا مدار نظام عالم کی قوتوں کے مسخر کرنے میں ہے

(1) اے کہ با نادیدہ پیماں بستہ
ہمچو سیل از قید ساحل رستہ

(2) چوں نہال از خاک ایں گلزار خیز
دل بغائب بند و با حاضر ستیز

(3) ہستی حاضر کند تفسیر غیب
می شود دیباچہ تسخیر غیب

(4) ماسوا از بہر تسخیر است و بس
سینہ او عرصہ تیر است و بس

(5) از کن حق ما سوا شد آشکار
تا شود پیکان تو سنداں گذار

(6) رشتہ باید گرہ اندر گرہ
تا شود لطف کشودن را فرہ

(7) غنچہ؟ از خود چمن تعمیر کن
شبنمی؟ خورشید را تسخیر کن

(8) از تو می آید اگر کار شگرف
از دمے گرمے گداز ایں شیر برف

(9) ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد
عالمے از ذرۂ تعمیر کرد

(10) آنکہ تیرش قدسیاں را سینہ خست
اول آدم را سر فتراک بست

(11) عقدۂ محسوس را اول کشود
ہمت از تسخیر موجود آزمود

(1) اے مسلمان! تو نے نہ دیکھے ہوؤں کے ساتھ وفا کا پیمان باندھ رکھا ہے۔ اس طرح تو سیلاب کے مانند کنارے سے آزاد ہو گیا ہے۔ (مسلمان کے علاوہ امت مسلمہ بھی مخاطب ہو سکتی ہے)۔

(2) اس باغ کی زمین سے درخت کی طرح اٹھ۔ اپنے دل کو غائب کے ساتھ لگا۔ اور حاضر کے ساتھ جنگ و جدل کر۔

(3) حاضر کی ہستی (کائنات اور غیب (صفات و ذات خداوندی) کی تفسیر ہے۔ اور غیب کی تسخیر خداوند کریم کی معرفت کا دیباچہ بن جاتی ہے۔

(4) ماسوئی (اللہ تعالیٰ کے سوا) تسخیر کرنے کے لئے ہے۔ اور بس

اور اس کے سینے کو انسانی کوشش اور عمل سے تیر کا نشانہ بنایا جائے۔

(5) اللہ تعالیٰ کے لفظ کن (ہو جا) کہنے سے کائنات کا وجود ہوا۔

تاکہ تیرا تیر ہرن سے پار ہو جائے۔

(6) دھاگا گرہ در گرہ ہونا چاہئے۔

تاکہ ان کے کھولنے میں زیادہ لطف آئے۔

(7) اگر تو غنچہ ہے۔ تو اپنے آپ کو باغ تعبیر کر۔

اگر تو شبنم ہے۔ تو سورج کو مسخر کر لے۔

(8) اگر تجھ سے کوئی اچھا کام ہو سکتا ہے۔ تو

اس برف کے شیر (کائنات) کو اپنے گرم دم سے پگھلا دے۔

(9) جس شخص نے محسوسات کو مسخر کر لیا۔ تو

اس نے ایک ذرے سے ایک دنیا تعمیر کر لی۔

(10) وہ کہ جس کے تیر نے فرشتوں کا سینہ زخمی کر دیا تھا۔ (کیونکہ فرشتوں کو خلافت کا منصب عطا نہیں ہوا تھا)۔

اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہی اولیت سے نوازتے ہوئے اپنے فتراک میں باندھا تھا۔ (کیونکہ اس کائنات کی ہر چیز مسخر کر لی تھی)۔

(11) حضرت آدم علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے محسوسات کی گرہ کو کھولا۔

اور موجودات کی تسخیر سے اپنی ہمت کو آزمایا۔

(12) کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر
تختہ تعلیم ارباب نظر

(13) اے کہ از تاثیر افیوں خفتہ
عالم اسباب را دوں گفتہ

(14) خیزو وا کن دیدہ مخمور را
دوں مخواں ایں عالم مجبور را

(15) غایتش توسیع ذات مسلم است
امتحان ممکنات مسلم است

(16) می زند شمشیر دوراں بر تنت
تا بہ بینی ہست خواں اندر تنت

(17) سینہ را از سنگ زورے ریش کن
امتحان استخوان خویش کن

(18) حق جہاں را قسمت نیکاں شمرد
جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد

(19) کارواں را رہگذار است ایں جہاں
نقد مومن را عیار است ایں جہاں

(20) گیر او را تا نہ او گیرد ترا
ہمچو مے اندر سبو گیرد ترا

(21) دلدل اندیشہ ات طوطی پرست
آنکہ کاوش آسماں پیما در است

(22) احتیاج زندگی میراندش
بر زمیں گردوں سپر گرداندش

(23) تا ز تسخیر قوائے ایں نظام
ذو فنونیہائے تو گردد تمام

(24) نائب حق در جہاں آدم شود
بر عناصر حکم او محکم شود

(25) تنگی ات پہنا پذیرد در جہاں
کار تو اندام گیرد در جہاں

(26) خویش را بر پشت باد اسوار کن
یعنی ایں جمازہ را مہار کن

(12) پہاڑ، جنگل، صحرا، سمندر اور بیابان سب کے سب عقل مندوں کے لئے حصول تعلیم کا میدان ہیں۔

(13) اے وہ آدمی جو افیون کی تاثیر سے سویا ہوا ہے۔ اور اس عالم یعنی کائنات کو حقیر کہتا ہے۔

(14) اٹھ۔ اور اپنی خمار زدہ آنکھ کو کھول۔ اور اس عالم اس عالم مجبور یعنی کائنات کو حقیر نہ کہو۔

(15) اس کی غایت (کائنات کا مقصد) مسلم کی شخصیت کی توسیع ہے۔ اور اس کے اندر چھپی ہوئی ممکنات کا امتحان ہے۔

(16) زمانہ تیرے بدن پر تلوار چلاتا ہے۔ تا کہ تو خود دیکھ لے۔ کہ تیرے اندر خون ہے۔

(17) سنگ زور سے اپنے سینے کو زخمی کر۔ اور اپنی ہڈیوں کا امتحان کر۔

(18) اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو نیک لوگوں کی میراث فرمایا ہے۔

اور اس کے جلوے بندہ مومن کی آنکھوں کے لئے وقف کئے ہیں۔

(19) یہ دنیا زندگی کے قافلے کا راہ گذار ہے۔ اور
مومن کی قوتوں کی آزمائش کی جگہ ہے۔

(20) تو اس کو فتح کرلے۔ مبادا وہ تجھے تسخیر کرلے۔ اور اپنے
سبو کی مے بنالے۔

(21) تیری قوت فکر کے گھوڑے کو طوطی کے پر لگے ہوئے ہیں۔ اور
اس کا قدم آسمان کی وسعتوں تک پہنچنے والا ہے۔

(22) زندگی کی ضروریات اس کو چلاتی ہیں۔ اور
زمین پر ہوتے ہوئے ہی اسے آسمان کی سیر کراتی ہیں۔

(23) تاکہ یہ نظام قوتوں کی تسخیر سے تیرے ذو فن ہونے کی تکمیل ہو۔

(24) دنیا میں آدمی اللہ تعالیٰ کا نائب بنے۔
اور عناصر پر اس کا حکم جاری ہو۔

(25) تیری تنگیاں (محدود قوتیں) دنیا میں وسیع ہوں۔
اور تیرا کام دنیا میں آراستہ ہو۔

(26) تو اپنے آپ کو ہوا کی پیٹھ پر سوار کر۔ یعنی
اس اونٹنی کو مطیع کرلے۔

(27) دست رنگیں کن ز خون کوہسار
جوئے آب گوہر از دریا برآر

(28) صد جہاں در یک فضا پوشیدہ اند
مہرہا در ذرہ ہا پوشیدہ اند

(29) از شعاعش دیدہ کن نادیدہ را
وا نما اسرار t فہمیدہ را

(30) تابش از خورشید عالمتاب گیر
برق طاق افروز از سیلاب گیر

(31) ثابت و سیارۂ گردوں وطن
آں خداوندان اقوام کہن

(32) ایں ہمہ اے خواجہ آغوش تو اند
پیش خیزو حلقہ در گوش تو اند

(33) جستجو را محکم از تدبیر کن
انفس و آفاق را تسخیر کن

(34) چشم خود بکشا و در اشیا نگر
نشہ زیر پردۂ صہبا نگر

(35) تا نصیب از حکمت اشیا برد
ناتواں باج از توانایاں خورد

(36) صورت ہستی ز معنی سادہ نیست
ایں کہن ساز از نوا افتادہ نیست

(37) برق آہنگ است ہشیارش زنند
خویش را چوں زخمہ بر تارش زنند

(38) تو کہ مقصود خطاب انظری
پس چرا ایں راہ چوں کوراں بری

(39) قطرۂ کز خود فروزی محرم است
بادہ اندر تاک و بر گل شبنم است

(40) چوں بدریا در رود گوہر شود
جوہرش تابندہ چوں اختر شود

(41) چوں صبا بر صورت گلہا متن
غوطہ اندر معنی گلزار زن

(27) پہاڑ کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کرلے۔ اور دریا سے گوہردار پانی کی نہر نکال۔

(28) اس ایک فضا میں سینکڑوں جہاں پوشیدہ ہیں۔ اور کئی سورج ایک ایک ذرے میں مخفی ہیں۔

(29) اس کی شعاعوں سے نادیدہ چیزوں کو معلوم کر۔ اور ایسے راز ظاہر کر جو ابھی تک نافہمیدہ ہیں۔

(30) دنیا کو روشن کرنے والے سورج سے توانائی حاصل کر۔ اور سیلاب سے بجلی حاصل کر۔ جو گھروں (طاق) کو روشن کرتی ہو۔

(31) آسمان وطن سیارے اور ثوابت جو پرانی قوموں کے معبود تھے۔

(32) اے خواجہ یہ سب چیزیں تیرے غلام اور کنیز ہیں۔ یہ سب تیرے آگے دوڑنے والے اور حلقہ بگوش ہیں۔

(33) اپنی جستجو کو تدبیروں سے مضبوط کر۔ اور

آرمیزن کو' زمانے کو مسخر کرے۔(یعنی سب تیرے غلام ہیں۔ان کو اپنا بنالے)۔

(34) اپنی آنکھوں کو کھول کر چیزوں کو دیکھ۔یعنی
شراب کے پردوں میں چھپے ہوئے نشے کو دیکھئے۔

(35) تاکہ یہ انسان دانائی کی بنا پر اشیاء سے اپنا حصہ لے۔یعنی
ناتواں تواں سے خراج وصول کرے۔

(36) اشیاء کی صورت حقیقت سے خالی نہیں ہے۔
یہ ساز پرانا ہے۔لیکن نوا سے خالی نہیں ہے۔

(37) یہ ساز نجلی کا آہنگ لئے ہوئے ہے۔ہشیار اور تجربہ کار لوگ ہی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔اور وہی مضراب لگا کر تاروں سے نغمے پیدا کر سکتے ہیں۔

(38) تو انظر (تو دیکھ) کے خطاب کا مقصد ہے۔
پھر کس لئے اندھوں کی طرح اس راہ پر چل رہا ہے۔(اندام گرفتن کار: کام کا آراستہ ہونا۔ آغوش :لونڈی۔کنیز)۔

(39) وہ قطرہ جو اپنے آپ کو روشن رکھنے کے راز سے واقف ہے۔
وہ انگور میں شراب اور پھول کی ٹہنی پر شبنم بن جاتا ہے۔

(40) جب وہ قطرہ دریا میں جاتا ہے۔موتی بن جاتا ہے۔
اور اس کا جوہر ستارے کی طرح چمکدار ہو جاتا ہے۔

(41) تو بادِ صبا کی طرح پھولوں کی ظاہری شکل پر فخر نہ کر۔
بلکہ باغ کی حقیقت کے اندر غوطہ زنی کر۔

(42) آنکہ بر اشیا کمند انداخت است
مرکب از برق و حرارت ساخت است

(43) حرف چوں طائر بہ پرواز آورد
نغمہ را بے زخمہ از ساز آورد

(44) اے خرت لنگ از رہ دشوار زیست
غافل از ہنگامۂ پیکار زیست

(45) ہمرہانت پے بہ منزل بردہ اند
لیلی معنی ز محمل بردہ اند

(46) تو بصحرا مثل قیس آوارۂ
خستۂ وا ماندۂ بیچارۂ

(47) علم اسما اعتبار آدم است
حکمت اشیا حصار آدم است

(42) جس شخص نے اشیاء پر کمند پھینکی ہے۔ (یعنی اشیاء کو مسخر کیا)۔ اس نے بجلی اور حرارت کو اپنی سواری بنایا ہے۔

(43) وہ حروف کو پرندوں کی سی اڑان عطا کرتا ہے۔ اور ساز سے بغیر مضراب کے نغمے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(44) اے وہ آدمی! تیرا گدھا زندگی کی دشوار راہوں کو دیکھ کر لنگڑا رہا ہے۔ وہ کشمکش حیات کے ہنگاموں سے غافل ہے۔

(45) تیرے ہمراہی اور ہم سفر منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے حقیقت کی لیلیٰ کو حاصل کر لیا ہے۔

(46) تو جنگل میں قیس (مجنوں) کی طرح آوارہ پھر رہا ہے۔ تو تھکا ہارا ہوا ہے۔ پیچھے رہ گیا ہے۔ اور بے چارہ ہے۔

(47) اشیاء کے جاننے سے ہی انسان کا اعتبار ہے۔ اور اشیاء کی حکمت سے واقف ہونا انسان کا قلعہ ہے۔

در معنی ایں کہ کمال حیات ملیہ ایں است کہ ملت مثل فرد احساس خودی پیدا کند و تولید و تکمیل ایں احساس از ضبط روایات ملیہ ممکن گردد

(1) کودکے را دیدی اے بالغ نظر
کو بود از معنی خود بے خبر

(2) ناشناس دور و نزدیک آنچناں
ماہ را خواہد کہ بر گیرد عناں

(3) از ہمہ بیگانہ آں مالک پرست
گریہ مست و شیر مست و خواب مست

(4) زیر و بم را گوش او در گیر نیست
نغمہ اش جز شورش زنجیر نیست

(5) سادہ و دوشیزہ افکارش ہنوز
چوں گہر پاکیزہ گفتارش ہنوز

(6) جستجو سرمایہ پندار او
از چرا چوں کے کجا گفتار او

اس بیان میں۔ کہ حیات ملی کا کمال یہ ہے۔ کہ ملت بھی فرد کی طرح خودی کا احساس پیدا کرے۔ اور اس احساس کا پیدا ہونا اور مکمل ہونا ملی روایات کے ضبط کرنے سے ممکن ہے

(1) اے بالغ نظر تو نے کبھی بچے کو دیکھا ہے۔
جو کہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔
(2) اسے دور یا نزدیک ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔
اس طرح۔ کہ وہ چاہتا ہے۔ کہ چاند کی باگیں پکڑ لے۔
(3) وہ سب سے بیگانہ اور ناآشنا ہوتا ہے۔ صرف اپنی ماں کو پہچانتا ہے۔
وہ رونے میں مست۔ دودھ پینے میں مست اور سونے میں مست ہوتا ہے۔
(4) اس کے کان آواز کے زیر و بم سے ناواقف ہوتے ہیں۔
زنجیر (کنڈی) کے کھنکھنانے کے سوا اس کے لئے اور کوئی نغمہ نہیں ہوتا۔
(5) اس کے افکار تازہ اور دوشیزہ (اچھوتے) ہوتے ہیں۔
اس کی گفتگو موتی کی طرح پاکیزہ ہوتی ہے۔
(6) اس کے پندار کا سرمایہ صرف جستجو ہے۔ اور اس کی گفتگو کیوں، کیسے، کب اور کہاں پر مبنی ہوتی ہے۔

(7) نقش گیر این و آں اندیشہ اش
غیر جوئی، غیر بینی، پیشہ اش

(8) چشمش از دنبال اگر گیرد کسے
جان او آشفتہ می گردد بسے

(9) فکر خامش در ہوائے روزگار
پر کشا مانند باز نو شکار

(10) در پئے نخچیر با ہنگنار وش
باز سوئے خویشتن می آردش

(11) تا ز آتشگیرئ افکار او
گل فشاند زرچک پندار او

(12) چشم گیر ائیش فتد بر خویشتن
دستکے بر سینہ می گوید کہ "من"

(13) یاد او با خود شناسائش کند
حفظ ربط دوش و فردائش کند

(14) سفتہ ایامش دریں تار زر اند
ہچو گوہر از پے یک دیگر اند

(15) گرچہ ھر دم کاہد افزاید گلش
"من ہما نستم کہ بودم" در دلش

(16) ایں "من" نوزادہ آغاز حیات
نغمہ بیداری ساز حیات

(17) ملت نوزادہ مثل طفلک است
طفلکے کو در کنار مامک است

(18) طفلکے از خویشتن نا آگہے
گوھر آلودۂ خاک رہے

(19) بستہ با امروز او فرداش نیست
حلقہ ہاے روز و شب در پاش نیست

(20) چشم ھستی را مثال مردم است
غیر را بینندہ و از خود گم است

(21) صد گرہ از رشتہ خود وا کند
تا سر تار خودی پیدا کند

*

(7) اس کی قوت فکری اس اور اس سے نقش گیر ہوتی ہے۔ (گرد و پیش)۔
اور اس کا شغل اشیاء کی تلاش اور ان کا مشاہدہ کرتا ہوتا ہے۔ (اس کا پیشہ غیر کی تلاش اور غیر کو دیکھنا ہوتا ہے)۔

(8) اگر کوئی آدمی پیچھے سے اس کی آنکھیں بند کرلے۔
تو وہ بے قرار اور پریشان ہو جاتا ہے۔

(9) اس کی خاموش (ناپختہ) فکر زمانے کی فضا میں اس باز کی طرح پر کھولتی ہے۔
جس نے ابھی ابھی شکار کرنا سیکھا ہو۔

(10) ایک مقام ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے شکار کا تعاقب چھوڑ دیتا ہے۔
دوبارہ اس کو اپنی طرف لے آتا ہے۔

(11) تاکہ اس کے افکار کی آتش گیری (مراد روانی) اس کی دانست کی پھلجھڑی سے پھول برسائے۔

(12) اب اس کی نظر اپنے آپ پر پڑتی ہے۔
وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہتا ہے۔ کہ میں ہوں۔ یعنی اس وقت اس میں خودی کا احساس پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔

(13) اب اس کے حافظے میں خود شناسی پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔
اور اپنے ماضی (دوش) اور مستقبل (فردا) کی حفاظت کرتا ہے۔

(14) اب اس کا تمام زمانہ سونے کے تار میں موتیوں
کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے پرویا جاتا ہے۔

(15) اگرچہ اس کا بدن گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے۔
لیکن اس کے دل میں یہ احساس قائم رہتا ہے۔ کہ میں وہی ہوں۔ جو میں تھا۔

(16) یہ نئے پیدا ہونے والے میں زندگی کا آغاز ہے۔
اور سازِ زندگی کا نغمہ بیداری ہے۔

(17) نوزادہ ملت اس بچے کی مانند ہے۔
جو اپنی ماں کی گود میں ہو۔

(18) ایسا بچہ جو اپنے آپ سے ناواقف ہے۔
اور وہ ایسا موتی ہے۔ جو راستے کی مٹی میں ملا ہو۔

(19) اس کے حال (امروز) کا آنے والے کل (فردا) کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔
اور رات اور دن کی بیڑیاں اس کے پاؤں پر نہ ہوں۔ (آزاد ہو)۔

(20) اس کی مثال انسانی وجود میں آنکھ کی سی ہے۔
جو دوسروں کو دیکھتی ہے۔ مگر اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی۔

(21) وہ اپنے دھاگے کی سینکڑوں گرہیں کھولتا ہے۔
تب جا کر اسے کہیں خودی کے تار کا سرا ملتا ہے۔

(22) گرم چوں افتد بکار روزگار
ایں شعور تازہ گردد پایدار

(23) نقشہا بروارد اندازد ازو
سرگزشت خویش را می سازد او

(24) فرد چوں پیوند ایامش گسیخت
شانہ ادراک او دندانہ ریخت

(25) قوم روشن از سواد سرگزشت
خود شناس آمد زیاد سرگزشت

(26) سرگزشت او گر از یادش رود
باز اندر نیستی گم می شود

(27) نسخہ بود ترا اے ہوشمند
ربط ایام آمدہ شیرازہ بند

(28) ربط ایام است ما را پیرہن
سوزنش حفظ روایات کہن

(29) چیست تاریخ اے ز خود بیگانہ
داستانے قصہ افسانہ؟

(30) ایں ترا از خویشتن آگہ کند
آشنائے کار و مرد رہ کند

(31) روح را سرمایہ تاب است ایں
جسم ملت را چو اعصاب است ایں

(32) ہمچو خنجر بر فسانت می زند
باز بر روئے جہانت می زند

(33) وہ چہ ساز جاں نگار و دلپذیر
نغمہ ہائے رفتہ در تارش اسیر

(34) شعلہ افسردہ در سوزش نگر
دوش در آغوش امروزش نگر

(35) شمع او بخت امم را کوکب است
روشن از وے امشب و ہم دوشب است

(36) چشم پرکارے کہ بیند رفتہ را
پیش تو باز آفریند رفتہ را

(22) پھر وہ جب دنیا کے کاموں میں سرگرم ہوتا ہے۔ تو اس کا "میں" کا شعور پائدار ہو جاتا ہے۔

(23) پھر وہ پرانے نقش مٹاتا ہے۔ اور نئے نقش ڈالتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی سرگذشت تیار کرتا ہے۔

(24) فرد کا تعلق جب گذشتہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس کی ادراک کی کنگھی کے دندانے گر جاتے ہیں۔

(25) قوم بھی اپنی سرگزشت سے روشنی حاصل کرتی ہے۔ اپنی سرگزشت کی بنا پر اس میں خودشناسی کے جوہر پیدا ہو جاتے ہیں۔

(26) اگر وہ اپنی سرگزشت (تاریخ) کو بھول جائے۔ تو وہ نیستی میں گم ہو جاتی ہے۔ (صفحہ حیات سے مٹ جاتی ہے)۔

(27) اے عقل مند انسان تیری زندگی کا نسخہ یہ ہے۔ کہ تو اپنے گذشتہ واقعات کی شیرازہ بندی کرے۔

(28) ہمارا لباس ربط ایام ہے۔

*

اور اس کی سوئی (شیرازہ بندی کا آلہ) پرانی روایات کی حفاظت ہے۔

(29) اے وہ شخص جو اپنے آپ سے بیگانہ ہے۔ تاریخ جانتا ہے۔ کیا ہے؟
یہ کوئی قصہ، کہانی اور افسانہ نہیں ہے۔

(30) یہ (تاریخ) وہ شے ہے۔ جو تجھے اپنے آپ سے آگاہ کرتی ہے۔
تجھے آشنائے کار اور مرد کار بناتی ہے۔

(31) تاریخ روحِ ملت کے لئے قوت کا سرمایہ ہے۔
اور ملت کے جسم کے لئے پٹھوں کا کام دیتی ہے۔

(32) تاریخ تجھے خنجر کی طرح سان پر تیز کرتی ہے۔
پھر اسے میدانِ جنگ میں لے آتی ہے۔ (دنیا کا مقابلہ کرتی ہے)۔

(33) کیا کہنا۔ تاریخ کیا ہی جان افروز اور دل پذیر ساز ہے۔
جس کے تاروں میں گذشتہ نغمے اسیر ہو جاتے ہیں۔

(34) تاریخ کے سوز میں ماضی کے بجھے ہوئے شعلے کو دیکھ۔
اور اس کے آج میں ماضی (گذشتہ) کا نظارہ کر۔

(35) اس کی شمع قوموں کی قسمت کا ستارہ ہے۔
جس سے آج اور کل کی راتیں روشن ہوتی ہیں۔

(36) وہ ہشیار آنکھ جو ماضی کو دیکھتی ہے۔
تیرے سامنے پھر اسے زندہ کر دیتی ہے۔

(37) بادۂ صد سالہ در مینائے او
مستی پارینہ در صہبائے او
(38) صید گیرے کو بدام اندر کشید
طائرے کز بوستان ما پرید
(39) ضبط کن تاریخ را پایندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو
(40) دوش را پیوند با امروز کن
زندگی را مرغ دست آموز کن
(41) رشتۂ ایام را آور بدست
ورنہ گردی روز کور و شب پرست
(42) سر زند از ماضی تو حال تو
خیزد از حال تو استقبال تو
(43) مشکن ار خواہی حیات لازوال
رشتۂ ماضی ز استقبال و حال
(44) موج ادراک تسلسل زندگی است
مے کشاں را شور قلقل زندگی است

در معنی ایں کہ بقائے نوع از امومت است

وحفظ واحترام امومت اسلام است

(1) نغمہ خیز از زخمۂ زن ساز مرد
از نیاز او دوبالا ناز مرد
(2) پوشش عریانی مردان زن است
حسن دلجو عشق را پیراہن است
(3) عشق حق پروردۂ آغوش او
ایں نوا از زخمۂ خاموش او
(4) آنکہ نازد بر وجودش کائنات
ذکر او فرمود با طیب و صلوٰۃ
(5) مسلمے کو را پرستارے شمرد
بہرۂ از حکمت قرآں نبرد

(37) تاریخ کی صراحی میں ایسی سو سال کی پرانی شراب موجود ہے۔ جس کے اندر ماضی کی مستی محفوظ ہے۔

(38) تاریخ ایسا شکاری ہے۔ جو اس پرندے کو بھی جال میں لے آتی ہے۔ جو ہمارے باغ سے اڑ چکا ہو۔

(39) تاریخ کو ضبط کر لیجئے۔ پائندہ ہو جائیے۔ گزرے ہوئے سانسوں سے زندہ ہو جائیے۔

(40) دوش (ماضی) کا تعلق امروز (حال) سے کیجئے۔ اور زندگی کو اپنا پالتو پرندہ بنا لیجئے۔

(41) زمانے کے رشتے کو ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ ورنہ تو دن کا اندھا اور شب پرست ہو جائے گا۔

(42) تیرے ماضی سے تیرا حال پیدا ہو گا۔ اور تیرے حال سے تیرا مستقبل پیدا ہو گا۔

(43) اگر تو لازوال (ہمیشہ کی زندگی) زندگی چاہتا ہے۔ تو ماضی کا تعلق حال اور مستقبل سے قطع نہ کر۔

(44) تسلسل کے ادراک کی موج زندگی ہے۔
جس طرح شراب نوشوں کے لئے قلقل کا شور زندگی ہوتا ہے۔

اس بیان میں۔ نوع انسانی کی بقا امومت (ام ہونا۔ ماں ہونا) سے ہے۔ اور امومت کی حفاظت اور احترام اسلام ہے

(1) مرد کا ساز عورت کے زخمہ (ساز) سے نغمہ پیدا کرتا ہے۔
عورت کے نیاز سے مرد کا ناز دوگنا ہو جاتا ہے۔
(2) مردوں کے ننگا ہونے کا لباس عورت ہے۔
دل کو لبھانے والا حسن عشق کا لباس ہے۔ (بن گیا)۔
(3) اللہ تعالیٰ کا عشق عورت کی گود میں پرورش پاتا ہے۔
ہر آواز اس کے خاموش مضراب سے ہی پیدا ہوتی ہے۔
(4) وہ جس کے وجود پر تمام دنیا کو ناز ہے۔
انہوں ؐ نے عورت کا ذکر نماز اور خوشبو کے ساتھ فرمایا۔
(5) ایسا مسلمان جو عورت کو لونڈی بنا کے رکھتا ہے۔
اس نے قرآن پاک کی حکمت سے حصہ نہیں پایا۔

(6) نیک اگر بینی امومت رحمت است
زانکہ او را با نبوت نسبت است

(7) شفقت او شفقت پیغمبر است
سیرت اقوام را صورتگر است

(8) از امومت پختہ تر تعمیر ما
در خط سیمائے او تقدیر ما

(9) ہست اگر فرہنگ تو معنی رسے
حرف امت نکتہ ہا دارد بسے

(10) گفت آں مقصود حرف کن فکاں
زیر پائے امہات آمد جناں

(11) ملت از تکریم ارحام است و بس
ورنہ کار زندگی خام است و بس

(12) از امومت گرم رفتار حیات
از امومت کشف اسرار حیات

(13) از امومت پیچ و تاب جوئے ما
موج و گرداب و حباب جوئے ما

(14) آں دخ رستاق زادے جاہلے
پست بالائے سطبرے بد گلے

(15) نا تراشے، پرورش نا دادۂ
کم نگاہے، کم زبانے، سادۂ

(16) دل ز آلام امومت کردہ خوں
گرد چشمش حلقہ ہائے نیلگوں

(17) ملت ار گیرد ز آغوشش بدست
یک مسلمان غیور حق پرست

(18) ہستی ما محکم از آلام او ست
صبح ما عالم فروز از شام او ست

(19) واں تہی آغوش نازک پیکرے
خانہ پرورد نگاہش محشرے

(20) فکر او از تاب مغرب روشن است
ظاہرش زن، باطن او نازن است

(6) اگر تو غور سے دیکھے۔ تو امومت رحمت ہے۔ کیونکہ وہ نبوت کے ساتھ نسبت رکھتی ہے۔ (7) ماں کی شفقت پیغمبر کی شفقت کی طرح ہے۔ کیونکہ وہ بھی اقوام کی سیرت کی نقاش ہوتی ہے۔ (8) امومت سے ہماری تعمیر اور زیادہ پختہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ماں کے ماتھے کی لکیروں میں ہماری تقدیر پوشیدہ ہے۔ (9) اگر تیری عقل حقیقت رس ہے۔ تو لفظ امت کے اندر ہی بہت سی باریکیاں پوشیدہ ہیں۔ (10) وہ ذاتؐ جو کن فکاں (ہو جا۔ پس وہ ہو گیا) کے مقصود ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ بہشت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے۔ (11) ملت رحموں کی عزت (مراد مائیں) ہی سے ہے۔ ورنہ زندگی کا عمل خام رہ جاتا ہے۔ اور بس۔ (12) امومت ہی سے ہماری زندگی گرم رفتار ہے۔ امومت سے ہی زندگی کے بھید کھلتے ہیں۔

(13) اموموت سے ہی ہماری زندگی کی نہر میں پیچ و تاب ہیں۔
اسی سے ہی ہماری نہر کے بلبلے' بھنور اور لہریں ہیں۔

(14) وہ جاہل گنوار لڑکی ہے۔
اس کا قد چھوٹا ہے۔ موٹی اور بد صورت ہے۔

(15) جو ناتراشیدہ (غیر مہذب) ہے۔ جس کی پرورش بھی نہیں ہوئی۔
جو کم نظر' کم زبان اور سادہ مزاج ہے۔

(16) اس نے اپنا دل اموموت کی مصیبتوں سے خون کیا ہے۔
اس کی آنکھوں کے گرد نیلے رنگ کے حلقے پڑے ہوئے ہیں۔

(17) اگر اس کے قبضے سے ملت کو (قبضہ سے مراد آغوش ہے)۔
ایک حق پرست' غیرت مند مسلمان میسر آجائے۔

(18) تو ہم سمجھیں گے۔ کہ اس کی مصیبتوں نے ہمارے ملی وجود کو مستحکم کر دیا ہے۔
اور اس کی شام سے ہی علم فروز صبح نمایاں ہوتی ہے۔ (عالم کو روشن کر دیا)۔

(19) وہ خالی گود (بے اولاد) نازک پیکر ہے۔
اس کی نگاہ کی لونڈی (خانہ پرورد) قیامت ہے۔ (اس کی نگاہ قیامت خیز ہے)۔

(20) اس کے افکار مغرب کی تہذیب سے روشن ہیں۔
ظاہر میں وہ عورت ہے۔ لیکن باطن میں نازن ہے۔ (عورت نہیں ہے)۔

(21) بند ہائے ملت بیضا گسیخت
تا ز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت

(22) شوخ چشم و فتنہ زا آزاد نیش
از حیا نا آشنا آزاد نیش

(23) علم او بار اموت برنتافت
بر سر شامش یکے اختر نتافت

(24) ایں گل از بستان ما نا رستہ بہ
داغش از دامان ملت شستہ بہ

(25) لا الٰہ گویاں چو انجم بے شمار
بستہ چشم اندر ظلام روزگار

(26) پا نبردہ از عدم بیروں ہنوز
از سواد کیف و کم بیروں ہنوز

(27) مضمر اندر ظلمت موجود ما
آں تجلی ہائے نا مشہود ما

(28) شبنمے بر برگ گل نا نشستہ
غنچہ ہائے از صبا نا خستہ

(29) بر دمد ایں لالہ زار ممکنات
از خیابان ریاض امہات

(30) قوم را سرمایہ اے صاحب نظر
نیست از نقد و قماش و سیم و زر

(31) مال او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست

(32) حافظ رمز اخوت مادراں
قوت قرآن و ملت مادراں

در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست

برائے نساء اسلام

(1) مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

(21) اس نے روشن ملت کی عائد کردہ پابندیوں کو توڑ دیا ہے۔ اس کی آنکھوں سے شرم اور حیا جاتے رہے۔

(22) اس کی آزادی فتنہ پیدا کرنے والی ہے۔ وہ شوخ چشم ہے۔ اس کی آزادی حیا سے نا آشنا ہے۔

(23) اس کے علم نے امومت کا بوجھ اٹھانے سے بے زاری ظاہر کی۔ اس کے شام کے کناروں پر ایک بھی ستارا نہ چمکا۔

(24) اس قسم کا پھول ہمارے باغ میں نہ کھلے۔ تو بہتر ہے۔ اس کا داغ ملت کے دامن سے دھل جائے تو اچھا ہے۔

(25) لا الٰہ کہنے والے (کلمہ گو) مسلمان ستاروں کی طرح بے شمار ہیں۔ لیکن انہوں نے زمانے کی تاریکی میں آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔

(26) وہ کیف و کم (منطق۔ فلسفہ) سے باہر نہیں نکلے۔ انہوں نے عدم سے قدم باہر نہیں رکھا۔

(27) ہماری تاریکی کے اندر ہماری نہ دیکھی ہوئی تجلیاں پوشیدہ ہیں۔ (یعنی مستور تجلیاں ہماری سوجود
تاریکیوں میں پوشیدہ ہیں)۔

(28) ایسی شبنم جو پھول کی پتی پر نہیں گری۔
ایسے غنچے جنہیں صبا نے ابھی تک چھیڑا نہیں۔

(29) یہ ممکنات کا لالہ زار ہماری ماؤں کے باغوں کی
کیاریوں سے پھوٹتا ہے۔

(30) اے صاحب عقل 'نقدی' مال متاع' سونا اور چاندی
قوم کا سرمایہ نہیں ہیں۔

(31) اس (ماں) کا مال متاع تندرست بیٹے ہیں۔
جو کہ تر دماغ ہوں۔ بڑے محنتی ہوں۔ اور چاق چوبند ہوں۔

(32) مائیں اخوت کی رمزوں کی حفاظت کرتی ہیں۔
اور مائیں ہی قرآن اور ملت کی قوت ہیں۔

اس بیان میں۔ کہ مسلمان عورتوں کے لئے عورتوں کی سردار حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوہ کاملہ ہیں

(1) حضرت مریم علیہ السلام ایک عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے عزیز ہیں۔
لیکن حضرت زہرا تین نسبتوں سے عزیز ہیں۔

(2) نور چشم رحمۃ للعالمینؐ
آں امام اولین و آخریں

(3) آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید
روزگار تازہ آئیں آفرید

(4) بانوے آں تاجدار ھل اتی
مرتضی مشکل کشا شیر خدا

(5) پادشاہ و کلبہ ایوان او
یک حسام و یک زرہ سامان او

(6) مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں کاروان سالار عشق

(7) آں یکے شمع شبستان حرم
حافظ جمعیت خیر الامم

(8) تا نشیند آتش پیکار و کیں
پشت پازد بر سر تاج و نگیں

(9) واں دگر مولائے ابرار جہاں
قوت بازوئے احرار جہاں

(10) در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہل حق حریت آموز از حسینؓ

(11) سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات

(12) مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

(13) بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودے چادر خود را فروخت

(14) نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضایش در رضائے شوہرش

(15) آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا

(16) گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامان نماز

✽

(2) ایک نسبت یہ ہے۔ کہ آپ حضرت رسول پاکؐ کی بیٹی ہیں۔ جو کہ اولین اور آخرین کے پیشوا تھے۔

(3) آپؐ نے زمانے کے وجود میں نئی روح پھونک دی۔ اور آپؐ نے ایک تازہ آئین والا زمانہ پیدا کیا۔ (زمانہ جس کا آئین تازہ اور جدید ہے)۔

(4) آپؓ حضرت علیؓ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ آپؓ سورۃ دھر کے مصداق تھے۔ (سورہ دھر ھل اتی کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ تاجدار ھل اتی سے مراد حضرت علیؓ ہیں) جن کا لقب مشکل کشا اور شیر خدا ہے۔

(5) آپؓ بادشاہ تھے۔ لیکن حجرہ آپ کا محل تھا۔ آپ کا سامان ایک تلوار اور ایک زرہ پر مشتمل تھا۔

(6) آپ کی تیسری نسبت یہ ہے۔ کہ آپ پرکار عشق کے مرکز (حضرت حسینؓ) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اور آپ کاروان عشق کے سالار تھے۔

(7) آپؓ حضرت حسنؓ کی بھی والدہ تھیں۔ جو کہ شبستان حرم کی شمع تھے۔

اور آپؓ خیر الامم (امت مسلمہ) کے اتحاد کے حافظ تھے۔

(8) تاکہ جنگ وجدل کی آگ بجھ جائے۔ اور خانہ جنگی ختم ہو جائے۔
اس لئے آپ نے حکومت کو ٹھکرا دیا تھا۔

(9) اور وہ دوسرے بھائی تھے۔ اور دنیا کے نیکوں کے آقا تھے۔
اور اسرار جہاں کے بازوؤں کی قوت تھے۔

(10) زندگی کی آواز میں حضرت حسینؓ سے سوز پیدا ہوا۔
اور اہل حق نے آپؓ سے حریت کا سبق لیا۔

(11) مائیں اپنے بیٹوں کی سیرت اور کردار بناتی ہیں۔ (امہات۔ مائیں)۔
اور ان کو صدق وصفا کا جوہر عطا کرتی ہیں۔ (یہ جوہر بھی ماؤں کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے)۔

(12) حضرت فاطمہ الزہراؑ تسلیم ورضا کی کھیتی کا حاصل ہیں۔
اور ماؤں کے لئے اسوہ کامل حضرت بتول ہیں۔ (بتول آپ کا لقب تھا)۔

(13) ایک ضرورت مند کے لئے آپ کا دل اس طرح تڑپ اٹھا۔
کہ آپؓ نے اپنی چادر ایک یہودی کے پاس بیچ دی۔ (اس کی مدد کی)۔

(14) نوری (فرشتے) اور آتشی (جن) سب آپ کے فرمان بردار تھے۔
آپ کی رضا اپنے شوہر کی رضا میں گم تھی۔ (شوہر کی فرمان بردار تھیں)۔

(15) وہ صبر ورضا کی ادب پروردہ تھیں۔
آپ چکی پیستی تھیں۔ لیکن ہونٹوں پر قرآن پاک کی تلاوت ہوتی تھی۔

(16) آپ کا گریہ تکیہ سے بے نیاز تھا۔ (آپ کے آنسو کبھی نہیں گرے۔ یعنی حالات کی تنگی میں بھی آنسو نہیں بہائے)۔
لیکن نماز کی حالت میں آپ کے آنسو موتیوں کی طرح گرتے تھے۔

(17) اشک او بر چید جبریل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

(18) رشتہ آئین حق زنجیر پا ست
پاس فرمان جناب مصطفیٰ است

(19) ورنہ گرد تر بتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

(17) حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے آنسو زمیں سے چن لیتے۔ اور انہیں شبنم کی طرح بلند عرش پر گرادیتے تھے۔

(18) آئین حق کا رشتہ میرے پاؤں کی زنجیر بنا ہوا ہے۔ اور مجھے جناب مصطفیٰ کے احکام کا پاس ہے۔

(19) ورنہ میں آپ کی قبر کے گرد طواف کرتا۔ اور آپ کی قبر پر سجدہ کرتا۔ (غیر اللہ کو سجدہ کرنا منع ہے)۔

لہٰذا اسلام توحید خداوندی کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا تو درکنار سر جھکانے کی بھی تعلیم نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے ارکان اسلام (توحید و رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) میں اولیت اور افضلیت توحید خداوندی کو ہے۔

کلمہ طیبہ کا پہلا جزو لا الٰہ (کوئی معبود نہیں ہے) کی ہی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا توحید خداوندی ہی اول و آخر ہے۔

اسلام سے مراد

(i) توحید خداوندی۔ اور

(ii) رسالت تامہ ہے۔

خطاب بہ مخدرات اسلام

(1) اے ردایت پردۂ ناموس ما
تاب تو سرمایہ فانوس ما

(2) طینت پاک تو ما را رحمت است
قوت دین و اساس ملت است

(3) کودک ما چوں لب از شیر تو شست
لا الٰہ آموختی او را نخست

(4) می تراشد مہر تو اطوار ما
فکر ما گفتار ما کردار ما

(5) برق ما کو در سحابت آرمید
بر جبل رخشید و در صحرا تپید

(6) اے امین نعمت آئین حق
در نفسہاے تو سوز دین حق

(7) دور حاضر تر فروش و پر فن است
کاروانش نقد دیں را رہزن است

(8) کور و یزداں ناشناس ادراک او
ناکساں زنجیری پیچاک او

(9) چشم او بیباک و ناپرواستے
پنجہ مژگان او گیراستے

(10) صید او آزاد خواند خویش را
کشتہ او زندہ داند خویش را

(11) آب بند نخل جمعیت توئی
حافظ سرمایہ ملت توئی

مسلمان پردہ نشیں عورتوں کے لئے خطاب

(1) اے مسلمان خاتون! تیری چادر ہمارے ناموس کا پردہ ہے۔
تیری روشنی ہمارے فانوس کا سرمایہ ہے۔

(2) تیری پاک طینت ہمارے لئے رحمت ہے۔
تو ہمارے دین کی قوت اور اساس ملت ہے۔

(3) ہمارے بچوں نے جب آپ کے دودھ سے ہونٹ تر کیئے۔
تو نے اسے سب سے پہلے لا الہٰ سکھایا۔ (خداوند تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں)۔

(4) تیری محبت ہمارے اطوار وغیرہ کو تربیت دیتی ہے۔
خواہ ان کا تعلق افکار سے ہو۔ خواہ گفتار اور خواہ کردار سے ہو۔

(5) ہماری بجلی جو تیرے بادل میں آسودہ تھی۔
پہاڑوں پر چمکی اور صحراؤں میں تڑپی۔

(6) اے نیک سیرت عورت! تو شریعت حقہ کی نعمت کی امانت دار ہے۔
اور تیرے سانس میں دین حقہ کا سوز ملا ہوا ہے۔

(7) موجودہ زمانہ تریبچنے والا (عیار) اور مکار ہے۔
اس کا قافلہ دین حق کو لوٹنے والا ہے۔

(8) اس کی عقل اندھی ہے۔ اور خدا کو نہیں پہچانتی۔
ناکس لوگ اس کے پھندے میں جکڑے جاتے ہیں۔

(9) اس کی آنکھوں میں حیا نہیں ہے۔ بے باک اور بے حیا ہے۔
اس کی پلکوں کا پنجہ پکڑنے والا ہے۔ (یعنی اپنے شکار کو نہیں چھوڑتا)۔

(10) حیرت اس بات پر ہے۔ کہ زمانہ حاضر کا شکار شدہ اپنے آپ کو آزاد کہتا ہے۔
اور اس کا مارا اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہے۔

(11) اے خاتون پاک سیرت! تو ہی ہمارے اتحاد کے درخت کی آب یاری کرنے والی ہے۔
اور تو ہی ملت کے سرمائے کی حفاظت کرنے والی ہے۔

(12) از سر سود و زیاں سودا مزن
گام جز بر جادۂ آبا مزن

(13) ہوشیار از دست برد روزگار
گیر فرزندان خود را در کنار

(14) ایں چمن زاداں کہ پر نکشادہ اند
ز آشیان خویش دور افتادہ اند

(15) فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہراؑ مبند

(16) تا حسینےؓ شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

(12) تو نفع اور نقصان کی بنا پر (دنیوی نفع و نقصان) معاملات کو نہ جانچ۔ اپنے آباؤ واجداد کے راستے پر ہی گام زنی کر۔ (ان کا راستہ اختیار کر)۔

(13) زمانے کی دست برد سے ہوشیار ہو جا۔ اور اپنے بیٹوں (افراد قوم) کو اپنی بغل میں لے لے۔

(14) ہمارے باغ کے نوزائیدہ پرندے جنہوں نے ابھی تک اپنے پر بھی نہیں کھولے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آشیانوں سے دور جا پڑے ہیں۔

(15) تیری فطرت کے جذبات بہت بلند ہیں۔ اپنی ہوش کی آنکھ کو حضرت زہراؑ کے اسوہ حسنہ پر رکھ۔

(16) تاکہ تیری ٹہنی بھی حضرت حسینؓ جیسا پھل لائے۔ اور اسلام کے ماضی یعنی پہلے زمانے کے دور کو ہمارے باغ میں واپس لے آئے۔

خلاصہ مطالب مثنوی
در تفسیر سورۂ اخلاص
قل ھو اللہ احد

(1) من شبے صدیق را دیدم بخواب
گل ز خاک راہ او چیدم بخواب

(2) آں امن الناس بر مولاے ما
آں کلیم اول سیناے ما

(3) ہمت او کشت ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

(4) گفتمش اے خاصۂ خاصان عشق
عشق تو سر مطلع دیوان عشق

(5) پختہ از دستت اساس کار ما
چارۂ فرما پے آزار ما

(6) گفت تا کے در ہوس گردی اسیر
آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر

(7) ایں کہ در صد سینہ پیچد یک نفس
سرے از اسرار توحید است و بس

مثنوی کے مطالب کی تلخیص

سورۂ اخلاص کی تفسیر کے بارے میں

قل ھواللہ احد

(1) میں نے ایک رات حضرت صدیق اکبرؓ کو خواب میں دیکھا۔
میں نے ان کے راستے کی مٹی سے پھول چنے۔ (مراد ان کے فرمودات سے فائدہ حاصل کیا)۔

(2) وہ جن کے ہمارے مولاؐ پر باقی لوگوں سے محبت اور مال میں زیادہ احسانات تھے۔
وہ ہمارے طور سینا کے پہلے کلیم تھے۔ (اسلام کے نور ہدایت سے مراد ہے)۔

(3) آپ کی ہمت ہماری ملت کی کھیتی کے لئے بادل کی مانند تھی۔
وہ اسلام، غار ثور، غزوہ بدر، اب موجودہ صورت میں قبر میں بھی آپؐ کے ساتھ دوسرے ہیں۔

(4) میں نے ان کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ اے خاصان عشق کے خاصہ!
آپ کا عشق دیوان عشق کا مطلع ہے۔ (مطلع: غزل کا پہلا شعر)۔

(5) ہمارے کام کی بنیاد آپ کے ہاتھ سے پختہ ہوئی۔
ہمارے آزار کا کوئی علاج تجویز فرمایئے۔

(6) انہوں نے فرمایا۔ تو کب تک حرص و ہوا میں اسیر رہے گا۔
سورۂ اخلاص سے چمک اور تابش حاصل کیجئے۔

(7) یہ توحید کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ اور بس
جو کہ سینکڑوں سینوں میں ایک سانس کی طرح پیچ اور بل کھاتا ہے۔

(8) رنگ او بر کن مثال او شوی
در جہاں عکس جمال او شوی
(9) آنکہ نام تو مسلماں کردہ است
از دوئی سوے یکی آوردہ است
(10) خویشتن را ترک و افغاں خواندۂ
وائے بر تو آنچہ بودی ماندۂ
(11) وارہاں نامیدہ را از نامہا
ساز با خم در گذر از جامہا
(12) اے کہ تو رسوائے نام افتادۂ
از درخت خویش خام افتادۂ
(13) با یکی ساز' از دوئی بردار رخت
وحدت خود را مگر واں لخت لخت
(14) اے پرستار یکی گر تو توئی
تا کجا باشی سبق خوان دوئی
(15) تو در خود را بخود پوشیدۂ
در دل آور آنچہ بر لب چیدۂ
(16) صد ملل از ملتے انگیختی
بر حصار خود شبیخوں ریختی
(17) یک شو و توحید را مشہود کن
غائبش را از عمل موجود کن
(18) لذت ایماں فزاید در عمل
مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

اللہ الصمد

(1) گر بہ اللہ الصمد دل بستہ
از حد اسباب بیروں جستہ
(2) بندۂ حق بندۂ اسباب نیست
زندگانی گردش دولاب نیست
(3) مسلم استی بے نیاز از غیر شو
اہل عالم را سراپا خیر شو

(8) اس (خداوند تعالیٰ) کا رنگ اختیار کیجئے۔ اور اس کی طرح ہو جائیے۔
دنیا میں اس کے جمال کا عکس بن جائیے۔
(9) وہ جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔
وہ تجھے کثرت سے وحدت کی طرف لایا ہے۔ (توحید خداوندی)۔
(10) تو اپنے آپ کو ترک اور پٹھان کہتا ہے۔
تجھ پر افسوس ہے۔ تو جو کچھ تھا۔ وہی رہا ہے۔
(11) ناموں سے امت مسلمہ کو رہائی دلا۔
اسلام کے خم کے ساتھ موافقت کر اور پیالوں سے گزر جا (پیالوں پر نہ جا)۔
(12) اے مسلماں! تو جو ناموں میں رسوا ہو گیا ہے۔
اپنے درخت سے کچے پھل کی طرح گر گیا ہے۔
(13) تو ایک یعنی توحید کے ساتھ موافق ہو۔ اور کثرت سے اپنا ساز و سامان اٹھا لے۔
اپنی وحدت ٹکڑے ٹکڑے نہ کر۔
(14) اے وحدت کی پرستش کرنے والے اگر تو حقیقتاً "تو" ہے۔

تو تو کب تک دوئی کا سبق پڑھتا رہے گا۔

(15) تو نے اپنا دروازہ اپنے اوپر خود ہی پوشیدہ کیا ہوا ہے۔ (بند کیا ہوا ہے)۔
جو کچھ (کلمہ توحید) ہونٹوں سے پڑھتا ہے۔ اسے دل میں بھی اتار۔

(16) تو نے ایک ملت سے سینکڑوں ملتیں بنالی ہیں۔
اپنے قلعے پر خود ہی تو نے رات کا دھاوا بول کر اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔

(17) تو ایک ہو جا۔ اور توحید کو عملی رنگ میں پیش کر۔
اس کے انجام کو اپنے عمل سے موجود کر۔

(18) ایمان کی لذت عمل سے زیادہ ہوتی ہے۔
وہ ایمان مرجاتا ہے۔ جس پر عمل نہ کیا جائے۔

اللہ الصمد

(1) اگر تو نے اللہ الصمد (اللہ بے نیاز ہے) سے دل لگایا ہے۔
تو تو اسباب کی حدوں سے پار ہو گیا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کا بندہ اسباب کا بندہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ
زندگی رہٹ کی طرح گرداں نہیں ہے۔

(3) اگر تو مسلمان ہے۔ تو غیروں سے بے نیاز ہو جا۔
اور دنیا والوں کے لئے از سر تا پا خیر ہی خیر ہو جا۔

(4) پیش منعم شکوۂ گردوں مکن
دست خویش از آستیں بیروں مکن
(5) چوں علیؓ در ساز بانان شعیر
گردن مرحب شکن خیبر بگیر
(6) منت از اہل کرم بردن چرا
نشتر لا و نعم خوردن چرا
(7) رزق خود را از کف دوناں مجو
یوسف استی خویش را ارزاں مجو
(8) گرچہ باشی مور و ہم بے بال و پر
حاجتے پیش سلیمانے مبر
(9) راہ دشوار است ساماں کم بگیر
در جہاں آزاد زی آزاد میر
(10) سبحۂ اقلل من الدنیا شمار
از تعش حرا شوی سرمایہ دار
(11) تا توانی کیمیا شو گل مشو
در جہاں منعم شو و سائل مشو
(12) اے شناسائے مقام بو علیؓ
جرعۂ آرم ز جام بو علیؓ
(13) "پشت پا زن تخت کیکاؤس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را"
(14) خود بخود گردد در میخانہ باز
بر تہی پیمانگان بے نیاز
(15) قائد اسلامیان ہاروں رشید
آنکہ نقفور آب تیغ او چشید
(16) گفت مالکؒ را کہ اے مولائے قوم
روشن از خاک درت سیمائے قوم
(17) اے نوا پرداز گلزار حدیث
از تو خواہم درس اسرار حدیث
(18) لعل تا کے پردہ بند اندر یمن
خیز و در دار الخلافت خیمہ زن

(4) دولت مند کے آگے آسمان کی شکایت نہ کر۔ اپنے ہاتھ کو آستین سے باہر نہ کر۔ (دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلا)۔

(5) حضرت علیؓ کی طرح جو کی روٹی پر گزارہ کر۔ مرحب کی گردن توڑ کر خیبر کو فتح کر لیجئے۔

(6) دولت والوں کا احسان کیوں اٹھایا جائے۔ نہ اور ہاں کے نشتر کا زخم کیوں برداشت کیا جائے۔

(7) اپنے رزق کو کمینے لوگوں سے حاصل نہ کر۔ تو یوسف علیہ السلام کی طرح ہے۔ اپنے آپ کو سستا نہ کیجئے۔ (قیمت نہ گھٹایئے)۔

(8) اگر تو پروں کے بغیر چیونٹی بھی ہو۔ تب بھی اپنی حاجت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نہ لے جا۔

(9) راستہ بڑا دشوار ہے۔ دنیوی سازوسامان کم لے۔ دنیا میں آزاد ہی زندہ رہ اور آزاد ہی مر۔

(10) دنیا سے بہت کم لینے کی تسبیح پڑھا کر۔ (حضرت عمر فاروقؓ کے اقوال ہیں)۔ تاکہ تو آزاد رہنے کی بنا پر سرمایہ دار ہو جائے۔

(11) جہاں تک ہو سکے۔ تو کیمیا بن جا۔ کیچڑ نہ ہو۔
دنیا میں صاحب نعمت ہو۔ سوال کرنے والا نہ بن۔
(12) تو حضرت بو علیؒ کے مقام کو پہچانتا ہے۔
میں ان کے پیالے سے تیرے لئے ایک گھونٹ لایا ہوں۔
(13) کیکاؤس کے تخت کو ٹھکرا دے۔
اپنے سر کو قربان کر دے۔ لیکن ناموس ہاتھ سے نہ دے۔
(14) بے نیاز خالی پیالے والے لوگوں کے لئے میخانے کا دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔
(15) مسلمانوں کے سردار ہارون رشید کی تلوار کا مزہ نقفور نے چکھا۔ (نقفور روم کا بادشاہ تھا)۔
(16) اس خلیفہ نے حضرت امام مالکؒ سے کہا۔ آپ قوم کے آقا ہیں۔
قوم کی پیشانی تیرے دروازے کی مٹی سے روشن ہے۔
(17) آپ حدیث شریف کے باغ کے نواپرداز ہیں۔
میں آپ سے حدیث شریف کے بھیدوں کا سبق لینا چاہتا ہوں۔
(18) لعل یمن میں کب تک پردے میں رہے گا۔
آپ یہاں سے اٹھیں اور دار الحکومت میں خیمے گاڑیے۔ (یعنی حکومت کے محلوں میں آجایئے)۔

(19) اے خوشا تابانی روز عراق
اے خوشا حسن نظر سوز عراق

(20) می چکد آب خضر از تاک او
مرہم زخم مسیحا خاک او

(21) گفت مالکؒ مصطفیؐ را چاکرم
نیست جز سودائے او اندر سرم

(22) من کہ باشم بستۂ فتراک او
بر نخیزم از حریم پاک او

(23) زندہ از تقبیل خاک یثربم
خوشتر از روز عراق آمد شبم

(24) عشق می گوید کہ فرمانم پذیر
پادشاہاں را بخدمت ہم مگیر

(25) تو ہمی خواہی مرا آقا شوی
بندۂ آزاد را مولا شوی

(26) بہر تعلیم تو آیم بر درت
خادم ملت نگردد چاکرت

(27) بہرۂ خواہی اگر از علم دیں
درمیان حلقہ درسم نشیں

(28) بے نیازی ناز ہا دارد بسے
ناز او انداز ہا دارد بسے

(29) بے نیازی رنگ حق پوشیدن است
رنگ غیر از پیرہن شوئیدن است

(30) علم غیر آموختی اندوختی
روئے خویش از غازہ اش افروختی

(31) ارجمندی از شعارش می بری
من ندانم تو توئی یا دیگری

(32) از نسیمش خاک تو خاموش گشت
و ز گل و ریحاں تہی آغوش گشت

(33) کشت خود از دست خود ویراں مکن
از سحابش گدیۂ باراں مکن

*

(19) عراق کے دنوں کی چمک کا کیا کہنا۔ (یعنی خوب ہے)۔
عراق کے نظر سوز حسن کے بارے میں کیا کہنا۔ (خوب ہے)۔

(20) یہاں کے انگور سے آب حیات نکلتا ہے۔
اور یہاں کی زمیں زخموں کے لئے مرہم کا کام دیتی ہے۔ (یعنی عراق کی مٹی مرہم مسیحا ہے)۔

(21) امام مالکؒ نے جواب دیا۔ کہ میں حضرت محمد مصطفیؐ کا چاکر ہوں۔
میرے سر میں ان کے خیال کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔

(22) میں ان کی محبت کے فتراک میں بندھا ہوا ہوں۔
آپؐ کے حریم پاک سے نہیں اٹھوں گا۔ (مدینہ منورہ)۔

(23) میں یثرب (مدینہ منورہ) کی مٹی کو بوسہ دینے کی بنا پر زندہ ہوں۔
میری رات عراق کے دن سے زیادہ اچھی ہے۔

(24) عشق کا حکم ہے۔ کہ میرا حکم مانو۔
اور بادشاہوں کی خدمت کو قبول نہ کرو۔

(25) تو چاہتا ہے۔ کہ تو میرا آقا ہے۔ اس وجہ سے
آزاد بندے کو غلام بنا لے۔ (آزاد کا آقا بننا چاہتا ہے)۔

(26) تجھے پڑھانے کے لئے میں تیرے دروازے پر آؤں۔
ملت کا خادم تیرا چاکر نہیں بن سکتا۔

(27) اگر تو دین کے علم سے حصہ لینا چاہتا ہے۔
تو میرے درس کے حلقے میں بیٹھ جائیے۔

(28) بے نیازی کے اندر بھی بہت سے ناز ہیں۔
اور اس کے ناز کے انداز بھی بہت سے ہیں۔

(29) بے نیازی حق کے رنگ کو پوشیدہ کرتا ہے۔ اور غیر کے رنگ کو اپنے لباس سے دھوتا ہے۔

(30) تو نے غیروں کا علم پڑھا۔ اور اکٹھا کیا۔
اپنے چہرے کو ان کے غازے سے روشن کیا ہے۔

(31) ان کے شعار سے تو ارجمندی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو
میں یہ نہیں جانتا۔ کہ تو تو ہے۔ یا کوئی اور ہے۔

(32) اس کی نسیم سے تیری خاک خاموش ہو گئی۔ (بنجر ہو گئی)
اور اس کی آغوش گلاب کے پھول اور ریحان سے خالی ہو گئی۔

(33) اپنی کھیتی کو اپنے ہاتھ سے برباد نہ کر۔
دوسروں کے بادل سے بارش کی بھیک نہ مانگ۔

(34) عقل تو زنجیری افکار غیر
در گلوے تو نفس از تار غیر

(35) بر زبانت گفتگو ہا مستعار
در دل تو آرزو ہا مستعار

(36) قمریانت را نوا ہا خواستہ
سرو ہایت را قبا ہا خواستہ

(37) بادہ می گیری بجام از دیگراں
جام ہم گیری بوام از دیگراں

(38) آں نگاہش سر ما زاغ البصر
سوے قوم خویش باز آید اگر

(39) می شناسد شمع او پروانہ را
نیک داند خویش و ہم بیگانہ را

(40) لست منی گویدت مولاے ما
واے ما، اے واے ما، اے واے ما

(41) زندگانی مثل انجم تا کجا
ہستی خود در سحر گم تا کجا

(42) رویے از صبح دروغے خوردۂ
رخت از پہنائے گردوں بردۂ

(43) آفتاب استی یکے در خود نگر
از نجوم دیگراں تا بے مخر

(44) بر دل خود نقش غیر انداختی
خاک بر دی کیمیا در باختی

(45) تا کجا رخشی ز تاب دیگراں
سر سبک ساز از شراب دیگراں

(46) تا کجا طوف چراغ محفلے
ز آتش خود سوز اگر داری دلے

(47) چوں نظر در پردہ ہاے خویش باش
می پرو اما بجاے خویش باش

(48) در جہاں مثل حباب اے ہوشمند
راہ خلوت خانہ بر اغیار بند

*

(34) تیری عقل غیروں کے افکار کی قیدی ہے۔ تیرے گلے میں سانس بھی غیروں کے تار سے رواں ہے۔

(35) تیری زبان پر گفتگو مستعار ہے۔ اور تیرے دل میں خواہشات بھی مستعار ہیں۔ (غیروں کی مرہون)۔

(36) تیری قمریوں کی آواز مستعار ہے۔ اور تیرے سرو کی قبا مانگی ہوئی ہے۔ (سب کچھ اغیار کا ہے)۔

(37) اپنے پیالے میں دوسروں سے شراب لیتا ہے۔ اور پیالہ بھی دوسروں سے قرض لیتا ہے۔

(38) وہ ذات پاک (محمد مصطفیٰؐ) جن کی نگاہ ما زاغ البصر (نگاہ نہیں پھری) کا راز تھی۔ اپنی قوم کی طرف اگر دوبارہ تشریف لائیں۔

(39) تو آپؐ کی شمع اپنے پروانوں کو پہچان لے۔ کہ ان میں نیک و بد کون ہے۔ اور کون بیگانہ ہے۔

(40) ہمارے آقا الست منی (تو مجھ یعنی میری قوم سے نہیں ہے) فرمائیں گے۔
حیف ہماری زندگی پر۔ افسوس ہمارے ہونے پر۔ تف ہمارے جینے پر۔
(41) تو اپنی ستاروں جیسی زندگی کو کب تک موجودہ دور کی صبح کاذب میں گم کیے رکھے گا۔
(42) تو نے صبح کاذب سے دھوکا کھایا ہے۔ اور آسمان کی وسعت سے اپنا ساز و سامان باہر لے گیا ہے۔ (گم کر لیا ہے)۔
(43) تو سورج ہے۔ ایک بار اپنے آپ میں دیکھ۔
دوسروں کے ستاروں سے چمک نہ لے۔ (دوسروں سے چمک لینے کی ضرورت نہیں ہے)۔
(44) تو نے اپنے دل پر غیروں کا نقش ثبت کیا ہے۔
تو نے ان کو اپنی کیمیا دے کر ان سے مٹی خریدی ہے۔
(45) دوسروں سے چمک کب تک حاصل کرے گا۔
دوسروں کے شراب کا نشہ اپنے سر سے باہر نکال دے۔
(46) تو کب تک چراغ محفل کے ارد گرد پھرتا رہے گا۔
اگر تجھ میں دل ہے۔ تو اپنی آگ سے دوسروں کو جلا۔
(47) نظر کی طرح اپنے پردوں کے اندر رہ۔ (آنکھ کے پردے)۔
اڑان کی کوشش اپنی جگہ پر قائم رہ کر کیجئے۔
(48) اے عقل مند آدمی دنیا میں بلبلے کی طرح اپنے خلوت کے دروازے دوسروں پر بند رکھ۔

(49) فرد فرد آمد کہ خود را وا شناخت
قوم قوم آمد کہ جز با خود نساخت

(50) از پیام مصطفیؐ آگاہ شو
فارغ از ارباب دون اللہ شو

لم یلد و لم یولد

(1) قوم تو از رنگ و خوں بالا تر است
قیمت یک اسودش صد احمر است

(2) قطرۂ آب وضوے قنبرے
در بہا برتر ز خون قیصرے

(3) فارغ از باب و ام و اعمام باش
ہمچو سلماں زادۂ اسلام باش

(4) نکتہ اے ہمدم فرزانہ بیں
شہد را در خانہ ہاے لانہ بیں

(5) قطرۂ از لالۂ حمراستے
قطرۂ از نرگس شہلاستے

(6) ایں نمی گوید کہ من از عبہرم
آں نمی گوید من از نیلوفرم

(7) ملت ما شان ابراہیمی است
شہد ما ایمان ابراہیمی است

(8) گر نسب را جزو ملت کردۂ
رخنہ در کار اخوت کردۂ

(9) در زمین ما نگیرد ریشہ ات
ہست تا مسلم ہنوز اندیشہ ات

(10) ابن مسعودؓ آں چراغ افروز عشق
جسم و جان او سراپا سوز عشق

(11) سوخت از مرگ برادر سینہ اش
آب گردید از گداز آئینہ اش

(12) گریہ ہاے خویش را پایاں ندید
در غمش چوں مادراں شیون کشید

(49) فرد وہ فرد ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔
قوم وہ قوم۔ جس نے اپنے سوا کسی دوسرے سے موافقت نہیں کی۔
(50) حضور اکرمؐ کے پیغام کو سمجھ لیجئے۔
اور اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو آقا ماننے سے فارغ ہو جا۔

لم یلد و لم یولد

(1) تیری قوم۔ اے مسلماں! رنگ اور خون سے بالا ہے۔
اس (ملت اسلامیہ) کے ایک کالے کی قیمت سینکڑوں سے زیادہ ہے۔
(2) قنبر (حضرت علیؓ کا غلام) کے وضو کے پانی کا قطرہ
قیمت میں قیصر کے بادشاہ کے خون سے زیادہ ہے۔
(3) باپ' ماں اور چچاؤں سے فارغ ہو کر حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح اسلام زادہ ہو جا۔
(4) اے عقل مند دوست نکتے کی بات سن
شہد کو شہد کے چھتے میں ہی دیکھ۔

(5) اس کا ایک قطرہ سرخ گل لالہ سے بنا ہوا ہے۔
اور دوسرا قطرہ نرگس شہلا سے بنا ہوا ہے۔

(6) یہ قطرہ نہیں کہتا۔ کہ میں نرگس عبہر ہوں۔ اور
نہ ہی دوسرا کہتا ہے۔ کہ میں نیلوفر سے ہوں۔

(7) ہماری ملت کی شان ابراہیمی ہے۔ اور
ہمارا شہر ایمان ابراہیمی ہے۔

(8) اگر تو نے نسب کو ملت کا جزو بنایا۔ تو تو
نے بھائی چارے (اخوت) کے کام میں رخنہ ڈال دیا ہے۔

(9) تیری جڑ ہماری زمین میں مضبوط نہیں ہوگی۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تیری سوچ ابھی تک نا مسلم ہے۔

(10) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو چراغ عشق کی روشنی بڑھانے والے تھے۔ اور
آپ کی جان اور جسم عشق کے سوز کو بڑھانے والے تھے۔

(11) بھائی کی موت سے ان کا سینہ جل گیا۔
اور ان کے دل کا آئینہ گداختہ ہو کر پانی بن گیا۔

(12) ان کے رونے اور گریہ زاری کی انتہا نہ تھی۔
اس کے غم میں آپ ماؤں کی طرح نالہ اور فریاد کر رہے تھے۔

(13) "اے دریغا آں سبق خوان نیاز
یار من اندر دبستان نیاز"

(14) "آہ آں سرو سہی بالائے من
در رہ عشق نبیؐ ہمپائے من"

(15) "حیف او محروم دربار نبیؐ
چشم من روشن ز دیدار نبیؐ"

(16) نیست از روم و عرب پیوند ما
نیست پابند نسب پیوند ما

(17) دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

(18) رشتہ ما یک تولائش بس است
چشم ما را کیف صہبائش بس است

(19) مستی او تا بخون ما دوید
کہنہ را آتش زد و نو آفرید

(20) عشق او سرمایہ جمعیت است
ہمچو خوں اندر عروق ملت است

(21) عشق در جان و نسب در پیکر است
رشتہ عشق از نسب محکم تر است

(22) عشق ورزی' از نسب باید گذشت
ہم ز ایران و عرب باید گذشت

(23) امت او مثل او نور حق است
ہستی ما از وجودش مشتق است

(24) "نور حق را کس نجوید زاد و بود
خلعت حق را چہ حاجت تار و پود"

(25) ہر کہ پا در بند اقلیم و جدا ست
بے خبر از لم یلد لم یولد است

ولم یکن لہ کفواً احد

(1) مسلم چشم از جہاں بر بستہ چیست؟
فطرت ایں دل بحق پیوستہ چیست؟

(13) ہائے افسوس۔ وہ میرا بھائی نیاز عشق کا سبق پڑھنے والا تھا۔
اور وہ نیاز کے مدرسے میں میرا ساتھی تھا۔

(14) افسوس وہ میرا بلند قد والا سرو تھا۔
اور جو نبیؐ کے عشق کی راہ میں میرا ہم سفر تھا۔

(15) افسوس کہ وہ نبیؐ کے دیدار سے محروم ہو گیا۔
اور میری آنکھ دیدار نبیؐ سے روشن ہے۔

(16) ہمارا آپس کا تعلق عرب اور روم کی وجہ سے نہیں۔
اور نہ ہی ہمارا تعلق کسی نسب کا پابند ہے۔

(17) ہم نے اپنا دل حجازی محبوب سے لگا رکھا ہے۔
اس وجہ سے ہم ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ (رشتہ دار ہیں)۔

(18) ہمارا تعلق ان کی محبت سے ہے۔ جو ہمارے لئے کافی ہے۔
ہماری آنکھ کے لئے ان کی شراب (محبت) سے مست ہے۔ وہی کافی ہے۔

(19) ان کی مستی جب سے ہمارے خون میں رچ بس گئی ہے۔

پرانے افکار جل کر راکھ ہوئے۔ نئے پیدا ہوئے ہیں۔

(20) انہی کا عشق ہماری جمعیت کا سرمایہ ہے۔
جو کہ ملت کی رگوں میں خون کی طرح سرایت کئے ہوئے ہیں۔

(21) عشق کا واسطہ جان سے ہے۔ اور نسب کا بدن سے ہے۔
اس لئے عشق کا تعلق نسب سے زیادہ محکم ہے۔

(22) اگر تو نے عشق اختیار کیا ہے۔ تو نسب کو چھوڑ دے۔
عرب اور ایران وغیرہ ملکوں سے تعلق چھوڑ دے۔

(23) آپ کی امت آپ کی طرح اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔
اور ہماری ہستی ان کے وجود کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔

(24) کوئی آدمی بھی اللہ تعالیٰ کے نور کی پیدائش کی جگہ نہیں ڈھونڈتا۔
اللہ تعالیٰ کی خلعت کو تانے بانے کی کیا ضرورت ہے۔

(25) جو آدمی ملک اور باپ دادے کے تعلقات کا پابند ہے۔
وہ حقیقت میں لم یلد لم یولد کے معنوں سے ناشناس ہے۔

ولم یکن لہ کفواً احد

(1) مسلمان جس نے دنیا سے آنکھ بند کرلی۔ یعنی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھتا اور دل کو اللہ تعالیٰ سے لگا لیا ہے۔ اس کی فطرت کیا ہے؟

(2) لالہ کو بر سر کوہے دمید
گوشہ دامان گلچینے ندید

(3) آتش او شعلہ گیرد بہ بر
از نفس ہائے نخستین سحر

(4) آسماں ز آغوش خود نگذاردش
کوکب واماندۂ پنداردش

(5) بوسدش اول شعاع آفتاب
شبنم از چشمش بشوید گرد خواب

(6) رشتہ با لم یکن باید قوی
تا تو در اقوام بے ہمتا شوی

(7) آنکہ ذاتش واحد است و لا شریک
بندہ اش ہم در نسازد با شریک

(8) مومن بالائے ہر بالا ترے
غیرت او بر نتابد ہمسرے

(9) خرقۂ لا تحزنوا اندر برش
انتم الاعلون تاجے بر سرش

(10) می کشد بار دو عالم دوش او
بحر و بر پروردۂ آغوش او

(11) بر غو تندر مدام افگندہ گوش
برق اگر ریزد ہمی گیرد بدوش

(12) پیش باطل تیغ و پیش حق سپر
امر و نہی او عیار خیر و شر

(13) در گرہ صد شعلہ دارد اخگرش
زندگی گیرد کمال از جوہرش

(14) در فضائے ایں جہان ہائے و ہو
نغمہ پیدا نیست جز تکبیر او

(15) عفو و عدل و بذل و احسانش عظیم
ہم بقہر اندر مزاج او کریم

(16) ساز او در بزم با خاطر نواز
سوز او در رزم با آہن گداز

✱

(2) مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ گل لالہ پہاڑ کی چوٹی پر اگا۔
اور پھول چننے والے کا گوشہ دامن نہیں دیکھا۔

(3) جیسے صبح کے پہلے جھونکوں سے آگ بھڑکی اور شعلہ بن گئی۔

(4) آسمان نے اس کو اپنی آغوش سے باہر نہیں جانے دیا۔
بلکہ اسے ستارہ جانا۔ جو دوسرے ستاروں سے پیچھے رہ گیا ہو۔

(5) آفتاب کی پہلی کرن نے اسے بوسہ دیا۔
اوس نے اس کی آنکھوں سے نیند کی گرد دھو دی۔

(6) تجھے اللہ تعالیٰ کی اس صفت (اس کا کوئی ہمسر نہیں) کے ساتھ مضبوط واسطہ رکھنا چاہیے۔
تا کہ تو دوسری قوموں میں یکتا ہو جائے۔

(7) اللہ تعالیٰ جو ذات واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔
اس کے بندے کی بھی شریک کے ساتھ موافقت نہیں ہوتی۔

(8) مومن ہر بلند سے بلند تر ہے۔
اس کی غیرت کوئی ہمسر برداشت نہیں کرتی۔
(9) تم غم نہ کرو کی گدڑی اس نے پہن رکھی ہے۔
اور اس کے سر پر (تم ہی بلند ہو گے) کا تاج ہے۔
(10) اس نے اپنے کندھوں پر دونوں جہانوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔
خشکی اور تری (بحروبر) اس کی آغوش میں پرورش پاتے ہیں۔
(11) اس نے ہمیشہ بادل کی گرج پر کان لگا رکھے ہیں۔
اور اگر بجلی گرے تو وہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا ہے۔
(12) وہ دشمن کے مقابلے میں تلوار ہے۔
تو حق کی مدافعت میں ڈھال بن جاتا ہے۔
اور کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا اس کا (امر و نہی) خیر و شر کا معیار ہے۔
(13) اس کا انگارہ اپنے اندر سینکڑوں شعلے رکھتا ہے۔ اور
اس کے جوہر سے زندگی کمال حاصل کرتی ہے۔
(14) اس شور و غل کی دنیا کی فضا میں
اس کی تکبیر کے سوا کوئی دوسرا نغمہ نہیں۔
(15) وہ (عفو) عدل، سخاوت اور احسان کی بڑی صفات کا مالک ہے۔
قہر کے اندر بھی اس کا مزاج کریمانہ صفات کا حامل ہے۔
(16) اس کا ساز دوستوں کی مجالس میں دل نواز ہوتا ہے۔
جنگ و جدل کے موقع پر اس کا سوز جسے کو پھونک دیتا ہے۔

(17) در گلستاں با عنادل ہم صفیر
در بیاباں جرہ باز صید گیر

(18) زیر گردوں می نیاساید دلش
بر فلک گیرد قرار آب و گلش

(19) طائرش منقار بر اختر زند
آنسوے ایں کہنہ چنبر پر زند

(20) تو بہ پروازے پرے نکشودۂ
کرمک استی زیر خاک آسودۂ

(21) خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

(22) اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتاب زندۂ

(23) تا کجا در خاک می گیری وطن؟
رخت بردار و سر گردوں فگن

(17) باغوں میں بلبلوں کا ہم نوا ہوتا ہے۔
جنگلوں اور بیابانوں میں باز کی طرح شکار کرتا ہے۔

(18) آسمان کے نیچے اس کا دل آسودہ نہیں ہوتا۔
اس کی فطرت آسمان پر قرار پاتی ہے۔

(19) اس کا پرندہ ستاروں پر چونچ مارتا ہے۔
اور اس بوڑھے آسمان کی دوسری طرف اڑتا ہے۔

(20) تو نے اڑنے کے لئے اپنے پر نہیں کھولے۔
تو کیڑا ہے۔ اس لئے مٹی میں ہی خوش رہتا ہے۔

(21) تو قرآن پاک پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو گیا ہے۔
لیکن شکایت زمانے کے چکر کی کرتا ہے۔

(22) اے شخص! تو وہ ہے۔ جو شبنم کے قطرے کی طرح زمین پر گرنے والا ہے۔
تیری بغل میں ایک زندہ کتاب (قرآن پاک) ہے۔

(23) کب تک تو مٹی کو اپنا وطن بنائے گا۔

عرض حال مصنف بحضور رحمتہ للعالمینؐ

(1) اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

(2) اے زمیں از بارگاہت ارجمند
آسماں از بوسہ بامت بلند

(3) شش جہت روشن ز تاب روئے تو
ترک و تاجیک و عرب ہندوے تو

(4) از تو بالا پایۂ ایں کائنات
فقر تو سرمایۂ ایں کائنات

(5) در جہاں شمع حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی

(6) بے تو از نابود مندیہا خجل
پیکراں ایں سرائے آب و گل

(7) تا دم تو آتشے از گل کشود
تودہ ہاے خاک را آدم نمود

اس جگہ سے اپنا ساز و سامان اٹھالے اور اسے آسمان پر پھینک دے۔

تصنیف کرنے والے کا حال عرض کرنے کے بارے میں رحمتہ للعلمینؐ کے دربار میں عرض

(1) آپؐ وہ ہیں۔ کہ آپؐ کا تشریف لانا زندگی کا شباب ہے۔
آپؐ کا جلوہ زندگی کے خواب کی تعبیر ہے۔(یعنی آپؐ مقصود حیات ہیں)۔
(2) اس زمین نے آپؐ کی بارگاہ سے ارجمندی حاصل کی۔
آسماں بھی آپؐ کی بارگاہ کو بوسہ دینے سے بلند ہوا۔
(3) آپؐ کے چہرہ مبارک کے نور سے چھ اطراف (کل دنیا) روشن ہیں۔
ترک، غیر ترک اور عرب آپؐ کے غلام ہیں۔
(4) آپؐ کی وجہ سے اس کائنات کا درجہ بلند ہوا۔
آپؐ کا فقر کائنات کا سرمایہ ہے۔
(5) آپؐ نے دنیا میں زندگی کی شمع روشن کی۔ اور
غلاموں کو آقائی سکھائی۔
(6) آپؐ کے بغیر اس دنیا میں ساری شکلیں کم مایہ ہونے کی وجہ سے شرمندہ ہیں۔
(7) جب آپؐ نے مٹی کی اشکال کے اندر سے عشق کی آگ نکالی۔
تو ان خاک کے تودوں نے آدم کی صورت اختیار کر لی۔

(8) ذرہ دامنگیر مہر و ماہ شد
یعنی از نیروے خویش آگاہ شد

(9) تا مرا افتاد بر رویت نظر
از اب و ام گشتہ محبوب تر

(10) عشق در من آتشے افروخت است
فرصتش بادا کہ جانم سوخت است

(11) نالہ مانند نے سامان من
آں چراغ خانہ ویران من

(12) از غم پنہاں نگفتن مشکل است
بادہ در مینا نہفتن مشکل است

(13) مسلم از سر نبیؐ بیگانہ شد
باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد

(14) از منات و لات و عزیٰ و ہبل
ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(15) شیخ ما از برہمن کافر تر است
زانکہ او را سومنات اندر سر است

(16) رخت ہستی از عرب بر چیدۂ
در خمستان عجم خوابیدۂ

(17) شل ز برفاب عجم اعضائے او
سرد تر از اشک او صہبائے او

(18) ہمچو کافر از اجل ترسندۂ
سینہ اش فارغ ز قلب زندۂ

(19) نعشش از پیش طبیباں بردہ ام
در حضور مصطفیٰؐ آوردہ ام

(20) مردہ بود از آب حیواں گفتمش
سرے از اسرار قرآں گفتمش

(21) داستانے گفتم از یاران نجد
نکہتے آورم از بستان نجد

(22) محفل از شمع نوا افروختم
قوم را رمز حیات آموختم

✽

(8) ذرے سورج اور چاند کے دامن گیر ہوئے۔ اور اپنی طاقت سے آگاہ ہوئے۔

(9) جب سے میری نظر آپؐ کے مبارک چہرے پر پڑی ہے۔ تو آپؐ مجھے والدین (باپ ماں) سے زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔

اس شعر کا مطلب ایک حدیث پاک سے اخذ کیا گیا ہے۔ (تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب نہ ہو جاؤں (الحدیث)۔

(10) آپ کے عشق نے میرے اندر آگ بھڑکا دی ہے۔ (الحدیث)۔

عشق کو فرصت مبارک ہو۔ کیونکہ اب میری جان جل چکی ہے۔

(11) بانسری کی گریہ و زاری (نالہ) ہی میرا سامان ہے۔

اور یہی میرے تباہ شدہ گھر کا چراغ ہے۔

(12) پوشیدہ غم کی بات نہ کرنا بڑا مشکل ہے۔

جس طرح صراحی میں شراب کا چھپانا مشکل ہے۔

(13) مسلمان سرنبی (نبی کا عشق) سے بیگانہ ہو گیا۔
یہ بیت الحرام پھر سے بت خانہ ہو گیا ہے۔

(14) ہر مسلمان اپنی بغل میں لات 'منات 'عزیٰ اور ہبل میں سے کوئی نہ کوئی بت رکھتا ہے۔

(15) ہمارا شیخ (دینی راہنما) برہمن سے زیادہ کافر ہے۔
کیونکہ اس کا سومنات اس کے سر کے اندر ہے۔

(16) اس نے اپنی ہستی کا اسباب عرب سے اٹھالیا ہے۔
اور وہ غم کے خمستان میں سو گیا ہے۔

(17) اس کے اعضاء عجم کے برفاب سے شل ہو گئے ہیں۔
اس کی شراب اس کے آنسوؤں سے بھی زیادہ سرد ہے۔

(18) وہ کافر کی طرح موت سے ڈرتا ہے۔
اس کے سینے کے اندر زندہ دل نہیں ہے۔

(19) میں نے اس کی لاش کو طبیبوں کے سامنے سے اٹھایا۔ اور
حضور مصطفیٰ میں لایا ہوں۔

(20) میں نے عرض کیا۔ کہ یہ مردہ تھا۔ میں نے اس سے آب حیات کی باتیں کی ہیں۔
میں نے اسے قرآن پاک کے بھیدوں سے ایک بھید بیان کیا ہے۔

(21) میں نے اسے یاران نجد کی داستان سنائی ہے۔ اور اس کے لئے نجد کے باغ سے ایک خوشبو لایا ہوں۔

(22) میں نے محفل آواز کی شمع سے روشن کی۔
اور قوم کو زندگی کی رمزیں سکھائی ہیں۔

(23) گفت بر ما بندد افسون فرنگ
هست غوغائش ز قانون فرنگ

(24) اے بصیری را ردا بخشندهٔ
بربط سلما مرا بخشندهٔ

(25) ذوق حق ده ایں خطا اندیش را
اینکه نشناسد متاع خویش را

(26) گر دلم آئینه بے جوهر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است

(27) اے فروغت صبح اعصار و دهور
چشم تو بینندهٔ ما فی الصدور

(28) پردهٔ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں راز خارم پاک کن

(29) تنگ کن رخت حیات اندر برم
اهل ملت را نگهدار از شرم

(30) سبز کشت نابسامانم مکن
بهره گیر از ابر نیسانم مکن

(31) خشک گرداں باده در انگور من
زهر ریز اندر مے کافور من

(32) روز محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسه پا کن مرا

(33) گر در اسرار قرآں سفته ام
با مسلماناں اگر حق گفته ام

(34) اے که از احسان تو ناکس کس است
یک دعایت مزد گفتارم بس است

(35) عرض کن پیش خدائے عز و جل
عشق من گردد هم آغوش عمل

(36) دولت جان حزیں بخشندهٔ
بهرهٔ از علم دیں بخشندهٔ

(37) در عمل پاینده تر گرداں مرا
آب نیسانم گهر گردان مرا

*

(23) اس نے کہا۔ یہ شخص ہم پر فرنگستان کا منتر پھونک رہا ہے۔
اس کا تمام شور و غل فرنگ کے قانون (ساز) سے ہے۔

(24) آپؐ نے بصیری کو چادر مرحمت فرمائی تھی۔
اور سلمیٰ کی بربط مجھے عطا فرمائی ہے۔

(25) اس گناہ سوچنے والے کو ذوق حق عطا کر۔
کیونکہ یہ اپنی متاع کو نہیں پہچانتا۔

(26) اگرچہ میرے دل کا آئینہ بے جوہر ہے۔
اور اگر میرے کلام (اشعار) میں قرآن پاک کے سوا کوئی دوسری چیز مضمر ہے۔

(27) آپؐ کا نور زمانوں کی صبح ہے۔ اور آپ کی آنکھ سینے کے رازوں کو دیکھنے والی ہے۔

(28) آپؐ میرے افکار کے ناموس کا پردہ چاک کر دیجئے۔
اور اس جہاں کو میرے کانٹے سے پاک کر دیجئے۔ (اگر میں قرآن پاک کے بغیر کچھ اور کہہ رہا ہوں)۔

(29) میرے وجود پر زندگی کا لباس تنگ کر دیجئے۔ اور اہل ملت کو میری شاعری کے شرم سے محفوظ رکھئے۔

(30) میری سبز کھیتی کو سرسبز نہ کیجئے۔
اور ابر بہار سے مجھے حصہ نہ دیجئے۔
(31) میرے انگور کے اندر کی شراب کو خشک کر دیجئے۔
اور میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجئے۔
(32) مجھے قیامت کے دن ذلیل اور خوار نہ کیجئے۔
مجھے اپنے پاؤں کے بوسے سے محروم نہ کیجئے۔
(33) اگر میں نے قرآن پاک کے موتی اپنی شاعری میں پروئے ہیں۔
اور اگر مسلمانوں سے میں نے حق کی بات کہی ہے۔
(34) تو اے وہ ذات۔ جس کے احسان سے نالائق لائق بن جاتا ہے۔ میرے لئے دعا فرمایئے۔ اور یہ دعا ہی میری گفتگو کی مزدوری ہو گی۔
(35) تو غالب اور بزرگ خداوند تعالیٰ کے ہاں عرض کیجئے۔
کہ میرا عشق عمل سے ہم کنار ہو۔
(36) آپؐ نے مجھے غمناک جان کی دولت عطا فرمائی ہے۔
اور علم دین سے آپؐ نے حصہ عنایت فرمایا ہے۔
(37) مجھے عمل میں پائندہ تر کر دیجئے۔
میں بارش کا قطرہ ہوں۔ مجھے موتی بنا دیجئے۔

(38) رخت جاں تا در جہاں آوردہ ام
آرزوے دیگرے پروردہ ام

(39) ہمچو دل در سینہ ام آسودہ است
محرم از صبح حیاتم بودہ است

(40) از پدر تا نام تو آموختم
آتش ایں آرزو افروختم

(41) تا فلک دیرینہ تر سازد مرا
در قمار زندگی بازد مرا

(42) آرزوے من جواں تر می شود
ایں کہن صہبا گراں تر می شود

(43) ایں تمنا زیر خاکم گوہر است
در شبم تاب ہمیں یک اختر است

(44) مدتے با لالہ رویاں ساختم
عشق با مرغولہ مویاں باختم

(45) بادہ ہا با ماہ سیمایاں زدم
بر چراغ عافیت داماں زدم

(46) برقہا رقصید گرد حاصلم
رہزناں بردند کالاے دلم

(47) ایں شراب از شیشۂ جانم نہ ریخت
ایں زر سارا ز دامانم نہ ریخت

(48) عقل آزر پیشہ از زنار بست
نقش او در کشور جانم نشست

(49) سالہا بودم گرفتار شکے
از دماغ خشک من لا ینفکے

(50) حرفے از علم الیقیں ناخواندۂ
در گماں آباد حکمت ماندۂ

(51) ظلمتم از تاب حق بیگانہ بود
شامم از نور شفق بیگانہ بود

(52) ایں تمنا در دلم خوابیدہ ماند
در صدف مثل گہر پوشیدہ ماند

(38) میں جب سے دنیا میں جان کا سامان لایا ہوں۔ اس وقت سے ایک ہی آرزو پرورش پا رہی ہے۔

(39) یہ آرزو میرے سینے میں دل کی طرح آسودہ رہتی ہے۔ اور صبح حیات سے میں محرم رہا ہوں۔

(40) میں نے جب اپنے والد صاحب سے آپؐ کا نام سیکھا۔ تب سے میں نے اس آرزو کی آگ کو روشن کیا ہے۔

(41) جب سے زمانے نے مجھے بڑی عمر دی۔ اور زندگی کے جوئے میں مجھے آگے کیا۔

(42) میری یہ خواہش جوان ہوتی رہی۔ اور یہ شراب پرانی ہو کر اور زیادہ قیمتی ہو گئی۔

(43) یہ تمنا میری خاک بدن میں موتی کی طرح چمکتی رہی۔ اور میری زندگی کی سیاہ رات اسی ایک ستارے سے روشن رہی ہے۔

(44) میں نے دیر تک لالہ جیسے چہرہ رکھنے والوں کے ساتھ موافقت کی۔

*

اور گھنگھریالے بالوں والوں کے ساتھ عشق کرتا رہا۔

(45) میں نے چاند کی شکل والوں کے ساتھ شراب پی۔
اور عافیت اور سکوں کے چراغ پر دامن مارتا رہا۔ (چراغ بجھاتا رہا)۔

(46) میرے حاصل کے گرد بجلیاں رقص کرتی رہیں۔
ڈاکو میرے دل کی متاع لوٹ کرلے جاتے رہے۔

(47) مگر یہ شراب آرزو میری جان کے پیالے سے نہ نکل سکی۔
اور یہ خالص سونا میرے دامن میں ہی رہا۔

(48) میری آزر پیشہ عقل نے جینو باندھا۔
اس کا نقش میری جان کی ولایت میں بیٹھ گیا۔

(49) کئی برسوں سے میں شکوں میں گرفتار تھا۔
جو کہ میرے خشک دماغ سے جدا نہ ہونے والا ثابت ہوا۔ (لاینفک: جدا نہ ہونے والا)۔

(50) میرے دماغ نے علم الیقین کا ایک حرف تک نہ پڑھا۔
وہ فلسفے کے گمان آباد میں ہی رہا۔

(51) میری تاریکی (دماغ کی سیاہی) حق کی روشنی سے ناواقف تھی۔
میری شام شفق کے نور سے بیگانہ تھی۔

(52) یہ آرزو میرے دل میں خوابیدہ رہی۔ اور
موتی کی طرح سیپ میں پوشیدہ رہی۔

(53) آخر از پیمانہ چشمم چکید
در ضمیر من نوا ہا آفرید

(54) اے ز یاد غیر تو جانم تہی
بر لبش آرم اگر فرماں دہی

(55) زندگی را از عمل ساماں نبود
پس مرا ایں آرزو شایاں نبود

(56) شرم از اظہار او آید مرا
شفقت تو جرأت افزاید مرا

(57) ہست شان رحمتت گیتی نواز
آرزو دارم کہ میرم در حجاز

(58) مسلمے از ما سوا بیگانہ
تا کجا زناری بتخانہ

(59) حیف چوں او را سر آید روزگار
پیکرش را دیر گیرد در کنار

(60) از درت خیزد اگر اجزائے من
وائے امروزم خوشا فردائے من

(61) فرخا شہرے کہ تو بودی در آں
اے خنک خاکے کہ آسودی در آں

(62) "مسکن یار است و شہر شاہ من
پیش عاشق ایں بود حب الوطن"

(63) کوکبم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے در سایہ دیوار بخش

(64) تا بیا ساید دل بیتاب من
بستگی پیدا کند سیماب من

(65) با فلک گویم کہ آرام نگر
دیدۂ آغازم انجام نگر

(53) آخر کار میری آنکھوں کے پیمانے سے ٹپک پڑی۔ اور اس نے میری ضمیر سے نغمے پیدا کئے۔

(54) میری جان آپؐ کی یاد کے علاوہ کسی دوسرے کی یاد سے خالی ہے۔ اگر آپؐ ارشاد فرمائیں۔ تو میں اسے ہونٹوں تک لے آؤں۔

(55) میری زندگی میں عمل کا کوئی سامان نہیں ہے۔ اسی لئے یہ آرزو مجھے زیب نہیں دیتی۔

(56) مجھے اس کے ظاہر کرنے سے شرم آتی ہے۔ لیکن آپؐ کی شفقت سے مرا حوصلہ بڑھتا ہے۔

(57) تیری رحمت ایک دنیا کو نوازتی ہے۔ میری خواہش ہے۔ کہ میں حجاز میں مروں۔

(58) مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا سے بے گانہ ہے۔ تو وہ کب تک بت خانے کا جینو پوش رہے گا۔

(59) افسوس۔ جب اس کا آخری وقت آئے۔
تو اس کے وجود کوبت کدہ اپنے پہلو میں جگہ دے۔
(60) آپؐ کے دروازے پر میرے اجزاء اٹھیں۔
تو اگرچہ میرا امروز (حال) اچھا نہیں ہے۔ مگر میرا کل (مستقبل) ہو جائے۔
(61) وہ شہر مبارک ہے۔ جہاں آپؐ اقامت پذیر ہیں۔
وہ مٹی کتنی ٹھنڈی ہے۔ جہاں آپؐ آرام فرما رہے ہیں۔
(62) یہ ہمارے شاہ کا شہر ہے۔ اور ہمارے دوست کی رہنے کی جگہ ہے۔
عاشقوں کے ہاں یہی حب الوطن ہے۔
(63) میرے ستارہ قسمت کو بھی بیداری عطا فرمایئے۔
میری قسمت چمک اٹھے۔ اگر آپؐ اپنی دیوار کے سائے میں سونے کی جگہ (قبر) عطا فرمایئے۔
(64) تاکہ میرے بے سکوں دل کو قرار آجائے۔ جو کہ پارے کی طرح بے قرار ہے۔
(65) میں آسمان سے کہہ سکوں۔ میری آخری آرام گاہ دیکھ۔ تو نے میرا آغاز بھی دیکھا تھا۔ میرا انجام بھی دیکھ۔

عرض مترجم

"میں نے اسرار خودی اور رموز بے خودی کے ترجمے کے ضمن میں کئی ایک دوسری کتابوں اور میاں عبدالرشید مرحوم کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔ میں تہ دل سے میاں صاحب کی کاوش اور کوشش کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ کے نور بصیرت نے مجھ کند ذہن اور کج مج نویس کی رہنمائی کی"۔

شکر گزار۔ معذرت خواہ



عشق قاتل سے بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟

سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال







نسیم سلام مشفق

فی ترجمہ و مطالب

پیام مشرق

علامہ محمد اقبال

مترجم

ڈاکٹر الف د نسیم

محمد عثمان

نے

سے چھپوا کر

عثمان پبلی کیشنز

سے شائع کی

7640094, 0333-4275783✆

قیمت:- R,S 225/-

فہرست

دیباچہ

"پیام مشرق" کی تصنیف کا محرک جرمن "حکیم حیات" گوئٹے کا "مغربی دیوان" ہے جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے:

"یہ ایک گلدستہ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے:
اس دیوان سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے"۔

گوئٹے کا یہ مجموعہ اشعار جو اس کی بہترین تصانیف سے ہے اور جس کو اس نے خود "دیوان" کے نام سے موسوم کیا ہے کن اثرات کا نتیجہ تھا اور کن حالات میں لکھا گیا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختصر طور پر اس تحریک کا ذکر کیا جائے جس کو المانوی ادبیات کی تاریخ میں "تحریک مشرق" کے نام سے یاد کرتے ہیں' میرا قصد تھا کہ اس دیباچے میں تحریک مذکور پر کسی قدر تفصیل سے بحث کروں گا مگر افسوس ہے کہ بہت سا مواد جو اس کے لئے ضروری تھا ہندوستان میں دستیاب نہ ہو سکا۔ پال' ہورن' تاریخ ادبیات ایران کے مصنف نے اپنے ایک مضمون میں اس امر پر بحث کی ہے کہ گوئٹے کس حد تک شعرائے فارس کا ممنون ہے۔ لیکن رسالہ ناروانڈسود کا وہ نمبر جس میں مضمون مذکور شائع ہوا تھا۔ نہ ہندوستان کے کسی کتب خانے سے مل سکا نہ جرمنی۔ سے مجبوراً اس دیباچے کی تالیف میں کچھ تو گذشتہ مطالعہ کی یادداشت پر بھروسا کرتا ہوں اور کچھ مسٹر چارلس ریمی کے مختصر مگر نہایت مفید اور کار آمد رسالے پر جو انہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے۔

ابتدائے شباب ہی سے گوئٹے کی ہمہ گیر طبیعت مشرقی تخیلات کی طرف مائل تھی۔ سٹراس برگ میں جہاں وہ قانون کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس کی ملاقات جرمن لٹریچر کی مشہور اور قابل احترام شخصیت ہرڈر سے ہوئی جس کی صحبت کے اثرات کو گوئٹے نے خود اپنے سوانح میں تسلیم کیا ہے۔ ہرڈر فارسی نہ جانتا تھا لیکن چونکہ اخلاقی رنگ اس کی طبیعت پر غالب تھا اس لئے سعدی کی تصانیف سے اسے نہایت گہری دلچسپی تھی چنانچہ "گلستاں" کے بعض حصوں کا اس نے جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے رنگ سے اسے چنداں لگاؤ نہ تھا۔ اپنے معاصرین کو سعدی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے۔

"حافظ کے رنگ میں ہم بہت کچھ نغمہ سرائی کر چکے۔ اس وقت سعدی کے تلمذ کی ضرورت ہے"۔

لیکن باوجود اس دلچسپی کے جو ہرڈر کو مشرقی لٹریچر سے تھی اس کے اپنے اشعار اور دیگر تصانیف پر مشرقی لٹریچر کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذالقیاس گوئٹے کا دوسرا معاصر شلر بھی جو مشرقی تحریک کے آغاز سے پہلے ہی مر چکا تھا' مشرقی اثرات سے آزاد ہے۔ گو اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس کے ڈراما "توران دخت" کا پلاٹ مولانا نظامی کے افسانہ دختر پادشاہ اقلیم چہارم (ہفت پیکر) سے لیا گیا ہے۔ جس کا آغاز مولانا نے اس شعر سے کیا ہے۔

"گفت کز جملہ ولایت روس
بود شہرے بہ نیکوئی چو عروس"

1812ء میں فان ہیمر نے خواجہ حافظ کے دیوان کا پورا ترجمہ شائع کیا اور اسی ترجمے کی اشاعت سے جرمن ادبیات میں مشرقی تحریک کا آغاز ہوا۔ گوئٹے کی عمر اس وقت 65 سال کی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جرمن قوم کا انحطاط ہر پہلو سے انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ ملک کی سیاسی تحریکوں میں عملی حصہ لینے کے لئے گوئٹے کی فطرت موزوں نہ تھی اور یورپ کی عام ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو کر اس کی بے تاب اور بلند پرواز روح نے مشرقی فضا کے امن و سکون میں اپنے لئے ایک نشیمن تلاش کر لیا۔ حافظ کے ترنم نے اس کے تخیلات میں ایک ہیجان عظیم برپا کر دیا۔ جس نے آخر کار "مغربی دیوان" کی ایک پائیدار اور مستقل صورت اختیار کر لی مگر فان ہیمر کا ترجمہ گوئٹے کے لئے محض ایک محرک ہی نہ تھا بلکہ اس کے عجیب و غریب تخیلات کا ماخذ بھی تھا۔ بعض بعض جگہ اس کی نظم خواجہ کے اشعار کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ اور بعض جگہ اس کی قوت تخیل کسی خاص مصرع کے اثر سے ایک نئی شاہراہ پر پڑ کر زندگی کے نہایت دقیق اور گہرے مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ گوئٹے کا مشہور سوانح نگار بیل سوشکی لکھتا ہے:

"بلبل شیراز کی نغمہ پردازیوں میں گوئٹے کو اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی۔ اس کو کبھی کبھی یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ شاید میری روح ہی حافظ کے پیکر میں رہ کر مشرق کی سرزمین میں زندگی بسر کر چکی ہے۔ وہی زمینی مسرت' وہی آسمانی محبت' وہی سادگی' وہی عمق' وہی جوش و حرارت' وہی وسعت مشرب' وہی کشادہ دلی اور وہی قیود و رسوم سے آزادی! غرض کہ ہر بات میں ہم اسے حافظ کا مثیل پاتے ہیں۔ جس طرح حافظ لسان الغیب و ترجمان اسرار ہے اسی طرح گوئٹے بھی ہے اور جس طرح حافظ کے بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہان معنی آباد ہے اسی طرح گوئٹے کے بے ساختہ پن میں بھی حقائق و اسرار جلوہ افروز ہیں۔ دونوں نے امیر و غریب سے خراج تحسین وصول کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے وقت کے عظیم الشان فاتحوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا (یعنی حافظ نے تیمور☆ کو اور گوئٹے نے نپولین کو) اور دونوں عام تباہی اور بربادی کے زمانے میں طبیعت کے اندرونی اطمینان و سکون محفوظ رکھ کر اپنی قدیم ترنم ریزی جاری رکھنے میں کامیاب رہے"۔

☆ خواجہ حافظ اور تیمور کی ملاقات کی روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ خواجہ کا انتقال تیموری فتح شیراز سے پہلے ہو چکا تھا۔

خواجہ حافظ کے علاوہ گوئٹے اپنے تخیلات میں شیخ عطار' سعدی' فردوسی اور عام اسلامی لٹریچر کا بھی ممنون احسان ہے۔ ایک آدھ جگہ ردیف و قافیہ سے غزل بھی لکھی ہے۔ اپنی زبان میں فارسی استعارات بھی (مثلاً "گوہر اشعار" "تیر مژگاں" "زلف گرہ گیر") بے تکلف استعمال کرتا ہے بلکہ فارسیت کے جوش میں امرد پرستی کی طرف اشارات کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتا۔ دیوان کے مختلف حصوں کے نام بھی فارسی ہیں۔ مثلاً مغنی نامہ' ساقی نامہ' عشق نامہ' تیمور نامہ' حکمت نامہ وغیرہ۔ باوجود ان سب باتوں کے گوئٹے کسی فارسی شاعر کا مقلد نہیں اور اس کی شاعرانہ فطرت قطعاً آزاد ہے۔ مشرق کے لالہ زاروں میں اس کی نوا پیرائی محض عارضی ہے۔ وہ اپنی مغربیت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور اس کی نگاہ صرف انہیں مشرقی حقائق پر پڑتی ہے' جن کو اس کی مغربی فطرت جذب کر سکتی ہے۔ عجمی تصوف سے اسے مطلق دلچسپی نہ تھی اور گو اسے یہ بات معلوم تھی کہ مشرق میں خواجہ حافظ کے اشعار کی تفسیر تصوف کے نقطہ نگاہ سے کی جاتی ہے' وہ خود تغزل محض کا دلدادہ تھا اور کلام حافظ کی صوفی تعبیر سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مولانا روم کے فلسفیانہ حقائق و معارف اس کے نزدیک مبہم تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رومی کے کلام پر غائر نگاہ نہیں ڈالی کیونکہ جو شخص سپونوزا (ہالینڈ کا ایک فلسفی جو مسئلہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا) کا مداح ہو اور جس نے برونو (اٹلی کا ایک وجودی فلسفی) کی حمایت میں قلم اٹھایا ہو اس سے ممکن نہیں کہ رومی کا معترف نہ ہو۔

غرض کہ "مغربی دیوان" کی وساطت سے گوئٹے نے جرمن ادبیات میں عجمی روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بعد کے شعرا پلاٹن' روکرٹ اور بوڈن شاٹ نے اس مشرقی تحریک کو جس کا آغاز گوئٹے کے دیوان سے ہوا' تکمیل تک پہنچایا۔ پلاٹن نے ادبی اغراض کے لئے فارسی زبان سیکھی۔ قافیہ ردیف بلکہ ایرانی عروض کے قواعد کی پابندی سے غزلیں لکھیں۔ رباعیاں لکھیں اور نپولین پر ایک قصیدہ بھی لکھا۔ گوئٹے کی طرح فارسی استعارات مثلاً "عروس گل" "زلف مشکیں" "لالہ زار" کو یہ بھی بے تکلف استعمال کرتا ہے۔ اور تغزل محض کا دلدادہ ہے۔ روکرٹ عربی' فارسی' سنسکرت تینوں زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کی نگاہ میں فلسفہ رومی کی بڑی وقعت تھی اور اس کی "غزلیات" زیادہ تر مولانا روم ہی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ چونکہ السنہ مشرقیہ کا عالم تھا اس لیے اس کی مشرقی نظم کے مواخذ بھی وسیع تر تھے۔ مخزن الاسرار نظامی' بہارستان جامی' کلیات امیر خسرو' گلستان سعدی' مناقب العارفین' عیار دانش منطق الطیر ہفت قلزم وغیرہ جہاں جہاں سے حکمت کے موتی ملتے ہیں' رول لیتا ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے کی ایرانی روایات و حکایات سے بھی اپنے کلام کو زینت دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے بعض واقعات بھی اس نے خوب نظم کئے ہیں۔ مثلاً محمود غزنوی کی موت' محمود کا حملہ سومنات' سلطانہ رضیہ وغیرہ۔ گوئٹے کے بعد

مشرقی رنگ کا سب سے زیادہ مقبول شاعر بوڈن شاٹ ہے۔ جس نے اپنی نظموں کو مرزا شفیع کے فرضی نام سے شائع کیا۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں 140 دفعہ شائع ہوا۔ اس شاعر نے عجمی روح کو اس خوبی سے جذب کیا ہے کہ جرمنی میں مرزا شفیع کے اشعار کو لوگ دیر تک فارسی نظم کا ترجمہ تصور کرتے رہے۔ بوڈن شاٹ نے امیر معزی اور انوری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں میں نے گوئٹے کے مشہور ہائنا کا ذکر ارادۃً" نہیں کیا۔ اگرچہ اس کے مجموعہ اشعار موسوم بہ "اشعار تازہ" میں عجمی اثر نمایاں ہے اور محمود و فردوسی کے قصے کو بھی اس نے نہایت خوبی سے نظم کیا ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی مشرقی تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس کی رائے میں گوئٹے کے "مغربی دیوان" کے سوائے جرمن شعراء کا مشرقی کلام کوئی بڑی وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن عجمی جادو کی گرفت سے جرمنی کے اس آزاد رو شاعر کا دل بھی بچ نہ سکا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے آپ کو عالم خیال میں ایک ایرانی شاعر تصور کرتے ہوئے جس کو جرمنی میں جلاوطن کر دیا گیا ہو' لکھتا ہے۔

"اے فردوسی! اے جامی! اے سعدی! تمہارا بھائی زندان غم میں اسیر شیراز کے پھولوں کے لئے تڑپ رہا ہے"۔

کم درجے کے شعراء میں خواجہ حافظ کا مقلد دومر' ہرمن شال' توکے' شاتک لٹز' لنٹ ہولڈ اور فان شاک بھی قابل ذکر ہیں۔ متوخر الذکر علمی دنیا میں اونچا پایہ رکھتا تھا۔ اس کی نظمیں قصہ ہاروت و ماروت مشہور ہیں اور بحیثیت مجموعی اس کے کلام میں عمر خیام کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن اور ایرانی شعراء کا تفصیلی مقابلہ کر کے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لیے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے نہ وقت میسر ہے نہ سامان۔ ممکن ہے کہ یہ مختصر سا خاکہ کسی نوجوان کے دل میں تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کر دے۔

"پیام مشرق" کے متعلق جو "مغربی دیوان" سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور ملی حقائق کو پیش نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ اس سے سو سال سے پیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوام عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس لیے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی۔ جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔ جس کا ایک دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگسان کے تصانیف میں ملتا ہے۔ یورپ نے اپنے علمی اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے ہیں اور سائنیٹی (سابق وزیر اعظم

اطالیہ) سے "انحطاط فرنگ" کی دلخراش داستان بھی سن لی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لئے نامساعد ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کی طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آجائے جو جذبات قلب کو افکار دماغ سے متمیز نہیں کر سکتی۔ البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم** کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنے فارسی تصانیف میں اسی صداقت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالا تر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو' قابل احترام ہے۔ اسی بنا پر میں نے ان چند اوراق کو اعلیٰ حضرت فرمان روائے افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں اور افغانوں کی تربیت انہیں خاص طور پر مدنظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔

آخر میں اپنے دوست چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے کا سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے "پیام مشرق" کے مسودات کو اشاعت کے لیے مرتب کیا۔ اگر وہ یہ زحمت گوارا نہ کرتے تو غالباً اس مجموعے کی اشاعت میں بہت تعویق ہوتی۔

اقبال

پیش کش

بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان فرمانروائے دولت مستقلہ افغانستان

خلد اللہ ملکہ' واجلالہ'

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان فرمان روائے دولت مستقلہ افغانستان کے حضور

اللہ اس کے ملک اور جلال کو ہمیشہ قائم رکھے ۔

تعارف: بیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے کافی عرصہ بعد تک افغانستان کا فرماں روا بادشاہ نہیں امیر کہلاتا تھا۔ اور برصغیر پر حکمراں انگریز اس کی پالیسیوں کو کافی حد تک کنٹرول کرتے تھے۔ امان اللہ خان نے اس صورت حال کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ایک کامیاب جنگ کے بعد اپنے ملک کو انگریزوں کے اثر و رسوخ سے آزاد کرا لیا اور 1919ء میں وہ امیر افغانستان بن گیا۔ اس بنا پر افغانستان اور ہندوستان کے مسلمان اسے قدر افزائی کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور یہ امید پیدا ہو گئی کہ وہ اسلامی طرز حکومت قائم کر کے اپنے ملک کو حقیقی ترقی سے سرفراز کرے گا اور مسلمانان ہند بھی اس سے حوصلہ پا کر آزادی کی طرف قدم بڑھائیں گے۔ علامہ اقبال کو بھی یہی محسوس ہوا اور انہوں نے اس خیال سے کہ وہ ایک بہادر، ذہین اور مسلمان دل و دماغ کا مالک ہے۔ اپنی تصنیف پیام مشرق کو اس نظم کے حوالے سے اس کے نام منسوب کر دیا۔ یہ امیر امان اللہ خان کا قصیدہ نہیں بلکہ اس کے لئے نصیحت نامہ ہے۔ جس پر اگر وہ خلوص نیت سے عمل کرتا تو آج افغانستان کی حالت کچھ اور ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ اس نے تدبر سے کام نہ لیا اور ترقی کے لئے جدیدیت کا راستہ اختیار کر کے یورپ کی بہت سی قباحتوں کو اپنے ملک میں دخیل کر دیا۔ اس پر سخت عوامی رد عمل ہوا اور وہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی بنا پر ملک سے فرار ہو گیا اور غریب الوطنی میں ہی مر گیا۔ زیر نظر نظم کا عنوان ہی ظاہر کر رہا ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک اس کی کتنی قدر و منزلت تھی اور اس سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ یہ اس کا تعریفی قصیدہ نہیں۔ بلکہ اس کے لئے ایک نصیحتی پیش کش یا ہدیہ ہے۔

پہلا بند

اے امیر کامگار اے شہریار
نوجوان و مثل پیراں پختہ کار
چشم تو از پردگیہا محرم است
دل میان سینہ ات جام جم !
عزم تو پائندہ چوں کہسار تو
حزم تو آساں کند دشوار

ہمت تو چوں خیال من بلند ملت صد پارہ را شیرازہ بند
ہدیہ از شاہنشہاں داری بسے لعل و یاقوت گراں داری بسے
اے امیرؒ ابن امیر ابن امیر ہدیہ از بے نوائے ہم پذیر

*

شعر ① اے اپنے مقاصد میں کامیاب امیرؒ اے بزرگ اور عادل بادشاہ۔ اے نوجوان لیکن بوڑھوں کی طرح پختہ کار (تجربہ کار)۔

شعر ② تیری آنکھ پردے میں چھپے ہوئے رازوں یا امور سے واقف ہے + تیرے سینے میں جو دل ہے وہ ایران کے جمشید بادشاہ کا پیالہ ہے۔ مراد ہے' جس طرح جمشید اپنے پیالہ میں ساری دنیا کے حالات دیکھ لیتا تھا۔ تیرا دل بھی کائنات کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے۔ مراد ہے دنیا کے تمام واقعات و حالات اور ان کے اسباب و پس منظر سے تو واقف ہے۔

شعر ③ تیرے ارادے میں تیرے ملک کے پہاڑی سلسلہ کی طرح کا استحکام اور مضبوطی ہے + تیری احتیاط یا تیری دانائی اور دور اندیشی تیری مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔

شعر ④ تیری ہمت میرے خیال کی طرح بلند ہے + تو نے اپنی ہمت کو کام میں لے کر قبائل' عقائد و نظریات اور زبان و نسب میں بٹی ہوئی افغان قوم کو (جو صدہا ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی) متحد و مجتمع کر دیا۔

شعر ⑤ تو دنیا کے شہنشاہوں کے دیے ہوئے بہت سے تحفے رکھتا ہے + تیرے خزانے میں یا تیرے پاس بہت سے قیمتی یاقوت اور لعل ہیں۔

شعر ⑥ اے امیرؒ امیر کے بیٹے' امیر کے بیٹے + ایک بے سروسامان سے بھی ایک تحفہ قبول کر لے۔

دوسرا بند

تا مرا رمز حیات آموختند آتشے در پیکرم افروختند
یک نوائے سینہ تاب آوردہ ام عشق را عہد شباب آوردہ ام
پیر مغرب شاعر المانوی آں قتیل شیوہ ہائے پہلوی
بست نقش شاہدان شوخ و شنگ داد مشرق را سلامے از فرنگ
در جوابش گفتہ ام پیغام شرق ماہ تابے ریختم بر شام شرق
تا شناسائے خودم خود بیں نیم با تو گویم او کہ بود و من کیم!!

*

شعر ① چونکہ مجھے زندگی کی رمز سکھائی گئی ہے (مجھے معلوم ہے کہ زندگی کا بھید کیا ہے اور اس کا کیا مقصود ہے) + (اور) میرے وجود میں ایک قسم کی آگ یعنی عشق کی آگ روشن کر دی گئی ہے۔

شعر ② میں (تحفہ کے طور پر) سینہ میں حرارت اور تڑپ پیدا کرنے والی آواز یا نغمہ لایا ہوں + (اور) میں (اس نغمہ یا کلام کے ذریعے) عشق کے لئے عہد شباب کا پیغام لایا ہوں۔ مراد ہے عشق کی جو

آگ مسلمان کے دل میں سرد ہو چکی تھی میں نے اسے پھر سے حرارت بخشی ہے۔

شعر ③ یورپ کا بزرگ دانش ور اور حکیم، جرمنی کا شاعر + (جو فارسی زبان یا شاعری کی فصاحت و بلاغت یا طرز و اسلوب پر فریفتہ ہے)

شعر ④ (جرمنی کے اس شاعر نے جس کا نام گوئٹے ہے (اپنے کلام میں) زندہ دل اور رہزن سکون قلب، حسینوں اور محبوبوں کی (لفظی اور مضامینی) تصویریں بنائی ہیں + اس نے (اپنی تصنیف پیام مغرب کے ذریعے) مشرق کے لئے مغرب (یورپ) کا پیغام بھیجا ہے۔

شعر ⑤ میں نے اس کتاب کے جواب میں زیر نظر کتاب پیام مشرق لکھی ہے (اور اس کے ذریعے اہل مشرق کا سلام اہل مغرب کو بھیجا ہے) + (میں نے یہ کام سرانجام دے کر) مشرق کی شام پر روشن چاند کی کرنیں بکھیری ہیں۔ مراد ہے میں نے یورپ والوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جس مشرق کو تم جہالت کا جہان سمجھتے ہو علم و ہنر کی وہاں بھی روشنی ہے اگرچہ وہ یورپ کے علوم و فنون کی وجہ سے آج کل گرہن آلودہ ہیں۔ خاص طور پر میں نے دین اسلام اور انسانیت کے اس نور سے انہیں آگاہ کیا ہے جو کہیں اور نہیں ہے۔

شعر ⑥ چونکہ مجھے اپنی معرفت حاصل ہے لیکن مجھے خود پر گھمنڈ نہیں ہے + (اس لئے) میں تجھ سے کہتا ہوں یا تجھے بتاتا ہوں کہ وہ یعنی گوئٹے کون تھا اور میں کون ہوں۔

او ز افرنگی جوانان مثل برق — شعلہ من از دم پیران شرق

او چمن زادے، چمن پروردۂ — من دمیدم از زمین مردہ

او چو بلبل در چمن فردوس گوش — من بصحرا چوں جرس گرم خروش

ہر دو دانائے ضمیر کائنات — ہر دو پیغام حیات اندر ممات

ہر دو خنجر صبح خند آئینہ فام — او برہنہ، من ہنوز اندر نیام

ہر دو گوہر ارجمند و تاب دار — زادۂ دریائے ناپیدا کنار

*

شعر ⑦ وہ یعنی گوئٹے فرنگی جوانوں میں بجلی کی مانند تھا (اس نے مغرب کے حکما سے استفادہ کیا ہے) + میرا شعلہ مشرق کے دانشوروں کے دم سے فروزاں ہے (میں نے مشرق کے حکما اور عارفوں سے فیض حاصل کیا ہے)۔

شعر ⑧ وہ چمن میں پیدا ہوا اور چمن نے اس کو پرورش کیا (وہ خوش حال، ترقی یافتہ اور آزاد ملک میں پیدا ہوا) + میں مردہ زمین سے اگا ہوں (ایسے ملک میں پیدا ہوا ہوں جو غریب، غیر ترقی یافتہ اور غلام ہے)۔

شعر ⑨ وہ چمن کی اس بلبل کی مانند ہے جس کے نغمے کانوں کے لئے جنت ہیں (اس کے ملک کے لوگ اس کا کلام بڑے شوق اور لطف سے پڑھتے ہیں) + میں قافلے کے اس گھڑیال یا گھنٹی کی طرح ہوں جو صحرا میں شور کر رہی ہو (اور اسے کوئی سننے والا نہ ہو)۔

شعر ⑩ کائنات کی ضمیر میں جو کچھ ہے ہم دونوں اس کے جاننے والے ہیں (کائنات کے مخفی امور سے آگاہ ہیں) + ہم دونوں موت کے پس پردہ جو زندگی ہے اس کا پیغام دینے والے ہیں۔

شعر(11): ہم دونوں صبح کی طرح روشن اور آئینہ کی مانند چمک دار خنجر ہیں + لیکن وہ ننگا یعنی نیام سے باہر ہے اور میں ابھی تک نیام میں ہوں (اس کے پیغام کا چرچا اور اثر ہو چکا ہے میرا پیغام ابھی تک کانوں میں پہنچ کر اثر انگیز نہیں ہوا۔ اس کی قوم نے اس کے کلام سے استفادہ کیا ہے میری قوم میرے پیغام سے ابھی تک نا آشنا ہے)۔

شعر(12): ہم دونوں قدر و قیمت والے اور چمک دار موتی ہیں + ہم دونوں وہ موتی ہیں جو اس دریا میں پیدا ہوئے ہوں جس کا کوئی کنارہ نہیں (ایسے دریا میں پیدا ہونے والے موتی زیادہ آب و تاب والے ہوتے ہیں)۔

او ز شوخی در تہِ قلزم تپید تا گریبانِ صدف را بردرید
من بہ آغوشِ صدف تابم ہنوز در ضمیرِ بحر نایابم ہنوز!
آشنائے من ز من بیگانہ رفت از خمستانم تہی پیمانہ رفت
من شکوہِ خسروی او را دہم! تختِ کسریٰ زیرِ پائے او نہم
او حدیثِ دلبری خواہد ز من رنگ و آبِ شاعری خواہد ز من
کم نظر بیتابیٔ جانم ندید آشکارم دید و پنہانم ندید

*

شعر(13): وہ سمندر کی تہ میں شوخی سے تڑپا (یعنی اس کے موتی نے سیپ کے اندر رہنا پسند نہ کیا اور اس سے نکلنے کے لئے بے تاب ہوا) + اس طرح اس نے سیپ کے گریبان کو پھاڑ دیا مراد ہے وہ اپنی قوم کو سعی و عمل کا پیغام دینے کے لئے بیتاب رہا۔ اس بیتابی کی وجہ سے اسے قوم تک سعی و عمل کا فلسفہ پہنچانے میں دقت بھی نہیں ہوئی کیونکہ اس میں قبولیت کی صلاحیت تھی۔

شعر(14): (میں وہ موتی ہوں) جو ابھی تک سیپ کے اندر چمک رہا ہے + اور جو سمندر کے ضمیر میں ابھی تک نایاب ہے مراد ہے میری قوم نے ابھی تک مجھے، میری شاعری اور میرے پیغام کو نہیں پہچانا گو کہ دنیا میں مشہور ہو گیا ہے اور میں اپنے دیس میں اجنبی ہوں۔

شعر(15): (غیروں کی بات چھوڑیئے) میرے جو اپنے تھے جو مجھے جاننے والے تھے وہ بھی میری حقیقت اور میری شاعری کی اصلیت سے ناواقف اور فائدہ اٹھائے بغیر رخصت ہو گئے + (حالانکہ) میرے شراب خانے کے مٹکے شراب سے بھرے ہوئے تھے لیکن یہاں کے رند پیالے پر کئے بغیر چلے گئے مراد ہے میری شاعری اور پیغام سے کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا۔

شعر(16): (اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تفریح و سکون کے دلدادہ ہیں اور میں سعی و عمل کا پیغام دیتا ہوں) میں اپنی قوم کے فرد کو ایران کے بادشاہ کیخسرو کی شان اور شکوہ کا مالک بنانا چاہتا ہوں اور میں نوشیرواں کے تخت پر اسے بٹھانا چاہتا ہوں۔

شعر(17): (لیکن وہ مجھ سے عمل آموز شاعری کی بجائے ایسی شاعری کی مانگ کر رہا ہے جو محض تفریح طبع کے لئے ہو) وہ چاہتا ہے کہ میں شاعری میں حسینوں اور محبوبوں کی دلبری کی بات بیان کروں + ایسی شاعری کا ان کو رسیا بناؤں جو پیغامی نہ ہو صرف تفریحی ہو جس میں شاعری کا لفظی اور معنوی حسن تو ہو

لیکن کوئی اور مقصد اس میں نہ ہو)۔

شعر(18): میری قوم کے بے نظر فرد نے میری اس ہنرواری کو نہیں دیکھا (جو اپنی قوم کی بے حسی کو دیکھ کر اور اسے دنیا میں سرافراز کرنے کے لئے میرے اندر موجود ہے اس نے مجھے صرف شاعر کی حیثیت سے لیا ہے ایک مفکر قوم کی حیثیت سے نہیں دیکھا) + اس نے میرا ظاہر ضرور دیکھا ہے میرا باطن اس کی نظر سے اوجھل رہا ہے۔

فطرت من عشق را در بر گرفت   صحبت خاشاک و آتش در گرفت
حق رموز ملک و دیں برمن کشود   نقش غیر از پردۂ چشمم ربود
برگِ گل رنگین ز مضمونِ من است   مصرعِ من قطرۂ خونِ من است
تا نہ پنداری سخن دیوانگیست   در کمالِ ایں جنوں فرزانگیست
از ہنر سرمایہ دارم کردہ اند   در دیارِ ہند خوارم کردہ اند
لالہ و گل از نوایم بے نصیب   طائرم در گلستانِ خود غریب
بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است   وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است

*

شعر(19): میری فطرت نے عشق کو اپنے پہلو میں سمو لیا ہے (یا اس نے عشق کا لباس پہن لیا ہے) + گھاس کے خشک تنکوں اور آگ کی صحبت اسے موافق آئی ہے مراد ہے میری فطرت میں چونکہ عشق کی آگ پیدا ہو چکی ہے اس لئے تنکوں کو جلا کر مطمئن ہونے کی آرزو اس میں موجزن رہتی ہے۔ جس طرح آگ تنکوں کو جلائے بغیر نہیں رہ سکتی اسی طرح میں بھی اپنی قوم کو خواب غفلت سے جگانے کا عمل اختیار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بامقصد اور درس عمل کی شاعری کرنے پر میں مجبور ہوں گل و بلبل کی شاعری کی مجھ سے توقع نہیں کرنی چاہئے۔

شعر(20): اللہ تعالیٰ نے ملک و دین کے رموز یا دین و دنیا کے اسرار مجھ پر کھول دیئے ہیں مراد ہے مجھے معلوم ہے کہ مالک ملک کون ہے اور کس کے دیئے گئے آئین کے تحت کسی ملک کی جہاں بانی کرنی چاہئے۔ اسرار جہانبانی کے ساتھ ساتھ مجھے دین کی فہم بھی عطا کی گئی ہے اور مجھے معلوم ہے کہ دین کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں + (چونکہ میں دین و دنیا کے تقاضوں سے آگاہ ہوں اس لئے میں نے دین اسلام اور اسلام کے مطابق نظام ملک چلانے کے سوا ہر طرف سے آنکھ بند کر لی ہے) اللہ تعالیٰ نے میری آنکھ کے پردہ سے غیر اللہ کا ہر نقش اچک لیا ہے یا مٹا دیا ہے۔

شعر(21): پھول کی پتی میرے مضمون کی وجہ سے رنگین ہے + میرا مصرع میرے خون کا ایک قطرہ ہے۔ مراد ہے میں نے اپنی زندگی بخش اور سعی و عمل کے پیغامات سے لبریز شاعری کے ذریعے کمزور و نازک اور بے حوصلہ و بے ہمت لوگوں میں بھی سعی و عمل کا جذبہ پیدا کر دیا ہے چاہے اس کے لئے انہیں خون میں کیوں نہ نہانا پڑے۔

شعر(22): جب تک تو یہ خیال نہ کرے گا کہ شاعری دیوانگی ہے + (اور) اسی جنون کے کمال میں فرزانگی ہے (شاعری کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکے گی) اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک کلام

کی حقیقت کو نہ پائے گا تو شاعری تجھے دیوانگی نظر آئے گی حالانکہ اسی جنوں کے کمال میں عقل مندی چھپی ہوئی ہے شاعری مجذوب کی بڑ نہیں ہوش مندی کا عمل ہے۔

شعر(23): مجھے ہنر سے مالامال کیا ہے + (لیکن) میں ہندوستان کے شہروں میں خوار ہو رہا ہوں (میرے ہنر کی قدر کرنے والا کوئی نہیں میری شاعری سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں)۔

شعر(24): میرے چمن کے لالہ کے پھول (عاشق) اور گلاب کے پھول (محبوب) دونوں میرے نغمہ (پیغام شاعری) سے بے نصیب رہے ہیں مراد ہے میری قوم کے کسی بھی فرد نے میری بات نہیں سنی + میں وہ پرندہ ہوں جو اپنے ہی گلستان میں اجنبی ہوں۔

شعر(25): حاصل کلام یہ ہے کہ کمینہ آسمان کمینوں کی پرورش کرتا ہے + افسوس ہے اس مرد پر جو اپنے اندر کوئی جوہر رکھتا ہے (کیونکہ اس کی قدر نہیں ہوگی بے جوہری ہوگی)۔

تیسرا بند

دیدۂ اے خسروِ کیواں جناب آفتابِ ما توارت بالحجاب!
ابطحی در دشتِ خویش از راہ رفت از دمِ او سوزِ الا اللہ رفت!
مصریاں افتادہ در گرداب نیل سست رگ تورانیانِ ژندہ پیل
آلِ عثماں در شکنجِ روزگار مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار
عشق را آئینِ سلمانی نماند خاکِ ایراں ماند و ایرانی نماند
سوز و سازِ زندگی رفت از گلش آں کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلمِ ہندی شکم را بندۂ! خود فروشے، دل ز دیں برکندۂ
در مسلماں شانِ محبوبی نماند خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند

*

شعر ① اے ستارہ زحل کی طرح (جو فلک ہفتم پر ہے) کا مرتبہ رکھنے والے بادشاہ تو نے دیکھا ہے + کہ ہمارا سورج غروب ہو گیا ہے (اس میں قرآن کریم (33:8) کی آیت "حتیٰ توارت بالحجاب کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس کے معنی ہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا مراد ہے مسلمان عروج سے قعر ذلت میں گر چکا ہے اور وہ صفات مسلمانی سے بھی عاری ہو چکا ہے۔

شعر ② وادی بطحا کے رہنے والا (مکہ معظمہ کا باشندہ جس نے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کا راستہ دکھایا تھا آج وہ اپنے بیابان میں راہ سے بھٹک گیا ہے مراد ہے اسلام کے صحیح راستے سے ہٹ گیا ہے) + اس کے سانس سے الا اللہ (کلمہ طیبہ) کا سوز جاتا رہا ہے (کلمہ طیبہ کے پہلے حصہ لاالٰہ الا اللہ میں زبان و قلب سے اس بات کا اقرار کیا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسرے حصہ محمد الرسول اللہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کا رسول ہونے کا اقرار کیا جاتا ہے اور کلمہ پر ایمان کا عشق کی حد تک ہونا مسلمانی کی بنیادی شرط ہے لیکن آج دنیا کو کلمہ کا نور دینے والے خود اس نور سے خالی ہو چکے ہیں۔ ان کا کلمہ رسمی رہ

گیا ہے)۔

شعر ③ مصر کے باشندے دریائے نیل کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں مراد ہے وہ بے شمار مسائل میں الجھے ہوئے ہیں + توران (وسط ایشیا) کے مسلمان جو کبھی پرانے ہاتھی کی طرح موٹے اور طاقت ور ہوتے تھے آج کمزور اور سست ہو چکے ہیں۔

شعر ④ عثمان کی اولاد میں سے جو ترک ہیں وہ زمانہ کے شکنجے میں گرفتار ہیں (عثمان نام کا ایک ترک تھا جس کی اولاد نے خلافت عثمانیہ قائم کی تھی اور عثمانی خلفا کے تحت یورپ' ایشیا اور افریقہ کا بہت سا علاقہ تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ کمزور ہوتے گئے اور زمانہ نے ان کی سلطنت کو کمزور اور ختم کرنے کے لئے بہت کچھ کیا اور اس طرح عثمانی ترک جن کا کل تک ہر جگہ دبدبہ تھا اب بے رعب و بے طاقت ہو گئے) + (یہی وہ ترک ہیں) جن کے خون سے مشرق اور مغرب کے ملک لالہ زار (لالہ کے سرخ رنگ کے پھولوں کے چمن) کی طرح کے بنے ہوئے ہیں (پہلے ان ترکوں نے سلطنت عثمانیہ قائم کرنے کے لئے اپنا خون بہایا اور آخر میں اس کو بچانے کے لئے خون دیا)۔

شعر ⑤ (حضرت سلمانؓ فارس (ایران) کے رہنے والے تھے اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار تھے لیکن آج) مسلمانوں میں ان کی طرح کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے نہیں رہے + ایران کی مٹی تو وہی پرانی ہے لیکن اس میں حضرت سلمان فارسی جیسے صاحب عشق ایرانی باقی نہیں رہے۔

شعر ⑥ اس کی مٹی (جسم خاکی) سے زندگی کی جلن اور حرارت ختم ہو گئی + اس کے دل میں جو پرانی آگ یعنی عشق کی آگ تھی وہ بجھ گئی ہے۔

شعر ⑦ ہندوستان کا مسلمان پیٹ کا غلام ہے (وہ پیٹ بھرنے یا حصول دولت کے لئے ہر قدم اٹھانے کو تیار ہے) + (یہاں تک کہ وہ خود کو بیچنے والا اور دین سے دل کو اکھاڑنے والا بن چکا ہے مراد ہے اس کا دل دین سے بیزار ہو چکا ہے اور وہ اپنی حیات دنیا کو سنوارنے کے لئے اپنی خودداری کا سودا بھی کر چکا ہے اور اس میں حمیت و غیرت مر چکی ہے۔ شکم پروری اور تن پروری کے لئے وہ ضمیر فروش بن چکا ہے۔

شعر ⑧ مسلمان میں محبوبی شان نہیں رہی مراد ہے کبھی مسلمان اپنے کردار و عمل کے حسن کی وجہ سے لوگوں میں محبوب ہوتا تھا اور اللہ بھی اسے محبوب رکھتا تھا اب محبوبیت کی یہ شان اس میں موجود نہیں ہے + کبھی مسلمان میں حضرت خالدؓ بن ولید کی سی شجاعت' حضرت عمر فاروقؓ کی سی عدالت اور حضرت ایوب انصاریؓ جیسی عقیدت ہوتی تھی لیکن آج وہ ان صفات سے خالی ہو چکا ہے۔

چوتھا بند

اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد   از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد

تازہ کن آئینِ صدیقؓ و عمرؓ   چوں صبا بر لالۂ صحرا گذر

ملتِ آوارۂ کوہ و دمن!   در رگِ او بر خونِ شیراں موجزن

زیرک و روئیں تن و روشن جبیں   چشمِ او چوں جرہ بازاں تیز بیں
قسمتِ خود از جہاں نایافتہ   کوکبِ تقدیرِ او نا تافتہ
در قہستاں خلوتے ورزیدۂ!   رستخیزِ زندگی نادیدۂ!
جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور   کوش در تہذیبِ افغانِ غیور
تا ز صدیقانِ ایں امت شوی   بہرِ دیں سرمایۂ قوت شوی

*

شعر ① (یہاں امیر امان اللہ کو خطاب کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں) اے کہ تجھے فطرت نے پاک ضمیر یا دل عطا کیا ہے + (اور) دین کے غم کی وجہ سے تجھے ایسا سینہ دیا ہے۔ جس میں سینکڑوں چاک ہیں۔

شعر ② حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے آئین کو تازہ کر' مراد ہے ان کے نقشِ قدم پر چل کر افغانستان میں وہ صدق و عدل' جلال و جمال اور قوت و مروت کا آئین نافذ کر جو کبھی شیخین نے کیا تھا + (اور) صحرا کے گل لالہ پر صبا کی طرح گزر کر مراد ہے تیری افغان قوم بڑی صلاحیتوں کی مالک ہے لیکن حالات نے اسے پس ماندہ بنا دیا ہے اور ہزار قسم کے آلام و مصائب میں گرفتار کر رکھا ہے تو ان کے زخموں کی مرہم بن۔ اور ان کی مردہ صلاحیتوں کو زندہ کر۔

شعر ③ وہ ملت (افغان قوم) جو (افغانستان کے) کوہ و دمن میں آوارہ ہے + اس کی رگوں میں شیروں کا خون دوڑتا ہے مراد ہے وہ افغان جو شیروں کی طرح نڈر اور بہادر ہے۔

شعر ④ (وہ افغان جو) عقل مند' چیتل کے جسم والا یعنی مضبوط اور روشن جبین ہے وہ جس کی آنکھ دلیر نر بازوں کی طرح تیز بین ہے۔

شعر ⑤ (اس افغان کی یہ حالت ہے کہ) جہان سے اس نے اپنی قسمت حاصل نہیں کی۔ مراد ہے وہ غیر ترقی یافتہ اور غریب ہے + اس کی قسمت کا ستارہ روشن نہیں ہے۔

شعر ⑥ اس نے پہاڑوں میں خلوت اختیار کر رکھی ہے + اس نے زندگی کی رستخیز (جنگ) نہیں دیکھی ہوئی (وہ اپنے پہاڑوں میں محدود ہے اس نے زندگی کی کش مکش نہیں دیکھی)۔

شعر ⑦ (اے وہ امیر) کہ جس کی جان مسلسل محنت پر بھی صبر کرنے والی ہے + غیرت مند افغان قوم کی تہذیب کے لئے کوشش کر۔

شعر ⑧ تاکہ تم بھی اس امت کے صدیقوں میں سے ہو جاؤ + (اور) دین کے لئے قوت کا سرمایہ بن جاؤ۔

پانچواں بند

زندگی جہد است و استحقاق نیست   جز بعلمِ انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر   ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر!!
سیدِ کل، صاحبِ ام الکتاب   پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید — رَبِّ زِدنی از زبانِ او چکید
علم الاسماستے — ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے
علم اشیا داد مغرب را فروغ — حکمت او ماست می بندد دروغ
جانِ ما را لذّتِ احساس نیست — خاکِ راہ جز ریزۂ الماس نیست
علم و دولت نظمِ کارِ ملت است — علم و دولت اعتبارِ ملت است
آں یکے از سینۂ احرار گیر — واں دگر از سینۂ کہسار گیر
دشنہ زن در پیکرِ ایں کائنات — در شکمِ دارد گہر چوں سومنات
لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست — برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

*

شعر ① زندگی کوشش کا نام ہے کسی کا استحقاق (اس کا حق ہونا) نہیں ہے + زندگی انفس اور آفاق کے علم کے سوا کچھ نہیں (علم انفس سے مراد فلسفہ وغیرہ کا اور علم آفاق سے مراد سائنس وغیرہ کا علم ہے)۔

شعر ② حکمت کو خدا نے خیر کثیر (بہت بڑی بھلائی) کہا ہے + جہاں کہیں اس خیر (بھلائی) کو دیکھو حاصل کر لو۔

شعر ③ کل کے سردار اور کتابوں کی ماں یعنی قرآن کے صاحب (مراد ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) + جن کی ضمیر (دل) پر پوشیدہ باتیں ظاہر ہیں۔

شعر ④ انہوں نے اگرچہ عین ذات کو (خدا کی حقیقت یا اس کی ذات کے ظہور کو) بے پردہ دیکھا + (پھر بھی) جن کی زبان سے رب زدنی علما (اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر) نکلا (اس سے علم و حکمت سیکھنے کی اہمیت کا واضح اشارہ ملتا ہے)۔

شعر ⑤ (قرآن کریم میں جو) علم والاسما کا (ناموں کے جاننے کے علم کا) ذکر ہے اس سے مراد (درحقیقت) اشیا کا علم ہے + (یہ علم) عصا بھی ہے اور ید بیضا بھی (عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عصا کی طرف اشارہ ہے جس کی ضرب سے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے تھے یا وہ جادوگروں کی بے جان رسیوں کے خیالی سانپوں کے مقابلے میں زندہ اژدہا بن گیا تھا اور ید بیضا یعنی روشن یا سفید ہاتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ دست کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ جیب سے ہاتھ نکالتے تھے تو روشن ہو جاتا تھا) مراد ہے اشیا کے خواص کا علم جو حیران کن ایجادات کے معجزے دکھا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس دور میں خصوصاً سائنس دکھا رہی ہے۔

شعر ⑥ مغرب کا فروغ (شاندار ترقی) علم اشیا کی بنا پر ہے + اس کی حکمت چھاچھ کو دودھ بنا دیتی ہے۔ مراد ہے مشکل اور ان ہونی باتیں بروئے کار لے آتی ہے۔

شعر ⑦ ہماری جان کو احساس کی لذت کا پتہ نہیں + (ورنہ) راستے کی خاک الماس کے ذروں کے سوا کچھ نہیں مراد ہے تجسس و تحقیق سے مٹی سے سونا نکالا جا سکتا ہے۔

شعر ⑧ ملت کے کاموں کا انتظام علم اور دولت کے سبب ہے + علم اور دوست سے ملت کا اعتبار

ہے مراد ہے قوم کی سربلندی کا راز تجسس و تحقیق کے علوم اور اقتصادی خوش حالی پر ہے۔

شعر ⑨ ان میں سے ایک کو (علم کو) آزاد لوگوں کے سینوں سے حاصل کر + اور دوسرے کو (دولت کو) پہاڑوں کے سلسلے کے سینہ سے حاصل کر مراد ہے آج کی آزاد اور ترقی یافتہ قومیں جن سائنسی علوم کی وجہ سے خوش حال ہیں ان سے یہ علوم سیکھو اور زمین و کوہ چیر کر دولت حاصل کرو۔

شعر ⑩ اس کائنات کے سینے میں خنجر مار + یہ اپنے پیٹ میں سومنات کی مانند بہت موتی رکھتی ہے (سومنات ہندوؤں کا ایک بت تھا جس کا پیٹ جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ سلطان محمود غزنویؒ نے اپنی ضرب سے اسے پاش پاش کیا تھا) مراد ہے تو علم اشیا کی بدولت کائنات میں چھپے ہوئے خزانوں کو دریافت کر۔

شعر(11): تیرے علاقہ بدخشاں میں خالص لعل موجود ہیں + تیرے علاقہ قہستان میں (پہاڑوں میں) وادی سینا میں چمکنے والی بجلی موجود ہے (مراد ہے تیرے ملک میں ہر قسم کے وسائل ترقی موجود ہیں) اب ان سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔

چھٹا بند

کشور محکم اساسے بایدت — دیدۂ مردم شناسے بایدت

اے بسا آدم کہ ابلیسی کند — اے بسا شیطاں کہ ادریسی کند

رنگ او نیرنگ و بودِ او نمود — اندرونِ او چوں داغِ لالہ دود

پاکباز و کعبتینِ او دغل! — ریمن و عذر و نفاق اندر بغل

در نگر اے خسروِ صاحب نظر — نیست ہر سنگے کہ می تابد گہر

مرشدِ رومی حکیمِ پاک زاد — سرِ مرگ و زندگی بر ما کشاد

"ہر ہلاکِ امتِ پیشیں کہ بود — زانکہ بر جندل گماں بردند عود"

*

شعر ① تجھے اپنی کشور (ولایت/ملک) کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا چاہئے + (اس کے لئے ضروری ہے کہ) تیرے پاس مردم شناس (لوگوں کو صحیح طور پر پہچاننے والی) آنکھ ہو (جس کی بنا پر تو صحیح لوگوں کو نزدیک اور غلط لوگوں کو دور کر سکے)۔

شعر ② (مردم شناس آنکھ کا ہونا اس لئے ضروری ہے) کہ بہت سے آدمی (جو بظاہر ٹھیک اور نیک نظر آتے ہیں) در پردہ شیطانی عمل کرتے ہیں + (اور) بہت سے شیطان لوگ ایسے ہیں جو حضرت ادریس پیغمبر کی طرح نیکی کرنے والے دکھائی دیتے ہیں مراد ہے آدمی کو اس کے ظاہر سے نہیں باطن سے پہچانو۔

شعر ③ (ایسا شخص دھوکہ باز ہوتا ہے) اس کا رنگ (طریقہ) سراسر نیرنگ (عیاری و مکاری) ہوتا ہے (اور) اس کی ہستی یا گفتگو بالکل نمود (ظاہری دھوکا دینے) کے لئے ہوتی ہے + (بظاہر وہ لالہ کے پھول کی طرح شاداب اور خوش رنگ دکھائی دیتا ہے لیکن) اس کے باطن میں لالہ کے داغ کی طرح دھواں (سیاہی)

ہوتی ہے۔

شعر ④ (ایسا شخص بظاہر) پاکباز ہوتا ہے (لیکن حقیقت میں) دغل کبتین کی طرح فریب دینے والا ہوتا ہے (دغل کبتین جوا کے کھیل کے ان پانسوں کو کہتے ہیں جن کے اندر یکے کی طرف سیسہ چپکا دیتے ہیں تاکہ جب پانسا پھینکا جائے تو چھکا ہی آئے اور اس طرح دھوکا دہی سے جوا جیتا جائے) + وہ اپنی بغل میں بدنفسی و سرکشی اور بغاوت و نفاق لئے ہوئے ہوتا ہے۔

شعر ⑤ اے صاحب نظر بادشاہ غور کر + ہر وہ پتھر جو چمکتا ہے گوہر نہیں ہوتا۔

شعر ⑥ پاک زاد حکیم (نیک اصل یا نیک طینت فلسفی) مرشد رومیؒ نے + ہم پر زندگی اور موت کا بھید (یوں) کھولا ہے۔

شعر ⑦ اس سے پہلے ہر امت کی ہلاکت کا سبب یہ تھا + کہ اس نے جندل (پتھر) کو عود (لکڑی) سمجھا۔ یعنی حق کو باطل اور باطل کو حق یا سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا خیال کر لیا۔ اور اس طرح وہ غدار و وفادار میں تمیز نہ کر سکی۔

•جندل: پتھر

ساتواں بند

سروری در دین ما خدمت گری است | عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است
در ہجوم کارہائے ملک و دیں | با دلِ خود یک نفس خلوت گزیں
ہر کہ یک دم در کمینِ خود نشست | ہیچ نخچیر از کمندِ او نجست!
در قبائے خسروی درویش زی | دیدہ بیدار و خدا اندیش زی!
قائدِ ملت شہنشاہِ مراد | تیغِ او را برق و تندر خانہ زاد
ہم فقیرے٭ ہم شہِ گردوں فرے | ارد شیرے با روان بو ذرے
غرق بودش در زرہ بالا و دوش | در میانِ سینہ دل موئینہ پوش
آں مسلمانان کہ میری کردہ اند! | در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند | مثلِ سلمانؓ در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت | دست او جز تیغ و قرآنے نداشت
ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست | بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست
سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب | ذرۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب
زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست | برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست
جلوۂ بے پردۂ او وا نمود! | جوہرِ پنہاں کہ بود اندر وجود
روح را جز عشقِ او آرام نیست | عشقِ او روزیست کو را شام نیست

خیز و اندر گردش آور جام عشق در قہستان تازہ کن پیام عشق!
(اقبال)

*

شعر ① ہمارے دین (اسلام) میں سروری (شاہی/امیری) خدمت گری کا نام ہے + (اور) حضرت عمر فاروقؓ کے عدل اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے فقر کا نام ہے۔

شعر ② ملک اور دین کے کاموں کے ہجوم میں + (کچھ وقت نکال کر) ایک لمحہ کے لئے اپنے دل کے ساتھ خلوت اختیار کر مراد ہے اپنا احتساب نفس کر تاکہ اپنی اچھائیوں اور برائیوں اور کامیابیوں اور ناکامیوں کا علم ہو سکے۔ اس سے مراد صوفیانہ مراقبہ کرنا بھی ہو سکتا ہے جس میں آدمی خود پر غور کرتا ہے۔

شعر ③ ہر وہ شخص جو ایک لمحہ کے لئے اپنی کمین میں بیٹھتا ہے + کوئی شکار اس کی کمند سے نکل کر نہیں جا سکتا۔

شعر ④ شاہانہ لباس میں درویشی بنا کر رہی + بیدار آنکھوں والا اور خدا کے خوف والا بن کر رہی۔

شعر ⑤ (یورپ کے بیشتر علاقہ کے فاتح اور عظیم سپہ سالار سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ) شہنشاہ مراد (کو دیکھ) بجلی اس کی تلوار تھی اور کڑک اس کی خانہ زاد تھی (اس کی غلام تھی) مراد ہے اس کی ہیبت اور طاقت سے دشمن لرزتے تھے۔

شعر ⑥ وہ فقیر (درویش) بھی ہے اور آسمان کی شان رفعت رکھنے والا بادشاہ بھی + وہ ایران کے ساسانی خاندان کے مشہور بادشاہ اردشیر بابکان (کی شان و شکوہ رکھنے والا) بھی تھا اور مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کی (درویشانہ) روح رکھنے والا بھی تھا۔

شعر ⑦ وہ سر سے کر تک زرہ (جنگی لباس آہن) میں غرق تھا + (لیکن) اس کے سینے میں جو دل تھا وہ موئینہ پوش تھا یعنی اس کا دل فقیرانہ اور درویشانہ تھا (موئینہ پوش کے معنی ہیں جانوروں کی بالوں والی کھال پہننے والا۔ یہ عام طور پر درویشوں کا لباس سمجھا جاتا ہے)۔

شعر ⑧ وہ مسلمان جنہوں نے امیری (بادشاہی) کی ہے + انہوں نے بادشاہی میں فقیری کی ہے۔

شعر ⑨ انہوں نے امارت (حکمرانی/امیری) میں فقر کو بڑھایا ہے + وہ مدائن میں حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح رہے ہیں (حضرت سلمان فارسیؓ ایران کے رہنے والے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے جو ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مدائن کے والی بن گئے تھے۔ اگرچہ وہ حکمران اعلیٰ تھے لیکن ان کی زندگی فقیرانہ تھی۔ ان کے اہم ترین سامان میں قرآن اور تلوار تھی)۔

شعر ⑩ (اگرچہ) وہ حکمران تھا لیکن کوئی سامان نہیں رکھتا تھا + اسکے ہاتھ میں (یا اس کے پاس) تلوار اور قرآن کے سوا کچھ نہ تھا۔

شعر (11): ہر وہ شخص جس کا سامان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے + خشکی اور تری دونوں اس کے دامن میں ہیں۔

شعر (12): حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا سوز خدا سے مانگ + نبی آخر حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا ذرہ خدا سے مانگ۔

شعر(13): کیونکہ ملت کی زندگی ان کے عشق کی وجہ سے ہے + کائنات کا سازو سامان ان کے عشق کی وجہ سے ہے مراد ہے وجود اور اس کے لوازمات ان کے عشق کی وجہ سے ہیں۔

شعر(14): اس کے بے پردہ جلوہ کو نمایاں کیا + (کس کے بے پردہ جلوہ کو) اس جوہر کے جلوہ کو جو وجود کے اندر چھپا ہوا تھا (اشارہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے) مراد ہے کائنات کی تخلیق کا باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس میں حدیث **لولاک لما خلقت الافلاک** (اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو افلاک (کائنات) ہی تخلیق نہ کیے جاتے) کی طرف اشارہ ہے۔

شعر(15): روح کو ان کے عشق کے بغیر آرام (چین / قرار) نہیں ہے + ان کا عشق ایک ایسے دن کی طرح ہے جس کی شام نہ ہو مراد ہے لازوال بھی ہے اور ہر حالت' ہر مکان' ہر زمان میں تابندہ و تازہ بھی۔

شعر(16): اٹھ اور اس کے عشق کے پیالے کو گردش میں لا + قہستان کے علاقہ میں (پہاڑی سلسلوں والے افغانستان میں) عشق کے پیغام کو تازہ کر۔

لالہ طور

وادی طور کے لالہ کا پھول۔ لالہ کا پھول کلام اقبال میں زیادہ تر عشق / عاشق کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(رباعیات)

①

شہید ناز او بزم وجود است نیاز اندر نہادِ ہست و بود است
نمی بینی کہ از مہر فلک تاب بسیمائے سحر داغ سجود است

*

شعر ① بزم وجود (ہستی کی محفل / ساری کائنات) اسکے یعنی اپنے خالق (یا محبوب حقیقی) کے ناز کی شہید ہے + جو کچھ بھی موجود ہے یعنی کائنات اور اس کی ساری اشیا اپنی سرشت میں نیاز رکھتی ہیں۔ مراد ہے خالق کائنات معشوق ہے اور کائنات اس کی عاشق۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں میں نے یہ کائنات پیدا کر دی۔ اسے صوفیائے وجودی یوں بیان کرتے ہیں کہ کائنات عشق (نیاز) ہے اور خالق کائنات حسن (ناز)۔

شعر ② (اپنی بات کی مزید پشت پناہی کے لئے کہا گیا ہے) کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان پر چمکنے والے سورج کی وجہ سے سحر (صبح) کی پیشانی پر سجدے کا داغ ہے + مراد ہے سورج گویا کائنات کے سجدہ ریز ہونے کی وجہ سے اس کے ماتھے پر بطور داغ کے دلیل ہے وہ داغ جو سجدہ کرنے والوں کے ماتھے پر ہوتا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ صبح کی روشنی

سورج کی مرہونِ منت ہے اگر سورج نہ ہوتا تو صبح کی روشنی بھی نہ ہوتی۔ اسی طرح اگر خالقِ کائنات (خدا) کی صفات فعل میں نہ آتیں اور ان کی جلوہ گری نہ ہوتی تو کائنات اور اس کی اشیا بھی نہ ہوتیں (اس میں وحدۃ الوجود کا مضمون پنہاں ہے)۔

②

دل من روشن از سوز درون است   جہاں بیں چشم من از اشک خون است
ز رمز زندگی بیگانہ تر باد!   کسے کو عشق را گوید جنون است

*

شعر ① میرا دل میرے اندر کے سوز (عشق) کی وجہ سے روشن ہے + میری آنکھ میرے خون کے رنگ کے آنسوؤں (عشق میں رونے) کی وجہ سے جہان کو یعنی رموز و اسرار جہان کو دیکھنے والی ہے۔

شعر ② (خدا کرے) وہ شخص زندگی کی رمز سے زیادہ بیگانہ ہو جائے + جو یہ کہتا ہے کہ عشق جنون (پاگل پن) ہے۔

③

بباغاں باد فروردیں دہد عشق   براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
شعاع مہر او قلزم شگاف است   بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق

*

شعر ① عشق باغوں کو موسم بہار سے نوازتا ہے + عشق سبزہ زاروں کو پرویں ستارے کے سے روشن غنچے عطا کرتا ہے۔

شعر ② اس کے (یعنی عشق کے) سورج کی کرن سمندر کی گہرائی کو چیر کر نکل جانے والی ہے + عشق (سمندر میں موجود) مچھلی کو راہ دیکھنے والی آنکھ دیتا ہے۔

④

عقاباں را بہائے کم نہد عشق   تدرواں را ببازاں سر دہد عشق
نگہ دارد دل ما خویشتن را   ولیکن از کمینش بر جہد عشق

*

شعر ① (لوگ عام طور پر عقاب کو بیش بہا اور چکور کو کم قیمت سمجھتے ہیں لیکن) عشق عقابوں کو کم قیمت سمجھتا ہے + اس کے نزدیک اس کی بلند پروازی اور جانور شکاری کی کوئی اہمیت نہیں مراد ہے وہ بڑے بڑے سرکشوں، مغروروں اور فرعونوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ (عشق میں یہ طاقت ہے کہ) وہ چکوروں کو جو عقابوں کا شکار سمجھے جاتے ہیں ایسی طاقت عطا کرتا ہے کہ وہ عقابوں سے متصادم ہو کر ان کو زیر کر لیتے ہیں مراد ہے کمزوروں کو طاقت وروں پر غالب کر دیتا ہے۔

شعر ② میرا دل اپنی حفاظت کرتا ہے + لیکن اس کی کمین (گھات) سے پھر بھی عشق باہر نکل آتا ہے

مراد ہے دل نہ بھی چاہے تو عشق ضرور پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ دل کی سرشت میں رکھا گیا ہو۔

⑤

نہ برگ لالہ رنگ آمیزی عشق بجان ما بلا انگیزی عشق
اگر ایں خاکداں را وا شگافی دروِنش بنگری خونریزی عشق!

*

شعر ① لالہ کے پھول کی (سرخ) پتیوں میں عشق کے رنگ کی آمیزش ہے + میری جان میں جو بلا انگیزی (مصائب کا ظہور) ہے وہ عشق کی وجہ سے ہے۔

شعر ② اگر تو اس خاکدان (وجود آدمی یا وجود کائنات) کو پھاڑے + تو اس کے اندر تجھے عشق کی خونریزی ہی نظر آئے گی۔ مراد ہے عشق تیرے وجود یا کائنات کے ذرے ذرے میں سمایا ہوا اور گردش کر رہا ہے۔

⑥

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است نہ با ہر کس محبت سازگار است
بروید لالہ با داغ جگر تاب دل لعل بدخشاں بے شرار است

*

شعر ① نہ تو ہر شخص محبت سے مالا مال ہے + (اور) نہ ہر شخص کو محبت موافق آتی ہے۔

شعر ② (اپنے دعویٰ کی دلیل میں کہا جا رہا ہے کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ) لالہ کا پھول جب اگتا ہے تو جگر کو گرما دینے والا داغ یعنی سیاہ داغ اسی وقت اس میں موجود ہوتا ہے + اور ملک بدخشاں کے لعل کو دیکھیں تو وہ بے شرار ہوتا ہے۔ (اس میں کوئی سوز اور کوئی گرمائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ محبت سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں گل لالہ محبت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ محبت ایک عطیہ قدرت ہے استحقاق نہیں۔ ؎

⑦

دریں گلشن پریشاں مثل بویم نمی دانم چہ می خواہم چہ جویم
بر آید آرزو یا بر نیاید! شہید سوز و ساز آرزویم

*

شعر ① میں اس باغ میں (باغ دنیا میں) پھول سے نکلی ہوئی خوشبو کی مانند پریشان و آوارہ ہوں + میں نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کیا تلاش کرتا ہوں۔

شعر ② میری آرزو پوری ہوتی ہے یا نہیں (مجھے اس سے سروکار نہیں) + میں تو آرزو کے سوز و ساز کا مقتول ہوں۔ مراد ہے کہ اگر عشق میسر نہ بھی ہو تو اس کی آرزو کا ہونا بھی بڑی چیز ہے۔ یا اس میں آرزو

کی اہمیت بتانا مقصود ہے کہ ہر شے یا شخص آرزو کے دام میں گرفتار ہے۔ اور یہ علامت حیات ہے۔

⑧

جہاں مشت گل و دل حاصل اوست   ہمیں یک قطرۂ خون مشکل اوست
نگاہ ما دو بین افتاد ورنہ   جہاں ہر کسے اندر دل اوست

*

شعر ① جہاں مٹی کی مٹھی ہے تو اس کی پیداوار دل ہے + یہی (دل) ایک ایسا قطرۂ خون ہے جس کی وجہ سے وہ مشکل میں ہے۔ اس شعر میں دل کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی حقیقت جسم نہیں دل ہے جس کے اندر ایک اپنا جہان پوشیدہ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ دل کو دل بنانے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح پوری کائنات کے اندر بھی اگر کوئی چیز قابل توجہ ہے تو وہ صرف انسانی دل ہے۔

شعر ② ہماری (نظر ایک کی بجائے) دو (جہان) دیکھ رہی ہے ورنہ + ہر کسی کا جہان اس کے دل میں ہے (خارجی جہان آدمی کے اندر بھی موجود ہے) صوفیا کہتے ہیں کہ جو کچھ خارج میں موجود ہے اس کی موجودگی ہمارے احساس اور شعور کی بنا پر ہے۔ اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ خارج میں موجود ہے وہ خارج میں نہیں آدمی کے اپنے دل میں ہے۔

⑨

سحر می گفت بلبل باغبان را   دریں گل جز نہال غم نگیرد
بہ پیری می رسد خار بیابان   ولے گل چوں جواں گردد بمیرد

*

شعر ① صبح کے وقت بلبل نے باغباں سے کہا + کہ اس مٹی میں (یعنی تیرے باغ کی مٹی میں) غم کے پودے کے سوا کچھ نہیں اگتا (کیونکہ بلبل غم گین کا یہی تجربہ ہے)۔

شعر ② بیابان کا کانٹا تو بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے + لیکن گلاب کا پھول جب جوان ہوتا ہے تو مرجاتا ہے (حسن ایک زوال پذیر شے ہے)۔

⑩

جہاں ما کہ نابود است بودش   زیاں توام ہمی زاید بسودش
کہن را نو کن و طرح دگر ریز   دل ما بر نتابد دیر و زودش

*

شعر ① ہمارا جہان کہ جس کا ہونا (ہستی) اس کا نہ ہونا (نیستی) ہے۔ یعنی جو بظاہر موجود ہے لیکن بباطن معدوم ہے + اس کے فائدے کے ساتھ اس کا نقصان جڑواں ہے۔ مراد ہے سود و زیاں دو الگ چیزیں

نہیں۔ ایک کا نفع دوسرے کے لئے نقصان اور ایک کا نقصان دوسرے کے لئے نفع ہو سکتا ہے یا دنیا میں فائدہ اور نقصان دونوں موجود ہیں۔

شعر ② کہن (پرانی) کو نو (نئی) کر اور دوسری بنیاد ڈال + میرا دل اس کے دیروزود کو (اس زمانے کی قدروں کو) برداشت نہیں کرتا یعنی ان سے مطمئن نہیں ہے بظاہر اس جہان کی قدروں کو مٹانے میں نقصان نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا کرنا فائدہ مند ہے۔ اس کی تخریب ہی میں اس کی تعمیر ہے۔

(11)

نوائے عشق را ساز است آدم کشاید راز و خود راز است آدم
جہاں او آفرید' ایں خوب تر ساخت مگر با ایزد انباز است آدم!

*

شعر ① آدمی عشق کے نغمہ کا ساز ہے مراد ہے کائنات میں عشق کا ظہور آدمی کے ذریعے ہوتا ہے + آدمی (اگرچہ کائنات کے) راز کھولتا ہے لیکن وہ خود ایک راز ہے۔

شعر ② اس نے (خدا نے) جہان کو پیدا کیا اس نے (آدمی نے) اسے زیادہ خوبصورت بنایا + شاید آدمی خدا کے ساتھ (تخلیق کے اعتبار سے) برابر کا شریک ہے۔

(12)

نہ من انجام و نے آغاز جویم! ہمہ رازم' جہاں راز جویم!
گر از روئے حقیقت پردہ گیرند ہماں بوک و مگر را باز جویم!

*

شعر ① میں نہ اپنے آغاز کی تلاش کرتا ہوں اور نہ اپنے انجام کی + میں سراپا راز ہوں میں اپنے اس جہان راز کی جستجو کرتا ہوں۔

شعر ② اگر (اہل عقل) حقیقت پر سے پردہ بھی اٹھا دیں تو اس کی رو سے (صرف یہ) معلوم ہوگا کہ + (جو کچھ میں تلاش کرتا ہوں یا لیتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ) میں سب کا سب بوک و مگر کو (یعنی تذبذب اور شک و شبہ) ہی کو تلاش کر رہا ہوں مراد ہے اپنی تلاش یا راز ہستی کی تلاش میں عقل مددگار ثابت نہیں ہو سکتی۔

(13)

ولا تا رائی پروانہ تا کے! نگیری شیوۂ مردانہ تا کے
یکے خود را بسوز خویشتن سوز طواف آتش بیگانہ تا کے

*

شعر ① اے دل تو کب تک پروانہ کی طرح اپنی آگ سے بیگانہ (شمع کی آگ پر فریفتہ رہے گا) مراد

ہے جب تک غیروں کا محتاج رہے گا یا کب تک بے عقل و دانائی سے بے مقصدیت کی زندگی بسر کرتا رہے گا +
کب تک تو مردوں کی سی روش اختیار نہیں کرے گا (ہمت سے کام لے کر محتاجی کی زندگی سے نہیں نکلے گا)
شعر ② ایک بار خود کو اپنے سوز (آگ) میں جلا + غیروں کی آگ کا طواف تو کب تک کرتا رہے گا۔

(14)

تنے پیدا کن از مشت غبارے — تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درون او دل درد آشنائے — چو جوے در کنار کوہسارے

*

شعر ① (اے مخاطب تو غبار کی طرح منتشر ہے) تو اس غبار سے ایک (مربوط) جسم پیدا کر + ایسا جسم جو پتھروں کے قلعہ سے بھی زیادہ مضبوط ہو مراد ہے اپنی شخصیت کو مستحکم کر۔

شعر ② اس جسم کے اندر درد آشنا دل پیدا کر + اس ندی کی مانند جو پہاڑی سلسلے کے پہلو میں بہہ رہی ہوتی ہے (خود روتی ہے تڑپتی ہے۔ لیکن کناروں اور کھیتوں کو سرسبز کرتی ہے) مراد ہے خودی سے شخصیت کو مضبوط کر کے اپنے اندر ایسا دل پیدا کر جو خلق خدا کی محبت 'خدمت اور ہمدردی سے لبریز ہو۔ جو دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھے۔

(15)

ز آب و گل خدا خوش پیکرے ساخت — جہانے از ارم زیبا ترے ساخت
ولے ساقی بآں آتش کہ دارد! — ز خاک من جہاں دیگرے ساخت

*

شعر ① (خدا تعالیٰ نے) پانی اور مٹی سے ایک خوبصورت جسم (جہان) بنایا + (اور) بہشت سے بھی زیادہ زینت رکھنے والا جہان بنایا۔

شعر ② لیکن ساقی نے اس آگ (شراب تخلیق) سے جو وہ (اپنی صراحی میں) رکھتا ہے + میری مٹی سے ایک نیا ہی جہان پیدا کیا ہے۔ مراد آدمی سارے جہان سے خوبصورت ہے وہ خالق کی تقویم احسن اور صانع حقیقی کا شاہکار ہے۔

(16)

بہ یزداں روز محشر برہمن گفت — فروغ زندگی تاب شرر بود!
ولیکن گر نرنجی با تو گویم! — صنم از آدمی پایندہ تر بود!

*

شعر ① قیامت کے دن برہمن (ہندوؤں کے مذہبی پیشوا یا بت خانہ کے محافظ یا بتوں کی پرستش کرنے والے) نے خدا سے کہا + (کہ) زندگی کا فروغ (اجالا' چمک) چنگاری کی چمک کی طرح کا تھا (جو ادھر آگ سے نکلی اور ادھر بجھ گئی) مراد ہے آدمی کی زندگی جلد گزرنے والی ہے۔

شعر ② لیکن اگر تو رنج نہ کرے تو میں تجھ سے کہوں + (کہ) بت آدمی سے زیادہ پائدار یا دیر تک رہنے والا تھا یعنی اس کا عرصہ زندگی مجھ سے کہیں زیادہ تھا۔ (اس میں شوخی کرتے ہوئے یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا کی مخلوق سے بندۂ خدا کی تخلیق زیادہ پائدار اور دیرپا ہے)۔

(17)

گذشتی تیز گام اے اختر صبح مگر از خواب ما بیزار رفتی!
من از نا آگہی گم کردہ راہم تو بیدار آمدی بیدار رفتی

*

شعر ① (صبح کے وقت ایک ستارہ طلوع ہوتا ہے جو طلوع ہونے کے ذرا دیر بعد ہی غائب ہو جاتا ہے اس ستارے کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ) اے صبح کے ستارے تو بڑی تیزی سے گزر گیا + (تو تیزی سے اس لئے گزر گیا کہ) شاید تجھے میری نیند پسند نہیں تھی تو میرے محو خواب ہونے سے بیزار تھا۔

شعر ② میں نے اپنی نا آگہی (غفلت یا حقیقت نا آشنا ہونے) کی وجہ سے اپنی راہ کو گم کر دیا یعنی صبح کے وقت مجھے سونے کی بجائے جاگنا چاہئے تھا کیونکہ یہی قدرت کا تقاضا ہے + (لیکن) تو بیدار (جاگتا ہوا) آیا تھا اور بیدار چلا گیا۔ مراد ہے تو نے قدرت کے قانون کی پابندی کی اور کامیاب رہا۔

(18)

تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے گل ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق و ایں ہنگامہ عشق اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

*

شعر ① میخانہ (رندوں کی) ہائے وہو سے خالی ہوتا مراد ہے جہان بے رونق و بے ہنگامہ ہوتا + ہماری مٹی (جسم خاکی) چنگاری (سوز) سے بیگانہ ہوتی۔ مراد ہے اس میں کوئی کیف، کوئی سرور، کوئی مزہ اور کوئی لطف زندگی نہ ہوتا۔

شعر ② نہ عشق ہوتا اور نہ عشق کا یہ ہنگامہ ہوتا + اگر دل عقل کی مانند فرزانہ (عقل مند) ہوتا۔

(19)

ترا اے تازہ پرواز آفریدہ سراپا لذت بال آزمائی!
ہوس ما را گراں پرواز دارد تو از ذوق پریدن پر کشائی!

*

شعر ① (اس میں عشق کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ) اے وہ کہ تجھے خدا نے تازہ دم رہنے والی پرواز کے ساتھ پیدا کیا ہے + (اس لئے) تو سرتاپا بال آزمائی (پر کھول کر اڑنے) کی لذت ہے یعنی تو ہر وقت لذت پر کشادگی کی بنا پر بلند سے بلند اڑتا رہتا ہے۔

شعر ② (تیرے مقابلے میں) میرے پاس ہوس ہے جس کی وجہ سے میں گراں پرواز (پرواز کو بوجھ محسوس کرنے والا یا نہ اڑنے والا) ہوں + (لیکن) تو اس کے لئے پروں کو کھولتا ہے کہ تجھ میں اڑنے کا ذوق ہے (اس میں عشق کی بجائے صاحب عشق سے خطاب بھی ہو سکتا ہے)۔

(20)

چہ لذت یا رب اندر ہست و بود است ‏ دل ہر ذرہ در جوش نمود است
شگافد شاخ را چوں غنچہ گل ‏ تبسم ریز از ذوق وجود است

*

شعر ① یا رب تو نے وجود (ہستی) کے اندر کیا لذت رکھی ہے + ہر ذرہ کے دل میں نمود (ظاہر ہونے) کا جوش موجود ہے

شعر ② جب پھول کی کلی (پودے کی) شاخ کو چیرتی ہے (وجود میں آتی ہے) + تو وہ وجود میں آنے کی لذت یا ذوق سے مسکرا رہی ہوتی ہے۔

(21)

شنیدم در عدم پروانہ می گفت ‏ دمے از زندگی تاب و تبم بخش
پریشاں کن سحر خاکسترم را ‏ ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش

*

شعر ① میں نے سنا ہے کہ عدم میں (جب اس نے ابھی وجود اختیار نہیں کیا تھا) پروانہ (خالق ائنات سے) کہہ رہا تھا + کہ ایک لمحہ کے لئے مجھے زندگی کی تب و تاب (تڑپ اور جلن) بخش دے۔

شعر ② صبح کے وقت میری خاکستر (راکھ) کو (بے شک) بکھیر دینا + لیکن ایک رات کا سوز و ساز (جلنے اور مزہ لینے کی کیفیت) عطا کر دے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کر دے وہ رات جو سوز بھری ہو۔

(22)

مسلماناں! مرا حرفے است در دل ‏ کہ روشن تر ز جان جبرئیل است
نہانش دارم از آزر نہاداں ‏ کہ ایں سرے ز اسرار خلیلؑ است

*

شعر ① اے مسلمانو! میرے دل میں ایک حرف (باریک / مختصر بات) ہے + کہ جبرئیل فرشتہ کی جان سے بھی زیادہ روشن ہے۔

شعر ② میں نے اسے آزر سرشتوں (خدا کا انکار کرنے والے اور بتوں کو پوجنے والوں) سے چھپا کر رکھا ہے + کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے (اور وہ یہ بھید ہے کہ اصل وجود ذات خدا کا ہے اور اس کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ چونکہ ذات خدا کی وجہ سے موجود ہے اس

لئے حقیقت میں وجود نہیں رکھتا اور جب اس بھید کا پتہ چل جائے کہ "لا موجود الا اللہ" یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں تو پھر بت خانہ دنیا کو حضرت خلیلؑ کی طرح توڑ کر صرف اللہ کی توحید کو قائم کرنا چاہئے)۔

(23)

بہ کویش رہ سپاری اے دل اے دل   مرا تنہا گذاری اے دل، اے دل
دما دم آرزوہا آفرینی!!   مگر کارے نہ داری اے دل اے دل

*

شعر ① اے (میرے) دل، اے (میرے) دل تو اس کے (دنیاوی محبوب) کوچے کا راہ اختیار کئے ہوئے ہو + اور اے دل اے دل تو نے مجھے تنہا چھوڑا ہوا ہے (میں بے راہ و منزل آوارہ و پریشان ہوں)۔

شعر ② تو ہر وقت (مختلف قسم کی) آرزوئیں تو (اپنے اندر) پیدا کر رہا ہے + لیکن اے دل اے دل تو ان سے کسی سے بھی کوئی سروکار نہیں رکھتا (آرزو جب تک بروئے کار نہ آئے بیکار ہے اور بروئے کار بھی اس آرزو کو آنا چاہئے جو تعمیری اور مثبت ہو)۔

(24)

رہے در سینہ انجم کشائی   ولے از خویشتن ناآشنائی
یکے بر خود کشا چوں دانہ چشمے   کہ از زیر زمین نخلے بر آئی

*

شعر ① (اپنے سے لاکھوں کروڑوں میل دور) ستاروں کے سینہ میں تو تو راہ پیدا کر رہا ہے یعنی تیری ستاروں تک رسائی ہے + لیکن تو اپنے آپ سے (جو تیرے بہت قریب اور بے فاصلہ ہے) ناآشنا ہے یعنی تو اپنی خودی اور انا کی پہچان نہیں رکھتا۔

شعر ② ایک دفعہ اس دانہ کی طرح (جو زمین میں اگنے کے لئے دبایا جاتا ہے) خود پر آنکھ کھول + تا کہ تو زمین کے نیچے سے درخت کی طرح باہر آ جائے۔ مراد ہے جس طرح زمین میں دبا ہوا دانہ خود کو پہچان کر زمین سے باہر ایک درخت کی صورت میں آ جاتا ہے تو بھی خود کو پہچان لے اور مقصود زندگی حاصل کر لے۔

(25)

سحر در شاخسار بوستانے   چہ خوش می گفت مرغ نغمہ خوانے
بر آور ہر چہ اندر سینہ داری!   سرودے، نالہ، آہے، فغانے

*

شعر ① صبح کے وقت ایک باغ کی بہت سی ٹہنیوں والے درخت (پر بیٹھے ہوئے) + ایک نغمہ الاپنے

والے پرندے نے کیا اچھی بات کہی۔
شعر ② جو کچھ تو سینے میں رکھتا ہے باہر لے آ + (چاہے) وہ سرود (گانا) ہو نالہ ہو آہ ہو فریاد ہو۔

(26)

ترا یک نکتہ سر بستہ گویم اگر درس حیات از من بگیری
بمیری، گر بہ تن جانے نہ داری وگر جانے بہ تن داری نمیری!

*

شعر ① میں تجھ سے ایک پوشیدہ رمز کی بات کہتا ہوں + اگر تو زندگی کا سبق مجھ سے لے لینا چاہے۔
شعر ② اگر تو جسم میں جان نہیں رکھتا تو تو مر جائے گا + اور اگر تو جسم میں جان رکھتا ہے تو نہیں مرے گا۔ (یہاں جان سے مراد وہ حیوانی جان نہیں جس کے نکلنے سے ہر جاندار مر جاتا ہے بلکہ وہ جان مراد ہے جسے آدمی خودشناسی سے پیدا کرتا ہے اور جو حیوانی جان نکل جانے پر بھی نہیں مرتی)۔

(27)

بہل افسانہ آں پا چراغے حدیث سوز او آواز گوش است
من آں پروانہ را پروانہ دانم کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است

*

شعر ① اس پا چراغ (پروانہ بے قرار) کا افسانہ چھوڑ + اس کے سوز کی حدیث (بات) کی میرے کانوں میں بھنبھناہٹ موجود ہے۔ (شمع کو پروانہ کے قصہ کو کون نہیں جانتا)۔
شعر ② میں اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں (جو شمع کی لو کے گرد ایک لمحہ کے لئے چکر لگا کر فنا کی نیند نہ سو جائے) + بلکہ وہ جو سخت کوش اور شعلہ نوش ہو یعنی نہایت کوشش کرنے والا اور عشق سے لذت حاصل کرنے والا ہو۔

(28)

ترا از خویشتن بیگانہ سازد! من آں آبِ طربناکے ندارم
بہ بازارم مجو دیگر متاعے! چو گل جز سینہ چاکے ندارم

*

شعر ① جو تجھے خود سے بیگانہ کر دے + میں وہ سرور پیدا کرنے والا پانی (شراب) نہیں رکھتا۔
شعر ② میرے بازار سے کوئی دوسری متاع (شے یا سامان) نہ ڈھونڈ + (کیونکہ) میں گلاب کے پھول کی طرح چاک سینہ کے سوا کچھ نہیں رکھتا۔ مراد ہے میری شاعری تفریحی نہیں۔ ایسی نہیں جو تجھے خود سے ناآشنا کر دے۔ بلکہ میرے میخانہ شاعری میں صرف عشق کی شراب ہے جو تجھے خود آگاہ کر سکتی ہے۔

(29)

زیاں بینی ز سیر بوستانم · اگر جانت شہید جستجو نیست
تمایم آنچہ ہست اندر رگ گل بہار من طلسم رنگ و بو نیست

*

شعر ① میں باغ کی سیر کو نقصان کی بات دیکھتا ہوں+ اگر تیری جان جستجو کی شہید (فریفتہ) نہیں ہے یعنی باغ کے رنگ و بو کو تو دیکھے اور سونگھے لیکن ان کی حقیقت کو تلاش نہ کرے اور نہ پائے۔

شعر ② میری بہار رنگ و بو کا جادو نہیں ہے یعنی میں نے اپنی شاعری میں دوسرے شاعروں کی طرح گل و بلبل کے افسانے نہیں کہے بلکہ میں تو وہ کچھ دکھاتا ہوں جو گلاب کے پھول کی رگ میں پوشیدہ ہے مراد ہے میں اپنی شاعری کے ذریعے زندگی کی حقیقت کو واشگاف کرتا ہوں۔

(30)

بروں از ورطہ بود و عدم شو فزوں تر زیں جہان کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکر خویش چو ابراہیم معمار حرم شو!

*

شعر ① بود و عدم (ہستی اور نیستی) کے بھنور سے باہر آ+ اس کیف و کم (کیسا اور کتنا یا کیفیت اور اقتدار) کے جہان سے بلند رہ مراد ہے تجھے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ تو اور تیرا جہان کبھی نہیں تھا اب موجود ہے اور پھر نہیں رہے گا تجھے اس پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ تو یا تیرا جہان کیسا ہے اور کتنا ہے (تجھے فلسفیانہ مسائل اور حالات و اسرار کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

شعر ② تو اپنے پیکر (جسم) کے اندر خودی (کا کعبہ) تعمیر کر+ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس حرم (کعبہ) کا معمار بن۔

(31)

ز مرغان چمن نا آشنایم بشاخ آشیاں تنہا سرایم
اگر نازک دلی' از من کراں گیر کہ خونم می تراود از نوایم

*

شعر ① میں چمن کے پرندوں سے نا آشنا ہوں+ میں اپنے گھونسلے کی شاخ پر تنہا گا رہا ہوں (میں دوسروں سے منفرد شاعر ہوں اور میری شاعری کی اپنی انفرادیت ہے)۔

شعر ② اگر تو دل کا نازک ہے تو مجھ سے دور رہ+ کیونکہ میری نوا (شاعری) سے میرا خون ٹپک رہا ہے (میری شاعری تفریح کے لئے نہیں ہے)۔

(32)

جہاں یا رب چہ خوش ہنگامہ داری ہمہ را مست یک پیمانہ کردی
نگہ را با نگہ آمیز دادی دل از دل، جاں زجاں بیگانہ کردی

٭

شعر ① یارب یہ جہان کتنا اچھا ہنگامہ رکھتا ہے + تونے ہر ایک کو ایک ہی پیالہ کی شراب سے مست کر رکھا ہے مراد ہے سب کی اصل ایک ہی ہے یا سب لوگ جہان کی مصروفیات اور مشاغل میں مگن ہیں۔

شعر ② تونے ایک کی نگاہ کو دوسرے کی نگاہ سے تو ملایا ہے + (لیکن) ایک کے دل کو دوسرے کے دل سے (اور) ایک کی جان کو دوسرے کی جان سے بیگانہ رکھا ہے مراد ہے ظاہری طور پر تو ہر کوئی ایک ہی شراب زندگی سے مست ہے لیکن ہر ایک کی باطنی کیفیات الگ الگ ہیں۔

(33)

سکندر با خضر خوش نکتہ گفت شریک سوز و ساز بحروبر شو
تو ایں جنگ از کنار عرصہ بینی بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو

٭

شعر ① سکندر نے حضرت خضر علیہ السلام سے (اپنی ملاقات کے دوران) کیا اچھی باریک بات کہی + خشکی اور تری (سمندر اور زمین) کے سوز و ساز (جلن اور لطف یا تگ و دو کی محنت) میں تو بھی میرے ساتھ شریک ہو جا۔

شعر ② تو (زندگی کی) جنگ کو میدان کے کنارے سے کھڑا دیکھ رہا ہے (اس لیے تو موت نہیں مرتا جس میں مرنا چاہیے) + کبھی زندگی کی تگ و دو کی جنگ میں مر اور پہلے سے بھی زیادہ زندہ ہو جا۔ (مجھے شک ہے اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو تو مر جائے گا کیونکہ سکون و ثبات موت ہے اور حرکت و سعی زندگی)۔

(34)

سرِ کیقباد، اکلیل جم خاک کلیسا و بتستان و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست نگاہم برتر از گردوں، تنم خاک

٭

شعر ① ایران کے بادشاہ کیقباد کا تخت اور وہاں کے جمشید بادشاہ کا تاج دونوں خاک ہیں (مادی ہیں / مٹی ہیں۔ مٹ جانے والے ہیں) + عیسائیوں کا گرجا، بت پرستوں کا بت خانہ اور مسلمانوں کا حرم یہ بھی مادی ہیں مٹی کے ہیں (ان کا مٹ جانا بھی یقینی ہے)۔

شعر ② لیکن میں نہیں جانتا کہ میں کیا گوہر ہوں + میرا جسم (اگرچہ) مٹی کا ہے لیکن میری نگاہ آسمان سے بھی بلند ہے مراد ہے میرا جسم بھی بے شک مندرجہ بالا اشیا کی طرح مٹی اور مادہ کا ہے لیکن اس کے

اندر جو روح کا جوہر ہے وہ مادی اور خاکی نہیں (اور یہ میرے (یعنی آدمی) کے سوا کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں)۔

(35)

اگر در مشت خاک تو نہادند دل صد پارۂ خونابہ بارے
ز ابر نو بہاراں گریہ آموز کہ از اشک تو روید لالہ زارے

✽

شعر ① اگر (خالق نے) تیری مشت خاک (مٹی کی مٹھی / جسم) میں رکھ دیا ہے + سو ٹکڑے ہوا اور خون کے آنسو برسانے (بہانے) والا دل یعنی ایسا دل جو غم عشق میں جلتا، سلگتا اور رونا جانتا ہے (تو)۔۔۔(اگلا مصرع دیکھیے)۔

شعر ② تازہ اور نئی بہار کے بادل سے رونا سیکھ + کہ تیرے آنسوؤں سے لالہ زار لالہ کے سرخ رنگ اور سیاہ داغ رکھنے والے پھولوں کا چمن) اگے۔ مراد ہے صاحب درد و محبت لوگ پیدا ہوں۔ اگر تجھے اللہ نے سوز و ساز اور درد و داغ رکھنے والا دل دیا ہے تو کوشش کر کہ دوسرے بھی اس متاع سے مالامال ہو جائیں۔

(36)

دمادم نقشہائے تازہ ریزد بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروز تو تصویر دوش است بخاک تو شرار زندگی نیست

✽

شعر ① (زندگی) ہر لحظہ نئے نقش بناتی ہے + زندگی ایک صورت (نقش) پر قائم نہیں ہے۔

شعر ② اگر تیرا آج (زمانہ حال) تیرے گزرے ہوئے کل ہی کی تصویر ہے (اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو سمجھ لے کہ) تیری زندگی کی خاک میں شرار نہیں ہے (بے حس اور مردہ ہے)۔

(37)

چو ذوق نغمہ ام در جلوت آرد قیامت افگنم در محفل خویش
چو می خواہم دمے خلوت بگیرم جہاں را گم کنم اندر دل خویش

✽

شعر ① جب نغمہ کا ذوق مجھے جلوت (انجمن) میں لاتا ہے + تو میں اپنی محفل میں قیامت برپا کر دیتا ہوں مراد ہے پیغام زندگی دے کر انقلاب برپا کر دیتا ہوں۔

شعر ② جب میں چاہتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے خلوت (تنہائی) اختیار کروں + تو میں سارے جہاں کو اپنے دل میں گم کر دیتا ہوں۔ مراد ہے جب رشد و ہدایت سے فارغ ہوتا ہوں تو اپنے دل کی اس دنیا میں

مستغرق ہو جاتا ہوں جس میں ساری خارجی کائنات موجود ہے (خلوت اپنی اندرونی دنیا میں انقلاب کے لئے
اور جلوت بیرونی دنیا میں تبدیلی لانے کے لئے دونوں ضروری ہیں)

(38)

چہ می پرسی میان سینہ دل چیست   خرد چوں سوز پیدا کرد دل شد
دل از ذوق تپش دل بود لیکن   چو یک دم از تپش افتاد گل شد

✱

شعر ① تو (مجھ سے) کیا پوچھتا ہے کہ دل کیا ہے + خرد (عقل / حکمت) نے جب (اپنے اندر) سوز (تپش / جلن) پیدا کیا تو دل بن گیا۔

شعر ② دل تپش (سوز) کے ذوق (ذائقہ ولذت) کی وجہ سے دل تھا لیکن + جب وہ ایک لمحہ کے لئے سوز سے محروم ہوا تو مٹی بن گیا۔

(39)

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد   نگاہ شوق در امید و بیم است
نمیگردد کہن افسانہ طور   کہ در ہر دل تمنائے کلیم است

✱

شعر ① عقل نے کہا کہ وہ (محبوب / خدا) آنکھ میں نہیں سما سکتا (آنکھ اس کا تماشا نہیں کر سکتی + (یہ سن کر) شوق (عشق) کی نگاہ امید اور ناامیدی میں الجھی ہوئی ہے۔

شعر ② کوہ طور کا افسانہ پرانا نہیں ہوتا + کیونکہ ہر دل میں (خدا کے دیدار ظاہری کی) وہ تمنا موجود ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام میں موجود تھی۔ (کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ خدا سے ہم کلام تو ہوتے تھے لیکن اسے دیکھتے نہیں تھے ایک دفعہ یہ خواہش جو پیدا ہوئی اور حضرت موسیٰ نے باری تعالیٰ سے اپنا آپ دکھانے کو کہا تو جواب ملا تھا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے افسانہ طور میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے)۔

(40)

کنشت و مسجد و بت خانہ و دیر   جز ایں مشت گلے پیدا نکردی
ز حکم غیر نتواں جز بدل رست   تو اے غافل دلے پیدا نکردی

✱

شعر ① ستارہ پرستوں، مسلمانوں، بت پرستوں، یا کسی دوسرے مذہب والوں کی عبادت گاہ ہو + تو نے مٹی کی اس مٹھی کے سوا یعنی کنشت، مسجد، بت خانہ اور دیر کی عمارتوں کے سوا کچھ پیدا نہ کیا (یہ تفرقہ کی علامتیں ہیں جہاں اپنے اپنے بنائے ہوئے خدا پوجے جاتے ہیں اور اصل خدا غائب ہے)۔

شعر ② حکم غیر اللہ کے غیر کے یا مصنوعی خداؤں کے حکم) سے دل (پیدا کئے بغیر) چھٹکارا نہیں +

(لیکن) اے غافل تو نے دل پیدا نہیں کیا (وہ دل پیدا نہیں کیا جس میں عشق ہو اور جو غیر اللہ کے خس و خاشاک کو جلا کر تجھے صرف اللہ کا بندہ بنا دے)۔

(41)

نہ پیوستم دریں بستان سرا دل ز بند این و آں آزاد رفتم
چو باد صبح گردیدم دمے چند گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم

*

شعر ① میں نے اس دنیا سے جو باغ کی مانند دلکش اور خوبصورت دکھائی دیتی ہے دل نہیں لگایا + میں جب تک جیا میں "اس اور اس" کے بندھنوں یعنی دنیاوی علائق اور آلائش کی زنجیروں سے آزاد رہا اور آزاد چلا گیا۔

شعر ② صبح کی ہوا کی مانند میں کچھ دیر کے لئے گھوما + (اس عرصہ میں) میں نے پھولوں کو رنگ اور زینت عطا کی اور چلا گیا۔ (مراد ہے میں نے اپنی زندگی کو دوسروں کے فائدے کے لئے صرف کیا اور یہی زندگی کا اعلیٰ ترین مصرف ہے اور اپنا کام سرانجام دینے کے بعد جہان سے رخصت ہو گیا)۔

(42)

بخود باز آورد رند کہن را مے برنا کہ من در جام کردم
من ایں مے چوں مغان دور پیشیں ز چشم مست ساقی وام کردم

*

شعر ① (اس) بوڑھے (پرانے) رند (شراب پینے والے) کو (جو خود کو بھولا ہوا ہے) پھر سے اپنی معرفت عطا کرتی ہے + وہ جوان شراب جو میں نے پیالہ میں بھری ہوئی ہے۔

شعر ② میں نے یہ شراب (انگوروں سے نہیں بلکہ) گزرے ہوئے زمانہ کے شراب کشید کرنے والے کی مانند + ساقی کی مست چشم سے ادھار لی ہے یعنی حاصل کی ہے (مراد ہے جو کچھ میں نے اپنی شاعری میں پیغام دیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یا ہمارے مقتدر اسلاف کا پیغام ہے)۔

(43)

سفالم را مئے او جام جم کرد درون قطرہ ام پوشیدہ یم کرد
خرد اندر سرم بت خانہ ریخت خلیل عشق دیرم را حرم کرد

*

شعر ① میرے مٹی کے پیالے کو اس کی شراب نے ایران کے بادشاہ جمشید کا پیالہ بنا دیا (وہ پیالہ جس میں جہان کے حالات منعکس ہو جاتے تھے) اس نے میرے قطرہ میں سمندر کو پوشیدہ کر دیا ہے (بظاہر اگرچہ میں ایک مٹی کا بنا ہوا آدمی ہوں لیکن میرے سینہ اندر خدائی صفات موجود ہیں یا یوں کہئے کہ میں مظہر

صفات خدا ہوں اس لئے اس کی جانب سے خلیفۃ الارض ہوں)۔

شعر ② عقل نے تو میرے سر (ذہن و دماغ) کے اندر بت خانہ بنا دیا تھا (اور میں غیر اللہ کے آگے سر جھکانے والا بن چکا تھا) + لیکن عشق کے خلیل نے میرے مندر کو کعبہ بنا دیا یعنی جس طرح جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن کا لقب خلیل (اللہ کا دوست) تھا کعبہ تعمیر کیا تھا اسی طرح عشق نے میرے اندر موجود بت خانہ کو توڑ کر اس کی جگہ (دل کا) کعبہ تعمیر کر دیا۔

(44)

خرد زنجیری امروز و دوش است پرستار بتان چشم و گوش است
صنم در آستیں پوشیدہ دارد برہمن زادۂ زنار پوش است

*

شعر ① (آدمی کی) عقل امروز و دوش (آج اور گزرے ہوئے کل) کی زنجیر ہے مراد ہے آدمی کو زمان و مکان کے بندھنوں میں گرفتار رکھتی ہے + وہ آنکھ اور کان کے بتوں کی پرستار ہے یعنی جو کچھ وہ دیکھتی ہے (چاہے فریب نظر ہی کیوں نہ ہو) اور جو کچھ وہ سنتی ہے (چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو) اس پر یقین کر لیتی ہے۔

شعر ② (عقل) اپنی آستین میں بت کو چھپائے ہوئے ہے + بت خانہ کے پجاری یعنی برہمن کی مانند وہ زنار (جنیو/ہندو کی شناخت کا علامتی دھاگا) پہنے ہوئے ہے (وہ باطل پرست اور حق ناشناس ہے) صراط مستقیم کو نہیں پا سکتی اور حقیقت کی پہچان نہیں کر سکتی۔

(45)

خرد اندر سر ہر کس نہادند تنم چوں دیگراں از خاک و خون است
ولے ایں راز کس جز من نداند ضمیر خاک و خونم بے چگون است

*

شعر ① (اللہ تعالیٰ نے) عقل کو ہر کسی کے سر میں رکھا ہے (تھوڑی ہو یا بہت) + میرا جسم دوسروں کی طرح مٹی اور خون کا بنا ہوا ہے (اپنی عقل کے ذریعے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارا جسم مادی ہے)۔

شعر ② لیکن یہ راز مرے سوا کوئی نہیں جانتا + (کہ) میری مٹی اور خون کا ضمیر لاثانی ہے مراد ہے میرے خون اور مٹی والا جسم ضرور مادی ہے لیکن اس کا ضمیر (اس کی حقیقت) مادی نہیں ہے۔ اور اس حقیقت کا علم ہر عقل رکھنے والے کو نہیں صرف صاحب عرفان ہی کو ہو سکتا ہے۔

(46)

گدائے جلوۂ رفتی بر سر طور کہ جان تو ز خود نامحرمے است

قدم در جستجوئے آدمے زن : خدا ہم در تلاش آدمے ہست

*

شعر ① تو خدا کی تجلی کا طالب (گدا) بن کر کوہ طور پر گیا + اس لئے کہ تیری جان اپنی محرم نہیں ہے (تجھ کو معلوم نہیں کہ جس تجلی باری تعالیٰ تو کوہ طور پر ڈھونڈتا ہے وہ تیرے اندر موجود ہے شرط خود کو پہچاننے کی ہے)۔

شعر ② (کوہ طور پر تجلی کی گدائی کے لئے جانے کی بجائے دنیا میں) کسی آدمی (مرد کامل) کی تلاش میں قدم بڑھا + کیونکہ (جس خدا کی تلاش میں تو طور پر جا رہا ہے وہ تو خود آدمی کی تلاش میں ہے ایسے آدمی کی تلاش میں جو خودی یا خود معرفتی کا حامل ہو اس لئے کہ جو اپنی معرفت رکھتا ہے اپنے خدا کی معرفت بھی وہی رکھتا ہے)۔

(47)

بگو جبریل را از من پیامے مرا آں پیکرے نوری ندادند
ولے تاب و تب ما خاکیاں بیں بنوری ذوق مجبوری ندادند

*

شعر ① جبرئیل فرشتے کو میرا پیغام دیں + کہ مجھے خالق نے تجھ جیسا نورانی جسم عطا نہیں کیا (بلکہ میرے جسم کی تشکیل عناصر اربعہ آگ، پانی، مٹی، ہوا وغیرہ سے کی ہے)۔

شعر ② لیکن ہم مٹی کے بنے ہوئے آدمیوں کی تاب و تب (روشنی اور تابش / بے قراری / سوز و ساز) دیکھ + نور کے بنے ہوئے فرشتوں کو مجبوری (جدائی) کا ذوق یا لذت عطا نہیں کی گئی (وہ تو ہر وقت خدا کے حضور میں ہیں وصل والوں کو کیا خبر کہ ہجر والے خاکیوں پر کیا گزرتی ہے اور اس سے جو بیقراری پیدا ہوتی ہے اس کی کیا لذت ہے)۔

(48)

ہمائے علم تا افتد بدامت یقیں کم کن گرفتار شکے باش
عمل خواہی یقیں را پختہ تر کن یکے جوئے، یکے بیں و یکے باش

*

شعر ① تا کہ علم کا ہما (وہ پرندہ جو جس کے سر پر بیٹھ جاتا ہے وہ بادشاہ بن جاتا ہے) تیرے ہاتھ لگے + (تو) یقین کم کر اور شک میں گرفتار رہ (کیونکہ اس طرح مزید علم حاصل کرنے اور تحقیق کا شوق باقی رہے گا)۔

شعر ② اگر تو عمل چاہتا ہے تو یقین کو پختہ کر + (تو) ایک ہی کو ڈھونڈ، ایک ہی کو دیکھ، اور ایک ہی کا بن جا عمل کے اعتبار سے اس ہی کا ہو کے رہ جا جس پر تیرا یقین ہے۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ تو ایک خدا کا طلب گار بن کائنات میں ایک خدا کی جلوہ فرمائی دیکھ اور ایک خدا کی وحدت کا رنگ اپنے اندر

پیدا کر۔

(49)

خرد بر چہرۂ تو پردہا بافت نگاہ تشنۂ دیدار دارم
در افتد ہر زماں اندیشہ با شوق چہ آشوب الگنی در جان زارم

*

شعر ① عقل نے تیرے چہرے پر پردے بن دیئے ہیں + اس لئے میری نگاہ تیرے دیدار کی پیاسی ہے۔

شعر ② ہر وقت میرا اندیشہ (فکر/ سوچ/ عقل) میرے شوق (عشق) سے متصادم رہتا ہے + تو نے میری کمزور جان میں کیسا شور پیدا کر رکھا ہے (مراد ہے اے خدا تجھ تک رسائی حاصل کرنے یا تیری حقیقت تک پہنچنے کے لئے عقل اور عشق باہم برسرپیکار ہیں۔ میرا عشق جو راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے میری عقل وہاں رکاوٹ بن جاتی ہے تجھ تک رسائی اسی وقت ہو سکتی ہے جب عقل عشق کے راستے سے ہٹ جائے)۔

(50)

دلت می لرزد از اندیشہ مرگ ز بیمش زرد مانند زریری
بخود باز آ خودی را پختہ تر گیر اگر گیری' پس از مردن' نمیری

*

شعر ① تیرا دل موت کے خوف سے کانپ رہا ہے + تو اس کے ڈر سے ہلدی کی مانند زرد ہے۔

شعر ② (ادھر ادھر گھومنے کی بجائے) اپنی سمت واپس آ اور اپنی خودی کو زیادہ مضبوطی سے پکڑ + اگر تو اسے پکڑ لے گا تو مرنے کے بعد بھی نہیں مرے گا۔

(51)

ز پیوند تن و جانم چہ پرسی بدام چند و چوں در می نیایم
دم آشفتہ ارم در پیچ و تابم چو از آغوش نے خیزم نوایم

*

شعر ① تو میرے جسم اور میری جان (روح) کے پیوند (تعلق/ جوڑ) کی بات مجھ سے کیا پوچھتا ہے + میں چند و چوں (کتنا ہے اور کیوں ہے/ عقلی دلائل یا مادی اسباب) کے جال میں اس بات کو نہیں پھنساتا (کیونکہ یہ اس طرح سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ جسم مادی ہے اور روح مادہ نہیں ہے دونوں میں پیوند کی بات کیسے فہم میں آ سکتی ہے)

شعر ② (جسم و روح کے پیوند/ رشتہ کی بات کو علامہ استعاروں/ علامات میں بیان کرتے ہوئے کہتے

ہیں کہ) میں وہ دم (سانس/پھونک) ہوں جو پریشان ہے اور بے قراری کے عالم میں ہے + اگر میں (دم/سانس/پھونک) بن کر بنسری کے پہلو (اندر) سے پیدا ہوں گا تو آواز بن جاؤں گا مراد ہے جسم مادی روح کے جوہر کے ظہور کا ایک ذریعہ ہے۔ جس طرح دم کا تعلق نے نواز کے باطن سے ہوتا ہے اور نے (بانسری) محض ایک واسطہ بنتی ہے جس میں سے گزر کر دم آواز بن جاتا ہے اسی طرح جسم انائے مطلق کے ظاہر ہونے کا ایک واسطہ ہے۔

(52)

مرا فرمود پیر نکتہ دانے ہر امروز تو از فردا پیام است
دل از خوبان بے پروا نگہدار حریمش جز باو دادن حرام است

*

شعر ① مجھے ایک رمز آشنا بزرگ نے فرمایا + کہ تیرا ہر آج آنے والی کل کا پیغام ہے۔ (مراد ہے زمانہ حال سے فائدہ اٹھا)۔

شعر ② دنیا کے بے پروا (بے وفا) حسینوں سے دل کو بچائے رکھ + تیرا دل تیرا کعبہ ہے اسے اس کو (خدا کو) دینے کی بجائے کسی اور کو دینا حرام ہے۔

(53)

ز رازی معنی قرآں چہ پرسی ضمیر ما بآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد، دل بسوزد ہمیں تفسیر نمرود و خلیلؑ است

*

شعر ① تو امام فخرالدین رازی سے (جو قرآن کا بہت بڑا مفسر گزرا ہے) قرآن کے معنی (رموز و اسرار/مطالب) کیا پوچھتا ہے + ہمارا ضمیر اس کی آیات پر خود دلیل ہے (قرآن کو اپنے ضمیر پر نازل کرو ہر بات سمجھ میں آجائے گی)۔

شعر ② عقل تو آگ بھڑکاتی ہے اور دل کو جلاتی ہے + نمرود اور ابراہیم خلیلؑ اللہ کے واقعہ کی یہی تفسیر ہے (نمرود عقل کا نمائندہ تھا جو خدا کے انکار کی آگ جلائے ہوئے تھا حضرت ابراہیمؑ عشق کا نمائندہ تھا جو خدا کا اقراری تھا۔ اس لئے دونوں متصادم تھے اور جب تک دنیا موجود ہے متصادم رہیں گے)۔

(54)

من از بود و نبود خود خموشم اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن ایں نوائے سادہ کیست کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

*

شعر ① میں اپنے ہونے (ہستی) اور نہ ہونے (نیستی) کے متعلق خاموش ہوں + اگر میں یہ کہتا ہوں

کہ میں موجود ہوں تو میں خود پرست بنتا ہوں۔

شعر ② لیکن یہ سادہ نوا (صدا) کس کی ہے + کوئی میرے سینہ میں کہہ رہا۔ نہ کہ میں ہوں مراد یہ ہے میرا موجود ہونا یقینی ہے شعور ذات کا سرچشمہ خود انسان کے اندر موجود ہے اور یہی حقیقت انسان ہے۔

(55)

زمن با شاعر رنگیں بیاں گوے ، چہ سود از سوز اگر چوں لالہ سوزی
نہ خود را می گدازی ز آتش خویش ، نہ شام دردمندے بر فروزی

✱

شعر ① میری طرف سے (میری قوم کے) رنگیں بیان شاعر سے کہہ + اگر تو لالہ کے پھول کی طرح جلا تو اس سوز سے کیا فائدہ۔ (لالہ اپنی آگ سے نہ خود جلتا ہے اور نہ دوسرے کو جلا سکتا ہے محض دیکھنے میں آگ کی طرح کا سرخ رنگ اور سیاہ داغ رکھنے والا ہوتا ہے)۔

شعر ② اپنی (غیر حقیقی) آگ سے نہ تو تو خود کو گداز کرتا ہے + (اور) نہ کسی دکھ درد کے مارے کی سیاہ شام کو ہی روشن کرتا ہے۔ (محض خیالی اور تفریحی شاعری پیدا کرنا اور خود کو اور قوم کو حقیقت زندگی سے بیگانہ رکھنا مناسب نہیں)۔

(56)

ز خوب و زشت تو ناآشنایم ، عیارش کردہ سود و زیاں را
دریں محفل ز من تنہا ترے نیست ، بچشم دیگرے بینم جہاں را

✱

شعر ① میں تیری اچھائی اور برائی کے معیار سے نا آشنا ہوں یعنی متفق نہیں ہوں تو نے اپنے نفع اور نقصان کو اس کا معیار بنا رکھا ہے +

شعر ② اس محفل (دنیا یا دنیائے شاعری) میں مجھ سے زیادہ تنہا کوئی نہیں ہے + یعنی اچھائی برائی اور نفع نقصان کے معیار کو جس طرح میں جانچتا ہوں کوئی اور نہیں پرکھتا۔ (کیونکہ) میں جہان کو دوسروں کی آنکھ سے الگ کسی اور ہی آنکھ سے دیکھتا ہوں (اور وہ نگاہ فطرت اور حقیقت کو دیکھنے والی ہے)۔

(57)

تو اے شیخ حرم شاید ندانی ، جہان عشق را ہم محشرے ہست
گناہ و نامہ و میزاں ندارد ، نہ او را مسلمے نے کافرے ہست

✱

شعر ① تو اے شیخ حرم (کعبہ کے شیخ/عالم دین) شاید نہیں جانتا + کہ عشق کی دنیا کا بھی ایک محشر/ قیامت ہے۔

شعر ② یہ قیامت نہ گناہ، نہ اعمال نامہ، اور نہ ترازو رکھتی ہے (اس میں جزا سزا کے معیار کے طور پر) نہ کسی کو مسلمان اور نہ کسی کو کافر کے طور پر دیکھا جاتا ہے مراد ہے عاشقوں کا حساب کتاب نہیں ہو گا۔

(58)

چو نم از خود گیرد قطرۂ آب میان صدف گہر یک دانہ گردد
بہ بزم ہمنوایاں آں چناں زی کہ گلشن بر تو خلوت خانہ گردد

✱

شعر ① جب پانی کا قطرہ اپنے آپ سے روشنی اور تپش لیتا ہے (اور اس میں دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا تو پانی کا وہ قطرہ اپنی خود نگہداری اور خودی کی بدولت سیپ میں پیدا ہونے والے) سینکڑوں موتیوں میں سے ایک منفرد اور یکتا موتی بن جاتا ہے۔

شعر ② اپنے ہم نواؤں (دوستوں/یاروں) کی محفل میں اس طرح زندگی بسر کر + کہ گلشن بھی تیرے لئے خلوت خانہ بن جائے۔ مراد ہے انجمن میں رہتا ہوا انجمن سے الگ رہ۔

(59)

من اے دانشوراں در پیچ و تابم خرد را فہم ایں معنی محال است
چساں در مشت خاکے تن زند دل کہ دل وشت غزالان خیال است

✱

شعر ① اے دانش (عقل/دانائی) رکھنے والو میں الجھن اور بے قراری کے عالم میں ہوں + (کیونکہ) عقل کے لئے اس معنی کا سمجھ پانا مشکل ہے (اس کا ذکر اگلے شعر میں ہے)۔

شعر ② تو بی کی مشت خاک (بدن) میں دل کیسے پیدا ہو گیا یا کیسے سما گیا + (کیونکہ) دل تو خیال کے ہرنوں کا دشت ہے (اور جسم خاکی کو خیال پر قدرت نہیں)۔

(60)

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز حیات جاوداں اندر ستیز است

✱

شعر ① ساحل پر بزم آراستہ نہ کر کیونکہ اس جگہ + زندگی کی نوا نرم خیز ہے (ملائم آواز پیدا ہوتی ہے مراد ہے زندگی آسان ہے)۔

شعر ② دریا میں غوطہ لگا اور اس کی موجوں سے لپٹ + (کیونکہ) ہمیشہ کی زندگی تصادم (جنگ) میں ہے (مشکلات اور رکاوٹوں سے جنگ کرنے میں ہے)۔

(61)

سراپا معنی سربستہ ام من نگاہ حرف بافاں برنتابم
نہ مختارم تواں گفتن نہ مجبور کہ خاک زندہ ام در انقلابم

*

شعر ① میں سراسر ایک سربند یا پوشیدہ معنی ہوں + حرف بننے والوں (خیالی باتوں کے یا عقل کے گھوڑے دوڑانے والوں) کی نگاہ کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ نہیں جانتے)۔
شعر ② مجھے نہ مختار کہا جا سکتا ہے نہ مجبور + کیونکہ میں ایک زندہ خاک ہوں جو انقلاب لانے میں لگی ہوئی ہے۔ (میری مٹی (جسم) باارادہ ہے اور اس سے میں اس میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہوں)۔

(62)

مگو از مدعائے زندگانی ترا بر شیوہ ہائے او نگہ نیست
من از ذوق سفر آں گونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست

*

شعر ① زندگی کے مدعا (مقصد) کے بارے میں بات نہ کر + اس کی روشوں اور طرزوں پر تیری نگاہ نہیں ہے۔ یعنی تو اس کے انداز کو نہیں سمجھ سکتا۔
شعر ② میں سفر کے ذوق میں اس انداز میں مست ہوں + کہ منزل میرے لئے راستے کی نشان دہی کرنے والے پتھر کے سوا کچھ نہیں یعنی میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لئے رواں دواں ہو جاتا ہوں (زندگی سکون و ثبات کا نام نہیں حرکت و عمل کا نام ہے) اگر سنگ رہ سے مراد راستے میں رکاوٹ اور مزاحمت کرنے والا پتھر لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ منزل ذوق سفر کے آڑے آتی ہے۔

(63)

اگر کروی نگہ بر پارۂ سنگ ز فیض آرزوئے تو گہر شد
بہ زر خود را مسنج اے بندۂ زر کہ زر از گوشۂ چشم تو زر شد

*

شعر ① (اشیائے کائنات کی قدر و قیمت انسان کی طلب پر منحصر ہے) اگر تو نے پتھر کے ٹکڑے پر نظر کی + تو وہ تیری آرزو (اس کو چاہنے اور پسند کرنے کی) کی وجہ سے موتی (جوہر) بن گیا۔ (اگر تو اس کا طالب اور خریدار نہ ہوتا تو وہ قیمت میں پتھر کا پتھر ہی رہتا)۔
شعر ② اے سونے کے غلام اپنے آپ کو سونے سے نہ تول + (کیونکہ) سونا تو تیری نگاہ کی التفات سے سونا بنا ہے۔ مراد ہے سونا ہو یا جواہرات یہ بذات خود کچھ نہیں ان کی اصل قیمت آدمی کی توجہ کی بنا پر ہے اصل سونا اور جوہر خود آدمی ہے۔

(64)

وفا نا آشنا بیگانہ خو بود نگاہش بیقرار جستجو بود
چو دید او را پرید از سینہ من ندانستم کہ دست آموز او بود

*

شعر ① (میرا دل) وفا سے نا آشنا اور مجھ سے بیگانہ رہنے کی عادت والا تھا + اس کی نگاہ کسی کی تلاش کی وجہ سے بیقرار تھی۔

شعر ② جب دل نے اس کو (محبوب کو) دیکھا تو میرے سینے سے اڑ گیا + میں نہیں جانتا تھا کہ وہ تو اس کے ہاتھ کا سدھایا ہوا تھا (دست آموز اس باز کو کہتے ہیں جسے سدھانے والا سدھا لیتا ہے اور جب وہ اس کو کسی شکار پر چھوڑتا ہے تو وہ کام کرنے کے بعد واپس بازدار کے ہاتھ پر آ کر بیٹھتا ہے)۔

(65)

مپرس از عشق و از نیرنگی عشق بہر رنگے کہ خواہی سر بر آرد
درون سینہ بیش از نقطہ نیست چو آید بر زباں پایاں ندارد

*

شعر ① عشق اور اس نیرنگی (رنگا رنگ کیفیتوں اور حالتوں) کی بابت مت پوچھ + تو جس رنگ میں چاہے وہ ظہور میں آ جاتا ہے۔

شعر ② (جب تک وہ تیرے سینے میں موجود ہے یا پوشیدہ ہے وہ) ایک نقطہ سے زیادہ نہیں ہے (اور یہ نقطہ تیرے احساس 'کیفیت یا واردات کا ہے) + جب یہ نقطہ زباں پر آتا ہے یعنی جب تو اسے الفاظ و بیان کی گرفت میں لانا چاہتا ہے تو یہ ایک نہ ختم ہونے والی داستان بن جاتا ہے۔

(66)

مشو اے غنچہ نورستہ دلگیر ازیں بستان سرا دیگر چہ خواہی
لب جو، بزم گل، مرغ چمن سیر صبا، شبنم، نوائے صبحگاہی

*

شعر ① اے تازہ کھلنے والی کلی دلگیر (رنجیدہ) نہ ہو + تو اس باغ کے گھر یا ماحول سے اور کیا چاہتی ہے (دیکھ اس میں تیرا دل بہلانے کے لئے کیا کیا لوازمات قدرت نے رکھے ہیں۔ ان کا ذکر اگلے شعر میں ہے)۔

شعر ② یہاں نہر کا کنارہ' پھولوں کی محفل' چمن میں سیر کرنے والے پرندے' صبح کی ہوا' شبنم' اور صبح کے وقت پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں سب کچھ ہے + (زندگی کی تگ و دو میں نئے نئے داخل ہونے والے نوجوانوں سے کہا گیا ہے کہ زندگی ایک خوبصورت چیز ہے اس سے بیزار ہونے کی بجائے اس سے فائدہ اٹھاؤ)۔

(67)

مرا روزے گل افسردۂ گفت نمود ما چو پرواز شرار است
دلم بر محنت نقش آفریں سوخت کہ نقش کلک او ناپائدار است

✹

شعر ① مجھے ایک دن مرجھائے ہوئے پھول نے کہا + ہماری نمود (زندگی) چنگاری کی پرواز کی مانند ہے یعنی بہت تھوڑی ہے۔

شعر ② میرا دل نقش پیدا کرنے والے (نقاش / مصور) کی محنت پر بہت جلا + کیونکہ اس کے قلم کے پیدا کردہ نقوش (تصویریں) زیادہ دیر رہنے والے نہیں ہیں (اس میں دنیا اور اس کی اشیا کے عارضی ہونے کی طرف اشارہ ہے)۔

(68)

جہان ما کہ پایانے ندارد چو ماہی در یم ایام غرق است
یکے بر دل نظر وا کن کہ بینی یم ایام در یک جام غرق است

✹

شعر ① ہمارا جہان (کائنات) جو کوئی کنارہ نہیں رکھتا یعنی بہت وسیع ہے + مچھلی کی طرح دنوں (وقت) کے سمندر میں غرق ہے (وقت اسے بہائے لئے جا رہا ہے)۔

شعر ② ایک بار (اپنے) دل پر نظر ڈال تاکہ تو دیکھے + کہ دنوں (زمانے یا وقت) کا وہ سمندر (جس میں کائنات غرق ہے وہ) ایک پیالہ (دل) میں غرق ہے (مراد ہے ساری کائنات دل میں موجود ہے)۔

(69)

بہ مرغان چمن ہم داستانم زبان غنچہ ہائے بے زبانم
چو میرم با صبا خاکم بیامیز کہ جز طوف گلاں کارے ندارم

✹

شعر ① میں چمن کے پرندوں کا ہم داستان ہوں + میں بے زبان غنچوں کی زبان ہوں۔

شعر ② جب میں مر جاؤں تو میری مٹی کو صبا میں شامل کر دینا (تاکہ میں پھولوں کی صحبت ہی میں رہوں) کیونکہ مجھے پھولوں کے طواف کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

(70)

نماید آنچہ ہست ایں وادی گل درون لالۂ آتش بجاں چیست

چشمِ ما چمن یک موج رنگ است کہ می داند چشمِ بلبلاں چیست

*

شعر ① میں نہیں جانتا کہ پھولوں کی یہ وادی کیا ہے + جان میں آگ رکھنے والے (بے قرار) لالہ کے باطن میں کیا ہے۔

شعر ② ہماری آنکھ میں چمن ایک رنگ کی لہر ہے + کون جانتا ہے کہ یہ بلبلوں کی نظر میں کیا ہے (کائنات ہر شخص کے نظریہ اور احساس کے مطابق ہے)۔

(71)

تو خورشیدی و من سیّارۂ تو سراپا نورم از نظّارۂ تو
ز آغوش تو دورم ناتمام تو قرآنی و من سیپارۂ تو

*

شعر ① تو (اے میرے خالق) سورج ہے تو میں (تیرے گرد گھومنے والا اور تجھ سے روشنی حاصل کرنے والا) سیارہ ہوں + میں جو سراپا نور ہوں وہ تیرے دیدار کی وجہ سے ہے (یہ روشنی میری اپنی نہیں تیری عطا کردہ ہے)۔

شعر ② (جب تک) میں تیرے پہلو سے دور ہوں نامکمل ہوں + تو قرآن ہے اور میں تیرا سیپارہ ہوں (سیپارہ اگرچہ قرآن نہیں لیکن قرآن سے جدا بھی نہیں)۔ اس رباعی میں یہ صوفیانہ بات بیان کی گئی ہے کہ آدمی اس وقت تک ناقص ہے جب تک وہ اپنے خالق سے دور ہے۔ اگر یہ دوری ہٹ جائے تو وہ اس کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے)۔

(72)

خیال او درون دیدہ خوشتر غمش افزودہ جاں کاہیدہ خوشتر
مرا صاحبدلے ایں نکتہ آموخت ز منزل جادۂ پیچیدہ خوشتر

*

شعر ① اس کے (محبوب کے / خدا کے) خیال کا آنکھوں میں بسا ہونا زیادہ اچھا لگتا ہے + اس کے غم (غم عشق یا غم جدائی) کا زیادہ ہونا (اور اس غم کی وجہ سے) جان کا لاغر اور کمزور ہونا زیادہ اچھا لگتا ہے۔

شعر ② مجھے ایک دل والے نے (جو دل کی حقیقت سے آشنا تھا) یہ باریک یا رمز کی بات سکھائی + کہ منزل سے پیچدار راستہ زیادہ اچھا ہے (کیونکہ منزل مل جائے تو آرزو ختم ہو جاتی ہے اور آرزو ختم ہو جائے تو دل مر جاتا ہے اس لئے اہل دل کے نزدیک وصل سے جدائی بہتر ہے)۔

(73)

دماغم کافرِ زنّار دار است بتاں را بندہ پروردگار است
دلم را بیں کہ نالد از غمِ عشق * ترا با دین و آئینم چہ کار است

شعر ① میرا دماغ ایک ایسا کافر ہے (جو بت پرست برہمن کی مانند) جس کے گرد زنار (بت پرستی یا کفر کی شناخت کا دھاگا) بھی پہنے ہوئے ہے + وہ ایک ایسے بندہ کی مانند ہے جو بتوں کو اپنا پروردگار (رب) مانتا ہے یا یہ کہ وہ اپنے خالق و مالک کی بجائے بتوں کا بندہ ہے اور انہیں اپنا پروردگار سمجھتا ہے (یہ بت افکار، اعتقادات اور آرزوؤں کے ہیں)

شعر ② میرے عشق کے غم میں رونے والے دل کو دیکھ + (جو یہ کہہ رہا ہے کہ) تجھے دین اور میرے آئین سے کیا واسطہ ہے (تیرا دماغ تو بت خانہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تیرا دین اور ایمان لاحاصل ہے تیرے بت خانہ کے بت مٹی کے نہیں تیری آرزو اور حرص کے بت ہیں جن کی تو رات دن پوجا کرتا ہے)۔

(74)

صنوبر بندۂ آزادۂ او فروغ روئے گل از بادۂ او
حریمش آفتاب و ماہ و انجم دلِ آدم درِ نکشادۂ او

*

شعر ① صنوبر اس کا یعنی اپنے خالق کا آزاد بندہ ہے (کیونکہ اس پر دوسرے پودوں کی طرح خزاں کے اثرات نہیں ہوتے اس لئے شاعروں نے اسے صنوبر آزاد کہا ہے) + پھول کے چہرے کی رونق اس کی (خالق کی پلائی ہوئی) شراب کی وجہ سے ہے۔

شعر ② سورج، چاند اور ستارے اس کا حریم (پاک گھر) ہیں + اور آدمی کا دل اس کا بند دروازہ ہے (اس کی سمائی سوائے آدمی کے دل کے کسی شے میں نہیں ہو سکتی لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی بھی اپنے دل کے دروازے کو اس کے لئے کھول دے۔ یعنی وہ رویہ زندگی اختیار کرے کہ خدا اس کے دل میں سمانے کے لئے تیار ہو جائے)۔

(75)

ز انجم تا بہ انجم صد جہاں بود خرد ہر جا کہ پر زد آسماں بود
ولیکن چوں بخود نگریستم من کرانِ بیکراں در من نہاں بود

*

شعر ① ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک سینکڑوں جہان موجود تھے + عقل جس جگہ تک بھی اڑی وہاں آسمان ہی تھا (کائنات کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا)۔

شعر ② لیکن جب میں نے اپنے آپ کو دیکھا (یا پالیا یا اپنی معرفت حاصل کر لی + تو معلوم ہوا) کہ اس بے کنارہ کائنات کا کنارہ میرے اندر چھپا ہوا تھا۔

(76)

بپائے خود مزن زنجیر تقدیر ۔۔۔ ازیں گنبد گرداں رہے ہست
اگر باور نداری خیز و دریاب کہ چوں پا وا کنی جولانگہے ہست

✽

شعر ① اپنے پاؤں میں تقدیر کی زنجیر نہ ڈال + اس گردش کرنے والے آسمان کے نیچے (اس میں داخل ہونے کے لئے) راستہ موجود ہے (تقدیر پر شاکر رہنے کی بجائے ہمت اور عمل سے کام لے)۔
شعر ② اگر تجھے یقین نہ آئے تو اٹھ اور معلوم کرلے + کیونکہ جب تو پاؤں کھولے گا (ارادہ و ہمت کرکے عمل کی دنیا میں داخل ہوگا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ) کوشش اور عمل کا میدان موجود ہے۔

(77)

دل من در طلسم خود اسیر است جہاں از پرتو او تاب گیر است
مپرس از صبح و شام ز آفتابے کہ پیش روزگار من پریر است

✽

شعر ① میرا دل اپنے ہی جادو کا قیدی ہے + (حالانکہ) جہان اس کے پرتو کی وجہ سے روشن ہے۔
شعر ② میری صبح و شام کے متعلق سورج سے مت پوچھ + وہ تو میری زندگی کے مقابلے میں یوں ہے جیسے کل پرسوں چکا ہو (مراد ہے آدمی اگرچہ زمان اور مکان کی قید میں ہے لیکن اصل میں وہ ذات مطلق کا مظہر ہے اس لئے زمان و مکان کی قید سے آزاد بے کنار اور دائمی ہے میرے آفتاب خودی کے مقابلے میں آفتاب فلک کی کیا حقیقت ہے اس کی تخلیق تو اس سے کہیں پہلے کی ہے)۔

(78)

نوا در ساز جاں از زخمہ تو چساں در جانی و از جاں برونی
چراغم یا تو سوزم بے تو میرم تو اے بیچون من' بے من چگونی؟

✽

شعر ① میری جان کے ساز میں جو نوا (نغمہ) ہے وہ تیری مضراب کی وجہ سے ہے (میرا موجود ہونا تیرے وجود کی وجہ سے ہے) + یہ کس طرح ہے کہ تو میری جان میں بھی ہے اور اس سے باہر بھی ہے۔
شعر ② میں تو چراغ (دیا) ہوں تو ہے تو میں جلتا ہوں تو نہ ہو تو بجھ جاؤں گا + اے وہ ہستی جو بیچون (بے مادہ اور لامحدود ہے) ہے (میری تو تیرے بغیر یہ حالت ہے جو میں نے بیان کی) تو میرے بغیر کیا ہے (مراد ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا اور اگر میں نہ ہوتا تو تیرا ہونا کیسے متحقق ہو سکتا تھا۔ تیرے وجود نے مجھے موجود کیا اور میری موجودگی نے تیرے وجود کا پتہ بتایا۔

(79)

نفس آشفتہ موجے از یم اوست — نے ما، نغمہ ما، از دم اوست
لب جوئے ابد چوں سبزہ رستیم — رگ ما، ریشہ ما، از نم اوست

*

شعر ① (آدمی کا) دم (جو کبھی آتا ہے کبھی جاتا ہے) اس کے سمندر کی ایک پریشان لہر ہے + ہماری بانسری اور ہمارا نغمہ اس کے دم (اس کی ہستی کے سبب) سے ہے (بانسری جسم ہے اور نغمہ اس کا دم اور یہ دونوں وجود خالق کے سبب سے ہیں)۔

شعر ② ہم ابد (وہ زمانہ جس کی انتہا نہیں) کی نہر کے کنارے سبزہ کی مانند اگے ہیں + ہماری شاخیں اور ہمارے ریشے اس کے نم (پانی) کی وجہ سے ہیں (اس میں بھی وہی بات ہے کہ میرا اور ساری کائنات کا موجود ہونا خالق کائنات کے وجود کی تجلیات یا صفات کے پرتو کی بنا پر ہے)۔

(80)

ترا دردے یکی در سینہ پیچید — جہان رنگ و بو را آفریدی
دگر از عشق بیباکم چہ رنجی — کہ خود ایں ہائے و ہو را آفریدی

*

شعر ① (اے خالق کائنات ایک وقت تھا کہ تو خود تو تھا لیکن اور کچھ نہ تھا) تجھے خیال آیا کہ میری پہچان کرنے والا بھی کوئی ہو تو نے اپنا غیر یعنی کائنات اور اس کی ہر شے پیدا کر دی اس کو شاعر نے اس کے سینہ میں درد کے اٹھنے کے اسلوب میں بیان کیا ہے کہ) تیرے سینہ میں تنہائی کا یا اکیلے ہونے کا درد اٹھا تو تو نے یہ رنگ و بو کا یعنی دلکش مگر فانی جہان پیدا کر دیا (اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں میں نے یہ کائنات پیدا کر دی)۔

شعر ② پھر تو میرے نڈر عشق کی وجہ سے مجھ سے رنجیدہ کیوں ہوتا ہے + تو نے خود ہی تو میرے اندر یہ ہائے و ہو (آہ و فغاں) پیدا کی ہے مراد ہے تو نے اپنے ظہور کے لئے کائنات کو یا کائنات کے خلاصہ انسان کو پیدا کیا اور پیدا کر کے خود پوشیدہ رہا تو اس کے اندر تیری تلاش اور تیرے دیدار کے جذبے کا موجزن ہو جانا اور اس جذبہ کی وجہ سے اس کا بیتاب رہنا اور آہ و فغاں کرنا ایک قدرتی امر ہے)

(81)

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی — کہ او پیداست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نہ بینی — تلاش خود کنی جز او نیابی

*

شعر ① کس کو ڈھونڈ رہا ہے اور کیوں پیچ و تاب کھا رہا ہے (بیقرار ہے) + کیونکہ (جسے تو ڈھونڈتا ہے) وہ تو ظاہر ہے تو پردے میں ہے (کائنات اور اس کی ہر شے میں نور خدا یا صفات خدا کا ظہور ہے یہاں

تک کہ خود آدمی کے اندر بھی وہ ان معنوں میں ظاہر ہے موجود ہے۔ شرط خود کو پانے کی ہے جب خود کو پا لے گا تو اس کو پا لے گا)۔

شعر ② (اگر) تو اس کو تلاش کرے گا تو اپنے آپ کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا + (اگر) خود کو تلاش کر لے گا (اپنی معرفت حاصل کر لے گا) تو سوائے اس کے کچھ نہیں پائے گا (یہ بہت ہی نازک باریک اور عارفانہ مسئلہ ہے جس کے مطابق خدا کو پانا خود کو پانا اور خود کو پانا خدا کو پانا ہے)۔

(82)

تو اے کودک منش خود را ادب کن | مسلمان زادہ؟ ترک نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست | عرب نازد اگر ترک عرب کن

*

شعر ① (مسلمان عہد حاضر سے خطاب ہے کہ) تو اے بچوں کی سی طبیعت رکھنے والے (جن کو ادب کا پتہ نہیں ہوتا) اپنے آپ کو ادب سکھا + کیا تو مسلمان کے گھر (یا مسلمان) پیدا ہوا ہے؟ (اگر یہ حقیقت ہے) تو نسب کو ترک کر دے (نسب پر فخر کرنا چھوڑ دے کیونکہ اسلام میں خون' نسل' برادری' زبان' علاقہ وغیرہ کی بنیاد پر ایک کے کمتر اور دوسرے کے برتر ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اخوت ہے۔ کسی کی فضیلت اس کے تقویٰ کی بنیاد پر ہے)۔

شعر ② (عربوں کا ادب محض اس لئے نہ کرو کہ وہ عرب ہیں) اگر کوئی عرب اپنے سرخ رنگ' خون' اور رگ و پوست (خاندان اور نسب وغیرہ) پر ناز کرتا ہے تو اس عرب سے تعلق توڑ دو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں + فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ کوئی ہو)۔

(83)

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم | چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است | کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

*

شعر ① ہم (مسلمان) نہ افغانی ہیں نہ تتاری ہیں اور نہ ترک ہیں (یہ تو محض ہماری ظاہری پہچان ہے) ہم ایک ہی چمن میں پیدا ہوئے ہیں (اور جس طرح مختلف طرح کے پرندے درختوں کی ٹہنیوں پر چہچہاتے ہیں یا مختلف رنگ کے پھول ہوتے ہیں ان پھولوں اور پرندوں کی طرح ہم مسلمان بھی شکل' زبان' رنگ' نسل' علاقہ اور خون کے الگ الگ ہونے کے باوجود ایک ہی ملت کے فرزند ہیں۔

شعر ② (باغ میں پھول مختلف رنگوں' شکلوں اور خوشبوؤں والے ہوتے ہیں لیکن سب ایک ہی باد بہاری کے پروردہ یا پالے ہوئے ہوتے ہیں + اسی طرح اے مسلمان ہم بھی ایک ہی باغ اسلام اور ایک ہی بہار ایمان کے پروردہ ہیں اس لئے) خوشبو اور رنگ کی تمیز (رنگ و نسل کے فرق کی بات) ہم مسلمانوں پر حرام ہے (نظریہ اسلام کے خلاف ہے)۔ کیونکہ ہم وہ پھول ہیں جو ایک ہی بہار اسلام کے پروردہ ہیں۔

(84)

نہاں در سینہ ما عالمے ہست بخاک ما دلے، در دل غمے ہست
ازاں صہبا کہ جان ما برافروخت ہنوز اندر سبوئے ما نمے ہست

*

شعر ① ہمارے سینے کے اندر بھی ایک جہان ہے + ہماری مٹی (جسم) کے اندر ایک دل ہے اور اس دل میں غم (غم عشق) موجود ہے۔

شعر ② اس شراب سے (شراب عشق سے کہ جس سے تو نے) میری جان کو روشن کیا تھا + میرے پیالہ میں ابھی تک نم ہے (جس نے مجھے جان عطا کی ہے اس کا پرتو میری جان میں موجود ہے شرط تلاش کی ہے۔ وہ مل جائے تو گم شدہ جہان مل جائے)۔

(85)

دل من اے دل من اے دل من یم من، کشتی من، ساحل من
چو شبنم بر سر خاکم چکیدی و یا چوں غنچہ رستی از گل من

*

شعر ① اے میرے دل، اے میرے دل + اے میرے سمندر، اے میری کشتی، اے میرے ساحل۔

شعر ② یا تو تو شبنم کی طرح میری مٹی پر ٹپکا ہے + اور یا تو غنچے کی مانند میری مٹی سے اگا ہے (اگر تجھے گوشت کے لوتھڑے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو تو مادی ہے اور اگر تجھے لطیفہ دل کے طور پر سمجھا جائے تو تو کوئی اور ہی شے ہے۔ تیرا وجود سالمات مادی کی وجہ سے نہیں بلکہ تو کوئی نوری جوہر ہے)۔

(86)

چہ گویم نکتہ زشت و نکو چیست زباں لرزد کہ معنی پیچدار است
بروں از شاخ بینی خار و گل را درون او نہ گل پیدا نہ خار است

*

شعر ① میں کیا بتاؤں کہ بدی اور نیکی (خیر و شر) کے اندر کیا باریک بات یا رمز ہے + اس کے معنی بیان کرنے سے زبان لرزتی ہے کیونکہ وہ اپنے اندر پیچ رکھتے ہیں (ان کا صاف صاف بیان کرنا خود کوئی طرف سے تنقید کا نشانہ بننے کا سبب ہو سکتا ہے)۔

شعر ② (ایک مثال دے کر مطلب واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ) تو پودے کی شاخ کے باہر پھول (نیکی) اور خار (بدی) کو دیکھتا ہے + (لیکن) شاخ کے اندر نہ پھول ہے نہ خار ہے۔ (باد بہار میں تو نہ خار تھا نہ پھول انہیں شاخوں نے خود پیدا کیا ہے مراد ہے نیکی اور بدی آدمی کے اپنے نقطہ نظر اور طرز

عمل کا نتیجہ ہے)۔

(87)

کسے کو دردِ پنہانے ندارد   تنے دارد ولے جانے ندارد
اگر جانے ہوس داری طلب کن   تب و تابے کہ پایانے ندارد

٭

شعر ① جو شخص (سینہ میں) پوشیدہ درد (درد عشق) نہیں رکھتا + (یوں سمجھئے) کہ وہ جسم تو رکھتا ہے جان نہیں رکھتا۔ (جان جسم کی جان ہے عشق جان کی جان ہے)۔

شعر ② اگر تو (حقیقی) جان کی خواہش رکھتا ہے + (تو خدا سے ایسی جان مانگ جس میں) ایسی تب و تاب (گرمی و بیقراری / روشنی و بے چینی) ہو جو کبھی ختم نہ ہو (اور یہ بات صرف عشق حقیقی سے میسر آ سکتی ہے)۔

(88)

چہ پرسی از کجایم چیستم من   بخود پیچیدہ ام تا زیستم من
دریں دریا چو موجِ بیقرارم   اگر بر خود نہ پیچم نیستم من

٭

شعر ① مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کیا ہوں + میں نے اپنے آپ میں پیچ کھائے ہیں تو مجھے زندگی حاصل ہوئی ہے (مراد ہے میری ذوق نمود کی قوت نے مجھے زندگی بخش رکھی ہے یا یہ کہ میں خودی کی دیکھ بھال میں مشغول ہوں اور اس کی پرورش کر رہا ہوں۔

شعر ② (جس طرح دریا میں موج کی زندگی اس کی حرکت' بے قراری اور بیداری کی وجہ سے ہے اسی طرح) دریائے حیات میں' میں موج کی طرح بے قرار ہوں + اگر میں اپنے آپ سے بے قراری کی صفت ختم کر دوں تو میری ہستی عدم ہو جائے گی میں فنا ہو جاؤں گا یا یہ مراد ہے کہ اگر میں خود سے یا خودی سے بے تعلق ہو جاؤں گا تو فنا ہو جاؤں گا۔

(89)

بہ چندیں جلوہ در زیرِ نقابی   نگاہِ شوقِ ما را بر نتابی
دوی در خونِ ما چو مستیِ مے   ولے بیگانہ خوئی' دیریابی

٭

شعر ① (اس خدا کو خطاب کر کے کہ ذرے ذرے میں جس کی صفات اور نور کا ظہور ہے شاعر کہتا ہے کہ) اتنے جلووں کے باوجود (زمین و آسمانوں کا نور اور پوری کائنات کی روح و رواں ہونے کے باوجود) تو پس پردہ ہے (چھپا ہوا ہے کہیں نظر نہیں آتا) + (معلوم ہوتا ہے کہ تو اس لئے چھپا ہوا ہے) کہ تو ہماری نگاہ شوق کو برداشت نہیں کر سکتا (ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کا یہی سبب ہے)۔

شعر ② تو ہمارے خون میں اس طرح دوڑ رہا ہے جس طرح شراب میں مستی ہوتی ہے + (لیکن کیا کیا جائے اتنا نزدیک ہونے اور ہمارے اندر ہونے کے باوجود) تو بیگانگی کی عادت رکھنے والا (ہم سے بیگانہ) ہے (اور اگر تیری تلاش کی بھی جائے تو) تو دیر سے ہاتھ آتا ہے۔ (تیرا پتہ ملنا آسان نہیں)۔

(90)

دل از منزل تہی کن پا براہ دار — نگہ را پاک مثل مہر و ماہ دار
متاع عقل و دیں با دیگراں بخش — غم عشق ار بدست افتد نگہ دار

✱

شعر ① دل کو منزل سے خالی کر دے (سکون و ثبات چھوڑ دے) (اور راستے چلنے کے لئے قدم بڑھا سفر اختیار کر) + (لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ) تو چاند اور سورج کی طرح نگاہ کو (دنیاوی آلائشوں اور غرضی گندگیوں سے) پاک رکھ (سفر سے یہاں مراد آدمی کے روحانی اور انسانی ارتقا کا سفر ہے) (بجائے تو لئے نگاہ میں)

شعر ② (اس سفر اختیاری کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ) عقل اور دین (رسمی دین) کی دولت تو دوسروں کے لئے چھوڑ دے (دوسروں کو بخش دے) + ہاں اگر عشق کے غم کی دولت ہاتھ رکھ اسکی حفاظت کر (وہ اس سفر میں بڑے کام کی چیز ہے۔ عقل اور رسمی دین تو رکاوٹ بنتا ہے لیکن عشق طاقت)۔

(91)

بیا اے عشق اے رمز دل ما — بیا اے کشت ما اے حاصل ما
کہن گشتند ایں خاکی نہاداں — دگر آدم بنا کن از گل ما

✱

شعر ① اے عشق آ اے میرے دل کی رمز آ + اے میرے کھیت آ اے میرے کھیت کی پیداوار آ (عشق ہی سب کچھ ہے عشق آدم گر ہے)۔

شعر ② (عہد حاضر کے نفس پرست اور مادہ پرست آدمیوں کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ آدمی بے شک مٹی کا بنا ہوا ہے لیکن اس کی سرشت تو نوری ہونی چاہئے مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ) آدمی پرانے ہو گئے ہیں (آدم سے لے کر اب تک کے فاصلے کی وجہ سے ایسے پرانے ہو گئے ہیں کہ) ان کی سرشت بھی مٹی کی ہو گئی ہے + (اے خالق آدم تو موجودہ آدمی کی تخریب سے نئی تعمیر کر اور پھر) ہماری مٹی سے ایک نیا آدم تخلیق کر (جو آداب آدمیت اور رموز انسانیت کو جانتا ہو جس کے اندر نور ہو ظلمت نہ ہو)۔

(92)

سخن درد و غم آرد درد و غم بہ — مرا ایں نالہ ہائے دمبدم بہ

سکندر را ز عیش من خبر نیست نوائے دلکشے از ملک جم بہ

✸

شعر ① شاعری درد و غم پیدا کرتی ہے اور یہ درد و غم بہتر ہے + میرے لئے یہ ہر لحظہ کے نالے بہتر ہیں۔

شعر ② سکندر کو میری اس (درد و غم والی) زندگی کے لطف اور لذت کی کچھ خبر نہیں + ایک دلکش آواز (نغمہ) ایران کے عظیم بادشاہ جمشید کے ملک سے بہتر ہے (اس میں حقیقی اور روح کو بالیدہ کرنے والی زندگی بخش شاعری اور موسیقی کی اہمیت بیان کی گئی ہے)۔

(93)

نہ من بر مرکب ختلی سوارم نہ از وابستگان شہریارم
مرا اے ہمنشیں دولت ہمیں بس چو کاوم سینہ را لعلے بر آرم

✸

شعر ① میں نہ تو وسط ایشیا کے علاقہ ختل یا ختلون میں پیدا ہونے والے گھوڑے پر سوار ہوں (مراد ہے میرے پاس نہ تو دنیاوی جاہ و جلال ہے) + (اور) نہ میں (کسی ملک کے) شہریار (بزرگ و عادل بادشاہ کے دربار سے) وابستہ لوگوں (درباریوں) میں سے ہوں۔

شعر ② اے میرے ہمنشیں (ہم مجلس / ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے) میرے لئے یہی دولت کافی ہے (جو میرے سینے میں ہے مراد عشق کی دولت ہے) + جب میں سینہ کو کھودتا ہوں اس میں سے لعل نکال لیتا ہوں (اس سینہ کی دولت سے مراد سرمایہ شاعری بھی ہو سکتا ہے کہ جب میں فکر میں ڈوبتا ہوں معانی و مضامین کے موتی نکال لیتا ہوں)۔

(94)

کمال زندگی خواہی بیاموز کشادن چشم و جز برخود نہ بستن
فرو بردن جہاں را چوں دم آب طلسم زیر و بالا در شکستن

✸

شعر ① اگر تو زندگی کا کمال چاہتا ہے تو سیکھ + (کیا سیکھ) آنکھ کھولنا اور سوائے اپنے آپ کو دیکھنے کے اسے کسی اور کے دیکھنے پر نہ لگانا (اس سے مراد اپنی خودی اور معرفت کے جوہر پر نگاہ رکھنا اور اس کی تربیت کرنا ہے)۔

شعر ② سارے جہان کو پانی کے گھونٹ کی طرح حلق سے اتارنا + (اور) پست و بلند (زمان و مکان / کائنات) کے جادو کو توڑنا (سیکھ)۔ (جب خودی مستحکم ہو جاتی ہے تو صاحب دل کائنات سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ زمان و مکان پر حکمران ہو جاتا ہے اور ساری خارجی کائنات اس کے دل میں سما جاتی ہے)۔

(95)

تو می گوئی کہ آدم خاک زاد است اسیر عالم کون و فساد است
ولے فطرت ز اعجازے کہ دارد بنائے بحر بر جوئیش نہاد است

*

شعر ① (آدمی کی حقیقت سے ناواقف شخص کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) تو کہتا ہے کہ آدمی خاک سے پیدا کیا گیا ہے + (تو یہ بھی سمجھتا ہے) کہ آدمی عالم کون و فساد کا قیدی ہے یعنی اس دنیا کے دھندوں میں گرفتار عمر گزار دیتا ہے۔

شعر ② (یہ آدمی کا ظاہر ہے جسے تو دیکھتا ہے حقیقت آدمی کچھ اور ہے) لیکن فطرت نے اپنے اس معجزے سے جو وہ رکھتی ہے + خشکی و تری / زمین اور سمندر کی بنیاد اس کی نہر پر رکھی ہے (دیکھنے میں آدمی کائنات کے مقابلے میں اتنا ہی چھوٹا ہے جتنی ندی سمندر کے مقابلے میں ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فطرت نے ساری کائنات کی بنیاد اس کی ذات پر رکھی ہے)۔

(96)

دل بیباک را ضرغام رنگ است دل ترسندہ را آہو پلنگ است
اگر بیمے نداری بحر صحراست اگر ترسی بہر موجش نہنگ است

*

شعر ① نڈر دل والے شخص کیلئے شیر محض رنگ (صورت کا شیر ہے اندر اسکا مثل بکری کے) ہے + ڈرنے والے دل کے لئے ہرن بھی پلنگ (چیتے کی مثل) ہے۔

شعر ② اگر تو خوف نہیں کھاتا تو تیرے لئے سمندر بھی صحرا ہے + اگر تو ڈرتا ہے تو سمندر کی ہر لہر میں تیرے (ڈرانے کے لئے) مگرمچھ موجود ہے۔

(97)

ندانم بادہ ام یا ساغرم من گہر در دامنم یا گوہرم من
چناں بینم چو بر دل دیدہ بندم کہ جانم دیگر است و دیگرم من

*

شعر ① میں نہیں جانتا کہ میں شراب ہوں یا پیالہ ہوں + اپنے دامن کا موتی ہوں یا خود موتی ہوں۔

شعر ② جب میں اپنے دل پر نگاہ جماتا ہوں تو ایسا دیکھتا ہوں + کہ میری جان (روح) اور ہے اور میں (جو ظاہر میں بطور جسم ہوں) اور ہوں (آدمی کی حقیقت اس کا بدن ظاہری اور اس کی وہ حیوانی جان نہیں جس سے اس کا جسم زندہ ہے بلکہ بدن باطنی یا روح ہے۔ آدمی اس کی تربیت و پرورش سے مقام آدمی پر فائز ہوتا ہے نہ کہ جسم اور جسم کو زندہ رکھنے والی روح حیوانی کی پرورش اور تربیت سے)۔

(98)

تو گوئی طائر ما زیر دام است   پریدن بر پر و بالش حرام است
ز تن برجستہ تر شد معنی جاں   فسان خنجر ما از نیام است

*

شعر ① تو یہ کہتا ہے کہ ہمارا پرندہ (روح) جال میں پھنسا ہوا ہے (جسم کی قید میں ہے) + (چونکہ وہ قید کی وجہ سے مجبور اور پرشکستہ ہے لہٰذا) اس پر اور بازو سے اڑنا (اپنی خودی کی تربیت کر کے اوج زندگی اور منتہائے حیات پر پہنچنا) حرام ہے (ناممکن ہے) مقصود اس سے یہ ہے کہ روح کے لیے جسم ظاہری قید تو ضرور ہے لیکن وہ اسی قید کی بدولت اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ آدمی کی روح اس کی زندگی ہی میں قید جسم یا علائق جسم سے آزاد ہو کر اپنا اعلیٰ مقام حاصل کر لیتی ہے۔

شعر ② (مثال یہ دی ہے کہ) جان کے معنی تن کے (لفظ) ہی سے ابھرے ہیں (اگر تن نہ ہوتا تو اس میں من بھی نہ ہو سکتا) + جس طرح کسی خنجر کو تیز کرنے کے لئے فسان (تیز کرنے والا آلہ) ضروری ہے اسی طرح ہماری جان کے خنجر کے لئے اس کی نیام (جسم) ضروری ہے (مراد ہے روح کی یا خودی کی تخفی صلاحیتیں اس کے جسم میں آنے اور اس سے متصادم ہونے سے اجاگر ہوتی ہیں)۔

(99)

چساں زاید تمنا در دل ما؟   چرا سوزد چراغ منزل ما؟
بچشم ما کہ می بیند؟ چہ بیند؟   چساں گنجید دل اندر گل ما

*

شعر ① ہمارے دل میں آرزو کس طرح پیدا ہوتی ہے + ہماری منزل کو روشن کرنے کے لئے اس کا چراغ کس طرح جلتا ہے۔

شعر ② ہماری آنکھ سے کون دیکھتا ہے اور کیا دیکھتا ہے + ہماری مٹی (جسم) میں دل کس طرح سماتا ہے (عقل و علم پر یہ بھید نہیں کھلتا۔ جب کسی کو معرفت نفس حاصل ہو جائے تو یہ باتیں خود بخود سمجھ میں آجاتی ہیں)۔

(100)

چو در جنت خرامیدم پس از مرگ   بچشمم ایں زمین و آسماں بود
شکے با جان حیرانم در آویخت   جہاں بود آں کہ تصویر جہاں بود

*

شعر ① جب میں مرنے کے بعد جنت میں گیا + میری آنکھ میں یہ زمین اور یہ آسمان تھا۔

شعر ② ایک شک میری حیران جان کے ساتھ شامل ہو گیا + کہ وہ جہان تھا یا جہان کی تصویر تھی (اصل زندگی بعد از مرگ ہے دنیا کی زندگی اس کی ایک تصویر ہے)۔

(101)

جہان ما کہ جز انگارۂ نیست اسیر انقلاب صبح و شام است
ز سوہان قضا ہموار گردد ہنوز ایں پیکر گل ناتمام است

*

شعر ① ہمارا جہان جو سوائے انگارہ کے کچھ نہیں یعنی عارضی اور ناتمام نقش ہے یا محض ایک خاکہ ہے ۔ آئندہ نصب العین جہان کا + وہ صبح وشام کی گردش یا تغیر و تبدل میں اسیر ہے (زمان و مکان میں مقید ہے)۔
شعر ② یہ قضا کی ریتی سے (اس اوزار سے جس سے لوہار لوہے کی چیزیں تراشتا خوشنما ہے) ہموار ہوتا ہے + ابھی تک مٹی کا یہ جسم (جہان) نامکمل ہے (نئی نئی چیزیں وجود میں آ رہی ہیں۔ جب اس کی تکمیل ہو جائے گی تو یہ ختم ہو جائے گا)۔

(102)

چہاں اے آفتاب آسماں گرد بایں دوری بچشم من در آئی
بخاکی واصل و از خاکداں دور تو اے مژگاں گسل آخر کجائی

*

شعر ① اے آسمان پر گردش کرنے والے سورج تو کس طرح اس دوری کے باوجود میری آنکھوں میں اتر آیا ہے۔
شعر ② (سورج اور اس کے آنکھ میں سما جانے کی مثال دے کر خدا اور آدمی کے ربط کی بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ) تو ایک مٹی کے جسم والے آدمی سے واصل ہے (اس کے اندر موجود ہے) لیکن (پھر بھی) اس کے جسم سے دور ہے + اے میری پلکوں کو توڑنے والے یا میری قوت نظر کو جذب کرنے والے یا اے میری بصارت کو محو کر دینے والے یعنی اے وہ جس کو تلاش کرتے ہوئے میری نظر تھک گئی ہے آخر تو کہاں ہے (خدا اگرچہ ذات کے لحاظ سے آدمی کے جسم سے کہیں باہر ہے۔ لیکن اپنی صفات کے لحاظ سے اس میں جلوہ گر ہے)

(103)

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش براہ دیگراں رفتن عذاب است
گر از دست تو کار نادر آید گناہے ہم اگر باشد ثواب است

*

شعر ① اپنے تیشہ سے اپنی زندگی کا راستہ خود تراش + دوسروں کے تراشے ہوئے راستے پر چلنا عذاب ہے (دوسروں کا محتاج نہ بن)۔
شعر ② اگر تیرے ہاتھ سے کوئی انوکھا کام سرانجام پائے + اگر وہ گناہ بھی ہو تو ثواب ہو گا۔

(104)

بمنزل رہرو دل در نسازد بآب و آتش و گل در نسازد
نہ پنداری کہ در تن آرمید است کہ ایں دریا بساحل در نسازد

*

شعر ① دل کا مسافر منزل پر قرار اختیار نہیں کرتا + مٹی' آگ اور پانی (کے جہان) سے موافقت پیدا نہیں کرتا۔

شعر ② یہ نہ سمجھ کہ وہ جسم کے اندر آرام کر رہا ہے + کہ یہ وہ دریا ہے جو ساحل سے بنا کر نہیں رکھتا (وہ سکوں آشنا نہیں ہر وقت جدوجہد کا متمنی ہے)۔

(105)

بیا با شاہد فطرت نظر باز چرا در گوشہ خلوت گزینی
ترا حق داد چشم پاک بینے کہ از نورش نگاہے آفرینی

*

شعر ① آ اور فطرت کے معشوق پر نظر کر + تو کیوں ایک کونے میں خلوت (تنہائی) اختیار کئے ہوئے ہے۔

شعر ② تجھے حق نے پاک دیکھنے والی آنکھ عطا کی ہے + تاکہ اس کے نور سے نگاہ پیدا کر لے مراد ہے کائنات کا بغور مطالعہ کر تاکہ تجھے کائنات اور خالق کائنات اور پھر اس کے بعد اپنا عرفان حاصل ہو جائے۔

(106)

میان آب و گل خلوت گزیدم ز افلاطون و فارابی بریدم
نکردم از کسے دریوزہ چشم جہاں را جز بچشم خود ندیدم

*

شعر ① میں نے آب و گل (پانی اور مٹی مراد ہے اپنے جسم) کے اندر خلوت اختیار کی (اور یوں اپنی خودی کی پہچان کر لی) + (یہی وجہ ہے کہ) میں نے یونان کے مشہور فلاسفر افلاطون اور مسلمان حکیم فارابی سے دوری اختیار کی۔ (کیونکہ ان کی عقل مجھے اپنی معرفت نہیں کرا سکتی تھی۔ یہ معرفت میرے عشق نے مجھے کرائی)۔

شعر ② میں نے کسی سے آنکھ (نگاہ) کی بھیک نہیں مانگی + میں نے جہان کو اپنی آنکھ (نظر) کے سوا کسی اور آنکھ سے نہیں دیکھا۔

(107)

ز آغاز خودی کس را خبر نیست … خودی در حلقۂ شام و سحر نیست
ز خضر این نکتۂ نادر شنیدم … کہ بحر از موج خود دیرینہ تر نیست

٭

شعر ① خودی کے آغاز کی کسی کو خبر نہیں + خودی شام و سحر (زمان و مکاں) کے حلقہ میں قید نہیں ہے (اس لئے کسی کی عقل و فکر کو اس کی ماہیت تک رسائی نہیں ہو سکتی)۔

شعر ② میں نے حضرت خضرؑ سے (جن کی حکومت کہتے ہیں سمندروں پر ہے اور وہ بہت سی غیب کی باتوں کو جانتا ہے) ایک نادر (عجیب / بے مثل) باریک یا رمز کی بات سنی ہے + کہ سمندر اپنی لہر سے زیادہ پرانا نہیں ہے (خودی بھی خدا کی طرح قدیم ہے مراد ہے جس طرح موج کی ہستی سمندر کی وجہ سے ہے اسی طرح خودی کا وجود بھی خدا سے ہے)۔

(108)

دلا رمز حیات از غنچہ در یاب … حقیقت در مجازش بے حجاب است
ز خاک تیرہ می روید و لیکن … نگاہش بر شعاع آفتاب است

٭

شعر ① اے دل زندگی کی رمز غنچہ سے حاصل کر + (کیونکہ) اس کے مجاز میں حقیقت بے نقاب ہے۔

شعر ② وہ تاریک مٹی میں سے اگتا ہے + لیکن اس کی نگاہ (اپنی روئیدگی اور بالیدگی کے لئے) سورج پر ہوتی ہے (زندگی مادی نہیں بلکہ ایک جوہر ہے جو کہیں اور سے آتا ہے۔ یہاں یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جس نے تجھے زندگی دی ہے اس کو مت بھول یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خوب سے خوب تر کی طرف بڑھ)

(109)

فروغ او بہ بزم باغ و راغ است … گل از صہبائے او روشن ایاغ است
شب کس در جہاں تاریک نگذاشت … کہ در ہر دل ز داغ او چراغ است

٭

شعر ① باغ ہو کہ سبزہ زار دونوں کی محفل اس کی (خالق کائنات کے نور) کی وجہ سے رونق افروز ہے + گلاب کے پھول کو دیکھو اس کا پیالہ اسی کی عطا کی ہوئی (رنگ و خوشبو) کی شراب سے روشن ہے۔

شعر ② اس نے کسی کی رات کو تاریک نہیں چھوڑا + اس کے داغ سے ہر دل میں ایک چراغ روشن ہے (خدا کی صفات یا نور کی جلوہ گری کائنات کی ہر شے میں ہے)۔

(110)

ز خاک نرگستان غنچہ … بست … خواب از چشم او شبنم فروشست

خودی از بیخودی آمد پدیدار جہاں دریافت آخر آں چہ می جست

*

شعر ① غنچہ کا وجود نرگس کے چمن کی مٹی سے اگنے کی وجہ سے ہے + غنچہ پہلے خواب میں تھا (عدم تھا یعنی نہیں تھا) شبنم ٹپکی تو اس کی آنکھوں سے نیند لے اڑی مراد ہے اسے خواب (عدم) سے بیداری (وجود) میں لے آئی۔

شعر ② (اسی طرح) بے خودی سے خودی ظاہر ہو گئی + اور جہان نے آخر اسے پا لیا جسے وہ ڈھونڈتا تھا (اس میں اس رمز کی طرف اشارہ ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کا مقصود آدمی ہے خودی (وجود آدمی) بیخودی (وجود عالم مادی) سے نمودار ہوئی ہے۔ اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ آدمی کی خودی جو ہر ہے اس بے دی کا جو مادہ یا جسم سے ظاہر ہوتی ہے۔

(111)

جہاں کز خود ندارد دستگاہے بکوئے آرزو می جست راہے

ز آغوش عدم دزدیدہ بگریخت گرفت اندر دل آدم پناہے

*

شعر ① جہان جو کہ خود قدرت یا صلاحیت نہیں رکھتا تھا (کہ وجود میں آجائے) + اس نے آرزو کے کوچے میں راستہ تلاش کر لیا (یعنی پیدا ہونے کی آرزو کی تو یہ پوری بھی ہو گئی (کسی بھی شے کے وجود میں آنے کے لئے پہلے اس میں وجود میں آنے کی آرزو کا پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے)

شعر ② وہ عدم (نیستی / نہ ہونا) کی گود سے چوری چھپے نکل آیا + (اور) اس نے آدمی کے دل میں پناہ حاصل کر لی (مراد ہے کائنات اپنے وجود کے لئے آدمی کی محتاج ہے)۔

(112)

دل من رازدان جسم و جان است نہ پنداری اجل بر من گران است

چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است

*

شعر ① میرا دل جسم اور جان (کی حقیقت اور ان کے آپس کے تعلق) کا رازدان ہے + یہ خیال نہ کر کہ موت مجھ پر بھاری ہے (میں موت سے خوف کھاتا ہوں)۔

شعر ② اگر میری آنکھ سے ایک جہان (دنیائے ظاہر جس میں آدمی زندگی بسر کر رہا ہے مرنے کی وجہ سے) میری آنکھ سے گم ہو گیا ہے (تو کوئی بات نہیں) + ابھی میرے ضمیر میں سینکڑوں جہاں (اور ہیں۔ (زندگی جسم کے خاتمے کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی ابھی اسے کئی اور منزلوں اور جہانوں کی سیر کرنی ہے)۔

(113)

گل رعنا چو من در مشکلے ہست گرفتار طلسم محفلے ہست
زبان برگ او گویا نگردند ولے در سینہ چاکش دلے ہست

*

شعر ① تازہ اور شاداب پھول میری طرح مشکل میں ہے + وہ بھی محفل کے جادو میں گرفتار ہے (جس طرح میں اپنی اصلیت بھول کر اپنے جسم یا خارجی جہان میں گم ہوں اس کی بھی یہی حالت ہے)۔

شعر ② اس کی زبان کو اگرچہ نطق (بولنا) عطا نہیں کی گئی + لیکن اس کے پھٹے ہوئے سینہ میں دل ضرور ہے (اور وہ میری طرح اپنے وجود دینے والے کا احساس رکھتا ہے مگر بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ میں بھی اس احساس کو الفاظ کی گرفت میں نہیں لا سکتا)۔

(114)

مزاج لالۂ خود رو شناسم بشاخ اندر گلاں را بو شناسم
ازاں دارد مرا مرغ چمن دوست مقام نغمہ ہائے او شناسم

*

شعر ① میں خود بخود اگنے والے لالہ کے پھول کو پہچانتا ہوں + میں ان پھولوں کی خوشبو تک کو جانتا ہوں جو ابھی شاخوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔

شعر ② چمن کا پرندہ مجھے اس لئے دوست رکھتا ہے + کہ میں اس کے نغموں کے مقام (سر کے ایک خاص انداز) کو جانتا ہوں (مراد ہے میں جانتا ہوں کہ باغ دنیا کی ہر شے خواہ وہ پھول ہو یا پرندہ کسی پوشیدہ باغبان کے نور یا صفت تخلیق کا کرشمہ ہے۔ اور میں اس صفت سے اس کی ذات کی طرف رجوع کرتا ہوں)۔

(115)

جہاں یک نغمہ زار آرزوئے بم و زیرش ز تار آرزوئے
بچشمم ہر چہ ہست و بود باشد دمے از روزگار آرزوئے

*

شعر ① جہان ایک آرزو کا نغمہ زار (نغمہ پیدا کرنے والا ساز) ہے + اس نغمہ کا زیر و بم (اونچے اور نیچے سر) آرزو کے تار سے پیدا ہو رہے ہیں۔

شعر ② میری آنکھ میں جو کچھ کہ ہست و بود (کائنات کا سارا وجود) ہے + وہ آرزو کے روزگار (زمانہ) ہی کا ایک دم (سانس) ہے مراد ہے کوئی شے وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک پہلے وہ اس کی آرزو نہ کرے۔

(116)

دل من بے قرار آرزوئے درون سینہ من ہائے و ہوئے
سخن اے ہمنشیں از من چہ خواہی کہ من با خویش دارم گفتگوئے

*

شعر ① میرا دل آرزو کا (یا آرزو کی وجہ سے) بے قرار ہے + (اسی وجہ سے) میرے سینے میں ہائے و ہو (نالہ و فریاد) برپا ہے۔

شعر ② اے میرے ساتھ بیٹھنے والے (میرے ہم مجلس) مجھ سے سخن (شاعری یا رمز کی بات) کی کیا طلب کرتا ہے + کہ میں اپنے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں (ادھر سے فراغت ہو تو تیری طلب پوری کروں) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میں پہلے خود تو اپنا آپ پالوں پھر تجھے بھی اس کے طریقہ و انداز سے آشنا کروں گا۔ ابھی تک تو میں بخود گم ہوں)۔

(117)

دوام ما ز سوز ناتمام است چو ماہی جز تپش بر من حرام است
مجو ساحل کہ در آغوش ساحل تپیدیک دم و مرگ دوام است

*

شعر ① میرا دوام (ہمیشہ قائم رہنا) میرے اس سوز (جلن) کی وجہ سے ہے جو ناتمام (نامکمل) ہے (جس نے مجھے پورے طور پر جلا کر راکھ نہیں کیا) + (اس لئے) مچھلی کی طرح سوائے تڑپ کے کچھ اور مجھ پر حرام ہے۔

شعر ② ساحل (کی عافیت / سکون) تلاش نہ کر کیونکہ ساحل کی آغوش میں + ایکدم کی (معمولی / وقتی) تڑپ تو ہے لیکن یہ ایک دم مرگ دوام (ہمیشہ کی موت) کا سبب بن جاتا ہے (زندگی فراق میں ہے۔ جدوجہد میں ہے وصل اور سکون میں نہیں)۔

(118)

مرنج از برہمن اے واعظ شہر گر ام ما سجدۂ پیش بتاں خواست
خدائے ما کہ خود صورتگری کرد بتے را سجدۂ از قدسیاں خواست

*

شعر ① اے واعظ شہر ہندو برہمن (کی اس بات سے) رنجیدہ نہ ہو + اگر اس نے ہم سے بتوں کو سجدہ کرنے کے لئے کہا ہے۔

شعر ② (کیا تجھے نہیں معلوم بلکہ تو تو اس سے واقف ہے کہ) ہمارے خدا نے جس نے خود صورتگری کی ہے (آدمی کی صورت میں بت تراشا ہے) + اس بت (آدم) کو سجدہ کرنا فرشتوں سے طلب کیا ہے (اور جس نے نہیں کیا اسے شیطان لعین بنا دیا گیا ہے اس میں سجدہ حقیقی (خدا کو سجدے) اور سجدہ

مجازی (آدم کو سجدے) کی رمز کی طرف اشارہ ہے)۔

(119)

حکیماں گرچہ صد پیکر شکستند مقیم سومنات بود و ہستند
چساں افرشتہ و یزداں بگیرند ہنوز آدم بفتراکے نہ بستند

٭

شعر ① حکیموں (اہل حکمت / اہل عقل / اہل فلسفہ) نے اگرچہ بہت سے بت توڑے ہیں + لیکن خود بود و ہست کے سومنات (بت کدہ) ہی میں مقیم ہیں (اگرچہ انہوں نے بہت سے نظریات کو باطل کیا ہے لیکن بظاہر پرستی کے یا اپنے اندر کے حرص و ہوس کے پیدا کردہ بتوں کو نہیں توڑ سکے)۔

شعر ② وہ فرشتوں اور خدا کی معرفت کیسے حاصل کر سکتے ہیں + ابھی تک تو وہ آدم کو اپنے فتراک (شکار باندھنے کے تسمہ یا زین کے ساتھ شکار ہوئے تھیلے میں نہیں ڈال سکے یا نہیں باندھ سکے۔ مراد ہے جب تک فلسفی حقیقت آدمی کی پہچان نہیں کرتا خدا کی پہچان نہیں کر سکتا۔

(120)

جہاں ہا روید از مشت گل من بیا سرمایہ گیر از حاصل من
غلط کردی رہ سر منزل دوست دمے گم شو بصحرائے دل من

٭

شعر ① میری مٹی کی مٹھی (جسم خاکی) سے بہت سے جہان پیدا ہو رہے ہیں + تو بھی آ اور میرے حاصل (پیداوار) سے سرمایہ لے (شاعر اپنی شاعری کی طرف متوجہ کرا رہا ہے یہ کہہ کر کہ اس میں بے شمار حقائق و معارف ہیں ان سے فائدہ اٹھا)۔

شعر ② تو نے دوست کی منزل تک پہنچنے کے لئے غلط راستہ اختیار کیا ہے + ایک لحظہ کے لئے میرے دل کے صحرا میں گم ہو (تجھے راستہ مل جائے گا مراد ہے خدا کی منزل تک راستہ یا تو اپنے دل میں تلاش کرنے سے ملتا ہے اور یا پھر ان لوگوں کی رہنمائی سے ملتا ہے جو راہ دوست پر چل کر منزل دوست پر پہنچ چکے ہوں مراد ہے اہل دل صوفیا اور درویشوں کا راستہ۔ (دوست کے راستہ سے مراد حق کا راستہ، خدا تک رسائی کا راستہ ہے)۔

(121)

ہزاراں سال با فطرت نشستم باو پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم ایں دو حرف است تراشیدم، پرستیدم، شکستم

٭

شعر ① میں ہزاروں سال فطرت کے ساتھ بیٹھا (ہم نشین رہا) + میں اس کے ساتھ پیوست رہا اور

اپنے آپ سے جدا رہا مراد ہے صدیوں سے ہر دور کا آدمی اپنے مطالعہ اور اپنی پہچان کی بجائے اپنے اردگرد کے ماحول میں گم رہا یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ فطرت کے مطالعہ میں گم عقل و فکر کا بندہ بنا رہا اور اپنی خودی سے غافل رہا۔

شعر ② لیکن میری کہانی صرف یہ دو حرف ہیں + (کہ) میں نے (عقل و فکر اور نظریات کے) خود ہی بت تراشے' خود ہی ان کی پوجا کی (اور پھر) خود ہی ان کو توڑ دیا۔ مراد ہے فلسفہ صدیوں سے کائنات' خدا اور آدمی کے متعلق مختلف نظریات دے بھی رہا ہے اور پھر ان کی تردید اور مخالفت بھی کر رہا ہے۔ وہ حقیقت کو نہیں پا سکتا۔

(122)

بہ پہنائے ازل پر ی کشودم ز بند آب و گل بیگانہ بودم
بچشم تو بہائے من بلند است کہ آوردی ببازار وجودم

*

شعر ① آدمی پہلے روح کی صورت میں عالم ارواح میں ہوتا ہے وہاں سے جسم ظاہری میں متشکل ہو کر زمین پر آتا ہے + حضرت آدمؑ سے لے کر اب تک کی صورت حال یہی ہے اسی عمل انتقال کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے کہ) میں نے پہلے ازل (وہ زمانہ جس کے آغاز کا کچھ علم نہیں) کی وسعتوں میں (روح کے اعتبار سے) پر کھولے یا اڑا۔ (اس وقت) میں آب و گل (جسم خاکی) کی قید سے بیگانہ تھا صرف روح تھا۔

شعر ② (معلوم ہوتا ہے اے میرے خالق و مالک) تیری نظر میں میری قیمت بلند ہے + اسی لئے تو مجھے وجود کے بازار میں لایا ہے (میری رو کو جسم خاکی دے کر اور اپنا نائب یا خلیفۃ الارض بنا کر زمین پر بھیج دیا ہے اسی سے میری اس اہمیت و قیمت کا پتہ چلتا ہے جو تیرے نزدیک ہے)۔

(123)

درونم جلوۂ افکار ایں چیست بروں من ہمہ اسرار ایں چیست!
بفرما اے حکیم نکتہ پرواز بدن آسودہ' جاں سیار ایں چیست!

*

شعر ① میرے اندر افکار کا جلوہ ہے یہ (سب) کیا ہے + میرے باہر سب اسرار ہیں یہ (سب) کیا ہے۔ مراد ہے کائنات ساری رازہی راز ہے اور میرا ذہن ان رازوں پر غور میں مصروف ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں راز کو نہیں پا سکا۔

شعر ② (اے کائنات اور اس کی اشیا پر غور کرنے والے فلسفی) اے نکتہ پرواز (رموز کی باریک تیں جاننے والے) حکیم بتا (یہ راز کیا ہے کہ) + آدمی کا بدن تو ساکن ہے اور اس کی روح متحرک ہے (ان دونوں میں ربط کے راز کی بات فلسفی کو معلوم نہیں)۔

(124)

بخود نازم گدائے بے نیازم تپم، سوزم، گدازم، نے نوازم
ترا از نغمہ در آتش نشاندم سکندر فطرتم آئینہ سازم

*

شعر ① میں اپنے آپ پر (اس اعتبار سے) ناز کر رہا ہوں کہ میں (اگرچہ) گدا ہوں (بے سروسامان ہوں) لیکن بے نیاز ہوں + (تو نے جو میرے اندر عشق پیدا کیا ہے اس کی وجہ سے) میں تڑپ رہا ہوں، جل رہا ہوں، اور بانسری بجا رہا ہوں (اپنے کلام کے ذریعے اپنی تب و تاب اور سوز و گداز کا اظہار کر رہا ہوں ورنہ میں بھی شاعر ہونے کے لحاظ سے بہت کچھ کما سکتا تھا، بچا سکتا تھا اور جاہ و مرتبہ پا سکتا تھا)۔

شعر ② (میں اگر جاہ و حشمت اور مال و دولت کا پجاری بن جاتا تو دوسروں کی طرح میں بھی دنیا میں غرق ہو جاتا ایسی صورت میں اے میری قوم کے فرد تجھ کو روشنی اور ہدایت کون دیتا + یہ میری فقیری ہی کی وجہ سے ہے کہ) میں نے اپنے نغمہ (شاعری) کے ذریعے تجھے آگ میں بٹھا دیا ہے (تیرے اندر تڑپ پیدا کر دی ہے۔ تجھے عشق عطا کر دیا ہے یا نمرودانِ وقت کے خلاف تجھے حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ کے امتحان میں سے گزرنے کا حوصلہ دے دیا ہے)۔ میں چونکہ فطرت کے اعتبار سے سکندر بادشاہ کی طرح ہوں اور مٹی سے آئینہ بنانا جانتا ہوں (اس لئے میں نے بھی تجھے اے قوم کے فرد اپنی شاعری کے ذریعہ آئینہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ تیرے دل کو منور کیا ہے۔ تجھ میں اپنی پہچان کا مادہ پیدا کیا ہے)۔

(125)

اگر آگاہی از کیف و کم و خویش یمے تعمیر کن از شبنم خویش
دلا دریوزۂ مہتاب تا کے! شب خود را برافروز از دم خویش

*

شعر ① اگر تو اپنی کمیت و کیفیت (اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کی قدر و قیمت) جانتا ہے + تو تو اپنی شبنم کو وسعت دے کر (اس سے) سمندر پیدا کر لے۔

شعر ② اے دل تو کب تک چاند (کی روشنی) کی گدائی کرتا رہے گا (دوسروں کا محتاج رہ کر اپنی صلاحیت و اہلیت سے غافل رہے گا) + (دوسروں کی محتاجی سے نکل آ) اور اپنے دم سے اپنی رات میں روشنی پیدا کر۔

(126)

چہ غم داری، حیات دل ز دم نیست کہ دل در حلقۂ بود و عدم نیست
مخور اے کم نظر اندیشۂ مرگ اگر دم رفت دل باقیست غم نیست

*

شعر ① تو کیا غم رکھتا ہے، دل کی زندگی دم (سانس) سے نہیں ہے (کہ دم نکل جائے گا تو دل مر جائے

گا) + کیونکہ دل بود و عدم (ہستی و نیستی / زندگی و موت) کے حلقہ میں (اسیر) نہیں ہے (اس کی حقیقت مادی نہیں ہے۔ یہ ایک جوہر ہے) اگرچہ گوشت کا لوتھڑا نظر آتا ہے۔

شعر ② اے کم نظر (حقیقت کو نہ دیکھنے والے) موت کا ڈر مت کھا + اگر دم چلا گیا (موت جسمانی واقع ہو گئی) غم نہیں کیونکہ دل باقی ہے (اس کو موت نہیں بشرطیکہ دل کو وہ دل بنا دیا گیا ہو جو مقصود اہل دل ہے)۔

(127)

تو اے دل تا نشینی در کنارم ز تشریف شہاں خوشتر گلیمم
درون سینہ ام باشی پس از مرگ من از وحشت تو در امید و بیمم

*

شعر ① اے میرے دل جب تک تو میرے پہلو (سینہ) میں ہے + میری گودڑی بادشاہوں کے لباس باخلعت سے زیادہ اچھی ہے۔

شعر ② کیا تو میری موت کے بعد بھی میرے سینے میں رہے گا + میں اس بارے میں تیرے ہاتھ سے (تیری طرف سے) امید اور خوف کے درمیان ہوں (امید اس بات کی کہ اگر دل بیدار ہے تو اسے موت نہیں اور ڈر اس بات کا کہ اگر یہ عام دل ہے اور گوشت کا لوتھڑا ہی ہے تو اسے موت آجائے گی۔ اس لئے دل کو دل بیدار بناؤ۔ قرآن اور صوفیا کی اصطلاح میں اپنے قلب کو فواد بناؤ۔ قلب سلیم بناؤ۔ قلب منیب بناؤ)

(128)

ز من گو صوفیان باصفا را خدا جویان معنی آشنا را
غلام ہمت آں خود پرستم کہ با نور خودی بیند خدا را

*

شعر ① میری طرف سے باصفا (صفائی دل والے) صوفیوں سے کہو + (ان صوفیوں سے) جو معنی (حقیقت) آشنا ہیں اور خدا کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔

شعر ② میں اس خود پرست کی ہمت کا غلام ہوں + جو اپنی خودی کے نور سے خدا کو دیکھتا ہے مراد ہے خودبینی سے خدا بینی تک پہنچو جس نے خود کو پالیا اس نے خدا کو پالیا۔

(129)

چو نرگس ایں چمن نادیدہ مگذر چو بو در غنچہ پیچیدہ مگذر
ترا حق دیدۂ روشن ترے داد خرد بیدار و دل خوابیدہ مگذر

*

شعر ① نرگس کی مانند (جو آنکھ تو رکھتی ہے لیکن دیکھ نہیں سکتی) چمن (کائنات) کو بے دیکھے نہ گزر

جاؤ (اس کا مطالعہ کرو۔ اسے سمجھو) + جس طرح (کھلنے سے پہلے) خوشبو غنچہ ہی میں بند ہوتی ہے اور باغ میں نہیں پھیلتی تو بھی باغ دنیا سے اس غنچہ کی طرح نہ گزر جا اپنی فکر کو بند نہ رکھ بلکہ کائنات خارجی پر اور خود پر غور کرنے کے لئے استعمال کر۔

شعر ② اللہ تعالیٰ نے تجھے (نرگس سے) زیادہ روشنی رکھنے والی آنکھ عطا کی ہے (اور یہ آنکھ تیرے دل کی ہے۔ اصل حقیقت اس کے ذریعے دیکھی جا سکتی ہے اس لئے تو اس طرح زندگی کے عرصہ سے نہ گزر) کہ تیری عقل تو بیدار ہو اور دل سویا ہوا ہو۔ (ذکر و فکر اور غور و فکر) کے لئے دل کا بیدار ہونا ضروری ہے۔

(130)

تراشیدم صنم بر صورت خویش بشکل خود خدا را نقش بستم
مرا از خود بروں رفتن محال است بہر رنگے کہ ہستم خود پرستم

*

شعر ① میں نے بت بھی بنائے تو اپنی ہی صورت پر بنائے + میں نے خدا کا نقش (بتوں کی صورت میں یا تصاویر کے ذریعے) کھینچا تو اپنی ہی شکل پر کھینچا۔

شعر ② میرے لئے اپنے آپ سے باہر جانا مشکل ہے + میں جس رنگ میں بھی ہوں اپنی ہی پرستش کرنے والا ہوں۔ (اس سے ایک مفہوم تو یہ نکلتا ہے کہ آدمی ہی سب کچھ ہے۔ خدا بھی اسی میں ہے خود تلاشی سے خدا مل سکتا ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے اسے بتوں اور تصویروں کی شکل نہ دو اور تصور خدا کو اپنی ذہنیت اور فکر کا آئینہ دار نہ بناؤ وہ تو ہر شکل سے ماوریٰ ہے)۔

(131)

بہ شبنم غنچہ نورستہ می گفت نگاہ ما چمن زاداں رسا نیست
در آں پہنا کہ صد خورشید دارد تمیز پست و بالا ہست یا نیست

*

شعر ① (باغ میں) ایک نیا نیا پھوٹنے والا غنچہ (کلی) شبنم سے کہنے لگا + ہم چمن میں پیدا ہونے والوں کی نگاہ رسا نہیں ہوتی (جس کو دیکھنا چاہتے ہیں اسے صحیح طور پر دیکھ نہیں سکتے)۔

شعر ② (شبنم چونکہ آسمان سے نیچے آتی ہے اس اعتبار سے غنچہ سے کہتا ہے کہ آسمانوں کی) اس وسعت میں جو سینکڑوں سورج رکھتی ہے + (ہمارے زمین کے چمن کی طرح) پستی و بلندی کی تمیز ہے یا نہیں ہے۔ (مراد ہے پستی' اور بلندی اور اس طرح کی اور باتوں کی ماہیت زمین پر اور ہے اور خلا میں اور)۔

(132)

زمیں را رازدان آسماں گیر مکاں را شرح رمز لامکاں گیر

پرد ہر ذرہ سوئے منزل دوست   نشاں راہ از ریگ رواں گیر

*

شعر ① زمین کو آسمان کا رازدان (بھید جاننے والا) سمجھ + مکان کو (جو مقید ہے) لامکاں (جو مقید نہیں ہے) کا رمز جاننے والا سمجھ مراد ہے جسم آدمی اگرچہ زمینی (خاکی) ہے لیکن وہ آسمانی باتوں کا جاننے والا ہے وہ اگرچہ مکان کی طرح جگہ اور طرفیں گھیرے ہوئے ہے لیکن اس کے اندر وہ خدا جلوہ گر ہے جو جگہ، زمانہ اور طرفوں سے پاک ہے۔ یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دنیا اضداد کی جگہ ہے ایک ضد سے دوسری ضد کا عرفان ہو سکتا ہے مثلاً زمین دلیل ہے اس بات کی کہ کہیں آسمان ہے۔ مکان دلیل ہے اس بات کی کہیں لامکاں ہے۔

شعر ② کائنات کا ہر ذرہ دوست کی منزل کی طرف اڑ کر جا رہا ہے + اڑتی ہوئی ریت سے (منزل دوست) کی راہ کا نشان پکڑ۔ (جس طرف کو وہ اڑتی ہوئی جا رہی ہے تو بھی جا اور یوں تو منزل دوست پر پہنچ جا۔ ..ے سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر ذرہ میں خدا کی صفات کی جلوہ گری ہے اور یہ جلوہ گری ..ں بھی ہے۔ ان صفات کی پہچان سے ذات کا عرفان ہو سکتا ہے)۔

(133)

ضمیر کن فکاں غیر از تو کس نیست   نشان بے نشاں غیر از تو کس نیست
قدم بیباک تر نہ در رہ زیست   بہ پہنائے جہاں غیر از تو کس نیست

*

شعر ① (خدا نے جب کائنات پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کن (ہو جا) فیکون (وہ ہو گئی / وجود میں آ گئی) کن فکاں کے عمل سے پیدا کی گئی اس کائنات کا دل، محور یا مقصود اے انسان سوائے تیرے کوئی نہیں۔ (کائنات تیرے لئے پیدا کی گئی ہے اور تجھ سے ہی اس میں حسن ہے)۔

شعر ② زندگی کی راہ پر زیادہ نڈر ہو کر قدم رکھ + (کیونکہ اس جہان کی وسعت میں سوائے تیرے اور کوئی (مقصود کائنات اور رازدان کائنات) نہیں ہے (اپنی زندگی اپنی تخلیق کے منشا کے مطابق بسر کر اسے غفلت میں پڑ کر بیکار نہ گزار دے)۔

(134)

زمیں خاک در میخانہ ما   فلک یک گردش پیمانہ ما
حدیث سوز و ساز ما دراز است   جہاں دیباچہ افسانہ ما

*

شعر ① زمین ہمارے میخانہ کے دروازے کی مٹی (گرد) ہے + آسمان ہمارے پیالے کی ایک گردش ہے۔

شعر ② ہمارے سوز و ساز کی کہانی لمبی ہے + جہان ہمارے افسانہ (کہانی) کا دیباچہ (حرف آغاز) ہے۔

اس رباعی سے یہ مراد ہے کہ کائنات آدمی کی محتاج ہے آدمی اس کا محتاج نہیں۔ کائنات میں جو کچھ ہے آدمی اس کا سبب ہے اور وہ آدمی کے لئے ہی ہے مزید یہ کہ آدمی کی زندگی اس کائنات تک بھی محدود نہیں یہ تو کسی آنے والی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔

(135)

سکندر رفت، شمشیر و علم رفت خراج شہر و گنج کان و یم رفت

امم را از شہاں پائندہ تر داں نمی بینی کہ ایراں ماند و جم رفت؟

*

شعر ① یونان کا مشہور فاتح سکندر (جہان سے) چلا گیا (اس کے ساتھ) اس کی تلوار یعنی طاقت اور اس کا جھنڈا یعنی شان و شوکت بھی چلی گئی + وہ جو شہروں سے خراج وصول کرتا تھا اور سمندر سے اور معدنیات کی کانوں سے دولت حاصل کرتا تھا وہ بھی چلی گئی۔

شعر ② قوموں کو بادشاہوں سے زیادہ دیرپا سمجھ + کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایران تو باقی ہے لیکن اس کا بادشاہ جمشید چلا گیا یعنی نہ رہا۔

(136)

ربودی دل ز چاک سینۂ من بغارت بردۂ گنجینۂ من

متاع آرزویم با کہ دادی؟ چہ کردی با غم دیرینۂ من

*

شعر ① تو نے میرے دل کو میرے پھٹے ہوئے سینے سے اچک لیا + تو نے میرے خزانہ کو لوٹ لیا۔

شعر ② تو نے میری آرزو کی دولت کس کو دے دی + تو نے میرے پرانے غم کے ساتھ کیا کیا۔

(137)

ز پیش من جہان رنگ و بو رفت زمین و آسمان و چار سو رفت

تو رفتی اے دل از ہنگامہ او؟ یا از خلوت آباد تو او رفت؟

*

شعر ① میرے سامنے سے یا میری حضوری سے رنگ و بو کا یعنی رنگ اور خوشبو کی طرح کا دلکش مگر ناپائدار جہان رخصت ہو گیا + زمین، آسمان اور یہ چار اطراف والا جہان (بھی) چلا گیا۔ مراد ہے میرے لئے اس جہان کی رونق ختم ہو گئی اور یہ سب کچھ بیکار اور ہیچ ہو گئے۔

شعر ② (چونکہ خارجی کائنات کا لطف اور دلچسپیاں دل کی کیفیت کی وجہ سے ہیں اور دل کی کیفیت کا سبب اس میں موجود عشق محبوب سے ہے جب نہ دل رہے نہ دل میں محبوب تو لطف زندگی کیا اسی بات کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے) اے دل کیا تو میرے ہنگامہ، (زندگی) سے چلا گیا ہے + یا تیری خلوت آباد

(تنہائی کے شہر) سے وہ یعنی محبوب رخصت ہو گیا ہے۔

(138)

مرا از پردۂ ساز آگہی نیست ولے دانم نوائے زندگی چیست
سرودم آنچناں در شاخساراں گل از مرغ چمن پرسد کہ ایں کیست

*

شعر ① مجھے ساز کے پردہ (راگ کی ایک صورت) سے تو آگاہی (واقفیت) نہیں ہے + لیکن میں یہ (ضرور) جانتا ہوں کہ زندگی کا نغمہ کیا ہے (زندگی کی حقیقت اور اسرار و رموز کو جانتا ہوں)۔

شعر ② میں نے درخت کی شاخوں پر (دوسرے پرندوں سے الگ ایسا) راگ الاپا + کہ گلاب کا پھول باغ کے پرندے (بلبل) سے پوچھتا ہے کہ یہ (نرالا نغمہ الاپنے والا) کون ہے (ایسا نغمہ تو میں نے تجھ سے بھی کبھی نہیں سنا) مراد ہے میری شاعری کا انداز دوسرے شاعروں سے مختلف ہے دوسروں نے قوم کو تفریح اور موت دی ہے میں نے ولولہ اور زندگی۔

(139)

نوا مستانہ در محفل زدم من شرار زندگی بر گل زدم من
دل از نور خرد کردم ضیا گیر خرد را بر عیار دل زدم من

*

شعر ① میں نے محفل (کائنات کی یا اپنی قوم کی محفل) میں مستانہ نوا (صدا) پیدا کی ہے۔ مراد ہے ایسی شاعری تخلیق کی ہے جس سے قوم شراب فکر و عمل میں مست ہو جائے + میں نے مٹی پر (مردہ سوئی ہوئی قوم پر) زندگی کے شرارے مارے ہیں (دوسرے شاعروں کے برعکس میں نے اپنی غفلت شعار اور خوابیدہ قوم کو اپنی شاعری کے ذریعے جگایا ہے۔ عمل کا درس دیا ہے)۔

شعر ② میں نے اپنے دل کو عقل کے نور سے روشن کیا ہے + (ایسی عقل سے) جسے میں نے دل کی کسوٹی پر پرکھا ہے مراد ہے کہ میری عقل فلسفیوں کی طرح حقیقت تک نہ پہنچنے والی عقل نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ عقل ہے جس میں عشق شامل ہے اور یہی عقل (فکر) آدمی کو صحیح راہ پر لگاتی ہے اور منزل زندگی تک پہنچاتی ہے۔

(140)

عجم از نغمہ ہائے من جواں شد ز سودایم متاع او گراں شد
ہجومے بود رہ گم کردہ در دشت ز آواز درایم کارواں شد

*

شعر ① عجم (غیر عرب / ایران یا دوسرے غیر عربی علاقے) یا عجم کے لوگ میرے نغموں (شاعری کے

مضامین و پیغامات کی وجہ سے) جوان ہو گئے۔ (جاگ پڑے' طاقتور ہو گئے' زندگی سے شناسا ہو گئے) + میرے سودا (پیغام شاعری) کی وجہ سے ان کی قیمت بھاری ہو گئی (اہمیت بڑھ گئی۔ قدر و قیمت زیادہ ہو گئی۔ ورنہ پہلے انہیں کوئی پوچھتا نہ تھا)

شعر ② عجمی لوگوں کی صورت ایک بھیڑ اور ہجوم کی مانند تھی (وہ پراگندہ حالت میں تھے۔ ان میں کوئی تنظیم نہیں تھی) ایسی بھیڑ جو جنگل یا بیابان میں راستہ گم کئے ہوئے ہو (اور اسے معلوم نہ ہو راستہ کدھر ہے اور منزل کہاں ہے) + میری گھنٹی کی آواز سن کر (میرے پیغام شاعری کی وجہ سے اس بھیڑ نے ایک منظم) قافلے کی صورت اختیار کر لی۔

(141)

عجم از نغمہ ام آتش بجاں شد صدائے من درائے کارواں شد
حدی را تیز تر خوانم چو عرفی کہ رہ خوابیدہ و محمل گراں است

*

شعر ① عجم (عجمی لوگ وہ جو غیر عرب ہیں) میرے نغمہ (شاعری) کی وجہ سے آتش بجاں ہو گئے (پہلے وہ بے حس اور مردوں کی طرح تھے میری شاعری نے ان کی جان میں احساس اور عمل کی حرارت پیدا کر دی) + میری صدا (شاعری کا پیغام) ان کے لئے کارواں کی درا (قافلہ کی گھنٹی) ثابت ہوا یعنی جس طرح قافلے کے کوچ کے لئے گھنٹی بجتی ہے اور سب قافلے والے منزل کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں میری شاعری نے بھی ان پر یہ اثر کیا ہے۔

شعر ② (حدی اس نغمہ یا گیت کو کہتے ہیں جو ساربان یعنی اونٹ لے جانے والا اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے اونٹ کے آگے آگے الاپ رہا ہوتا ہے اور جس میں مست ہو کر اونٹ باوجود بوجھ اور تھکن کے منزل کی طرف شوق سے رواں رہتا ہے۔ اس شعر میں اس منظر کو علامت بنا کر کہا گیا ہے کہ) میں عرفی (فارسی کے مشہور شاعر) کی طرح عجمی قافلے کو محو سفر یا سرگرم عمل رکھنے کے لئے حدی کو زیادہ تیز آواز و لہجہ میں گا رہا ہوں + کیونکہ (جس عجمی قوم سے میرا واسطہ پڑا ہے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو چلنے کی بجائے) راستے میں سویا ہوا ہو اور اس کی پیٹھ پر بوجھ بھی بہت زیادہ ہو (اس میں عرفی کے ایک شعر کے مضمون کو اختصار ا باندھا ہے۔ اس شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔ جب تو نغمہ کی لذت کم محسوس کرے تو نوا کو زیادہ تلخ انداز میں پیدا کر اگر تو محمل (کجاوہ کو جو اونٹنی پر کسی کے بیٹھنے کے لئے ہوتا ہے) بوجھل دیکھتا ہے تو (اونٹ کو مست کرنے کے لئے) حدی کو زیادہ تیز الاپ۔

(142)

ز جان بیقرار آتش کشادم دلے در سینہ مشرق نہادم
گل او شعلہ زار از نالہ من چو برق اندر نہاد او فتادم

*

شعر ① میں نے اپنی بے قرار جان سے آگ پیدا کی + اور مشرق (اہل مشرق) کے سینے میں اسے دل

بنا کر رکھ دیا (ان کے اندر زندگی کی حرارت پیدا کر دی)۔

شعر ② میرے نالہ (شاعری) کی وجہ سے اس کی مٹی شعلہ زار بن چکی ہے + میں اس کی سرشت میں بجلی بن کر گرا ہوں (میں نے اپنے پیغام و کلام کے ذریعے اس کی فطرت بدل دی ہے)۔

(143)

مرا مثل نسیم آوارہ کردند ، دلم مانند گل صد پارہ کردند
نگاہم را کہ پیدا ہم نہ بیند شہید لذت نظارہ کردند

*

شعر ① مجھے باد نسیم کی طرح آوارہ کر دیا گیا ہے + میرے دل کو گلاب کے پھول کی مانند سو ٹکڑے کر دیا گیا ہے (اس کی وجہ یہ ہے کہ میں عشق میں وارفتہ ہوں۔ مجھے کسی پہلو چین نہیں)۔

شعر ② میری نگاہ کو جو ظاہر کو بھی (حقیقی معنوں میں) نہیں دیکھ سکتی + مجھے لذت نظارہ کا فریفتہ بنا دیا گیا ہے (اور میرے اندر اس حسن مطلق کو دیکھنے کی آرزو پیدا کر رکھی ہے جو ہر شے میں ہے)۔

(144)

خرد کرپاس را زربفت سازد کمالش سنگ را آئینہ سازد
نوائے شاعر جادو نگارے ز نیشش زندگی نوشینہ سازد

*

شعر ① عقل کھدر کے موٹے کپڑے کو سونے سے مرصع کپڑا بنا دیتی ہے + اس کا کمال پتھر کو آئینہ بنا دیتا ہے۔

شعر ② ایک جادو کے اثر کی شاعری کرنے والے شاعر کی نوا + زندگی کے زہر کو شیریں شربت بنا دیتی ہے۔

(145)

ز شاخ آرزو بر خوردہ ام من بہ راز زندگی پے بردہ ام من
بترس از باغباں اے ناوک انداز کہ پیغام بہار آوردہ ام من

*

شعر ① میں نے آرزو کی شاخ سے پھل کھایا ہے + میں نے زندگی کے راز کو پا لیا ہے۔

شعر ② اے (مرغان چمن پر) تیر چلانے والے (سیاہ) باغباں سے ڈر + کہ میں (اہل چمن کے لئے) پیغام بہار لایا ہوں مراد ہے میں نے اپنی قوم کو عشق آشنا کر دیا ہے۔ اے ملت کے مخالفو اور دشمنو اب اہل ملت کو گمراہ کرنا تمہارے لئے آسان نہیں ہو گا۔

(146)

خیالم کو گل از فردوس چیند چو مضمونے غریبے آفریند
دلم در سینہ می لرزد چو برگے کہ بر وے قطرہ شبنم نشیند

*

شعر ① میرا (بلند و اعلیٰ) خیال جو (شعر کے مضمون کے لئے) جنت کے پھولوں کو چن لیتا ہے + جب وہ (شاعری میں) کوئی انوکھا / منفرد مضمون پیدا کرتا ہے۔
شعر ② میرے سینے میں میرا دل اس پتے کی مانند لرزنے لگتا ہے + جس پر شبنم کا قطرہ گرا ہو (اس خوف سے کہ کہیں میرے اچھوتے خیال کو نہ سمجھنے کی بنا پر نااہل و نافہم باتیں نہ بنائیں)۔

(147)

عجم بحریست ناپیدا کنارے کہ در وے گوہر الماس رنگ است
ولیکن من نہ رانم کشتی خویش بدریائے کہ موجش بے نہنگ است

*

شعر ① مشرق خصوصاً اسلامی مشرق ایک بے کنار سمندر ہے + کہ جس میں الماس کے رنگ کے گوہر ہیں (مراد ہے جب مغرب میں جہالت تھی مشرق خصوصاً اسلامی مشرق نے علوم و فنون میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں)۔
شعر ② لیکن میں اس دریا میں (گوہر تلاش کرنے کے لئے) اپنی کشتی نہیں چلاتا + جس دریا کی موج میں مگرمچھ نہ ہوں (شاید شاعر کی مراد یہ ہے کہ مشرق نے دنیا کو نور و دانش تو دی ہے فلسفیانہ افکار سے تو دل و دماغ کو آشنا کیا ہے لیکن جاندار اور انقلاب آفرین علوم و فنون سے آشنا نہیں کیا اس لئے میں سکون آور علوم کی بجائے ہنگامہ خیز علوم کی طرف رغبت رکھتا ہوں۔

(148)

مگو کار جہاں نااستوار است ہر آن ما ابد را پردہ دار است
بگیر امروز را محکم کہ فردا ہنوز اندر ضمیر روزگار است

*

شعر ① یہ مت کہہ کہ جہان کا کام ناپختہ ہے + ہماری ہر آن (موجودہ گھڑی / ہمارا حال) ابد کا (اس آنے والے زمانہ کا جس کی انتہا کا کچھ علم نہیں یا آنے والی کل کا) پردہ دار ہے۔ مراد ہے زمانہ حال اپنے مستقبل سے ہم کنار ہے ہمارے موجودہ زمانے کے ۔ ری و ساری رہنے کا ہی نام ابد ہے۔ اس لئے زمانہ حال حقیقت ہے ماضی و مستقبل کو بھول کر حال کو حقیقت تسلیم کر لو اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ چنانچہ اگلے شعر میں اسی راز کو افشا کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔
شعر ② امروز (زمانہ حال) کو مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ آنے والی کل یا زمانہ + ابھی تک زمانے کے

ضمیر میں پوشیدہ ہے۔

(149)

رمیدی از خداوندان افرنگ ولے بر گور و گنبد سجدہ پاشی
بہ لالائی چناں عادت گرفتی ز سنگ راہ مولائے تراشی

*

شعر ① (اے مسلمان) تو انگلستان کے آقاؤں سے تو (جو تجھ پر ہندوستان میں حکمران ہیں) بھاگا ہے یا دور ہے + لیکن تو قبروں اور گنبدوں پر سجدے کر رہا ہے مراد ہے کہ انگریز حاکموں کو تو تو مشرک اور کافر سمجھ کر ان سے دور رہنا چاہتا ہے لیکن خود مشرکانہ عادتیں اپنائے ہوئے ہے۔

شعر ② (ہندوستان کے ہندوؤں کو لالہ کہتے ہیں۔ یہ لالے بت پرست ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ صدیوں سے ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اے مسلمان تو نے یہ عادت اختیار کرلی ہے + کہ ہر راستے کے پتھر کو تو اپنا آقا بنا لیتا ہے۔ (لالائی سے مراد غلامی بھی ہے۔ اس معنی کے پس منظر میں اس شعر کا مطلب یہ ہو گا کہ غلامی کی عادت کی وجہ سے تو نے انگریز کی غلامی سے نفرت کی ہے لیکن خود نئے نئے آقا تراش رہا ہے)۔

(150)

قبائے زندگانی چاک تا کے چو موراں آشیاں در خاک تا کے
بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز تلاش دانہ در خاشاک تا کے

*

شعر ① زندگی کا لباس کب تک پھٹا رہے گا + چیونٹیوں کی طرح کب تک مٹی میں گھر رہے گا۔

شعر ② اڑان اختیار کر اور شاہینی سیکھ (جس طرح شاہین زمین سے کیسی بلندی پر اڑ کر اپنا شکار تلاش کرتا ہے تو بھی ہمت کے آسمانوں پر پرواز کر) + تو کب تک (زمین پر بکھرے ہوئے) تنکوں میں اپنا دانہ (روزی) تلاش کرتا رہے گا (کب تک رذیل و ذلیل زندگی بسر کرتا رہے گا۔

(151)

میان لالہ و گل آشیاں گیر ز مرغ نغمہ خواں درس فغاں گیر
اگر از ناتوانی گشتہ پیر نصیبے از شباب ایں جہاں گیر

*

شعر ① لالہ ب کے پھولوں کے درمیان اپنا گھر بنا (زندگی کو خوش حالی سے ہم کنار کر) + (اس کے لئے) چمن کے نغمہ الاپنے والے پرندے سے فریاد سیکھ (ہمت و حوصلہ اور تب و تاب رکھنے والے؛ فرادیا اقوام کی طرف دیکھ کہ انہوں نے کس طرح خود کو بنایا اور سنوارا ہے)۔

شعر ② اگر تو کمزوری کی وجہ سے خود کو بڑھاپے کا مارا ہوا سمجھ رہا ہے (تو اس غلط خیال سے نکل۔ ہمت نہ ہار اور آگے بڑھ) + اس دنیا کے شباب (جوانی) سے اپنا نصیب حاصل کر (قسمت بنانے کا انداز سیکھ۔ دیکھ یہ کروڑوں برس کی پرانی ہے لیکن پھر بھی جوان ہے۔ تو کیوں بے حوصلہ ہو گیا ہے)۔

(152)

بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت ہوائے جلوۂ ایں گل را دو رو کرد
ہزاراں شیوہ دارد جان بیتاب بدن گردد چو با یک شیوہ خو کرد

*

شعر ① میری جان میں جب جان نے (خود ہی) تن کا (جسم کا) نقش ابھارا + جلوہ (ظاہر ہونے) کی ہوا (خواہش) نے اس پھول کو یعنی جان کو دو رخ عطا کر دیئے (اور روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں نظر آنے لگیں حالانکہ تن اور جان یا جسم اور روح کی اصلیت یا بنیاد ایک ہی ہے اور وہ ہے روح یا جان۔ جسم نے جان پیدا نہیں کی بلکہ جان نے جسم پیدا کیا ہے مراد ہے مادہ حقیقت نہیں حقیقت توانائی ہے جسم روح ہی کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے۔

شعر ② (آدمی کی) جان بے قرار ہزاروں روشیں یا انداز رکھتی ہے + اگر یہ ایک خاص انداز پر خود کو برقرار کرلے تو یہ بدن بن جاتی ہے (اس کا یہ انداز کیا ہے صرف واقف حال صوفیا ہی جانتے ہیں جن کا بدن روح اور روح بدن بن جاتی ہے)۔

(153)

بگوشم آمد از خاک مزارے کہ در زیر زمیں ہم می تواں زیست
نفس دارد و لیکن جاں ندارد کسے کو بر مراد دیگراں زیست

*

شعر ① ایک مزار (عام قبر سے نہیں کسی مسلمان ولی کی قبر سے) میرے کان میں آواز آئی کہ زمین کے نیچے جا کر (مرنے کے بعد بھی) زندہ رہا جا سکتا ہے (مسلمان ولی کی یہی شان ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتا ہے۔ صدیقوں نبیوں اور شہیدوں کی بھی یہی صورت ہے)۔

شعر ② (انبیاء و اولیاء اور صدیقین و شہداء بے سروسامانی کی حالت میں بھی کسی کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ دوسرے ان کے محتاج ہوتے ہیں لیکن عام آدمی دوسروں کا محتاج ہے اور محتاج تو زندگی میں بھی مردہ ہوتا ہے مرنے کے بعد اس کی زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) وہ سانس تو رکھتا ہے لیکن روح (جان/ حقیقت زندگی) نہیں رکھتا + جو دوسروں کی مراد پر جیتا ہے۔

(154)

مشو نومید ازیں مشت غبارے پریشاں جلوۂ ناپائیدارے

چو فطرت می تراشد پیکرے را   تمامش می کند در روزگارے

*

شعر ① اس مٹی کی مٹھی (بظاہر ناچیز آدم خاکی) سے ناامید نہ ہو + (وہ آدمی خاکی جو) ناپائیدار اور پریشان جلوہ ہے (پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے یا جس کا جلوہ زندگی عارضی ہے یعنی جو مضبوط نہیں بلکہ فانی ہے)۔

شعر ② (اصول یہ ہے کہ) جب فطرت کوئی جسم تراشتی ہے تو اس کے زمانے (زندگی) ہی میں اسے مکمل کر دیتی ہے (اس لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی بھی جو ابھی ارتقا کی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے ایک دن (دنیا کے خاتمے سے پہلے ہی) تکمیل پالے گا۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ارتقا کے لیے ایک طویل مدت (صدیوں پر محیط زمانہ) درکار ہوتی ہے۔ انسان کو بھی اپنی تکمیل کے لیے لمبا زمانہ درکار ہوگا۔

(155)

جہان رنگ و بو فہمیدنی ہست   دریں وادی بسے گل چیدنی ہست
ولے چشم از درون خود نہ بندی   کہ در جان تو چیزے دیدنی ہست

*

شعر ① رنگ و بو کا جہان (رنگ و بو کی طرح دلکش مگر فانی جہان) اس قابل ہے کہ اس کو سمجھا جائے (اس کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے) + (کیونکہ) اس وادی میں بہت سے ایسے پھول ہیں جو چنے جانے کے قابل ہیں مراد ہے جہان۔ آدمی کے لئے توجہ طلب ہے اور آدمی کو اپنی زندگی میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

شعر ② (لیکن شرط یہ ہے کہ تو جہان کا تماشا کرتے ہوئے) اپنے اندر کا تماشا کرنے سے آنکھ کو بند نہ کرلے + کیونکہ تیری جان میں بھی ایک قابل دید چیز ہے (اصل جہان تو تیرا باطنی جہان ہے یہ خارجی جہان تو اس کا پرتو ہے یا تیرے اندر ہی موجود ہے یہ قابل دید چیز دل یا روح بھی ہو سکتی ہے)۔

(156)

تو می گوئی کہ من ہستم خدا نیست   جہان آب و گل را انتہا نیست
ہنوز ایں راز بر من ناکشود است   کہ چشمم آنچہ بیند ہست یا نیست

*

شعر ① تو یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو ہوں خدا نہیں ہے + (تو یہ بھی کہہ رہا ہے) کہ پانی اور مٹی کے (خاکی) جہان کی یا تیرے جسم خاکی کی انتہا نہیں ہے (یہ چونکہ مادہ کا بنا ہوا ہے اور تو مادہ پرستی کا مذہب رکھتے ہوئے مادہ کو غیر فانی سمجھتا ہے تیرا یہ نظریہ اس لئے بنا ہے کیونکہ تو مادہ کا اقراری ہے اور خدا کا انکاری۔ یہ تیری بھول ہے کیونکہ اب ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ فانی ہے اصل جوہر یا توانائی ہے)۔

شعر ② (اے مادہ پرست منکر خدا تو جس مادہ کو غیر فانی اور حقیقی جانتا ہے اس کے متعلق) ابھی تک یہ راز بھی مجھ پر نہیں کھلا + کہ میری آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہ ہے بھی یا نہیں ہے۔ (ابھی تک تو یہ ثابت

نہیں ہو سکا جو کچھ نظر آتا ہے وہ واقعی ہے بھی یا نہیں ہے۔ اس کے دوام یعنی ہمیشگی یا غیر فانی ہونے کی بات بعد میں ہو گی)۔

(157)

بساطم خالی از مرغ کباب است　　نہ در جامم مئے آئینہ تاب است
غزال من خورد برگ گیا ہے　　ولے خون دل او مشکناب است

*

شعر ① جس دعوت کی چادر پر میں بیٹھا ہوں یعنی میرے دستر خوان پر نہ تو بھنا ہوا مرغ ہے + اور نہ آئینہ کی طرح روشن شراب سے بھرے ہوئے پیالے ہیں۔

شعر ② میرا ہرن تو گھاس کے پتے کھاتا ہے لیکن (ایسی گھاس کہ جس کے کھانے سے) اس کے اندر ایسا خون دل پیدا ہوتا ہے جو سر تا سر خالص مشک کی خوشبو دیتا ہے (اصل چیز خوراک کی ظاہری لذت نہیں۔ اصل چیز آدمی کی باطنی خوراک کی لذت ہے جو امیری میں نہیں فقیری میں حاصل ہوتی ہے)۔

(158)

رگ مسلم ز سوز من تپید است　　ز چشمش اشک بیتابم چکید است
ہنوز از محشر جانم نداند　　جہاں را با نگاہ من ندید است

*

شعر ① مسلمان کی رگ میرے سوز سے (جو میں نے اسے شاعری کے ذریعہ دیا ہے) تڑپ پھڑک رہی ہے + اس کی آنکھ سے میرا ہی بے قرار آنسو گر رہا ہے (مراد ہے مسلمان مجھے قوم کا شاعر سمجھتا ہے اور مجھے پڑھتا بھی ہے)۔

شعر ② (لیکن) ابھی تک اس نے اس قیامت کو نہیں دیکھا جو میری جان میں بپا ہے + اس نے (ابھی تک) جہان کو میری نگاہ سے نہیں دیکھا (مجھے پڑھا ضرور ہے لیکن جو کچھ میں اسے دینا چاہتا ہوں وہ اس نے مجھ سے نہیں لیا)۔

(159)

بحرف اندر نگیری لا مکاں را　　درون خود نگر ایں نکتہ پیدا ست
بہ تن جاں آنچناں دارد نشیمن　　کہ نتواں گفت اینجا نیست آنجاست

*

شعر ① لامکاں کا بیان یا تفہیم لفظوں کے ذریعے نہیں کرائی جا سکتی + اپنے اندر غور کر یہ رمز کی باریک بات وہاں موجود ہے (خود شناسی سے لامکاں شناسی ممکن ہے۔ عقل و علم سے نہیں)۔

شعر ② جسم (تن) کے اندر جان (روح) کا آشیاں اس طرح موجود ہے + کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ

یہاں نہیں ہے وہاں ہے (جسم میں روح کا مقام متعین نہیں کیا جا سکتا اس کا بھی احساس ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بھی لامکاں کی یا عالم امر کی چیز ہے)۔

(160)

بہر دل عشق رنگ تازہ بر کرد گہے با سنگ گہ با شیشہ سر کرد
ترا از خود ربود و چشم تر داد مرا با خوفتن نزدیک تر کرد

*

شعر ① عشق نے ہر دل میں تازہ (نیا/ مختلف) رنگ ابھارا ہے + کبھی عشق پتھر سے اور کبھی شیشہ سے موافقت پیدا کرتا ہے۔ پتھر کی صحبت سے ایک تو یہ مراد ہو سکتی ہے کہ عشق و جنوں کی بنا پر عاشق دیواروں سے سر مارتا ہے یا فرہاد کی طرح پہاڑوں سے نہر نکالنے کے لئے نکل جاتا ہے یا یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ عشق جاہ و مرتبہ کو نہیں دیکھتا مزدور میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ صحبت شیشہ سے ایک تو یہ مراد ہے کہ خسرو بادشاہ کی مجلس عیش و طرب میں بھی اجاگر ہو جاتا ہے اور دوسری یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ عشق ان لوگوں کی صحبت اختیار کر لیتا ہے جن کے دل شیشے کی طرح مجلی اور مصفی ہوتے ہیں جن کو اصطلاح میں اہل صفا یا اہل دل کہتے ہیں۔ صوفیا اور اولیا کا گروہ اسی قبیل سے ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے کا دل بھی آئینہ ہو جاتا ہے اور صاحب عرفان بن جاتا ہے۔ غرض کہ عشق کے ہزاروں پہلو ہیں ان میں فرق ان کے موضوعات یا عاشقوں کی شخصیت و کردار اور حالات و کوائف کے مختلف ہونے پر ہے۔

شعر ② تجھے اس نے تجھ سے اچک لیا (تو اپنے آپ کو کھو بیٹھا) اور (ہجر کی وجہ سے یا زیان زندگی کی وجہ سے) چشم تر (آنسوؤں بھری) آنکھ دی + (لیکن) مجھے عشق نے اپنے زیادہ نزدیک کر دیا (مجھے اپنی معرفت عطا کر دی)۔

(161)

ہنوز از بند آب و گل نہ رستی تو گوئی رومی و افغانیم من
من اول آدم بے رنگ و بویم ازاں پس ہندی و تورانیم من

*

شعر ① ابھی تک تو پانی اور مٹی (رنگ، نسل اور خون) کی قید میں گرفتار ہے + اور اس قید سے رہائی حاصل نہیں کی (اور) تو کہتا ہے کہ میں ملک روم کا اور ملک افغانستان کا رہنے والا یا رومی و افغانی نسل سے ہوں (حالانکہ برتری و کمتری کا یہ پیمانہ سراسر غیر اسلامی اور غیر انسانی ہے)۔

شعر ② میں پہلے تو (ایک آدم کی اولاد ہوں) رنگ و بو (نسل و خون) کے امتیاز کے بغیر آدمی ہوں + اس کے بعد میں ہندی (ہندوستان کا باشندہ) اور تورانی (وسط ایشیا کے ملک توران کا رہنے والا) ہوں۔

(162)

مرا ذوق سخن خوں در جگر کرد غبار راہ را مشت شررے

بگفتار محبت لب کشودم بیاں ایں راز را پوشیدہ تر کرد

*

شعر ① سخن (شاعری) کے ذوق نے میرے جگر کو خون کر دیا ہے + اس نے مجھ غبار راہ کو شرر کی مٹی بنا دیا ہے (میرے جسم خاکی میں سوز اور تڑپ پیدا کر دی ہے)۔

شعر ② میں نے محبت کے بارے میں بات کرنے کے لئے لب کھولے + (لیکن) میرے بیان نے اس راز کو کھولنے کی بجائے اور زیادہ پوشیدہ کر دیا (مراد ہے جذبہ عشق و محبت کو الفاظ کی قید میں نہیں لایا جا سکتا)۔

(163)

گریز آخر ز عقل ذو فنوں کرد دل خود کام را از عشق خوں کرد

ز اقبال فلک پیما چہ پرسی حکیم نکتہ دان ما جنوں کرد

*

شعر ① (میں نے عقل و فکر اور فلسفہ و حکمت کے میدان کی خاک چھاننے میں ایک عمر بسر کر دی آخر اس کی بے مائیگی ظاہر ہو گئی) آخر میں نے حیلہ و مکر بھری عقل سے گریز کیا (دور ہو گیا) + میں نے اپنے خود کام (ذاتی اغراض و مفاد رکھنے والے) دل کو عشق سے خون کر ڈالا (عقل کی بجائے عشق کا راستہ اختیار کر لیا)۔

شعر ② فلک پیما (عقل کے گھوڑے آسمان تک دوڑانے والے) اقبال کے متعلق کیا پوچھتا ہے (اس نے عقل سے توبہ کر لی ہے) + میرے نکتہ دان حکیم نے (اس صاحب حکمت جو زندگی کی رمز کو سمجھتا تھا مجھے زندگی کی رمز سے واقف کر کے میرا عقل سے پیچھا چھڑا دیا اور) مجھے جنوں (صاحب جنوں) بنا دیا۔ (یہ حکیم نکتہ داں خدا' رومی یا کوئی اور صاحب عشق ہو سکتا ہے جس نے اقبال میں یہ تبدیلی پیدا کی۔ قرآن حکیم کو بھی اس سلسلے میں زیر غور رکھا جا سکتا ہے حالات و کلام اقبال پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ اقبال صحیح معنوں میں اقبال اسی وقت بنا جب اس نے فلسفہ پر اعتماد کرنے کی بجائے عشق کو ندیم بنایا)۔

افکار

("ذہن اقبال" کے خیالات)

گل نخستیں

("موسم بہار میں کھلنے والا" پہلا پھول)

ہنوز ہم نفسے در چمن نمی بینم
بہار می رسد و من گل نخستینم

بہ آبجو نگرم خویش را نظارہ کنم
بایں بہانہ مگر روے دیگرے بینم

بجامہ کہ خط زندگی رقم زدہ است
نوشتہ اند پیامے بہ برگ رنگینم

دلم بہ دوش و نگاہم بہ عبرت امروز
شہید جلوۂ فردا و تازہ آئینم

زتیرہ خاک دمیدم قبائے گل بستم
وگرنہ اختر وا ماندہ ز پروینم

٭

شعر ① ابھی تک میں چمن میں کوئی ہم نفس (ساتھی یا دوست) نہیں دیکھ رہا + بہار پہنچ گئی ہے اور میں اس بہار کا ابھی پہلا پھول ہوں۔

شعر ② میں نہر کے پانی میں (جو آئینہ کی مانند ہے) دیکھتا ہوں اور اپنا آپ نظارہ کر رہا ہوں + (اور) اس بہانے گویا میں کسی اور کا چہرہ دیکھ رہا ہوں (اور دل کو تسلی دے رہا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے)۔

شعر ③ (خالق کائنات نے) اپنے اس قلم سے جس سے اس نے زندگی کا خط لکھا ہے یعنی ہر شے کو زندگی عطا کرنے والے نے + میری رنگیں پتی (کے صفحہ) پر بھی ایک پیام لکھ دیا ہے (اور وہ پیام یہ ہے کہ بہار آ گئی ہے)۔

شعر ④ میرا دل میرے گزرے ہوئے کل میں لگا ہوا ہے اور میری نگاہ آج یعنی زمانہ حال کی عبرت پر جمی ہوئی ہے مراد ہے جب میں پہلے کھلا تھا اور اپنی رنگینی 'لطافت' حسن اور خوشبو پر اترایا تھا اس وقت بھی، میرا انجام میری پژمردگی تھا اس صورت حال سے میں آج عبرت پکڑ رہا ہوں + اور زمانہ مستقبل کا مقتول یا شدید طور پر طلبگار ہوں اور اس دور کے نئے طور طریقوں اور اصولوں کا منتظر ہوں (کہ شاید کوئی بہتر دور آئے)۔

شعر ⑤ میں تاریک مٹی سے رکھلا (اور) میں نے پھول کا لبادہ پہن لیا + ورنہ میں اپنی پروین کا ایک پیچھے رہ جانے والا ستارہ ہوں (پروین ستاروں کا ایک جھرمٹ ہے جس کا ایک ستارہ پھول نے خود کو بھی کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ میں اگرچہ پروین کا ایک ستارہ ہوں لیکن تاریک مٹی میں سے پیدا ہوا ہوں) شاعر کی مراد اس مضمون سے یہ ہے کہ پروین ہو یا گل دسترگل کوئی آسمان کی چیز ہو یا زمین کی، ہر شے میں ایک ہی حسن

ازل موجود ہے۔ ذرہ ذرہ میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے۔

دعا

اے کہ از خمخانہ فطرت بجامم ریختی | ز آتش صہبائے من بگداز مینائے مرا
عشق را سرمایہ ساز از گرمی فریاد من | شعلہ بیباک گرداں خاک سینائے مرا
چوں بمیرم از غبار من چراغ لالہ ساز | تازہ کن داغ مرا سوزاں بصحرائے مرا

*

شعر ① اے وہ ہستی جس نے فطرت کے شراب خانہ سے (شراب عشق) کو میرے دل یا جان کے پیالہ میں ڈالا ہے یعنی اے وہ جس نے میری سرشت میں عشق داخل کر دیا ہے + (اب) میری اس شراب سے میری صراحی کو پگھلا دے۔ مراد ہے میرے اندر وہ گداز پیدا کر دے کہ تیرے سوا ہر شے کو بھول جاؤں۔

شعر ② میری فریاد کی گرمی سے (جو تو نے مجھ میں عشق کی وجہ سے پیدا کر دی ہے) عشق کو سرمایہ عطا کر مراد ہے اس کو وہ حیثیت دے جس سے اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ اسے ہوس آشنا نہ کرنا مجاز سے حقیقت بنا دینا + (جس طرح وادی سینا میں اللہ تعالیٰ کی تجلی سے کوہ طور سرمہ ہو گیا تھا) میرے جسم کی خاک سینا کو ایک بے خوف شعلہ بنا دے (تاکہ میں اس سے اپنے نفس اور غیر اللہ کے خس و خاشاک کو جلا دوں)۔

شعر ③ جب میں مر جاؤں تو میرے غبار سے لالہ کے پھول کا چراغ بنا + میرے دل میں جو داغ عشق ہے اسے تازہ رکھنا اور اس کو میری زندگی کے بعد میری موت کے صحرا میں جلانا۔ مراد ہے میرے عشق کی تاثیر کو میری زندگی کے بعد میں قائم رکھنا تاکہ لوگ مجھ سے میری موت کے بعد بھی استفادہ کرتے رہیں۔

ہلال عید

از صد نگہ براہ تو دامے نہادہ اند | نتواں ز چشم شوق رمید اے ہلال عید
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند | بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج

*

شعر ① اے عید کے پہلے دن کے چاند تو میری نگاہ شوق سے بچ کر نہیں جا سکتا + (تو دیکھتا نہیں کہ) لوگوں نے سینکڑوں نگاہوں کا تیرے (پکڑنے یعنی دیکھنے کیلئے) لئے جال بچھا رکھا ہے۔

شعر ② (پہلے دن کا چاند بڑا باریک ہوتا ہے رفتہ رفتہ وہ پورا چاند بن جاتا ہے اس صورت حال کی طرف چاند کی توجہ دلاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ) خود پر نظر دوڑا اپنی خالی جھولی کے ہونے سے رنج نہ کر + (کیونکہ) تیرے سینے کے اندر قدرت نے پورا چاند رکھا ہے (ایک دن تو مکمل چاند بن جائے گا) اس شعر

سے اس طرف اشارہ بھی جاتا ہے کہ آدمی بظاہر ایک معمولی چیز نظر آتا ہے لیکن قدرت نے اس کے اندر سارا جہان چھپایا ہوا ہے شرط اس کی تلاش کی ہے۔ جس نے تلاش کیا وہ چودھویں کے چاند کی طرح مرد کامل بن گیا۔

تسخیر فطرت

① میلاد آدم

(آدم کی پیدائش کا جشن)

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد — حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور — خود گرے، خود شکنے، خود نگرے، پیدا شد
خبرے رفت ز گردوں بہ شبستان ازل — حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بہ آغوش حیات — چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر — تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

*

شعر ① عشق نے نعرہ مارا ایک خوں شدہ جگر والا پیدا ہو گیا ہے + حسن لرزا کہ ایک نظر والا پیدا ہو گیا ہے۔

شعر ② فطرت پریشان ہوئی کہ مجبور جہان کی خاک سے یعنی بے حس و حرکت مٹی سے + ایک خود کو بنانے والا' خود کو توڑنے والا' اور خود کو دیکھنے والا پیدا ہو گیا ہے (خود کو بنانے والا مظہر صفات الٰہیہ پیدا کر کے نائب خدا اور خلیفۃ الارض ہونے کے اعتبار سے اور خود کو توڑنے والا اپنے اندر کے بت خانہ نفس کو توڑنے کے لحاظ سے اور خود کو دیکھنے والا اپنی معرفت حاصل کرنے کے پس منظر میں)۔

شعر ③ آسمان سے ازل کے شبستان میں یعنی تخلیق کائنات سے پہلے کے اس جہان میں جہاں تاریکی تھی یا نظروں سے اوجھل اس مجلس میں جسے فرشتوں کا جہان کہتے ہیں' خبر پہنچی + اے پردوں میں رہنے والو یعنی اے چشم آدمی سے اوجھل فرشتو ڈرو کہ ایک پس پردہ دیکھنے والا پیدا ہو گیا ہے یعنی وہ جو تمہارے جہان کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہو سکتا ہے۔

شعر ④ (آدمی سے پہلے جو مخلوق بھی تھی بے آرزو تھی)۔ آرزو زندگی کی آغوش میں خود سے بیخبر تھی + اس نے آنکھ کھولی اور ایک نیا جہان پیدا ہو گیا (آرزو کرنے والا جہان۔ آدمی کا جہان)۔

شعر ⑤ زندگی بولی کہ میں سای عمر مٹی میں تڑپتی رہی (باہر نہ آ سکی) + تا آنکہ وہ وقت آ گیا کہ اس پرانے گنبد میں سے (مٹی کے اندر سے میرے نکلنے کے لئے) دروازہ پیدا ہو گیا۔ (زندگی مختلف شکلوں میں پہلے بھی تھی لیکن آدم میں اس نے شعوری طور پر ظہور کیا۔ زندگی کو پہلی بار اپنا شعور ملا)۔

حصہ دوم

انکار ابلیس

(شیطان کا انکار)

نوریِ ناداں نیم سجدہ بآدم برم! — او بہ نہاد است خاک من بہ نژاد آذرم
می تپد از سوز من خون رگ کائنات — من بہ دو صرصرم من بہ غو تندرم
رابطہ سالمات، ضابطہ امہات — سوزم و سازے دہم آتش مینا گرم
ساختہ خویش را، در شکنم ریزہ ریزہ — تا ز غبار کہن پیکر نو آورم!
از دم من موجہ چرخ سکوں ناپذیر — نقش گر روزگار، تاب و تب جوہرم
پیکر انجم ز تو، گردش انجم ز من — جاں بجہاں اندرم، زندگی مضمرم
تو بہ بدن جاں دہی، شور بجاں من دہم — تو بہ سکوں رہ زنی، من بہ تپش رہبرم
من ز تنک مایگاں گدیہ نہ کردم سجود — قاہر بے دوزخم، داور بے محشرم
آدم خاکی نہاد، دوں نظر و کم سواد — زاد در آغوش تو پیر شود در برم

*

شعر ① (جب خالق کائنات نے آدم کو تخلیق کر کے فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے جو فرشتہ نہیں جن تھا سب نے سجدہ کر دیا اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ابلیس کہتا ہے) میں نور کے بنے ہوئے فرشتوں کی طرح بے وقوف نہیں ہوں کہ آدم کو سجدہ کر دوں + (اس لئے کہ) وہ اپنی سرشت کے طور پر خاکی ہے (مٹی کا بنا ہوا ہے) اور میں آتش پرست آذر کی اولاد سے ہوں یعنی آگ کا بنا ہوا ہوں (آگ چونکہ مٹی سے افضل ہے اس لئے میں آدم کو سجدہ کیوں کروں۔ فرشتے تو بے وقوف نکلے کہ مٹی سے افضل نور کے بنے ہونے کے باوجود آدم کے آگے سجدے میں گر گئے)۔

شعر ② کائنات کی رگ میں جو خون ہے وہ میرے سوز کی وجہ سے گرم ہے + میں رفتار یا حرکت میں صرصر کی تند و تیز ہوا کی طرح طوفانی ہوں اور بلند آواز یا گھن گرج یا کڑک میں بجلی کی کڑک کی مانند ہوں۔ مراد ہے اگر میں نہ ہوتا اور آدم کو نہ بہکاتا تو آدم سوائے اللہ اللہ پکارنے کے اور کیا کرتا یہ سارے ہنگامے جن سے کائنات میں رونق ہے آدمی کو عطا کردہ میرے افکار و جذبات کی وجہ ہی سے تو ہیں۔

شعر ③ میں کائنات کے ذرات مادی کا ربط یا میل اور کائنات میں موجود مختلف عناصر پر منطبق ہونے والا آئین ہوں + میں خود جلتا ہوں (لیکن) کائنات کو رونق بخش دیتا ہوں میں مرصع کاری کے ہنر میں کام آنے والی آگ ہوں کائنات میں جتنا بھی حسن، دلکشی، ہنگامہ اور لذت ہے وہ میری وجہ سے ہے۔

شعر ④ (مجھ میں جمود نہیں اور نہ میں جمود کو پسند کرتا ہوں میں ہر وقت نئے جہان کی تلاش میں رہتا

ہوں اس لئے) میں اپنے ہی بنائے ہوئے جہان کو اور اپنی ہی تعمیر کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیتا ہوں + تاکہ اس ریزہ ریزہ کئے ہوئے جہان کی گرد یا مٹی سے میں ایک نیا جہان پیدا کروں۔

شعر ⑤ سکون نا آشنا اور بے قرار گردش کرتے ہوئے آسمان (کے سمندر میں) میرے تھپیڑے سے موج اٹھتی ہے (کہتے ہیں روئے زمین کے سارے انقلابات گردش آسمان کی وجہ سے ہیں اور گردش آسمان ابلیس کہتا ہے میری وجہ سے ہے) + مجھ میں جو تڑپ اور حرارت کا جوہر ہے وہ زمانے کا نقش گر ہے (صفحہ زندگی آدمی یا کاغذ زمانہ پر جتنی تصویریں بنتی ہیں یعنی جو واقعات بھی رونما ہوتے ہیں اس کا سبب میں ہوں)۔

شعر ⑥ (اے خدا) ستاروں کے اجسام کا خالق تو ہے لیکن ستاروں کی گردش میری وجہ سے ہے مراد ہے ان کی گردش سے انسانوں کی زندگی اور دوسرے تکوینی حالات پر جو اثر مرتب ہوتے ہیں اس کا سبب میں ہوں + جان تو ضرور تیری پیدا کردہ ہے لیکن اس جان میں حرارت پیدا کرنے والی جان میں ہوں + ایک زندگی تو ظاہری ہے لیکن اس زندگی میں تب و تاب پیدا کرنے والی جو پوشیدہ زندگی ہے وہ میں ہوں۔

شعر ⑦ تو آدمی کے جسم میں جان پیدا کرتا ہے (لیکن) اس جان میں شور یا ہنگامہ میں پیدا کرتا ہوں + تو سکون سے راستہ طے کرنا بتاتا ہے میں تپش سے طے کرنے کے لئے کہتا ہوں (اگر میں نہ ہوتا تو زندگی جامد ہو کر رہ جاتی۔ زندگی میں جو حرکت بھی ہے میری وجہ سے ہے)۔

شعر ⑧ میں نے خودی اور عقل سے محروم فرشتوں سے خود کو سجدہ کرنے کی بھیک نہیں مانگی (یہ آدم ہی تھا جو سجدہ کا بھکاری بنا) + میں بھی قہر کرنے والا ہوں اگرچہ میرے پاس کسی کو پھینکنے کے لئے دوزخ نہیں ہے میں بھی انصاف کرنے والا ہوں اگرچہ میں قیامت نہیں رکھتا۔

شعر ⑨ یہ مٹی کی سرشت والا آدمی جو کم نظر اور تیلی کی کم روشنی والا ہے (یعنی جس میں پہچان کی عقل نہیں ہے) + پیدا تو تیری گود میں ہوا ہے (لیکن) یہ بوڑھا میرے پہلو میں ہوتا ہے مراد ہے ساری عمر میرے اشارے پر چلتا ہے۔

حصہ سوئم

اغوائے آدم

(ابلیس کا آدم کو یہ جھانسا دے کر کہ جنت سے باہر ایک زمین کا جہان ہے جہاں کی زندگی جنت سے کہیں بہتر ہے' جنت سے نکال لے جانا)

زندگی سوز و ساز بہ ز سکون دوام فاختہ شاہین شود' از تپش زیر دام
ہیچ نیامد ز تو غیر سجود نیاز خیز چو سرو بلند' اے بعمل نرم گام
کوثر و تسنیم برد' از تو نشاط عمل گیر ز مینائے تاک' بادہ آئینہ فام

زشت و نکو زادۂ وہم خداوند تست — لذت کردار گیر' گام بنہ' جوے کام
خیز کہ بنمایمت مملکت تازہ — چشم جہاں بیں کشا' بہر تماشا خرام
قطرۂ بے مایہ' گوہر تابندہ شو! — از سر گردوں بیفت' گیر بدریا مقام
تیغ درخشندہ' جان جہانے گسل — جوہر خود را نما' آئے بروں از نیام
بازوے شاہیں کشا' خون تدرواں بریز — مرگ بود باز را' زیستن اندر کنام
تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل — چیست حیات دوام؟ سوختن ناتمام

زو: دریا

*

شعر ① سوز و ساز کی زندگی ہمیشہ کے سکون سے بہتر ہے + جال میں پھنسی ہوئی فاختہ جدوجہد کی حرارت کی وجہ سے شاہین بن جاتی ہے۔

شعر ② (یہاں جنت میں) نیازمندی کے سجدوں کے سوا تجھے اور کوئی کام نہیں ہے + اے عمل کے میدان میں نرم قدم رکھنے والے بلند قامت سرو کی طرح اٹھ (اور عمل اختیار کر)۔

شعر ③ جنت کی کوثر و تسنیم نامی نہروں نے تجھ سے عمل کی خوشی چھین لی ہے + (اٹھ اور) انگور کی بیل سے آئینہ کی طرح کی روشن شراب کھینچ (محنت سے لذت تلاش کر)۔

شعر ④ اچھائی اور برائی کا تصور تیرے خداوند وہم کا تجھ میں پیدا کردہ ہے (اصلیت اس کی کچھ نہیں یہ محض وہم ہے) (اٹھ) کردار کی (عمل کی) لذت حاصل کر' عمل کے راستہ پر قدم رکھ (اور) مقصد کو تلاش کر یا حاصل کر۔

شعر ⑤ اٹھ کہ میں تجھے ایک نئی مملکت دکھاؤں + اس جہان کو دیکھنے والی آنکھ کھول اور اس کے نظارہ کے لئے چل۔

شعر ⑥ اے بے مایہ قطرہ چمکنے والا موتی بن + (اس کے لئے) آسمان سے گر یا نیچے آ اور (دنیا کے) دریا میں مقام کر۔

شعر ⑦ تو تو چمک دار تلوار ہے اس جہان کی جان کو (اس کے جسم سے) الگ کر یا کاٹ۔ اپنے جوہر دکھا اور نیام سے باہر آ۔

شعر ⑧ شاہیں کی طرح کے پر کھول (اور) چکوروں (تیتروں) کا خون بہا + باز کے لئے اپنے ٹھکانے یا گھونسلے میں بیٹھ رہنا موت ہے۔

شعر ⑨ تو ابھی تک نہیں جانتا کہ وصل سے شوق مرجاتا ہے + ہمیشہ کی زندگی کیا ہے ناتمام جلنا ہے (پورے طور پر نہ جلنا بلکہ سلگتے رہنا ہے) (وصل کی بجائے ہجر میں لذت ہے)۔

حصہ چہارم

آدم از بہشت بیروں آمدہ می گوید

(آدم بہشت سے باہر آتا ہوا کہتا ہے)

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن — دل کوہ و دشت و صحرا بہ دمے گداز کردن
ز قفس درے کشادن بہ فضائے گلستانے — رہ آسماں نوردن، بہ ستارہ راز کردن
بگدازہائے پنہاں بہ نیازہائے پیدا — نظرے ادا شناسے بحریم ناز کردن
گہے جز یکے ندیدن بہ ہجوم لالہ زارے — گہے خار نیش زن را ز گل امتیاز کردن
ہمہ سوز ناتمامم، ہمہ درد آرزویم — بگماں دہم یقین را کہ شہید جستجویم!!

*

شعر ① (ابلیس نے آدم کو یہ کہہ کر بہکایا تھا کہ جنت کے پر سکون ماحول سے باہر ایک جہان ہے جس میں سکون کی بجائے حرکت ہے اور اس حرکت کے سوز و ساز میں جو لطف ہے وہ کسی اور شے میں نہیں چنانچہ آدم اس جہان نو کے سوز و ساز کو پسند کرتا ہوا کہتا ہے) زندگی کو سراپا سوز و ساز بنانا کتنا اچھا ہے + (اور) پہاڑ، دشت اور دریا کے دل کو ایک دم سے گداز کر دینا (کتنا اچھا ہے)۔

شعر ② کسی باغ کی فضا میں (آزادانہ اڑنے کے لئے) پنجرہ کا دروازہ کھولنا (قید سے رہائی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا کتنا اچھا ہے) + آسمانوں کی راہ پر چلنا اور ستاروں سے راز کی بات کرنا یعنی ان کی تسخیر کے لئے کوشش کرنا (کتنا اچھا ہے)۔

شعر ③ (کبھی) باطنی گداز اور ظاہری نیاز سے + حریم ناز (خانہ محبوب) میں ایک نظر کرنا (کتنا اچھا ہے) حریم ناز سے مراد انسانی دل ہے جس میں جلوۂ حق کی جلوہ گری ہے۔

شعر ④ لالہ کے پھولوں کے ہجوم میں کبھی ایک کے سوا کسی اور کو نہ دیکھنا + (اور کبھی) نوک سے زخم لگانے والے کانٹے کو گلاب کے پھول سے الگ حیثیت دینا (کیسا اچھا ہے) مراد ہے کبھی کثرت میں وحدت کو دیکھنا اور کبھی نہ دیکھنا۔

شعر ⑤ میں سرتاپا سوز ناتمام ہوں (میری مثال اس شے کی ہے جو مکمل جلی نہ ہو بلکہ سلگ رہی ہو) میں مکمل درد آرزو ہوں (آرزو مجھے مسلسل بے چین رکھتی ہے) + میں یقین کو گمان کے سپرد کرتا ہوں اس لئے کہ میں جستجو کا شہید یا فریفتہ ہوں (علم حاصل کرنے کے لئے یقین کی بجائے شک کا طریق اختیار کرنا پڑتا ہے)۔

حصہ پنجم

صبحِ قیامت

آدم در حضور باری یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور

اے کہ ز خورشید تو کوکب جاں مستنیر — از دلم افروختی شمع جہان ضمیر
ریخت ہنر ہائے من بحر بیک تاے آب — تیشۂ من آورد از جگر خارہ شیر
زہرہ گرفتار من، ماہ پرستار من — عقل کلاں کار من بہر جہاں داروگیر
من بہ زمیں در شدم، من بفلک بر شدم — بستۂ جادوئے من ذرہ و مہر منیر
گرچہ فسونش مرا برد ز راہ صواب — از غلطم درگزر عذر گناہم پذیر
رام نگردد جہاں تا نہ فسونش خوریم — جز بکمند نیاز، ناز نہ گردد اسیر
تا شود از آہ گرم ایں بت سنگیں گداز — بستن زنار او بود مرا ناگزیر
عقل بدام آورد فطرت چالاک را — اہرمن شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

*

(آدم بہشت میں تھا۔ ابلیس کے بہکانے پر اور جنت سے بہتر جہان کی سیر کرانے کے جھانسے میں آکر وہ زمین پر آگیا اور یہاں کی لذتوں سے بہرہ ور ہونے میں منہمک ہو گیا۔ آخر جب کائنات کے خاتمہ پر وہ پھر اپنے خالق اور فرشتوں کے سامنے آئے گا تو اس وقت اس کی کیا صورت و حالت ہوگی۔ اس کا ذکر اس حصہ میں ہے)۔

شعر ① (اے خالق کائنات) تیرے خورشید کی وجہ سے میری جان کا ستارہ روشن ہے + تو نے میرے دل سے اندھیرے جہان کی شمع کو روشن کیا ہے (میں تیری تخلیق ہوں اور جہان کی رونقیں میری تخلیق ہیں)۔

شعر ② میرے ہنر نے سمندر کو ایک ندی میں ڈال دیا + میرا تیشہ سخت پتھروں (کے پہاڑ) سے دودھ (کی نہر) لے آتا ہے۔

شعر ③ زہرہ ستارہ میرا گرفتار اور چاند میرا پرستار ہے + میری بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرنے والی عقل جہاں کی داروگیر ہے (اسے قابو میں کرنے والی ہے یا تسخیر کرنے والی ہے)۔

شعر ④ میں زمین کی تہ تک پہنچا میں آسمان کی بلندیوں تک گیا + خود روشن اور دوسروں کو روشنی دینے والا سورج کا ذرہ میرے جادو میں گرفتار ہے (سورج کو آدم نے اپنی ہمت کے مقابلے میں ایک ذرہ قرار دیا ہے)۔

شعر ⑤ اگرچہ اس کے یعنی ابلیس کے جادو نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں اس کے بہکاوے میں آکر صحیح راستہ سے ہٹ گیا + (اب) میری غلطی سے درگزر کر اور میرے گناہ کا عذر قبول کرلے۔

شعر ⑥ اگر ہم اس کا یعنی ابلیس کا فریب نہ کھائیں تو جہان مطیع نہیں ہو سکتا (کیونکہ آدمی میں جو سوز و ساز اور تپش آرزو ہے وہ اس کی وجہ سے ہے) + (اصول یہ ہے) نیاز کی کمند ڈالے بغیر ناز گرفتار نہیں ہو سکتا۔ (اس لئے مجھے ابلیس کی نیازمندی اختیار کرنی پڑی)۔

شعر ⑦ تاکہ یہ پتھر کا بت میری آہِ گرم سے گداز ہو جائے (یعنی جہان میرا مسخر ہو جائے) ابلیس کا زنار (جنیو) پہننا میرے لئے ناگزیر (لازمی) ہو گیا تھا (زنار کفر کی ایک نشانی ہے جو ہندو اپنی بغل کے گرد دھاگے کی صورت میں پہنتے ہیں)۔

شعر ⑧ عقل چالاک فطرت کو جال میں پھنسا لیتی ہے + (یہ اسی عقل کا کرشمہ ہے کہ اس نے جہان کو اس طرح تسخیر کر لیا ہے کہ) آگ سے پیدا شدہ شیطان بھی (آدم کی) مٹی کو سجدہ کر رہا ہے (وہ جو کل تک بہشت میں اس کی برتری تسلیم کرنے کی بنا پر اس کے آگے سجدہ کرنے کے لئے تیار نہ تھا آج اس کے جوہر قابلیت کا فریفتہ ہو کر اس کے آگے سربسجود ہے آج اسے علم ہو گیا ہے کہ اللہ کا حکم نہ ماننا میری نادانی تھی آدمی واقعی بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے)۔

بوئے گل

حورے بہ کنج گلشن جنت تپید و گفت ... ما را کسے ز آنسوے گردوں خبر نداد
ناید بفہم من سحر و شام و روز و شب ... عقلم ربود ایں کہ بگویند مرد و زاد!!
گردید موج نکہت و از شاخ گل دمید ... یا ایں چنیں بعالم فردا و دی نہاد
وا کرد چشم و غنچہ شد و خندہ زد دمے ... گل گشت و برگ برگ شد و بر زمیں فتاد
زاں نازنیں کہ بند ز پایش کشادہ اند ... آہے است یادگار کہ بو نام دادہ اند

*

شعر ① ایک حور جنت کے گوشے میں تڑپی اور اس نے کہا + مجھے کسی نے اس (جہان کی) خبر نہ دی جو آسمان سے دوسری طرف ہے یعنی دنیا کی خبر نہ دی کہ کیا ہے۔

شعر ② (اس طرف کے جہان کی) سحر و شام اور روز و شب میری سمجھ میں نہیں آ رہے (کہ وہ کیا ہیں) + میری عقل میں یہ بات بھی نہیں آ رہی کہ مرنا اور جینا کسے کہتے ہیں یا کس کو کہتے ہیں کہ وہ مر گیا اور وہ پیدا ہو گیا۔

شعر ③ (اس حور نے جہان دنیا کو دیکھنے کے لئے کیا کیا) وہ پھول کی خوشبو کی موج بن گئی اور پھول کی شاخ سے پھول کی صورت میں نمودار ہو گئی + اس طرح اس نے فردا و دے کے جہان میں قدم رکھا (جس میں کبھی گزری ہوئی کل تھی اور کبھی آنے والی کل ہو گی مراد ہے زمان و مکان کا جہاں)۔

شعر ④ (اس حور نے جو پھول میں خوشبو کی طرح موجود تھی) آنکھ کھولی، غنچہ بنی، ایک دم کے لئے کھلی (ہنسی) + پھول کی شکل اختیار کی، پتی پتی ہوئی اور زمین پر گر گئی۔

شعر ⑤ اس نازنین سے (ناز بھری حسینہ سے) کہ جس کے پاؤں کے بند کھول دئے گئے ہیں (جو ختم

ہو گئی ہے یا مر گئی ہے) + ایک آہ یادگار کے طور پر باقی رہ گئی ہے جس کا نام خوشبو ہے (جس طرح پھول کی اصل پاکیزہ خوشبو ہے جس کی کوئی شکل نہیں ہے اسی طرح آدمی کا پاکیزہ جوہر اس کی روح ہے جسم نہیں۔ جس طرح پھول خوشبو کے ظہور کا ذریعہ ہے اسی طرح جسم روح کے ظہور کا آلہ ہے)۔

نوائے وقت

(وقت کی آواز یا ترانہ)

پہلا بند

خورشید بہ دامانم انجم بہ گریبانم در من نگری ہیچم در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم من دردم و درمانم من عیش فراوانم
من تیغ جہاں سوزم من چشمہ حیوانم

*

شعر ① (زمانہ کہتا ہے) سورج میرے دامن میں ہے، ستارے میرے گریبان میں ہیں + اگر تو مجھ میں دیکھے گا تو میں ہیچ (کچھ بھی نہیں) نظر آؤں گا۔ اگر تو اپنے اندر دیکھے گا تو میں تیری جان ہوں (یعنی میں ساری کائنات کا حکمران ہوں۔ کوئی شے میری دسترس اور گرفت سے باہر نہیں) لیکن مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ اگر تو اپنے من میں ڈوب کر کچھ معلوم کرنا چاہے گا تو تجھے میرا احساس ہو جائے گا۔ اسی طرح جس طرح تجھے اپنی جان کا احساس ہے)۔

شعر ② میں شہر، بیابان، محل، باغ (غرض کہ) ہر جگہ میں ہوں + میں درد ہوں، علاج ہوں، عیش فراواں (بہت بڑی عیش) ہوں۔ یعنی یہ سب کچھ میری وجہ سے ہے اگر میں نہ ہوتا تو کہیں زندگی نہ ہوتی۔

مصرع ③ میں جہان کو مارنے والی تلوار ہوں + میں زندگی کا چشمہ ہوں۔

دوسرا بند

چنگیزی و تیموری، مشتے ز غبار من ہنگامہ افرنگی، یک جستہ شرار من
انسان و جہان او، از نقش و نگار من خون جگر مرداں، سامان بہار من
من آتش سوزانم، من روضہ رضوانم

*

شعر ① چنگیزی (ظالم چنگیز کا ظلم و تشدد) تیموری (تیمور بادشاہ کی فتوحات) میرے ہی غبار میں سے ایک مٹھی ہے + فرنگی کا ہنگامہ (اہل مغرب کا تہذیبی اور ثقافتی فتنہ اور ایجادات و فتوحات کا شور) میری ہی آگ میں سے نکلی ہوئی ایک چنگاری ہے۔

شعر ② انسان اور اس کا جہان میرے ہی نقش و نگار میں سے ہے + بہادروں کے جگر کا خون (جو وہ میدان عمل یا میدان جنگ میں بہاتے ہیں) میری ہی بہار کا سامان ہے۔

مصرع ③ میں جلانے والی آگ ہوں' میں روضہ رضواں (بہشت) ہوں۔

تیسرا بند

آسودہ و سیارم' ایں طرفہ تماشا بین و ربادۂ امروزم' کیفیت فردا بین
پنہاں بہ ضمیر من' صد عالم رعنا بین صد کوکب غلطاں بیں' صد گنبد خضرا بین
من کسوت انسانم' پیراہن یزدانم

٭

شعر ① میں سکون ہوں میں حرکت ہوں یہ عجیب تماشا دیکھ + میری آج کی شراب میں آنے والی کل کی کیفیت دیکھ۔

شعر ② میرے دل میں سینکڑوں حسین جہانوں کو چھپا ہوا دیکھ + (اس میں) سینکڑوں گھومتے ہوئے سیاروں (یا ستاروں) اور سینکڑوں نیلے (یا سبز) رنگ کے آسمانوں کو دیکھ۔

مصرع ③ میں انسان کا لباس ہوں میں خدا کا پیراہن (کرتہ یا لباس) ہوں۔

چوتھا بند

تقدیر فسون من' تدبیر فسون تو تو عاشق لیلائے' من دشت جنون تو
چوں روح رواں پاکم' از چند و چگون تو تو راز درون من' من راز درون تو
از جان تو پیدایم' در جان تو پنہانم

٭

شعر ① تقدیر میرا جادو ہے اور تدبیر تیرا جادو ہے + تو لیلیٰ کے ناز و انداز کا عاشق ہے میں تیرے جنوں کا بیابان ہوں۔

شعر ② میں تیری مادی حقیقت سے جاری و ساری روح کی مانند پاک ہوں + تو میرے اندر کا راز ہے میں تیرے اندر کا راز ہوں۔

مصرع ③ میں تیری جان سے ظاہر ہوں اور تیری جان میں چھپا ہوا ہوں۔

پانچواں بند

من رہرو و تو منزل' من مزرع و تو حاصل تو ساز صد آہنگے' تو گرمی ایں محفل!

آوارۂ آب و گل! دریاب مقام دل　　گنجیدہ بہ جامے بین، این قلزم بے ساحل

از موج بلند تو سر برزدہ طوفانم

٭

شعر ① میں راستہ چلنے والا مسافر ہوں تو اس کی منزل ہے۔ میں کھیتی ہوں تو اس کی پیداوار ہے + تو سینکڑوں نغمے پیدا کرنے والا ساز ہے تو اس محفل کی رونق ہے۔

شعر ② اے آب و گل کے جہان میں یعنی خارجی مادی جہان میں یا اپنے جسم کے جہان میں منتشر رہنے والے اپنے دل کا مقام پا (اسے پہچان) + (اور) ایک پیالے کے اندر اس بے کنار سمندر کو یعنی پورے خارجی جہان کو چھپا ہوا دیکھ۔

مصرع ③ میرے طوفان نے تیری بلند موج سے ہی سر ابھارا ہے۔

فصل بہار

پہلا حصہ

خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابر بہار

مست ترنم ہزار طوطی و درّاج و سار

بر طرف جوئبار کشت گل و لالہ زار

چشم تماشا بیار

خیز کہ در کوہ و دشت خیمہ زد ابر بہار

٭

مصرع ① اٹھ کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں ابر بہار نے خیمہ لگا دیا ہے یعنی بہار آ گئی ہے۔

باقی ① بلبل نغموں میں مصروف ہے۔

② طوطی، تیتر اور سارس (یا تلیئر) بھی ہیں۔

③ ندی کے کناروں پر یا ندی کی طرف۔

④ گلاب کے اور لالہ کے پھولوں کے کھیت یا باغ ہیں۔

⑤ ان کے نظارہ کے لئے آنکھ لا یا پیدا کر۔

مصرع ② اٹھ کہ پہاڑوں اور جنگلوں یا بیابانوں میں موسم بہار کے بادل نے خیمہ گاڑ دیا ہے۔

دوسرا حصہ

خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گل رسید

باد بہاراں وزید مرغ نوا آفرید
لالہ گریباں درید حسن گل تازہ چید
عشق غم نو خرید
خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گل رسید

*

مصرع ① اٹھ کہ باغوں اور سبزہ زاروں میں پھولوں کا قافلہ آپہنچا۔

باقی ① بہار کی ہوا چلی۔
② پرندے نے صدا پیدا کی یعنی چہچہایا۔
③ لالہ کے پھول نے گریبان پھاڑا۔
④ حسن نے تازہ پھول توڑا۔
⑤ عشق نے نیا غم خریدا۔

مصرع ② اٹھ کہ باغوں اور سبزہ زاروں میں پھولوں کا قافلہ آپہنچا۔

تیسرا حصہ

بلبلکاں در صفیر، صلصلکاں در خروش
خون چمن گرم جوش اے کہ نشینی خموش
در شکن آئین ہوش بادۂ معنی بنوش
نغمہ سرا، گل بپوش
بلبلکاں در صفیر، صلصلکاں در خروش

*

مصرع ① بلبلیں نغمے الاپ رہی ہیں، فاختاؤں نے شور مچایا ہوا ہے۔

باقی ① چمن کا خون جوش میں ہے۔
② اے کہ تو خاموش بیٹھا ہے۔
③ ہوش کے آئین یا اصول و قانون کو توڑ دے۔
④ معنی کی یعنی باطن کی یا معرفت کی شراب پی۔
⑤ نغمہ الاپ، پھول (کا لباس) پہن۔

مصرع ② بلبلیں نغمے الاپ رہی ہیں، فاختائیں شور مچا رہی ہیں۔

چوتھا حصہ

حجرہ نشینی گذار، گوشہ صحرا گزیں
بر لب جوئے نشین آب رواں را بہ بین
نرگس ناز آفرین لخت دل فرودیں
بوسہ زلفش بر جبیں
حجرہ نشینی گذار، گوشہ صحرا گزیں

*

مصرع ① حجرہ نشینی (تنہائی میں بیٹھنا) چھوڑ، صحرا کا گوشہ اختیار کر۔

باقی ① نہر کے کنارے پر بیٹھ۔
② بہتے ہوئے پانی کو دیکھ۔
③ ناز پیدا کرنے والی نرگس۔
④ بہار کے دل کا ٹکڑا۔
⑤ اس کی پیشانی کا بوسہ لے۔

مصرع ② حجرہ نشینی چھوڑ، صحرا کا گوشہ اختیار کر۔

پانچواں حصہ

دیدۂ معنی کشا، اے ز عیاں بیخبر
لالہ کمر در کمر نیمہ آتش بہ بر
می چکدش بر جگر شبنم اشک سحر
در شفق انجم نگر
دیدۂ معنی کشا، اے ز عیاں بیخبر

*

مصرع ① باطن کی آنکھ کھول، اے ظاہر سے بے خبر۔

باقی ① لالہ کے پھول ایک دوسرے کی کمر سے لپٹے ہوئے ہیں (یا پہاڑوں کی وادیوں میں کثرت سے موجود ہیں)
② پہلو میں آگ کی صدری یعنی جسم پر آگ کی طرح کی سرخ صدری پہنے ہوئے۔
③ اس کے جگر پر ٹپک رہی ہے۔
④ سحر کے آنسوؤں کی شبنم۔
⑤ ستاروں کو شفق میں دیکھ۔

مصرع ② باطن کی آنکھ کھول، اے ظاہر سے بے خبر۔

چھٹا حصہ

خاک چمن وا نمود' راز دل کائنات
بود و نبود صفات جلوہ گریہائے ذات
آنچہ تو دانی حیات آنچہ تو خوانی ممات
ہیچ ندارد ثبات
خاک چمن وا نمود' راز دل کائنات

*

مصرع ① چمن کی مٹی نے کھول دیا" کائنات کے دل کا راز۔
باقی ① اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کا غیاب و حضور۔
② اللہ تعالیٰ کی ذات کی جلوہ گریاں۔
③ جس کو تو زندگی جانتا ہے۔
④ جس کو تو موت کہتا ہے۔
⑤ کوئی شے بھی ثبات یا قرار نہیں رکھتی۔
مصرع ② چمن کی مٹی نے کھول دیا" کائنات کے دل کا راز۔

حیات جاوید

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں — ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است
چمن خوش است ولیکن چو غنچہ نتواں زیست — قبائے زندگیش از دم صبا چاک است
اگر ز رمز حیات آگہی' مجوے دگر — دلے کہ از خلش خار آرزو پاک است
بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی — چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

*

شعر ① یہ خیال نہ کر کہ شراب کشید کرنے کا کام ختم ہو چکا ہے + ابھی تک ہزاروں قسم کی شراب انگور کی بیل میں ایسی ہے جو نہیں پی گئی مراد ہے خالق کائنات کے کام سے فارغ ہو کر نہیں بیٹھ گیا ابھی اور بہت کچھ تخلیق کرنا باقی ہے۔

شعر ② چمن خوب ہے (اچھا ہے) لیکن غنچہ کی مانند نہیں جیا جا سکتا + (کیونکہ) اس کی زندگی کی قبا (لبادہ) باد صبا کے دم سے پھٹی ہوئی ہے (غنچہ کمزور دل تھا اسی لئے صبح کی ہوا کے ایک جھونکے سے پھٹ گیا اور پھول بن گیا تو مضبوط بن تاکہ مخالفتوں کے تند و تیز طوفان میں بکھر نہ سکے)۔

شعر ③ اگر تو زندگی کی رمز (پوشیدہ راز یا باریک بات) سے آگاہ ہے تو پھر تلاش نہ کر + ایسا دل جو

آرزو کی خلش کے کانٹے سے پاک ہے (کیونکہ آرزو زندگی کو محرک رکھنے میں بنیادی کام کرتی ہے)۔

شعر ④ اپنے اندر سمٹ کر مراد ہے ہر کسی سے بے نیاز ہو کر یا اپنی معرفت حاصل کر کے پہاڑی سلسلہ کی طرح مضبوط بن کر جی + تنکے کی طرح نہ جی کیونکہ ہوا تیز اور شعلہ بے لحاظ و نڈر ہے (مراد ہے زندگی طوفانوں سے بھری ہوئی ہے اس میں ثابت قدم رہنے کے لئے مضبوط حوصلہ 'بلند ہمت' اور خود کو قائم رکھنے کے لئے ہر طرح کی کوشش کرنے والا بننا پڑے گا)۔

افکار انجم

ستاروں کے خیالات

پہلا حصہ

شنیدم کوکبے با کوکبے گفت کہ در بحریم و پیدا ساحلے نیست
سفر اندر سرشت ما نہادند ولے ایں کارواں را منزلے نیست

*

شعر ① میں نے سنا ہے کہ ایک ستارہ نے دوسرے ستارہ سے کہا + کہ ہم (فضا کے) سمندر میں ہیں (ایسا سمندر) جس کے کنارہ کا علم نہیں۔

شعر ② (خالق کائنات نے) سفر ہماری فطرت یا خمیر میں رکھ دیا ہے + لیکن اس کارواں کی کوئی منزل نہیں ہے۔

دوسرا حصہ

اگر انجم ہمانستے کہ بود است ازیں دیرینہ تابیہا' چہ سود است
گرفتار کمند روزگاریم! خوشا آنکس کہ محروم وجود است

*

شعر ① اگر ستارہ (آج بھی) وہی ہے جو کبھی تھا (اور اس نے کوئی ارتقا نہیں کیا) تو اسے اس کی پرانی چمک دمک کا کیا فائدہ ہے۔

شعر ② ہم وقت یا زمانہ کی کمند میں پھنسے ہوئے ہیں + ہم سے تو وہ بہتر ہے جو وجود نہیں رکھتا (ہمیں عدم سے وجود میں آنے سے کیا پھل ملا اس سے تو بہتر تھا عدم ہی میں رہتے)۔

تیسرا حصہ

کس ایں بار گراں را بر نتابد ز بود ما نبود جاوداں بہ
فضائے نیلگونم خوش نیاید ز اوجش پستیِ آں خاکداں بہ

*

شعر ① کوئی اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا + ہماری ہستی یا ہونے سے ہمارا ہمیشہ کا نہ ہونا بہتر تھا (نیستی اچھی تھی)۔

شعر ② ہمیں نیلی فضا موافق نہیں آتی + اس کی بلندی سے اس خاکدان یعنی زمین کی پستی بہتر ہے۔

چوتھا حصہ

خنک انسان کہ جانش بیقرار است سوار راہوار روزگار است
قبائے زندگی بر قامتش راست کہ او نو آفرین و تازہ کار است

*

شعر ① مبارک ہے وہ انسان جس کی مٹی بے قرار ہے + جو زمانہ کے گھوڑے پر سوار ہے (جو زمانے کی تگ و دو میں شامل ہے اور مخالف قوتوں سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھتا رہتا ہے)۔

شعر ② زندگی کا لباس اس کے قد پر درست ہے + کیونکہ وہ نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والا اور نئے نئے کام کرنے والا ہے۔

زندگی

شبے زار نالید ابر بہار کہ ایں زندگی گریۂ پیہم است
درخشید برقِ سبک سیر و گفت خطا کردۂ خندۂ یکدم است
ندانم بہ گلشن کہ برد ایں خبر سخنہا میانِ گل و شبنم است

*

شعر ① ایک رات بہار کا بادل خوب رویا + (اور کہنے لگا کہ) یہ زندگی تو ایک مسلسل رونا ہے (یہاں دکھ ہی دکھ ہیں)۔

شعر ② (یہ سن کر بادلوں میں سے) تیزی سے نکلنے والی بجلی چمکی اور کہنے لگی + (اے بادل) تو نے غلط کہا ہے زندگی ایک لمحہ کی ہنسی ہے (خوشی تو ہے لیکن لمحاتی یا عارضی)۔

شعر ③ میں نہیں جانتا کہ پھولوں کے باغ میں یہ خبر کون لے گیا + کہ گلاب کے پھول اور شبنم میں اس پر گفتگو میں ہو رہی ہیں (کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ شبنم رونے کے نظریہ کی اور پھول ہنسی کے نظریہ

کی طرف داری کر رہا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ زندگی کے دکھ اور عارضی خوشی کی بات سن کر شبنم اپنی نم کو اور گلاب کا پھول اپنی ہنسی کی عارضی ہونے کی بات سن کر پریشان ہے۔

محاورہ علم وشوق

(علم اور عشق کے درمیان مکالمہ)

علم

نگاہم رازدار ہفت و چار است　　گرفتار کمندم روزگار است
جہاں بینم بایں سو باز کردند　　مرا بہ آں سوئے گردوں چہ کار است
چکد صد نغمہ از سازے کہ دارم　　بہ بازار افگنم رازے کہ دارم

*

شعر ① علم کہتا ہے میری نگاہ ساتوں ستاروں یا ساتوں ولایتوں (ساری کائنات) اور چاروں عناصر (آگ، پانی، مٹی، ہوا) کی رازدار ہے (ان سب کے راز جانتی ہے) + زمانہ میری کمند میں گرفتار ہے (میں اسی کے نشیب فراز سے بھی آگاہ ہوں)۔

شعر ② میری آنکھ کو اس طرف یعنی کائنات زمانی و مکانی کی طرف کھولا گیا ہے (میں آسمان کے نیچے جو جہان ہے اس سے باخبر ہوں) + میرا آسمان کی دوسری طرف سے یعنی اس جہان سے جو آسمان سے آگے ہے کیا کام ہے یعنی کچھ سروکار نہیں ہے۔ (جہاں بیں سے مراد آنکھ ہے)

شعر ③ جو ساز میں رکھتا ہوں اس سے سینکڑوں نغمے نکلتے ہیں + جو راز کہ میں رکھتا ہوں اسے بازار میں پھیلا دیتا ہوں (چھپاتا نہیں عام کر دیتا ہوں)۔

عشق

ز افسون تو دریا شعلہ زار است　　ہوا آتش گزار و زہردار است
چو با من یار بودی، نور بودی　　بریدی از من و نور تو نار است
بخلوت خانۂ لاہوت زادی　　ولیکن در نخ شیطان فتادی
بیا ایں خاکداں را گلستاں ساز　　جہان پیر را دیگر جواں ساز
بیا یک ذرہ از درد دلم گیر　　تہ گردوں بہشت جاوداں ساز
ز روز آفرینش ہمدم استیم　　ہماں یک نغمہ را زیر و بم استیم

*

شعر ① (عشق کہتا ہے) اے علم تیرے جادو سے دریا شعلہ زار ہیں + ہوا آگ پھینکنے والی اور زہر رکھنے والی ہے (تجھ میں ایسی طاقت ہے کہ پانی کو آگ بنا سکے اور زندگی بخش ہوا کو زہر آلودہ کر سکے)۔

شعر ② اگر تو میرا دوست ہوتا تو نور ہوتا یا یہ کہ جب تک تو میرا یار تھا تو نور تھا + تو نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اسلیئے تیرا نور اب نار ہے (جب سے علم نے بدن کو اپنا مقصود بنایا ہے اور روح سے بے تعلق ہو گیا ہے وہ اپنی اصلیت کھو چکا بالکل بدل چکا ہے۔ انسانوں کے حق میں جسے قند ہونا چاہیئے تھا وہ زہر بن چکا ہے)۔

شعر ③ تو لاہوت (آسمان سے آگے کہیں فرشتوں کے جہان) کی خلوت گاہ میں پیدا ہوا تھا + لیکن تو شیطان کی رسی یا پھندے میں پھنس گیا (مراد ہے علم اپنی اصلیت کے اعتبار سے انسان کی تخلیق میں ہے اور منزل انسانیت کی طرف راہنما ہے لیکن جب سے اس نے اپنی تخلیق کے مقصد کو بدل لیا ہے وہ انسان اور انسانیت کو بہکانے والا شیطان بن چکا ہے)۔

شعر ④ آ اور (اپنی سرشت اور حقیقت پر قائم رہ کر) اس جہان برباد کو گلستاں کر دے + یہ جہان جو اب بوڑھا ہو چکا ہے اسے جوان کر دے)۔

شعر ⑤ (اس مقصد کے لئے میری طرف) آ اور میرے دل کے درد کا ایک ذرہ لے + اور آسمان کے نیچے (اس زمین پر) ہمیشہ قائم رہنے والی جنت بنا دے (تو نے اپنے پہلو کو بے عشق کر کے جہان میں جو بربادی پیدا کی ہے اس کا کفارہ اس طرح ادا کر کہ اسے پھر سے باعشق کر کے آبادی میں بدل دے)۔

شعر ⑥ کائنات کی تخلیق کے دن سے ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست ہیں (ایک ساتھ سانس لینے والے ہیں) + ہم اسی ایک نغمہ تخلیق کے اونچے اور نیچے دو سر ہیں (علم بے عشق اور عشق بے علم دونوں غیر مفید ہیں)۔

سرود انجم

(ستاروں کا گیت)

پہلا بند

ہستی ما نظام ما مستی ما خرام ما
گردش بے مقام ما زندگی ما دوام ما!
دور فلک بکام ما، مے نگریم و مے رویم

*

① ہماری ہستی، ہمارا نظام۔
② ہماری مستی، ہماری رفتار۔
③ ہماری بے منزل گردش۔

④ ہماری ہمیشہ کی زندگی۔

مصرع : آسمان کی گردش کو اپنے موافق، ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

دوسرا بند

جلوہ گہ شہود را بتکدہ نمود را
رزم نبود و بود را کشمکش وجود را
عالم دیر و زود را، مے نگریم و مے رویم

*

① شہود کی جلوہ گاہ کو یعنی اس کائنات کو جو خالق کائنات کی جلوہ گری کا مقام ہے۔
② نمود کے بت کدہ کو یعنی اس جہان کو جہاں نئی نئی اشیا وجود اختیار کر رہی ہیں۔
③ اس جہان کو جو ہستی اور نیستی کا میدان جنگ ہے۔ جہاں اشیا پیدا ہو رہی ہیں اور فنا ہو رہی ہیں۔
④ یہ جہان جہاں ہر شے اپنے وجود کی بقا کے لئے تگ و دو کر رہی ہے۔

مصرع : اس جہان کو جو دیر اور جلدی یعنی زمان و مکان کی قیود میں گرفتار ہے ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

تیسرا بند

گرمی کارزار ہا خامی پختہ کار ہا
تاج و سریر و دار ہا خواری شہر یار ہا
بازی روزگار ہا، مے نگریم و مے رویم

*

① دنیا میں جو جنگیں ہوتی ہیں ان کی گرمی یعنی شور و غوغا اور مار دھاڑ
② وہ جہان جہاں عقل مندوں اور تجربہ کاروں میں بھی کوئی خامی رہ جاتی ہے۔
③ بادشاہوں کے تاج و تخت اور مجرموں کو دینے والی ان کی پھانسیاں۔
④ بزرگ اور عادل بادشاہوں کا ذلیل و خوار ہونا۔

مصرع : مختلف زمانوں کے رنگا رنگ تماشوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور چلتے رہتے ہیں۔

چوتھا بند

خواجہ ز سروری گزشت بندہ ز چاکری گزشت

زاری و قیصری گزشت دور سکندری گزشت
شیوۂ بت گری گذشت' ے نگریم و ے رویم

*

① خواجہ سروری سے گزر گیا یعنی جو کل بادشاہ تھا آج اُنکی بادشاہی نہ رہی۔ آج وہ بے تخت و تاج ہے جو کل آقا تھا آج غلام ہے۔ بادشاہ کی بادشاہی نہ رہی۔
② غلام آقا کی نوکری سے گزر گیا۔ وہ بھی باقی نہ رہا۔
③ زار کے لقب والا روس کا یا قیصر کے لقب والا جرمنی کا بادشاہ بھی ختم ہو گیا۔
④ یونان کے سکندر بادشاہ کا زمانہ بھی نہ رہا۔
⑤ بت گری کی روش ختم ہو گئی یعنی لوگ جو پہلے اپنے آقاؤں کی غلام بن کر ان کی پرستش کرتے تھے اب ان کو ہوش آگیا ہے اور انھوں نے خواجگی اور آقائی کے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

پانچواں بند

خاک خموش در خروش سست نہاد و سخت کوش
گاہ بہ بزم ناؤ نوش گاہ جنازۂ بہ دوش
میر جہان و سفتہ گوش! ے نگریم و ے رویم

*

① خاموش مٹی شور مچا رہی ہے یعنی آدمی اگرچہ مٹی کا بنا ہوا ہے لیکن ہر وقت ہنگاموں اور شور و شر میں لگا رہتا ہے۔
② سرشست یا فطرت اس کی سست ہے لیکن وہ بڑی محنت کرنے والا ہے۔ خاکی ہوتا ہوا اپنے گرد و پیش کی تسخیر میں لگا ہوا ہے۔
③ کبھی وہ محفل میں بیٹھا شراب نوشی کر رہا ہے یعنی زندگی سے لطف اٹھا رہا ہے۔
④ کبھی کندھوں پر جنازہ لئے ہوئے ہے یعنی غم زدہ زندگی گزار رہا ہے۔
⑤ کبھی آدمی جہان کا امیر یا بادشاہ ہے اور کبھی کانوں میں چھید والا یعنی غلامی اختیار کرنے والا ہے ہم یہ دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

چھٹا بند

تو بہ طلسم چون و چند عقل تو در کشاد و بند
مثل غزال در کمند زار و زبون و دردمند
ما بہ نشیمن بلند' ے نگریم و ے رویم!

*

① تو چون و چند یعنی زمان و مکاں کے جادو میں گرفتار ہے۔
② تیری عقل کبھی معمے کھولتی ہے اور کبھی کھلے ہوئے معموں کو الجھاتی ہے۔
③ ہرن کی مانند تیری عقل کمند میں ہے یعنی تقدیر و حالات کے سامنے مجبور ہے۔
④ (اور عقل) تقدیر کے سامنے رسوا و ذلیل اور تکلیف میں ہے۔
⑤ (ہم تیرے مقابلہ میں اے انسان) بلند نشیمن یا جگہ پر ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

ساتواں بند

پردہ چرا؟ ظہور چیست؟ اصل ظلام و نور چیست؟
چشم و دل و شعور چیست؟ فطرت ناصبور چیست
ایں ہمہ نزد و دور چیست؟ مے نگریم و مے رویم

*

① پردہ یا غیب کیا ہے اور ظہور یا جو کچھ ظاہر ہے وہ کیا ہے۔
② ظلمت اور نور کی اصل کیا ہے۔
③ آنکھ' دل اور شعور کیا ہے۔
④ نہ صبر کرنے والی فطرت انسانی کیا ہے۔
⑤ یہ سب کچھ جو نزدیک یا دور ہے کیا ہے (ہم انسانوں کو اس قسم کے سوالات حالات اور معاملات میں الجھا ہوا) دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

آٹھواں بند

بیش تو نزد ما کمے سال تو پیش ما دمے
اے بکنار تو یمے ساختۂ بہ شبنمے
ما بتلاش عالمے' مے نگریم و مے رویم

*

① جو تیرے نزدیک زیادہ ہے وہ ہمارے نزدیک کم ہے۔
② جو تیرے لئے سال ہے وہ ہمارے لئے ایک لمحہ ہے۔
③ اے وہ کہ جس کے پہلو میں سمندر ہے یعنی تیرے جسم خاکی کے اندر خالق کائنات نے بہت سی صلاحیتیں رکھی ہیں۔
④ تو نے شبنم کے ساتھ دوستی کر لی ہے یا یہ کہ تو نے شبنم پر قناعت کر لی ہے مراد ہے کہ تو تو خود سمندر صفت ہے اور تو نے اس جہان کو جو

تیرے لئے قطرۂ شبنم سے زیادہ نہیں اپنا یار رہنا رکھا ہے۔ یا تو نے اسی پر قناعت کر لی ہے۔

⑤ ہم تو کسی عالم کی تلاش میں رہتے ہیں (لیکن تو جو خود ایک عالم ہے اور جس میں خارجی عالم گم ہے جستجوئے عالم باطن نہیں کر رہا)۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

نسیم صبح

(صبح کی نرم و لطیف ہوا)

ز روے بحر و سر کوہسار می آیم ولیک می نشناسم کہ از کجا خیزم
وہم بہ غم زدہ طائر پیام فصل بہار تہ نشیمن او سیم یاسمن ریزم
بہ سبزہ غلطم و بر شاخ لالہ می پیچم کہ رنگ و بو ز مسامات او بر انگیزم!
خمیدہ تا نشود شاخ او ز گردش من برگ لالہ و گل نرم نرمک آویزم
چو شاعرے زغم عشق در خروش آید نفس نفس بہ نواہائے او در آمیزم

٭

شعر ① میں سمندر کی سطح اور پہاڑی سلسلہ کی چوٹی کی طرف سے آرہی ہوں + لیکن میں نہیں جانتی کہ میں کہاں سے اٹھتی ہوں یعنی میں اپنی اصل سے آگاہ نہیں ہوں۔

شعر ② میں غمزدہ پرندے کو بہار کے موسم کا پیغام دیتی ہوں + (اور) اس کے گھونسلے کے نیچے (سفید) یکن کے پھولوں کی چاندی بکھیر دیتی ہوں۔

شعر ③ میں سبزہ کے ساتھ الجھتی ہوں اور لالہ کے پھول کی شاخوں کے گرد لپٹتی ہوں + (اور اس طرح) ان کے مسامات (سوراخوں) سے رنگ اور خوشبو کو باہر نکالتی ہوں (خوشبودار اور رنگ دار پھول کھلاتی ہوں)۔

شعر ④ تاکہ اس کی شاخ میری گردش یا چلنے سے جھک نہ جائے + میں لالہ اور گلاب کے پھولوں کی پتی سے ملائمت بلکہ زیادہ ملائمت کے ساتھ لپٹتی ہوں۔

شعر ⑤ جب کوئی شاعر عشق کے غم میں نالہ و فریاد اور آہ و زاری کرتا ہے + تو میں اس کی آوازوں میں لمحہ لمحہ شامل رہتی ہوں۔

پند باز با بچہ خویش

(باز کی نصیحت اپنے بچہ کو)

1 تو دانی کہ بازاں ز یک جوہر اند دل شیر دارند و مشت پر اند

نکو شیوہ و پختہ تدبیر باش | جسور و غیور و کلاں گیر باش
میامیز با کبک و تورنگ و سار | مگر ایں کہ داری ہوائے شکار
چہ قوم ے فرو مایہ ترسناک! | کند پاک منقار خود را بخاک
شد آں باشہ نخچیر نخچیر خویش | کہ گیرد ز صید خود آئین و کیش
بسا شکرہ افتادہ بر روئے خاک | شد از صحبت دانہ چیناں ہلاک
نگہ دار خود را و خورسند زی! | دلیر و درشت و زی
تن نرم و نازک بہ تیہو گذار | رگ سخت چوں شاخ آہو بیار
نصیب جہاں آنچہ از خرمی است | ز نگینی و محنت و پردمی است
چہ خوش گفت فرزند خود را عقاب | کہ یک قطرہ خوں بہتر از لعل ناب
مجو انجمن مثل آہو و میش! | بخلوت گرا چوں نیاگان خویش
چنیں یاد دارم بازان پیر | نشیمن بشاخ درختے مگیر
کنامے نگیریم در باغ و کشت | کہ داریم در کوہ و صحرا بہشت
زروئے زمین دانہ چیدن خطاست | کہ پہنائے گردوں خداداد ماست
نجیبے کہ پا بر زمین سودہ است | ز مرغ سرا سفلہ تر بودہ است
بہ شاہبازاں بساط است سنگ | کہ بر سنگ رفتن کند تیز چنگ
تو از زرد چشمان صحراستی | بگوہر چو سیمرغ والاستی!
جوانے اصیلے کہ در روز جنگ! | برد مردمک را ز چشم پلنگ
بہ پرواز تو سطوت نوریاں! | بہ رگہائے تو خون کافوریاں☆
ز چرخ گردندۂ کوژ پشت | بخور آنچہ گیری ز نرم و درشت
ز دست کسے طعمہ خود مگیر | نکو باش و پند نکویاں پذیر

☆کافوری: باز کی قسم کا ایک سفید رنگ شکاری پرندہ جو ترکستان کے پہاڑوں اور صحراؤں میں پایا جاتا ہے۔

*

شعر ① تو جانتا ہے کہ (سب) باز ایک ہی جوہر ذاتی رکھتے ہیں (ان کی ذات کے اس جوہر کی بنا پر وہ دوسرے پرندوں سے مختلف ہیں) + اگرچہ وہ بالوں کی مٹھی یعنی پرندہ کی نسل سے ہیں لیکن وہ شیروں کا دل رکھتے ہیں۔

شعر ② نیک طور طریقے رکھنے والا اور پختہ تدبیر کرنے والا بن + جسارت اور غیرت رکھنے والا اور بڑے شکار کرنے والا بن۔

شعر ③ چکور، جنگلی مرغ اور سارس (و دیگر پرندوں) سے میل جول نہ رکھ + سوائے اس کے کہ تجھے ان کو شکار کرنے کی آرزو ہو۔

شعر ④ (پرندوں کی) یہ کیسی کم مایہ اور کمینہ قوم ہے + جو اپنی (گندی) چونچوں کو مٹی سے صاف

کرتی ہے۔

شعر ⑤ پرندوں کو شکار کرنے والا باشہ (سفید رنگ کا باز) خود اس لئے شکار ہو جاتا ہے + کہ وہ اپنے شکار کا مذہب اور آئین یعنی مزاج اور طور طریقے اختیار کر لیتا ہے (کمینوں کی صحبت میں اپنی اصلیت کھو بیٹھتا ہے)۔

شعر ⑥ بہت سے شکروں کو (ایک پرندوں کا شکار کرنے والا جانور) زمین پر اس لئے پڑا ہوا (مردہ) دیکھا گیا ہے + وہ ان پرندوں کی صحبت میں رہنے اور ان کا انداز زندگی اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں جو زمین پر دانہ چگتے ہیں۔

شعر ⑦ اپنے اوپر نگاہ رکھ (اپنا مزاج اور طور طریقہ نہ چھوڑ) اور (یوں) خوش خوش زندہ رہ + بہادر، سخت اور مضبوط بن کر زندگی بسر کر۔

شعر ⑧ نرم اور نازک جسم بٹیر کے لئے چھوڑ دے + ہرن کے سینگ کی طرح مضبوط رگ یا مضبوط اعصاب (پیدا کر)۔

شعر ⑨ جہان کی قسمت میں جو خوشی اور خوش حالی ہے + وہ اہل جہان کی چھری کی طرح کی مضبوطی، سخت اور پر دم ہونے (طاقت ور ہونے کی کیفیت) کی وجہ سے ہے۔

شعر ⑩ ایک عقاب نے اپنے بیٹے کو کیا اچھی بات کہی + کہ خون کا ایک قطرہ خالص لعل سے بہتر ہے۔

شعر (11): ہرنوں اور بھیڑوں کی طرح بزم (آرام کی زندگی) تلاش نہ کر + اپنے بزرگوں (اسلاف) کی مانند خلوت اختیار کرنے والا بن۔

شعر (12): میں بوڑھے (تجربہ کار / سمجھ دار) بازوں سے کچھ ایسے یاد رکھتا ہوں + (کہ) کسی درخت کی شاخ پر گھونسلہ نہ بنا۔

شعر (13): ہم کسی باغ یا کھیت میں گھونسلہ نہیں بناتے + کیونکہ ہم پہاڑ اور صحرا میں بہشت رکھتے ہیں۔

شعر (14): زمین پر سے دانہ چننا غلطی ہے + کیونکہ آسمانوں کی وسعت ہماری خداداد ہے (ہم اپنا رزق فضا کی بلندیوں میں تلاش کرتے ہیں)۔

شعر (15): اصیل نسل کا وہ پرندہ جو زمین پر رہنے میں آرام پاتا ہے + وہ گھروں میں رہنے والے پرندے سے زیادہ کمینہ ہوتا ہے۔

شعر (16): شاہبازوں کے لئے پتھر فرش ہے + کیونکہ پتھر پر چلنا اس کے پنجے تیز کرتا ہے۔

شعر (17): تو زرد آنکھوں والے صحرا کے شکاری پرندوں میں سے ہے + تو اپنی اصل اور فطرت کے لحاظ سے سیمرغ پرندے کی طرح عالی نسب اور عالی خاندان ہے۔

شعر (18): تو وہ جوان اصیل (اعلیٰ نسل کے خاندان سے) ہے جو جنگ کے دن + چیتے کی آنکھ سے اس کی

تی نکال لاتا ہے۔
شعر(19): تیری اڑان میں فرشتوں کی سی شان و شوکت ہے + تیری رگوں میں علاقہ ترکستان میں پائے جانے والی نسل کے سفید رنگ شکاری پرندے کا خون ہے۔
شعر(20): اس گھومنے والے اور ٹیڑھی پشت والے آسمان کے نیچے + نرم اور سخت چیزوں میں سے جو بھی میسر آئے کھا۔
شعر(21): (لیکن) کسی کے ہاتھ سے اپنا لقمہ نہ لے + نیک رو اور نیکوں کی نصیحت قبول کر۔

کرم کتابی

(کتاب کا کیڑا یعنی دیمک جو کاغذوں کو کھالیتی ہے)

شنیدم شبے در کتب خانہ من بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
با اوراق سینا نشیمن گرفتم بسے دیدم از نسخہ فاریابی
نفہمیدہ ام حکمت زندگی را ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے کہ این نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را تپش می دہد بال و پر زندگی را

*

شعر ① میں نے سنا ہے کہ ایک رات میرے کتب خانہ میں کتاب کا ایک کیڑا (دیمک) پروانے کو کہہ رہا تھا۔
شعر ② میں نے مشہور حکیم بو علی سینا کی کتابوں کے ورقوں میں اپنا گھونسلہ بنایا + میں نے مشہور فارسی شاعر ظہیر الدین فاریابی کی کتابوں کے نسخے بھی کئی دفعہ دیکھے (میں نے فلسفہ و ادب کی ساری کتابیں چٹ کر لیں)۔
شعر ③ میں (ابھی تک) زندگی کی حکمت (کہ زندگی کیا ہے اور کیوں ہے) نہیں سمجھ سکا + میں اپنی زندگی کے جہان میں سورج کے طلوع نہ ہونے کی وجہ سے (ابھی تک) تیرہ روز ہوں یعنی میری زندگی کے دن روشن نہیں ہیں۔ مراد ہے میں زندگی کی اس حقیقت کو نہیں پا سکا جو تو نے پالی ہے۔
شعر ④ (شمع کی لو سے آدھے جلے ہوئے پروانے نے جو زمین پر تڑپ رہا تھا) خوب بات کہی + کہ اس رمز یا باریک بات کو کسی کتاب سے نہیں پائے گا۔
شعر ⑤ (زندگی کی رمز کیا ہے وہ یہ ہے کہ) زندگی کو بہتر طور پر زندہ جو شے رکھتی ہے وہ حرارت (عشق) ہے + حرارت (عشق) زندگی کو بال و پر (بازو اور پر) عطا کرتی ہے (یعنی زندگی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کی طرف پرواز کا نام ہے اور یہ طاقت پرواز علم سے نہیں عشق سے پیدا ہوتی ہے)۔

کبر و ناز

(غرور اور نخرہ)

یخ جوئے کوہ را ز رہ کبر و ناز گفت — ما از ز مویۂ تو شود تلخ روزگار!
گستاخ می سرائی و بیباک میروی — ہر سال شوخ دیدہ و آوارہ تر ز پار
شایان دودمان کہستانیاں نۂ — خود را مگوئے دخترک ابر کوہسار
گروندۂ افتندۂ غلطندۂ بخاک! — راہ دگر بگیرد برد سوئے مرغزار
گفت آبجو چنیں سخن دل شکن مگوئے — بر خویشتن مناز و نہال منی مکار!
من می روم کہ درخور ایں دودماں نیم — تو خویش را ز مہر درخشاں نگاہ دار

٭

شعر ① برف نے پہاڑمیں بہتی ہوئی ندی سے غرور اور نخرے سے کہا + کہ تیرے رونے سے یعنی شور سے میری زندگی تلخ ہو رہی ہے (دیکھ تو میں خاموش اور مطمئن ہوں اور تیرا پانی پتھروں سے ٹکریں مارتا ہوا شور مچا رہا ہے۔ جس سے میرے سکون میں خلل آ رہا ہے)۔

شعر ② تو گستاخ انداز میں شور مچا رہی ہے اور بے خوف ہو کر چلی جا رہی ہے + ہر سال تو پچھلے سال سے زیادہ شوخ چشم اور آوارہ بنتی جا رہی ہے۔

شعر ③ تو پہاڑوں میں بسنے والوں کے خاندان کی شان کے قابل نہیں ہے + تو اپنے آپ کو پہاڑی سلسلے (پر برسنے والے) بادل کی بیٹی نہ کہہ (کیونکہ ندی کا وجود اس پانی کی وجہ سے ہے جو بادلوں سے بارش کی صورت میں برستا ہے اس لیے اسے بادل کی بیٹی کہا ہے۔

شعر ④ تو مٹی میں لوٹ رہی ہے گری ہوئی ہے اور تڑپ رہی ہے + کوئی اور راستہ اختیار کر اور سبزہ زاروں کی طرف چلی جا (برف چونکہ بلند مقام پر یعنی پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوتی ہے اور ندی زمین میں بہہ رہی ہوتی ہے اس لئے برف نے تکبر سے ندی کو کہا کہ تو پہاڑوں میں رہنے کے قابل نہیں یہاں سے چلی جا)۔

شعر ⑤ ندی کہنے لگی ایسی دل کو توڑنے والی بات نہ کہہ + خود پر ناز نہ کر اور غرور کا پودا نہ لگا (تکبر نہ کر)۔

شعر ⑥ میں تو جا رہی ہوں کہ میں اس خاندان کے لائق نہیں ہوں + تو خود کو چمکتے ہوئے سورج سے نگاہ میں رکھ (مراد ہے میں تو میدان میں جا کر بھی زندہ رہوں گی اور اس کی وجہ میری عاجزی اور خاکساری ہو گی لیکن تو کبر و ناز کی وجہ سے سورج کی گرمی سے پگھل جائے گی اور اپنا وجود ختم کر دے گی)۔

لالہ

(سرخ رنگ کا ایک پھول ہے جس کے اندر سیاہ داغ ہوتا ہے اور جسے علامہ نے اپنے کلام میں عشق/عاشق کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے)

آں شعلہ ام کہ صبح ازل در کنار عشق
پیش از نمود بلبل و پروانہ می تپید

افزوں ترم ز مہر و بہر ذرہ تن زنم
گردوں شرار خویش ز تاب من آفرید

در سینہ چمن چو نفس کردم آشیاں
یک شاخ نازک از تہ خاکم چو نم کشید

سوزم ربود و گفت یکے در برم بایست
لیکن دل ستم زدۂ من نیارمید

در تنگنائے شاخ بسے پیچ و تاب خورد
تا جوہرم بہ جلوہ رنگ و بو رسید

شبنم براہ من گہر آبدار ریخت
خندید صبح و باد صبا گرد من وزید

بلبل ز گل شنید کہ سوزم ربودہ اند
نالید و گفت جامہ ہستی گراں خرید!

وا کردہ سینہ منت خورشید می کشم
آیا بود کہ باز برانگیزد آتشم

*

شعر ① میں وہ شعلہ ہوں کہ جو ازل کی صبح عشق کی گود میں + بلبل اور پروانہ کی پیدائش سے پہلے تڑپا۔

شعر ② میں سورج سے بڑھ کر ہوں اور میں ہر ذرہ کے تن میں چمکتا ہوں یا یہ کہ میں ذرے میں خاموشی اختیار کرتا ہوں مراد اپنی آب و تاب کو اس کے اندر روک لیتا ہوں + آسمان نے اپنا شرارہ یعنی سورج میری روشنی کی وجہ سے پیدا کیا ہے (ان دونوں شعروں میں لالہ کا پھول در اصل اپنے اس سوز اور عشق کی بات کر رہا ہے جس نے اسے لالہ کا پھول بنایا ہے اور اپنے ازل میں پروانہ و بلبل سے پہلے پیدا ہونے یا سورج سے بڑھ کر ہونے سے اس کا اشارہ اپنی صفت عشق کی طرف ہے کہ میں بطور عشق ازل میں تھا اور اسی عشق کی تاثیر سے آفتاب کا وجود ہے)۔

شعر ③ (ازل سے آ کر میں نے) چمن کے سینہ میں سانس کا آشیانہ بنایا + (تو) ایک نازک شاخ نے مجھے مٹی کے نیچے سے نمی کی طرح اپنے اندر جذب کر لیا)۔

شعر ④ اس نے میرا سوز لوٹ لیا یا اپنے اندر جذب کر لیا اور مجھ سے کہا ایک بار میرے پہلو میں رہو + لیکن میرے ستم زدہ دل نے (وہاں) قرار نہ کیا (ستم زدہ اس اعتبار سے کہ مجھے ازل سے چمن میں لے آئے تھے یا ستم زدہ اس اعتبار سے کہ میں عاشق ہوں اور عاشق ستم زدہ ہی ہوتا ہے)۔

شعر ⑤ میں نے شاخ کی تنگ راہ گزر میں بہت پیچ و تاب کھائے + تا آنکہ میں رنگ و بو کی جلوہ گاہ میں پہنچ گیا مراد ہے چمن میں شاخ پر لالہ کے پھول کی شکل میں نمودار ہو گیا۔

شعر ⑥ شبنم نے میرے راستہ میں (چمکتے ہوئے پانی کے قطرات کی شکل میں) چمکتے ہوئے موتی بکھیر دیئے + صبح ہنسی یعنی روشنی صبح نمودار ہوئی اور صبح کی نرم و لطیف ہوا میرے گرد چلنے لگی۔

شعر ⑦ بلبل نے پھول سے جب یہ سنا کہ جو سوز مجھ میں ازل میں تھا وہ پھول میں آنے کی

صورت میں مجھ سے چھین لیا گیا ہے + (تو) وہ بہت روئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے ہستی کا لباس بہت مہنگا خریدا ہے (جب تک تو عدم میں تھا سوز تھا جب ہستی میں آیا تو رنگ و بو والا بے سوز پھول بن گیا۔ یہ تو نے (مہنگا سودا کیا)۔

شعر ⑧ (اپنا سوز کھونے کی وجہ سے اب میں سوز کے لئے دوسروں کا محتاج ہوں) میں اپنا سینہ کھولے سورج کا احسان لے رہا ہوں + شاید ایسا ہو کہ میری آگ پھر بھڑک اٹھے۔

حکمت و شعر

بو علی اندر غبار ناقہ گم! دست رومی پردۂ محمل گرفت
ایں فرو تر رفت و را گوہر رسید آں بگردابے چو خس منزل گرفت
حق اگر سوزے ندارد حکمت است شعر میگردد چو سوز از دل گرفت

*

شعر ① بو علی سینا اونٹنی کے غبار میں گم رہا + مولانا روم کے ہاتھ نے اونٹنی پر رکھے ہوئے کجاوہ کا پردہ پکڑ لیا (اس میں جلوہ افروز محبوبہ کو دیکھ لیا) مراد ہے عقل یا حکمت حقیقت کا اندازہ کر سکتی ہے اس کا عرفان نہیں کر سکتا۔ اس کا عرفان صرف عشق کو ہوتا ہے اس شعر میں بو علی سینا کو حکمت کے اور رومی کو عشق کے نمائندہ کے طور پر پیش کر کے عقل و عشق کی طاقت اور رسائی کی بات کی گئی ہے۔

شعر ② (اسی بات کو سمندر اور موتی کی علامات میں یوں بیان کیا ہے کہ) اس نے یعنی مولانا روم نے تو حقیقت کے سمندر میں غوطہ لگایا اور کافی نیچے جا کر موتیوں تک پہنچ گئے + اس نے یعنی بو علی نے تنکے کی طرح بھنور میں منزل اختیار کر رکھی۔ حقیقت کی رسائی کے لئے عشق اور عقل دونوں نے کوشش کی عشق پا گیا عقل محروم رہ گئی۔

شعر ③ حق اگر سوز نہیں رکھتا تو وہ حکمت ہے + جب وہ دل سے سوز حاصل کرتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔ یعنی حقیقت بے سوز فلسفہ اور حقیقت باسوز شعر ہے۔

کرمک شب تاب

(رات کو چمکنے یا چمکانے والا کیڑا یعنی جگنو)

یک ذرۂ بے مایہ متاع نفس اندوخت شوق ایں قدرش سوخت کہ پروانگی آموخت
پہنائے شب افروخت
وا ماندہ شعاعے کہ گرہ خورد ز شرر شد از سوز حیات است کہ کارش ہمہ زر شد
دارائے نظر شد
پروانہ بے تاب کہ ہر سو تگ و پو کرد بر شمع چناں سوخت کہ خود را ہمہ او کرد

ترک من و تو کرد

یا اخترکے ماہ مبینے بکمینے نزدیک تر آمد بتماشائے زمینے

از چرخ برینے

یا ماہ تنک ضو کہ بیک جلوہ تمام است ماہے کہ برو منت خورشید جرام است

آزاد مقام است

اے کرمک شب تاب سراپائے تو نور است پرواز تو یک سلسلہ غیب و حضور است

آئین ظہور است

در تیرہ شباں مشعل مرغان شب استی آں سوز چہ سوز است کہ در تاب و تب استی

گرم طلب استی

مائیم کہ مانند تو از خاک دمیدیم دیدیم تپیدیم، ندیدیم تپیدیم

جائے نرسیدیم!

گوئیم سخن پختہ و پروردہ و تہ دار از منزل گم گشتہ مگو، پائے بہ رہ دار

ایں جلوہ نگہ دار

٭

شعر ① جگنو ایک بے قدر و قیمت ذرہ ہے جس نے سانس کی دولت اکٹھی کی یعنی زندہ ہو گیا + شوق نے اسے اس قدر جلایا کہ اسے پروانگی سکھا دی یعنی پروانوں کی طرح روشنی کا طالب ہو گیا اور اس طرح اس نے اپنے اندر روشنی پیدا کر لی۔

مصرع: رات کی وسعت کو روشن کر دیا۔

شعر ② (یا یوں کہیے کہ جگنو) سورج کی بچی ہوئی ایک کرن تھی جس نے اپنے جسم میں گانٹھ لگا لی یا یہ کہ بل کھا کر گرہ (گانٹھ) کی صورت بن گئی اور اس طرح شرر بن گئی یعنی خود کو سمیٹ کر شرر کی صورت اختیار کر لی + یہ اس کی زندگی کے سوز کی وجہ سے ہے کہ اس کے معاملات زندگی درست ہو گئے یا وہ منور ہو گیا (کار زر شدن سے مراد ہے معاملات کا حسب منشا درست ہونا)۔

مصرع: نظر رکھنے والا بن گیا۔

شعر ③ بے قرار پروانہ جس نے (شمع کی لو کی تلاش میں) ہر طرف دوڑ دھوپ کی + (آخر شمع کے ملنے پر) وہ شمع کی لو میں اس طرح جل گئی کہ خود وہی ہو گیا یعنی شمع ہی بن گیا (کیونکہ وہ بھی شمع کی طرح جل اٹھا) (جگنو نے بھی جب اپنے اندر نظر پیدا کر لی تو اس نے بھی خود کو روشن کر لیا)۔

مصرع: من و تو کی تمیز یا دوئی ختم کر دی یعنی وہ خود آگ اور خود آگ پر قربان ہونے والا بن گیا۔

شعر ④ (پروانہ اور شمع کی مثال کے بعد جگنو کو ایک ستارہ کی مثال سے متعارف کرایا ہے) یا جگنو ایک چھوٹا سا ستارہ ہے جس کی گھات میں روشن چاند لگا ہوا ہے + (اور وہ) اس کے نظارے کے لئے زمین کے نزدیک آ گیا ہے۔

مصرع: پاک آسمان سے۔

شعر ⑤ یا جگنو کم روشنی والا ایسا چاند ہے جو ایک ہی دفعہ جلوہ دکھانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے یا ایک ہی جلوہ میں ماہ تمام بن جاتا ہے + یہ ایک ایسا چاند ہے جس کے لئے سورج کا احسان اٹھانا حرام ہے یعنی جو اپنی روشنی کے لئے سورج کی روشنی کا محتاج نہیں ہے۔

مصرع: مقام سے آزاد ہے۔

شعر ⑥ اے رات کو چمکنے یا چمکانے والے کیڑے تو سرتا سر نور ہے + تیری پرواز غیب و حضور کا ایک سلسلہ ہے (کہ اڑتے وقت کبھی تیری روشنی غائب ہو جاتی ہے اور کبھی ظاہر ہو جاتی ہے)۔

مصرع: ظہور کا آئین ہے یعنی تیری زندگی کا یہی طریقہ ہے۔

شعر ⑦ راتوں کی تاریکی میں تو راتوں کے پرندوں کے لئے مشعل ہے تیرے اندر کا سوز کیسا سوز ہے کہ تو ہر وقت تب و تاب میں رہتا ہے یعنی روشن رہنے یا روشنی دینے کے لئے بیقرار رہتا ہے۔

مصرع: تو ہر وقت طلب یا تلاش میں رہتا ہے۔

شعر ⑧ (اے جگنو) ہم بھی تیری طرح مٹی سے وجود میں آئے ہیں + ہم نے کسی کا جلوہ دیکھا تب بھی تڑپے اور نہ دیکھا تب بھی تڑپے۔

مصرع: ہم کسی منزل پر نہیں پہنچے۔

شعر ⑨ (اے جگنو) میں تجھے ایک پکی تجربہ کی، اور پر معنی بات کہتا ہوں + جو منزل گم ہو گئی ہے اس کی بات نہ کر نئی منزل کے راستہ پر قدم رکھ۔

مصرع: یہ روشنی جو تیرے پاس ہے اس کی حفاظت کر۔

حقیقت

عقاب دور بیں جوئینہ را گفت نگاہم آنچہ می بیند سراب است
جوابش داد آں مرغ حق اندیش تو می بینی و من دانم کہ آب است
صدائے ماہی آمد از تہ بحر کہ چیزے ہست و ہم در پیچ و تاب است

*

شعر ① (آسمان کی بلندی پر اڑتے ہوئے) ایک دور تک دیکھنے والے عقاب نے پانی میں رہنے والے ایک جانور (چڑیا) سے کہا + میری نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ (پانی نہیں) سراب ہے (سراب بظاہر پانی دکھائی دیتا ہے حقیقت میں ریت ہوتی ہے)۔

شعر ② اس حق اندیش (سچ جاننے والے) پرندے نے اس کو جواب دیا + تو دیکھ رہا ہے (اس لئے تیری نظر دھوکا کھا رہی ہے) اور میں جانتا ہوں کہ یہ پانی ہے (کیونکہ میں اس پر تیر رہا ہوں۔ اسے محسوس کرتا ہوں اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں)۔

شعر ③ پانی کی تہ سے مچھلی کی آواز آئی + کہ کوئی چیز ضرور ہے لیکن پیچ و تاب میں ہے یا بل کھا رہی

ہے مراد یہ ہے کہ کسی شے کی حقیقت آدمی کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک وہ خود وہ شے نہ بن جائے۔ ورنہ عقاب، مرغابی اور مچھلی کی طرح ہر کوئی اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے مطابق حقیقت کی توجیہہ و توضیح کرے گا۔ اس لئے حق کی معرفت کے لئے حق بننا ضروری ہے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق کی معرفت کے لئے اپنی معرفت ضروری ہے۔ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔

حدی

نغمہ ساربان حجاز: ملک عرب میں اونٹوں کی نکیل پکڑ کر اونٹ کے آگے آگے چلنے والے شخص کا گیت جس کی مستی میں کہتے ہیں کہ اونٹ سفر کی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا اور محویت کے عالم میں چلتا رہتا ہے۔

پہلا بند

ناقۂ سیار من آہوے تاتار من
درہم و دینار من اندک و بسیار من
دولت بیدار من
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① اے میری حرکت کرنے والی اونٹنی یا تیز رفتار اونٹنی۔
② اے میری ملک تاتار کی ہرنی یعنی ملک تاتار کی ہرنی کی طرح حسین اور تیز رفتار۔
③ اے میرے درہم اور دینار یعنی دولت۔
④ اے میرا تھوڑا یا بہت یعنی میری زندگی کا سرمایہ۔
⑤ اے میری بیدار دولت یعنی میرے معاش اور روزی کا ذریعہ۔

مصرع: ذرا اور تیز چل، ہماری منزل دور نہیں ہے۔

دوسرا بند

دلکش و زیباستی شاہد و رعناستی
روکشِ حوراستی غیرتِ لیلاستی
دخترِ صحراستی
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① تو دلکش اور حسین ہے۔

② تو خوبصورت اور شاداب محبوبہ ہے۔
③ تو جنت کی حور کے مدمقابل ہے۔
④ تو لیلیٰ کی غیرت ہے۔ لیلیٰ سے بھی حسین اور اسے غیرت دلانے والی ہے۔
⑤ تو صحرا کی بیٹی ہے۔

مصرع: ذرا اور تیز چل' ہماری منزل دور نہیں ہے۔

تیسرا بند

در تپش آفتاب غوطہ زنی در سراب
ہم بہ شب ماہتاب تند روی چوں شہاب
چشم تو نادیدہ خواب
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① سورج کی سخت دھوپ اور گرمی میں۔
② تو سراب میں غوطہ لگاتی ہے یعنی صحرا کو طے کرتی ہے۔
③ اور چاندنی رات میں بھی۔
④ آسمان سے ٹوٹنے والے تارے کی طرح تیزی سے چلتی ہے۔
⑤ تیری آنکھ نے نیند نہیں دیکھی۔

مصرع: ذرا اور تیز چل' ہماری منزل دور نہیں ہے۔

چوتھا بند

لکہ ابر رواں کشتی بے بادباں
مثل خضر راہ داں بر تو سبک ہر گراں
لخت دل ساربان
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① اے چلتے ہوئے بادل کے ٹکڑے۔
② اے بادبان کے بغیر کشتی۔
③ اے خضر کی طرح راہ جاننے والی۔
④ تجھ پر ہر بوجھ ہلکا ہے۔
⑤ تو ساربان کے دل کا ٹکڑا ہے۔

مصرع: ذرا اور تیز چل' ہماری منزل دور نہیں ہے۔

پانچواں بند

سوز تو اندر زمام ساز تو اندر خرام
بے خورش و تشنہ کام پا بہ سفر صبح و شام
خستہ شوی از مقام
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① تیرا سوز یا جلن تیری نکیل میں ہے۔ تیری نکیل کا ساربان کے ہاتھ میں ہونا دلیل اس بات کی ہے کہ تو محو سفر ہے اور محنت و مشقت کا مزا لے رہی ہے۔
② تیرا ساز یا تیرا لطف و لذت تیری حرکت یا محو سفر ہونے میں ہے۔ تجھے سفر میں راحت ملتی ہے۔
③ بغیر کھائے پیئے' پیاسے حلق کے ساتھ۔
④ صبح اور شام تیرا قدم سفر میں رہتا ہے۔
⑤ مقام سے یعنی منزل پر ٹھہرنے سے تجھے تکلیف ہوتی ہے۔

مصرع: ذرا اور تیز چل' ہماری منزل دور نہیں ہے۔

چھٹا بند

شام تو اندر یمن صبح تو اندر قرن
ریگ درشت وطن پائے ترا یاسمن
اے چو غزال ختن
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① شام کو تو ملک یمن میں ہوتی ہے۔
② صبح کو تو علاقہ قرن میں ہوتی ہے۔
③ وطن کی سخت یعنی گرم ریت۔
④ تیرے پاؤں کے لئے چنبیلی کے پھول کی طرح ہے۔
⑤ اے کہ تو ملک ختن کے ہرن کی طرح تیز رفتار۔

مصرع: ذرا اور تیز چل' ہماری منزل دور نہیں ہے۔

ساتواں بند

مہ ز سفر پا کشید در پس تل آرمید
صبح ز مشرق دمید جامہ شب بردرید
باد بیاباں وزید
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① چاند نے سفر سے پاؤں کھینچ لیا یعنی تھک گیا۔
② ایک پہاڑ کے ٹیلے کے پیچھے آرام کرنے لگا۔
③ صبح مشرق سے نکل آئی۔
④ رات کا لباس پھٹ گیا۔
⑤ بیابان کی ہوا چلی۔

مصرع: ذرا اور تیز چل، ہماری منزل دور نہیں ہے۔

آٹھواں بند

نغمہ من دلکشا زیر و بمش جانفزا
قافلہ ہا را درا فتنہ ربا فتنہ زا
اے بہ حرم چہرہ سا
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

*

① میرا گیت دلکشا ہے۔
② اس کا اتار چڑھاؤ جاں فزا ہے۔
③ قافلوں کے لئے گھنٹی ہے یا کوچ کا پیغام ہے۔
④ یہ فتنہ اچک کر لے جانے اور فتنہ پیدا کرنے والا ہے۔
⑤ اے کعبہ پر چہرہ گھسانے والی۔ پیشانی رکھنے والی ہے یعنی تو اس علاقہ میں محو سفر رہتی ہے جس میں اللہ کا گھر ہے۔

مصرع: ذرا اور تیز چل، ہماری منزل دور نہیں ہے۔

قطرۂ آب

پانی کا قطرہ

مرا معنی تازہ مدعاست　　اگر گفتہ را باز گویم رواست
"یکے قطرۂ باراں ز ابرے چکید　　خجل شد چو پہنائے دریا بدید!
کہ جائے کہ دریاست من کیستم　　گر او ہست حقا کہ من نیستم"
ولیکن ز دریا برآمد خروش　　ز شرم تنک مایگی رو مپوش
تماشائے شام و سحر دیدۂ　　چمن دیدہ' وشت و در دیدۂ
برگ گیاہے' بدوش سحاب　　درخشیدی از پرتو آفتاب
گہے ہمدم تشنہ کاماں راغ　　گہے محرم سینہ چاکان باغ!
گہے خفتہ در تاک و طاقت گداز　　گہے خفتہ در خاک و بے سوز و ساز
ز موج سبک سیر ما زادۂ　　ز من زادۂ در من افتادۂ!
بیاسائے در خلوت سینہ ام　　چو جوہر درخشں اندر آئینہ ام
گہر شو در آغوش قلزم بزی　　فروزاں تر از ماہ و انجم بزی

*

شعر ① میرا مدعا نئے معنی پیدا کرنا ہے + اگر میں کہے ہوئے کو دوبارہ کہوں تو روا ہے (شاعر نے یہ اس لئے کہا کہ اس نے بوستان مصنفہ شیخ سعدی "کی ایک کہانی کو دہرایا ہے۔ اگلے اشعار اسی کہانی کا مضمون لئے ہوئے ہیں لیکن ایک نئے انداز اور انجام کے ساتھ)۔

شعر ② بارش کا ایک قطرہ ایک بادل سے نیچے (دریا میں) گرا + جب اس نے (اپنے مقابلے میں) دریا کی وسعت کو دیکھا تو بہت شرمندہ ہوا۔

شعر ③ کہ جہاں دریا ہے میں کون ہوں + خدا کی قسم یا حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ہے تو میں نہیں ہوں۔

شعر ④ لیکن دریا میں سے شور اٹھا (آواز آئی) + اپنی کم قیمتی پر (شرم محسوس کرتے ہوئے) منہ مت چھپا۔

شعر ⑤ تو نے صبح اور شام کا نظارہ کیا ہے + تو نے چمن دیکھا ہے تو نے بیابان اور بستی دیکھی ہے۔

شعر ⑥ گھاس کے پتے پر' بادل کے کاندھے پر + تو سورج کی دھوپ کی وجہ سے چمکا ہے۔

شعر ⑦ کبھی تو سبزہ زار کے پیاسے حلق والوں کا ہمدم (دوست) ہوتا ہے اور کبھی تو باغ کے سینہ چاکوں (پھولوں) کا محرم ہوتا ہے۔

شعر ⑧ کبھی تو انگور کی بیل میں سویا ہوا یا چھپا ہوا ہوتا ہے اور طاقت کو زائل کرنے والا ہوتا ہے (کیونکہ انگور کی بیل سے نکلنے والے انگور سے جو شراب بنتی ہے وہ عقل کو زائل کرتی ہے + کبھی تو خاک پر

سویا ہوا یا گرا ہوا ہوتا ہے اور اس طرح تو بے سوز و ساز یعنی حرارت اور لذت کے بغیر ہوتا ہے۔

شعر ⑨ تو میری نرم رفتار موج سے پیدا ہوا ہے + تو مجھ سے پیدا ہوا ہے اور (پھر) مجھ میں ہی گرا ہے (مجھ سے ہی بھاپ بن کر اڑا ہے اور بادل کی شکل میں برس کر مجھ سے ہی مل گیا ہے)۔

شعر ⑩ میرے سینے کی خلوت میں آرام کر + میرے آئینے (صاف اور شفاف پانی) میں جوہر کی طرح چمک۔

شعر (11): موتی بن اور سمندر کے پہلو میں زندگی گزار + (اس طرح) ستاروں اور چاند سے زیادہ روشن زندگی گزار۔

محاورہ مابین خدا و انسان

(خدا اور انسان کے درمیان مکالمہ یا گفتگو)

خدا

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم! تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہال چمن را قفس ساختی طائر نغمہ زن را

*

شعر ① میں نے تو جہان کو ایک ہی پانی اور مٹی سے پید کیا تھا + (لیکن) تو نے اس میں سے ایران، توران، اور حبش کے ملک پیدا کر لئے۔ (اسے رنگ و نسل کا امتیاز دے دیا)۔

شعر ② میں نے تو خاک سے خالص لوہا پیدا کیا تھا + تو نے اس سے تلوار، تیر اور توپ (کی قسم کے ہتھیار) پیدا کر لئے۔

شعر ③ تو نے اس سے باغ کا پودہ (کو کاٹنے کے لئے) کلہاڑا بنا لیا + تو نے گانے والے پرندے کے لئے (اس سے) پنجرہ بنا لیا مراد ہے وہ میں نے تو آسائش اور امن، اتفاق اور بھائی چارہ کے سامان پیدا کئے تھے تو نے اس سے فساد، فتنہ، جنگ، تکلیف اور تقسیم کے سامان پیدا کر لئے۔ اس دنیائے کون و فساد میں جو خرابی ہے وہ تیری وجہ سے ہے۔

انسان

تو شب آفریدی چراغ آفریدم سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم　　من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

*

شعر ① تونے رات پیدا کی میں نے (اس کو روشن رکھنے کے لئے) چراغ پیدا کر لیا + تونے مٹی پیدا کی میں نے اس مٹی سے پیالہ بنالیا۔

شعر ② تونے بیابان، پہاڑ اور وادی یا میدان پیدا کئے + میں نے ان میں کیاری، گلزار اور باغ پیدا کئے۔

شعر ③ میں وہ ہوں کہ پتھر سے آئینہ بناتا ہوں + میں وہ ہوں کہ زہر سے شیریں شربت تیار کرتا ہوں مراد یہ ہے کہ میں مانتا ہوں کہ مجھ میں کچھ عیب ہیں لیکن میرے ثواب یعنی اچھی باتیں اور پہلو بھی تو دیکھ۔ میں نہ ہوتا تو کائنات بے رونق رہتی۔

ساقی نامہ

(در نشاط باغ کشمیر نوشتہ شد)

(وادی کشمیر کے باغ بنام نشاط باغ میں لکھی گئی)

خوشا روزگارے، خوشا نو بہارے　　نجوم پرن رست از مرغزارے
زمین از بہاراں چو بال تذروے　　ز فوارہ الماس بار آبشارے
نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گل　　نہ غلطد ہوا جز کہ بر سبزہ زارے
لب جو خود آرائی غنچہ دیدی؟　　چہ زیبا نگارے، چہ آئینہ دارے
چہ شیریں نوائے، چہ دلکش صدائے　　کہ می آید از خلوت شاخسارے
بہ تن جاں، بہ جاں آرزو زندہ گردد　　ز آواز سارے، ز بانگ ہزارے
نوا ہائے مرغ بلند آشیانے　　در آمیخت با نغمہ، جوئبارے
تو گوئی کہ یزداں بہشت بریں را　　نہاد است در دامن کوہسارے
کہ تا رحمتش آدمی زادگاں را!　　رہا سازد از محنت انتظارے
چہ خواہم دریں گلستاں گر نہ خواہم　　شرابے، کتابے، ربابے، نگارے
سرت گردم اے ساقی ماہ سیما　　بیار از نیاگان ما یادگارے
بہ ساغر فرو ریز آبے کہ جاں را　　فروزد چو نورے، بسوزد چو نارے
شقایق برویاں ز خاک نژندم!　　بہشتے فرو چیں بہ مشت غبارے
نہ بینی کہ از کاشغر تا بہ کاشاں　　ہماں یک نوا بالد از ہر دیارے
ز چشم امم ریخت آں اشک نابے　　کہ تاثیر او گل دماند ز خارے
کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ　　بتے می تراشد ز سنگ مزارے

ضمیرش تہی از خیال بلندے خودی ناشناسے، ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او! نصیب تنش جامہ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے نہ در سینۂ او دل بیقرارے
ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری کہ خاکسترش آفریند شرارے

•اہل خطہ کشمیر کو کشیری بھی کہتے ہیں۔

*

شعر ① کتنا سہانا ہے موسم، کتنی اچھی ہے نئی بہار + (جب ہم کسی سبزہ زار پر نظر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) کہ سبزہ زار سے پروین کے خوشے نکل آئے ہیں مراد ہے کہ جگہ جگہ پروین کے ستاروں جیسے چمکدار پھول لہلہا رہے ہیں۔

شعر ② زمین بہار کی وجہ سے چکور کے پروں جیسی (رنگ برنگ اور خوش نما) ہے فواروں سے آبشار کا جو پانی نکل رہا ہے وہ الماس بار ہے معلوم ہوتا ہے ہیروں کی بارش ہو رہی ہے۔

شعر ③ جس طرف نظر جاتی ہے سوائے لالہ اور گلاب کے پھولوں میں الجھنے کے اسے کوئی کام نہیں۔ ہوا جس طرف جاتی ہے اسے بھی سبزہ زار کے سبزہ سے لپٹنے کے سوا اور کوئی خیال نہیں مراد ہے ہر طرف سبزہ اور پھول ہی پھول ہیں۔

شعر ④ کیا تو نے نہر کے کنارے کلی کو اپنے بناؤ سنوارنے کے عمل میں مصروف دیکھا + یہ کیا ہی خوبصورت محبوب ہے اور کیسا ہی خوبصورت اپنے سامنے (پانی کا) آئینہ رکھنے والی ہے۔ (مراد ہے کلی تیرتی یعنی چہرہ افروزی (زیب آب ہیں کلی پھول بنتی ہے)

شعر ⑤ کیسی میٹھی آواز، کیسی دلکش صدا (ہے) + کہ جو درخت کی شاخوں کی تنہائی میں سے آ رہی ہے (یعنی پرندوں کی آوازیں آ رہی ہیں)

شعر ⑥ جسم میں جان اور جان میں آرزو زندہ ہو جاتی ہے ہمارا ترنم پرندہ کی آواز اور بلبل کی صدا ہے۔

شعر ⑦ بلندی پر آشیانہ بنانے والے پرندوں کی آوازیں + نہر کے پانی کے نغموں میں شامل ہو رہی ہیں۔

شعر ⑧ تو کہے گا کہ خدا نے بہشت بریں کو + پہاڑوں کے سلسلے کے دامن میں لا کر رکھ دیا ہے۔

شعر ⑨ تاکہ اس کی رحمت آدمی کو + جنت کے انتظار کی تکلیف سے رہائی دے (وہ زمین پر ہی اس کی سیر کر لے)۔

شعر ⑩ اس گلستان میں اگر میں یہ نہ چاہوں تو اور کیا چاہوں + شراب ہو کتاب ہو، رباب ہو اور محبوب ہو (کتاب سے مراد عشقیہ شاعری یعنی غزل اور رباب سے مراد موسیقی ہے)۔

شعر (11): اے چاند کے ماتھے والے ساقی، میں تیرے قربان جاؤں + ہمارے بزرگوں سے کوئی یادگار لا (ہمیں ان کی یاد دلا ایسی پلا کہ اسلاف کی آزاد زندگی سامنے آ جائے)۔

شعر (12): پیالے میں وہ شراب انڈیل جو جان کو + نور کی طرح چمکائے اور آگ کی طرح جلائے۔

شعر(13): میری خوار مٹی سے لالہ کے پھول اگا + (اس) غبار کی مٹھی سے بہشت چمن ۔ مراد ہے کہ آج کشمیری قوم جو غبار کی طرح پریشان اور مٹی کی طرح ذلیل و خوار ہے اس میں سے قوم پر قربان ہونے والے اور قوم کو سرفراز کرنے والے لوگ پیدا کر جو اس برباد مٹی کو گلستان میں تبدیل کر دیں اور ڈوگرہ حکمرانوں کے ظلم سے مسلمانوں کو نجات دلائیں ۔

شعر(14): کیا تو نہیں دیکھتا کہ (ترکستان کے شہر) کاشغر سے لے کر (ایران کے شہر) کاشان تک + ہر شہر سے وہی ایک آواز اٹھ رہی ہے (یعنی مسلمان قوم کی ذلت و خواری کی اور اس سے نجات حاصل کرنے کے طور طریقوں کی)۔

شعر(15): (ہم نے دیکھا ہے کہ) قوموں کی آنکھ سے (اپنی ذلت و خواری کے احساس اور آرزوئے نجات میں) ایسے خلوص بھرے آنسو گرے ہیں + کہ اس کی تاثیر نے کانٹوں سے گلاب کے پھول پیدا کر دیئے ہیں (ذلت کے خارزار سے نجات کی خواہش ہو تو عزت کا گلستان پیدا ہو ہی جاتا ہے)۔

شعر(16): کشمیر کا رہنے والا ' جس نے غلامی میں زندگی بسر کرنے کو اپنی عادت بنا لیا ہے + کسی مزار کے پتھر کو بھی (اس عادت کی وجہ سے) بت بنا کر اس کے آگے سرنگوں ہو جاتا ہے (وہ غلامی کی عادت میں پختہ ہو گیا ہے)۔

شعر(17): اس کا دل بلند خیال سے خالی ہے + خودی (اپنی معرفت) سے وہ نا آشنا ہے اور اس بنا پر اس کا وجود اس کے لئے باعث شرم ہے ۔

شعر(18): اس کے آقاؤں اور حکمرانوں کا لباس اس کی محنت کی وجہ سے ریشم کا ہے + (اور) اس کے اپنے جسم کے نصیب میں پھٹا ہوا کپڑا ہے۔

شعر(19): نہ اس کی آنکھ میں نگاہ کی روشنی ہے + (اور) نہ اسکے سینے میں بیقرار دل ہے (دو صدیوں کی غلامی نے انہیں ہر طرح سے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ایسے حالات پیدا کر رکھے ہیں کہ وہ ان حالات سے نکلنے کی آرزو تک نہیں کر رہا)۔

شعر(20): (اے ساقی) اس شراب کا قطرہ کشمیری کے دل پر گرا + کہ اس کی مٹی سے شرارے پیدا ہو جائیں (انہیں غلامی اور ذلت کا احساس دلا کر انہیں آزادی اور حریت کے جذبے سے سرشار کر دے)۔

شاہین و ماہی

شاہین اور مچھلی

ماہی بچہ شوخ بہ شاہین بچہ گفت — ایں سلسلہ موج کہ بینی ہمہ دریاست

دارائے نہنگان خروشندہ تر از میغ — در سینہ او دیدہ و نادیدہ بلا ہاست

با سیل گراں سنگ و زمین گیر و سبک خیز — با گوہر تابندہ و با لولوے لالاست

بیروں نتواں رفت ز سیل ہمہ گیرش — بالائے سر ماست ، تہ پاست ، ہمہ جاست

هر لحظہ جواں است و رواں است و دواں است — از گردش ایام نہ افزوں شد و نے کاست
ماہی بچہ را سوز سخن چہرہ افروخت — شاہین بچہ خندید و ز ساحل بہ ہوا خاست
زد بانگ کہ شاہینم و کارم بہ زمیں چیست — صحراست کہ دریاست تہ بال و پر ماست
بگذر ز سر آب و بہ پہنائے ہوا ساز — ایں نکتہ نہ بیند مگر آں دیدہ کہ بیناست

*

شعر ① مچھلی کے بچے نے شاہین کے بچے کو کہا + کہ یہ موجوں کا سلسلہ جو تو دیکھ رہا ہے سب دریا ہے۔

شعر ② یہ بادلوں کی گرج سے زیادہ شور مچانے والے مگر مچھ رکھتا ہے + اس کے سینے میں دیکھی اور ان دیکھی بہت سی بلائیں ہیں یعنی آفتیں ہیں۔

شعر ③ یہ اپنے اندر بھاری پتھروں کو بہالے جانے والے، زمین پر پھیل جانے والے اور آسانی سے اٹھنے والے سیلاب رکھتا ہے + یہ اپنے اندر چمکتے ہوئے موتی اور گوہر رکھتا ہے۔

شعر ④ اس کے ہر شے پر محیط سیلاب سے باہر نہیں نکلا جا سکتا + وہ ہمارے سر پر ہمارے پاؤں کے نیچے اور ہر جگہ ہے۔

شعر ⑤ وہ ہر لحظہ جوان ہے، بہہ رہا ہے اور دوڑ رہا ہے + زمانے کی گردش کی وجہ سے نہ وہ (عمر میں) زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم (نہ بوڑھا ہوتا ہے نہ ختم ہوتا ہے)۔

شعر ⑥ ان باتوں کی حرارت نے مچھلی کے بچے کے چہرہ کو تابناک بنا دیا (روشن کر دیا) (لیکن ساری باتیں سن کر اور ماہی بچہ کی رونق چہرہ کو دیکھ کر) شاہین کا بچہ ہنسا اور ساحل سے ہوا میں اڑ گیا۔

شعر ⑦ اس نے صدا لگائی کہ میں شاہین ہوں میرا زمین سے کیا کام + صحرا ہو کہ دریا ہو میرے بازوؤں اور پروں کے نیچے ہے۔

شعر ⑧ پانی کی سطح سے بلند ہو اور ہوا کی وسعت سے موافقت پیدا کر + یہ باریک بات یا رمزکی بات کوئی نہیں دیکھ سکتا یعنی نہیں پا سکتا مگر وہ آنکھ کہ جو دیکھنے والی نگاہ (نگاہ عرفان و مشاہدہ) رکھتی ہو۔

کرمک شب تاب

(رات کو چمکنے یا چمکانے والا کیڑا مراد جگنو)

شنیدم کرمک شب تاب می گفت — نہ آں مورم کہ کس نالد ز نیشم
تواں بے منت بیگانگاں سوخت — نہ پنداری کہ من پروانہ کیشم
اگر شب تیرہ تر از چشم آہوست — خود افروزم چراغ راہ خویشم

*

شعر ① میں نے سنا ہے کہ جگنو کہہ رہا تھا کہ + میں وہ چیونٹی یا کیڑا نہیں ہوں کہ کوئی میرے نیش

(ڈنگ یا زہر) سے روئے یا تکلیف پائے۔

شعر ② دوسروں کے احسان کے بغیر جیا جا سکتا ہے + یہ نہ سمجھ کہ میں پروانہ کا مذہب رکھتا ہوں (جس کا جلنا شمع کی لو پر موقوف ہے)۔

شعر ③ اگر رات ہرن کی آنکھ سے بھی زیادہ کالی ہو + میں اپنے راستہ کا چراغ خود جلاتا ہوں (کسی سے روشنی کی بھیک نہیں مانگتا)۔

تنہائی

پہلا بند

بہ بحر رفتم و گفتم بہ موج بیتابے ہمیشہ در طلب استی چہ مشکلے داری؟
ہزار لولوئے لالاست در گریبانت درون سینہ چو من گوہر دلے داری
تپید از لب ساحل رمید و ہیچ نگفت ۔

✱

شعر ① میں سمندر کی طرف گیا اور بل کھاتی ہوئی (بیقرار) لہر سے کہا (پوچھا) + تو ہمیشہ طلب میں رہتی ہے (آخر) تو کیا مشکل رکھتی ہے (موج کو بے قراری کی حالت میں رواں دواں دیکھ کر شاعر نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ کسی کی طلب میں بے چین ہے)۔

شعر ② تیرے گریبان میں ہزاروں چمک دار موتی ہیں + کیا تو اپنے سینے میں میرے دل جیسا گوہر بھی رکھتی ہے۔

مصرع: وہ تڑپی' ساحل کے کنارے سے چلی گئی اور اس نے کچھ نہ کہا۔

دوسرا بند

بکوہ رفتم و پرسیدم ایں چہ بیدردی است رسد بگوش تو آہ و فغان غم زدۂ؟
اگر بہ سنگ تو لعلے ز قطرۂ خون است یکے درآ بہ سخن با من ستم زدۂ
بخود خزید و نفس در کشید و ہیچ نگفت

✱

شعر ① میں پہاڑ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ یہ تیری کیسی بے دردی ہے + کبھی تیرے کانوں تک کسی غم زدہ کی فریاد اور آہ بھی پہنچتی ہے؟

شعر ② اگر تیرے پتھر میں خون کے قطرہ کا کوئی لعل ہے (یعنی میری طرح کا دل تیرے اندر بھی ہے) + ایک بار مجھ ستم زدہ کے ساتھ بھی کوئی بات کر۔

مصرع: وہ اپنے آپ میں چھپ گیا یعنی چپ چاپ رہا اس نے سانس کھینچ لیا یا گو کہ منہ چھپایا اور کچھ نہ کہا۔

تیسرا بند

رہ دراز بریدم ز ماہ پرسیدم سفر نصیب! نصیب تو منزلے است کہ نیست؟
جہاں ز پرتو سیمائے تو سمن زارے فروغ داغ تو از جلوۂ دلے است کہ نیست؟
سوئے ستارہ رقیبانہ دید و ہیچ نگفت

*

شعر ① میں نے لمبا سفر اختیار کیا (اور) چاند سے پوچھا + اے وہ جس کے نصیب میں سفر ہی سفر ہے تیری قسمت میں کوئی منزل بھی ہے یا نہیں ہے۔

شعر ② جہان تیری چاندنی سے (چاندی جیسے پرتو سے) ایک سمن زار بنا ہوا (یعنی سمن کے پھولوں کی کیاری لگتا ہے) + تیرے اندر جو داغ ہے کیا اس کی چمک کسی دل کی وجہ سے ہے یا نہیں ہے۔

مصرع: اس نے ستارے کی طرف ایسے دیکھا جیسے کوئی رقیب کو دیکھتا ہو اور کچھ نہ کہا۔

چوتھا بند

شدم بحضوت یزداں گذشتم از مہ و مہر کہ در جہان تو یک ذرہ آشنایم نیست
جہاں تہی ز دل و مشت خاک من ہمہ دل چمن خوش است ولے در خور نوایم نیست
تبسمے بہ لب اورسید و ہیچ نگفت

*

شعر ① میں سورج اور چاند سے گزر کر (آنسوئے افلاک) خدا کے حضور پہنچا اور (اس سے کہا) + کہ تیرے جہان میں ایک ذرہ بھی میرا آشنا نہیں ہے۔

شعر ② جہان دل سے خالی ہے اور میں تمام کا تمام دل ہوں (سراپا عشق ہوں) یہ (دنیا کا) چمن اچھا ہے لیکن میری نوا کے لائق نہیں۔ مراد ہے یہاں میرا کوئی ہم زباں یا رازدار نہیں۔

مصرع: اس کے لب پر مسکراہٹ پھیلی اور اس نے کچھ نہ کہا (مسکراہٹ میں یہ رمز ہے کہ وہ خالق کائنات یہ جانتا تھا کہ میں نے آدمی کے سینہ کے علاوہ دل کسی اور میں پیدا نہیں کیا۔ انسان کے سوا ہر مخلوق جذبہ عشق سے خالی ہے)۔

شبنم

پہلا بند

گفتند فرود آئے ز اوج مہ و پرویز برخود زن و با بحر پرآشوب بیامیز
با موج بیاویز نقش دگر انگیز
تابندہ گہر خیز

*

شعر ① (قضاو قدر کے کارکنوں نے) شبنم سے کہا کہ تو مہ وماہی کی بلندی سے نیچے آ (پرویز ایک برج فلکی کا نام ہے جو مچھلی کی شکل کا ہے) مراد ہے تو چاند اور برج ماہی سے نیچے اتر (زمین پر آ) + اپنی خودی کو مستحکم کر اور طوفان والے سمندر میں مل" (پرویز کے معنی چھلنی کے بھی ہیں اور فارسی میں یہ استعارہ آسمان کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے "چاند اور آسمان کی بلندی سے اتر" احمد سروش نے اقبال کا فارسی کلام جو ایران سے شائع ہوا اس میں پرویز کی جگہ پروین ہے اس صورت میں معنی ہوں "چاند اور ثریا کی بلندی سے اتر")

① موج سے لپٹ۔ ② کوئی اور نقش ابھار۔ ③ چمک دار موتی بن کر ابھر۔

دوسرا بند

من عیش ہم آغوشی دریا نہ خریدم آں بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم
از خود نہ رمیدم ز آفاق بریدم
بر لالہ چکیدم

*

شعر ① (شبنم بولی) میں دریا سے ہم آغوشی کی عیش نہیں خریدوں گی + وہ شراب جو مجھے اپنے آپ سے لوٹ لے (غافل کر دے) نہیں پیوں گی مُراد ہے کہ سمندر کے پانی میں مل کر میری اپنی انفرادیت اور شناخت ختم ہو جائے گی۔

① میں خود سے دور نہیں ہوئی۔
② میں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا۔
③ میں لالہ کے پھول پر ٹپک پڑی۔

تیسرا بند

گل گفت کہ ہنگامہ مرغان سحر چیست؟ ایں انجمن آراستہ بالائے شجر چیست؟
ایں زر و زر صت؟ پایان نظر چیست

خار گل تر چیست

*

شعر ① (یہ کہہ کر شبنم لالہ کے پھول کی پتی پر قطرہ کی صورت میں آگئی اس پر) پھول نے اس سے پوچھا کہ باغ میں پرندے جو شور مچا رہے ہیں یہ کیا ہے + (اور) درخت کے اوپر جو (انہوں نے) انجمن آراستہ کی ہوئی ہے وہ کیا ہے۔

① یہ اوج اور پنج کیا ہے۔

② نظر کی انتہا کیا ہے۔

③ شاداب پھول کے ساتھ کانٹا کیا ہے۔

چوتھا بند

تو کیستی و من کیستم ایں صحبت ما چیست؟ بر شاخ من ایں طائرک نغمہ سرا چیست؟

مقصود نوا چیست؟ مطلوب صبا چیست؟

ایں کہنہ سرا چیست؟

*

شعر ① تو کون ہے میں کون ہوں یہ ہماری صحبت کیا ہے + میری شاخ پر یہ نغمہ الاپنے والا پرندہ کون ہے یا کیا ہے۔

① اس کی صدا کا مقصود کیا ہے۔

② صبا کا مطلوب کیا ہے۔

③ یہ پرانی سرا یعنی دنیا کا گھر کیا ہے۔

پانچواں بند

گفتم کہ چمن رزم حیات ہمہ جائی است بزمے است کہ شیرازۂ او ذوق جدائی است

دم؟ گرم نوائی است جاں؟ چہرہ کشائی است

ایں راز خدائی است

*

شعر ① (شبنم کہتی ہے کہ میں نے جواب دیا) کہ چمن ہر قسم کی جنگ زندگی کی جگہ ہے مراد ہے دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہر قسم کی کشمکش ہو رہی ہے + یہ ایک ایسی انجمن ہے کہ جس کا شیرازہ جدائی کے ذوق کی وجہ سے بندھا ہوا ہے یعنی یہاں کوئی شے بھی مستقل قیام نہیں رکھتی جو کچھ موجود ہے اسے ایک نہ ایک وقت پر ختم ہونا ہے۔

① دم یعنی زندگی کیا ہے یہ گرم نوائی کا نام ہے نالہ، فریاد، سوز و ساز اور تب و تاب کا نام ہے۔

② جان یا روح کیا ہے۔ یہ چہرہ کشائی کا نام ہے یعنی خالق کائنات کی جلوہ گری یا ظہور کا نام ہے۔
③ حقیقت میں یہ خدا کا راز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ روح میرا امر ہے۔ جسے میں نے جسم آدم میں پھونکا ہے۔

چھٹا بند

من از فلک افتادہ تو از خاک دمیدی   از ذوق نمود است دمیدی کہ چکیدی
در شاخ تپیدی صد پردہ دریدی
بر خویش رسیدی

✻

شعر ① میں آسمان سے گری تو مٹی سے اگا + تیرا اگنا ہو یا ٹپکنا ہو ظہور کرنے کی لذت کی بنا پر ہے (ہمیں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی خواہش نے وجود عطا کیا ہے)۔
① تو وجود میں آنے سے پہلے شاخ میں تڑپا۔
② تو نے سینکڑوں پردے پھاڑے۔
③ تب جا کر خود تک پہنچا۔ اپنا وجود قائم کیا اور پھول بنا۔

ساتواں بند

نم در رگ ایام ز اشک سحر ما است   ایں زیر و زبر چیست؟ فریب نظر ما است
انجم بہ بر ماست لخت جگر ماست
نور بصر ماست

✻

شعر ① زمانہ کی رگ میں جو نم ہے وہ ہماری صبح کے آنسوؤں کی وجہ سے ہے مراد ہے دنیا کی رونق اور ہنگامہ اشک سحرگاہی (غم عشق) کی وجہ سے ہے + دنیا میں یہ جو پستی اور بلندی ہے یعنی مختلف قسم کے امتیازات ہیں یہ کیا ہیں۔ صرف ہماری نظر کا دھوکا ہے ورنہ ہر پستی و بلندی میں ایک ہی حقیقت کی جلوہ گری ہے۔
① ستارہ ہمارے پہلو میں ہے۔
② ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔
③ ہماری نظر کا نور ہے۔
یعنی ستارہ' ہمارا جگر' ہماری نظر کا نور وغیرہ سب ایک ہی نور کی جلوہ گری لئے ہوئے ہیں کثرت ہماری نگاہ کا دھوکا ہے ہر جگہ وحدت کی کار فرمائی ہے۔

آٹھواں بند

در پیرہن شاہد گل سوزن خار است خار است ولیکن ز ندیمان نگار است
از عشق نزار است در پہلوئے یار است
ایں ہم ز بہار است

*

شعر ① محبوب گلاب کے پھول کے کرتہ میں کانٹے کی سوئی چھپی ہوئی ہے + خار اگرچہ خار ہے لیکن محبوب پھول کے ہم نشینوں اور ساتھیوں میں سے ہے۔

① کانٹا پھول کے عشق میں کمزور ہو گیا ہے یا سوکھ گیا ہے۔

② وہ اپنے یار کے پہلو میں ہے۔

③ پھول کی طرح یہ بھی بہار سے ہے مراد ہے پھول اور کانٹا ایک ہی بہار کے دو خارجی مظہر ہیں۔ دوئی ہماری نظر اور فکر کا قصور ہے۔ دونوں میں ایک ہی حقیقت کارفرما ہے۔

نواں بند

بر خیز و دل از صحبت دیرینہ بہ پرداز با لالہ خورشید جہاں تاب نظر باز
با اہل نظر ساز چوں من بفلک تاز
داری سر پرواز؟

*

شعر ① (آخر میں شبنم لالہ کے پھول سے کہتی ہے) اٹھ اور پرانی صحبت سے دل اٹھا (دل کو ہم نشینوں سے خالی کر دے) + (اور) جہان کو روشن کرنے والے سورج کے لالہ پر نظر دوڑا۔ شبنم یہ کہنا چاہتی ہے کہ تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی لالہ ہے وہ جس نے تجھے لالہ بنایا ہے اس کی تلاش کر۔ اسے دیکھ۔ وہ ایسا سورج ہے جس کی چمک ہر شے میں ہے۔

① اس راز کو پانے کے لئے نظر والوں کی صحبت اختیار کر۔

② میری طرح آسمان پر دوڑ۔ بلندی پر آ پستی کو چھوڑ۔

③ کیا تو اڑان کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر رکھتا ہے تو باغ کے لوازمات کو چھوڑ آسمان کی سیر کر عالم ناسوت سے گزر عالم لاہوت میں آ تاکہ تجھ پر اپنی اور اپنے خالق کی حقیقت منکشف ہو سکے۔

عشق

عُرم چو بہ جستجو قدم زد در دیر شد و در حرم زد
در دشت طلب بسے دویدم دامن چوں گرد بنو چیدم

پویاں بے خضر سوئے منزل بر دوش خیال بستہ محمل
جویائے مے و شکستہ جامے چوں صبح بہ باد چیدہ دامے
پیچیدہ بخود چو موج دریا آوارہ چو گردباد صحرا
عشق تو دلم ربود ناگاہ از کار گرہ کشود ناگاہ!
آگاہ ز ہستی و عدم ساخت بتخانہ عقل را حرم ساخت
چوں برق بخرمنم گذر کرد از لذت سوختن خبر کرد
سرمست شدم ز پا فتادم چوں عکس ز خود جدا فتادم
خاکم بفراز عرش بردی زاں راز کہ با دلم سپردی
واصل بکنار کشتیم شد طوفان جمال زشتیم شد
جز عشق حکایتے ندارم پروائے ملامتے ندارم
از جلوۂ علم بے نیازم سوزم، گریم، تپم، گدازم

*

شعر ① جب میری فکر نے جستجو (کے میدان) میں قدم رکھا + وہ منزل میں گئی اور اس نے کعبہ کے دروازے پر دستک دی۔

شعر ② میں طلب کے بیابان میں بہت دوڑا + (اور) بگولے کی طرح چکر کھاتا رہا (کہیں نہ پہنچا) (ڈان چیدن کے معنی علیحدہ ہونا بھی ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں بگولے کی طرح سب سے الگ ہو کر جستجو کرتا رہا۔

شعر ③ بغیر خضر کے (راہبر کے) منزل کی طرف دوڑتا رہا + (اور) خیال کے کاندھے (مراد پیٹھ) پر کجاوہ باندھے ہوئے چلتا رہا مراد ہے اپنے خیال کے مطابق سفر کرتا رہا۔

شعر ④ میں شراب کی تلاش کرتا رہا اور (حالانکہ) پیالہ میرا ٹوٹا ہوا تھا + میں لاحاصل کوشش کرتا رہا (صبح بباد چیدہ دامے کنایہ ہے سعی لاحاصل کرنا)

شعر ⑤ میں دریا کی موج کی طرح اپنے اندر غلطاں رہا + اور صحرا کے بگولے کی طرح آوارہ رہا۔

شعر ⑥ اچانک تیرے عشق نے میرے دل کو لوٹ لیا + (اور) میرے کام کی گرہ کھول دی (یکایک میری مشکل حل کر دی)۔

شعر ⑦ (عشق نے) مجھے ہستی و نیستی کے راز سے آگاہ کر دیا + (اور) میری عقل کے بتخانہ کو کعبہ بنا دیا یعنی بھٹکی ہوئی عقل کو راہ راست دکھا دی۔

شعر ⑧ عشق میری زندگی کے کھلیان (اناج کا ڈھیر۔ خرمن) پر سے بجلی کی طرح گزرا (اسے جلا کر راکھ کر دیا) + اس طرح اس نے مجھے جلنے کی لذت سے آگاہ کر دیا۔

شعر ⑨ میں مست ہو گیا اور لڑکھڑانے لگا (یا عالم مدہوشی میں چلا گیا) + جس طرح عکس کسی شے سے جدا ہوتا ہے۔ میں خود سے جدا ہو گیا۔ (جس طرح آئینہ کے اندر کسی شخص کا عکس اس شخص سے الگ

ہوتا ہے لیکن شخص بھی موجود ہوتا ہے اس طرح میرا وجود اپنی جگہ موجود ہونے کے باوجود اپنا نہ رہا محبوب کا ہو گیا) اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ عشق نے مجھے ماسوئی سے بیگانہ کر دیا۔

شعر ⑩ (اے عشق) تو میری خاک کو عرش پر لے گیا + اس راز کی بدولت جو تو نے میرے سپرد کیا یعنی مجھ پر کھولا۔ مراد ہے کہ اس راز کی بدولت میں عالم ناسوت سے عالم لاہوت میں چلا گیا۔

شعر (11): (اس راز کے کھلنے پر) میری زندگی کی کشتی کنارے پر لگ گئی + میری بدی یا بدصورتی خوبصورتی کا طوفان بن گئی (مجھ سے ہر عیب دور ہو گیا اور میں سراپا جمال بن گیا)۔

شعر (12): (اب) سوائے عشق کے میں کوئی کمائی نہیں رکھتا (میں نے عشق کو اپنا مسلک بنا لیا ہے) + (اب) مجھے کسی کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں۔

شعر (13): (اب) علم کے جلوے سے میں بے نیاز ہوں + (اب تو) میں جلتا ہوں' روتا ہوں تڑپتا ہوں اور گداز ہو رہا ہوں۔

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

(اگر تو زندگی چاہتا ہے تو خطرے میں جی)

غزالے با غزالے درد دل گفت ازیں پس در حرم گیرم کنامے
بصحرا صید بنداں در کمیں اند بکام آہواں صبحے نہ شامے
اماں از فتنہ صیاد خواہم دلے ز اندیشہا آزاد خواہم
رفیقش گفت اے یار خردمند اگر خواہی حیات اندر خطر زی
دمادم خویشتن را بر فساں زن ز تیغ پاک گوہر تیز تر زی
خطر تاب و تواں را امتحان است عیار ممکنات جسم و جان است

*

شعر ① (ہرن جنگل میں ہوں تو شکاریوں کا شکار ہو جاتے ہیں اگر حدود حرم میں ہوں تو ان کا شکار شریعت کی رو سے منع ہے اس پس منظر میں) ایک ہرن نے دوسرے ہرن سے دل کا غم بیان کیا اور کہنے لگا + کہ اب کے بعد میں حرم کی حدود میں چلا جاؤں گا۔

شعر ② صحرا میں شکاری گھات میں لگے رہتے ہیں + ہرنوں کے لئے نہ وہاں کی صبح موافق ہے اور نہ شام۔

شعر ③ میں شکاری کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں + ایک ایسا دل چاہتا ہوں جو خوف سے آزاد ہو۔

شعر ④ اس کے ساتھی نے کہا اے میرے عقل مند دوست + اگر تو زندگی چاہتا ہے تو خطرات میں جی۔

شعر ⑤ خود کو ہر لمحہ ریتی (فساں) پر لگا + (اور اس طرح) تلوار کی تیز دھار سے بھی تیز بن کر زندگی

بسر کر (خطرات کے مقابلے کے لئے اور ان کو زیر کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہ)۔

شعر ⑥ خطرہ ہمت اور طاقت کا امتحان ہے + جسم اور جان کی ممکنات کے لئے کسوٹی ہے۔ یعنی جسم اور جان کے اندر جو پوشیدہ طاقتیں ہیں ان کو بروئے کار لانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

جہان عمل

هست ایں میکدہ و دعوت عام است اینجا / قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

حرف آں راز کہ بیگانہ صوت است ہنوز / از لب جام چکید است و کلام است اینجا

نشہ از حال بگیرند و گذشتند ز قال / نکتہ فلسفہ دردِ تہِ جام است اینجا

ما دریں رہ نفس دہر بر انداختہ ایم / آفتاب سحر او لب بام است اینجا

اے کہ تو پاس غلط کردۂ خود می داری! / آنچہ پیش تو سکون است خرام است اینجا

ما کہ اندر طلب از خانہ بروں تاختہ ایم / علم را جاں بدمیدم و عمل ساختہ ایم

✱

شعر ① یہ دنیا ایک شراب خانہ ہے ایسا شراب خانہ جس میں ہر کسی کو آ کر پینے کی دعوت ہے + (لیکن) ہر کسی کے حصے کی شراب اس کے پیالے کے اندازہ کے مطابق ہے یعنی جیسی کسی کی اور جتنی طلب ہوگی اور جیسا کسی کا ظرف ہوگا ویسی اور اتنی اسے دین و دنیا کی کامیابی کی شراب ملے گی۔

شعر ② اس راز کا حرف جو ابھی آواز سے بے گانہ ہے + (یہاں میخانے میں) پیالے کے لب سے ٹپکتا ہے اور کلام کرتا ہے مراد ہے کہ زندگی بے شک ایک سربستہ راز ہے یا کائنات میں بے شک بہت سے راز پوشیدہ ہیں لیکن سعی و عمل سے ان تک رسائی ہو سکتی ہے۔

شعر ③ (جہان عمل کے اس شراب خانے میں) رند حال کی شراب کا نشہ چڑھاتے ہیں اور قال کی شراب سے کوئی سروکار نہیں رکھتے + فلسفہ کی رمز یہاں دردِ تہِ جام ہے (وہ تلچھٹ ہے جو پیالے میں نیچے بیٹھ جاتی ہے) مراد ہے عمل کے جہان میں باتیں نہیں عمل چاہئے۔ فلسفیانہ موشگافیاں یہاں بے قیمت ہیں۔

شعر ④ ہم نے اس راستہ میں زمانہ کو مغلوب کر لیا ہے (نفس بر انداختن کے معنی ہیں مغلوب کرنا یا عاجز کرنا) مراد ہے ہم اپنی کوشش سے زمانہ کی قوتوں کو تسخیر کر سکتے ہیں۔ (انسان کے عزم و ہمت کے سامنے) صبح کا سورج اس سورج کی طرح ہے جو لب بام ہو یا زوال پذیر ہو مراد ہے انسان کی قوتوں کی وجہ سے زمانے کا شباب ڈھلنے والا ہے یا انسان دنیا میں اپنے عمل سے فطرت کی قوتوں کو قابو میں لا کر زمانے کو مسخر کرنے والا ہے۔

شعر ⑤ اے کہ تو اپنے غلط کئے ہوئے کا لحاظ رکھتا ہے یعنی تیری سوچ کی غلطی ہے + (ورنہ) جو کچھ تیرے نزدیک سکون ہے وہ دراصل حرکت ہے (یہ دنیا مقام سکون نہیں مقام جد و جہد ہے)۔

شعر ⑥ ہم جو طلب میں گھر سے باہر آئے ہیں مراد ہے جنت سے روئے زمیں پر آئے ہیں + ہم نے علم میں جان پیدا کی ہے اور اسے عمل بنا دیا ہے۔ (آدم کو جو علم باری تعالیٰ نے علم الاسماء یعنی اشیا کے علم

کی شکل میں دیا تھا اس کو بروئے کار لانے کی آرزو اسے بہشت سے باہر لے گئی اور اس نے زمین پر آ کر اس علم کو عمل کی شکل دے کر اپنے علم کو خارج میں موجود کر دیا اس طرح جہان عمل پیدا ہو گیا)۔

زندگی

پرسیدم از بلند نگاہے حیات چیست؟ — گفتا مے کہ تلخ تر او نکو تر است
گفتم کہ کرمک است و زگل سر بروں زند — گفتا کہ شعلہ زاد مثال سمندر است
گفتم کہ شر بہ فطرت خامش نہادہ اند — گفتا کہ خیر او نشناسی ہمیں شر است
گفتم کہ شوق سیر نبردش بہ منزلے — گفتا کہ منزلش بہ ہمیں شوق مضمر است
گفتم کہ خاکی است و بخاکش ہمی دہند — گفتا چو دانہ خاک شگافد گل تر است

*

شعر ① میں نے ایک بلند نگاہ رکھنے والے یا عارف سے پوچھا کہ زندگی کیا ہے + اس نے کہا کہ زندگی ایک ایسی شراب ہے کہ جتنی تلخ ہو گی اسی قدر اچھی ہو گی۔ مراد ہے جتنی جدوجہد اور محنت و مشقت کی جائے گی زندگی اتنی ہی قابل قدر ہو گی۔

شعر ② میں نے کہا کہ حیات تو ایک حقیر کیڑے کی مانند ہے جو مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے (کیونکہ حیات انسانی نے اس کے مٹی کے جسم سے ظہور کیا ہے) + اس نے جواب دیا بیشک یہ مٹی سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کی اصل مٹی سے نہیں ہے یہ آگ کے کیڑے کی مانند آگ سے پیدا ہوئی ہے یعنی اس کی حقیقت مادی نہیں وہ شعلہ ہے یا جوہر ہے۔

شعر ③ میں نے کہا کہ حیات کی خاموش فطرت میں شر (بدی) رکھی گئی ہے + اس نے کہا کہ اس کی خیر (نیکی) کو تو نہیں پہچانتا یہی شر (بدی) ہے (ورنہ حیات تو سراسر خیر ہے)۔

شعر ④ میں نے کہا (زندگی ہر وقت رواں دواں ہے لیکن) اس کا یہ شوق سفر اسے کسی منزل تک نہیں لے گیا + اس نے کہا کہ اس کی منزل اسی شوق سفر میں پوشیدہ ہے یعنی جدوجہد کرتے رہنا ہی اس کی منزل ہے حیات مقام اختیار نہیں کرتی ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔

شعر ⑤ میں نے کہا کہ زندگی خاک سے پیدا ہوتی ہے اور اسے خاک کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس نے کہا (کہ یہ کیوں نہیں دیکھتا) کہ خاک میں دبا ہوا دانہ جب خاک کو چیرتا ہے تو پھول بن جاتا ہے اسی طرح آدمی بھی مر کر فنا نہیں ہوتا بلکہ موت کی منزل سے گزر کر ایک نئی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔

حکمت فرنگ

یورپ والوں یا اہل مغرب کا انداز فکر

شنیدم کہ در پارس مرد گزیں — ادا فہم، رمز آشنا، نکتہ بین
بے سختی از جانکنی دید و مرد — برآشفت و جاں شکوہ لبریز بود
بنالش درآمد بہ یزدان پاک — کہ دارم دلے از اجل چاک چاک
کمالے ندارد بایں یک فنی — نداند فن تازۂ جاں کنی
برد جان و ناپختہ در کار مرگ — جہاں نو شد و او ہماں کہنہ برگ
فرنگ آفریند ہنرہا شگرف — برانگیزد از قطرۂ بحر ژرف
کشد گرد اندیشہ پرکار مرگ — ہمہ حکمت او پرستار مرگ
رود چوں نہنگ آبدوزش بہ یم — ز طیارۂ او ہوا خوردہ بم
نہ بینی کہ چشم جہاں بین ہور — ہمی گردد از غاز او روز کور!
تفنگش بکشتن چناں تیز دست — کہ افرشتۂ مرگ را دم گسست
فرست ایں کہن ابلہ را در فرنگ — کہ گیرد فن کشتن بیدرنگ

*

شعر ① میں نے سنا ہے کہ ملک ایران میں ایک دانا آدمی (تھا) + جو ادا فہم، رمز آشنا اور نکتہ بین تھا یعنی جو حالات و معاملات کے انداز و طرز کو جاننے والا، ان میں موجود کسی اشارہ و راز کا واقف اور ان کے اندر پوشیدہ کسی باریک بات کو دیکھنے والا تھا۔

شعر ② اس نے مرنے کے وقت جان نکلنے کی بہت تکلیف دیکھی اور وہ مر گیا + وہ بہت برہم ہوا اور گلوں سے بھری ہوئی جان اپنے ساتھ لے گیا۔

شعر ③ اس نے خدائے پاک کے سامنے فریاد کی + کہ میں موت کی وجہ سے چاک چاک (پھٹا ہوا۔ ٹکڑے ہوا) دل رکھتا ہوں (موت سے مراد فرشتہ موت بھی ہو سکتا ہے)۔

شعر ④ وہ یعنی موت اس ایک فن میں (یعنی جان نکالنے کے طور طریقے میں) کوئی کمال خاص نہیں رکھتی + (اس کا جان نکالنے کا طور طریقہ وہی ہزاروں لاکھوں سالوں کا پرانا ہے) وہ کوئی جان نکالنے کا نیا فن نہیں رکھتے (زیادہ مراد یہ ہے کہ موت روزِ ازل سے ایک ہی کام یعنی جان نکالنے میں لگی ہوئی ہے اسے تو اس میں ماہر ہونا چاہیے تھا لیکن اتنا عرصہ زیادہ سے اس ایک جان کنی کے فن میں لگے ہونے کے باوجود وہ یہی منت جان کنی کے فن میں ماہر نہیں ہے۔

شعر ⑤ موت یا فرشتہ موت جان تو نکال لیتا ہے لیکن وہ جان نکالنے کے کاروبار میں سمجھ دار اور تجربہ کار نہیں ہے + جہاں نیا ہو گیا ہے (زمانہ بدل چکا ہے۔ اس نے موت کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لئے ہیں) لیکن یہ فرشتہ ابھی جان نکالنے کے پرانے اوزار یا سامان ہی رکھتا ہے۔

شعر ⑥ یورپ عجیب و غریب نوعیت کے اور اعلیٰ درجہ کے ہنر پیدا کر رہا ہے + وہ ایک قطرہ سے گہرا سمندر پیدا کر رہا ہے۔

شعر ⑦ وہ (یورپ والے) فکر کے نقطہ کے گرد موت کی پرکار گھماتے ہیں + ان کا سارا فلسفہ اور ان کی ساری عقل و دانش موت کی پرستار ہے۔ (ان کے علم اور ان کے فلسفہ اور ان کی سائنس لوگوں کو حیات بخشنے کے لئے نہیں ہے موت دینے کے لئے ہے)۔

شعر ⑧ اس کی آبدوز (پانی کے اندر چلنے والا جنگی جہاز یا جنگی کشتی) سمندر کے اندر مگرمچھ کی طرح جاتی ہے + اس کے ہوائی جہاز سے ہوا طمانچہ کھاتی ہے یعنی ہوائی جہاز ہوا کو چیرتا ہوا اور ارتعاش پیدا کرتا ہوا تیزی سے نکل جاتا ہے (آبدوز سمندروں میں جہازوں کو ڈبو کر اور ہوائی جہاز ہوا سے زمین پر مہلک بم گرا کر پل میں سینکڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے)۔

شعر ⑨ کیا تو نہیں دیکھتا کہ (جنگی جہازوں سے خواہ وہ سمندر میں ہوں یا ہوا میں اور دوسرے کئی قسم کے جدید ترین مہلک ہتھیاروں سے گولہ بارود اور بموں سے نکلنے والی گیسوں اور دھوئیں سے) ہور (سورج) کی جہان کو دیکھنے والی آنکھ + دن میں اندھی ہو جاتی ہے مطلب یہ سورج دھوئیں اور گیس کے گہرے بادلوں کی وجہ سے بے روشن ہو جاتا ہے۔

شعر ⑩ اس کی توپ (مخلوق خدا کو) مارنے میں اتنی تیز ہے + کہ اس کی وجہ سے موت کے فرشتے کا بھی دم نکلنے لگتا ہے۔

شعر(11): اس پرانے بیوقوف کو یعنی موت کے فرشتہ کو یا خود موت کو یورپ والوں میں بھیج دے + تاکہ یہ ان سے بغیر کسی تاخیر کے یعنی جھٹ پٹ مارنے کا فن سیکھ لے (تیرا فرشتہ تو جان نکالنے میں دیر لگاتا ہے یورپ والوں نے ایسے ایسے سامان موت تیار کر رکھے ہیں کہ آنکھ جھپکنے میں جسم جان سے خالی ہو جاتا ہے۔ مادی ساز و سامان کے علاوہ ان کے علوم و فنون اور فلسفہ و فکر بھی یہی کام کر رہے ہیں یہ سب آدمی کے ذہن اور جسم کو زندگی اور اس کے دل اور روح کو موت دے رہے ہیں)۔

حور و شاعر

(در جواب نظم گوئٹے موسوم بہ حور و شاعر)

حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی	عجب این کہ تو ندانی رہ و رسم آشنائی
ہمہ ساز جستجوئے ہمہ سوز آرزوئے	نفسے کہ می گدازی غزلے کہ می سرائی
بنوائے آفریدی چہ جہان دلکشائے	کہ ارم بچشم آید چو طلسم سیمائی

٭

شعر ① (شاعر جنت میں ہے اور جنت کی حوروں اور مشروبات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اس کی اس حالت کو دیکھ کر جنت کی حور اسے کہتی ہے) نہ تو شراب کی طرف رغبت رکھتا ہے اور نہ مجھ پر نظر کرتا ہے

+تو عجیب آدمی ہے تجھے محبت کے طور طریقے کا کچھ علم نہیں ہے۔

شعر ② معلوم ہوتا ہے تو کسی کی تلاش کے جذبہ کی لذت سے مسحور ہے اور تیری ایک ایک سانس میں کسی کی محبت کی گرمی موجود ہے + (میں نے تیری غزل سنی ہے مجھے تو یہی لگا ہے کہ) جو غزل تو گا رہا ہے اور اس سے تیری سانس کے اندر جو گداز پیدا ہو رہا ہے وہ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ تو محبت بھرا دل اور جان رکھتا ہے۔

شعر ③ تو نے اپنی نوا (شاعری) سے کیسا دل کشا جہان پیدا کیا ہے + کہ جس کے سامنے میرے لیے وہ بہشت جس میں میں رہ رہی ہوں ایک طلسم سیمیائی بن کر رہ گیا ہے یعنی محض دھوکہ یا فریب نظر آ رہا ہے (سیمیا جادو کی ایک قسم ہے)۔

شاعر

دل رہرواں فریبی بہ کلام نیش دارے ... مگر ایں کہ لذت او نرسد بہ نوک خارے
چہ کنم کہ فطرت من بہ مقام در نسازد ... دل ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگار خوبروئے ... تپد آں زماں دل من پئے خوبتر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے ... سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
چو ز بادۂ بہارے قدحے کشیدہ خیزم ... غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نوبہارے
طلبم نہایت آں کہ نہایتے ندارد ... بہ نگاہ ناشکیبے بہ دل امیدوارے
دل عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودانے ... نہ نوائے درد مندے نہ غمے، نہ غمگسارے

*

شعر ① تو مسافروں یا راستہ چلنے والوں کے دل کو اپنے چبھتے ہوئے کلام کا فریب دیتی ہے + لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس کی لذت اس کانٹے کی چبھن کو نہیں پہنچتی جو راہ چلنے والے کے پاؤں میں چبھتا ہے مراد ہے تیرے کلام میں درد و سوز نہیں ہے اس میں وہ لذت نہیں جو عاشق کو عشق میں ملتی ہے۔

شعر ② میں کیا کروں کہ میری فطرت ایک مقام پر قیام کرنا پسند نہیں کرتی + میں اس صبا (صبح کی ہوا) کی طرح بیقرار رہتا ہوں جو لالہ کے پھولوں کے چمن میں سرسراتی ہے کیونکہ میرا دل صبر کرنے والا نہیں ہے۔ میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جانے پر مجبور ہوں۔

شعر ③ جب میری نظر ایک خوبصورت محبوب پر جمتی ہے + اسی وقت میرا دل اس سے بہتر خوبصورت کسی محبوب کے لئے تڑپنے لگتا ہے۔

شعر ④ میں چنگاری سے ستارہ اور ستارہ سے سورج کی تلاش میں نکلتا ہوں + میں کسی خاص منزل کا ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ کسی ایک جگہ قرار کرنے سے میں مر جاؤں گا مراد ہے بطور طالب حسن یا حامل عشق ختم ہو جاؤں گا۔ عشق کی زندگی فراق میں ہے۔

شعر ⑤ جب میں کسی ایک بہار کی شراب سے اپنی صراحی یا پیالہ بھر لیتا ہوں + تو میں ایک نئی بہار کی

خواہش میں ایک نئی غزل چھیڑ دیتا ہوں۔

شعر ⑥ میں اس نہایت (کسی آخری منزل) کی آرزو رکھتا ہوں جس کی کوئی انتہا نہیں + اپنی بے قرار نگاہ اور امید رکھنے والے دل کے ساتھ۔

شعر ⑦ تیری ہمیشہ کی جنت میں قیام سے عاشقوں کا دل مرجاتا ہے + نہ یہاں کوئی درد بھری صدا سنائی دیتی ہے نہ یہاں عشق یا فراق کا غم ہے اور نہ کوئی اس غم کو بانٹنے والا ہے (اس لئے اے حور میں تیری ایسی بہشت میں تیرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔

زندگی و عمل

(درجواب نظم ہائنا موسوم بہ سوالات)

تعارف: ہنوریخ ہائنا جرمنی کا مشہور یہودی شاعر تھا اقبال نے یہ نظم اس کی نظم "سوالات" کے جواب میں لکھی ہے۔

ساحلِ افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من کیستم

موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

*

شعر ① (دریا کے) پرسکون اور خاموش ساحل نے کہا اگرچہ میں مدت سے زندگی کے روپ میں ہوں + (لیکن) افسوس مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کون ہوں۔ (میری زندگی کا مقصود کیا ہے)۔

شعر ② ایک جذبہ عمل سے سرشار موج تیزی سے اٹھی اور اس نے کہا + اگر میں چلتی ہوں تو میں ہوں اور اگر میں نہ چلوں تو میں نہیں ہوں۔ مراد یہ ہے کہ زندگی حرکت کا نام ہے سکون موت ہے۔

الملک للہ

(ملک اللہ کا ہے)

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطاست

دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟ ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

*

شعر ① جب ملک اسپین (اندلس) کے فاتح جرنیل طارق نے اندلس کے ساحل پر اپنی فوجیں

اتارنے کے بعد فوجوں کو لے جانے والے بحری بیڑے کو آگ لگادی تو اس کے فوجیوں نے اس سے کہا کہ عقل کی نگاہ میں تیرا فعل غلط ہے۔

شعر ② ہم وطن کی سرحد سے یا علاقے سے دور ہیں واپس کیسے پہنچیں گے + اسباب کا ترک کرنا شریعت کی رو سے کب درست ہے۔

شعر ③ وہ ہنسا اور اپنا ہاتھ شمشیر تک لے گیا اور کہا + کہ ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ ہر ملک ہمارے خدا کا ملک ہے۔

جوئے آب

پانی کی نہر

پہلا بند

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود   مانند کہکشاں بگریبان مرغزار
در خواب ناز بود بہ گہوارۂ سحاب   وا کرد چشم شوق بآغوش کوہسار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرام او   سیمائے او چو آئینہ بے رنگ و بے غبار
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود   در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

*

شعر ① ذرا دیکھ کہ پانی کی نہر کس مستی میں بہہ رہی ہے + سبزہ زار کے گریبان میں کہکشاں کی مانند مراد ہے سبزہ زار میں ستاروں کی مانند چمک رہی ہے۔

شعر ② وہ بادل کے ہنگھوڑے میں چین سے سوئی ہوئی تھی + اس نے پہاڑوں کے سلسلے کی آغوش میں اپنے شوق کی آنکھ کھولی یعنی پہلے وہ پانی کی صورت میں بادلوں میں تھی وہاں سے بارش کے سبب نیچے اتر کر پہاڑوں میں بہنے لگی۔

شعر ③ اس کی رفتار سے (جب وہ پتھروں سے ٹکراتی ہے) تو ریلی آواز پیدا ہوتی ہے + اسکی پیشانی یعنی اسکا پانی آئینہ کی مانند رنگ اور غبار سے صاف ہے۔

شعر ④ بے کنار سمندر کی طرف کس مستی سے چلی جا رہی ہے + اپنے آپ میں اکیلی سب سے بیگانہ بہتی جا رہی ہے۔ (یہاں زی کے معنی ہیں طرف)

دوسرا بند

بر راہ او بہار پریخانہ آفرید   نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید

گل عشوه داد و گفت یکے پیش ما بایست — خندید غنچه و سر دامان او کشید
نا آشنائے جلوه فروشان سبز پوش — صحرا برید و سینه کوه و کمر درید
زی بحر بیکرانه چه مستانه می رود — در خود یگانه از همه بیگانه می رود

*

شعر ① بہار نے اس کے راستہ میں پری خانہ کھول دیا + (اس کی آبیاری کی وجہ سے اس کے راستے کے ہر طرف) نرگس، لالہ اور یاسمن کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔

شعر ② گلاب کے پھول نے ناز و ادا اور دلفریبی کے غمزے اور اشارے دیئے اور کہا ایک بار میرے پاس ٹھہر تو کہاں بہتی ہوئی جا رہی ہے + غنچہ ہنسا (پھول بن گیا) اور اس نے اس کے دامن کا سرا کھینچا یعنی اس کو اپنی طرف کھینچا کہ ادھر دیکھ آگے کہاں جا رہی ہے۔

شعر ③ ان سبز لباس پہنے ہوئے اپنی شان دکھانے والے پودوں، درختوں وغیرہ پر توجہ نہ کرتی ہوئی (ندی آگے بڑھ گئی) + اور اس نے صحرا کا سینہ چیرا اور پہاڑوں اور میدانوں کو یا تنگ نالے کوہ وادیوں کے سینے کو پھاڑا۔ (اور سمندر کی طرف بڑھتی رہی)

شعر ④ بے کنار سمندر کی طرف یہ کس عالم مستی میں بہتی چلی جا رہی ہے + اپنے آپ میں یہ اکیلی (منفرد اور بے مثل) اور دوسروں سے بیگانہ (الگ تھلگ اور بے نیاز) بہتی چلی جا رہی ہے۔

تیسرا بند

صد جوئے دشت و مرغ و کهستان و باغ و راغ — گفتند اے بسیط زمین با تو سازگار
ما را که راه از تنک آبی نه برده ایم — از دستبرد ریگ بیابان نگاه دار
وا کرده سینه را به هواهائے شرق و غرب — در بر گرفته همسفران زبون و زار
زی بحر بیکرانه چه مستانه می رود — با صد هزار گوهر یک دانه می رود

*

شعر ① (راستے میں پڑتی ہوئی) بیابانوں، چمنوں، پہاڑوں، باغوں اور سبزہ زاروں کی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ندیوں نے (جو جوئے آب میں ملنے کے لئے بیتاب تھیں) + اس سے کہا کہ "اے وہ کہ زمین کی وسیع و عریض وسعت جس کے موافق ہے (تجھے اپنے بہاؤ میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی ہے)

شعر ② ہم جو اپنی پانی کی کمی یا سست روی کی وجہ سے منزل تک راستہ نہیں بنا سکیں ہمیں صحرا کی ریت کی لوٹ مار سے اپنی نگاہ میں محفوظ رکھنا یعنی بچانا۔ (کہیں اس کی مخالف قوت جذب یہ تمہارے بہاؤ میں حائل نہ ہو جائے)۔

شعر ③ (جوئے آب نے ان کی بات کی بالکل پرواہ نہ کی اس لئے کہ جوئے آب میں ہر رکاوٹ کو دور کر کے آگے بڑھنے کی صلاحیت موجود تھی لیکن اس کے راستے کی چھوٹی چھوٹی ندیاں جو اس میں مل رہی تھیں اس صلاحیت سے محروم تھیں اس لئے) جوئے آب مشرق اور مغرب کی ہواؤں کے سامنے اپنا

سینہ تانے ہوئے + (اور) اپنے ساتھ اپنے کمزور اور خوار ہم سفروں کو (دوسری ندیوں کو) لئے ہوئے (آگے بڑھتی گئی)۔

شعر ④ جوئے آب بے کنار سمندر کی طرف کس مستی میں چلی جا رہی ہے + اپنے اندر سینکڑوں ہزاروں بے مثل موتی لئے بہی جا رہی ہے۔

چوتھا بند

دریائے پر خروش! ز بند و شکن گذشت — از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را — از کاخ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت
بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بیقرار — در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود — در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

*

شعر ① (جوئے آب اب دوسری ندیوں کے ملنے کے بعد دریا کی شکل اختیار کر چکی ہے اس لئے کہا ہے کہ) شور مچاتا ہوا دریا راستے کے بند (رکاوٹوں) اور شکن (بل پیچ) سے گزر گیا + راستے میں آنے والی وادی' پہاڑ' کھنڈر یا مزبلہ تنگ راستوں سے گزر گیا۔

شعر ② بلندی اور پستی کو اپنے ایک جیسے ریلے یا طوفان کی زد میں لاتا ہوا + بادشاہ کے محل' اور قلعہ' کھیت اور چمن سے گزر گیا۔

شعر ③ وہ بے تاب' تند' تیز' جگر سوز اور بے قرار دریا + ہر زمانے میں اپنی نئی شان روانی کے ساتھ اور ہر پرانی آب و تاب سے نئی شان کی جانب بڑھتا ہوا گزر گیا (تا آنکہ اسے سمندر کی منزل حاصل ہو گئی)۔

شعر ④ بے کنار سمندر کی جانب کس مستی میں بہتا چلا جا رہا ہے + اپنے آپ میں یگانہ اور دوسروں سے بیگانہ چلا جا رہا ہے۔

اختتامیہ: اس نظم کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کا علم ہو کہ اس میں جوئے آب' بحر بیکرانہ' باغ' داغ' کوہ' وادی' دمن' زاغ' مرغ' پھول' بند' شکن غرض کہ جتنے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں وہ سب علاماتی اور استعاراتی ہیں جن کا اصل اشارہ اور طرف ہے۔ جرمن کے اسلام پسند اور مشرق پسند شاعر گوئٹے نے ایک نظم موسوم "بر نغمہ محمد" لکھی تھی جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور سیرت و پیغام اور ان کے اثرات کو استعاراتی رنگ میں بیان کیا تھا۔ علامہ نے جوئے آب کے نام سے اس کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔ جوئے آب کنایہ ہے ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اسلام کے منبع حیات ہونے پر' مستانہ می رود سے اشارہ ہے اس استغراق اور رہنما کی حالت و کیفیت کی طرف جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے ساتھیوں اور متبعین نے اپنے حسن کردار و عمل سے دکھایا گلبان مرغزار کنایہ ہے کائنات کی طرف۔ سبزہ گہوارہ سحاب ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل از

پیدائش نور کی شکل میں کہیں موجود ہونے کی جانب اشارہ ہے۔ در خود یگانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل ہونے اور از ہمہ بیگانہ میں جملہ علائق دنیاوی اور ہر غیر اللہ سے بے نیاز ہونے کی جانب کنایہ ہے۔ اسی طرح اس نظم کے اگر جملہ الفاظ و تراکیب کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یگانہ، ان کے ساتھیوں اور متبعین کے کردار و عمل، اسلام کے پیغام اور اس کے اثرات کا علاماتی رنگ میں ذکر ہے۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر تھے ان کا دین بھی آخری اور ان کا پیغام الٰہی بھی آخری تھا۔ جوئے آب کے سمندر تک جانے میں یہی رمز ہے)۔

نامہ عالم گیر

یکے از فرزندانش کہ دعائے مرگ پدر میکرد

(شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالم گیر کا خط)

پس منظر: یہ خط انہوں نے اپنے بیٹے ابو المعظم شمس الدین محمد کے نام لکھا تھا جو سنہ 1707ء میں ان کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی زندگی میں دعا کی تھی کہ بڈھا باپ مرے تو میں تخت نشین ہو جاؤں۔ یہ خط اس پس منظر میں لکھا گیا ہے۔

ندانی کہ یزدان دیرینہ بود بسے دید و سنجید و بست و کشود
ز ما سینہ چاکان ایں تیرہ خاک شنید است صد نالہ دردناک
بسے ہچو شبیر در خوں نشست نہ یک نالہ از سینہ او گسست
نہ از گریہ پیر کنعاں تپید نہ از درد ایوب آہے کشید
مپندار آں کہنہ نخچیر گیر بدام دعائے تو گردد اسیر

*

شعر ① کیا تو نہیں جانتا کہ وہ خدا جس کی ہستی قدیم ہے + اس نے بہت کچھ دیکھا، تولا، باندھا اور کھولا ہے (اس نے دنیا کے بہت سے تغیرات و انقلابات دیکھے ہیں)۔

شعر ② اس نے ہم کالی مٹی (دنیا) کے سینہ چاکوں (غم کے ماروں) سے سینکڑوں دردناک نالے سنے ہیں (اس پر کچھ اثر نہیں ہوا)۔

شعر ③ اس دنیا میں بہت سے لوگ حضرت امام حسینؓ کی طرح خون میں ڈوبے ہیں + (لیکن) اس کے سینے سے ایک نالہ بھی بر آمد نہیں ہوا۔

شعر ④ نہ وہ کنعاں کے بوڑھے یعنی حضرت یعقوبؑ کے (اپنے بیٹے یوسف کے غم میں) رونے پر تڑپا + نہ اس نے حضرت ایوبؑ (کے دردناک حالات مرض و غم) کی تکلیف پر کوئی آہ کھینچی۔

شعر ⑤ یہ نہ سمجھ کہ وہ پرانا شکار پکڑنے والا + تیری دعا کے جال میں پھنس جائے گا۔

بہشت

کجا ایں روزگار شیشہ بازے | بہشت ایں گنبد گرداں ندارد
ندیدہ درد زنداں یوسف او | زلیخائش دل نالاں ندارد
خلیل او حریف آتشے نیست | کلیمش یک شرر در جاں ندارد
بہ صرصر در نیفتد زورق او | خطر از لطمہ طوفاں ندارد
یقیں را در کمیں بوک و مگر نیست | وصال اندیشہ ہجراں ندارد
کجا آں لذت عقل غلط سیر | اگر منزل رہ پیچاں ندارد
مزی اندر جہانے کور ذوقے | کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

*

شعر ① کہاں یہ زمانہ (دنیا یا عالم خاک) جو جو شعبدے دکھانے والا اور (اور کہاں بہشت) بہشت دنیا کا گردش کرنے والا آسمان نہیں رکھتی (اس لئے وہاں دنیا جیسی عیاری' مکاری' الٹ پلٹ اور ہیر پھیر نہیں ہے)۔

شعر ② وہاں کے یوسف نے قید خانے کی تکلیف نہیں دیکھی + وہاں کی زلیخا کا دل فریاد کناں نہیں ہے۔(اس میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرف سے کنویں میں ڈالے جانے' پھر مصر میں جا کر بکنے اور زلیخا کی مکاری کی وجہ سے جو ان پر فریفتہ تھی قید میں ڈالے جانے کے واقعات کی طرف اشارہ ہے)۔

شعر ③ وہاں کا خلیل آگ کا حریف نہیں ہے (آگ میں ڈالا نہیں جاتا) + وہاں کا کلیم اپنی جان میں ایک شرر نہیں رکھتا (اس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالے جانے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے کوہ طور پر تجلی باری تعالیٰ کی خواہش کرنے کے واقعات کی طرف اشارہ ہے)۔

شعر ④ وہاں کی کشتی تند و تیز ہواؤں کی زد میں نہیں آتی + اسے طوفان کے تھپیڑوں کا کوئی خطرہ نہیں ہے (بہشت امن کی جگہ ہے)۔

شعر ⑤ وہاں کے لوگوں کے یقین (ایمان) کی گھات میں بوک و مگر (شکوک و شبہات) نہیں ہے + وہاں کا وصال ہجر کا ڈر نہیں رکھتا۔

شعر ⑥ غلطیاں کرنے والی عقل میں وہ لذت کہاں ہے + اگر منزل کے راستے پر پیچ نہیں ہیں (دنیا میں منزل کی راہوں کی اسی پر پیچی اور عقل کی غلط سیری کی وجہ سے لذت ہے جو بہشت میں نہیں ہے)۔

شعر ⑦ اس جہان (بہشت) میں جس کا ذوق اندھا ہے یعنی جہاں کیفیات و لذات سے دل انساں ناواقف ہے مت زندگی بسر کر + ایسا جہان جو خدا تو رکھتا ہے شیطان نہیں رکھتا (مراد ہے زندگی کی لذت اس جہان میں ہے جہاں انسان کو نیکی و بدی کی کشمکش میں لطف آتا ہو)۔

کشمیر

رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں بہ بیں لالہ چمن چمن نگر

باد بہار موج موج، مرغ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج بر سر نارون نگر

تا نہ فتد بہ زینتش چشم سپہر فتنہ باز
بستہ بچہرۂ زمیں برقع نسترن نگر

لالہ ز خاک بردمید موج بہ آبجو تپید
خاک شرر شرر ببیں آب شکن شکن نگر

زخمہ بہ تار ساز زن بادہ بہ ساتگیں بریز
قافلہ بہار را انجمن انجمن نگر

دخترکے برہمنے لالہ رخے سمن برے
چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

*

شعر ① کشمیر میں جانے کے لئے سامان سفر باندھ اور وہاں کے پہاڑ، ٹیلے اور بستیوں کے مٹے ہوئے نشانات دیکھ + جہاں جہاں (ہر جگہ) سبزہ دیکھ ہر چمن میں لالے کے پھول دیکھ۔

شعر ② ہر موج بہار کی ہوا رکھتی ہے بہار کے پرندے فوج کی طرح کثرت سے ہیں + (نارون یا نارون ایک پتوں اور شاخوں سے بھرپور درخت ہے) اس پر فاختاؤں اور سارسوں کو جوڑوں کی شکل میں بیٹھے اور نغمے الاپتے دیکھ۔

شعر ③ تاکہ اس کی زینت پر فتنہ پیدا کرنے والے آسمان کی نظر نہ پڑے + اس نسترن کے پھولوں کے پردہ کو دیکھ جو زمین نے اپنے چہرہ پر لے رکھا ہے (مراد ہے ہر طرف سیوتی کے پھول = ورد اگے ہوئے ہیں)۔

شعر ④ لالے کے پھول مٹی سے اگے ہوئے ہیں لہر نہر میں تڑپ رہی ہے + مٹی کو دیکھ ہر طرف شعلے سے لپک رہے ہیں (لالہ کے سرخ پھولوں کی وجہ سے) پانی کو دیکھ شکن شکن ہے (موج کی شکل میں پیچ در پیچ ہے)۔

شعر ⑤ ساز کے تار پر مضراب لگا (نغمہ چھیڑ) پیالے میں شراب انڈیل + بہار کے قافلے کو ہر انجمن میں ڈیرے ڈالے ہوئے دیکھ۔

شعر ⑥ برہمن کی بیٹی جو سرخ لالہ کے پھول جیسا چہرہ اور سفید یاسمن کے پھول جیسا پہلو رکھتی ہے + اس کے چہرے پر نظر دوڑا پھر اپنے آپ کو دیکھ مراد ہے سیر آفاق سے سیر انفس کی طرف آ۔ تیرے اندر باہر کے جہان سے بھی خوبصورت جہان ہے اس کی سیر کر۔

عشق

عقلے کہ جہاں سوزد، یک جلوۂ بیباکش
از عشق بیاموزد آئین جہانتابی

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تب رومی تا حیرت فارابی

ایں حرف نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید با ایں ہمہ بیتابی

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

*

شعر ① وہ عقل جو اپنے ایک بے خوف جلوہ سے جہان جلا دیتی ہے + جہان کو روشن کرنے کا اصول و ضابطہ عشق سے سیکھتی ہے (عقل تخریب ہے عشق تعمیر)۔

شعر ② عشق وہ شے ہے کہ تیری جان کے اندر ہر کیفیت پیدا کرتا ہے + مولانا جلال الدین رومیؒ کی عاشقانہ تڑپ اور سوز و گداز سے لے کر حکیم ابو نصر محمد بن محمد بن طرفان الفارابی کی حیرت تک (سب عشق کی کار فرمائیاں ہی ہیں)۔

شعر ③ میں یہ خوش آئند بات کہتا ہوں اور رقص کرتا ہوں + کہ عشق کی پیدا کردہ ساری اضطرابی حالتوں کے باوجود' یہ دل کو طمانیت بخشتا ہے۔

شعر ④ ہر الجھا ہوا یا سمجھ میں نہ آنے والا معنی حروف و الفاظ کے ذریعہ نہیں کھولا یا سمجھایا جا سکتا + (عشق کی باریک بات اور رمز کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے) اس کو سمجھنے کے لئے ایک بار دل میں آ شاید کہ تو عشق کے معنی کو پالے۔ (جب تک دل عشق آشنا نہیں ہوتا اس کی نوعیت و حیثیت کا پتہ نہیں چلتا)۔

بندگی

(بندگی سے مراد انسانوں کی غلامی نہیں بلکہ اللہ کی غلامی ہے۔ مقام عبودیت ہے)۔

دوش در میکدہ ترسا بچہ بادہ فروش گفت از من سخنے دار چو آویزۂ گوش
مشرب بادہ گساران کہن ایں بود است کہ تو از میکدہ خیزی ہمہ مستی ہمہ ہوش
من نگویم کہ فروبند لب از نکتہ شوق ادب از دست مدہ' بادہ باندازہ بنوش
گرد راہیم ولے ذوق طلب جوہر ماست بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

*

شعر ① کل رات شراب خانے میں ایک شراب بیچنے والا عیسائی بچہ یا شراب بیچنے والے کا بیٹا مجھ سے کہنے لگا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اسے کان میں بندے کی طرح لٹکا لے۔ مراد ہے اسے کان میں ڈال لے۔

شعر ② پرانے شراب پینے والوں کا مشرب یا طریقہ یہ رہا ہے + کہ تو شراب پینے کے بعد جب شراب خانے سے باہر جائے تو باوجود کامل مستی کے کامل ہوشیار رہے۔

شعر ③ میں یہ نہیں کہتا کہ لب بند رکھ اور شوق کی رمز بیان نہ کر + (لیکن) ہاتھ سے ادب کو نہ جانے دے اور شراب اندازے کے مطابق پی۔

شعر ④ اگرچہ ہم گرد راہ ہیں یعنی خاکی بندے اور جہان میں عارضی طور پر قیام کرنے والے ہیں لیکن ہمارے اندر ذوق طلب کا جوہر موجود ہے (اور یہ جوہر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے لئے صرف کرنہ کہ کبریائی کے لئے) + بندگی (عبودیت/اللہ کا بندہ ہونا) کو خدائی کی ہر قسم کی ہیبت اور دبدبہ کے عوض نہ بیچ۔ (تو اپنے کمال کے لحاظ سے جتنا بلند بھی ہو جائے خود کو ناچیز بندہ ہی سمجھ۔ ہم اپنی اصل کے لحاظ سے

عبد ہیں اس لئے مقام عبدیت ہی میں ہماری حیات اور لطف حیات ہے بذکر خدائی عظمت و جلال حاصل کرتے ہیں
اس نظم میں شراب خانہ اور اس کے لوازمات کی علامات میں ، سلوک، منزل سلوک،
سالک اور حالات و مقامات سالک کی بات کی گئی ہے۔

غلامی

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد گوہرے داشت و لے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

*

شعر ① آدمی نے اپنی (حقیقت آدمیت) سے بے خبری کی بنا پر آدمی کی غلامی اختیار کی ہے + وہ (آدمیت اور آزادی کا) جو گوہر رکھتا تھا اسے اس نے (ایران کے بادشاہوں) کیقباد اور جمشید کے سپرد کر دیا مراد ہے وہ آقاؤں کا غلام ہو گیا۔ اس طرح وہ شرف آدمیت سے محروم ہو گیا۔

شعر ② (آدمی نے شرف آدمیت کو بھلا کر جب غلامی کی خو اختیار کر لی تو) غلامی کی عادت میں وہ کتوں سے بھی ذلیل اور رزیل ثابت ہوا + (کیونکہ) میں نے نہیں دیکھا ہے کہ کسی کتے نے کسی دوسرے کتے کے سامنے گردن خم کی ہو۔

چیستان شمشیر
(تلوار کا معمہ یا پہیلی)

آں سخت کوش چیست کہ گیرد ز سنگ آب محتاج خضر مثل سکندر نمی شود
مثل نگاہ دیدۂ نمناک پاک رو در جوئے آب و دامن او تر نمی شود
مضمون او بمصرع برجستہ تمام منت پذیر مصرع دیگر نمی شود

*

شعر ① وہ سخت کوشش کرنے والا کون ہے جو پتھر سے پانی نکالتا ہے + سکندر کی مانند خضر کا محتاج نہیں ہوتا (یہاں لفظ چونکہ چیست ہے جو بے جان چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے یہاں وہ کون ہے سے مراد تلوار ہے جس کی دھار کو بھی آب کہتے ہیں تلوار اپنے آب (دھار) کے لئے کسی خضر کی محتاج نہیں اس کی کاٹ اس کے اندر موجود ہے)۔

شعر ② وہ نمی رکھنے والی آنکھ کی نگاہ کی طرح پاک چہرہ رکھتی ہے (چمکتی ہے) + وہ پانی کی نہر میں ہوتی ہے لیکن اس کا دامن تر نہیں ہوتا (آب سے مراد تلوار کی دھار)۔

شعر ③ اس کا مضمون ایک ہی برمحل یا بے تکلف مصرع میں مکمل ہو جاتا ہے + وہ دوسرے مصرع

کا احسان نہیں اٹھانا مراد ہے تلوار کا ایک ہی وار اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

جمہوریت

(وہ نظام حکومت جسے عوام اپنی رائے سے منتخب کرتے ہیں)۔

متاعِ معنیِ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟ ز موراں شوخیِ طبعِ سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

*

شعر ① تو دوسروں کے حقوق یا مقاصد کو پورا کرنے کی دولت کمینہ فطرت لوگوں سے طلب کرتا ہے + (یاد رکھ ہزاروں لاکھوں) چیونٹیوں سے ایک سلیمان بادشاہ کی طبع کی شوخی نہیں آتی۔ (وہ تجھ سے ووٹ حاصل کر کے حکمران ہو جائیں گے اور اپنی فطرت کی کمینگی سے تجھے ہر طرح کا نقصان پہنچائیں گے تاکہ ان کی بادشاہت قائم رہ جائے چاہے تمہارا کچھ نہ رہے)۔

شعر ② مغربی طرز کی جو جمہوریت تجھے ملی ہے اس سے دور بھاگ (اور اپنے منتخب کردہ بیسیوں سینکڑوں حکمرانوں سے قطع نظر) ایک تجربہ کار اور سمجھ دار مرد کی غلامی اختیار کر لے + (کیونکہ) دو سو گدھوں کے دماغ سے ایک انسان کی فکر پیدا نہیں ہو سکتی۔ (یہ دو سو گدھوں کا دماغ رکھنے والے تیرے حقوق کی نگہداشت نہیں کر سکیں گے ہاں کسی ایک صاحب الرائے کو اپنا آقا تسلیم کر لے وہ تیرے غم کو اپنا غم بنا لے گا)۔

بہ مبلغ اسلام در فرنگستان

(یورپ میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے مبلغ سے)

زمانہ باز برافروخت آتشِ نمرود کہ آشکار شود جوہرِ مسلمانی
بیا کہ پردہ ز داغِ جگر بر اندازیم کہ آفتاب جہانگیر شد ز عریانی
ہزار نکتہ زدی پیشِ دلبرانِ فرنگ گداختی صنماں را بہ علمِ برہانی!
خبر ز شہرِ سلیمیٰ بدہ حجازی را شرارِ شوق فشاں در ضمیرِ تورانی!
رہِ عراق و خراساں زن اے مقام شناس بہ بزمِ اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی
بے گذشت کہ در انتظارِ زخمہ وریست چہ نغمہ‌ہا کہ نہ خوں شد بہ سازِ افغانی
حدیثِ عشق بہ اہلِ ہوس چہ میگوئی بچشمِ مور مکش سرمۂ سلیمانی

• عراق و خراسان و مقام اصطلاحات موسیقی ہیں۔

*

شعر ① زمانے نے پھر نمرود کی آگ جلا دی ہے + تاکہ مسلمانی کا جوہر ظاہر ہو (ہر طرف باطلی

نظریات اور مشرکانہ تحریکات نے سر اٹھا رکھا ہے اب یہ مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ ان کا مقابلہ کر کے اور ان کو مٹا کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں اور اسلام کی اصلیت کو دنیا کے سامنے رکھیں)۔

شعر ② آ کہ ہم اپنے داغ جگر سے پردہ اٹھا دیں یعنی اسلام کا جو سوز ہمارے اندر موجود ہے اسے باہر لا کر عام کریں + کیونکہ سورج دنیا پر محض اس لئے محیط ہے کہ وہ پردے میں نہیں ہے اور اس کی روشنی سارے عالم پر پھیلی ہوئی ہے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم تعلیمات اسلامی کو عام کریں۔

شعر ③ تو نے یورپ کے حسینوں کے سامنے (یورپ کی اقوام کے سامنے) اسلام کے بارے میں ہزار ہا رموز و اسرار رکھے + تو نے ان کے بتوں کو دلائل کے علم سے گداز کیا' (لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اگر ہوا بھی ہو گا تو وہ اپنی گوری چمڑی کی ایشیائیوں اور افریقیوں پر برتری کے اصول اور مزاج کو کبھی بدل نہیں سکتے اس سے تو یہ بہتر ہے کہ تو ایشیا اور افریقہ میں موجود مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنائے)۔

شعر ④ حجازیوں (عربوں) کو شہر سلیمی (عربی محبوب) کی خبر دے مراد ہے ان کو یورپ کے تہذیبی و ثقافتی اثر سے آزاد کر کے ان کو اس اسلام کی اقدار سے روشناس کرا جو ان کے ملک سے نکل کر عالم میں پھیلا ہے + (اسی طرح) وسط ایشیا کے رہنے والے مسلمانوں کے ضمیر میں شوق اسلام کی چنگاری پھینک۔

شعر ⑤ عراق اور خراسان کے ملکوں کا راستہ اختیار کر اے موقع و محل کو پہچانے والے + اور عجمیوں (غیر عربوں) کی محفل میں غزل خوانی کا انداز تازہ کر مراد ہے اسلام کے جس پیغام کو ان ملکوں کے مسلمان بھول چکے ہیں ان کو یاد دلا۔ (عراق' خراسان اور مقام کے الفاظ موسیقی کی اصطلاحات بھی ہیں۔ غزل کی مناسبت سے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں)۔

شعر ⑥ بہت عرصہ ہو گیا کہ کسی مضراب لگانے والے کے انتظار میں ہے + افغانیوں کا ساز کہ جس میں نہ جانے کتنے نغمے خون ہو چکے ہیں یعنی دبے ہوئے ہیں مراد ہے افغانستان کے باشندے بھی اس آئیں ہیں کہ ان کو بھولا ہوا اسلام کا صحیح پیغام دیا جائے۔

شعر ⑦ عشق کی بات ہوس والوں سے کیا کہہ رہا ہے + چیونٹی کی آنکھ میں سلیمانی سرمہ نہ [illegible] مراد ہے یورپ والے جو اپنے خون' رنگ' نسل' علم' سائنس کی ترقی وغیرہ کے غرور میں اندھے [illegible] ہیں اور سوائے مادی عروج کے ان کے ذہن میں کوئی اور بات نہیں ان کو اسلام کا درس دینا اندھے کی آنکھوں میں سرمہ لگانے کے برابر ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلا کر مسلمان کرو۔ جب وہ صحیح مسلمان ہو جائیں گے اور ان کے پاس اسلام کا نور موجود ہو گا تو ظلمت میں بھٹکا ہوا یورپ خود بخود نور کی تلاش میں ان کی طرف راغب ہو گا۔ مسلمانوں کی موجودہ صورت کو دیکھ کر تو یورپ والے خود کو ان سے ہر طرح بہتر سمجھیں گے اور اسلام کی طرف ہرگز راغب نہیں ہوں گے اور اگر کوئی ہو بھی جائے گا تو اپنی برتری نہیں چھوڑے گا (سلیمانی سرمہ حضرت سلیمان پیغمبر سے منسوب جس کے لگانے سے پوشیدہ چیزیں نظر آنے لگتی ہیں یہاں مراد حقائق و معارف اسلامی ہیں)

غنی کشمیری

مرزا محمد طاہر نام غنی تخلص گیارھویں صدی ہجری میں کشمیر کا رہنے والا فارسی شاعر تھا۔ بے نیازانہ درویشی طبیعت رکھتا تھا۔ جوانی میں فوت ہو گیا سری نگر میں مزار ہے تاریخ وفات 1079ھ ہے۔

غنی آں سخن گوئے بلبل صفیر نوا سنج کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ داشت چو رفت از سرا تختہ را واگذاشت
یک گفتش اے شاعر دل رسے عجب دارد از کار تو ہر کسے
جوابش چہ خوش گفت مرد فقیر فقیر و باقلیم معنی امیر
ز من آنچہ دیدند یاراں رواست دریں خانہ جز من متاع کجاست
غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش متاعے گرانے ست در خانہ اش
چو آں محفل افروز در خانہ نیست تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست

✱

شعر ① غنی وہ بلبل کی آواز والا سخن گو (شیریں مگر درد آمیز سخن کہنے والا شاعر) + جو جنت سے مشابہت رکھنے والے علاقہ کشمیر کا نوا پیدا کرنے والا (شاعر) تھا۔

شعر ② جب تک وہ گھر میں رہتا دروازے بند رکھتا + جب گھر سے چلا جاتا تو دروازے کھلے چھوڑ جاتا۔

شعر ③ ایک شخص نے اس سے کہا کہ اے دلوں پر اثر انداز ہونے والے شاعر + تیرے اس فعل کو ہر کوئی عجیب سمجھتا ہے۔

شعر ④ مرد فقیر (غنی) نے اس کو جواب میں کیا اچھی بات کہی + وہ غنی جو فقیر (بے سرو سامان) ہوتے ہوئے سلطنت باطن کا یا اپنی شاعری کی سلطنت کا امیر تھا۔

شعر ⑤ مجھ سے دوستوں نے جو کچھ دیکھا ہے بجا دیکھا ہے + (انہیں یہ بھی تو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ میں تو بے سرو سامان ہوں) اس گھر میں میری ذات کے سوا کوئی اور دولت کہاں ہے۔

شعر ⑥ غنی جب تک اپنے گھر میں ہوتا ہے + وہ اپنے گھر میں ایک بہت بڑی دولت ہوتا ہے۔

شعر ⑦ جب وہ محفل کی رونق گھر میں نہیں ہے + تو اس گھر سے زیادہ خالی کوئی اور گھر نہیں ہے (اور خالی گھر کو چور کا کیا خطرہ)۔

خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ (جولائی 1922)

(جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا سے خطاب - جولائی 1922)

ضروری تعارف: پہلی جنگ عظیم میں ترک جرمنوں کے ساتھ مل کر انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف لڑے۔ لیکن ان کو شکست ہو گئی اور صدیوں سے قائم ان کی سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور سوائے ترکی کے سارے علاقے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ بچے کھچے ترکی پر انگریزوں کی مدد سے یونانیوں نے حملہ کر کے بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ ایسی صورت حال میں مصطفیٰ کمال پاشا نے جو پہلے ہی فوج میں افسر تھا ترک فوج کی کمان سنبھالی اور یونانیوں کو شکست فاش دے کر جدید ترکی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس وقت وہ ترکی سلطنت کے قیام کی شکل میں دوبارہ ایک اسلامی حکومت یا خلافت کا علم بردار سمجھا جاتا تھا۔ علامہ نے یہ نظم اسی پس منظر میں لکھی ہے لیکن مصطفیٰ کمال ترکی کو آزاد کرانے کے بعد ان امیدوں پر پورا نہ اترا بلکہ اس نے اس کے الٹ اقدامات کر کے ترکی سے اسلامی شعائر کا خاتمہ کر دیا۔

امیے بود کہ ما از اثر حکمت او ۔۔۔ واقف از سرِّ نہانخانۂ تقدیر شدیم
اصل ما یک شرر باختہ رنگے بودست ۔۔۔ نظرے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم
نکتۂ عشق فروشست ز دل پیر حرم ۔۔۔ در جہاں خوار بہ اندازۂ تقصیر شدیم
باد صحراست کہ با فطرت ما درسازد ۔۔۔ از نفس ہائے صبا غنچۂ دلگیر شدیم
آہ آں غلغلہ کز گنبد افلاک گذشت ۔۔۔ نالہ گردید چو پابند بم و زیر شدیم
اے بسا صید کہ بے دام بفتراک زدیم ۔۔۔ در بغل تیر و کماں کشتۂ نخچیر شدیم
ہر کجا راہ دہد اسپ براں تاز کہ ما ۔۔۔ بارہا مات دریں عرصہ بتدبیر شدیم

*

شعر ① حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امی تھے (لیکن) ان کی حکمت کے اثر سے + ہم تقدیر کے چھپے ہوئے گھر کے راز سے واقف ہوئے یعنی انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ تقدیر کیا ہے (امی کے معنی ہیں ان پڑھ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناتے سے امی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی پیدائش کے ساتھ ہی جملہ علوم پر حاوی ہو اور اسے کسی سے کوئی علم پڑھنے یا سیکھنے کی ضرورت نہ ہو)۔

شعر ② ہماری اصل تو ایک ایسا شعلہ ہے جس کا رنگ اڑ چکا ہو یا حرارت ختم ہو چکی ہو مراد ہے ہم خاک کے پتلے ہیں لیکن انہوں نے ہم پر نظر کی اور ہم جہان کا احاطہ کرنے والے (جہان کو روشن کرنے والے) سورج بن گئے مراد ہے ہم دنیا پر حکمران ہو گئے یا ہم نے دنیا کو نور اور دانش سے روشن کر دیا۔

شعر ③ پیر حرم نے (ہمارے ظاہر پسند اور باطن نفور علما نے یا ہمارے دنیا پسند اور دین نفور راہنماؤں نے) ہمارے دل سے عشق کی باریک بات کو دھو ڈالا یعنی مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جذبہ تھا اسے ختم کر دیا + یہ چونکہ ہماری بہت بڑی تقصیر (قصور، جرم یا غلطی) تھی

اس لئے ہم اتنے ہی زیادہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

شعر ④ یہ صحرائی ہوا ہے جو ہماری فطرت کے موافق ہے + صبح کی نرم و لطیف ہوا کے جھونکے سے ہم اداس غنچہ بن گئے مراد ہے جدوجہد اور عمل مسلمان کی فطرت ہے جب اس نے اس کی بجائے راحت و آرام کی زندگی کو منتخب کر لیا وہ مغموم و ذلیل ہو گیا۔

شعر ⑤ افسوس ہے اس شور و غل پر جو آسمان کے گنبد کو توڑ کر نکل گیا لیکن جب ہم اونچ کے دنیاوی تمیزات کے پابند ہو گئے تو وہ نالہ بن گیا (کامیابی ناکامی میں بدل گئی)

شعر ⑥ (ایک وقت وہ بھی تھا کہ) ہم نے کئی دفعہ شکار کو جال لگائے بغیر اپنی فتراک (شکار باندھنے کا لوہے کا چھلہ جو گھوڑے کے ساتھ لٹک رہا ہوتا ہے) باندھ لیا (اب صورت حال یہ ہے) کہ تیر اور کمان ہماری بغل میں ہیں اور ہم شکار کے شکار ہو گئے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم شکار کو ماریں شکار نے ہمیں مار دیا ہے (ایسا کیوں ہوا اس لئے ہوا کہ ہم جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی اور عیش پسند' آرام طلب اور عمل سے بیگانہ ہو گئے ہیں اسباب کے ہوتے ہوئے ان کو استعمال کرنے سے بے خبر ہیں۔ نتیجتاً" ہم دوسروں کے غلام ہو کر ذلیل و خوار ہیں۔

شعر ⑦ یہ فارسی کے مشہور شاعر نظیری کا شعر ہے۔ جہاں کہیں راستہ بنتا ہے وہاں اپنا گھوڑا دوڑا کیونکہ ہم نے + بارہا اس میدان دنیا میں تدبیر کے ہاتھوں اپنی ہار دیکھی ہے (یہ سچ ہے تدبیر بڑی چیز ہے اور اسباب ظاہری کا ہونا ضروری ہے لیکن ہم نے دنیا میں ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہر قسم کی تدبیر کی گئی اور ہر قسم کے اسباب مہیا کئے گئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی اس لئے اے مصطفیٰ کمال تیرے پاس بھی اگر ظاہری ساز و سامان کی کمی ہے تو تدبیر پر بھروسا کرنے کی بجائے اللہ پر اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر پر بھروسہ کر کے ایمان اور ہمت کے پاؤں کے ساتھ آگے بڑھتا جا ___ اللہ کامیابی سے ہم کنار کرے گا)۔

طیارہ

(ہوائی جہاز)

سر شاخ گل طائرے یک سحر ہمی گفت با طائران دگر
"خداوند بال آدمی زادہ را زمیں گیر کردند ایں سادہ را"
بدو گفتم "اے مرغک باد سنج اگر حرف حق با تو گویم مرنج
ز طیارہ ما بال و پر ساختیم سوئے آسماں رہگذر ساختیم
چہ طیارہ آں مرغ گردوں سپہر پر او ز بال ملک تیز تر
تہی پرواز شاہیں بہ نیرو عقاب بجستش ز لاہور تا فاریاب
بگردوں خروشندہ و تند جوش میان نشیمن چو ماہی خموش
خرد ز آب و گل جبرئیل آفرید زمیں را بگردوں دلیل آفرید"
چو آں مرغ زیرک کلام شنید برا یک نظر آشیانہ بدید
پرش را بہ منقار خارید گفت من آنچہ گوئی ندارم شگفت

مگر اے نگاہ تو بر چون و چند اسیر طلسم تو پست و بلند
تو کار زمیں را نکو ساختی؟ کہ با آسماں نیز پرداختی؟""
(سعدیؒ)

*

شعر ① پھول کی ٹہنی پر ایک پرندہ صبح کے وقت + دوسرے پرندوں سے کہہ رہا تھا۔

شعر ② (خالق کائنات نے ہم پرندوں کی طرح) آدم کی نوع میں پیدا ہونے والے کو یعنی آدمی کو بازو اور پر نہیں دیئے + (اور) اسے (صرف) زمین تک محدود رکھا۔

شعر ③ میں نے اس سے کہا اے ہوا میں اڑنے والے پیارے یا چھوٹے پرندے اگر میں تجھے ایک سچ بات کہوں تو رنج نہ کرنا۔

شعر ④ (ہمارے بال و پر نہیں ہیں تو کیا ہوا) ہم نے ہوائی جہاز بنا کر اپنے لئے بازو اور پر بنالئے ہیں + (اور اس طرح زمین سے) آسمان کی طرف رستہ بنالیا ہے (اب ہم بھی ہوا میں اڑ سکتے ہیں)۔

شعر ⑤ طیارہ کیا ہے۔ آسمان کو طے کرنے والا۔ یعنی آسمانوں کی وسعتوں میں اڑنے والا ایک پرندہ ہے + اس کے پر یعنی پشت فرشتوں کے بازو سے بھی زیادہ تیز ہیں)۔

شعر ⑥ وہ اپنی پرواز میں شاہین کی طرح بلند اور اپنی اڑان کی طاقت میں عقاب کی مانند باہمت و باحوصلہ ہے + اس کی آنکھوں میں لاہور سے لے کر فاریاب تک کی ساری مسافتیں اور وسعتیں ہوتی ہیں (فاریاب خراسان کے علاقہ میں بلخ کے نواح میں ایک شہر ہے اور لاہور پاکستان کے صوبہ پنجاب کا دارالحکومت ہے)۔

شعر ⑦ جب وہ آسمانوں پر اڑتا ہے تو شور مچا رہا ہوتا ہے اور جوش میں تیزی دکھا رہا ہوتا ہے + جب زمین پر آکر اپنے ٹھکانے پر ٹھہرتا ہے تو مچھلی کی طرح خاموش ہو جاتا ہے۔

شعر ⑧ عقل نے آب و گل (مٹی اور پانی) سے یعنی مادی اشیا سے ایک جبرئیل (فرشتہ) تخلیق کیا ہے یعنی جو فرشتہ کی طرح ہر جگہ اور کافی بلندی پر جا سکتا ہے + (اس طرح اس نے) زمین کے لئے آسمان سے دلیل پیدا کی ہے یعنی آسمان کو زمین کی زد میں کر دیا ہے۔

شعر ⑨ جب اس پرندے نے میری بات سنی + تو اس نے میری طرف آشنا کی نظر سے یا دوستانہ نگاہ سے دیکھا (میرے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا)۔

شعر ⑩ اس نے اپنے پروں میں اپنی چونچ سے کھجلی کی اور کہا + کہ تو جو کچھ کہتا ہے اس پر مجھے حیرت نہیں ہے۔

شعر (11): مگر اے وہ شخص جس کی نگاہ چون و چند پر ہے یعنی ظاہری اسباب پر ہے + اور پست و بلند جس کی قید میں اسیر ہیں۔

شعر (12): (یہ شعر شیخ سعدیؒ کا ہے) تو نے زمین کے کام خوب سنوار لئے ہیں + کہ اب آسمانوں کی طرف جانے کو تیار ہے (اے انسان پہلے تو زمین کے حالات تو درست کر پہلے یہاں تو انسانوں کی طرح رہنا سکھ پھر آسمانوں کی جانب بھی دیکھنا)۔

عشق

آں حرف دل فروز کہ راز است و راز نیست　　من فاش گویت کہ شنید؟ از کجا شنید؟
دزدید ز آسماں و بہ گل گفت شبنمش　　بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید

*

شعر ① وہ دل کو روشن کرنے والا حرف یعنی عشق جو راز بھی ہے اور راز نہیں بھی یعنی جو اپنی اصل کے لحاظ سے پوشیدہ اور اپنے عمل کے لحاظ سے ظاہر ہے + میں تجھے صاف صاف یعنی بتاتا ہوں کہ اس لفظ کو کس نے سنا اور کہاں سے سنا۔

شعر ② (بات یہ ہے کہ) کہ شبنم نے اسے آسمان سے (یعنی آسمان والوں سے یا ملائکہ سے) چوری چھپے سنا اور وہاں سے زمین پر آکر اس نے گلاب کے پھول کو بتا دیا + گلاب کے پھول سے بلبل نے سنا اور بلبل سے صبا نے سنا (اور اس طرح اس نے اسے سارے گلستان میں پھیلا دیا) شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ عشق اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے جس سے وہ اپنے خاصان کو نوازتا ہے۔

تہذیب

(انسان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کی شائستگی)

انساں کہ رخ ز غازۂ تہذیب برفروخت　　خاک سیاہ خویش چو آئینہ وا نمود
پوشید پنجہ را تہ دستانہ حریر　　افسونی قلم شد و تیغ از کمر کشود
ایں بوالہوس صنم کدۂ صلح عام ساخت　　رقصید گرد او بنواہائے چنگ و عود
دیدم چو جنگ پردہ ناموس او درید　　جز سفک الدماء و خصیم مبیں نبود

*

شعر ① (آج کے انسان خصوصاً یورپ کے انسان یا اہل یورپ کی تہذیب کے دلدادہ انسان کی بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ) وہ انسان جس نے اپنا چہرہ تہذیب کے غازہ سے روشن کر رکھا ہے + (حالات و واقعات اور اس کے افکار و اعمال نے) اس کی اس سیاہی کو جو اس غازہ کے پیچھے اس کے چہرہ پر ہے آئینہ کی طرح نمایاں کر رکھا ہے۔

شعر ② اس نے ریشمی دستانہ کے پیچھے (شیر کا) پنجہ چھپایا ہوا ہے۔ بہ ظاہر وہ بڑا مہذب اور رحم دل نظر آتا ہے حقیقت میں بڑا خونخوار اور ظالم ہے جو افراد و اقوام کا خون پی کر سرخ رو نظر آتا ہے + اس نے کمر سے تلوار کھول دی ہے لیکن قلم کے جادو سے کام لے رہا ہے بظاہر وہ امن کی باتیں کرتا ہے لیکن اندر ہی اندر اپنے علوم و فنون سے آدمیت و انسانیت کا قتل عام کر رہا ہے۔ آدم کشی اور غارت گری اقوام

شعر ③ اس حرص کے بندے نے ایک صلح عام کا بت خانہ بنا رکھا ہے اور ساری دنیا کو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم تو صلح اور امن کے بت کے پجاری ہیں + وہ اس بت کا طواف کرتے ہوئے خوشبوئیں سلگا کر اور چنگ بجا کر ناچ یا ناچ رہا ہے (اگر عود کو بھی ایک ساز کے طور پر لیں تو مراد ہوگی کہ وہ عود اور چنگ کے ساز بجا کر ناچ رہا ہے) مراد ہے حرب والے ہر طرح سے اپنے امن کے علمبردار ہونے کا یقین دلا رہے ہیں (لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے)

شعر ④ جب میں نے اس کی چھیڑی ہوئی جنگ عظیم اول کی تباہ کاریاں دیکھیں تو اس کی تہذیب کی ناموس کا اور اس کے امن کے دعویٰ کا پردہ چاک ہو گیا اور قرآن کریم میں ذکر کردہ انسان کی اس صفت اور خصلت کا یقین آ گیا کہ وہ فساد کرنے والا' خون بہانے والا اور کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے قرآن کی آیات کا ترجمہ یہ ہے (1) فرشتوں نے عرض کی اے خدا کیا تو (زمین میں) اپنا نائب اسے بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا (2/300) (2) اس نے یعنی خدا نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا لیکن وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے (16/4)۔

مئی باقی

(بچی ہوئی شراب یا وہ شراب جس کا نشہ نہ اترے)

غزل ①

بہار تا بہ گلستاں کشید بزم سرود
نوائے بلبل شوریدہ چشم غنچہ کشود

گماں مبر کہ سرشتند در ازل گل ما
کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیر وجود

بہ علم غرہ مشو کار مے کشی دگر است
فقیہہ شہر گریباں و آستیں آلود

بہار برگ پراگندہ را بہم بربست
نگاہ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب افزود

نظر بخویش فرو بستہ را نشاں ایں است
دگر سخن نہ سراید ز غائب و موجود

شے بہ میکدہ خوش گفت پیر زندہ دلے
بہ ہر زمانہ خلیل است آتش نمرود

چہ نقش ہا کہ نہ بستم بکار گاہ حیات
چہ رفتنی کہ نہ رفت چہ بودنی کہ نبود

بہ دیریاں سخن نرم گو کہ عشق غیور
بنائے بت کدہ افگند در دل محمود

بخاک ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نہ گردد ز نغمۂ داؤد

✱

شعر ① بہار نے جب پھولوں کے چمن میں محفل طرب قائم کی + (تو) شوریدہ سر عاشق یا بلبل نے اپنی نوا سے غنچہ کی آنکھ کھول دی مراد ہے کہ جب خالق (بہار) نے دنیا (گلستاں) کی نغمہ بار اور رنگین محفل (بزم سرود) منعقد کی تو انسان (بلبل شوریدہ) نے اپنے عشقیہ نالوں سے غنچہ کی آنکھ کھول دی یعنی کائنات میں ہنگامہ اور رونق پیدا کر دی اگر انسان نہ ہوتا اور انسان میں جذبہ آرزو اور جوہر عشق نہ ہوتا تو کائنات میں جوش و خروش' ہنگامہ خیزی اور رونق نہ ہوتی۔

شعر ② یہ گمان نہ کر کہ ہماری مٹی ازل میں گوندھی گئی تھی + کیونکہ ہم ابھی تک وجود کے دل میں خیال کی طرح ہیں۔ مراد ہے کہ اصل وجود باری تعالیٰ کا ہے جسے فلسفیانہ اور صوفیانہ اصطلاح میں وجود مطلق کہتے ہیں۔ آدمی کی روح بے شک ازل میں پیدا ہوئی اور وجود مطلق نے ہی اسے وجود بخشا ہے لیکن اس کے باوجود آدمی ممکن الوجود ہے یعنی وجود مطلق کی وجہ سے وجود رکھتا ہے اس لئے وہ موجود ہے وجود نہیں البتہ وجود ہونے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کا طریقہ انائے مقید کو انائے مطلق میں جذب کرنے کا ہے یا مقام فنا فی اللہ کا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نصب العین انسان کو ہنوز وجود میں آنا ہے اور اس منصب پر پہنچنے کے لیے انسان کو کسی دلیل راہ کی ضرورت ہوگی۔

شعر ③ علم پر مت اترا' شراب کھینچنے یا پینے کا کام اور ہے + شہر کے عالم فقہ کا گریبان اور آستین دونوں آلودہ ہیں یعنی وہ آلائش دنیوی سے پاک نہیں ہے مراد ہے علم محض یا علم ظاہر انسان کو اپنی' اپنے خدا اور اپنے گرد کی کائنات کی حقیقت سے آشنا نہیں کرتا بلکہ ایسے اہل علم تو تقویٰ کے قریب بھی نہیں ہوتے اس کے لئے ایک اور راہ ہے جسے عشق یا تصوف کہتے ہیں۔ اس میخانہ سے جس نے پی اس رند پر حقیقت منکشف ہو گئی۔

شعر ④ بہار نے بکھرے ہوئے پتوں کو اکٹھا کر دیا مراد ہے خزاں کی بربادی کو آبادی میں تبدیل کر دیا اور ہر جگہ پھول کھل گئے سبزہ اگ آیا درخت ہرے بھرے ہو گئے + لیکن یہ ہماری نگاہ ہے کہ جس نے لالہ کے پھول کی سرخی اور شادابی کو بڑھایا ہے (اگر ہمارا حسن نظر نہ ہوتا تو پھول بھی حسین نظر نہ آتا یہ اس فلسفہ حسن کی طرف اشارہ ہے کہ حسن باہر نہیں آدمی کے اپنے اندر ہے۔

شعر ⑤ وہ شخص جو اپنی ذات پر نظر جمائے ہوئے ہوتا ہے اس کی نشانی یہ ہے + کہ وہ پھر غائب اور موجود کی بات نہیں کرتا۔ (اسے اپنی ذات کی اس دنیا کی سیر سے فرصت نہیں ہوتی جس میں ساری دنیائے خارجی بھی موجود ہے اس لئے وہ جو کچھ حاضر ہے اور جو کچھ غائب ہے اس کے تماشا کی آرزو کیوں کرے گا)۔

شعر ⑥ ایک رات میکدہ میں (خانقاہ درویش میں) زندہ دل پیر میخانہ (مرشد کامل) نے بہت اچھی اور پیاری بات کی + کہ ہر دور میں نمرود کی آگ بھی ہوتی ہے اور اس آگ کا مقابلہ کرنے والا کوئی ابراہیم خلیل اللہ بھی ہوتا ہے مراد ہے اللہ اور اس کے بندوں کے دشمن ہر زمانے میں ہوتے ہیں اور ان کی سرکوبی کرنے والے بھی موجود ہوتے ہیں۔

شعر ⑦ وہ کون سے نقش ہیں جو میں نے زندگی کی کارگاہ (کارخانہ) میں پیدا نہیں کئے + کونسی رخصت ہونے کے لائق شے تھی کہ جو رخصت نہ ہوئی اور کون سی ہونے کے قابل بات تھی جو نہ ہوئی مراد ہے دنیا میں کسی شے کو ہمیشگی نہیں۔

شعر ⑧ بت پرستوں یا مندر والوں سے نرم بات کر کیونکہ غیرت مند عشق نے + محمود کے دل میں بت کدہ کی بنیاد رکھ دی تھی (محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملوں کے دوران ایک حملہ میں سومنات کا بت توڑ دیا تھا لیکن وہ خود ایک شخص ایاز کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا اور اس نے اپنے دل کو اس محبوب کے بت سے سجا لیا تھا اگر بتوں کو توڑنے والا محمود ایک آدمی کا بت تراش کر اپنے دل کو بت کدہ بنا سکتا ہے تو اگر ایک برہمن مندر میں پتھر کا بت رکھ کر اسے پوجتا ہے تو یہ اس کے عشق کی بھی مجبوری ہے اس لئے

اسے نرمی سے سمجھا۔ تبلیغ دین حسن اخلاق سے کر درشت روئی اختیار نہ کر۔

شعر ⑨ اہل ہند خصوصاً ہندی مسلمانوں پر (جن کو میں خواب غفلت سے جگانا چاہتا ہوں میرا شاعری میں دیا گیا) پیغام زندگی بے اثر ہے + (معلوم ہوتا ہے یہ زندہ نہیں مردہ ہیں بلکہ مردوں سے بھی بدتر ہیں) ایسا مردہ جو حضرت داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کے نغمہ سے بھی زندہ نہیں ہوتا۔

غزل ②

حلقہ بستند سر تربت ما نوحہ گراں دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں
در چمن قافلہ لالہ و گل رخت کشود از کجا آمدہ اند ایں ہمہ خونیں جگراں؟
اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق نخرد بادہ کس از کارگہ شیشہ گراں
خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں
برکش آں نغمہ کہ سرمایہ آب و گل تست اے زخود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں
کس ندانست کہ من نیز بہائے دارم آں متاعم کہ شود دست زد بے بصراں

*

شعر ① (میرے مرنے کے بعد) میرا ماتم کرنے والوں نے میری قبر کے گرد حلقہ باندھا اور نوحہ گری کی + (ان میں) دل لوٹ کر لے جانے والے، زہرہ ستارہ جیسے، گلاب کے پھول کے جسموں والے اور چاندی کی طرح کے سفید پہلو والے سبھی قسم کے حسین تھے (آخر انہیں مجھ جیسا عاشق اب کب ملے گا)۔

شعر ② چمن میں لالہ اور گلاب کے پھولوں کے قافلے نے اپنا سامان کھول دیا ہے یعنی یہ ہر طرف کھلے ہوئے نظر آرہے ہیں + (آخر) یہ جگر کو خون کئے ہوئے کہاں سے آگئے ہیں (لالہ بھی سرخ اور گلاب کا پھول بھی سرخ)۔

شعر ③ اے کہ تو مدرسہ میں ادب، دانش اور ذوق کی تلاش کر رہا ہے + شیشہ بنانے والے کاریگروں کے کارخانہ سے کوئی شخص شراب نہیں خریدتا (وہاں شیشے کی صراحیاں اور پیالے ضرور ملتے ہیں جن میں شراب پی جاتی ہے لیکن شراب تو شراب خانے سے ہی ملے گی مراد ہے مدرسہ خصوصاً آج کا مدرسہ ادب، دانش اور ذوق پیدا کرنے کی بجائے اسے ختم کرتا ہے۔ اسے حاصل کرنا ہے تو کسی صاحب دل اور صاحب نظر کی صحبت اختیار کر۔

شعر ④ یورپی فلسفیوں کے درس نے میری عقل میں اضافہ کیا + لیکن میرے سینے کو اہل نظر کی صحبت نے روشن کیا۔

شعر ⑤ وہ نغمہ الاپ جو تیری آب و گل (جسم خاکی) کا سرمایہ ہے (یعنی جس سے تیرے جسم میں روح بیدار ہو سکے یا جس سے تجھے اپنی انا کا اور اپنے جوہر خودی کا علم ہو سکے) + اے دوسروں کے نغموں میں مدہوش کے نغموں ... زندگی کے کسی شعبہ میں بھی ...

نہ بن۔

شعر ⑥ کسی نے نہیں جانا کہ میں بھی کوئی قدر و قیمت رکھتا ہوں + میں وہ دولت ہوں جو بے قدروں اور بے نظروں کے ہاتھ لگ جائے یعنی میری قوم نے دوسری قوموں اور زبانوں کے شاعروں' فلسفیوں' دانش وروں اور ادیبوں کو تو لائق توجہ سمجھا لیکن میرے کلام اور پیغام کی طرف توجہ نہ دی۔

غزل ③

می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر — رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر
بر سر بام آ نقاب از چہرہ بیباکانہ کش — نیست در کوئے تو چو من آرزو مندے دگر
بس کہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش — از نگہ بافم بہ رخسارے تو رو بندے دگر
یک نگہ' یک خندۂ دزدیدہ' یک تابندہ اشک — بہر پیمان محبت نیست سوگندے دگر
عشق را نازم کہ از بیتابی روز فراق — جان ما را بست با درد تو پیوندے دگر
تا شوی بیباک در نالہ اے مرغ بہار — آتشے گیر از حریم سینہ ام چندے دگر
چنگ تیموری شکست آہنگ تیموری بجاست — سر بروں می آرد از ساز سمرقندے دگر
رہ مدہ در کعبہ اے پیر حرم اقبال را — ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر

*

شعر ① ہماری فکر ہر لحظہ ایک نیا آقا (یا نیا بت) تراشتی ہے + جب وہ ایک بند (قید) سے نکلتی ہے تو کسی اور بند میں گرفتار ہو جاتی ہے یعنی ہماری ہوس نئی نئی آرزوئیں پیدا کرتی رہتی ہے۔

شعر ② چھت پر آ (اور اے میرے محبوب) بے خوف ہو کر اپنے چہرے سے نقاب اتار دے + تیری گلی میں مجھ جیسا تیرا کوئی اور آرزو کرنے والا نہیں ہے۔

شعر ③ (چونکہ) تیرا نظارہ کرنے والی اپنی آنکھ سے مجھے بہت غیرت آ رہی ہے کیونکہ میری غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ تجھے کوئی اور نہ دیکھے) + میں (نظروں کے تاروں سے) تیرے رخسار (چہرے) پر ایک اور چہرہ پوش بن رہا ہوں۔ تاکہ کوئی اور تو کیا میری آنکھیں بھی تجھے نہ دیکھ پائیں۔

شعر ④ (محبوب کی) ایک نگاہ' ایک زیر لب تبسم' ایک چمکتا ہوا موتی (آنکھوں سے نکلا ہوا خلوص کا آنسو) + محبت کے عہد کے لئے اس سے بڑی قسم کوئی اور نہیں ہے۔

شعر ⑤ میں اپنے عشق پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے جدائی کے دن کی بیقراری سے + میری جان کا تیرے غم عشق کے ساتھ ایک اور پیوند لگا دیا ہے مراد ہے فراق، عشق کی حیات ہے۔

شعر ⑥ اے بہار کے پرندے (بلبل) تاکہ تو اپنی فریاد میں زیادہ بے خوف ہو جائے + میرے سینے کے حریم سے کچھ دیر کے لئے اور آگ لے یعنی اے مخاطب میرے سینہ یا دل میں عشق کی جو آگ ہے میری محبت میں رہ کر اس سے مستفیض ہو۔

شعر

تیموری کی رباب (ایک قسم کا ساز) تو ٹوٹ گئی مگر اس رباب سے جو نغمہ یا آواز نکلی تھی وہ اب تک قائم ہے + وہی نغمہ یا آواز اب ایک اور سمرقند کے ساز سے باہر آ رہی ہے اشتراکی نظام کی طرف خصوصیت سے اشارہ ہے مراد ہے کہ شخصی حکومت کا زمانہ اگرچہ ختم ہو گیا ہے لیکن اس کی روح دوسرے نظاموں میں داخل ہو گئی ہے۔ جمہوریت اور اشتراکیت کے موجودہ نظاموں کو دیکھو یہ اپنے عوامی جسموں کے اندر شخصی حکومت سے بھی زیادہ خطرناک قسم کی روح رکھتے ہیں آدمی کے ساتھ وہ کچھ شخصی حکومتوں میں نہیں ہوا جو کچھ اشتراکی اور جمہوری نظاموں میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے اصل میں اشتراکی اور جمہوری لباس میں استبداد کا دیو رقص کر رہا ہے۔

شعر ⑧ اے حرم کے پیر (اے پیشوائے دین) اقبال کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دے + وہ تو ہر گھڑی اپنی آستین میں ایک نیابت رکھتا ہے۔ (اس شعر میں مسلمانوں کی غیر اسلامی زندگی پر طنز کیا گیا ہے)۔

غزل ④

مرا ز دیدۂ بینا شکایتے دگر است
کہ چوں بجلوہ در آئی حجاب من نظر است

بہ نوریاں ز من پا بہ گِل پیامے گوے
حذر ز مشت غبارے کہ خویشتن نگر است

نوا زنیم و بہ بزم بہار می سوزیم
شرر بہ مشت پر ما ز نالہ سحر است

ز خود رمیدہ چہ داند نوائے من زکجاست
جہان او دگر است و جہان من دگر است

مثال لالہ فتادم بگوشہ چمنے
مرا ز تیر نگاہے نشانہ بر جگر است

بہ کیش زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است
سفر بہ کعبہ نہ کردم کہ راہ بے خطر است

ہزار انجمن آراستند و برچیدند
دریں سراچہ کہ روشن ز مشعل قمر است

ز خاک خویش بہ تعمیر آدمی برخیز
کہ فرصت تو بقدر تبسم شرر است

اگر نہ بوالہوسی با تو نکتہ گویم
کہ عشق پختہ تر از نالہ ہائے بے اثر است

نوائے من بہ عجم آتش کہن افروخت
عرب ز نغمہ شوقم ہنوز بے خبر است

*

شعر ① (پہلے تو مجھے اپنی دیکھنے والی آنکھ سے یہ شکایت تھی کہ وہ تجھے دیکھ نہیں سکتی لیکن اب) مجھے اپنی بینا آنکھ سے ایک اور شکایت ہے + (اور وہ یہ کہ) اب جب تو جلوہ گری کرتا ہے تو میری نظر میرے اور تیرے درمیاں پردہ بن جاتی ہے۔ یعنی دوست کے جلووں کا پوری طرح احاطہ کرنا نظر عاشق کے بس میں بھی نہیں۔

شعر ② فرشتوں کو مجھ مٹی میں پھنسے ہوئے (جسم خاکی میں مقید یا خاک ارضی پر رہنے والے) آدمی کی طرف سے پیغام دو + کہ اس مٹی کی مٹھی (آدم خاکی) سے ڈرو جو اپنی معرفت رکھتا ہے۔ (اس کا مقام تم سے کہیں افضل ہے)۔

شعر ③ (شاعر نے خود کو بلبل تصور کیا ہے اور کہا ہے کہ) میں نغمہ الاپ رہا ہوں اور بہار کی محفل میں جل رہا ہوں + میرے پروں کی مٹھی میں جو شعلہ چمک رہا ہے وہ میرے نالہ سحر (صبح کی فریاد یعنی عشق) کی

بدولت ہے۔ (شررِ پیشہ پرسا اضطراب کے لیے کنایہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ میرے اندر جو اضطراب ہے)

شعر ④ جو شخص اپنی معرفت سے بے گانہ ہے وہ کیا جانتا ہے کہ میری نوا کہاں سے ہے اور کیا ہے + اس کا جہان اور ہے اور میرا جہان اور ہے (کیونکہ میں خود آشنا ہوں)۔

شعر ⑤ میں لالہ (بظاہر سرخ لیکن بباطن سیاہ داغ والا پھول) کی مانند چمن کے ایک گوشے میں پڑا ہوں + میرے جگر پر کسی کی نگاہ کے تیر کا نشانہ لگا ہوا ہے یعنی میں کسی کے عشق میں گرفتار ہوں اور میری شخصیت اسی کی مرہونِ منت ہے۔

شعر ⑥ زندہ دلوں کے مذہب میں زندگی سخت کوشی یا مشقت کرنے اور مصائب برداشت کرنے کا نام ہے + میں نے کعبہ کی جانب اس لئے سفر اختیار نہیں کیا کہ وہاں تک کا راستہ بے خطر (بغیر خطرے کے) ہے۔

شعر ⑦ ہزاروں محفلیں آراستہ ہوئیں اور اجڑ گئیں + اس چھوٹے سے گھر میں یعنی دنیا میں جو چاند کی مشعل سے روشن ہے۔ مراد ہے دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں۔ حیات عارضی ہے۔ تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔ (ساری کائنات میں کرۂ ارضی (زمین) ایک چھوٹی حیثیت کی مالک ہے اس لئے اسے چھوٹا سا گھر کہا ہے)۔

شعر ⑧ اپنی مٹی سے (اپنے اندر) آدمی کی تعمیر کے لئے اٹھ + کہ تیری فرصت چنگاری کی مسکراہٹ کے برابر ہے۔ یعنی بہت تھوڑی ہے۔ خلقِ خدا کی خدمت اور صحیح معاشرہ کی تعمیر کے لئے کوشش کرتے رہو یا یہ مقصود بھی ہو سکتا ہے کہ تو اپنی خودی کی تعمیر کر۔

شعر ⑨ اگر تو ہوس والا یعنی ہوس کا بندہ نہیں (اور سچا عاشق ہے) تو میں تمہیں ایک باریک یا رمزی بات کہتا ہوں + (اور وہ یہ ہے) کہ عشق بے اثر فریادوں سے پختہ ہوتا ہے مراد ہے عشق کی زندگی فراق میں ہے وصال میں نہیں۔

شعر ⑩ میری نوا (شاعری) نے ایران یا مسلمانوں کے جملہ غیر عرب ملکوں میں پرانی آگ بھڑکا دی ہے یعنی ان میں اسلاف اور اسلام کا پرانا جذبہ پیدا کر دیا ہے لیکن عرب کے ممالک ابھی تک میرے نغمۂ شوق سے بے خبر ہیں۔

غزل ⑤

بایں بہانہ دریں بزم محرمے جویم ۔۔۔ غزل سرایم و پیغام آشنا گویم
بخلوتے کہ سخن می شود حجاب آنجا ۔۔۔ حدیث دل بزبان نگاہ می گویم
پئے نظارہ روئے تو می کنم پاکش ۔۔۔ نگاہ شوق بہ جوئے سرشک می شویم
چو غنچہ گرچہ بکارم گرہ زنند ولے ۔۔۔ ز شوق جلوہ گہ آفتاب می رویم
چو موج ساز وجودم ز سیل بے پرواست ۔۔۔ گماں مبر کہ دریں بحر ساحلے جویم
میانہ من و او ربط دیدہ و نظر است ۔۔۔ کہ در نہایت دوری ہمیشہ با اویم

کشید نقش جہانے بہ پردۂ چشمم ز دست شعبدہ بازے اسیر جادویم
درون گنبد در بستہ اش نگنجیدم من آسمان کہن را چو خار پہلویم
بہ آشیاں نہ نشینم ز لذت پرواز گہے بہ شاخ گلم گاہ بر لب جویم

*

شعر ① میں اس بہانہ سے اس محفل میں (دنیا میں) کسی محرم کو تلاش کر رہا ہوں + کہ تو میں غزل رہا ہوں (لیکن اس کے ذریعے) دوست کا پیغام دے رہا ہوں۔

شعر ② (دوست کی) اس مجلس تنہائی میں جہاں بات کرنا (مقصد کے ابلاغ میں) رکاوٹ بن جاتا ہے + میں اپنے دل کی بات اپنی نگاہ کی زبان کہتا ہوں۔

شعر ③ میں اسے تیرے چہرہ کے نظارہ کے لئے پاک کر رہا ہوں + (اور) نگاہ شوق کو آنسوؤں کی نہر میں دھو رہا ہوں۔

شعر ④ (غنچہ بند ہوتا ہے اور پھول کھلا ہوا ہوتا ہے اور غنچہ اپنے کھلنے کے لئے سورج کا محتاج ہوتا ہے) قدرت نے اگرچہ میرے کام میں غنچہ کی طرح بندش پیدا کر رکھی ہے لیکن + میں آفتاب کی جلوہ گاہ کے نظارے کے شوق میں اگتا رہتا ہوں۔ مراد ہے منزل مقصود کے راستے میں اگرچہ رکاوٹیں ہیں لیکن میں حصول منزل کے لئے برابر کوشاں رہتا ہوں۔

شعر ⑤ لہر کی طرح میرے وجود کا سامان بے پروا طوفان کی وجہ سے ہے یعنی مشکلات کو میں زندگی کا سامان سمجھتا ہوں + یہ گمان نہ کر کہ میں اس سمندر میں کنارے کی تلاش میں ہوں یعنی دنیا میں آرام اور عیش کی زندگی چاہتا ہوں۔

شعر ⑥ میرے اور اس کے (دوست کے) درمیان وہی ربط ہے جو نظر کو آنکھ سے ہوتا ہے (کہ نظر آنکھ سے باہر اور دور ہوتی ہوئی بھی آنکھ میں ہوتی ہے) + دوری کی انتہا کے باوجود میں ہمیشہ اس کے پاس ہوتا ہوں۔

شعر ⑦ اس نے میری آنکھوں کے پردہ پر جہان کا نقش کھینچ دیا + میں ایک شعبدہ باز کے ہاتھوں جادو کا اسیر ہوں مراد ہے جہان کا وجود حقیقی نہیں ہے میری نگاہوں میں وہ حقیقی نظر آتا ہے حقیقی وجود صرف نقش گر کا ہے جہان کے نقش کے نہیں۔

شعر ⑧ میں اس کے بند دروازے والے آسمان میں نہیں سما سکتا + میں پرانے آسمان کے پہلو میں کانٹے کی طرح ہوں مراد ہے آدمی مقام خلافت و نیابت پر پہنچ کر طلسم زمان و مکان کو توڑ کر آں سوئے افلاک نکل سکتا ہے۔ آسمان میری اس قوت تسخیر سے تکلیف میں ہے۔

شعر ⑨ میں پرواز کی لذت کی وجہ سے گھونسلے میں قیام نہیں کرتا + میں کبھی گلاب کے پھول کی شاخ پر ہوتا ہوں اور کبھی نہر کے کنارے پر یعنی میں ہر وقت حرکت میں رہتا ہوں سکون مجھ پر حرام ہے۔

غزل ⑥

خیز و نقاب برکشا پردگیان ساز را — نغمہ تازہ یاد دہ، مرغ نوا طراز را

جادہ ز خون رہرواں تختہ لالہ در بہار — ناز کہ راہ می زند قافلہ نیاز را؟

دیدۂ خوابناک او گر بہ چمن کشودۂ — رخصت یک نظر بدہ، نرگس نیم باز را

"حرف نگفتۂ شما" برلب کودکاں رسید" — از من بے زباں بگو خلوتیان راز را

سجدہ تو بر آورد، از دل کافراں خروش — اے کہ درازتر کنی پیش کساں نماز را

گرچہ متاع عشق را، عقل بہائے کم نہد — من ندہم بہ تخت جم آہ جگر گداز را

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر — تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را

*

شعر ① اٹھ ان نغموں سے جو ساز کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں پردہ اٹھا دے یعنی پوشیدہ نغموں کو آشکارا کردے اور نوا پیدا کرنے والے پرندے کو نیا نغمہ سکھا۔ (مسلمانوں کو نیا سبق دے یعنی انہیں دین و عرفان کے پوشیدہ رازوں سے آشنا کردے)

شعر ② مسافروں کے خون سے راستہ بہار کے موسم میں کھلے ہوئے لالہ کے سرخ پھولوں کا تختہ (کیاری / روش) بن گیا ہے + قافلہ نیاز (عاشقوں کے قافلے) کو کس کے ناز نے لوٹ لیا ہے یا ختم کردیا ہے مراد ہے عاشق ہمیشہ معشوق کی غارت گری کا شکار رہتے ہیں۔

شعر ③ اس کی نیند بھری آنکھ کو اگر تو نے چمن میں کھولا ہے + تو آدھی کھلی ہوئی نرگس کو ایک نظر (چمن پر) ڈالنے کی رخصت بھی دے۔ مراد ہے اگر تو نے آدمی کو اپنی محبت کا ذوق دیا ہے تو اسے اپنی معرفت بھی عطا کر۔

شعر ④ (اے مقام راز کی خلوت میں رہنے والو اے عارفان حق) جو باتیں تم نے ظاہر نہیں کی تھیں وہ (میری شاعری کی وجہ سے) بچوں تک یعنی عام لوگوں تک پہنچ گئی ہیں + مجھ بے زبان کی طرف سے یہ بات خلوت خانہ راز میں مقیم عارفوں کو بتادو۔ یعنی میری شاعری کی وساطت سے وہ راز جو تم نے چھپا کر رکھے تھے لوگوں تک پہنچ گئے ہیں۔

شعر ⑤ تیرے (ریاکارانہ) سجدہ کی وجہ سے کافروں کے دل میں بھی شور برپا ہے + اے وہ شخص جو لوگوں کے سامنے اپنی نماز کو زیادہ لمبی کر رہا ہے۔

شعر ⑥ اگرچہ عقل عشق کی متاع کی کم قیمت لگاتی ہے (دولت عشق کو بیکار سمجھتی ہے) لیکن میں جگر کو گداز کرنے والی آہ کو تخت جمشید کے عوض بھی نہیں دوں گا۔

شعر ⑦ ایک برہمن نے محمود غزنوی کو (جس نے سومنات کا بت کدہ توڑا تھا) کہا کہ میری کرامت دیکھ + تو کہ جس نے (سومنات کے) بت کو توڑا تھا ایاز کا غلام بن گیا ہے (اس کے عشق میں کھو کر اس کے بت کا پرستار بن گیا ہے)۔

غزل ⑦

بملازمان سلطان خبرے دہم ز رازے — کہ جہاں تواں گرفتن بنوائے دلگدازے
بمتاع خود چہ نازی کہ بہ شہر دردمنداں — دل غزنوی نیرزد بہ تبسم ایازے
ہمہ ناز بے نیازی، ہمہ ساز بے نوائی — دل شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازے
ز مقام من چہ پرسی بہ طلسم دل اسیرم — نہ نشیب من نشیبے، نہ فراز من فرازے
رہ عاقلی رہا کن کہ باو تواں رسیدن — بدل نیازمندے بہ نگاہ پاکبازے
بہ رہ تو ناتمامم ز تغافل تو خامم — من و جان نیم سوزے، تو و چشم نیم بازے
رہ دیر تختہ گل ز جبین سجدہ ریزم — کہ نیاز من نگنجد بدو رکعت نمازے
ز تمیز آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد — دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے

*

شعر ① میں بادشاہ کے ملازموں کو راز کی ایک خبر دیتا ہوں + کہ جہان کو ایک دل گداز نوا سے قابو میں کیا جا سکتا ہے یا فتح کیا جا سکتا ہے (وہ دل گداز نوا کیا ہے عشق الٰہی ہے وہ قوت فقر ہے، شاہی لشکر ملکوں کی تسخیر کرتے ہیں فقر کے لشکر دلوں کو مسخر کرتے ہیں سلطنت ملک ختم ہو سکتی ہے سلطنت دل کو دوام ہے)۔

شعر ② (اے سلطنت و دولت دنیا کے مالک) اپنی دولت پر کیا ناز کرتا ہے کیونکہ دردمندوں (عاشقوں) کے شہر میں سلطان محمود غزنوی جیسے عظیم فاتح و بادشاہ کے دل کی اس کے غلام ایاز کی مسکراہٹ کے سامنے کوئی قیمت نہیں ہے (کہتے ہیں محمود اپنے غلام ایاز کا عاشق تھا اور اس اعتبار سے اس کے آگے سر نیاز جھکاتا تھا۔ عشق کی دنیا وہ دنیا ہے جہاں بادشاہ گدا اور گدا بادشاہ نظر آتے ہیں)۔

شعر ③ (اپنے خدا کے سوا ہر طرف سے اور ہر کسی سے بے نیاز گدا یا بے سروسامان کا پیکر ہے + اس (بے نیاز گدا) کے سامنے بادشاہ کا دل بھی لرزتا ہے۔

شعر ④ تو میرے مقام (مرتبہ) کے متعلق کیا پوچھتا ہے میں تو دل کے جادو میں اسیر ہوں (میں تو وہ کرتا ہوں جو میرا دل کہتا ہے) + میرے لئے نہ کوئی بلندی بلندی ہے اور نہ کوئی پستی پستی ہے (میرے عشق بھرے دل نے مجھے ہر کسی سے بے نیاز کر رکھا ہے)۔

شعر ⑤ عقل مندی کا راستہ چھوڑ دے (عشق کی راہ اختیار کر) کیونکہ اس تک (دوست / محبوب تک) + اس سے نیاز رکھنے والے دل اور اپنی پاک باز نگاہ کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے (یہ دونوں صفات عشق پیدا کرتا ہے عقل نہیں)۔

شعر ⑥ میں (اے دوست) تیری راہ میں نامکمل ہوں اور تیرے تغافل (توجہ نہ کرنے) کی وجہ سے ناقص ہوں + میں وہ ہوں جس کی جان آدھی جلی ہے اور تو وہ ہے جس کی آنکھ میری طرف ہے تو سہی لیکن پوری طرح کھلی ہوئی نہیں (تو جب تک میری طرف پوری توجہ سے نگاہ نہیں کرے گا میں مکمل نہیں ہو سکوں گا)۔

شعر ⑦ میری سجدے کرنے والی پیشانی نے (اپنے سجدوں سے) بت کدہ کے راستہ کو پھولوں کی روش بنا دیا ہے + کیونکہ میرا (تیرے لئے اے دوست جو نیاز ہے) وہ ایک نماز کی دو رکعتوں میں نہیں سما سکتا۔ (اس لئے میں نے ایک موحد کی مانند ہر جگہ تیرا جلوہ دیکھ کر ہر راہ کو اپنے سجدوں کے نقش سے سجا دیا ہے)۔

شعر ⑧ دوستوں اور واقف کاروں یعنی عاشقوں اور معشوقوں کے درمیان جو کھچاؤ یا تصادم کی سی صورت نظر آتی ہے (اسی میں تو مزہ ہے) ایک طرف معشوق کا ناز ہوتا ہے اور دوسری طرف عاشق کا نیاز + ایک طرف بہانوں کو جلانے والا چھوٹا سا پیارا سا دل ہوتا ہے اور دوسری طرف بہانہ بنانے والی نگاہ (معشوق ناز کی بدولت بہانہ ساز ہے اور عاشق نیاز کی وجہ سے اس کی بہانہ سازیوں کو پسند اور قبول کرنے والا ہے۔ اسی میں لذت عشق اور زندگی عشق پوشیدہ ہے)۔

غزل ⑧

بیا کہ ساقی گل چہرہ دست بر چنگ است	چمن ز باد بہاراں جواب ارژنگ است
حنا ز خون دل نو بہار می بندد	عروس لالہ چہ اندازہ تشنہ رنگ است
نگاہ می رسد از نغمہ دل افروزے	بمعنئی کہ برو جامہ سخن تنگ است
بچشم عشق نگر تا سراغ او گیری	جہاں بچشم خرد سیمیاؤ نیرنگ است
ز عشق درس عمل گیر ہرچہ خواہی کن	کہ عشق جوہر ہوش است جان فرہنگ است
بلند تر ز سپہر است منزل من و تو	براہ قافلہ خورشید میل فرسنگ است
ز خود گذشتہ اے قطرہ محال اندیش	شدن بہ بحر و گہر برنخاستن ننگ است
تو قدر خویش ندانی بہا ز تو گیرد	وگرنہ لعل درخشندہ پارۂ سنگ است

٭

شعر ① آ (اور دیکھ) کہ گلاب کے پھول جیسا چہرہ رکھنے والے ساقی کا ہاتھ رباب پر ہے یعنی چنگ بجا رہا ہے اور شراب پلا رہا ہے + چمن بہار کی ہوا سے ایران کے مشہور مصور مانی کی تصاویر کے مرقع کا مدمقابل یا جواب نظر آ رہا ہے یعنی اس کے مرقع کی تصاویر کی طرح حسین، رنگین اور پرکشش ہے۔

شعر ② وہ تازہ بہار کے دل کے خون کی مہندی لگائے ہوئے ہے + (دیکھئے تو) (سرخ لباس پہنے ہوئے) لالہ کے پھول کی دلہن رنگ کی کس قدر پیاسی ہے۔

شعر ③ (مغنی کے) دل افروز نغمہ سے (سننے والے کی) نگاہ پہنچ جاتی ہے + اس معنی تک جس پر سخن کا لباس تنگ ہے (جو بات تحریر میں نہیں آسکتی صاحب راز اسے اپنے انداز میں سمجھا دیتا ہے)۔

شعر ④ عشق کی آنکھ سے دیکھ تاکہ اس کا بھید پالے + عقل کی آنکھ میں تو جہان جادو اور شعبدہ ہے۔

شعر ⑤ عشق سے عمل کا سبق حاصل کر (اور) جو کچھ تو چاہے کر + کیونکہ عشق ہوش کی اصل اور

دانش کی جان ہے (عشق غلطی نہیں کر سکتا عقل و ہوش کر سکتی ہے)۔

شعر ⑥ میری اور تیری یعنی آدمی کی منزل آسمان سے زیادہ بلند ہے + اس کے راستہ میں سورج تو ایک سنگ میل ہے۔

شعر ⑦ اے مشکلات سے ڈرنے والے یا اسے مشکل کو سمجھنے والے قطرے تو اپنی حقیقت سے نا آشنا ہے + سمندر میں جانا اور وہاں سے موتی بن کر نہ نکلنا تیرے لئے باعث شرم ہے (آدمی کو چاہئے کہ اپنی انا کو اللہ کی انا میں شامل کر کے قطرے سے موتی بن جائے)۔

شعر ⑧ تو اپنی قدر نہیں جانتا تجھ سے قیمت پاتا ہے + وگرنہ چمکتا ہوا ہیرا ایک پتھر کا ٹکڑا ہی تو ہے (اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اشیا کی قیمت آدمی کی نگاہ پسند کی وجہ سے ہے اور دوسرا یہ کہ آدمی ہر شے سے قیمت میں زیادہ ہے وہ کم قیمت شے کی طرف توجہ کیوں کرے یا یوں کہہ لیں کہ آدمی اشرف المخلوقات ہے ہر شے اس سے کم درجہ ہے)۔

غزل ⑨

صورت نہ پرستم من، بت خانہ شکستم من   آں سیل سبک سیرم، ہر بند گسستم من
در بود و نبود من اندیشہ گمانہا داشت   از عشق ہویدا شد، ایں نکتہ کہ ہستم من
در دیر نیاز من در کعبہ نماز من   زنار بدوشم من، تسبیح بدستم من
سرمایۂ درد تو غارت نتواں کردن   اشکے کہ ز دل خیزد، در دیدہ شکستم من
فرزانہ بگفتارم، دیوانہ بہ کردارم   از بادۂ شوق تو ہشیارم و مستم من

*

شعر ① میں صورت کو نہیں پوجتا، میں نے بت خانہ توڑ دیا ہے + میں وہ تیز رفتار طوفان یا سیلاب ہوں کہ میں نے راستے کا ہر بند توڑ دیا ہے (میں موحد ہوں اور اللہ کے سوا میں نے ہر چیز کی نفی کر رکھی ہے)۔

شعر ② میرے ہونے اور نہ ہونے میں میری فکر (عقل) بہت سے گمان رکھتی تھی + عشق سے یہ راز کی بات ظاہر ہوئی کہ میں ہوں۔ (مجھے اپنی ہستی کا یقین آگیا)۔

شعر ③ مندر میں میری (بتوں کے آگے) نیاز مندی (ہے) اور کعبہ میں (خدا کے آگے) نماز (ہے) + ایک طرف میں اپنی بغل میں جنیو (زنار) لپیٹے ہوئے ہوں (یعنی برہمن ہوں) اور دوسری طرف میں ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے ہوں (مسلمان ہوں) اس شعر میں توحید وجودی کا ذکر ہے کہ جب کسی پر وحدۃ الوجود کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو سارے امتیازات اور تفریقات مٹ جاتے ہیں اور سب جگہ ایک ہی ذات کے نور کی جلوہ گری نظر آتی ہے دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں عقائد و عبادات میں ریاکار ہوں۔

شعر ④ (اے محبوب) تیرے درد کے سرمایہ کو غارت نہیں کیا جا سکتا + جو آنسو کہ دل سے اٹھتا ہے میں اسے آنکھوں میں جذب کر لیتا ہوں (زمین پر نہیں گرنے دیتا)۔

شعر ⑤ بات چیت میں میں عقل مند ہوں (اور) کردار میں دیوانہ ہوں + تیرے عشق کی شراب سے میں ہوشیار بھی ہوں اور مست بھی ہوں (کردار میں دیوانہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب بات میری سمجھ میں آجاتی ہے تو اس کو عمل میں لانے کے لئے ہر مصلحت سے بالاتر ہو کر اقدام کرتا ہوں)۔

غزل ⑩

ہوائے فرودیں در گلستاں میخانہ می سازد — سبو از غنچہ می ریزد' زگل پیمانہ می سازد
محبت چوں تمام افتد رقابت از میاں خیزد — بہ طوف شعلۂ پروانہ با پروانہ می سازد
بہ ساز زندگی سوزے بہ سوز زندگی سازے — چہ بیدردانہ می سوزد' چہ بیتابانہ می سازد
تنش از سایہ بال تدروے لرزہ می گیرد — چوں شاہیں زادۂ اندر قفس با دانہ می سازد
بگو اقبال را اے باغباں رخت از چمن بندد — کہ ایں جادو نوا مارا ز گل بیگانہ می سازد

*

شعر ① تازہ بہار کی ہوا گلستان میں میخانہ بنا دیتی ہے یا کھول دیتی ہے + وہ غنچہ سے مٹکا یا صراحی پیدا کرتی ہے اور گلاب کے پھول سے پیالہ بناتی ہے۔

شعر ② محبت جب کمال کو پہنچ جاتی ہے (ناتمام نہیں رہتی) تو رقابت کا جذبہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے + (کیا تم نہیں دیکھتے) کہ شعلہ کے طواف میں پروانہ پروانہ کے ساتھ موافقت کرتا ہے (سب مل کر طواف شمع کرتے ہیں)۔

شعر ③ (عشق سے) زندگی کی لذت میں جلن ہے اور زندگی کی جلن میں لذت ہے + (دیکھئے عشق میں) زندگی کس بے دردی سے جلتی ہے اور کس بے قراری سے لذت اندوز ہوتی ہے مراد ہے عشق سوز (جلن' تڑپ' بے قراری) اور ساز (ہر حالت سے موافقت اور ہر حال میں لطف اندوزی) دونوں کیفیات رکھتا ہے۔ اور عاشق کی زندگی ان دونوں کیفیات سے عبارت ہے)۔

شعر ④ اس کا بدن چکور کے بازو یا پر کے سایہ سے بھی لرزہ کھانے لگتا ہے + جب کوئی شاہین کے ہاں پیدا ہونے والا شکاری کے پنجرے میں مقید ہو کر دانہ کے ساتھ موافقت پیدا کر لیتا ہے (غلامی اور محتاجی کی زندگی ذلت و رسوائی اور بزدلی و کمزوری کی زندگی ہے۔ اس میں عقاب' چکور اور شیر گیدڑ بن جاتے ہیں اپنی صفات کے اعتبار سے)۔

شعر ⑤ اے باغباں اقبال سے کہو کہ وہ چمن سے سامان اٹھائے اور چلا جائے + کہ یہ جادو کی نوا والا (مجھ بلبل کو) گلاب کے پھول سے بیگانہ بنا رہا ہے (مراد ہے کلام اقبال گل و بلبل یا حسن و عشق کی شاعری کی بجائے اور تفریحی مقاصد کی بجائے عمل و کردار کی شاعری ہے)۔

غزل (11)

از ما بگو سلامے آں ترک تند خو را ۔۔۔ کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را

ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ دردمند است ۔۔۔ من گرچہ توبہ گفتم 'نشکستہ ام سبو را

اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم ۔۔۔ تو درکنار گیری باز ایں رمیدہ بو را

رمز حیات جوئی! جز در تپش نیابی ۔۔۔ در قلزم آرمیدن ننگ است آبجو را

شادم کہ عاشقاں را سوز دوام دادی! ۔۔۔ درماں نیافریدی آزار جستجو را

گفتی مجو وصالم بالاتر از خیالم ۔۔۔ عذر نو آفریدی اشک بہانہ جو را

از نالہ بر گلستاں آشوب محشر آور ۔۔۔ تا دم بہ سینہ پیچد مگذار ہائے و ہو را

*

شعر ① اس تخت عادت والے ترک (معشوق) کو ہماری طرف سے سلام دو + کہ جس نے اپنی ایک نگاہ سے ہمارے ایک شہر آرزو میں آگ لگا دی ہے (ہمارے اندر عشق کی آگ بھڑکا دی ہے)۔

شعر ② اس باریک بات یا رمز کو وہ دل جانتا ہے جو دردمند ہے + میں نے اگرچہ (شراب پینے سے) توبہ کرلی ہے لیکن میں نے مٹکا نہیں توڑا (شاید پھر پینی پڑے)۔

شعر ③ اے بلبل میں نے اس کی یعنی تیرے محبوب گلاب کے پھول کی وفا کے متعلق (کہ وہ وفا نہیں جانتا) سو بار تجھ سے کہا ہے + لیکن تو پھر بھی اس بھاگی ہوئی خوشبو والے گلاب کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے مراد ہے کہ اس کی خوشبو عارضی ہے اور عارضی شے سے کیا دل لگانا اور اس سے وفا کی کیا امید رکھنا

شعر ④ تو زندگی کی رمز تلاش کرتا ہے یہ تڑپ یا عشق کے بغیر ہاتھ نہیں آئے گی + سمندر میں آرام سے رہنا نہر کے لیے باعث شرم ہے مراد یہ ہے کہ زندگی مسلسل اضطراب کا نام ہے۔

شعر ⑤ میں خوش ہوں کہ تو نے عاشقوں کو ہمیشہ کی جلن 'اور تڑپ سے نوازا ہے + (اور) تو نے ان کی تلاش کی تکلیف کا کوئی علاج پیدا نہیں کیا مراد ہے مقام میں موت اور سفر میں حیات ہے۔ وصال میں مرگ ہے اور فراق میں زندگی ہے۔

شعر ⑥ تو نے کہا میرا وصال مت ڈھونڈ کیونکہ میں تیرے خیال سے بلند یا ماورا ہوں + تو نے یہ میرے بہانہ تلاش کرنے والے آنسوؤں کے لئے ایک نیا عذر پیدا کر دیا ہے (وہ پہلے تیرے وصال کی امید میں تھمے ہوئے تھے اب پھر سے جاری ہو گئے ہیں)۔

شعر ⑦ اپنی فریاد سے گلستاں میں قیامت کا ہنگامہ برپا کر دے + جب تک تیرے سینہ میں دم بل کھا رہا ہے ہائے وہو کو نہ چھوڑ۔

غزل (12)

آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی — در بیابان جنوں بردی و رسوا ساختی
جرم ما از دانۂ و تقصیر او از سجدۂ — نے بآں بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی
صد جہاں می روید از کشت خیال ما چو گل — یک جہان و آں ہم از خون تمنا ساختی
پرتو حسن تو می افتد بروں مانند رنگ — صورت مے پردہ از دیوار مینا ساختی
طرح نو افگن کہ ما جدت پسند افتادہ ایم — ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی!

*

شعر ① تو نے ہمارے (عشق کے) قصہ سے ہر کانٹے کو آشنا کر دیا + تو ہمیں جنوں کے بیاباں میں لے گیا اور ہمیں رسوا کر دیا (ہر کسی کو ہمارے عشق کا علم ہو گیا)۔

شعر ② ہمارا جرم دانے کا ہے (کہ ہم نے بہشت میں ممنوعہ گندم کا دانہ کھا لیا) اور اس کا (شیطان کا) قصور ہمیں سجدہ نہ کرنے کا ہے + تو نے (اے خدا) نہ اس بے چارہ سے موافقت پیدا کی اور نہ ہم سے (دونوں کو بہشت سے نکال دیا)۔

شعر ③ پھولوں کی طرح ہمارے خیال کے کھیت سے سینکڑوں جہان اگتے ہیں + تو نے ایک جہان پیدا کیا اور وہ بھی ہماری تمنا کے خون سے (تمنا کا خون اس لئے کہ ہمیں جنت سے نکال کر زمین کو آباد کیا گیا) جدوجہد سے یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اگرچہ یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں آدمی کی آرزوؤں کا ہر لمحہ خون ہوتا رہتا ہے اس کے باوجود وہ آرزو پوری ہونے کی امید میں کوشش کرتا رہتا ہے۔

شعر ④ تیرے حسن کا عکس (سایہ) رنگ کی مانند (تیری ذات سے) باہر پڑ رہا ہے۔ تو نے شراب کی طرح صراحی کی دیوار کو اپنا پردہ بنا رکھا ہے (جس طرح صراحی میں شراب پوشیدہ بھی ہوتی ہے اور اس کے شیشہ کی دیوار سے دکھائی بھی دیتی ہے اسی طرح خدا کی ذات پوشیدہ ہونے کے باوجود اپنی صفات کے ذریعے ظاہر ہے)۔

شعر ⑤ اے خدا اب (کسی اور جہان کی) بنیاد رکھ کیونکہ ہماری طبیعت نئی چیزوں کو پسند کرنے والی ہے + یہ تو نے کیا امروز و فردا کا حیرت خانہ بنا رکھا ہے (نہ جانے کب سے اس جہان میں ایک ہی صورت دیکھنا میں آرہی ہے کہ صبح شام میں اور شام صبح میں گزرا ہوا کل آج میں اور آج آنے والے کل میں بدل رہی ہے یہ سارا طبیعت کے لئے اکتاہٹ پیدا کرنے والا عمل ہے اب کوئی اور جہان بنا جس میں اس قسم کی دھوپ چھاؤں اور آج کل کا معاملہ نہ ہو)۔

غزل (13)

خوش آں کہ رخت خرد را بہ شعلۂ مے سوخت — مثال لالہ متاعے ز آتشے اندوخت

تو ہم ز ساغرے چہرہ را گلستاں کن — بہار خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت
دلم تپید ز محرومی فقیہہ حرم — کہ پیر میکدہ جامے بفتوائے نفروخت
مسنج قدر سرود از نوائے بے اثرم — ز برق نغمہ تواں حاصل سکندر سوخت
صبا بہ گلشن ویمر سلام ما برساں — کہ چشم نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت

✹

شعر ① مبارک ہے وہ شخص جس نے عقل کا سامان شراب کے شعلہ (عشق) میں جلا دیا + (اور) اس نے لالہ کے سرخ پھول کی مانند آگ (عشق سے) اپنی دولت پیدا کی یعنی عشق کو اپنا سرمایہ زندگی بنایا۔

شعر ② تو بھی شراب کا پیالہ پی کر اپنے چہرے کو گلستاں بنالے۔ (چہرے پر سرخی پیدا کر) بہار نے صوفیا (یا زاہدوں) کو خرقہ فروشی سکھائی ہے یعنی انہوں نے اپنے مذہبی لبادے پھینک کر رندی اختیار کر لی ہے۔

شعر ③ میرا دل فقیہ حرم (دین کے علمائے ظواہر اور مفتیان) کی محرومی (بدنصیبی) پر تڑپا + (کہ اس نے تو فتویٰ دے دیا تھا کہ شراب حرام ہے لیکن) میکدہ کے پیر نے اس فتویٰ کے عوض اپنا ایک جام بھی اس کو نہیں بیچا (اس نے میکدہ جاری رکھا) اس کا یہ مطلب ہے کہ فقیہہ حرم نے شراب کے جواز میں فتویٰ دیا لیکن پیر مغاں نے اس فتویٰ کے باوجود فقیہہ حرم کو شراب نہیں دی اس لیے فقیہہ کی محرومی پر ترس آیا ہے۔

شعر ④ میری بے اثر آواز سے گانے (سماع) کی قدر نہ تول یعنی قیمت نہ لگا + نغمہ تو وہ شے ہے کہ اس کی بجلی سے سکندر جیسے عظیم فاتح کی پیداوار (سلطنت و دولت) کو جلایا جا سکتا ہے۔ (نغمہ صحیح یا سماع راست وہ دولت ہے جس کے سامنے دولت سکندر کی کوئی قیمت نہیں ہے)۔

شعر ⑤ اے صبا تو میرا سلام جرمن کے مشہور شہر ویمر کو پہنچا (وہ شہر جہاں جرمنی کا مشہور شاعر گوئٹے دفن ہے) + کیونکہ اس شہر کی مٹی نے (مراد ہے گوئٹے کے فلسفہ و پیغام نے) جہان کے بہت سے نکتہ وروں (عقل مندوں اور فلسفیوں) کی آنکھوں میں نور پیدا کیا ہے یعنی ان کے دل و دماغ کو منور کیا ہے۔

غزل (14)

بیار بادہ کہ گردوں بکام ما گردید — مثال غنچہ نواہا ز شاخسار دمید
خورم بیاد تنک نوشی امام حرم — کہ جذبہ صحبت یاران رازداں نچشید
فزوں قبیلہ آں پختہ کار باد کہ گفت — چراغ راہ حیات است جلوہ امید
نوا ز حوصلہ دوستاں بلندتر است — غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچ کس نشنید
عیار معرفت مشتری است جنس سخن — خوشم ازانکہ متاع مرا کسے نخرید
ز شعر دلکش اقبال می تواں دریافت — کہ درس فلسفہ می داد و عاشقی ورزید

✹

شعر ① شراب لا کہ گردش کرنے والا آسمان ہمارے حق میں ہو گیا ہے + (بہار آ گئی ہے) اور درختوں کی شاخوں سے غنچوں کی مانند نغمے پھوٹ رہے ہیں (غنچے نکلے ہوئے ہیں، پھول کھلے ہوئے ہیں اور

ہر طرف درختوں پر پرندے چہچہا رہے ہیں)۔

شعر ② میں امام حرم (کعبہ کے امام یا دینی پیشوا) کی کم نوشی کی یاد میں یا ناقص طریقے سے پینے کی یاد میں خوب شراب پیتا ہوں (اور کھلی مجلس میں پیتا ہوں) + پیر حرم نے تو چھپ کر صرف چند واقف کاروں کی صحبت کے سوا کبھی پی ہی نہیں (وہ اپنے زہد کا ظاہری بھرم رکھنے کے لئے چھپ کر پیتا ہے)۔

شعر ③ (خدا کرے) اس کا قبیلہ اور زیادہ ہو اور ترقی کرے کہ جس نے کہا + کہ امید کا جلوہ زندگی کے راستہ کا چراغ ہے (دنیا امید سے قائم ہے ہر شخص کسی نہ کسی امید کے سہارے زندہ ہے اگر ناامیدی ہو جائے فنا وارد ہو جائے)۔

شعر ④ میری شاعری دوستوں کے حوصلہ سے زیادہ بلند ہے (لوگوں کا شعر کے متعلق معیار کچھ اور ہے اور میری شاعری کچھ اور) + (اس لئے) میں نے اس جگہ جا کر غزل پڑھی جہاں کسی نے نہیں سنی۔

شعر ⑤ شاعری کی جنس اس کے خریدار کی پہچان کی کسوٹی ہے (شعروں کو پسند کرنے سے کسی کی اس کی طبیعت، رجحان اور علم و دانش کا علم ہو جاتا ہے) + میں خوش ہوں کہ میری (شاعری کی) دولت کو کسی نے نہیں خریدا (اس لئے کہ میری شاعری کی رفعت اور گہرائی کو پہنچنے والا کوئی ہو تو اس کی طرف رجوع کرے)۔

شعر ⑥ اقبال کی دلکش شاعری سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس نے فلسفہ کا سبق دیا اور عاشقی اختیار کی (اس نے عقل و عشق دونوں کو نوازا ہے یا اس نے فلسفہ کا درس بھی دیا ہے اور شاعری بھی کی ہے)۔

غزل (15)

تیر و سناں و خنجر و شمشیرم آرزوست | با من میا کہ مسلک شبیرم آرزوست
از بہر آشیانہ خس اندوزیم نگر | باز ایں نگر کہ شعلۂ در گیرم آرزوست
گفتند لب بہ بند و ز اسرار ما مگو | گفتم کہ خیر! نعرۂ تکبیرم آرزوست
گفتند ہرچہ در دلت آید ز ما بخواہ | گفتم کہ بے حجابیِ تقدیرم آرزوست
از روزگار خویش ندانم جز ایں قدر | خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزوست
کو آں نگاہ ناز کہ اول دلم ربود | عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

٭

شعر ① مجھے تیر، نیزہ، خنجر اور تلوار کی آرزو ہے + میرے ساتھ شامل نہ ہو (تو میرے ساتھ نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ تجھے راحت و آسائش پسند ہے اور مجھے حق کے لئے سر کٹانے کی غرض سے) حضرت حسینؓ کے طریقہ کی آرزو ہے۔

شعر ② آشیانہ بنانے کے لئے میرے تنکے اکٹھے کرنے کے عمل کو دیکھ + پھر یہ بھی دیکھ کہ میری آرزو یہ ہے کہ میں ان تنکوں کو یا گھونسلے کو پھونک دوں۔

شعر ③ میرے محبوب نے کہا کہ لب بند رکھو اور ہمارا راز کسی سے نہ کہو + میں نے کہا خیر (یعنی ایسا

نہیں بچی) میری آرزو ہے کہ نعرہ تکبیر (اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بڑا ہے) ضرور بلند کروں مراد ہے کہ راز تو نہیں کہوں گا لیکن یہ کہنے کی اجازت تو دے کہ جس کا راز میں چھپائے ہوئے ہوں وہ بہت بڑا ہے۔ اسی میں سب کچھ آجائے گا۔

شعر ④ انہوں نے کہا کہ جو کچھ تیرے دل میں ہے مجھ سے چاہ (مانگ) + میں نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ میری تقدیر بے حجاب ہو جائے یعنی معلوم ہو جائے کہ میری تقدیر کیا ہے اور مجھے اپنے مقام کی آگاہی ہو جائے۔

شعر ⑤ میں اپنی زندگی کے متعلق سوائے اس قدر اور کچھ نہیں جانتا + کہ یہ ایک خواب تھا جو گزر گیا اور یاد نہ رہا (اور) اب اس خواب کی تعبیر کی آرزو ہے (گزری ہوئی زندگی خواب معلوم ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا عاقبت میں کیا انجام ہوتا ہے)۔

شعر ⑥ وہ نگاہ ناز کہاں ہے جس نے سب سے پہلے مجھے لوٹا تھا + تیری عمر دراز ہو مجھے پھر اسی تیر کی آرزو ہے۔

غزل (16)

دانہ سبحہ بہ زنار کشیدن آموز	گر نگاہ تو دو بین است ندیدن آموز
پا ز خلوت کدۂ غنچہ بروں زن چو شمیم	با نسیم سحر آمیز و وزیدن آموز
آفریدند اگر شبنم بے مایہ ترا	خیز و بر داغ دل لالہ چکیدن آموز
اگرت خار گل تازہ رسے ساختہ اند	پاس ناموس چمن دار و خلیدن آموز
باغباں گر ز خیابان تو برکند ترا	صفت سبزہ دگر بارہ دمیدن آموز
تا تو سوزندہ تر و تلخ تر آئی بیروں	عزلت خم کدۂ گیر و رسیدن آموز
تا کجا در تہ بال دگراں می باشی	در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز
در بتخانہ زدم مغ بچگانم گفتند	آتشے در حرم افروز تپیدن آموز

*

شعر ① تسبیح کے دانے کو زنار کے دھاگے میں پرونا سیکھ + اگر تیری نگاہ دو دیکھتی ہے تو یہ نہ دیکھنا سیکھ (مراد ہے کائنات کی ہر شے میں ایک ہی خالق کا نور جلوہ گر ہے کعبہ و دیر اور برہمن و مسلمان کا امتیاز اس لئے ہے کہ ہم دوئی کے قائل ہیں۔ دوئی کہیں نہیں ہے جملہ کثرت میں ایک ہی وحدت جلوہ گر ہے)۔

شعر ② جس طرح خوشبو غنچہ کے سینے سے نکل کر ہر طرف پھیل جاتی ہے تو بھی اپنی خلوت گاہ سے باہر قدم رکھ + (خوشبو بن کر) صبح کی نسیم میں شامل ہو کر چلنا سیکھ مراد ہے کہ تو نے خلوت کدہ میں جو کچھ حاصل کیا ہے اسے جلوت کدہ میں آکر دوسروں تک پہنچا۔

شعر ③ اگر تجھے بے مایہ شبنم کی طرح پیدا کیا گیا ہے یعنی تیرے پاس ساز و سامان' دولت عہدہ وغیرہ

نہیں + (تو فکر نہ کر) اٹھ اور لالہ کے پھول کے داغ پر ٹپکنا سیکھ (دکھی دلوں کا سکون بن۔ خدمت خلق کو شعار بنا)۔

شعر ④ اگر تجھے تازہ کھلے ہوئے پھول کا کانٹا بنایا ہے + تو چمن کی عزت و غیرت کا لحاظ کر اور چبھنا سیکھ۔ (کانٹے کو بھی ایک مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ مقصد پھول کی حفاظت ہے اور اس کے توڑنے والے کے ہاتھ میں چبھ کر اسے توڑنے سے باز رکھتا ہے یعنی قدرت نے جو ذمہ داری اے انسان تیرے سپرد کی ہے اسے نبھا)۔

شعر ⑤ اگر باغباں تجھے کیاری سے اکھاڑ دے + (تو فکر نہ کر) جس طرح سبزہ ایک دفعہ کٹنے کے بعد پھر اگ آتا ہے تو بھی دوبارہ اگ آ (مراد ہے حوادثات سے گھبرا کر جی نہ ہار بار بار کوشش کر کبھی تو کامیاب ہو جائے گا)۔

شعر ⑥ تاکہ تو پہلے سے زیادہ حرارت والی اور تلخی والی (شراب کی مانند) باہر آئے + کسی مٹکے کی تنہائی اختیار کر اور پختہ ہونا سیکھ (تکمیل آدمی کے لئے ضروری ہے کہ کسی کامل کی صحبت ملے)۔

شعر ⑦ تو کب تک دوسروں کے پروں (بازوؤں) کے (احسان کے) تحت رہے گا + چمن کی ہوا میں آزادانہ اڑنا سیکھ۔ (دوسروں کی محتاجی اور غلامی سے نکل)۔

شعر ⑧ میں نے بت خانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا (اندر سے) آتش یا بت کی پوجا کرنے والوں نے کہا + کعبہ میں آگ روشن کر اور تڑپنا سیکھ (جب تک عشق پیدا نہ ہو گا اعمال رسمی ہوں گے حقیقت سے مبرا رہیں گے)۔

غزل (17)

ز خاک خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
تجلی دگرے در خور تقاضا نیست

بملک جم ندہم مصرع نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نہ باشی کہ عشق تنہا نیست

تو رہ شناس نۂ وز مقام بے خبری
چہ نغمہ ایست کہ در بربط سلیمی نیست

نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہاں گرفت و مرا فرصت تماشا نیست

بیا کہ غلغلہ در شہر دلبراں فگنیم
جنون زندہ دلاں ہرزہ گرد صحرا نیست

ز قید و صید نہنگاں حکایتے آور
مگو کہ زورق ما روشناس دریا نیست

مرید ہمت آں راہروم کہ پا نگذاشت
بہ جادۂ کہ درو کوہ و دشت و دریا نیست

شریک حلقۂ رندان بادہ پیما باش
حذر ز بیعت پیرے کہ مرد غوغا نیست

برہنہ حرف نگفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

شعر ① جو آگ تیرے پاس نہیں ہے اسے اپنی خاک سے طلب کر (اپنے اندر خود پیدا کر) دوسروں

سے تجلی کی آرزو کرنا تقاضا کے لائق یا آرزو کے موافق نہیں ہے تو اس تجلی کی تو خواہش کرتا ہے وہ تیرے اندر موجود ہے اپنی معرفت شرط ہے)۔

شعر ② میں نظیری کے اس مصرع کو ایرانی بادشاہ جمشید کے ملک کے عوض بھی نہیں دوں گا + (مصرع یہ ہے) جو شخص کر شتہ نہیں ہوا (یعنی اپنے محبوب پر قربان نہیں ہوا) وہ ہمارے قبیلہ یعنی عاشقوں کے قبیلہ سے نہیں ہے۔

شعر ③ اگرچہ اس عقل نے جس کا کام مکرو فریب کا جادو کرنا ہے (تیرے خلاف) ایک لشکر اکٹھا کر لیا ہے + تو دل تنگ (رنجیدہ) نہ ہو کیونکہ عشق اکیلا نہیں ہے (عشق اپنی ذات میں ایک ایسا لشکر ہے جو ہر لشکر کو شکست دے سکتا ہے)۔

شعر ④ تو راستہ نہیں جانتا اور منزل سے بے خبر ہے + (ورنہ) کونسا نغمہ ہے جو سلمی کی بربط (ایک قسم کا ساز) میں نہیں ہے۔ نغمہ اور بربط کے واسطے سے رہ اور مقام ایرانی موسیقی کی دو راگنیوں کے نام شمار کئے جائیں گے پھر مراد یہ ہو گی کہ بربط سلمی میں تو ہر قسم کا نغمہ ہے لیکن تو ہی اس کے رہ اور مقام سے بے خبر ہے۔ سلمی چونکہ عرب کی ایک محبوبہ کا نام ہے اس لحاظ سے مطلب یہ ہو گا کہ عرب سے جو مذہب اسلام کے نام سے نکلا تھا اس میں ہر چیز موجود ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے ہم ہی اس سے واقف نہیں ہیں۔

شعر ⑤ میں نے اپنے آپ پر نظر اس طرح جما رکھی ہے یا میں اپنی ذات کے مشاہدہ اور اپنے وجود کی تلاوت میں اس قدر محو ہوں کہ دوست کا جلوہ + (اگرچہ) سارے جہاں پر محیط ہے یعنی ذرہ ذرہ میں اس کی جلوہ گری ہے لیکن مجھے اس کے تماشا کی فرصت نہیں ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں یوں کہیں گے کہ میں سیر انفس میں مشغول ہوں سیر آفاق سے مجھے غرض نہیں۔

شعر ⑥ آکہ معشوقوں کے شہر میں شور و غل کریں + (کیونکہ) زندہ دل عاشقوں کا جنوں صحرا میں بیکار پھرنے کے لئے نہیں ہے (معشوق شہر میں اور آوارگی بیابان میں یہ مناسب نہیں) مراد ہے زندگی سے فرار نہیں زندگی میں دلچسپی چاہیے۔ سعی و عمل کی زندگی اختیار کرنی چاہیے۔

شعر ⑦ مگرمچھوں کے شکار اور ان کو قابو کرنے کی کہانی بیان کر یعنی یہ بتا کہ تو نے میدان عمل میں کیا معرکہ مارا ہے + یہ نہ کہہ کہ ہماری کشتی دریا کو نہیں جانتی یا دریا میں نہیں اتری۔ (بہانہ سازی کر کے عمل سے نہ بھاگ)۔

شعر ⑧ میں اس مسافر کی ہمت کا مرید ہوں کہ جس نے پاؤں نہیں رکھا + اس راستہ پر جس میں پہاڑ، بیابان اور دریا نہیں ہیں (ایسا ہی مسافر کرے گا جو صاحب عزم و ہمت ہو گا)۔

شعر ⑨ شراب پینے والے رندوں کے حلقہ میں شریک ہو + اس پیر کی بیعت سے بچ جو مرد غوغا نہیں ہے جو ہنگامہ خیزی شور و غل اور ہائے و ہو کرنے والا نہیں ہے (جو تگ و دو اور سعی و عمل کی زندگی سے شناسا نہیں ہے بلکہ راہبانہ اور خانقاہی زندگی سے شناسا ہے)۔

شعر ⑩ سخن کا کمال بات کو صاف صاف نہ کہنا ہے (بلکہ رمز و ایما میں بیان کرنا ہے) + یار کی محفل

خلوت میں بیٹھنے والوں کی کمائی رمزو ایما کے سوا کچھ نہیں۔ (اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جو عارف لوگ ہوتے ہیں وہ یار کی باتیں نہ ہر کسی سے کرتے ہیں اور نہ کھلے انداز میں کہتے ہیں بلکہ پوشیدہ اور اشارتی اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔ شاعری کا کمال بھی یہی ہے کہ اس کے مضامین علامات و استعارات اور تشبیہ و کنایہ کے رنگ میں بیان کئے جائیں۔

غزل (18)

موج را از سینۂ دریا گسستن می تواں
بحرِ بے پایاں بجوئے خویش بستن می تواں

از نوائے می تواں یک شہر دل در خوں نشاند
یک چمن گل از نسیمے سینہ خستن می تواں

می تواں جبریل را گنجشک دست آموز کرد
شہپرش با موئے آتش دیدہ بستن می تواں

اے سکندر سلطنت نازک تر از جامِ جم است
یک جہاں آئینہ از سنگے شکستن می تواں

گر بخود محکم شوی سیلِ بلا انگیز چیست
مثلِ گوہر در دلِ دریا نشستن می تواں

من فقیرے بے نیازم مشربم ایں است و بس
مومیائی خواستن نتواں، شکستن می تواں

*

شعر ① موج کو دریائے کے سینہ (سطح) سے جدا کیا جا سکتا ہے + (اور) بے کنار سمندر کو اپنی نہر میں ڈالا جا سکتا ہے مراد ہے انسانی خودی (موج) کو خدا کی خودی (دریا) سے جدا کیا جا سکتا اور اس انسانی خودی کو ایک الگ حیثیت دی جا سکتی ہے اور ساتھ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس انسانی خودی (جوئے خویش) میں خدا (بحر بے پایاں) کو سمویا جا سکتا ہے۔

شعر ② ایک نوائے عاشقانہ سے دل کے ایک شہر یا شہر کے سب افراد کے دلوں کو خون میں نہلایا جا سکتا ہے + ایک نسیم کی موج سے چمن کے سارے پھولوں کا سینہ خستہ کیا جا سکتا ہے۔

شعر ③ جبریل فرشتہ کو ہاتھ کی سدھائی ہوئی چڑیا کیا جا سکتا ہے + اس کے بڑے پر کو جلے ہوئے یا کمزور بال سے باندھا جا سکتا ہے۔

شعر ④ اے سکندر بادشاہ! سلطنت جمشید کے شیشے کے پیالے سے بھی زیادہ نازک ہے + ایک جہان کے آئینوں کو ایک پتھر سے توڑا جا سکتا ہے (یہ ایک سلطنت کا شیشہ کیا چیز ہے)۔

شعر ⑤ اگر تو خود مضبوط ہو جائے (اپنی خودی کو مستحکم کر لے) تو پھر بلائیں (آفتیں) پیدا کرنے والا طوفان دریا کیا چیز ہے (یعنی کچھ بھی نہیں) + موتی کی مانند دریا کے دل (تہ) میں بیٹھا جا سکتا ہے (اور طوفان سے بچا جا سکتا ہے شرط خودی کو مضبوط کر کے گوہر بننے کی ہے)۔

شعر ⑥ میں بے نیاز فقیر ہوں میرا مذہب صرف یہ ہے اور بس + (اپنی ہڈیوں کو جوڑنے کے لئے کسی سے) مومیائی تو طلب نہیں کی جا سکتی (البتہ) ان کو ٹوٹی ہوئی رہنے دینا گوارا کیا جا سکتا ہے مراد ہے گدائے بے نیاز بے سروسامانی کی حالت میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا اصل اور حقیقی فقر یہی ہے۔ محتاج اور دست نگر فقر فقیری کے نام پر دھبہ ہے۔

غزل (19)

صد نالہ شب گیرے، صد صبح بلا خیزے
صد آہ شرر ریزے یک شعر دلاویزے

در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست
آں تیشہ فرہادے، ایں حیلہ پرویزے

با پردگیاں برگو کایں مشت غبار من!
گردیست نظر بازے، خاکیست بلا خیزے

ہوشم برد اے مطرب، مستم کند اے ساقی
گلبانگ دل آویزے از مرغ سحر خیزے

از خاک سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوب ہلاکوے ہنگامہ چنگیزے

مطرب غزلے، بیتے از مرشد روم آور
تا غوطہ زند جانم در آتش تبریزے

*

شعر ① رات بھر کے سینکڑوں نالے (فریادیں) سینکڑوں آفت لانے والی صبحیں + (اور) سینکڑوں شعلے بھینکنے والی آہیں ایک طرف اور ایک دل لبھانے والا شعر ایک طرف ——— (جو کیفیات و معاملات ایسا ایک شعر آدمی کے اندر پیدا کر سکتا ہے کوئی اور شے نہیں کر سکتی یا اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایک دلاویز شعر نالہ و فریاد کی وہ ساری کیفیات پیدا کر سکتا ہے جن کا ذکر اس شعر میں نالہ شب گیر، صبح بلا خیز اور آہ شرر ریز کے الفاظ میں کیا گیا ہے)۔

شعر ② عشق اور ہوس ناکی میں جو فرق ہے کیا تو جانتا ہے کہ وہ کیا ہے + (فرق یہ ہے) کہ عشق فرہاد کا تیشہ ہے (فرہاد نے شیریں کی خاطر سر پر تیشہ مار کر جان دے دی تھی یا وہ اس کے حصول کے لئے پہاڑ سے نہر نکالنے کے لئے پہاڑ کو تیشہ سے کاٹنے چلا گیا تھا) (اور) ہوس اس وقت کے ایرانی بادشاہ پرویز کا مکرو فریب ہے (جس نے فرہاد و شیریں کو دھوکہ دے کر اور طاقت کے بل بوتے پر شیریں کو اپنے گھر ڈال لیا تھا) مراد ہے عشق صدق و خلوص اور ہوس مکرو فریب ہے۔

شعر ③ فرشتوں سے کہو کہ میری یہ مشت غبار (خاکی جسم) + و بیشک ایک گرد ہے لیکن نظرباز (حسن کو دیکھنے کی شائق) ہے ایک خاک ہے لیکن بلا انگیز ہے (عشق کی آفتیں پیدا کرتی ہے) مراد ہے حسن پسندی اور عشق پذیری کی یہ صفات فرشتوں میں نہیں ہیں آدمی میں ہیں اس لئے آدمی فرشتوں سے افضل ہے۔

شعر ④ اے نغمہ گانے والے میرا ہوش اڑا دیتی ہے اے ساقی مجھے مست کر دیتی ہے + صبح کے وقت اٹھنے والے پرندے کی ایک دل کو لبھانے والی (ایک پیاری اور خوبصورت آواز)۔

شعر ⑤ (دنیا کے حالات پھر ایسے دگرگوں اور پر آشوب ہو چکے ہیں کہ) میں ڈرتا ہوں کہ وسط ایشیا کے شہر سمرقند سے پھر اٹھے گا + ہلاکو خان کا فتنہ اور چنگیز خان کا ہنگامہ۔

شعر ⑥ اے مطرب (گانے والے) میرے مرشد مولانا روم کی کوئی غزل کوئی بیت (شعر) لا یعنی گا + تا کہ میری جان مولانا جلال الدین رومی کے مرشد شمس تبریزی کی آگ میں (یا اس کے دئے ہوئے عشق کے درس میں) غوطہ زن ہو یعنی میرے اندر بھی مولانا روم کی بیت سے وہ عشق پیدا ہو جائے جو شمس تبریزی نے ان میں پیدا کیا تھا۔

غزل (20)

باز بہ سرمہ تاب دہ چشم کرشمہ زائے را — ذوق جنوں دو چند کن شوق غزل سرائے را
نقش دگر طراز دہ آدم پختہ تر بیار — لعبت خاک ساختن می نہ سزد خدائے را
قصہ دل نگفتنی است درد جگر نہفتنی است — خلوتیاں کجا برم لذت ہائے ہائے را
آہ درونہ تاب کو؟ اشک جگر گداز کو — شیشہ بسنگ می زنم عقل گرہ کشائے را
بزم بہ باغ و راغ کش، زخمہ بہ تار چنگ زن — بادہ بجور، غزل سرا، بند کشا قبائے را
صبح دمید، کارواں کرد نماز و رخت بست — تو نشنیدہ مگر زمزمہ درائے را
ناز شہاں نمی کشم، زخم کرم نمی خورم! — در نگرائے ہوس فریب ہمت ایں گدائے را

*

شعر ① اے محبوب اپنی ناز و ادا والی آنکھ میں سرمہ سے پھر چمک پیدا کر + (اور اس طرح) میری غزل سرائی کے شوق کو دوگنا کر۔

شعر ② (اے خالق آدم) آدم کا کوئی اور نقش کھینچ اور کوئی نیا آدم پیدا کر جو پہلے سے پختہ ہو + مٹی کی گڑیا یا مٹی کا بت بنانا خدا کے لائق نہیں ہے مراد ہے موجودہ آدم ابلیس کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا اس کے مقابلے میں بہت کمزور ہے بلکہ اس سے بھی شیطنت میں آگے ہے یہ اس لئے ہے کہ آدمی مٹی کا کھلونا بن کر رہ گیا ہے جسم اس کا باقی ہے اور روح غائب۔ بدن زندہ ہے اور روح مردہ کوئی اور آدم پیدا کر جس کی روح زندہ ہو اور وہ ابلیس کے مقابلے میں آسکے۔

شعر ③ دل کا قصہ نہ کہنے اور درد جگر چھپانے کے لائق ہے + لیکن مجھے ہائے ہائے کرنے میں لذت ملتی ہے (جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ میرے اندر عشق موجود ہے) اے خلوت میں رہنے والو مجھے بتاؤ کہ میں اپنی اس ہائے ہائے کی لذت کو کہاں لے جاؤں۔

شعر ④ باطن کو روشن کرنے والی آہ کہاں ہے (اور) جگر کو گداز کرنے والے آنسو کہاں ہیں (یہ بتایا جائے کہ عشق کا مقام کدھر ہے تاکہ میں اس تک پہنچوں) + (کیونکہ عقل جو خود کو ہر مشکل کا حل کہتی تھی بیکار ثابت ہوئی ہے) میں نے مشکلات کی گرہیں کھولنے والی عقل کا شیشہ پتھر پر دے مارا ہے (میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور عشق کی منزل کو تلاش کر رہا ہوں)۔

شعر ⑤ باغ اور جنگل یا سبزہ زار میں آکر محفل جما' چنگ کے تار پر زخمہ (مضراب) لگا + شراب پی' غزل چھیڑ (اور) قبا کے بند کھول یعنی معاملات محبت کی بات کر یا باہمی اختلاط پیدا کر۔

شعر ⑥ صبح چمکی' قافلہ (والوں) نے نماز ادا کی اور (کوچ کے لئے) سامان باندھ لیا (اور قافلہ کے کوچ کی گھنٹی بج گئی) + کیا تو نے ابھی تک قافلہ کے کوچ کی گھنٹی کو نہیں سنا (اے وہ شخص جو غفلت کی نیند سویا ہوا ہے)۔

شعر ⑦ میں بادشاہوں کا ناز نہیں اٹھاتا میں کسی کے احسان کا زخم نہیں کھاتا (بے سروسامانی کی

حالت میں بھی بے نیازانہ زندگی گزار رہا ہوں) + اے ہوس کا فریب کھانے والے (اے در در ٹھوکریں کھانے اور احتیاج کو دوسروں تک لے جانے والے) اس گدا کی ہمت کو دیکھ۔

غزل (21)

فریب کشمکش عقل دیدنی دارد
که میر قافله و ذوق رہزنی دارد

نشان راه ز عقل ہزار حیله مپرس
بیا که عشق کمالے ز یک فنی دارد

فرنگ گرچه سخن با ستاره می گوید
حذر که شیوه او رنگ جوزنی دارد

ز مرگ و زیست چه پرسی دریں رباط کہن
که زیست کاہش جاں مرگ جانکنی دارد

سر مزار شہیداں یکے عناں درکش
که بے زبانی ما حرف گفتنی دارد

دگر بدشت عرب خیمه زن که بزم عجم
مئے گزشته و جام شکستنی دارد

نه شیخ شہر نه شاعر نه خرقه پوش اقبال
فقیر راه نشین است دل غنی دارد

*

شعر ① عقل کی کش مکش کا فریب دیکھنے کے قابل ہے + کہ یہ قافلہ کی امیر ہے لیکن ڈاکہ زنی کی لذت رکھتی ہے (راہنمائی کا دعویٰ کرتی ہے لیکن غلط راستہ پر ڈالتی ہے)

شعر ② راستے کا نشان (پتہ) ہزار حیلے (بہانے) بتانے والی عقل سے مت پوچھ + آ اور یہ عشق سے پوچھ کہ عشق ایک فن کا (یعنی نشان راہ منزل بتانے کے فن کا) کمال رکھتا ہے۔یعنی وہ اسی ایک فن میں ماہر ہے۔

شعر ③ فرنگ (یورپ) اگرچہ (کمال علم اور ترقی سائنس کی وجہ سے) ستاروں سے گفتگو رکھتا ہے (ان تک اس کی رسائی ہے اور ان کے راز بتا رہا ہے) + (لیکن) اس سے بچ کہ اس کا طریقہ جادوگری کا رنگ رکھتا ہے۔

شعر ④ موت اور زندگی کے بارے میں کیا پوچھتا ہے کہ اس پرانی سرائے (دنیا) میں + کہ زندگی جان کے آہستہ آہستہ گھلنے یا کم ہونے کا اور موت جسم سے جان کو نکلنے کا نام ہے۔

شعر ⑤ شہیدوں کے مزار کے پاس ذرا باگ روک + کہ ہماری بے زبانی (خاموشی) بھی گفتگو کا حرف رکھتی ہے۔ (ہماری خاموشی میں بھی گفتگو کا انداز ہے)۔

شعر ⑥ ایک بار پھر عرب کے صحرا میں خیمہ لگا (عرب کی اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنا) کیونکہ عجم کی محفل + وہ شراب ہے جو فرسودہ ہو چکی ہے اور اس کے پیالے توڑنے کے قابل ہیں۔ (وہاں کے عقائد، رسوم و رواج، ادب و شعر، فن و ہنر اور تہذیب و تمدن غیر اسلامی اثرات کے حامل ہو چکے ہیں)۔

شعر ⑦ اقبال شیخ شہر نہ شاعر اور نہ خرقہ پوش صوفی ہے + (صرف) راستے میں بیٹھنے والا (عجز و انکساری کا مالک) فقیر ہے لیکن دل غنی رکھتا ہے (دل کا امیر ہے)۔

غزل (22)

حسرت جلوۂ آں ماہ تمامے دارم — دست بر سینہ نظر بر لب بامے دارم
حسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم — عشق می گفت تب و تاب دوامے دارم
نہ بہ امروز اسیرم نہ بہ فردا نہ بدوش — نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم
بادہ رازم و پیمانہ گسارے جویم — در خرابات مغاں گردش جامے دارم
بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر — مرغ لاہوتم و از دوست پیامے دارم
پردہ برگیرم و در پردہ سخن می دارم — تیغ خونریزم و خود را بہ نیامے دارم

*

شعر ① میں اس مکمل چاند (چودھویں کے چاند جیسے محبوب) کے جلوہ کی حسرت رکھتا ہوں + (اس حسرت میں) ہاتھ میرے دل پر (سینہ پر) اور نظر میری کوٹھے پر ہے۔

شعر ② حسن بولا کہ میری صبح کی شام نہیں ہے (مجھ کو زوال نہیں) عشق نے کہا کہ میں ہمیشہ کی تب و تاب (اضطراب پیہم) رکھتا ہوں۔

شعر ③ میں نہ آج کی قید میں اسیر ہوں اور نہ آنے والی اور گزری ہوئی کل کی قید میں (میں زمان و مکاں کا پابند نہیں) + نہ میں پستی رکھتا ہوں نہ بلندی نہ مقام (میں زمانے کے حوادثات' انقلابات اور تغیرات سے بلند ہوں)۔

شعر ④ میں راز کی شراب ہوں کسی پینے والے کی تلاش میں ہوں + (اس لئے) میں خرابات مغاں (شراب کشید کرنے والے کے مے خانہ) میں پیالے کو گردش میں رکھتا ہوں (شاید کہ اس کو پینے کا اہل کوئی مل جائے)۔

شعر ⑤ میری پریشان یا عاشقانہ نوا (نغمہ) سے بے نیاز ہو کر نہ گزر جا (اس کو غور سے سن) + (کیونکہ) میں عالم لاہوت کا (فرشتوں کے جہان کا) پرندہ ہوں اور دوست کا ایک پیغام رکھتا ہوں (جو تجھے دینا چاہتا ہوں)۔

شعر ⑥ میں نے پردہ اٹھایا ہوا ہے (لیکن) بات (پھر بھی) پردہ میں کرتا ہوں + میں ایک خون بہانے والی تلوار ہوں (لیکن) خود کو نیام میں رکھتا ہوں (مراد ہے میں راز کی بات ضرور کر رہا ہوں لیکن رمز و کنایہ میں کر رہا ہوں)۔

غزل (23)

بشاخ زندگی ما نمے ز تشنہ لبی است — تلاش چشمہ حیواں دلیل کم طلبی است
حدیث دل بہ کہ گویم چہ راہ برگیرم — کہ آہ بے اثر است و نگاہ بے ادبی است
غزل بزمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں — ہنوز نالہ مرغان نوائے زیر لبی است

متاع قافلهٔ ما حجازیاں بردند ولے زباں نکشائی که یار ما عربی است
نہال ترک ز برق فرنگ بار آورد ظہور مصطفویؑ را بہانہ بولہبی است
مسنج معنی من در عیار ہند و عجم که اصل ایں گہر از گریہ ہائے نیم شبی است
بیا که من ز خم پیر روم آوردم مے سخن که جواں تر ز بادهٔ عنبی است

*

شعر ① میری زندگی کی شاخ پر جو نمی ہے وہ میرے تشنہ لب (پیاسا) ہونے کی وجہ سے ہے + زندگی کے چشمہ کی تلاش کرنا (اور اس کا پانی پی کر ہمیشہ کی زندگی پالینا) کم طلبی (تلاش کی خامی) کی دلیل ہے (زندگی منزل پالینے میں یا وصال میں نہیں منزل کے لئے تگ و دو کرنے اور فراق میں ہے)۔

شعر ② میں اپنے دل کی بات کس سے کہوں (اور) کون سا راستہ اختیار کروں + (کیونکہ) میری آہ بے اثر ہے اور اس کی طرف نگاہ کرنا بے ادبی میں داخل ہے۔

شعر ③ غزل کو راگ میں گا اور زیادہ دھیمے سروں میں الاپ + (کیونکہ) ابھی تک پرندوں کی فریاد ایک ایسی صدا میں ہے جو زیر لب (یعنی لبوں تک محدود) ہے (مراد ہے جب تک کوئی پختہ نہ ہو اس کے سامنے صاف صاف راز کی بات نہ کر)۔

شعر ④ ہمارے قافلے کی دولت حجاز والے (عرب کے علاقہ حجاز میں رہنے والے) لے اڑے + لیکن تو زبان نہ کھول کہ ہمارا دوست عربی ہے (یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب کے رہنے والے ہیں اس لحاظ سے ان کے متعلق بات کرتا ہوا میں ڈرتا ہوں لیکن ان لوگوں نے جنگ عظیم اول میں عثمانی ترکوں کی حکومت ختم کرنے کے لئے انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کی خلافت ختم کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے)۔

شعر ⑤ (جنگ عظیم اول میں عربوں کی غداری کے سبب سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں نے یونانیوں کی مدد سے ترکی کے اندر حملہ کر کے ترکوں کو غلام بنانے اور ترکی کا ملک ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس وقت کے ترک راہنما اور جرنیل مصطفیٰ کمال پاشا نے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا انگریزوں اور یونانیوں کو شکست ہوئی اور ترک ایک آزاد قوم کی حیثیت سے پھر نمودار ہو گئے اس پس منظر میں شاعر نے کہا ہے کہ) ترکوں کے پودے نے فرنگیوں کی بجلی سے جلنے کی بجائے بار آوری اختیار کر لی (یہ سرسبز ہو گیا اس کو پھل لگ گئے) + (سچ ہے) مصطفائی (حق) کے ظہور کے لئے بولہبی (باطل) ایک بہانہ بن جاتا ہے۔

شعر ⑥ میری شاعری کو اس معیار پر نہ جانچ جو آج ہندوستان اور ایران کے شاعروں اور ناقدوں نے مقرر کر رکھا ہے (جن کی شاعری کے خارجی اور باطنی دونوں پیمانے ناقص ہیں) + کیونکہ اس موتی کی اصل میرا آدھی راتوں کا رونا ہے میں نے خلوص اور عشق میں ڈوب کر اور جگر و دل کو خون کر کے شعر کہے ہیں۔ آج کے تفریحی اور سطحی شاعری کرنے والے شاعر اس موتی کی قدر و قیمت کو کیا جانیں گے)۔

شعر ⑦ آ (میری مجلس میں آ) کہ میں جو شراب پیش کر رہا ہوں وہ میں نے اپنے مرشد مولانا روم کے شراب کے مٹکے سے لی ہے (میری شاعری میں وہی پیام ہے جو مولانا روم نے دیا ہے) + (میں یہ شراب

اس لئے پلانا چاہتا ہوں۔ کہ) اس کی شاعری کی شراب انگور کی عام شراب (عام لوگوں کی شاعری) سے زیادہ جوان یعنی زیادہ تیز ہے اور زیادہ مستی دینے والی ہے۔

غزل (24)

فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بت خانہ
این جلوت جانانہ، آں خلوت جانانہ

شادم کہ مزار من در کوئے حرم بستند
راہے ز مژہ کاوم از کعبہ بہ بت خانہ

از بزم جہاں خوشتر، از حور و جناں خوشتر
یک ہمدم فرزانہ وز بادہ دو پیمانہ

ہر کس نگہے دارد، ہر کس سخنے دارد
در بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

ایں کیست کہ بر دلہا آوردہ شبیخونے
صد شہر تمنا را یغما زدہ ترکانہ

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

اقبال بہ منبر زد رازے کہ نہ باید گفت
ناپختہ بروں آمد از خلوت میخانہ

*

شعر ① عاشق کعبہ اور بت خانہ میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا + اس کے لئے یہ یعنی (بت خانہ) محبوب کی جلوت اور وہ (یعنی کعبہ) محبوب کی خلوت ہے۔ ایک جگہ بہ شکل جہاں ظاہر ہے اور دوسری جگہ بے شکل ہوتے ہوئے چھپا ہوا ہے اس میں وحدۃ الوجود کے اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ ہر جگہ خدا ہی کا ظہور ہے۔

شعر ② میں خوش ہوں کہ لوگوں نے میرا مزار کعبہ کی گلی میں بنایا ہے + (اب) میں کعبہ سے بت خانہ تک اپنی پلکوں (کے نیزوں سے زمین کھود کر) راستہ بنا رہا ہوں۔

شعر ③ دنیا کی محفل اور جنت و حور سے (یعنی دونوں جہانوں سے) زیادہ اچھا ہے + ایک عقل مند دوست یا ساتھی (کا ملنا اور اس کے ساتھ مل کر) شراب کے دو پیالے پینا۔

شعر ④ (تیری محفل میں تیرے تعلق اور سلوک کے اعتبار سے اے محبوب) ہر شخص (تیرا عاشق) اپنی نگاہ رکھتا ہے (اور وہ اس کے زاویہ نگاہ سے تجھے دیکھتا ہے اور ہر شخص (تیرا عاشق) تیرے رابطے سے تیرے متعلق ایک اپنی بات رکھتا ہے + اس لئے جب تیری بزم میں تیرا ذکر چلتا ہے تو ایک کہانی (بات/افسانہ) سے دوسری کہانی نکلتی چلی جاتی ہے اور تیرا ذکر ختم ہی نہیں ہوتا۔

شعر ⑤ یہ کون ہے کہ جس نے دلوں پر شبخون مارا ہے (رات کی تاریکی میں یا چھپ کر مجھ پر حملہ کیا ہے) + اور اس نے میری تمنا کے سینکڑوں شہروں کو یعنی ہر قسم کی آرزوؤں کو ترکوں کی طرح حملہ کر کے لوٹ لیا ہے۔

شعر ⑥ میرے جنون کے بیابان میں (جنگل میں) جبریل فرشتہ تو ایک ادنیٰ شکار ہے + اے میری ہمت مردانہ یزداں (خدا) کو کمند میں لا (اس کو قابو میں کر) مراد ہے کہ اے انسان اپنے اندر فرشتوں کی سی خصلت پیدا کرنا تیری بڑائی نہیں ہے کیونکہ تو تو پہلے ہی اس سے افضل ہے اگرچہ اپنی حقیقت کو بھول کر

اس سے ادنیٰ ہو گیا ہے تجھے تو اپنے اندر خدا کی صفات پیدا کر کے خود کو مظہر صفات خدا بنانا چاہئے شعر کے الفاظ اور اسلوب خدا اور جبریل کے اعتبار سے بعض لوگوں کے نزدیک مناسب نہیں لیکن شاعر نے جس نیت سے انہیں استعمال کیا ہے وہ درست ہے۔

شعر ⑦ اقبال نے منبر پر چڑھ کر (عام لوگوں کے سامنے) وہ راز کہہ دیا جو نہیں کہنا چاہئے تھا (کیونکہ اس کا تعلق صرف خواص اور واقف راز لوگوں سے ہے) + (یہ شاید اس لئے ہوا کہ) وہ میخانہ کی خلوت سے خام نکلا ہے (صحبت مرشد نے ابھی اسے پختہ اور مکمل نہیں کیا)۔

غزل (25)

بے تو از خواب عدم دیدہ کشودن نتواں ۔۔۔ بے تو بودن نتواں با تو نبودن نتواں
در جہان است دل ما کہ جہاں در دل ماست ۔۔۔ لب فرو بند کہ ایں عقدہ کشودن نتواں
دل یاراں ز نواہائے پریشانم سوخت ۔۔۔ من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں
اے صبا از تنک افشانی شبنم چہ شود ۔۔۔ تب و تاب از جگر لالہ ربودن نتواں
دل بحق بند کشادے ز سلاطین مطلب ۔۔۔ کہ جبیں بر در ایں بتکدہ سودن نتواں

*

شعر ① تیرے بغیر (یعنی اگر تو اے خدا نہ ہوتا) تو ہم عدم کے خواب سے (نیند سے) آنکھیں نہیں کھول سکتے تھے یعنی وجود میں نہیں آ سکتے تھے۔ (تو تھا تو ہم کو تو نے وجود دیا) + (یہ سچ ہے) کہ تیرے بغیر ہمارا ہونا ممکن نہ تھا (اب یہ بھی حقیقت ہے) کہ تیرے ساتھ نہ ہونا بھی محال ہے۔ (اس لئے روح انسانی پھر سے تیرے ساتھ وصال کے لئے ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے)۔

شعر ② ہمارا دل جہان میں ہے یا جہان ہمارے دل میں ہے + ہونٹ بند رکھ کہ یہ گرہ نہیں کھولی جا سکتی۔

شعر ③ دوستوں کا دل میری پریشان نواؤں سے جل گیا + میں اس نغمہ سے تڑپا جس کو گایا نہیں جا سکتا (کیونکہ دوست اس کے متحمل نہیں ہو سکتے)۔

شعر ④ اے صبا شبنم کے آہستگی اور نرمی سے گرنے سے کیا ہوتا ہے + لالہ کے پھول کے جگر سے اس کی تپش اور بے قراری تو دور نہیں کی جا سکتی (عشق کی آگ کسی شے سے بھی سرد نہیں ہوتی)۔

شعر ⑤ دل کو خدا سے لگا بادشاہوں سے حاجات طلب نہ کر ان سے مشکلات کا حل نہ ڈھونڈ + کیونکہ پیشانی کو اس بت کدہ (سلاطین کے دروازے پر) گھسایا نہیں جا سکتا۔ (یہ جبین اللہ کے آگے جھکنے کے لئے ہے غیر اللہ کے آگے نہیں)۔

غزل (26)

در شد بدل عاشق با ایں ہمہ پہنائی — ایں گنبد مینائی، ایں پستی و بالائی
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی — اسرار ازل جوئی؟ برخود نظرے وا کن
در سینہ نیاسائی از دیدہ بروں آئی — اے جان گرفتارم دیدی کہ محبت چیست
برخیز و دمے بنشیں با لالۂ صحرائی — برخیز کہ فرودیں افروخت چراغ گل

عشق است و ہزار افسوں، حسن است و ہزار آئیں
نے من بہ شمار آیم نے تو بہ شمار آئی

خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی — صد رہ بفلک برشد، صد رہ بہ زمیں در شد
اے عقل چہ می گوئی اے عشق چہ فرمائی — ہم با خود و ہم با او، ہجراں کہ وصال است ایں؟

*

شعر ① یہ نیلا آسمان، یہ پستی یہ بلندی یعنی ساری کائنات + اپنی ساری وسعتوں کے باوجود عاشق کے دل میں سماگئی (اللہ تعالیٰ کی بھی اگر کہیں سمائی ہو سکتی ہے تو وہ صرف مومن کا دل ہے)۔

شعر ② ازل کے بھید (حق کی معرفت) تلاش کرتا ہے اپنی ذات پر غور کر + تو وحدت بھی ہے کثرت بھی ہے باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے مراد ہے صفات خداوندی کا تو مظہر ہے ضرورت اپنی معرفت کی ہے۔ خود کو پہچان لے گا تو خدا کو پہچان لے گا۔

شعر ③ اے میری (محبت کی وجہ سے مصائب و آلام میں) گرفتار جان کیا تو نے دیکھ لیا کہ محبت کیا ہوتی ہے + (اب) تو میرے سینہ میں بے قرار ہے (اور آنسو بن کر) میری آنکھوں سے نکلنا چاہتی ہے (بے قراری اور گریہ زاری محبت کی خاصیتوں میں سے دو اہم خاصیتیں ہیں)۔

شعر ④ اٹھ (اور دیکھ) کہ نوبہار نے پھولوں کے چراغ جلا دیئے ہیں + اٹھ اور (جا کر) کچھ عرصہ لالہ کے پھول کے ساتھ بیٹھ (تو بھی عاشق ہے وہ بھی سوختہ دل اور خونیں رنگ ہے)۔

شعر ⑤ عشق ہے اور ہزاروں جادو یا ترکیبیں (جو وہ حسن پر اثراندازی کیلئے کرتا ہے) حسن ہے اور ہزاروں ادائیں (جو وہ عاشق کو قابو میں کرنے کے لئے رکھتا ہے) + نہ میرا یعنی عشق کے جادو کا جو وہ حسن کو مختلف ترکیبوں سے مطیع کرنے کے لئے کرتا ہے کوئی شمار ہے اور نہ تیرا یعنی حسن کی ان اداؤں کا کوئی شمار ہے جو وہ عاشق کو قابو میں لانے کے لئے کرتا ہے۔

شعر ⑥ سو راستوں سے آسمان پر گئی یعنی عزت پائی اور سو راستوں سے زمین میں آئی یعنی ذلت پائی + (کس نے) خاقان، فغفور، جمشید اور دارا جیسے بادشاہوں کی بادشاہی نے مراد ہے کسی کی ملوکیت اور سلطنت کو دوام نہیں آج کا شاہ کل کا فقیر۔

شعر ⑦ (عاشق کی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ یہ عجیب تماشا ہے کہ) عاشق اپنے ساتھ بھی ہوتا ہے اور اپنے محبوب کے ساتھ بھی ہوتا ہے معلوم نہیں کہ یہ ہجر ہے یا وصال + اے عقل تو اس بارے میں کیا کہتی ہے اور اے عشق تو اس بارے میں کیا فرماتا ہے۔

غزل (27)

(بہ یکے از صوفیہ نوشتہ شد + صوفیاء میں سے ایک صوفی کو لکھی گئی)

ہوس منزل لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
جگر گرمی صحرا نہ تو داری و نہ من

من جواں ساقی و تو پیر کہن میکدۂ
بزم ما تشنہ و صہبا نہ تو داری و نہ من

دل و دیں در گرو زہرہ وشان عجمی!
آتش شوق سلیمیٰ نہ تو داری و نہ من

خزفے بود کہ از ساحل دریا چیدم
دانہ گوہر یکتا نہ تو داری و نہ من

دگر از یوسف گم گشتہ سخن نتواں گفت
تپش خون زلیخا نہ تو داری و نہ من

بہ کہ با نور چراغ تہ داماں سازیم
طاقت جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من

*

شعر ① لیلیٰ کی منزل پانے کی ہوس نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں + صحرا کے جگر کی گرمی یعنی صحرانوردی کے مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں مراد ہے ہم دونوں رسمی اسلام کا نام لیتے ہیں اس کو اپنانے کی حقیقی تمنا اور اس تمنا کے پورا ہونے کے لئے جس جدوجہد کی ضرورت ہے وہ نہ تو کرنا چاہتا ہے اور نہ میں۔ یہاں میں سے جدید یا دنیادار طبقہ اور تو سے دین دار اور قدیم طبقہ بھی مراد ہو سکتا ہے دونوں طبقے اسلام کا نام تو لیتے ہیں اس کو اپنی ذات پر نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں۔

شعر ② میں جوان ساقی ہوں (طبقہ جدید سے تعلق رکھتا ہوں) تو پرانے شراب خانے کا پیر ہے (قدامت پسند طبقہ سے متعلق ہے) + ہماری محفل پیاسی ہے شراب نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں۔ مراد ہے قوم کو نور اسلام سے منور کرنے کی بات نہ تیرے پاس ہے اور نہ میرے پاس ہے۔

شعر ③ ہم دونوں کا دل اور دین زہرہ ستارہ کی طرح کے عجمی حسینوں کے پاس رہن ہے یعنی ہم غیر اسلامی شعائر اپنا چکے ہیں + سلیمیٰ کے شوق کی آگ یعنی عربی معشوق کا عشق نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں مراد ہے دین جس صورت میں عرب سے نکل کر ہم تک پہنچا تھا وہ نہ تیرے پاس ہے اور نہ میرے پاس ہے۔

شعر ④ یہ جو کچھ ہم نے ساحل سے چنا یہ (فضول اور بے قیمت) ٹھیکری تھی بے مثل موتی (جو دریا کی تہ سے نکالا جاتا ہے) نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں رکھتا ہوں مراد ہے ہم دونوں نے رسوم کو تو اپنا رکھا ہے لیکن اصل اسلام سے ناواقف ہیں۔

شعر ⑤ اب یا دوبارہ ہم گم شدہ یوسف کی بات نہیں کر سکتے یعنی اسلام کی وہ روح جو ہم سے غائب ہو چکی ہے اسے دوبارہ پانے کی نہ ہم میں تمنا ہے اور نہ حوصلہ + کیونکہ اس یوسف کو حاصل کرنے کے لئے زلیخا کے خون کی جس حرارت کی ضرورت ہے وہ نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں رکھتا ہوں یعنی ہم دونوں میں کھوئے ہوئے اسلام کو دوبارہ پانے کی تڑپ اور آرزو موجود نہیں۔

شعر ⑥ بہتر یہی ہے کہ ہم اس چراغ کی روشنی سے موافقت کرلیں جو دامن میں چھپا ہوا ہے یعنی اسی

اسلام پر اکتفا کرلیں جس کی ایک شکل میرے اور تیرے دل میں ہے + (کیونکہ) وادی سینا میں جلوہ گری کرنے والے نور یعنی اصل اسلام کے تماشا کی طاقت نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں۔

غزل (28)

دلیل منزل شوقم بدامنم آویز شرر ز آتش نابم بخاک خویش آمیز
عروس لالہ بروں آمد از سراچۂ ناز بیا کہ جان تو سوزم ز حرف شوق انگیز
بہ ہر زمانہ بہ اسلوب تازہ می گویند حکایت غم فرہاد و عشرت پرویز
اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشم من است ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز

*

شعر ① میں عشق کی منزل کی دلیل یا راہنما ہوں مجھ سے تعلق پیدا کر + (اور اس طرح) میری حقیقی یا خالص آگ کی چنگاری اپنی مٹی میں شامل کر تاکہ تیرے اندر بھی آتش عشق بھڑک اٹھے (اپنی شاعری سے استفادہ کرنے کی تلقین ہے)۔

شعر ② لالہ کے سرخ لباس والی دلہن ناز کے پیارے گھر سے نمودار ہو گئی ہے + آکہ میں عشق پیدا کرنے والے حرف یعنی اپنی شاعری سے تیری جان کو جلاؤں۔ مراد ہے موسم بہار آگیا ہے جس طرح بہار نے لالہ کے پھول کو سرخ لباس پہنا دیا ہے میں بھی اپنی شاعری کے ذریعے تجھے آدمیت و انسانیت یا اسلام و ایمان کے لحاظ سے خوبصورتی بخش دوں گا۔

شعر ③ (فرہاد و شیریں کی حکایت مشہور ہے۔ ان دونوں کا تعلق ملک ایران سے تھا۔ شیریں پر فرہاد تو عاشق تھا لیکن بادشاہ وقت جس کا نام پرویز تھا اسے اپنی ہوس کے لئے محل میں ڈالنا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے شیریں کو قابو کر لیا اور فرہاد کو راستے سے ہٹانے کے لئے شرط لگا دی کہ وہ فلاں پہاڑ سے اگر نہر کھود لائے گا تو شیریں اس کو مل جائے گی یہ سادہ دل اس کام میں لگ گیا جو ممکن نہ تھا وہ اسی تگ و دو میں تھا کہ بادشاہ نے اس تک شیریں کی موت کی جھوٹی خبر پہنچا دی۔ جس کو سن کر اس نے بھی جان دے دی۔ اس پس منظر میں فرہاد عشق صادق کی اور پرویز حیلہ و مکر کی علامت کے طور پر کلام اقبال میں ظاہر ہوا) ہر زمانہ میں ایک نئی طرز اور ایک نئے رنگ سے کہی جاتی ہے + فرہاد کے غم اور پرویز کی عشرت کی کہانی۔ مراد ہے عشق و ہوس اور سرمایہ و محنت کی جنگ ہر زمانے میں رہتی ہے ہاں انداز کا فرق ضرور ہوتا ہے۔

شعر ④ اگرچہ میں ہندوستان میں پیدا ہوا ہوں لیکن میری آنکھوں میں جو چمک ہے + وہ بخارا، کابل اور تبریز کی پاک مٹی (کا سرمہ) ڈالنے کی وجہ سے ہے۔ مراد ہے میرے افکار کا منبع ہندی نہیں اسلامی ہے۔ مجھ پر ان بزرگوں کا فیضان ہے جو اسلامی علوم و فنون کے ان مراکز میں پیدا ہوئے ہیں جن کا شعر میں ذکر ہے۔

غزل (29)

در جہان دل ما دور قمر پیدا نیست
انقلابست ولے شام و سحر پیدا نیست

وائے آں قافلہ کز دونی ہمت میخواست
رہگذارے کہ درو ہیچ خطر پیدا نیست

بگذر از عقل و درآویز بموج یم عشق
کہ دراں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

آنچہ مقصود تگ و تاز خیال من و تست
ہست در دیدہ و مانند نظر پیدا نیست

*

شعر ① میرے دل کے جہان میں چاند کی گردش کا زمانہ موجود نہیں ہے + اس میں تغیرات تو ضرور ہوتے ہیں لیکن شام و سحر پیدا نہیں ہوتے۔ مراد ہے دل کی دنیا خارجی دنیا سے مختلف ہے۔ اس میں خارجی دنیا کا سا زمان و مکان اور انقلابات و تغیرات نہیں ہیں یہ جہان مادی جہان کے زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔

شعر ② اس قافلہ پر افسوس ہے کہ جس نے اپنی کم ہمتی کی بنا پر طلب کیا + وہ راستہ کہ جس میں کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔

شعر ③ عقل سے گزر جا اور عشق کے سمندر کی موج سے لپٹ جا + کیونکہ اس نہر میں یعنی عقل کی نہر میں جو بہت کم پانی اور گہرائی رکھتی ہے موتی پیدا نہیں ہوتے۔

شعر ④ جو کچھ میرے اور تیرے خیال کی دوڑ دھوپ کا مقصود ہے + وہ آنکھ میں تو ہے (لیکن) نظر کی مانند آنکھ سے باہر ظاہر نہیں ہے مراد ہے ہم دونوں ایسے معشوق کے نظارے کے طالب ہیں جو دل میں تو ہے لیکن نظر سے اوجھل ہے۔

غزل (30)

گریہ ما بے اثر، نالہ ما نارساست
حاصل ایں سوز و ساز یک دل خونیں نواست

در طلبش دل تپید دیر و حرم آفرید
ما بہ تمنائے او بتماشائے ماست

پردگیاں بے حجاب، من بہ خودی در شدم
عشق غیورم مگر، میل تماشا کراست

مطرب میخانہ ئے دوش نکتۂ خوش گفت سرود
بادہ چشیدن خطاست بادہ کشیدن رواست

زندگی راہرواں در تگ و تاز است و بس
قافلہ موج را جادہ و منزل کجاست

شعلۂ درگیر زد بر خس و خاشاک من
مرشد رومی کہ گفت "منزل ما کبریاست"

*

شعر ① میرا رونا بے اثر اور میری فریاد کسی (کے کانوں) تک نہ پہنچنے والی ہے + اس سوز و ساز (جلن اور تڑپ) کا حاصل یا پھل خون سے بھری ہوئی نوا پیدا کرنے والا ایک دل ہے۔ (عشق فراق میں فروغ پاتا ہے)۔

شعر ② اس نظر سے غائب محبوب یا خدا) کی طلب میں دل تڑپا تو اپنی عقل و فکر کے مطابق) کہیں اس نے مندر بنالیا اور کہیں کعبہ تعمیر کر لیا + (یہ عجیب بات ہے کہ) ہم اس کی تمنا کر رہے ہیں اور وہ ہمارا نظارہ کر رہا ہے۔ (ہم چونکہ اس غائب مصور کی بہترین تصویریں ہیں اس لئے وہ ان کی دید کا مشتاق ہے)۔

شعر ③ پردہ نشیں پردہ سے باہر آگئے (لیکن میں نے ان کی طرف نظر تک نہ کی بلکہ) میں اپنی خودی میں گم ہو گیا + میرے غیرت مند عشق کو دیکھ نظارہ کی رغبت کس کو ہے (خارجی حسن سے میرا اپنا حسن زیادہ قابل دید ہے بلکہ خارجی حسن تو میری حسن نظر کا محتاج ہے۔ میں کسی کی نظر کا محتاج نہیں)۔

شعر ④ کل رات میخانہ میں گانے والے نے ایک دل کو کھینچنے والا نکتہ (رمزی بات) گائی یا کہی + شراب چکھنا خطا ہے شراب کھینچنا روا ہے۔ مراد ہے۔ جس طرح شراب کا موجود ہونا جرم نہیں شراب کا پینا جرم ہے اسی طرح کائنات میں شر کا وجود تو ٹھیک ہے البتہ اس کا استعمال غلط ہے۔

شعر ⑤ راہ چلنے والوں کی زندگی دوڑ دھوپ (چلتے رہنے) میں ہے اور بس + (سمندر میں) لہر کا قافلہ جو رواں ہے اس کی منزل اور راستہ کہاں ہے مراد ہے اس کی کوئی منزل نہیں اگر وہ ٹھہر جائے تو ختم ہو جائے اس کا چلنا ہی اسے لہرینا تا ہے۔

شعر ⑥ ایک جلا دینے والا شعلہ میری خس و خاشاک پر پڑا اور اس میں آگ بھڑکا دی یعنی میری زندگی جو گھاس پھوس اور تنکوں کی مانند خشک اور بیکار تھی اس میں حرارت پیدا کر کے اسے کار آمد بنا دیا + (کس نے) مرشد رومی نے جب یہ کہا کہ ہماری منزل کبریا ہے یعنی ہماری منزل وہ خدا ہے جو ہر شے سے بڑا ہے۔ یہ جہان ہو یا وہ جہان' یہاں کے معمولات ہوں یا وہاں کی ترغیبات' یہ ہماری منزل یا مقصود زندگی نہیں ہیں۔ یہ سب زندگی کے لئے تو ہیں زندگی ان کے لئے نہیں ہے زندگی فقط اپنے خالق و مالک اور اعلیٰ و برتر خدا تک رسائی کا نام ہے یا رسائی کے لئے ہے۔

غزل (31)

سوز سخن ز نالۂ مستانۂ دل است — ایں شمع را فروغ ز پروانۂ دل است
مشت گلیم و ذوق فغانے ندا شتیم — غوغائے ما ز گردش پیمانۂ دل است
ایں تیرہ خاکداں کہ جہاں نام کردہ — فرسودہ پیکرے ز صنم خانۂ دل است
اندر رصد نشستہ حکیم ستارہ بیں — در جستجوئے سرحد ویرانۂ دل است
لاہوتیاں اسیر کمند نگاہ او — صوفی ہلاک شیوۂ ترکانۂ دل است
محمود غزنوی کہ صنم خانہ ہا شکست — زناری بتان صنم خانۂ دل است
غافل ترے ز مرد مسلماں ندیدہ ام — دل درمیان سینہ و بیگانۂ دل است

✱

شعر ① شاعری میں سوز دل کی مستانہ فغاں کی وجہ سے ہے + اس شمع کی روشنی دل کے پروانہ سے ہے یعنی کہ اس پر قربان ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

شعر ② ہم تو صرف مٹی کی مٹھی (خاک کے بنے ہوئے انسان) ہیں ہم فریاد کا ذوق نہیں رکھتے تھے + ہمارا شور یا ہنگامہ دل کے پیالے کی گردش کی وجہ سے ہے۔ (جسم مادی میں جو حرارت نظر آتی ہے وہ دل پر عشق کی وجہ سے ہے)۔

شعر ③ یہ تاریک گھر جس کا نام تو نے جہان رکھا ہے + دل کے بت خانہ کا ایک ناکارہ بت ہے۔ مراد ہے اہل دل کے نزدیک جہان بے قدر ہے۔

شعر ④ ستاروں کو دیکھنے والا حکیم اپنی رصد گاہ (ستاروں کا جائزہ لینے والے مکان) میں بیٹھا + دل کے ویرانہ کی سرحد کی جستجو میں ہے کہ وہ کہاں تک ہے۔ ستاروں کے بروج اور حدود کا تو اسے علم ہے لیکن دل کی بے کنار وسعت کا اسے کوئی علم نہیں (عاشق کا دل ویرانہ اس لئے ہے کہ اس میں سوائے محبوب کے اور کوئی نہیں ہے۔ دنیاوی خواہشات سے آباد نہیں ہے)۔

شعر ⑤ عالم لاہوت کے رہنے والے (فرشتے اور دوسری مخلوق) اس کی یعنی دل کی نگاہ کی کمند میں اسیر ہیں + صوفی دل کے ترکوں کے شیوہ (روش) سے ہلاک ہے۔ یعنی وہ ایسے دل کے لئے جدوجہد کرتا ہے اور جملہ آلام و مصائب اس لئے برداشت کرتا ہے تاکہ وہ عالم لاہوت سے (جو عالم سے بالا ہے) متعلق ہو جائے۔

شعر ⑥ سلطان محمود غزنوی جس نے بہت سے بت خانے ڈھائے + دل کے بت خانہ کے بتوں کا زناری (جنیو پہننے والا برہمن) ہے مراد ہے وہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایاز کا عاشق بن گیا تھا۔

شعر ⑦ میں نے مسلمان سے زیادہ غافل کسی اور کو نہیں دیکھا + کہ دل اس کے سینے میں موجود ہے لیکن وہ دل سے غافل ہے۔ (وہ اسے گوشت کا لوتھڑا ہی سمجھتا ہے اور اس کی صلاحیتوں اور طاقتوں سے ناواقف ہے)۔

غزل (32)

سطوت از کوه ستانند و بکاہے بخشند ‏ کلہ جم بگدائے سر راہے بخشند

در رہ عشق فلاں ابن فلاں چیزے نیست ‏ ید بیضائے کلیمے بسیاہے بخشند

گاہ شاہی بجگر گوشہ سلطاں ندہند ‏ گاہ باشد کہ بزندانی چاہے بخشند

فقر را نیز جہاں بان و جہاں گیر کنند ‏ کہ بایں راہ نشیں تیغ نگاہے بخشند

عشق پامال خرد گشت جہاں دیگر شد ‏ بود آیا کہ مرا رخصت آہے بخشند

٭

شعر ① ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ کارکنان قضا و قدر نے) پہاڑ سے اس کی ہیبت چھینتے ہیں اور تنکے کو بخش دیتے ہیں + راستہ میں بیٹھنے والے گدا کو جمشید بادشاہ کا تاج بخش دیتے ہیں مراد ہے خدائے بے نیاز نے جب چاہا طاقتوروں کو کمزور اور کمزوروں کو طاقت ور بنا دیا بادشاہوں کو فقیر اور فقیروں کو بادشاہ کر دیا۔

شعر ② عشق کے راستہ (دنیا) میں فلاں بن فلاں (یعنی نسب اور وراثت) کوئی چیز نہیں + یہاں

حضرت موسیٰ کا چمکتا ہوا سفید ہاتھ ایک سیاہ رنگ والے حبشی کو عطا کر دیتے ہیں۔ (جو بھی عشق کے راستہ پر گامزن ہو جاتا ہے وہ سرفراز ہو جاتا ہے اس میں رومی 'شامی' حبشی کی کوئی قید نہیں)۔

شعر ③ کبھی بادشاہی بادشاہ کے جگر گوشہ (جگر کے ٹکڑے یعنی بیٹے) کو نہیں دیتے + اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کنوئیں کے قیدی کو بخش دیتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

شعر ④ فقر کو بھی جہان کا حکمران اور جہان کو فتح کرنے والا بنا دیتے ہیں + کہ اس راستہ میں بیٹھنے والے کو یعنی بے سروسامان کو اور بظاہر حقیر کو نگاہ کی تلوار عطا کر دیتے ہیں (جو خارجی جہان اور داخلی جہان دونوں کو سر کر لیتی ہے)۔

شعر ⑤ عشق کو (عہد حاضر میں) عقل نے پامال کر دیا یعنی کچل دیا یا مغلوب کر لیا (ہر طرف عقل' علم اور فکر کی حکمرانی ہے اور عشق' خلوص اور تڑپ مفقود ہے۔ جس سے جہان تباہ ہو گیا ہے) + کیا ایسا ہو گا کہ مجھے آہ کرنے کی اجازت بخشی جائے گی (تاکہ میں اس کی آگ سے اس عقل کے برباد کئے ہوئے جہان کو پھونک سکوں اور اس کی تخریب میں سے ایک نئے جہان کی تعمیر کر سکوں وہ جو عشق کا پیدا کردہ ہو)۔

غزل (33)

نہ تو اندر حرم گنجی نہ در بتخانہ می آئی
ولیکن سوئے مشتاقاں چہ مشتاقانہ می آئی

قدم بیباک تر نہ در حریم جان مشتاقاں
تو صاحب خانہ آخر چرا دزدانہ می آئی

بغارت می بری سرمایۂ تسبیح خواناں را
بشبخون دل زناریاں ترکانہ می آئی

گہے صد لشکر انگیزی کہ خون دوستان ریزی
گہے در انجمن با شیشہ و پیمانہ می آئی

تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع یتیمے صورت پروانہ می آئی

بیا اقبال جامے از خمستان خودی در کش
تو از میخانۂ مغرب ز خود بیگانہ می آئی

*

شعر ① نہ تو کعبہ میں سماتا ہے اور نہ بت خانہ میں آتا ہے + لیکن اپنے مشتاقوں یا عاشقوں کی طرف تو کس اشتیاق سے آتا ہے۔ مراد ہے خدا کی سمائی صرف عاشق کے دل میں ہو سکتی ہے۔

شعر ② اپنے چاہنے والوں کے حریم جان (جان کے گھر) میں زیادہ بے خوف ہو کر قدم رکھ + تو تو گھر کا مالک ہے آخر چوری چھپے کیوں آتا ہے۔

شعر ③ تو تسبیح پڑھنے والوں یعنی مسلمانوں کے سرمایہ کو غارت کرتا ہے اور زناریوں یعنی برہمنوں کے دل پر رات کی تاریکی میں حملہ کرنے کے لئے ترک حملہ آوروں کی طرح آتا ہے۔

شعر ④ کبھی تو سینکڑوں لشکر اکٹھے کرتا ہے کہ اپنے ہی دوستوں کا خون بہائے + کبھی تو محفل میں صراحی اور پیالہ لے کر (شراب پلانے کے لئے) آجاتا ہے۔

شعر ⑤ کبھی (تو) حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے درخت طور پر بے خوف ہو کر شعلے پھینکتا ہے (موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دیدار کے لئے عرض کی تو اس نے اپنا دیدار دکھانے کی بجائے الٹا اپنی تجلی سے کوہ طور

جلا دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے) + تو ایک یتیم کی شمع پر یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع پر پروانے کی صورت (از خود) چلا آتا ہے (بلکہ آسمانوں پر بلا کر شب معراج کو دیدار کراتا ہے)۔

شعر ⑥ اے اقبال آ اور خودی کے شراب خانے میں سے ایک پیالہ شراب پی + (کیونکہ) تو مغرب کے شراب خانے سے جو شراب پی کر آیا ہے اس نے تجھے خود سے بیگانہ کر دیا ہے۔

غزل (34)

تب و تاب بتکدہ عجم نرسد بسوز و گداز من
کہ بیک نگاہ محمدؐ عربی گرفت حجاز من

چہ کنم کہ عقل بہانہ جو گرہ بروئے گرہ زند
نظرے کہ گردش چشم تو شکند طلسم مجاز من

نرسد فسوں گری خرد بہ تپیدن دل زندۂ
ز کنشت فلسفیاں در آ بحریم سوز و گداز من

*

شعر ① غیر عرب کے بت کدہ کی تب و تاب میرے سوز و گداز کو نہیں پہنچتی مراد ہے غیر عربی یا غیر اسلامی تصورات و نظریات میری طبیعت کو راس نہیں ہیں + (کیونکہ) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک نگاہ سے میرے حجاز یعنی دل کو قابو میں کر لیا ہے (مجھ پر ان کا اور ان کی تعلیمات کا اثر ہے) (حجاز عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں مکہ اور مدینہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش مکہ اور مدفن مدینہ ہے)۔

شعر ② میں کیا کروں میری بہانے تلاش کرنے والی عقل (میری مشکلات کو حل کرنے کی بجائے) میرے کام کی گرہ (گانٹھ) میں اور گرہ پیدا کرتی جاتی ہے + ایک نظر (میری طرف) کہ تمہاری آنکھ کی گردش میرے مجاز کے جادو کو توڑ دے۔ (اور مجھے حقیقت آشنا کر دے)۔

شعر ③ عقل کی جادوگری (یا مکر و فریب اور حیلہ و بہانہ) (میرے) زندہ دل کی تڑپ کو نہیں پہنچتی یعنی اس کو سکون یا لذت عطا نہیں کر سکتی + فلسفیوں کے آتش پرستی کے مندر سے نکل اور میرے سوز و گداز کے گھر میں آ یعنی فلسفہ اور عقل کے چکر سے نکل کر عشق کے دائرے میں آ۔

غزل (35)

مثل آئینہ مشو محو جمال دگراں
از دل و دیدہ فرو شوے خیال دگراں

آتش از نالۂ مرغان حرم گیر بسوز
آشیانے کہ نہادی بہ نہال دگراں

در جہاں بال و پر خویش کشودن آموز
کہ پریدن نتواں با پر و بال دگراں

مرد آزادم و آں گونہ غیورم کہ مرا
می تواں کشت بیک جام زلال دگراں

اے کہ نزدیک تر از جانی و پنہاں ز نگہ
ہجر تو خوشتر آید ز وصال دگراں

*

شعر ① آئینہ کی مانند (جو ہمیشہ دوسروں کو تکتا رہتا ہے) تو دوسروں کے حسن کا نظارہ کرنے میں محو نہ

رہ + اپنے دل اور آنکھوں سے دوسروں کا خیال دھو ڈال (تو تو خود تماشا کے قابل ہے اپنے آپ کو پہچان)۔

شعر ② کعبہ کے پرندوں کی فریاد سے اپنے اندر آگ پیدا کر اور جلا دے + اس گھونسلے کو جو تو نے دوسروں کے پودے پر بنایا ہے (اسلامی اقدار اپنا غیروں کی اقدار سے کنارہ کش ہو)۔

شعر ③ دنیا میں اپنے بازوؤں اور پروں کو کھولنا سیکھ + (کیونکہ) دوسروں کے بازوؤں اور پروں سے نہیں اڑا جا سکتا۔

شعر ④ میں ایک آزاد مرد ہوں اور اس انداز کا غیرت مند ہوں کہ مجھے دوسروں کے ایک جام زلال (شیریں پانی کے پیالے) سے مارا جا سکتا ہے (میرے لئے اس کا بار احسان بھی برداشت نہیں ہو سکتا)۔

شعر ⑤ اے وہ کہ تو میری جان سے بھی زیادہ مجھ سے نزدیک ہے اور میری نگاہ سے پنہاں ہے + مجھے تیرا فراق زیادہ اچھا لگتا ہے بہ نسبت دوسروں کے وصال کے۔

غزل (36)

جہان عشق نہ میری نہ سروری داند
همیں بس است کہ آئین چاکری داند

نہ ہر کہ طوف بتے کرد بست زنارے
صنم پرستی و آداب کافری داند

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است ایں جا
نہ ہر کہ نان جویں خورد حیدری داند

بچشم اہل نظر از سکندر افزوں است
گدا گرے کہ مآل سکندری داند

بعشوہ ہائے جوانان ماہ سیما چیست
در آ بہ حلقۂ پیرے کہ دلبری داند

فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند

چہ گونمت ز مسلمان نامسلمانے
جز ایں کہ پور خلیلؑ است و آذری داند

نگیے بہ غم کدۂ من گذر کن و بنگر
ستارہ سوختۂ کیمیا گری داند

بیا بہ مجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

شعر ① عشق کا جہان نہ امیری سے واقف ہے اور نہ آقائی سے + اس کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نوکری (خدمت گری) کا طور طریقہ اور اصول و قاعدہ جانتا ہے (یہاں اصل سرداری دوسروں کی خدمت ہے کیونکہ ایک مقولے کے مطابق جس نے خدمت کی وہی مخدوم ہو گیا۔ اور یہ سردار' آقا یا مخدوم ہونا ایسا ہے جسے زوال نہیں)۔

شعر ② نہ ہر وہ شخص جس نے کسی بت کا طواف کیا وہ زنار باندھنے والا (برہمن) ہو گیا + (یا) وہ بت پرستی اور مذہب کفر کے آداب جانتا ہے مراد ہے کسی بھی شے میں کمال حاصل کرنے کے لئے ذاتی لیاقت' صلاحیت اور اس کے ساتھ اخلاص نیت و عمل کا ہونا ضروری ہے۔

شعر ③ (حضرت علی کرم اللہ وجہ جب کعبہ میں پیدا ہوئے تو انہوں نے سجدہ میں سر رکھا اور اس اژدر (بڑے سانپ) کو چیر دیا جو سامنے آیا تھا اس فعل کو دیکھ کر ان کی والدہ نے ان کو حیدر (شیر) کا نام دیا تھا پھر جوانی میں انہوں نے مدینہ کے قریب یہودیوں کے مشہور قلعہ خیبر کو فتح کیا تھا یہ طاقت حضرت علیؓ میں طاقت دینے والی اور مرغن غذائیں کھانے سے نہیں آئی تھی بلکہ وہ تو روکھی سوکھی جو کی روٹی کھاتے تھے ستو پیتے تھے یہ طاقت ان میں ایمان کی تھی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی اور ان کے فیضان صحبت کی تھی۔ یہ شعر اس پس منظر میں کہا گیا ہے) یہاں ہزار رنگ کے خیبر اور سودھنگ کے اژدہے ہیں + ہر وہ شخص جو جو کی روٹی کھاتا ہے شیری نہیں جانتا یعنی حضرت علی جیسا نہیں ہو سکتا اس کے لئے حضرت علی کی صفات کا ہونا ضروری ہے۔

شعر ④ نظر والوں کے نزدیک وہ سکندر فاتح سے بڑھ کر ہے + (کون) وہ گدا جو سکندری کا انجام جانتا ہے (یعنی جانتا ہے کہ سلطنت' ملک' دولت' شہرت وغیرہ عارضی اشیا ہیں)۔

شعر ⑤ چاند جیسے ماتھوں والے جوانوں کے ناز و انداز میں کیا رکھا ہے + کسی بوڑھے (بزرگ) کے حلقہ میں آ کہ اصل دلبری تو وہ جانتا ہے مراد ہے شیخ کامل کی صحبت سے منکشف ہو گا کہ اصل حسن اور اصل معشوقی کیا ہے یہ جوانوں کا حسن اور معشوقیت تو عارضی ہے دائمی حسن ان میں ہے جنہوں نے حسن لازوال سے رشتہ جوڑا ہے۔

شعر ⑥ اہل یورپ نے شیشہ بنانے کے کارخانے بنائے اور ان میں پیالے اور صراحیاں بنائیں + (لیکن) میں حیران ہوں کہ وہ اسی شیشہ کو (خالی پیالوں اور صراحیوں کو جو کارخانوں ہی میں موجود ہیں اور شراب خانوں تک نہیں پہنچیں) پری (شراب) سمجھ رہا ہے حالانکہ شراب ان میں بالکل نہیں ہے (مراد ہے یورپ کی تہذیب' ثقافت' علم' فن' فلسفہ' حکمت' شعر' ادب' ہنر' کسی بھی چیز کو لے لیں یہ سب مادی ترقی کے لئے تو ہیں انسانی اور روحانی ترقی سے خالی ہیں)۔

شعر ⑦ میں تجھے اس مسلمان کے متعلق جس میں مسلمانی باقی نہیں رہی کیا کہوں + سوائے اس کے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہے (جو توحید پھیلانے اور کفر و شرک ختم کرنے کے لئے آئے تھے) لیکن یہ توحید کی بجائے آزری (بت پرستی) کو اپنائے ہوئے ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ کی قوم کے باپ یا سردار کا نام آزر تھا جو بت بناتے' بیچتے اور پوجتے تھے یہ خیال غلط ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ سے آدم' تک میری نسل میں کوئی نجس (شرک / بت پرست) نہیں ہوا اور پھر موتی ٹھیکری میں نہیں سیپ میں پیدا ہوتا ہے جس طرح ہم قائداعظم کو بابائے قوم (قوم کا باپ) ترکی والے مصطفیٰ کمال کو اتاترک یعنی ترکوں کا باپ کہتے ہیں اسی طرح قرآن نے جب آزر کا ذکر بطور باپ کیا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے اپنے باپ کے طور پر نہیں بلکہ ان کی قوم کے باپ کی حیثیت سے کہا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ قرآن میں باپ کے لیے والد کا لفظ آیا ہے اب سے مراد آباؤ اجداد بھی ہے کوئی تایا یا چچا بھی ہو سکتا ہے۔

شعر ⑧ ایک دفعہ میرے غم خانہ کی طرف گزر کر اور دیکھ + کہ یہ ہے تو ستارہ سوختہ یعنی وہ جس کی قسمت کا ستارہ جل گیا ہے جو بدنصیب ہے غم کا مارا ہوا ہے لیکن وہ سونا بنانے کا فن جانتا ہے وہ اپنے اس فن سے آدمی کی مٹی کو سونا بنا سکتا ہے یعنی آدمی کو آدمیت و انسانیت سے آشنا کر سکتا ہے۔

شعر ⑨ اقبال کی محفل میں آ اور ایک دو پیالے پی + وہ (قلندروں کی طرح اگرچہ) سر مونڈھا نہیں (پیروں فقیروں کی وضع نہیں رکھتا) لیکن قلندری جانتا ہے یعنی وہ فقر کے اور قلندری کے طور طریقوں اور رموز و اسرار سے واقف ہے آ تو بھی اس سے فیض یاب ہو۔ (تراشد کے معنی اگر مونڈنا کے بھی آتے ہیں لیکن یہاں مراد مونڈنا نہیں منڈوانا ہے)

غزل (37)

خواجہ نیست کہ چوں بندہ پرستارش نیست
بندہ نیست کہ چوں خواجہ خریدارش نیست

گرچہ از طور و کلیم است بیان واعظ
تاب آں جلوہ بائینہ گفتارش نیست

پیر ما مصلحتًا رو بمجاز آوردہ است
ورنہ با زہرہ وشاں ہیچ سرو کارش نیست

دل بہ او بند و ازیں خرقہ فروشاں بگریز
نشوی صید غزالے کہ ز تاتارش نیست

نغمہ عافیت از بربط من می طلبی؟
از کجا برکشم آں نغمہ کہ در تارش نیست

دل ما قشقہ زد و برہمنی کرد ولے
آں چناں کرد کہ شائستہ زنارش نیست

عشق در صحبت میخانہ بگفتار آید
زانکہ در دیر و حرم محرم اسرارش نیست

*

شعر ① آقا آقا نہیں ہے جب تک غلام اس کا پرستار نہ ہو + غلام غلام نہیں ہے جب تک آقا اس کا خریدار نہ ہو۔

شعر ② اگرچہ واعظ کا بیان کوہ طور، اس پر تجلی کی بجلی گرنے اور حضرت موسیٰ کے بے ہوش ہو جانے کے متعلق ہے + لیکن اس کی تقریر کے آئینہ میں اس تجلی کی کوئی چمک نہیں (واعظ اخلاص سے خالی ہے اس کے پاس علم ضرور ہے لیکن وہ عمل سے بیگانہ ہے)۔

شعر ③ ہمارے پیر نے مصلحت کے طور پر مجازی معشوقوں کی طرف دھیان دے رکھا ہے + ورنہ زہرہ ستارہ کی طرح کے (حسینوں) سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے (اس میں پیروں کی بظاہر پیری اور بباطن دنیا پرستی کی طرف بھی اشارتی طنز ہے اور شاید یہ بات بھی ہو کہ مجاز حقیقت کی پہلی سیڑھی ہے)۔

شعر ④ اس سے یعنی خدا سے دل لگاؤ اور (یہ خدا سے دور) جو خرقہ پہننے والے فقیر اور پیر ہیں ان سے بھاگو + اس ہرن کا شکار نہ بنو جو اس کے تاتار سے نہیں ہے (تاتار کے علاقہ کے ہرن اپنے اندر خوشبودار نافہ مشک رکھتے ہیں) یعنی ان پیروں فقیروں کے ہتھے نہ چڑھو جو حق نا آشنا ہیں۔

شعر ⑤ تو میری بربط (ایک قسم کا ساز ہے) سے سکون دینے والا نغمہ طلب کر رہا ہے + میں اس سے وہ نغمہ کہاں سے نکالوں جو اس کے تاروں میں نہیں ہے (میری شاعری جمود کے لئے نہیں حرکت و عمل کے لئے ہے تفریح کے لئے نہیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد تک رسائی کے لئے ہے)۔

شعر ⑥ میرے دل نے قشقہ کھینچا یعنی ہندوؤں کی طرح اپنے ماتھے پر ہندو ہونے کے اظہار کے لئے صندل سے ہندوانہ نشان بنایا اور (اس طرح برہمن ہو کر) برہمنی طرز حیات اختیار کی کہ جو ایک برہمن کے جنیو کے لائق نہیں تھی۔ یعنی تو برہمن بھی ہوا تو جیسا کہ برہمن کو ہونا چاہیے تھا نہ ہوا مراد ہے ہم نے

مسلمانی کے انداز چھوڑ کر غیر مسلموں کے انداز اختیار کئے لیکن وہ بھی سلیقے سے نہیں کئے نہ ہم ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے رہے۔

شعر ⑦ عشق شراب خانے کی صحبت میں بات کرتا ہے + کیونکہ مندر اور کعبہ میں اس کے رازوں کو جاننے والا کوئی نہیں ہے مراد ہے عشق کی رمز سمجھنا چاہتے ہو تو کسی خانقاہ میں جاکر کسی فقیر سے سمجھو۔

غزل (38)

بیا کہ بلبل شوریدہ نغمہ پرداز است　　عروس لالہ سراپا کرشمہ و ناز است

نوا ز پردۂ غیب است اے مقام شناس　　نہ از گلوئے غزل خواں نہ از رگ ساز است

کسے کہ زخمہ رساند بتار ساز حیات　　ز من بگیر کہ آں بندہ محرم راز است

مرا ز پردگیان جہاں خبر دادند　　ولے زباں نگشایم کہ چرخ کج باز است

سخن درشت مگو در طریق یاری کوش　　کہ صحبت من و تو در جہاں خدا ساز است

کجا است منزل ایں خاکدان تیرہ نہاد　　کہ ہرچہ ہست چو ریگ رواں بہ پرواز است

تنم گلے ز خیابان جنت کشمیر　　دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

*

شعر ① آ (کہ موسم بہار نے ڈیرے ڈال دیے ہیں) عاشق بلبل نغمے الاپ رہی ہے + (اور) لالہ کے پھول کی سرخ رنگ کا لباس پہنے ہوئے دلہن سرتاپا ناز و انداز ہے۔

شعر ② اے مقام شناس یعنی اے موسیقی کے مقامات سے واقف یا اے موقع و محل کو جاننے والے نوا (نغمہ کی آواز) غیب کے ساز موسیقی کے پردوں میں سے نکلتی ہے اس ساز کے چھپے ہوئے سروں سے نکلتی ہے + یہ نہ غزل گانے والے کے گلے اور نہ ساز ظاہر کے تار میں ہوتی ہے۔ مراد ہے راگ کی اصل راگ گانے والے کے دل سے تعلق رکھتی ہے ساز میں اور گانے والے کے گلے میں تو کوئی بات نہیں۔ ان میں جو تاثیر ہے وہ گانے والے کے سوز دل اور عشق کی وجہ سے ہے۔

شعر ③ جو شخص کہ زندگی کے ساز کے تاروں کو مضراب سے چھیڑتا ہے + مجھ سے سن لے کہ وہ بندہ راز کا محرم ہے مراد ہے جو کسی کو راز زندگی سے آگاہ کر سکتا ہے اور اس تک حق پہنچا سکتا ہے سمجھ لیں کہ صرف وہی بندہ صاحب راز یا مرد کامل یا صحیح مرشد یا اللہ کا مقرب ہے۔

شعر ④ مجھے کائنات کے اسرار و رموز سے خبردار کر دیا گیا + لیکن میں زبان اس لئے نہیں کھولتا کہ آسمان ٹیڑھی چال چلنے والا ہے۔ (وہ لوگوں کو میرے خلاف کر دے گا کیونکہ اگر میں راز کی خاص بات عام لوگوں میں کر دوں گا تو اس کو نہ سمجھ سکنے کی بنا پر وہ میرے خلاف ہو جائیں گے۔ اس لئے خاموشی بہتر ہے۔

شعر ⑤ کسی کے ساتھ سخت کلامی نہ کر اور دوستی کا طریقہ اپنانے کی کوشش کر + کیونکہ دنیا میں میری اور تیری (ہماری) جو صحبت (ملاقات) ہے وہ خدا ساز ہے یعنی خدا کی عطا کی ہوئی، کچھ دیر کے لئے۔

شعر ⑥ اس تاریک فطرت مٹی کے جہان کی یعنی مادی جہان کی منزل کہاں ہے + کیونکہ یہاں کی ہر شے اڑتی ہوئی ریت کی طرح (کسی طرف) اڑتی چلی جا رہی ہے (غالباً ہر شے منزل فنا کی طرف جا رہی ہے)۔

شعر ⑦ میرا جسم کشمیر کی جنت کی کیاری کا ایک پھول ہے یعنی میرا وطن کشمیر ہے + (اور) میرا دل حجاز کا گھر ہے یعنی میں مذہباً" اور عقائداً" اسلام کا شیدائی ہوں اور میری نوا یعنی غزل حافظ شیرازی اور سعدی شیرازی کی طرز پر ہے۔

غزل (39)

خاکیم و تند سیر مثال ستارہ ایم در نیلگوں یمے بتلاش کنارہ ایم
بود و نبود ماست زیک شعلہ حیات از لذت خودی چو شرر پارہ پارہ ایم
با نوریاں بگو کہ ز عقل بلند دست ما خاکیاں بدوش ثریا سوارہ ایم
در عشق غنچہ ایم کہ لرزد ز باد صبح در کار زندگی صفت سنگ خارہ ایم
چشم آفریدہ ایم چو نرگس دریں چمن روبند برکشا کہ سراپا نظارہ ایم

*

شعر ① ہم مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور ستارہ کی مثل تیزی سے چلے جا رہے ہیں + ہم اس نیلے سمندر میں کسی کنارے کی تلاش میں ہیں (آدمی اگرچہ مٹی کا پتلا ہے لیکن روح اس کی اپنی اصل کی تلاش میں لگی رہتی ہے)۔

شعر ② ہمارا ہونا (ہستی) اور ہمارا نہ ہونا (نیستی) زندگی کے ایک شعلہ پر موقوف ہے + ہم خودی کی لذت سے شرر کی مانند پارہ پارہ (یا منتشر) ہیں (ہم سب کی حقیقت صرف ایک ہے یہاں ہم اپنی پہچان کی لذت کی بنا پر جدا جدا نظر آتے ہیں)۔

شعر ③ فرشتوں سے کہو کہ اونچے ہاتھ والی عقل یعنی ہر جگہ تک رسائی حاصل کرنے والی عقل کی وجہ سے + ہم مٹی کے بنے ہوئے آدمی ثریا ستاروں کے جھرمٹ کے کندھوں پر سوار ہیں یعنی اس کو یا کائنات کو مسخر کئے بیٹھے ہیں۔

شعر ④ عشق کی دنیا میں ہم اس غنچہ کی مانند ہیں جو صبح کی ہوا سے لرز رہا ہوتا ہے مراد ہے عشق نے ہمیں نرم روی اور حسن سلوک کا سبق دیا ہے۔ مخلوق خدا سے پیار کرنا سکھایا ہے اور ہر ایک کی خدمت کا درس دیا ہے + (لیکن) زندگی کی تگ و دو میں ہم سخت پتھر کی مانند ہیں۔ (ہر قسم کی سختی اور مصیبت برداشت کر کے خود کو زندہ رکھنے کا طریقہ سیکھا اور اپنایا ہوا ہے)۔

شعر ⑤ اس (دنیا کے) باغ میں ہم نے نرگس کی طرح آنکھ کھولی ہوئی ہے + چہرے پر سے نقاب اٹھا کہ ہم سرتاپا نظارہ بنے ہوئے ہیں مراد ہے آدمی کی تصویر اپنے مصور کو دیکھنے کے لئے بیتاب رہتی ہے۔

غزل (40)

عرب از سرشک خونم ہم لالہ زار بادا — عجم رمیدہ بو را نفسم بہار بادا
تپش است زندگانی تپش است جاودانی — ہمہ ذرہ ہائے خاکم دل بیقرار بادا
نہ بہ جادۂ قرارش نہ بہ منزلے مقامش — دل من مسافر من کہ خداش یار بادا
حذر از خرد کہ بندد ہمہ نقش نامرادی — دل ما برد بسازے کہ گسستہ تار بادا
تو جوان خام سوزے سخنم تمام سوزے — غزلے کہ می سرایم بہ تو سازگار بادا
چو بجان من در آئی دگر آرزو نہ بینی — مگر ایں کہ شبنمے تو یم بے کنار بادا
نشود نصیب جانت کہ دمے قرار گیرد — تب و تاب زندگانی بہ تو آشکار بادا

*

شعر ① (خدا کرے) عرب میرے آنسوؤں کے خون سے لالہ زار بن جائے یعنی اس میں عشق اور سوز پیدا ہو جائے + (اور) غیر عرب جو اپنی خوشبو کھو چکا ہے یعنی اسلام سے بیگانہ ہو چکا ہے اس کے لئے میرا دم بہار بن جائے یعنی وہ پھر سے اسلام کے پرستار بن جائے۔

شعر ② تڑپ زندگی ہے اور تڑپ ہمیشہ رہنے والی ہے + (خدا کرے) کہ میری مٹی کے سارے ذرے ایک تڑپ والا دل بن جائیں۔ (میرے جسم میں عشق سے بے قرار دل پیدا ہو جائے)۔

شعر ③ نہ اسے راستہ میں قرار ہے (اور) نہ کسی منزل پر اس کا مقام ہے + میرا دل ایک ایسا مسافر ہے کہ جس کا خدا ہی یار ہو (خدا کرے اسے منزل مقصود مل جائے)۔

شعر ④ عقل سے بچو جو نامرادی کے نقوش بناتی ہے (مراد کی منزل تک نہیں پہنچاتی) + (خدا کرے) ہمارا دل ہمیں (ایسے) ساز کی طرف لے جائے جس کے تار ٹوٹے ہوئے ہوں مراد ہے عشق کی طرف لے جائے جو منزل مراد تک پہنچا دے گا۔

شعر ⑤ تو ایک ایسا جوان ہے جو سوز (جلن) تو رکھتا ہے لیکن تیرا سوز ناقص ہے (نامکمل ہے) اس کے مقابلے میں میری بات (کلام/شاعری) سارا کا سارا سوز ہے + (خدا کرے) کہ وہ غزل جو میں گا رہا ہوں تیرے موافق آ جائے۔

شعر ⑥ اگر تو میری جان میں آئے (اور دیکھے کہ میں تیرے لئے کیا آرزو رکھتا ہوں وہاں تو کوئی اور آرزو نہیں دیکھے گا + سوائے اس کے کہ تیری شبنم کا قطرہ ایک بے کنار سمندر بن جائے۔ (تو سراپا عشق بن جائے یا مکمل طور پر خودی سے آشنا ہو جائے)۔

شعر ⑦ (خدا کرے) تیرے نصیب میں وہ جان نہ ہو کہ جو ایک لمحہ کے لئے بھی قرار پانے والی ہو + (خدا کرے) کہ زندگی کی تڑپ اور حرارت (کا راز) تجھ پر کھل جائے۔

غزل (41)

نظر تو ہمہ تقصیر و خرد کوتاہی — نرسی جز بہ تقاضائے کلیم اللّٰہی
راہ کور است بخود غوطہ زن اے سالک راہ — جادہ را گم نکند در تہ دریا ماہی
حاجتے پیش سلاطین نبرد مرد غیور — چہ تواں کرد کہ از کوہ نیاید کاہی
مگذر از نغمہ شوقم کہ بیابی در وے — رمز درویشی و سرمایہ شاہنشاہی
نفسم با تو کند آنچہ بہ گل کرد نسیم — اگر از لذت آہ سحری آگاہی
اے فلک چشم تو بیباک و بلا جوست ہنوز — می شناسم کہ تماشائے دگر می خواہی

*

شعر ① تیری نظر سراپا غلط اور تیری عقل تھوڑی ہے + (تو دیدار محبوب یا منزل مقصود تک) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقاضائے (رب ارنی اے خدا مجھے اپنا دیدار کرا) کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ مراد ہے عقل و نظر نہیں عشق یا دل سے مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔

شعر ② اے سالک راہ (خدا تک پہنچنے کے راستہ پر چلنے والے) راستہ مصائب و خطرات سے پر ہے (اندھا ہے تاریک ہے) (لیکن تو فکر نہ کر) اپنے اندر غوطہ لگا + دریا کی تہ میں مچھلی راستہ گم نہیں کرتی (تو بھی جب اپنے دل کے دریا میں غوطہ لگائے گا تو راہ نہیں بھولے گا)۔

شعر ③ غیرت مند مرد بادشاہوں کے پاس اپنی کوئی حاجت نہیں لے جاتا + کیا کیا جا سکتا ہے پہاڑ سے تنکے کی فطرت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

شعر ④ میرے شوق کے نغمہ کو ان سنے نہ گزر جا کہ تو اس میں پائے + درویشی کی رمز اور شاہی کا سرمایہ۔ (میری شاعری میں دونوں پیغام ہیں)۔

شعر ⑤ میرا دم تیرے ساتھ وہی کرتا ہے جو کہ نسیم نے گلاب کے پھول کے ساتھ کیا ہے + یعنی وہ پہلے بند غنچہ تھا اس کو شگفتہ کر کے پھول بنا دیا + اگر تو آہ سحر (عشق اور سوز) کی لذت سے باخبر ہے (دم اشارہ ہے شاعر کا اپنی شاعری کی طرف)۔

شعر ⑥ اے آسمان تیری آنکھ ابھی تک نڈر اور بلا تلاش کرنے والی ہے + میں جانتا ہوں کہ تو کوئی اور تماشا دکھانا چاہتا ہے (انقلاب لانا چاہتا ہے)۔

غزل (42)

سرخوش از بادۂ تو خم شکنے نیست کہ نیست — مست لعلین تو شیریں سخنے نیست کہ نیست
در قبائے علی خوشترک آئی بہ نگاہ — راست بر قامت تو پیرہنے نیست کہ نیست
گرچہ لعل تو خموش است ولے چشم ترا — با دل خوں شدہ ما سخنے نیست کہ ہست
تا حدیث تو کنم بزم سخن می سازم — ورنہ در خلوت من انجمنے نیست کہ نیست

اے مسلماں دگر اعجاز سلیماں آموز   دیدہ برخاتم تو اہرمنے نیست کہ نیست

٭

شعر ① تیری شراب سے مدہوش ہونے والا کوئی مٹکے کے مٹکے پینے والا شرابی نہیں ہے جو نہیں ہے (یعنی بڑے سے بڑا شرابی بھی اسی کو پی کر مست ہے) + تیرے سرخ ہونٹوں کا مست کوئی میٹھے بول بولنے والا نہیں ہے جو نہیں ہے (یعنی سب شاعران سے مست ہیں)۔

شعر ② تو میری نگاہ میں عربی لباس میں ذرا زیادہ اچھا دکھائی دیتا ہے + ویسے تو تیرے قد پر صحیح آنے والا کوئی لباس نہیں ہے جو نہیں ہے (ہر لباس میں تو بھلا لگتا ہے لیکن اسلامی رنگ میں زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے)۔

شعر ③ اگرچہ تیرے سرخ ہونٹ خاموش ہیں لیکن تیری آنکھیں + ہمارے خون شدہ دل سے کونسی بات نہیں کرتیں جو کرنے کی نہیں ہے۔

شعر ④ تاکہ میں تیری بات کروں میں بزم سخن منعقد کر لیتا ہوں + ورنہ میری خلوت میں کونسی انجمن نہیں ہے کہ نہیں ہے (ہر قسم کی محفل موجود ہے)۔

شعر ⑤ اے مسلماں تو دوبارہ حضرت سلیمانؑ کا معجزہ سیکھ (وہ معجزہ جس کے ذریعے وہ جنات کو قابو میں کئے ہوئے تھے) + کیونکہ تیری انگوٹھی پر (جو جنات کو قابو میں رکھنے کی طاقت رکھتی ہے) نظر رکھے ہوئے کوئی شیطان نہیں ہے (مراد ہے تیرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے ہر دشمن اسلام نگاہ لگائے بیٹھا ہے۔ ان سے بچنے کی تدبیر چاہیے)۔

غزل (43)

اگرچہ زیب سرش افسر و کلاہے نیست   گدائے کوئے تو کم تر ز پادشاہے نیست
بخواب رفتہ جوانان و مردہ دل پیراں   نصیب سینۂ کس آہ صبحگاہے نیست
بایں بہانہ بدشت طلب ز پا منشیں   کہ در زمانۂ ما آشنائے راہے نیست
ز وقت خویش چہ غافل نشستہ دریاب   زمانۂ کہ حسابش ز سال و ماہے نیست
دریں رباط کہن چشم عافیت داری؟   ترا بکشمکش زندگی نگاہے نیست
گناہ ما چہ نویسند کاتبان عمل   نصیب ما ز جہان تو جز نگاہے نیست
بیا کہ دامن اقبال را بدست آریم   کہ او ز خرقہ فروشان خانقاہے نیست

٭

شعر ① اگرچہ اس کے سر پر ٹوپی اور تاج نہیں ہے + (لیکن) تیری گلی کا گدا بادشاہ سے کم نہیں ہے۔

شعر ② جوان سوئے ہوئے ہیں اور بوڑھے مردہ دل ہیں + آہ سحری (غم عشق) کسی کو نصیب نہیں ہے۔

شعر ③ اس بہانہ سے طلب کے بیابان میں پاؤں توڑ کر نہ بیٹھ جا + کہ ہمارے زمانے میں کوئی راستہ کا جاننے والا نہیں ہے (تلاش سے کامل مل جائے گا)۔

شعر ④ اپنے وقت سے کیا غافل بیٹھا ہے (اٹھ اور) حاصل کر + وہ زمانہ کہ جس کا حساب سال و ماہ سے نہیں ہے۔ (زمانہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جو سال و ماہ میں مقید نہیں)۔

شعر ⑤ تو اس پرانی سرا (دنیا) میں عافیت اور آسائش کی امید رکھتا ہے + (معلوم ہوتا ہے) کہ زندگی کی کشمکش پر تیری نگاہ نہیں ہے (دنیا تو ایک جدوجہد، تگ و دو اور کش مکش کی جگہ ہے مصائب و آلام کا مقام ہے)۔

شعر ⑥ عمل لکھنے والے (فرشتے) ہمارے گناہ کس لئے لکھ رہے ہیں + تیرے جہان میں ہمارا نصیب تو ایک نگاہ کے سوا کچھ نہیں ہے (جس طرح ایک نگاہ کم عرصہ ہوتی ہے ہمارا قیام بھی جہان میں نہایت مختصر ہوتا ہے اس میں گناہ کی فرصت ہی کب ملتی ہے یا ہم تو صرف تیری نگاہ کے طالب رہتے ہیں اور اسی طلب میں چلے جاتے ہیں یعنی ختم ہو جاتے ہیں)۔

شعر ⑦ آ کہ اقبال کے دامن کو ہاتھ میں لے آئیں + کیونکہ وہ کسی خانقاہ کا خرقہ فروش نہیں ہے (درویشی اس کا کاروبار نہیں ہے وہ حقیقتاً درویش ہے)۔

غزل (44)

شعلہ در آغوش دارد عشق بے پروائے من ... بر نخیزد یک شرار از حکمت نازائے من

چوں تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز ... قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے من

بہر دلیز تو از ہندوستاں آوردہ ام ... سجدہ شوقے کہ خوں گردیدہ در سیمائے من

تیغ لا در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ ... باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الائے من

گردشے باید کہ گردوں از ضمیر روزگار ... دوش من باز آرد اندر کسوت فردائے من

از سپہر بارگاہت یک جہاں وافر نصیب ... جلوۂ داری دریغ از وادی سینائے من

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار ... یا رسولؐ اللہ، او پنہاں و تو پیدائے من

✱

شعر ① میرا بے پروا عشق اپنے پہلو میں شعلہ رکھتا ہے + (لیکن) میری اس حکمت سے جو خود پر ناز کرتی ہے ایک چنگاری نہیں نکلتی۔

شعر ② نیاز جب مکمل ہو جاتا ہے تو سراپا ناز بن جاتا ہے + میرے صحرا میں اسی لئے مجنوں کا نام لیلیٰ رکھا ہوا ہے (عاشق مرتبہ کمال پر پہنچ کر خود معشوق بن جاتا ہے)۔

شعر ③ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضری کے وقت کی بات ہے) میں تیری چوکھٹ پر ادا کرنے کے لئے ہندوستان سے لے کر آیا ہوں + شوق کا وہ سجدہ جو میرے ماتھے میں خون بنا ہوا ہے۔ (جو میری بے تابی کا آئینہ دار ہے جو ادا ہونے کے لئے بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے)۔

شعر ④ اس پرانے (ہندی) کافر کے ہاتھ میں لا الہٰ (کوئی معبود نہیں) کی تلوار دے + پھر میرے الا اللہ (ہاں ایک اللہ معبود ہے) کا ہنگامہ دیکھ۔ (آج کا مسلمان غیر اللہ کی چوکھٹ پر جھک رہا ہے اور اس نے اللہ کو چھوڑ کر اور طرح طرح کے معبود بنا رکھے ہیں۔ اگر اسے پھر اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا یقین ہو جائے اور اس کی عبدیت صرف اللہ کے لئے ہو جائے تو زمانے کا رنگ بدل جائے)۔

شعر ⑤ ایک گردش کی ضرورت ہے کہ آسمان اس گردش سے زمانہ کے دل سے + ہمارا گزرا ہوا زمانہ آنے والے زمانے کے لباس میں لے آئے (اسلام کے شاندار ماضی کو مستقبل کی شان بنا دے)۔

شعر ⑥ تیری بارگاہ کے آسمان سے ایک جہان کافی نصیب لے رہا ہے + میرے سینے سے جو آرزوئے جلوہ کی بنا پر وادی سینا کی مانند ہے جلوہ سے روشن کرنے میں توقف کرتا ہے؟ مجھے قوی امید ہے کہ تو مجھے بھی فیض یاب کرے گا)۔

شعر ⑦ میں خدا سے پردے میں اور آپ سے کھلے بندوں کہہ رہا ہوں + اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ یعنی اللہ مجھ سے غائب یعنی چھپا ہوا ہے اور آپ میرے سامنے ظاہر ہیں (اس لئے میں اللہ سے باواسطہ اور آپ سے بلاواسطہ عرض کر رہا ہوں)۔

غزل (45)

بتان تازہ تراشیدہ دریغ از تو	درون خویش نہ کاویدم دریغ از تو
چناں گداختہ از حرارت افرنگ	ز چشم خویش تراویدم دریغ از تو
بکوچہ کہ دہد خاک را بہائے بلند	بہ نیم غمزہ نیرزیدم دریغ از تو
گرفتم ایں کہ کتاب خرد فرو خواندی	حدیث شوق نہ فہمیدم دریغ از تو
طواف کعبہ زدی گرد دیر گردیدی	نگہ بخویش نہ پیچیدم دریغ از تو

*

شعر ① تو نے نئے بت تراش لئے ہیں تجھ پر افسوس ہے + اپنے اندر کو تو نے نہیں کھودا (اپنی خودی تک رسائی حاصل نہ کی اسی لئے کئی خدا بنا رکھے ہیں) تجھ پر افسوس ہے۔

شعر ② تو یورپ یا اہل یورپ کی حرارت سے اس طرح پگھل گیا ہے + کہ اپنی آنکھ کی راہ سے ٹپک پڑا ہے تجھ پر افسوس ہے (اپنی شناخت کھو بیٹھا ہے اور افرنگ رنگ ہو گیا ہے فرنگیوں کی جھولی میں جا پڑا ہے)۔

شعر ③ اس گلی میں (عشق کی گلی میں) کہ جس کی مٹی بھی بڑی قیمت پاتی ہے + تو آدھے غمزے (محبوب کے معمولی آنکھ کے اشارے) کی قیمت بھی نہیں پاتا تجھ پر افسوس ہے (کیونکہ تو عشق سے نا آشنا ہے)۔

شعر ④ میں مانتا ہوں کہ تو نے عقل کی کتاب بہت پڑھی ہے + (لیکن) تو عشق کی حکایت کو نہیں سمجھتا تجھ پر افسوس ہے۔

شعر ⑤ تو نے کعبہ کا طواف کیا تو نے مندر کے گرد چکر لگائے + (لیکن) تو نے اپنی نگاہ کو اپنے آپ سے نہیں الجھایا تجھ پر افسوس ہے (تو نے خود کو نہ پہچانا یا اپنی خودی حاصل نہیں ہے)۔

نقش فرنگ

(یورپ کا نقش)

پیام

پہلا بند

از من اے باد صبا بگوئے بدانائے فرنگ ‌ ‌ ‌ عقل تا بال کشاد است گرفتار تر است
برق را ایں بجگر می زند' آں رام کند ‌ ‌ ‌ عشق از عقل فسوں پیشہ جگر دار تر است
چشم جز رنگ گل و لالہ نہ بیند ورنہ ‌ ‌ ‌ آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است
عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری ‌ ‌ ‌ عجب ایں است کہ بیمار تو بیمار تر است
دانش اندوختہ دل ز کف انداختہ ‌ ‌ ‌ آہ ازاں نقد گرانمایہ کہ در باختہ

*

شعر ① میری طرف سے اے باد صبا یورپ کے دانا کو یہ کہہ + (کہ) عقل نے جتنے پر پھیلائے ہیں اتنی ہی گرفتار ہو کر رہ گئی ہے یعنی یورپ کے داناؤں کی عقل جتنی ترقی کرتی ہے اتنی ہی تنزل کی طرف جاتی ہے۔

شعر ② بجلی کو یہ جگر پر مارتا ہے (کون یعنی عشق) اور وہ اسے قابو میں کرتی ہے (کون یعنی عقل) + عشق جادو کے پیشہ والی عقل سے زیادہ حوصلہ مند ہے (عقل بجلی کو تسخیر کرتی ہے عشق خود آدمی کو بجلی بنا دیتا ہے)۔

شعر ③ آنکھ گلاب اور لالہ کے پھولوں کے رنگ کے سوا کچھ نہیں دیکھتی ورنہ + جو کچھ رنگ کے پردہ میں ہے وہ اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے (شرط اس پس پردہ جلوہ کو دیکھنے کے لئے جس نے یہ رنگ نمودار کئے ہیں ایک اور آنکھ کی ضرورت ہے جو عقل نہیں عشق پیدا کرتا ہے)۔

شعر ④ عجیب بات یہ نہیں کہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کا معجزہ شفا رکھتا ہے (بیماروں کو صحت یاب کرنے کا علم جانتا ہے) + (بلکہ) عجیب بات یہ ہے کہ تیرا علم شفا بیماروں کو تندرست کرنے کی بجائے اور بیمار کرتا ہے مراد ہے اہل یورپ کی عقل، علم، فلسفہ، فن، شعر، سائنس، سیاست، تہذیب، ثقافت غرض کہ ہر چیز بظاہر آدمی کی ترقی کے لئے ہے لیکن ان سے مادی ترقی تو حاصل ہو رہی ہے روحانی ترقی ختم ہو چکی ہے اور آدمی فرشتہ تو کیا بنتا آدمی بھی نہیں رہا۔ شیطان سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں

اہل یورپ نے اصلاح کے لئے جو قدم اٹھایا ہے اس سے اصلاح کی بجائے خرابی پیدا ہوئی ہے۔

شعر ⑤ تو نے عقل تو جمع کی ہے لیکن دل گنوا دیا ہے + آہ (افسوس ہے) اس بہت قیمتی دولت پر جو تو نے ہار دی ہے۔

دوسرا بند

حکمت و فلسفہ کارے است کہ پایانش نیست — سیلی عشق و محبت بہ دبستانش نیست
بیشتر راہ دل مردم بیدار زند — فتنہ نیست کہ در چشم سخندانش نیست
دل ز ناز نخک او بہ تپیدن نرسد — لذتے در خلش غمزۂ پنہانش نیست
دشت و کہسار نوردید و غزالے نگرفت — طوف گلشن زد و یک گل بہ گریبانش نیست
چارہ ایں است کہ از عشق کشادے طلبیم — پیش او سجدہ گذاریم و مرادے طلبیم

*

شعر ① حکمت اور فلسفہ ایک ایسا کام ہے یا میدان ہے جس کی کوئی حد نہیں + (لیکن) اس کے مدرسے میں عشق و محبت کا طمانچہ (سبق) نہیں ہے۔

شعر ② (یورپ کا فلسفہ) زیادہ تر بیدار لوگوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈالتا ہے کوئی فتنہ ایسا نہیں ہے جو اس کی بات کو سمجھنے والی آنکھوں کے سامنے نہیں ہے (اسے معلوم ہے کون دل بیدار رکھتا ہے وہ اس پر فتنہ آزماتا ہے)

شعر ③ اس کے ٹھنڈے یعنی بے اثر ناز سے دل میں تڑپ پیدا نہیں ہوتی + اس کی چھپی ہوئی ادا کی خلش میں کوئی لذت نہیں ہے۔

شعر ④ اس نے بیابان اور پہاڑ میں آوارگی اختیار کی اور وہاں سے کوئی ہرن نہیں پکڑا (مراد ہے عشق اختیار کر کے اس کے ثمرات حاصل نہیں کئے) + اس نے باغوں کے چکر لگائے لیکن وہاں سے اپنے گریبان کو سجانے کے لئے کوئی پھول حاصل نہیں کیا مراد ہے عقل کے میدان میں سرگرداں رہا لیکن حقیقت وہاں سے بھی ہاتھ نہ لگی۔

شعر ⑤ اب اس کا علاج یہ ہے کہ ہم عشق سے اپنی مشکلات کا حل چاہیں + اس کے آگے سجدہ کریں اور اس سے اپنی مراد طلب کریں۔

تیسرا بند

عقل چوں پائے دریں راہ خم اندر خم زد — شعلہ در آب دوانید و جہاں برہم زد
کیمیا سازی او ریگ رواں را زر کرد — بہ دل سوختہ اکسیر محبت کم زد

وائے بر سادگی ما کہ فسونش خوردیم　　رہزنے بود کمیں کرد و رہ آدم زد
ہنرش خاک بر آورد ز تہذیب فرنگ　　باز آں خاک بچشم پسر مریم زد
شررے کاشتن و شعلہ درودن تا کے　　عقدہ بر دل زدن و باز کشودن تا کے

*

شعر ① عقل نے جب اس یعنی زندگی کے پیچ در پیچ راستے میں قدم رکھا + اس نے پانی میں شعلہ دوڑا دیا (فتنہ و فساد برپا کر دیا) اور جہان کو الٹ پلٹ کر دیا (پانی میں شعلہ دوڑانے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ پانی سے بجلی پیدا کر دی اور دنیا میں اس ایجاد سے انقلاب برپا کر دیا)۔

شعر ② اس کے کیمیا سازی (سونا بنانے کے فن) نے اڑتی ہوئی ریت کو سونا بنا دیا ((لیکن) جلے ہوئے دلوں پر محبت کی اکسیر کا عمل بالکل نہیں کیا۔

شعر ③ ہماری سادگی پر افسوس ہے کہ ہم اس کے فریب میں آ گئے + وہ تو ایک رہزن تھا اس نے گھات لگائی اور آدمی پر ڈاکہ ڈالا (اس کی آدمیت لوٹ لی)۔

شعر ④ اس کا ہنر تہذیب یورپ کی مٹی لایا + پھر اس مٹی کو مریم کے بیٹے عیسیٰ کی آنکھ میں ڈال دیا (اسے نابینا کر دیا) مراد ہے جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات تھیں ان کے برعکس ہر کام کیا۔

شعر ⑤ چنگاری بونا اور شعلہ کاٹنا یہ عمل کب تک کرتے رہو گے یعنی خود کو اور دنیا کو ایک دشواری سے دوسری دشواری یا ایک خرابی سے دوسری خرابی میں مبتلا کب تک کرتے رہو گے + دل پر گرہ لگانا اور پھر اس کو کھولنا یہ عمل کب تک ہوتا رہے گا۔ مراد ہے لوگوں کو کب تک الجھنوں میں پھنسائے رکھو گے۔

چوتھا بند

عقل خودبیں دگر و عقل جہاں بیں دگر است　　بال بلبل دگر و بازوئے شاہیں دگر است
دگر است آں کہ برد دانہ افتادہ ز خاک　　آں کہ گیرد خورش از دانہ پرویں دگر است
دگر است آں کہ زند سیر چمن مثل نسیم　　آں کہ در شد بہ ضمیر گل و نسریں دگر است
دگر است آنسوئے نہ پردہ کشادن نظرے　　ایں سوئے پردہ گمان و ظن و تخمیں دگر است
اے خوش آں عقل کہ پہنائے دو عالم با اوست　　نور افرشتہ و سوز دل آدم با اوست

*

شعر ① (عقل قطعاً بے کار نہیں ہے اس کا غلط استعمال بے کار ہے) وہ عقل جو اپنا تماشا کرتی ہے وہ اور ہے اور جو عقل جہان کا تماشا کرتی ہے وہ اور ہے + (جیسا کہ) بلبل کے بازو اور ہیں اور شاہین کے بازو اور ہیں (عقل خودبیں محدود ہے' عقل جہاں بیں غیر محدود ہے اس لئے عقل محدود سے کنارہ کشی کرو اور عقل غیر محدود کو اپناؤ۔ یہی عقل غیر محدود ایک مقام پر عشق بن جاتی ہے)۔

شعر ② (عقل خودبیں کو بلبل کا پر اور عقل جہاں بیں کو شاہیں کا پر کہہ کر اور دونوں میں فرق بیان کرنے کے بعد ایک اور مثال سے ان میں فرق یوں واضح کیا ہے کہ) وہ پرندہ جو زمین پر پڑا ہوا دانہ کھاتا

ہے اور ہے اور وہ جو پروین (ستارہ) کے گچھے کے دانہ کو اپنی خوراک بناتا ہے اور ہے۔

شعر ③ وہ جو نسیم کی طرح باغ کی سیر کرتا ہے اور ہے + وہ جو گلاب اور نسرین کے پھولوں کی ضمیر میں داخل ہوتا ہے وہ اور ہے (یعنی ظاہر بین اور ہے اور باطن بین اور ہے۔ اشیا کے ظاہر کا مطالعہ کرنے والا اور ہے اور ان کی حقیقت کو پا جانے والا اور ہے)۔

شعر ④ نو پردوں (سات آسمانوں اور عرش و کرسی) سے اس طرف ایک نظر دیکھنا اور ہے + (اور) ان پردوں سے اس طرف یعنی مادی جہان کا گمان، ظن اور تخمینہ اور ہے۔

شعر ⑤ وہ عقل مبارک ہے جو جہاں بین ہے جس کی زد میں جہان کی وسعت ہے جس + سے فرشتوں کا نور، اور آدمی کے دل کا سوز ہے۔

پانچواں بند

ما ز خلوت کدۂ عشق بروں تاختہ ایم خاک پا را صفت آئینہ پرداختہ ایم
در نگر ہمت ما را کہ بہ داوے فگنیم دو جہاں را کہ نہاں بردہ عیاں باختہ ایم
پیش ما می گذرد سلسلہ شام و سحر بر لب جوئے رواں خیمہ بر افراختہ ایم
در دل ما کہ بریں دیر کہن شبخوں ریخت آتشے بود کہ در خشک و تر انداختہ ایم
شعلہ بودیم، شکستیم و شرر گردیدیم صاحب ذوق و تمنا و نظر گردیدیم

٭

شعر ① ہم عشق کے خلوت کدہ سے باہر آئے ہیں + ہم نے پاؤں کی مٹی کو آئینہ کی مانند چمکایا ہے مراد ہے کہ ہماری اصل خاکی نہیں اصل نوری ہے۔ ہم محض کسی مادی حادثہ کی وجہ سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ہمیں خالق نے اپنا شاہکار بنایا ہے۔

شعر ② ہماری ہمت کو دیکھ کہ ہم نے داؤ پر لگا دیے ہیں + وہ دو جہاں کہ جن کو پوشیدگی میں لیا اور ظاہر میں ہار دیا۔ مراد ہے کہ جب اعلیٰ مقاصد کے لئے دنیاوی مفادات کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو نتائج مطلوبہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو خدا کے لئے دنیا کو چھوڑتا ہے دنیا اس کے قدموں میں گر جاتی ہے۔

شعر ③ شام و سحر کا سلسلہ میرا سامنے سے گزر رہا ہے + میں نے بہتی ہوئی نہر کے کنارے خیمہ لگایا ہوا ہے مراد ہے وقت گزر رہا ہے اور میں اسے گزرتا ہوا دیکھ رہا ہوں لیکن یہ مجھ پر سوار نہیں ہو سکتا میری زندگی اطمینان اور سکون سے گزر رہی ہے۔ میں کائنات کی بہتی ہوئی ندی سے دور نہیں ہوں اس کے کنارے بیٹھا اس کا اطمینان سے نظارہ لے رہا ہوں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں۔

شعر ④ میرے دل میں کہ جس نے اس پرانے جہان پر شبخون مارا + ایک آگ تھی جس میں میں نے خشک و تر کو ڈال دیا یعنی جلا کر راکھ کر دیا۔ (میرے عشق نے ساری کائنات سے مجھ کو آزاد کر دیا یا ساری کائنات میری مطیع ہو گئی)۔

شعر ⑤ ہم ایک شعلہ تھے، ٹوٹ گئے یا بکھر گئے اور چنگاریاں بن گئے + (اولاد آدم کی حیثیت سے

سب ایک تھے لیکن 'صفات اور طبائع کے لحاظ سے مختلف ہو گئے) + (اور) صاحب ذوق' صاحب تمنا اور صاحب نظر بن گئے۔ یا اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی حقیقت کے لحاظ سے شعلہ نہیں یعنی ذات باری تعالیٰ کا ظہور ہیں یہاں دنیا میں ہم شرر شرر (الگ الگ اجسام) میں موجود ہو گئے ہیں اور اب ہم پھر اپنے اصل منبع کی تلاش میں کبھی اپنے اندر اس کا ذوق پیدا کرتے ہیں اور کبھی اس کو پانے کی آرزو کرتے ہیں اور کبھی ایسی نظر پیدا کر لیتے ہیں کہ اس کا جمال دیکھ لیتے ہیں۔

چھٹا بند

عشق گردید ہوس پیشہ و ہر بند گسست — آدم از فتنہ او صورت ماہی در شست
رزم بر بزم پسندید و سپاہے آراست — تیغ او جز بہ سر و سینہ یاراں نہ نشست
راہزنی را کہ بنا کرد جہاں بانی گفت — ستم خواجگی او کمر بندہ شکست
بے محابانہ بہانگ دف و نے می رقصد — جامے از خون عزیزان تنک مایہ بدست
وقت آن است کہ آئین دگر تازہ کنیم — لوح دل پاک بشوئیم و ز سر تازہ کنیم

*

شعر ① عشق ہوس پیشہ بن گیا (علائق دنیاوی اور آلائش جنسی میں مبتلا ہو گیا ہے اس لئے) اس نے (فطرت کا) ہر بند کو توڑ دیا اور اب وہ مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہے کر رہا ہے + اس کے فتنہ سے آج کا آدمی اسی طرح خوف و خطر میں ہے جس طرح کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی۔

شعر ② اس نے محفل آرائی کی بجائے رزم گاہ کو پسند کر رکھا ہے اور جنگ و جدال کے لئے لشکر تیار کر رکھا ہے + اس کی تلوار سوائے دوستوں کے سر اور سینہ کے کہیں اور نہیں پڑتی (مراد ہے اپنے ہی بھائیوں کا قتل عام کر رہی ہے)۔

شعر ③ اس نے جس راہزنی کی بنیاد رکھی اس نے اس کو جہاں بانی (حکمرانی) کا نام دیا + اس کی آقائی کے ظلم نے اللہ کے بندوں کی کمر توڑ دی۔

شعر ④ وہ بے شرمی سے دف اور جھنری کی آواز کے ساتھ رقص کرتا ہے + مفلس اور کمزور عزیزوں کے خون سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لئے (اس کی ساری خوشیوں اور خوش حالیوں میں دوسروں کے لوٹے ہوئے وسائل شامل ہیں اور اس نے کمزور اقوام کے خون سے ہولی کھیل کر اپنا جشن منایا ہے)۔

شعر ⑤ اب وقت آگیا ہے کہ ہم (پرانے آدم کش اور شیطان پرور نظاموں کو ختم کر کے) کسی نئے آئین کی داغ بیل ڈالیں + اپنے دل کی تختی پر سے پرانے الفاظ بالکل مٹا دیں اور نئے سرے سے اسے زندہ کریں یعنی اس پر نئی تحریر لکھیں جو آدمیت و انسانیت کو اجاگر کرے۔

ساتواں بند

افسر پادشہی رفت و بہ یغمائی رفت ‏ نے اسکندری و نغمہ دارائی رفت
کوہکن تیشہ بدست آمد و پرویزی خواست ‏ عشرت خواجگی و محنت لالائی رفت
یوسفی را ز اسیری بہ عزیزی بردند ‏ ہمہ افسانہ و افسون زلیخائی رفت
رازہائے کہ نہاں بود بہ بازار افتاد ‏ آں سخن سازی و آں انجمن آرائی رفت
چشم بکشائے اگر چشم تو صاحب نظر است ‏ زندگی در پے تعمیر جہان دگر است

❁

شعر ① بادشاہی کا تاج لٹ گیا اور مال غنیمت کے طور پر چلا گیا + یونان کے سکندر اعظم نے جو بنسری بجائی وہ بھی نہ رہی اور ایران کے عظیم بادشاہ دارا نے جو نغمہ گایا وہ بھی نہ رہا۔

شعر ② پہاڑ کھودنے والے فرہاد نے تیشہ ہاتھ میں لیا اور پرویز کی بادشاہت چاہی۔ مراد ہے آج مزدور بادشاہوں کو للکار رہے ہیں + آقاؤں کی عیش و عشرت اور غلاموں کی تکلیف یا مزدوروں کی محنت بھی ختم ہو چکی ہے مراد ہے اب بادشاہ رعایا پر سرمایہ دار مزدور پر ظلم کے پہاڑ نہیں توڑ سکتے ہیں۔ ان کی سلطانی اور سرمایہ داری کا بھرم ہی ختم ہو گیا ہے اور مزدور عوام کو بھی اپنے حقوق اور عزت کا احساس ہو چکا ہے بلکہ اس کی عزت و آبرو بحال ہو چکی ہے۔

شعر ③ یوسف کو جسے عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے قید خانہ میں ڈال رکھا تھا (قید سے عزیز مصر (مصر کی بادشاہت) تک پہنچا دیا گیا ہے + زلیخا یعنی حکمرانوں کے مکر و فریب اور ظلم و تعدی کی کہانی اور ان کا جادو ختم ہو گیا ہے۔

شعر ④ وہ راز جو چھپے ہوئے تھے اب کھلے بندوں بازاروں میں کہے جا رہے ہیں۔ وہ باتوں کے فریب اور محفل کی آرائشگی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے یعنی ملوکیت اور آقائیت کے کمزوروں اور بے کسوں کو قابو میں کر کے ان سے اپنی خوش حالی کا سامان پیدا کرنے کے جو خفیہ اور بظاہر دل نواز طور طریقے اپنائے ہوئے تھے ان کا راز کھل چکا ہے اور کمزور، بے کس کسان اور مزدور اپنے آقاؤں، بادشاہوں، اور جاگیرداروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

شعر ⑤ آنکھ کھول اگر تیری آنکھ میں نگاہ ہے (تو دیکھ) + زندگی ایک نئے جہان کی تعمیر میں لگی ہوئی ہے۔ (پرانے فرسودہ اور آدمیت کش نظام ختم ہو رہے ہیں)۔

آٹھواں بند

چشم ہر ذرہ چو انجم نگراں می بینم ‏ خاک را زندہ تر از گوہر جاں می بینم
دانہ را کہ بہ آغوش زمین است ہنوز ‏ شاخ در شاخ و برومند و جواں می بینم

کوہ را مثل پرکاہ سبک می یابم ، پرکاہے صفت کوہ گراں می بینم
انقلابے کہ نگنجد بہ ضمیر افلاک بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم
خرم آں کس کہ دریں گرد سوارے بیند جوہر نغمہ ز لرزیدن تارے بیند

شعر ① میں اس پرانی خاک یعنی پرانے جہان کے جسم میں جان کا موتی دیکھ رہا ہوں مراد ہے کہ اس میں از سرنو زندگی آدمیت کے آثار نظر آرہے ہیں + میں اس جہان کی خاک کے ہر ذرہ کو ستاروں کی آنکھوں کی طرح ہر شے پر نظر رکھنے والا دیکھ رہا ہوں مراد ہے اب ہر شخص اپنے حقوق کے متعلق حساس ہو چکا ہے اور ہر حالت میں ان کو حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔

شعر ② میں اس دانہ کو جو ابھی زمین کے اندر ہے + میں اسے ٹہنیوں سے بھرا ہوا' پھلوں سے لدا ہوا اور شگفتہ و تازہ دیکھ رہا ہوں مراد ہے کہ سرمایہ داروں' سلطانوں اور جاگیرداروں کے خلاف جو تحریکیں دبی ہوئی نظر آتی ہیں وہ کامیاب ہونے والی ہیں۔

شعر ③ میں پہاڑ کو گھاس کے خشک تنکے کی طرح ہلکا دیکھ رہا ہوں + اور تنکے کو پہاڑ کی طرح بھاری دیکھ رہا ہوں۔ مراد ہے کمزور طاقت ور اور طاقت ور کمزور ہو رہے ہیں۔

شعر ④ وہ انقلاب جو آسمانوں کے دل میں نہیں سما سکتا یعنی بہت بڑا اور حیرت انگیز انقلاب آتے ہوئے میں دیکھ رہا ہوں (لیکن) یہ نہیں جانتا کہ کیسے اور کس انداز میں دیکھ رہا ہوں۔

شعر ⑤ مبارک ہے وہ شخص کہ جو اس گرد میں سوار کو دیکھ رہا ہے یعنی حالات و آثار سے آنے والے انقلاب کو دیکھ رہا ہے + اور حالات و کوائف کے ساز کے تار ہلتے ہوئے دیکھ کر آئندہ پیدا ہونے والے نغمہ کے جوہر کو دیکھ رہا ہے۔

نواں بند

زندگی جوے روان است و رواں خواہد بود | ایں مے کہنہ جوان است و جواں خواہد بود
آنچہ بود است و نباید ز میاں خواہد رفت | آنچہ بایست و نبود است ہماں خواہد بود
عشق از لذت دیدار سراپا نظر است | حسن مشتاق نمود است و عیاں خواہد بود
آں زمینے کہ بہ برد گریہ خونیں زدہ ام | اشک من در جگرش لعل گراں خواہد بود
"مژدہ صبح دریں تیرہ شبانم دادند | شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند"

شعر ① زندگی ایک بہتی ہوئی ندی ہے اور بہتی رہے گی + یہ پرانی شراب جوان (خوب نشہ دینے والی ہے) اور جوان رہے گی۔

شعر ② جو کچھ کہ تھا (اور) اب نہیں چاہیے وہ درمیان سے نکل جائے گا + جو کچھ کہ چاہیے اور نہیں ہے وہی ہو جائے گا مراد ہے زندگی بہتر کی طرف چلی جا رہی ہے۔ خرابیاں دور ہو رہی ہیں اور

اچھائیاں آرہی ہیں۔

شعر ③ عشق دیدار کی لذت سے سراپا نظر بنا ہوا ہے + حسن اپنی نمود کا مشتاق ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا مطلب یہ ہے کہ فطرت کے قانون کے مطابق بہتر سے بہتر ہو کر رہے گا۔

شعر ④ وہ زمین جس پر ہم نے خون کے آنسو روئے ہیں + میرے آنسو اس کے جگر میں قیمتی ہیرے بن جائیں گے یعنی مظلوم اور دکھی لوگوں کو ظلم کا بدلہ اور سکھ ملنے والا ہے۔

شعر ⑤ ان تاریک راتوں میں مجھے صبح کی خوش خبری دی گئی ہے + شمع کو بجھا دیا گیا ہے اور مجھے اور سورج کے ظہور کا علم دے دیا گیا ہے مراد ہے کارکنان قضائے قدر نے مجھے دکھ اور غم کی رات کے ختم ہونے اور مسرت کے دن کے طلوع کی پیش از وقت خبر دے دی ہے۔

جمعیت الاقوام

(قوموں کی انجمن یا لیگ آف نیشنز یا یو۔ این۔ او۔)

تعارف: جنگ عظیم اول کے بعد یورپی اقوام نے ایک جمعیت اقوام بنائی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا میں تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اسی طرز کی انجمن امریکہ کے شہر نیویارک میں یو۔ این۔ او (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن قوموں کی متحدہ انجمن یا اقوام متحدہ) کے نام سے قائم کی گئی ہے۔ دونوں کا مقصد ایک رہا ہے کمزور قوموں کو بہر صورت اپنے زیر نگیں رکھنا سیاسی نہیں تو اقتصادی طور پر ہی سہی یہ نظم پہلی اقوام متحدہ یا جمعیت الاقوام کے بارے میں ہے)۔

برفتد تا روش رزم دریں بزم کہن | دردمندان جہاں طرح نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند | بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

*

شعر ① تاکہ اس پرانی بزم یعنی دنیا سے جنگ کی روش ختم کردی جائے + جہاں کا درد رکھنے والوں نے ایک نئی بنیاد ڈالی ہے۔ مراد ہے چند طاقتور اور شاطر و عیار قوموں نے جو کہ بزعم خود دنیا کا ہمدرد کہتی ہیں دنیا کو جنگ کی ہولناکیوں سے بچانے کے دعوئے کے طور پر ایک انجمن کی بنا ڈالی ہے۔

شعر ② میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ چند کفن چوروں نے (آپس میں مل کر مردوں کے کفن اتار کر بیچنے کی غرض سے) + قبروں کی تقسیم کے لئے ایک انجمن بنائی ہے مراد ہے ان افریقی اور ایشیائی قوموں کا خون پینے والی طاقتور یورپی قومیں اب ان کی رہی سہی دولت اور غیرت کو لوٹنے کے لئے اقوام متحدہ یا جمعیت الاقوام کی خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ کر آئی ہیں۔

شوپن ہار و نیٹشا

تعارف: شوپنہار انیسویں صدی عیسوی کا ایک جرمن فلاسفر تھا اور نیٹشا بھی اسی ملک اور اسی صدی کا فلسفی تھا۔ شوپنہار زندگی کو ارادہ یا خواہش کہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے ہمارا ماحول اس ارادہ کی راہ میں رکاوٹ بن کر ہمیں دکھی بنا دیتا ہے اس لئے زندگی دکھ کے سوا کچھ نہیں اس کی نفی بہتر ہے نیٹشا بھی شوپنہار کے تصور ارادہ کا قائل ہے لیکن وہ زندگی کی نفی کی بجائے اس کا اثبات چاہتا ہے دونوں ارادہ انسانی کو ہی ایک نوع کا خدا سمجھتے ہیں شوپنہار ہندوستان کے مہاتما بدھ کی طرح دنیا تیاگنے کا اور نیٹشا دنیا کو پوری قوت کے ساتھ حاصل کرنے کا درس دیتا ہے نیٹشا تو اس معاملے میں یہاں تک آگے چلا جاتا ہے کہ وہ جرمن قوم کو دوسری اقوام سے اعلیٰ و برتر سمجھتا ہے اور دوسری اقوام پر اس کی فوقیت کا علم بردار ہے وہ بدھوں اور مسیحیوں کے فلسفہ زندگی کے سخت خلاف ہے وہ ایک طاقت ور جرمن قوم چاہتا ہے جس کا ہر فرد دوسری اقوام کے افراد پر فوق ہو اور وہ فوق البشر ہو یہاں یہ بھی یاد رہے کہ نیٹشے کا یہ نظریہ فوق البشر علامہ اقبال کے نظریہ فوق البشر سے بالکل مختلف ہے)۔

مرغے ز آشیانہ بسیر چمن پرید — خارے ز شاخ گل بہ تن نازکش خلید
بد گفت فطرت چمن روزگار را — از درد خویش و ہم ز غم دیگراں تپید
داغے ز خون بیکسے لالہ را شمرد — اندر طلسم غنچہ فریب بہار دید
گفت اندریں سرا کہ بنایش فتادہ کج — صبحے کجا کہ چرخ درو شامہا نہ چید
نالید تا بہ حوصلۂ آں نوا طراز — خوں گشت نغمہ و ز دو چشمش فرو چکید
سوز فغان او بہ دل ہدہدے گرفت — با نوک خویش خار ز اندام او کشید
گفتش کہ سود خویش ز جیب زیاں برآر — گل از شگاف سینہ زر ناب آفرید
درماں ز درد ساز اگر خستہ تن شوی — خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

❋

شعر ① ایک پرندہ اپنے گھونسلے سے اڑ کر باغ کی سیر کو گیا + اس کے نازک جسم میں پھول کی شاخ سے کانٹا چبھ گیا۔

شعر ② اس نے زمانے کے چمن کی فطرت کو برا کہا (کہ یہ دکھ دینے والی ہے) + اور اپنی تکلیف سے اور اپنی طرح کے دوسرے لوگوں کے غم میں وہ تڑپا۔

شعر ③ اس نے لالہ کے پھول کو کسی بے گناہ کے خون کا ایک داغ کہا + اور غنچہ کے طلسم میں بہار کا فریب دیکھا۔

شعر ④ اس نے کہا کہ اس دنیا کے گھر میں جس کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہے + ایسی صبح کہاں ہے کہ جس سے آسمان نے شامیں نہ چنی ہوں مراد ہے دنیا رہنے کا مقام نہیں اس کی ہر خوشی میں غم چھپا ہوا ہے۔

شعر ⑤ وہ بہت رویا تا آنکہ اس نوا پیدا کرنے والے پرندے کے حوصلہ کے مطابق + اس کا نغمہ

خون بن گیا اور اس کی دونوں آنکھوں سے ٹپک پڑا مراد ہے کہ اس پرندے نے جو دراصل جرمن کے فلسفی شوپنہار کی نمائندگی کر رہا ہے زندگی کو سراپا غم اور دکھ کہا ہے اور دنیا کو رنج والم کی جگہ بتایا ہے۔

شعر ⑥ اس پرندے کی فریاد کا سوز (جس کے جسم میں کانٹا چبھ گیا تھا) ایک ہدہد نام کے پرندے کے دل پر اثر کر گیا + اس نے اپنی چونچ سے اس پرندے کے جسم سے کانٹا نکال دیا (اور اس کے دکھ کو سکھ میں بدل دیا اور یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ زندگی میں بے شک تکالیف ہیں لیکن راحتیں بھی ہیں۔ صرف تکالیف دیکھ کر زندگی سے کنارہ کش ہو جانا مناسب نہیں ان کو راحتوں میں بدل کر زندگی سے لطف لیا جا سکتا ہے یہ ہدہد نیٹشا کی علامت ہے جو کانٹا چبھے ہوئے پرندے یعنی شوپنہار کی قنوطیت کے برعکس رجائیت کا قائل ہے)۔

شعر ⑦ ہدہد نے غم زدہ پرندے کو کہا کہ نقصان کی جیب سے اپنا فائدہ نکال (کیا تو دیکھ نہیں رہا) کہ گلاب کے پھول نے اپنے پھٹے ہوئے سینے سے خالص سونا پیدا کر لیا ہے (پھول جب کھل جاتا ہے تو اس کے درمیان ریشے سے نکل آتے ہیں ان کو خالص سونا کہا ہے۔ وہ خالص سونا اسے اپنا سینہ پھاڑنے یعنی کھل جانے سے حاصل ہوا ہے مراد ہے تکالیف اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ راحت کا سامان پیدا کر سکیں)۔

شعر ⑧ اگر تیرا جسم خستہ (تکلیف زدہ) ہو گیا ہے (تو فکر نہ کر) اس درد سے ہی علاج پیدا کر + کانٹوں کا عادی بن تاکہ تو سرتاپا باغ بن جائے مراد ہے مصائب و آلام زندگی سے گھبرانے کی بجائے ان کا حوصلہ سے سامنا کر۔

فلسفہ و سیاست

فلسفی را با سیاست داں بیک میزاں مسنج ... چشم آں خورشید کورے دیدہ ایں بے نمے
آں تراشد قول حق را حجت نا استوار ... ویں تراشد قول باطل را دلیل محکمے

*

شعر ① فلسفی کو سیاست دان کے ساتھ ایک ترازو میں نہ تول + اس کی یعنی فلسفی کی نگاہ خورشید کور ہے سورج کو نہیں دیکھ سکتی یا سورج کی روشنی میں نہیں دیکھ سکتی مراد ہے حقیقت ناشناس ہے اور اس کی آنکھ یعنی سیاست دان کی آنکھ میں آنسو نہیں ہیں مراد ہے اس میں ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا وہ اپنے مفادات کو دیکھتا ہے۔

شعر ② وہ (فلسفی) قول حق کو ثابت کرنے کے لئے ناپائدار دلیلیں لاتا ہے + یہ (سیاست دان) قول باطل کے حق میں مضبوط دلیل لاتا ہے۔

صحبت رفتگاں

(گزرے ہوئے لوگوں کی صحبت)

در عالم بالا (اوپر کے جہان میں)

ٹالسٹائی

ٹالسٹائی انیسویں صدی کے روس کا ایک ایسا شخص تھا جو بیک وقت ادیب، فوجی، شاعر، مصلح اور عالم مذہب تھا۔ اس نے یونانی زبان سے انجیل روسی زبان میں ترجمہ کی تھی اور اس نے اپنی زمین کو کاشتکاروں میں تقسیم کردیا تھا وہ سرمایہ داری اور ملوکیت دونوں کا دشمن تھا۔ اس نے اپنے ناول میں بھی اس قسم کے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے اس کا سب سے مشہور ناول "اینا کرینینا" ہے۔

بارکش اہرمن لشکری شہریار   از پے نان جویں تیغ ستم برکشید
زشت بہ چشمش نکوست مغز نہ داند ز پوست   مردک بیگانہ دوست سینہ خویشاں درید
داروئے بیہوشی است تاج، کلیسا، وطن   جان خداداد را خواجہ بجاے خرید

*

شعر ① بادشاہ کی فوج کا سپاہی جو (دراصل) شیطان کا بوجھ اٹھانے والا ہے یعنی شیطان صفت بادشاہ کا خادم ہے اس نے صرف جو کی روٹی کی خاطر ظلم کی تلوار کھینچی ہے یعنی وہ خود فاقوں رہ کر بادشاہ کی بادشاہت کو مضبوط کرنے کے لئے اپنا اور دوسروں کا خون بہاتا ہے۔

شعر ② اس کی نظروں میں برائی نیکی ہے اور وہ کمال سے مغز کو الگ نہیں جانتا + وہ بیگانوں کو دوست رکھنے والا اور اپنوں کا سینہ پھاڑ دینے والا حقیر مرد ہے۔

شعر ③ (حقیقت میں) بادشاہت، مذہب اور وطنیت تینوں بے ہوش کرنے والے دارو ہیں + (اور) آقا (چاہے وہ ان تینوں میں سے کسی میدان کا ہو) اپنے معتقد سے ایک شراب کے پیالے کے عوض خدا کی دی ہوئی جان خرید لیتا ہے۔

کارل مارکس

تعارف : جرمنی کا مشہور یہودی ماہر اقتصادیات جس نے سرمایہ داری کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنی کتاب موسوم بہ سرمایہ لکھ کر اشتراکیت کے لئے راہ ہموار کردی۔ اس کا تعلق انیسویں صدی عیسوی سے ہے)۔

رازدان جزو و کل از خویش نا محرم شد است　　آدم از سرمایہ داری قاتل آدم شد است

*

شعر کل اور جز یعنی ہر شے کو جاننے والا آدمی خود اپنے آپ سے بیگانہ ہے (اگر وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہوتا تو سرمایہ داروں کی خاطر اپنی خودی نہ کھو بیٹھتا) + آدمی سرمایہ داری کی بدولت آدمی کا قاتل بن چکا ہے۔

ہیگل

تعارف: اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں جرمن میں ایک فلاسفر گزرا ہے اس کا فلسفہ پیچیدہ اور معمہ معلوم ہوتا ہے جس کی تہ تک مشکل سے پہنچا جا سکتا ہے۔ وہ کائنات کی بنیاد تناقص یا تضاد بتاتا ہے اس تضاد کے تصادم سے تیسری شے معرض وجود میں آتی ہے وہ ساری کائنات میں ایک ہی حقیقت کا ہونا بتاتا ہے اور اس طرح وحدۃ الوجودی نظر آتا ہے وہ سپنوزا کی طرح ساری کائنات کو مظہر ذات باری خیال کرتا ہے۔

جلوہ دہد باغ و راغ معنی مستور را　　عین حقیقت نگر حنظل و انگور را

فطرت اضداد خیز لذت پیکار داد　　خواجہ و مزدور را آمر و مامور را

*

شعر ① باغ اور سبزہ زار ایک ہی چھپے ہوئے معنی یا جلوہ کی تجلی لئے ہوئے ہیں + انگور اور اندرائن (ایک کڑوی چیز) کو حقیقت کا عین سچ یعنی یہ جان کہ وہ ایک ہی حقیقت کا ظہور ہیں (مراد ہے سرمایہ داری و مزدوری ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ایک دوسرے کے خلاف آواز کیوں ابھار رہے ہو)۔

شعر ② ضدوں کو پیدا کرنے والی فطرت نے آپس میں جنگ کی لذت عطا کی ہے + (کس کو) آقا اور مزدور کو اور حاکم و محکوم کو (چونکہ یہ ضدیں عین فطرت کا تقاضا ہیں اس لئے ان کو مٹانا نہیں چاہئے۔ معاشرہ کے لئے دونوں ضروری ہیں)۔

ٹالسٹائی

عقل دو رُو آفرید فلسفہ خود پرست　　درسِ رضا می دہی بندہ مزدور را

*

شعر (ہیگل کی بات سن کر ٹالسٹائی کہتا ہے) تیری دو رخی عقل نے (جو ایک طرف خیر کی اور دوسری طرف شر کی حمایت کر رہی ہے) خود پرستی کا فلسفہ پیدا کیا ہے کہ جو شخص جس حال میں بھی ہے اور وہ جو کچھ بھی ہے ٹھیک ہے اسے اسی حیثیت سے اپنی زندگی گزار دینی چاہئے) کیا تو مزدوری کرنے والوں کو تسلیم و رضا کا سبق دے رہا ہے؟ (کہ جو تیری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے اس پر شاکر رہ اور اس کے خلاف

آوازنہ اٹھا)۔

مزدک

پانچویں صدی عیسوی کے قدیم ایران کا ایک فلسفی تھا اور مذہب زرتشت کا پیروکار تھا جو آگ کی پوجا کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ سارے فسادات زر' زمین اور زن کی نامنصفانہ تقسیم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اگر انصاف ہو تو امن ہو جائے اس نے اپنی زمین کاشتکاروں میں تقسیم کر دی اور دوسروں کو بھی معاشی مساوات کا سبق دیا۔ پہلے پہل اسے کچھ ہمدردیاں حاصل ہوئیں بعد میں اس کی حکومت کے درجہ پر مخالفت کی گئی اور اسے مع اس کے پیروکاروں کے قتل کر دیا گیا۔ جدید دور میں یہودی کارل مارکس نے کیمونزم کا جو نظریہ دیا ہے اس کے اصل جراثیم مزدک کے وضع کردہ نظام میں موجود تھے معلوم ہوتا ہے یہودی کارل مارکس نے مزدک کے نظریہ پر اپنے کیمونزم کی بنیاد رکھی ہے۔

دانۂ ایراں ز کشت زار و قیصر بردمید ‏ مرگ نو می رقصد اندر قصر سلطان و امیر
مدتے در آتش نمرود می سوزد خلیل ‏ تا تہی گردد حرمش از خداوندان پیر
دور پرویزی گذشت اے کشتۂ پرویز خیز ‏ نعمت گم کشتۂ خود را ز خسرو باز گیر

*

شعر ① ایران کا دانہ زار اور قیصر کی کھیتی سے اگا + بادشاہ اور امیر کے محل میں نئے فتنے نے رقص کیا (مزدک نے ایران میں سرمایہ داری کے خلاف جو نظام وضع کیا تھا وہ اس دور میں زار کا لقب رکھنے والے بادشاہ کے ملک روس میں اور قیصر کا لقب رکھنے والے بادشاہ کے ملک جرمنی میں ظہور میں آیا ہے۔ کارل مارکس نے جرمنی سے اس کا نظریہ دیا اور لینن نے روس میں اس کو نافذ کر دیا)

شعر ② نمرود کی آگ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ ایک عرصہ جلتے ہیں + تب جا کر کہیں اس کا گھر (کعبہ) پرانے خداوندوں (بتوں) سے پاک ہوتا ہے۔ مراد ہے کہ ہر دور کے جھوٹے اور جابر سلطانوں اور امیروں کے خلاف بہت سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے تب جا کر ان سے اپنا حق چھینا جا سکتا ہے۔

شعر ③ (اے بادشاہوں کے ظلم و جبر کے مارے ہوئے) پرویز (بادشاہت) کا دور گزر گیا اے پرویز کے مارے ہوئے اٹھ + (اور) اپنی گم شدہ نعمت کو پرویز خسرو سے واپس لے مطلب ہے اب وقت آگیا ہے کہ مزدور' کسان' محنت کش' مظلوم سرمایہ داروں' جاگیرداروں' وڈیروں' بادشاہوں اور ظالموں سے اپنے کھوئے ہوئے حقوق واپس لے (خسرو پرویز اور کوہکن یعنی سرمایہ دار اور مزدور کی علامت میں بیان کردہ اس بات کی تفہیم کے لئے کوہکن کے تعارف کو دیکھئے)

کوہکن

تعارف: فرہاد نام کا ایک عام شخص شیریں نامی ایک حسینہ پر عاشق تھا۔ وقت کا بادشاہ خسرو پرویز بھی اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شیریں پر طاقت و اثر کے ذریعے قبضہ کر لیا اور فرہاد کو ہمیشہ کے

کے راستہ سے ہٹانے کے لئے ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت اس نے فرہاد پر شرط لگا دی کہ اگر وہ بیوں پہاڑ سے نہر کھود کر لے آئے گا تو شیریں اسے مل جائے گی۔ عشق کا مارا فرہاد مان گیا اور پہاڑ کھود کر نہر نکالنے کے ناممکن کام کو ممکن بنانے کے لئے چلا گیا چونکہ اس نے تیشہ کاری کا مزدوروں کی طرح کام کیا اس لئے وہ کوہکن (پہاڑ کھودنے والا) کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ نے اس کو مزدور اور عشق کے نمائندہ کے اور خسرو پرویز کو بادشاہت اور فریب کے نمائندہ کے طور پر اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

نگار من کہ بے سادہ و کم آمیز است | ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است
برون او ہمہ بزم و درون او ہمہ رزم | زبان او ز مسیح و دلش ز چنگیز است
گسست عقل و جنوں رنگ بست و دیدہ گداخت | در آ بجلوہ کہ جانم ز شوق لبریز است
اگرچہ تیشۂ من کوہ را ز پا آورد | ہنوز گردش گردوں بکام پرویز است
ز خاک تا بہ فلک ہرچہ ہست رہ پیاست | قدم کشائے کہ رفتار کارواں تیز است

✱

شعر ① میرا محبوب جو بہت سادہ اور کم ملنے والا ہے (یا بالکل نہیں ملتا) + جنگ کرنے ظلم کرنے اور فتنہ پیدا کرنے والا ہے (اس شعر میں محبوب سرمایہ داری کی علامت ہے جو بظاہر غریب اور محنت کش کا ہمدرد ہوتا ہے لیکن اندر سے اس کا خون چوستا ہے)۔

شعر ② اس کے ظاہر پورے کا پورا بزم (امن) اور اس کا اندر سارے کا سارا رزم (جنگ) ہے + اس کی زبان حضرت مسیح علیہ السلام کی سی (ہمدردی کرنے والی) ہے اور اس کا دل چنگیز کا (یعنی قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والا) ہے۔

شعر ③ عقل نے کنارہ کشی اختیار کر لی' جنوں نے رنگ پکڑ لیا اور آنکھیں گداز ہو گئیں یعنی آنکھوں سے آنسو نکل آئے مطلب یہ ہے کہ میں نے اس عقل کو چھوڑ دیا جو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر مجھے سلطانوں' جاگیرداروں' وڈیروں اور سرمایہ داروں کے فریب کے جال میں پھنسائے رکھتی تھی اور میں نے عشق کی راہ اختیار کر لی اب میں نے ظالموں کو پہچان لیا ہے اور بے باک ہو کر ان کے مقابلے میں آ گیا ہوں + تو بھی جلوہ دکھا کہ میری جان عشق سے بھری ہوئی ہے مراد ہے اے میرے ہم پیشہ مزدور اور سرمایہ دار کا فریب کھائے ہوئے محنت کش تو بھی میری طرح سلطانوں اور امیروں کے مقابلے میں آ جا۔

شعر ④ اگرچہ میرے تیشے نے پہاڑ کو کاٹ ڈالا + (لیکن) ابھی تک آسمان کی گردش پرویز کے حق میں ہے (محنت میں نے کی لیکن شیریں آرام پسند اور عیش کوش پرویز بادشاہ لے اڑا۔ اے میرے قبیلہ محنت کے لوگو ہمیں ان مکاروں اور عیاروں کے خلاف سخت محنت کرنی ہو گی)

شعر ⑤ (کیا تو دیکھتا نہیں کہ) زمین سے آسمان تک جو شے بھی ہے رستہ چلنے والی یعنی حرکت میں ہے + تو بھی قدم بڑھا کہ قافلے کی رفتار بڑی تیز ہے (زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے اور نئے نئے انقلابات کی منزل کی طرف دوڑ رہا ہے تو بھی اس وقت سے فائدہ اٹھا اور انقلاب برپا کر کے سرمایہ دارانہ نظام کو تہ و بالا کر دے)۔

نیٹشا

تعارف: اسی عنوان کی ایک نظم میں پہلے لکھا جا چکا ہے۔ وہاں سے دیکھیں۔

از سستی عناصر انساں دلش تپید — فکر حکیم پیکر محکم تر آفرید
الگند در فرنگ صد آشوب تازۂ — دیوانۂ بکارگہ شیشہ گر رسید

*

شعر ① اس کا یعنی نیٹشا کا دل انسان کے عناصر کی سستی پر تڑپ اٹھا انسان کی کمزوری پر اس حکیم کے دل میں انسان کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی اور اس نے اس کے پیکر کو زیادہ مضبوط بنایا (یہ کہہ کر کہ انسان ہی سب کچھ ہے اسے فوق البشر بن کر کائنات کی ہر شے پر حکمرانی کرنی چاہئے)۔

شعر ② نٹشے نے یورپ میں (اپنے گمراہ کن انکار سے) سینکڑوں نئے فتنے پیدا کر دئے (یوں سمجھیں کہ) کوئی دیوانہ شیشہ بنانے والے کے کارخانے میں گھس گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہاں کی کوئی شے بھی سلامت نہیں رہ سکی۔

حکیم آئن سٹائن

تعارف: یہ جرمن کے ایک خوش حال یہودی خاندان کا فرد تھا 1879ء میں پیدا ہوا اس نے بہت سے جدید نظریات پیش کئے ہیں زمان و مکاں کا اضافی ہونا' حرکت و سکون کا اضافی ہونا شعاع آفتاب کا حکیم نیوٹن کا نظریہ کے مقابلہ میں دگنا ہونا' رفتار نور کا مستقل ہونا' روشنی کی رفتار سے زیادہ کسی مادی شے کی رفتار کا نہ ہونا' روشنی میں وزن کا ہونا' توانائی اور مادہ کا ایک چیز کے دو مختلف رخ ہونا' نیوٹن کے نظریہ کشش ثقل کا ابطال کرنا اور اس کی جگہ شعاعوں میں لچک یا انکسار نور کا نظریہ قائم کرنا یہ اور اس قسم کے اور کئی نظریات اس نے دنیا کو دئے۔ جس سے کئی قسم کے انقلابات برپا ہو گئے اسکے نظریات نے سب سے زیادہ فائدہ امریکہ کو دیا جہاں اس نے جرمنی سے جلاوطنی کے بعد زندگی کا کافی حصہ گزارا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی اس نظم میں آئن سٹائن کے نظریہ انعکاس شعاع یا نظریہ انکسار نور کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت **اللہ نور السموت والارض** (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) سے ماخذ معلوم ہوتا ہے۔

جلوۂ می خواست مانند کلیم ناصبور — تا ضمیر مستنیر او کشاد اسرار نور
از فراز آسماں تا چشم آدم یک نفس — زود پروازے کہ پروازش نیاید در شعور
خلوت او در زغال تیرہ فام اندر مغاک — جلوتش سوزد درختے را چو خس بالائے طور
بے تغیر در طلسم چون و چند و بیش و کم — برتر از پست و بلند و دیر و زود و نزد و دور
در نہادش تار و شید و سوز و ساز و مرگ و زیست — اہرمن از سوز او وز ساز او جبریل و حور
من چہ گویم از مقام آں حکیم نکتہ سنج — کردہ زردشتے ز نسل موسیٰ و ہاروں ظہور

شعر ① وہ (آئن سٹائن) بے صبر کلیم کی مانند جلوہ چاہتا تھا یہاں تک نور سے استفادہ کئے ہوئے اس کے ضمیر نے نور کے بھید کھول دئے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جا کر اللہ سے کلام کیا کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ سے درخواست کر دی کہ اے اللہ تو میری آنکھوں کے سامنے آجا خود کو ظاہر کر دے)۔

شعر ② آسمان کی بلندی سے لے کر آدمی کی آنکھ تک نور کی روشنی کے لئے بس ایک لمحہ کا فاصلہ ہے + یہ اتنی تیزی سے پرواز کرنے والی ہے کہ اس کی اڑان کی رفتار پیمانہ شعور کی گرفت میں نہیں آتا ہے (موجودہ دریافت شدہ پیمانہ کے مطابق اس کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے)۔

شعر ③ نور کی روشنی کی خلوت میں یہ تاثیر ہے کہ وہ گڑھوں یا کانوں کے اندر سیاہ رنگ کے کوئلے پیدا کر دیتی ہے + اور اس کی جلوت ایک درخت کو کوہ طور کی بلندی پر خس کی طرح جلا دیتی ہے۔

شعر ④ یہ چون و چند (یعنی کیوں اور کیسے) اور بیش و کم (زیادہ اور کم) یعنی زمان و مکان کے جادو میں گرفتار ہونے کے باوجود اس سے اثر نہیں لیتی مراد ہے روشنی اس جہان کی ہر چیز پر پڑتی ہے لیکن کسی بھی شے سے وہ خود متاثر نہیں ہوتی اس کے اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ (اسی طرح) وہ اونچ نیچ، دیر جلدی اور نزدیک دور کی باتوں سے برتر ہے مراد ہے چونکہ وہ سب سے زیادہ تیز رفتار ہے اس لئے ان نسبتوں اور اضافتوں سے بالاتر ہے۔

شعر ⑤ اس کی فطرت میں تاریکی، روشنی، جلن، لذت، موت اور زندگی سب کچھ ہے + شیطان اس کے خوف سے اور جبرئیل و حور اس کے ساز سے (وجود میں آئے ہیں) مراد ہے ساری کائنات اسی ایک نور سے پیدا ہوئی ہے۔

شعر ⑥ میں اس رمز آشنا فلاسفر آئن سٹائن کے مقام کے متعلق کیا کہوں + (بس اتنا کہوں گا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے (یعنی بنی اسرائیل یا یہودیوں میں) ایک زرتشت نے ظہور کیا ہے (زرتشت حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً آٹھ نو سو سال پہلے ایران میں ایک فلسفی یا مذہبی راہنما گزرا ہے جس نے نور کی اہمیت کی بات کی تھی بعد میں اس کے پیروکاروں نے اس اہمیت نور سے غلط نتیجہ اخذ کر کے آگ کو خدا بنا لیا اور اس کی پوجا شروع کر دی)۔

بائرن

تعارف: بائرن (وفات 1824ء) انگریزی زبان کا مشہور شاعر اور انگلستان کا باشندہ ہے۔ اس کی شاعری کی اہم خصوصیات میں اس کی مذہب، خدا، رسوم، اخلاقی و تمدنی روایات، عیسویت کے خلاف بغاوت اور جذبہ انانیت ہیں۔ وہ مسلمانوں کے خلاف جذبہ نفرت اور دشمنی رکھتا تھا۔ جب ترکوں اور یونانیوں میں جنگ چھڑی تو اپنی اسی عصبیت کی بنا پر یونانیوں کی طرف سے جنگ میں بھی شریک ہوا۔ علامہ نے غالباً اس کی فطرت باغیانہ اور احساس انانیت کو قابل اعتنا سمجھتے ہوئے اسے اپنا موضوع بنایا ہے کیونکہ یہ اقبال کے فلسفہ اور شاعری کے بھی اہم موضوعات ہیں۔

مثالِ لالہ و گل شعلہ از زمیں روید ‏ اگر بہ خاکِ گلستاں تراود از جامش
بجوِ در خورِ طبعش ہوائے سردِ فرنگ ‏ تپید پیکِ محبت ز سوزِ پیغامش
خیالِ او چہ پریخانہ بنا کرد است ‏ شباب نقش کند از جلوۂ لبِ بامش
گذاشت طائرِ معنی نشیمنِ خود را ‏ کہ سازگار تر افتاد حلقۂ دامش

✱

شعر ① زمین میں سے لالہ اور گلاب کے پھولوں کی طرح شعلے پیدا ہونے لگیں + اگر (بائرن) کے پیالہ سے باغ کی خاک پر شراب ٹپکے مراد ہے بائرن کی شاعری میں ایسے شعلہ انداز خیالات و افکار ہیں جو قاری کے دل میں حرارت پیدا کر سکتے ہیں۔

شعر ② انگلستان کی سرد ہوا یعنی وہاں کے لوگوں کی قدامت پسندی اس کے مزاج کے موافق نہ تھی + اس کے پیغام کے سوز سے محبت کا پیغام لے جانے والا تڑپ اٹھا مراد ہے اس کے پیغام میں غضب کی حرارت ہے۔

شعر ③ اس کے خیال نے چونکہ ایک پری خانہ کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی اپنی قوت متخیلہ سے دلکشی کے رنگا رنگ سامان پیدا کئے ہیں + (اس لئے) کوٹھے پر اس کے جلوہ کو دیکھ کر جوانی بے ہوش ہو جاتی ہے مراد ہے اس کی شاعری یا پیغام قدامت پسندوں کی بجائے جدت پسندوں کے دامن کو کھینچتا ہے یا یوں کہیں کہ نوجوان نسل کو زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں حرکت و انقلاب کی بات ہے۔

شعر ④ معنی کے پرندے نے اپنا گھونسلہ چھوڑ دیا + (اور اس کے خیالات کے جال میں پھنسنا پسند کر لیا) + کیونکہ معانی کو اس کے جال کا حلقہ زیادہ قابلِ قبول یا اپنے موافق نظر آیا مراد ہے اس کی شاعری طرح طرح کے موضوعات و مضامین سے بھری ہوئی ہے ایسے مضامین و موضوعات جو اپنے اندر فکر کی گہرائی اور گیرائی اور تخیل کی بلندی رکھتے ہیں۔

نیٹشا

تعارف: یہ نقشِ فرنگ کے عنوان کے تحت نیٹشا پر تیسری نظم ہے۔ وہ خدا کا منکر اور انسان کی خودی کا اقراری ہے جب کہ اس کے برعکس علامہ اقبال خودی اور خدا دونوں کی شہادت دیتے ہیں ان کے نظریہ کے مطابق بے خدا خودی کو اور بے خودی خدا کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ نیٹشے نے مسیحیت خصوصاً اس کے اخلاقی نظام پر سخت حملے کئے ہیں اور ان کی غلط روی کی بنا پر ہی وہ مذہب کا منکر نظر آتا ہے اپنے مذہب عیسائیت سے باہر نکل کر اگر وہ اسلام کا مطالعہ کرتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا جس نتیجہ پر اقبال پہنچے ہیں۔ اس نے بعض باتیں ایسی ضرور کی ہیں جو عیسائیت سے بغاوت کی وجہ سے اسے اسلام کے افکار کے قریب لے گئی ہیں لیکن بے خدا کوئی فکر اور کوئی خیال بھی فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ علامہ نے اس نظم میں اسی لئے کہا ہے کہ اس کا دل مومن مگر دماغ کافر ہے۔ جرمن کے اس فلسفی شاعر کا مزید تعارف اس سے پہلے گزری ہوئی نیٹشا نام کی نظم میں دیکھے۔

گر نوا خواہی ز پیش او گریز در نئے کلکش غریو تندر است
نیشتر اندر دل مغرب فشرد دستش از خون چلیپا احمر است
آنکہ بر طرح حرم بت خانہ ساخت قلب او مومن دماغش کافر است
خویش را در نار آں نمرود سوز زانکہ بستان خلیلؑ از آذر است

*

شعر ① (اے مخاطب) اگر تو نیٹشے کی شاعری سے کوئی نوا یعنی لطف واندوزی اور تفریح چاہتا ہے (تو اس خیال سے باز رہ اور) اس کے سامنے سے بھاگ جا + (کیونکہ) اس کے قلم کی بنسری میں بجلی کے کڑکے کی آواز ہے۔ اس نے انقلاب انگیز باتیں کی ہیں تفریحی نہیں۔

شعر ② اس کا نشتر مغرب کے دل میں اتر گیا (اور اسے چیر پھاڑ ڈالا مطلب ہے کہ مغرب والوں کے بت سے مذہبی اور عمرانی نظریات پر کاری ضرب لگائی + اس کا ہاتھ گرجا یا صلیب کے خون سے سرخ ہے۔ (نیٹشے نے مسیحی مذہب اور اس کے اخلاقی نظام پر بھرپور تنقید کی ہے اور اس طرح اس کا اثر و رسوخ ختم کرنے کی پوری سعی کی ہے)

شعر ③ نیٹشے وہ ہے کہ جس نے کعبہ کی بنیادوں پر بت خانہ بنایا ہے مراد ہے اس نے مسیحی مذہب و اخلاقیات کی عمارت کو ڈھا کر انہی پر افکار و خیالات کی ایک ایسی عمارت تعمیر کی ہے جو سراسر مسیحی عقائد کے خلاف ہے۔ اس نے مسیحیت سے بغاوت کر کے ایسے خیالات پیش کئے ہیں جو اسلام کے قریب تر ہیں لیکن خدا کے انکار کی وجہ سے نیٹشے کی فکر حرم بننے کی بجائے بت خانہ بن گئی ہے۔ اسلام کی بجائے کفر ہو گئی ہے + اس کا دل تو مسلمان ہے لیکن اس کا دماغ کافر ہے (اس کے دل نے جن باتوں کو تسلیم کیا اس کی عقل نے ان کا انکار کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا جملہ کہ اس کی زبان پر اسلام اور اس کے دل میں کفر ہے ایک عرب شاعر امیہ بن الصلت کے متعلق کہا تھا۔

شعر ④ خود کو اس نمرود کی آگ میں جلا + کیونکہ خلیل کا گلزار آگ سے ہے (مراد ہے نیٹشا کی شاعری اور دوسرے افکار اس آگ کی مانند ہیں جو نمرود نے اپنے باطل شرک کو چمکانے کے لئے اللہ کے خلیل (دوست) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف اس لئے جلائی تھی کہ حق ختم ہو جائے لیکن حضرت ابراہیم نے اس میں گر کر حق کو ثابت اور باطل کو بے بنیاد کر دکھایا تھا) تو بھی نیٹشے کی جلائی ہوئی آگ میں بیٹھ اور اس کے افکار کا ابطال کر + کیونکہ حضرت ابراہیم نے جو گلستان پیدا کیا تھا وہ آگ میں گر کر پیدا کیا تھا۔ ان کے آگ میں ڈالے جانے پر آگ گلزار ہو گئی تھی۔ اے مسلمان تیرا فرض ہے کہ تو بھی یہ راہ اختیار کرے اور نیٹشے نے جو بے خدا اخلاقیات والے فوق البشر اور خودی کی بات کی ہے اس سے نیچے نہ صرف بچ بلکہ غلط ثابت کر کے دوسروں کو بھی بچائے۔

جلال و ہیگل

(مولانا جلال الدین رومیؒ اور جرمن فلاسفر ہیگل)

تعارف: مولانا جلال الدین رومی 604ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے اور 674ھ میں بمقام قونیہ فوت ہوئے۔ آپ کی مشہور مثنوی معنوی مذہب، تصوف، اخلاق، عشق، وغیرہ کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ علامہ نے انھیں اپنا مرشد تسلیم کیا ہے وہ اپنے بگڑے ہوئے کاموں کی اصلاح اور مشکلات کا حل ان سے چاہتے ہیں۔ ہیگل کا تعارف اس سے پہلے گزر چکا ہے اس کا فلسفہ ایک قسم کا ابہام رکھتا ہے وہ ایک ایسا پوست ہے جس میں مغز نہیں جب کہ رومی حقیقت شناس اور حقیقت تک پہنچانے والا ہے۔

می کشودم شبے بناخن فکر عقدہ ہائے حکیم المانی
آنکہ اندیشہ اش برہنہ نمود ابدی راز کسوت آنی
پیش عرض خیال او گیتی خجل آمد ز تنگ دامانی
چوں بدریائے او فرو رفتم کشتی عقل گشت طوفانی
خواب بر من دمید افسونے چشم بستم زباقی و فانی
نگہ شوق تیز تر گردید چہرہ بنمود پیر یزدانی
آفتابے کہ از تجلی او افق روم و شام نورانی
شعلہ اش در جہان تیرہ نہاد بہ بیاباں چراغ رہبانی
معنی از حرف او ہمی روید صفت لالہ ہائے نعمانی
گفت با من، چہ خفتہ برخیز بہ سرابے سفینہ می رانی؟
بہ خرد راہ عشق می پوئی بہ چراغ آفتاب می جوئی؟

*

شعر ① میں ایک رات اپنی فکر کے ناخن سے کھول رہا تھا + جرمن کے فلاسفر ہیگل کی ڈالی ہوئی فکری گرہوں کو۔

شعر ② وہ حکیم المانی (ہیگل) کہ جس کی فکر نے ننگا کر دیا + ابدی کو (ہمیشہ رہنے والے کو) آنی (وقتی یا لمحاتی یا فانی) لباس سے۔ مراد ہے اس نے ذات مطلق کو ذات مقید سے یا خالق کو کائنات سے یا روح کو مادہ سے قطعاً بے تعلق کر دیا ہے۔

شعر ③ اس کے خیال کی وسعت کے سامنے کائنات + اپنی تنگ دامانی کی وجہ سے شرمندہ ہے مراد ہے اس کے خیالات بہت وسیع ہیں اور کائنات تنگ ہے اس لئے اس نے کائنات سے ماورا ہو کر باتیں کی ہیں اور زیادہ تر مابعد الطبیعیات کو موضوع بنایا ہے۔

شعر ④ جب میں اس کے (افکار کے) دریا کی تہ تک گیا + تو میری عقل کی کشتی طوفان میں پھنس گئی

یعنی مجھ پر حیرت چھا گئی۔

شعر ⑤ نیند نے مجھ پر جادو پھونکا + میں نے باقی و فانی یعنی دنیا کی طرف سے آنکھ بند کر لی اور میں سو گیا۔

شعر ⑥ میری نگاہ شوق (نیند کے عالم میں) اور تیز ہو گئی + (اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ) پیر یزدانی (اللہ رسا پیر مولانا رومی) کا چہرہ میرے سامنے ہے۔

شعر ⑦ رومی ایک ایسا سورج ہے کہ اس کی جلوہ گری سے ملک روم اور ملک شام کے افق پر نور ہے مراد ہے انہوں نے جہانِ اسلام کو منور کیا ہے۔

شعر ⑧ اس تاریک سرشت والے جہان میں اس کا شعلہ + بیاباں میں کسی راہب کا چراغ ہے (جو بھولے بھٹکے مسافر کی تسکین کا باعث بنتا ہے)۔

شعر ⑨ اس کے حرف یا بات سے معنی اس طرح پیدا ہوتے ہیں + جس طرح سرخ رنگ کے خصوصی نعمانی لالے کھلتے ہیں مراد ہے اس کی باتیں معانی کے ایسے ایسے رموز و اسرار رکھتی ہیں جو مخفی ہیں۔ (کسی زمانے میں حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر تھا جو لالے کے نہایت سرخ رنگ والے پھول کو پہلی دفعہ صحرائے مشہد میں لایا تھا اس لالے کو لالہ نعمانی کہتے ہیں)

شعر ⑩ مولانا روم نے مجھ سے کہا کیوں سویا ہوا ہے اٹھ + کیا تو سراب میں (جو حقیقت میں ریت اور دیکھنے میں پانی معلوم ہوتا ہے) کشتی چلا رہا ہے مراد ہے کیا تو ہیگل کے فلسفے سے وہ حقیقت تلاش کر رہا ہے جو حقیقت تلاش کرنے والوں کو فریب دیتی ہے۔

شعر(11): تو عقل کے پاؤں سے عشق کا راستہ چل رہا ہے + او چراغ سے سورج ڈھونڈ رہا ہے۔ مراد ہے جو باتیں عقل کے بس کی نہیں جب عقل ان کو حل کرنا چاہے گی تو اسی قسم کی مبہم باتیں سامنے لائے گی جو ہیگل لایا ہے۔

پٹوفی

تعارف: ہنگری کا ایک شاعر تھا۔ ہنگری مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے پٹوفی کا پورا نام الیگزنڈر پٹوفی تھا۔ اس کا باپ شاہ وقت کا مقرب تھا لیکن پٹوفی بادشاہت کے خلاف تھا۔ اس کے باپ نے اس کو گھر سے نکال دیا اور وہ مصائب و آلام کا شکار ہو گیا لیکن اسی آگ میں کود کر وہ کندن ہو گیا اور اس نے ایسے شعر کہے جو حریت و آزادی کا پیغام دیتے تھے جب انقلاب کی تحریک چلی تو ہنگری والوں نے اسے اپنا راہنما بنا لیا اپنے وطن کو استعمار سے آزاد کرانے کے لئے اس نے جنگ تک میں حصہ لیا اور ایک جنگ بنام سیگسور میں مارا گیا جو 1848ء میں ہوئی۔

(شاعر جوانا مرگ ہنگری کہ در معرکہ کارزار در حمایت وطن کشتہ شد و نعش او نیافتند تا یادگار خاکی ازو بماند)

(ہنگری کا جوانی کی عمر میں فوت ہونے والا شاعر کہ جو وطن کی حمایت میں ایک جنگ میں مارا گیا اور اس کی لاش بھی نہ مل سکی کہ جس سے اس کی یادگار مٹی کی قبر کی صورت میں بنائی جا سکتی)

نفسے دریں گلستاں ز عروس گل سرودی — بہ دلے غمے فزودی ز دلے غمے ربودی
تو بخون خویش بستی کف لالہ را نگارے — تو بآہ صبحگاہے دل غنچہ را کشودی
بنوائے خود گم استی سخن تو مرقد تو — بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی

*

شعر ① (پٹوفی چونکہ جوانی کے عالم میں مرگیا تھا اس لئے علامہ نے کہا ہے کہ اے شاعر پٹوفی) تو نے اس باغ میں پھول کی دلہن کے متعلق بہت کم عرصہ تک گیت گائے مراد ہے تو نے اپنے ہم وطنوں کو آزادی کے لئے خون آلود ہونے کے لئے جو جنگی نظمیں لکھیں وہ زیادہ عرصہ پر محیط نہیں ہیں کیونکہ تیری عمر کم ہوئی ہے + (جو عرصہ عمر بھی تجھے ملا اس میں تو نے اپنی شاعری میں ٹوٹے پھوٹے پیغام سے کسی دل میں غم بڑھایا اور کسی دل سے غم کو اچک لیا مراد ہے تو نے جب لوگوں کو آزادی کا درس دیا تو بادشاہوں اور سرمایہ داروں کے دلوں میں یہ غم پیدا ہو گیا کہ لوگ ہم سے اقتدار نہ چھین لیں اور لوگوں کے دلوں میں آزادی کی شمع جلا کر ان کو غلامی کے خوف اور غم سے رہا کیا۔

شعر ② تو نے اپنے خون سے لالہ کے پھول کی ہتھیلی پر نقش باندھا یا نقش بنائے یا مہندی لگائی مراد ہے اپنی جان پر کھیل کر اپنے وطن کو آزادی کی راہ پر گامزن کیا + تو نے اپنی صبح کی آہ سے غنچہ کا دل کھلایا یعنی اسے پھول بنایا مراد ہے جو لوگ غلامانہ ماحول و زندگی کی وجہ سے دل گرفتہ تھے تو نے اپنی شاعری کے مخلصانہ پیغام کی ہوا سے ان کو کشادہ دل کر دیا ان میں آزادی کی لہر دوڑا دی۔

شعر ③ (چونکہ پٹوفی کو قبر نصیب نہیں ہوئی تھی اس پس منظر میں کہا گیا ہے کہ) تو اپنی شاعری میں گم ہے (لوگ تجھے قبر میں نہیں تیری شاعری میں پوشیدہ دیکھتے ہیں) تیری شاعری ہی تیری قبر ہے + چونکہ تو اس زمین کی مٹی سے نہیں تھا (بلکہ کسی اور جہان کی مخلوق تھا اس لئے) تو واپس زمین میں نہیں گیا یعنی تیری قبر نہیں بن سکی (اس جہان کی مخلوق ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ نسل آدم میں سے نہ تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ اس نسل کے عام آدمیوں کی طرح نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے قدرت نے اسے خصوصی طور پر تخلیق کیا تھا اور خصوصی صفات سے نوازا تھا۔

محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومٹ و مرد مزدور

(فرانس کے فلاسفر آگسٹس کومٹ اور ایک مزدور کے درمیان مکالمہ)

تعارف: اگسٹس کومٹ فرانس کا باشندہ تھا 1798ء میں پیدا ہوا اور 1857ء میں فوت ہوا۔ ریاضی اور سائنس میں خاص دسترس رکھتا تھا۔ اس نے مشہور فلاسفر کانٹ کی طرح یہ بات کہی کہ یقینی علم وہی ہے جو ظاہری حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے تصوریت کا نظریہ جس کا تعلق باطن سے ہے اس کے فلسفہ کی ضد ہے۔ اس نے عمر کے آخری حصہ میں صلح کل کا درس دیا اور اسے اپنا مذہب قرار دیا۔ وہ کہتا تھا کہ آدمی کو آدمی کی محبت میں غرق رہنا چاہیے یہی اس کی عبادت ہے اور آدمی ہی آدمی کا مقصود ہے اس لئے چھوٹے بڑے، غریب امیر، سرمایہ دار مزدور، رعایا بادشاہ وغیرہ میں بطور آدمی تفریق کرنا اور ایک دوسرے

کی مخالفت کرنا درست نہیں۔ خالق نے ہر ایک کو کسی نہ کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسے اس مقصد کو پورا کرنا چاہئے جسے مزدور بنایا گیا ہے اسے بطور مزدور اور جسے سرمایہ دار بنایا گیا ہے اسے بطور سرمایہ دار اپنا فرض ادا کرنا چاہیے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ علامہ نے اس نظم میں اس کے اس عمرانی نظریہ کو پیش نظر رکھا ہے۔

حکیم

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — ہماں نخل را شاخ و برگ و بر اند
دماغ ار خرد زاست از فطرت است — اگر پا زمیں ساست از فطرت است
یکے کارفرما یکے کارساز — نیاید ز محمود کار ایاز
نہ بینی کہ از قسمت کار زیست — سراپا چمن می شود خار زیست؟

*

شعر ① پہلا مصرع ایک قدیم فارسی شاعر یعنی شیخ سعدی شیرازی کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کی ساری اولاد ایک دوسرے کے اعضائے بدن کی طرح ہیں یعنی جس طرح اعضا کو بدن سے الگ نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ بدن کے ذریعے ایک دوسرے سے مربوط ہیں اسی طرح انسانوں کے مختلف طبقات بھی ایک ہی معاشرہ کے ضروری اجزا ہیں + (دوسری مثال یہ دی ہے کہ) سب لوگ ایک ہی درخت کے پھل' پھول' پتے اور شاخیں ہیں۔ البتہ کام الگ الگ ہے۔ ہر کسی کو خالق نے کسی خاص مقصد اور کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کے لئے اس خاص میدان میں سرگرم عمل رہنا منشائے فطرت ہے اور اس سے ہٹنا فطرت سے بغاوت ہے۔ جس طرح ایک ڈرامہ نگار مختلف کردار تخلیق کر کے ایک کہانی مکمل کرتا ہے اس طرح کا یہ دنیا کا ڈرامہ ہے۔ جس میں ہم سب کردار ہیں اور ڈرامہ نگار نے ہمارے ذمہ جو کام کیا ہے اس کو نبھانا ہمارے لئے ضروری ہے اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ڈرامہ مکمل نہیں ہو سکے گا۔

شعر ② (دیکھیے) اگر دماغ میں عقل پیدا کی گئی ہے تو یہ فطرت نے پیدا کی ہے + اگر پاؤں کا کام زمین پر گھسنا ہی ہے تو یہ بھی فطرت کی طرف سے ہی ہے (آدمی کا اس میں کوئی دخل نہیں اس کے بس میں نہیں کہ پاؤں میں عقل پیدا کر دے اور سر کے سپرد زمین پر چلنے کا فعل کر دے۔ دماغ اور پاؤں کے جس طرح قدرت نے الگ الگ افعال رکھے ہیں اور اس تفریق کی بنا پر زندگی آدمی چل رہی ہے اسی طرح مختلف طبقات کا ہونا بھی عین فطرت ہے۔ نظام معاشرہ اسی طبقاتی تفریق کی وجہ سے قائم ہے۔

شعر ③ ایک (یعنی دماغ کا) کام حکم دینے والا ہے اور ایک یعنی پاؤں اس حکم کو ماننے والا ہے + محمود کا کام بادشاہت ہے اور ایاز کا کام اس کی فرمانبرداری ہے محمود سے ایاز کا اور ایاز سے محمود کا کام نہیں ہو سکتا۔

شعر ④ کیا تو نہیں دیکھتا کہ زندگی کے کاموں کی تقسیم کی وجہ سے + زندگی کا کانٹا سراپا چمن بن جاتا ہے نظام زندگی میں جو طبقاتی تقسیم ہے یہ ضروری ہے جب بہار آتی ہے تو پھول کی مانند کانٹے بھی اس سے فیض یاب ہوتے ہیں باغ کی بہار پھولوں کی نرمی اور کانٹوں کی سختی کی وجہ سے ہے۔ دونوں لازم و

ملزوم ہیں اس لئے دنیا کا کارخانہ چلانے کے لئے سرمایہ دار اور مزدور دونوں کی ضرورت ہے۔

مزدور

فریبی بحکمت مرا اے حکیم　　کہ نتواں شکست ایں طلسم قدیم
مس خام را از زر اندودہ؟　　مرا خوے تسلیم فرمودہ؟
کند بحر را آب نایم اسیر　　زخارا برد تیشہ ام جوے شیر
حق کوہکن دادی اے نکتہ سنج　　بہ پرویز پرکار و نابردہ رنج؟
خطا را بحکمت مگرداں صواب　　خضر را نگیری بدام سراب
بدوش زمیں 'بار' سرمایہ دار　　ندارد گذشت از خورد و خواب و کار
جہاں راست بہروزی از دست مزد　　ندانی کہ ایں ہیچ کار است دزد
بہ جرم او پوزش آوردہ؟　　بایں عقل و دانش فسوں خوردہ؟

*

شعر ① اے فلسفی تو اپنے فلسفہ کے ذریعے مجھے فریب دے رہا ہے + (تیرا یہ کہنا کہ) اس محنت و سرمایہ کے پرانے جادو کو توڑا نہیں جا سکتا (ہمیں فریب دینے کے سوا کچھ نہیں)۔

شعر ② کیا تو نے تانبے پر سونے کا پانی پھیرا ہے + کیا تو نے مجھے تسلیم کی عادت ڈالنے کے لئے کہا ہے (کہ میں ستم سہتا رہوں اور آواز نہ اٹھاؤں۔ یہ تیرا مجھ کو فریب دینا نہیں تو اور کیا ہے)۔

شعر ③ سمندر کو میری آبنا (یعنی دو سمندروں کے درمیان والا زمینی خطہ) قید کر سکتی ہے مراد ہے میں اپنی محنت سے دو طرف کے سمندروں کو آپس میں ملا دیتا ہوں + میرا تیشہ (یعنی محنت) سخت پتھر سے دودھ کی نہر نکال لاتا ہے (دنیا کی ساری رونقیں میرے دم سے ہیں۔ میری محنت کی بدولت ہیں)۔

شعر ④ اے باریک فلسفیانہ باتیں کرنے والے تو نے مزدور کا حق دے دیا + محنت نہ اٹھانے والے اور فریب سے پر بادشاہ کو (یہ تیری عقل مندی نہیں نادانی ہے)۔

شعر ⑤ اپنے فلسفہ کی موشگافیوں سے غلط کو درست نہ بنا + (اور) خضر کو (جو سمندروں پر حکمران ہے) اپنے سراب کے جال میں گرفتار نہ کر (سراب جو دیکھنے میں پانی اور حقیقت میں ریت ہوتا ہے مراد ہے ہم محنت کشوں کو فریب نہ دے)۔

شعر ⑥ سرمایہ دار زمین کے کاندھوں کا بوجھ ہے + اس کو کھانے اور سونے کے سوا اور کوئی کام نہیں (کام مزدور کرتا ہے اور سرمایہ دار عیش اڑاتا ہے)۔

شعر ⑦ جہان میں جتنی خوش حالی ہے محنت کرنے والے ہاتھ (مزدور) کی وجہ سے ہے + کیا تو نہیں جانتا کہ یہ نکما تو چور ہے (محنت ہماری ہے اور پھل یہ سرمایہ دار کھاتا ہے)۔

شعر ⑧ اس کے جرم کو (سرمایہ دار کے جرم کو) ڈھانپنے کے لئے تو عذر لایا ہے۔ (اس کے جرم پر پردہ ڈالا ہے) + تو اس عقل و دانش کے باوجود فریب کھا گیا ہے (اگر ایسا نہ ہو تا فقر تیرے

حق حق میں ہوتی تو تو سرمایہ دار کی طرف داری نہ کرتا اور بندہ مزدور کی حق رسی کی بات سے منہ نہ موڑتا)۔

ہیگل

تعارف: اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

حکمتش معقول و با محسوس در خلوت نرفت — گرچہ بکر فکر او پیرایہ پوشد چوں عروس
طائر عقل فلک پرواز او دانی کہ چیست — ماکیاں کز زور مستی خایہ گیرد بے خروس

*

شعر ① (ہیگل کے فلسفہ کا لب لباب یہ ہے کہ صرف معقول ہی حقیقی ہے یعنی اس کا فلسفہ افکار مجردہ سے بحث کرتا ہے اس کا عالم محسوس سے کوئی تعلق نہیں اس شعر میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ) ہیگل کی حکمت کا تعلق صرف معقول سے ہے اور وہ محسوس کی دنیائے خلوت تک نہیں گیا + اگرچہ اس کی فکر کی دوشیزہ نے جو کنواری ہے دلہن کی طرح کا پر کشش لباس پہن رکھا ہے مراد ہے کہ اگرچہ اس کے فلسفہ تصوریت مطلقہ یا فلسفہ افکار مجردہ میں بڑی ظاہری اور علمی کشش ہے لیکن حقیقت میں وہ زندگی کی حقیقت کی خبر نہیں دیتا اس کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ ہیگل کا فلسفہ عالم محسوسات کی خلوت گاہ میں داخل ہو کر اس کے رموز و اسرار سے آگاہی حاصل نہیں کر سکا۔

شعر ② اس کی عقل کے آسمان تک پرواز کرنے والے پرندہ کیا تو جانتا ہے کہ کیا ہے + وہ ایک ایسی مرغی ہے جو اپنی مستی کے زور سے مرغ کے بغیر انڈے دیتی ہے (ظاہر ہے ایسے انڈے سے بچہ نہیں نکلتا۔ ہیگل کے فلسفہ کی بھی یہی صورت ہے اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا وہ بغیر موتی کے سیپ ہے)۔

جلال اور گوئٹے

تعارف: جلال سے مراد مولانا جلال الدین رومی ہے اور گوئٹے جرمن کا مشہور فلسفی شاعر تھا جس کا ڈرامہ فوسٹ بہت مشہور ہے اس ڈرامے میں شاعر نے حکیم فوسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمال فن خیال میں نہیں آسکتا۔ مزید تعارف دونوں کا پہلے گزر چکا ہے وہاں سے دیکھئے۔

نکتہ دان المنی را در ارم — صحبتے افتاد با پیر عجم
شاعرے کو ہمچو آں عالی جناب — نیست پیغمبر ولے دارد کتاب
خواند بر دانائے اسرار قدیم — قصہ پیمان ابلیس و حکیم
گفت: رومی اے سخن را جاں نگار — تو ملک صید استی و یزداں شکار
فکر تو در کنج دل خلوت گزید — ایں جہان کہنہ را باز آفرید

سوز و ساز جاں بہ پیکر دیدہ در صدف تعمیر گوہر دیدہ
ہر کسے از رمز عشق آگاہ نیست ہر کسے شایان ایں درگاہ نیست
داند آں کو نیک بخت و محرم است زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

*

شعر ① جرمن کے فلسفی (گوئٹے) کو جنت میں + پیر عجم (مولانا روم) کی صحبت میسر آئی۔

شعر ② وہ ایک (ایسا) شاعر ہے جو عالی جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند پیغمبر تو نہیں لیکن ایک کتاب رکھتا ہے (جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی باتیں ہیں)۔

شعر ③ (گوئٹے نے) قدیم رازوں کے جاننے والے دانا مولانا روم ؒ کے سامنے پڑھا + ابلیس اور حکیم کے عہد کا قصہ (جو گوئٹے نے فوسٹ نام سے لکھا تھا)۔

شعر ④ رومیؒ نے کہا اے وہ شاعر جس کے فن سے شاعری کے جسم میں جان کا نقش پیدا ہو جاتا ہے + تو فرشتوں کو قابو میں لانے والا اور خدا کو شکار کرنے والا ہے (تیرا فکر عالی اور تیرا خیال بلند ہے تو نے شاعری میں فرشتوں' خدا' اور ابلیس کے متعلق منفرد انداز میں باتیں کی ہیں)۔

شعر ⑤ تیری فکر نے دل کے گوشے میں خلوت اختیار کی + (اور) اس پرانے جہان کو پھر سے آباد کیا یعنی اسے نئی زندگی عطا کی۔

شعر ⑥ تو نے جسم کے اندر جان کا سوز و ساز (تڑپ اور حرارت) دیکھا ہے + تو نے سیپ کے اندر موتی کو بنتے ہوئے دیکھا ہے مراد ہے تو آدمی کے جسم اور جان کے رابطہ اور ان میں موجود کیفیات ولذات سے آشنا ہے۔

شعر ⑦ عشق کی رمز یا باریک بات کو جاننے والا ہر کوئی نہیں ہے + ہر کوئی اس کی بارگاہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

شعر ⑧ (راز عقل و عشق کو) وہ جانتا ہے جو نیک نصیب اور حقیقت آشنا ہے + عقل شیطان سے اور عشق آدم سے ہے مطلب یہ ہے ابلیس نے عقل کو راہنما بنایا مردود ہو گیا آدم نے عشق کو اپنایا مقبول بارگاہ ہوا (رومی نے پورے ڈرامہ فوسٹ کو سن کر دو مصرعوں میں اس حقیقت کو بیان کر دیا جو گوئٹے کے کئی صفحات واضح نہ کر سکے)۔

پیغام برگساں

تعارف: ہنری برگساں فرانس کا باشندہ ہے 1859ء سن پیدائش ہے وہ ایک ایسے یہودی باپ کا بیٹا تھا جو موسیقار تھا 1941ء میں فوت ہوا۔ اس نے اپنے فلسفہ کے ذریعے عقل اور وجدان' روح و مادہ' جبر و اختیار' فکر و شعور' اخلاق و مذہب' روح و جسم خصوصاً روح کی ابدیت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سائنس اور عقل حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ زندگی وجدان ہے اگر عقل وجدان حاصل کر لے تو وہ بھی بے کار ہے۔ کائنات میں ہر طرف جوش نمو، یا قوت حیات کارفرما ہے۔ زمانہ مسلسل تغیرات ہے

دوچار ہے انسانی شعور ہی کائنات میں غیر فانی چیز ہے جو مرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے۔

تا بر تو آشکار شود راز زندگی   خود را جدا ز شعلہ مثال شرر مکن
بہر نظارہ جز نگہ آشنا میار   در مرز و بوم خود چو غریباں گذر مکن
نقشے کہ بستہ ہمہ اوہام باطل است   عقلے بہم رسا کہ ادب خوردۂ دل است

*

شعر ① تاکہ تجھ پر زندگی کا راز ظاہر ہو جائے + خود کو شرر کی مانند شعلہ سے جدا نہ کر مراد ہے جس طرح چنگاری شعلہ سے جدا نہیں تو بھی زندگی کو وجدان سے الگ نہ کر۔

شعر ② نظارہ کیلئے آشنائے راز نگاہ کے سوا کوئی اور نگاہ کام میں نہ لا + اپنی جنم بھومی (یا وطن یا گھر) میں غیروں کی طرح گزر نہ کر مراد ہے زندگی اور وجدان میں شدید رابطہ ہے اس سے واقف ہو جا وجدان زندگی کی فعلیت کا ہی دوسرا نام ہے اسے غیر نہ سمجھ۔

شعر ③ جو نقش (کہ تو نے اپنی عقل کی بنا پر کھینچے ہیں) وہ سب جھوٹے اور مٹ جانے والے یا وہم کے کھوکھلے ہیں + ایسی عقل حاصل کر جو دل کا ادب کرنا جانتی ہو یعنی دل کی تربیت یافتہ ہو یا جس کو دل نے خوب سے بنا دیا ہو مراد ہے عقل عشق کے بغیر، علم، وجدان کے بغیر اور جسم، روح کے بغیر بیکار ہے۔ علم اور عقل جب تک وجدان آشنا نہیں ہوں گے باطل کے نقش ہی کھینچتے رہیں گے۔

میخانۂ فرنگ

(یورپ کا شراب خانہ)

یاد ایامے کہ بودم در خمستان فرنگ   جام او روشن از آئینہ اسکندر است
چشم مست مے فروشش بادہ را پروردگار   بادہ خواراں را نگاہ ساقی اش پیغمبر است
جلوۂ او بے کلیمؑ و شعلۂ او بے خلیلؑ   عقل ناپروا متاع عشق را غارت گر است
در ہوایش گرمی یک آہ بیتابانہ نیست   رند ایں میخانہ را یک لغزش مستانہ نیست

*

شعر ① مجھے ان دنوں کی یاد ہے جب میں یورپ کے شراب خانہ میں تھا + وہ میخانہ جس کے پیالے اسکندر کے آئینہ سے زیادہ روشن ہیں مراد ہے مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں یورپ کی درسگاہوں میں زیر تعلیم تھا جہاں صبح سے شام تک جو باتیں ہوتی تھیں وہ سائنس اور فلسفہ ہی کی تھیں روح اور عشق کا کہیں ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اور وہاں عقل، فلسفہ اور سائنس کی باتیں اس دل فریب اور عقل فریب انداز میں کی جاتی تھیں کہ یہ یقین آنے لگتا تھا کہ اس سے بڑھ کر حقیقت آموز کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔

شعر ② اس میخانہ کی شراب بیچنے والوں کی مست آنکھیں خود شراب پیدا کرنے والی ہیں + اور شرابیوں کے لئے اس شراب خانے کے ساقیوں کی نگاہیں پیغام بر ہیں (دعوت عام دیتی ہیں کہ آؤ اور خوب

پیشو) مراد ہے یورپ کے علوم و فنون اور فلسفہ و دانش کے اداروں اور تعلیمی درس گاہوں میں علم ظاہری تو عام ہے علم باطن کی کسی کو خبر نہیں۔ جسم فربہ کرنے کے تو عام انتظامات ہیں روح کو مردہ ہونے سے بچانے کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ فرشتگی سے آدمی کو دور رکھنے اور شیطنت سے نزدیک کرنے کی ساری صورتیں یورپ کے ہر قسم اور ہر نوع کے اداروں میں موجود ہیں۔

شعر ③ اس کا جلوہ بے کلیم اور اس کا شعلہ بے خلیل ہے مراد ہے وہاں علم و عقل اور ہنر و فن کا جلوہ تو ہر طرف دیکھنے میں آتا ہے اور سائنس اور دوسری کئی قسم کی ایجادات کے شعلے تو ہر طرف دکھائی دیتے ہیں لیکن ان میں کلیمی اور خلیلی نہیں ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے جلوہ اور آگ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ ساری جلوہ گری اور شعلہ نمائی خود دوری اور شیطان نزدیکی کا سبب ہے + یورپ نے جس ناروا یعنی مادر پدر عقل کو جنم دیا ہے اس نے عشق کی دولت کو لوٹ کر برباد کر دیا ہے۔ آزادی افکار کی ابلیسی ایجاد نے آدمی سے آدمیت ہی نہیں چھینی بلکہ اسے حیوانات سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔ اس کا دماغ روشن لیکن دل تاریک کر دیا ہے وہ من کو بھلا کر تن میں کھو چکا ہے۔

شعر ④ اس کی ہوا میں ایک بے تاب آہ کی بھی گرمی نہیں ہے + اس شراب خانے کے شرابی میں ایک بھی مستانہ عربدہ کش نہیں ہے مراد ہے یہاں عقل و علم تو موجود ہے لیکن عشق و مستی مفقود ہے۔

موسولینن و قیصرولیم

تعارف: لینن اشتراکی روس کا پہلا صدر تھا 1924 میں فوت ہوا اس نے کارل مارکس کی تعلیمات کو روس میں بہ جبر نافذ کیا اور اس کے مرنے کے بعد سٹالن نے چنگیز سے بھی زیادہ وحشیانہ انداز میں لوگوں سے اس پر عمل کرایا۔ فریڈرک ویلھیم جو قیصرولیم کے نام سے معروف ہے جرمنی کا شہنشاہ تھا۔ پہلی جنگ عظیم اس نے شروع کی تھی 1941 میں فوت ہوا۔ اقبال نے اسے ملوکیت کے اور لینن کو اشتراکیت کے نمائندے کے طور پر اس نظم کا عنوان بنایا ہے۔

موسیو لینن

بسے گذشت کہ آدم دریں سرائے کہن   مثال دانہ تہ سنگ آسیا بود است
فریب زاری و افسون قیصری خورد است   اسیر حلقۂ دام کلیسا بود است
غلام گرسنہ دیدی کہ بردرید آخر   قمیص خواجہ کہ رنگیں ز خون ما بود است
شرار آتش جمہور کہنہ ساماں سوخت   ردائے پیر کلیسا، قبائے سلطاں سوخت

*

شعر ① ایک مدت گزر گئی کہ آدمی اس پرانی سرا یعنی دنیا میں + اس طرح رہا ہے جس طرح دانہ چکی کے پتھر کے نیچے ہوتا ہے مراد ہے طاقتوروں اور بڑوں کے ظلم و ستم سہتا چلا آیا ہے۔

شعر ② اس نے روس کے حکمرانوں کا جو زار کہلاتے تھے اور جرمنی کے حکمرانوں کا جو قیصر کے لقب سے معروف تھا فریب کھایا ہے + (اور) کلیسا یعنی مذہب عیسائیت کے علم برداروں کے جال کے پھندوں میں بھی گرفتار رہا ہے مراد ہے لوگوں کو بادشاہوں' اور پادریوں نے اپنی اغراض اور مفادات کے لئے استعمال کیا ہے۔

شعر ③ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بھوکے غلام نے آخر پھاڑ دی + آقا کی وہ قمیص جو ہمارے خون سے رنگ دار تھی۔ مراد ہے اشتراکی نظام کی بدولت وہ لوگ جو کل تک سرمایہ داروں' وڈیروں' جاگیرداروں' بادشاہوں' اور پادریوں کے ظلم کا شکار ہو رہے تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے ان کا قلع قمع کر دیا اور عوام کی حکومت قائم کر دی۔

شعر ④ عوام کی انتقامی آگ کی چنگاریوں نے پرانا سامان جلا دیا یعنی شاہانہ نظام ختم کر کے جمہوریت کا نظام قائم کیا + لوگوں نے پادریوں کی چادر اور بادشاہوں کی خلعت جلا دی یعنی نہ مذہب باقی رکھا اور نہ سلطانی۔

قیصر ولیم

گناہ عشوہ و ناز بتاں چیست طواف اندر سرشت برہمن است
دمادم نو خداونداں تراشد کہ بیزار از خدایان کہن است
ز جور رہزناں کم گو کہ رہرو متاع خویش را خود راہزن است
اگر تاج کئی جمہور پوشد ہماں ہنگامہ ہا در انجمن ہست
ہوس اندر دل آدم نہ میرد ہماں آتش میان مرزغن ہست
عروس اقتدار سحر فن را ہماں پیچاک زلف پرشکن ہست
"نماند ناز شیریں بے خریدار اگر خسرو نباشد کوہکن ہست"

*

① بتوں کے انداز اور ناز کا کیا گناہ ہے + بتوں کا طواف کرنا تو برہمن (بتوں کے پجاری) کی فطرت ہے۔ اس کے خمیر میں ہے۔ مراد ہے تو ملوکیت سے جمہوریت کی طرف آنے کی بات کرتا ہے۔ تیری جمہوریت بھی ملوکیت ہی کی ایک قسم ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ کسی نہ کسی کی غلامی اختیار کر رکھنا آدمی کی سرشت میں داخل ہے اس مجبوری کی بنا پر اس نے پرانے نظام کو بدل کر ایک نئے نظام کی غلامی اختیار کر لی ہے۔ پہلے لوگ زار روس کے غلام تھے اور اب روس کے لینن اور سٹالن کے غلام ہیں۔

شعر ② آدمی (جدت پسند ہونے کی بنا پر) ہر دم اپنے لئے نئے آقا تراشتا رہتا ہے + کیونکہ وہ (اس جدت پسندی کی بنا پر) پرانے آقاؤں سے بے زار ہو جاتا ہے (اس کے آقاؤں کے چہرے بدل جاتے ہیں ہوتے وہ آقا ہی ہیں)۔

شعر ③ راہزنوں کے ظلم کی بات نہ کر کہ خود راہرو (راہ چلنے والا/مسافر) + اپنی دولت کا آپ

راہزن ہے (وہ اس غلامی کی بنا پر جو اس کی سرشت میں داخل ہے آپ ہی اپنے لئے آقا پیدا کر لیتا ہے۔ اب اس نے عوام کی حکومت عوام کے لئے کے فریب میں آکر پھر اپنی آزادی کو مٹھی بھر حاکموں کے سپرد کر رکھا ہے۔ اور وہ جمہوریت کے لبادہ میں ناچنے والے ظلم و جبر کے شیطان کے پاؤں تلے کراہ رہا ہے۔

شعر ④ اگر کے کا (ایران کے لقب "کے" رکھنے والے بادشاہ) کا تاج عوام پہن لیں + تو انجمن (دنیا / سلطنت) میں وہی ہنگامے ہوں گے جو خود شاہی دور میں تھے۔ مراد ہے مغرب کا جمہوری یا اشتراکی کوئی نظام ہو سب ملوکیت ہی کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔

شعر ⑤ آدمی کے دل میں جو ہوس (ملک گیری اور حاکمیت کی) ہے وہ کبھی نہیں مرتی + آتش دان بدل گئے ہیں لیکن ان میں آگ وہی پرانی ہے۔ (مرزغن کے معنی قبرستان کے بھی لیے جاتے ہیں)

شعر ⑥ جادو جگانے کا فن رکھنے والی اقتدار کی دلہن + زلف کے وہی بل رکھتی ہے۔ مراد ہے۔ حاکمیت کی شکلیں بدلی ہیں اس کا مقصد نہیں بدلا۔

شعر ⑦ شیریں کا ناز خریداروں یعنی عاشقوں کے بغیر نہیں رہ سکتی + اگر اس کا خریدار ایران کا بادشاہ خسرو پرویز نہیں ہوگا تو محنت کش فرہاد ہوگا مراد ہے کہ سلطان حکمران ہو یا مزدور حاکمیت کے لحاظ سے دونوں عوام پر جبر کرتے ہیں۔ زار ختم ہو گیا تو کیا ہوا روس پر جو کچھ مزدوروں کی حکمرانی نے کیا اس سے چنگیزیت بھی پناہ مانگتی ہے۔

حکما

تعارف: اس عنوان کے تحت علامہ نے یورپ کے تین فلسفیوں کے فلسفیانہ افکار پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نام ہیں لاک کانٹ اور برگساں۔

لاک

تعارف: سترھویں صدی کے انگلستان کا فلسفی تھا۔ فہم انسانی کے نام سے اس کی کتاب اس کی ساری تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ 1704 میں فوت ہوا۔ اس کا فلسفہ ہمیں بتاتا ہے کہ حقیقت ذہن انسانی سے ماورا ہے۔ حواس خمسہ صرف ہمارے علم کا ذریعہ ہیں وہ لامحدود کو نہیں پا سکتے۔ انسان کا ذہن پیدائش کے ساتھ کوئی تصور اپنے ساتھ نہیں لاتا بلکہ وہ سب کچھ دنیا میں آکر تخلیق کرتا ہے۔

ساغرش را صبح از بادہ خورشید افروخت　　ورنہ در محفل گل لالہ تہی جام آمد

ترجمہ: اس کے پیالے کو صبح نے سورج کی شراب سے چمکایا + ورنہ پھولوں کی محفل میں لالہ تو خالی پیالے کے ساتھ آیا تھا (اس شعر میں علامات کے ذریعے علامہ نے لاک کا یہی فلسفہ بیان کیا ہے کہ آدمی اپنی پیدائش کے ساتھ خالی الذہن ہوتا ہے۔ اس کے جملہ تصورات و خیالات بعد میں بنتے ہیں۔ اس شعر کا مطلب اس پس منظر میں یوں ہوگا کہ لاک کا پیالہ (دماغ / ذہن) شراب (تصورات) سے خالی تھا اس کو بادہ

خورشید (دنیا میں آنے کے بعد اس کے حواس خمسہ کے محسوسات، تصورات اور تجربات) نے پر کیا + ورنہ اس کا لالہ (ذہن / دماغ) کا جام محفل گل (دنیا میں) میں بالکل خالی تھا۔ لاک کے نزدیک حواس خمسہ کے نتائج و تجربات ہی آدمی کے ذہن کو بھرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حواس خمسہ کے ذریعے غیر مرئی اور غیر مادی حقیقت کو نہیں پایا جا سکتا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی فلسفی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس کی رسائی کا ذریعہ عقل اور علم ہوتا ہے۔ جس کا صریح تعلق آدمی کے حواس خمسہ سے ہے۔

کانٹ

تعارف: کانٹ اٹھارھویں صدی عیسوی کا جرمنی فلاسفر ہے۔ پورا نام عما نوئیل کانٹ تھا 1724ء میں ایک غریب گھر میں پیدا ہوا لیکن قدرت نے اسے مابعد الطبیعیات کا عظیم عالم بنا دیا۔ 1804ء میں فوت ہوا۔ تنقید عقل خالص، تنقید عقل عملی اور تنقید تصدیقات اس کی اہم ترین تصانیف ہیں ان کتابوں میں اس نے عقل اور اس کی تصدیقات کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ آدمی کی قوت مدرکہ یا وہ فکر جو حواس خمسہ کی محتاج ہے خدا کا (جو واجب الوجوب ہے) ادراک اور اثبات نہیں کر سکتی یہ ان جملہ قدیم حکما کے فلسفہ کا توڑ تھا جو عقل کو خدا کی شناخت کا ایک ذریعہ قرار دیتے تھے اس نے اپنی تصانیف میں خدا کے اثبات کے جملہ عقلی دلائل کو عقل ہی کے ذریعے غلط قرار دے دیا اور ساتھ ہی آدمی کے اندر موجود اس کے اس ضمیر کی طرف توجہ دلا کر جو خیر و شر میں تمیز کرواتی ہے کہا ہے کہ اس کے دیئے ہوئے اخلاقی ضابطہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خدا ہے اس کے علاوہ ہمارے اردگرد فطرت کی جو بے شمار چیزیں اور ان کے افعال موجود ہیں وہ بھی خدا کے موجود ہونے پر دلالت کرتے ہیں یہ سب اس کی نشانیاں ہیں۔ آدمی کی عقل ان سوالات پر کیوں غور کرے جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔

فطرتش ذوق مے آئینہ فامے آورد از شبستان ازل کوکب جامے آورد

ترجمہ: اس کی فطرت آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور روشن شراب کا ذوق لائی + وہ ازل کی محفل شب سے پیالے کا ستارہ لائی مراد ہے کہ آدمی اپنی فطرت میں خدا تحقیق اور خدا رسی کا ذوق رکھتا ہے اور یہ ذوق اس کے ضمیر کی آواز میں یا ضابطہ اخلاق میں موجود ہوتا ہے۔ جو اسے ہدایت اور گمراہی، حق اور باطل، ایمان اور کفر، خدا قائلی اور خدا انکاری میں تمیز بتاتا اور سکھاتا ہے۔ یہ تمیزی قوت اس میں پیدائش کے بعد نہیں بلکہ اس کی پیدائش کے ساتھ موجود ہوتی ہے جو اس صداقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ خالق آدمی کا منشا یہ ہے کہ آدمی اس تمیز کی قوت کو استعمال کرے اور جس طرح وہ اس قوت کے ہونے سے آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتا پانی میں ڈال لیتا ہے اس طرح خیر اور ہدایت کے راستے پر چلے اور گمراہی کی راہ سے بچے اور ظاہر ہے کہ خیر اور ہدایت کا راستہ خدا تک رسائی ہی کا راستہ ہے۔

برگساں

تعارف: تعارف پہلے گزر چکا ہے۔ اس کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ اشیائے کائنات کے باطن میں جوش نمود

موجود ہے۔ ایک ہی وحدت ہے جو مختلف کثرتوں میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے یہ ذوق نمو یا حیات کا تقاضا جو ہر شے میں موجود ہے اور اسے نت نئی شکلیں دیتا رہتا ہے کائنات کے ظہور کا سبب ہے اسی تقاضائے حیات کو ہم خدا کہہ سکتے ہیں۔

نہ مے از ازل آورد نہ جامے آورد   لالہ از داغ جگر سوز دوامے آورد

ترجمہ: وہ نہ ازل سے جام لایا اور نہ شراب لایا + وہ ہمیشہ کے جگر سوز داغ سے لالہ کا پھول لایا۔ مراد ہے کہ آدمی اپنی پیدائش کے ساتھ نہ تو پیالہ لایا ہے اور نہ شراب لایا ہے بلکہ حیات کے تقاضے یا نمود کی آرزو لے کر آیا ہے اور اسی تقاضائے نمو نے اسے جام اور شراب تخلیق کرنے پر یا دنیائے عمل میں تگ و دو کرنے اور ارتقائی منازل طے کرنے کی طرف مائل کیا ہے۔ یہ "داغ جگر سوز دوامے" یعنی تقاضائے حیات یا تقاضائے نمود جو آدمی سمیت ہر شے' میں موجود ہوتا ہے لالہ (نت نئی اشیاء) کے ظہور کا سبب ہے۔

نوٹ: یہ تین حکیم لاک 'کانٹ' اور برگساں یورپ سے تعلق رکھتے ہیں علامہ نے ان تینوں حکما کے فطرت انسانی کے متعلق افکار کو اپنے اشعار میں رمز و ایما کے پیرایہ میں بیان کیا ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر حکیم کے فلسفہ کے بنیادی فکر کو صرف ایک شعر میں قلم بند کر دیا ہے۔ یہ تینوں میں دراصل ایک قسم کا مذاکرہ ہے۔

شعر ①

نوٹ: جس طرح تین حکما کے نظریات کو علامہ نے حکما کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے۔ اسی طرح شعرا کے عنوان کے تحت چار نامور شاعروں کے اس بنیادی تصور کو بادہ و ساغر کی علامات میں ایک ایک شعر میں قلم بند کیا ہے کہ زندگی کی سرخوشی اور پر کیفی کیا ہے اور کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

براؤننگ

تعارف: انیسویں صدی کے انگلستان کا شاعر ہے 1889 میں وفات پائی۔ وہ انسان کے مجد و شرف' زندگی میں جدوجہد اور رجائیت کا پیغام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شکست سے حوصلہ ہارنے کی بجائے فتح کے لئے مزید طاقت حاصل کرنی چاہئے۔

بے پشت بود بادۂ سرجوش زندگی   آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

ترجمہ: میری زندگی کی شراب کا جوش لوازمات شراب کے بغیر تھا + میں خضر سے پانی (شراب) لے رہا ہوں اور اپنے پیالے میں ڈال رہا ہوں۔ مراد ہے میں اپنی زندگی کو حضرت خضرؑ کی زندگی سے سبق حاصل کر کے سعی و عمل اور جدوجہد کی زندگی بنا رہا ہوں تاکہ میری زندگی میں سرخوشی پیدا ہو جائے۔

بائرن

تعارف: اس کا تعارف پہلے گزر چکا ہے۔ وہاں سے دیکھئے۔

از منت خضر نتواں کرد سینہ داغ آب از جگر بگیرم و در ساغر افگنم

ترجمہ: حضرت خضرؑ کے احسان سے سینہ کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے جگر سے شراب کھینچ رہا ہوں اور پیالے میں ڈال رہا ہوں۔ مراد ہے میں دوسروں کا احسان لئے بغیر اپنی ہمت سے اپنی زندگی کو پر کیف بناتا ہوں بائرن چونکہ ماحول کے خلاف بغاوت اور تکبر کی طرح کی انانیت کا شاعر تھا اس لئے اس سے یہی بات متوقع تھی۔

غالب

تعارف: غالب (پیدائش 1797ء بمقام اکبر آباد متحدہ بھارت) مغلیہ دور زوال کا شاعر تھا جس نے عظیم مغلیہ سلطنت کی کمزوری اور تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس نے 1857ء کے بعد دلی پر انگریزوں کی سفاکانہ یلغار اور صدیوں کی مسلمان تہذیب و ثقافت کو اپنی آنکھوں سے لٹتے دیکھا تھا۔ شرفا کی تذلیل' انسانی مجد و شرف کی خواری' پاکباز اور عصمت مآب عورتوں کی انگریز سپاہیوں کے ہاتھوں بے حرمتی اور بادشاہ' شہزادے شہزادیوں اور امرا اور ان کے گھرانوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت کو تہذیب کا لباس پہنے ہوئے انگریز اور ان کے ساتھیوں کی درندگی کا شکار ہوتے ہوئے دیکھا تھا اس نے خود کو' اپنے عزیز و اقارب' اپنے دوستوں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو خوش حالی سے بدحالی کی گرفت میں آتا دیکھا تھا اسے خود بھی محتاج ہو کر کئی قسم کے ذلت آمیز احسان اٹھانے پڑے تھے۔ 1869ء میں فوت ہو کر دلی میں دفن ہوا۔

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

ترجمہ: تاکہ شراب زیادہ تلخ اور اس کے پینے سے (شرابی کا) سینہ زیادہ زخمی ہو جائے میں شیشے یا دل کو پگھلا کر شراب بناتا ہوں اور پیالہ میں ڈالتا ہوں مراد یہ ہے کہ لطف زندگی غم عشق کی تلخ شراب پینے یا زندگی کی تلخیاں چکھنے میں ہے۔ دل کو پگھلا کر پیالے میں ڈالنے سے مراد زندگی میں سوز و ساز غم کو داخل کرنے سے ہے۔

رومی

تعارف: پہلے گزر چکا ہے۔ وہاں سے دیکھئے۔

آمیزشے کجا او گہر پاک او کجا از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

ترجمہ: کہاں زندگی کا پاک گہر اور کہاں اس شے کی آمیزش + میں تو انگور کی بیل سے (راست)

وہ شراب لیتا ہوں اور پیالے میں ڈالتا ہوں۔ مراد ہے جس طرح صحیح اور بغیر کسی آمیزش کے وہ شراب ہوتی ہے جو سیدھی انگور سے پیالے میں آئے اسی طرح زندگی کے پیالے میں شراب راست، شراب کشید کرنے والے سے لے کر ڈالو۔ مراد ہے اللہ تعالیٰ سے زندگی کا براہ راست تعلق پیدا کرنا اور اس کے دیدار کا شرف حاصل کرنا ہی زندگی کی سرخوشی اور بے کیفی ہے۔ زندگی جیسی پاکیزہ شے میں کسی قسم کی بھی آمیزش اسے کم قیمت کر دیتی ہے۔ تعلق باللہ اسے قیمتی بناتا ہے۔ اس تعلق کے بعد کسی کا احسان اٹھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

خرابات فرنگ

(یورپ والوں کا شراب خانہ)

دوش رفتم بہ تماشائے خرابات فرنگ
شوخ گفتاری رندے دلم از دست ربود

گفت ایں نیست کلیسا کہ بیابی در وے
صحبت دخترک زہرہ وش و نائے و سرود

ایں خرابات فرنگ ست ز تاثیر میش
آنچہ مذموم شمارند نماید محمود

نیک و بد را بترازوئے دگر سنجیدیم
چشمہ داشت ترازوئے نصاریٰ و یہود

خوب زشت است اگر پنجہ گیرات شکست
زشت خوب است اگر تاب و توان تو فزود

تو اگر در نگری جز بہ ریا نیست حیات
ہر کہ اندر گروِ صدق و صفا بود نبود

دعویٰ صدق و صفا پردۂ ناموس ریاست
پیر ما گفت مس از سیم بپالاید اندود

فاش گفتم جو اسرار نہانخانہ زیست
بکجے باز مگو تا کہ بیابی مقصود

*

شعر ① کل رات میں یورپ والوں کے ایک شراب خانہ کا تماشا کرنے چلا گیا + وہاں کے ایک شرابی کی شوخ گفتاری نے میرے دل کو مجھ سے چھین لیا یعنی میں اس کا فریفتہ ہو گیا۔

شعر ② اس نے کہا کہ یہ گرجا نہیں ہے کہ تو اس میں پائے گا + کسی زہرہ ستارہ کی سی خوبصورت چھوٹی عمر کی لڑکی اور موسیقی اور گانا (یہ کام جس کا تعلق عیش و عشرت سے ہے مذہب کے پردے میں پادری کرتے ہیں۔ اس کا شوق ہے تو وہاں جا)۔

شعر ③ یہ میخانہ (جو ہم نے بنایا ہے) فرنگی کا میخانہ ہے (کسی اور مقصد کے لئے ہے یہ ہم نے اس لئے کھولا ہے کہ) اس کی شراب کی تاثیر سے + شرابی کی نظروں میں ہر وہ چیز جو قابل مذمت ہے پسندیدہ نظر آنے لگے۔ (اس میں ہمارے علم، ہمارے فن، ہمارے ہنر، ہمارے فلسفہ، ہمارے انداز ثقافت و تہذیب اور ہماری طرز سیاست وغیرہ کی وہ شراب ملتی ہے جو ہم کمزور اقوام کو پلا کر ان کی عقل اس طرح گم کر دیتے ہیں کہ ہم جو برائی انہیں دیتے ہیں وہ اچھائی سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔ اور اس طرح ہم ان پر اپنی گرفت اور مضبوط کر لیتے ہیں۔

شعر ④ ہم نیک و بد کو کسی اور ترازو سے تولتے ہیں (اور ہم اس طرح بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنا کر

دوسری اقوام کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اچھائیوں سے محروم اور خرابیوں سے معمور ہو جاتی ہے) + یہود و نصاریٰ کا ترازو چونکہ ایک پلہ جھکتا ہوا رکھتا تھا یعنی ان کے مذاہب نے نیکی اور بدی کا جو ترازو دے رکھا ہے وہ ہمارے اندازے کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ (اس لئے ہم نے نیکی اور بدی کے اس مذہبی معیار کی بجائے اپنا مکارانہ سیاسی معیار بنایا ہوا ہے)۔

شعر ⑤ اگر تیرے پنجہ کی گرفت کمزور پڑ گئی تو اچھائی بھی برائی ہے + اگر تیرے پنجہ کی طاقت اور گرفت زیادہ ہو گئی تو برائی بھی اچھائی ہے مراد ہے اگر نیکی تجھے کمزور کر دے تو یہ برائی ہے اور اگر برائی تجھے طاقتور بنا دے تو یہ اچھائی ہے۔ طاقت اور اقتدار نیکی اور بدی کا معیار ہونا چاہئے۔

شعر ⑥ تو اگر غور سے دیکھے تو زندگی سوائے دکھاوے کے عمل کے یا مکاری اور عیاری کے کچھ نہیں ہے + جس کو صدق و صفا (سچائی اور صفائی معاملات) نے گروی رکھ لیا وہ ختم ہو گیا۔

شعر ⑦ صدق و صفا کا دعویٰ کرنا ریا کی عزت رکھنے کے لئے ایک پردہ ہے + ہمارے مرشد نے کہا ہے کہ تانبے پر چاندی چڑھا دینی چاہئے۔ فریب کاری اور ملمع سازی سے کام لینا چاہئے۔

شعر ⑧ میں نے زندگی کے پوشیدہ گھر کے راز تجھے کھول کر بیان کر دیئے ہیں + ان کو کسی اور سے نہ کہنا تاکہ تو اپنا مقصود حاصل کر سکے (کیونکہ اگر یہ راز عام ہو گئے تو لوگ خبردار ہو جائیں گے اور ہماری دال گلنی مشکل ہو جائے گی)۔

خطاب بہ انگلستان

مشرقی بادہ چشید است ز مینائے فرنگ
عجبے نیست اگر توبۂ دیرینہ شکست

فکر نو زادۂ او شیوۂ تدبیر آموخت
جوش زد خوں بہ رگِ بندۂ تقدیر پرست

ساقیا تنگ دل از شورشِ مستاں نشوی
خود تو انصاف بدہ این ہمہ ہنگامہ کہ بست

بوئے گل خود بہ چمن راہ نما شد ز نخست
ورنہ بلبل چہ خبر داشت کہ گلزارے ہست

*

شعر ① اہل مشرق نے یورپ کی صراحی کی شراب چکھ لی ہے + اس لئے اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے اگر اس نے پرانی توبہ کو توڑ دیا ہے (مشرقی کا اصل اشارہ متحدہ ہندوستان کے لوگوں کی طرف ہے جو 1947 تک انگریزوں کے غلام تھے۔ انگریز نے یہاں کے مسلمانوں پر ہندوؤں کو ہمیشہ کے لئے مسلط کرنے کے لئے بہت سی رعایات اور حقوق دیئے اور مسلمانوں کو ہر میدان میں دبایا اور پیچھے رکھا۔ اب اگر حقوق یافتہ لوگوں میں (ہندوؤں میں) آزادی کا احساس پیدا ہو گیا ہے تو یہ اے انگلستان کے حاکم تمہاری ہی سیاست کا نتیجہ ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز کے بعد برصغیر میں آزادی کیلئے جو کوششیں ہوئیں اور جس کے لئے ہندوؤں نے اپنی مقصد برآری کے لئے مسلمانوں کو بھی ساتھ ملا لیا یہ بات اور اگلی باتیں اسی پس منظر میں ہیں)۔

شعر ② اس کے بعد انگریزوں کے دیئے ہوئے نئے نئے افکار نے اسے یعنی برصغیر کے باشندے کو تجھ

کا طریقہ سکھا دیا + (اور) اس تقدیر پرست بندہ کی رگ میں خون جوش مارنے لگا (اپنی غلامی کی تقدیر پر کل تک شاکر رہنے والا آج آزاد ہونے کی تدبیر کرنے لگا)۔

شعر ③ اے ساقی تو اب مستوں کی شورش سے تنگ دل نہ ہو + تو خود ہی انصاف کر کہ اس سارے ہنگامے کا سبب کون ہے (اے انگریز حکمران تو نے خود ہی یہاں کے لوگوں خصوصاً ہندوؤں کو تعلیم دے کر اور ان میں اپنے حقوق کا شعور پیدا کر کے ان میں آزادی حاصل کرنے اور اس کے لئے ہنگامہ کرنے کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہندوؤں کی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد ایک انگریز ہی نے رکھی تھی

شعر ④ پھول کی خوشبو پہلے خود ہی چمن کے لئے راہنمائی + ورنہ بلبل کو کیا خبر تھی کہ کہیں کوئی گلزار بھی ہے۔ (انگریزوں نے 1857 کی جنگ آزادی کے خاتمہ پر مسلمانوں کو برصغیر میں دوبارہ طاقت پکڑنے سے محروم رکھنے کے لئے خود ہی ہندوؤں کو ہر میدان میں آگے بڑھایا اور جب وہ ہر میدان میں چھا گئے تو انہوں نے برصغیر پر اپنا تسلط جمانے کے لئے انگریزوں کے خلاف تحریک شروع کر دی)۔

قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور

غوغائے کارخانہ آہنگری ز من	گلبانگ ارغنون کلیسا ازان تو
نخلے کہ شہ خراج برو می نہد ز من	باغ بہشت و سدرہ و طوبیٰ ازاں تو
تلخابہ کہ درد سر آرد ازان من	صہبائے پاک آدم و حوا ازان تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازان من	ظل ہما و شہپر عنقا ازان تو
ایں خاک و آنچہ در شکم او ازان من	وز خاک تا بہ عرش معلا ازان تو

*

شعر ① (سرمایہ دار مزدور کو طرح طرح کے فریب دے کر اس کی محنت سے جو فائدہ اٹھاتا ہے جملہ اشعار میں طنزیہ طور پر اسی کی طرف اشارہ ہے۔ سرمایہ دار اس شعر میں کہتا ہے کہ) اے مزدور لوہا ڈھالنے والے کارخانے کا شور تو میری وجہ سے ہے یعنی میں نے یہ کارخانہ لگایا ہے + گرجا کے باجے کا گیت تیرے لئے ہے۔ مراد ہے میں دولت کے مزے لوٹتا رہوں گا اور تو مذہب کی افیون کھا کر مست رہ۔ (اور آنے والی زندگی یعنی موت کے بعد کی زندگی میں ملنے والی ان راحتوں کے لطف لے جس کا پادریوں نے تجھ سے وعدہ کیا ہے)۔

شعر ② دنیا کے درخت یعنی کھیت اور باغات وغیرہ جن سے بادشاہ محصولات حاصل کرتا ہے وہ تو میری ملکیت ہیں + اور موت کے بعد ملنے والی جنت کا باغ سدرہ کا مقام اعلیٰ اور طوبیٰ کا درخت یہ سب تیرے ہیں۔

شعر ③ دنیا کی وہ تیز شراب جو درد سر پیدا کرتی ہے میرے پینے کے لئے ہے + اور آدم اور حوا کی پینے والی شراب طہور جو جنت میں ہے وہ تیرے لئے ہے۔

شعر ④ مرغابیوں، تیتروں اور کبوتروں کا گوشت میرے لئے ہے + اور ہما کا سایہ اور عنقا کا بازو تیرے

لئے ہے مراد ہے عنقا اور ہما جیسے خیالی پرندوں کا گوشت جو کبھی ہاتھ نہیں آئے گا تیرے لئے ہے۔

شعر ⑤ یہ زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے میرے لئے ہے + اور اس زمین سے لے کر آسمان تک جو کچھ ہے وہ تیرے لئے ہے۔

نوائے مزدور

(مزدور کی آواز)

پہلا بند

ز مزد بندۂ کرپاس پوش و محنت کش　　نصیب خواجۂ ناکردہ کار رخت حریر
ز خوے فشانی من لعل خاتم والی　　ز اشک کودک من گوہر ستام امیر
ز خون من چو زلو فربہی کلیسا را　　بزور بازوئے من دست سلطنت ہمہ گیر
خرابہ رشک گلستاں ز گریہ سحرم　　شباب لالہ و گل از طراوت جگرم

*

شعر ① ٹاٹ کا لباس پہننے والے اور محنت کرنے والے چند مزدور کی محنت کی وجہ سے + کام نہ کرنے والے آقا کے جسم پر ریشم کا لباس ہے۔

شعر ② میرے پسینے کی بدولت حاکموں اور مالکوں کی انگلیوں میں لعل و یاقوت کی انگوٹھیاں ہیں + اور میرے بچوں کے آنسوؤں کی وجہ سے امیروں کے گھوڑوں کے ساز موتیوں سے جڑے ہیں۔

شعر ③ کلیسا کے پادریوں کے جسم جو موٹے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ جونک بن کر انہوں نے میرا خون چوسا ہے + میرے ہی زور بازو سے ہر قسم کی قوت رکھنے والی سلطنت قائم ہے۔

شعر ④ ویرانہ میری صبح کی گریہ زاری کی نمی کی وجہ سے یعنی میری سخت محنت کی وجہ سے گلستاں کا مدمقابل بن گیا ہے + لالہ و گل پر یعنی امیروں اور حاکموں کے چہروں پر جو سرخی اور رونق نظر آتی ہے وہ میرے ہی جگر کے خون کی تازگی یعنی میری ہی جفاکشی کی بنا پر ہے۔

دوسرا بند

بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگ ساز　　مے کہ شیشہ گدازد بہ ساغر اندازیم
مغان و دیر مغاں را نظام تازہ دہیم　　بنائے میکدہ ہائے کہن براندازیم
ز رہزنان چمن انتقام لالہ کشیم　　بہ بزم غنچہ و گل طرح دیگر اندازیم

تکلف شمع چو پروانہ زیستن تا کے ز خویش ایں ہمہ بیگانہ زیستن تا کے

*

شعر ① اے مزدورو اٹھو اور سنو کہ ساز کے تار سے نیا نغمہ نکل رہا ہے یعنی اب مزدوروں کے جاگنے اور سرمایہ داروں سے حق چھیننے کی آوازیں آنی شروع ہو گئی ہیں + آؤ ہم بھی اس شراب کو اپنے پیالے میں ڈالیں جس سے شیشہ پگھل جائے مراد ہے ہم اپنے خلاف جملہ حصار بندیوں کو ختم کر دیں اور سرمایہ داروں کے فریب سے نکل آئیں۔

شعر ② شراب کشید کرنے والے اور اس کے مندرجہ بالا مقاصد کیلئے ہم ایک نیا نظام وضع کریں + پرانے شراب خانوں کی بنیادیں ڈھا کر نئے میخانہ کی تعمیر کریں۔ مراد ہے ملوکیت' اور سرمایہ داری کے نظام کو ختم کر کے ایک نیا نظام قائم کریں۔ س میں ہر شخص کو اس کا حق ملے اور جس میں آقا و بندہ کا تصور نہ ہو۔

شعر ③ چمن کو لوٹنے والوں سے لالہ کے پھولوں کو خون سے رنگنے کا انتقام لیں + (اور) غنچہ اور پھول کی محفل میں نئی روش ڈالیں مراد ہے امیروں' وڈیروں' جاگیرداروں وغیرہ سے ان کے کئے ہوئے ظلم کا انتقام لیں اور دنیا کو اس نہج پر استوار کریں کہ اس میں لوٹ کھسوٹ نہ ہو اور امن و سکون ہو۔

شعر ④ شمع کے گرد پروانے کی طرح کب تک طواف کرتے رہو گے یعنی امراء و سلاطین وغیرہ کی کب تک سختیاں اٹھاتے اور ان کی خدمت کرتے رہو گے + کب تک خود سے بیگانہ رہ کر دوسروں کے لئے محنت کرنے والی زندگی اختیار کر رکھو گے (اٹھو خود کو پہچانو اور اپنے مقام و مرتبہ کو حاصل کرو)۔

آزادی بحر

(سمندر کی آزادی)

بطے می گفت بحر آزاد گردید چنیں فرماں ز دیوان خضر رفت
نہنگے گفت رو ہر جا کہ خواہی ولے از ما نباید بیخبر رفت

*

شعر ① ایک بطخ نے کہا کہ سمندر آزاد ہو گیا ہے + خضر کے دفتر سے یہی فرمان جاری ہوا ہے۔ مراد ہے ایک حاکم نے جب اپنی ماتحت رعایا کے لئے آزادی کا اعلان کیا تو اس رعایا کے ایک کمزور فرد نے اس اعلان پر خوشی منائی۔

شعر ② ایک مگرمچھ نے بطخ کی بات سن کر کہا کہ تو سمندر میں جہاں جانا چاہتی ہے جا کیونکہ سمندر کو آزادی مل گئی ہے + لیکن تجھے مجھ سے بے خبر رہ کر نہیں جانا چاہئے مراد ہے کہ آزادی کے باوجود کمزور لوگ بڑے لوگوں کا شکار بنے رہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پاکستان میں دیکھا ہے کہ پچاس سال سے اسے آزاد ہونے کو آئے لیکن انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود ان کے گماشتوں' جاگیرداروں' وڈیروں اور زمینداروں نے لوگوں کو پہلے سے بھی زیادہ ذلیل و خوار اور ہر قسم کے حقوق انسانیت سے محروم کر رکھا

ہے اور خود عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آزادی کا صحیح تصور اسلام دیتا ہے جس میں کوئی بڑا چھوٹے کا حق غصب نہیں کر سکتا کوئی بڑا چھوٹے پر ظلم کر کے انصاف کے پنجے کی گرفت سے نہیں نکل سکتا۔ لیکن خود مسلمانوں کے ملکوں میں یہ صورت نہیں ہم دوسروں کو کس منہ سے یہ بات کہیں)۔

خردہ

پہلا حصہ

(ریزے یعنی بچے ہوئے متفرق اشعار یا ایسے اشعار جن میں کوئی نہ کوئی باریک بات ہے)۔

می خورد ہر ذرہ ما پیچ و تاب محشرے در ہر دم ما مضمر است
با سکندر خضر در ظلمات گفت مرگ مشکل، زندگی مشکل تر است

*

شعر ① ہمارا ہر ذرہ پیچ و تاب کھا رہا ہے + ہمارے ہر سانس کے اندر ایک قیامت چھپی ہوئی ہے مراد ہے انسانی زندگی مخالف حالات کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنے کا نام ہے۔

شعر ② خضر نے بحر ظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آب حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے گیا تھا) سکندر سے کہا (کہ پانی پینے سے پہلے سوچ لے کہ) موت ضرور مشکل ہے یعنی آدمی مرنا نہیں چاہتا لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے (زندہ رہنے کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔ سکون و آرام کہیں نہیں)۔

دوسرا حصہ

دردانہ ادا شناس دریاست از گردش آسیا چہ داند

ترجمہ: موتی دریا کی ادا جاننے والا ہے + اسے چکی کی گردش کا کیا علم یعنی علم نہیں ہے۔

تیسرا حصہ

کلک را نالہ از تہی مغزی است قلم سرمہ را صریرے نیست

ترجمہ: لکھنے والا قلم (کلک) چونکہ اندر سے خالی ہوتا ہے اس لئے وہ لکھتے وقت آواز پیدا کرتا ہے + پنسل (سرمہ والا قلم) چونکہ اندر سے بھرا ہوا ہوتا ہے اس لئے وہ آواز پیدا نہیں کرتی (جن پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے وہ خاموش ہو جاتے ہیں)۔

چوتھا حصہ

منم کہ طوف حرم کردہ ام بتے بہ کنار   منم کہ پیش بتاں نعرہ ہائے ھو زدہ ام
دلم ہنوز تقاضائے جستجو (؟) دارد   قدم بہ جادۂ باریک تر ز مو زدہ ام

*

شعر ① میں وہ ہوں کہ جس نے کعبہ کا طواف ایک بت (یعنی نفس) کو بغل میں لئے ہوئے کیا ہے + میں وہ ہوں کہ جس نے بتوں کے سامنے ھو کے نعرے لگائے ہیں کہ کچھ نہیں ہے صرف اللہ ہے۔ (میں مذہب کی کئی ظاہری راہوں پر سے گزرا ہوں لیکن منزل نہیں ملی)۔

شعر ② (میں مطمئن نہیں ہوا) میرا دل ابھی تک تلاش کا تقاضا کر رہا ہے + اب اس کے کہنے پر میں نے ایک اور راستہ پر قدم رکھا ہے جو بال سے بھی باریک ہے یعنی بہت ہی دشوار گزار ہے اور وہ راستہ ہے باطن کا یا فقر کا۔

پانچواں حصہ

گل گفت کہ عیش نو بہارے خوشتر   یک صبح چمن ز روزگارے خوشتر
زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند   مردن بکنار شاخسارے خوشتر

*

شعر ① گلاب کا پھول کہنے لگا کہ تازہ بہار کی زندگی زیادہ اچھی ہے + چمن کی ایک صبح ایک زمانہ سے بہتر ہے۔

شعر ② اس سے پہلے کہ کوئی تجھے توڑ کر اپنی پگڑی کی زینت بنالے + کسی شاخ کے پہلو میں مرجھا کر ختم ہو جانا بہتر ہے۔

چھٹا حصہ

سخنگو طفلک و برنا و پیر است   سخن را سالے و ماہے نباشد

ترجمہ: چھوٹا بچہ، جوان، اور بوڑھا ہر کوئی شعر کہنے والا ہو سکتا ہے + شعر کہنے کے لئے سال اور مہینے یعنی عمر کی قید نہیں ہے (یہ ایک عطیہ الٰہی ہے جسے مل جائے)۔

ساتواں حصہ

چشم را بینائی افزاید سہ چیز سبزہ و آب روان و روئے خوش
پیکلبد را فربہی می آورد جامہ قز جان بے غم، بوئے خوش

*

شعر ① تین چیزیں آنکھوں کی بینائی بڑھاتی ہیں + سبزہ، بہتا ہوا پانی اور خوبصورت چہرہ۔
شعر ② جسم کو موٹا کرتا ہے + ریشمی لباس، بے غم جان اور خوش بو۔

آٹھواں حصہ

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں خواب را مرگ سبک داں مرگ را خواب گراں

ترجمہ: اے بھائی میں نے تجھے زندگی کا نشان بتایا + نیند کو ہلکی موت اور موت کو بھاری نیند سمجھ۔

نواں حصہ

طاقت عفو در تو نیست اگر خیز و با دشمناں در آ بہ ستیز
سینہ را کارگاہ کینہ مساز سرکہ در انگبین خویش مریز

*

شعر ① اگر تجھ میں معاف کرنے کی طاقت نہیں ہے + تو اٹھ اور دشمنوں کے ساتھ لڑائی کر۔
شعر ② اپنے سینہ کو کینہ کی آماجگاہ نہ بنا + اپنے شہد میں سرکہ نہ ملا مراد ہے جس طرح شہد میں سرکہ ملنے سے شہد کا مزہ خراب ہو جاتا ہے کینہ بھی تیری سیرت کو خراب کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔

دسواں حصہ

از نزاکت ہائے طبع موشگاف او مپرس کز دم بادے زجاج شاعر ما بشکند
کے تواند گفت شرح کارزار زندگی "می پرد رنگش حبابے چوں بدریا بشکند"

*

شعر ① (ہمارا وہ شاعر جو اپنی شاعری میں بڑی باریکیاں پیدا کرتا ہے) اس کی نزاکت بھری طبیعت کی بات مت پوچھ + ہمارے شاعر کا آبگینہ ہوا کے جھونکے سے ٹوٹ جاتا ہے۔
شعر ② وہ زندگی کی جنگ کی شرح کیسے بیان کر سکتا ہے + جب کہ اس کا رنگ اس آواز سے فق ہو جاتا ہے جو دریا میں بلبلے کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہے! اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ قوم کو مردانگی کا سبق دے

کا عبث ہے)۔

گیارھواں حصہ

در جہاں مانند جوئے کوہسار از نشیب و ہم فراز آگاہ شد

ترجمہ: دنیا میں پہاڑی سلسلے کی ندی کی طرح + نیچی اور اونچی جگہوں سے آگاہ رہ مراد ہے زندگی میں شادی و غم، آرام و مصیبت، آسانی اور مشکل سب کچھ ہے۔ ان سے آگاہ رہ کر اور ان رکاوٹوں کو عبور کرنے کے عزم و حوصلہ کے ساتھ زندگی گزار۔

بارھواں حصہ

اے کہ گل چیدی منال از نیش خار خار ہم ی روید از باد بہار

ترجمہ: اے کہ تو نے گلاب کا پھول چنا ہے کانٹے کی چبھن سے رنج نہ کر یا مت رو + (کیونکہ پھول کی طرح) کانٹا بھی بہار کی ہوا سے اُگتا ہے مراد ہے زندگی میں راحت و مصیبت اور شادی و غم ساتھ ساتھ ہیں۔ دونوں کا خوگر ہونا چاہیے۔

تیرھواں حصہ

مزن وسمہ بر ریش و ابروئے خویش جوانی ز وزیدن سال نیست

ترجمہ: اپنی داڑھی اور ابرو پر وسمہ (خضاب) نہ لگا + جوانی سالوں کے گزر جانے کا نام نہیں ہے (اس کا تعلق جذبہ سے ہے)۔

چودھواں حصہ

ندارد کار با دوں ہمتاں عشق تذرو مردہ را شاہیں نگیرد

ترجمہ: پست ہمت والوں سے عشق کوئی سروکار نہیں رکھتا + مردہ چکور کو شاہین نہیں پکڑتا۔

پندرھواں حصہ

نقد شاعر درخور بازار نیست ناں بسیم نسترن نتواں خرید

ترجمہ: شاعر کی نقدی بازار کے لائق نہیں + نسترن (چنبیلی کے سفید پھول) کی چاندی سے روٹی نہیں

خریدی جا سکتی مراد ہے زندگی کے باریک اور اعلیٰ مسائل محض شاعرانہ افکار سے حل نہیں ہوتے اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔

سولھواں حصہ

چہ خوش بودے اگر مرد نکوپے ز بند پاستاں آزاد رفتے
اگر تقلید بودے شیوۂ خوب پیمبرؐ ہم رہ اجداد رفتے

*

شعر ① کتنا اچھا ہوتا اگر نیک راہ چلنے والا یا نیکی کی چال والا مرد + (اپنے) اسلاف یعنی گزرے ہوئے بزرگوں کے راستہ سے آزاد ہو کر چلتا۔

شعر ② اگر دوسروں کی تقلید (پیروی کرنا) اچھا طریقہ ہوتا + تو پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے باپ دادا کے راستہ پر چلتے (اور ان کے بتوں کو برا نہ کہتے) مراد یہ ہے کہ اپنے اسلاف کی ان روایات کو اپنانا اور ان کے چلے ہوئے ان راستوں پر چلنا تو درست ہے جو انسانیت اور مسلمانی کی منزل تک لے جاتے ہیں لیکن اپنے اسلاف کی ان باتوں پر اندھا دھند اعتقاد کر کے عمل کرنا جن سے مسلمانی اور انسانی قدروں کو ٹھیس پہنچتی ہو درست نہیں ہے۔ اگر اپنے بزرگوں کی تقلید کو مطلقاً حرام قرار دے دیا جائے تو کون ایسا مسلمان ہو گا جو مسلمان رہ سکے گا۔ اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اولیا و علمائے امت کے جو طور طریقے تھے اگر وہ ان کی تقلید نہیں کرے گا تو مسلمان کیسے رہ سکے گا اس لئے یہاں تقلید نہ کرنے کی نصیحت اس تقلید نہ کرنے سے ہے جو ہمارے گزرے ہوئے ان بزرگوں کا غلط عمل تھا جو مستند مسلمان نہ تھے اور جن کی زندگی ہمارے لئے قابل تقلید نہیں ہے اس پس منظر میں جب اقبال یہ کہتے ہیں کہ اگر تقلید کچھ اچھی بات ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے تو اس سے ان کی مراد ان مشرکین عرب کی پیروی نہ کرنے سے ہے جو موحد نہیں تھے اور ایک خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے تھے ورنہ انہوں نے خود اور قرآن کریم نے ان کے بڑے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کے علم و عمل کو تسلیم کرنے اور اسے اپنانے کی تعلیم دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ماں باپ حضرت عبداللہ اور بی بی آمنہ اور ان کے دادا حضرت عبدالمطلب موحد تھے دین ابراہیمی پر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک میری جد میں کوئی نجس اور مشرک نہیں ہوا۔ لہٰذا یہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اجداد سے مراد عرب کے خصوصاً قریش کے وہ لوگ ہیں جو موحد نہیں تھے۔ یاد رہے یہاں تقلید کا لفظ فقہ کی تقلید کی اصطلاح کے طور پر بھی استعمال نہیں ہوا عام معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہاں تقلید سے یہ مراد بھی نہیں ہے کہ ہم فقہ کی تقلید نہ کریں اس کی تقلید کی تو وہ خود تلقین کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان کی مراد اپنے سارے اسلاف کی روایات کی تقلید کی نفی کرنے سے ہے تو ان کا وہ سارا کلام بیکار ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے اسلاف کے علم و عمل کو اپنانے پر زور دیا ہے۔ اس لئے یہاں تقلید سے مراد ایسی تقلید ہے جو صحیح الخیال، درست العقائد اور صحیح السلام لوگوں

کی تقلید نہ ہو۔

ختم شد

الحمدللہ



یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوبِ فطرت ہے

نسیم نیاز

فی ترجمہ و مطالب

ارمغان حجاز

(حصہ فارسی)

علامہ محمد اقبال

مترجم و شارح

ڈاکٹر الف۔د۔ نسیم

عثمان پبلی کیشنز
جلال الدین ہسپتال بلڈنگ،
چوک اُردو بازار، لاہور
042-7640094, 0333-4275783
upublications@hotmail.com
sh_publication@yahoo.com

محمد عثمان

نے

نیر اسد پرنٹرز

سے چھپوا کر

عثمان پبلی کیشنز

سے شائع کی

7640094, 0333-4275783

قیمت:- -/R,S 150

فہرست

حضور حق

خوش آں راہی کہ سامانے نگیرد   دل او پند یاراں کم پذیرد
بہ آہِ سوزناکش سینہ بکشائے   ز یک آہش غمِ صد سالہ میرد

① خوش نصیب یا کامیاب ہے وہ مسافر جو کوئی سامان نہیں رکھتا + اس کا دل دوستوں کی نصیحت کم قبول کرتا ہے۔ (یا بالکل قبول نہیں کرتا)

② اس کی جلا دینے والی آہ سے سینہ کو کھلا کر + اس کی ایک آہ سے سو سال کا غم مرجاتا ہے۔ (یہاں مسافر سے مراد مردِ فقیر ہے جو بے سروسامان ہوتے ہوئے بھی خدا کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو کر راہ زندگی طے کرتا ہے)۔

حضور حق

①

دل ما بیدلاں بردند و رفتند   مثال شعلہ افسروند و رفتند
بیا یک لحظہ با عاماں در آمیز   کہ خاصاں بادہ ہا خوردند و رفتند

① میرے دل کو بیدل یعنی عاشق لے گئے اور چلے گئے + وہ چنگاری کی مانند بجھ گئے اور چلے گئے۔

② آ ایک لمحہ کے لئے اپنے عام بندوں کے ساتھ گھل مل + کہ تیرے خاص بندوں نے تو شرابیں پی اور چلے گئے۔ (مراد ہے اے خدا وہ مسلمان جو صرف تیرے طلب گار تھے اور صرف تیرے لئے جیتے اور مرتے تھے' اب دنیا میں کہاں ہیں۔ اب ان خاص بندوں کی بجائے ہم جیسے تیرے عام بندے رہ گئے ہیں جو نام کے مسلمان ہیں۔ بہرحال ہیں تو وہ تیرے بندے۔ ان سے منہ نہ موڑ)۔

*

سخن ہا رفت از بود و نبودم   من از خجلت لب خود کم کشودم
سجودِ زندہ مرداں می شناسی   عیارِ کارِ من گیر از سجودم

① میرے موجود ہونے یا نہ ہونے پر بہت باتیں چلیں + میں نے شرمندگی کی وجہ سے لب نہیں کھولے۔ (میرے موجود ہونے سے مراد یہ ہے کہ میں یعنی آج کا مسلمان بطور مسلمان بھی موجود ہے یا نہیں ہے چونکہ میں صحیح مسلمان نہیں ہوں اسلئے شرمساری کی وجہ سے خاموش رہا)۔

② تو زندہ مردوں (اہل اللہ) کے سجدوں کو پہچانتا ہے + میرے عمل کے معیار کو میرے سجدوں سے کھ (اندازہ کر)۔

*

دلِ من در کشادِ چون و چند است   نگاہش از مہ و پرویں بلند است

بدہ ویرانہ در دوزخ او را کہ ایں کافر بے خلوت پسند است

① میرا دل "کیسے ہے اور کتنا ہے" کے حل میں یعنی زندگی اور کائنات کے مسائل کے حل میں لگا ہوا ہے + اس کی نگاہ چاند اور پروین سے بھی بلند ہے۔

② اسے دوزخ میں کوئی ویرانہ دے + کیونکہ یہ کافر (یعنی جو دوسرے دنیاداروں کی طرح دنیا پرست ہونے سے انکار کر رہا ہے) تنہائی کو بہت پسند کرنے والا ہے مراد ہے سوائے تیری ذات کے ہر ایک سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارنے والا ہے۔

✱

چہ شور است ایں کہ در آب و گل افتاد ز یک دل عشق را صد مشکل افتاد

قرارِ یک نفس بر من حرام است بعن رحمے کہ کارم با دل افتاد

① یہ کیا شور ہے جو پانی اور مٹی میں یعنی جسم آدمی میں برپا ہے + ایک دل سے عشق کو سو مشکلیں در پیش ہیں۔ مراد ہے آدمی کی زندگی میں ولولہ اور حرارت عشق کی وجہ سے ہے۔

② مجھ پر ایک سانس کا یا ایک لمحہ کا قرار حرام ہے + مجھ پر رحم کر کہ میرا کام دل سے آپڑا ہے۔

✱

جہاں از خود بروں آوردۂ کیست جمالش جلوۂ بے پردۂ کیست

مرا گوئی کہ از شیطاں حذر کن بگو با من کہ او پروردۂ کیست

① جہان کو اپنے آپ سے یعنی اپنے وجود سے خارج میں کس نے موجود کیا ہے + اس کا جمال کس بے پردہ جلوہ ہے۔ مراد ہے کائنات اور اس کی ہر شے تیری ذات کی تجلیات کی وجہ ہی سے موجود ہے۔

② تو مجھ سے کہہ رہا ہے کہ شیطان سے بچ + مجھ سے کہہ کہ وہ کس کا پالا ہوا ہے۔

②

دلِ بے قید من در پیچ و تا بیست نصیبِ من عتابے یا خطا بیست؟

دلِ ابلیس ہم نتوانم آزرد گناہ گاہ گاہ من صوا بیست

① میرا آزاد دل پیچ و تاب میں (بے چینی کی حالت میں) ہے۔ (اسے معلوم نہیں) کہ اس کی قسمت میں عتاب (سزا/دوزخ) یا خطاب (جزا/جنت) ہے۔ خطاب سے مراد رو برو جواب طلبی کے بھی ہیں۔

② میں تو شیطان کا دل بھی نہیں دکھا سکتا۔ میرا کبھی کبھار کا گناہ بھی درست ہے۔ مراد ہے میں چونکہ تیرے بندوں کو دکھ نہ پہنچاتا بلکہ خوش کرنا میرا شیوۂ زندگی ہے۔ اس لئے میں شیطان کو خوش کرنے کے لئے جو تیری ہی مخلوق ہے۔ کبھی کبھار خطا بھی کر لیتا ہوں۔

✱

صبنت الکاس عنا ام عمرو وکان الکاس مجراہا الیمینا

اگر ایں است رسم دوستداری بدیوارِ حرم زن جام و

① یہ عربی زبان کا شعر عرب کے زمانہ جاہلیت کے شاعر عمرو ابن کلثوم کا ہے۔ وہ اپنی معشوقہ ام عمرو کی

شکایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تو نے ہمیں پیالہ شراب سے محروم کر دیا حالانکہ باری دائیں طرف بیٹھنے والوں کی تھی۔

② اگر دوست داری کی رسم یہی ہے تو پیالے اور صراحی کو کعبہ کی دیوار سے دے مار (اس میں عہد حاضر کے مسلمانوں کی، جو اللہ کے آخری دین کے ماننے والے ہیں انتہائی خراب حالت اور غیر مسلموں کی خوشحالی اور عروج کے پس منظر میں خدا سے کہا گیا ہے کہ اپنے ماننے والوں کو حالت خراب میں رکھنا اور نہ ماننے والوں کو نوازنا کہاں تک مناسب بات ہے)۔

✱

بخود پیچیدگاں در دل اسیر اند همه درد اند و درماں ناپذیرند

سجود از ما چه می خواهی که شاهان خراجے از ده ویراں نگیرند

① اپنے آپ میں بل کھائے ہوئے (اپنی معرفت اور خودی کے جہان میں گم) لوگ دل کی قید میں ہیں۔ وہ سراپا درد ہیں اور اس کا علاج نہیں چاہتے یعنی وہ ایسا دل رکھتے ہیں جو عشق کی کیفیات سے لبریز اور اس کی بنا پر ایسے درد سے آشنا ہے۔ جس میں لذت ہی لذت ہے۔

② تو ہم سے سجدے کس لئے چاہتا ہے کہ بادشاہ ویران (برباد) گاؤں سے کوئی خراج نہیں لیتے۔ مراد ہے اے خدا تیرے آگے وہ سجدے جو تیری شان کے شایاں ہیں صرف اہل دل اور اہل نظر ہی کر سکتے ہیں ہم سے جو بے کیف دل اور بے بصیرت چشم رکھتے ہیں سجدے طلب نہ کر۔

✱

روم راہے کہ او را منزلے نیست ازاں تخمے کہ ریزم حاصلے نیست

من از غم با نمی ترسم و لیکن مدہ آں غم کہ شایانِ دلے نیست

① میں اس راہ پر چلا جا رہا ہوں جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ جو بیج کہ میں بوتا ہوں اس سے کچھ حاصل (پیداوار) نہیں ہے۔

② میں غموں سے نہیں ڈرتا لیکن وہ غم نہ دے جو ایک دل کی شان کے مطابق نہ ہوں۔ مراد ہے اپنے عشق کا غم دے دنیاوی غموں میں مبتلا نہ کر۔

✱

مے من از تنک جاماں نگہ دار شرابِ پختہ از خاماں نگہ دار

شرر از نیستانے دور تر بہ بخاصاں بخش و از عاماں نگہ دار!

① میری شراب کو (میری شاعری میں دیئے گئے پیغام کو) تھوڑے پیالے پینے والوں (کم ظرفوں) سے نگاہ میں رکھ (بچا) پختہ شراب کو (پوری طرح پکی ہوئی شراب کو) خام لوگوں سے (غلط اور نا اہل لوگوں سے) نگاہ میں رکھ۔ ان پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو گا۔

② چنگاری کا نرکل کے (یا بانس کے) پودوں کے جنگل سے زیادہ دور رہنا ہی بہتر ہے + (میری شراب کو) خاص لوگوں کو عطا کر اور عام لوگوں سے نگاہ میں رکھ۔ یعنی ان سے بچا۔

✱

ایں کشمکش اندر طلب نیست ترا ایں درد و داغ و تاب و تب نیست

ازاں از لا مکاں بگریختم من کہ آں جا نالہ ہائے نیم شب نیست

① تمہاری طلب (آرزو) میں وہ کشمکش (کھینچا تانی) نہیں ہے (جو میری طلب میں ہے) + تمہارے اندر وہ درد' وہ غم کا داغ اور وہ بے چینی نہیں ہے (جو مجھ میں ہے)۔

② میں لامکاں سے (اس جہاں سے جس میں زمان و مکاں کی حدیں نہیں ہیں) اس لئے بھاگا تھا کہ وہاں آدھی رات کے نالے (گریہ زاری' نوحے' فریادیں) نہیں ہیں۔

❋

ز من ہنگامۂ دہ ایں ہمہ انگیز جہاں را دگرگوں کن زمین و آسماں را
ز خاکِ ما دگر آدم برانگیز بکش ایں بندۂ سود و زیاں را

① مجھ سے (یعنی میری شاعری کے ذریعے) اس جہان میں ایک ہنگامہ پیدا کر + زمین و آسماں کو الٹ پلٹ کر دے (انقلاب سے دوچار کر دے اور اس جہان کو جہاں باطل ہی باطل ہے بدل کر پھر وہ جہاں تعمیر کر جہاں حق ہی حق ہو)۔

② ہماری مٹی سے ایک نیا آدم اٹھا + (اس دور کے آدمی کو) جو فائدے اور نقصان کا غلام ہے (یعنی جو دل کو بھول کر پیٹ کا غلام بن چکا ہے) مار دے (ختم) کر دے۔

❋

جہانے تیرہ تر با آفتابے صوابِ او سراپا نا صوابے
ندانم تا کجا ویرانہ را دہی از خون آدم رنگ و آبے

① (اس دور کا) جہان سورج کے ہونے (انتہائی ترقی' عروج اور تہذیب) کے باوجود بہت تاریک ہے + اس میں جس چیز کو درست اور سچا سمجھا جاتا ہے وہ اصل میں غلط اور جھوٹ ہوتی ہے۔

② میں نہیں جانتا کہ تو کب تک ایک ویرانے کو (اس دور کے آدمیت اور انسانیت کے نہ ہونے کی وجہ سے برباد جہان کو) آدمی کے خون سے رنگ و آب (ظاہری چمک دمک) دیتا رہے گا۔

❋

غلامم جز رضائے تو نجویم جز آں راہے کہ فرمودی نہ پویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی خرے را اسپ تازی گو' نہ گویم!

① میں (تیرا) غلام ہوں اور تیری رضا (مرضی) کے سوا کچھ تلاش نہیں کرتا + میں اس راہ کے سوا کہ جس کا تو نے حکم دیا ہے (کسی اور راہ پر) نہیں چلتا۔

② اور لیکن اگر تو اس بے عقل کو یہ کہے + کہ گدھے کو عربی گھوڑا کہہ تو میں نہیں کہوں گا مراد ہے میں اس دور کے دوسرے لوگوں کی طرح ناحق کو حق' ناخوب کو خوب اور شر کو خیر نہیں کہہ سکتا۔

③

دلے در سینہ دارم بے سرورے نہ سوزے در کفِ خاکم نہ نورے
بگیر از من کہ بر من بارِ دوش است ثوابِ ایں نمازِ بے حضورے!

① میں اپنے سینے میں بے سرور (بے کیف) دل رکھتا ہوں + میری مٹی کی مٹھی میں (میرے جسم میں) نہ سوز (حرارت عشق) ہے' نہ نور ہے۔

② مجھ سے واپس لے لے کہ میرے کندھوں کا بوجھ بنا ہوا ہے + اس بے حضور نماز کا ثواب' (جس میں کھڑا تو میں تیرے حضور میں ہوتا ہوں لیکن دل گائے گدھے کے سودے کر رہا ہوتا ہے)۔

*

چہ گویم قصۂ دین و وطن را   کہ نتواں فاش گفتن ایں سخن را
مرنج از من کہ از بے مہری تو   بنا کردم ہماں دیر کہن را

① میں دین اور وطن کا قصہ کیا بیان کروں + کہ اس بات کو کھل کر بیان نہیں کیا جا سکتا (موجودہ دور کے مسلمانوں نے وطن کے اس تصور کو دل میں جگہ دے رکھی ہے جو دین اسلام کی منشا کے خلاف ہے۔)

② مجھ سے خفا نہ ہو کہ تیری نامہربانی کی وجہ سے + میں نے پھر پرانے مندر (بت کدہ) کی بنیاد رکھ دی ہے۔ مراد ہے تو نے مسلمانوں کو کرم اور مہربانی کی نظر سے نوازنے کی بجائے غیر مسلموں کو نوازنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کے بے دینی اور مادیت کے طور طریقے اپنا لئے۔

*

مسلمانے کہ در بند فرنگ است   دلش در دست او آساں نیاید
ز سیمائے کہ سودم بر در غیر   سجودے بوذرؓ و سلمانؓ نیاید

① (آج کا) وہ مسلمان جو یورپ والوں کا غلام ہے + اس کا دل آسانی سے اس کے ہاتھ میں نہیں آ سکتا (اسے اپنے دل پر قابو نہیں ہے اس کے دل میں وہ کچھ بس گیا ہے جو یورپ والے کہتے ہیں)۔

② اس ماتھے سے جو میں (اللہ کو چھوڑ کر) غیر اللہ کے دروازے پر گھستا ہوں حضرت بوذر رضی اللہ عنہ غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے) سجدے ادا نہیں کئے جا سکتے۔

*

نخواہم ایں جہان و آں جہاں را   مرا ایں بس کہ دانم رمز جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش   بوجد آرم زمین و آسماں را

① میں نہ یہ جہان (دنیا) اور نہ وہ جہان (آخرت) چاہتا ہوں + میرے لئے تو یہی کافی ہے کہ میں جان کی رمز کو پا جاؤں۔

② مجھے وہ سجدے عطا کر کہ جن کے سوز اور سرور سے میں زمین و آسمان کو وجد (مستی) میں لے آؤں۔

*

چہ می خواہی ازیں مرد تن آسائے   بہر بادے کہ آمد رفتم از جائے
سحر جاوید را در سجدہ دیدم   بہ صبحش چہرہ شامم بہارائے

① اس آرام طلب مرد سے تو کیا چاہتا ہے + کہ جس کے پاؤں اپنی جگہ سے ہر ہوا کے جھونکے کے ساتھ اکھڑ جاتے ہیں (حوادث روزگار جسے مقصد حیات سے ہٹا دیتے ہیں)۔

② میں نے صبح کے وقت (اپنے بیٹے) جاوید کو سجدے میں پڑے ہوئے دیکھا + اس کی صبح سے میری

شام کے چہرہ کو زینت دے (میں تو آخری عمر کو پہنچ گیا ہوں وہ ابھی آغاز زندگی میں ہے خدا کرے وہ میرے سرمایہ فکر و عمل کا وارث بن جائے)۔

4

بہ آں قوم از تو می خواہم کشادے — فقیہش بے یقینے و کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من — مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

① میں تجھ سے اس قوم کی کشادگی (سربلندی/کامیابی) چاہتا ہوں جس کے فقیہہ (مسائل دین بیان کرنے والے) بے یقین اور کم نظر ہیں (مراد مسلمان قوم سے ہے)۔

② میں نے بہت سی نہ دیکھنے والی باتیں/چیزیں دیکھی ہیں۔ اے کاش کہ مجھے ماں نہ جنتی (آخری مصرع شیخ سعدی شیرازیؒ کا ہے) مراد ہے امت مسلمہ ہر قسم کے مصائب اور ہر نوع کے زوال سے جس برے انداز میں دوچار ہے اے کاش میں اس کی اس حالت خراب کو دیکھنے کے لئے دنیا میں نہ ہوتا۔

*

نگاہِ تو عتاب آلود تا چند — بتانِ حاضر و موجود تا چند
دریں بتخانہ اولاد براہیم — نمک پروردہ نمرود تا چند

① تیری نگاہ کب تک عتاب آلود (غصے اور غضب والی) رہے گی + (میری نگاہ کے سامنے) حاضر اور موجود بت کب تک رہیں گے (تو مسلمانوں پر کب تک غضب ناک رہے گا وہ کب تک عہد حاضر کے نظریاتی بتوں کے آگے جھکتے رہیں گے)

② اس بت خانہ میں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کب تک نمرود کی نمک خوار (غلام) رہے گی۔ مراد ہے عہد حاضر کی اس دنیا میں جہاں ہر طرف لادینیت اور مادیت کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ مسلمان قوم حضرت ابراہیمؑ کی وارث ہونے کے اعتبار سے ان کو توڑنے کی بجائے کب تک ان کی پوجا کرتی رہے گی اور کب تک وہ اپنے وقت کے نمرودوں سے نبرد آزما ہونے کی بجائے ان کی پرستار اور غلام بنی رہے گی)

*

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟ — نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگار ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

① جو سرود کہ چلا گیا پھر آتا ہے یا نہیں آتا + عرب کے خطہ حجاز سے پھر نسیم آتی ہے یا نہیں آتی؟ مراد ہے اسلام کا جو پیغام سرمدی میں نے اہل دنیا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً دیا ہے میرے بعد اس کو دینے والا آتا ہے یا نہیں آتا۔ (سرود رفتہ سے مراد اقبال کا پیغام ہے جو ان کی شاعری میں موجود ہے)

② اس فقیر کی زندگی کا اختتام آگیا ہے۔ کوئی دوسرا (میری طرح کا) راز کو جاننے والا آتا ہے یا نہیں آتا؟ (اے خدا تو ہی بہتر جانتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ میرے بعد واقف راز شاید ہی آئے)۔

*

اگر می آید آں دانائے رازے — بدہ او را نوائے دل گدازے
ضمیر امتاں را می کند پاک — کلیمے یا حکیمے نے نوازے

① اگر وہ دانائے راز (راز کا جاننے والا) آجائے + تو اسے دل کو پگھلا دینے والی نوا عطا کرنا۔

② امتوں کے ضمیر کو پاک کرتا ہے + کوئی کلیم (حضرت موسیٰؑ کی مانند خدا سے کلام کرنے والا) یا کوئی بانسری بجانے والا صاحب حکمت (عقل مند/دانا) (مولانا روم کی طرف اشارہ ہے)۔

٭

متاعِ من دل دردآشنائے است نصیب من فغانِ نارسائے است
بخاکِ مرقد من لالہ خوشتر کہ ہم خاموش و ہم خونیں نوائے است

① میری دولت میرا درد سے واقف دل ہے + میری قسمت میں ایسی فریاد ہے جو کہیں نہیں پہنچتی یعنی میں مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر مسلسل فریاد کر رہا ہوں۔

② میری قبر کی مٹی سے لالے کا پھول زیادہ اچھا ہے + کہ خاموش بھی ہے اور خون بھری نوا بھی پیدا کر رہا ہے (میں تو مرنے کے بعد خاموش ہو جاؤں گا لیکن میرا عشق خاموشی کے باوجود میرا پیغام دینے کے لئے باقی رہے گا)۔

5

دل از دستِ کسے بردن نداند غم اندر سینہ پروردن نداند
دم خود را دمیدی اندر آں خاک کہ غیر از خوردن و مردن نداند

① کسی کے ہاتھ سے دل کو چھین لینا نہیں جانتا + غم کو سینے میں پرورش کرنا نہیں جانتا (آج کے مسلمان کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نہ تو فکر و عمل کی وہ کشمکش رہی ہے کہ دوسرے اس کی طرف کھنچے چلے آئیں اور نہ اس کے سینے میں وہ غم عشق رہا ہے جس کی بدولت وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنا محبوب بنا لے۔ مراد ہے وہ محبوبیت کے جمال اور عشق کے جلال سے بے بہرہ ہو چکا ہے)۔

② تو نے اپنی سانس کو اس مٹی (مٹی کے جسم) میں پھونکا جو کھانے اور مرجانے کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ مراد ہے میں نے اپنی پوری زندگی یا اپنی ساری شاعری ایسے مسلمانوں کو بیدار کرنے میں صرف کر دی جو روح کے تقاضوں کو بھلا کر شکم پروری اور جسم آسودگی میں لگے ہوئے ہیں ۔

٭

دلِ ما از کنارِ ما رمیدہ بصورت ماندہ و معنی ندیدہ
ز ما آں راندہ درگاہ خوشتر حق او را دیدہ و ما را شنیدہ

① میرا دل میرے پہلو سے نکل گیا ہے + ظاہری شکل کے لحاظ سے تو وہ باقی ہے لیکن اس نے اس کے معنی (اس کی معنوی/باطنی صورت) نہیں دیکھی۔ مراد ہے میرا دل بس گوشت کا لوتھڑا ہی رہا اور اپنی حقیقت سے ناآشنا رہا۔

② ہم سے تو وہ درگاہ کا راندہ ہوا (شیطان) زیادہ اچھا ہے + (کیونکہ) خدا اس کا تو دیکھا ہوا ہے اور ہمارا سنا ہوا ہے (اگر ہم دل کی حقیقت کو پا کر اسے بیدار کر دیتے اور اسے بینائی بخش دیتے تو ہم بھی دیدار خداوندی کی نعمت سے سرفراز ہو جاتے اور ہم وہ زندگی بسر کرتے جو انوار الٰہی سے منور ہوتی)۔

٭

نداند جبرئیل ایں ہائے و ہو را کہ نشناسد مقام جستجو را
بپرس از بندۂ بیچارۂ خویش کہ داند نیش و نوشِ آرزو را

① جبرئیلؑ اس نالہ و فریاد اور ھو حق کے شور کو نہیں جانتا + کیونکہ وہ (خدا کی) تلاش کے مقام کو نہیں پہچانتا (وہ تو پہلے ہی خدا کی بارگاہ میں موجود ہے۔ جدائی کی لذت اور تلاش کی خلش سے تو وہ آدمی آشنا ہے جو خدا سے دور ہے)۔

② اپنے بے چارہ بندہ سے (لذت تلاش کی بات) پوچھ کیونکہ وہ آرزو کر کے اس کے مقصود کی تلاش میں پیش آنے والی لذت کو بھی جانتا ہے اور دکھ کو بھی۔

✱

شبِ ایں انجمن آراستم من چو مہ از گردشِ خود کاستم من
حکایت از تغافل ہائے تو رفت ولیکن از میاں برخاستم من

① اس انجمن (یعنی دنیا) کی رات کو میں نے سجایا ہے + (اور اس کو رونق بخشنے کی کوشش میں) میں چاند کی طرح اپنی گردش سے کم ہو گیا (میری عمر صرف ہو گئی)۔

② (ایک محفل میں) تیری اپنے بندوں سے بے نیازی اور عدم توجہی کی باتیں چلیں لیکن میں ان کے درمیان سے اٹھ آیا۔ مراد ہے اگر ہم نے جان پر کھیل کر تیری دنیا کو تیرے نام اور پیغام سے روشن کیا ہے یا تیری ظاہری دنیا کو ہر قسم کی کوشش سے زیب و زینت عطا کی ہے تو اس پر ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم تیرا اس بات پر گلہ کریں کہ تو نے اس کا ہمیں صلہ نہیں دیا میں ایسے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ کیونکہ صلہ کی خاطر تیرے نام کی سربلندی کا کام کرنا اسے ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

✱

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد کہ جبریلِ امیں را دل خراشد
چہ خوش دیرے بنا کردند آنجا پرستد مومن و کافر تراشد

① آسماں نے ایسا دور کم دیکھا ہو گا + کہ جس سے جبرئیل امین کا دل دکھ رہا ہے (عہد حاضر کی طرف اشارہ ہے جس میں ہر طرف شیطان ناچ رہا ہے)۔

② (اس دور کے لوگوں نے) کیا خوب مندر بنایا ہے کہ جس میں کافر بت تراشتا ہے اور مومن (ان بتوں) کی پوجا کرتا ہے مراد ہے مومن ہو کر مومن غیر مسلموں کے نظریات و عقائد اپنائے ہوئے ہے۔

⑥

عطا کن شورِ رومی سوزِ خسرو عطا کن صدق و اخلاص سنائی
چناں با بندگی درساختم من نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

① مجھے رومی کا شور اور امیر خسرو کا سوز عطا کر + مجھے حکیم سنائی کا صدق اور اخلاص عطا کر۔

② میں نے تیری بندگی سے اس طرح دل لگایا ہوا ہے اس طرح موافقت پیدا کی ہوئی ہے کہ اگر تو مجھے (اس بندگی کی بجائے) خدائی عطا کرے تو میں نہیں لوں گا۔

7

مسلماں فاقہ مست و ژندہ پوش است ز کارش جبرئیل اندر خروش است

بیا نقشِ دگر ملت بریزیم کہ ایں ملت جہاں را بار دوش است

① (آج کا) مسلمان فاقہ مست (بھوکا/غریب) اور گدڑی پوش (پھٹے پرانے کپڑے پہننے والا) ہے اس کے اعمال اور حالات کو دیکھ کر جبرئیل (کے دل میں) میں شور برپا ہے۔

② آؤ کہ ہم ایک نئی ملت (مسلمان قوم) کا نقش بنائیں (کیونکہ) یہ ملت (اس زمانے کی مسلمان قوم) جہان کے کندھوں کا بوجھ ہے۔

*

دگر ملت کہ کارِ پیش گیرد دگر ملت کہ نوش از نیش گیرد
نگردد با یکے عالم رضامند دو عالم را بہ دوش خویش گیرد

① دوسری ملت (مسلمان قوم) کہ جس کے سامنے کوئی کام یا کوئی مقصد ہو (اور وہ اس کے حصول کے لئے) تکلیفیں اٹھانے میں لذت محسوس کرے۔

② (وہ ملت) جو ایک جہان (یعنی دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک جہان) کے ہونے سے راضی نہ ہو بلکہ دونوں جہانوں کو اپنے کندھوں پر لے (دونوں جہانوں کا بوجھ اٹھائے۔ دونوں جہانوں میں کامیابی سے ہمکنار ہونے والی زندگی گزارے)۔

*

دگر قومے کہ ذکر لا الٰہش برآرد از دلِ شب صبح گاہش
شناسد منزلش مہ را آفتابے کہ ریگِ کہکشاں روبد ز راہش!

① دوسری مسلمان قوم کہ جو اپنے لا الٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود/رب نہیں ہے) کے ذکر سے رات کے دل سے اس کی صبح طلوع کر سکے (جہان کی تاریکی کو نور میں بدل سکے)۔

② وہ قوم جس کی منزل کو سورج پہچانتا ہے اور جس کے راستے کی کہکشاں ریت بن کر اڑتی ہے۔
یا یہ مراد ہے کہ وہ قوم جس کی منزل کو وہ سورج پہچانتا ہے جو اس کی راہ سے کہکشاں کی ریت صاف کرتا ہے ۔ مراد ہے سورج پہچانتا ہے اس کی مرضی کے مطابق گردش کرتے ہیں - سارے عناصر کائنات اور قوائے فطرت کی رضا چاہتے ہیں -

⑧

جہان تست در دستِ خسے چند کسان او بہ بند ناکسے چند
ہنر در درمیانِ کارگاہاں کشد خود را بہ پیش کرکسے چند

① تیرا جہان چند کمینوں اور رذیلوں کے ہاتھ میں ہے + اس کے اہل لوگ چند نااہلوں کی قید (قبضے) میں ہیں یعنی موجود دور میں حکمران، صاحب اقتدار اور صاحب دولت و زمین وہ لوگ ہیں جن کو جہاں بانی اور بندہ پروری کے پاک اصولوں کا کچھ علم نہیں۔

② (اس جہان کے) کاریگر لوگ (مزدور کی حیثیت سے) کارخانوں میں محنت کرتے ہوئے چند گدھوں، نااہلوں اور رذیلوں کے لئے اپنے آپ کو مار رہے ہیں (کھیت اور کارخانے میں خون پسینہ ایک کرکے اور جان ہلاک کرکے پیداوار کے ڈھیر لگانے والا تو فاقوں مرتا ہے اور زمیندار اور سرمایہ دار اس کی کمائی پر

جدا نہیں کرتا ہے)۔

*

مریدے فاقہ مستے گفت با شیخ که یزداں را ز حالِ ما خبر نیست
بہ ما نزدیک تر از شہ رگ ماست و لیکن از شکم نزدیک تر نیست!

① ایک بھوکا مرید اپنے پیر کو کہنے لگا کہ خدا کو ہمارے حال کی خبر نہیں ہے (اس جعلساز پیر سے جو مریدوں کو لوٹ کر عیش کرتا ہے اور مریدوں کو فاقہ کش بناتا ہے)۔

② (تم کہتے ہو) کہ خدا بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن کیا وہ اس کے پیٹ کے زیادہ نزدیک نہیں ہے تم اور تمہاری طرح عوام کو لوٹنے والے وڈیرے، جاگیردار اور سرمایہ دار تو زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور ہمیں فاقہ کش بنا رکھا ہے۔

⑨

دگرگوں کشورِ ہندوستان است دگرگوں آں زمین و آسمان است
مجو از ما نمازِ پنجگانہ غلاماں را صف آرائی گراں است

① ہندوستان کی ولایت (ملک / خطہ) تبدیل ہو چکا ہے (برباد ہو چکا ہے) اس کی زمین اور اس کا آسمان بدل چکا ہے۔ اب یہاں کلاسیکی دور نہیں ہے بلکہ انگریز حکمران ہے)۔

② ہم سے تو پانچ وقتوں کی نماز نہ مانگ + (کیونکہ) غلاموں کے لئے صف آرا ہونا بڑا بھاری ہے۔ (حاکم محکموں میں ایسی صورت حال پیدا کر دیتا ہے کہ اسے اپنی روٹی کی فکر سے فرصت نہیں ہوتی۔ اس میں سے آزادی کا اور حاکم کے خلاف جہاد کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے)

*

ز محکومی مسلماں خود فروش است گرفتارِ طلسمِ چشم و گوش است
ز محکومی رگاں در تن چناں سست کہ ما را شرع و آئیں بارِ دوش است

① (ہندوستان کا) مسلمان غلامی کی وجہ سے ضمیر فروش (خود کو اور اپنی خودی کو آقاؤں کے پاس بیچنے والا) ہے (اور) آنکھ اور کان کے جادو میں (عیش و عشرت میں) گرفتار ہے۔

② غلامی کی وجہ سے ہمارے جسم کی رگیں اتنی سست ہو چکی ہیں + کہ ہمارے لئے شریعت اور اللہ کا قانون کندھوں کا بوجھ بنا ہوا ہے۔ (ہم اسلامی آئین حیات سے بیزار ہو چکے ہیں)۔

⑩

یکے اندازہ کن سود و زیاں را چو جنت جاودانی کن جہاں را
نمی بینی کہ ما خاکی نہاداں چہ خوش آراستیم ایں خاکداں را

① ایک دفعہ نفع اور نقصان کا اندازہ کر + (اور) اس جہان کو جنت کی طرح ہمیشگی عطا کر (اس جہان کو

تباہ یا ختم کرنے میں جسے تو نے بنایا اور ہم نے سنوارا ہے نقصان ہے فائدہ نہیں ہے)۔
② کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم مٹی کی افتاد یا سرشت والے لوگوں نے (یعنی مٹی کے بنے ہوئے آدمیوں نے) تمہارے اس مٹی کے جہان کو کتنا خوبصورت سجایا ہے (جہان کی ساری رونقیں ہم آدمیوں کی جدوجہد کی وجہ سے ہیں)۔

٭

تو می دانی حیاتِ جاوداں چیست نمی دانی کہ مرگِ ناگہاں چیست
ز اوقاتِ تو یک دم کم نہ گردد اگر من جاوداں باشم زیاں چیست

① تو (صرف) یہ جانتا ہے کہ ہمیشہ کی زندگی کیا ہے + تو یہ نہیں جانتا کہ اچانک موت کیا ہوتی ہے (کیونکہ تو حی و قیوم ہے اور ہم آنی و فانی ہیں)۔
② تیرے لمحوں میں سے ایک لمحہ کم نہیں ہو جائے گا + اگر مجھے ہمیشگی عطا ہو جائے (اگر تو ایسا کر دے تو تیرا کیا نقصان ہے۔

(11)

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ما را حسابِ من ز چشمِ او نہاں گیر

① جب یہ بوڑھا جہان خاتمے کو پہنچے + اور ہر پوشیدہ (چھپی ہوئی) تقدیر ظاہر ہو جائے (یعنی قیامت آ جائے اور ہر بندے کے پوشیدہ اعمال اس کے سامنے آ جائیں)۔
② مجھے خواجہ (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کی جناب میں رسوا نہ کرنا + میرا حساب ان کی نگاہ سے بچا کر لینا (کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں کہ یہ مجھ میں سے نہیں ہے اس وقت میرا کیا حشر ہو گا)۔

٭

بدن واماندہ و جانم در تگ و پوست سوئے شہرے کہ بطحا در رہِ اوست
تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

① میرا جسم تھکا ہوا (کمزور) ہے اور میری جان دوڑ دھوپ میں ہے + اس شہر (مدینہ) کی طرف جانے کے لئے کہ مکہ جس کے راستے میں آتا ہے۔
② تو (مکہ میں) اپنے خاص بندوں کے ساتھ مل جل کر رہ + کیونکہ میں تو محبوب کی منزل (نبی کریم ﷺ کے شہر مدینہ) پر پہنچنے کی آرزو رکھتا ہوں۔

حضور رسالت ؐ

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا
(عزت بخاری)

یہ فارسی کے شاعر عزت بخاری کا شعر ہے۔

ترجمہ: (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا شہر مدینہ یا روضہ مبارک) ایک ایسی ادب گاہ ہے جہاں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے عظیم ولی بھی سانس کو گم کیے ہوئے آتے ہیں (کہ کہیں سانس لینا بھی بے ادبی میں شامل نہ ہو جائے)۔

حضور رسالتؐ

①

الا یا خیمگی خیمہ فروہل کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل
خرد از راندن محمل فرو ماند زمام خویش دادم در کفِ دل

① فارسی کے مشہور شاعر منوچہری کا شعر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خبردار ہو جائے خیمہ میں بیٹھنے والے خیمہ چھوڑ دے کہ قافلے کا راہنما منزل سے آگے نکل چکا ہے۔

② عقل (جان کے) کجاوے یعنی جسم کو ہانکنے (سفر پر آمادہ کرنے) سے عاجز آ چکی ہے (کیونکہ یہ کمزور اور کم ہمت ہے) میں نے اس کی باگ ڈور دل کی ہتھیلی (ہاتھوں میں) میں دے دی ہے۔

✱

نگاہے داشتم بر جوہرِ دل تپیدم آرمیدم در برِ دل
رمیدم از ہوائے قریہ و شہر بباد دشت وا کردم درِ دل

① میں نے دل کے جوہر (بنیادی صفت) پر نگاہ رکھی۔ میں تڑپا اور تڑپ کر دل کے پہلو ہی میں آرام سے رہ گیا (وہ چیز جو دل کو دل بناتی ہے جذبہ عشق ہے۔ میں نے اسے اختیار کیا۔ اور سفر مدینہ کے لئے تیار ہو گیا)۔

② میں شہر اور گاؤں کی ہوا سے نکل گیا + اور میں نے اپنے دل کا دروازہ بیابان کی ہوا کے لئے کھول دیا (شہر مدینہ کے راستے کے صحراؤں کی طرف روانہ ہو گیا)۔

✱

ندانم دل شہید جلوۂ کیست نصیبِ او قرارِ یک نفس نیست
بصحرا بردمش افسردہ تر گشت کنارِ آبجوئے زار بگریست

① میں نہیں جانتا کہ میرا دل کس کے جلوہ کا شہید (مستقل شہادت یا گواہی دینے والا) ہے۔ مراد ہے کس کے جلوہ کے سامنے ہر وقت رہتا ہے کہ اس کی قسمت میں ایک لمحہ کا یا ایک دم کا چین نہیں ہے۔ (وہ مدینے اور مدینے والے رسول کریم ﷺ کے جلوے کی آرزو میں گم ہے)۔

② میں اس کو (دل کو) صحرا میں لے گیا وہ پہلے سے زیادہ افسردہ ہو گیا میں اسے نہر کے کنارے لے گیا) نہر کے کنارے پر وہ بہت زیادہ رویا (کیونکہ اسے جلوہ محبوب سے کم کوئی چیز قرار نہیں دے سکتی)۔

✱

مپرس از کاروان جلوہ مستاں ز اسباب جہاں برکندہ دستاں
بجانِ شاں ز آوازِ جرس شور چو از موج نسیمے در نیستاں

① جو لوگ (محبوب کے) جلوہ میں مست ہیں ان کے قافلے کی بات کیا پوچھتے ہو وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے دنیا کے اسباب سے ہاتھ اٹھایا ہوا ہے۔

② ان کی جان میں قافلے کے کوچ کی گھنٹی کی آواز سے ہیجان پیدا ہو جاتا ہے + (بالکل اسی طرح جس طرح کہ) بانسوں یا نرکل کے پودوں کے جنگل میں نسیم (نرم و لطیف ہوا) کے ایک جھونکے سے شور پیدا ہو جاتا ہے۔

*

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

① میں نے اپنی اس بڑھاپے کی عمر میں یثرب (مدینہ منورہ) کی راہ اختیار کی ہے + عاشقانہ گیت کی نوا پیدا کرتے ہوئے (اس کی مستی میں چلا جا رہا ہوں)۔

② اس پرندے کی طرح جو صحرا میں شام کے وقت اپنے گھونسلے کی فکر میں اڑنے کے لئے پر کھولتا ہے۔

②

گناہِ عشق و مستی عام کردند دلیلِ پختگاں را خام کردند
بآہنگِ حجازی می سرایم نخستیں بادہ کاندر جام کردند

① عشق و مستی کے گناہ کو (مسلک / طریقہ کو) عام کر دیا + (اس طرح) پختہ دلیلیں لانے والوں کی دلیلوں (یعنی فلسفیوں اور حکما کے مسلک کو) باطل کر دیا۔

② میں حجازی سر (لے میں) یہ گا رہا ہوں (کیا گا رہا ہوں یہ گا رہا ہوں کہ) سب سے پہلی شراب جو پیالے میں ڈالی گئی وہ ساقی کی مست آنکھ سے ادھار لی گئی (یہ فارسی کے شاعر فخر الدین عراقی کی ایک غزل کے مطلع کا پہلا مصرع ہے۔ جس کا مفہوم باطنی یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی تخلیق کی وہ نور محمدی ﷺ تھا۔ باقی جو کچھ تخلیق ہوا اس نور سے تخلیق ہوا)۔

*

چہ پرسی از مقاماتِ نوایم نہ یاراں کم شناسند از کجایم
کشادم رختِ خود را اندریں دشت کہ اندر خلوتش تنہا سرایم

① تو میری نوا (میرے گانے یا میری شاعری) کے مقامات کے متعلق کیا پوچھتا ہے۔ میرے ساتھی / دوست نہیں پہچانتے کہ میں کہاں سے تعلق رکھتا ہوں اور کون ہوں۔

② میں نے اپنے سفر کے سامان کو اس بیابان (صحرا) میں کھول دیا تاکہ میں اس کی تنہائی میں اکیلا (محبتِ رسول ﷺ) کے گیت گاتا رہوں۔

③

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو — کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است
قدم مستانہ زد چنداں کہ گوئی — بپایش ریگِ ایں صحرا حریر است

① صبح کے وقت میں نے اونٹنی سے کہا کہ زیادہ نرمی سے (آہستگی سے) چل (کیونکہ) تجھ پر جو شخص سوار ہے وہ کمزور، بیمار اور بوڑھا ہے۔

② میں نے اسے جتنا کہا اس نے اس کے خلاف مستانہ قدم اٹھانے شروع کر دیے (کیونکہ وہ بھی جلوہ محبوب کا شوق رکھتی تھی) جب وہ چلتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صحرا کی ریت پر نہیں چل رہی بلکہ کسی ریشمی کپڑے پر چل رہی ہے۔

*

مہار اے سارباں او را نشاید — کہ جان او چو جانِ ما بصیر است
من از موجِ خرامش می شناسم — چو من اندر طلسم دل اسیر است

① اے سارباں (اے اونٹنی کی نکیل پکڑ کر اونٹنی کے آگے آگے جانے والے) اس اونٹنی کو نکیل کی ضرورت نہیں ہے (کیونکہ) اس کی جان بھی میری طرح (اپنی باطنی آنکھ سے) جلوہ حبیب کو دیکھنے والی ہے۔

② میں اس کی رفتار کی موج (طرز رفتار) سے پہچان رہا ہوں کہ وہ بھی میری طرح دل کے جادو میں اسیر ہے۔

*

نم اشک است در چشمِ سیاہش — دلم سوزد ز آہِ صبح گاہش
ہماں مے کہ ضمیرم را بر افروخت — پیاپے ریزد از موجِ نگاہش

① اس اونٹنی کی سیاہ آنکھوں میں آنسوؤں کا نم ہے + میرادل اس کی صبح کے وقت کی کھینچی ہوئی آہ پر جلتا ہے (اس کا دل بھی میری طرح عشق نبی ﷺ میں بے تاب ہے)۔

② وہی شراب جس نے میری ضمیر کو روشن کر رکھا ہے (یعنی عشق رسول ﷺ کی شراب) اس اونٹنی کی نگاہ کی موج سے لگاتار ٹپک رہی ہے۔

④

چہ خوش صحرا کہ در وے کارواں ہا — درودے خواند و محمل براند
بہ ریگِ گرم او آور سجودے — جبیں را سوز تا داغے بماند

① کتنا اچھا ہے (مدینے کے راستے کا) صحرا جس میں قافلے (مراد ہے قافلے والے۔ مدینے کے راہی) درود پڑھتے جاتے ہیں اور کجاووں کو (مراد ہے اونٹوں کو جن پر کجاوے رکھے ہوتے ہیں) ہانکتے جاتے ہیں۔

② (اس صحرا کی) گرم ریت پر سجدے کر + ماتھے کو (ریت کی گرمی سے) جلا تاکہ اس پر داغ رہ جائے۔

*

چہ خوش صحرا کہ شامش صبح خند است شبش کوتاہ و روزِ او بلند است
قدم اے راہرو آہستہ تر نہ چو ما ہر ذرہؑ او دردمند است

① (مدینے کے راستے کا) صحرا کتنا اچھا ہے کہ اس کی شام صبح کی مانند مسکراتی ہوئی ہے جس میں ہر طرف پھول کھلے ہوئے ہیں۔ وہاں کی رات لمبی اور دن چھوٹا ہے۔

② اے (مدینے کے راستے کے) راہی (اس صحرا کی ریت پر) بڑی نرمی سے قدم رکھ (کیونکہ) اس کا ہر ذرہ میری طرح دردمند (درد والا۔ عاشق) ہے۔

⑤

امیرِ کارواں! آں اعجمی کیست سرودِ او بآہنگِ عرب نیست
زند آں نغمہ کز سیرابیِ او خنک دل در بیابانے تواں زیست

① اے (مدینے کی جانب جانے والے) قافلے کے امیر وہ عجمی (غیر عرب) شخص کون ہے کہ جس کی لے عرب کی لے سے جدا ہے۔

② وہ ایسا نغمہ الاپ رہا ہے کہ جس سے اس کا دل ایسی ٹھنڈک محسوس کر رہا ہے کہ وہ اس بیابان (صحرا میں گرمی کے باوجود) زندگی گزار سکتا ہے۔ اس میں شاعر شاید اپنی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

*

مقام عشق و مستی منزلِ اوست چہ آتش ہا کہ در آب و گلِ اوست
نوائے او بہ ہر دل سازگار است کہ در ہر سینہ قاشے از دلِ اوست

① (اس غیر عرب شخص کی منزل (جس کی آواز عربی آواز سے بالکل جدا ہے) عشق و مستی کا مقام ہے اس کی مٹی اور پانی میں (خاکی جسم میں) کیسی (رنگ رنگ کی) آگ یا حرارتیں ہیں۔

② اس کی نوا (لے) ہر دل کے موافق ہے + کیونکہ ہر سینے میں اسی کے دل کی قاش (ٹکڑا) لگی ہوئی ہے۔ مراد ہے جملہ اہل قافلہ اسی کی طرح کی عشق کی آگ اور اسی کی طرح کا دل رکھتے ہیں۔

⑥

غمِ پنہاں کہ بے گفتن عیان است چو آید بر زباں یک داستان است
رہے پر پیچ و راہی خستہ و زار چراغش مردہ و شب درمیان است

① (میرا) چھپا ہوا غم جو بغیر جتلائے (سب پر) ظاہر ہے + جب (میری) زبان پر آتا ہے تو ایک داستان بن جاتا ہے۔

② (مدینے کے راستے) پیچ دار دشوار گزار ہیں اور اس کا راہی کمزور اور ناتواں ہے (میرے اس سفر کی مثال ایسی ہے کہ جیسے) رات درمیان میں ہو لیکن چراغ بجھا ہوا ہو۔ رات سے دشوار گزار راستے اور بجھے ہوئے چراغ سے ضعیف و نحیف مسافر مراد ہے۔

✱

بہ راغاں لالہ رست از نو بہاراں بصحرا خیمہ گستردند یاراں
مرا تنہا نشستن خوشتر آید کنارِ آبجوئے کوہساراں

① جنگلوں میں نئی بہار کی آمد سے لالے کے پھول کھل گئے ہیں + یار لوگوں نے (ہمراہیوں اور دوستوں نے) صحرا میں خیمہ لگالئے ہیں۔

② (لیکن) مجھے تنہا رہنا (خلوت میں بیٹھنا) زیادہ بھلا لگتا ہے (میرا تو جی یہ چاہتا ہے کہ سب سے الگ ہو کر اپنے محبوب کی یاد میں محو) پہاڑوں کے سلسلے میں کسی ندی کے کنارے بیٹھا رہوں۔

⑦

گہے شعرِ عراقی را بخوانم گہے جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگِ عرب را شریک نغمہ ہائے سارہانم

① اس شعر میں فارسی کے دو مشہور عاشقانِ رسول ﷺ شاعروں مولانا عبدالرحمٰن جامی اور فخر الدین عراقی کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کہتا ہے کہ (مدینے کے راستے میں جاتا ہوا) کبھی میں عراقی کے شعر پڑھتا ہوں اور کبھی جامی کے شعر میری جان میں آگ لگاتے ہیں۔

② اگرچہ میں گیت کی عربی لے کو نہیں جانتا (لیکن) میں عراقی اور جامی کے اشعار گاتا ہوا اپنی اونٹنی کی مہار پکڑ کر چلنے والے عربی شخص کے نغموں میں شریک ہوں۔ وہ بھی عشقِ محبوب میں مست نغمے الاپ رہا ہے اور میں بھی۔

✱

غمِ راہی نشاط آمیز تر کن فغانش را جنوں انگیز تر کن
بگیر اے ساربان راہِ درازے مرا سوزِ جدائی تیز تر کن

① (اے میری طرح غمِ فراقِ محبوب میں بے قرار ساربان تو اپنے پر سوز نغموں سے) مجھ راہی کے غمِ عشق کو لذت آمیز (خوش گوار) بنا + اس کی نالہ و زاری اور فریادوں میں اور زیادہ جنوں (انتہائے عشق) کی کیفیت پیدا کر۔

② اے ساربان (اے میری اونٹنی کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے والے مدینے پہنچنے کا) کوئی لمبا راستہ اختیار کر (اس طرح) میری جدائی کی آگ (حرارت / جلنے) کو اور تیز کر۔

⑧

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم من و تو کشتہ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

① اے میرے (جیسے عاشق رسول ﷺ) دوست آ کہ ہم اکٹھے مل کر روئیں (کیونکہ) میں اور تو دونوں جلوہ محبوب کے مارے ہوئے ہیں۔

② (آ اے میرے دوست دونوں مل کر) اپنے دل کی مراد کے بارے میں کچھ کہیں (اور روضہ الرسول ﷺ) پر جا کر اپنے خواجہ (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے پاؤں سے اپنی آنکھیں ملیں۔

*

حکیماں را بہا کمتر نہادند بناداں جلوۂ مستانہ دادند
چہ خوش بختے چہ خرم روزگارے درِ سلطاں بہ درویشے کشادند

① (یہاں مدینہ منورہ میں) اہل حکمت یا عقل کا سہارا لینے والوں کی بہت کم قیمت پڑتی ہے۔ یہاں تو ان نادانوں اور عقل سے بے گانوں کو مست جلووں سے نوازا جاتا ہے جو عشق محبوب ﷺ میں گم ہیں۔

② میری قسمت کتنی اچھی اور میری زندگی کتنی شاداں ہے کہ مجھ جیسے درویش پر سلطان کے دروازے کھول دئے گئے ہیں (مراد ہے مجھ بے سروسامان کو روضہ رسول ﷺ کی زیارت ہو گئی ہے)۔

*

جہانِ چار سو اندر برِ من ہوائے لامکاں اندر سرِ من
چو بگذشتم ازیں بامِ بلندے چو گرد افتاد پرواز از پرِ من

① (میرے روضہ الرسول ﷺ کی تجلیات سے فیض یاب ہونے کے سبب سے) یہ چار طرفوں والا جہان (یہ زمان و مکاں میں محدود جہان) میرے پہلو میں سما گیا ہے + میرے سر میں مکاں سے نکل کر لامکاں کی آرزو پیدا ہو گئی ہے۔

② (میں اس آرزو میں لامکاں تک پہنچ گیا) جب میں اس بلند چھت پر سے یعنی آسمان پر سے گزر گیا اور کہیں لامکاں میں پہنچ گیا تو میرے پروں سے میری پرواز گرد کی طرح جھڑ گئی کیونکہ اس مقام پر ساری کائنات (مکان و لامکاں) مجھ میں سما گئی (یہ سب کچھ فیضان رسول ﷺ کی بنا پر ممکن ہوا ہے)۔

*

دریں وادی زمانی جاودانی ز خاکش بے صور روید معانی
حکیماں با کلیماں دوش بر دوش کہ ایں جا کس نگوید "لن ترانی"

① مدینہ منورہ کی وادی جہاں روضہ الرسول ﷺ ہے اگرچہ سارے جہان کی طرح اپنے وجود میں عارضی اور فانی ہے لیکن جو عاشق رسول ﷺ اس میں پہنچتا ہے وہ اس کے فیضان نگاہ سے فانی ہوتا ہوا جاودانی (ہمیشہ کی زندگی پانے والا) بن جاتا ہے۔ یہاں کی خاک سے صورت کے بغیر معنی پیدا

ہوتے ہیں الفاظ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے فیضان کا احساس خود بخود ہونے لگتا ہے۔

② اس شعر میں حضرت موسیٰؑ کی زندگی نبوت کے اس واقعہ سے مضمون اخذ کیا گیا ہے۔ جس میں کہ حضرت موسیٰؑ نے کلیم اللہ (اللہ سے کلام کرنے والا) ہوتے ہوئے باری تعالیٰ سے کہا تھا "رب ارنی" "اے میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا۔ جس کے جواب میں باری تعالیٰ نے کہا تھا "لن ترانی" "تو میرا دیدار نہیں کر سکتا۔ اس طرح وہ دیدار الٰہی سے محروم رہے تھے لیکن مدینۃ الرسول ﷺ وہ بستی ہے کہ یہاں پہنچ کر کوئی استدلال کرنے والا فلسفی ہو یا رب سے باتیں کرنے والا کوئی ولی اللہ ہو اس ایک اعتبار سے سب برابر ہو جاتے ہیں کہ جو کوئی عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر ان کے دیدار کی آرزو کرتا ہے وہ اسے محروم نہیں رکھتے سب کو اپنے فیضان سے سیراب کرتے ہیں۔

9

مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے ‏ ‏ رمید از سینۂ او سوزِ آہے
دلش نالد؟ چرا نالد؟ نداند ‏ ‏ نگاہے یا رسولؐ اللہ نگاہے

① مسلمان جس کی شان یہ ہے کہ وہ فقیری میں بھی بادشاہ ہوتا ہے۔ بے سروسامانی میں بھی سوائے باری تعالیٰ کے ہر ایک سے بے نیاز ہوتا ہے۔ آج اپنی مسلمانی شان کھو چکا ہے۔ اس کے سینے میں اسلام کی حرارت ختم ہو چکی ہے۔

② آج اس کا دل رو رہا ہے (اپنی محرومیوں اور زوال پر) اس کا دل کیوں رو رہا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا (اے اپنی امت کا غم کھانے والے رسول ﷺ) اس کی حالت زار پر رحم کر اور ایک نگاہ کرم کر کے اس کی تقدیر بدل دے۔

✸

تب و تابِ دل از سوزِ غمِ تست ‏ ‏ نوائے من ز تاثیرِ دمِ تست
بنالم زانکہ اندر کشورِ ہند ‏ ‏ ندیدم بندۂ کو محرمِ تست

① میرے دل کی حرارت اور سوز تیرے عشق کے غم کے سوز کی وجہ سے ہے + میری نوا میں (میری شاعری میں) اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ تیرے دم سے ہے۔

② میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ہندوستان کی ولایت (ملک/خطہ) میں میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو (تیری حقیقت) کا پہچاننے والا اور جاننے والا ہو۔

✸

شبِ ہندی غلاماں را سحر نیست ‏ ‏ بایں خاک آفتابے را گزر نیست
بما کن گوشۂ چشمے کہ در شرق ‏ ‏ مسلمانے ز ما بیچارہ تر نیست

① ہندوستان کے غلاموں (کی رات) کی صبح نہیں ہے + اس مٹی میں (علاقے میں جہاں غلامی کی رات چھائی ہوئی ہے) سورج کا گزر نہیں ہے (آزادی کی روشنی نہیں آ رہی)۔

② ہماری طرف اپنی آنکھ کا گوشہ کر (ہم پر کرم کی نگاہ ڈال) کیونکہ مشرق میں ہم سے زیادہ (یعنی ہندوستان کے غلام مسلمانوں سے زیادہ) کوئی مسلمان زیادہ تنہا (بے سہارا) نہیں ہے۔ (یہ اشعار اس وقت لکھے گئے تھے جب ہندوستان پر ابھی انگریز حکمران تھے اور یہ پاکستان اور بھارت دو ملکوں میں تقسیم ہو کر

انگریز کی محکومی سے آزاد نہیں ہوا تھا)۔

٭

چہ گویم زاں فقیرے دردمندے　　مسلمانے بہ گوہر ارجمندے
خدا ایں سخت جاں را یار بادا　　کہ افتاد است از بامِ بلندے

① میں اس درد رکھنے والے فقیر یعنی مسلمان کے متعلق کیا کہوں جس کی ذات کا گوہر بڑا قیمتی ہے (جو قدر میں دنیا کے سب مذاہب والوں سے زیادہ ہے)۔

② خدا اس سخت جان کا یار (مددگار) ہو جو بہت بلند چھت سے گرا ہے یعنی صدیوں تک انتہائی عروج پر رہنے کے بعد اب انتہائی پستی میں گرا ہوا ہے لیکن پھر بھی جی رہا ہے اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ سخت جان اسے اسی لئے کہا ہے۔

٭

چساں احوالِ او را بر لب آرم　　تو می بینی نہان و آشکارم
ز رودادِ دو صد سالش ہمیں بس　　کہ دل چوں کندۂ قصاب دارم

① میں اس ہندی مسلمان کا احوال اپنے لب پر کیسے لاؤں + تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔

② اس کی دو سو سالہ غلامی کی کہانی سے بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنا دل قصاب کے لکڑی کے اس کندہ کی طرح رکھتا ہوں جس پر وہ گوشت کوٹتا ہے (میرا دل اس کی کہانی سن کر زخموں سے چور ہے)۔

٭

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است　　ہنوز ایں کارواں دور از مقام است
ز کارِ بے نظامِ او چہ گویم　　تو می دانی کہ ملت بے امام است

① (کہتے ہیں کہ آسمان کی سیدھی گردش خوش قسمتی لاتی ہے اور ٹیڑھی گردش بد قسمتی۔ اس مقولہ کے پیش نظر علامہ نے کہا ہے کہ) ابھی تک (مسلمانوں کے لئے) یہ نیلا آسمان ٹیڑھی چال چل رہا ہے۔ ابھی تک مسلمانوں کا قافلہ اپنی منزل سے دور ہے۔

② اس کی (انفرادی اور اجتماعی زندگی) کے بے نظام کام کے متعلق میں کیا کہوں تو جانتا ہے + کہ اس ملت (مسلمان قوم) کا کوئی امام (راہنما) نہیں ہے۔

٭

نماند آں تاب و تب در خونِ نابش　　نروید لالہ از کشتِ خرابش
نیامِ او تہی چوں کیسۂ او　　بطاقِ خانۂ ویراں کتابش

① اس کے یعنی آج کے مسلمان کے خون میں جو کبھی خالص ہوتا تھا پہلے دور کے مسلمانوں جیسی حرارت اور ولولہ نہیں رہا۔ (پہلے دور کے مسلمان خالص اللہ کے لئے جیتے اور مرتے تھے اب وہ اغراض و مقاصد ذاتی کو پیش نظر رکھتے ہیں) یہی سبب ہے کہ ان کے ویران کھیت میں کوئی لالہ نہیں اگتا۔

② اس کی نیام (تلوار رکھنے کا خول) اس کی جیب کی طرح خالی ہے یعنی نہ اس کی جیب میں پیسہ ہے اور نہ اس کی نیام میں تلوار ہے۔ مراد ہے وہ دولت اور قوت دونوں سے محروم ہے۔ جہاں تک اس کی کتاب یعنی قرآن کا تعلق ہے اسے اس نے کسی ویران گھر کے طاق میں رکھا ہوا ہے۔ (اس کی زندگی پر

اس کی کوئی چھاپ نہیں ہے۔ وہ اس کو اپنی عملی زندگی میں کہیں نافذ نہیں کر رہا)۔

*

دل خود را اسیرِ رنگ و بو کرد تہی از ذوق و شوق و آرزو کرد
صفیرِ شاہبازاں کم شناسد کہ گوشش باطنینِ پشہ خو کرد

① (آج کے مسلمان نے) اپنے دل کو رنگ و بو کا اسیر (قیدی) بنا لیا ہے یعنی وہ دین کو چھوڑ کر دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو گیا ہے + اس نے اپنے دل کو ذوق شوق اور آرزو سے خالی کر دیا ہے۔

② وہ شاہبازوں کی آواز کو نہیں پہچانتا + کیونکہ اس نے اپنے کانوں کو مچھر کی بھنبھناہٹ سننے کا عادی بنا لیا ہے۔ مراد ہے وہ اعلیٰ مقاصد کو چھوڑ کر پست مقاصد کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ دین کو بھول کر دنیا کا ہو چکا ہے۔

*

بروئے او درِ دل نا کشادہ خودی اندر کفِ خاکش نزادہ
ضمیرِ او تہی از بانگِ تکبیر حریمِ ذکرِ او از پا فتادہ

① اس کے سامنے دل کا دروازہ کھلا ہوا نہیں + اس کی مٹی کی مٹھی میں یعنی اس کے جسم خاکی میں خودی پیدا نہیں ہوئی۔ مراد ہے وہ دل کے جوہر اور اس کی صلاحیتوں سے اور اپنی معرفت سے کہ میں کون ہوں شناسا نہیں ہے۔

② اس کا ضمیر اللہ اکبر کی آواز سے خالی ہے + اس کے ذکر کا حریم گر چکا ہے۔ مراد ہے اس کا دل جو خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہونا چاہئے تھا اب اس کے ذکر سے خالی ہے۔ اور خدا کے ہر شے سے اکبر ہونے کا جو یقین اس میں ہونا چاہئے تھا وہ بھی نہیں ہے۔

*

گریباں چاک و بے فکرِ رفو زیست نمیدانم چساں بے آرزو زیست
نصیب اوست مرگِ ناتمامے مسلمانے کہ بے اللہ ۔ ھو زیست

① اس کا گریبان چاک ہے اور وہ اس کو رفو کرنے کی فکر سے آزاد زندگی بسر کر رہا ہے + میں نہیں جانتا کہ وہ آرزو کے بغیر زندگی کس طرح گزار رہا ہے۔ مراد ہے وہ انتہائی پستی' زبوں حالی' مصیبت و ابتلا' اور محکومی و غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور اس میں اس سے نجات حاصل کرنے کی خواہش تک نہیں ہے۔

② اس کی قسمت میں نامکمل موت لکھی ہوئی ہے یعنی وہ اس طرح کی زندگی بسر کر رہا ہے کہ نہ وہ زندوں میں شمار ہوتا ہے اور نہ مردوں میں + وہ مسلمان جو اللہ ھو (وہ اللہ یعنی سب کچھ اللہ ہی ہے) کے بغیر جی رہا ہے یعنی اس نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو مقصد زندگی بنانے کی بجائے غیر اللہ کو زندگی کا مقصود بنا رکھا ہے۔

*

حق آں دہ کہ مسکین و اسیر است فقیر و غیرتِ او دیر میر است
او درِ میخانہ بہ بستند دریں کشور مسلماں تشنہ میر است

① اس مسلمان کا حق (اس کی سرفرازی) اسے عطا کر جو مسکین (مفلس) اور قیدی (ہوس کا یا انگریز کا غلام) ہے + وہ فقیر (غریب) ضرور ہے لیکن اس کی غیرت دیر سے مرنے والی ہے۔ مراد ہے مسلمان میں غیرت اسلامی کچھ اس طرح بھری ہوئی ہوتی ہے کہ وہ انتہائی ناموافق حالات میں بھی نہیں مرتی۔ اس لئے اسے پھر سے سربلندی عطا کر۔

② اس کے لئے بے خانے کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے + اس ولایت یعنی ملک ہندوستان میں مسلمان پیاسا مر رہا ہے۔ (اس پر پھر سے مے خانۂ سلطنت وکامیابی کے دروازے کھول دے)

*

دگر پاکیزہ کن آب و گلِ او جہانے آفریں اندر دلِ او
ہوا تیز و بدامانش دو صد چاک بیندیش از چراغِ بسملِ او

① اس کی آب و گل (پانی اور مٹی بمعنی جسم) کو از سر نو پاکیزہ کر + اس کے دل میں ایک جہان پیدا کر مراد ہے اس کے جسم میں دین کی صحیح روح اور اس کے دل میں دین کو سرفراز کرنے کی آرزو پیدا کر۔

② ہوا تیز ہے اور اس کے دامن میں دو سو چاک ہیں + توجہ فرمائیں (یا اس بارے میں کچھ سوچیں) کہ اس کا دیا ٹمٹما رہا ہے۔ (وہ مٹنے کے قریب ہے) مراد ہے آج مسلمان ہزاروں قسم کے مصائب و آلام میں گرفتار ہیں وہ نفاق کی وجہ سے ملت کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکے ہیں۔ ہر طرف سے اسلام کو اور مسلمانوں کو مٹانے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اگر اس وقت سنبھالا نہ ملا تو اسلام اور مسلمان دونوں کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

*

عروسِ زندگی در خلوتش غیر کہ دارد در مقامِ نیستی سیر
گنہگاریست پیش از مرگ در قبر نکیرش از کلیسا منکر از دیر

① زندگی کی دلہن کی خلوت میں غیروں کا عمل دخل ہے یا زندگی کی دلہن غیروں کی خلوت میں ہے + (کیونکہ) مسلمان تو نیستی (نہ ہونا) کے مقام کی سیر کر رہا ہے یعنی وہ زندگی کی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر عمل سے بیگانہ ہو چکا ہے اور بے عملی کی بنا پر دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے محروم ہے اس کے خلاف غیر مسلم اپنی جدوجہد کی وجہ سے دنیا پر غلبہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ہر قسم کی نعمت اور آسائش ان کے گھر کی لونڈی ہے۔

② وہ ایک ایسا گنہگار ہے جو موت سے پہلے ہی قبر میں جا چکا ہے + اس کے لئے قبر میں حساب کتاب لینے والے منکر اور نکیر نامی فرشتے اس کی زندگی ہی میں اس سے حساب کتاب لے رہے ہیں۔ اور وہ فرشتے گرجا (مراد عیسائی یا یورپی اقوام ہیں جو اس پر غالب ہیں) اور مندر (یعنی ہندو ہیں جو اس کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں) ہیں۔

*

بچشمِ او نہ نور و نے سرور است نہ دل در سینۂ او ناصبور است
خدا آں امتے را یار بادا کہ مرگِ او ز جانِ بے حضور است

① اس کی آنکھ میں نہ نور ہے اور نہ سرور نہ اس کے سینے میں صبر نہ کرنے والا (بے قرار) دل

ہے۔ یعنی دلِ عشق نا آشنا نہیں ہے۔
② اس امت (مسلمان قوم کا) کا خدا ہی مالک ہے یا خدا ہی اس امت کا مددگار ہو + (کہ) جس کی موت بے حضور جان سے ہے یعنی اس کی زندگی ایسی ہے جس میں اس کا خدا پر یقین نہیں ہے۔

✱

مسلماں زادہ و نامحرم مرگ ز بیم مرگ لرزاں تا دم مرگ
دلے در سینۂ چاکش ندیدم دمے بگسستہ بود و غم مرگ

① مسلمان پیدا ہو کر وہ موت کی حقیقت سے ناواقف ہے (اسے معلوم نہیں ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں کرتی بلکہ ایک نئی زندگی کا دروازہ کھولتی ہے) + وہ موت تک موت کے خوف سے کانپتا رہتا ہے۔
② (معلوم ہوتا ہے) کہ اس کے چاک سینہ میں (اس کے مصائب اور غم سے بھرے ہوئے سینے میں) دل نہیں ہے + (بلکہ اس کی بجائے) حقیقت زندگی سے ناواقف سانس یعنی بزدلی اور گھبراہٹ والا سانس اور موت کا غم موجود ہے۔

✱

ملوکیت سراپا شیشہ بازی است ازو ایمن نہ رومی نے حجازی است
حضورِ تو غم یاراں بگویم بامیدے کہ وقت دلنوازی است

① بادشاہت کا نظام سراسر شیشہ بازی (دھوکا۔ فریب اور شعبدہ بازی) ہے + اس سے نہ کوئی روم کا باشندہ محفوظ ہے اور نہ عرب کا (اب ملوکیت کے فریب کا شکار ہو چکے ہیں)۔
② میں آپ ﷺ کی خدمت میں دوستوں کا (مسلمانوں کا/امت مسلمہ کا) غم پیش کر رہا ہوں + اس امید پر کہ یہ دلوں کو ڈھارس اور تسلی دینے کا وقت ہے۔

✱

تنِ مردِ مسلماں پائدار است بنائے پیکر او استوار است
طبیبِ نکتہ رس دید از نگاہش خودی اندر وجودش رعشہ دار است

① مسلمان کا جسم مضبوط ہے + اس کے مجسمہ (بدن) کی بنیاد استوار ہے (مراد ہے آج مسلمان کا جسم تو بڑا فربہ ہے اس لئے کہ اس کی ساری توجہ روح کو چھوڑ کر جسم کی پرورش پر لگی ہوئی ہے)۔
② ایک بات کی تہ تک پہنچنے والے طبیب (علاج کرنے والے) نے اس پر نگاہ ڈالی + (تو معلوم ہوا) کہ اس موٹے اور مضبوط جسم کے اندر اس کی خودی جو ہے وہ کانپنے والی ہے مراد ہے وہ اپنی صحیح معرفت نہیں رکھتا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا بدن مضبوط اور زندہ روح کا حامل ہوتا اور سرفرازی/سربلندی اس کے قدم چومتی۔

✱

مسلماں شرمسار از بے کلاہی است کہ دینش مرد و فقرش خانقاہی است
تو دانی در جہاں میراثِ ما چیست گلیمے از قماشِ پادشاہی است

① مسلمان دنیا میں سرفراز و سربلند نہ ہونے اور پستی اور غلامی میں گرفتار ہونے کے سبب سے اپنی

مسلمانی سے شرمندہ ہے + کیونکہ اس کا فقر خانقاہی (عمل سے گریز والا) اور دین مردہ ہے جس پر عمل نہیں ہو رہا۔

② تو جانتا ہے کہ دنیا میں ہمارا یعنی مسلمانوں کا ورثہ کیا ہے + (وہ ورثہ) ایک گدڑی ہے (جو ہم نے بزرگوں اور اسلاف) کی شاہانہ دولت سے پائی ہے یعنی آج کے مسلمان دینی لحاظ سے تو مردہ ہو ہی چکے تھے دنیاوی اعتبار سے بھی ان کے پاس کچھ نہیں حالانکہ ان کے اسلاف کے پاس دین و دنیا کی دولت موجود تھی۔

✽

مپرس از من کہ احوالش چسان است　　زمینش بدگہر چوں آسمان است
بر آں مرغے کہ پروردی بانجیر　　تلاشِ دانہ در صحرا گراں است

① مجھ سے مت پوچھئے کہ اس کا یعنی مسلمان کا احوال کیا ہے + اس کی زمین آسمان کی طرح بداصل ہے یعنی آسمان بھی اس کے موافق نہیں اور زمین بھی۔ (وہ ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے)۔

② اس پرندے پر جس کی آپ نے انجیریں کھلا کر پرورش کی ہے + صحرا میں دانہ تلاش کرنا بھاری ہو چکا ہے یعنی وہ مسلمان جو کل تمام دنیاوی نعمتوں کا مالک تھا آج روٹی کے لئے ترس رہا ہے۔

✽

بچشمش وانمودم زندگی را　　کشودم نکتۂ فردا و دی را
تواں اسرار جاں را فاش تر گفت　　بدہ نطقِ عرب ایں اعجمی را

① میں نے مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے زندگی کے حقائق رکھے + میں نے ان کے لئے گزشتہ اور مستقبل کی باریک بات کھول کر رکھ دی (یعنی بتا دیا کہ گزرے ہوئے زمانے میں تم کیوں عروج پر تھے اور آنے والے زمانے میں اس مقام عروج پر کیسے فائز ہو سکتے ہو)۔

② (تاکہ میں) زندگی کے بھیدوں کو زیادہ کھل کر (مسلمانوں کے سامنے) بیان کر سکوں + تو مجھ غیر عرب کو عرب کی زبان عطا کر (کیونکہ عربی زبان یا عربوں کی زبان بڑی فصیح اور ہر بات کے ادا کرنے اور سمجھانے میں سب زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے علامہ نے یہ آرزو اس لئے بھی کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اور قرآن کریم کی زبان بھی عربی ہے)۔

✽

مسلماں گرچہ بے خیل و سپاہے است　　ضمیرِ او ضمیرِ پادشاہے است
اگر او را مقامش بازِ بخشند　　جمالِ او جلالِ بے پناہے است

① (اگرچہ اس وقت) مسلمان لشکری گھوڑے اور سپاہ نہیں رکھتا (یعنی عروج اور قوت نہیں رکھتا) + (مگر) اس کا ضمیر بادشاہوں کے ضمیر جیسا ہے (اس کی فطرت یا اس کا ضمیر شاہانہ ہے یا اس کا دل شاہانہ ہے۔

② اگر اس کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دے دیں یعنی اسے پھر دنیا میں سرفرازی اور عروج نصیب ہو جائے + (تو دنیا دیکھے گی) کہ اس کا جمال (حسن) بے پناہ (بہت زیادہ) جلال (دبدبہ) رکھتا ہے مراد ہے اگر اس میں اسلام کا حقیقی حسن پھر آ جائے تو اس میں حاکمیت کا شکوہ پھر پیدا ہو سکتا ہے۔

✽

متاعِ شیخ اساطیرِ کہن بود حدیث او ہمہ تخمین و ظن بود
ہنوز اسلام او زنار دار است حرم چوں دیر بود او برہمن بود

① (آج کے مسلمانوں کے) شیخ یعنی مذہبی و روحانی پیشوا کا سارا علم پرانی داستانیں بیان کرنے تک محدود ہو رہا ہے) اس کی ساری باتیں قیاس و گمان پر مبنی ہیں اور ہیں (وہ مسلمانوں کو اسلام کی صحیح روح سے آشنا نہیں کر رہا۔ قرآن، حدیث اور تصوف کی صحیح حقیقت بیان کرنے کی بجائے من گھڑت باتیں بتا رہا ہے)۔

② ابھی اس کا اسلام زنار (ہندوؤں کا جینو) رکھتا ہے یعنی اس کی باتوں میں کافرانہ انداز و روایات کی آمیزش ہو چکی ہے (یوں سمجھئے کہ) اس کا کعبہ بیت اللہ شریف کی بجائے مندر اور اس کے لئے کعبہ والے برہمن (ہندوؤں کے مذہبی پیشوا) بن چکے تھے (او برہمن بچے) سے مراد ہے ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہبی و روحانی پیشواؤں کے عقائد و افکار میں ایسے غیر اسلامی رنگ جھلکتے نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر ان پر غیر مسلم ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے۔

*

دگرگوں کرد لادینی جہاں را ز آثارِ بدن گفتند جاں را
ازاں فقرے کہ با صدیقؓ دادی بشورے آور ایں آسودہ جاں را

① (عہد حاضر میں) بے دینی نے جہان کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ (اور مادیت اس حد تک پھیل چکی ہے کہ آج جان (روح) کو بھی جسم کے نشانات میں سے یعنی جسم کی طرح مادی کہا جا رہا ہے۔

② اس فقیری (درویشی) سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا کی تھی + (آج کے دور کے) مسلمان کی آرام پسند اور عمل سے بیگانہ جان میں ایک ولولہ پیدا کر (تاکہ وہ دنیا کو بتا سکے کہ تن اور ہے اور جان اور۔ جسم کے ساتھ روح کی پرورش بھی ضروری ہے محض بدن کو پالتے رہنا اور روح سے غافل رہنا اسلام میں روا نہیں ہے)۔

*

حرم از دیر گیرد رنگ و بوئے بتِ ما پیرکِ ژولیدہ موئے
نیابی در برِ ما تیرہ بختاں دلے روشن ز نورِ آرزوئے

① (اس دور میں) کعبہ مندر سے رنگ و بو (زیب و زینت) لے رہا ہے یعنی اسلام میں غیر اسلامی رنگ آ چکا ہے + اس مندر کے رنگ و بو والے کعبے میں) جو بت رکھا ہوا ہے وہ مسلمانوں کا الجھے ہوئے بالوں والا مذہبی اور روحانی پیشوا ہے (جس نے سادہ لوح لوگوں کو اپنی ظاہری اسلامی شکل کا فریب دے کر اپنا مطیع بنا رکھا ہے) اور بوڑھا ہونے کے باوجود دین کے رموز سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

② ہم تاریک (بری) قسمت والوں کے پہلو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرزو کے نور سے روشن دل نہیں پائیں گے۔ یعنی مسلمان کے دلوں سے نور اسلام کی روشنی اٹھ چکی ہے اور کفر کی ظلمت چھا چکی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کے مذہبی اور روحانی علما اور پیر خود بے نور ہو چکے ہیں۔

*

فقیراں تا بہ مسجد صف کشیدند گریبانِ شہنشاہاں دریدند
چو آں آتش درونِ سینہ افسرد مسلماناں بدرگاہاں خزیدند

① جب تک وہ مسلمان جن میں فقیری کی شان تھی مسجد میں صف آرا رہے یعنی شریعت کے پابند، دین کے علم اور کردار و عمل کے غازی رہے وہ بادشاہوں کے گریبانوں کو پکڑ کر پھاڑتے رہے۔ (مراد ہے جابر مسلمانوں کے سامنے کلمہ حق کہتے رہے۔ اور بادشاہ بھی ان بے سروسامانوں سے خوف کھاتے رہے)۔

② جب فقر کی وہ آگ مسلمانوں کے سینوں میں بجھ گئی + تو وہ خانقاہی فقر (دنیا کی تنگ و دو سے کنارہ کش فقر) تک محدود ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے زیر اثر جملہ مسلمان بھی عمل سے بے گانہ ہو گئے۔

✸

مسلماناں بخویشاں در ستیزند · بجز نقش دوئی بر دل نہ ریزند
بنالند ار کسے خشتے بگیرند · ازاں مسجد کہ خود از وے گریزند

① (اس دور کے مسلمانوں کی حالت یہ ہے) کہ وہ اپنوں سے لڑ رہے ہیں + اپنے دل پر دوئی (دو ہونے) کے نقش کے سوا کوئی نقش نہیں بنا رہے (مراد ہے ہر قسم کی گروہ بندی' فرقہ بندی' نسل تفریق' علاقہ تیزی وغیرہ کا شکار ہیں اور اخوت اسلامی اور مسلمانی بھائی چارہ سے بھاگے ہوئے ہیں)۔

② ان کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص (غیر مسلم شخص) اس مسجد کی جس کے وہ کبھی نزدیک تک نہیں گئے ایک اینٹ بھی اکھاڑ لیتا ہے تو وہ چیخ اٹھتے ہیں۔ اس میں اچھائی کا پہلو یہ ہے کہ مسجد میں نہ جانے کے باوجود ان میں مسجد بہ الفاظ دیگر اسلام کی محبت موجود ہے اور برا پہلو یہ ہے کہ مسجد میں جائیں تو انہیں اسلامی بھائی چارے کا پتہ چلے اور وہ نفاق سے گریز کریں۔

✸

جبیں را پیشِ غیر اللہ سودیم · چو گبراں در حضورِ او سرودیم
ننالم از کسے، می نالم از خویش · کہ ما شایانِ شانِ تو نبودیم

① ہم نے اپنے ماتھے کو غیر اللہ (کی چوکھٹ پر) گھسایا + اس کے حضور گبروں (بت پرستوں / آتش پرستوں) کی طرح (اس کی بڑائی اور عظمت کے) گیت گائے۔ مراد ہے آج کے مسلمان اپنے فکر و عمل کے لحاظ سے غیر اسلامی عقائد و نظریات کے تابع ہیں۔

② میں کسی کی شکایت نہیں کرتا بلکہ کسی سے گلہ نہیں ہوں خود اپنی ہی شکایت کرتا ہوں یا خود سے نالاں ہوں کہ ہم آپ کی شان کے قابل نہیں تھے۔ مراد ہے جب ہم نے غیر اسلامی شعائر اختیار کر رکھے ہیں تو ہم خود سے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہم آپ کے امتی کہلانے کے حق دار نہیں ہیں۔

✸

بدستِ میکشاں خالی ایاغ است · کہ ساقی را بہ بزمِ من فراغ است
درونِ سینہ آہے کہ اصل اور ز دود آں چراغ است

① شراب پینے والوں کے ہاتھوں میں شراب پینے کے بڑے پیالے تو ہیں لیکن شراب سے خالی ہیں کہ ساقی کو میری محفل میں فراغت حاصل ہے (یعنی پینے والا ہی کوئی نہیں) مراد ہے جب مسلمانوں کو دین سے آگاہ کرنے والے علما اور صوفیا سے مدرسے اور خانقاہیں خالی ہیں تو کوئی کسے ہدایت دے گا۔

② میرے سینے میں جو آہ (عشق کی نعمت) ہے میں اس کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہوں (اس کی حفاظت کرتا ہوں) کیونکہ اس کو

اصل اس چراغ کے دھوئیں سے ہے (چراغ اشارہ ہے نبی کریم ﷺ کے عشق سے یا ان کی ذات سے) مراد ہے اس دور میں جب ہر طرف بے دینی کا طوفان اٹھا ہوا ہے اور مسلمان اپنے دین سے نفور نظر آتا ہے میں نے آپ ﷺ کے عشق کے دیئے کو اپنے دل میں روشن کر رکھا ہے اور اس طوفان بے تیزی سے بچایا ہوا ہے۔

*

سبوئے خانقاہاں خالی از مے کند مکتب رو طے کردہ را طے
ز بزم شاعراں افسردہ رفتم نواہا مردہ بیروں افتد از نے

① خانقاہوں کے مٹکے یا پیالے (معرفت کی) شراب سے خالی ہیں + دینی مدرسے اس راہ کو طے کر رہے ہیں جو پہلے طے ہو چکی ہے۔ (یہاں صرف قدما کی تصانیف پڑھائی جاتی ہیں اور زمانے کی رفتار کے مطابق تحقیق و تنقید کی کوئی بات نہیں کی جاتی)۔

② میں (آج کے دور کے مسلمان) شاعروں کی مجلس میں گیا اور بجھے ہوئے دل سے نکلا + (کیونکہ) ان کی نوا' جو ان کی بنسری سے پیدا ہوتی ہے' مردہ ہے (ان کی شاعری قوم کو جگانے کی بجائے ان کو سلاتی ہے۔ اخلاقی اقدار اور روحانی جذبات ابھارنے کی بجائے سفلی اور شیطانی جذبات پیدا کرتی ہے)۔

*

مسلمانم غریب ہر دیارم کہ با ایں خاکداں کارے ندارم
باایں بے طاقتی در پیچ و تابم کہ من دیگر بغیر اللہ دچارم

① میں مسلمان ہوں اور ہر شہر میں مجھے اجنبی جانا جاتا ہے + کیونکہ میں اس خاکدان (جہان) سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ مراد ہے مسلمان چونکہ دنیا طلب اور مادہ پرست نہیں ہے اس لئے وہ آج کی دنیا طلب اور مادہ پرست سوسائٹی میں کسی ان جانی مخلوق میں سے جانا جاتا ہے۔

② میں اپنی اس بے طاقتی پر (قوت نہ ہونے پر) پیچ و تاب کھا رہا ہوں (بے چین ہوں) + کہ میں ایک بار پھر غیر اللہ سے دوچار ہوں (غیر اللہ کا سامنا ہے یعنی کہ میں ستا رہا ہے آج کا دور بھی قدیم نمرودوں' فرعون اور شدادوں کا سا دور ہے۔ ان کے خاتمے کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی ضرب والے مسلمان ہوں تو ان کو ختم کریں۔

*

بہاں بالے کہ بخشیدی پریدم بسوز نغمہ ہائے خود تپیدم
مسلمانے کہ مرگ از وے بلرزد جہاں گردیدم و او را ندیدم

① میں ان بازوؤں (پروں) سے اڑا جو تو نے عطا کئے + میں اپنے نغموں کے سوز (حرارت / جلن) ہی میں تڑپا۔ مراد ہے اس دور میں جہاں مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بے تعلق ہو چکے ہیں' میں تنہا اس تعلق کو قائم رکھے ہوئے ہوں۔

② وہ مسلمان جس سے موت کانپتی ہے + میں سارا جہاں پھرا ہوں اسے نہیں (کہیں نہیں) دیکھا۔ (کبھی مسلمان اللہ کے راستے میں کٹ مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے آج اپنی جان کو بچانے کی فکر میں ہوتے ہیں چاہے ایمان اور دین ہی ختم ہو جائے)۔

شبے پیشِ خدا بگریستم زار مسلماناں چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمیدانی کہ ایں قوم دلے دارند و محبوبے ندارند

① میں ایک رات خدا کے سامنے بہت رویا (گڑگڑایا) + (کہ) مسلمان کیوں رنج و تکلیف میں ہیں اور کیوں ذلیل ہو رہے ہیں۔

② آواز غیب آئی کہ کیا تو نہیں جانتا کہ اس قوم کے افراد دل تو رکھتے ہیں لیکن محبوب نہیں رکھتے یعنی وہ اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ اور ان کے دین سے بالکل منقطع ہو گئے ہیں۔

گویم از فروفالے کہ بگذشت چہ سود از شرحِ احوالے کہ بگذشت
چراغے داشتم در سینۂ خویش فسرد اندر دو صد سالے کہ بگذشت

① میں (مسلمانوں کی) اس شان و شوکت کے بارے میں جو گزر چکی ہے کچھ نہیں کہتا + اس احوال کی شرح بیان کرنے سے کیا فائدہ جو گزر چکا ہے۔

② میں اپنے سینہ میں ایک دیا رکھتا تھا + وہ (مسلمانوں کے زوال اور غلامی کے) ان دو سو سالوں میں بجھ گیا ہے جو گزر چکے ہیں۔ مراد ہے غلامی کے اس دور نے مسلمان کے دل سے عشق رسول ﷺ کی شمع اور ان کے دین کے چراغ کو بجھا دیا ہے۔

نگہبانِ حرم معمارِ دیر است یقینش مردہ و چشمش بغیر است
ز اندازِ نگاہِ او تواں دید کہ نومید از ہمہ اسبابِ خیر است

① (وہ مسلمان) جسے حرم (کعبہ مراد ہے دین اسلام) کا محافظ ہونا چاہئے تھا مندر (بت کدہ) کی تعمیر میں لگا ہوا ہے + اس کا یقین مردہ ہو چکا ہے اور اس کی نگاہ غیروں یا غیر اللہ پر لگی ہوئی ہے (وہ دین اسلام سے بیزار اور غیر اسلامی اقدار پر فریفتہ ہے)۔

② اس کی نگاہ کے انداز سے دیکھا جا سکتا ہے + کہ وہ اچھائی اور بہتری کے سب اسباب سے ناامید ہے۔

ز سوزِ ایں فقیرِ رہ نشینے بدہ او را ضمیرِ آتشینے
دلش را روشن و پایندہ گرداں ز امیدے کہ زاید از یقینے

① اس راستے میں بیٹھنے والے فقیر کے سوز یعنی میری شاعری سے + اس کو (آج کے مسلمان کو) آگ کی سی حرارت رکھنے والا ضمیر (دل) عطا کر۔

② اس کے دل کو روشن اور ہمیشہ کے لئے زندہ کر دے + اس امید سے جو یقین سے پیدا ہوتی ہے۔

گہے اشکم گہے مستانہ خیزم چہ خوں بے تیغ و شمشیرے بریزم
نگاہِ التفاتے بر سرِ بامِ کہ من با عصرِ خویش اندر ستیزم

① کبھی میں گرتا ہوں اور کبھی مستانہ انداز میں کھڑا ہو جاتا ہوں + یہ کیا خون ہے جو میں بغیر تیغ اور تلوار کے بہا رہا ہوں (مراد ہے کہ میرے پاس قوت اور وسائل تو نہیں۔ لیکن پھر بھی میں اپنے بے دین زمانے کے خلاف لڑ رہا ہوں اور اس کے عقائد باطلہ کا خون بہا رہا ہوں)۔
② (اے محبوب) چھت کے کنارے سے مجھ پر مہربانی کی ایک نظر کر + کہ میں اپنے زمانے سے جنگ کر رہا ہوں۔

*

مرا تنہائی و آہ و فغاں بہ سوئے یثرب سفر بے کارواں بہ
کجا مکتب، کجا میخانۂ شوق تو خود فرما مرا ایں بہ کہ آں بہ؟

① میرے لئے تنہائی اور آہ و فریاد ہی بہتر ہے + میرے لئے مدینے کی طرف کا سفر بغیر قافلے ہی کے بہتر ہے (کیونکہ دوسرے راہی اگر میرے ہم ذوق نہ ہوں گے تو مجھے تکلیف ہو گی)۔
② کہاں مدرسہ اور کہاں شوق کا شراب خانہ + تو خود فرما کہ میرے لئے یہ بہتر ہے یا وہ۔ (مراد ہے اصل چیز عشق ہے جو کتاب کو بھی کار آمد بناتی ہے بے عشق کے علم جہالت اور حجاب ہی رہتا ہے)۔

*

پریدم در فضائے دلپذیرش پرم تر گشت از ابر مطیرش
حرم تا در ضمیر من فرو رفت سرودم آں چہ بود اندر ضمیرش

① میں اس کی (مکہ یا مدینہ کی) دل کو لبھانے والی فضا میں اڑا + میرے پر اس کی برسنے والی بارش (فیضان) سے تر ہو گئے (پرندے کی علامتوں سے مقصد کی وضاحت کی ہے۔ مراد ملک حجاز میں زندگی گزارنے سے ہے)۔
② جب حرم میرے ضمیر میں سمو گیا (جب میں نے اسلامی روح کو اپنے اندر بسا لیا) + تو میں نے وہ گایا جو کچھ میرے اس اسلامی روح والے ضمیر میں تھا مراد ہے میں نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام اور اسلامی روح کو پیش کیا ہے)۔

*

بہ آں رازے کہ گفتم پے نبردند ز شاخ نخل من خرما نخوردند
من اے میر امم داد از تو خواہم مرا یاراں غزلخوانے شمردند

① وہ راز جو میں نے (مسلمان قوم کے سامنے) کہہ دیا اس پر (مسلمان) نہ چلے + انہوں نے میرے کھجور کے درخت سے کھجور نہیں کھائی۔ یعنی میرے کلام اور پیغام سے استفادہ نہیں کیا۔
② اے امتوں کے امام/امیر (اے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) میں (اپنے کلام اور اس میں دیئے گئے پیغام) کی تحسین آپ ﷺ سے چاہتا ہوں + یار لوگوں نے تو مجھے محض غزل کہنے والا شاعر (یا شعر کہنے والا شاعر) ہی سمجھ رکھا ہے۔

*

نہ شعر است اینکہ بر وے دل نہادم گرہ از رشتۂ معنی کشادم
بامیدے کہ اکسیرے زند عشق مس ایں مفلساں را تاب دادم

① یہ شعر نہیں ہے کہ جس میں میں نے دل لگا رکھا ہے + (بلکہ شعر کے پردے میں) میں معنی کی گانٹھیں کھول رہا ہوں (قوم کی مشکلات بیان کر کے ان کا حل پیش کر رہا ہوں)۔

② اس امید میں کہ عشق اکسیر بن کر لگے + میں ان غریبوں (بے سروسامانوں) کے تانبے کو آگ دے رہا ہوں۔ (اکسیر کے عمل سے تانبا سونا بن جاتا ہے) مراد ہے کہ آج کے مسلمان بے شک ذلیل و خوار اور اسلام سے بے گانہ ہیں۔ میں اپنی شاعری کے ذریعے ان کو پھر سے مقام بلند حاصل کرنے اور دین اسلام کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنانے کا درس دے رہا ہوں۔

*

تو گفتی از حیاتِ جاوداں گو بگوشِ مردۂ پیغامِ جاں گوے
ولے گویند ایں ناحق شناساں کہ تاریخِ وفاتِ این و آں گوے!

① تو نے کہا کہ حیات جاوداں (ہمیشہ کی زندگی کی) کی بات کر + مردہ دلوں کے کان میں زندگی کا پیغام ڈال۔

② لیکن یہ حق نہ پہچاننے والے (آج کے مسلمان) مجھے کہہ رہے ہیں کہ اس کی تاریخ وفات کہہ اس کی تاریخ وفات کہہ۔

*

رُخم از دردِ پنہاں زعفرانی تراود خوں ز چشمِ ارغوانی
سخن اندر گلوئے من گرہ بست تو احوالِ مرا ناگفتہ دانی!

① میرا چہرہ میرے اندر چھپے ہوئے غم کی وجہ سے زرد ہے + میری سرخ آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے (آج کے دور کی امت مسلمہ کی حالت زار دیکھ کر)۔

② میری بات نے میرے حلق میں گرہ باندھ رکھی ہے (یعنی میں کچھ کہنے سے عاجز ہوں) تو میرے احوال کو میرے کہے بغیر ہی جانتا ہے (میں کس سے کہوں اور کیا کہوں آج کا مسلمان تو دین کی بات سننے کے لئے تیار نہیں)۔

*

زبانِ ما غریباں از نگاہیست حدیثِ دردمنداں اشک و آہیست
کشادم چشم و بربستم لبِ خویش سخن اندر طریقِ من گناہیست

① ہم غریبوں کی زبان ہماری نگاہ ہے (ہم کہ کچھ نہیں سکتے ہماری نگاہ کے انداز سے ہماری حالت بھانپ لے) + دردوالوں کی کہانی / گفتگو ان کے آنسو اور آہ میں پوشیدہ ہے۔

② میں نے آنکھ کھولی ہوئی ہے اور ہونٹ بند کئے ہوئے ہیں + میرے طریق (مسلک / مذہب) میں بات کرنا گناہ ہے (عشق اور ادب تقاضا کر رہے ہیں کہ خاموش رہ)۔

*

خودی دادم ز خود نامحرمے را کشادم در گلِ او زمزمے را
بدہ آں نالۂ گرمے کہ از وے بسوزم جز غمِ دیں ہر غمے را!

① میں نے اپنی پہچان سے ناواقف (مسلمان کو) خودی عطا کی (اپنی پہچان کا سبق یا اپنی معرفت کا راز

بنایا) + میں نے اس کی زمین (مٹی) کو زمزم کے پانی سے سیراب کیا۔ مراد ہے اس کے دل کو اسلامی زندگی کے معارف اور حقائق سے آشنا کیا۔

② (مجھے) وہ گرم نالہ (فریاد / آہ و زاری) عطا کر کہ جس کی آگ یا حرارت سے میں دین کے غم کے سوا ہر غم کو جلا دوں۔

*

درونِ ما بجز دودِ نفس نیست بجز دستِ تو ما را دسترس نیست
دگر افسانۂ غم با کہ گویم کہ اندر سینہ ہا غیر از تو کس نیست

① ہمارے اندر (ہمارے سینے میں) سانس کے دھوئیں کے سوا کچھ نہیں ہے + تمہارے ہاتھ کے سوا ہماری کسی ہاتھ تک رسائی نہیں ہے۔

② پھر میں غم کا افسانہ کس سے کہوں + (کیونکہ) میرے سینے میں سوائے تمہارے اور کوئی بسا ہوا نہیں ہے۔

*

غریبے دردمندے نے نوازے ز سوزِ نغمۂ خود در گدازے
تو می دانی چہ می جوید چہ خواہد دلے از ہر دو عالم بے نیازے

① ایک درد بھرا اور بانسری بجانے والا اجنبی (اپنی شاعری کے ذریعے مسلمان قوم میں درد بھرے نغمے الاپنے والا) + جو اپنے نغمہ کی حرارت سے پگھل چکا ہے۔

② تو جانتا ہے کہ وہ کیا تلاش کرتا ہے اور کیا چاہتا ہے + یعنی اس کا وہ دل جو دونوں جہانوں سے بے نیاز ہے کیا چاہتا ہے (وہ صرف یہی چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں آپ ﷺ کے عشق کا سوز پیدا ہو جائے اور دین اسلام اس کی رگ رگ میں بس جائے۔ چونکہ آج کا مسلمان عشق اور دین دونوں سے نا آشنا ہے اس لئے وہ مجھے اور میرے پیغام کو اجنبی جانتے ہیں)۔

*

نم و رنگ از دمِ بادے نجویم ز فیضِ آفتابِ تو بروِیم
نگاہم از مہ و پرویں بلند است سخن را بر مزاجِ کس نگویم

① میں رنگ اور نمی (یعنی تازگی اور دلکشی) ہوا کے دم (جھونکے) میں تلاش نہیں کرتا + (کیونکہ) میں تمہارے سورج کے فیض سے اگا ہوا ہوں (مجھے تو آپ ﷺ کی نگاہ کرم چاہئے)۔

② میری نگاہ چاند اور پروین (ستاروں کا ایک جھرمٹ) سے بھی بلند ہے + میں کسی کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کے موافق بات نہیں کرتا (میں تو وہ کہتا ہوں جو میرا ضمیر کہتا ہے اور میرے ضمیر میں سوائے آپ ﷺ کے عشق اور دین اسلام کے لئے تڑپ کے سوا کچھ اور نہیں ہے)۔

*

در آں دریا کہ او را ساحلے نیست دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

① اس دریا میں جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے + عاشقوں کی دلیل دل کے سوا کوئی نہیں ہے (عشق کی دنیا

میں دلیل سے نہیں جذبہ سے کام لیا جاتا ہے)۔

② تو نے فرمایا تو ہم نے بطحا (مکہ) کا راستہ اختیار کیا + ورنہ سوائے تمہارے ہماری کوئی منزل نہیں ہے۔ (ہمارا اصل منشا آپ ﷺ کی ذات تک پہنچنا ہے۔ جو آپ ﷺ تک پہنچ گیا خدا تک پہنچ گیا)۔

✱

مراں از در کہ مشتاقِ حضوریم   ازاں دردے کہ دادی ناصبوریم
بفرما ہر چہ می‌خواہی بجز صبر   کہ ما از وے دو صد فرسنگ دوریم!

① تو ہمیں اپنے دروازے سے دور نہ کر + میں اس درد سے جو تو نے مجھے دیا ہے ناصبور (صبر نہ کرنے والا یا بے چین) ہوں۔

② تو ہمیں صبر کے سوا جو کچھ چاہتا ہے فرما + کہ ہم اس سے یعنی صبر سے دو سو میل دور ہیں۔ (مراد ہے صبر ہماری پہنچ اور بس میں نہیں ہے عشق اور صبر دو الگ بلکہ متضاد چیزیں ہیں)۔

✱

بہ افرنگی بتاں دل باختم من   ز تابِ دیریاں بگداختم من
چناں از خویشتن بیگانہ بودم   چو دیدم خویش را نشناختم من!

① میں نے فرنگی بتوں (یورپ کے معشوقوں) کے پاس دل ہار دیا + میں بت پرستوں کی حرارت سے پگھل گیا۔ مراد ہے میں نے دین اسلام کے شعائر کو چھوڑ کر اہل مغرب کے مشرکانہ' باطلانہ' دین غافلانہ اور دنیا و مادہ پرستانہ نظریات کو اپنا لیا ہے۔

② میں اپنے آپ سے اس قدر بیگانہ (اجنبی) ہو گیا + جب میں نے خود کو (اپنے آپ کو) دیکھا تو نہ پہچانا۔ مراد ہے بطور صحیح مسلمان میں ختم ہو گیا ہوں۔

✱

مے از میخانۂ مغرب چشیدم   بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی   ازاں بے سوز تر روزے ندیدم!

① میں نے مغرب کے شراب خانہ سے شراب پی + مجھے اپنی جان کی قسم میں نے سر کا درد خرید لیا۔

② میں یورپ کے فلسفیوں اور مدبروں کے ساتھ بیٹھا + میں نے اس سے بڑھ کر بے سوز (بے کیف و بے سرور) دن نہیں دیکھا۔

✱

فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم   دل کوہے خراش از برگِ کاہم
مرا درسِ حکیماں دردِ سر داد   کہ من پروردۂ فیضِ نگاہم!

① میں فقیر ہوں یعنی بے سرو سامانی کے عالم میں ہوتے ہوئے ہر شے سے بے نیاز ہوں۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں تجھ سے چاہتا ہوں + میرے گھاس کے تنکے سے پہاڑ کے دل میں خراش پیدا کر مراد ہے اگرچہ میں کمزور ہوں میرے اندر ایسی ہمت اور قوت پیدا کر کہ میں باطل سے مردانہ وار ٹکرا سکوں۔

② مجھے فلسفیوں (عقل والوں) کے سبق نے درد سر دیا + کیونکہ میں (آپ ﷺ) کے فیض نگاہ

کا پالا ہوا ہوں۔ (اس لئے میں کسی ایسے فکر کو یا کسی ایسے نظریہ کو خاطر میں نہیں لایا۔ جو عشق نا آشنا مفکروں کا دیا ہوا ہو۔ میں نے وہ کچھ لیا ہے اور وہ کچھ کیا ہے جو آپ ﷺ نے دیا ہے اور کہا ہے)۔

*

نہ با ملاّ نہ با صوفی نشینم تو میدانی کہ من آنم نہ اینم
نویس اللہ بر لوحِ دلِ من کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم

① میں نہ ملاّ کے ساتھ اور نہ صوفی کے ساتھ بیٹھتا ہوں + تو جانتا ہے کہ میں نہ یہ ہوں اور نہ وہ ہوں۔

② میرے دل کی تختی پر اللہ لکھ دے + تاکہ میں خود کو بھی اور اس کو بھی (اللہ کو بھی) فاش (بالکل ظاہر) دیکھوں (مراد ہے خود کو پہچان کر خدا کو پہچان لوں)۔

*

دلِ ملاّ گرفتارِ غمے نیست نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ او کہ در ریگ حجازش زمزمے نیست

① (پیشہ ور اور دین فروش) ملا غم (دردِ عشق) میں گرفتار نہیں ہے + اس کے پاس نگاہ تو ہے (لیکن اس کی آنکھ میں نم (آنسو) نہیں ہے۔

② میں اس کے مدرسے سے اس لئے بھاگا + تاکہ اس کی حجازی (عربی یعنی اسلامی اور دینی) ریت میں زمزم (پانی) نہیں ہے مراد ہے وہ دین کی باتیں تو ضرور کرتا ہے لیکن اس میں خلوص اور سوز نہیں ہوتا۔

*

سرِ منبر کلامش نیشدار است کہ او را صد کتاب اندر کنار است
حضورِ تو من از خجلت نگفتم ز خود پنہان و بر ما آشکار است

① (پیشہ ور اور دین فروش ملا) کا کلام جو وہ مسجد کے منبر پر سے کرتا ہے دل میں چبھنے والا یا تلخ ہوتا ہے + کہ اس کی بغل میں سو کتاب ہے۔ مراد ہے وہ بہت پڑھا ہوا ہے اور اس علم کی وجہ سے وہ حجاب میں ہے۔ اَلعلم حجاب الاکبر (علم حجاب اکبر ہے) اسی لیے ہی کہا جاتا ہے۔

② میں نے آپ ﷺ سے شرمندگی کی وجہ سے نہیں کہا + وہ (کتابوں اور مدرسے تک محدود رہنے والا بے سوز و کیف ملاّ) اپنے آپ سے چھپا ہوا اور ہم پر ظاہر ہے۔ یعنی وہ اپنی حقیقت سے نا آشنا ہے لیکن ہم پر ظاہری علم کا رعب ڈال کر اپنی غلط شخصیت کو منواتا ہے حالانکہ وہ اپنی تقریروں، اپنے وعظوں اور اپنے علم سے مسلمانوں میں منافرت پھیلاتا ہے۔

*

دلِ صاحب دلاں او برد یا من؟ پیامِ شوق او آورد یا من؟
منِ و ملاّ ز کیشِ دیں دو تیریم بفرما بر ہدف او خورد یا من؟

① دل والوں کا دل وہ کتابوں اور مدرسوں تک محدود بے کیف و سرور ملا لے گیا یا میں لے گیا + شوق کا پیام وہ لے کر آیا یا میں لایا مراد ہے ملا نے نہ کسی کا دل جیتا نہ کسی کو عشق کا پیغام دیا۔ یہ کام میں نے کیا ہے۔

② میں اور (رسمی ملّا) دین کی ترکش کے دو تیر ہیں + مجھ سے فرما کہ نشانے پر وہ لگا یا میں لگا۔ مراد ہے اس کا اثر کسی پر نہیں ہو سکا میرا ہوا ہے۔

٭

غریبم درمیانِ محفلِ خویش تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش؟
ازاں ترسم کہ پنہانم شود فاش غمِ خود را نگویم با دلِ خویش

① میں اپنی انجمن کے درمیان ہی اجنبی ہوں + تو خود کہہ کہ میں اپنی مشکل کو کس سے بیان کروں (کیونکہ کوئی میرے حالِ حقیقی سے واقف نہیں کہ میرا ہمراز ہو تو جانے)۔

② میں ڈرتا ہوں کہ میری پوشیدہ بات ظاہر نہ ہو جائے + میں اپنے غم کو اپنے دل سے بھی نہیں کہتا (مطلب یہ ہے کہ راز کی بات ہم رازوں سے کہنی چاہیے نامحرم نہ سمجھنے کی بنا پر کچھ کا کچھ سمجھ لیں گے۔ اس خوف سے میں اپنے دل سے بھی بات نہیں کرتا کہیں وہ بھی نامحرم ہی نہ ہو)۔

٭

دلِ خود را بدستِ کس ندادم گرہ از روئے کارِ خود کشادم
بہ غیر اللہ کردم تکیہ یک بار دو صد بار از مقامِ خود فتادم

① میں نے اپنے دل کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا + میں نے اپنے کام کے چہرے پر پڑی ہوئی گرہ کو خود کھولا۔

② میں نے غیر اللہ پر (اللہ کے سوا اور پر) ایک دفعہ بھروسا کیا تھا + (اس کی پاداش میں) میں اپنے مقام سے سو بار گرا ہوں۔

٭

ہماں سوزِ جنوں اندر سرِ من ہماں ہنگامہ ہا اندر برِ من
ہنوز از جوشِ طوفانے کہ بگذشت نیاسود است موجِ گوہرِ من

① میرے سر میں سودا کا سوز (جلن / حرارت) اسی طرح ہے + میرے پہلو میں (دل میں) اسی طرح کا ہنگامہ (ولولہ / جوش / شور) ہے۔

② ابھی تک اس طوفان سے کہ گزر چکا ہے + میرے گوہر کی موج (میرے دل یا میرے عشق کی موج) میں سکون نہیں ہے (میں بدستور بے قرار ہوں)۔

٭

ہنوز ایں خاک دارائے شرر ہست ہنوز ایں سینہ را آہِ سحر ہست
تجلی ریز بر چشمم کہ بینی بایں پیری مرا تابِ نظر ہست

① ابھی تک یہ مٹی (میرا مٹی کا بنا ہوا بدن) (عشق کی) چنگاری رکھتا ہے + ابھی تک اس کے سینہ میں صبح کی آہ (نالہ و فریاد / گریہ زاری) موجود ہے۔

② میری آنکھوں پر اپنی تجلی ڈال + کہ اس بڑھاپے کے باوجود میری (آنکھوں میں) نظر کی چمک موجود ہے۔

٭

نگاہم زانچہ بینم بے نیاز است دل از سوزِ درونم در گداز است
من و ایں عصرِ بے اخلاص و بے سوز بگو با من کہ آخر ایں چہ راز است؟

① میری نگاہ جو کچھ (ظاہر میں) دیکھتی ہے میں اس سے بے پروا ہوں + میرا دل میرے اندرونی سوز (عشق کی حرارت) سے پگھلا ہوا ہے۔

② میں ہوں اور یہ بے سوز اور بے اخلاص زمانہ ہے + مجھ سے کہہ کہ آخر یہ کیا راز ہے (مجھے اس دور میں کیوں پیدا کیا گیا۔ کیا اس لئے پیدا کیا گیا کہ میں اس بت کدہ کو ابراہیم کی طرح توڑ دوں)۔

✱

مرا در عصرِ بے سوز آفریدند بخاکم جان پرشورے دمیدند
چو نخ در گردنِ من زندگانی تو گوئی بر سرِ دارم کشیدند

① مجھے اس بے سوز زمانے میں پیدا کیا + میری مٹی (بدن میں) پرشور جان پھونکی (مجھے نا عشق زمانے میں عشق سے آشنا جان عطا کی)۔

② میری گردن میں میری زندگی ریشم کے پھندے کی طرح ہے + گویا تو کہے گا کہ مجھے سولی پر چڑھا دیا گیا ہے۔ مراد ہے اس دور بے سوز کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ منصور حلاج کی طرح حق کہہ کر پھانسی لگنے کے مترادف ہے کیونکہ جو کچھ میں کہوں گا اس دور کا بے دین شکم پرور اور مادہ پرست آدمی نہ سمجھنے کی بنا پر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دے گا اور مجھ کو دار پر لٹکا دے گا۔

✱

نگیرد لالہ و گل رنگ و بویم درونِ سینہ ام مرد آرزویم
غمِ پنہاں بحرف اندر نگنجد اگر گنجد چہ گویم با کہ گویم!

① لالہ و گل (قوم کے افراد) میرے رنگ و بو کو (میرے پیغام جو میں شاعری کے ذریعے دے رہا ہوں) قبول نہیں کرتے + (اس بنا پر) میرے سینہ میں میری آرزو مر گئی۔

② میرا اندرونی (چھپا ہوا) غم حروف میں نہیں سما سکتا (بیان میں نہیں آ سکتا) + (بفرض محال سما بھی سکتا ہو) تو کیا کہوں اور کس سے کہوں۔

✱

من اندر مشرق و مغرب غریبم کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش چہ معصومانہ غربت را فریبم!

① میں مشرق اور مغرب (دونوں جگہ) اجنبی ہوں + کیونکہ میں اپنے محرم (واقف راز/ہم دم) دوستوں سے بے نصیب ہوں۔

② میں اپنے غم کو اپنے دل ہی سے کہتا ہوں + دیکھئے کس معصومانہ (بھولے بھالے) انداز میں میں اپنی اجنبیت کو فریب دے رہا ہوں۔

✱

طلسمِ علمِ حاضر را شکستم ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ براہیم بہ نارِ او چہ بے پروا نشستم

① میں نے موجودہ زمانے کے جادو کو توڑا + میں نے اس کے جال سے دانہ چن لیا اور جال کو توڑ دیا (میں نے اس کے فریب کا دامن چاک کر دیا ہے اور اس طرح لوگوں کو اس میں پھنسنے سے بچا لیا ہے)۔

② خدا جانتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح + میں (بھی) موجودہ زمانے کی آگ میں کیا ہی بے پرواہ ہو کر بیٹھا۔ (جس طرح خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود نے اس کی خدائی کا پول کھولنے والے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی غرض سے جلتی ہوئی آگ میں کودنے کو کہا تھا تو اور وہ بے نیازانہ شان سے اس میں کود پڑے صحیح سلامت بیٹھے رہے تھے اسی طرح میں بھی عہد حاضر کے نمرودوں کی جلائی ہوئی آگ میں بے دھڑک کود پڑا، بیٹھا ہوں اور ان کی خدائی کا پول کھول رہا ہوں)۔

*

چشمِ من نگہ آوردۂ تست فروغِ لا الٰہ آوردۂ تست
دوچارم کن بہ صبحِ من رآنی شبم را تاب مہ آوردۂ تست

① میری آنکھ میں جو نگاہ (مومنانہ فراست والی نگاہ) ہے وہ آپؐ کی عطا کی ہوئی ہے + میرے (جسم و جاں میں یا میری نگاہ میں) لا الٰہ (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں مراد ہے توحید کا) کا جو فروغ (چمک) ہے وہ بھی آپؐ کا عطا کیا ہوا ہے۔

② مجھے صبح من رآنی (اپنے دیدار / زیارت کی صبح) سے دوچار کر دیجئے یعنی میری زندگی کی ایسی صبح طلوع کریں جس کی شب میں آپؐ کی زیارت ہوئی ہو) + میری رات میں چاند کی چمک آپؐ کی ہی عطا کی ہوئی ہے۔ یعنی میری زندگی میں (اس دور کی باطلانہ تاریکی کے باوجود) ایمان کی جو روشنی پائی جاتی ہے۔ اس کا منبع بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

*

چو خود را در کنارِ خود کشیدم بہ نورِ تو مقامِ خویش دیدم
دریں دیر از نوائے صبحگاہی جہانِ عشق و مستی آفریدم

① جب میں نے اپنے آپ کو اپنے پہلو میں کھینچ لیا مراد ہے اپنے من میں گم ہو گیا + تو میں نے تمہارے نور سے اپنے آپ کو دیکھ لیا۔

② پھر اس زمانے میں (جو عقل کا زمانہ ہے) میں نے اپنی صبح کی وقت کی نوا (نالہ و فریاد) سے + عشق و مستی کا جہان پیدا کیا۔

*

دریں عالم بہشتِ خرمے ہست بشاخِ او ز اشکِ من نمے ہست
نصیبِ او ہنوز آں ہاو ہو نیست کہ او در انتظارِ آدمے ہست

① اس دنیا میں ایک تر و تازہ (یا شادمان) بہشت ہے + اس کی شاخ میں میرے آنسوؤں کی نمی ہے (وہ بہشت ایمان کی 'اسلام کی' توحید کی ہے جس کو میں نے اپنی عاشقانہ نواؤں کا پانی دے کر نکھارا ہے)۔

② اس کی قسمت میں ابھی وہ ہاو ہو نہیں ہے + کیونکہ اسے ابھی ایک آدم کی ضرورت ہے (ابھی یہ بہشت کسی ایسے اللہ کے بندے کے انتظار میں ہے جو خلیفۃ الارض اور نائب خدا کے مقام پر فائز ہو اور

ہر دل کو اپنی ایمانی اور روحانی طاقت سے نورِ توحید سے منور کر دے)۔

*

بدہ او را جوانِ پاکبازے　　سرورش از شرابِ خانہ سازے
قوی بازوئے او مانندِ حیدرؑ　　دل او از دو گیتی بے نیازے

① اے (خدا) یعنی اس بہشت شاداں کو جس کا اوپر ذکر ہوا ہے دنیائے اسلام کو ایک پاکباز جوان دے + وہ جس کا سرور (مستی) اس کا خانہ ساز (گھر بنی ہوئی) شراب سے ہو۔ مراد ہے وہ جو بادۂ اسلام سے سرشار ہو۔

② وہ جس کے بازو حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ کے بازوؤں کی طرح مضبوط ہوں + اس کا دل دو جہان سے بے نیاز ہو (تاکہ وہ عہد حاضر کے مسلمانوں کو توحید آشنا کر کے دنیا میں پھر سے سرفراز کر سکے)۔

*

بیا ساقی بگرداں جامِ مے را　　ز مے سوزندہ تر کن سوزِ نے را
دگر آں دل بنہ در سینۂ من　　کہ بچم پنجۂ کاؤس و کے را

① آ اے ساقی (عشق کے) شراب کے پیالے کو گردش میں لا + اس شراب سے بنسری کی آواز کے سوز کو اور زیادہ پر سوز بنا یعنی میری شاعری میں مزید اثر انگیزی کی کیفیت پیدا کر۔

② ایک بار پھر میرے سینے میں وہ دل رکھ دے + (کہ جس سے طاقت پکڑ کر) میں کیخسرو اور کیکاؤس (ایران کے بادشاہ گزرے ہیں) کے پنجوں کو مروڑ دوں۔ مطلب یہ ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں کو پھر اپنے عشق کی شراب پلا کر اس قابل بنا دے کہ وہ ہر باطلی طاقت کا منہ موڑ سکیں اور ایک بار پھر حق کو سرفراز کر سکیں۔

*

جہاں از عشق و عشق از سینۂ تست　　سرورش از مے دیرینۂ تست
جز ایں چیزے نمیدانم ز جبریل　　کہ او یک جوہر از آئینۂ تست

① جہان عشق سے ہے اور عشق (کا تعلق) آپ ﷺ کے سینے سے ہے + اس کا سرور (مستی) آپ ﷺ کی پرانی شراب سے ہے (اس ایمان، اسلام اور توحید سے ہے جس کے آپ ﷺ داعی ہیں)۔

② میں اس کے سوا جبریل فرشتے کے متعلق اور کوئی چیز نہیں جانتا + کہ وہ آپ کے آئینہ کا ایک جوہر ہے (کائنات کے سارے وجود کی طرح اس کا وجود بھی آپ ﷺ کے نور کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نہ ہوتے تو وہ بھی نہ ہوتا)۔

*

مرا ایں سوز از فیضِ دمِ تست　　بتاکم موجِ مے از زمزم تست
تجلِ ملکِ جم از درویشیِ من　　کہ دل در سینۂ من محرم تست

① میرے اندر جو سوز ہے وہ آپ ﷺ کے دم سے ہے + میری انگور کی بیل میں جو شراب کی موج ہے وہ آپ ﷺ کے آب زمزم کے سبب ہے مراد ہے آپ ﷺ ہی کے فیض کی بدولت ہے۔

② (ایران کے بادشاہ) جمشید کا ملک میری درویشی کے آگے شرمندہ ہے + کیونکہ میرے سینے میں جو دل ہے وہ آپ ﷺ کا محرم ہے (جس دل میں آپ ﷺ بس گئے ہوں ساری کائنات اس کے آگے پرکاہ کے برابر ہوتی ہے)۔

*

دریں بتخانہ دل با کس نہ بستم ولیکن از مقام خود گسستم
ز من امروز می خواہد سجودے خداوندے کہ دے او را شکستم

① میں نے اس بت خانہ (دنیا) میں کسی کے ساتھ دل نہیں لگایا + لیکن پھر میں اپنے مقام سے ہٹ گیا (اس بت خانہ میں کھو گیا)۔

② اس لئے آج (وہ خدا) مجھ سے سجدے چاہتا ہے + جسے کل میں نے توڑا تھا (آج میں نے خدا کی خدائی کو چھوڑ کر اوروں کی خدائی تسلیم کرلی ہے اور میں سے مراد یہاں عہد حاضر کے مسلمان ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر اور اس کے نبی ﷺ سے منہ موڑ کر اوروں کے ہو گئے ہیں)۔

*

دمید آں لالہ از مشتِ غبارم کہ خونش می تراود از کنارم
قبولش کن ز راہِ دلنوازی کہ من غیر از دلے چیزے ندارم

① میری غبار کی مٹھی (جسم خاکی) سے وہ لالہ اگا + کہ جس کا خون میرے پہلو سے ٹپک رہا ہے (اپنے دل کی طرف اشارہ ہے ایسا دل جو عشق رسول ﷺ کا امین ہے)۔

② دلنوازی (دل کو خوش کرنے) کی راہ سے (کے لئے) اسے قبول فرمائیں + کہ میں اس ایک عشق بھرے دل کے سوا کوئی چیز نہیں رکھتا۔

*

حضورِ ملتِ بیضا تپیدم نوائے دلگدازے آفریدم
ادب گوید سخن را مختصر گوے تپیدم' آفریدم' آرمیدم

① میں روشن یا سفید ملت (مراد ہے مسلمان قوم) کی جناب میں تڑپا + میں نے (اس کے لئے) دل کو لبھانے والی نوا (شاعری) پیدا کی۔

② ادب یہ کہتا ہے کہ بات کو مختصر (چھوٹی) کر + میں تڑپا' دوسروں کو تڑپایا میں نے اپنے پیغام سے ایک خاص طبقہ پیدا کیا (اور اس طرح) میں نے سکون حاصل کیا۔

*

بصدقِ فطرتِ رندانۂ من بسوزِ آہِ بیتابانۂ من
بدہ آں خاک را ابرِ بہارے کہ در آغوش گیرد دانۂ من

① میری رندانہ فطرت کے صدق کے صدقے میں + میری بے قرار آہ کے طفیل۔

② اس مٹی کو (مراد ہے مسلمان قوم کو) بہار کا بادل عطا کر (جو برس کر اس کو نم دے دے / زرخیز بنا دے) + تاکہ وہ میرے دانہ کو (میری شاعری میں دیئے گئے پیغام کو) پہلو میں لے لے (اور یہ بار آور ہو۔ پھول اور پھل دے۔ نتیجہ خیز ہو)۔

✽

دلے بر کف نہادم دلبرے نیست — متاعے داشتم غارتگرے نیست
درونِ سینۂ من منزلے گیر — مسلمانے ز من تنہاترے نیست

① میں نے اپنے دل کو اپنی ہتھیلی پر رکھا + لیکن اس کو لے جانے والا کوئی نہیں ہے + میرے پاس دولت تھی لیکن اس کو لوٹنے والا کوئی نہیں ہے۔
② اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ) میرے سینے میں اپنی منزل (ٹھہرنے کی جگہ) بنائیں مجھ سے زیادہ کوئی مسلمان تنہا نہیں ہے۔

✽

چو رومی در حرم دادم اذاں من — ازو آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او — بہ دور فتنۂ عصرِ رواں من

① میں نے مولانا جلال الدین رومی کی طرح حرم (کعبہ) میں اذان دی + میں نے اس سے زندگی کے بھید سیکھے (میں نے عہد حاضر کے مسلمانوں کو اسلام آشنا کیا)۔
② پرانے زمانے کے فتنے (زمانہ فساد خرابی میں) کے وقت وہ تھے اور اس زمانے کے فتنے میں میں ہوں (اصلاح احوال کے لئے)۔

✽

گلستانے ز خاکِ من برانگیز — نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغِ علیؓ را — نگاہے دہ چو شمشیرِ علیؓ تیز

① میری مٹی سے گلستان پیدا کریں + میری آنکھ کے نم کو لالہ کے (سرخ پھول) کے خون میں ملائیں (میرے سوز اور میرے عشق کو مسلمانوں میں بانٹ دیں)۔
② اگر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کے قابل نہیں ہوں + آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرح کی نگاہ عطا کریں (قوت بازو نہیں تو قوت فقر عطا کریں کیونکہ دونوں کا کام ایک ہی ہے)۔

✽

مسلماں تا بساحل آرمید است — خجل از بحر و از خود نا امید است
جز ایں مردِ فقیرے دردمندے — جراحت ہائے پنہانش کہ دید است

① مسلمان جب سے (عملی دنیا کے) سمندر کے کنارے پر آرام کرنے لگا ہے (یعنی عمل سے بے گانہ ہو کر عروج سے زوال میں آیا ہے) + وہ سمندر سے (عملی دنیا سے) شرمندہ ہے یعنی عمل سے سراسر بیگانہ ہے اور خود سے ناامید ہے۔
② سوائے اس مرد فقیر کے جو دردمند (بھی ہے) + اس کے چھپے ہوئے زخموں کی جراحت کا (چیر پھاڑ کر کے ان پر مرہم رکھ کر صحت یاب کرنے کا) طریقہ کس نے دیکھا ہے (اس مسلمان قوم کے دکھ درد کو جس طرح میں نے سمجھا ہے اور اس کا علاج جس طرح میں نے کیا ہے کوئی اور کیا کرے گا)۔

✽

کہ گفت او را کہ آید بوئے یارے؟ — کہ داد او را امیدے نو بہارے؟
چو آں سوزِ کہن رفت از دمِ او — کہ زد بر نیستانِ او شرارے؟

① کس نے اس سے (مسلمان سے) کہا کہ دوست کی خوشبو آ رہی ہے + کس نے (اس کے دور خزاں

میں) اسے نئی بہار کی امید دلائی (میں نے)۔

② جب وہ پرانا سوز (اسلام کے لئے اس کے اسلاف اور بزرگوں کی سی عشق کی حد تک لگن) اسکے دم (سانس) سے ختم ہو گیا + (تو) کس نے اس کے بانسوں یا نرکل کے پودوں کے جنگل میں (جو آسانی سے آگ کی چنگاری سے بھڑک اٹھتا ہے) چنگاری پھینکی (میں نے)۔

*

ز بحر خود بجوئے من گہر دہ متاعِ من بکوہ و دشت و در دہ
دلم نکشود ازاں طوفاں کہ دادی مرا شورے ز طوفانے دگر دہ

① میری نہر کو اپنے سمندر سے موتی عطا کر + میری دولت کو (میرے پیغام عشق و عمل کو) پہاڑوں، بیابانوں اور بستیوں یا پہاڑی دروں میں بکھیر دے۔

② میرا دل اس طوفان (اضطراب / تلاطم) سے نہیں کھلا جو تو نے مجھے دیا تھا + (اب) مجھے کسی اور طوفان کا شور عطا کر۔

*

بجلوت نے نوازی ہائے من بیں بخلوت خود گدازی ہائے من بیں
گرفتم نکتۂ فقر از نیاگاں ز سلطاں بے نیازی ہائے من بیں

① جلوت (انجمن) میں میری نے نوازی (بنسری بجانے کو / شاعری کے ذریعے پیغام کو) دیکھ + (اور) خلوت (تنہائی) میں میری خود گدازی (سوز عشق میں خود کو پگھلانے کا حال دیکھ)۔

② میں نے اسلاف سے (اپنے گزرے ہوئے بزرگوں سے) فقر (درویشی) کا باریک راز پایا + (اس کی بدولت) بادشاہوں سے میری بے نیازی کے انداز کو دیکھ۔

*

بہر حالے کہ بودم خوش سرودم نقاب از روئے ہر معنی کشودم
مپرس از اضطرابِ من کہ با دوست دمے بودم دمے دیگر نبودم

① میں جس حال میں بھی تھا میں نے خوشی کے گیت گائے (ناامیدی کی حالت میں بھی مسلمان کو امید کا پیغام دیا) + (اور) ہر معنی کے چہرے سے حجاب (پردہ) اٹھایا (مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کے لئے اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو سکا وہ کیا)۔

② میری بے قراری کا حال مت پوچھ کہ دوست کے ساتھ + میں (اگر) ایک لمحہ میں تھا (تو) دوسرے لمحہ میں نہیں تھا (کبھی وصل کا عالم تھا اور کبھی جدائی کا) مراد ہے میں اسلام کی سربلندی کے لئے امید و بیم کی حالت سے گزرتا رہا لیکن مسلسل اپنا کام کرتا رہا۔

*

شریکِ درد و سوز و لالہ بودم ضمیرِ زندگی را وا نمودم
ندانم با کہ گفتم نکتۂ شوق کہ تنہا بودم و تنہا سرودم

① میں لالے کے پھول (درد مندوں اور عاشقوں) کے درد اور سوز میں شریک رہا + میں نے زندگی کے ضمیر (سرشت / اصلیت) کو کھولا (شاعری میں بیان کیا)۔

② میں نہیں جانتا میں نے شوق (عشق) کی باریک بات (رمز) کس سے کہی + (کہ) میں تنہا تھا اور تنہا گاتا (شاعری میں پیغام) دیتا رہا۔

*

بنورِ تو برافروزم نگہ را کہ بینم اندرونِ مہر و مہ را
چہ میگویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الہٰ را

① میں تمہارے نور سے اپنی نظر کو جلا دے رہا ہوں (روشن کر رہا ہوں) (اس کے نتیجے کے طور پر) میں چاند اور سورج کے باطن کو دیکھ رہا ہوں۔

② جب میں (کسی سے کہتا ہوں کہ) میں مسلمان ہوں تو میں کانپ جاتا ہوں + (کیونکہ) کلمہ طیبہ لا الہٰ (خدا کے سوا کوئی رب / کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں کو زبان سے پڑھنے اور دل سے اس کا اقرار کر لینے کے بعد) ایک مسلمان پر کیا ذمہ داریاں آن پڑتی ہیں اور وہ زندگی کی کن مشکلات سے دوچار ہوتا ہے میں اس کو جانتا ہوں۔

*

بکوئے تو گدازِ یک نوا بس مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خرابِ جراتِ آں رندِ پاکم خدا را گفت ما را مصطفیٰؐ بس

① (میرے لئے) تمہارے کوچے (گلی) میں ایک نوا (عاشقانہ نغمہ / گیت کے سوز) کا گداز کافی ہے + میرے لئے یہ ابتدا اور یہ انتہا کافی ہے (کہ میں تمہارے عشق میں کھو جاؤں)۔

② میں اس پاک رند کا خراب کیا ہوا ہوں (میں اس کے قربان جاؤں) جس نے خدا سے یہ بات کہی کہ میرے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کافی ہیں۔

(12)

*

ز شوق آموختم آں ہاؤ ہوئے کہ از سنگے کشاید آبجوئے
ہمیں یک آرزو دارم کہ جاوید ز عشقِ تو بگیرد رنگ و بوئے

① میں نے شوق (عشق) سے وہ ہاؤ ہو سیکھی + جو ایک پتھر سے پانی کی نہر نکال سکتی ہے۔

② میں صرف یہی آرزو رکھتا ہوں کہ (میرا بیٹا) جاوید + تمہارے عشق سے اپنی زندگی کا رنگ اور خوشبو اختیار کرے۔

*

یکے بنگر فرنگی کج کلاہاں تو گوئی آفتابانند و ماہاں
جوانِ سادۂ من گرم خون است نگہدارش ازیں کافر نگاہاں

① ایک دفعہ ان یورپ کے حسینوں کو دیکھ + تو کہے گا کہ وہ سورج ہیں اور چاند ہیں مراد ہے حسن ظاہری کے اعتبار سے سورج چاند کو شرماتے ہیں۔

② میرا سادہ (مسلمان) جوان گرم خون والا ہے + اسے ان کافر نگاہ والوں سے نگاہ میں رکھ (بچا)۔ اس

سے یہ مراد بھی ہے کہ وہ کہیں ان فرنگیوں کے حسن سے متاثر ہو کر اپنا ایمان غارت نہ کر بیٹھے اور یہ بھی مراد ہے کہ وہ مغرب کی چکاچوند تہذیب و ثقافت سے اثر قبول کر کے اپنا دین برباد نہ کر بیٹھے۔

*

بدہ دستے ز پا افتادگاں را ① غیر اللہ دل نادادگاں را
ازاں آتش کہ جانِ من برافروخت ② نصیبے دہ مسلماں زادگاں را

① جو اپنے پاؤں بھار کر چکے ہیں ان کو سہارا دے + (ان کو جنہوں نے) غیر اللہ کو دل نہیں دیا ہوا (پاؤں بھار کرنے سے مراد وہ مسلمان ہیں جو آج عروج سے زوال میں آ چکے ہیں)۔

② اس آگ کو (اپنے عشق کی آگ سے) جس سے تو نے میری جان میں حرارت اور روشنی پیدا کی ہے + مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والوں کے نصیب میں بھی کر (ان مسلمانوں کے نصیب میں بھی کر جو نام کے مسلمان ہیں تاکہ وہ صحیح مسلمان بن سکیں۔

*

تو ہم آں مے بگیر از ساغرِ دوست ① کہ باشی تا ابد اندر برِ دوست
بجوئے نیست اے عبدالعزیز ایں ② بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

① (سعودی عرب کے شاہ سے خطاب ہے) تو دوست کے پیالے سے وہ شراب لے کر پی + (جس کے پی لینے سے) تو ابد تک (ہمیشہ کے لئے) دوست کے پہلو (صحبت / مجلس) میں رہے۔ مراد ہے عشق رسول ﷺ کی شراب جس کو پی کر تو حیات جاوید حاصل کر لے۔

② (جب سے سعودی عرب میں عبدالعزیز ابن سعود کی حکومت قائم ہوئی ہے روضہ رسول ﷺ کی حاضری کے موقع پر زائرین پر کچھ پابندیاں عائد ہیں جو پہلے نہیں تھیں اس پس منظر میں شاعر کہتا ہے) کہ تو جب مجھے روضہ رسول ﷺ کی چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے دیکھتا ہے یہ میں سجدہ نہیں کر رہا بلکہ اپنی پلکوں سے اپنے دوست (محبوب) کے دروازے کی مٹی کو صاف کر رہا ہوں (تو مجھے اس سے منع نہ کر)۔

*

تو سلطانِ حجازی من فقیرم ① ولے در کشورِ معنی امیرم
جہانے کو ز تخمِ لا الٰہ رست ② بیا بنگر بآغوشِ ضمیرم

① (اے ابن سعود) تو حجاز کا (ملک عرب کا وہ خطہ جہاں مکہ و مدینہ ہے) سلطان ہے اور میں فقیر (بے سروسامان) ہوں + لیکن میں معنی کی ولایت (شاعری کے ملک / یا معاملات کے رموز و اسرار بیان کرنے کے ملک) کا امیر ہوں۔ تیری دنیا کی سلطانی کی میری معنویت کی سلطانی کے آگے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان معانی کو مجھ سے لے۔

② وہ جہان جو لا الٰہ (کلمہ طیبہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں) کے بیج سے اگا (پیدا ہوا) ہے + آ (اور) اسے میرے ضمیر (دل) کے پہلو میں دیکھ (ابن سعود اور اس کے پیرو چونکہ موحد ہونے کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں اور دوسروں کو اس اعتبار سے شک کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے علامہ کہتے ہیں کہ صحیح توحید کا راز پانا ہو تو میرے دل پر نظر کر جس میں عشق رسول ﷺ

موجزن ہے۔اور عشق رسول ﷺ کے بغیر توحید کا راز نہیں کھلتا)۔

*

سراپا درد و درماں ناپذیرم　　نہ پنداری زبون و زار و پیرم
ہنوزم در کمانے میتواں راند　　ز کیش ملتے افتادہ تیرم

① میں سراپا درد ہوں اور اس کا علاج نہیں چاہتا + تو یہ نہ سمجھ کہ میں خستہ، ضعیف اور بوڑھا ہو گیا ہوں (اے ابن سعود میں سراپا عشق ہوں اور اس کی وجہ سے ایسا یعنی تو مند نظر آ رہا ہوں)

② مجھے اب بھی (کمان کی زہ میں میں رکھ کر) یعنی کمان سے چلایا جا سکتا ہے + اگرچہ میں ملت (امت مسلمہ) کے ترکش سے گرا ہوا تیر ہوں۔ (مجھ سے اور میرے کلام میں دیئے گئے پیغام سے ملت کی قسمت بدلنے کا وہ کام لیا جا سکتا ہے، جو تو سلطان ہوتے ہوئے نہیں لے سکتا)۔

*

بیا باہم درآویزیم و رقصیم　　ز گیتی دل برانگیزیم و رقصیم
یکے اندر حریم کوچۂ دوست　　ز چشماں اشک خوں ریزیم و رقصیم

① (اے بادشاہ عرب/اے ابن سعود) آ کہ ہم آپس میں مکمل مل جائیں اور اکٹھے مل کر رقص کریں + دنیا سے دل کو اٹھا لیں اور رقص کریں (مراد ہے کہ تیرے پاس ظاہری طاقت ہے میرے پاس معنوی قوت ہے جب یہ دونوں مل جائیں گی تو امت مسلمہ کی قسمت بدل سکے گی)۔

② (آ اور) ایک دفعہ اپنے دوست / محبوب (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے شہر مدینہ کی گلیوں میں یا گلی میں + اپنی آنکھوں سے خون کے آنسو بہاتے ہوئے رقص کریں (ابن سعود کو جو دنیاوی جاہ و جلال تو رکھتا تھا لیکن عشق رسول ﷺ سے خالی تھا اس عشق کے اختیار کرنے اور ملت اسلامیہ کے لئے احسن نتائج اخذ کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے) (رقص سے مراد جسمانی ناچ نہیں بلکہ روحانی وجد ہے)۔

*

ترا اندر بیابانے مقام است　　کہ شامش چوں سحر آئینہ فام است
بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر　　طناب از دیگراں جستن حرام است

① (اے ابن سعود) تیرا قیام (عرب کے) صحرا میں ہے + وہ صحرا (بیابان) جس کی شام صبح کے آئینہ کی مانند (صبح کی روشنی کی طرح) روشن ہے۔

② (چونکہ عرب کا وسیع علاقہ تیرے زیر نگیں ہے اس لئے) تو جہاں چاہے اپنا خیمہ لگا + (لیکن) (اس کو کھڑا کرنے کے لئے جو رسیاں درکار ہیں) وہ دوسروں سے مت لے (دوسری طاقت ور قوموں سے مدد نہ لینا)۔

*

مسلمانیم و آزاد از مکانیم　　بروں از حلقۂ نہ آسمانیم
بما آموختند آں سجدہ کز وے　　بہائے ہر خداوندے بدانیم

① ہم مسلمان ہیں اور (اس لئے) مکان (جغرافیائی حد بندی) کی قید سے آزاد ہیں + ہم نو آسمانوں کے حلقے سے باہر ہیں (مراد ہے مسلمان جہاں کہیں بھی ہے ایک قوم یعنی امت مسلمہ سے تعلق رکھتا

② (ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ادائے نماز کی صورت میں وہ سجدہ سکھایا گیا ہے کہ جس سے + ہم اللہ کے سوا ہر اس شخص کی قیمت کو جان لیتے ہیں جو خود کو خداوند (مالک/بادشاہ/حاکم) کہتا ہے۔ (مراد ہے اللہ کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے)۔

*

ز افرنگی صنم بیگانہ تر شو کہ پیالش نمی ارزد بہ یک جو
نگاہے وام کن از چشم فاروقؓ قدم بیباک نہ در عالم نو

① (اے ابن سعود) یورپی یا انگریزی بت (معشوق) سے زیادہ بیگانہ (دور) رہ + (کیونکہ) اس کی شراب کا پیالہ ایک جو کے برابر قیمت نہیں رکھتا (دیکھنا اپنے ملک میں افرنگیوں کا سیاسی تہذیبی اور ثقافتی عمل دخل نہ ہونے دینا)۔

② (اگر تجھے اسلام کی علم برداری کا اور حرمین شریفین کے خادم ہونے کا دعویٰ ہے تو یورپ اور امریکہ کی طرف دیکھنے کی بجائے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے (صاحب نظر اسلام کے داعی) سے ادھار لے (ان کے اسوہ کو سامنے رکھ) + (پھر) نئے جہان میں بے خوف ہو کر قدم رکھ۔ (ایسی صورت میں تجھے افرنگیوں کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی)۔

حضور ملت

ملت یعنی امت مسلمہ کی جناب میں

مجو از من کلام عارفانہ کہ من دارم سرشتِ عاشقانہ
سرشکِ لالہ گوں را اندریں باغ بیفشانم چو شبنم دانہ دانہ

① مجھ سے عارفانہ (صوفیانہ) شاعری تلاش نہ کر (نہ مانگ) + کہ میں عاشقانہ خمیر رکھتا ہوں (اور اس کی وجہ سے)۔

② (میں اپنے) لالہ کے پھول کے رنگ کے سرخ آنسو (خون بھرے آنسو) اس باغ (ملت کے باغ میں) میں + شبنم کی طرح دانہ دانہ کر کے ڈال رہا ہوں۔ (میں اپنی شاعری کے ایک ایک مصرعہ ایک ایک لفظ کے ذریعے افرادِ ملت کے قلب و ذہن میں ذوق و شوق اسلام اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر رہا ہوں۔

حضور ملت

ملت (امت مسلمہ) کی جناب میں

بجق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

دل اللہ کے ساتھ لگاؤ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رستے (شریعت/سنت) پر چلو۔

*

بمنزل کوش مانند مہ نو درین نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر بجق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

① نئے چاند کی طرح منزل (کی طرف بڑھنے) کی کوشش کرتے رہ + اس نیلی فضا میں (جس طرح چاند ہر رات پہلی رات سے بڑھ کر نکلتا ہے) تو بھی ہر لحہ (پہلے سے زیادہ ترقی کرتا ہوا) بڑھتا رہ۔

② اگر تو اس زمانے میں کوئی مقام (کوئی مرتبہ) حاصل کرنا چاہتا ہے + (تو اس کی صورت یہی ہے) کہ اللہ سے دل لگا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے راستے پر چل (ان کی شریعت' سنت اور اسوۂ حسنہ کو اختیار کر)۔

*

چو موج از بحر خود بالیدہ ام من بخود مثل گہر پیچیدہ ام من
ازاں نمرود با من سرگراں است کہ بہ تعمیر حرم کوشیدہ ام من

① میں موج (لہر) کی طرح اپنے سمندر سے ابھرا ہوں + میں گوہر (موتی) کی مانند اپنے آپ سے الجھا ہوا (پیچ کھایا ہوا) ہوں (اپنی خودی میں ڈوبا ہوا ہوں)۔

② (اس دور کا) نمرود (خدائی دعوئی کرنے والا) مجھ سے اس لئے خفا ہے + کہ میں نے (حضرت ابراہیم کی طرح) کعبے کی تعمیر کی کوشش کی ہے (اس دور میں جو بھی اسلام کی سربلندی کے لئے کوشش کرتا ہے تمام ملحدانہ' بے دین' طاغوتی' ملوکانہ' اور شیطانی قوتیں اس کے خلاف ہو جاتی ہیں میں ان کے خلاف ڈٹ جاتا رہوں)

*

بیا ساقی بگرداں ساتگیں را بیفشاں بر دو گیتی آستیں را
حقیقت را بہ رندے فاش کردند کہ ملا کم شناسد رمز دیں را

① اے ساقی آ اور (شراب کے) بڑے پیالہ کو گردش میں لا (تاکہ تیری محفل کے رند جو پیاسے ہیں سیراب ہو جائیں) + اپنی آستیں کو دونوں جہانوں پر جھاڑ دے (مراد ہے خود کو دونوں جہانوں سے بے نیاز یا بے تعلق کر دے)

② (اہل کن فکاں فضا و قدر نے) حقیقت کو ایک بے پیر فاش (ظاہر) کر دیا + کہ (رسمی) ملا دین کی رمز کو نہیں پہچانتا (رند کا اشارہ شاعر کا اپنی طرف ہے) (ساقی اشارہ ہے روحانی راہنمائی کرنے والے کی طرف/ پیر و مرشد کی طرف)۔

٭

بیا ساقی نقاب از رخ برافگن چکید از چشم من خونِ دلِ من
بہ آں لحنے کہ نے شرقی نہ غربی است نوائے از مقامِ لاتخف زن

① اے ساقی (اے مجھے معرفت کی شراب پلانے والے میرے مرشد / میرے روحانی پیشوا) اپنے چہرہ سے حجاب (پردہ) اٹھا دے + کیونکہ (آرزوئے دیدار میں) میری آنکھوں سے دل کا خون ٹپک پڑا ہے۔
② اپنے اس لحن (لہجہ خوش میں جس کا تعلق نہ مشرق سے ہے نہ مغرب سے (مراد ہے قرآن کریم کی آواز کی صورت میں جو آفاقی ہے اور کسی سمت تک محدود نہیں) **لاتخف** (مت ڈر) کے مقام (راگ) سے نوا (سر) پیدا کر (جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلے کے لئے تیار کیا تھا تو کہا تھا **لاتخف** (مت ڈر) اس پس منظر میں علامہ آج کے مسلمانوں کو کہتے ہیں تو بھی اپنے وقت کے فرعونوں سے مت ڈر۔

٭

بروں از سینہ کش تکبیر خود را بخاکِ خویش زن اکسیرِ خود را
خودی را گیر و محکم گیر و خوش زی مدہ در دستِ کس تقدیرِ خود را

① اپنے سینہ سے تکبیر (اللہ اکبر) کا نعرہ بلند کر + اپنی مٹی میں (اپنے جسم خاکی میں اس طرح) اکسیر (سونا بنانے کے عمل) کو کام میں لا۔ (مراد ہے توحید کے تقاضوں پر عمل کر کے تو مٹی سے سونا بن سکتا ہے)۔
② تو خود میں خودی (اپنی معرفت / اپنی پہچان) پیدا کر' جب یہ پیدا ہو جائے تو اس کو محکم (پائدار / مضبوط) بنا اور اس طرح اچھی طرز میں زندہ رہ + اپنی تقدیر کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں مت دے۔

٭

مسلماں از خودی مردِ تمام است بخاکش تا خودی میرد غلام است
اگر خود را متاعِ خویش دانی نگہ را جز بخود بستن حرام است

① مسلمان خودی (اپنی معرفت / پہچان) کی وجہ سے مکمل مرد ہے + جب اس کی مٹی (جسم خاکی) میں خودی مر جاتی ہے (اور وہ اپنی معرفت سے بے گانہ ہو جاتا ہے) تو وہ غلام بن جاتا ہے۔
② اگر تو اپنے آپ کو اپنی دولت سمجھتا ہے + تو اپنے سوا کسی اور پر نگاہ جمانا (تیرے لئے) حرام ہے۔

٭

مسلماناں کہ خود را فاش دیدند بہر دریا چو گوہر آرمیدند
اگر از خود رمیدند اندریں دیر بجانِ تو کہ مرگِ خود خریدند

① وہ مسلمان جنہوں نے اپنے آپ کو فاش (کھلے طور پر) دیکھا (اور پہچانا کہ ہم کون ہیں یعنی ہم میں بحیثیت مسلمان کیا وصف' صلاحیتیں اور قوتیں ہیں) + وہ جس دریا میں بھی اترے (جس حال سے بھی دوچار ہوئے) انہوں نے اس میں موتی کی طرح پر سکون اور آب و تاب والی زندگی بسر کی۔
② اگر وہ اس بت خانۂ دنیا میں اپنے آپ سے دور اور بے گانہ ہو گئے (اپنی خودی یا معرفت سے بے گانہ ہو گئے) + (تو) تمہاری جان کی قسم انہوں نے اپنی موت خرید لی۔

✵

کشودم پردہ را از روئے تقدیر · مشو نومید و راہ مصطفیٰ گیر
اگر باور نداری آنچہ گویم · ز دیں بگریز و مرگِ کافرے میر

① میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ اٹھایا (اور بتایا کہ تقدیر کا مفہوم کیا ہے) + (اے مسلمان اپنے زوال کے باوجود) نا امید نہ ہو (میں تمہیں تقدیر بدلنے کا گر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے) کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (کی شریعت و سنت) کا راستہ اختیار کر لو۔

② اگر تو اس پر یقین نہیں رکھتا جو کچھ میں نے کہا ہے تو (اے مسلمان) تو دین سے بھاگ اور کافر کی موت مر۔

✵

بہ ترکاں بستہ درہا را کشادند · بنائے مصریاں محکم نہادند
تو ہم دستے بدامانِ خودی زن · کہ بے او ملک و دیں کس را ندادند

① ترکوں پر بند دروازے کھول دئے گئے ہیں (وہ آزاد ہو گئے ہیں اور ترقی کر رہے ہیں) اہل مصر کی بنیاد کو بھی مضبوط بنا دیا گیا ہے۔ (وہ بھی سیاسی طور پر مستحکم ہو گئے ہیں)۔

② تو بھی خودی (اپنی انفرادی اور اجتماعی پہچان) کے دامن کو پکڑ کیونکہ اس کے بغیر (کامیابی) قضا و قدر نے ملک اور دین کسی کو نہیں دیا گیا۔

✵

ہر آں قومے کہ می ریزد بہارش · نسازد جز بہ بوہائے رمیدہ
ز خاکش لالہ می روید ولیکن · قبائے دارد از رنگ پریدہ

① ہر وہ قوم جس کے باغ کی بہار جا چکی ہے یعنی جو رو بہ زوال ہے + وہ سوائے ان خوشبوؤں کے جو اڑ جانے والی ہیں کسی (ہمیشہ رہنے والی خوشبو سے) موافقت نہیں کرتی۔ اسے پسند نہیں کرتی۔

② اس کی مٹی سے لالے کے سرخ پھول تو اگتے ہیں لیکن ان کی سرخ رنگ کی قبا (لباس) کا رنگ اڑ جانے والا (عارضی) ہوتا ہے (ان کی خوش حالی اور ترقی عارضی ہوتی ہے)۔

✵

خدا آں ملتے را سروری داد · کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
بہ آں ملت سروکارے ندارد · کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

① خدا نے اس قوم کو سروری (حاکمیت) عطا کی ہے + جس نے اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں سے لکھی ہے (دوسروں کی احتیاج کے بغیر اپنے سہارے آگے بڑھی ہے)۔

② وہ اس قوم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا + جس کے کسان دوسروں کے لئے کھیت بوتے ہیں (جو آزاد نہیں ہیں۔ محنت وہ کرتے ہیں اور روزی ان کی ان کے مالک کے ہاتھ ہوتی ہے)۔

✵

ز رازی حکمتِ قرآں بیاموز · چراغے از چراغِ او بلند افروز

دلے ایں نکتہ را از من فراگیر — کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز

① (تو اے مردِ مسلماں) امام فخر الدین رازی سے (جس نے کئی جلدوں میں قرآن کی تفسیر لکھی ہے) قرآن کی حکمت سیکھ + اس کے چراغ سے اپنا چراغ جلا (علم حاصل کر)۔

② لیکن یہ باریک بات مجھ سے لے (مجھ سے سیکھ) کہ (عشق کی) مستی اور سوز کے بغیر (صحیح زندگی) بسر نہیں کی جا سکتی۔

②

خودی

اپنی معرفت یا پہچان

کسے کو بر خودی زد لا الٰہ را — ز خاکِ مردہ رویاند نگہ را

مہ از دست — دامانِ چنیں مرد — کہ دیدم در کمندش مہر و مہ را

① وہ شخص (مردِ مسلمان) جو لا الٰہ (کلمہ توحید کو کہ خدا کے سوا کوئی معبود یا رب نہیں ہے) خودی (اپنی معرفت/پہچان کی کسوٹی پر) لگاتا ہے + اس کی مردہ مٹی سے (اس خاکی جسم سے جو جان ظاہری تو رکھتا ہے لیکن خودی کے نہ ہونے کے سبب مردہ ہونے کے برابر ہوتا ہے) ایک خود بیں / خدا بیں اور جہاں بیں) ایسی نگاہ اگا لیتا ہے یعنی اس میں یہ نگاہ پیدا ہو جاتی ہے (جس پر پڑے اس کی قسمت بدل سکتی ہے)

② (اگر کہیں اس نگاہ والا مرد مل جائے) تو اپنے ہاتھ سے اس کا دامن نہ چھوڑنا (اس کی صحبت اختیار کر رکھنا) + کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ سورج اور چاند اس کی کمند میں پھنسے ہوئے ہیں (وہ باذن اللہ زمانے کی گردش کو پلٹ سکتا ہے۔ تقدیر بدل سکتا ہے)۔

*

تو اے ناداں دلِ آگاہ دریاب — بخود خلِ نیاگاں راہ دریاب

چساں مومن کند پوشیدہ را فاش — ز لا موجود الا اللہ دریاب

① اے بے وقوف شخص تو بخود آگاہ اور خدا آگاہ دل پیدا کر + پرانے بزرگوں کی مانند خود تک پہنچنے والا (اپنے آپ کی پہچان کرنے والا) راستہ بنا (اپنے آپ کو خودی سے آشنا کر)۔

② مومن کس طرح اپنے اندر پوشیدہ قوتوں اور صلاحیتوں کو یا چھپے ہوئے نورِ خداوندی کو ظاہر کرتا ہے + (اس کے لئے) لا موجود الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے) کا راز پا۔ (یہ دیکھ کہ کائنات کے ذرے ذرے میں خدا کا نور ہے۔ ہر شے اس کے ہونے سے موجود ہے تیرا موجود ہونا بھی اسی نور کی وجہ سے ہے۔ اس حقیقت تک پہنچ)۔

*

دلِ تو داغِ پنہانے ندارد — تبِ و تابِ مسلمانے ندارد

خیابانِ خودی را دادہ آب ازاں دریا کہ طوفانے ندارد

① تیرا دل چھپا ہوا داغ (غم عشق) نہیں رکھتا + تیرے اندر مسلمان کا اضطراب نہیں ہے۔

② تو نے اپنی خودی (خود کو پہچاننے) کے باغ کو + اس دریا سے پانی دیا ہے جس میں کوئی طوفان نہیں ہے (مراد ہے تیرا دل عشق سے خالی ہے جو خود معرفتی کے لئے ضروری ہے)۔

③

انا الحق

میں حق ہوں۔ مشہور صوفی حسین ابن منصور حلاج کا قول ہے

انا الحق جز مقامِ کبریا نیست سزائے او چلیپا ہست یا نیست

اگر فردے بگوید سرزنش بہ اگر قومے بگوید ناروا نیست

① حضرت منصور حلاجؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید تھے جنہوں نے کہیں عالم مستی و جذب میں انا الحق (میں حق ہوں۔ میں خدا ہوں) پکار دیا تھا۔ اس کی سزا میں انہیں 309ھ میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ منصور صحیح تھا یا غلط اس بارے میں دو رائیں موجود ہیں۔ اسی لئے علامہ نے کہا ہے کہ اس کی سزا چلیپا (پھانسی) ہے یا نہیں ہے (اس بات سے قطع نظر) میرا یہ خیال ہے کہ انا الحق (میں خدا ہوں) کہنا صرف خدا ہی کو زیب دیتا ہے۔

② اگر انا الحق (میں حق ہوں) ایک شخص (فرد) کہے تو اس کی سرزنش کرنا (اس کو سزا دینا) ہی بہتر ہے + اگر پوری قوم یہ کہے تو نامناسب نہیں۔ صوفیا نے جو اپنے مشاہدے اور باطنی رویت کی بنا پر یہ راز منکشف کیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ نور خدا رکھتا ہے۔ کائنات اور اس کی کوئی شے از خود موجود نہیں ہے بلکہ خدا کی صفات کے نور کے عمل سے اپنا وجود رکھتی ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ میں (یعنی یہ آدمی) بھی اسی کے نور کی وجہ سے موجود ہوں۔ مجھ میں اسی کا نور ہے۔ اس کو اہل رازیوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہر شے وہی ہے اور میں بھی وہی ہوں۔ جس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ واقعی ہر شے خدا ہو گئی ہے یا میں خدا ہو گیا ہوں بلکہ اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ مجھ سمیت ہر شے اس اللہ کے نور کی وجہ سے اپنا وجود رکھتی ہے جس کو قرآن کریم نے اللہ نور السموت والارض (اللہ زمینوں آسمانوں کا نور ہے) کہا ہے۔ علامہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بات سب کی سمجھ میں آنے والی نہیں اس لئے اگر ایک شخص کہہ دے کہ میں حق ہوں (جس سے مراد یہ ہے کہ میں نہیں ہوں حق ہے یا مجھ میں حق ہے یا میرا وجود حق کی وجہ سے ہے) سزا کے قابل اس لئے ہے کہ اس کے سوا باقی سب اس بھید سے ناواقف ہوں گے اور اس کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر گمراہ ہو جائیں گے وہ واقعی خود کو اور ہر شے کو خدا سمجھنے لگیں گے اس لئے اس ایک شخص کو انا الحق کہنے سے روکنا ضروری ہے۔

لیکن اگر پوری قوم یہ کہے یعنی پوری قوم حضرت منصور کی طرح مشاہدہ کرے کہ ہر ذرہ ہر شے اور ہر

ذی جان اپنے اندر اللہ کے نور کی جلوہ گری رکھتا ہے تو اناالحق کہنا درست ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں کوئی گمراہ نہیں ہو گا۔ قوم کا ہر فرد اپنی باطنی یا مشاہداتی آنکھ سے دیکھ رہا ہو گا کہ ہر شے میں خدا ہی کا نور اور ظہور ہے۔ میں حق ہوں یا ہر شے حق ہے یا ہمہ اوست یا ہمہ ازوست (سب کچھ وہی ہے یا سب کچھ اسی سے ہے) صوفیا کا ایک طرز بیان ہے۔ جس سے یہ مراد نہیں کہ واقعی سب کچھ خدا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر شے خدا کے نور کی وجہ سے موجود ہے اور یہ نور ہر شے میں موجود ہے۔ اگر ساری قوم انداز اور راز کی اس بات کو سمجھ لے بلکہ مشاہدہ کر لے تو کوئی گمراہ نہیں ہو گا نہیں سمجھے گا کوئی کسی کو پھانسی کے قابل اس لئے علامہ نے کہا ہے کہ اگر اناالحق پوری قوم کہہ دے تو بجا ہے۔

*

بہ آں ملت اناالحق سازگار است   کہ از خونش نم ہر شاخسار است
نہاں اندر جلالِ او جمالے   کہ او را نہ سپہر آئینہ دار است

① اناالحق (میں حق ہوں ان معنوں میں کہنا جن کا اس سے پہلے کی رباعی میں ذکر ہے) کہنا اس قوم کے موافق اور لائق ہے + کہ جس کے خون سے (اس کے شجر ملت) کی ہر شاخ نم دار ہے۔ مراد یہ ہے کہ پوری قوم (قوم کا ہر فرد) اناالحق کا ان معنوں میں مشاہدہ اور اقرار کر چکا ہے جس کی تشریح اس سے پہلے کی رباعی میں موجود ہے۔

② وہ ملت جس کے پاس جلال (دبدبہ، شوکت، قوت، اقتدار) کے ساتھ ساتھ جمال (کردار و عمل اور فکر و خیال کا جمال) بھی موجود ہو۔ (وہی ہو سکتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتی ہو ورنہ دوسروں کا جلال و جمال تو صرف دنیاوی ہے جو منشائے فطرت کے خلاف ہے) + ایسی قوم کے لئے جو ایمان کے ساتھ جلال و جمال بھی رکھتی ہے یہ آسمان ایسے ہی ہیں جیسے آئینے ہوتے ہیں جن میں ہر شے کا عکس نظر آتا ہے۔ اس لئے ایسی قوم اناالحق (میں حق ہوں) کی حقیقت کو کائنات کے ذرہ ذرہ کے آئینہ میں دیکھ لے گی اور اس مقولہ یا نعرہ کو حق تسلیم کر لے گی (اس کو سمجھنے کے لئے اس سے پہلی رباعی کی تشریح دیکھئے)۔

*

میانِ امتاں والا مقام است   کہ آں امت دو گیتی را امام است
نیاساید ز کارِ آفرینش   کہ خواب و خستگی بر وے حرام است

① ایسی قوم (جس کا اس سے پہلی دو رباعیوں میں ذکر ہوا ہے) دنیا کی تمام قوموں میں سرفراز اور بلند مقام والی ہے + کیونکہ یہ قوم دونوں جہانوں کی امام ہے۔ (ہر دوسری قوم کی دنیا میں آخرت کے سفر میں راہنمائی کا فرض ادا کرتی ہے اور یہ صرف امت محمدیہ ﷺ ہی ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس میں وہ رنگ ہو جس کا اوپر کی دو رباعیوں میں ذکر ہے)۔

② ایسی قوم نت نئے انکشافات اور تخلیقات کرنے سے نہیں تھکتی (وہ ہر لحہ عمل کے میدان میں گامزن رہ کر ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف بڑھتی رہتی ہے) + (اور چونکہ وہ بے عملی اور سستی و کاہلی کی بجائے عمل اور تگ و دو پر یقین رکھتی ہے) اس لئے اس پر نیند (غفلت کی نیند سوتے رہنا) اور کاہلی و سستی حرام ہوتی ہے۔

*

وجودش شعلہ از سوزِ درون است   چو خس او را جہانِ چند و چوں است
کند شرحِ انا الحق ہمتِ اوست   پے ہر کن کہ می گوید یکون است

① ایسی قوم کا وجود (جس کا اوپر کی رباعیوں میں ذکر ہے) اس کے اندرونی سوز (جلن / حرارت / عشق) کی وجہ سے شعلہ (کی مانند) بن چکا ہوتا ہے + جس سے وہ اس چون و چند (کیسا اور کتنا ہے یعنی تخمین و ظن اور اسباب پر بھروسہ رکھنے والی دنیا کو) خس و خاشاک سمجھتی ہے اور جو کچھ اس کی ترقی کے راستہ میں آتا ہے اسے جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

② جو قوم انا الحق (میں حق ہوں کا نعرہ لگاتی ہے تو اس میں حق کی صفات بھی آجاتی ہیں) اور اس کی ہمت اس انا الحق کی عملی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے۔ (اور وہ یوں کہ جس طرح حق کی صفت یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کن یعنی ہو جا تو فیکون یعنی وہ اسی وقت ہو جاتی ہے اسی طرح انا الحق کے مقام پر فائز قوم بھی) جب کسی امر کے متعلق کن (ہو جا) کہتی ہے تو فیکون (وہ ہو جاتا ہے)۔ اس کے ہر کن (ہو جا) کہنے کے بعد فیکون (اس کا ہو جانا) یقینی ہوتا ہے۔

*

پرد در وسعتِ گردوں یگانہ   نگاہِ او بہ شاخِ آشیانہ
مہ و انجم گرفتارِ کمندش   بدستِ اوست تقدیرِ زمانہ

① (وہ قوم جو انا الحق کے مقام پر ہوتی ہے) آسمانوں کی وسیع فضا میں دوسروں سے الگ اڑتی ہے مراد ہے اس کا انداز زندگی دوسری اقوام سے الگ ہوتا ہے + وہ اس پرندے کی طرح جو اڑتا تو ہوا میں رہتا ہے لیکن اپنے گھونسلے کی شاخ پر نظر رکھتا ہے ترقی کی کوئی اڑان اختیار کیوں نہ کرے اپنے قومی تشخص اور روایات۔ سے الگ نہیں ہوتی۔

② چاند اور ستارے اس کی کمند کے اسیر ہوتے ہیں (وہ مظاہر قدرت کو مسخر کر کے ان کی طاقتوں سے فائدہ اٹھاتی ہے) + (یوں کہیے) کہ زمانے کی تقدیر اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

*

بباغاں عندلیبے خوش صفیرے   براغاں جرّہ بازے زود گیرے
امیرِ او بسلطانی فقیرے   فقیرِ او بہ درویشی امیرے

① (انا الحق کہنے والی قوم کی ایک شناخت یہ ہے) کہ وہ باغوں میں خوش آواز بلبلوں کی طرح ہوتی ہے یعنی امن کے زمانے میں وہ نرم خو ہوتی ہے + اور جنگلوں اور بیابانوں میں (پرندوں پر) جھپٹ کر ان کا جلد شکار کرنے والے سفید رنگ کے باز کی طرح ہوتی ہے یعنی زمانہ جنگ میں وہ تند خو اور دلیر ہوتی ہے۔

② (اس کی ایک اور پہچان یہ ہے) کہ اس کے بادشاہ امیر ہوتے ہوئے فقیر اور اس کے فقیر درویش ہوتے ہوئے امیر ہوتے ہیں۔

*

بجامِ نو کہن مے از سبو ریز   فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور   بہ دل "لاغالب الا اللہ" فرو ریز

① (تو بھی اے عہد حاضر کے مسلمان) اپنے نئے پیالے میں پرانی شراب انڈیل + اپنے (مسلمانی) جلوہ یا نور سے محلات اور گلیوں کو یعنی خاص و عام ہر ایک کو فیض یاب کر (نئے پیالے میں پرانی شراب انڈیلنے سے ایک تو یہ مراد ہے کہ جن روایات اسلامی کو تو بھول چکا ہے عہد نو میں انھیں پھر اپنا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنی نئی نسل کو جو دین سے بے گانہ ہو چکی ہے اسلام کی بنیادی روایات سے آشنا کر)۔

② اگر (اے مسلمان) تو چاہتا ہے کہ منصور حلاجؒ کے شجر انا الحق سے پھل کھائے (فائدہ اٹھائے) + تو اپنے دل میں "اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں" کا (یقین پختہ) پیدا کر (اور ہر غیر اللہ سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ کا ہو جا)۔

④

صوفی و ملّا

صوفی طریقت کا نمائندہ اور ملا شریعت کا نمائندہ

تنبیہہ: یاد رہے کہ علامہ صرف ان ملاؤں اور صوفیوں کے خلاف ہیں جو جاہل' فریب کار' پیشہ ور' دین فروش' مصلحت بیں' اغراض پسند اور عملاً شریعت اور طریقت سے دور کا واسطہ نہیں رکھتے۔ ورنہ وہ صحیح' بے غرض' اور شریعت اور طریقت پر عامل صوفیوں اور ملاؤں کے نہ صرف قدر دان ہیں بلکہ مسلمانوں کو ان کی صحبت اور علم سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھی کہتے ہیں۔ یہ بات ان کے کلام کے متعدد اشعار سے ظاہر ہے۔ اسی ارمغان حجاز کے اردو حصہ میں ایک پورا باب ایک ملاّ بنام ضیغم لولابی کے افکار و خیالات اور پند و نصائح پر ہے۔ جس سے ان کی صحیح ملاؤں کی قدر افزائی کا صاف پتہ چلتا ہے اسی طرح فقر' درویشی' فقیر' صوفی' اور درویش کی قدر افزائی پر بھی ان کے کلام میں کافی اشعار ہیں۔

٭

گرفتم حضرتِ ملاّ ترش روست   نگاہش مغز را نشناسد از پوست
اگر با ایں مسلمانی کہ دارم   مرا از کعبہ می راند حق اوست

① میں نے تسلیم کیا کہ جناب ملا سخت طبیعت (کڑوی مزاج) والا ہے (اور عہد حاضر کے مغرب زدہ اور دین سے بے گانہ لوگوں کو برا بھلا کہتا ہے) + (میں نے یہ بھی مانا) کہ اس کی نگاہ ظاہر کو دیکھنے والی اور باطن سے ناآشنا ہے وہ چھلکا تو دیکھتا ہے اس کے اندر جو مغز ہے اس کو نہیں پہچانتا (اس کی نظر بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی)۔

② (اس کے باوجود) اگر وہ اس مسلمانی (اسلام) کے ہوتے ہوئے جو ہماری ہے + ہمیں کعبے سے نکالتا ہے (یعنی ہمیں بے دین کہہ کر اور اسلام ناآشنا دیکھ کر دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہے) تو یہ اس کا حق ہے۔ وہ سچا ہے (کیونکہ آج کا مسلمان کافر سے بھی گیا گزرا ہے)۔

*

فرنگی صید بست از کعبہ و دیر   صدا از خانقاہاں رفت لا غیر
حکایت پیشِ ملّا باز گفتم   دعا فرمود یا رب عاقبت خیر

① فرنگی (انگریز) نے (برصغیر ہند وپاک پر قبضے کے بعد) کعبہ اور مندر دونوں جگہوں سے شکار (اپنی فتراک پر) باندھے یعنی اس نے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو اپنے اپنے مذہب سے نا آشنا کر کے مغربی تہذیب و تمدن کا دلدادہ بنایا (یہاں تک کہ خانقاہوں کے سجادہ نشین جنہیں حق کی آواز بلند کرنی چاہئے تھی) کہنے لگے کہ فرنگی کوئی غیر تو نہیں ہے اس کی اطاعت کر لو۔ خانقاہوں سے یہ صدا غائب ہو گئی کہ اللہ کے سوا کسی اور کی طاعت نہیں کرنی چاہئے۔ اور اس کے برعکس وہاں سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ انگریز کی بالادستی قبول کر لو۔ ان کا ساتھ دو۔ ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرو۔

② میں نے یہ حکایت (صورت حال) ملّا سے بیان کی (مجھے وہاں سے بھی مایوسی ہوئی۔ اس نے بھی انگریز کے خلاف کاروائی یا جہاد کی کوئی بات نہیں کی + (اور وہ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرنے لگا) یا رب انجام خیر کر اچھا کر۔

*

بہ بندِ صوفی و ملّا اسیری   حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست   کہ از یٰسین او آساں بمیری

① (اے عہد حاضر کے ہندی مسلمان) تو (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بجائے) صوفی اور ملا کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے (قیدی ہے) (اور) قرآن کی حکمت سے زندگی حاصل نہیں کر رہا۔

② تجھے اس کی (قرآن) کی آیتوں سے سوا اس کے اور کوئی سروکار نہیں رہا + کہ تو اس کی سورۃ یٰسین اس لئے پڑھے کہ آخری وقت تیری جان آسانی سے نکل جائے (تو قرآن کو موت وارد کرنے کے لئے پڑھتا ہے زندگی حاصل کرنے کے لئے نہیں)۔

*

ز قرآں پیشِ خود آئینہ آویز   دگرگوں گشتۂ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردار خود را   قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

① تو اپنے سامنے قرآن کا آئینہ لٹکا (اور دیکھ تیری شکل مسلمانوں کی سی رہی ہے یا نہیں) + تو بدل چکا ہے اپنے آپ سے بھاگ یعنی موجود شکل کو تبدیل کر (اور مسلمانی شکل میں آ۔ ظاہر کے طور پر بھی اور باطن کے لحاظ سے بھی)۔

② تو اپنے کردار (فکر و عمل) کو (قرآن کریم کے) ترازو میں وزن کر + (اور) وہ قیامتیں (انقلابات) برپا کر جو تجھ سے پہلے تمہارے اسلاف اور بزرگوں نے برپا کی تھیں۔

*

ز من بر صوفی و ملّا سلامے   کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تأویلِ شاں در حیرت انداخت   خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

① میں صوفی اور ملا کو (اس لحاظ سے) سلام پیش کرتا ہوں + کہ انہوں نے ہمیں خدا کا پیغام دیا۔

② (لیکن انہوں نے اپنے پیغام کی اور قرآن و حدیث) کی جو تاویلیں کی ہیں جو من گھڑت اور دل پسند معنی اور شرح بیان کی ہے (اور جس کی وجہ سے مسلمان فرقہ فرقہ ہو چکا ہے) + (اس کو دیکھ کر یا سن کر) خدا، جبریل (وحی لانے والا فرشتہ) اور رسول ﷺ تینوں حیرت میں پڑے ہوئے ہیں (خدا کہتا ہے میں نے قرآن کی باتیں ان معنوں میں بھیجی نہیں جبریلؑ کہتے ہیں میں لایا نہیں اور نبی کریم ﷺ کہتے ہیں کہ مجھ پر اتری نہیں)۔

*

ز دوزخ واعظِ کافرگرے گفت — حدیثے خوشتر از وے کافرے گفت
ندانَد آں غلام احوالِ خود را — کہ دوزخ را مقامِ دیگرے گفت

① لوگوں کو کافر بنانے والے واعظ نے دوزخ کی بات کی کہ کافر دوزخ میں جائیں گے + (یہ سن کر) اس سے ایک کافر نے بڑی اچھی بات کہی۔

② وہ غلام اپنے احوال کو نہیں دیکھتا + کہ جس نے دوزخ کو دوسروں کی جگہ یا ٹھکانا بتایا ہے۔ مراد ہے جو شخص خود انگریزوں کا غلام ہو اور دوسروں کو اس کی غلامی قبول کرنے کے لئے اکساتا ہو اسے دوسروں کو کافر بنانے کی بجائے خود اپنے اوپر نظر ڈالنی چاہئے کہ اس کا ٹھکانا کیا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ غلام کو اس امر کا احساس ہی نہیں ہے کہ وہ غلامی کے دوزخ میں جی رہا ہے غلامی سے بڑھ کر اور دوزخ کیا ہو گی (قومی بے حسی کا رونا ہے)

مریدے خود شناسے، پختہ کارے — بہ پیرے گفت حرفے نیش دارے
بمرگ نا تمامے جاں سپردن — گرفتن روزی از خاکِ مزارے

① ایک مرید نے جو اپنے پیر کا اندھا دھند تقلید کرنے والا نہیں تھا بلکہ جو خود شناس اور پختہ کار یعنی اپنی قدر و قیمت جاننے والا اور زیرک و ہوشیار تھا + پیر سے ایک چبھنے والی بات کی۔

② کسی مزار کی مٹی سے روزی کمانا اپنی جان کو نامکمل موت کے سپرد کرنا ہے یعنی اس میں یک لخت مر جانے کی بجائے آدمی روز روز مرتا ہے اس کی روح مردہ ہو جاتی ہے۔

*

پسر را گفت پیرے خرقہ بازے — ترا ایں نکتہ باید حرزِ جاں کرد
بہ نمرودانِ ایں دور آشنا باش — ز فیضِ شاں براہیمی تواں کرد

① ایک درویشی سے نا آشنا خرقہ درویشی (درویشی چغہ) پہن کر اپنی درویشی کی نمائش کرنے والا پیر + اپنے بیٹے کو کہنے لگا کہ اس رمز یا باریک بات کو اپنی جان کا تعویذ بنا لے (ہر دم اپنے سامنے رکھ)۔

② اس دور کے نمرودوں سے آشنائی اور دوستی رکھ + (کیونکہ) ان کے فیض سے (ان کی عنایات) سے ابراہیمی کی جا سکتی ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ تو اپنے زمانے کے نمرود کو ختم کر کے اپنی قوم کو نمرود کی خدائی کی بجائے اللہ کی خدائی کا قائل کرنے اور اس کے آگے سر اطاعت جھکانے والی بنانے کے لئے آئے تھے لیکن آج کے دین کے ٹھیکیدار اس سے الٹ بات کہہ رہے ہیں کہ اے مسلمان قوم اپنے زمانے کی غیر اللہ قوتوں کے آگے سر جھکا (یہاں غیر اللہ کی قوتوں کا خصوصی اشارہ انگریز حاکموں کی طرف ہے) ان کی غلامی اختیار کر اور ان کی ہاں میں ہاں ملا اور اس طرح دنیاوی اقتدار، عہدہ، اور مال و دولت حاصل کر)۔

*

⑤

رومی

فارسی کی مشہور مثنوی معنوی کے خالق جن کا پورا نام جلال الدین رومی ہے اور جو علامہ اقبال کے پیرو مرشد تصور کئے جاتے ہیں۔

بکامِ خود دگر آں کہنہ مے ریز . کہ با جامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعار جلال الدین رومیؒ . بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

① اپنے حلق میں ایک بار پھر پرانی شراب انڈیل یعنی اسلام کی حقیقی شراب پی (جو تیرے اسلاف نے پی تھی) کہ جس کے ایک پیالہ کے سامنے (ایران کے بادشاہ) پرویز کا ملک کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

② مولانا جلال الدین رومیؒ کے اشعار کو + اپنے دل کی دیوار کے ساتھ لٹکا (مراد ہے ان سے فیض یاب ہو)۔

*

بگیر از ساغرش آں لالہ رنگے . کہ تاثیرش دہد لعلے بہ سنگے
غزالے را دلِ شیرے بہ بخشد . بشوید داغ از پشتِ پلنگے

① اس کے پیالے سے لالہ کے رنگ کی وہ شراب لے (پی) کہ جس کی تاثیر سے پتھر لعل (ہیرا) بن جاتا ہے۔

② وہ (شراب) ہرن کو شیر کا دل بخشتی ہے + اور چیتے کی کمر سے داغوں (دھبوں) کو دھوتی ہے (دونوں شعروں سے مراد یہ ہے کہ رومی کی شاعری انسان کی یا اس کے دل کی حالت بدل سکتی ہے)۔

*

نصیبے بردم از تاب و تب او . شبم مانندِ روز از کوکبِ او
غزالے در بیابانِ حرم بیں . کہ ریزد خندۂ شیر از لبِ او

① میں نے (رومی) کی تڑپ (جذبہ عشق) سے بہت بڑا حصہ پایا ہے + میری رات اس کے ستارے (کلام کی روشنی سے) دن کی مانند روشن ہے۔

② ہرن کو حرم کے صحرا میں دیکھ + کہ اس کے لب سے شیر کی ہنسی ٹپک رہی ہے (مراد ہے کلام رومی کے فیض سے بزدل مسلمان میں مومنانہ شان اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے)۔

*

سراپا درد و سوزِ آشنائی . وصالِ او زباں دانِ جدائی
جمالِ عشق گیرد از نےِ او . نصیبے از جلالِ کبریائی

① رومی خود یا رومی کا کلام سراسر محبت کا سوز (حرارت / تپش) اور درد لئے ہوئے ہے + ان میں یا ان کی شاعری میں جو وصال کا تصور ہے وہ جدائی کی زبان بھی جانتا ہے مراد ہے رومی عشق میں وصال اور

جدائی بیک وقت دونوں کیفیتوں کے قائل ہیں)

② عشق کا حسن اس کی بنسری (اس کے کلام) سے جلال کبریائی کا بہت بڑا حصہ رکھتا ہے۔ مراد ہے وہ ایسے عشق کا قائل ہے۔ جس میں حسن کے ساتھ ہیبت بھی ہو جس طرح خدا کی صفات جمالی بھی ہیں اور جلالی بھی اسی طرح عشق بھی وہ درست ہے۔ جس میں دونوں صفتیں ہوں۔

*

گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد　　غبارِ رہگذر را کیمیا کرد
نے آں نے نوازے پاکبازے　　مرا با عشق و مستی آشنا کرد

① رومی نے اس ناکارہ کے کام سے گرہ کھول دی۔ مراد ہے میری مشکلات کو حل کر دیا + میں راستے کے غبار کی مانند (بے قیمت اور آوارہ فکر تھا) مجھے اس نے سونا بنا دیا۔ اور میری فکر کو صحیح کر دیا۔

② اس پاکباز بانسری بجانے والے کی بانسری نے (رومی کے فکر و عمل کے پیغام نے یا رومی کی روحانی راہنمائی نے) + مجھے عشق اور مستی کی صحیح حقیقت سے آشنا کر دیا۔

*

بروئے من درِ دل باز کردند　　ز خاکِ من جہانے ساز کردند
ز فیضِ او گرفتم اعتبارے　　کہ با من ماہ و انجم ساز کردند

① رومی کی صحبت نے ایک اور کام یہ کیا (کارکنان قضا و قدرت نے) کہ مجھ پر دل کے دروازے کھول دیئے (مجھے حقیقتِ دل اور اس میں تڑپنے والے عشق سے آشنا کر دیا) + انہوں نے میری مٹی سے ایک (دنیا) جہان تعمیر کیا مراد ہے مجھے وہ کچھ بنا دیا جو میں پہلے نہیں تھا یا رومی کے حقائق و معارف نے میرے اندر ایک نئی دنیا پیدا کر دی اور ان حقائق و معارف سے میں نے مسلمانوں کے دلوں کو آ... گرما دیا۔

② میں بے اعتبار تھا (بے وقعت تھا) رومی کے فیض نے مجھے اعتبار (وقعت) عطا کیا + مجھے ایسا با اعتبار اور با عزت بنا دیا کہ چاند اور ستارے بھی میری موافقت کرنے لگے مراد ہے صرف دنیا والے ہی نہیں عالم ملکوت کے رہنے والے بھی مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور میری دوستی کا دم بھرنے لگے۔

*

خیالش با مہ و انجم نشیند　　نگاہش آں سوئے پرویں بہ بیند
دلِ بے تاب خود را پیشِ او نہ　　دمِ او رعشہ از سیماب چیند

① اس کا (رومی کا) خیال (فکر) چاند اور ستاروں سے موافقت کرتا ہے یعنی چاند اور تاروں کی طرح بلند ہے + اس کی نظر بلند ستاروں کے جھرمٹ پرویں سے بھی اس طرف (آگے) یعنی لامکاں تک کو دیکھتی ہے۔

② تو اپنے بے قرار دل کو اس کی جناب کے سامنے رکھ مراد ہے اس کے کلام سے یا صحبت سے فیض یاب ہو + (کیونکہ) اس کا دم پارے سے اس کی بے قراری چھین لیتا ہے مراد ہے۔ جس طرح پارہ کی تڑپ ختم کر دی جائے تو اسے سکون آ جاتا ہے۔ رومی کی صحبت بھی تمہیں اطمینان قلب نصیب کرے گی۔

*

ز رومی گیر اسرارِ فقیری　　کہ آں فقر است محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ از وے　　رسیدی بر مقامِ سر بزیری

① فقیری کے راز رومی سے حاصل کر + (کیونکہ) اس کا فقر وہ ہے جس پر امیری بھی حسد کرتی ہے۔
② اس فقر اور درویشی سے بچ + کہ جس کی بدولت تو (سربلندی کی بجائے) سر بزیری (سرنیچا کرنے) کے مقام تک پہنچ جائے۔

✹

خودی تا گشت مجبورِ خدائی بہ فقر آموخت آدابِ گدائی
ز چشمِ مست رومی وام کردم سرورے از مقامِ کبریائی

① جب مسلمان کی خودی (انا/اپنی معرفت) رنگ خدائی یعنی جلال اور حاکمیت کے مقام سے محروم ہو گئی + تو اس نے فقر کو گدائی (بھکاری بننے یا دوسروں کا دست نگر اور محتاج بننے) کے طریقے سکھا دیئے۔
② میں نے رومی کی (شراب عشق و عرفان میں) مست آنکھ سے ادھار لیا (عاریت لیا) + (کیا) مقام کبریائی (سطوت، حاکمیت اور مرتبے کا سرور۔

✹

مے روشن ز تاکِ من فرو ریخت خوشا مردے کہ در دامانم آویخت
نصیب از آتشے دارم کہ اول سنائی از دلِ رومی بر انگیخت

① رومی نے میری (زندگی اور افکار و عمل کی) کی انگور کی بیل میں اپنی روشن شراب (دین و عرفان کی پاکیزہ تعلیم کی شراب) کو ٹپکایا (میرے اس بیل سے ٹپکایا) اب اس کے انگوروں سے نکلی ہوئی شراب کو پینے کے لئے) جس شخص نے میرے دامن کو پکڑا وہ خوش نصیب یا مبارک شخص ہے۔
② (وہ شخص جس نے میرے کلام سے استفادہ کیا اس لئے مبارک باد کا مستحق ہے) کہ میں اپنے دل میں (عشق کی) آگ کا وہ بڑا حصہ رکھتا ہوں + جس کو پہلے حکیم سنائی نے مولانا رومی کے دل میں بھڑکایا تھا۔

---

⑥

پیام فاروقؓ

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ راشد فاروق اعظم حضرت عمرؓ بن خطاب کا پیغام

تو اے بادِ بیاباں از عرب خیز ز نیلِ مصریاں موجے بر انگیز
بگو فاروق را پیغامِ فاروقؓ کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز

① اے صحرا کی ہوا تو عرب سے اٹھ + (اور) مصریوں کے دریائے نیل میں لہر (طوفان) پیدا کر (اہل مصر کو دین اسلام کی اصل روح سے آشنا کر کے ان میں اسلام کی عظمت اور سربلندی کا جذبہ پیدا کر اور اس طرح انہیں پھر سے اہل یورپ خصوصاً انگریزوں کی محتاجی سے نکال کر خدا کی حاکمیت اعلیٰ کی بے نیازی کے مقام تک پہنچا)۔

② مصر کے بادشاہ فاروق کو (جو اس رباعی کے لکھے جانے کے وقت مصر کا بادشاہ تھا) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام پہنچا + کہ وہ (اپنے آپ کو صرف بادشاہی تک محدود نہ رکھے کیونکہ محض ملوکیت دین اسلام کے خلاف ہے) خود میں بادشاہی اور فقر کی آمیزش کرے (ہو تو وہ بادشاہ ہی لیکن اسکا رویہ فقیرانہ ہو)۔

*

خلافت فقر با تاج و سریر است   زہے دولت کہ پایاں ناپذیر است
جواں بختا - مدہ از دست ایں فقر   کہ بے او پادشاہی زود میر است

① خلافت (کا نظام) تخت اور تاج والا فقر ہے مراد ہے اسلامی حکومت کا نظام دراصل ایسے فقر کا نظام ہے جس میں حکومت بھی شامل ہوتی ہے + کتنی اچھی ہے یہ دولت جو ختم نہیں ہوتی یعنی اگر حکومت میں شان فقر بھی ہو تو یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

② اے جوان بخت والے یا اے خوش قسمت شخص اس فقر کو ہاتھ سے مت دے + کہ اس کے بغیر بادشاہی (حکومت) جلد ختم ہو جاتی ہے۔

*

جواں مردے کہ خود را فاش بیند   جہانے کہنہ را باز آفریند
ہزاراں انجمن اندر طوافش   کہ او با خویشتن خلوت گزیند

① (اے فاروق یا اے مسلمان سن) وہ جوان آدمی جو خود کو فاش دیکھ لیتا ہے یعنی اپنی معرفت حاصل کر لیتا ہے یا اپنی خودی سے آشنا ہو جاتا ہے + وہ اپنے پرانے یا برباد جہان کو پھر سے تعمیر کر لیتا ہے۔

② ہزاروں انجمنیں (ایک دنیا) اس کا طواف کرتی ہے + اس لئے کہ اس نے اپنے آپ میں خلوت اختیار کی ہوئی ہوتی ہے (اس نے بخود گم ہو کر اپنی خودی (انا) کو پا لیا ہوتا ہے)۔

*

بہ روئے عقل و دل بکشائے ہر در   بگیر از پیر ہر میخانہ ساغر
دراں کوش از نیازِ سینہ پرور   کہ دامن پاک دار ی آستیں تر

① اپنی عقل اور دل پر ہر دروازہ کھول دے + ہر میخانہ کے پیر مغاں سے (مے کدہ کے مالک سے) شراب کا پیالہ لے کر پی۔ مراد ہے جہاں سے بھی قلب و ذہن کی غذا یا علم و حکمت ملے حاصل کر۔

② یہ امیر خسرو کا شعر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہر دروازے سے علم و حکمت حاصل کرنے کے سلسلے میں یہ بات یاد رہے) کہ اپنی سینہ پرور نیاز سے (خلوص دل سے) اس بات کی کوشش کر + کہ تیرا دامن پاک رہے۔ اور تیرا آستیں تر رہے (یعنی تو دوسروں کے لیے فیض رساں رہے)

*

خنک آں ملتے بر خود رسیدہ   ز دردِ جستجو ناآرمیدہ
درخشد او تہِ ایں نیلگوں چرخ   چو تیغے از میاں بیروں کشیدہ

① خوش نصیب ہے وہ قوم جو اپنے مقام کو پا چکی ہو یعنی جان چکی ہو کہ اس کی بقا کا راز اس کے خودی یا انا کو پہچاننے میں ہے + وہ تلاش (تحقیق) کی تکلیف کو دیکھتی ہوئی ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں

بیٹھتی بلکہ برابر ترقی اور تحقیق کے راستے پر بڑھتی رہتی ہے۔

② اس نیلے آسمان کے نیچے (دنیا میں) اس کی چمک دمک + ایسی ہوتی ہے جیسے کہ میان (خول) سے باہر کھینچی ہوئی تلوار ہو۔ مراد ہے وہ قوم دنیا میں عروج اور قوت کے اعتبار سے ایسی ہوتی ہے کہ ہر مخالفت اور رکاوٹ پر قابو پا لیتی ہے اور دوسرے اس کے جلال و جمال (شوکت و حسن) سے مرعوب بھی رہتے ہیں۔

٭

چہ خوش زد ترک ملاحے سرودے   رخ او احمرے چشمش کبودے
بدریا گر گرہ افتد بہ کارم   بجز طوفاں نمی خواہم کشودے

① ایک ترک ملاح نے کیسا پیارا نغمہ الاپا + (وہ ترک) جس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں نیلی تھیں۔

② اگر مجھے کشتی یا جہاز چلانے کے دوران سمندر یا دریا میں کوئی مشکل آن پڑے + تو میں گھبرانے کی بجائے آرزو کرتا ہوں کہ کوئی طوفان آئے اور اس گرہ کو کھولے (مشکل کو حل کرے) مراد ہے میری زندگی میں جس قدر مشکلات پیش آتی ہیں میں اسی قدر خوش ہوتا ہوں کہ مجھے تگ و دو سے کام لینا پڑے گا (مراد ہے اصل زندگی سکون میں نہیں تگ و دو میں پوشیدہ ہے)۔

٭

جہانگیری بخاکِ ما سرشتند   امامت در جبینِ ما نوشتند
درونِ خویش بنگر آں جہاں را   کہ تخمش در دل فاروقؓ کشتند

① (اللہ نے) جہان کی حکمرانی ہماری یعنی مسلمان قوم کی مٹی کی سرشت (فطرت) میں رکھی ہے۔

② (اس کے ثبوت کے لئے اے مسلمان) اپنے اندر اس جہان کو دیکھ + (جس کا بیج اللہ نے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں بویا تھا۔ مراد ہے تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح کی زندگی اختیار کر لو۔

٭

کسے کو واند اسرارِ یقیں را   یکے بیں می کند چشمِ دو بیں را
بیامیزند چوں نورِ دو قندیل   میندیش افتراقِ ملک و دیں را

① جو شخص کہ یقین کے بھیدوں کو جانتا ہے + وہ دو کو دیکھنے والی آنکھ کو ایک کو دیکھنے والی آنکھ بنا دیتا ہے۔ مراد ہے اس شخص سے دوئی کا خاتمہ کر کے اس میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیتا ہے اس سے شرک کو دور کر کے اس میں توحید کو راسخ کر دیتا ہے۔

② جس طرح دو شمعوں کی روشنی آپس میں مل کر ایک ہو جاتی ہے + اسی طرح وہ بھی دین و دنیا کے حسنات کا طالب بن جاتا ہے۔ دین و دنیا کو الگ نہیں کرتا۔ اس کا دین اس کی دنیا اور اس کی دنیا اس کا دین بن جاتا ہے کیونکہ اس کے ہر کام پر توحید کی چھاپ لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے اے مسلمان دین اور ملک (یا دنیا یا حکمرانی) کو دوست خیال کر۔ ان میں پراگندگی اور نفاق نہیں ہے۔ یہ جو دین و دنیا الگ الگ نظر آتی ہے اس سے فکر مند نہ ہو۔ اس کو دونوں کا علیحدہ ہونا خیال نہ کر۔

٭

مسلمانے کہ خود را امتحاں کرد   غبارِ راہِ خود را آسماں کرد

شرارِ شوق اگر داری نگہدار   کہ با وے آفتابی می تواں کرد

① جس مسلمان نے (ہر وقت) اپنا امتحان (احتساب) کیا + (یوں سمجھئے کہ) وہ راستے کے غبار کی طرح ٹھکرایا ہوا اور پست تھا اس نے خود کو آسمان جیسا قدر و قیمت اور بلند کر لیا۔

② اگر تو عشق کی چنگاری رکھتا ہے تو اس کی حفاظت کر + کیونکہ اس سے سورج کا کام لیا جا سکتا ہے۔ مراد ہے تو سربلند و سرفراز ہو سکتا ہے۔

شعرائے عرب

آج کے عرب کے شاعروں کے نام

بگو از من نواخوانِ عرب را   بہائے کم نہادم لعلِ لب را

ازاں نورے کہ از قرآں گرفتم   سحر کردم صد و سی سالہ شب را

① میری طرف سے عرب کے شاعروں کو پیغام دے + کہ میں نے ہونٹوں کے لعل کی بہت کم قیمت ڈالی ہے (یا بالکل نہیں ڈالی) مراد ہے میں نے اپنی شاعری میں عورتوں اور دنیاوی حسینوں کی بات نہیں کی۔

② (بلکہ میں نے (رنگ تغزل چھوڑ کر) اپنی شاعری کے موضوعات قرآن سے لئے ہیں اور اس نور سے میں نے (مسلمانوں کی) ایک سو تیس سال کی رات کو صبح میں بدل دیا ہے مراد ہے ان کی شاعری کی ان فرسودہ روایات کو جو طویل عرصے سے ان میں مروج تھیں توڑا ہے اور نیا اسلوب دیا ہے۔ قلب و ذہن کی طویل مدت سے موجود جو تاریکی کو ختم کیا ہے (صد و سی سال سے مراد طویل مدت ہے)

*

بجانہا آفریدم ہائے و ہو را   کفِ خاکے شبیخوں کاخ و کو را

شود روزے حریفِ بحرِ پرشور   ز آشوبے کہ دادم آبجو را

① میں نے (اپنی شاعری کے ذریعے) لوگوں کی جانوں میں ہائے و ہو (اضطراب / عشق) پیدا کیا + (میں نے دوسرے شاعروں کی طرح محلوں اور گلیوں میں دنیا پسند اور امرا کی مدح کرنے والی شاعری نہیں کی) بلکہ میں نے دنیا اور اس کے فوائد کو مٹی کی مٹھی (بے قدر و بے قیمت) سمجھا ہے۔

② ایک روز وہ طوفانوں سے پر سمندر کے مقابلے میں آ جائے گی + (کون) وہ ندی جسے میں نے طوفان عطا کیا ہے یعنی وہ کمزور مسلمان قوم جس کو میں نے سعی و عمل اور عشق کا پیغام دیا ہے میری شاعری کے اثر سے دنیا کی پر شکوہ قوموں کے مقابل میں آ جائے گی۔

*

تو ہم ہنگفتار آں صورت نگاری   بجو غیر از ضمیرِ خویش یاری

بیاغ ما بر آوردی پر و بال   مسلماں را بدہ سوزے کہ داری

① (اے عرب کے شاعر میری طرح) تو بھی صورت نگاری (حسینوں اور معشوقوں کی تصویریں کھینچنا اور باتیں کرنا چھوڑ دے) + اپنے ضمیر (دل) کے ساتھ دوستی کر یعنی اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھر اور جو کچھ

وہاں سے آواز آئے اسے اپنی شاعری کا موضوع بنا۔
② تو نے ہمارے باغ میں پر و بال نکالے ہیں (اسلام کے ماحول میں پل کر پھلا پھولا ہے اس لئے) مسلمان کو وہ سوز عطا کر جو تجھے اسلام نے دیا ہے۔

✱

بخاکِ ما دلے در دل غمے ہست　　ہنوز ایں کہنہ شاخے را نمے ہست
بہ افسونِ ہنر آں چشمہ بکشائے　　درونِ ہر مسلماں زمزمے ہست

① میری مٹی (خاکی جسم) میں دل ہے اور دل میں غم ہے + ابھی تک اس پرانی شاخ میں نم موجود ہے یعنی غم عشق موجود ہے جو دل کی شاخ کو ہری رکھتا ہے۔
② اپنے ہنر (شاعری کے فن سے) آب زمزم کے چشمہ کو جو ہر مسلمان کے باطن میں موجود ہے لیکن بند پڑا ہے کھول دے۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے وہ جوہر اور صلاحیتیں جو ان میں موجود تو ہیں لیکن حالات زمانہ یا فرنگیوں کی سازشوں کی وجہ سے بروئے کار نہیں آسکتیں ان کو بروئے کار لانے (عمل میں لانے) کے راستے اپنی شاعری کے فن کے ذریعے کھول دے۔ یا وہ غم عشق رسول ﷺ جو ان کے دل میں دبا پڑا ہے اسے ابھار دے۔

✱

مسلماں بندۂ مولا صفات است　　دلِ او سرّے از اسرارِ ذات است
جمالش جز بہ نورِ حق نہ بینی　　کہ اصلش در ضمیرِ کائنات است

① مسلمان ہے تو بندہ لیکن اس میں مولا (خدا) کی صفات موجود ہیں + اس کا دل ذات (خدا کی ذات) کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ (یہاں مسلمان سے وہ مسلمان مراد ہے جو ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے صحیح معنوں میں مسلمان ہے اور دل سے مراد گوشت کا لوتھڑا نہیں بلکہ دل کا ایک لطیفہ مراد ہے کہ جب وہ پیدا ہو جاتا ہے تو ذات سے بندے کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے)۔
② اگر تو ایسے مسلمان کا حسن (اس کے روحانی کمالات) دیکھنا چاہتا ہے جو بندہ ہوتے ہوئے صفات الٰہی کا مظہر ہے تو اسے تو صرف نور حق والی باطنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے ظاہری آنکھ یہاں کام نہیں دے گی + اور نور حق کی اصل (جڑ) کائنات کے ضمیر (دل) میں ہے یعنی یہ نور کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے (اور بندہ اس نور سے خالی نہیں کسی مرشد کی راہنمائی میں اس گم شدہ خزانے کی تلاش کی ضرورت ہے)۔

✱

بدہ با خاکِ او آں سوز و تابے　　کہ زاید از شبِ او آفتابے
نوا آں زن کہ از فیضِ تو او را　　دگر بخشند ذوقِ انقلابے

① (اے عرب کے شاعر) مسلمان کی مٹی (جسم خاکی) کو وہ حرارت اور نور دے مراد ہے اس میں (اپنی شاعری کے فن سے پھر) ایسے عشق کی جلن اور حق کا نور پیدا کر جس سے کہ اس کی رات سے سورج پیدا ہو سکے (اس کی رات صبح میں بدل سکے) مراد ہے آج جب وہ اپنی خودی (انا / معرفت) سے بیگانہ ہو کر نور حق اور عشق سے محروم رات کی سی تاریک زندگی گزار رہا ہے اس میں پھر سے وہ نور اور وہ عشق پیدا کر دے جو اس کی زندگی کو دن کی مانند منور کر دے۔

بہ

② تو وہ نوا (شاعری) پیدا کر کہ جس کے فیض (اثر) سے + ایک بار پھر مسلمان کے اندر انقلاب کا ذوق پیدا ہو جائے (اپنی موجودہ حالت کو بدلنے کی لذت اسی طرح پیدا ہو جائے جس طرح تمہارے اسلاف میں کفر سے اسلام کی طرف آنے کی لذت پیدا ہوئی تھی اور انھوں نے پہلے اپنے اندر انقلاب پیدا کیا تھا اور پھر ساری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا تھا)۔

*

مسلمانی غمِ دل در خریدن چو سیماب از تپِ یاراں تپیدن
حضورِ ملت از خود در گذشتن دگر بانگِ انا الملت کشیدن

① مسلمانی دل کا غم (غم عشق) خریدنے کا نام ہے + (مسلمانی) دوستوں یعنی دوسرے مسلمانوں کی بے تابی میں شریک رہ کر پارے کی طرح تڑپنے کا نام ہے۔

② (مسلمانی) اپنی قوم (امت مسلمہ) کے لئے اپنے آپ سے گزر جانے یعنی اپنی اغراض و مفادات کو پس پشت ڈال کر ملی اغراض و مفادات کو پیش نظر رکھنے کا نام ہے + (مسلمانی) ایک بار پھر انا الملت (میں ملت ہوں) کا نعرہ لگانے کا نام ہے مراد ہے خود کو جماعت کا حصہ قرار دے کر جماعت کو پیش نظر رکھنے کا نام ہے نہ کہ بحیثیت فرد خود کو قائم رکھنے اور ملت کو نظر انداز کرنے کا نام ہے۔

*

کسے کو فاش دید اسرارِ جاں را نہ بیند جز بچشمِ خود جہاں را
نوائے آفریں در سینۂ خویش بہارے میتواں کردن خزاں را

① وہ شخص (وہ مسلمان) جس نے جان (روح) کے بھیدوں کو دیکھ لیا + وہ جہان کو غیروں کی آنکھ سے نہیں اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے (وہ خود آشنا یا خودی آشنا ہو کر نور حق والی باطنی آنکھ پیدا کر کے کائنات کو اس کی نظر سے دیکھتا ہے)۔

② (اے شاعر عرب) اپنے سینے میں وہ نوا پیدا کر (وہ شاعری پیدا کر) کہ جس کی بدولت (مسلمان قوم) کی خزاں کو بہار میں تبدیل کیا جا سکے۔

*

نگہدار آں چہ در آب و گِلِ تست سرور و سوز و مستی حاصلِ تست
تہی دیدم سبوئے ایں و آں را مے باقی بہ مینائے دلِ تست

① اس (دل کی اور اس میں موجود غم عشق کی) حفاظت کر جو تیری آب و گل (پانی اور مٹی یعنی جسم خاکی) میں موجود ہے + جس کا حاصل (نتیجہ) سرور، سوز اور مستی ہے۔

② (میں نے ادھر ادھر دیکھا میں نے اس کو اور اس کو یعنی ہر کسی کو دیکھا) سب کے پیالے شراب سے خالی ہیں (یعنی کسی کے پاس فلاح انسانی کا وہ پیغام نہیں ہے جو تیرے پاس بحیثیت مسلمان موجود ہے) + جو شراب اسلام تیرے اسلاف نے کبھی پی تھی اس میں سے جو کچھ تھوڑی بہت بچی ہوئی ہے وہ صرف تیرے ذہن یعنی پاس ہے (اس کو دوسروں کو بھی پلا)۔

*

شبِ ایں کوہ و دشتِ سینہ تابے نخیزد دمے مرغکے نے موجِ آبے

محروم روشن از قندیل رهبان تو میدانی کہ باید آفتابے

① (اے عرب کے شاعر ملک عرب میں جو) پہاڑ اور صحرا ہیں + (اور جن میں) نہ کوئی پرندہ ہے اور نہ پانی ہے اس کی رات۔

② وہ آج کے ان مسلمانوں یا مسلمان صوفیوں کی شمع سے روشن نہیں ہوسکتی جو راہبانہ (ترک دنیا کی) زندگی بسر کر رہے ہیں + تو جانتا ہے اس کے لئے شمع کی نہیں سورج کی ضرورت ہے (اس قسم کی صلاحیتوں اور صفتوں والے مسلمانوں کی ضرورت ہے جو قرون اولیٰ میں ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے ایمان و عمل کے زور سے بڑے معرکے مارے ہیں۔ صحراؤں اور پہاڑوں میں چھپ کر محض اللہ اللہ کرنے سے انقلابات رونما نہیں ہوں گے)۔

*

بخواں مخطِ سیمائے خود را بدست آور رگِ فردائے خود را
چو من پا در بیابانِ حرم نہ کہ بینی اندرو پہنائے خود را

① (اے عرب کے شاعر) تو اپنی پیشانی کی لکیر کو اچھی طرح پڑھ (اس حقیقت سے آگاہ ہو جا کہ خدا نے تجھے مسلمان اور مسلمان شاعر کی حیثیت سے کس لئے پیدا کیا ہے) + (پھر) آنے والے زمانے کی رگ کو اپنے ہاتھ میں لے آ (مستقبل کو اپنی مرضی کے مطابق بنا)۔

② میری طرح تو بھی حرم (مکہ/کعبہ) کے بیابان میں قدم رکھ (جس طرح میں نے اپنے آپ کو رنگ اسلام میں رنگا ہوا ہے اور اس رنگ کو دوسرے مسلمانوں بلکہ کل بنی نوع انسان تک پہنچانے کے لئے اسلامی رنگ شاعری اختیار کیا ہوا ہے تو بھی اختیار کر) + تاکہ تو ان وسعتوں کو پاسکے یا دیکھ سکے (جو اللہ تعالیٰ نے بحیثیت مسلمان) تیرے اندر رکھی ہیں)۔

⑧

اے فرزند صحرا

اے صحرا کے بیٹے یعنی اے صحرا میں رہنے والے

سحرگاہاں کہ روشن شد در و دشت صدا زد مرغے از شاخِ نخیلے
فروہل خیمہ اے فرزندِ صحرا کہ نتواں زیست بے ذوقِ رحیلے

① صبح کے وقت جب بستیاں اور صحرا روشن ہو گئے تو کھجور کے درخت پر بیٹھے ہوئے ایک مرغ (پرندے) نے آواز دی۔

② اے صحرا کے بیٹے (صحرا میں رہنے والے شخص) خیمہ چھوڑدے (اور کوچ کر یا سفر اختیار کر) + کیونکہ سفر کوچ کرنے کی لذت کے بغیر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ (زندگی مسلسل آگے بڑھنے کا نام ہے)۔

*

عرب را حق دلیلِ کارواں کرد کہ او با فقر خود را امتحاں کرد
اگر فقرِ تہی دستاں غیور است جہانے را تہ و بالا تواں کرد

① عرب کی قوم کو خدا نے (دنیا کے) قافلے کی دلیل (راہنما) بنایا ہے + کیونکہ اس نے اپنی آزمائش فقر سے کی ہے (جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کی زندگیوں سے پتہ چلتا ہے انہوں نے حاکمیت کو بھی فقر کے تابع رکھا ہے۔ جس کی بنا پر وہ دنیا والوں کی ایسی راہنمائی کر سکے جو کوئی دوسرا نہیں کر سکا)۔

② اگر بے سروسامان لوگوں میں فقر پیدا ہو جائے ایسا فقر جس میں غیرت ہو + تو ایک جہان کو زیر و زبر کیا جا سکتا ہے (جیسا کہ صحابہ اور ان کے بعد کے مسلمانوں کی زندگیوں سے ظاہر ہے)۔

*

دراں شب ہا خروشِ صبح فرداست کہ روشن از تجلی ہائے سیناست
تن و جاں محکم از باد دز و دشت طلوع امتاں از کوہ و صحراست

① وہاں کی (صحرائی) راتوں میں آنے والی کل کی کا جوش و خروش پایا جاتا ہے + کیونکہ وہ سینا کی تجلی (اس تجلی سے جو حضرت موسیٰ پر وادی سینا میں ہوئی تھی بہ الفاظ دیگر انوار الٰہی کے جلوہ سے) روشن ہیں (فطرت وہاں بے پردہ اور فطرت کے تقاضے وہاں آشکار ہیں)۔

② صحرا اور اس کی بستیوں کی آب و ہوا سے وہاں کے رہنے والوں کا جسم اور روح دونوں چیزیں مضبوط ہوتی ہیں (اس لئے کہ وہ لوگ شہروں اور قصبوں کی آبادیوں کے مقابلے میں فطرت کے بالکل قریب ہوتے ہیں + (یہ بات اس لئے بھی درست ہے کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے) کہ دنیا پر حکمرانی کرنے والی یا دنیا کی راہنمائی کرنے والی یا دنیا میں ابھرنے والی قومیں زیادہ تر پہاڑوں اور صحراؤں ہی سے نکلی ہیں۔

⑨

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

تجھے کیا خبر ہے کہ اس اڑتی ہوئی گرد میں کوئی سوار ہو

دگر آئینِ تسلیم و رضا گیر طریقِ صدق و اخلاص و وفا گیر
مگو شعرم چنیں است و چناں نیست جنونِ زیرکے از من فرا گیر

① (اے مسلمان) ایک بار پھر تسلیم و رضا کو (خدا کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کو) اپنی زندگی کا طور طریقہ بنا + (ایک بار پھر اپنے اسلاف کی مانند) صداقت، خلوص اور وفا کے راستہ کو اختیار کر۔

② یہ نہ کہہ کہ میرا شعر یوں ہے اور یوں نہیں ہے یعنی میری شاعری پر تنقید و تبصرہ اور اس کی تحسین و تنقیص نہ کر + (بلکہ اس میں چھپے گئے ہیرے اس جنوں (سودا) کو تو لے جس میں دانائی بھی پوشیدہ ہے۔

*

چمن ہا زاں جنوں ویرانہ گردد کہ از ہنگامہ ہا بیگانہ گردد
ازاں ہوئے کہ افگندم دریں شہر جنوں ماند ولے فرزانہ گردد

① اس عشق کے جنوں سے (جس میں ہوس پوشیدہ ہوتی ہے) باغات بھی ویرانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں (خوش حال انسانی زندگیاں برباد ہو جاتی ہیں) (کیونکہ ایسا سودا) انسان کو زندگی کے ہنگامے سے (عمل سے / انقلاب برپا کرنے سے) بے گانہ کر دیتا ہے۔

② میں نے اپنی اس ھوے (اس آہ سے یا اس نالہ سے جو میں نے مستی و شوق اور ولولہ و جوش میں کھینچا ہے) اس شہر میں (اس ملک ہندوپاک میں) + جنوں (سودا) تو پیدا کیا ہے لیکن وہ ایسا سودا ہے جس میں دانائی ہے جو خوش سودا ہے (جو آدمی کو ناکارہ نہیں کرتا بلکہ ناکارہ کو کار آمد بناتا ہے)۔

*

نخستیں لالہ صبح بہارم پیاپے سوزم از داغے کہ دارم
بچشم کم مبیں تنہائیم را کہ من صد کارواں گل در کنارم

① میں صبح بہار کا پہلا لالے کا پھول ہوں + میں عشق کے اس داغ سے (جو میں اپنے سینہ میں رکھتا ہوں) مسلسل جل رہا ہوں شاعر کی مراد یہ ہے کہ میں پہلا شاعر ہوں جو اپنے اندر وہ عشق اور وہ سودا رکھتا ہے جو اچھا ہے اور اس میدان میں اب تک تنہا ہوں۔ میرا یہ دعویٰ میرے کلام سے ظاہر ہے۔ اور کون ہے وہ جس نے میری طرح کا رنگ شاعری اختیار کیا ہے۔

② میری تنہائی کو کم نظری سے نہ دیکھ (میرے پیغام کی اہمیت کو نظر سے نہ گرا) + کہ میں اپنے پہلو میں گلاب کے پھولوں کے سینکڑوں قافلے رکھتا ہوں۔ مراد ہے بے شمار لوگ میرے ہم خیال ہونے کو ہیں۔

*

پریشانم چو گردِ رہ گزارے کہ بر دوشِ ہوا گیرد قرارے
خوشا بختے و خرم روزگارے کہ بیروں آید از من شہسوارے

① (یہ صحیح ہے کہ اس وقت میں تنہا ہوں) اور میری حالت راستے کے اس غبار کی سی پریشان ہے + جو ہوا کے کندھوں پر سوار ہو (فضا میں منتشر ہو)۔

② (لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے) کہ کبھی نہ کبھی اس گرد و غبار میں سے کوئی شاہسوار (کوئی مومن / مرد فقیر) ضرور بر آمد ہو گا + وہ دن کتنا مبارک اور اس دن کا نصیب کتنا اچھا ہو گا (جب میری شاعری کے پیغام سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں کوئی فوق البشر پیدا ہو جائے گا اور ان کی صحیح منزل طرف راہنمائی کرے گا)۔

*

خوش آں قومے پریشاں روزگارے کہ زاید از ضمیرش پختہ کارے
نمودش سرّے از اسرارِ غیب است کہ از ہر گردے بروں ناید سوارے

① وہ (مسلمان) قوم جو (اس وقت) پریشان روزگار ہے (جس کی زندگی کے ہر شعبے میں پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں) خوش نصیب ہے + کہ اس کے ضمیر سے ایک پختہ کار (مرد کامل) پیدا ہونے والا ہے۔

② اس مرد کامل کا ظاہر ہونا غیب کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے + (کیونکہ) ہر اڑتے ہوئے غبار سے سوار نمودار نہیں ہوتا۔

٭

بحرِ خویش چوں موج تپیدم تا بطوفانے رسیدم
رنگے ازیں خوشتر ندیدم بخونِ خویش تصویرش کشیدم

① میں اپنے سمندر میں لہر کی طرح تڑپا (اپنی خودی اور انا کے مقام تک پہنچنے کے لئے میں نے بڑی تگ و دو کی) + اس تڑپ کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں طوفان سے (انائے مطلق سے یا خدا سے) آشنا ہو گیا۔

② میں نے اس سے بہتر زندگی کا کوئی رنگ نہیں دیکھا یعنی اپنی پہچان سے خدا کی پہچان کرنے کے طریقہ و عمل سے بہتر کوئی طریقہ یا عمل نہیں دیکھا + (لیکن اس مرتبہ پر پہنچنا آسان نہیں) میں نے اس کی تصویر کو خون کے رنگ سے کھینچا ہے۔

٭

نگاہش پر کند خالی سبوہا دواند مے بتاکِ آرزوہا
طوفانے کہ بخشد رائیگانی حریفِ بحر گردد آبجوہا

① ایسا مرد کامل جو اس پریشان حال مسلمان قوم میں پیدا ہونے والا ہے وہ ہوگا) جس کی نظر مسلمانوں کے خالی پیالوں کو بھر دے گی (ان کی ساری کمزوریاں اور پریشانیاں دور کر دے گی + ان کی آرزوؤں کی انگور کی بیل میں شراب کی لہر دوڑا دے گی۔

② یہ طوفان (جو مسلمانوں کے مخالف ہر خس و خاشاک کو) بہا کر لے جائے گا مسلمانوں کو بلا قیمت اور بلا محنت (اللہ کی طرف سے انعام کی صورت میں) مل جائے گا + اور مسلمانوں کی نہریں سمندر کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں گی۔ یعنی آج کا کمزور مسلمان اس مرد کامل کی راہنمائی میں بڑی بڑی طاقتوں اور شیطانی قوتوں سے ٹکرانے کے قابل ہو جائے گا۔

٭

برگیرد زمام کارواں را دہد ذوقِ تجلی ہر نہاں را
کند افلاکیاں را آنچناں فاش تہِ پا می کشد نُہ آسماں را

① (جب وہ مرد کامل آکر) قافلہ کی (مسلمان قوم کی) باگ ڈور (راہنمائی کا فریضہ) سنبھالے گا + تو وہ ہر پوشیدہ کو تجلی کا (جلوے کا / ظاہر ہونے کا) ذوق عطا کر دے گا۔ مراد ہے مسلمانوں میں جو حالات زمانہ کے دباؤ کی وجہ سے قوتیں اور صلاحیتیں چھپی ہوئی ہیں وہ ظاہر ہو جائیں گی اور مسلمان کارہائے نمایاں سرانجام دیں گے۔

② (زمین تو زمین رہی اس مرد کامل کی راہنمائی میں مسلمان) آسمانی قوتوں کے راز ظاہر کرے گا + وہ اپنے پاؤں کے نیچے نو آسمانوں کو کھینچتا ہے یعنی لے آتا ہے مراد ہے کہ آنے گا مراد ہے وہ زمین و آسمان دونوں پر متصرف ہو جائے گا۔

٭

ک باد کن آں پاک جاں را زاید آں امیرِ کارواں را
آغوشِ چنیں فرخندہ ماد... می دہم حورِ جناں ... را

① اس پاک جان کو (اس پاکیزہ جان والی خاتون کو) مبارک باد دینا + جو ایسے امیر کارواں (قافلہ کے سالار / مسلمان قوم کے راہنما) کو پیدا کرے گی۔
② ایسی نیک بخت ماں کی آغوش سے + میں جنت کی حوروں کو شرمندگی سے دوچار کر رہا ہوں یعنی میرے لئے ایسی ماں کے مقابلے میں حوران بہشتی کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

*

دل اندر سینہ گوید دلبرے ہست — متاعے آفریں غارتگرے ہست
بگوشم آمد از گردوں دم مرگ — شگوفہ چوں فرو ریزد برے ہست

① میرے سینہ میں میرا دل کہہ رہا ہے کہ کہیں کوئی دلبر ضرور ہے یعنی ایسا مرد کامل ضرور آئے گا + (اس لئے اے مسلمان) دولت پیدا کیا جس کو غارت کرنے والا کہیں ضرور موجود ہے۔ یعنی تو اس کی آمد کے لئے تیار رہ۔
② جب میری موت کا وقت آیا تو آسمان سے صدائے غیب آئی + کہ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ جب شگوفہ (پودے سے) گر جاتا ہے تو پھل نمودار ہوتا ہے مراد ہے میرے بعد کوئی قوم کی راہنمائی کرنے والا ضرور آئے گا (یہ مصرع فارسی شاعر لطف اللہ آزر کا ہے)۔

⑩

خلافت و ملوکیت

اسلامی نظام حکومت جو خلافت اور غیر اسلامی نظام حکومت جو ملوکیت یا بادشاہت کہلاتا ہے۔

عرب خود را بہ نورِ مصطفیٰ سوخت — چراغِ مردۂ مشرق برافروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد — کہ اول مومناں را شاہی آموخت

① اہل عرب نے خود کو نور مصطفیٰ ﷺ سے منور کیا + (اور پھر) اس نور سے انہوں نے مشرق کے بجھے ہوئے چراغ کو روشن کیا (اسلام اور اس کی تعلیمات کی روشنی پھیلا کر ظلمت کو دور کیا۔ باطل کو مٹایا اور حق کو رائج کیا)۔
② لیکن اس خلافت نے اس (نور اسلام کی روشنی پھیلانے والی) راہ کو گم کر دیا + جس نے سب سے پہلے اہل ایمان کو بادشاہی سکھائی (اصل خلافت خلفائے راشدین تک رہی۔ اس کے بعد خلافت کے نام پر بادشاہت ہوتی رہی)۔

*

خلافت بر مقامِ ما گواہی است — حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ — خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

① خلافت (اسلام کا طریقہ حکمرانی) ہمارے یعنی مسلمانوں کے اس منصب کی گواہی دیتی ہے + کہ جسے تو بادشاہی کہتے ہیں (وہ چاہے کسی شکل میں کیوں نہ ہو) ہم مسلمانوں پر حرام ہے۔

② بادشاہت کا نظام تمام کا تمام فریب اور شعبدہ بازی کا نظام ہے (جس میں انسانوں کو حیلوں بہانوں سے حقوق انسانی سے محروم رکھا جاتا ہے) + (اس کے مقابلے میں) خلافت کا نظام ناموس الٰہی (اللہ کے نظام و قوانین کی عزت کی حفاظت) کا نظام ہے (جس میں اصل اطاعت اللہ کی ہوتی ہے خلیفہ تو اس کے نائب کی حیثیت سے لوگوں کو اطاعت الٰہی پر رکھنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے)۔

*

درافتد با ملوکیت کلیمے فقیرے بے کلاہے بے کلیمے
گہے باشد کہ بازی ہائے تقدیر بگیرد کارِ صرصر از نسیمے

① وہ مومن جس میں اللہ سے کلام کرنے والے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کی شان پائی جاتی ہے بادشاہت کے مقابلے میں اسی طرح بے باکی اور دلیری سے آجاتا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ فرعون کے مقابلے میں آئے تھے + مرد مومن جو ایک بے سروسامان فقیر ہوتا ہے اپنی بے سروسامانی کے باوجود ہزاروں قسم کا سامان رکھنے والی بادشاہت سے الجھ جاتا ہے۔

② (میری اوپر کے شعر میں کہی گئی بات سے حیران نہ ہوں) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقدیر کے کھیل میں + نرم و لطیف ہوا سے تند و تیز ہوا کا کام لے لیا جاتا ہے۔ (تاریخ اسلام میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مسکین و فقیر مسلمانوں نے بڑی بڑی طاقتوں کا تختہ الٹ دیا)۔

*

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است نظامش خام و کارش ناتمام است
غلام فقرِ آں گیتی پناہم کہ در دینش ملوکیت حرام است

① ابھی تک دنیا میں آدمی (آدمی کا) غلام ہے + (باوجود انتہائی ترقی اور تہذیب کی روشنی کے) جو نظام ہائے حیات بھی ہیں وہ ناپختہ ہیں اور ان کا کام نامکمل ہے (مکمل دستور حیات کہیں نہیں)۔

② میں اس پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فقر کا غلام ہوں جن کی پناہ میں دونوں جہان ہیں + وہ پیغمبر جن کے دین میں بادشاہت کا نظام مذہبی اعتبار سے ناجائز ہے (آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ دو جہانوں کے بادشاہ ہوتے ہوئے بوریا نشین اور مسکین تھے۔ خلافت کے نظام میں یہی روح پائی جاتی ہے کہ حاکم امیر ہوتے ہوئے فقیر ہوتا ہے)۔

*

محبت از نگاہش پائدار است سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد ولیکن جہانِ شوق را پروردگار است

① اس پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ سے (جس نے شاہی میں فقر اور فقر میں شاہی کا راز جتایا ہے) محبت کو پائداری ملی ہے (آدمی آدمی کو غلام بنانے کی بجائے اس سے محبت کرنے لگا ہے) + جس راہ پر انہوں نے چلنے کے لئے کہا ہے وہی عشق و مستی کا معیار ہے (ورنہ اور جو کچھ ہے ہوس ہے) مراد ہے آپ ﷺ سے عشق اور اس عشق کی وجہ سے پیدا شدہ مستی کا دعویٰ اسی وقت درست ہے جب مدعی اس راہ پر چلے جس پر چلنے کے لئے انہوں نے کہا ہے۔

② ان کا مرتبہ اگرچہ عبدہٗ (اس کا بندہ / اللہ کا بندہ) ہے + لیکن وہ بندہ عشق کے جہان کا پروردگار

(پالنے والا) ہے (اگر کسی میں ان کے عشق کی جھلک ہے تو سمجھیں وہ آدمی صحیح ہے چاہے وہ تخت شاہی پر چاہے بوریائے فقر پر بیٹھا ہو)۔

(11)

ترک عثمانی

وہ ترک جنھوں نے ترکی میں خلافت کے نام سے عثمانیہ سلطنت قائم کی تھی۔ اسے خلافت عثمانیہ کہتے ہیں۔

بملکِ خویش عثمانی امیر است دلش آگاہ و چشم او بصیر است
نہ پنداری کہ رست از بندِ افرنگ ہنوز اندر طلسم او اسیر است

① اپنے ملک میں عثمانی ترک (بے شک) خود مختار اور حکمران ہے + (بے شک وہ دنیاوی معاملات سے) واقف دل اور ان کو صحیح دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہے۔

② (اس کے باوجود) تم یہ نہ سمجھو کہ وہ اہل یورپ کی غلامی سے آزاد ہو گیا ہے + بلکہ ابھی تک وہ (سیاسی نظام اور تمدنی و ثقافتی اعتبار سے) ان کے جادو میں قید ہے (دیکھئے وہ خلافت کی بجائے بادشاہت رائج کئے ہوئے ہے)۔

✱

خنک مرداں کہ سحر او شکستند بہ پیمان فرنگی دل نہ بستند
مشو نومید و با خود آشنا باش کہ مرداں پیش ازیں بودند و ہستند

① وہ لوگ مبارک کے قابل ہیں جنھوں نے فرنگیوں کے جادو کو توڑا ہے + ان کے عہد پر کبھی اعتماد نہیں کیا (کیونکہ وہ اپنے مفاد کی خاطر عہد کو توڑ دیتے ہیں)۔

② (اے مسلمان یا ترک) تو ناامید نہ ہو (صرف ضرورت اس بات کی ہے) کہ تو اپنے آپ کو پہچانے (کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مومن پیدا کیا ہے اور مومن کسی کا غلام نہیں ہوتا) + اس سے پہلے مسلمانوں میں ایسے مرد گزرے ہیں جنھوں نے اہل باطل کے زور کو توڑ کر رکھ دیا تھا اور (میرے خیال میں) اب بھی موجود ہیں (شرط صرف خود آشنا ہو کر عمل کے میدان میں قدم رکھنے کی ہے۔ یورپ کے جادوگر کا جادو ٹوٹ جائے گا)۔

✱

بہ ترکاں آرزوئے تازہ دادند بنائے کارِ شاں دیگر نہادند
و لیکن کو مسلمانے کہ بیند نقاب از روئے تقدیرے کشادند

① ان ترکوں کو (جو پہلی جنگ عظیم کے بعد اتحادیوں سے شکست کھانے کی وجہ سے بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے تھے) اللہ تعالیٰ نے نئی آرزو دی + اور انہوں نے اپنے کام کی نئی بنیاد ڈالی یعنی وہ پھر سے سلطنت ترکی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے (اگرچہ اس کا انداز پہلے انداز سے بالکل مختلف ہے)۔

② لیکن وہ مسلمان کہاں ہیں (جو ان ترکوں کی مثال کو سامنے رکھیں اور دیکھیں) + کہ کس طرح ان کے سامنے تقدیر کے چہرے سے نقاب اٹھایا گیا ہے (ان کو سربلند و سرفراز کیا گیا ہے ان کی تقدیر کو بدل دیا گیا ہے وہ مسلمان جو اب تک غلام ہیں اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ان ترکوں کی مثال سامنے رکھ کر عزت اور آزادی کی زندگی کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں)۔

(12)

دختران ملت

ملت یعنی مسلمان قوم کی بیٹیاں یا عورتیں

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرورد بیاموز از نگہ غارت گری ہا

① اے میری ننھی (مسلمان) بٹی یہ دلبری (معشوقیت کی نزاکت کے انداز) چھوڑ دے + مسلمان کو یہ کافری زیب نہیں دیتی (ظاہری حسن کی نمائش اور زیب و زینت کے اظہار کی اجازت غیر مسلموں میں تو ہے۔ اسلام میں نہیں ہے۔ تو ان غیر مسلموں خصوصاً فرنگی عورتوں کی بے حیائی سے بچ)۔

② غازے سے اپنے رنگ و حسن کو دوبالا کرنے والے جمال پر دل نہ لگا + (بلکہ) اپنی نگاہ سے غارت گری سیکھ (حسن ظاہری کی آرائش و نمائش کی بجائے سیرت و کردار کا حسن پیدا کر تاکہ تیری مثال سامنے رکھ کر دنیا کی دوسری عورتیں بھی اپنے عورت پن کے جوہر سے آشنا ہو جائیں)۔

*

نگاہِ تست شمشیرِ خداداد بزخمش جانِ ما را حق بما داد
دلِ کامل عیار آں پاک جاں برد کہ تیغِ خویش را آب از حیا داد

① اے مسلمان عورت تمہاری نگاہ ایک خداداد تلوار ہے + اس کے زخم سے خدا نے ہماری جان ہمیں عطا کی ہے مراد ہے اللہ نے تمہارے ظاہر میں نہیں تمہاری خلوت میں یا تمہاری شخصیت میں ایک حسن خاص رکھا ہوا ہے اور وہ حسن ہے بچہ پیدا کرنے کے عمل کا جس کی وجہ سے ہم سب اپنا وجود رکھتے ہیں اس لئے تم اپنے دائرہ کار کو سمجھو اور اپنی شخصیت کے اصل حسن کو قائم رکھو آدمیت کے لائق اور انسانیت کی سزاوار اولاد پیدا کرو اپنے عورت پن کے حلقہ فطری سے نکل کر مرد کے حلقہ میں نہ آؤ)۔

② وہ پاک جان والی عورت کسوٹی پر پورا اترنے والا یعنی پُرخلوص اور کھرا دل لے گئی کہ جس نے اپنی تلوار کی دھار کو حیا سے آب (چمک) دی ہے (مقصود ہے عورت کا اصل حسن اس کی حیا ہے جو اس زمانے کی عورت میں نہیں ہے)

*

ضمیرِ عصرِ حاضر بے نقاب است کشادش در نمودِ رنگ و آب است

جہانتابی ز نورِ حق بیاموز که او با صد تجلی در حجاب است

① دور حاضر (عہد جدید) کی ذہنیت بے حجاب (بے پردہ) ہے۔ یعنی ڈھکی چھپی نہیں + اس کا ظہور (اس کی نمود) رنگ و آب یعنی ظاہری چمک دمک میں ہے (اندرون اس کا سیاہ ہے)۔

② (تو اے مسلمان عورت) اللہ کے نور سے (اپنے اندرونی اور بیرونی) جہان کو روشن کرنا سیکھ + یہ وہ نور ہے جو سینکڑوں جلووں کے باوجود پردے میں ہے مراد یہ ہے کہ اگر تجھے ظہور و نمود کی نمائش مقصود ہے تو بھی اس نور حق کی طرح جو ظاہر ہوتے ہوئے پوشیدہ ہے خود کو ہزاروں جلووں سے اس طرح آراستہ کر کہ وہ جلوے موجود بھی ہوں لیکن آنکھوں سے چھپے ہوئے بھی ہوں۔

✹

جہاں را محکمی از امہات است نہادِ شاں امینِ ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند نظامِ کاروبارش بے ثبات است

① جہان کی پختگی (پائیداری) کا تعلق ہے + ان کی خلقت یا ان کی طینت ممکنات کی یعنی آئندہ پیدا ہونے والی نسلوں کی امانت دار ہے۔ (وہ جیسی اولاد پیدا کریں گی جیسی ان کی تربیت کریں گی جہان ویسا ہو گا۔ زمانہ ویسا ہو گا)۔

② اگر اس رمز کو (باریک بات کو) کوئی قوم نہیں جانتی + تو اس کے کاروبار حیات کا نظام ناپائدار (افراتفری کا شکار) رہتا ہے۔

✹

مرا داد ایں خرد پرور جنونے نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

① مجھے یہ عقل پرور سودا (ایسا سودا جو عقل سے خالی نہیں) + میری اس ماں کی آغوش اور پرورش نے عطا کیا۔ جس کا باطن پاکیزہ تھا۔

② (یاد رکھ اے مسلمان ماں) مدرسے خصوصاً عہد حاضر کے مدرسے کی تعلیم سے (حق کو پہچاننے والی) آنکھ اور (نور حق والا) دل پیدا نہیں کیا جا سکتا + کیونکہ مکتب تو جادو اور منتر کے سوا کچھ نہیں۔ مراد ہے اس کی تعلیم ظاہر میں بڑی پرکشش ہے لیکن اس کا اندرون بڑا تاریک ہے یہ آدمی کو ظاہری چمک دمک تو دیتی ہے لیکن اس کا اندر سیاہ کر دیتی ہے۔

✹

خنک آں ملتے کز وارداتش قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را تواں دید از جبینِ امہاتش

① مبارک کے قابل ہے وہ قوم کہ جس کی واردات (فکر و عمل) سے اس کی دنیا میں قیامت کے سے ہنگامے برپا ہوتے ہیں مراد ہے وہ ہر وقت جد و جہد میں لگی رہتی ہے اور نئے نئے انقلابات سے دوچار ہوتی ہے۔

② اس قوم کو کیا پیش آتا ہے اور کیا پیش آچکا ہے + اس کو اس قوم کی ماؤں کی پیشانی میں دیکھا سکتا ہے۔ مراد جیسی اس قوم کی مائیں تھیں یا ہیں ویسی اس قوم کی حالت رہی ہے اور ہے۔

*

اگر پندے ز درویشے پذیری ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

① (اے مسلمان عورت) اگر تو مجھ درویش سے ایک نصیحت پکڑ لے + تو ہزاروں مائیں مر سکتی ہیں لیکن تو (مر کر بھی) نہیں مرے گی۔

② تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ بن جو بتول کہلاتی تھیں کیونکہ وہ دنیاوی علائق سے بالکل پاک تھیں اور اس زمانے میں اپنی نمائش کی بجائے اس سے چھپ جا + تاکہ تیری گود میں بھی فاطمہ ؓ کے لال حضرت حسین ؓ جیسے بیٹے پیدا ہوں۔

*

شام ما بروں آور سحر را بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
میدانی کہ سوزِ قرائت تو دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

① (اے مسلمان عورت) تو ہماری شام (خراب حالت) سے صبح (اچھے حالات) پیدا کر + (اس کی صورت یہ ہے) کہ خود بھی قرآن پڑھ اور جو اہلِ نظر ہیں ان کو دوبارہ قرآن کی طرف بلا۔

② تو اس (تاریخی واقعہ کو) جانتی ہے کہ تیری قراءت (قرآن پڑھنے کے حسین انداز نے) نے + حضرت عمر فاروق ؓ کی تقدیر بدل دی تھی (وہ پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے لیکن اپنی بہن سے قرآن سن کر وہ مسلمان ہو گئے اور حضرت فاروق اعظم ؓ بن گئے)۔

(14)

عصر حاضر

موجودہ دور جو مغرب والوں کے فکر و عمل کا پیدا کردہ ہے

چہ عصر است ایں کہ دیں فریادیِ اوست ہزاراں بند در آزادیِ اوست
روئے آدمیت رنگ و نم برد غلط نقشے کہ از بہزادیِ اوست

① یہ کیسا زمانہ ہے کہ دین (مذہب اسلام) اس کے خلاف فریاد کر رہا ہے مراد ہے ہر طرف مادہ پرستی اور بے دینی کا دور دورہ ہے + اس زمانے میں (یہ تو کہا جاتا ہے) کہ آدمی (سیاسی طور پر آزاد ہے) لیکن اس کی اس آزادی میں ہزاروں قسم کی جکڑ بندیاں اور قیدیں پوشیدہ ہیں۔ جب تک لوگ دین دار تھے سوائے خدا کے کسی کے در کے غلام نہیں تھے اب دین چھوڑ کر وہ ہزاروں قسم کی غلامی کے شکار ہیں۔

② یہ زمانہ آدمیت کے چہرہ سے رنگ اور نم لے گیا + اس زمانہ کی بہزادی نے (ایران کے مشہور مصور بہزاد کی سی مصوری کر کے) غلط قسم کے نقش کھینچے ہیں جو بہ ظاہر تو فن مصوری کا شاہکار نظر آتے ہیں لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے نہایت بدنما اور بھونڈے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس زمانے نے لوگوں

میں آدمیت اور انسانیت کی قدریں ختم کر دی ہیں اور ہر طرف شیطنت کا دور دورہ ہے اس کی تہذیب و تمدن، علوم و فنون، معاشرت و ثقافت، اور ہر قسم کے فکری، سیاسی، اور اقتصادی نظریات میں بڑی کشش اور چکا چوند ہے لیکن حقیقت میں یہ سب ملمع سازی اور جھوٹے نگوں کی چمک کی طرح ہے۔

*

نگاہش نقشبندِ کافری ہا — کمالِ صنعت او آزری ها
حذر از حلقۂ بازار گانش — قمار است ایں ہمہ سوداگری ہا

① اس زمانے کی نگاہ کافرانہ نقش بناتی ہے (بے دینی، الحاد اور انکار مذہب و خدا سکھاتی ہے) + اس زمانے کی صنعت کا کمال آزری کی طرح کا ہے (جس طرح کے دور قدیم میں ایک شخص آزر بت بناتا تھا اور بتوں کے آگے جھکنا سکھاتا تھا اسی طرح اس دور کا کمال ہنر بھی مادیت، دہریت، اشتراکیت، ملوکیت، جمہوریت، اشتمالیت، ہوس، نفس، جنس، وغیرہ کے بت تراش کر لوگوں کو ان کا پجاری بناتا ہے)۔

② اے مسلمان اس دور کے تاجروں کے حلقہ میں آنے (ان کی فریب کاری میں پھنسنے) سے بچ + ان کی سوداگری، سوداگری نہیں جوا بازی ہے جس میں وہ قوموں کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ (اس میں اہل مغرب کی سوداگری کے نام پر فریب کاری کا اشارہ ہے جو ایشیا، افریقہ اور دنیا کے دوسرے خطوں کی قوموں کو تجارت کے بھیس میں ہر قسم کی سیاسی، اقتصادی، تہذیبی، معاشرتی اور ثقافتی غلامی میں جکڑ رہے ہیں)۔

*

جواناں را بد آموز است ایں عصر — شب ابلیس را روز است ایں عصر
بدامانش مثالِ شعلہ پیچم — کہ بے نور است و بے سوز است ایں عصر

① یہ زمانہ جوانوں کو (خصوصی طور پر) بدی سکھاتا اور مادر پدر آزاد بناتا ہے (کیونکہ جوانی دیوانی ہوتی ہے وہ اس زمانے کی شیطانی چکا چوند سے جلد متاثر ہو جاتی ہے) + یہ زمانہ ابلیس کی رات کا دن ہے یعنی ابلیس کی موج بنی ہوئی ہے۔ ہر آدمی اس کی شیطنت کا شکار ہو رہا ہے۔

② میں اس زمانے کے دامن سے شعلہ کی طرح الجھا ہوا ہوں مراد ہے اس کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ لڑائی لڑ رہا ہوں + کیونکہ یہ زمانہ حقیقی عشق کی جلن اور نور حق کی روشنی سے محروم ہے (میں اپنے شاعرانہ پیغام کے ذریعے اس زمانے کو جلا کر خاک سیاہ کرنے میں لگا ہوا ہوں)۔

*

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد — ضمیرش باقی و فانی بہم کرد
ولیکن الاماں از عصرِ حاضر — کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد

① مسلمانوں نے تو فقیری اور شاہی کو اکٹھا کیا تھا (اس کے بادشاہ فقیر اور اس کے فقیر بے نیازی کی وجہ سے بادشاہ ہوتے تھے) + انہوں نے باقی کو یعنی فقیری کو جو ہمیشہ رہنے والی ہے (کیونکہ فقیر مر کر بھی یک خاص طرز میں زندہ ہوتا ہے) فانی کے ساتھ یعنی بادشاہی کے ساتھ جو کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی ملا یا تھا (اور اس طرح معاشرے میں ایک توازن قائم رکھا تھا)۔

② لیکن زمانہ حاضر سے خدا پناہ دے اس نے بادشاہی کے ساتھ شیطانی کو جمع کر دیا ہے مراد ہے اس

نے دنیا کو ملوکیت' جمہوریت' اشتراکیت' آمریت' اشتمالیت وغیرہ کے جتنے بھی نظام دیئے ہیں سب شیطانی نظام ہیں۔ ان کا اثر صرف حکمرانی کے نظام تک نہیں رہا بلکہ انہوں نے پورے انسانی معاشرہ کو شیطانی معاشرہ میں بدل دیا ہے)۔

*

چہ گویم رقصِ تو چون است و چوں نیست   حشیش است ایں نشاطِ اندرون نیست
بہ تقلیدِ فرنگی پائے کوبی   برگہائے تو آں طغیان خوں نیست

① علامہ نے رقص کی دو قسمیں بتائی ہیں ایک وہ رقص جس میں بدن ناچتا ہے روح مردہ رہتی ہے دوسرا وہ رقص جس میں روح ناچتی ہے اور بدن بھی۔ اس شعر میں وہ اس مسلمان کو جو اہل مغرب (فرنگیوں) کی طرح بدن کو خم و پیچ دے کر ناچتا ہے کہتا ہے کہ میں تیرے اس رقص کے بارے میں کیا کہوں کہ یہ ایسا ہے اور ویسا نہیں ہے + (دو لفظوں میں) میں یہ کہے دیتا ہوں کہ تیرا یہ رقص شراب اور بھنگ کا نشہ پینے کی وجہ سے ہے تیرے اندرونی جذبہ یا عشق کی شراب پینے کی وجہ سے نہیں ہے۔ (اس لئے یہ مذموم ہے۔ شیطنت ہے)۔

② تو جو فرنگیوں (اہل مغرب یا انگریزوں) کی پیروی میں پاؤں مار مار کر ناچ رہا ہے + یہ تیرے خون کے جوش یعنی جذبہ باطنی کی وجہ سے نہیں ہے۔ (اس لئے اس سے بچ اور وہ رقص ناچ جو صوفیانہ وجد اور توجہ کی بنا پر ہوتا ہے جو روح کا رقص ہوتا ہے اور بدن کو صرف اس کے اظہار کے لئے حرکت دینی پڑتی ہے)۔

(14)

برہمن

ہندوؤں کے مذہب کا پیشوا + مندروں میں بتوں کی پوجا کرانے والا

دو صد فتنہ را بر خود کشادی   دو گامے رفتی و از پا فتادی
برہمن از بتاں طاقِ خود آراست   تو قرآں را سرِ طاقے نہادی

① اے عہد حاضر کے مسلمان تو نے (اسلام سے دور ہو کر اور غیر مسلموں کی پیروی کر کے) اپنے لئے سینکڑوں فتنوں کا دروازہ کھولا + تو دو قدم (سیدھی راہ پر) چلتا ہے اور پھسل جاتا ہے۔ (تو دین پر ثابت قدم نہیں رہا)۔

② ہندوؤں کے پیشوا برہمن نے تو اپنے مندر کے طاق کو بتوں سے سجا رکھا ہے (مراد ہے کہ وہ تو اپنے مذہب پر پختگی سے قائم ہے) + (لیکن تو نے) قرآن کو طاق میں (دیوار میں سوراخ کی سی جگہ میں) رکھ چھوڑا ہے مراد ہے تو اپنے مذہب کو چھوڑ چکا ہے۔

*

برہمن را نگویم ہیچ کارہ کند سنگِ گراں را پارہ پارہ
نیاید جز بہ زورِ دست و بازو خدائے را تراشیدن ز خارہ

① میں ہندوؤں کے پیشوا برہمن کو نکما نہیں کہتا + وہ تو بڑے بڑے پتھروں کے ٹکڑے کرتا ہے اور پھر (ان سے پوجا کے لئے اپنے خدا یعنی بت تراشتا ہے) مراد ہے کہ ہندوستان کا ہندو تو ہر لحاظ سے تگ و دو کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔ اور اپنی قوم اور مذہب کی ہر قسم کی برتری کے لئے کوشاں ہے لیکن تو اے مسلمان نکما بن چکا ہے اور عمل کے میدان سے سرخرو ہو کر دوسروں کا محتاج ہو گیا ہے۔

② (یاد رکھو) دست و بازو کے زور کے بغیر (طاقت کے بغیر) حاصل نہیں ہوتا + (کیا) سخت پتھر سے اپنے لئے (بتوں کی شکل میں) خدا تراشنا مراد یہ ہے کہ ہندوستان کا ہندو ہر لحاظ سے طاقت ور ہوتا جا رہا ہے اور مسلمان کمزور۔

٭

نگہ دارد برہمن کارِ خود را نمی گوید بہ کس اسرارِ خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگذر بدوشِ خود برد زنارِ خود را

① برہمن ہندو بڑا ہوشیار اور چالاک ہے) وہ اپنے مقصد کو کبھی نہیں بھولتا اور جو کام یا مقصد اسکے پیش نظر ہوتا ہے اسکو نگاہوں میں رکھتا ہے، وہ (جو کچھ) کرنا چاہتا ہے) اس کے بھیدوں سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا (ظاہر میں وہ کچھ نظر آتا ہے اندر سے کچھ اور ہوتا ہے)۔

② مجھ سے (یعنی ہم مسلمانوں سے برہمن یا ہندو قوم) یہ کہتی ہے کہ تسبیح کو (اپنے مذہب کو) چھوڑ دو (اور ہم سے گھل مل کر ایک متحدہ قومیت بنا لو) + (لیکن برہمن) خود اپنے کندھوں سے زنار (جنیو کو جو ہندو اپنے مذہب کی نشانی اور اس کی پختگی سے پیروی کے لئے دھاگے کی صورت میں اپنی کمر اور کندھوں کے گرد لپیٹ رکھتا ہے) کو لپیٹ رکھتا ہے مراد ہے اندر ہی اندر اپنے مذہب پر مضبوطی سے قائم رہتا ہے (ہندو نے مسلمان کو یہ سارا فریب انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم سے دیا)۔

٭

برہمن گفت برخیز از درِ غیر ز یارانِ وطن ناید بہ جز خیر
بیک مسجد دو ملا می نہ گنجد ز افسونِ بتاں گنجد بیک دیر

① (ہندوستانی مسلمانوں سے) تو برہمن نے (انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم سے) یہ کہا کہ غیر کے دروازے سے اٹھ جاؤ کیونکہ ہندوستان انگریز حاکموں کی وجہ سے ہمارے لیے ایک غیر ملک بن گیا ہے۔ یہاں رہ کر اپنے ملک اور وطن کے لوگوں سے بھلائی کی کوئی توقع نہیں (اس لئے) انگریزوں سے کسی قسم کا تعاون نہ کرو (اور ان کی نوکریاں چھوڑ دو اور اس ملک سے ہجرت کر جاؤ چنانچہ مسلمانوں نے تو ان کے فریب میں آ کر یہ سب کچھ کیا لیکن خود ایک ہندو نے بھی عمل نہیں کیا)۔

② (صورت حال یہ ہے کہ فرقہ بندی اور ذاتی اغراض و مفادات کی بنا پر) ایک مسجد میں دو ملا تو نہیں سما سکتے (اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکتے) + (مگر بتوں کے جادو (ہندوؤں کے فریب اور چالاکی میں آ کر) ایک مندر میں (انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم پر) سما جاتے ہیں (یاد رہے کہ کانگرس کے پلیٹ فارم سے ہندو مسلم بھائی بھائی' ہندو مسلم متحدہ قومیت' مذہب و سیاست کی دوئی' آزاد بھارت کا نعرہ جس میں ہندو

اکثریت ہونا لازمی تھا اور مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کی مخالفت میں جو مسلمان راہنما پیش پیش تھے وہ مختلف فرقوں کے مولوی' ملا یا علما حضرات ہی تھے ستم ظریفی دیکھئے مسجدوں اور مذہبی حلقوں میں آپس میں لڑ بھڑ کر مسلمان قوم کے اتحاد کو نقصان پہنچانے والے کانگرس کے پلیٹ فارم پر ہندوؤں کو ہر قسم کی تقویت پہنچانے میں متحد تھے)۔

(15)

تعلیم

خصوصی طور پر جدید تعلیم مراد ہے جس کا نظام انگریز حاکم نے ہمیں دیا ہے

تب و تابے کہ باشد جاودانہ سمندِ زندگی را تازیانہ
بہ فرزنداں بیاموز ایں تب و تاب کتاب و مکتب افسون و فسانہ

① وہ بے قراری جو زندگی میں جدوجہد کے لئے ہر حال میں اور ہمیشہ کے لئے ضروری ہے + (اور جو) زندگی کے گھوڑے کو دوڑانے کے لئے کوڑے کی صورت رکھتی ہے۔

② (اے مسلمان ماہر تعلیم یا اے مسلمان بیٹوں کے سرپرست) مسلمان بچوں کو یہ تب و تاب سکھا (جدید تعلیم کی بجائے ایسی تعلیم دے جس سے کہ ان میں) تب و تاب (جذبہ عشق اسلام) پیدا ہو + موجودہ مدرسہ اور اس میں پڑھائی جانے والی کتابیں تو جادو اور خیالی کہانیوں کی مانند ہیں یعنی زندگی کی صحیح شکل اختیار کرنے میں مدد دینے کے اعتبار سے بے کار اور بے معنی ہے۔ مسلمان بچوں کے لئے ایسا نظام تعلیم ہونا چاہئے جس سے ان کی دنیا اس طرح بنے کہ دین اس سے غائب نہ ہو۔

*

ز علمِ چارہ سازے بے گدازے بسے خوشتر نگاہِ پاک بازے
نکو تر از نگاہِ پاک بازے دلے از ہر دو عالم بے نیازے

① اس علم سے جو چارہ ساز (زندگی گزارنے کے لئے روزگار مہیا کرنے والا) تو ہو۔ لیکن دل و جاں میں گداز (کیفیت سوز عشق) نہ پیدا کرے + اس سے تو کسی پاک باز (پاک جان' پاک دل اور پاک سیرت رکھنے والے) کی نگاہ زیادہ بہتر ہے۔

② پاک باز مرد کی نگاہ سے بھی بہتر + وہ دل ہے جو دونوں جہانوں سے بے نیاز ہو (یہ کام جدید تعلیم نہیں کر سکتی بلکہ اس کے برعکس کام کر رہی ہے)۔

*

بہ آں مومن خدا کارے ندارد کہ در تن جانِ بیدارے ندارد
ازاں از مکتبِ یاراں گریزم جوانے خود نگہدارے ندارد

① (یاد رکھو) خدا اس اہل ایمان سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا + کہ جو جسم میں بیدار جان نہ رکھتا ہو (جو

سوز و گداز دل سے خالی ہو)۔

② میں یار لوگوں کے کھولے ہوئے جدید تعلیم دینے والے مدرسوں سے اس لئے بھاگتا ہوں + کہ ان میں ایک جوان بھی ایسا نہیں جو خود نگہدار (اپنی پہچان کرنے والا/اپنے ایمان اور مسلمانی قدروں کی حفاظت کرنے والا) ہو۔

*

ز من گیر ایں کہ مردِ کور چشمے   ز بینائے غلط بینے نکوتر
ز من گیر ایں کہ نادانے نکوکیش   ز دانشمندِ بے دینے نکوتر

① مجھ سے یہ حقیقت پالے کہ اندھی آنکھوں والا آدمی + اس آنکھوں والے آدمی سے بہتر ہے جو (زندگی کو) غلط انداز میں دیکھتا ہو۔

② مجھ سے یہ حقیقت بھی پالے کہ نیک زندگی والا نادان (کم عقل) + بے دین عقل مند سے بہتر ہے (اور موجودہ تعلیم غلط بین بینا اور بے دین دانش مند پیدا کر رہی ہے)۔

*

ازاں فکرِ فلک پیما چہ حاصل؟   کہ گردِ ثابت و سیارہ گردد
مثالِ پارۂ ابرے کہ از باد   بہ پہنائے فضا آوارہ گردد

① اس آسمانوں کو ناپنے والی فکر (علم فلکیات) سے + جو ستاروں اور سیاروں کے گرد گھومتی ہے (اور آدمی کو اپنے اندر کے جہان سے آشنا نہیں کرتی) کیا حاصل ہے۔

② (ایسے علم، فکر، عقل اور سائنس) کی مثال اس بادل کے ٹکڑے کی سی ہے + جو فضا کی وسعتوں میں آوارہ پھرتا رہتا ہے (اور پانی نہیں برساتا)۔

*

ادب پیرایۂ نادان و داناست   خوش آں کو از ادب خود را بیاراست
ندارم آں مسلماں زادہ را دوست   کہ در دانش فزود و در ادب کاست

① ادب (بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم کرنا) کم عقل اور عقل مند دونوں کا زیور یا لباس ہے + مبارک ہے وہ شخص جس نے خود کو اس ادب سے زینت دی ہے۔

② میں مسلمان کے گھر پیدا ہونے والے اس نوجوان کو دوست نہیں رکھتا (پسند نہیں کرتا) + جو علم، عقل، دانائی وغیرہ میں تو اعلیٰ درجہ پر ہو لیکن ادب کے لحاظ سے نچلے درجے پر ہو (موجودہ مدرسے اور ان کی تعلیم سے فارغ نوجوانوں کا یہی حال ہے)۔

*

ترا نومیدی از طفلاں روا نیست   چہ پروا گر دماغِ شاں رسا نیست
بگو اے شیخِ مکتب گر بدانی   کہ دل در سینۂ شاں ہست یا نیست

① (مدرسے کے استاد سے علامہ کہتے ہیں) کہ تجھے اپنے طالب علموں سے نا امیدی مناسب نہیں ہے + اس بات کی کیا پروا اگر ان کے دماغ رسا (یعنی وہ ذہین) نہیں ہیں۔

② اے مدرسے کے استاد اگر تجھے علم ہے تو بتا + کہ ان کے سینوں میں دل ہیں یا نہیں ہیں (تیرا اصل

کا دماغ کو روشن کرتا نہیں دل کو روشن کرتا ہے۔ دل کی روشنی دماغ کو بھی روشن کر دے گی دماغ کی روشنی دل میں تاریکی پیدا کر دے گی)۔

*

پور خویش دین و دانش آموز — کہ تابد چوں مہ و انجم نگینش
سبب او اگر وادی ہنر را — ید بیضا است اندر آستینش

① (اے مسلمان والدین) تم اپنی اولاد کو دین بھی سکھاؤ اور دانش (دانائی/دنیاوی علوم) بھی + تاکہ ان کی زندگی کا نگینہ چاند اور تاروں کی طرح چمکے (وہ دین و دنیا دونوں اعتبار سے سرفراز اور سرخرو ہوں)۔

② (صرف دنیاوی علوم حاصل کرنا اور دین سے بیگانہ رہنا یا صرف دین کے علوم حاصل کرنا اور دنیا کے علوم سے بے بہرہ رہنا دونوں مسلمان کے لئے نقصان دہ ہیں۔ پہلی صورت میں طالب علم مسلمان ہوتے ہوئے مسلمان نہیں رہے گا اور دوسری صورت میں اقوام عالم کی دوڑ میں پیچھے رہ کر بدحالی کا شکار ہو جائے گا اس لئے) اگر تو اسے دونوں علوم سے بہرہ ور کر کے ہنر (سائنس اور مختلف قسم کے علوم و فنون) سکھائے گا (تو دیکھے گا) کہ اس کی آستین میں تو حضرت موسیٰ کا سا چمکدار ہاتھ ہے مراد ہے وہ بھی دوسری اقوام کی طرح سائنس اور علوم و فنون کے میدان میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کا اہل ہے۔

*

نوا از سینۂ مرغ چمن برد — ز خونِ لالہ آں سوز کہن برد
بایں مکتب بایں دانش چہ نازی — کہ ناں در کف نہ داد و جاں ز تن برد

① (جدید مدرسہ اور تعلیم کی خرابی بیان کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں) یہ باغ کے پرندے (مسلمان نوجوان) کے سینے سے اس کی نوا (صدا، آواز، نغمہ) لے گئی + اور لالہ کے سرخ رنگ والے پھول (اہل عشق) سے اس کا پرانا سوز (داغ عشق) لے اڑی۔

② تو اس جدید مدرسہ اور اس کی تعلیم پر کیا ناز کرتا ہے + (کیا یہ حقیقت نہیں) کہ اس نے نوجوانوں کو بے کار اور ان کے جسموں کو ان کی روح کی حقیقت سے ناآشنا کر دیا ہے (اس سے دین بھی ہاتھ سے گیا اور دنیا بھی)۔

*

خدایا وقتِ آں درویش خوش باد — کہ دلہا از دمش چوں غنچہ بکشاد
بہ طفلِ مکتبِ ما ایں دعا گفت — پے نانے بہ بندِ کس نہ افتاد

① اے خدا اس درویش کا وقت خوش رہے (خدا اسے جزائے خیر دے) + کہ جس کے دم سے دل کے غنچے کھل گئے۔

② اس نے ہمارے جدید طرز کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان نوجوانوں کے لئے یہ دعا کی + اے خدا یہ روٹی کے محتاج ہو کر کسی کی قید میں گرفتار نہ ہو جائیں (جیسا کہ ایسی تعلیم حاصل کئے ہوئے نوجوان دین سے بے گانہ، روح سے ناآشنا اور آدمیت کی اقدار سے ناواقف نوکری اور روزگار کے لئے دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور اس کے لئے ضمیر فروشی اور غیروں کی نظریاتی غلامی کے لئے

بھی تیار ہو جاتے ہیں)۔

٭

کسے کو لا الٰہ را در گرہ بست ز بندِ مکتب و ملا بروں جست
بآں دین و بہ آں دانش مپرداز کہ از ما می برد چشم و دل و دست

① جس مسلمان نوجوان نے کلمہ طیبہ (توحید اور خدا کی ربوبیت اور کبریائی) کو گرہ میں باندھا (اس پر سختی سے قائم رہا) + وہ جدید طرز یا ملا کی قدیم طرز کی تعلیم کے مدرسوں سے باہر رہا۔

② اس دینی تعلیم اور اس دنیاوی تعلیم کے حصول کی کوشش مت کر + کہ جو ہم سے آنکھ (نور بصیرت والی، حق دیکھنے والی آنکھ)، دل (خود آگاہ اور خدا آگاہ دل) اور ہاتھ (ہنر یا روزگار کے ذرائع) چھین کر لے جائے۔

٭

چو می بینی کہ رہزن کارواں کشت چہ پرسی کاروانے را چساں کشت
مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی کہ از وے روحِ قومے میتواں کشت

① جب چوروں نے قافلے کو لوٹ لیا یا اہل قافلہ کو مار دیا + تو پھر کیا پوچھتا ہے کہ اس نے قافلہ کیسے لوٹا یا اہل قافلہ کو کیسے مارا (ایسا ہوتا ہی رہتا ہے)۔

② اس علم سے جو اے مسلمان نوجوان تو حاصل کر رہا ہے بچ جایا تو محفوظ نہیں رہ سکتا + کہ اس سے پوری قوم کی روح کو ختم کیا جا سکتا ہے (اور ظاہر ہے مسلمان قوم کے ساتھ یہ ہو چکا ہے)۔

٭

جوانے خوش گلے، رنگیں کلاہے نگاہِ او چو شیراں بے پناہے
بہ مکتب علم میشی را بیاموخت میسر نایدش برگِ گیاہے

① وہ مسلمان نوجوان جو (اسلام پر عمل کی وجہ سے) خوبصورت اور رنگین ٹوپی والا تھا یعنی اپنے کردار میں حسین اور انداز میں دلکش تھا + جس کی نگاہ شیروں کی طرح (اپنے شکار کے لئے) تند و تیز تھی یعنی جو باطل کے مقابلے میں شیروں کی طرح دلیر تھا۔

② (جب وہ جدید مدرسوں میں داخل ہوا) تو اس نے بھیڑوں کا سا کمزور اور بزدلانہ انداز سیکھ لیا + وہ ایسی بھیڑ کی مانند ہو گیا جسے گھاس کا ایک تنکا میسر نہ آئے (اس کا دین بھی گیا اور روزگار بھی)۔

٭

شتر را بچۂ او گفت در دشت نہ می بینم خدائے چار سو را
پدر گفت اے پسر چوں پا بلغزد شتر ہم خویش را بیند ہم او را

① ایک اونٹ کو اس کا بچہ صحرا میں کہنے لگا + میں اس خدا کو جس کو ہر طرف اور ہر جگہ موجود سمجھا جاتا ہے نہیں دیکھ رہا۔

② شتر بچہ کا باپ (بڑا اونٹ) کہنے لگا جب کسی اونٹ کا پاؤں پھسل جاتا ہے (اور وہ سامان سمیت زمین پر گر پڑتا ہے) تو وہ خود کو بھی دیکھ لیتا ہے اور اپنے خدا کو بھی۔ (مراد ہے جب انسان مصائب میں گرفتار ہوتا ہے تو اس وقت اسے خدا یاد آتا ہے حالانکہ انسان کو چاہئے کہ وہ اسے خوش حالی میں بھی یاد کرے مگر

یہ بات جدید مدرسہ کی تعلیم سے حاصل نہیں ہو سکتی)۔

اس رباعی میں یہ مفہوم بھی پنہاں ہو سکتا ہے کہ اے نوجوان میں تجھے جدید مدرسہ اور اس کی تعلیم کی خرابیوں سے جو آگاہ کر رہا ہوں تو شاید اس مرحلہ پر تو میری بات کو تسلیم نہ کرے لیکن جب تو تعلیم سے فارغ ہو کر نکلے گا اور خود کو دین 'اخلاق' اور ادب سے بے بہرہ پائے گا اور روزگار کی تلاش میں مارا مارا پھرے گا تو اس وقت یقین کر لے گا کہ میں ٹھیک کہتا تھا۔

تلاش رزق

پریدن از سرِ بامے بہ بامے ۔ نہ بخشد جرہ بازاں را مقامے
ز نخچیرے کہ جز مشتِ پرے نیست ۔ ہماں بہتر کہ میری در کنامے

① ایک چھت سے دوسری چھت تک اڑ کر (رزق تلاش کرنا) + شاہ بازوں کے مرتبہ کے خلاف ہے۔

② ایک ایسے شکار کے لئے جس میں مٹھی بھر پر ہوں (جو بالکل چھوٹا اور کمزور ہو) اے باز تیرے لئے تو یہی بہتر ہے کہ تو گھونسلے ہی میں مرجائے (مراد ہے مسلمان کی شان کے شایاں نہیں کہ وہ دو ٹکڑوں کی خاطر ذلیل ہوتا پھرے)۔

*

نگر خود را بچشمِ محرمانہ ۔ نگاہِ ماست ما را تازیانہ
تلاشِ رزق ازاں دادند ما را ۔ کہ باشد پر کشودن را بہانہ

① اے مسلمان تو اپنے آپ کو محرمانہ (خود کو پہچان والی) آنکھ سے دیکھ + ہماری نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے (ہماری زندگی کے گھوڑے کے لئے) کوڑے کا کام دینے والی بنایا ہے۔

② ہمیں رزق کی تلاش کا مادہ اس لئے عطا کیا گیا ہے + کہ وہ ہمارے لئے پر کھولنے کا بہانہ بن جائے یعنی جدوجہد کرنے کا بہانہ بن جائے۔

(17)

نہنگ با بچہ خویش
ایک مگرمچھ اپنے بچہ سے

نہنگے بچۂ خود را چہ خوش گفت ۔ بہ دینِ ما حرام آمد کرانہ
بموج آویز و از ساحل بپرہیز ۔ ہمہ دریاست ما را آشیانہ

① ایک مگرمچھ نے اپنے بچہ سے کیا اچھی بات کہی + کہ ہمارے مذہب میں (ہمارے طرز زندگی میں)

دریا کے کنارے پر آرام کرنا حرام ہے۔
② دریا کی موجوں سے الجھ اور ساحل سے پرہیز کر + سارا دریا ہمارا آشیانہ (گھر ہے) (مقصود مسلمان کو زندگی کی مشکلات سے الجھتے رہنے اور مسلسل تگ و دو کرنے کی تلقین کرنا ہے) اور یہ بتانا ہے کہ سارا جہان مسلمان کا وطن ہے ۔جہاں جہاں کلمہ گو ہیں وہ ایک ملت اسلامیہ کے فرد ہے۔

تو در دریا نہ او در بر تست • بہ طوفاں در فتادن جوہر تست
چو یک دم از تلاطم ہا بیا سود ہمیں دریائے تو غارت گرے تست

① تو دریا میں نہیں بلکہ دریا تیرے پہلو میں ہے + دریا کے طوفان سے الجھنا تیری بنیادی صفت ہے۔
② اگر تو نے دریا کے طوفان میں ایک دم کے لئے آرام کیا + یہی دریا تجھے غارت کرنے والا (برباد کرنے والا) بن جائے گا (مراد یہ ہے کہ اے مسلمان تو دنیا کے لئے نہیں دنیا تیرے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگر تو دنیا کی مشکلات کے آگے ہتھیار ڈال دے گا اور جدوجہد سے اس کو غلام نہیں بنائے گا تو یہ تجھے غلام بنا لے گی)۔

(18)

خاتمہ

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم حدیثِ عشق بیباکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ امت ترا با شوخیِ رندانہ گفتم

① میں نے اپنی شاعری میں نہ ساقی کی بات کی ہے نہ پیالے کی + (بلکہ اس کی بجائے) میں نے عشق کی کہانی بے خوف ہو کر بیان کی ہے۔(وہ عشق جو زندگی کو تباہ نہیں کرتا بلکہ بناتا ہے)۔
② جو کچھ میں نے امت مسلمہ کے پاک لوگوں (صالحین' بزرگوں' ولیوں وغیرہ) سے سنا تھا + وہ اپنی شاعری کے ذریعے رندانہ انداز میں (اے قاری/اے مسلمان) تجھ تک پہنچا دیا ہے۔

*

بخود باز آ و دامانِ دلے گیر درونِ سینۂ خود منزلے گیر
بدہ ایں کشت را خونابۂ خویش فشاندم دانہ من تو حاصلے گیر

① (اے راہ زندگی سے بھٹکے ہوئے مسلمان) واپس اپنی راہ پر آ۔(اپنے مقام کو پہچان) اور دل کا دامن تھام (اپنے اندر دل کا جوہر پیدا کر) اور اپنے سینہ میں منزل بنا (اپنے اندر خودی پیدا کر)۔
② اس کھیت (دل) کو اپنے خالص خون سے سیراب کر + میں نے اس کھیت میں دانہ ڈالا دیا ہے تو اس سے فصل حاصل کر (جو کچھ میں نے اپنی شاعری میں تجھے پیغام دیا ہے اس پر عمل کر اور سرخرو و کامیاب ہو)۔

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست او طواف بام و در نیست

میانِ ما و بیت اللہ رمزیست کہ جبریلِ امیں را ہم خبر نیست

① (اے مسلمان) حرم (خانہ کعبہ) دل اور نگاہ کے قبلہ (روحانی مرکز/ سجدہ گاہ) کے سوا کچھ نہیں + جب تو اس کا طواف کرتا ہے تو اس کی عمارت کا طواف نہیں کرتا (بلکہ ایک روحانی مرکز کا طواف کرتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے عرش کے انوار و تجلیات منعکس ہوتی ہیں)۔

② ہمارے اور اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کے درمیان ایک رمز (ایک راز/ ایک خفیہ تعلق) ہے + جس کی خدا کے مقرب ترین فرشتہ جبریل امین کو بھی خبر نہیں (وہ رمز یہ ہے کہ جس طرح اس ظاہری دنیا میں اللہ کا گھر ہے آدمی کے جسم میں بھی ہے اور وہ مومن کا دل ہے جس میں اللہ کے انوار و تجلیات کا ورود اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ خانہ کعبہ میں۔ یہ رمز علم سے نہیں کسی صاحب دل کی صحبت سے ہاتھ آتی ہے)۔

حضور عالم انسانی

انسان کے جہان کی جناب میں

آدمیت احترام آدمی باخبر شو از مقام آدمی

آدمیت آدمی کے احترام کا نام ہے + آدمی کے مرتبہ (مقام) سے باخبر ہو جا۔

حضور عالم انسانی

تمہید

ابتدائی بات

①

بیا ساقی بیار آں کہنہ مے را جوانِ فرودیں کن پیر دے را
نوائے دہ کہ از فیضِ دم خویش چو مشعل برفروزم چوب نے را

① اے ساقی آ اور اس پرانی شراب کو لا + (اور اسے پلا کر) خزاں کے بوڑھے کو بہار کا جوان بنا دے (یہاں خدا سے خطاب ہے کہ ہمیں انہی آسمانی برکات اور فیوض سے بہرہ ور کر جن سے کبھی آدمیت کے باغ میں بہار تھی)۔

② مجھے وہ نوا (شاعری کا انداز) عطا کر کہ جس کے فیض کے دم سے + میں لکڑی کی بنسری کو مشعل کی طرح روشن کر دوں (میں تباہ شدہ آدمی کے جہان کو پھر سے آدمیت سے آباد کر سکوں)۔

*

یکے از حجرۂ خلوت بروں آئے بہار ‏ صبح گاہی سینہ بکشائے
خروشِ ایں مقامِ رنگ و بو را ‏ بقدرِ نالہ مرغے بیفزائے

① اے تنہائی کے حجرہ میں بیٹھنے والے ایک دفعہ اس حجرہ سے باہر آ + اور صبح کی ہوا سے اپنا سینہ کھلا کر۔

② اس رنگ و بو کے مقام کے خروش کو (فطرت کی وسیع آغوش میں جو رنگ اور خوشبوئیں۔ پھیلی ہوئی ہیں ان کے جوش کو) + اتنا تو اور بڑھا دے جتنا کہ پرندہ اپنے نالہ (فریاد/ نغمہ) سے بڑھا رہا ہے مراد ہے اے شاعر تو اپنی شاعری سے لوگوں کے دلوں میں محبت اور ہمدردی کے اتنے جذبات تو پیدا کر دے جس طرح صبح کا پرندہ اپنی نوا سے موسم بہار میں پیدا کرتا ہے۔

②

زمانہ فتنہ ہا آورد و بگذشت ‏ خساں را در بغل پرورد و بگذشت
دو صد بغداد را چنگیزیِ او ‏ چو گورِ تیرہ بختاں کرد و بگذشت

① زمانہ (دنیا میں) فتنے لایا اور چلا گیا + اس نے اپنی گود میں نااہلوں کو پالا اور چلا گیا۔

② مشہور فاتح اور ظالم حکمران چنگیز خان نے تو ایک بغداد (عراق کا ایک شہر جو بنو عباس کے خلفا کا دار الخلافت رہا ہے) تباہ کیا تھا۔ زمانے نے ایسے دو سو (بہت سے) بغداد (شہر) تباہ کئے + اور بدقسمت لوگوں کی قبروں کی طرح ان کو ویران کر کے چلا گیا (زمانے کا کام تو یہی ہے تو اس خوف سے خود بے عمل ہو کر نہ بیٹھ جا)۔

*

بسا کس اندہِ فردا کشیدند ‏ کہ دی مردند و فردا را ندیدند
خنک مرداں کہ در دامانِ امروز ‏ غمِ ہزاراں تازہ تر ہنگامہ چیدند

① بہت سے آدمی ایسے ہیں جو آنے والے مصائب اور حادثات کی فکر میں رہتے ہیں + اور اس طرح وہ اپنی قوت عمل کو اس حد تک کمزور کر دیتے ہیں کہ وہ ماضی میں تو مرے ہی تھے آنے والی کل سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

② مبارک ہیں وہ مرد جنہوں نے آج کے دامن سے + ہزاروں تازہ تر ہنگامے چنے مراد ہے وہ لوگ خوش قسمت ہیں جنہوں نے آج وقت سے فائدہ اٹھا کر آنے والی کل کا سامان پیدا کیا۔

*

چو بلبل نالۂ زارے نداری ‏ کہ در تن جانِ بیدارے نداری
دریں گلشن کہ گلچینی حلال است ‏ تو زخمے از سرِ خارے نداری

① تو بلبل کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے اور فریاد و زاری نہیں [illegible] تو جسم میں (جان تو رکھتا ہے لیکن) بیدار جان (اپنی قوت اور صلاحیت جاننے والی جان) نہیں رکھتا۔

② اس (دنیا کے) باغ میں جہاں پھول توڑنا (محنت کرکے اس کا پھل حاصل کرنا) حلال (مذہبی طور پر جائز) ہے + افسوس ہے تو کانٹے کا زخم نہیں رکھتا۔ (محنت کرنے اور مشکلات سے گھبراتا ہے)۔

*

بیا بر خویش پیچیدن بیاآموز بناخن سینہ کاویدن بیاموز
اگر خواہی خدا را فاش بینی خودی را فاش‌تر دیدن بیاموز

① آ اور (خود سے) اپنے آپ سے الجھنا (اپنی تلاش کرکے اپنے آپ کو پانا یا اپنی معرفت حاصل کرنا) سیکھ + اپنے ناخنوں سے سینے کو کھودنا (مسلک عشق اختیار کرکے اپنی خودی کے خزانے کو اپنے سینہ میں پانا سیکھ)۔

② اگر تو خدا کو ظاہر دیکھنا چاہتا ہے + تو اپنی خودی کو زیادہ ظاہر دیکھنا سیکھ (اگر خود کو پالے گا تو خدا کو پالے گا)۔

*

گلہ از سختیِ ایام بگذار کہ سختی ناکشیدہ کم عیار است
نمی دانی کہ آب جویباراں اگر بر سنگ غلطد خوش گوار است

① زمانے کی سختی کا گلہ چھوڑ (اس کا شکوہ مت کر) + کہ جس نے زمانے کی سختی نہیں سہی وہ کم عیار (ناقص / خام) ہے۔

② کیا تو نہیں جانتا کہ نہروں ندیوں کا پانی جب تک اپنی راہ کے پتھروں سے ٹکراتا ہے (اور ٹکرا کر گزرتا ہے) تو زیادہ خوش گوار (دیکھنے اور چکھنے میں زیادہ پسندیدہ) ہوتا ہے (اسی طرح زندگی کا حسن بھی اس کے مشکلات اور مصائب کے پتھروں سے ٹکرانے میں ہے)۔

*

کبوتر بچہ‌ٔ خود را چہ خوش گفت کہ نتواں زیست با خوئے حریری
اگر "یا ھو" زنی از مستیِ شوق کلہ را از سرِ شاہیں بگیری

① ایک کبوتر بچہ نے اپنے آپ سے کیا خوبصورت / اچھی بات کہی + کہ ریشم کی طرح کی نرم اور ملائم عادت سے جینا مشکل ہے (تیری اس کمزوری سے باز فائدہ اٹھا کر تمہیں اچک لے گا اور کھا جائے گا)۔

② اگر تو یا ھو (اے وہ اللہ جس کے سوا کچھ نہیں) رسمی ذکر کی بجائے عشق الٰہی کی مستی میں کہے گا + تو (یاد رکھ) تو باز کے سر سے اس کی ٹوپی (کلغی / پر) اتار لے گا۔ مراد ہے کہ اللہ کو رسمی طور پر ماننے والے طاقت ور قوموں کا اسی طرح شکار ہو جاتے ہیں جس طرح کبوتر بازوں کے پنجوں میں آ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس طاقت ور کی طرف کوئی نگاہ نہیں کرتا اے مسلمان تو اللہ کا ذکر اس طرح کر کہ اس کی صفات تجھ میں جلوہ گر ہو جائیں اور کائنات تیری مطیع ہو جائے۔

*

فتادی از مقامِ کبریائی حضورِ دوں نہاداں چہرہ سائی
تو شاہینی ولیکن خویشتن را نگیری تا بدامِ خود نیائی

① تو اپنے بلند مقام سے نیچے آ پڑا ہے (اگر گیا ہے) + (یہی وجہ ہے کہ تو ان لوگوں کی چوکھٹ پر) ماتھے

گھسا رہا ہے جو کینۂ فطرت ہیں۔ (اگر تو اپنے انسانی مقام کو پہچانتا اور نائب خدا یا خلیفۃ الارض کے مرتبہ پر ہوتا تو یہ ساری کائنات تیرے آگے سرنگوں ہوتی)۔

② تو تو شاہین (شہباز) ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تجھے اپنا نائب بنا کر تیرے اندر کائنات کو اپنی چوکھٹ پر جھکانے کی قوتیں رکھی ہوئی ہیں لیکن تو خود کو بھلا چکا ہے + (اور یاد رکھ تو اس وقت تک) خود کو نہیں پا سکتا جب تک تو اپنے جال میں نہ پھنسے مراد ہے اپنی معرفت (یا خودی) حاصل کر کے خلیفۃ الارض یا نائب خدا کا مقام حاصل نہ کرلے۔

*

خوشا روزے کہ خود را باز گیری ہمیں فقر است کو بخشد امیری
حیات جاوداں اندر یقین است رہ تخمین و ظن گیری بمیری

① مبارک ہو گا وہ دن جب تو خود کو پالے گا (اپنی معرفت حاصل کر کے آدمیت اور انسانیت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے گا) + یہ خود کو پالینا یا اپنی خودی کو پالینا ہی دراصل فقر ہے۔ یہ وہ فقر ہے جو فقیر کو امیری عطا کرتا ہے (وہ بے سروسامانی کے عالم میں ایسا بے نیاز ہوتا ہے کہ ساری خدائی اس کے آگے جھکتی ہے۔ یہ ایسی امیری ہے جس کو کبھی زوال نہیں)۔

② ہمیشہ کی زندگی یقین (کامل ایمان / پختہ ایمان) میں ہے (جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو یقین کامل کی حد تک تسلیم کر) + کیونکہ یقین کو چھوڑ کر شک اور گمان کا راستہ اختیار کرنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ (ایسا شخص واقعی ہمیشہ کے لئے مرجاتا ہے)۔

*

تو ہم مثلِ من از خود در حجابی خنک روزے کہ خود را بازیابی
مرا کافر کند اندیشۂ رزق ترا کافر کند علمِ کتابی

① تو بھی میری مانند حجاب (پردے) میں ہے یعنی تمہارا اپنا آپ بھی تم سے پردے میں ہے + مبارک ہو گا وہ دن جب تو (ان پردوں کو ہٹا کر) خود کو پالے گا کہ تو کون ہے تیری حقیقت کیا ہے اور تجھے خالق نے کائنات میں اپنے نائب کا مقام دیا ہے۔

② مجھے رزق کی فکر کافر بنا رہی ہے مراد ہے میرے یقین اور ایمان کو فکر معاش ڈانوا ڈول کر رہا ہے + تجھے کتابوں کا علم ایمان سے دور رکھے ہوئے ہے۔ مراد ہے اپنی پہچان کے مسلک پر چلنے اور اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سالک کو نہ فکر معاش ہو اور نہ کتابی علم کا بکھیڑا۔ رزق کا فکر کچھ اور نہیں سوچنے دیتا اور علم آدمی کو بے یقین بنا دیتا ہے خصوصاً عصرِ حاضر کا علم بلکہ بندے اور خدا کے درمیان حجاب بن جاتا ہے۔ اس راہ میں خدا کے سوا ہر شے سے بے نیازی اور عشق الٰہی کی ضرورت ہے۔

*

چہ خوش گفت اشترے با کرۂ خویش خنک آں کس کہ داند کارِ خود را
بگیر از ما کہن صحرا نورداں بہ پشت خویش بردن بارِ خود را

① ایک اونٹ نے اپنے بچہ سے کیا خوب بات کہی + کہ خوش نصیب ہے وہ جو اپنے کام (اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو) جانتا ہے (ان سے گھبراتا نہیں اور محنت سے جی نہیں چراتا)۔

② ہم صحراؤں میں پرانے گھومنے پھرنے والوں سے حاصل کر (سیکھ) + اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد کر لے جانا (مراد ہے ہر شخص کو دوسرے کاموں کا) بوجھ اٹھانا چاہیئے۔

④

مرا یاد است از دانائے افرنگ بنا رازے کہ از بود و عدم گفت
ولیکن با تو گویم ایں دو حرفے کہ با من پیر مردے از عجم گفت

① مجھے ایک فرنگی (انگریز/یورپی) دانا یا عقل مند شخص کے بتائے ہوئے بہت سے ایسے راز یاد ہیں جو اس نے بود و عدم (ہستی اور نیستی یا کائنات کے وجود یا عدم وجود) کے متعلق مجھ سے کہے۔
② لیکن (میں تمہیں اس مغربی حکیم کی باتیں نہیں بتاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں وہ کائنات کی حقیقت کو پائے ہوا نہیں تھا میں تمہیں (اس کی طویل باتوں کی بجائے) یہ دو حرف (مختصر سی بات) بتاؤں گا + جو مجھ سے عجم (غیر عرب/مشرق) کے ایک پرانے بوڑھے (تجربہ کار اور عقل مند) نے بتائے ہیں (وہ کیا ہیں۔ ان کے لئے اگلی رباعی دیکھئے)۔

✱

الا اے کشتۂ نامحرمے چند خریدی از پے یک دل غمے چند
ز تاویلات ملایاں نکوتر نشستن با خود آگاہے دمے چند

① خبردار اے (انسانیت اور کائنات کی حقیقت) سے بے خبر چند یورپی حکما کے مارے ہوئے (ان کے نظریات کا اثر قبول لینے والے) + تو نے ایسا کر کے اپنے دل کے لئے چند غم خرید لئے ہیں (تیرا دل غلط نظریات کا شکار ہو کر اطمینان سے محروم ہو گیا ہے)۔
② اسی طرح اسلامی نظریات و افکار کی من گھڑت تاویلیں دین کے پیشہ ور راہنما (ملا) کر کے تجھے پریشاں دل اور پریشان دماغ بنائے ہوئے ہیں + اس سے (ان کی صحبت اور ان کے علم سے) کہیں بہتر یہ ہے کہ تو کسی خود آگاہ (اپنی اور اپنے خدا کی معرفت سے آشنا مرد فقیر) کے ساتھ چند لمحے بیٹھے (اس کی چند لمحوں کی صحبت تیری زندگی کا سرمایہ بن جائے گی)۔

⑤

وجود است ایں کہ بینی یا نمود است حکیم ما چہ مشکل ہا کشود است
کتابے بر فن غواص بنوشت ولیکن در دل دریا نبود است

① ہم جو کچھ خارج میں دیکھ رہے ہیں یہ کوئی وجود بھی رکھتا ہے یا محض نمود ہے مراد ہے کائنات حقیقی ہے یا غیر حقیقی یعنی جو صرف نظر آتی ہو لیکن حقیقت میں نہ ہو + (طنز کے طور پر کیا ہے) فلسفیوں نے دیکھئے ہمارے لئے کیسی کیسی مشکلات کھولی ہیں یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی عقل کی موشگافیوں سے خواہ مخواہ مشکلات پیدا کی ہیں۔

② (ان فلسفیوں کی مثال تو یہ ہے) کہ ایک شخص نے دریا میں غوطہ زنی کے فن پر کتاب تو لکھی ہو لیکن خود کبھی دریا کی تہ میں غوطہ نہ لگایا ہو + یہ لوگ کائنات اور انسان کے راز کی باتیں تو کرتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی اپنے دل میں (اپنے اندر تک) نہیں جھانکا۔ مراد ہے۔ جس کو اپنی معرفت حاصل نہ ہو وہ کائنات اور انسان کے بارے میں صحیح خیالات و نظریات کا اظہار نہیں کر سکتا صرف ٹامک ٹوئیاں مار سکتا ہے۔

*

بہ ضربِ تیشہ بشکن بیستوں را کہ فرصت اندک و گردوں دو رنگ است
حکیماں را دریں اندیشہ بگذار شرر از تیشہ خیزد یا ز سنگ است

① جس طرح محنت کش فرہاد نے بیستوں پہاڑ سے پانی کی ندی لانے کے لئے ہتھوڑا چلایا تھا اور پتھروں کو توڑا تھا تو بھی مخالفتوں اور مشکلوں کے پہاڑ پر مسلسل عمل سے ضربیں لگا کر اپنے دل سے معرفت / حقیقت کی ندی جاری کر + اس کے لئے دیر نہ کر کیونکہ زندگی جلد گزرنے والی اور آسمان کی اچھی اور بری دو چالیں ہیں۔ نہ جانے کیا ہو جائے۔

② (تو عمل پیہم سے اپنی حقیقت پالے) یہ بات فلسفیوں پر چھوڑ کہ وہ دیکھتے رہیں کہ چنگاری اس تیشہ سے نکلتی ہے جو تو نے چلایا ہے یا اس پتھر سے نکلتی ہے جس پر تو نے تیشہ مارا ہے مراد ہے ان کو خیالات و افکار کی فضول بحثوں میں الجھ کر اپنا وقت ضائع کرنے دو۔ لیکن تم دریائے دل میں غوطہ لگا کر حقیقت کا موتی لے آؤ۔

*

منہ از کف چراغِ آرزو را بدست آور مقامِ ہاؤ ہو را
مشو در چار سوئے ایں جہاں گم بخود باز آ و بشکن چار سو را

① اپنی ہتھیلی (ہاتھ) سے آرزو (اپنی معرفت حاصل کرنے کی آرزو) کے چراغ کو نہ رکھ + بلکہ اس آرزو کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے اپنے اندر ہاؤ ہو (عشق کا اضطراب) پیدا کر۔

② تو اس جہان کی چار سمتوں میں گم نہ ہو جا یعنی اس دنیا میں کھو کر نہ رہ جا + بلکہ اس کی چاروں طرفوں سے نکلتے ہوئے اپنے اندر واپس آ (اپنی معرفت حاصل کر۔ اپنی خودی پہچان۔ کائنات خود بخود تیرے دامن میں آگرے گی ورنہ تو کائنات میں گم ہو کر فنا ہو جائے گا)۔

*

دلِ دریا سکوں بیگانہ از تست بہ جیبش گوہرِ یک دانہ از تست
تو اے موجِ اضطرابِ خود نگہدار کہ دریا را متاعِ خانہ از تست

① دریا (دریائے کائنات) کا دل تیری وجہ سے سکون سے بیگانہ ہے یعنی دنیا کی ساری رونقیں اور ہنگامے تیری وجہ سے ہیں + اس کی جیب میں قیمتی موتی تیری وجہ سے ہیں یعنی اس میں جس قدر بھی خوبیاں اور رونقیں ہیں وہ تیرے دم قدم سے ہیں۔

② اے موج (اے انسان جب دریائے کائنات کی ساری رونقیں تجھ سے ہیں اور اس میں جتنی خوبیاں ہیں وہ تیری توجہ کی وجہ سے ہیں) تو خود کو کیوں بھولتا ہے اپنے اضطراب کی حفاظت کیوں نہیں

کرتا تو اپنی حقیقت کو پہچان اور اپنی معرفت حاصل کر کے اپنے مقام سے باخبر ہو کہ دریائے کائنات کی ساری متاع تیری وجہ سے ہے اس لئے کائنات میں جو تیرے دم قدم کی محتاج ہے گم ہو کر رہ جانا اور خود کو نہ پانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

✸

دو گیتی را بخود باید کشیدن نباید از حضور خود رمیدن
بہ نورِ دوش ہیں امروزِ خود را ز دوش امروز را نتواں ربودن

① دونوں جہانوں (دنیا اور آخرت) کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے + اس کے ساتھ اپنے آپ سے بھی نہیں بھاگنا چاہئے یعنی اپنی معرفت بھی حاصل کرنی چاہئے۔

② گزرے ہوئے کل کے نور سے اپنے آج کو دیکھ + آج کو گزرے ہوئے کل سے دور نہیں کیا جا سکتا (اپنے ماضی کی شاندار روایات کو مت بھول۔ ان کی روشنی سے اپنے حال کو منور کر)۔

✸

بما اے لالہ خود را وانمودی نقاب از چہرۂ زیبا کشودی
ترا چوں بردمیدی لالہ گفتند بشاخ اندر چساں بودی؟ چہ بودی؟

① اے لالے کے سرخ رنگ کے پھول تو نے اپنے آپ کو ہمارے لئے (ہمارے نظارہ کے لئے شاخ پر) کھلایا + (اور) اپنے خوبصورت چہرے سے پردہ اٹھا کر جلوہ گری کی۔

② جب تو (شاخ پر) کھلا تو لوگوں نے تجھے لالہ کا پھول کہا + جب تو شاخ کے اندر تھا تو کس حال میں تھا اور کیا تھا؟ (کیا وہاں بھی تو پھول ہی تھا' یا پودا تھا۔ اس میں صوفیا کے مشہور نظریہ ہمہ اوست کی طرف اشارہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے۔ خدا کا۔ باقی جو کچھ ہے وہ اس کی وجہ سے موجود ہے' وجود نہیں رکھتا)۔

⑥

نگرید مرد از رنج و غم و درد ز دوراں کم نشیند بر دلش گرد
قیاس او را مکن از گریۂ خویش کہ ہست از سوز و مستی گریۂ مرد

① جو مرد کامل (بندہ مومن / فقیر / درویش / ولی) ہوتا ہے وہ دنیا کے رنج' غم اور تکلیف سے نہیں روتا + اس کے دل پر زمانہ کے حالات کی گرد نہیں بیٹھتی۔

② (اگر کبھی تو ایسے آدمی کو روتا دیکھے) تو اس کے رونے کو اپنے (دنیادار کے) رونے پر قیاس نہ کر + کیونکہ ایسے مرد کا رونا (حزن و ملال کی وجہ سے نہیں) سوز اور مستی کی وجہ سے ہوتا ہے (اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ان کے متعلق اسی لیے کہا ہے کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون)

پنداری کہ مرد امتحاں مرد * نمیرد گرچہ زیر آسماں مرد
ا شایاں چنیں مرگ است ورنہ ز ہر مرگے کہ خواہی می تواں مرد

① یہ نہ سمجھ کہ اللہ کی راہ میں پیش آنے والی آزمائشوں اور امتحانات پر پورا اترنے والا مرد مر گیا ہے

+ اگرچہ وہ آسمان کے نیچے عام اصول موت کے مطابق ظاہر میں مرجاتا ہے لیکن حقیقت میں نہیں مرتا۔
② ایسی ہی موت تیری شان کے لائق ہے + ورنہ جس طرز کی موت سے تو مرنا چاہتا ہے مر سکتا ہے۔

٭

اگر خاکِ تو از جاں محرمے نیست بشاخِ تو ہم از نیساں نمے نیست
ز غم آزاد شو' دم را نگہ دار کہ اندر سینہ پر دم غمے نیست

① اگر تیری خاک یعنی جسم' جان کی (روح کی) حقیقت سے واقف نہیں ہے + تو تیری زندگی کی شاخ نیساں سے بھی (خاص قسم کی بہار کے بادل سے جو دریاؤں میں موتی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے) نمی پید نہیں ہو گی۔ (برگ و بار پیدا نہیں ہوں گے۔ مرجھا جائے گی)۔
② دنیاوی غم سے آزاد ہو اور اپنی سانس کی حفاظت کر (ہر سانس کو ذکر اللہ میں بسر کر اور ہر دم خودی کے استحکام کے لئے کوشش کر) + جو سینہ ان سانسوں سے آباد ہوتا ہے (جو اللہ کے ذکر میں لئے جاتے ہیں) اس میں غم نہیں ہوتا۔ (صوفیا اس عمل کو پاس انفاس کہتے ہیں جو دم غافل سو دم کافر بھی اسی پس منظر میں کہا جاتا ہے)

٭

پریشاں ہر دم ما از غمے چند شریکِ ہر غمے نامحرمے چند
ولیکن طرح فردائے تواں ریخت اگر دانی بہائے ایں دمے چند

① (ہم اپنی سانسوں کو اللہ سے غفلت میں گزارتے ہیں (جس کی وجہ سے) ہماری ہر سانس چند غموں کی وجہ سے پریشان رہتی ہے (ہم ہر دم غموں میں گھرے رہتے ہیں)۔ پھر ہم ان غموں کو ہلکا یا دور کرنے کے لئے ایسے دنیادار لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خود غم کے مارے ہوئے ہیں۔
② لیکن مستقبل (آنے والی کل) کی مضبوط بنیاد رکھی جا سکتی ہے + اگر ہم اپنی زندگی کے ان چند سانسوں کی قیمت جان لیں۔ (دنیاوی طور پر ہر لمحہ کو کام میں لا کر ہم دنیا کے اعتبار سے کچھ بن سکتے ہیں اور روحانی طور پر ہر دم کو اللہ کی یاد میں گزار کر ان لوگوں کی صف میں آ سکتے ہیں جو اللہ والے کہلاتے ہیں اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن)۔

٭

ہواں مردے کہ دل با خویشتن بست رود در بحر و دریا ایمن از شست
بگیہہ را جلوہ مستی با حلال است ولے باید نگہ داری دل و دست

① وہ جواں مرد جس نے کسی اور سے دل لگانے کی بجائے اپنے آپ سے دل لگایا۔ مراد ہے جس نے اپنی معرفت اور خودی کو پایا + اگر وہ دریا اور سمندر میں (مشکلات و مصائب کی زندگی) میں بھی چلا جائے گا تو شکاری کے یا مخالف کے ہر کانٹے سے محفوظ رہے گا۔
② تیری نگاہ پر دنیا اور فطرت کے ظاہری جلووں کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا جائز ہے + لیکن (ایک شرط کے ساتھ) کہ تو ہاتھوں اور دل کو قابو میں رکھے ان کی حفاظت کرے (ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو یا کوئی ایسا خیال دامن گیر نہ ہو جو آدمی کی آدمیت کے خلاف ہو)۔

٭

زاں غم ہا دلِ ما درد مند است کہ اصلِ او ازیں خاکِ نژند است

من و تو زاں غمے شیریں ندانیم … کہ اصل او ز افکار بلند است

① ہمارا دل ان غموں سے تکلیف میں ہوتا ہے + جن کا تعلق اس ذلیل و خوار مٹی یعنی آدمی کے جسم سے یا دنیا سے ہوتا ہے۔

② میں اور تو دونوں اس میٹھے (پرکیف اور پر لذت) غم کو نہیں جانتے + جس کی اصل آدمی کے بلند افکار یا اعلیٰ مقاصد حیات (اور عشق و مستی) سے ہے۔ (دنیا کا غم آدمی کو کھالیتا ہے یہ غم سب غموں کو کھالیتا ہے)۔

✸

مگو با من خدائے ما چنیں کرد … کہ شستن میتواں از دامنش گرد

تہ و بالا کن ایں عالم کہ در وے … قمارے می برد نامرد از مرد

① مجھ سے یہ مت کہو کہ جب سے خدا نے ہمارے ساتھ یہ کیا (اس کا شکوہ نہ کر) اور کیونکہ تمہارے اس الزام کے نیچے اگر جھانکا جا سکتا ہے یہ الزام جو تم لگا رہے ہو دور کیا جا سکتا ہے (یہ ثابت کر کے کہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے)۔

② اس جہان کو زیر و زبر کر دو (تباہ کر دو) کہ جس میں ایک نامرد (کمینہ، رذیل، بزدل، نکما) ایک مرد (اعلیٰ انسانی قدریں رکھنے والے) سے بازی جیت جاتا ہے یا اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

✸

بروں کن کینہ را از سینۂ خویش … کہ دودِ خانہ از روزن بروں بہ

ز کشتِ دل مدہ کس را خراجے … مشو اے دہ خدا غارت گرِ دہ

① اپنے سینے سے کینہ کو (بغض و حسد کو) باہر نکال پھینک + کیونکہ گھر کے دھواں کا روشن دان سے نکل جانا ہی بہتر ہے (ورنہ سانس میں گھٹن پیدا ہو گی زندگی مشکل ہو جائے گی)۔

② اپنے دل کے کھیت کا کسی کو خراج (محصول شاہی / حکومت کا ٹیکس) نہ دے + اے گاؤں کے مالک گاؤں کو غارت (برباد) کرنے والا نہ بن (تیرا دل تو اللہ کا کعبہ اور عرش ہے اسے غیروں کی آماجگاہ بنا کر، اس میں غیر اللہ کو بسا کر اور اس میں نفس کے بتوں کو جگہ دے کر اس کو برباد نہ کر)۔

✸

⑦

بیادِ صبحدم شبنم بنالید کہ دارم از تو امید نگاہے
دلم افسردہ شد از صحبتِ گل چناں بگذر کہ ریزم بر گیاہے

① شبنم (اوس کے قطروں) نے صبح کے وقت کی (نرم و لطیف) ہوا سے فریاد کی + کہ میں تجھ سے ایک (کرم کی) نگاہ کی امید رکھتی ہوں (کیسی نگاہ۔ اگلے شعر میں ذکر ہے)۔

② میرا دل پھولوں کی صحبت سے (مسلمانوں کے مراعات یافتہ' دولت مند' زمیندار' جاگیردار طبقہ کے رویہ کی وجہ سے) بجھ گیا ہے + مجھ پر سے اس طرح گزر کر کہ میں پھولوں کی بجائے گھاس پر (مسلمانوں کے عام' غریب' مزدور طبقہ کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے) گر جاؤں (ان اشعار میں بادِ صبحدم سے علامہ خود اور شبنم سے اسلام مراد ہے)۔

⑧

دل آں بحر است کو ساحل نہ ورزد نہنگ از ہیبتِ موجش بلرزد
ازاں سیلے کہ صد ہاموں بگیرد فلک با یک حباب او نیرزد

① دل ایک ایسا دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں + مگرمچھ بھی اس میں اٹھتی ہوئی موجوں کے دبدبہ سے ڈرتے ہیں (بڑے بڑے فلسفی اور عقل مند بھی اس کی وسعت کو نہیں پا سکتے)۔

② دل کے اس سمندر کے آگے جو سیکڑوں بیابانوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

+ آسمان ایک بلبلہ کی قیمت نہیں رکھتا (دل محض گوشت کا لوتھڑا یا خون کی بوند نہیں ہے بلکہ ایک ایسا عجوبہ خالق ہے جس میں خود خالق کی سمائی ہو سکتی ہے اور پوری کائنات اس کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہے۔ شرط دل کو وہ دل بنانے کی ہے جو ہمیں صوفیا نے بتایا ہے)۔

✸

دلِ ما آتش و تن موجِ دودش تپیدم دمبدم سازِ وجودش
بذکرِ نیم شب جمعیتِ او چو سیمابے کہ بندد چوبِ عودش

① ہمارا دل اگر آگ ہے تو ہمارا جسم اس کا دھواں ہے + ہر لحہ کی تڑپ اس کے وجود کا ساز ہے (مراد ہے انسان کی اصل دل ہے جسم تو اس کی شاخ ہے۔ دل کی بے قراری کی کیفیات کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور دل کے ساتھ جسم ظاہری بھی بے قرار ہو جاتا ہے)۔

② آدھی رات کا ذکر الٰہی اس کی جمعیت (قرار/اطمینان) کا سبب بنتا ہے + اس سیماب کی مانند جس کی تڑپ کو عود کی لکڑی ختم کر دیتی ہے ذکرِ الٰہی سے عاشق کا دل بھی قرار پا لیتا ہے۔ درچوب عود جسے جنگلی بوٹی بھی کہتے ہیں پارے کی تڑپ ختم کر دیتی ہے۔

✸

زمانہ کارِ او را می برد پیش کہ مرد خود نگہدار است درویش
ہمیں فقر است و سلطانی کہ دل را نگہ می داری چو دریا گوہرِ خویش

① چونکہ درویش (فقیر) خود نگہدار (دنیا کے علائق سے) اپنی حفاظت کرنے والا ہوتا اور خدا کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہوتا ہے + اس لئے زمانہ اس کے کام کو خود آگے بڑھاتا ہے (اس کی مرضی کو پیش نظر رکھ کر آگے چلتا ہے۔ (اس لئے کہ زمانے کے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے)۔

② یہی فقر و سلطانی ہے یعنی ایسا فقر شان سلطانی رکھتا ہے اور جو اپنے دل کی (غیر اللہ کے داخل ہونے سے) اسی طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح دریا موتی کی کرتا ہے۔

*

نیروئے خودی را آزمودے ٭ نہ بند از دست و پائے خود کشودے

خرد زنجیر بودے آدمی را ٭ اگر در سینہ او دل نہ بودے

① وہ انسان نہ خودی کی طاقت کو آزماتا + نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے زنجیریں کھولتا ۔ مراد ہے اسے اپنی معرفت کا خیال تک نہ آتا اور دنیا کے بندھنوں میں اسی طرح گرفتار رہتا۔

② عقل آدمی کے لئے زنجیر ہوتی + اگر اس کے سینے میں دل نہ ہوتا۔ (دل سے مراد عشق اور محبت ہے۔ اگر آدمی میں صرف عقل کا مادہ ہوتا عشق کی کیفیات نہ ہوتیں تو اس کی زندگی بے جذبہ و بے کیف ہوتی۔ وہ اپنی پوشیدہ قوتوں سے بھی آگاہ نہ ہو سکتا اور مادیت کی غلامی سے بھی آزاد نہ ہو سکتا)۔

*

می گوئی کہ دل از خاک و خون است ٭ گرفتارم طلسم کاف و نون است

دل ما گرچہ اندر سینۂ ماست ٭ ولیکن از جہانِ ما برون است

① تو کہتا ہے کہ دل بھی (تیرے جسم کی طرح) مٹی اور خون کی بنی ہوئی ایک چیز ہے + یہ کاف و نون کے جادو میں گرفتار ہے (کن کہہ کر فیکون یعنی ہو جا کہہ کر ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مطابق جسم اور سری مادی چیزوں کی طرح وجود میں آیا ہے۔ ایسا نہیں ہے یہ روح کی طرح غیر مادی ہے۔ عالم خلق سے نہیں عالم امر سے متعلق ہے)۔

② ہمارا دل اگرچہ ہمارے سینے میں ہے + لیکن ہمارے جہان سے باہر ہے مراد ہے جس طرح ہمارا جسم اور ہمارے ارد گرد کا جہان مادی ذرات سے بنا ہوا ہے دل کا تعلق مادہ سے نہیں ہے۔

*

جہانِ مہر و مہ زناری اوست ٭ کشادِ ہر گرہ از زاری اوست

دہ از من ہندوستان را ٭ غلام آزاد از بیداریِ اوست

① سورج اور چاند کا جہان (یہ جہان جس کا تعلق زمان و مکاں سے ہے) اس کا یعنی دل کا زناری ستار ہے (صاحب دل شخص کا جہان مطیع ہوتا ہے) + ہر مشکل کا حل (ہر گانٹھ کا کھلنا) دل کی فریاد اور آہ و نالہ سے ہے (دل جب اپنے خالق کے آگے گڑگڑاتا ہے تو اللہ آدمی کی ہر مشکل حل کر دیتا ہے)۔

② میری طرف سے ہندوستان (ہندوستان والوں کو جو اس وقت انگریز کے غلام تھے اور ابھی یہ ملک پاک و ہند میں تقسیم ہو کر آزاد نہیں ہوا تھا) کے لوگوں کو یہ پیغام دو + کہ غلام دل کی بیداری سے آزاد تا ہے۔ دل کی بیداری سے مراد دل کو خود آگاہ اور خدا آگاہ کر کے اسے اللہ کا گھر اور عرش عظیم بنانے سے ہے۔ اس کا طریقہ صوفیا کرام بتاتے ہیں۔

*

من و تو کشتِ یزداں حاصل است ایں — عروس زندگی را محمل است ایں
غبار راہ شد دانائے اسرار — نہ پنداری کہ عقل است ایں، دل است ایں

① میں اور تو یعنی سب آدمی اللہ کی کھیتی کی مانند ہیں جس کا حاصل (فصل یا پیداوار) یہ یعنی دل ہے + یہ (دل) زندگی کی دلہن کا کجاوہ یا ڈولی ہے۔ مراد یہ ہے کہ آدمی کی تخلیق کا مقصد دل کی تربیت کر کے اسے ایسے مقام پر پہنچانا ہے جہاں زندگی منشائے الٰہی کے مطابق بسر کی جا سکے۔

② وہ شخص جو (تخلیق کائنات اور خالق کائنات کے) بھیدوں کا واقف ہوتا ہے وہ اپنی ذات کو راستے کے غبار کی مانند فنا کر کے بھی باقی ہو جاتا ہے وہ حیات جاوید حاصل کر لیتا ہے + یہ خیال نہ کرنا کہ ایسا عقل کی بدولت ہوتا ہے (ہرگز نہیں) یہ دل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بیدار دل کی وجہ سے جو اہل اللہ کا ہوتا ہے۔

*

گہے جویندۂ حسن غریبے — خطیبے منبرِ او از صلیبے
گہے سلطان با خیل و سپاہے — ولے از دولتِ خود بے نصیبے

① کبھی یہ دل حسن غریب (ان دیکھے حسن یعنی حسن ازلی یا اللہ تعالیٰ کے مطلق حسن) کو تلاش کرنے والا بن جاتا ہے + (اور جب اسے دیکھ لیتا ہے) تو منبر پر چڑھ کر عام و خاص کے سامنے اس کا اعلان کر دیتا ہے کہ میں نے اپنے اندر حسن مطلق کا جلوہ دیکھا ہے اس کو نہ سمجھ سکنے کی بدولت لوگ اسے یعنی ایسے اہل دل کو سولی پر بھی لٹکا دیتے ہیں کہ یہ کیا کفر بک رہا ہے۔

② (کبھی تو اہل دل کو منصور کی طرح حسن مطلق کو اپنے اندر دیکھ کر انا الحق کہنے کی سزا میں سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے) کبھی وہ گھڑ سواروں اور سپاہیوں والا بادشاہ ہوتا ہے۔ مراد ہے حق کے لئے میدان جہاد میں نکل آتا ہے + (لیکن اس سب کچھ کے باوجود) وہ اس دولت سے جو اس کے پاس ہوتی ہے خلق خدا کو تو فائدہ پہنچاتا ہے اور حق کی سربلندی کے لئے تو صرف کرتا ہے لیکن خود بے سروسامان اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز رہتا ہے۔ وہ ذاتی اغراض سے بالاتر ہوتا ہے اس کا ہر فعل اللہ کی مرضی اور خوشنودی کے لئے ہوتا ہے۔

*

جہانِ دل جہان رنگ و بو نیست — درو پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست — دریں عالم بجز اللہ ھو نیست

① دل کا جہان رنگ و بو کا (مادی ذرات کا) جہان نہیں ہے + اس میں ہمارے مادی جہان کی طرح بلندی، پستی، محل، گلیاں وغیرہ نہیں ہیں۔

② دل کے جہان میں ہمارے ظاہری مادی جہان کی طرح زمین، آسمان اور چار اطراف بھی نہیں ہیں (یہ زمان و مکاں کی قید سے ماورا ہے) + اس میں سوائے اللہ ھو کے (کہ اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے کے) اور کچھ نہیں ہے۔ مراد ہے کہ جب دل اپنے مقام کو پا لیتا ہے تو اس پر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ "لا موجود الا اللہ" (اللہ کے سوا کچھ موجود نہیں) وجود صرف اللہ کا ہے باقی جو کچھ ہے اس کی وجہ سے موجود ہے اس لئے باقی سب کچھ جو ہے کچھ بھی نہیں اصل اللہ ہی کا وجود ہے (وحدۃ الوجود کا فلسفہ یہی ہے)۔

✱

نگہ دید و خرد پیمانہ آورد کہ پیماید جہان چار سو را
مے آشامے کہ دل گویند نامش بخویش اندر کشید ایں رنگ و بو را

① ہماری نگاہ نے (اس جہان کو اور ہمارے جسم کے جہان کو) دیکھا اور عقل اس کو ناپنے کے لئے (اس کو جاننے کے لئے کہ یہ کیا ہے) ناپ کرنے کا آلہ لے آئی مراد ہے عام آدمی خود کو اور اپنے گرد و پیش کے جہان کو حواس خمسہ کے ذریعے دیکھتا اور عقل کے ذریعے سمجھتا ہے اور چونکہ اس کی نظر دھوکا کھا سکتی ہے اور عقل نارسا رہ سکتی ہے اس لئے وہ اپنے اور کائنات کے رموز و اسرار سے بے خبر رہتا ہے۔

② (لیکن اللہ ھو کی) شراب پی کر مست ہونے والے نے جس کا نام دل ہے + اس رنگ و بو کے جہان کو (جو رنگ اور خوشبو کی طرح خوش آئند لیکن فنا ہو جانے والا ہے) اپنے اندر کھینچ لیا۔ مراد ہے صاحب عقل تو کائنات میں گم ہو جاتا ہے لیکن کائنات صاحب دل میں گم ہو جاتی ہے۔

✱

محبت چیست؟ تاثیرِ نگاہیست چہ شیریں زخمے از تیرِ نگاہیست
بصید دل روی؟ ترکش بینداز کہ ایں نخچیر، نخچیرِ نگاہیست

① محبت کیا ہے؟ نگاہ کی اثر انگیزی ہے۔ محبت (معشوق کے) تیر نگاہ کا ایک ایسا زخم ہے جس میں لذت اور مزہ ہوتا ہے۔ (اور اس تیر کا نشانہ دل ہوتا ہے۔ معشوق کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے زخمی ہونے کا نتیجہ دل میں محبت کا پیدا ہوتا ہے)۔

② تو دل کے شکار کے لئے جا رہا ہے۔ ترکش (وہ چیز جس میں تیر رکھے ہوئے ہوتے ہیں) چھوڑ دے + کیونکہ یہ وہ شکار ہے جو مادی تیروں سے نہیں نگاہ کے تیروں سے کیا جاتا ہے مراد یہ ہے کہ اگر تو اپنے دل کو عشق آشنا کرنا چاہتا ہو تو کسی کی نگاہ کی طلب کر اور وہ نگاہ کسی مرد کامل کی ہو گی۔

⑨

خودی

خودی روشن ز نورِ کبریائی است رسائی ہائے او از نارسائی است
جدائی از مقاماتِ وصالش وصالش از مقاماتِ جدائی است

① خودی خدا کی کبریائی کے نور سے روشن ہے مراد ہے یہ نہ خود مادی ہے اور نہ کوئی مادی چیز اس کو روشن کر سکتی ہے۔ خود سے آگاہ ہونا یا اپنی معرفت (پہچان) کے مقام تک پہنچ جانا جس کا نام علامہ نے خودی رکھا ہے اللہ تعالیٰ کے نور کا ایک فعل ہے + اس کی رسائی (کسی مقام پر پہنچنا) اس کی نارسائی کی بنا پر ہے مراد یہ ہے کہ خودی کا وجود اور اس کی زندگی ہی فراق میں ہے کہ ذات تک رسائی کے باوجود اور اس کی معرفت کے باوصف وہ یہ سمجھے کہ میں نے معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔

② اس کی جدائی اس کے وصال کے مقامات میں سے اور اس کا وصال اس کی جدائی کے مقامات میں

سے ایک مقام ہے مراد ہے اس کی جدائی میں اس کا وصال اور اس کے وصال میں اس کی جدائی چھپی ہوئی ہے۔ اگر قطرہ دریا میں مل جائے تو قطرہ کا وجود ختم ہو جائے قطرہ کی زندگی اس میں ہے کہ دریا سے جدا رہ کر دریا کو اپنے اندر جذب کرلے۔ مراد ہے بندہ خدا سے جدا رہتے ہوئے خدا کو اپنے اندر جذب کرلے۔

*

چو قومے در گذشت از گفتگوہا ... ز خاکِ او بروید آرزوہا
خودی از آرزو شمشیر گردد ... دمِ او رنگ ہا تبرد ز بوہا

① جب کوئی قوم زبانی کلامی باتیں کرنا چھوڑ دیتی ہے + تو اس کی خاک سے (عمل کے لئے) آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔

② وہ آرزو کی بنا پر تلوار کی طرح ہو جاتی ہے + اس تلوار کی دھار (کاٹ) اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ خوشبو سے رنگ کو کاٹ دیتی ہے۔ ان ہونی کو ہونی کر دیتی ہے۔ وہ اس عالم رنگ و بو کی ہر شے کو مسخر کر لیتی ہے۔

*

خودی را از وجودِ حق وجودے ... خودی را از نمودِ حق نمودے
نمی دانم کہ ایں تابندہ گوہر ... کجا بودے اگر دریا نہ بودے

① خودی کا وجود حق کے وجود کی وجہ سے ہے + خودی کی نمود حق کی نمود کی بنا پر ہے مراد ہے خودی اپنے وجود کے لئے اور اپنی نمود کے لئے خدا کے وجود اور نور کی محتاج ہے۔ بخود قائم نہیں ہے۔

② میں نہیں جانتا کہ یہ چمک دار موتی (یعنی خودی) + کہاں ہوتا اگر خدا نہ ہوتا (اگر خدا نہ ہوتا تو خودی بھی نہ ہوتی)۔

*

دلے چوں صحبتِ گِل می پذیرد ... ہماندم لذتِ خوابش بگیرد
شود بیدار چوں "من" آفریند ... چو من محکوم تن گردد بمیرد

① جب کوئی دل مٹی کی صحبت اختیار کرلیتا ہے (عالم مادی میں گم ہو جاتا ہے) + تو اسی وقت اس پر نیند کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ (وہ اپنے خدا اور خودی سے غافل ہو جاتا ہے / مردہ ہو جاتا ہے)۔

② دل (خواب غفلت سے) بیدار اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے اندر "من" (میں ہوں) پیدا کرلیتا ہے یعنی اپنی انا اور خودی (معرفت ذات) سے آشنا ہو جاتا ہے + جب وہ اپنی انا کو جسم (مادہ) کا محکوم کرلیتا ہے تو وہ مر جاتا ہے۔

*

وصالِ ما وصال اندر فراق است ... کشودِ ایں گرہ غیر از نظر نیست
گہر گم گشتۂ آغوش دریا است ... ولیکن آبِ بحر آبِ گہر نیست

① ہمارے وصال کی یہ حالت ہے کہ اس میں جدائی بھی ہوتی ہے + اس گرہ کا کھولنا (کہ وصل اور جدائی دونوں بیک وقت کیسے) نظر کے سوا ممکن نہیں (کسی مرد کامل کی نظر اسے حل کر سکتی ہے)۔

② موتی دریا کے پہلو (اس کے پانی کی تہ) میں گم ہے + لیکن سمندر یا دریا کے پانی کو موتی کی چمک نہیں کہہ

سکتے مراد یہ ہے کہ موتی کی چمک کا سبب بے شک سمندر یا دریا کا پانی ہے لیکن وہ دریا کا پانی نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح خودی بے شک خدا کے وجود کی مرہون منت ہے لیکن اسے خدا نہیں کہہ سکتے۔

*

کفِ خاکے کہ دارم از درِ اوست ۔ گل و ریحانم از ابرِ ترِ اوست
نہ "من" را ی شناسم من نہ او را ۔ دلے دانم کہ "من" اندر برِ اوست

① میرا جسم خاکی (میرا وجود) اس کے یعنی خدا کے دروازے سے ہے مراد ہے کہ خدا کے وجود کی وجہ سے موجود ہے از خود قائم نہیں ہے + ریحان اور گلاب جو مجھ میں ہیں (یعنی میری جملہ صفات) اس کے بارش سے تر بادلوں کی وجہ سے ہیں یعنی باری تعالیٰ کے فیض و کرم اور انوار کے سبب ہیں۔

② میں نہ "من" (اپنی انائے مقید یا خودی) کو پہچانتا ہوں نہ اس کو یعنی خدا کو جو انائے مطلق ہے + (البتہ) اس دل کو جانتا ہوں جس کے پہلو میں (انائے مقید یا خودی) ہے مراد یہ ہے کہ میں یہ تو نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں اور مجھے وجود دینے والا خالق کیا ہے البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں اس کے وجود کا پر تو ہوں۔ میری انائے مقید اس کی انائے مطلق کا عکس ہے اس طرح میں اس سے جدا بھی ہوں اور اس سے جدا نہیں بھی ہوں۔

جبر و اختیار

یہ عقیدہ کہ انسان اپنے ہر فعل میں مجبور ہے اور یہ عقیدہ کہ وہ اپنے ہر فعل میں مختار ہے۔

یقیں دانم کہ روزے حضرتِ او ۔ ترازوئے نہد ایں کاخ و کو را
ازاں ترسم کہ فردائے قیامت ۔ نہ ما را سازگار آید نہ او را

① میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک روز (ایسا ضرور آئے گا) جب اس کی یعنی خدا کی جناب میں + محل اور کوچے مراد ہے دنیا میں کئے گئے ہمارے اعمال کے تولنے یا حساب کتاب کے لئے ترازو قائم کر دیا جائے گا۔ یہ روز قیامت کا ہو گا۔

② میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کل قیامت کا جو روز آئے گا + وہ نہ میرے موافق ہو گا اور نہ اس (خدا) کے۔ مجھے تو یہ دن اس لئے سازگار نہ ہو گا کہ میں اپنے اعمال کی وجہ سے حالت شرمندگی میں ہوں گا اور اسے اس لئے سازگار نہ ہو گا کہ میرا تو اپنا وجود خدا کے وجود کا پر تو ہونے کی وجہ سے اعمال میں خود مختار نہ ہو گا جس طرح میرا وجود اس کے وجود کا مرہون منت ہے اس طرح میرے اعمال بھی اسی کے اختیار کے سبب ہوں گے تو میں الزام کا مستوجب کیسے ٹھہروں گا۔

*

روما گفت با من راہبِ پیر ۔ کہ دارم نکتہ از من فراگیر
کند ہر قوم پیدا مرگِ خود را ۔ ترا تقدیر و ما را کشت تدبیر

① یورپ کے ملک اٹلی کے دارالحکومت روم کے قریب ویٹیکن سٹی کے نام سے ایک آبادی ہے جہاں عیسائیوں کا سب سے بڑا پادری پاپائے روم کے نام سے رہتا ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ اس نے مجھے

روم میں ملاقات کے دوران کہا + کہ میں ایک باریک بات یا عقل اور دانشمندی کی بات رکھتا ہوں تو وہ مجھ سے لے لے۔

② ہر قوم اپنی موت خود پیدا کرتی ہے + تجھے (یعنی مسلمان قوم کو) تقدیر نے اور ہمیں (یعنی یورپ کے عیسائیوں کو) تدبیر نے مار دیا۔ یا تباہ کر دیا۔ (مسلمان قوم کو اس طرح کہ انہوں نے تقدیر کا غلط مفہوم لے کر کے خود کو عمل سے محروم کر دیا اور یورپ والوں نے اپنی عقل کو سب کچھ سمجھ کر ایسے ایسے اقدامات کئے کہ وہ قانون الٰہی سے باغی ہو گئے۔ بے شک وہ دنیاوی طور پر سرفراز ہیں لیکن انسانی اقدار کے اعتبار سے برباد ہیں)۔

(11)

موت

شنیدم مرگ با یزداں چنیں گفت چہ بے نم چشم آں کز گل برآید
چو جانِ او بگیرم شرمسارم ولے او را ز مردن عار ناید

① میں نے سنا ہے کہ موت نے خدا سے کہا + کہ اس کی آنکھ کتنی بے نم (آنسوؤں سے خالی ہے) جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (مراد آدمی سے ہے)۔

② جب میں اس کی جان لیتی ہوں تو شرمسار ہوتی ہوں + لیکن اس کو مرنے سے شرمندگی نہیں ہوتی مراد ہے اسے اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی معرفت اور اپنے خدا کی معرفت حاصل کر کے خود کو ایسا بنا سکتا تھا کہ ظاہری موت کے باوجود نہ مرتا۔ ایسا نہ ہو سکنے کے سبب وہ تو پہلے ہی مردہ ہوتا ہے۔ مردے کی جان نکالنے میں مجھے کیا مزا آتا۔

*

ثباتش دہ کہ میرِ شش جہات است بدستِ او زمامِ کائنات است
گریزد شرمسار از خواریِ مرگ کہ نامحرم ز ناموسِ حیات است

① اس کو یعنی آدمی کو ثبات (دوام) بخش یعنی ہمیشہ کی زندگی کا راز بتا کیونکہ یہ چھ اطراف یعنی کائنات کا امیر ہے تو نے اسے کائنات پر سردار بنا کر بھیجا ہے + اس کے ہاتھ میں کائنات (کے گھوڑے) کی باگ ڈور دی ہے۔

② وہ موت کی ذلت اٹھانے سے شرمسار نہیں ہوتا + کیونکہ وہ زندگی کی عزت سے (قدر و قیمت سے) ناواقف ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ زندگی کو دوام بھی بخشا جا سکتا ہے۔

(12)

بگو ابلیس را

شیطان سے کہہ

بگو ابلیس را از من پیامے   تپیدن تا کجا در زیرِ دامے
مرا ایں خاکدانے خوش نیاید   کہ صبحش نیست جز تمہیدِ شامے

① شیطان کو میری طرف سے پیغام دو + کہ جال کے نیچے کہاں تک یا کب تک تڑپتے رہو گے مراد ہے کب تک دنیا سے وابستہ رہ کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی تگ و دو کرتے رہو گے۔

② مجھے تو یہ مٹی کا گھر (دنیا) اچھا نہیں لگتا + کیونکہ اس کی صبح شام کی تمہید (ابتدا) کے سوا کچھ نہیں مراد ہے یہ فانی ہے یا اس کی ہر خوشی میں غم چھپا ہوا ہوتا ہے۔ میں تو جنت سے اس دنیا میں آ کر پچھتا رہا ہوں تو کیوں نہیں پچھتاتا اور دنیا سے نہیں اکتاتا۔

*

جہاں تا از عدم بیروں کشیدند   ضمیرش سرد و بے ہنگامہ دیدند
بغیر از جانِ ما سوزے کجا بود   ترا از آتشِ ما آفریدند

① جب جہان کو عدم سے باہر لایا گیا (پیدا کیا گیا) + تو اس کا ضمیر (دل) سرد اور ہنگامہ کے بغیر تھا۔ مراد ہے جب تک آدم کو پیدا نہیں کیا گیا تھا اور اس کو زمین پر نہیں اتارا گیا تھا یہ زمین بے آباد اور بے ہنگامہ تھی۔ اس کی سب رونقیں آدم کے دم سے ہوئیں۔

② ہماری جان بغیر جہان میں جلن، سوز عشق یا حرارت (رونق) کہاں تھی + تجھے بھی اے ابلیس ہماری (یعنی آدم) کی آتش غضب (غصے کی آگ) سے پیدا کیا گیا ہے تو آدمی کے باطنی غضب کا خارجی مظہر ہے اسی لئے ہر طرف شیطنت پھیلا رہا ہے۔ جب یہ غضب آدمی میں کام کرتا ہے تو وہ بھی شیطان بن جاتا ہے۔

*

جدائی شوق را روشن بصر کرد   جدائی شوق را جوئندہ تر کرد
نمی دانم کہ احوالِ تو چون است   مرا ایں آب و گل از من خبر کرد

① جدائی نے شوق (جذبہ عشق) کو دانا اور بینا کر دیا + جدائی نے عشق کو حقیقت کی زیادہ تلاش کرنے والا بنا دیا۔ مراد ہے جب تک آدم جنت میں تھا اپنی صلاحیتوں سے بے خبر تھا۔ جب جنت سے نکال دیا گیا اور اس کی اللہ تعالیٰ کے قرب سے دوری ہو گئی تو اس میں اپنے اصل سے جدائی کے سبب عشق کا جوہر نمودار ہو گیا اور اس کی بدولت اسے اپنی معرفت بھی حاصل ہو گئی اور وہ دوبارہ اپنی اصل سے ملنے کے طریقے بھی تلاش کرنے لگا۔

② اے شیطان تیرا حال کیا ہے وہ تو میں نہیں جانتا ہوں لیکن اپنے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ) مجھے

اس آب و گل (جسم خاکی میں آنے) نے اپنی معرفت سے آشنا کر دیا۔ جب تک میں عالم ارواح میں تھا خود سے بے خبر تھا جب اس عالم سے جدا ہو کر میں جسم کی قید میں آیا تو جدائی نے میرے اندر جذبہ پیدا کر دیا اور عشق کے جذبہ نے مجھے اپنی خودی (خود آگاہی / اپنی پہچان) سے باخبر کر دیا۔ یا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنی قدر و قیمت کا اس وقت پتہ چلا جب میں جنت سے نکالے جانے کے سبب زمین پر آیا۔

*

ترا از آستان خود براندند رجیم و کافر و طاغوت خواندند
من از صبح ازل در پیچ و تابم ازاں خارے کہ اندر دل نشاندند

① (اے ابلیس) تجھے اللہ تعالیٰ نے (تمہاری سرکشی کی وجہ سے) اپنی درگاہ سے دھتکار دیا + اور تجھے رجیم (راندہ درگاہ) "کافر (خدا کے حکم کا انکار کرنے والا) اور طاغوت (حد سے بڑھنے والا) کہا گیا۔

② اے ابلیس تو تو اس لئے پیچ و تاب کھا رہا ہے (بے قرار ہے) کہ تجھے راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ میں صبح ازل سے (اپنی تخلیق کے اس زمانے سے جس کا کوئی تعین نہیں) بے قرار ہوں + اس کانٹے کی وجہ سے جو میرے دل میں چبھو دیا گیا ہے یعنی عشق کا جذبہ جو سوائے آدمی کے کسی اور کو نصیب نہیں۔

*

تو می دانی صواب و ناصوابم نروید دانہ از کشتِ خرابم
نکردی سجدہ و از دردمندی بخود گیری گناہِ بے حسابم

① اے شیطان تو میرے صواب (درستی / اچھائی) اور ناصواب (غیر درستی / برائی) کو جانتا ہے (کیونکہ جب میری تخلیق کی گئی تھی تو تو بھی وہاں موجود تھا) میری برباد کھیتی سے کوئی (صواب / اچھائی یا نیکی) دانہ نہیں اُگتا، تجھے علم ہے کہ میرے اندر نیک اعمال کرنے کے ساتھ ساتھ بد اعمال کی گنجائش بھی رکھی ہوئی ہے اور اس بنا پر میں نیکی کم اور بدی زیادہ کرتا ہوں)۔

② تو نے مجھے سجدہ تو نہیں کیا تھا (جب آدم کو اللہ تعالیٰ نے بنایا تو ابلیس سمیت سب فرشتوں کو کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے اس حکم کو مانا سوائے ابلیس کے جس کی وجہ سے اسے اللہ کی بارگاہ سے باہر کر دیا گیا) (لیکن) دردمندی (میرے ساتھ ہمدردی یا میرا درد بٹانے کے اعتبار سے) + تو میرے بے شمار گناہوں کو اپنے ذمہ لے لیتا ہے (کیونکہ آدمی جب کوئی گناہ کرتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ یہ میرے اندر کی شیطانی طاقت نے مجھ سے کرایا ہے)۔

*

بیا تا نرد را شاہانہ بازیم جہانِ چار سو را در گدازیم
بافسونِ ہنر از برگِ کاہش بہشتے ایں سوئے گردوں بسازیم

① (اے ابلیس درد و سوز تجھ میں بھی ہے اور درد و سوز مجھ میں بھی ہے) آ ہم دونوں مل کر (زندگی کا) جوا کھیلیں + (مردانہ وار زندگی گزاریں) اور اس چار طرفوں والے جہان کو مراد ہے اس میں بسنے والوں کو درد اور سوز کی دولت دے کر گداز کر دیں (پگھلا دیں تاکہ وہ اپنی زندگیوں کو پر کیف بنا دیں)۔

② (آ ہم مل کر) اپنے ہنر (علم و فن اور قابلیت و صلاحیت) کے جادو سے گھاس کے تنکے سے (ادنیٰ چیزوں کو اعلیٰ بنا کر) + (آسمان) کی اس طرف یعنی دنیا ہی میں بہشت بنا دیں (تاکہ ہمیں بہشت سے نکلنے کا

احساس تک نہ رہے)۔

ابلیس خاکی و ابلیس ناری

مٹی کا شیطان یعنی شیطانی صفات والا آدمی خاکی اور آگ کا شیطان یعنی اصل شیطان جو آگ کا بنا ہوا ہے

فساد عصر حاضر آشکار است سپہر از زشتی او شرمسار است
اگر پیدا کنی ذوقِ نگاہے دو صد شیطان ترا خدمت گذار است

① موجودہ دور میں (جو اہل مغرب کا پیدا کیا ہوا ہے) جو فساد (فتنے اور خرابیاں) ہے وہ صاف ظاہر ہیں + (اس دور نے) جہان کو اس حد تک ذلیل و خوار کر دیا ہے کہ آسمان بھی اس خرابی سے شرمندہ ہے (وہ سوچتا ہے کہ مجھ پر تو پھر چاند' تاروں اور سورج کی وجہ سے رونق ہے اور نور پھیلا ہوا ہے۔ عہد حاضر کا جہان تو بالکل بے نور ہو چکا ہے۔ ہر طرف حیوانیت کی ظلمت ہے انسانیت اور آدمیت کا نور غائب ہے)۔

② اگر تو نگاہ کا ذوق (جہان کو مومنانہ انداز اور رنگ میں دیکھنے والی نظر) پیدا کر لے (تو تو دیکھے گا) کہ موجودہ دور میں ایک شیطان نہیں دو سو (بے شمار) شیطان تیری خدمت کے لئے (تجھے قدم قدم پر بھٹکانے کے لئے) تیار بیٹھے ہیں اس سے یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تو حقیقت کو پہچاننے والی آنکھ پیدا کر لے تو عہد حاضر کے بے شمار شیطانوں کو دیکھ کر ان سے بچ سکتا ہے بلکہ ان کو اپنا مطیع بنا سکتا ہے)۔

٭

بہ ہر کو رہزنان چشم و گوش اند کہ در تاراج دل ہا سخت کوش اند
گراں قیمت گناہے با پشیزے کہ ایں سوداگراں ارزاں فروش اند

① (عہد حاضر میں) ہر گلی کوچے میں آدمی کی آنکھ اور کان کو لوٹنے والے (یعنی برائی دکھانے اور سنانے والے) موجود ہیں + صرف کان اور آنکھ کے ذریعے برائی ڈالنے ہی کی بات نہیں یہ لٹیرے دلوں کو لوٹنے (انسان کو جذبات دل سے عاری کرنے) میں بھی بڑی کوشش کرتے ہیں۔ بڑے بڑے گناہوں کو اتنا عام کر

② (مغرب کے سوداگروں نے جو ظاہری تجارت کے ساتھ بدی کی تجارت بھی کرتے ہیں اور اپنے علوم و فنون' تہذیب و ثقافت اور تمدن و معاشرت کے ذریعے شیطنت پھیلاتے ہیں)
دیا ہے کہ وہ کوڑیوں کے مول خریدے جا سکتے ہیں + یہ سوداگر (ضروریات کی ظاہری اور اصل چیزیں تو مہنگے داموں بیچتے ہیں) لیکن بدیوں اور گناہوں کو سستے داموں بیچ رہے ہیں۔

٭

چہ شیطانے خرامش واژگونے کند چشم ترا کور از فسونے
من او را مردہ شیطانے شمارم کہ گیرد چوں تو نخچیر زبونے

① عہد حاضر نے جو شیطان پیدا کئے ہیں ان کی میں کیا بات کروں کہ وہ کیا ہیں ان کی ہر چال ٹیڑھی ہے۔ (نہ خود راہ راست پر ہیں نہ دوسرے کو اس راستہ پر رہنے دیتے ہیں) + وہ تیری (آدمی کی) آنکھوں کو اپنے جادو سے اندھا کر دیتے ہیں (اندھا کرنے سے ظاہری نظر لے اڑنا نہیں بلکہ اس نگاہ کو ختم کرنا ہے جو

برائی اور اچھائی' خیر اور شر' نیکی اور بدی' حق اور باطل وغیرہ میں تمیز کر سکتی ہے وہ ایسی نگاہ پیدا کر دیتے ہیں جو صرف برائی' شر' بدی' باطل وغیرہ ہی کو دیکھنا پسند کرتی ہے۔

② (کبھی شیطان کا ان آدمیوں سے واسطہ تھا جو اس کا مقابلہ بھی کرتے تھے۔ عہد حاضر کا آدمی اس حالت کو پہنچ چکا ہے کہ شیطان کو اسے بہکانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہ پہلے ہی شیطان بلکہ اس سے بھی بدتر ہوتا ہے اس پس منظر میں علامہ کہتے ہیں کہ) میں آج کے شیطان کو زندہ نہیں مردہ تصور کرتا ہوں + جو اے عہد حاضر کے آدمی تجھ جیسے کمینہ شکار کا (جو پہلے ہی زخمی ہے) شکار کرتا ہے۔ (بتانا یہ مقصود ہے کہ عہد حاضر کا آدمی شیطان کی کوشش کے بغیر ہی شیطان ہے)۔

✱

چہ زہرابے کہ در پیمانۂ اوست کشد جاں را و تن بیگانۂ اوست
تو بینی حلقۂ دامے کہ پیداست نہ آں دامے کہ اندر دانۂ اوست

① (عہد حاضر کا ساقی بھی عجیب ساقی ہے) اس کے پیالے میں یہ کیسی شراب ہے اس میں زہر ملی ہوئی ہے + جو شخص بھی اس شراب کو پیتا ہے اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کی روح مرجاتی اور جسم بھی اسکا اپنا نہیں رہتا۔

② (مغرب کے شکاری عجب طرح کے ہوشیار اور چالاک ہیں) تو ان کے اس پھندے کے حلقہ کو تو دیکھ سکتا ہے جو ظاہر ہے لیکن ان کے اس جال کو نہیں دیکھ سکتا جو اس دانے کے اندر ہے۔ مراد یہ ہے

اہل مغرب نے تہذیب' تمدن' علم' فن' ثقافت' معاشرت' معاشیات' سیاسیات' فکر' فلسفہ' وغیرہ کے ذریعے جو کچھ دنیا کو دیا ہے اس کا ظاہر بڑا دلفریب اور خوش نما ہے لیکن اس کا اندرون شیطان سے بھی بدتر ہے۔ ہم اس کی ظاہری چمک دمک کے فریب میں آ کر اپنی ساری انسانی قدریں لٹا بیٹھتے ہیں اور شیطانی و حیوانی قدریں اپنا لیتے ہیں۔

✱

بشر تا از مقامِ خود فتاد است بقدرِ محکمی او را کشاد است
گنہ ہم می شود بے لذت و سرد اگر ابلیس تو خاکی نماد است

① بشر (آدمی جس طرح اپنے مقام آدمیت و انسانیت سے گرا ہے + اب اس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اسے مقدور بھر کوشش کرنی ہوگی۔ اس کی پائیداری کے مطابق اس کی کامیابی ہوگی۔

② (یاد رکھو) وہ گناہ بھی (جس میں اصل شیطان نے بڑی کشش اور لذت رکھی ہوئی ہے) بے لذت اور سرد (بے کشش) ہو جاتا ہے + جو تجھ سے وہ شیطان کراتا ہے جو مٹی کا بنا ہوا ہے یعنی وہ جو بہ ظاہر آدمی ہے لیکن حقیقت میں شیطان ہے۔

✱

مشو نخچیرِ اہلیسانِ ایں عصر خساں را غمزۂ شاں سازگار است
اصیلاں را ہماں ابلیس خوشتر کہ یزداں دیدہ و کامل عیار است

① اس دور کے شیطانوں کا (جو بہ شکل آدمی موجود ہیں) شکار مت ہو + ان کا ناز نخرہ برداشت کرنا

(ان کے پھندے میں آجاتا) تو کمینہ فطرت لوگوں کا شیوہ ہے۔

② جو فطرت کے اصیل ہیں (شریف الطبع اور نجیب الطرفین ہیں) ان کے لئے تو وہی (اصل) شیطان بہتر ہے۔ جس نے خدا کو دیکھا ہے اور اپنے فن شیطنت میں کمال رکھتا ہے۔ (دور حاضر کے آدمی نما شیطان خدا نادیدہ بھی ہیں اور شیطنت کے کام میں کمینے بھی ہیں)

✱

حریفِ ضرب او مردِ تمام است   کہ آں آتش نسب والا مقام است
نہ ہر خاکی سزاوار تیغ اوست   کہ صیدِ لاغرے بر وے حرام است

① اس کا یعنی اصل شیطان کا حریف (دشمن / مقابلہ کرنے والا) مکمل مرد ہوتا ہے (اس میں شیطان کی شیطنت کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت اور ہمت ہوتی ہے اس کے برعکس آج کے لوگ مخنث ہیں ادھر آدمی نما کمینہ فطرت شیطانوں نے دیکھا اور ادھر یہ ان کے آگے سربسجود ہو گئے) + اصل شیطان نسب کے اعتبار سے اعلیٰ تھا۔ وہ آگ کا بنا ہوا تھا ایک قول کے مطابق فرشتوں کا معلم تھا۔ خدا کا قائل تھا (آج کے شیطان اس سے ہر لحاظ سے گئے گزرے ہیں)۔

② ہر خاکی (آدمی) اس کے (اصل شیطان کے) شکار کے لائق نہیں ہے + کیونکہ کمزور اور کمینہ شکار اس کے لئے حرام ہے کہ اپنی رسی میں باندھے۔ مراد ہے وہ ان لوگوں کے پیچھے لگتا ہے جو اپنی ایمان کی یا اعلیٰ اخلاق کی قوت سے اس کا مقابلہ کرسکتے ہوں اسے ان سے دو دو ہاتھ کرنے میں مزہ آتا ہے وہ عہد حاضر کے ان لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا جو پہلے ہی شیطان کی صفات قبول کئے ہوئے ہوں یا جن کے پاس نہ اخلاق کی اور نہ ایمان کی قوت موجود ہو۔ طاقت ور پہلوان کو طاقت ور پہلوان سے مقابلہ کرنے میں ہی لطف آتا ہے۔

✱

ز فہمِ دوں نہاداں گرچہ دور است   ولے ایں نکتہ را گفتن ضرور است
بہ ایں نو زادہ ابلیساں نسازد   گنہگارے کہ طبع او غیور است

① اگرچہ یہ کمینہ فطرت لوگوں کی سمجھ سے دور ہے + لیکن یہ نکتہ (رمز یا باریک بات) کہنا ضروری ہے۔

② ان عہد حاضر کے خاکی نژاد (آدمی کی شکل میں شیطانوں سے) جو نئے پیدا ہوئے ہیں وہ آدمی موافقت نہیں کرتا + جو گنہگار تو ہے لیکن اس کی طبیعت غیرت والی ہے کیونکہ اصل شیطان میں تو پھر کوئی خوبیاں تھیں ان میں تو ایک بھی نہیں۔ اصل شیطان گناہ کرائے گا بھی تو کوئی مزیدار یہ تو بے لذت گناہ کراتے ہیں۔

بہ یاران طریق

(ہم مشربوں یا ہم خیالوں سے خطاب)

بیا تا کار ایں امت بسازیم | قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر | کہ دل در سینۂ ملّا گدازیم

① (اے میرے ہم نواؤ اور ہم خیالو!) آؤ تا کہ (مل جل کر) اس امت (مسلمان قوم) کے بگڑے ہوئے کام سنواریں + زندگی کے جھگڑے کو مردوں کی طرح کھیلیں مراد ہے ہمت مردانہ سے کام لے کر زندگی کے حقائق کا سامنا کریں۔

② ہم شہر کی مسجد میں (مل جل کر) اس طرح روئیں (نالہ و فریاد کریں) کہ مسجد کے ملّا کے سینے میں اس کے دل کو گداز کر دیں (پگھلا دیں) مراد ہے ہم اپنے دینی راہنماؤں' روحانی پیشواؤں اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے ذمہ داروں کی بے حس رگوں میں احساس کی لہر دوڑا کر ان کو قوم کی بگڑی سنوارنے کے کام لگا دیں۔

بہ یاران طریق

①

قلندر جرہ بازِ آسمانہا | بہ بال او سبک گردد گرانہا
فضائے نیلگوں نخچیر گاہش | نمی گردد بگرد آشیانہا

① قلندر آسمانوں کی فضا میں اڑنے والے سفید شہباز کی طرح ہوتا ہے جس طرح شہباز کے پروں کے لئے آسمان کی بلندیاں اور وسعتیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اسی طرح قلندر کے لئے بھی کائنات پرکاہ کے برابر ہوتی ہے کیونکہ قلندر وہ ہوتا ہے جو ہر طرف سے منہ موڑ کر اور دنیاوی علائق سے رشتہ توڑ کر صرف خدا کا ہو جاتا ہے۔ اور اس میں ایسی شان فقر پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ مصلحتوں کو نہ دیکھتے ہوئے جو جی میں آئے کر گزرتا ہے)

② جس طرح جرہ باز کی شکار گاہ آسمان کی وسیع نیلی فضا ہوتی ہے اور وہ زمین پر شکار نہیں مارتا اور مردار بھی نہیں کھاتا اور شکار کے لیے آشیانوں میں بیٹھے ہوئے پرندوں کے گرد نہیں گھومتا اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں گھونسلہ بھی نہیں بناتا بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں کو جہاں چاہے وقت گزار لیتا ہے اسی طرح کی شان قلندر بھی رکھنے والا فقیر بھی گھر بار اور شرق سے بے نیاز جہاں دل چاہے وقت گزار لیتا ہے اور پیٹ بھرنے کے لئے نہ کسی کا محتاج ہوتا ہے اور نہ کسی کی دریوزہ گری کرتا ہے۔

*

ز جانم نغمۂ اللہ ھو ریخت | چو گرد از رختِ ہستی چار سو ریخت

بگیر از دستِ من سازے کہ تارش ز سوزِ زخمہ چوں اشکم فروریخت

① جب میری جان کے ساز سے اللہ ھو (وہ اللہ ۔ یا یا اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں) کا نغمہ نکلا تو ساری کائنات میرے آگے ہیچ ہو گئی + یہ چار طرفوں کا جہان یعنی زمان و مکاں میں محدود جہاں مجھ سے یوں جھڑ گیا جیسے کپڑے کو جھاڑنے سے گرد جھڑ جاتی ہے اور میں اللہ کے سوا ہر وجود سے لا تعلق ہو گیا۔

② میرے ہاتھ سے (اے میرے ہم نوا) تو بھی وہ ساز لے لے کہ جس کے تار

+ مضراب کے سوز (ضرب) سے اس طرح گر گئے ہیں جس طرح میری آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں۔ مراد ہے کہ میں فقر قلندرانہ کے ایسے مقام پر ہوں جہاں غیر اللہ میرے فکر و عمل سے نکل چکا ہے اور اللہ بس چکا ہے۔ تو بھی اے میرے دوست اس مقام کو حاصل کر۔

٭

چو اشک اندر دلِ فطرت تپیدم تا بچشمِ او رسیدم
درخشِ من ز مژگانش تواں دید کہ من بر برگِ کاہے کم چکیدم

① میں فطرت کے دل میں آنسو کی طرح تڑپا + ایسا تڑپا کہ آخر اس کی آنکھ تک پہنچ گیا (میں فطرت کا گراں قدر سرمایہ ہوں۔ فطرت نے ہزاروں سال جدوجہد کی تب میں وجود میں آیا)۔

② میری چمک کو اس کی یعنی فطرت کی پلکوں میں دیکھا جا سکتا ہے (جہاں میں آنسو بن کر چمک رہا ہوں) کیونکہ میں گھاس پھوس کے تنکوں پر نہیں گرتا مراد ہے میں کوئی ادنیٰ درجہ کی چیز نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہوں۔ میں ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ کی جمعیت میں رہتا ہوں۔ مجھے دیکھنا ہو تو فطرت کی آنکھ میں دیکھو کیونکہ اس کی آنکھ کا تارا ہوں۔ اس کا مقصود ہوں فطرت کی ساری رونقیں میری وجہ سے ہیں۔

٭

مرا از منطق آید بوئے خامی دلیلِ او دلیلِ ناتمامی
برویم بستہ درہا را کشاید دو بیت از پیرِ رومیؒ یا ز جامیؒ

① مجھے منطق سے یعنی اس علم سے جو کسی مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کرتا ہے خامی (نقص) کی بو آتی ہے + (کیونکہ) منطق جو دلیل تو دیتی ہے لیکن وہ نامکمل ہوتی ہے مسئلہ اور بات کی حقیقت کو نہیں پہنچتی۔ مراد ہے حقیقت یا حقیقت زندگی عقل سے ہاتھ نہیں آتی۔

② (فلسفہ سے مجھے کچھ ہاتھ نہیں آیا) مجھ پر بند دروازے فلسفہ نے نہیں بلکہ مولانا جلال الدین رومی جیسے پیر و مرشد اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے دو شعروں (شاعری کے عارفانہ مضامین) نے کھولے ہیں۔

٭

بیا از من بگیر آں دیر سالہ کہ بخشد روح با خاکِ پیالہ
اگر آبش دہی از شیشۂ من قدِ آدم بروید شاخِ لالہ

① آؤ اور مجھ سے وہ پرانی شراب لے کر پیو + جو پیالہ کی مٹی میں بھی زندگی پیدا کر دیتی ہے مراد ہے عشق کی یا اسلام کی وہ شراب جو ہمارے اسلاف نے پی تھی۔ اور اپنے قلوب کو انوار الٰہی اور عرفان الٰہی سے منور کیا تھا۔

② اگر تو اسے میری شراب کی صراحی یا مٹکے سے (یعنی جو کچھ میں نے شاعری میں کہا ہے اس پر عمل) شراب یعنی اس شراب کا پانی دے گا + (تو یقین رکھو) لالے کے پھول کی شاخ (مسلمان قوم کے افراد) آدمی کے قد کے برابر ہو جائے گی (مسلمان دنیا میں سرفراز و سربلند ہو جائیں گے اور کھوئی ہوئی عظمت پا لیں گے)۔

*

بدستِ من ہماں دیرینہ چنگ است　　درونش نالہ ہائے رنگ رنگ است
ولے بنوازمش با ناخنِ شیر　　کہ او را تار از رگ ہائے سنگ است

① میرے ہاتھ میں وہی پرانی چنگ (ایک قسم کا ساز) ہے + جس میں رنگ برنگ کے نغمے چھپے ہوئے ہیں مراد ہے میں اپنی شاعری کے ذریعے وہی پرانا پیغام دے رہا ہوں جو زندگی کے ہر شعبہ کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بنی نوع انسان کو دیا تھا۔

② (چنگ کے تاروں کو لوہے کی اس مضراب سے چھیڑ کر نغمے پیدا کئے جاتے ہیں جو چنگی کی انگلی میں چڑھی ہوئی ہوتی ہے) یہاں علامہ کہتے ہیں کہ میں جس چنگ کے تاروں کو نغمات پیدا کرنے کے لئے چھیڑ رہا ہوں وہ پتھر کے تار ہیں اس لئے میں ان کو لوہے کی مضراب سے نہیں شیر کے پنجے کے ناخن سے چھیڑ رہا ہوں مراد ہے میں اپنی شاعری میں عیش و عشرت، ہوس و نفس، سکون و راحت، خواب و غفلت اور تفریح و لذت کے پیغامات کی بجائے سعی و عمل، قربانی و ایثار، جفاکشی و مردانگی، سربلندی و عروج اور دیگر اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم رہنے کی تعلیم دے رہا ہوں۔

*

بگو از من ز پرویزانِ ایں عصر　　نہ فرہادم کہ گیرم تیشہ از دست
ز خارے کو خلد در سینۂ من　　دل صد بیستوں را می تواں خست

① (پرویز ایران کا ایک قدیم بادشاہ تھا جس نے ایک عام آدمی بنام فرہاد کو فریب دے کر اس سے اس کی محبوبہ بنام شیریں چھین لی تھی۔ نہ اس نے فریب دیا تھا کہ اس نے فرہاد سے کہا تھا کہ اگر تو بیستون پہاڑ سے جو ایران میں ہے پانی کی نہر نکال لائے گا تو شیریں تجھے مل جائے گی۔ پرویز کو یقین تھا کہ نہ نہر نکل سکے گی اور نہ شیریں میرے قبضہ سے نکل سکے گی۔ فرہاد چونکہ اپنے مقصد حصول شیریں میں دیوانہ تھا وہ تیشہ یعنی ہتھوڑا لے کر پہاڑ کے پتھر توڑنے کے لئے چلا گیا اور اسی دوران مر گیا) علامہ کہتے ہیں کہ میری طرف سے اس دور کے (عوام کو فریب دے کر اپنی قید، گرفت اور غلامی میں رکھنے والے) پرویزوں یعنی وڈیروں، جاگیرداروں، نوابوں، نواب زادوں، بادشاہوں اور دوسرے بااختیار و بااقتدار لوگوں کو یہ پیغام دے دو + کہ میں فرہاد کی طرح ہاتھ میں کوئی ہتھوڑا نہیں رکھتا یعنی کوئی نفسانی یا ذاتی اغراض نہیں رکھتا کہ تمہارے کہنے میں آ کر میں لوگوں کو اپنی شاعری کے ذریعے وہ پیغام دوں گا جو تمہاری تقویت کا یا عیش و عشرت پھیلانے کا باعث بنے گا۔

② میں تو عشق کے اس کانٹے سے جس نے میرے سینے میں چبھ کر مجھے بے چین کر رکھا ہے اور جس سے ایک بیستوں تو کیا سینکڑوں بیستونوں (پہاڑوں) کے دل ٹکڑے ٹکڑے کئے جا سکتے ہیں کام لے رہا ہوں اور اپنی شاعری میں وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو عشق مجھ سے کہلواتا ہے۔

*

فقیرم ساز و سامانم نگاہست بچشمم کوہ یاراں برگِ کاہست
ز من گیر ایں کہ زاغِ دخمہ بہتر ازاں بازے کہ دست آموزِ شاہست

① میں ایک فقیر آدمی ہوں اور ظاہر ہے فقیر بے سروسامان ہوتا ہے دنیاوی اعتبار سے میرے پاس بھی کچھ نہیں ہاں کسی درویش کی صحبت اور عشق رسول ﷺ سے پیدا شدہ میرے پاس وہ نگاہ ضرور ہے + کہ جس کی بدولت میری آنکھ میں دنیا طلب دوستوں کے پہاڑ جیسے سامانوں کے ڈھیر میرے لئے گھاس کے ایک تنکے کے برابر وقعت رکھتے ہیں۔

② (پارسی مذہب کے لوگ اپنے مردوں کو ایک خاص اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں جہاں انہیں گدھ، چیلیں، اور کوے کھا جاتے ہیں اس جگہ کو دخمہ کہتے ہیں) علامہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک وہ کوا جو دخمہ کے مردوں کا گوشت کھاتا ہے اس باز سے بہتر ہے جو بادشاہوں کا سکھایا ہوا ہوتا ہے (جو ان کے ہاتھوں پر بیٹھتا ہے اور اپنی مرضی سے نہیں ان کی مرضی سے شکار کرتا ہے اور اسے خود کھانے کی بجائے بادشاہوں کو لا کر دیتا ہے پھر وہ اسے جو دیں اور جیسا دیں کھاتا ہے)۔ مراد علامہ کی یہ ہے کہ وہ مردار کھانے والا کوا کسی کا غلام تو نہیں اس لئے وہ اس باز سے کہیں بہتر ہے جو غلام ہے اسی سے غلام اور آزاد آدمی کی زندگی کو قیاس کریں۔

*

درِ دل را بروئے کس نہ بستم نہ از خویشاں نہ از یاراں گسستم
نشیمن ساختم در سینۂ خویش = ایں چرخِ گرداں خوش نشستم

① میں نے اپنے دل کے دروازے کسی پر بند نہیں کئے + نہ اپنوں (یعنی عزیزوں اور رشتہ داروں) اور نہ دوستوں سے تعلقات منقطع کئے یا الگ رہا (لیکن اس کے باوجود میں نے کسی پر تکیہ نہیں کیا۔ سب سے الگ رہا)۔

② میں نے اپنا ٹھکانا (غیروں کی چوکھٹ کی بجائے) اپنے سینے کو بنایا۔ (اہل فقر کی طرح ہر ایک سے وابستہ رہ کر بھی ہر ایک سے جدا رہا اور سوائے خدا کے کسی کی نیازمندی اختیار نہیں کی + اس طرح میں انقلابات ہونے والے آسمان کے نیچے سکون سے بیٹھا یعنی میں نے اس آسمان کے نیچے نہایت سکون کی زندگی بسر کی (واقعی جو فقر میں ہے میر سکندری میں نہیں)

*

دریں گلشن ندارم آب و جاہے نصیبم نے قبائے نے کلاہے
مرا گلچیں بدآموز چمن خواند کہ دادم چشمِ نرگس را نگاہے

① اس دنیا میں (جو باغ کی طرح رنگین اور حسین ہے) میں کوئی دنیاوی شان اور مرتبہ نہیں رکھتا + میری قسمت میں نہ قبا (شاندار لباس) نہ ٹوپی (امیرانہ سر کا پہناوا) ہے۔

② مجھے پھول توڑنے والے (میرے ملک کو برباد کرنے والے انگریز حاکموں اور ان کے گماشتوں نے) چمن والوں کو برا سبق دینے والا (آزادی کا درس دینے والا) کہا + کیونکہ میں نے اندھی نرگس کو (غلامی پر رضامند اور آزادی کی نعمت کی قدر و قیمت نہ دیکھنے والی قوم کو) بینائی عطا کی (آزادی کی نعمت سے آشنا کر کے انہیں انگریز کی غلامی سے آزاد ہونے کا جذبہ عطا کیا)۔ (اس وجہ سے مجھے انگریز حاکموں سے وہ مراعات، عہدے، وظیفے، جاگیریں، زمینیں، دولت وغیرہ حاصل نہیں ہوئیں جو میری قوم کے دین فروش

روح نا آشنا' اور قوم فروش ملاؤں' پیروں کجادہ نشینوں' وڈیروں' اور انگریز کی حاکمیت کو قائم رکھنے اور مضبوط بنانے والے دوسرے لوگوں نے حاصل کی ہیں)۔

*

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت   سخن نازک تر از برگِ سمن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست   کہ خارے دید و احوالِ چمن گفت

① دو سو عقل مندوں نے یعنی بہت سے دانشوروں اور مفکروں نے اس مجلس یعنی اس دنیا میں یا میری قوم سے بہت سی باتیں کیں + ایسی باتیں جو سمن کے پھول کی پتی سے بھی نرم تھیں۔

② لیکن مجھ سے کہو کہ وہ کونسا (اہل چمن کے صحیح حال کو) دیکھنے والا تھا کہ + جس نے کانٹوں کو (مسلمان قوم کی حالت خراب اور مصائب کو) دیکھ کر ان سے چمن کے احوال کی بات کی ہو یعنی انھیں یہ کہا ہو کہ تم کانٹوں سے نہ گھبراؤ یہ چمن کا حصہ ہیں پھول پیدا کرنے کی کوشش کرو یا انھیں ان کے ماضی کی روایات اور تاریخ سے آشنا کر کے جو چمن کی طرح کی پر بہار تھی ان کو موجودہ خزاں کی حالت سے نکل کر پھر اس بہار کو پیدا کرنے کے لئے کہا ہو (وہ صرف میں تھا)۔

*

ندانم نکتہ ہائے علم و فن را   مقامے دیگرے دادم سخن را
میانِ کارواں سوز و سرورم   سبک سپے کرد پیرانِ کہن را

① میں (شاعری کے) علم و فن کو نہیں جانتا + میں نے شاعری کو ایک اور مرتبہ عطا کیا ہے مراد ہے میرے پیش نظر شاعری کو اولیت نہیں اس پیغام کو اولیت ہے جو میں اپنی شاعری میں دے رہا ہوں۔

② میری قوم کے قافلے پر میری شاعری کے سوز و سرور (جلن اور کیف) نے (وہ اثر کیا ہے) کہ اس کے کمزور اور بوڑھے بھی جوانوں کی طرح تیز رفتار ہو گئے ہیں (اور انھیں ان کی جس کھوئی ہوئی منزل سے میں نے آشنا کیا ہے وہ اس طرف جذب و مستی کے عالم اور ہمت سے بڑھ رہے ہیں)۔

*

نہ پنداری کہ مرغِ صبح خوانم   بجز آہ و فغاں چیزے ندانم
مدہ از دست دامانم کہ یابی   کلیدِ باغ را در آشیانم

① مجھے یہ نہ سمجھو کہ میں صبح کے وقت (نغمے الاپنے والا) پرندہ ہوں یعنی دوسرے شاعروں کی طرح قاری کی تفریح طبع کے لئے شعر کہہ رہا ہوں + میں تو آہ کھینچنے اور فریاد کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتا مراد ہے میں نے اپنی شاعری میں اپنی اس تڑپ' جلن اور غم کو بیان کیا ہے جو میرے اندر اپنی قوم کی برباد حالت دیکھ کر پیدا ہوئی ہے اور انھیں پھر سے اپنی سربلندی اور خوش حالی کی منزل کو پانے کا پیغام دیا ہے۔

② تو اپنے ہاتھ سے میرا دامن نہ چھوڑ (میرے کلام اور اس میں دیئے گئے پیغام کو دیکھ) کیونکہ تو باغ میں داخل ہونے کی (دوبارہ سربلندی اور خوش حالی حاصل کرنے کی) چابی میرے گھونسلے (میری شاعری اور اس کے پیغام) میں پائے گا۔

*

بچشمِ من جہاں جز رہگذر نیست   ہزاراں رہرو و یک ہمسفر نیست

گذشتم از ہجوم خویش و پیوند کہ از خویشاں کسے بیگانہ نیست

① میری نظر میں جہان سوائے ایک راستہ کے کچھ نہیں (وہ راستہ جو فنا کی منزل کی طرف جاتا ہے)+ میرے ساتھ اس راستہ پر چلنے والے ہزاروں ہیں لیکن ایک بھی میرے سفر میں شریک نہیں ہے یعنی کوئی بھی (اپنی قوم کے لئے) اس طرح سوچنے والا نہیں جس طرح میں سوچ رہا ہوں۔

② میرے بہت سے رشتہ دار' دوست اور ملنے والے ہیں لیکن میں ان سب سے الگ ہو کر گزرا ہوں (کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ) ان اپنوں سے زیادہ کوئی غیر یا بیگانہ نہیں ہے۔ مراد ہے بہ ظاہر صدہا لوگ مجھ سے متعلق ہیں لیکن میرے حال و پیغام کو جانتے ہوئے بھی اس سے بے خبر اور بے عمل ہیں۔

٭

بایں نابود مندی بودن آموز ہمائے خویش را افزودن آموز

ہلفت اندر محیطِ نغمۂ من بطوفانم چو در آسودن آموز

① تو (اے مسلمان) اپنی نابود مندی (حالت زار اور ناتوانی و عاجزی) سے بودن کی طرف آ (ہمت سے کام لے کر حالات زار کو بدل)۔

② (اس حالت کو بدلنے کا طریق کار یہ ہے کہ) تو خود کو میرے سمندر (میری شاعری اور پیغام پر عمل کے سمندر) میں ڈال دے + اور موتی کی طرح طوفان میں پر سکون رہنا سیکھ لے۔

٭

کہن پروردۂ ایں خاک دانم ولے از منزلِ خود دل گرانم

دمیدم گرچہ از فیضِ نم او زمیں را آسمانِ خود نہ دانم

① میں اس پرانی دنیا کا یا زمین کا پالا ہوا ہوں یا دنیا میں کافی دیر سے ہوں + لیکن میں اپنی منزل سے بوجھل دل رکھتا ہوں (یعنی میری منزل وہ نہیں ہے جو دوسرے دنیاداروں کی ہے)۔

② اگرچہ میں اسی (یعنی زمین) کے فیض سے بڑا ہوا ہوں یعنی زمین کے رزق اور پانی کی وجہ سے پل کر جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا ہوں + لیکن میں نے دوسروں کی طرح زمین کو آسمان نہیں سمجھا یعنی صرف کھانے پینے کی زندگی کو زندگی کا مقصد نہیں بنایا بلکہ کھانے پینے کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی منزل کی طرف جانے کا ایک ذریعہ سمجھا۔

٭

ندانی تا نہ باشی محرم مرد کہ دلہا زندہ گردد از دمِ مرد

نگہدارد ز آہ و نالہ خود را کہ خوددار است چوں مرداں غمِ مرد

① جب تک تو کسی مرد (مراد ہے کامل مرد/ بندہ مومن/ فقیر) کا واقف نہیں بنے گا (اس کی صحبت اختیار نہیں کریگا) تو دیر از نہیں جانے گا + کہ دل ایسے مرد کے دم سے زندہ ہوتے ہیں۔

② کامل مرد آہ و فریاد' رنج و غم اور دکھ درد سے خود کو نگاہ میں رکھتا ہے مراد ہے' مصائب اور مشکلات سے گھبرا کر چیختا نہیں ان کو برداشت کرتا ہے + کیونکہ کامل مردوں کا غم بھی ان کی طرح غیرت والا اور خوددار ہوتا ہے۔

٭

نگاہے آفریں' جاں در بدن بیں بشاخاں نادمیدہ یاسمن بیں
وگرنہ مثلِ تیرے در کمانے ہدف را با نگاہِ تیر زن بیں

① تو (فقیرانہ / مومنانہ) نگاہ پیدا کر اور جان (روح) کو (جو ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتی) دیکھ لے + شاخوں پر یاسمن کے اس پھول کو دیکھ لے جو ابھی شاخ سے نکلا نہیں (جان کو دیکھ لینے سے مراد اپنی معرفت حاصل کرنے سے ہے اور یہ جان لینے سے ہے کہ آدمی جسم کا نہیں روح کا نام ہے۔ جس کی پہچان' تربیت اور پرورش ضروری ہے)۔

② (اگر تو اپنے جسم میں پوشیدہ اور رواں دواں روح کو نہیں دیکھ سکتا (تو یوں کر کہ) جس طرح کمان کے چلے پر چڑھا ہوا تیر اپنے نشانے کو تیر چلانے والے کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے تو بھی کسی مردِ کامل کی صحبت اختیار کر اور اس کی نگاہ سے اس کو دیکھ اور اس کی پہچان کر اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح تیر بے بس ہوتا ہے اور تیر چلانے والا اسے جہاں چاہے پھینک دیتا ہے تو بھی روح سے نا آشنا ہونے یا اپنی معرفت حاصل نہ ہونے کے سبب دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والا اور اپنی انفرادیت سے بے خبر رہنے والا رہے گا۔

*

خرد بیگانۂ ذوقِ یقین است قمارِ علم و حکمت بد نشین است
دو صد بوحامد و رازی نیرزد بناداںنے کہ چشمش راہ بیں است

① عقل یقین کے ذوق (لذت) سے بیگانہ ہے + علم و حکمت بھی (تیرے) برے ساتھی ہیں۔ مراد ہے عقل، علم، اور حکمت سے حقیقت زندگی ہاتھ نہیں آتی یا اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

② دو سو امام غزالی اور امام رازی جیسے حکما' متکلم اور دانش مند مل کر بھی اس ایک نادان (کم عقل) کے برابر نہیں ہو سکتے جس کی نگاہ (حقیقت کا) راستہ دیکھنے والی ہے' مراد ہے اپنی معرفت کے حصول اور حقیقت زندگی کو ہاتھ میں لانے کے لئے صرف عشق کام آتا ہے۔ جو کسی مردِ کامل کی نگاہ اور صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

*

قماش و نقرہ و لعل و گہر چیست؟ غلامِ خوش گل و زریں کمر چیست؟
چو یزداں از دو گیتی بے نیاز اند دگر سرمایۂ اہلِ ہنر چیست؟

① (جو لوگ شانِ فقر رکھتے ہیں یا جو اپنی معرفت اور زندگی کی حقیقت سے آشنا ہیں ان کی نگاہ میں) رزق کا وسیلہ (یا دولت) کپڑا، چاندی، لعل اور موتی کیا ہیں؟ یعنی بے حقیقت ہیں + ان کی نگاہ میں بادشاہوں اور امیروں کی شان امارت و شاہی کی نمائش کرنے والے خوبصورت اور کمر میں سونے کی پیٹیاں باندھنے والے غلام بے قیمت ہیں۔

② یہ لوگ خدا کی طرح دونوں جہانوں سے بے نیاز ہوتے ہیں + ان اہل ہنر کے پاس (اللہ والوں کے پاس جو اللہ سے واصل ہونے کے ہنر سے واقف ہوتے ہیں) (بے نیازی) کے سوا اور کوئی سرمایہ نہیں ہوتا۔

*

خودی را نشۂ من عینِ ہوش است ازاں میخانۂ من کم خروش است
مے من گرچہ ناصاف است درکش کہ ایں تہ جرعۂ خمہائے دوش است

① خودی کے لئے میری شراب کا نشہ (جو کچھ میں نے اپنی شاعری کے ذریعے کہا ہے اس کا نشہ) عین ہوش ہے + میرے میخانہ سے پینے والا شور نہیں کرتا۔

② میری شراب اگرچہ ناصاف ہے (مغرب کی شراب کی طرح صاف نہیں) اسے پی لے + کہ میری شراب کے مٹکوں کی تہ میں تلچھٹ کے رنگ میں جو ناصاف شراب بیٹھی ہوئی ہے وہ کل کی پرانی ہے۔ مراد ہے میں تمہیں وہی شراب اسلام پلا رہا ہوں جو ہمارے اسلاف نے پی تھی۔

*

ترا با خرقہ و عمامہ کارے من از خود یافتم بوئے نگارے
ہمیں یک چوب نے سرمایۂ من نہ چوب منبرے نے چوب دارے

① تجھے اے اس دور کے مسلمان جبّہ (جبّہ پہننے والے ظاہردار اور دنیا پرست صوفیوں سے) اور پگڑی (دین فروش علما) سے واسطہ ہے (تو ان کے دام میں گرفتار ہے) + (لیکن میں ان سے بے نیاز) خود اپنے اندر سے اپنے محبوب کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ مراد ہے میں نے اپنی معرفت سے خدا کی معرفت حاصل کرلی ہے۔

② میرا سرمایہ یہی بانسری کی لکڑی (یعنی عشق و مستی) ہے + نہ منبر کی لکڑی ہے اور نہ منصور کے انا الحق کہہ کر پھانسی پانے کی لکڑی۔ مراد ہے نہ میں عالم ہوں نہ صوفی ہوں میں تو عشق خدا و رسول ﷺ میں مست ایک شاعر ہوں جو اپنی شاعری کے ذریعے مسلمان قوم کو اسلام کا پیغام دے رہا ہے۔

*

چو دیدم جوہر آئینۂ خویش گرفتم خلوت اندر سینۂ خویش
ازیں دانشوراں کور و بے ذوق رمیدم با غمِ دیرینۂ خویش

① جب میں نے اپنے آئینہ (زندگی) کے جوہر (اس بنیادی صفت کو جس کی وجہ سے اس میں عکس آ رہا ہے) کو دیکھا + تو میں نے اپنے سینہ میں خلوت اختیار کرلی۔ بخود گم ہو کر خود کو پالیا۔ اور خود کو پانے سے خدا کو پالیا اس طرح خلوت میں انجمن پیدا کرلی۔

② (جب میں نے زندگی کی حقیقت کو پالیا) تو میں ان عقل مندوں سے جو بڑے پرانے اور تجربہ کار ہیں لیکن (عشق کے اعتبار سے) بے ذوق (اور اپنی اور خدا کی معرفت کے لحاظ سے) اندھے ہیں + بھاگا میں ان سے اپنے اس پرانے غم یا غم عشق کے سہارے جس نے مجھے خود آشنا اور خدا آشنا کیا ہے دور رہا۔

*

چو رخت خویش بربستم ازیں خاک ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

① جب میں نے اس مٹی (جہان) سے اپنا سامان سفر باندھا یعنی مرگیا + تو سب کہنے لگے کہ مرنے والا ہمارا آشنا تھا (ہم اسے جانتے تھے)۔

② (لیکن اس آشنائی کا دعویٰ کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ) ان میں سے کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ

یہ مسافر کہاں سے آیا تھا آ کر اس نے کیا کہا اور اس کی باتوں کے مخاطب کون تھے مراد یہ ہے کہ علامہ کو آخر دم اس بات کا شدید احساس تھا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ان کی قوم نے اس کو سنا ضرور لیکن عمل نہیں کیا۔ اس نے انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے دیکھا اور ان کے کلام کو ایک شاعر کا کلام سمجھ کر پڑھا لیکن وہ اس شاعر اور اس کی شاعری کی حقیقت کو نہ پا سکے۔

②

اگر دانا دل و صافی ضمیر است فقیرے با تہی دستی امیر است
بدوشِ منعم بے دین و دانش قبائے نیست پالانِ حریر است

① اگر دل کا دانا اور ضمیر کا صاف ہے + تو ایک غریب خالی ہاتھ ہونے کے باوجود امیر ہے۔
② بے دین اور بے دانش (دانائی کے بغیر) امیر آدمی کے کندھوں پر یعنی جسم پر قبا (امیرانہ چغہ نہیں) ریشم کا پالان ہے (جو گدھوں کی پیٹھ پر ہوتا ہے)۔

③

سجودے آوری دارا و جم را مکن اے بے خبر رسوا حرم را
مبر پیشِ فرنگی حاجت خویش ز طاقِ دل فروریز ایں صنم را

① (اے مسلمان) تو دارا و جم کو (ایران کے دو مشہور بادشاہ گزرے ہیں) سجدے کرتا ہے مراد ہے دنیاوی اغراض کے لئے جاگیرداروں' نوابوں' وڈیروں' حاکموں وغیرہ کے آگے جھکتا ہے + اور اس طرح حرم کو (اسلام کی روح) کو ذلیل کر رہا ہے۔
② اپنی ضروریات اور حاجات کو فرنگی (انگریز حاکموں) کے دربار میں نہ لے جا + اپنے دل سے اس بت کو نکال باہر کر (اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے حاجت طلبی کے لئے جانا شرک ہے اسلام کی روح کے منافی ہے)۔

✱

شنیدم نکتۂ از مرد پیرے کہن فرزانہ و روشن ضمیرے
اگر خود را بنا داری نگہداشت دو گیتی را بگیرد آں فقیرے

① میں نے ایک بوڑھے آدمی سے ایک شعر سنا + وہ بوڑھا جو پرانا دانا اور روشن ضمیر تھا۔
② اگر ایک غریب غریبی کی حالت میں اپنے آپ کی حفاظت کرے مراد ہے خودداری اور غیرت کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے + تو وہ اس بے نیازی کی وجہ سے دونوں جہانوں کو اپنے پہلو میں پائے گا۔ غریبی میں شاہی کرے گا۔

✱

نہاں اندر دو حرفے سرِّ کار است مقامِ عشق منبر نیست دار است

براہیماں ز نمروداں نہ ترسند کہ عود خام را آتش عیار است

① کام کی بات یا کامیابی کی بات دو حرفوں میں چھپی ہوئی ہے + (وہ دو حرف یہ ہیں کہ) عشق کا مقام منبر نہیں دار ہے مراد یہ ہے کہ عاشق کسی خطیب کی طرح مسجد کے منبر پر کھڑا ہو کر لچھے دار تقریریں نہیں کرتا۔ زبانی کلامی باتوں سے عشق کا ہونا نہیں جتاتا بلکہ وہ تو اپنے مقصد اعلیٰ کے حصول اور تکمیل کے لئے سولی پر بھی بخوشی چڑھ جاتا ہے سر کٹوا دیتا ہے لیکن پیچھے نہیں ہٹتا۔

② جس طرح حضرت ابراہیمؑ اپنے زمانے کے خدائی کا دعویٰ کرنے والے طاقتور حکمران نمرود سے نہیں ڈرے تھے اور اس سے ٹکرا گئے تھے اسی طرح ہر زمانے میں حق کی سربلندی کے لئے جو بھی نکلتا ہے وہ بھی اپنے وقت کے نمرود کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔ جس طرح خالص اور عمدہ قسم کی خوشبودار عود کی لکڑی کی پرکھ یہ ہے کہ اسے آگ میں ڈال کر دیکھا جاتا ہے کہ وہ کیسی اور کتنی خوشبو دیتی ہے اسی طرح عشق کا دعویٰ کرنے والے کو بھی مصائب اور بلاؤں کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے دعویٰ عشق کی سچائی کا تب پتہ چلتا ہے۔

*

مجو اے لالہ از کس غمگساری چو من خواہ از درون خویش یاری
بہ ہر بادے کہ آید سینہ بکشا نگہہ دار آں کہن داغے کہ داری

① اے لالہ کے پھول (اے صاحب عشق مسلمان) تو کسی سے غم گساری (درد و غم میں مدد) نہ مانگ + میری طرح اپنے اندر سے یاری (مدد) طلب کر مراد ہے دوسروں کی محتاجی کی بجائے اپنی ہمت سے ان سے نپٹ اور ان پر قابو پا۔

② کوئی ہوا ہو (موافق یا مخالف) اس کے لئے سینہ کھلا رکھ ۔ مراد ہے غمی اور خوشی ہر چیز کے لئے تیار رہ + صرف اس داغ کی حفاظت کر (جو لالہ کے پھول کے اندر کے سیاہ داغ کی طرح) عشق نے تیرے دل میں پیدا کر رکھا ہے۔

*

ز پیرے یاد دارم ایں دو اندرز نباید جز بجانِ خویشتن زیست
گریز از پیشِ آں مرد فرومایہ کہ جانِ خود گرو کرد و بہ تن زیست

① میں ایک بوڑھے (بزرگ) کی یہ دو نصیحتیں یاد رکھتا ہوں + (ایک یہ) کہ اپنی جان کے سوا کسی اور جان سے نہیں جینا چاہئے مراد ہے کسی اور کے سہارے پر زندگی بسر نہیں کرنی چاہئے۔

② (دوسری یہ) اس کمینہ آدمی کے سامنے سے دوڑ جاؤ (اس کی صحبت اور دوستی اختیار نہ کرو) جس نے جسم کو زینت دینے کے لئے روح کو گروی رکھ دیا ہو۔

*

بساحل گفت موجِ بے قرارے بفرعونے کنم خود را عیارے
گہے بر خویش می پیچم چو مارے گہے رقصم بہ ذوقِ انتظارے

① ایک بے قرار موج نے ساحل سے کہا + کہ میں اپنی پرکھ فرعون کی کسوٹی پر کرتی ہوں (فرعون مصر ایک بادشاہ تھا۔ جو خود کو خدا کہتا تھا اور جس کا مقابلہ حضرت موسیٰؑ نے کیا تھا اور جو دریائے نیل یا

سمندر کی موجوں کی نذر ہو گیا تھا) اقبال اس مثال سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے اسلام اور ایک مومن کے ایمان کی پرکھ بھی یہ ہے کہ وہ کس حد تک اپنے وقت کے فرعونوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ان کو کیسے انجام تک پہنچاتا ہے۔

② (موج مزید کہتی ہے) کبھی میں (فرعونوں کے اجسام کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے) سانپ کی طرح پیچ کھاتی ہوں اور کبھی ان کے انتظار کی لذت میں رقص کرتی ہوں (مسلمان کی پہچان بھی یہ ہے کہ وہ ہر وقت باطل سے نبرد آزما ہونے اور اس کو شکست دینے کے لئے تیار رہے)۔

*

اگر ایں آب و جاہے از فرنگ است   جبینِ خود منہ جز بر درِ او
سریں را ہم بہ چوبش دہ کہ آخر   حقے دارد بہ خر پالاں گرِ او

① علامہ ان مسلمانوں کو جنہوں نے قوم فروشی کر کے اور انگریز کو خوش کر کے مرتبے، زمینیں، جاگیریں اور دنیاوی جاہ و جلال حاصل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے کہ تمہاری شان و شوکت انگریز کی غلامی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے سبب ہے + تو اپنی پیشانی کو اس کی چوکھٹ کے علاوہ کسی اور چوکھٹ پر رکھ کر اس چوکھٹ کو رسوا نہ کر۔

② اے انگریز پرست مسلمان جہاں تو نے اس کی چوکھٹ پر ماتھا رکھا ہے اپنے چوتڑوں پر اس کے ڈنڈے بھی کھا + کیونکہ جب کسی گدھے کی پیٹھ پر اس کا مالک لکڑی کا پالان (وہ جس میں بوجھ رکھا جاتا ہے) رکھتا ہے تو گدھے پر اس کا حق بن جاتا ہے کہ جس طرح وہ چاہے اس سے سلوک کرے۔ مراد ہے اے قوم لو ہو! اپنی غیرت کو بیچ کر انگریز سے دنیاوی فائدے اٹھانے والے تیری زندگی تیرے ان محسنوں کے نزدیک گدھے کے برابر ہے۔ ذلت اور خواری والی ہے۔

*

فرنگی را دلے زیرِ نگیں نیست   متاعِ او ہمہ ملک است و دیں نیست
خداوندے کہ در طوفِ حریمش   صد ابلیس است و یک روح الامیں نیست

① فرنگی (انگریز یا ساری یورپی اقوام) کا دل زیر نگین نہیں ہے یعنی اس کو دل پر تصرف حاصل نہیں ہے اسلئے اس میں روح مطلق نہیں + اس کی ساری دولت ملک ہے دین نہیں ہے۔

② ان کی مثال ایسے خدا کی ہے جس کے کعبہ کے طواف میں سینکڑوں شیطان تو ہوں جبرئیل ایک بھی نہ ہو مراد ہے فرنگیوں کا ہر قسم کا نظام شیطنت لئے ہوئے ہے آدمیت و انسانیت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں اس میں بدی ہی بدی ہے نیکی کی اسے ہوا تک نہیں لگی۔

④

من و تو از دل و دیں ناامیدیم   چو بوئے گل ز اصلِ خود رمیدیم
دلِ ما مرد و دیں از مردنش مرد   دو تا مرگے بیک سودا خریدیم

① اے مسلمان میں اور تو یعنی ہم سب دین اور دل سے دور ہو چکے ہیں + جس طرح پھول کی خوشبو،

پھول سے نکل کر پھیل جاتی ہے اور آوارہ ہو جاتی ہے ہم بھی اپنے اصل (دین اسلام اور اس کے لئے سوز بھرے دل) کو چھوڑ چکے ہیں اور دوسروں کے نظام ہائے فکر و عمل کو اپنائے ہوئے ہیں۔

② پہلے ہمارا دل مرا (اس میں سے عشق اور سوز کی کیفیات ختم ہوئیں) پھر اس کے نتیجے میں ہمارا دین مر گیا (ہمارا دین سے کوئی تعلق نہ رہا) + (دیکھئے ہم نے) ایک ہی سودے میں دو موتیں خرید لیں۔

٭

مسلمانے کہ داند رمزِ دیں را　نساید پیشِ غیر اللہ جبیں را
اگر گردوں بہ کامِ او نگردد　بکامِ خود بگرداند زمیں را

① وہ مسلمان جو دین کی رمز (توحید) سے واقف ہے + غیر اللہ کے سامنے اپنی پیشانی نہیں جھکاتا۔

② اگر آسمان اس کی منشا کے مطابق نہیں گھومتا (جیسا کہ مشہور ہے کہ آسمان کی گردش قسمت پر اثرانداز ہوتی ہے) تو وہ خود زمین کو اپنی مرضی کے مطابق گھما لیتا ہے مراد ہے سعی و عمل سے ہر مشکل پر عبور حاصل کر کے منزل کامیابی سے پالیتا ہے۔ وہ ستاروں یا آسمان کے تقدیر بنانے یا بگاڑنے کے توہم میں نہیں پڑتا۔

٭

دلِ بیگانہ خو زیں خاکداں نیست　شب و روزش ز دورِ آسماں نیست
تو خود وقتِ قیامِ خویش دریاب　نمازِ عشق و مستی را اذاں نیست

① وہ دل جو اپنے محبوب کے سوا ہر کسی سے بیگانگی کی عادت رکھنے والا ہے وہ اس زمین سے متعلق نہیں ہے۔ مراد ہے کوئی مادی شے نہیں ہے + اس کے دن رات چاند سورج کی گردش سے پیدا نہیں ہوتے۔ اس کا ایک اپنا غیر مادی نظام ہے۔ وہ فطرت کے قوانین کا پابند نہیں بلکہ فطرت اس کے اشارے پر چلتی ہے۔

② تو اے صاحب دل مسلمان اپنی نماز کے قیام (نماز کھڑی ہونے کا) کے وقت کا خود تعین کر + کیونکہ عشق و مستی کی نماز کی کوئی اذان نہیں ہوتی۔ (یہ بات علم و عقل کی سمجھ میں آنے والی نہیں اہل دل ہی اس راز کو جانتے ہیں)۔

٭

مقامِ شوق بے صدق و یقیں نیست　یقیں بے صحبتِ روح الامیں نیست
گر از صدق و یقیں داری نصیبے　قدم بیباک نہ کس در کمیں نیست

① عشق جس مقام پر ہوتا ہے وہاں صدق (سچائی / حق) اور یقین (غیر متزلزل ایمان) کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (ظن، تخمین، گمان، شک، قیاس وغیرہ علم اور عقل کا کام ہے عشق مشاہدہ کی آنکھ رکھتا ہے اس لئے یقین و صدق کا حامل ہوتا ہے)۔

② اگر تیرے نصیب میں خدا صدق اور یقین کرے + تو ڈر نہیں بے دھڑک ہو کر تسخیر کائنات کی راہ پر نکل۔ تیری راہ میں کوئی شکاری گھات لگائے نہیں بیٹھا ہو گا۔ کوئی چیز بھی تیرے راستے میں حائل نہیں ہو گی۔

٭

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک   کہ در خود فاش بیند رمزِ لولاک
خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد   شناس آں را کہ گوید ماعرفناک

① ایک مسلمان کے لئے یہی عرفان (دل کے ذریعے حقیقت سے آشنا ہونا اور یہی ادراک (عقل کے ذریعے کسی شے کی ماہیت کا بقدر عقل انسانی علم حاصل کرنا) کافی ہے + کہ وہ اپنے اندر لولاک کی رمز کو واضح طور پر مشاہدہ کرلے (لولاک ایک حدیث **لولاک لما خلقت الافلاک** کا پہلا لفظ ہے اور اس سے پوری حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے) اے حضرت محمد ﷺ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں یہ کائنات پیدا نہ کرتا۔ مراد اس سے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ اسی کو صوفیا حقیقت محمدی ﷺ یا حقیقت الحقائق بھی کہتے ہیں۔ اے مسلمان جب نبی کریم ﷺ تخلیق کائنات کے باعث ہیں تو تیری تخلیق کے بھی باعث ہیں۔ اس لئے اس "باعث" کو اپنے اندر مشاہدہ کر۔ اس عرفان و مشاہدہ کا طریقہ کوئی اللہ کا ولی بتائے گا)۔

② خدا تو ہمارے قیاس میں بھی نہیں سما سکتا + اس کو مشاہدہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ پہلے اس کو پہچانو جس نے اسے پہچان کر بھی (اپنی بندگی اور خدا تعالیٰ کی کبریائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے) **ماعرفناک حتی معرفتک** (اے مولا میں تجھے نہیں پہچان سکا جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے) کہا تھا اس شعر میں **عرفناک** کا لفظ اسی حدیث کی طرف اشارہ کرتا ہے مراد ہے جو ذات محمد ﷺ کا عرفان حاصل کرلیتا ہے وہ اللہ کا عرفان بھی حاصل کرلیتا ہے)۔

*

بہ افرنگی بتاں خود را سپردی   چہ مردانہ در بت خانہ مردی
خرد بیگانۂ دل، سینہ بے نور   کہ از تاکِ نیاگاں مے نہ خوردی

① اے عہد حاضر کے مسلمان تو نے خود کو فرنگی (یورپین) بتوں کے سپرد کردیا + تو ان کے بت خانہ میں کس طرح نامردوں کی طرح مرا ہے مراد یہ ہے کہ تو فرنگیوں (انگریزوں یا اہل مغرب کی) سیاسی غلامی اختیار کرکے اور ان کی شیطانی تہذیب و ثقافت اور حیوانی تمدن و معاشرت اختیار کرکے ان کی طرح آدمیت "انسانیت اور روحانیت کے اعتبار سے مرگیا۔ تجھے تو ان فرنگیوں کے ہر قسم کے وار کا مقابلہ کرنے کے لئے ایمان، یقین اور توحید کی قوت سے کام لے کر ان کو پچھاڑ دینا چاہئے تھا لیکن افسوس تو نے ان کا مردانہ وار مقابلہ نہ کیا اور مخنثوں کی طرح ہتھیار ڈال دئے اور اس طرح تو نے اپنے لئے ہر قسم کی موت خرید لی۔

② تیری عقل دل سے اور تیرا سینہ سوز سے بیگانہ ہے + کیونکہ تو نے (فرنگیوں کی شراب تو پی لی) اپنے پرانے بزرگوں کی انگور سے نکالی ہوئی شراب نہیں پی مراد ہے کہ تیری عقل عشق کی قیمت سے اور تیرا دل عشق کے جذبے سے خالی ہوچکا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے فرنگیوں کے راستہ پر چل نکلا ہے۔

*

نہ ہر کس خود گر و ہم خود گداز است   نہ

قبائے لاالٰہ خونیں قبائے است کہ بر بالائے نامرداں دراز است

① نہ ہر شخص خود کو بنانے والا (اپنی خودی کی تربیت کرنے والا) اور نہ عشق کے سوز میں خود کو گداز کرنے والا ہے + نہ ہر شخص اپنی شان نیاز مندی پر نازاں ہے۔ مراد ہے خود کو پہچان کر حقیقی انسان بننا اور اپنے خالق کے آگے عجز و انکساری اختیار کرنے پر ناز کرنا ہر ایک کا شیوہ نہیں۔

② لاالٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کی قبا خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ قبا نامردوں کے قد پر صحیح نہیں آسکتی۔ مراد ہے کہ خودی کی تربیت کر کے آدمی کے مقام کو پانا یا اپنے محبوب کے آگے سر نیاز خم کرنے پر نازاں ہونا ہر ایک کا نہیں صرف عاشقوں کا کام ہے جو اپنے محبوب کے سوا کسی سے واسطہ نہیں رکھتے جو اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے۔ ایسے عاشق جو محبوب کی خاطر خون میں تر اسکتے ہوں کمینہ دنیا کے غلام نہیں مردوں کے بجائے مخنث کہنا چاہیے۔ جو اس مقام سے محروم رہتے ہیں۔

*

بسوزد مومن از سوزِ وجودش کشود ہر چہ بربند از کشودش
جلالِ کبریائی در قیامش جمالِ بندگی اندر سجودش

① مومن وہ ہے جو اپنی ذات کے سوز میں جلتا رہتا ہے یعنی اس عشق میں جلتا رہتا ہے جو صفت ہونے کے باوجود اس کی ذات بن جاتا ہے۔ اور اس کی ذات اور عشق ایک ہو جاتے ہیں + ہر وہ گرہ جو کسی نے لگائی ہو مومن کے کھولنے سے کھلتی ہے۔ جتنے بھی معاملات' سوالات' مسائل' شک و شبہات' ایک آدمی کو پیش آسکتے ہیں ان سب کا حل مومن کے پاس ہے۔ کیونکہ اس نے ایمان اور اسلام کو عشق کی حد تک اختیار کر رکھا ہوتا ہے اور اسلام وہ دین ہے جس میں کوئی کمی اور کوئی کجی نہیں ہے اس کے پاس ہر چیز کا حل موجود ہے۔

② جب وہ اللہ کے حضور عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے قیام میں (کھڑے ہونے میں) اللہ کا جلال (ہیبت اور شوکت) + اور اس کے سجدے میں بندگی (عبودیت) کا حسن جھلک رہا ہوتا ہے۔ مراد ہے مومن کی زندگی میں جلال بھی ہے اور جمال بھی ہے۔ وہ باطل کے لئے سراپا دبدبہ اور ہیبت اور حق کے میدان میں سراپا حسن ہوتا ہے۔

*

چہ پرسی از نمازِ عاشقانہ رکوعش چوں سجودش محرمانہ
تب و تاب یکے اللہ اکبر نہ گنجد در نمازِ پنجگانہ

① تو مجھ سے عاشقانہ نماز کے متعلق کیا پوچھتا ہے کہ کیا ہے + عاشقانہ نماز میں رکوع اس کے سجدے کی طرح محرم راز ہوتی ہے۔ عاشق رکوع میں ہو یا سجود میں وہ اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔

② نماز عاشقانہ کی شان یہ ہے کہ عاشق نمازی جب ایک دفعہ اللہ اکبر کہتا ہے تو اس اللہ اکبر کی ادائیگی میں وہ ادا ہوتی ہے جو ہماری دن رات کی پانچ نمازوں میں بار بار اللہ اکبر کہنے میں نہیں ہوتی۔ مراد ہے اگر نمازی کی نماز کے اندر مشاہدہ حق کا وہ رنگ پیدا نہ ہو جو عاشق کی نماز میں ہوتا ہے تو وہ نماز شرعی طور پر تو ادا ہو جاتی ہے لیکن مسلک عشق کے مطابق ادا نہیں ہوتی۔

*

دو گیتی را صلا از قرأت اوست مسلماں! لایموت از رکعت اوست

نداند کشتۂ ایں عصرِ بے سوز قیامت ہا کہ در قد قامت اوست

① عاشق جب اپنی نماز میں قرآن کی قرأت کرتا ہے تو وہ صرف خود کو اس کے الفاظ و معانی سے آشنا نہیں کرتا بلکہ ساری دنیا کو قرآن کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا قرآن سن کر لوگ باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف لپکتے ہیں + ایک مومن جب عاشقانہ طرز کی نماز پڑھتا ہے تو خود کو غیر فانی بنا لیتا ہے۔ وہ ظاہری موت کے باوجود ہمیشہ کی زندگی اختیار کر لیتا ہے کیونکہ نماز میں وہ مشاہدہ حق کی منزل پر ہوتا ہے۔ اور جو اس منزل پر ہو اسے فنا کہاں۔

② بندۂ مومن جب مشاہدہ حق والی عاشقانہ نماز ادا کرنے کے لئے نماز سے پہلے تکبیر اولیٰ میں **قد قامت الصلوٰۃ** (نماز کھڑی ہو گئی) کہتا ہے تو اس کے اس کہنے میں کتنی قیامتیں پوشیدہ ہیں (وہ باطل کے لئے کس طرح قیامت بن سکتا ہے) اس حقیقت کو سوز عشق سے ناواقف موجودہ دور کا مارا ہوا مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

⑤

فرنگ آئینِ رزّاقی بداند بایں بخشد ازو وا می ستاند
بہ شیطاں آنچناں روزی رساند کہ یزداں اندر آں حیراں بماند

① انگریز قوم یا یورپین اقوام جنھوں نے ساری کمزور قوموں کو غلام بنا رکھا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کو رزق پہنچانے کے طور طریقہ سے واقف ہیں۔ وہ ان کو جو اپنی غیرت کا سودا کر کے ان کے ہو جاتے ہیں انھیں تو نوکریاں' عہدے' زمینیں' جاگیریں وغیرہ عطا کرتی ہیں اور جو ان سے سرکشی اختیار کرتے ہیں ان سے ان کا پہلا روزگار بھی چھین لیتی ہیں۔

② اہل مغرب شیطانوں کو (شیطان صفت لوگوں کو) اس طرح روزی پہنچاتے ہیں + کہ اس کو دیکھ کر خدا بھی حیران رہ جاتا ہے۔ مراد ہے وہ خدا کے بندوں کو فاقوں مارتے ہیں اور اپنے بندوں کو جو ان کی طرح شیطان ہو جاتے ہیں پالتے ہیں۔

*

چہ حاجت طولِ دادن داستاں را بحرفے گویم اسرارِ نہاں را
جہانِ خویش با سوداگراں داد چہ داند لامکاں قدرِ مکاں را

① داستان کو لمبا کرنے کی کیا حاجت ہے + میں ایک حرف میں (مختصراً) چھپے ہوئے بھیدوں کو بیان کرتا ہوں۔

② خدا نے اپنے جہان کو یورپ کے سوداگروں کے سپرد کر دیا۔ جو کمزور قوموں کے سودے کرتے ہیں اور ان کا سستے داموں خون چوس کر اپنے چہروں کو رنگین بناتے ہیں + معلوم ہوتا ہے کہ لامکاں (جہاں زمان و مکان نہیں۔ آسمانوں سے کہیں آگے کے جہان) کے مکین کو یعنی خدا کو اس جہان کی (جو زمان و مکان میں مقید ہے) کوئی قدر نہیں (ورنہ وہ اپنی مخلوق کو یورپ کے لٹیروں' خونخواروں' اور حیوانوں کے سپرد کیوں کرتا۔ دراصل شاعر کے اس انداز میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے ایسا

کیوں کیا)۔

*

بہشتے بہرِ پاکان حرم ہست بہشتے بہرِ ارباب ہمم ہست
بگو ہندی مسلماں را کہ خوش باش بہشتے فی سبیل اللہ ہم ہست

① بہشت حرم (کعبہ) سے نسبت رکھنے والے پاک لوگوں کے لئے ہے (وہ جو اللہ کے گھر کے سوا کسی غیر اللہ کے گھر کا طواف نہیں کرتے۔ صرف اللہ کے ہوتے ہیں اور اللہ والے کہلاتے ہیں) + بہشت ہمت والے لوگوں کے لئے ہے (وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ وہ جو حق کی سربلندی کے لئے مردانہ وار غیر حق سے ٹکرا جاتے ہیں)۔

② ہندوستان کے مسلمان سے جو نہ پاکان حرم میں سے ہے اور نہ ارباب ہمت میں سے ہے کہہ دو کہ وہ بھی خوش ہو جائے + ایک بہشت وہ بھی ہے جو اللہ کی مہربانی سے مل جائے گی۔ مفت مل جائے گی۔ ہندی مسلمان پر طنز کیا ہے کہ اللہ تم بے عملوں کو بھی بہشت سے محروم نہیں کرے گا آخر تم مسلمان تو ہو چاہے نام کے سہی۔ کیونکہ مسلمان کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے ناتے انہیں بہشت ضرور ملے گی۔

⑥

قلندر میلِ تقریرے ندارد بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست کہ آب از خونِ شبیرے ندارد

① قلندر (لمبی چوڑی) تقریر کی طرف رغبت نہیں رکھتا + سوائے نکتہ (باریک بات) کے جو (میں کہنے والا ہوں) تمہارے لئے کوئی اکسیر (مٹی کو سونا بنانے والی شے) نہیں ہے۔

② اس ویران کھیت سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کی جا سکتی + کہ جس کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ (شبیر) کے خون سے آبیاری نہ کی جائے۔ مراد ہے اے مسلماں جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر یا باطل کے مقابلے میں عملاً نکلے بغیر تم کسی قسم کی عزت اور وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ جہاد کے حق میں اور باطل کے خلاف زبانی کلامی باتیں کرنے سے تمہاری اجڑی ہوئی دنیا آباد نہیں ہو سکتی اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو کہتے ہو اس پر عمل بھی کرو۔

ختم شد

نسیم افلاک زمانہ

فی مطالب

جاوید نامہ

از

علامہ محمد اقبالؒ

شرح

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

ہر قسم کی بکس منگوانے کیلئے یا کسی بھی ادارے کی بکس منگوانے کے لیے اس پتہ پر رابطہ کریں

عثمان پبلی کیشنز جلال الدین ہسپتال بلڈنگ،
چوک اُردو بازار، لاہور
042-7640094, 0333-4275783, upublications@hotmail.com
sh_publication@yahoo.com

837

محمد عثمان

نے

نیر اسد پرنٹرز

سے چھپوا کر

عثمان پبلی کیشنز

سے شائع کی

7640094, 0333-4275783

قیمت:-- R.S 225/-

فہرست مضامین



یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوبِ فطرت ہے

عرض ناشر

① علامہ اقبال مرحوم کی فارسی تصانیف کا اردو میں معتبر ترجمہ کرانے کا ہم نے جو ذمہ لیا ہے، جاوید نامہ کا یہ ترجمہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

② یہ محض ترجمہ نہیں ہے بلکہ مضامین شعری کی اس انداز میں مختصراً وضاحت بھی ہے کہ قاری کے ذہن میں ان کا مفہوم و مدعا بھی اتر جائے۔

③ ترجمہ کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ مشکل الفاظ کے معنی بھی ہاتھ آ جائیں۔

④ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ترجمہ اردو اور فارسی زبان کے ایک ایسے عالم، محقق اور نقاد سے کرایا گیا ہے جو صحیح معنوں میں اقبال شناس ہے۔

⑤ چونکہ ترجمہ کا انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے شعر لکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ ––– اس لئے قاری کو فارسی زبان کی کتاب جاوید نامہ الگ خریدنا نہیں پڑے گی۔

مناجات

پہلا بند

آدمی اندر جہانِ ہفت رنگ ہر زمان گرمِ فغاں مانندِ چنگ!
آرزوے ہم نفس می سوزدش نالہ ہاے دل نواز آموزدش
لیکن ایں عالم کہ از آب و گل است کے تواں گفتن کہ داراے دل است
بحر و دشت و کوہ و کہ خاموش و کر آسمان و مہر و مہ خاموش و کر
گرچہ بر گردوں ہجوم اختر است ہر یکے از دیگرے تنہا تر است!
ہر یکے مانندِ ما بیچارہ ایست در فضاے نیلگوں آوارہ ایست!
کارواں برگِ سفر ناکردہ ساز! بیکراں افلاک و شب ہا دیر یاز!
ایں جہاں صید است و صیادیم ما؟ یا اسیرِ رفتہ از یادیم ما؟
زار نالیدم صداے برنخاست ہم نفس فرزندِ آدم را کجاست؟

*

① سات رنگوں والے جہان میں آدمی + ہر لحہ ستار (یا سارنگی) کی مانند گرم فغاں رہتا ہے یعنی فریاد کرتا رہتا ہے (سات رنگوں والا جہان اس لئے کہا ہے کہ ہمارا جہان جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے اس میں سبز، سرخ، زرد، سفید، نیلا، سیاہ، عنابی وغیرہ سات رنگ موجود ہیں یا یہ جہان ہفت رنگ اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس کی سات زمینیں اور سات آسمان ہیں۔ علامہ نے جاوید نامہ میں ایک زمین اور چھ افلاک ملا کر یا چھ افلاک اور ایک آنسوئے افلاک ملا کر جہان کو سات رنگ بنا دیا ہے۔ اور آدمی کی ہر لمحہ بے تابی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس جہان ہفت رنگ میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں تھا وہاں سے جسم تو ہی کی صورت میں دنیا میں آ گیا۔ یہ فراق اسے بے تاب رکھتا ہے اور وہ اپنے اصل سے جدا ہونے کی بنا پر فریاد کناں رہتا ہے اور کسی ہمدم کی تلاش میں رہتا ہے جس سے وہ اپنے دکھ درد کا اظہار کر سکے)۔

② اس کو یعنی آدمی کو کسی ہم دم کی آرزو جلاتی رہتی ہے + (اور وہ (یعنی آرزوئے ہمدم و ہم راز) اسے دل کو لبھانے والے نالے سکھاتی رہتی ہے مراد یہ ہے کہ فراق یار میں یا تلاش یار میں جن مصائب اور غموں سے واسطہ پڑتا ہے وہ تلاش کے لئے بوجھ نہیں بنتے۔ وہ جو نالے کھینچتا ہے ان میں لذت محسوس کرتا ہے۔

③ لیکن یہ جہان جو پانی اور مٹی وغیرہ یعنی عناصر اربعہ سے بنا ہوا ہے + (اس کے متعلق) کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دل رکھنے والا ہے (اس لئے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آدمی کی فریادوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کے پاس دل ہو تو اثر ہو)۔

④ سمندر، بیابان، پہاڑ اور گھاس (سب) خاموش (گونگے) اور بہرے ہیں + آسمان، سورج اور چاند (بھی سب) گونگے اور بہرے ہیں۔

⑤ اگرچہ آسمان پر ستاروں کا ہجوم ہے + (لیکن) ہر ایک دوسرے سے زیادہ تنہا ہے یعنی کسی کو بھی کسی دوسرے کی کچھ خبر نہیں۔

⑥ (ان میں سے) ہر ایک ہماری طرح بے چارہ ہے + (اور) نیلی فضا میں آوارہ ہے۔

⑦ یہ ایک ایسا قافلہ ہے جس نے سفر کا سامان تیار نہ کیا ہو + (اور اس کے سامنے سفر کے لئے) بے کنار آسمان اور لمبی راتیں ہیں۔

⑧ (کیا) یہ جہان شکار ہے اور ہم شکاری ہیں + یا ہم وہ قیدی ہیں جنہیں (قید کرنے کے بعد) بھلا دیا جاتا ہے (اور اس طرح عمر بھر وہ قید میں رہتے ہیں) مراد یہ ہے کہ یہ جہان ہفت رنگ ہمارے لئے پیدا کیا گیا ہے یا ہم اس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ کیا ہمیں جہان کے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے اپنی مرضی کے مطابق چلانا ہے یا اسے ہم پر سوار ہونا ہے کیا ہم دنیا کی زلفوں کے اس طرح قیدی تو نہیں بن گئے کہ مقصد زندگی کو بھول کر اسی کی بھول بھلیوں میں کھو گئے ہیں۔

⑨ میں بہت رویا (لیکن میرے رونے کو سن کر کہیں سے) کوئی صدا بلند نہ ہوئی یعنی کسی نے بھی اس کا اثر نہ لیا۔ کوئی بھی میری ہمدردی کے لئے نہ آیا + ابن آدم کا یعنی آدمی کا ہمدم کہاں ہے (یوں تو ہر دور میں غم زدہ شخص کو یہ احساس رہا ہے کہ اس کا غم بانٹنے والا کوئی نہیں لیکن جس عہد میں علامہ اقبال نے آنکھ کھولی ہے وہ اپنی مادی اقدار کی کثرت اور انسانی و روحانی اقدار کی قلت کی بنا پر اس احساس کو یقین کی حد تک تقویت پہنچانے والا بنا ہے کہ اس دور میں کوئی کسی کا درد نہیں بانٹتا)۔

دوسرا بند

دیدہ ام روز جہان چار سوے ۔۔۔ آنکہ نورش بر فروزد کاخ و کوے

از رم سیارۂ او را وجود ۔۔۔ نیست الا اینکہ گوئی رفت و بود

اے خوش آں روزے کہ از ایام نیست ۔۔۔ صبح او را نیمروز و شام نیست

روشن از نورش اگر گردد رواں ۔۔۔ صوت را چوں رنگ دیدن می تواں

غیب ہا از تاب او گردد حضور ۔۔۔ نوبت او لایزال و بے مرور!

اے خدا روزی کن آں روزے مرا ۔۔۔ وارہاں زیں روز بے سوزے مرا۔

*

① میں نے اس چار اطراف (میں گھرے ہوئے) جہان کے یوم کو دیکھا ہے + وہ یوم جس کی روشنی محل اور گلی کو روشن کرتی ہے (یہاں یوم سے مراد وہ دن ہے جو سورج کے طلوع ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور جہان کی ہر چیز اندھیرے سے اجالے میں آجاتی ہے)۔

② اس کا وجود ایک سیارے کے رم سے ہے + وہ (دن) اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو کہے کہ تھا اور چلا گیا یعنی یہ دن جو سورج کا مرہون منت ہے، آنی اور عارضی ہے۔ سورج نکلا تو موجود سورج چھپا تو غائب۔

③ مبارک ہے وہ دن جو (سورج کے پیدا کردہ) دنوں میں سے نہیں ہے + (یہ وہ دن ہے) جس کی صبح کبھی نہ دوپہر ہے اور نہ شام ہے (یعنی جو عارضی نہیں، مستقل ہے۔ جس کا طلوع غروب سے نا آشنا ہے۔

جس کا نور کبھی تاریکی میں نہیں بدلتا جس کو فنا نہیں بقا ہے۔ اس دن کا تعلق ہمارے ظاہری زمانے سے نہیں ہے۔ اس کے باطن سے ہے۔ زمانے کا یہ باطن سال و ماہ میں تقسیم نہیں بلکہ یہ ایک مسلسل رو ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس سے ستارہ شناس نہیں دل شناس آشنا ہیں۔ جو شخص اس باطنی زمانے سے متعلق ہو جاتا ہے وہ بھی زمانہ کی مسلسل رو کی طرح مسلسل ہو جاتا ہے۔ بقا حاصل کر لیتا ہے اور زمانہ ظاہری اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص عارف کہلاتا ہے)۔

④ اگر (آدمی کی) روح اس (دن) کے نور سے منور ہو جائے + تو آواز کو رنگ کی طرح دیکھا جا سکتا ہے (جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ آواز کو سنا تو جا سکتا ہے لیکن دیکھا نہیں جا سکتا لیکن عارف شخص کو وہ نگاہ نصیب ہوتی ہے کہ وہ آواز کو سن بھی سکتا ہے اور اسے دیکھ بھی سکتا ہے۔ غیب اس کے لئے شہود بن جاتا ہے۔ باطنی زمانے سے متعلق ہونے کی بنا پر اس میں مافوق الفطرت قوتیں آ جاتی ہیں)۔

⑤ (ایسے دن کی) روشنی سے ہر قسم کا غیب حضور بن جاتا ہے۔ مراد ہے اس سے یعنی ایسے دن کے شناسا سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی + (ایسے دن یا ایسے دن کے آشنا کا) وقت ہمیشہ رہنے والا اور کبھی نہ ختم ہونے والا ہوتا ہے۔ نہ اس کے دن کو فنا ہے نہ اس کے دن والے کو۔

⑥ اے خدا وہ دن میری روزی بنا یعنی ایسا دن مجھے نصیب کر جس کو فنا نہیں + (اور) مجھے اس بے سوز دن سے رہائی دے۔ (بے سوز دن وہ ہے جو دنیا آشنا اور دین فراموش ہے جو شکم دوست اور دل دشمن ہے جو دنیا کے فریب میں آ کر اپنے مقصد تخلیق سے نا آشنا ہے)۔

تیسرا بند

آیۂ تسخیر اندر شان کیست؟ — ایں سپہرِ نیلگوں حیرانِ کیست؟
رازدانِ علم الاسما کہ بود؟ — مستِ آں ساقی و آں صہبا کہ بود؟
برگزیدی از ہمہ عالم کرا؟ — کردی از رازِ درونِ محرم کرا؟
اے ترا تیرے کہ ما را سینہ سفت — حرفِ ادعونی کہ گفت و با کہ گفت؟
روئے تو ایمانِ من، قرآنِ من — جلوہ داری دریغ از جانِ من؟
از زیانِ صد شعاعِ آفتاب — کم نمی گردد متاعِ آفتاب

*

① (قرآن کریم میں) تسخیر کی آیت کس کی شان میں آئی ہے + یہ نیلا آسمان کس کا حیران ہے یعنی کس کی عظمت پر حیران ہے۔ (قرآن کریم میں ایک سے زیادہ آیتیں اس مفہوم کی موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے (45-13) اور (14-33)۔ یہ جہان اور اس کی ہر شے اے انسان تیری محکوم و خادم ہے اور تو آقا و مخدوم ہے۔ ظاہر ہے ایسی عظمت والے شخص کو دیکھ کر آسمان کا اپنی عظمت کے باوجود حیران ہونا بجا ہے)۔

② علم الاسما کا رازدان کون تھا + اس ساقی اور اس شراب کا مست کون تھا (جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور فرشتوں کو کہا کہ اس کے آگے سجود ہو جاؤ تو اس وقت اللہ

تعالیٰ نے آدم کی اس صفت کا برملا اظہار کیا تھا کہ جملہ اسما کا علم آدم کو عنایت کر دیا گیا ہے۔ علم الاسما سے مراد یہی ہے (2-41)۔ اسما کے علم سے مراد اشیا کا اور اشیا کے خواص کا علم ہے یعنی آدمی کی سرشت اور جبلت کے اندر علم الاسما یا علم الاشیا رکھ دیا گیا تھا جس کی بنا پر یہ دنیا کی ساری سہولتیں اور رونقیں موجود ہیں)۔

③ سارے جہانوں سے برگزیدہ (اعلیٰ و منتخب) تو نے کسے کیا + (اور پھر ان جہانوں کے) اندر کے بھید سے تو نے کسے محرم کیا (مراد ہے وہ انسان ہی تو تھا)۔

④ اے (وہ ہستی) کہ جس کے تیر نے ہمارا سینہ چھید ڈالا یعنی اے وہ کہ تو ہمارے دلوں میں بستا ہے + ادعونی کا یعنی مجھے پکارو کا حرف یا بات کس نے کہی تھی اور کس سے کہی تھی (اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اے میرے بندو مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔

⑤ تیرا چہرہ میرا ایمان ہے میرا قرآن ہے + (جب تو میرے لئے یہ کچھ ہے تو اس کے باوجود) تو مجھ کو اپنے جلوے سے کیوں محروم رکھتا ہے (ایسا کیوں ہے)۔

⑥ سورج کی سینکڑوں شعاعوں کے نقصان یا خرچ ہونے سے + کسی سورج کی (روشنی کی) دولت کم تو نہیں ہو جاتی (اگر تو مجھ پر جلوہ آرا ہو گا میرا ذرہ زندگی روشن ہو جائے گا تیرے سورج میں کوئی کمی نہیں آئے گی)۔

چوتھا بند

عصرِ حاضر را خرد زنجیرِ پاست — جانِ بے تابے کہ من دارم کجاست؟
عمرہا بر خویش می پیچد وجود — تا یکے بے تاب جاں آید فرود
گر زنجی، ایں زمینِ شورہ زار — نیست تخمِ آرزو را سازگار
از درونِ ایں گلِ بے حاصلے — بس غنیمت داں اگر روید دلے!
تو مپیٔ اندر شبستانم گذر — یک زماں بے نوریِ جانم نگر
شعلہ را پرہیز از خاشاک چیست — برق را از برفتادن باک چیست

●

① عقل موجودہ زمانے کے پاؤں کی زنجیر ہے یعنی دور حاضر کا انسان عشق کے جذبہ سے ناواقف ہے وہ ہر بات میں عقل پر بھروسہ کرتا ہے اس کا ذہن تو روشن ہے لیکن دل تاریک ہے + وہ بے قرار جان جو میں رکھتا ہوں وہ کہاں ہے مراد یہ ہے کہ میں ایسی جان رکھتا ہوں جو سوز سے معمور ہے لیکن ایسی جان دور حاضر کے لوگوں میں کہاں ہے یعنی نہیں ہے۔

② وجود (اپنی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے) خود پر مدتوں پیچ و تاب کھاتا ہے + (تب کہیں جا کر) ایک بے قرار یا پر سوز جان ظہور میں آتی ہے۔ مراد ہے عقل تو عام ہے لیکن عشق خاص ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ عمریں گزر جاتی ہیں تب کہیں جا کر کوئی صاحب عشق پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بخود آگاہ

مرد دنیا میں آتا ہے۔

③ اگر تو ناراض نہ ہو (تو میں ایک بات کہوں اور وہ یہ کہ اس دور کی یا اس دنیا کی) شورہ والی زمین آرزو کے بیج کے لئے موافق نہیں ہے (کیونکہ اس دور کے لوگ مادہ پرست اور عقل پسند ہیں۔ آرزوئے عشق کا ان میں پیدا ہونا مشکل ہے)۔

④ اس بے حاصل یا بنجر مٹی میں سے + اگر ایک دل بھی اگ آئے یعنی پیدا ہو جائے تو اسے غنیمت جان (دل سے یہاں مراد صاحب دل یا عاشق ہے)۔

⑤ تو چاند ہے میری انجمن شب کی طرف گزر کر + (اور) ایک لمحہ میری جان کی بے نوری یا تاریکی کو دیکھ (یہاں خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس سے التجا کی ہے کہ میری زندگی کی تاریک رات کو اپنے نور سے روشن کر دے)۔

⑥ شعلے کو خاشاک یعنی خشک تنکوں سے پرہیز کس لئے ہے + بجلی کو (خرمن پر) گرنے سے ڈر کیا ہے (اپنی زندگی کے خشک تنکے کو یا اپنی زندگی کے حاصل کو دیدار خداوندی کے جلوؤں سے معمور دیکھنے کی آرزو کی گئی ہے)۔

پانچواں بند

زیستم تا زیستم اندر فراق — وانما آں سوئے ایں نیلی رواق!
بستہ درہا را بروئم باز کن — خاک را با قدسیاں ہمراز کن!
آتشے در سینۂ من برفروز — عود را بگذار و ہیزم را بسوز
باز بر آتش بنہ عود مرا — در جہاں آشفتہ کن دود مرا
آتشِ بے پروائے من تیز کن — با تغافل یک نگہ آمیز کن
ما ترا جوئیم و تو از دیدہ دور — نے غلط، ما کور و تو اندر حضور!
یا کشا ایں پردۂ اسرار را — یا بگیر ایں جانِ بے دیدار را
نخلِ فکرم ناامید از برگ و بر — یا تبر بفرست یا بادِ سحر
عقل دادی، ہم جنونے دہ مرا — رہ بجذبِ اندرونے دہ مرا
علم در اندیشہ می گیرد مقام — عشق را کاشانہ قلبِ لاینام
علم تا از عشق برخوردار نیست — جز تماشا خانۂ افکار نیست
ایں تماشا خانہ سحرِ سامری است — علمِ بے روح القدس افسونگری است
بے تجلی مردِ دانا رہ نبرد — از لکد کوبِ خیالِ خویش مرد
بے تجلی زندگی رنجوری است — عقل مہجوری و دیں مجبوری است
ایں جہانِ کوہ و دشت و بحر و بر — ما نظر خواہیم و او گوید خبر
منزلے بخش ایں دلِ آوارہ را — باز دہ با ماہ ایں مہ پارہ را
گرچہ از خاکم نروید جز کلام — مہجوری نمی گردد تمام!

زیرِ گردوں خویش را یابم غریب
ز آنسوئے گردوں بگو رازِ قریب
تا مثالِ مہر و مہ گردد غروب
ایں جہات و ایں شمال و ایں جنوب
از طلسمِ دوش و فردا بگذرم
از مہ و مہر و ثریا بگذرم

*

① میں جیا اور جب تک جیا یعنی زندہ رہا فراق ہی میں زندہ رہا + اس نیلے آسمان سے پرے جو کچھ ہے وہ مجھ پر نمایاں اور عیاں کردے (اور اس طرح میرے فراق کو وصال میں بدل دے)۔

② بند دروازوں کو مجھ پر کھول دے + مٹی کو فرشتوں کا ہمراز کر یعنی میں خاکی ہوں مجھ کو نوریوں کا رازداں بنا دے (جس طرح فرشتے تیرے حضور موجود ہیں اور جس طرح فرشتے تجھے دیکھتے ہیں مجھے بھی یہ مقام عطا کردے)۔

③ (عشق کی) آگ میرے سینے میں روشن کردے + عود کو چھوڑ دے اور لکڑی کو جلا دے (عود ایک خوشبودار لکڑی ہے جب اسے سلگاتے ہیں تو اس میں سے خوشبودار دھواں پیدا ہوتا ہے۔ ہیزم عام لکڑی ہے جو سلگنے پر بے خوشبو دھواں دیتی ہے۔ یہاں عود اور ہیزم کو استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے عود سے مراد عشق یا دل ہے اور ہیزم سے مراد عقل یا نفس ہے۔ یہاں شاعر اپنے اندر دل آفرینی کی آرزو کر رہا ہے۔ ایسا دل جو عشق سے معمور اور عقل سے دور ہو)۔

④ پھر میری عود کو آگ پر رکھ + اور میرے (اس عود سے اٹھنے والے) دھوئیں کو جہان میں پھیلا دے مراد ہے پہلے مجھے عشق صادق عطا کر اور پھر میرے یا میری شاعری کے ذریعے اسے مخلوق میں عام کر دے۔

⑤ میرے پیالے کی آگ کو تیز کر یعنی اس میں آگ کی سی تیز حرارت والی شراب ڈال + اپنے تغافل کے ساتھ ایک نگاہ ملا دے (میری زندگی کے پیالے کی شراب میں تیزی حرارت کے لئے ضروری ہے کہ تو ہم سے تغافل ہی اختیار نہ کر رکھے بلکہ ایک نگاہ بھی اس کے ساتھ ملائے یعنی ہم پر ایک نگاہ بھی کرے)۔

⑥ ہم تجھے ڈھونڈ رہے ہیں اور تو آنکھوں سے دور یعنی اوجھل ہے + نہیں یہ غلط ہے ہم اندھے ہیں تو تو سامنے ہے (اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے جو کائنات اور اس کی ہر شے میں جلوہ گر ہے۔ ہمارے پاس ان پردوں کے پیچھے اسے دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے ورنہ وہ تو مستور ہو کر بھی حضور میں ہے)۔

⑦ یا تو ان بھیدوں کے پردے کو ہٹا دے یعنی مجھے ایسی نگاہ عطا کردے کہ میں ہر شے کے پس پردہ تجھے دیکھ سکوں + یا پھر اس جان کو جو تیرے دیدار سے محروم ہے واپس لے لے (کیونکہ جو جان تیرے دیدار سے محروم ہے وہ بے کار ہے)۔

⑧ میرے فکر کا درخت برگ و بار سے محروم ہے یعنی اس میں نہ پتے ہیں نہ پھل پھول + یا تو (اس کے لئے) کلہاڑا بھیج (کہ یہ کٹ جائے ختم ہو جائے) یا صبح کی (نرم و لطیف) ہوا بھیج کہ (یہ سرسبز ہو جائے اور پھل پھول دے سکے)۔

⑨ تو نے مجھے عقل دی ہے مجھے جنوں بھی دے + مجھے اپنے اندرونی جذب تک کا راستہ عطا کر۔

(10) علم فکر کے اندر مقام رکھتا ہے یعنی علم کا تعلق آدمی کی سوچ، عقل اور فکر سے ہے + (لیکن) عشق کا گھر ایسا دل ہے جو سوتا نہیں یعنی جو دل بیدار کہلاتا ہے۔ (دل بیدار صوفیا کے نزدیک وہ دل ہے جو خود آگاہ اور خدا آگاہ ہو یا جو معرفت آشنا ہو)۔

(11) علم جب تک عشق سے پھل کھانے والا یعنی فیض پانے والا نہیں ہے + وہ افکار کے تماشہ خانہ کے سوا کچھ (بھی) نہیں ہے۔

(12) یہ سامری کے جادو خانہ کا تماشا ہے + روح القدس کے بغیر علم جادوگری یا شعبدہ بازی ہے (حضرت موسیٰ کے زمانے میں سامری نام کا ایک جادوگر تھا جس نے جادو کے زور پر ایک دھات سے بنے ہوئے بچھڑے کو بولتا ہوا دکھا دیا تھا۔ علم خصوصاً علم حاضر کی بھی یہی شعبدہ بازانہ حیثیت ہے جو دیکھنے میں خوب لیکن حقیقت میں ناخوب ہے علم وہ خوب ہوتا ہے جو روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کی پاکیزگی اور امانت کا حامل ہو جو تائید ایزدی رکھتا ہو ایسا علم ہی علم نافع ہوگا سامری کی بجائے روح القدس کے افکار کا آئینہ دار ہوگا)۔

(13) دانا مرد نے تجلی (کے نور) کے بغیر راستہ نہ چلا + (لیکن نادان اس تجلی کے بغیر) (پریشان) خیالوں کی دولتیوں سے مرگیا مراد ہے بے کار اور بے مقصد زندگی گزارتا رہا۔ زندگی کی اصل راہ تجلی عشق یا تجلی ہدایت الٰہی میں نظر آتی ہے۔ یہ راہ آدمی کو منزل مقصود تک لے جاتی ہے۔

(14) تجلی کے بغیر زندگی رنجوری یعنی غم یا تکلیف ہے + (تجلی کے بغیر) عقل (حق تعالیٰ یا حقیقت زندگی سے) دوری ہے اور دین (اس کی) مجبوری ہے (بے عشق عقل انسان کو منزل مقصود سے دور لے جاتی ہے اور ایسی عقل والا انسان دین کو ایک مجبوری سمجھتا ہے۔ خود پر جبر خیال کرتا ہے حالانکہ وہ اس کی فلاح کا ضامن ہے)۔

(15) یہ پہاڑ، بیابان، سمندر اور خشکی والا جہان + (ایسا جہان ہے کہ) ہم اس سے نظر طلب کرتے ہیں وہ ہمیں خبر دیتا ہے مراد ہے ہم اس جہان سے نظر کے طالب ہیں جو خود بے نظر ہے وہ تو صرف خبر رکھتا ہے اور خبر کا کچھ اعتبار نہیں اعتبار صرف نظر کا ہے۔ اور نظر علم یا عقل کے پاس نہیں صرف عشق کے پاس ہے۔

(16) (میرے) اس آوارہ دل کو منزل عطا کر + چاند کے اس ٹکڑے کو دوبارہ چاند سے ملا دے۔

(17) اگرچہ میری مٹی سے سوائے کلام کے کچھ پیدا نہیں ہوتا یعنی میرا کام ہی کلام کرنا ہے + (لیکن اس کے باوجود مجھ سے) فراق کی بات مکمل نہیں ہوتی یعنی میری داستان فراق ختم نہیں ہوتی یا یہ مراد ہے کہ میں اپنی فراق کی کہانی کو لفظوں میں صحیح اور مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتا حالانکہ میرا کام ہی کلام کرنا ہے۔

(18) میں آسمان کے نیچے یعنی اس دنیا میں خود کو اجنبی پاتا ہوں تو آسمان کی اس طرف سے مجھے کہہ کہ میں قریب ہوں (دوسرے مصرعے میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے جب میرے بندے آپ سے (اے رسول کریم ﷺ) میرے متعلق پوچھیں کہ میں کہاں ہوں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں ان سے بہت قریب ہوں)۔

(19) تاکہ سورج اور چاند کی طرح غروب ہو جائیں + یہ (جہان کی) اطراف یہ شمال اور یہ

جنوب ----- یعنی میں قید زمان و مکاں سے آزاد ہو جاؤں۔

(20) میں گزرے ہوئے کل اور آنے والی کل یعنی ماضی و استقبال کے جادو سے نکل جاؤں + میں چاند، سورج اور ثریا سے نکل جاؤں مراد ہے اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے تو زمان و مکان کی قیود سے میں نکل جاؤں۔ میں جہان کا نہیں جہان میرا مسخر ہو جائے۔

چھٹا بند

تو فروغِ جاوداں ما چوں شرار | یک دو دم داریم و آں ہم مستعار!
اے تو نشناسی نزاعِ مرگ و زیست | رشک بر یزداں برد ایں بندہ کیست؟
بندۂ آفاق گیر و ناصبور | نے غیاب او را خوش آید' نے حضور
آتشم من جاودانی کن مرا | از زمینی آسمانی کن مرا
ضبط در گفتار و کردارے بدہ | جادہ ہا پیداست' رفتارے بدہ
آنچہ گفتم از جہانے دیگر است | ایں کتاب از آسمانے دیگر است
بحرم و از من کم آشوبی خطاست | آں کہ در قعرم فرود آید' کجاست؟
یک جہاں بر ساحلِ من آرمید | از کراں غیر از رمِ موجے ندید
من کہ نومیدم ز پیرانِ کہن | دارم از روزے کہ می آید' سخن؟
بر جواناں سہل کن حرفِ مرا | بہر شاں پایاب کن ژرفِ مرا

*

(1) (اے خدا) تو ہمیشہ رہنے والا فروغ (نور یا چمک) ہے (اور) میں چنگاری کی مانند ہوں مراد ہے جلد ختم ہو جانے والا ہوں + میں (زندگی کے) ایک دو سانس رکھتا ہوں وہ بھی ادھار ہیں یعنی زندگی مختصر بھی ہے اور زندہ رہنا اپنے بس میں بھی نہیں ہے نہ جانے کب موت اسے لے اڑے۔

② (اے وہ ہستی کہ) تو موت اور زندگی کی لڑائی کو نہیں جانتا یعنی تو تو ہمیشہ کے لئے زندہ و پائندہ ہے اور تجھے موت نہیں ہے جس کی وجہ سے تو آدمی کی زندگی اور موت کی کشمکش کی مشکلات سے آشنا نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمی طور پر آشنا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کیفیات و جذبات کے اعتبار سے نا آشنا ہے + یہ بندہ کون ہے جو اللہ پر رشک کرتا ہے مراد ہے اللہ کا کوئی بندہ ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی طرح موت و حیات کی نزاع سے چھٹکارا پا کر زندگی جاوداں حاصل کرنا چاہتا ہے دراصل یہاں علامہ نے اپنے لئے یہ آرزو کی ہے کہ میں عام بندوں کی طرح آنی نہ رہوں بلکہ جاودانی ہو جاؤں۔

③ (یہ بندہ جو اللہ پر رشک کرتا ہے) ایک ایسا بندہ ہے جو ایک جہان کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے لیکن پھر بھی اسے صبر نہیں + نہ اسے تیری حضوری بھلی لگتی ہے اور نہ تجھ سے دوری اچھی لگتی ہے مراد ہے اسے دوری و نزدیکی سے واسطہ نہیں وہ تو جاودانی زندگی کا طالب ہے۔

④ میں لکھاتی ہوں یعنی میری زندگی عارضی اور فانی ہے مجھے جاودانی کر دے یعنی ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے + میں (اگرچہ) زمین سے تعلق رکھتا ہوں مجھے آسمان والوں میں سے بنا دے (اور جاودانی ہونے کے

لئے ضروری ہے کہ بندہ زمان و مکاں کو مسخر کر کے ان سے نکل جائے اور ایسا کرنے کے لئے عشق کی ضرورت ہے)۔

⑤ میرے قول و فعل یا کردار و عمل میں ضبط پیدا کر یعنی دونوں کو ہم آہنگ کر۔ جو کچھ زبان پر ہو وہی دل میں ہو جو کچھ قال میں ہو وہی حال میں ہو + راستے ظاہر ہیں ان پر چلنے کے لئے رفتار دے یعنی ان پر چلنے کی توفیق عطا کر (اس مصرع میں ان ہدایت کے راستوں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن و سنت میں ملتے ہیں جن کو شریعت محمدی ﷺ نے متعین کیا ہے)۔

⑥ میں نے اس کتاب یعنی جاوید نامہ میں جو کچھ کہا ہے اس کا تعلق کسی اور آسمان سے ہے۔ یعنی اس میں عام شاعرانہ مضامین نہیں ہیں۔ اس دنیا کی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایسی دنیا کی باتیں ہیں جن کو اہل قلب و نظر ہی جانتے ہیں + یہ (عام) کتاب نہیں بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ (اس میں عالم سفلی کی نہیں عالم علوی کی باتیں ہیں وہ باتیں جن کے جاننے اور ماننے سے بندہ عالم سفلی میں رہتا ہوا عالم علوی کا مکین ہو جاتا ہے زمینی سے آسمانی بن جاتا ہے)۔

⑦ میں ایک سمندر ہوں (یہ خیال کرنا کہ اس سمندر میں) طوفان نہیں ہوں گے غلط خیال ہے (یا میں وہ سمندر ہوں کہ جس میں آشوب کا نہ ہونا ایک خطا ہے) + وہ شخص جو میرے (اس سمندر) کی گہرائی میں اترے کہاں ہے (یہاں طوفان بھرے سمندر سے مراد شاعر کا کلام ہے)۔

⑧ میرے (اس سمندر) کے ساحل پر ایک جہان نے یعنی بے شمار لوگوں نے آرام کیا + (لیکن) انہوں نے کنارے پر سے سوائے موج کی حرکت کے کچھ نہ دیکھا مراد ہے کہ میرا کلام تو ایک ایسا سمندر ہے جو طوفان بہ آغوش ہے اس کی تہ میں اتر کر اس میں سے معانی کے موتی حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں صرف حوصلہ مند لوگوں کا کام ہے۔ جس طرح ساحل پر بیٹھے لوگ صرف موجوں کے تلاطم کو دیکھتے ہیں اور ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ سمندر کی تہ میں کیا ہے اسی طرح میرے کلام کو بھی لوگ صرف شاعر کا کلام سمجھ کر پڑھتے ہیں اس کی روح سے آشنا ہو کر اس کے معانی کو خود پر وارد نہیں کرتے۔

⑨ میں پرانے بوڑھوں سے تو ناامید ہوں (وہ میرے کلام کے سمندر کی تہ کو نہیں پہنچیں گے) + میں ایک (آنے والے) ایسے زمانے کی بات کہتا ہوں (جس میں مجھے امید ہے کہ میری بات پر کان دھرنے والے پیدا ہوں گے)۔

⑩ (اے خدا) جوانوں کے لئے میری شاعری آسان کر دے مراد ہے کہ نوجوان نسل یا آنے والی نسل کو توفیق بخش کہ وہ میری شاعری کی روح سے آشنا ہو کر خود کو اس کے سانچے میں ڈھال سکیں + (ان) نوجوانوں کے لئے میرے (کلام کے گہرے سمندر کو) آسانی سے پاؤں رکھ کر عبور کرنے کے قابل بنا دے مراد ہے اے خدا ان کو توفیق بخش کہ وہ میری شاعری کے مطالب کو سمجھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید آسمانی

نخستیں روز آفرینش نکوہش می کند آسماں زمیں را

ترجمہ:(کائنات) کی پیدائش کے پہلے دن آسمان کا زمین کو ملامت کرتا ہے۔

پہلا بند

زندگی از لذتِ غیب و حضور — بست نقش ایں جہانِ نزد و دور
آں چناں تار نفس از ہم گسیخت — رنگ حیرت خانۂ ایام ریخت
ہر کجا از ذوق و شوقِ خود گری — نعرۂ "من دیگرم، تو دیگری"
ماہ و اختر را خرام آموختند — صد چراغ اندر فضا افروختند
بر سپہرِ نیلگوں زد آفتاب — خیمۂ زربفت با سیمیں طناب
از افق صبحِ نخستیں سر کشید — عالمِ نوزادہ را در بر کشید
ملکِ آدم خاکدانے بود و بس — دشتِ او بے کاروانے بود و بس
نے بکوہے آبجوے در ستیز — نے بصحرائے سحابے ریز ریز
نے سرودِ طائراں در شاخسار — نے رمِ آہو میانِ مرغزار
بے تجلی ہائے جاں بحر و برش — دودِ پیچاں طیلسانِ پیکرش
سبزہ بادِ فرودیں نادیدہ — اندر اعماقِ زمیں خوابیدہ
طعنہ زد چرخِ نیلی بر زمیں — "روزگارِ کس ندیدم ایں چنیں
چوں تو در پہنائے من کورے کجا — جز بقندیلم ترا نورے کجا
خاک اگر الوند شد جز خاک نیست — روشن و پایندہ چوں افلاک نیست
یا بزی با ساز و برگِ دلبری — یا بمیر از ننگ و عارِ کمتری"
شد زمیں از طعنۂ گردوں خجل — نا امید و دل گران و مضمحل
پیشِ حق از دردِ بے نوری تپید — تا ندائے زانسوئے گردوں رسید

*

(۱) زندگی نے غیب و حضور کی لذت سے + اس نزدیک اور دور جہان کا نقش پیدا کیا (جہان نزد و دور سے مراد یہ جہان ہے جو زمان اور مکان کی قید میں ہے۔ اس شعر میں تخلیق کائنات کی وجہ اور مقصود وحدۃ الوجودی نظریہ کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی یعنی حق تعالیٰ کی ذات پہلے تھا تھی اس نے جب چاہا کہ اس کا غیب حضور میں بدل جائے یعنی اس کی پہچان کرنے والا کوئی ہو تو اس نے یہ زمان اور مکان میں مقید

جہان پیدا کر دیا۔ حیات مطلق نے جو پردہ غیب میں تھی جب کائنات کے ذرہ ذرہ میں صفاتی لحاظ سے ظہور کیا تو وہ حضوری میں آ گئی۔ تعینات کے لباس میں جلوہ گر ہو گئی یا یوں کہہ لیں کہ جہان حیات مطلق کا ظہور ذات بن گیا صفات کے ذریعے سے۔۔۔۔ خدا باطن یعنی غیب اس لحاظ سے ہے کہ ہماری نظروں سے کہیں اوجھل ہے اور ظاہر یعنی حضور اس اعتبار سے ہے کہ ہر ذرہ کائنات کے لباس میں جلوہ گر ہے۔

② زندگی یا حیات مطلق نے سانس کے تاروں کو اس طرح ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا یعنی خدا تعالیٰ نے ذات سے صفات کا اس طرح ظہور فرمایا کہ وہ ذرات عالم کی کثرت میں جلوہ گر ہو کر ان کو وجود بخشنے کا سبب بنے۔ اگر صفات کی یہ جلوہ گری نہ ہوتی تو نہ جہان ہوتا اور نہ جہان کی کوئی شے ہوتی صرف ذات ہی ہوتی + (صفات ذات کی جلوہ گری نے) ایام کے حیرت خانہ کی بنیاد ڈالی (جہان کو حیرت خانہ ایام اس لئے کہا ہے کہ اس جہان کے ایام دن اور رات یا ماضی و حال و مستقبل میں منقسم ہیں۔ لیکن یہ زمانہ ظاہری حیرت خانہ ہے اس کا جو باطن ہے وہ حیرت خانہ نہیں وہ شب و روز اور ماہ و سال پر منقسم نہیں ہے وہ ایک مسلسل رو ہے۔ جس نے خودی کی معرفت حاصل کر کے خود کو زمانہ مسلسل یا زمانہ ازدی سے منسلک کر لیا وہ بقا حاصل کر لیتا ہے اور جو حیرت خانہ زمانہ میں حیران رہتا ہے وہ آغوش فنا میں چلا جاتا ہے)۔

③ (اوپر کے دو شعروں میں ہم نے یہ طے کیا کہ زندگی یا حیات مطلق یا انائے مطلق یا خدا کی ذات پہلے کہیں موجود تو تھی لیکن اس کی معرفت کرنے والا کوئی نہ تھا انائے مطلق نے جب لذت غیب کے بعد لذت حضور چکھنی چاہی تو اس نے اپنا غیر یعنی یہ کائنات پیدا کر دی جسے حیات مقید یا انائے مقید کہتے ہیں۔

اس تیسرے شعر میں یہ بتایا ہے کہ یہ وحدت جو انائے مطلق کے لباس میں تھی کائنات کی تخلیق سے کثرت میں آ گئی۔ اس نے تعینات کا لباس پہن لیا یا وہ انائے مقید میں آ گئی) ہر جگہ خودگری کے ذوق و شوق سے + میں اور ہوں اور تو اور ہے کا نعرہ (سنائی دے رہا ہے) مراد ہے کہ جب ذات حق تعالیٰ صفات کے رنگوں میں ظاہر ہو کر افراد میں جلوہ گر ہوئی یعنی وحدت نے کثرت میں ظہور کیا تو ہر انائے مقید نے انفرادیت اختیار کر لی تعین کے پردوں میں آ کر ایک دوسرے سے مختلف ہو گئی اور اس طرح من و تو کا امتیاز پیدا ہو گیا۔

④ (انائے مطلق نے جب انائے مقید میں ظہور کیا تو کیا ہوا اس کی تشریح اگلے اشعار میں ہے) اس نے چاند اور تاروں کو چلنا سکھایا + (اور ان کی شکل میں آسمان پر سینکڑوں چراغ روشن کر دیئے۔

⑤ نیلے آسمان پر سورج نے نصب کیا + سونے سے بنا ہوا خیمہ چاندی کی سی رسیوں والا (طنابوں یا رسیوں سے مراد سورج کی کرنیں ہیں)۔

⑥ افق سے پہلی صبح نے سر ابھارا + (اور) نئے پیدا شدہ جہان کو اپنی آغوش میں لے لیا (صبح و شام اور طلوع و غروب کا سلسلہ شروع ہو گیا)۔

⑦ آدمی کا جہان ایک مٹی کا گھر تھا اور بس + اس کا بیابان یا صحرا کاروان کے بغیر تھا مراد ہے جب تک آدم روئے زمین پر نہ آیا تھا جہان بے شک موجود تھا لیکن بے رنگ و کیف تھا۔

⑧ نہ کوئی ندی پہاڑ سے نبرد آزما تھی + نہ کسی صحرا میں کوئی بادل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر رہا تھا۔

⑨ نہ درختوں کی ٹہنیوں پر سے پرندوں کے گیت سنائی دیتے تھے + نہ سبزہ زاروں میں ہرن چوکڑیاں

بھرتے تھے۔

(10) اس جہان کے سمندر (تری) اور خشکی جان کی تجلیوں کے بغیر تھی + اس کے جسم کی سات رنگوں والی چادر اس کا اٹھتا ہوا دھواں تھا مراد ہے ابھی جہان میں دلکشی اور رونق نہیں آئی تھی ظاہر میں سب کچھ تھا لیکن بے رنگ و بے تجلی تھا۔

(11) اس کے سبزے نے بہار کی ہوا نہیں دیکھی تھی + وہ زمین کی گہرائیوں میں سویا ہوا تھا۔

(12) (ایسی صورت حال میں) نیلے آسمان نے زمین کو طعنہ دیا + میں نے کسی کے حالات زندگی اس طرح کے (خراب) نہیں دیکھے (جیسے کہ اے زمین تیرے ہیں)۔

(13) میری فضا کی وسعت میں تجھ جیسا اندھا کہاں ہے + سوائے میری قندیل کے یعنی آسمان پر چاند سورج اور تاروں کی روشنی کے سوا تیرے پاس روشنی کہاں ہے یعنی تیری روشنی میری روشنی کی مرہون منت ہے اگر یہ نہ ہو تو تیری زندگی میں تاریکی ہی تاریکی ہو۔ یہاں اندھا ہونے سے مراد زمین کا تاریک ہونا یا اس میں روشنی کا نہ ہونا ہے۔

(14) مٹی اگر الوند پہاڑ بن گئی ہے (تو کیا ہوا) وہ مٹی کے سوا کچھ نہیں + وہ آسمانوں کی طرح روشن اور ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے (آسمان قائم رہتا ہے اور مٹی اڑتی بکھرتی رہتی ہے۔ الوند ایک پہاڑ کا نام ہے جو بہت اونچا ہے اور علاقہ ہمدان میں ہے)۔

(15) (اے زمین) یا تو دلبرانہ سامان (یا انداز) سے زندگی گزار + یا اپنے کمتر ہونے کی شرمساری میں مر جا۔

(16) زمین آسمان کے طعنہ سے شرمندہ ہو گئی + وہ ناامید بھاری دل والی اور مضمحل (ست) ہو گئی۔

(17) وہ خدا کے حضور اپنی بے نوری کے درد سے تڑپی + تا آنکہ آسمان کی دوسری طرف سے (یہ) آواز آئی۔

دوسرا بند

اے امینے از امانت بے خبر غم مخور اندر ضمیر خود نگر
روز ہا روشن ز غوغائے حیات نے ازاں نورے کہ بینی در جہات
نورِ صبح از آفتاب داغ دار نورِ جاں پاک از غبار روزگار
نورِ جاں بے جادہ ہا اندر سفر از شعاعِ مہر و مہ سیارہ تر
شستہ از لوحِ جاں نقشِ امید؟ نورِ جاں از خاکِ تو آید پدید!
عقلِ آدم بر جہاں شبخوں زند عشقِ او بر لامکاں شبخوں زند!
راہ داں اندیشۂ او بے دلیل چشمِ او بیدار تر از جبرئیل!
خاک و در پرواز ملک یک رباط در راہش فلک!
ی اندر وجود ال مثلِ نوکِ سوزن اندر پرنیاں!
داغہا شوید ز دامانِ وجود بے نگاہِ او جہاں کور و کبود

گرچہ کم تسبیح و خونریز است او　　روزگاراں را چو مہمیز است او
چشمِ او روشن شود از کائنات　　تا بہ بیند ذات را اندر صفات
"ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را　　اوست سید جملہ موجودات را"

*

① اے وہ امین جو اپنی امانت سے بے خبر ہے + غم نہ کھا اپنے ضمیر کے اندر دیکھ۔ تجھ میں ایک امین یعنی آدم نمودار ہونے والا ہے
② تیرے دن حیات کے ہنگامہ سے روشن ہیں + نہ کہ اس روشنی سے روشن ہیں جو تو اپنے اطراف میں دیکھ رہی ہے مراد یہ ہے کہ عنقریب تجھ میں حیات نمودار ہوگی اور یہ حیات آخر کار حیات آدم میں جلوہ گر ہوگی۔ اس کی نمود سے تیرے اطراف میں وہ روشنی پھیلے گی جس کو دیکھ کر آسمان کی روشنیاں بھی حیران ہو جائیں گی۔ پہلے شعر میں جس امانت کا ذکر کیا ہے وہ یہی حیات آدم کی امانت ہے جس سے زمین ابھی تک بے خبر تھی۔
③ صبح کی روشنی تو داغدار سورج کی وجہ سے ہے (سورج کو داغ والا اس لئے کہا ہے کہ یہ غروب ہونے کا غم رکھتا ہے) - (لیکن) جان! روح کا نور زمانے کے گرد و غبار سے پاک ہے۔ (اس کی روشنی شب و روز کی گردش سے ماند نہیں پڑتی)۔
④ روح کا نور راستوں کے بغیر ہی راستوں سے بے نیاز سفر میں ہے + وہ چاند اور سورج کی شعاعوں سے زیادہ تیز رفتار ہے
⑤ کیا تو نے اپنی جان کی تختی سے امید کا نقش مٹا دیا ہے + (ناامید نہ ہو) تیری مٹی سے نور جان یعنی آدم ظاہر ہوگا۔
⑥ وہ آدم کہ جس کی عقل جہان پر شبخون مارے گی یعنی اسے مسخر کر لے گی + (وہ آدم) کہ جس کا عشق لامکاں پر شبخون مارے گا یعنی اس جہان خلق سے ماورا جو جہان امر ہے اس کو بھی مسخر کر لے گا۔
⑦ اس کا فکر بغیر دلیل کے راستہ جاننے والا ہو گا یعنی صحیح راستے اور منزل کا ادراک اس کی فطرت میں ہوگا + اس کی آنکھ جبرئیل سے بھی زیادہ بیدار ہوگی یعنی آدم کی آنکھ وہ کچھ دیکھے گی جو جبرئیل جیسے مقرب خدا فرشتہ کی آنکھ بھی نہیں دیکھتی وہ لامکاں میں اس مقام تک پہنچے گا جہاں جبرئیل کا بھی گزر نہیں ہے۔ اس میں آدم کامل و مکمل اور آدم افضل و اکمل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سدرۃ المنتہٰی سے آگے حضور خالق کائنات تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے۔
⑧ (آدمی) ہے تو مٹی یعنی وہ ہے تو مٹی کا بنا ہوا اور وہ فرشتہ کی طرح پرواز میں ہے + آسمان اس کے راستے کی ایک پرانی سرائے ہے یعنی وہ اس عالم زمان و مکاں کو خاطر میں بھی نہیں لاتا اور آگے بڑھ جاتا ہے۔
⑨ وہ آسمان کے وجود میں کھٹکتا ہے + اس سوئی کی نوک کی طرح جو ریشمی کپڑے میں چبھی ہوئی ہوتی ہے) مراد ہے آسمان کو خلش ہے کہ وہ مجھے خاطر میں نہیں لاتا اور مجھ سے آگے نکل کر افلاک تک اس کی رسائی ہے۔
⑩ وہ وجود کے دامن سے داغ دھوتا ہے + اس کی نگاہ کے بغیر جہان اندھا اور تاریک ہے۔ مراد ہے اگر وہ نہ ہو تو جہان بے قدر و قیمت ہو وہ وجہ رونقِ جہان ہے۔
(11) اگرچہ وہ (فرشتوں کی طرح) تسبیح نہیں کرتا یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان نہیں کرتا ہو

(جیسا کہ فرشتوں نے کہا تھا زمین پر آکر ایک دوسرے کا) خون بھی بہا رہا ہے + (لیکن) زمانوں کے لئے وہ مہمیز کا کام کر رہا ہے مراد ہے مختلف ادوار میں زمین پر جو ترقی ہوگی وہ اس کی یعنی آدمی کی بدولت ہوگی۔

(12) کائنات سے اس کی آنکھ روشن ہو جائے گی یعنی جب وہ کائنات اور اس کی اشیا میں تدبر کرے گا تو ہر ذرہ میں پوشیدہ نور الٰہی سے اس کی آنکھیں منور ہو جائیں گی + یہاں تک کہ وہ ذرات جہاں میں موجود اللہ کی صفات کے ذریعے سے اللہ کی ذات کو دیکھ لے گا۔

(13) جو کوئی (اللہ کی) ذات کے جمال کا عاشق ہوا + وہ ساری موجودات کا سردار ہے (یہ شعر مثنوی مولانا روم سے لیا گیا ہے)۔

نغمہ ملائک

فرشتوں کا گیت

فروغ مشت خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکب تقدیر بر گردوں شود روزے
خیال او کہ از سیل حوادث پرورش گیرد
ز گرداب سپہر نیلگوں بیروں شود روزے!
یکے در معنیِ آدم نگر از ما چہ می پرسی
ہنوز اندر طبیعت می خلد موزوں شود روزے!
چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیر او پر خوں شود روزے!

✿

① مٹی کی مٹھی یعنی خاکی آدمی کا فروغ (چمک دمک) ایک دن فرشتوں سے بڑھ جائے گا + اس کی تقدیر سے زمین آسمان ہو جائے گی (یہ چند نزبہ شعر علامہ نے اپنی مشہور تصنیف زبور عجم سے لے کر یہاں نقل کئے ہیں کیونکہ یہ فروغ آدم خاکی پر خوبصورتی سے روشنی ڈالتے ہیں زمین کے آسمان ہونے سے مراد یہ ہے کہ فروغ آدم خاکی کی وجہ سے زمین کا مرتبہ بھی (طعنہ دینے والے) آسمان کی طرح بلند ہو جائے گا۔

② اس کا یعنی آدمی خاکی کا خیال جو حوادث کے سیلاب سے پرورش پاتا ہے - نیلے آسمان کے بھنور سے ایک دن نکل جائے گا مراد ہے کہ فکر آدمی خاکی جب عقل کی بجائے عشق سے منور ہو گا تو یہ آسمان کیا اس آسمان سے کہیں آگے تک رسائی حاصل کرلے گا۔

③ ایک دفعہ آدمی کے معنی یعنی حقیقت آدمی پر غور کر مجھ سے کیا پوچھتا ہے (تجھے خود ہی معلوم ہو جائے گا) + ابھی تک یہ معنی طبیعت میں کھٹک رہے ہیں ایک دن موزوں ہو جائیں۔ گر یعنی شعر میں ڈھل جائیں گے مراد ہے آدم خارجی وجود پا سکے گا۔

④ یہ پامال یا عامیانہ مضمون اس طرح موزوں ہو گا یعنی اس طرح شعر کے سانچے میں ڈھل جائے گا + کہ ایک دن خدا کا دل بھی اس کی تاثیر سے پرخوں ہو جائے گا مراد ہے آدم جو اس وقت صرف خاک کا پتلا نظر آتا ہے جب اپنی اور اپنے خدا کی معرفت حاصل کرکے نیابت الٰہی کے مقام پر پہنچ جائے گا تو اس

خالق بھی اسے اپنا شاہکار سمجھ کر اس کو محبوب بنا لے گا۔

تمہید زمینی

زمین کی ابتدائی بات

آشکارمی شود روح حضرت رومیؒ، شرح می دہد اسرار معراج را

ترجمہ: حضرت رومیؒ کی روح ظاہر ہوتی ہے اور معراج کے بھیدوں کو ظاہر کرتی ہے۔

تعارف رومی: جلال الدین نام۔ 604ھ میں بلخ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ والد کا نام خواجہ بہاالدین تھا۔ جلال الدین چونکہ قونیہ (علاقہ روم) میں چلے گئے تھے اس لئے جلال الدین رومی مشہور ہو گئے۔ پہلے علوم عقلی و نقلی میں ممتاز تھے پھر حضرت شمس تبریز کے زیر اثر مولوی رومیؒ عارف رومی بن گئے تصوف میں ان کا مقام بہت بلند ہے علامہ اقبال انہیں اپنا مرشد روحانی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی مثنوی معنوی بہت مشہور ہے جسے بجا طور پر فارسی زبان میں مضامین قرآنی پر مشتمل کتاب سمجھا جاتا ہے۔ ان کا ایک فارسی دیوان بھی ہے جو ڈھائی ہزار غزلوں پر مشتمل ہے جس کا نام انہوں نے اپنے پیرو مرشد کے نام پر دیوان شمس تبریز رکھا ہے۔ مولانا نے 672ھ میں وفات پائی مزار ان کا قونیہ (ترکی) میں ہے۔

پہلا بند

عشق شور انگیز بے پروائے شہر	شعلہ او میرد از غوغائے شہر
خلوتے جوید بدشت و کوہسار	یا لب دریائے ناپیدا کنار
من کہ در یاراں ندیدم محرمے	بر لب دریا بیاسودم دمے
بحر و ہنگام غروب آفتاب	نیلگوں آب از شفق لعل مذاب
کور را ذوق نظر بخشد غروب	شام را رنگ سحر بخشد غروب!
با دلِ خود گفتگو ہا داشتم	آرزو ہا جستجو ہا داشتم
آنی و از جاودانی بے نصیب!	زندہ و از زندگانی بے نصیب!
تشنہ و دور از کنار چشمہ سار	می سرودم ایں غزل بے اختیار

٭

① شور انگیز عشق شہر یا آبادی سے بے پرواہ ہے + (کیونکہ) اس کا شعلہ شہر کے شور و غل میں بجھ جاتا ہے (عشق و جنوں کو آبادیاں نہیں ویرانے پسند ہیں)۔

② (اس لئے عشق آبادیوں کی بجائے) بیابان اور پہاڑی سلسلے میں خلوت تلاش کرتا ہے + یا (پھر) بے کنار دریا... بے سمندر کے ساحل پر (رہنا پسند کرتا ہے)۔

③ میں نے (جب) دوستوں میں (کسی کو) ہمراز نہ پایا + (تو) کچھ وقت کے لئے میں دریا مراد ہے سمندر کے ساحل پر چلا گیا سکون کے لئے۔

④ (اس وقت) سمندر پر سورج کے غروب ہونے کا وقت تھا + (اور) نیلا پانی شفق کے رنگ سے سیال لعل بنا ہوا تھا (ڈوبتے ہوئے سورج نے اپنے پیچھے جو مغربی افق پر سرخی چھوڑ دی تھی وہ سمندر یا دریا کے پانی میں جھلک رہی تھی)۔

⑤ غروب (آفتاب کا نظارہ) اندھے کو (بھی) ذوق نظر عطا کر دیتا ہے + (اور) شام کو صبح کا رنگ بخش دیتا ہے (مراد ہے غروب آفتاب کے وقت مغربی افق کی سرخی شام کے اندھیرے کو قدرے روشن کر دیتی ہے اسی طرح جس طرح صبح کے وقت طلوع ہوتی ہوئی صبح کی ہلکی سی سرخی افق مشرق پر ہوتی ہے اور یہ نظارہ ان لوگوں میں بھی نظارے کی تحسین کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے جو عام طور پر ذوق نظارہ سے محروم ہوتے ہیں)۔

⑥ (ایسے وقت میں اور ایسے مقام پر) میں اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا + میں (اپنے اندر) آرزوئیں اور جستجوئیں لئے ہوئے تھا۔

⑦ (یہ آرزوئیں، جستجوئیں اور باتیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ میں سوچ رہا تھا کہ) میں آنی ہوں اور جاودانی سے بے نصیب ہوں یعنی انسان کی زندگی عارضی اور فانی ہے ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔

⑧ میں پیاسا تھا اور چشموں کے سلسلے کے کنارے سے دور تھا + میں نے (محرومیِ آب اور پیاس کی شدت میں) بے اختیار یہ غزل گانی شروع کر دی (یہ غزل مولانا رومؒ کی ہے۔ یہاں جس پیاس کا ذکر ہے وہ جسمانی نہیں روحانی ہے۔ آنی سے جاودانی ہونے کی آرزو کی پیاس ہے اور یہ پیاس کسی مرشد کے چشمہ نظر اور آبِ صحبت ہی سے بجھ سکتی ہے اور وہ مرشد یہاں مرشد رومیؒ ہیں جو شاعر کی تشنگی طلب کی تسکین کرتے ہیں)۔

غزل

"بگشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست — بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

یک دست جامِ بادہ و یک دست زلفِ یار — رقصِ چنیں میانۂ میدانم آرزوست

گفتی ز ناز بیش مرنجاں مرا" برو — آں گفتنت کہ بیش مرنجانم آرزوست

اے عقل تو ز شوق آگندہ گوے شو — اے عشق نکتہ ہائے پریشانم آرزوست

ایں آب و نانِ چرخ چو سیل است بیوفا — من ماہیم، نہنگم و عمانم آرزوست

جانم ملول گشت ز فرعون و ظلمِ او — آں نورِ جیبِ موسیٰ عمرانم آرزوست

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر — کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست

زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست

گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود، آنم آرزوست!"

(رومی)

٭

① (اے محبوب) اپنے ہونٹ کھول یعنی باتیں کر کہ مجھے بہت زیادہ شیرینی کی آرزو ہے (اور یہ شیرینی میری باتوں سے حاصل ہو گی) + اپنا چہرہ دکھا کہ مجھے باغ اور گلستان کی آرزو ہے (اور باغ اور گلستاں میرے لئے تو صرف تیرا چہرہ ہی ہے)۔

② ایک ہاتھ میں جام شراب ہو اور ایک ہاتھ میں زلف یار ہو + میری آرزو میدان میں مراد ہے چوراہے پر اسی قسم کا رقص کرنے کی ہے۔

③ تو نے ناز سے مجھے کہا کہ مجھے زیادہ تنگ نہ کر اور چلے جا + یہ جو تو نے کہا ہے کہ مجھے زیادہ تنگ نہ کر مجھے تم سے یہی بات سننے کی آرزو ہے۔

④ اے عقل تو عشق کی وجہ سے بہکی بہکی باتیں کرنے والی بن جا + اے عشق میری یہ آرزو ہے کہ تو پریشان کر دینے والی باریک باتیں بیان کرتا رہے۔

⑤ یہ آسمان کا دیا ہوا پانی اور روٹی یعنی رزق سیلاب کی طرح بے وفا ہے + میں مچھلی ہوں میں سمندر کی اور مگرمچھ کی آرزو رکھتا ہوں (مراد ہے جو رزق دوسروں کے طفیل ملتا ہے اس کا کیا اعتبار رزق وہ ہے جو مگرمچھوں کے ہوتے ہوئے سمندر کی موجوں کے تھپیڑے کھا کر مچھلی کی طرح خود ڈھونڈا جائے)۔

⑥ میری جان فرعون اور اس کے ظلم سے مبتلائے غم و رنج ہے + مجھے عمران کے بیٹے، حضرت موسیٰؑ کے گریبان (آستین) کی آرزو ہے (کہ جس میں سے جب وہ ہاتھ نکالتے تھے تو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ اسے ید بیضائے موسیٰؑ کہتے ہیں) مولانا یہاں یہ آرزو کر رہے ہیں کہ کوئی موسیٰ آئے اور زمانے کے فرعونوں کا مقابلہ کر کے انہیں غرقاب دریا کرے)۔

⑦ کل یعنی کل رات شیخ (شمع ہاتھ میں) چراغ لے کر شہر کے گرد یا شہر میں گھوما + (وہ کہہ رہا تھا) میں شیطانوں اور درندوں سے تکلیف میں ہوں میں کسی انسان کی آرزو رکھتا ہوں (اور چراغ لئے اس آباد شہر میں کسی انسان کی تلاش کر رہا ہوں ایسے شخص کی جو شکل آدمی میں انسان ہو حیوان اور دیو نہ ہو)۔

⑧ ان سست عناصر والے ہمراہیوں نے میرے دل کو دبا رکھا ہے یعنی مجھے غمگین یا دل برداشتہ کر رکھا ہے کہ میں آگے بڑھ کر کہاں سے کہاں جانا چاہتا ہوں اور یہ جو میرے ساتھ چلنے والے دنیا پرست لوگ ہیں یہ مجھے کھینچ کر مجھے قدم بڑھانے سے روک رہے ہیں + مجھے شیر خدا یعنی حضرت علیؓ اور دستاں کے بیٹے رستم کی آرزو ہے (ایسے ہمراہیوں کی تلاش ہے جو حوصلہ مند ہوں باطل شکن ہوں)۔

⑨ میں نے کہا ہم جسے تلاش کرتے ہیں وہ نہیں ملتا یا یہ کہ ہم ایسے کو تلاش کر چکے ہیں وہ نہیں ملتا + اس نے کہا جو نہیں ملتا مجھے اسی کی تو آرزو ہے۔ (غزل ختم شد)۔

دوسرا بند

موجِ مضطر خفت بر سنجابِ آب شد افق تار از زیانِ آفتاب

از حنا عش پارهٔ دزدید شام کوکبے چوں شاہدے بالائے بام

روحِ رومی پرده ہا را بر درید از پسِ کہ پارهٔ آمد پدید!

طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب ‏ شیبِ او فرخندہ چوں عہدِ شباب
پیکرِ روشن ز نورِ سرمدی ‏ در سراپایش سرورِ سرمدی!
بر لبِ او سرِّ پنہانِ وجود ‏ بند ہائے حرف و صوت از خود گشود
حرفِ او آئینہ آویختہ ‏ علم با سوزِ دروں آمیختہ!
گفتمش: "موجود و ناموجود چیست؟ ‏ معنیِ محمود و نامحمود چیست؟"
گفت "موجود آنکہ خواہد نمود ‏ آشکارائی تقاضائے وجود
زندگی خود را بخویش آراستن ‏ بر وجودِ خود شہادت خواستن
انجمن روزِ الست آراستند ‏ بر وجودِ خود شہادت خواستند
زندۂ یا مردۂ یا جاں بلب ‏ از سہ شاہد کن شہادت را طلب
شاہدِ اول شعورِ خویشتن ‏ خویش را دیدن بنورِ خویشتن
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے ‏ خویش را دیدن بنورِ دیگرے
شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق ‏ خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق
پیشِ ایں نور ار بمانی استوار ‏ حیّ و قائم چوں خدا خود را شمار!
بر مقامِ خود رسیدن زندگی است ‏ ذات را بے پردہ دیدن زندگی است
مردِ مومن در نسازد با صفات ‏ مصطفیؐ راضی نشد الا بذات
چیست معراج آرزوئے شاہدے ‏ امتحانے رو بروئے شاہدے
شاہدِ عادل کہ بے تصدیقِ او ‏ زندگی ما را چو گل را رنگ و بو
در حضورش کس نماند استوار ‏ ور بماند ہست او کامل عیار
ذرۂ از کف مدہ تابے کہ ہست ‏ پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست
تابِ خود را برفزودن خوشتر است ‏ پیشِ خورشید آزمودن خوشتر است
پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش ‏ امتحانِ خویش کن 'موجود' باش
ایں چنیں 'موجود' 'محمود' است و بس ‏ ورنہ نارِ زندگی دود است و بس"

*

① (شاعر رومیؒ کی غزل الاپنے کے بعد پھر اپنے ماحول کی جانب نظر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ شام کا وقت ہو چکا ہے) بے قرار موج پانی کے سنجاب پر (اس کی کھال کی طرح کی ہموار سطح والے پانی پر) سو گئی یعنی دریا کا پانی بھی شام کے وقت خاموش ہو گیا + سورج کے نقصان یعنی غروب ہونے سے (مغرب کا) افق تاریک ہو گیا۔ (شام گئی اور رات آ گئی)۔

② شام نے (سورج کی) متاع سے ایک ٹکڑا چرا لیا + (اور وہ ٹکڑا کیا تھا) ایک ستارہ تھا (جو آسمان کے مغربی افق پر اس طرح چمک رہا تھا جیسے کہ) کوئی محبوب چھت کے کنارے (کھڑا ہوا جلوہ گری کر رہا ہو)۔

③ (اس ماحول میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ) مولانا جلال الدین رومی کی روح نے (آنسوئے افلاک سے آکر آسمان دنیا کے) پردے چاک کئے + (اور) وہ ایک پہاڑی کے پیچھے سے ظاہر ہوئی یعنی مولانا روم کی روح نے عناصر میں تصرف کر کے شکل انسانی اختیار کر لی۔

④ (اس وقت) مولانا رومی کا چہرہ سورج کی مانند روشن تھا + ان کا بڑھاپا جوانی کی مانند فرخندہ یعنی تازہ وشاداب تھا۔

⑤ ان کا پیکر نور سرمدی سے روشن تھا + ان کے سراپا میں سرمدی سرور تھا (سرمدی کے معنی ہیں ہمیشہ رہنے والا)۔

⑥ ان کے لب پر وجود کے چھپے ہوئے بھید تھے یعنی وہ وجود کے پوشیدہ راز کھول کر بیان کر رہے تھے + انہوں نے حروف اور آوازوں کی زنجیریں خود پر سے کھولی ہوئی تھیں یعنی وہ ان اسرار کو اپنے الفاظ میں خوب بیان کر رہے تھے۔

⑦ ان کے حروف یوں تھے جیسے کہ سامنے آئینہ آویزاں ہو یعنی وجود کے اسرار کے متعلق ان کا بیان بڑا واضح اور شفاف تھا + ان کے علم میں ان کے اندر کا سوز ملا ہوا تھا یعنی ان کے علم کی باتوں میں ان کے دل کا سوز شامل تھا اس لئے یہ بڑی پر تاثیر تھیں۔

⑧ میں نے ان سے پوچھا کہ موجود اور ناموجود کیا ہے + (اور) محمود اور نامحمود کے معنی کیا ہیں۔

⑨ انہوں نے کہا موجود وہ ہے جو اپنی نمود چاہتا ہے + وجود کا تقاضا خود کو ظاہر کرنا ہے۔

⑩ زندگی خود کو اپنے لئے آراستہ کرتا ہے + (اور) اپنے وجود پر شہادت طلب کرتا ہے (اپنے آپ کو اپنے آپ پر آراستہ کرنے سے مراد زندگی کا اپنی شرح آپ کر کے اپنی انفرادیت قائم رکھنا ہے اور اپنے وجود پر شہادت طلب کرنے سے مراد اپنے آپ کو غیر سے ممیز کرنا ہے)۔

(11) انہوں نے (بھی) یعنی خدا تعالیٰ نے بھی روز الست انجمن آراستہ کی + (اور) اپنے وجود پر یعنی اپنے ہونے پر شہادت چاہی (اس لئے بندہ کو بھی اپنے وجود پر شہادت طلب کرنی چاہئے۔ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ ارواح سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا الست بربکم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اس پر روحوں نے جواب دیا تھا قالو بلیٰ انہوں نے کہا تھا ہاں یعنی تو ہمارا رب ہے)۔

(12) تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بلب یعنی مرنے کے قریب ہے + (اس کے لئے) تین گواہوں سے گواہی طلب کر۔

(13) پہلا گواہ اپنا شعور ہے + (یعنی) اپنے آپ کو اپنے (ہی) نور سے دیکھنا ہے۔

(14) دوسرا گواہ دوسروں کا شعور ہے + (یعنی) خود کو دوسروں کے نور سے دیکھنا ہے۔

(15) تیسرا گواہ ذات حق کا شعور ہے + (یعنی) خود کو نور حق سے دیکھنا ہے۔

(16) اس نور کے سامنے یعنی نور حق کے سامنے اگر تو استوار یا قائم رہے + (تو) خود کو خدا کی طرح حی و قیوم یعنی ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا شمار کر۔

(17) اپنے مقام پر پہنچ جانا زندگی ہے + (اور) ذات کو یعنی ذات باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے یعنی تمہاری زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم اپنے اس مقام کو پا لو جو خالق نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے۔

(18) مرد مومن صفات کے ساتھ موافقت نہیں کرتا یعنی صفات پر قناعت نہیں کرتا (بلکہ صفات کے ذریعے ذات تک پہنچنا چاہتا ہے) کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ذات تک پہنچے یا ذات کا دیدار کئے بغیر راضی نہ ہوئے (اس شعر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے مطابق

انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کہیں قاب قوسین کے انداز میں ذات باری کو دیکھا بھی اور کلام بھی کیا۔ قاب قوسین سے مراد اس طرح آمنے سامنے اور قریب ہوتا ہے جس طرح کمان کے دو گوشے آمنے سامنے ہوتے ہیں)۔

(19) معراج کیا ہے معراج کسی شاہد کی آرزو ہے + (معراج کیا ہے) کسی شاہد کے سامنے اپنا امتحان کرنا ہے (شاہد کے معنی شہادت یا گواہی دینے والے کے ہیں اور معراج اس گواہ سے اپنے پختہ ہونے پر شہادت طلب کرنے کا نام ہے)۔

(20) ایسا انصاف کرنے والا شاہد کہ جس کی تصدیق کے بغیر + زندگی ہمارے لئے ایسے ہی ہے جیسے کہ گلاب کے پھول کے لئے اس کا رنگ اور اس کی خوشبو۔ (یہ دونوں یعنی رنگ اور خوشبو عارضی اور ہیولی ہیں۔ جب تک پختگی اور استواری پیدا نہیں ہوگی اور اس پختگی اور استواری پر کوئی شاہد عادل گواہی نہیں دے گا زندگی اسی طرح بے کار اور بے قیمت رہے گی جس طرح پھول کے لئے اس کی بے وفا خوشبو اور رنگ۔

(21) اس کے یعنی ایسے شاہد عادل کے حضور کوئی بھی استوار یا قائم نہیں رہا یعنی اس کے حضور اپنی پختگی اور استواری کا مظاہرہ کر کے اسے منوا لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں + (اور) اگر کوئی استوار رہا ہے (اور اس نے اپنی استواری پر اس شاہد عادل کی گواہی لے لی ہے تو) وہ کامل عیار یعنی معیار پر مکمل اترنے والا ہے (وہ اکمل و کامل مرد ہے)۔

(22) (اگر) تو ذرہ ہے تو اس چمک کو جو تجھ میں ہے ہاتھ سے نہ دے + (بلکہ) اسے اپنی گرہ میں مضبوطی سے باندھ رکھ مراد ہے اے انسان تو بے شک باری تعالٰی کے سورج کے سامنے ایک ذرہ کی مانند ہے لیکن تیرے اندر ایک چمک خالق نے رکھی ہوئی ہے اور عشق کی چمک ہے اگر تم اس چمک کو بروئے کار لاؤ گے تو ایک روز سورج کے سامنے خود کو استوار اور پختہ پاؤ گے اور اس طرح تم انسان کامل ہو جاؤ گے۔

(23) (اے ذرے) اپنی چمک کو بڑھاتے رہنا بہتر ہے + (اور) اسے سورج کے سامنے آزمانا زیادہ اچھا ہے یعنی اگر تو اپنی چمک کو اتنا بڑھا لوگے کہ تم سورج کے سامنے ٹھہر سکو گے تو سمجھو تم مکمل ہو گئے اور شاہد عادل کے سامنے امتحان استواری میں کامیاب ہو گئے۔

(24) اپنے فرسودہ پیکر کو پھر سے تراش + (اس طرح خود کو نئے سرے سے تراش اور یہ آزما کہ تیرا پیکر فرسودہ تراش کے بعد مکمل و اکمل ہو گیا ہے یا نہیں) + اپنا امتحان کر اور (اس طرح) موجود ہو جا مراد یہ ہے کہ جب تو اپنی خودی کو مستحکم کر کے اپنے پیکر کو اس قابل بنا لے گا کہ خدا کے حضور استوار رہ سکے گا تو سمجھ لے کہ تو اپنے امتحان میں کامیاب ہے اور اس طرح کی کامیابی ہی تیرا موجود ہونا ہے۔ جو خود کو شاہد عادل کے حضور قائم نہیں رکھ سکتا اسے موجود کہنا درست نہیں وہ ناموجود ہے۔

(25) ایسا موجود ہی محمود ہے اور بس + ورنہ زندگی کی آگ دھواں ہے اور بس (محمود وہ شے ہے جو قابل تعریف ہے اور وہ شے ہے خیر اس کے مقابلے میں نامحمود شر ہے۔ جو شخص مقام موجود پر ہے وہی محمود ہے باقی سب نامحمود ہیں چونکہ موجود خیر ہے اس لئے جو شے بھی اس سے فیض یاب ہوتی ہے وہ بھی خیر ہے جو شخص اپنے اندر موجود ہونے کا جتنا رنگ پیدا کر لے گا اتنا ہی وہ محمود ہو گا۔ صوفیا نے ہمیں یہی

جتایا ہے کہ وجود ہر خیر اور ہر کمال کا منبع ہے اور عدم ہر شر اور نقص کا سرچشمہ ہے)۔

تیسرا بند

باز گفتم: "پیشِ حق رفتن چساں؟ کوہِ خاک و آب را گفتن چساں؟
آمر و خالق بروں از امر و خلق ما ز شستِ روزگاراں خستہ حلق؟
گفت "اگر سلطاں ترا آید بدست می تواں افلاک را از ہم شکست
باش تا عریاں شود ایں کائنات شوید از دامانِ خود گردِ جہات
در وجود او نہ کم بینی نہ بیش خویش را بینی ازو او را ز خویش
نکتہ "الا بسلطاں" یاد گیر ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر
از طریقِ زادن اے مردِ نکوے آمدی اندر جہانِ چار سوے
ہم بروں جستن بزادن می تواں بندہا از خود کشادن می تواں
لیکن ایں زادن نہ از آب و گل است داند آں مردے کہ او صاحبدل است
آں ز مجبوری است، ایں از اختیار آں نہاں در پردہا ایں آشکار
آں یکے با گریہ، ایں با خندہ ایست یعنی آں جویندہ، ایں یابندہ ایست
آں سکون و سیر اندر کائنات ایں سراپا سیر بیروں از جہات
آں یکے محتاجِ روز و شب است واں دگر روز و شب او را مرکب است
زادنِ طفل از شکستِ اشکم است زادنِ مرد از شکستِ عالم است
ہر دو زادن را دلیل آمد اذاں آں بلب گویند و ایں از عینِ جاں
جانِ بیدارے چو زاید در بدن لرزہا افتد درین دیرِ کہن"

٭

① پھر میں نے (مرشدی رومی سے) پوچھا کہ حق (یعنی خدا) کے حضور جانا کس طرح ہے؟ + پانی اور مٹی کے پہاڑ کو کیسے پھاڑا جا سکتا ہے (رومی نے چونکہ یہ کہا کہ حق کے حضور استوار رہ کر کامل عیار ہو جاؤ تو ان سے سوال کیا گیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حق اور بندہ کے درمیان تو زمان و مکان کی بہت سی دیواریں حائل ہیں ان کو پھلانگ کر حضور حق پہنچنا کس طرح ممکن ہو گا)۔

② صاحب امر خالق یعنی خدا تعالیٰ تو امر اور خلق سے باہر ہے + اور ہم زمانے کے کانٹے کی وجہ سے زخمی حلق والے ہیں یعنی ہم زمان و مکان کی قیود کے پابند ہیں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آمر بھی ہے اور خالق بھی لیکن اس کے باوجود وہ جہان امر و خلق سے ماورا ہے اور ہم اس جہان میں مقید ہیں اس لئے دونوں میں ملاپ کیسے ہو سکتا ہے۔

③ انہوں نے یعنی مولانا روم نے کہا کہ اگر سلطان تیرے ہاتھ آ جائے + تو افلاک کو بھی توڑا جا سکتا ہے یعنی ان کو پھلانگ کر آگے نکلا جا سکتا ہے (اس شعر کا مضمون قرآن کریم کی اس آیت سے لیا گیا ہے کہ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم سے ہو سکے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ (مگر

تم نہیں نکل سکتے سلطان کے بغیر اس آیت میں سلطان کا لفظ غلبہ، طاقت اور زور کے معنوں میں لیا گیا ہے یہ زور اور طاقت جسمانی نہیں روحانی ہے جو آدمی میں عشق مصطفی ﷺ کی بدولت پیدا ہوتی ہے جس میں یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے وہ زمان و مکاں کی قیود کو توڑ کر آنسوئے افلاک حضور حق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے)۔

④ (محنت اور مجاہدہ کر) یہاں تک کہ یہ کائنات (تیرے سامنے) بے پردہ ہو جائے + اور اپنے دامن سے اطراف کی گرد جھاڑ ڈالے یعنی مجاہدہ کرکے تو ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں پر کائنات کی زمانی اور مکانی حدود ختم ہو جائیں اور کائنات کی حقیقت تیرے روبرو آجائے۔

⑤ (اس طرح) تو اس کے وجود میں نہ تو کمی دیکھے نہ زیادتی + خود کو تو اس سے دیکھے اور اس کو خود سے دیکھے (یعنی جب کائنات کی حقیقت تیرے سامنے آجائے گی تو تجھے معلوم ہو گا کہ زمان و مکاں کی قیود محض تیری نظر کا فریب تھا حقیقت میں نہ زماں ہے نہ مکاں اگر کوئی ہے تو لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اس طرح بندہ و مولیٰ کے درمیانی پردے ختم ہو جائیں گے اور بندہ کو حضور حق موجود ہونے کا شرف حاصل ہو جائے گا)۔

⑥ الا بسلطان کی باریک رمز کو یاد رکھ + ورنہ مکھیوں اور کیڑوں کی طرح مٹی یا کیچڑ میں (ہی) مرجا۔ (اس شعر میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ شعر نمبر 3 میں موجود ہے اس آیت میں "الا بسلطان" کے لفظ آتے ہیں یعنی تم زمین اور آسمانوں کے کناروں سے نہیں نکل سکتے "الا بسلطان" یعنی سلطان کے بغیر نہیں نکل سکتے اور سلطان وہ طاقت ہے جو طالب صادق میں مجاہدہ سے یا کسی کامل مرد کی نظر اور صحبت سے یا عشق رسول ﷺ کی بدولت انسان میں پیدا ہوتی ہے اس طاقت کے سامنے کائنات سمٹ جاتی ہے زمان و مکاں کی بندشیں اٹھ جاتی ہیں اور ہر غیب شہادت بن جاتا ہے اور حضوری حق حاصل ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو طاقت سلطان حاصل نہیں وہ فنا ہو جاتا ہے اور جسے یہ حاصل ہے وہ بقا حاصل کر لیتا ہے۔ وہ مر کر بھی زندہ ہوتا ہے)۔

⑦ اے نیک مرد تو پیدائش کے (عام طریقے) کی وجہ سے + اس زمان و مکاں یا اطراف میں مقید دنیا میں آیا ہے (عام طریقہ وہ ہے جس کی رو سے ہر شخص پیدا ہوتا ہے اور وہ ہے ماں کے پیٹ سے باہر آنا)۔

⑧ (جس طرح اے شخص تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس طرح تو دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے یعنی خود کو کائنات (کے پیٹ) سے باہر نکال سکتا ہے + (اور اس طرح نئی پیدائش کے ذریعے) خود پر بندھی ہوئی (کائنات یا زمان و مکان) کی زنجیریں کھولی جا سکتی ہیں۔

⑨ لیکن یہ (نئی) پیدائش آب و گل سے نہیں ہے یعنی اس کا تعلق مادہ سے نہیں ہے (یہ جسم مادی یا رحم مادری سے نہیں ہوتی) + (اس نئی پیدائش کے طریقے کو) وہ مرد جانتا ہے جو صاحب دل ہے مراد ہے صرف انبیا و اولیا ہی کو اس انداز پیدائش کا علم ہے یہ عام آدمی کی سمجھ سے بالا تر ہے البتہ صوفیا نے اشارتاً یہ بتایا ہے کہ وہ پیدائش جو رحم مادر سے ہوتی ہے اس میں بچے کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ قدرت کے قوانین کے تحت مجبوراً پیدا ہو جاتا ہے اس کے برعکس جو دوسری پیدائش کا معاملہ ہے اس کا تعلق مجبوری سے نہیں اختیار سے ہے۔ اس کے لئے ایک سالک کو مجاہدات کے ارادی راستوں سے گزرنا پڑتا

ہے اس طرح ایک مقام پر پہنچ کر وہ اس زندگی سے آشنا ہو جاتا ہے جو منشائے خالق ہے اور جہاں بندہ اپنے آقا کی صفات کا مظہر ہو کر اس کے حضور میں رہتا ہے۔ اس پیدائش کا تعلق ولادت کی سائنس سے نہیں ولایت (طریقت / درویشی) کی سائنس سے ہے۔

(10) وہ یعنی قدرتی پیدائش مجبوری سے اور یہ یعنی ارادی پیدائش اختیار سے ہے + وہ یعنی پیدائش اول پردوں میں ہوتی ہے یعنی بچہ ماں کے رحم میں پلتا اور بڑا ہوتا ہے اور یہ یعنی ارادی پیدائش ظاہرا طور پر ہوتی ہے (ماں کے پیٹ سے باہر)۔

(11) وہ یعنی قدرتی پیدائش روتے ہوئے ہوتی ہے اور یہ یعنی ارادی پیدائش ہنستے ہوئے ہوتی ہے۔ (بچہ جب رحم مادر سے باہر آتا ہے تو روتا ہے کہ میں کہاں آ گیا جب وہ دوسری دفعہ پیدا ہوتا ہے تو گوہر زندگی پا لینے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے)۔

(12) وہ یعنی پہلی پیدائش والا کائنات کے اندر سکون اختیار کرتا ہے اور چلتا پھرتا ہے + اور دوسری پیدائش والا تمام تر اطراف سے باہر سیر کرتا ہے یعنی اس کا زمان مکاں والے جہان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(13) وہ ایک یعنی پہلی پیدائش روز و شب کی محتاج ہے (یعنی اس پیدائش والا زمان و مکان کی قید میں زندگی گزار دیتا ہے) + اور وہ دوسری (پیدائش) والا وہ ہے جس کے لئے رات اور دن اس کا گھوڑا ہے جس پر وہ سواری کرتا ہے مراد ہے کہ ایک پر کائنات سوار ہے اور دوسرا کائنات پر سوار ہے۔

(14) بچے کا پیدا ہونا پیٹ کے پھٹنے سے ہے + مرد کا پیدا ہونا جہان کے پھٹنے سے ہے (اور جہان کے پھٹنے سے مراد زمان و مکاں کو تسخیر کر کے آں سوئے افلاک لامکاں کی سیر کرنے سے ہے)۔

(15) دونوں (طرح کی) پیدائش پر اذان دلیل آئی (ہے) + وہ یعنی پہلی پیدائش کے وقت کی اذان ہونٹوں سے کہتے ہیں اور یہ یعنی دوسری پیدائش کے وقت کی اذان "کلیتاً" جان سے کہی جاتی ہے مراد ہے کہ دوسری پیدائش والے کی پوری زندگی میں روح اذان سرایت کر جاتی ہے ایسی جان کو جان بیدار کہتے ہیں۔

(16) جب بدن کے اندر بیدار جان پیدا ہو جاتی ہے + تو اس پرانے زمانے میں (جو نہ جانے کب سے چل رہا ہے) کھلبلی پیدا ہو جاتی ہے مراد ہے کہ سارا عالم اس سے متاثر ہوتا ہے اور زمانے میں نئے نئے ہنگامے اور انقلابات رونما ہوتے ہیں۔

چوتھا بند

گفتم "ایں زادن نمی دانم کہ چیست؟" گفت "شانے از شیونِ زندگی است"
شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور آں یکے اندر ثبات آں در مرور
کہ بجلوت می گدازد خویش را کہ بخلوت جمع سازد خویش را
جلوتِ او روشن از نورِ صفات خلوتِ او مستنیر از نورِ ذات
عقل او را سوئے جلوت می کشد عشق او را سوئے خلوت می کشد
عقل ہم خود را بدیں عالم زند تا طلسم آب و گل را بشکند

می شود ہر سنگ رہ او را ادیب — می شود برق و سحاب او را خطیب
چشمش از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست — لیکن او را جرأت رندانہ نیست!
پس ز ترسِ راہ چوں کورے رود — نرم نرمک صورتِ مورے رود
تا خرد پیچیدہ تر بر رنگ و بوست — می رود بر آہستہ اندر راہِ دوست
کارش از تدریج یابد نظام — من نہ دانم کے شود کارش تمام!
می نداند عشق سال و ماہ را — دیر و زود و نزد و دورِ راہ را
عقل در کوہے شگافے می کند — یا بگردِ او طوافے می کند
کوہ پیشِ عشق چوں کاہے بود — دل سریع السیر چوں ماہے بود
عشق شبخونے زدن بر لامکان — گور را نادیدہ رفتن از جہاں!
زورِ عشق از باد و خاک و آب نیست — قوتش از سختیٔ اعصاب نیست
عشق با نانِ جویں خیبر کشاد — عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد!
کلۂ نمرود بے ضربے شکست — لشکرِ فرعون بے حربے شکست!
عشق در جاں چوں بچشم اندر نظر — ہم درونِ خانہ ہم بیرونِ در
عشق ہم خاکستر و ہم اخگر است — کار او از دین و دانش برتر است
عشق سلطان است و برہانِ مبیں — ہر دو عالم عشق را زیرِ نگیں
لازمان و دوش و فردائے ازو — لامکان و زیر و بالائے ازو
چوں خودی را از خدا طالب شود — جملہ عالم مرکبِ او راکب شود
آشکارا تر مقامِ دل ازو — جذبِ ایں دیرِ کہن باطل ازو
عاشقاں خود را بہ یزداں می دہند — عقلِ تادیلی بقرباں می دہند
عاشقی؟ از سو بہ بے سوئی خرام — مرگ را بر خویشتن گرداں حرام
اے مثالِ مردہ در صندوقِ گور — می تواں برخاستن بے بانگِ صور!
در گلو داری نوا خوب و نغز — چند اندر گِل بنالی مثلِ چغز
بر مکان و بر زماں اسوار شو — فارغ از چہاکِ ایں زنار شو
تیز تر کن ایں دو چشم و ایں دو گوش — ہر چہ می بینی بنوش از راہِ ہوش
آں کے کو بانگِ موراں بشنود — ہم ز دوراں سرِ دوراں بشنود
آں نگاہِ پردہ سوز از من بگیر — کو بچشم اندر نمی گردد اسیر

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دیدِ دوست است
جملہ تن را در گداز اندر بصر
در نظر رو در نظر رو در نظر

(رومی)

تو ازیں نہ آسماں ترسی؟ مترس — از فراخائے جہاں ترسی؟ مترس

چشم بکشا بر زمان و بر مکاں | ایں دو یک حال است از احوال جاں
تا نگہ از جلوہ پیش افتادہ است | اختلافِ دوش و فردا زادہ است
دانہ اندر گل بظلمت خانہ | از فضائے آسماں بیگانہ
ہیچ می داند کہ در جائے فراخ | می تواں خود را نمودن شاخ شاخ؟
جوہرِ او چیست؟ یک ذوقِ نمو ست | ہم مقامِ اوست ایں جوہرؔ ہم اوست

٭

① میں نے (رومیؒ سے) کہا کہ میں نہیں سمجھا کہ یہ (دوبارہ) پیدا ہوتا گیا ہے + انہوں نے کہا کہ یہ زندگی کی شانوں میں سے ایک شان ہے (اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کل یوم ھو فی شان یعنی ہر لحہ وہ ایک نئی شان سے جلوہ گر ہے خدا یا حیات مطلق کائنات میں ہر لحہ مختلف شیئوں یا شانوں سے جلوہ فرما رہتی ہے یہ حیات اپنے غیب اور اصل کے اعتبار سے مطلق ہے یعنی تنزل و تغیر سے پاک ہے لیکن اپنے ظہور کے لحاظ سے تعینات یا اعتبارات میں مقید ہے۔

② زندگی کہ شیوہ غیب و حضو ہیں یعنی غیب اور حضور زندگی کے دو رخ ہیں + اس کا ایک رخ ثبات ہے اور وہ دوسرا رخ حرکت ہے یعنی زندگی جب تک خلوت میں ہے تو سکون ہے اور جلوت میں آ کر وہ حرکت ہے زندگی جب تک غیب یا خلوت میں تھی زندگی مطلق تھی بے چون و بے قید اور زمان و مکاں سے آزاد تھی جب حضور یا جلوت میں آ کر تعینات اور اعتبارات میں جلوہ گر ہوئی تو متحرک ہو گئی۔ خلوت میں بے تغیر تھی یہاں جلوت میں تغیر پذیر ہو گئی۔ خلوت میں ایک شان تھی جلوت میں آ کر کئی شانوں میں آ گئی۔ اس طرح وحدت کثرت میں آ گئی۔

③ زندگی کبھی جلوتُ میں خود کو گداز کرتی ہے + (اور) کبھی خلوت میں خود کو جمع کرتی ہے زندگی کے خود کو جلوت میں گداز کرنے سے مراد ہے کہ حیات مطلق جب ظہور کرتی ہے تو مختلف تعینات میں ظہور کر کے جمع سے تفریق میں یا وحدت سے کثرت میں آ جاتی ہے حالانکہ ظہور سے پہلے جب وہ خلوت میں تھی تو مجتمع تھی بشکل وحدت تھی۔

④ اس کی جلوت صفات کے نور سے روشن ہے یعنی حیات مطلق جب تک ظہور میں نہیں آئی تھی وہ ذات تھی جب اس نے ظہور چاہا تو تعین اول یعنی صفات میں ظاہر ہوئی اس تعین اول ہی کو حقیقت محمدی ﷺ کہتے ہیں جس کے نور کے ظہور سے جملہ کائنات اور اس کی اشیا نے ظہور پایا ہے + اس کی خلوتُ ذات کے نور سے روشن ہے یعنی خلوت میں حیات مطلق یا وجود مطلق یا خدا صرف ذات کے طور پر موجود تھا۔ اس کا کوئی غیر نہیں تھا اسے کوئی جاننے اور پہچاننے والا نہیں تھا اس مرتبہ کو مرتبہ احدیت کہتے ہیں۔ جب ذات نے اپنا تماشا کرنا چاہا تو خود میں خود ہی تجلی کی اور اس تجلی میں اپنی ذات کا دیدار کیا یہاں ذات جو عاشق تھی معشوق بن کر ظاہر ہو گئی اس مرتبہ کو مرتبہ وحدت کہتے ہیں برزخ کبریٰ اور حقیقت محمدی ﷺ بھی یہی ہے۔ اس مرتبہ پر ذات کی صفات اجمالی تھیں تفصیلی نہیں تھیں یعنی جملہ صفات مرتبہ وحدت یا حقیقت محمدی ﷺ میں جلوہ آرا ہو گئیں لیکن جب اجمال نے تفصیلی ہونا چاہا تو تجلی نے تعین ثانی میں ظہور فرمایا اس مرتبہ کو مرتبہ واحدیت کہتے ہیں اور اس مرتبہ پر ذات اپنی صفات کے ذریعے کائنات اور اس کی جملہ اشیا میں جلوہ افروز ہو گئی۔ یا یوں کہہ لیں کہ حقیقت محمدی

ﷺ کائنات کا اجمالی نقشہ لئے ہوئے تھی یعنی حضور ﷺ کے نور میں ساری کائنات پوشیدہ تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے تعین ثانی میں ظہور فرمایا تو اس کی صفات کی تجلیاں کائنات اور اس کی جملہ اشیا میں ظاہر ہو گئیں۔

⑤ (صفات نے جہاں کائنات کی ہر شے میں جلوہ گری کی ہے آدمی بھی اس میں آ جاتا ہے۔ اس جلوہ گری نے آدمی میں دو ایسی چیزیں پیدا کر دی ہیں جو دوسری کسی مخلوق میں نہیں ہیں یہ دو چیزیں ہیں عقل اور عشق ۔۔۔۔) عقل اس کو یعنی آدمی کو جلوت کی طرف کھینچتی ہے یعنی آدمی کو اپنی اندر کی دنیا کی بجائے باہر کی دنیا کی سیر کرنے کو کہتی ہے۔ صوفیا اس کو سیر آفاق کہتے ہیں + (لیکن) عشق اس کو یعنی آدمی کو خلوت کی طرف کھینچتا ہے یعنی باہر کی دنیا کی بجائے اس کی اندر کی دنیا کی سیر کرنے کے لئے کہتا ہے اسے صوفیا کے الفاظ میں سیر انفسی کہتے ہیں خود باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے کہ میری نشانیاں انفس و آفاق میں موجود ہیں دیکھئے یہاں خدا نے آفاق کے علاوہ اپنی نشانیوں کے آدمی کے انفس میں ہونے کا ذکر بھی کیا۔

⑥ عقل اپنے آپ کو اس عالم پر بھی مارتی ہے یعنی صرف کرتی ہے + (وہ اس لئے اس عالم پر غور و فکر کرتی ہے) تاکہ مٹی اور پانی کے یعنی مادی جہان کے جادو کو توڑ ڈالے مراد ہے عقل انسانی اس خارجی کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کو مسخر کرنے کے درپے رہتی ہے۔

⑦ (عقل جب کائنات کی جستجو کے لئے نکلتی ہے تو) تو اس کی راہ میں آنے والا ہر پتھر اس کا ادیب یعنی اسے سبق دینے والا بن جاتا ہے + (اور) بجلی اور بادل اس سے خطاب کرنے لگتے ہیں مراد ہے عقل جب اسرار کائنات اور رازہائے فطرت کو پانے کے لئے نکلتی ہے تو ہر شے اس کی اسیر ہو کر اپنے مادی فائدے اور صلاحیتیں اس پر منکشف کرتی ہے۔

⑧ اس کی یعنی عقل کی آنکھ نگاہ کے ذوق سے بیگانہ نہیں ہے + لیکن اس میں وہ یعنی عشق کی طرح کی رندانہ جرأت نہیں ہے۔

⑨ پس وہ یعنی عقل اندھے کی طرح راستے کے خطرات سے ڈرتی ہوئی جاتی ہے + چیونٹی کی مانند آہستہ آہستہ چلتی ہے (کیونکہ اسے ہر قدم پر ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ عشق ان خطرات سے بے نیاز کشاں کشاں منزل کی جانب چلا جاتا ہے)۔

⑩ چونکہ عقل رنگ و بو یعنی جہان مادی و فانی میں زیادہ الجھتی ہے + (اس لئے) وہ دوست کی راہ میں آہستہ چلتی ہے (عقل مظاہر میں گم رہتی ہے لیکن مظاہر کے اندر موجود تجلی کا تماشہ کرنے کی اس میں سکت نہیں)۔

(11) اس کا کام تدریج سے نظام حاصل کرنا ہے یعنی وہ منزل مقصود کی جانب بتدریج آگے بڑھتی ہے + میں نہیں جانتا کہ اس کا کام کیسے انجام کو پہنچے گا یعنی وہ کیسے منزل مقصود کو پائے گی مراد ہے نہیں پائے گی۔

(12) (لیکن) عشق سال و ماہ کو نہیں جانتا ۔ وہ راہ کے دیر و زود اور نزد و دور کو نہیں جانتا مراد ہے عشق زمان و مکاں سے آزاد ہے۔ اور ہر ترتیب کے بندھن توڑ کر بڑھتا چلا جاتا ہے۔

(13) عقل پہاڑ میں شگاف ڈال دیتی ہے + یا اس کے گرد طواف کرتی رہتی ہے مراد ہے عقل میں یہ طاقت ہے کہ وہ پہاڑوں کو چیر کر برمہ کر دے یا ان کو سر کرلے۔

(14) (لیکن) عشق کے سامنے پہاڑ تنکے کی مانند ہوتا ہے + وہ دل (جس میں عشق ہو) چاند کی طرح تیز رفتار ہوتا ہے (وہ لمحات میں راستے طے کر لیتا ہے اور منزل پا لیتا ہے)۔

(15) (عشق کیا ہے) عشق لامکاں پر شبخون مارنا ہے + (عشق) جہان سے قبر دیکھے بغیر جانے کا نام ہے (صاحب عشق بھی مرتا ہے لیکن عام لوگوں کی طرح قبروں میں نہیں جاتا بلکہ قبر میں جا کر بھی زندہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق زمان و مکاں سے نہیں اس سے آگے لامکاں سے ہوتا ہے)۔

(16) عشق کا زور ہوا، مٹی اور پانی سے نہیں ہے یعنی عشق کی طاقتیں مادی نہیں ہوتیں + اس کی قوت اعصاب کی سختی سے نہیں ہے یعنی اس کا تعلق جسمانی طاقت سے نہیں ہے۔

(17) عشق نے جو کی روٹی کھا کر خیبر کو فتح کیا + عشق نے چاند کے جسم میں چاک ڈال دیا (اس شعر میں حضرت علیؓ کے قلعہ خیبر کو فتح کرنے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کی طرف اشارہ ہے یہ سب کچھ جسم اور اعصاب کی طاقت سے نہیں ہوا تھا بلکہ نور کی طاقت سے ہوا تھا ورنہ وہ تو جو کھاتے تھے جو جسم میں وہ طاقت کہاں پیدا کرتے ہیں جو دوسری طاقت ور غذاؤں سے پیدا ہوتی ہے)۔

(18) اس نے یعنی عشق نے (حضرت ابراہیم خلیل اللہ میں آ کر) بغیر ضرب کے نمرود کا جبڑا توڑ دیا + (اور) جنگ کیے بغیر فرعون کے لشکر کو شکست دے دی۔

(19) عشق جان میں اس طرح ہے جس طرح آنکھ کے اندر نظر + جو کہ گھر کے اندر بھی ہے اور گھر سے باہر بھی ہے مراد ہے عشق کا مقام آدمی کے دل میں ہے اس طرح وہ اندرون خانہ ہے لیکن اس کا فعل یا تاثیر خارج میں ہے اس طرح وہ بیرون خانہ ہے۔

(20) عشق مٹی بھی ہے شعلہ بھی ہے + اس کا کام دین اور دانش سے بڑھ کر ہے۔ مراد ہے کہ عشق جب محبوب کے سامنے عجز کی انتہا کرتا ہے تو خاکستر کی مانند ہوتا ہے اور جب کائنات میں بروئے کار آتا ہے تو شعلہ صفت ہو جاتا ہے۔ اس کی باتیں عقل، حکمت، دانائی اور دین سے ماورا ہیں۔

(21) عشق سلطان (بھی) ہے اور واضح دلیل (بھی) ہے + دونوں جہان عشق کے تابع ہیں مراد ہے عشق ایک ایسی طاقت ہے کہ کائنات کو سرنگوں کر کے لامکاں پر شبخون مارتی ہے اور یہ بات محض قیاس نہیں اس کے لئے دلائل موجود ہیں اس کے لئے انبیا و اولیا کے تصرفات دیکھئے۔

(22) (عشق کا اگرچہ) کوئی زمانہ نہیں ہے (لیکن) ماضی و مستقبل اسی سے ہیں + اس کا کوئی مکان نہیں (لیکن) پستی و بلندی اسی سے ہے مراد ہے کہ عشق اگرچہ خود زمانی اور مکانی نہیں ہے لیکن زمان و مکان کا وجود اس کی بدولت ہے۔ مراد ہے عشق ایجاد عالم کا باعث بنا ہے۔ خدا تعالیٰ جو بھی اور کہیں تھا تھا جب اس نے چاہا کہ میری معرفت حاصل کرنے والا بھی کوئی ہو تو اس نے اپنا عاشق یعنی کائنات پیدا کر دی۔ اگر حسن و عشق کا یہ معاملہ نہ ہوتا تو کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا۔

(23) (عشق) جب خدا سے خودی کا طالب ہوتا ہے + تو جملہ عالم سواری اور وہ سوار بن جاتا ہے مراد ہے جب عشق کی بدولت کسی میں خودی کا ظہور ہو جاتا ہے تو وہ کائنات پر متصرف ہو جاتا ہے۔

(24) دل کا مقام اس سے اور آشکارا ہو جاتا ہے + اس پرانے بت خانہ کی کشش اس سے باطل جاتی ہے مراد ہے کہ اس دنیا اور اس کی جاذبیت سے وہ بے نیاز ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ وہ

جس میں عشق ہو کس قدر قوت و صلاحیت کا مالک ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ دل شکم کی طرح دنیا کا گرفتار نہیں ہے۔

(25) عاشق لوگ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں + (اور) تاویل کرنے والی عقل کو قربان کر دیتے ہیں مراد ہے کہ عقل طرح طرح کے بہانوں سے آدمی کو دنیاوی فوائد میں الجھانا چاہتی ہے عاشق اس کے فریب میں نہیں آتا۔ وہ خود کو اللہ کی رضا میں گم کر دیتا ہے اور نفع و نقصان سے ماورا ہو کر اعلیٰ مقاصد کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے۔

(26) کیا تو عاشق ہے (اگر ایسا ہے تو) اطراف سے بے اطرافی کی طرف جا مراد ہے جہان چار سو کے طلسم کو توڑ کر اس جہان سے رابطہ پیدا کر جہاں اطراف نہیں ہیں۔ وہ جہان کو لامکان و لازمان کہلاتا ہے اس کی طرف جا اور اس طرح مکانی سے لامکانی بن جا + (اور) موت کو خود پر حرام جان لے مراد ہے ایسا شخص جو لامکانی و لازمانی ہو جاتا ہے مر کر بھی نہیں مرتا۔

(27) اے وہ شخص جو قبر کے صندوق میں مردہ کی مانند ہے یعنی جس کی زندگی اس طرح کی ہے جس طرح کی مردے کی قبر میں + (سن رکھ) قبر سے بغیر بانگ صور کے بھی اٹھایا یا اٹھا جا سکتا ہے (جو شخص عاشق نہیں ہے وہ اگرچہ زندہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں اپنے جسم کے اندر اسی طرح ہے جس طرح صندوق میں یا قبر میں مردہ ہوتا ہے۔ اگر تو اپنے اندر عشق پیدا کر لے تو تیرا شمار بھی زندوں میں ہو سکتا ہے ایسے زندوں میں جو ظاہری دروازہ موت سے گزرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اگرچہ ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ ان کو زندہ ہونے کے لئے بانگ صور کی ضرورت نہیں۔

(28) تو اپنے گلے میں عمدہ اور خوب نغمے رکھتا ہے + (لیکن) تو مینڈک کی طرح کب تک مٹی میں چلاتا رہے گا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو خلیفتہ الارض ہونے کی صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں لیکن وہ ہے کہ خود کو حیوانیت کے مقام پر لا کر کھڑا کر رہا ہے۔

(29) (اے انسان) زمان پر اور مکان پر سوار ہو یعنی ان کی تسخیر کر + اس جینو کے بل سے خود کو فارغ کر (جس طرح برہمن اپنے گلے اور کمر کے گرد زنار لپیٹ کر اس میں مقید ہو جاتا ہے اسی طرح جو آدمی اپنی خودی کو نہیں پہچانتا وہ بھی زمان و مکاں کے زنار کو اپنے گلے اور کمر میں لپیٹ کر اسی میں قید ہو جاتا ہے۔ یہ برہمنیت کفر آدمیت ہے اس سے چھٹکارا حاصل کر)۔

(30) (اپنی) ان دو آنکھوں اور ان دو کانوں (کی صلاحیتوں کو) تیز کر + (اور) جو کچھ تو دیکھتا ہے اسے ہوش سے سن یا اس پر ہوش سے غور کر (کائنات اور اس کی اشیا کا ہوش سے مشاہدہ کر ان کی ماہیتوں اور صلاحیتوں سے آگاہ ہو کر ان سے فائدہ اٹھا)۔

(31) جو شخص کہ چیونٹیوں کی آواز سن لیتا ہے + وہ زمانے سے زمانے کے راز (کی باتیں) بھی سن لیتا ہے (علم حاصل کرنے کے دو ذریعے آنکھیں اور کان ہیں۔ قرآن کریم کی ایک آیت (16-78) میں ہے کہ دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر ادا کرو اس آیت میں علم حاصل کرنے کے لئے آنکھوں اور کانوں کے ساتھ دل کا بھی ذکر ہے یہاں دل سے مراد اگر عقل ہے تو اس کا مطلب ہے جو کچھ دیکھتا ہے یا سنتا ہے اس پر غور و فکر کرتا ہے اگر اس سے مراد دل کی آنکھ ہے تو دیکھی اور سنی ہوئی چیزوں کی حقیقت کو معلوم کرتا ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت (17-44) کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے ایسی

نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ بیان کرتی ہو۔ صوفیا نے اس سے یہ مطلب لیا ہے کہ ہر شے اپنے متعلق کچھ نہ کچھ بات کر رہی ہے آدمی کا فرض ہے کہ جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے اس کی بات بھی سنے اور یہ بات صرف دل کے کان سے سنی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کان سے چیونٹی کی آواز کو بھی سن سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے چیونٹیوں کی آواز سننے کا ذکر ہے۔ جو شخص چیونٹی کی بات سن سکتا ہے اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ کائنات کی بات بھی کائنات کی زبان سے سن سکتا ہے۔ عقل کو اس پر حیرت ہو سکتی ہے عشق کو نہیں۔ حکیم حیران ہو سکتا ہے صوفی نہیں۔

(32) وہ پردوں کو جلا دینے والی نگاہ مجھ سے لے + (یہ وہ نگاہ ہے) جو آنکھ کے اندر مقید نہیں رہتی (بلکہ ہر شے کے پس پردہ جو حقیقت ہے اس کو دیکھنے کے لئے سرگرم مشاہدہ رہتی ہے۔ یہاں مجھ کا اشارہ مولانا روم سے ہے کیونکہ شعر 30 تا آخر مولانا روم کی مثنوی سے لئے گئے ہیں)۔

(33) آدمی دید (دیکھنے کی قوت یا نگاہ) ہے باقی جو کچھ ہے وہ اس کا چھلکا ہے + (اور) دید وہ ہوتی ہے جو دوست کی دید ہو (زندگی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی میں ایسی نگاہ پیدا ہو جائے جس سے وہ اپنا یا اپنے خدا کا دیدار کر سکے۔ مولانا رومی اور اقبال دونوں کے نزدیک آدمی کو چاہئے کہ خود کو اور خدا کو فاش دیکھنے کے لئے اپنے اندر طاقت دیدار پیدا کر لے۔ یہی اس کی زندگی کا کمال ہے۔ دید دوست سے مراد دوست کا دیکھنا یا نظارہ کرنا بھی ہے اور دوست کی طرح کی طاقت دید یا صلاحیت نگاہ پیدا کرنا بھی ہے یعنی جس طرح خدا ہر شے کی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے آدمی بھی مرتبہ نائب خدا پر فائز ہو کر ہر شے کی حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو سکتا ہے)۔

(34) اپنے سارے بدن کو آنکھ میں یا نگاہ میں پگھلا دو یعنی پورے جسم کو آنکھ بنا دو سارے قوائے جسمانی کو بصر میں تبدیل کر دو + نظر پیدا کر، نظر پیدا کر، نظر پیدا کر (کیونکہ آدمی فقط بصر یا نظر ہی کا دوسرا نام ہے باقی جو کچھ ہے وہ اس کی کھال ہے جو کسی کام نہیں آتی)۔

(35) کیا تو ان نو آسمانوں سے ڈرتا ہے۔ نہ ڈر + کیا تو جہان کی وسعت سے ڈرتا ہے۔ نہ ڈر (نو آسمان اس لئے کہ سات آسمانوں میں عرش و کرسی کا اضافہ کر لیا جاتا ہے)۔

(36) زمان اور مکان پر نگاہ ڈال + یہ جان کے احوال میں سے ایک حال ہے (جان سے یہاں مراد آدمی کی روح ہے۔ اس روح کے بہت سے مقامات و احوال ہیں۔ زمان و مکان بھی ان احوال میں سے ہیں۔ یہ حیات مطلق کی شانوں میں سے دو شانیں ہیں ہم حقیقت حال سے ناواقف ہونے کی بنا پر ان کو حیات مطلق کی شانیں سمجھنے کی بجائے حقیقی سمجھنے لگتے ہیں جس کی بنا پر ہم ان میں گرفتار ہو جاتے ہیں جب عقل کے اس جادو کو عشق توڑ دیتا ہے تو آدمی ان دو احوال سے نکل کر آزاد ہو جاتا ہے بلکہ ان پر قابو پا کر ان کو اپنی مرضی کے مطابق کر لیتا ہے)۔

(37) چونکہ نگاہ یعنی عام آدمی کی نگاہ جلوے کے سامنے عاجز ہے یعنی اس کی تاب نہیں لا سکتی + (اس لئے) اس نے گزری ہوئی کل اور آنے والی کل کا اختلاف پیدا کر رکھا ہے (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ)۔

(38) دانہ مٹی کے ظلمت خانہ یعنی زمین کے اندر اس کی تاریکی میں + آسمان کی فضا سے بیگانہ (ہوتا ہے) یعنی اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ زمین سے باہر کیا ہے۔

(39) کیا وہ (مٹی کی تاریکی میں پڑا ہوا) کچھ جانتا ہے کہ (مٹی سے باہر) فراخ جگہ پر + خود کو (دانے سے) شاخ در شاخ (درخت کی شکل میں) نمودار کر سکتا ہے۔

(40) اس کا جوہر کیا ہے ایک ذوقِ نمو ہے + یہی جوہر اس کا مقام ہے اور یہی وہ خود ہے (جس طرح دانہ صرف ذوقِ نمو کا نام ہے۔ جس طرح دانے کے اندر خواہش ہے کہ وہ مٹی کی تاریکی سے نکل کر باہر کی کھلی فضا میں شاخ در شاخ ہو جائے اسی طرح آدمی کے اندر بھی ایسا جوہر موجود ہے جو شخص اس ذوقِ نمو کو عملاً شکل دیتا ہے وہ انسان کامل بن جاتا ہے۔ زمان و مکان پر سوار ہو جاتا ہے ابدی زندگی حاصل کر لیتا ہے جس نے اس جوہر سے کام نہ لیا وہ ناسوت کے مقام پر حیوانوں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح کی زندگی گزار کر فنا ہو جاتا ہے)۔

پانچواں بند

اے کہ گوئی محملِ جان است تن | سِرِّ جاں را در نگر بر تن متن
محملے نے، حالے از احوالِ اوست | محملش خواندن فریبِ گفتگوست!
چیست جاں؟ جذب و سرور و سوز و درد | ذوقِ تسخیرِ سپہرِ گرد گرد!
چیست تن؟ با رنگ و بو خو کردن است | با مقامِ چار سو خو کردن است
از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دور | چیست معراج؟ انقلابِ اندر شعور
انقلابِ اندر شعور از جذب و شوق | وارہاند جذب و شوق از تحت و فوق
ایں بدن با جانِ ما انباز نیست | مشتِ خاکے مانعِ پرواز نیست"

*

① اے کہ تو کہتا ہے کہ تن جان کا محمل ہے + جان کے بھید کو دیکھ تن پر غرور نہ کر (محمل اس کجاوے کو یا ڈولی کو کہتے ہیں جو اونٹ پر پردہ نشینوں کے بیٹھنے کے لئے ہوتی ہے)۔

② یہ اس کا محمل نہیں بلکہ اس کے احوال یا شئیون میں سے ایک حال یا شان ہے + اس کو محمل کہنا گفتگو کا فریب ہے مراد یہ ہے کہ اہل عقل جان یا روح کو تن یا جسم سے مشروط کرتے ہیں یہ بات غلط ہے۔ روح کسی طرح بھی تن کی محتاج نہیں۔ تن روح کے لئے بمنزلہ محمل نہیں بلکہ اس کی شانوں میں سے ایک شان ہے اسے محمل کہنا ہماری گفتگو کا فریب ہے۔

③ جان (روح) کیا ہے۔ جذب، سرور، سوز اور درد (کا نام ہے) + (روح) گردش کرنے والے آسمان یعنی کائنات کی طاقتوں کو تسخیر کرنے کے ذوق (کا نام ہے)۔

④ تن کیا ہے۔ تن، رنگ و بو (کے جہان) سے ہنا کر رکھنے یعنی مانوست کا نام ہے + تن چاروں اطراف والے جہان سے راضی ہو جانے (کا نام ہے) مراد ہے تن خود مادہ ہے اور مادہ میں گرفتار رہتا ہے

⑤ یہ جس کو تو نزدیک یا دور کہتا ہے اس کا تعلق شعور سے ہے + معراج کیا ہے اس شعور کے اندر انقلاب برپا ہونے (کا نام ہے) مراد ہے نزدیکی اور دوری جسم کے لئے ہے روح کے لئے نہیں ہے۔ شعور یا عقل اس نزدیکی اور دوری کے چکر میں گرفتار ہے اگر شعور میں عشق کی بدولت انقلاب...

تو یہ نزدیکی اور دوری کا تصور ختم ہو جائے گا معراج شعور میں اسی انقلاب کا نام ہے اسی سے ایک رسول بشر زمین سے آنسوئے افلاک عالم لاہوت میں پہنچ کر وہاں کی سیر کر کے اور دیدار ذات کر کے لمحہ بھر میں زمین پر واپس بھی آگیا۔

⑥ شعور میں انقلاب (علم و عقل سے نہیں) جذب و شوق سے پیدا ہوتا ہے + اور جذب و شوق آدمی کو پستی و بلندی سے آزاد کر دیتا ہے۔ (جذب و شوق یا عشق سے آدمی میں ایسی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ زمان و مکان کی وسعتیں اس کے لئے سمٹ جاتی ہیں)۔

⑦ یہ بدن ہماری روح کے ساتھ شریک نہیں ہے + مٹی کی مٹھی یعنی بدن (روح کی) پرواز میں مانع یعنی رکاوٹ نہیں ہے۔

زروان کہ روح زمان و مکان است
مسافر را بسیاحت عالم علوی می برد

ترجمہ: (زروان جو زمان و مکان کی روح ہے مسافر کو عالم علوی کی سیاحت کے لئے لے جاتا ہے)۔

تعارف: زروان قدیم فارسی زبان میں زمانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ مراد ہے کہ زمانے کی روح آشکارا ہوتی ہے اور مسافر کو یعنی اقبال کو زمین سے آسمانوں کی طرف لے جاتی ہے)۔

پہلا بند

از کلامش جانِ من بیتاب شد — در تنم ہر ذرہ چوں سیماب شد
ناگہاں دیدم میانِ غرب و شرق — آسماں در یک سحابِ نور غرق
زاں سحاب افرشتہ آمد فرود — با دو طلعت، ایں چو آتش، آں چو دود!
آں چو شب تاریک و ایں روشن شہاب — ایں بیدار و چشم آں بخواب
بالِ او را رنگہائے سرخ و زرد — سبز و سیمین و کبود و لاجورد
چوں خیال اندر مزاجِ او رمے — از زمین تا کہکشاں او را دمے
ہر زماں او را ہوائے دیگرے — پر کشاید در فضائے دیگرے
گفت "زروانم جہاں را قاہرم — ہم نہانم از نگہ ہم ظاہرم
بستہ ہر تدبیر با تقدیرِ من — ناطق و صامت ہمہ نخجیرِ من
غنچہ اندر شاخ می بالد ز من — مرغک اندر آشیاں نالد ز من
دانہ از پروازِ من گردد نہال — ہر فراق از فیضِ من گردد وصال
ہم عتابے ہم خطابے آورم — تشنہ سازم تا شرابے آورم
من حیاتم، من مماتم، من نشور — من حساب و دوزخ و فردوس و حور!

آدم و افرشتہ در بند من است!   عالم شش روزہ فرزند من است!
ہر گلے کز شاخ می چینی منم   ام ہمہ چیزے کہ می بینی منم!
در طلسم من اسیر است ایں جہاں   از دم ہر لحظہ پیر است ایں جہاں
لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست   آں جوانمردے طلسم من شکست
گر تو خواہی من نباشم درمیاں   لی مع اللہ باز خواں از عین جاں"

*

① اس کے کلام سے میری روح بے قرار ہو گئی + میرے جسم میں ہر ذرہ پارے کی طرح یعنی بے چین ہو گیا (یہاں اشارہ مولانا رومی کے کلام کی طرف ہے)۔

② اچانک میں نے مغرب اور مشرق کے درمیان دیکھا + آسمان کو ایک نور کے بادل میں غرق۔

③ اس بادل سے ایک فرشتہ نیچے اترا + اس کے دو چہرے تھے ایک آگ کی مانند اور دوسرا دھوئیں کی مانند۔

④ وہ یعنی ایک چہرہ رات کی طرح تاریک اور یہ یعنی دوسرا چہرہ شہاب ستارے کی طرح روشن + اس کی ایک آنکھ بیدار تھی اور دوسری سوئی ہوئی تھی۔

⑤ اس کے بالوں کے رنگ سرخ زرد + سبز' سفید' نیلے اور لاجوردی تھے۔

⑥ اس کے مزاج میں خیال کی رفتار یعنی تیز روی تھی + زمین سے لے کر کہکشاں تک (کا سفر اس کے لئے) ایک لمحہ (کا سفر تھا)۔

⑦ ہر لمحہ اس کے اندر ایک نئی خواہش ابھرتی تھی + (ہر زماں) وہ ایک نئی فضا میں اڑ رہا تھا۔

⑧ وہ کہنے لگا' میں زروان ہوں اور اس جہان پر میں قاہر یعنی مسلط ہوں۔

⑨ ہر تدبیر میری تقدیر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے + جو بولتے ہیں یا جو نہیں بولتے سب میرے شکار ہیں۔ یعنی جہان کی کوئی شے یا کوئی مخلوق میرے تسلط سے باہر نہیں ہے۔

⑩ شاخ کے اندر سے غنچہ میری وجہ سے پھوٹتا ہے + چھوٹا پرندہ میری وجہ سے گھونسلے میں محو فریاد ہے۔

(11) دانہ میری پرورش کی وجہ سے پودا بنتا ہے + ہر فراق میرے فیض سے وصال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(12) میں عتاب بھی لاتا ہوں اور خطاب بھی + میں ہی کسی کو پیاسا بناتا ہوں تاکہ اس کیلئے مشروب لاؤں

(13) میں ہی زندگی ہوں میں ہی موت ہوں میں ہی قیامت ہوں + میں ہی حساب حشر' دوزخ' جنت اور حور ہوں۔

(14) آدمی اور فرشتہ (دونوں) میرے قیدی ہیں + یہ چھ دن کا جہان میرا بیٹا ہے (قرآن کریم کی آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہم نے جہان کو چھ ایام میں پیدا کیا)۔

(15) ہر وہ گل جو تو شاخ سے چنتا ہے وہ میں ہوں + ہر وہ چیز جو تو دیکھتا ہے اس کی جڑ یا ماں میں ہوں۔

(16) یہ جہان میرے جادو میں اسیر ہے + میرے دم سے یہ جہان ہر لحظہ بوڑھا ہو رہا ہے یعنی گزر کر عمر

رسیدہ ہو رہا ہے۔

(17) ہر وہ شخص جس کے دل میں "لی مع اللہ" بیٹھ گیا + اس جواں مرد نے زمانہ کا طلسم توڑ دیا۔ "لی مع اللہ" میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ میرے اور اللہ تعالٰی کے درمیان ایک ایسا قرب ہوتا ہے کہ اس قرب کے وقت میں نہ کوئی رسول اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بار پا سکتا ہے مراد ہے یہاں وقت اس کی غلامی میں آجاتا ہے جس نے بھی اپنے دل کو "لی مع اللہ" کی اس رمز سے آشنا کر لیا وہ صاحب وقت یا ابوالوقت ہو گیا۔ زمانہ اس کا غلام ہو گیا۔

(18) اگر تو چاہتا ہے کہ میں درمیان میں نہ رہوں + تو عین جان سے "لی مع اللہ" دوبارہ پڑھ۔ یعنی اگر تجھے اس مقام بلند کی آرزو ہے جہاں پر تو صاحب وقت ہو جائے تو حدیث "لی مع اللہ وقت" ...... الخ دوبارہ پڑھ اور اس کو خود پر نافذ کر لے۔

دوسرا بند

در نگاہِ او ندانم چہ بود ‏ ‏ ‏ ‏ از نگاہم ایں کہن عالم ربود
یا نگاہم بر دگر عالم کشود ‏ ‏ ‏ ‏ یا دگرگوں شد ہماں عالم کہ بود
مردم اندر کائناتِ رنگ و بو ‏ ‏ ‏ ‏ زادم اندر عالمِ بے ہاے و ہو
رشتۂ من زاں کہن عالم گسست ‏ ‏ ‏ ‏ یک جہانِ تازہ آمد بدست
از زیانِ عالمے جانم تپید ‏ ‏ ‏ ‏ تا دگر عالم ز خاکم بر دمید
تن سبک تر گشت و جاں سیار تر ‏ ‏ ‏ ‏ چشمِ دل بینندہ و بیدار تر
پردگی ہا بے حجاب آمد پدید ‏ ‏ ‏ ‏ نغمۂ انجم بگوشِ من رسید!

*

① میں نہیں جانتا کہ اس کی نگاہ میں کیا تھا + کہ اس نے میری نگاہ سے یہ پرانا جہان اچک لیا (یعنی اس دنیا کو جو نہ جانے کب سے چلی آرہی ہے بھول گیا)۔

② یا تو میری نگاہ کسی اور جہان پر کھل گئی + یا وہی جہان کہ جو تھا کچھ اور ہو گیا۔

③ میں اس رنگ و بو کے جہان میں مر گیا + (اور) ایک ہائے و ہو کے بغیر جو جہان تھا اس میں پیدا ہو گیا (ہائے و ہو کا جہان وہ جہان جس میں ہنگامے ہوں - مراد ہے یہ دنیا کا جہان)

④ میرا رشتہ اس پرانی دنیا سے ٹوٹ گیا + (اور) ایک نیا جہان میرے ہاتھ آگیا۔

⑤ اس جہان کے نقصان سے یعنی کھو جانے سے میری جان تڑپنے لگی + یہاں تک کہ میری خاک سے ایک نیا جہاں پھوٹا یا پیدا ہوا۔

⑥ میرا جسم پہلے سے ہلکا اور میری جان پہلے سے تیز رفتار ہو گئی + میرے دل کی آنکھ پہلے سے زیادہ بیدار اور پہلے سے زیادہ تیز (نگاہ والی) ہو گئی۔

⑦ چھپی ہوئی چیزیں بے پردہ ہو کر ظاہر ہو گئیں + (اور) میرے کانوں میں ستاروں کا نغمہ پہنچا۔

زمزمہ انجم

ستاروں کا نغمہ

پہلا بند

عقل تو حاصل حیات، عشق تو سرِ کائنات
پیکرِ خاک! خوش بیا ایں سوے عالمِ جہات

زہرہ و ماہ و مشتری از تو رقیبِ یکدگر
از پے یک نگاہ تو کشمکشِ تجلیات

در رہِ دوست جلوہ ہاست تازہ بتازہ نو بنو
صاحبِ شوق و آرزو دل نہ دہد بکلیات

صدق و صفاست زندگی، نشو و نماست زندگی
تا ابد از ازل بتاز ملکِ خداست زندگی

*

① تیری عقل حیات کا حاصل (اور) تیرا عشق کائنات کا بھید ہے + اے مٹی کے پیکر (اے آدم) اطراف والے جہان سے اس طرف بخوشی آ (تیرا جہان چار سو ہے ہماری طرف کی دنیا میں آنا مبارک ہو)۔

② تیری وجہ سے زہرہ، چاند، اور مشتری ایک دوسرے کے رقیب بن گئے ہیں + تیری ایک نگاہ کے لئے تجلیات (کے جہان) میں کشمکش پیدا ہو گئی ہے (تجلیات کے جہان سے مراد خدا کی تجلیات کا جہان ہے جو تجھے منور کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ رقابت اس لئے پیدا ہو گئی ہے کہ ہر کوئی چاہتا ہے تو اسکی طرف آ سکے)

③ دوست کی راہ میں تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو جلوے ہیں + شوق اور آرزو والا شخص کلیات کو دل نہیں دیتا (بلکہ وہ جزئیات کا بھی تماشائی ہوتا ہے اس لئے تو ہر اس جزئی تجلی کا بھی تماشا کر جو کل کا جز ہے)۔

④ زندگی صدق و صفا ہے۔ زندگی نشو و نما ہے + ازل سے ابد تک گھوڑا دوڑا زندگی تیرے خدا کا ملک ہے مراد یہ ہے کہ زندگی میں صدق و صفا پیدا کرنا منشائے زندگی ہے اور اس مقام تک پہنچنے کے لئے مسلسل ترقی کی منازل طے کرتے رہنا لازمی ہے اور جب آدمی اس مقام پر پہنچ جائے گا تو ازل سے ابد تک کا سارا زمانہ اس کے زیر قدم آ جائے گا۔

دوسرا بند

شوق غزلسرائے را رخصتِ ہائے و ہو بدہ
باز بہ رند و محتسب بادہ سبو سبو بدہ

شام و عراق و ہند و پارس خو بہ نبات کردہ اند
خو بہ نبات کردہ را تلخیِ آرزو بدہ

تا بہ یم بلند موج معرکہ ہا بنا کند
لذتِ سیل تند رو با دلِ آبجو بدہ

مردِ فقیر آتش است، میری و قیصری خس است
فال و فرِ ملوک را حرفِ برہنہ بس است

*

① اپنی غزل سرائی کے شوق کو ہائے وہو کی اجازت دے + ایک بار پھر رند اور محتسب کو مٹکے بھر بھر کے شراب دے۔ (ستارے مسافر کو کہہ رہے ہیں کہ غزل گا ایسی غزل جو عشق کا شور و غوغا برپا کر دے۔ اور وہ رند اور محتسب جو عشق کی شراب سے بیگانہ ہو چکے ہیں ان کو اتنی پلا اور ایسی پلا کہ انھیں عشق کی شراب کے سوا کسی اور شراب کی حاجت نہ رہے۔ وہ اسے ہی پیتے رہیں اور ہائے وہو کرتے رہیں)۔

② شام، اور عراق اور ہندوستان اور ایران کے (مسلمان) شیرینی کے عادی ہو چکے ہیں (آرام طلب اور دنیا طلب ہو چکے ہیں) + ان شیرینی کے عادی لوگوں میں آرزو کی تلخی پیدا کر (انھیں محنت و مشقت اور ترقی و ارتقا کی آرزو سے آشنا کر)۔

③ تاکہ وہ بلند موجوں والے سمندر سے معرکہ آرائی کا آغاز کرے + ندی کے دل کو تند و تیز سیلاب کی لذت دے (دنیا کی طاقت ور قوموں سے ٹکر لینے کی ان کمزور قوموں میں آرزو، ہمت اور لذت پیدا کر دے یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی میں جو ندی کی مانند ہے عشق کی لذت اور حوصلہ پیدا کر کے باری تعالیٰ سے جو سمندر کی مانند ہے آشنا ہونے کی آرزو پیدا کر دے)۔

④ مرد فقیر آگ ہے (اور) امیری اور شہنشاہی تنکا ہے + بادشاہوں کی شان و شوکت کو مٹانے کے لئے ایک برہنہ حرف یعنی حقیقت و صداقت پر مبنی ایک صاف اور بے باک بات کافی ہے۔ (جابر سلطان کے آگے کلمہ حق کہنے والے فقیر کے آگے اس کی شاہانہ سطوت نہیں ٹھہر سکتی)۔

تیسرا بند

دبدبہ قلندری، طنطنہ سکندری
آں ہمہ جذبہ کلیم ایں ہمہ سحر سامری
آں بہ نگاہ می کشد ایں بہ سپاہ می کشد
آں ہمہ صلح و آشتی، ایں ہمہ جنگ و داوری
ہر دو جہاں کشاستند، ہر دو دوام خواستند
ایں بہ دلیل قاہری، آں بہ دلیل دلبری
ضرب قلندری بیار، سد سکندری شکن
رسم کلیم تازہ کن، رونق ساحری شکن

*

① قلندری دبدبہ (اور) سکندری شان و شکوہ + وہ یعنی قلندری دبدبہ سلطے کا سارا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا جذبہ ہے (اور) یہ طنطنہ سکندری محض سامری جادوگر کا جادو ہے (جسے حضرت موسیٰ نے توڑ دیا تھا۔ کلیمی کو دوام ہے سامریت کو فنا ہے۔ قلندری اور ملوکیت میں کلیم و سامری کی نسبت ہے۔ قلندری کو دوام اور فتح نصیب ہے اور ملوکیت کو بے ثباتی اور شکست۔)

② وہ یعنی قلندر نگاہ سے مارتا ہے مراد ہے اپنی ایک نگاہ سے بندوں کے دلوں کو قابو میں کر لیتا ہے کشت و خون کئے بغیر اور بندوں کی فطری آزادی سلب کئے بغیر ان کو اپنا مطیع کر لیتا ہے (اور) یہ یعنی بادشاہ سپاہیوں کے ذریعے بندوں کو ہلاک کر کے ان پر حکمرانی کرتا ہے + وہ یعنی قلندر سر تا پا صلح اور امن ہوتا ہے اور یہ یعنی بادشاہ سراسر جنگ اور حکمرانی ہوتا ہے۔

③ یہ ہر دو یعنی قلندر اور بادشاہ جہان گیر ہیں (اور) دونوں دوام چاہتے ہیں (کہ ان کا نام یا حکمرانی ہمیشہ رہے) + یہ یعنی بادشاہ قاہری (ظلم و ستم اور دبدبہ و ہیبت) کی دلیل سے اور وہ یعنی قلندر دلوں

کو قابو میں کرنے کے درپے یہ کام کرتا ہے۔

④ (اپنے اندر) قلندری ضرب پیدا کر (اور ایسا کرکے) سد سکندری توڑ ڈال (سد سکندری ایک دیوار ہے جو سکندر نے وحشیوں کا داخلہ بند کرنے کے لئے تاتار اور چین کے درمیان ترکستان کے علاقہ میں بنائی تھی۔ مراد یہ ہے کہ اے مسافر تو اپنے اندر قلندری شان پیدا کرکے سکندری شوکت کو پاؤں تلے روند ڈال) + حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی رسم تازہ کر (اور) ساحری کی رونق کو ختم کردے مراد یہ ہے کہ سکندری ساحری ہے اسے توڑنا لازمی ہے اور اس کے لئے کلیمی کی ضرورت ہے۔ تیرا فرض یہ بنتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی مانند تو بھی عہد حاضر کے ساحروں اور سامریوں کو تباہ و برباد کرکے اللہ کی اور اللہ کے بندوں کی حکمرانی قائم کرے۔

فلک قمر

تعارف: مسافر جو عالم دنیا سے عالم بالا کی طرف جا رہا ہے اب ستاروں سے گزر کر اور ان کا نغمہ سنتے ہوئے چاند کے آسمان کی طرف جا رہا ہے۔

پہلا بند

ایں زمین و آسمان ملکِ خداست
ایں مہ و پرویں ہمہ میراثِ ماست!
اندریں رہ ہر چہ آید در نظر
با نگاہِ محرمے او را نگر
چوں غریباں در دیارِ خود مرو
اے ز خود گم اندکے بیباک شو!
این و آں محکم ترا بر دل زند
گر تو گوئی ایں مکن آں کن کند
نیست عالم جز بتانِ چشم و گوش
ایکہ ہر فردائے او میرد چو دوش!
در بیابانِ طلب دیوانہ شو!
یعنی ابراہیم ایں بتخانہ شو!
چوں زمین و آسماں را طے کنی
ایں جہان و آں جہاں را طے کنی
از خدا ہفت آسماں دیگر طلب
صد زمان و صد مکاں دیگر طلب
بے خود افتادن لبِ جوئے بہشت
بے نیاز از حرب و ضربِ خوب و زشت
گر نجاتِ ما فراغ از جستجوست
گور خوشتر از بہشتِ رنگ و بوست
اے مسافر جاں بمیرد از مقام
زندہ تر گردد ز پروازِ مدام!

*

① یہ زمین اور آسمان اللہ کی ملکیت ہیں + (اس لئے) یہ چاند یہ پرویں ستارہ سب ہماری میراث ہیں مراد ہے جو شے اللہ کی ملکیت ہے اس پر اللہ کے بندوں کا حق ہے۔ ہر شے کو غور سے دیکھنے اور اس کا مشاہدہ کرکے ان کو قابو میں لانا ہمارا فطری حق ہے۔ ہمیں انہیں اپنے تصرف میں لانے اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی پوری اجازت ہے۔

② (اے مسافر) راستے میں جو کچھ نظر آ رہا ہے + اسے محرمانہ نگاہ سے دیکھ (بے خبری میں یا سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے نہ گزر جا بلکہ ان پر فکر کرتے ہوئے گزر)۔

③ اپنے شہر میں اجنبی کی طرح مت جا + اے خود کو گم کئے ہوئے شخص ذرا بے باک ہو (یہ کائنات اور اس کی ہر شے تیرے لئے پیدا کی گئی ہے تو ہی تو کائنات کے وجود کا سبب ہے۔ یہ جو کچھ راستے میں تجھے نظر آ رہا ہے یہ سب تیری خدمت کے لئے ہے۔ شرط خود کو پانے کی ہے۔ خودی سے آگاہ ہونے کی ہے۔ اس مقام پر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو مخدوم ہے اور ہر شے تیری خادم ہے)۔

④ یہ اور وہ یعنی ساری اشیائے کائنات تیرے حکم کو دل سے مانتی ہیں + اگر تو (کسی شے کو) یہ کہے گا کہ یہ کر اور وہ نہ کر تو وہ ایسا ہی کرے گا۔

⑤ عالم سوائے چشم و گوش کے بتوں کے کچھ بھی نہیں ہے + اس کا ہر آنے والا کل گزرے ہوئے کی طرح مر جاتا ہے مراد یہ ہے کہ یہ عالم ہمارے حواس خمسہ کی وجہ سے قائم ہے ورنہ حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اس کا وجود ہم سے ہے اس لئے اصل ہم ہیں یہ تو بے ثبات ہے لیکن ہم ہیں کہ ہم اپنی اصلیت سے آگاہ نہ ہونے کی بنا پر الٹے اس کے غلام بنے ہوئے ہیں جس گھوڑے پر ہمیں سوار ہونا چاہیے تھا وہ ہم پر سوار ہے۔

⑥ طلب کے بیابان میں دیوانہ ہو جا + یعنی اس بت خانہ کا ابراہیم بن جا (ہم پہلے شعر میں پڑھ چکے ہیں کہ عالم چشم و گوش کا بت خانہ ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں یہاں ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے مقام کو حاصل کر اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر توحید قائم کی تھی تو بھی اس بت خانہ چشم و گوش کو توڑ کر موحد بن جا)۔

⑦ (اے مسافر) جب تو زمین و آسمان کو طے کرلے + اس جہان کو اور اس جہان کو طے کرلے (تو پھر بھی آرام نہ کر بڑھتے چلے جا)۔

⑧ اپنے خدا سے سات آسمان اور طلب کر + سینکڑوں نئے زمان اور مکان طلب کر۔

⑨ بہشت کی نہر کے کنارے بے خود ہو کر پڑے رہنا + نیکی اور بدی کی جنگ اور ضرب سے بے نیاز (ہو کر) مراد ہے صرف جنت کی راحتوں کی لذت میں مدہوش و مست پڑے رہنا کوئی عقل مندی کی بات نہیں۔ تیرا سفر جنت پر ختم نہیں ہوتا ابھی مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں۔ یہ راستے کے سارے کوہ گراں توڑ کر بڑھتا چلے جا تا آنکہ محبوب کی تجلیات سے تیرا صحن زندگی روشن ہو جائے)۔

⑩ اگر نجات کا مطلب جستجو سے فراغ ہے یعنی جنت مل گئی تو نجات حاصل ہو گئی تو یہ مطلب نجات صحیح نہیں ہے + (اگر نجات کا یہی مطلب ہے) تو اس جنت سے جو رنگ و بو کا مقام ہے تیرے لئے تیری قبر بہتر ہے (جنت میں بھی سکون اور بے عملی اور یہاں جہان میں بھی سکون و بے عملی اے آدم وہاں سے سفر کی تکلیف کر کے یہاں دنیا میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ جس کے چہرے کے عکس نے جنت کو جنت بنایا ہے اس کو دیکھا جائے۔ اس کے لئے مزید تگ و دو کی جائے)۔

(11) اے مسافر کسی جگہ قیام کرنے سے جان مر جاتی ہے + یہ ہمیشہ کی اڑان یا مسلسل سفر میں رہنے کی وجہ سے زندہ تر ہو جاتی ہے (سکون زندگی کے لئے موت کا پیغام ہے۔ زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے)۔

دوسرا بند

ہم سفر با اختراں بودن خوش است — در سفر یک دم نیاسودن خوش است
تا شدم اندر فضا ہائے سپہر — آنچہ بالا بود، زیر آمد نظر
تیرہ خاکے برتر از قندیلِ شب! — سایۂ من بر سرِ من اے عجب!
ہر زماں نزدیک تر نزدیک تر — تا نمایاں شد کہستانِ قمر
گفت رومی "از گمانہا پاک شو — خوگرِ رسم و رہِ افلاک شو
ماہ از ما دور و با ما آشناست — ایں نخستیں منزل اندر راہِ ماست
دیر و زودِ روزگارش دیدنی است — غارہائے کوہسارش دیدنی است"

*

① ستاروں کے ساتھ ہم سفر ہونا اچھی بات ہے + سفر میں ایک لمحہ کے لئے آرام نہ کرنا اچھی بات ہے مصروف سفر ہو۔

② جب میں فضاؤں میں مصروف سفر ہوا + جو کچھ (پہلے) اوپر تھا (اب) وہ نیچے نظر آنے لگا۔

③ تاریک مٹی یعنی زمین (اب مجھے) رات کی قندیل سے زیادہ دکھائی دینے لگی + (پہلے زمین پر میرا سایہ میرے قدموں کی طرف تھا اب) عجب بات کہ یہ میرا سایہ میرے سر کی جانب تھا۔

④ ہر گھڑی ہم (چاند سے) نزدیک سے نزدیک تر ہوتے گئے + یہاں تک کہ چاند کا پہاڑ ظاہر ہو گیا۔

⑤ مولانا روم (جو اقبال کے ساتھ اس سفر میں تھے) کہنے لگے (اے اقبال) وہم و گمان سے پاک ہو جا یعنی اسے چھوڑ دے + (اور) خود کو آسمانوں (افلاک) کی رسم و راہ کا عادی بنا لے (یہاں کے قواعد و ضوابط چونکہ زمین سے بالکل مختلف ہیں اور اس بنا پر تیرے اندر کئی قسم کے گمان پیدا ہونے ضروری ہیں تو ان گمانوں کو خود سے دور کر کے نئی دنیا کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں یہاں کی فضا کو دیکھ)۔

⑥ چاند (ہمارے زمین پر رہنے کے اعتبار سے) ہم سے دور مگر ہمارا جانا پہچانا ہے + ہم جس راہ پر چل رہے ہیں (اس پر) یہ چاند ہماری پہلی منزل ہو گا۔

⑦ اس کے زمانے کے دیر و زود دیکھنے کے قابل ہیں یعنی یہاں کے زمان و مکان کی کیفیت دنیا کے زمان و مکاں سے مختلف اور عجیب ہیں + یہاں کے پہاڑوں کے جو غار ہیں وہ بھی دیکھنے کے لائق ہیں (ایسے غار زمین پر نہیں ہیں)۔

تیسرا بند

آں سکوت، آں کوہسارِ ہولناک — اندروں پر سوز و بیروں چاک چاک
صد جبل از غافطین و یلدرم — بر دہانش دود و نار اندر شکم
ز ورُش سبزہ سر بر نزد — طائرے اندر فضائش پر نزد

ابرہا بے نم، ہوا ہا تند و تیز / با زمینِ مردہ اندر ستیز

عالمے فرسودہ بے رنگ و صوت / نے نشانِ زندگی در وے نہ موت!

نے بنافش ریشۂ نخلِ حیات / نے بہ صلبِ روزگارش حادثات!

گرچہ ہست از دودمانِ آفتاب / صبح و شامِ او نزاید انقلاب

گفت رومی "خیز و گامے پیش نہ / دولتِ بیدار را از کف مدہ

باطنش از ظاہرِ او خوشتر است / در فضائے او جہانے دیگر است!

ہر چہ پیش آید ترا اے مرد ہوش / گیر اندر حلقہ ہائے چشم و گوش

چشم اگر بیناست ہر شے دیدنی است / در ترازوے نگہ سنجیدنی است

ہر کجا رومی برد آنجا برو / یک دو دم از غیب او بیگانہ شو"

دستِ من آہستہ سوے خود کشید / تند رفت و بر سرِ غارے رسید

*

① وہ خاموشی اور وہ پہاڑی سلسلہ ہولناک تھا + اس کا (یعنی چاند کا) اندر تو پر سوز تھا اور اس کا ظاہر چاک چاک تھا۔

② وہاں خافظین اور یلدرم (نام) کے سینکڑوں پہاڑ تھے + جن کے دہانوں پر دھواں اور جن کے پیٹ میں آگ تھی۔

③ اس کے اندر سے سبزہ نے سر نہ نکالا تھا یعنی کہیں سبزہ نہ تھا + اس کی فضا میں کوئی پرندہ پر نہیں مار رہا تھا۔

④ اس کے بادل پانی کے بغیر اور اس کی ہوائیں تند و تیز تھیں + (یہ ہوائیں اور یہ بادل) اس کی مردہ زمین کے ساتھ جنگ آزما تھے یعنی وہاں کی زمین جو سبزہ اگانے کے قابل نہیں تھی اس سے اس لئے متصادم تھے کہ وہاں شاید روئیدگی ہو جائے لیکن یہ سب کچھ لاحاصل تھا۔

⑤ وہ ایک گھسا پٹا جہان تھا جہاں نہ رنگ تھا اور نہ آواز تھی یعنی جہاں نہ سبزہ تھا اور نہ کوئی ذی جان تھا + نہ اس میں کوئی زندگی کا نشان تھا اور نہ موت کا۔

⑥ نہ اس کی ناف میں نخلِ حیات کا ریشہ تھا یعنی اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اس میں سے زندگی کا ظہور ہو سکے + (اور) نہ اس کے زمانے کی صلب (پشت) میں حادثات تھے۔ (وہ ایک ویران ' بے سوز ' بے آواز ' بے سبزہ اور بے حیات جہان تھا)۔

⑦ اگرچہ وہ (یعنی چاند) سورج کے خاندان سے ہے یعنی وہ نظامِ شمسی کا ایک جصہ ہے + (لیکن) اس کی صبح و شام انقلاب پیدا نہیں کرتی۔

⑧ مولانا رومؒ (مسافر اقبال سے) کہنے لگے اٹھ قدم آگے رکھ + بیدار نصیب کی دولت کو ہاتھ سے نہ دے۔ (آگے بہت سی مفید چیزیں دیکھنے کی ہیں)۔

⑨ اس کا یعنی چاند کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ اچھا ہے + اس کی غاروں کے اندر ایک اور ہی جہان ہے۔

⑩ اے ہوش مند مرد جو کچھ تجھے پیش آئے + اسے اپنے کان اور آنکھ کے حلقوں میں لے لے مراد

ہے جو کچھ بھی دیکھے یا سنے اس پر غور کرنا۔

(11) آنکھ اگر بینا ہے تو ہر شے قابلِ دید ہے + (ہر شے) نگاہ کے ترازو میں تولنے کے قابل ہے۔

(12) جہاں کہیں تجھے رومی لے جائے وہاں چلا جا + ایک دو لمحہ کے لئے اس کے یعنی رومی کے سوا ہر شے سے بیگانہ ہو جا۔

(13) (یہ کہہ کر رومی نے) میرا ہاتھ آہستہ سے اپنی طرف کھینچا + (پھر) تیزی سے چلا اور ایک غار کے سر تک پہنچ گیا۔

عارفِ ہندی کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ واہلِ ہند او را "جہاں دوست" می گویند

(ایک ہندوستان کا عارف کہ جس نے چاند کی غاروں میں سے ایک غار میں خلوت اختیار کر رکھی تھی اور جسے ہندوستان کے لوگ "جہاں دوست" کہتے ہیں)۔

من چو کوراں دست بر دوشِ رفیق / پا نہادم اندراں غارِ عمیق
ماہ را از ظلمتش دل داغ داغ / اندرو خورشید محتاجِ چراغ!
وہم و شک بر من شبیخوں ریختند / عقل و ہوشم را بدار آویختند
راہ رفتم رہزناں اندر کمین / دل تہی از لذتِ صدق و یقیں!
تا تمنّا را جلوہ! شد بے حجاب / صبح روشن بے طلوعِ آفتاب
وادیِ ہر سنگِ او زنار بند / دیوسار از نخلہائے سربلند
از سرشتِ آب و خاک است ایں مقام / یا خیالم نقش بندد در منام!
در ہوائے او چو مے ذوق و سرور / سایہ از تقبیلِ خاکش عین نور
نے زمینش را سپہر لاجورد / نے کنارش از شفقہا سرخ و زرد
نور در بندِ ظلام آنجا نبود / دود گردِ صبح و شام آنجا نبود
زیرِ نخلے عارفِ ہندی نژاد / دیدہ ہا از سرمہ اش روشن سواد
موئے بر سربستہ و عریاں بدن / گردِ او مارے سفیدے حلقہ زن!
آدمے از آب و گل بالا ترے / عالم از دیرِ خیالش پیکرے!
وقتِ او را گردشِ ایام نے / کارِ او با چرخِ نیلی فام نے
گفت با رومی کہ ہمراہ تو کیست؟ / در نگاہش آرزوئے زندگیست!

*

① میں نے اندھوں کی طرح اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے + اس گہری غار میں قدم رکھا۔

② اس کی تاریکی سے چاند کا دل داغ داغ تھا + (اس میں ایسا اندھیرا تھا کہ) اس کے اندر (دیکھنے کے

لئے) سورج کو بھی چراغ کی ضرورت تھی۔

③ وہم اور شک نے مجھ پر شب خون مارا + میری عقل اور ہوش کو سولی پر لٹکا دیا۔ (عقل و ہوش گم اور وہم اور شک نمودار)۔

④ میں راستہ چلتا گیا لیکن راہزن یعنی وہم اور شک میری گھات میں لگے رہے + میرا دل صدق اور یقین کی لذت سے خالی تھا۔

⑤ یہاں تک کہ میری نگاہ پر جلوے ظاہر ہوئے + (اور وہاں) آفتاب طلوع ہوئے بغیر صبح روشن نمودار ہو گئی۔

⑥ (اس صبح کی روشنی میں میں نے ایک وادی دیکھی) ایک وادی جس کا ہر پتھر زنار بند تھا + سربلند یعنی اونچے درختوں کی وجہ سے (یہ وادی) دیوؤں کی (رہائش گاہ) کی مانند لگتی تھی (جہان دوست جس کو ہندو وشوامتر کہتے ہیں چونکہ ہندوؤں کی طرح زنار اپنی کمر کے گرد باندھتا تھا اس لئے اس وادی کے ہر پتھر نے بھی اس کا رنگ اختیار کیا ہوا تھا بعض پتھر لکیردار ہوتے ہیں جنیو کا اشارہ اس صورت حال سے لیا ہے)۔

⑦ (میں سوچنے لگا کہ) یہ مقام آب و خاک کے جہان کی فطرت رکھنے والا ہے + یا میرا خیال ہی نیند میں یہ نقش پیدا کر رہا ہے۔

⑧ اس کی ہوا میں شراب کا سا ذوق اور سرور تھا + سایہ اس کی خاک پر پڑ کر عین نور بن جاتا تھا۔

⑨ نہ اس کی زمین کے اوپر لاجوردی رنگ کا آسمان تھا + نہ اس کے (افقی) کنارے شفق سے سرخ اور زرد تھے۔

⑩ وہاں نور ظلمت کی قید میں نہ تھا + وہاں کی صبح اور شام کے گرد دھواں نہ تھا یعنی جس طرح اس جہان میں صبح اور شام کے وقت جھٹپٹا سا ہوتا ہے وہ اس مقام پر نہ تھا۔

(11) (اس کے) ایک درخت کے نیچے ایک ہندوستانی نسل کا عارف (رشی) بیٹھا تھا + اس کی آنکھیں اس سرمہ سے جو اس نے لگایا ہوا تھا روشن سوا یعنی بینا تھیں۔

(12) اس نے سر پر بال لپیٹے ہوئے تھے اور وہ ننگے بدن تھا + اس کے گرد ایک سفید سانپ نے حلقہ بنا رکھا تھا۔

(13) وہ ایک ایسا آدمی تھا جو آب و گل سے یعنی عام آدمیوں سے برتر تھا یا الگ تھا + اس کے خیال کے مندر نے جہان کو ایک پیکر کی صورت دے رکھی تھی۔

(14) اس کے وقت میں گردش ایام نہ تھی (کہ کبھی دن ہو رہا ہے اور کبھی رات) + اس کا نیلے رنگ کے آسمان سے کوئی سروکار نہ تھا۔

(15) اس نے یعنی جہان دوست نے رومی سے پوچھا کہ تیرے ہمراہ کون ہے + اس کی نگاہ میں زندگی کی آرزو ہے۔

رومی

تعارف رومی: مولانائے جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین اور صوفی تھے۔ علامہ

اقبال نے ان کو اپنا روحانی مرشد تسلیم کیا ہوا ہے۔ مولانائے روم 604ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے اور 674 میں بمقام قونیہ وفات پائی جہاں ان کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مثنوی مولانا روم جو کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہے ان کی اہم تصنیف ہے جسے اس کے مضامین کے اعتبار سے بعض لوگ زبان فارسی میں قرآن کہتے ہیں۔ علامہ نے جہاں اپنے کلام میں رومی کی مثنوی سے جا بجا استفادہ کیا ہے موجودہ عالم بالا کا سفر بھی رومی ہی کی راہنمائی میں طے کیا ہے۔

مردے اندر جستجو آوارۂ ثابتے با فطرتِ سیارۂ!
پختہ تر کارش ز خامی ہائے او من شہید ناتمامی ہائے او
شیشۂ خود را بگردوں بستہ طاق فکرش از جبریل می خواہد صداق!
چوں عقاب افتد بصید ماہ و مہر گرم رو اندر طواف نہ سپہر
حرف با اھل زمیں رندانہ گفت حور و جنت را بت و بتخانہ گفت!
شعلہ ہا در موج دودش دیدہ ام کبریا اندر سجودش دیدہ ام!
ہر زماں از شوق می نالد چو نال می کشد او را فراق و ہم وصال!
من ندانم چیست در آب و گلش من ندانم از مقام و منزلش!

*

① رومی نے کہا، ایک ایسا مرد ہے جو (ہر وقت) تلاش میں لگا رہتا ہے + وہ اگرچہ ثابت یعنی ستارے کی مانند بے حرکت ہے (لیکن) اس کی فطرت سیارے کی طرح کی ہے یعنی وہ تلاش حق کے لئے ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔

② اس کی خامیوں سے اس کا کام پختہ ہے + میں اس کی ناتمامی پر جان دیتا ہوں (جب آدمی خود کو مکمل سمجھ لے تو اس کا ارتقا رک جاتا ہے اور اس کا علم ناقص رہ جاتا ہے۔ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد بھی یہ سمجھنا کہ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا اور ابھی مجھے اور بہت کچھ حاصل کرنا ہے آدمی کو مزید جستجو پر آمادہ کرتا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے)۔

③ اس نے اپنی صراحی کے لئے آسمان کو طاق بنایا ہے + اس کا فکر مقرب ترین فرشتہ حضرت جبریل سے تصدیق چاہتا ہے۔ مراد ہے اس کی فکر کا تعلق ناسوت سے نہیں لاہوت سے ہے اس کی باتیں آسمانی ہیں۔

④ وہ سورج اور چاند کے شکار پر عقاب کی طرح جھپٹتا ہے + وہ تو آسمانوں کے طواف میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتا ہے۔

⑤ اس نے زمین کے رہنے والوں سے رندانہ انداز میں بات کی ہے + اس نے حور اور جنت کو بت خانہ کہا ہے (کیونکہ یہ خالق جنت کے دیدار کے راستے میں حائل ہے۔ عاشق کا مطمع نظر حور و جنت نہیں محبوب حقیقی ہے)۔

⑥ میں نے اس کے دھوئیں کی موج میں شعلے دیکھے ہیں + میں نے اس کے سجدے کے اندر کبریا (خدا) دیکھا ہے مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ ساجد ہے لیکن اس میں مسجود کا عکس نظر آتا ہے۔ دھوئیں کی موج استعارہ ہے اس کے فکر کی طرف جس میں عشق کے شعلے پوشیدہ ہیں۔

⑦ رومی نے تو یہ کہا کہ وہ ہر وقت شوق کے بجری کی طرح نالے کھینچتا رہتا ہے + اسے نہ فراق راس ہے اور نہ وصال (وہ عاشق صادق کی طرح دونوں حالتوں میں مضطرب رہتا ہے)۔

⑧ میں نہیں سمجھتا کہ اس کے آب و گل یعنی جسم کے اندر کیا ہے + میں اس کے مقام اور منزل کی بابت نہیں جانتا (یہ بہ ظاہر ہر آدمی کی طرح کا آدمی ہے لیکن اس کا باطن اپنی خصوصیات اور صلاحیتوں کے اعتبار سے جس مقام اور منزل پر ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ خدا کا راز ہے جس کے بیان کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں)۔

جہاں دوست

تعارف: علامہ نے جس کو جہاں دوست کہا ہے اس کا اصل نام وشوامتر ہے۔ یہ چند ہزار سال پہلے ہندوستان میں پیدا ہوا اور اپنے وقت کا ایک بہت بڑا عارف (رشی) ہوا ہے یہ ایک ریاست قنوج کا راجہ تھا اور اس کی ذات کشتری تھی جو برہمن کی ذات سے کم تر ہے۔ وشوامتر نے برہمنوں سے ظاہر و باطن کا علم حاصل کیا اور ریاضت و مجاہدہ کر کے اس مقام پر پہنچ گیا کہ برہمن بھی اسے خود سے اعلیٰ و برتر سمجھنے لگے۔ ہندو مذہب کے پیغمبر رام کا وہ اتالیق بن گیا لیکن اس وقت کے ایک اور راجہ اندر کو اس سے حسد پیدا ہو گیا اس نے اس کو ذلیل کرنے کے لئے اپنے اکھاڑے کی دو حسین ترین عورتیں اس کو بہکانے کے لئے بھیجیں جن میں سے ایک عورت جس کا نام منیکا تھا وہ اس رشی کو بہلانے پھسلانے میں کامیاب ہو گئی۔ اور رشی نے اس سے جنسی رابطہ کر لیا جس سے ہندوؤں کی شکنتلا پیدا ہوئی۔ علامہ نے چاند کی غار میں اس رشی کا اس لئے تعارف کرایا ہے کہ یہ باوجود رشی ہونے کے ان رموز و اسرار کو نہیں جانتا جن کو رومی جانتا ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود ہے کہ مسلمان صوفی کی منزل و مقام ہر اعتبار سے غیر مسلم درویشوں سے ارفع و اعلیٰ اور پاکیزہ و منزہ ہوتی ہے)۔

عالم از رنگ است و بے رنگی است حق چیست عالم؟ چیست آدم؟ چیست حق؟

*

① عالم رنگ سے ہے (مادی ہے) حق بے رنگ ہے (اس کی مانند کوئی شے نہیں) + (آخر) عالم کیا ہے؟ آدم کیا ہے؟ حق کیا ہے؟ (یہ سوالات وشوامتر نے رومی سے کئے۔ اس لئے کہ اسے ان کا شعور نہ تھا)۔

رومی

آدمی شمشیر و حق شمشیر زن عالم ایں شمشیر را سنگ فسن!
شرق حق را دید و عالم را ندید غرب در عالم خزید، از حق رمید
چشم بر حق باز کردن بندگی است خویش را بے پردہ دیدن زندگی است
بندہ چوں از زندگی گیرد برات ہم خدا آں بندہ را گوید صلوٰت!

ہر کہ از تقدیرِ خویش آگاہ نیست　　خاکِ او با سوزِ جاں ہمراہ نیست!

*

① (رومی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ) آدمی تلوار ہے اور حق تلوار چلانے والا ہے + عالم اس تلوار کے لئے پتھر کی سان ہے مراد ہے اگر شمشیرزن نہ ہو تو تلوار بے کار ہے اور اگر تلوار نہ ہو تو فسان جس پر تلوار تیز کی جاتی ہے بے کار ہے یہ مثال دے کر رومی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ نہ ہو تو آدم کا وجود بے معنی ہے اور اگر آدم نہ ہو تو عالم کا وجود مہمل ہے اس میں یہ رمز بھی پوشیدہ ہے کہ اصل فاعل تلوار چلانے والا ہے تلوار تو محض ایک آلہ ہے آدم خدا کے ہاتھ میں ایک آلہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے احکامات عالم میں جاری کرتا ہے اور یہ عالم ان کے نفاذ کے راستہ میں جو مشکلات پیدا کرتا ہے اس سے آدم کی صلاحیتیں اسی طرح تیز ہوتی ہیں جس طرح فسان پر تلوار تیز ہوتی ہے۔

② (حق' آدم اور عالم ایک تکون ہے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا لیکن ہوا یہ کہ) اہل مشرق نے حق کو دیکھا اور عالم کو نہ دیکھا (یہاں مشرق سے مراد غیر مسلم نظریات والے مشرق سے ہے جس نے دنیا اور دین کو الگ الگ کر کے رہبانیت کو اختیار کیا۔ وشواَمتر ایک راہب ہی تھا جس نے دنیا سے خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا + مغرب عالم میں رینگتا رہا اور حق تعالیٰ سے کٹ گیا یعنی اہل مغرب نے دنیا اختیار کر لی اور دین چھوڑ دیا۔ مادیت میں جذب ہو گئے روحانیت کو بھول گئے۔

③ بندگی حق پر نگاہ کرنا ہے + خود کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے (اصل بات یہ ہے کہ حق کو بھی دیکھو اور خود کو بھی دیکھو۔ بندگی بھی کرو اور زندگی بھی کرو)۔

④ جب بندہ زندگی سے حصہ حاصل کرتا ہے + تو ایسے بندہ پر اللہ تعالیٰ بھی صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے (زندگی سے حصہ حاصل کرنے سے مراد جیسا کہ اس سے پہلے کے شعر میں کہا گیا ہے خود کو پہچان کر اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہونا اور ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقی کرنا ہے۔ دنیا کو چھوڑ کر دین اور دین کو چھوڑ کر دنیا اختیار کر لینا مقصد زندگی کے منافی ہے)۔

⑤ جو شخص اپنی تقدیر سے آگاہ نہیں ہے یعنی اپنے مقصد تخلیق سے ناواقف ہے + اس کی مٹی اس کی جان کے سوز کا ساتھ نہیں دے رہی۔ مراد ہے ایسا شخص جسم و جان یا بدن و روح کے تعلق سے ناواقف ہے۔ آدمی پر بدن اور روح دونوں کا حق ہے یہ نہیں کہ وشواَمتر کی طرح دنیا کو چھوڑ کر چاند کی غار میں بیٹھ رہے۔

جہاں دوست

پہلا بند

بہ وجود و بہ عدم پیچیدہ است　　مشرق ایں اسرار را کم دیدہ است
کارِ ما افلاکیاں جز دید نیست　　جانم از فردائے او نومید نیست!
دوش دیدم۔۔ بہ فرازِ الشنرود۔۔ ذ　　آسماں افرشتہ ای آمد رفرود

از نگاہش ذوقِ دیدارے چکید　　جز بسوئے خاکدانِ ما ندید
گفتمش از محرماں رازے مپوش　　تو چہ بینی اندر آں خاکِ خموش؟
از جمالِ زہرۂ بگداختی؟　　دل بہ چاہِ بابلے انداختی؟
گفت "ہنگامِ طلوعِ خاور است　　آفتابِ تازہ او را در بر است
لعلہا از سنگِ رہ آید بروں　　یوسفانِ او ز چہ آید بروں!
رستخیزے در کنارش دیدہ ام　　لرزہ اندر کوہسارش دیدہ ام
رخت بندد از مقامِ آزری　　تا شود خوگر ز ترکِ بت گری
اے خوش آں قومے کہ جان تپید　　از گل خویش را باز آفرید!
عرشیاں را صبحِ عیدِ آں ساعتے　　چوں شود بیدار چشمِ ملتے"

*

① (جہان دوست رومی سے مزید کہتا ہے) وہ تو وجود و عدم کی (بحثوں یا نظریات) میں الجھا رہا ہے + مشرق نے ان بھیدوں کو نہیں دیکھا ہے مراد ہے کہ اہل مشرق نے وجود و عدم کی باتیں تو ضرور کی ہیں مگر ان کے معارف و حقائق کی طرف توجہ نہیں کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مشرق نے جن سے یہاں مراد مشرق کے مخالف اسلام مذہب والے ہیں وجود کی نفی کر دی۔ وشواتر رومی سے یہ مومنانہ معارف حاصل کرنے کے بعد کہ 'خدا' کائنات اور انسان باہم مربوط ہیں رومی کا معتقد ہو گیا اور اسے یقین حاصل ہو گیا کہ جن معارف کی مجھے خبر نہیں ان کی رومی کو خبر ہے وہ جرأت کرتا ہے اور وجود و عدم کے اسرار و رموز سمجھنے کے لئے رومی سے کہتا ہے کہ ہم مشرق میں ہندو 'بدھ' زرتشتی اور دوسرے مذاہب والے وجود و عدم کے رازوں سے واقف نہیں ہیں ان سے ہمیں آگاہ کر۔

② ہم آسمان پر رہنے والوں کا کام دیکھنے کے سوا کچھ نہیں + (میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں) اس کے ہوتے ہوئے میری جان اس کے یعنی مشرق کے مستقبل سے ناامید نہیں ہے۔

③ میں نے کل (چاند کے پہاڑ) قشمرود پر دیکھا + کہ ایک فرشتہ آسمان سے نیچے اترا۔

④ اس کی نگاہ سے دیدار کا ذوق ٹپکتا تھا + وہ ہمارے خاکدان (مٹی کے جہان) کے سوا کسی طرف دیکھتا ہی نہ تھا۔

⑤ میں نے اس سے کہا کہ اپنے رازداروں سے راز نہ چھپا + (ہمیں بتا کہ) تو اس خاموش خاک میں کیا دیکھ رہا ہے۔

⑥ کیا تو زہرہ (ستارہ) کی خوبصورتی سے پگھل رہا ہے + کیا تو نے بابل کے کنوئیں میں اپنا دل ڈال دیا ہے (کہتے ہیں کہ دو فرشتے زمین پر آئے تھے اور وہ یہاں آ کر ایک حسین عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں وہ حسین عورت ستارہ بن کر زہرہ کے نام سے آسمان پر پہنچ گئی اور فرشتوں کو ملک بابل کے ایک کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا گیا)۔

⑦ اس نے یعنی فرشتہ نے کہا (کہ یہ بات نہیں جو تو سوچ رہا ہے میں تو تیرے خاکدان پر اس لئے غور سے دیکھ رہا ہوں کہ اس میں انقلاب آنے والا ہے) مشرق میں سورج کے نکلنے کا وقت آ گیا ہے یعنی مشرق کی غلامی اور زوال کی تاریک رات میں آزادی اور ترقی کا سورج طلوع ہونے والا ہے + ایک نیا آفتاب

اس کے پہلو میں سے ابھر رہا ہے۔

⑧ اس کے راستے کے پتھروں سے لعل نکلیں گے + اس کے یوسف کنویں سے باہر آئیں گے (جس طرح حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا اور وہ قافلہ والوں کی مدد سے باہر آ گئے تھے اسی طرح مشرق کا یوسف بھی اپنے زوال کے کنویں سے نکل کر ترقی کا حسن پھیلانے والا ہے)۔

⑨ میں نے اس کے یعنی مشرق کے پہلو میں ایک ہنگامہ دیکھا ہے + میں نے اس کے پہاڑی سلسلے پر لرزہ طاری ہوا دیکھا ہے۔

⑩ وہ آزری کے مقام سے اپنا سامان سفر باندھ رہا ہے + تاکہ وہ بت گری کے فن کو ترک کرنے کا عادی بن جائے (حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں آزر بت تراش کر بیچا کرتا تھا اور بت گری کی تعلیم بھی دیتا تھا حضرت ابراہیمؑ نے اس کے طلسم کو توڑ کر اپنی قوم کو توحید آشنا کیا تھا مراد ہے کہ مشرق والے اپنے آقاؤں کی آزری سے بغاوت کرنے والے ہیں)۔

(11) مبارک ہے وہ قوم کہ جس کی جان تڑپی + (اور) اس نے اپنی مٹی سے خود کو نئے سرے سے پیدا کر لیا۔ (تنزل کے جہنم سے ترقی کے جنم میں آ گئی)۔

(12) آسمان والوں کے لئے وہ گھڑی عید کی صبح ہوتی ہے + جب کسی قوم کی آنکھ بیدار ہوتی ہے (اور وہ اپنے اچھے اور برے کو دیکھ لیتی ہے)۔

دوسرا بند

پیرِ ہندی اندکے دم در کشید ‌ ‌ ‌ باز در من دید و بے تابانہ دید
گفت مرگِ عقل؟ گفتم ترکِ فکر ‌ ‌ ‌ گفت مرگِ قلب؟ گفتم ترکِ ذکر
گفت تن؟ گفتم کہ زاد از گردِ رہ ‌ ‌ ‌ گفت جاں؟ گفتم کہ رمزِ لا الٰہ
گفت آدم؟ گفتم از اسرارِ اوست ‌ ‌ ‌ گفت عالم؟ گفتم او خود روبروست
گفت ایں علم و ہنر؟ گفتم کہ پوست ‌ ‌ ‌ گفت حجت چیست؟ گفتم روے دوست
گفت دینِ عامیاں؟ گفتم شنید ‌ ‌ ‌ گفت دینِ عارفاں؟ گفتم کہ دید
از کلامم لذتِ جانش فزود ‌ ‌ ‌ نکتہ ہاے دلنشیں بر من کشود

٭

① ہندی بزرگ یعنی وشوامتر کچھ دیر تو خاموش رہا + پھر اس نے میری طرف دیکھا اور بے قراری سے دیکھا (اس نے مجھ سے مزید سوالات شروع کر دیے)۔

② اس نے پوچھا عقل کی موت (کیا ہے) میں نے کہا فکر کو ترک کر دینا + اس نے پوچھا دل کی موت (کیا ہے) + میں نے جواب دیا ذکر کو ترک کر دینا۔

③ اس نے کہا تن (کیا ہے) + میں نے کہا کہ وہ راہ کی گرد سے پیدا ہوا ہے یعنی مٹی کا بنا ہوا ہے + اس نے کہا جان کیا ہے میں نے کہا کہ جان لا الٰہ کی رمز ہے (تن اور جان یا تن اور من کلام اقبال کے بنیادی فلسفوں میں سے ایک اہم فلسفہ ہے۔ جان (روح) یا جسم کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے

کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت کو سمجھا جائے اس سے یہ رمز ہاتھ آئے گی کہ مادہ مستقل بالذات نہیں ہے۔ مراد ہے کہ اللہ مستقل بالذات ہے باقی جو کچھ ہے اس کی وجہ سے موجود ہے کائنات کی ساری اشیا کی طرح تن اور جان بھی ایک ہی جوہر کی دو شاخیں ہیں۔ لا الٰہ میں یہی رمز پوشیدہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے پرتو سے قائم ہے۔ بخود قائم نہیں اس لئے اصل مرکز توجہ اللہ ہے جس کے اسماء و صفات کے ظہور سے کل کائنات اور اس کی ہر شے وجود میں آئی ہے)۔

④ اس نے کہا آدم (کیا ہے) میں نے کہا کہ وہ اس کے یعنی اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے + اس نے پوچھا عالم کیا ہے میں نے کہا کہ وہ خود سامنے ہے (جس طرح روح لا الٰہ کی رمز ہے اسی طرح آدم بھی جو صاحب روح ہے لا الٰہ کی رمز ہے۔ اس کا وجود نہ روح ہے اور نہ بدن ہے بلکہ اللہ کا ایک راز ہے۔ اس کو علم کی زبان نہیں سمجھا سکتی اس کو تو فقط آدم کے مقام پر فائز ہو کر سمجھا جا سکتا ہے۔ مقام خلیفۃ الارض پر اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ کسی نبی اور ولی میں اس کا نظارہ کیا جا سکتا ہے ذات باری کا یہ پرتو خصوصی ہے جس کے ظہور سے آدمؑ آدم بنتا ہے رہی بات عالم کی جسے رومی نے کہا ہے کہ وہ خود ہی روبرو ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آدم سّرِ عشق یا سرالٰہ ہے اس طرح عالم سِرّ (بھید) نہیں بلکہ یہ وہی ہے جو کچھ سامنے ہے دیکھو تو ہے حقیقت میں کچھ نہیں۔ یہ ہمارے حواس خمسہ کا مرہون منت ہے۔ ہم ہیں تو یہ بھی ہے۔

⑤ اس نے کہا کہ یہ علم و ہنر (کیا چیز ہے) میں نے کہا محض چھلکا ہے (اس میں مغز نہیں ہے یہ آدمی کو حقیقت تک نہیں پہنچاتا) + اس نے پوچھا حجت (دلیل) کیا ہے میں نے کہا دوست کا چہرہ (ہے) یہاں حجت سے مراد یقین کے حصول کا ذریعہ یا حق تعالیٰ کے وجود کے اثبات کی دلیل ہے یقین کے لئے مشاہدہ شرط ہے۔ چہرہ یار کا مشاہدہ ہو جائے تو یار کے اثبات کا یقین ہو جاتا ہے جن لوگوں نے باطنی آنکھوں سے وجہ اللہ کو دیکھا ہے ان کو اثبات باری تعالیٰ پر عقلی دلیلوں کی ضرورت نہیں ہے۔

⑥ اس نے کہا عام لوگوں کا دین (کیا ہے) میں نے کہا سنی سنائی باتوں (پر اعتماد ہے) یعنی ان کا اپنا کسی بات کا بھی مشاہدہ نہیں ہے صرف مشاہدہ کرنے والے لوگوں کی باتیں سن کر ان پر یقین کر رکھا ہے + اس نے کہا عارفوں کا دین کیا ہے میں نے کہا کہ دیدار (ہے) یعنی عارف لوگ مشاہدہ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کی طرح تقلید کے قائل نہیں بلکہ وہ خود تحقیق کرتے ہیں اور حقیقت کے چہرے کا جلوہ کر کے اسی پر یقین کرتے ہیں۔

⑦ میرے کلام سے اس کی جان کی لذت میں اضافہ ہوا (اور اس نے اس چاشنی کے ذائقہ سے لطف اندوز ہو کر) مجھ پر کچھ دل نشین نکتے کھولے۔

نہ تاسخن از عارف ہندی

عارف ہندی کی نو باتیں

①

ذاتِ حق را نیست ایں عالم حجاب　　غوطہ را حائل نگردد نقشِ آب

٭

① یہ عالم ذات حق کے لئے حجاب نہیں ہے + سطح آب کے نقوش غوطہ لگانے میں حائل نہیں ہوتے (وحدالوجودی صوفیا کے نزدیک عالم اللہ تعالیٰ کے اسما اور صفات کا ظہور ہے۔ آج کے سائنس دان اب جو تجربات کے بعد یہ بات کہہ رہے ہیں کہ عالم کی اصل توانائی ہے اور غیر مادی ہے وہ کہتے ہیں کہ کائنات کی اصل کو مادہ کہنے والے لوگ غلط فہمی کا شکار تھے صوفیا نے تو یہ بات سینکڑوں برس پہلے کہہ رکھی ہے۔ کائنات اور اس کی جملہ اشیا میں صفات ذات جلوہ گر ہیں۔ کائنات کے مظاہر اپنے ظاہر میں مادہ ہیں لیکن حقیقت میں نور کے حامل ہیں۔ سارا عالم ذات حق کی جلوہ گاہ ہے نقش آب خود آب ہی کی ایک شان ہے۔ غوطہ خور اور پانی کے درمیان یہ نقوش حائل نہیں ہیں۔ اسی طرح عالم خود حق تعالیٰ کی جلوہ گری ہی کی ایک شان ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے راستے میں حائل نہیں ہے۔

②

زادن اندر عالمے دیگر خوش است　　تا شبابِ دیگرے آید بدست!

٭

② (اس جہان میں پیدا ہونے کے بعد) کسی اور جہان میں پیدا ہونا اچھا ہے یا مبارک ہے + تاکہ ایک اور یعنی دوبارہ جوانی ہاتھ آجائے۔ (اس دنیا میں پیدا ہونے کے بعد دوبارہ کسی جہان میں پیدا ہونے کی بات علامہ نے اپنے کلام میں کئی جگہ کی ہے۔ پہلی پیدائش مجبوری کی اور دوسری اختیاری ہے ظاہر ہے جب آدمی عمر رسیدہ ہو کر پھر پیدا ہو گا تو پھر جوانی کا مزہ لے گا۔ یہ جہان جس میں آدمی اپنی مرضی اور اختیار سے خود کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے وہ جہان ہے جو زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس جہان کے زمان و مکاں کے طلسم کو توڑ کر اس جہان میں پہنچا جائے جو زمان و مکاں سے آزاد ہے۔ جہاں پیدا ہونے کے بعد نہ آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ اس دوبارہ پیدائش کے طریقے کا علم صرف اہل فقر رکھتے ہیں۔ آرزو ہو تو ان سے رجوع کریں۔ خود باری تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

③

حق ورائے مرگ و عین زندگی است   بندہ چوں میرد نمی داند کہ چیست!
گرچہ ما مرغان بے بال و پریم   از خدا در علم مرگ افزوں تریم!

*

③ حق موت سے ماورا اور زندگی کی عین ہے + بندہ کیوں مرجاتا ہے (کیونکہ) وہ نہیں جانتا کہ یہ یعنی حق کیا ہے ---- اگرچہ ہم بے بال و پر پرندوں کی مانند ہیں + لیکن موت کے علم میں خدا تعالیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ان دو شعروں میں بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حیؔ (ہمیشہ زندہ رہنے والا) ہے اور سراسر حیات ہے بندہ اس لئے مرجاتا ہے کہ اسے اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ حق تو عین حیات ہے اور جو شخص اپنے اندر حق کی صفات پیدا کرلے گا اس کو موت نہیں یہ نہیں کہ اس پر ظاہری موت نہیں آئے گی وہ تو ضرور آئے گی لیکن اس موت ظاہری کا ذائقہ چکھنے کے باوجود وہ زندہ رہے گا لیکن اس زندگی کا عام آدمی کو شعور نہیں ہوتا ایسا شخص خود فانی اور حق باقی ہو جاتا ہے موت کے اعتبار سے انسان کے علم کے خدا سے بڑھے ہوئے ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کا مزہ صرف انسان کو چکھنا ہے خدا کو نہیں۔ ہر شے کو فنا ہے سوائے باری تعالیٰ کے۔

④

وقت؟ شیرینی بزہر آمیختہ   رحمت عام و قہر آمیختہ
خالی از قہرش بہ بینی شہر و دشت   رحمت او ایں کہ گوئی در گذشت!

*

④ وقت (کیا ہے) یہ ایک زہر ملی ہوئی شیرینی ہے + یہ عام رحمت ہے مگر قہر میں ملی ہوئی ہے ------ تو آبادی اور ویرانے کو اس کے قہر کی وجہ سے خالی دیکھتا ہے + یہ اس کی رحمت ہے کہ تو کہتا ہے کہ (وقت مصیبت) گزر گیا۔ ان دو شعروں میں وقت کی ماہیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صوفیا کہتے ہیں کہ زمانہ میں چونکہ ہر لمحہ باری تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گری ہوتی رہتی ہے اس لئے زمانہ خود خدا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ وقت یا زمانہ اللہ تعالیٰ کی شانوں کے ظہور کے تسلسل کا نام ہے۔ نبی ﷺ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ اللہ کہتا ہے زمانے کو برا مت کہو کیونکہ میں خود ہی زمانہ ہوں۔ باری تعالیٰ کی شانوں میں سے دو شانیں جمال اور جلال یا رحمت اور قہاری کی بھی ہیں۔ رحمت یا جمال کی شان آباد کرتی ہے اور قہر یا جلال کی شان برباد کرتی ہے اسی لئے عارف ہندی نے کہا ہے کہ وقت شیریں بھی ہے اور تلخ بھی ہے اس کی شان قہاری سے بیابان اور آبادیاں خالی اور شان رحمت سے بھرپور ہو جاتی ہیں۔

⑤

کافری مرگ است اے روشن نہاد کے بزد با مردہ غازی را جہاد!
مردِ مومن زندہ و با خود بجنگ بر خود افتد ہمچو بر آہو پلنگ

٭

⑤ اے روشن ضمیر (شخص اس بات کو سمجھ کہ) کافری موت ہے + غازی کو مردہ سے جہاد کرنا زیب نہیں دیتا —— مردِ مومن زندہ ہے اور اپنے آپ سے برسرِپیکار ہے + وہ اپنے آپ پر اس طرح جھپٹتا ہے جس طرح ہرن پر چیتا جھپٹتا ہے (حق کی معرفت ایمان اور حق کی عدم معرفت کفر ہے۔ کافر حق کا رنگ پیدا کر لے تو زندہ اور مومن کفر کا رنگ اپنا لے تو مردہ ہو گا کافر حق سے دور ہے اور چونکہ حق زندگی ہے اس لئے وہ زندگی سے بھی دور ہے۔ مردِ مومن حق آشنا ہے اس لئے وہ زندگی آشنا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ مومن مردہ سے نہیں خود اپنے آپ سے جنگ کرتا ہے وہ نفس کے خلاف نبرد آزما ہوتا ہے۔ نفس کے خلاف جہاد کو کفر کے خلاف جہاد سے بڑا جہاد سمجھا گیا ہے کفر کے خلاف جہاد اپنی جگہ پر ہے۔ یہاں اس کی نفی نہیں کی جا رہی۔

⑥

کافرِ بیدار دل پیشِ صنم بہ ز دیندارے کہ خفت اندر حرم!

٭

⑥ بت کے سامنے بیٹھا ہوا بیدار دل کافر + اس دین دار سے بہتر ہے جو کعبہ میں سویا ہوا ہے (وہ کافر جو بت کو اپنے دلِ بیدار کے ساتھ پوجتا ہے اس مومن سے بہتر ہے جو مسجد میں دلِ خفتہ کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔ عبادت کا مغز دل کی بیداری ہے)۔

⑦

چشمِ کورست اینکہ بیند ناصواب ہیچگہ شب را نہ بیند آفتاب!

٭

⑦ جو آنکھ برائی کو دیکھتی ہے وہ اندھی ہے + (کیونکہ) سورج کو کسی جگہ رات نظر نہیں آتی (جو خود اچھا ہو اسے ہر جگہ اچھائی نظر آتی ہے)۔

⑧

صحبتِ گل دانہ را سازد درخت آدمی از صحبتِ گل تیرہ بخت!
دانہ از گل می پذیرد پیچ و تاب تا کند صید شعاعِ آفتاب!

٭

⑧ مٹی کی صحبت دانہ کو درخت بنا دیتی ہے + (لیکن) آدمی مٹی کی صحبت سے سیاہ بخت ہو جاتا ہے
---- دانہ مٹی کے اندر پیچ و تاب کھاتا ہوا مٹی سے باہر آجاتا ہے + تاکہ وہ آفتاب کی شعاع کو شکار کر سکے (ایک ہی چیز کے مختلف اشیاء پر مختلف اثرات ہوتے ہیں اور اثرات کا یہ اختلاف اشیا کی سرشت کی بنا پر ہوتا ہے دانہ مٹی میں مل کر گل و گلزار ہو جاتا ہے بندہ کو مادیات کی صحبت مٹی میں ملا دیتی ہے۔ اس لئے بندہ کو مادیات کے حصار سے نکل کر روحانیت کے حرم میں آنا چاہئے تاکہ وہ بھی بارور ہو سکے)۔

⑨

من بہ گل گفتم بگو اے سینہ چاک   چوں بگیری رنگ و بو از باد و خاک
گفت گل اے ہوشمندِ رفتہ ہوش   چوں پیامے گیری از برقِ خموش
جاں بہ تن ما را ز جذبِ این و آں   جذب تو پیدا و جذب ما نہاں!

*

⑨ میں نے گلاب کے پھول سے کہا اے سینہ چاک + تو ہوا اور مٹی سے کیسے رنگ و بو پا لیتا ہے
---- پھول نے کہا اے ہوش سے خالی ہوش مند + تو خاموش بجلی سے کیسے پیام حاصل کرتا ہے ----
ہمارے بدن میں جو جان ہے وہ اس اور اس کے جذب سے ہے + تیرا جذب ظاہر اور ہمارا جذب چھپا ہوا ہے (اللہ تعالیٰ نے ہر شے میں وہ قوت رکھی ہوئی ہے جو ان عناصر کو اپنے اندر جذب کر سکے جو اس کی نشو و نما کے لئے ضروری ہیں یا جو اس کو اپنے مقام ارتقا تک پہنچانے کے لئے لازمی ہیں دیکھئے ہوا اور مٹی میں بہ ظاہر نہ رنگ ہے اور نہ خوشبو ہے لیکن پھول ان دونوں صفتوں کو اپنے اندر لے لیتا ہے۔ اس پر حیرت نہیں ہونی چاہئے آج ہمیں لاسلکی اور اس قسم کے کئی دوسرے برقی ذرائع سے کیا پیغام وصول نہیں ہو رہے کیا ان سے دو مقامات کے درمیان کے فاصلوں کو عبور کر کے پیغام ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہیں پہنچ رہا۔ پیغام پہنچانے والی بجلی خاموش ہے لیکن ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنے میں وہ الفاظ یا گویائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اگر میں بحیثیت پھول مٹی اور ہوا سے رنگ اور خوشبو حاصل کر لیتا ہوں تو اس پر تعجب کی کونسی بات ہے اسی طرح مختلف اشیا کی قوت ہائے جاذبہ مختلف اثرات قبول کرتی ہیں۔ یہ قوت جاذبہ کہیں ظاہر ہے اور کہیں پوشیدہ ہے۔

جلوہ سروش

غیبی فرشتے کا ظہور

مردِ عارف گفتگو را در بہ بست   مستِ خود گردید و از عالم گسست!
ذوق و شوقِ او را ز دستِ او ربود   در وجود آمد ز نیرنگِ شہود
با حضورش ذرہ ہا ماننہِ طور   بے حضور او نہ نور و نے ظہور!

نازنینے در طلسمِ آں شبے ‏ آں شبے بے کوکبے را کوکبے!
سنبلستانِ دو زلفش تا کمر ‏ تاب گیر از طلعتش کوہ و کمر
غرق اندر جلوۂ مستانۂ ‏ خوش سرود آں مستِ بے پیمانۂ
پیشِ او گردندہ فانوسِ خیال ‏ ذو فنوں مثلِ سپہرِ دیر سال
اندر آں فانوس پیکر رنگ رنگ ‏ شکرہ بر گنجشک و بر آہو پلنگ!
من بہ رومی گفتم اے دانائے راز ‏ بر رخِ کم نظرمہ بکشائے راز
گفت "ایں پیکر چو سیم تابناک ‏ زاد در اندیشۂ یزدانِ پاک!
باز بے تابانہ از ذوقِ نمود ‏ در شبستانِ وجود آمد فرود
ہمچو ما آوارہ و غربت نصیب ‏ تو غریبؑ من غریبم او غریب!
شانِ او جبریلی و نامش سروش ‏ می برد از ہوش و می آرد بہوش
غنچۂ ما را کشود از شبنمش ‏ مردہ آتش زندہ از سوزِ دمش
زخمۂ شاعر بسازِ دل ازوست ‏ چاکہا در پردۂ محمل ازوست
دیدہ ام در نغمۂ او عالمے ‏ آتشے گیر از نوائے او دمے!"

*

① مردِ عارف (وشواحتر) نے گفتگو کا دروازہ بند کر دیا + وہ اپنے آپ میں مست ہو گیا اور اس نے عالم سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔

② اس کے ذوق و شوق نے اسے اس کے ہاتھ سے چھین لیا یعنی وہ بے خود ہو گیا + (اور) وہ شہود کے طلسم (کو توڑ کر) وجود میں آ گیا۔ (شہود سے وہ عالم مراد ہے جسے ہم ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں چونکہ یہ عالم حقیقی یا قائم بالذات نہیں ہے اس لئے اسے نیرنگ شہود کہا گیا ہے۔ اور وجود سے مراد وہ وجود ہے جو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا یہ وجود مطلق یا خالق کائنات کا وجود ہے جو قائم بالذات ہے جو واجب الوجود ہے اور جو اپنے ہونے میں کسی کا محتاج نہیں صوفیا کے نزدیک یہ ایک حقیقت کبریٰ ہے کہ "لا موجود الا اللہ" یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ ہر شے میں اسی کی جلوہ گری ہے عارف ہندی اس عالم رنگ و بو سے قطع نظر کر کے صفات ذات کی جلوہ گری میں گم ہو گیا۔

③ اس کی حضوری سے ذرے طور کی مانند تھے + اس کی حضوری کے بغیر نہ نور تھا نہ ظہور۔

④ اس رات کے طلسم کے اندر ایک نازنین نمودار ہوئی + جو اس بے ستارہ رات کے لئے ستارہ کی مانند تھی۔

⑤ اس کی دونوں زلفوں کے سنبلستاں (یعنی سنبل کی طرح کے سیاہ اور خوشبودار بالوں والی زلفیں) اس کی کمر تک لٹکے ہوئے تھے + اس کے چہرے سے کوہ و کمر روشنی حاصل کرتے تھے۔

⑥ وہ جلوۂ مستانہ میں غرق تھی + اس (شراب) کا پیالہ پئے بغیر مست (نازنین نے) اچھا نغمہ چھیڑا۔

⑦ اس کے سامنے خیال کا فانوس گردش کرتا تھا + جو پرانے یا بڑی عمر والے آسمان کی طرح ذو فنوں تھا یعنی دل بہلانے کی بہت سی تدبیروں سے وہ واقف تھی۔

⑧ اس فانوس کے اندر رنگ رنگ کے پیکر تھے + شکرہ چڑیا پر اور چیتا ہرن پر (جھپٹتا ہوا نظر آ رہا

تھا۔

⑨ میں نے رومی سے کہا اے رازوں کے جاننے والے + اپنے کم نظر سامع
⑩ اس نے یعنی رومی نے کہا کہ یہ چاندی کی طرح کا روشن پیکر + یزدان پاک کی نظر (مشیت) میں پیدا ہوا۔

(11) پھر (یہ پیکر) ذوق نمائش سے بے تاب ہو کر + وجود کے شبستان میں اتر آیا یعنی وجود اختیار کر لیا۔

(12) یہ ہماری طرح آوارہ اور غربت نصیب یعنی بے وطن ہے + تو بھی بے وطن ہے میں بھی وطن ہوں وہ بھی بے وطن ہے۔

(13) اس کی شان جبریل اور اس کا نام سروش ہے + وہ ہوش لے جاتا ہے اور ہوش لاتا ہے مراد ہے وہ وحی لانے والے فرشتہ جبریل کی شان والا ہے۔ جس کی کسی کے سامنے نمود اس کا ہوش لے جاتی ہے اور کسی کے سامنے آنے سے بے ہوش ہوش میں آجاتا ہے۔

(14) اس کی شبنم سے ہمارا غنچہ کھلتا ہے + اس کے دم کے سوز سے مردہ آگ زندہ ہو جاتی ہے۔ (بجھی ہوئی آگ جل اٹھتی ہے)۔

(15) سازدل پر شاعری کی مضراب اس سے ہے + محمل کے پردہ میں چاک اس سے ہیں۔

(16) میں نے اس کے نغمہ کے اندر ایک عالم دیکھا ہے + تو بھی اس کی نوا سے ایک لمحہ کے لئے آگ یا حرارت حاصل کر۔

نوائے سروش
فرشتے کا نغمہ

ترسم کہ تو مے رانی زورق بسراب اندر
زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر

چوں سرمۂ رازی را از دیدہ فروشستم
تقدیر امم دیدم پنہاں بکتاب اندر!

بر کشت و خیاباں پیچ بر کوہ و بیاباں پیچ
برقے کہ بخود پیچد میرد بہ سحاب اندر

با مغربیاں بودم پرجستم و کم دیدم
مردے کہ مقامانش ناید بہ حساب اندر!

بے دردِ جہانگیری آں قرب میسر نیست
گلشن بگریباں کش اے بو بہ گلاب اندر

اے زاہدِ ظاہر بیں گیرم کہ خودی فانی است
لیکن تو نمی بینی طوفاں بہ حباب اندر

ایں صوتِ دلاویزے از زخمۂ مطرب نیست
مہجورِ جناں حورے نالد بہ رباب اندر

*

① میں ڈرتا ہوں کہ تو سراب میں کشتی چلاتا رہے گا + تو حجاب میں پیدا ہوا اور حجاب میں مرجائے گا مراد یہ ہے کہ جو شخص حقیقت کو عقل کے ذریعہ سمجھنا چاہتا ہے وہ بے کار وقت ضائع کر رہا ہے۔ حقیقت اس سے حجاب میں ہے اور حجاب ہی میں رہے گی۔ اس حجاب کو صرف عشق کے ہاتھ سے اٹھایا جاسکتا ہے

اور اس کے پس پردہ حقیقت کو صرف عشق کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔

② جب میں نے رازی کے سرمہ کو اپنی آنکھوں سے دھو ڈالا + تو میں نے کتاب کے اندر امتوں کی تقدیر چھپی ہوئی دیکھی (امام رازی قرآن کریم کے بہت بڑے مفسر گزرے ہیں لیکن ان کی تفسیر کا رنگ عقلی اور حکیمانہ ہے۔ جس سے کتاب یعنی قرآن میں پوشیدہ راز قاری تک نہیں پہنچتے۔ جب حکمت و فلسفہ کی بجائے قرآن کریم کا یقین اور عشق سے مطالعہ کیا جائے گا تب معلوم ہو گا کہ اس سمندر کی تہ میں کیسے کیسے موتی موجود ہیں)۔

③ (اے مخاطب تو بجلی ہے بادل کے اندر اندر خود پر ہی نہ گر بلکہ بادل سے باہر آ کر) کھیتی اور خیابان پر گر پہاڑ اور بیابان پر گر + جو بجلی کہ خود پر گرتی ہے بادل کے اندر ہی مر جاتی ہے (اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتی۔ مومن کو بھی چاہئے کہ وہ باطل کے کھیت 'باغ' بیابان اور پہاڑ پر گر کر ان کو جلا دے۔ اگر وہ باطل کے خرمن پر بجلی بن کر نہیں گرتا تو اس کا وجود اور عدم برابر ہے)۔

④ میں اہل مغرب کے ساتھ رہا (وہاں مغرب میں) میں نے بہت تلاش کیا مگر نہ دیکھا + وہ مرد جس کے مقامات حساب میں نہیں آتے (مغربی اقوام مادیت میں گرفتار اور روحانیت سے بیزار ہیں۔ ان میں ایک آدمی بھی تو ایسا نہیں جو روحانی اعتبار سے بے حساب مقامات رکھتا ہو)۔

⑤ جہان کو تسخیر کرنے کی محنت اٹھائے بغیر وہ قرب حاصل نہیں ہوتا (جو ایک مومن یا عارف کا حصہ ہے) + اے گلاب کے اندر کی خوشبو پر اکتفا کرنیوالے شخص پھولوں کے باغ کو گریباں میں لے (بو گلاب اندر کے الفاظ علامہ نے مشہور چشتی بزرگ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ایک شعر سے لئے ہیں۔ علامہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عالم کو تسخیر کئے بغیر اور اپنے اندر عشق پیدا کئے بغیر قرب الٰہی میسر نہیں ہوتا وہ اس کی بدولت تو پوری کائنات کو اپنے اندر سمو سکتا ہے)۔

⑥ اے ظاہر کو دیکھنے والے زاہد میں (تیری خاطر) مانتا ہوں کہ خودی فانی ہے لیکن کیا تو اس طوفان کو نہیں دیکھتا جو بلبلے میں ہے (تو ضرور دیکھتا ہے۔ بلبلے (دل) میں طوفان (عشق) کا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ خودی فانی نہیں باقی ہے)۔

⑦ یہ دل کو لبھانے والی آواز مطرب کی مضراب سے نہیں پیدا ہو رہی + (بلکہ) یہ جنت سے بچھڑی ہوئی ایک حور ہے جو رباب کے اندر (نالہ و فریاد کر رہی ہے) مراد ہے یہ شاعری نہیں بلکہ درد بھرے دل عاشق کی آواز ہے۔

حرکت بہ وادی یرغمید کہ ملائکہ
اوراوادی طواسین می نامند

(وادی یرغمید کی طرف حرکت یا سفر جسے ملائکہ طواسین کا نام دیتے ہیں)۔

تعارف: چاند کی یرغمید وادی کو جو ایک فرضی وادی ہے علامہ نے طواسین کا نام دیا ہے۔ مشہور صوفی حسین ابن منصور حلاج کی کتاب کا نام کتاب الطواسین ہے۔ طواسین، طاسین کی جمع ہے۔ قرآن کی سورہ

نسل کا آغاز طاس (طا اور س) کے حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔ یہ وہ حروف ہیں جن کے رموز و اسرار کا علم صرف نبی ﷺ اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے صوفیا کو ہے۔ علما طا سے طور پہاڑ اور س سے سینا کی وادی لیتے ہیں جس میں طور پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ پر حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر تجلی فرمائی تھی۔ کتاب الطواسین میں چونکہ تجلیات حق کا بیان ہے اس لئے منصور نے اپنی کتاب کا یہ نام رکھا ہے اقبال نے یہاں تجلیات سے مراد تعلیمات لی ہیں)۔

پہلا بند

رومی آں عشق و محبت را دلیل تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل
گفت "آں شعرے کہ آتش اندروست اصل او از گرمی اللہ ہوست!
آں نوا گلشن کند خاشاک را آں نوا برہم زند افلاک را
آں نوا برحق گواہی می دھد با فقیراں پادشاہی می دھد!
خوں ازو اندر بدن سیال تر قلب از روح الامیں بیدار تر
اے بسا شاعر کہ از سحرِ ہنر رہزنِ قلب است و ابلیسِ نظر!
شاعرِ ہندی! خدایش یار باد جانِ او بے لذتِ گفتار باد
عشق را خنیاگری آموختہ با خلیلاں آزری آموختہ!
حرف او ژولیدہ و بے سوز و درد مردہ خوانند اہلِ درد او را نہ مرد
زاں نوائے خوش کہ نشناسد مقام خوشتر آں حرفے کہ گوئی در منام
فطرتِ شاعر سراپا جستجوست خالق و پروردگارِ آرزوست!
شاعر اندر سینۂ ملت چو دل ملتے بے شاعرے انبارِ گل!
سوز و مستی نقشبندِ عالمے است شاعری بے سوز و مستی ماتمے است!
شعر را مقصود اگر آدم گری است شاعری ہم وارثِ پیغمبری است"

*

① رومی جو عشق و محبت کی دلیل ہے + جس کا کلام پیاسوں کے لئے سلسبیل (جنت کی ایک نہر) ہے۔
② اس (رومیؒ) نے (اقبال سے) کہا کہ وہ شعر جس کے اندر آگ (سوز) ہے + اس کی اصل "اللہ ھو" کی گرمی سے ہے یعنی وہ ایسا شعر ہوگا جو اللہ یا حق کی گواہی دیتا ہوگا۔ کسی شعر کی عظمت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس میں صداقت، یقین اور حق کس قدر ہے۔
③ ایسی نوا (شاعری) خاشاک کو گلشن بنا دیتی ہے + ایسی نوا افلاک کو برہم کر دیتی ہے (ایسی شاعری سے سامع اور قاری میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ وہ اپنے باہر بھی انقلاب پیدا کرنے کی اہلیت و قوت کا حامل ہو جاتا ہے۔)
④ وہ شاعری حق پر گواہی دیتی ہے + وہ فقیروں کو شاہی عطا کرتی ہے۔
⑤ اس سے بدن کے اندر خون کی گردش زیادہ تیز ہو جاتی ہے + اور اس سے دل روح الامین

(جبرئیل) سے زیادہ بیدار ہو جاتا ہے۔

⑥ اے کہ بہت سے شاعر اپنے فن کے جادو سے + دل کے رہزن اور نظر کے ابلیس بن جاتے ہیں مراد ہے ان کی شاعری اپنے قاری اور سامع کے دل سے طہارت چھین لیتی ہے اور اس کے نظر کے زاویے کو شیطانی بنا دیتی ہے۔

⑦ ہندوستان کا شاعر اللہ تعالیٰ اس کا یار ہو (اسے ہدایت الٰہی نصیب ہو) + اس کی جان لذت گفتار سے محروم ہو جائے یعنی اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ وہ شعر کہنا چھوڑ دے۔

⑧ اس نے یعنی شاعر ہندی نے عشق کو راگ رنگ سکھا دیا ہے + اس نے خلیلوں کو آزری سکھا دی ہے (موحدوں کو بت پرست بنا دیا ہے) اس نے شاعری جیسے شریف فن کو نفسانی خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

⑨ اس کی شاعری کے الفاظ چاویدہ یعنی پرندوں کے شور کی طرح ہیں (یا یوں کہیں کہ دوسروں کے افکار پر مبنی ہیں) + اہل درد اسے مردہ نہیں مردہ کہتے ہیں۔

⑩ اس اچھی لگنے والی شاعری سے جو اپنے مقام (زیر و بم) کو نہیں پہچانتی + وہ بات بہتر ہے جو تو خواب کی حالت میں کرتا ہے یا بڑبڑاتا ہے۔ شاعر کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے قارئین کو حق آشنا کرے نہ کہ ابلیس آشنا بنائے۔ جو شاعر اپنے اس فرض کو نہیں سمجھتا اور شاعری کے مقام سے واقف نہیں ہے اس کی شاعری سے تو بہتر وہ بڑبڑاہٹ ہے جو ایک شخص نیند کی حالت میں کرتا ہے۔

(11) شاعر کی فطرت سراپا جستجو ہے یعنی وہ ہر وقت نئے نئے افکار پاکیزہ کی تلاش کرتا رہتا ہے + وہ آرزو کا خالق اور پروردگار ہے مراد ہے وہ اپنی شاعری کے ذریعے اپنے قارئین اور سامعین کے اندر حق کی تلاش، منزل حقیقت تک رسائی اور مقام آدمیت کے عرفان کی آرزو پیدا کرتا ہے۔

(12) شاعر تو ملت کے سینے میں دل کی طرح ہوتا ہے + شاعر کے بغیر ملت مٹی کا ڈھیر ہے (حقیقی شاعر اپنی قوم کے اندر زندگی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے جس قوم میں ایسا شاعر نہیں وہ قوم مٹی ہے مردہ ہے)۔

(13) سوز و مستی ایک عالم کی نقشبند ہے + سوز و مستی کے بغیر شاعری سوائے ماتم کرنے کے اور کچھ نہیں (سوز و مستی والی شاعری دنیا کی زندگی کا سبب ہے۔ دنیا چونکہ جذب و عشق سے قائم ہے اس لئے جذب و عشق والی شاعری ہی صحیح شاعری ہے)۔

(14) شعر کا مقصود اگر آدم گری ہے + تو شاعری بھی پیغمبری کی وارث ہے (جو شاعری آدمیوں کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہے ان کو ان کے مقصد تخلیق اور مقام حقیقی سے آگاہ کرتی ہے وہ وہی کام کرتی ہے جو پیغمبر اپنے پیغام سے کرتے ہیں)۔

دوسرا بند

گفتم از پیغمبری ہم باز گوے سرّ او با مردِ محرم باز گوے
گفت اقوام و ملل آیاتِ اوست عصرہاے ما ز مخلوقاتِ اوست
از دمِ او ناطق آمد سنگ و خشت ما ہمہ مانندِ حاصل، او چو کشت

پاک سازد استخوان و ریشہ را ۔۔۔ بال جبریلے دہد اندیشہ را
ہاے و ہوے اندرونِ کائنات ۔۔۔ از لبِ او نجم و نور و نازعات
آفتابش را زوالے نیست نیست ۔۔۔ منکرِ او را کمالے نیست نیست
رحمتِ حق صحبتِ احرار او ۔۔۔ قہرِ یزداں ضربتِ کرار او
گرچہ باشی عقلِ کل از وے مرم ۔۔۔ زانکہ او بہند تن و جاں را بہم
تیز تر نہ پا براہ یرعبید ۔۔۔ تا نہ بینی آنچہ می بایست دید
کندہ بر دیوارے از سنگ قمر ۔۔۔ چار طاسینِ نبوت را نگر"

✱

① میں نے کہا پیغمبری کے بارے میں دوبارہ کہیے + راز سے محرم مرد کے لئے اس کا بھید پھر بیان کیجئے۔

② اس نے یعنی رومی نے کہا کہ قومیں اور ملتیں اس کی یعنی پیغمبری کی نشانیاں ہیں یعنی پیغمبر ایک پیغمبری پیغام والی قوم پیدا کر دیتا ہے + ہمارے زمانے اس کی مخلوقات میں سے ہیں یعنی پیغمبر زمانے کو اپنے پیغام کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔

③ اس کے دم سے اینٹیں اور پتھر قوت گویائی پیدا کر لیتے ہیں + ہم سب حاصل کی مانند ہیں اور وہ کھیت ہے (پتھروں اور اینٹوں میں جہاں معجزاتی طور پر گویائی پیدا ہونا مراد ہے یہ مراد بھی ہے کہ وہ امیوں کو عالم بنا دیتا ہے)۔

④ وہ ہڈیوں اور ریشوں کو پاک بنا دیتا ہے + وہ فکر کو جبریل کے بازو دیتا ہے (وہ ہماری زندگی کے دنیاوی رخ کو آلائشوں سے پاک کر دیتا ہے اور فکر میں بلندی پیدا کر دیتا ہے)۔

⑤ کائنات کے اندر ہائے و ھو (یعنی ہر قسم کے ہنگامے) + اس کے لب سے نکلی ہوئی والنجم' النور اور نازعات کی قرآنی سورتوں (کی وجہ سے ہیں) یعنی اس کے انقلاب انگیز پیغام وحی کی وجہ سے ہیں۔

⑥ اس کی (یعنی پیغمبر کی تعلیمات) کے سورج کو زوال نہیں ہے نہیں ہے + اس کی (رسالت) کے انکار کرنے والے کو کمال حاصل نہیں ہے نہیں ہے۔

⑦ اس کے یعنی پیغمبر کے احرار (آزاد بندوں یا صحابہ اور اولیا) کی صحبت حق کی رحمت ہے + اس کے کرار یعنی حضرت علی کرار یا ان جیسی کراری (ضرب) رکھنے والے دوسرے امتیوں کی زوردار ضربیں خدا کی قہاری (کی عکاس) ہیں۔

⑧ اگر تو عقل کل بھی ہے تو اس کی یعنی پیغمبر کی صحبت سے اور پیغمبر کے رنگ میں رنگے ہوئے صحابہ' اولیا اور صلحا کی صحبت سے مت بھاگ + کیونکہ پیغمبر تن اور جان یا دنیا اور دین کو الگ الگ نہیں دیکھتا (وہ دونوں کی تربیت کرتا ہے)۔

⑨ وادی یرغمید کے راستے میں تیز قدم رکھ + تاکہ تو وہ کچھ دیکھ سکے جو کچھ دیکھنا چاہیے یا چاہا ہے۔

⑩ (وہاں وادی یرغمید میں) چاند کے پتھروں سے بنی ہوئی ایک دیوار پر کندہ کئے ہوئے + نبوت کے چار طاسین (تعلیمات کے صحیفے) دیکھ۔

تیسرا بند

شوق راہِ خویش داند بے دلیل ۔ شوق پروازے بہ بالِ جبرئیل!
شوق را راہِ دراز آید دو گام ۔ ایں مسافر خستہ گردد از مقام
باز دم مستانہ سوے برھیعد ۔ تا بلندیہاے او آمد پدید
من چہ گویم از شکوہِ آں مقام ۔ ہفت کوکب در طوافِ او مدام
فرشیاں از نورِ او روشن ضمیر ۔ عرشیاں از سرمہ خاکش بصیر!
حق مرا چشم و دل و گفتار داد ۔ جستجوے عالمِ اسرار داد
پردہ را برگیرم از اسرارِ کل ۔ با تو گویم از طواسینِ رسل

*

① شوق (عشق) اپنا راستہ دلیل (راہبر) کے بغیر دیکھ لیتا ہے + شوق جبریل کے پروں کے ساتھ پرواز کا نام ہے (عشق بندے کو عالم ناسوت سے عالم لاہوت میں پہنچا دیتا ہے)۔

② شوق کے لئے لمبا راستہ (صرف) دو قدم ہوتا ہے (جیسا کہ نبی ﷺ کے سفر معراج سے ظاہر ہے) + ایسا مسافر یعنی عشق والا مسافر مقام سے (منزل سے) خستہ ہو جاتا ہے (وہ ہر لحہ حرکت میں رہتا ہے۔ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چلتا رہتا ہے۔ وصل پر فراق کو ترجیح دیتا ہے)۔

③ میں نے وادی برھیعد کی طرف مستانہ قدم بڑھایا + تا آنکہ اس کی بلندیاں ظاہر ہونے لگیں۔

④ میں اس مقام کے شکوہ (ہیبت/دبدبہ) کے متعلق کیا کہوں + اس کے طواف میں ہمیشہ سات ستارے رہتے ہیں۔

⑤ فرش پر رہنے والے یعنی اہل زمین اس کے نور سے روشن ضمیر ہیں + عرش والے یعنی فرشتے اس کی خاک کے سرمہ کی وجہ سے بینا ہیں۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے مجھے آنکھ، دل اور گفتار عطا کر دی + مجھ میں عالم اسرار (کے بھیدوں) کی جستجو پیدا کر دی۔

⑦ میں اسرار کل سے پردہ اٹھاتا ہوں + اور تجھے رسولوں کے طاسینوں کی بابت بتاتا ہوں۔ (طاسین سے یہاں مراد تعلیمات ہیں)

طاسین گوتم

(گوتم بدھ کی تعلیمات)

توبہ آوردن زن رقاصہ عشوہ فروش

(ایک عشوہ فروش رقاصہ کا توبہ کرنا)۔

گوتم

دیرینہ و معشوقِ جواں چیزے نیست / پیشِ صاحب نظراں حورِ جناں چیزے نیست!
ہر چہ از محکم و پایندہ شناسی، گذرد / کوہ و صحرا و بر و بحر و کراں چیزے نیست!
دانشِ مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں / ہمہ بتخانہ و در طوفِ بتاں چیزے نیست!
از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگذر / کہ تو ہستی و وجودِ دو جہاں چیزے نیست
در طریقے کہ بنوکِ مژہ کاویدم من / منزل و قافلہ و ریگِ رواں چیزے نیست
بگذر از غیب کہ ایں وہم و گماں چیزے نیست / در جہاں بودن و رستن ز جہاں، چیزے ہست
آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ / تا جزائے عملِ تست جناں، چیزے ہست!
راحتِ جاں طلبی؟ راحتِ جاں چیزے نیست / در غمِ ہمنفساں اشکِ رواں، چیزے ہست
چشمِ مخمور و نگاہِ غلط انداز و سرود / ہمہ خوب است ولے خوشتر ازاں چیزے ہست
حسنِ رخسار دمے ہست و دمے دیگر نیست / حسنِ کردار و خیالاتِ خوشاں چیزے ہست

٭

① (گوتم بدھ کہتا ہے کہ) پرانی شراب اور جوان معشوق کوئی چیز نہیں ہے + اہلِ نظر کے نزدیک جنت کی حور (بھی) کوئی چیز نہیں ہے۔

② ہر وہ شے جس کو تو مضبوط اور ہمیشہ رہنے والی سمجھتا ہے گزر جاتی ہے + پہاڑ، صحرا، خشکی، سمندر، کنارہ کوئی چیز نہیں ہے (سب فانی ہیں)۔

③ مغرب والوں کی دانش اور مشرق والوں کا فلسفہ + سب بت خانہ ہے اور بتوں کے طواف میں کوئی چیز نہیں ہے (کچھ حاصل نہیں ہوتا)۔

④ خود پر غور کر اور اس بیابان سے ڈرتا ہوا نہ گزر + کیونکہ تو ہے اور دونوں جہانوں کا وجود کوئی چیز نہیں ہے (ہم ہیں تو دونوں جہان ہیں ہم دونوں جہانوں کے وجود کی وجہ ہیں۔ یہ ہمارے شعور کی بنا پر وجود رکھتے ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ نہیں ہیں)۔

⑤ اس راہ میں جو میں نے (اپنی) مژگاں کی نوک سے تراشا ہے + منزل، قافلہ اور اڑتی ہوئی ریت کوئی چیز نہیں ہے۔

⑥ غیب سے گزر جا کہ یہ (سب وہم و گماں ہے اور) وہم و گماں کوئی چیز نہیں ہے + جہان میں ہونا اور جہاں سے چھٹکارا حاصل کر لینا یعنی ترکِ دنیا کر دینا یہ (اصل) چیز ہے (ترکِ دنیا سے مراد یہاں رہبانیت ہے جو گوتم کے مذہب کی بنیاد ہے)۔

⑦ وہ بہشت جو خدا تمہیں بخشتا ہے سب ہیچ ہے + (ہاں اگر وہ جنت) تیرے اعمال کی جزا ہے تو ایک چیز ہے۔

⑧ کیا تو جان کا آرام چاہتا ہے۔ جان کا آرام کوئی شے نہیں ہے + (ہاں) اپنے دوستوں کے لئے (ان کے غم میں شریک ہو کر) آنسو بہانا کوئی شے (ضرور) ہے۔

⑨ مست آنکھ "غلط پڑنے والی نگاہ" اور گانا + سب اچھے ہیں لیکن ان سے اچھی بھی کوئی چیز ہے۔

⑩ گانوں کا حسن ایک لمحہ ہے دوسرے لمحہ نہیں ہے + گداز اور خیالات کا حسن (البتہ) کوئی چیز ہے۔

رقاصہ

ناچنے والی عورت

فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

از تو درونِ سینہ ام برقِ تجلی کہ من
با مہ و مہر دادہ ام تلخیٔ انتظار را

ذوقِ حضور در جہاں رسمِ صنم گری نہاد
عشق فریب می دہد جانِ امیدوار را!

تا بفراغِ خاطرے نغمۂ تازۂ زنم
باز بہ مرغزار دہ طائرِ مرغزار را

طبعِ بلند دادۂ بند ز پائے من کشائے
تا بہ پلاسِ تو دہم خلعتِ شہریار را

تیشہ اگر بہ سنگ زد ایں چہ مقامِ گفتگوست؟
عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را!

*

① (گوتم بدھ کی باتیں سن کر رقاصہ کہنے لگی) اس بے قرار دل کو کشمکش کی فرصت یا اجازت نہ دے + (اس کے لئے) اپنے پیچدار گیسوؤں میں ایک دو بل اور ڈال۔

② تیری وجہ سے میرے سینے میں وہ برقِ تجلی ہے + کہ میں نے سورج اور چاند کو بھی انتظار کی تلخی دی ہے یعنی وہ بھی تیری تجلی کی وجہ سے میرے اندر پیدا ہونے والی روشنی کو دیکھنے کے لئے مضطرب نظر آتے ہیں۔

③ (دوست کو) اپنے حضور دیکھنے کی خواہش نے دنیا میں بت گری کی رسم ڈالی + امیدوار جان کو یعنی اس جان کو جو یہ چاہتی ہے کہ میں اس دوست کو جو پردہ غیب میں ہے اپنے روبرو دیکھوں عشق فریب دیتا ہے (غیب غیب ہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے)۔

④ تاکہ میں دل کے اطمینان سے کوئی نیا نغمہ چھیڑوں + پھر سے سبزہ زار کے پرندے کو سبزہ زار میں بھیج (جس عالم ارواح سے میں آیا ہوں مجھے وہاں لے جا پھر دیکھ میں دنیاوی بندھنوں سے آزاد ہو کر کس طرح نغمے چھیڑتا ہوں)۔

⑤ تو نے (اگر) مجھے بلند طبیعت دی ہے (تو) میرے پاؤں سے زنجیر کھول دے (مجھے آزاد کر دے دنیا کے بندھنوں سے) + تاکہ میں تیرے (عطا کردہ) بوریا یا ٹاٹ کے کپڑے کے عوض بادشاہ کی خلعت دے دوں۔ (دنیا کی شان و شکوہ کو فقر کی عظمت و رفعت پر قربان کر دوں)۔

⑥ (فرہاد نے) اگر (پہاڑ سے نہر کھودنے کیلئے فرہاد نے) پہاڑ پر تیشہ چلایا تو یہ گفتگو کا کون سا مقام ہے + عشق تو اس سارے پہاڑی سلسلے کو کاندھوں پر [illegible] کائنات کو مسخر کر سکتا ہے)۔

آزمائش کردن اہرمن زرتشت را .

اہرمن کا زرتشت کی آزمائش کرنا

تعارف: زرتشت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً نو سو سال پہلے علاقہ ایران کا ایک شخص گزرا ہے جو نبوت کا مدعی تھا۔ مشہور فلاسفر فیثا غورث کا شاگرد اور منوچہر بادشاہ کی نسل سے تھا۔ ژند نامی کتاب اس کے مذہب کی کتاب ہے ژند نام کی کتاب اوستا کی تشریح اور پاژند اس کی تشریح۔ وہ لوگوں کو آگ کی پوجا کی تعلیم دیتا تھا۔ وہ ایک خدا کی بجائے دو خداؤں کو مانتا تھا ایک نیکی کا خدا اور دوسرا بدی کا خدا۔ بدی کے خدا کو وہ اہرمن (شیطان) اور نیکی کے خدا کو یزداں (خدا) کہتا ہے۔ یہ ثنویت اس کے مذہب کی بنیاد ہے علامہ نے اسے حضرت موسیٰ کی نسل سے بتایا ہے۔ زرتشتی اس کا نام ابراہیم بتاتے ہیں۔

اہرمن

شیطان

پہلا بند

از تو مخلوقاتِ من نالاں چو نے　　از تو ما را فرودیں مانندِ دے
در جہاں خوار و زبونم کردۂ　　نقشِ خود رنگی ز خونم کردۂ
زندہ حق از جلوۂ سینائے تست　　مرگِ من اندر یدِ بیضائے تست!

*

① (اے زرتشت) تیری وجہ سے میری مخلوقات (میری اولاد، میرے پیروکار اور میرے شیاطین) بانسری کی طرح فریاد کر رہی ہیں + تیری وجہ سے بہار ہمارے لئے خزاں بن چکی ہے (کیونکہ تو مجھے بدی کا نمائندہ کہتا ہے)۔

② تو نے مجھے دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا ہے + تو نے اپنے نقش کو میرے خون سے رنگین کیا ہے (تو نے اپنے مذہب کو مجھے شر کا خدا کہہ کر چمکایا ہے)۔

③ تیرے جلوہ سینا کی وجہ سے حق زندہ ہے + تیرے ید بیضا کے اندر میری موت ہے (جلوہ سینا سے مراد وہ تجلی ہے جو وادی سینا میں حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر نظر آئی تھی اور ید بیضا حضرت موسیٰ کا چاند سورج کی طرح چمکتا ہوا وہ معجزاتی ہاتھ تھا جس سے حق ثابت ہوتا تھا۔ شیطان زرتشت سے کہتا ہے کہ تو نے یہ کہہ کر کہ شر اہرمن سے اور خیر یزداں سے ہے اپنے مذہب کو اور اپنی شخصیت کو چمکایا ہے اور میرا

ستیاناس کیا ہے)۔

دوسرا بند

تکیہ بر میثاقِ یزداں ابلہی است | بر مرادش راہ رفتن گمرہی است
زہرہا در بادۂ گلفامِ اوست | ارہ و کرم و صلیب انعامِ اوست!
جز دعا با نوح تدبیرے نداشت | حرفِ آں بیچارہ تاثیرے نداشت!
شہر را بگذار و در غارے نشیں | ہم بہ خیلِ نوریاں صحبت گزیں
از نگاہے کیمیا کن خاک را | از مناجاتے بسوز افلاک را
در کہستاں چوں کلیم آوارہ شو | نیم سوز آتشِ نظارہ شو
لیکن از پیغمبری باید گذشت | از چنیں ملاگری باید گذشت!
کس میانِ ناکساں ناکس شود | فطرتش گر شعلہ باشد خس شود
تا نبوت از ولایت کمتر است | عشق را پیغمبری دردِ سر است!
خیز و در کاشانۂ وحدت نشیں | ترکِ جلوت گوے و در خلوت نشیں

*

① (اب شیطان زرتشت کو بہکانا چاہتا ہے اور کہتا ہے) یزداں کے وعدے پر اعتبار کرنا حماقت ہے + اس کی مراد کے مطابق (زندگی کی) راہ پر چلنا بے وقوفی ہے (نیکی پر جزا کے وعدے فضول ہیں)۔

② اس کی گلابی رنگ کی شراب میں زہر ملا ہوا ہے + اس کے انعامات تو آرہ، کیڑا اور سولی ہیں (اشارہ ہے ان بزرگوں اور پیغمبروں کی طرف جو حق کا ساتھ دینے کی پاداش میں مختلف قسم کی اذیتوں سے گزرے۔ اے زرتشت تو بھی حق کا ساتھ دینے کی بنا پر کسی ایسی ہی آزمائش میں سے گزارا جائے گا)۔

③ (حضرت نوح پیغمبر کو دیکھو باوجود نبی ہونے کے اپنی قوم کو راہِ راست پر نہ لا سکے آخر بددعا سے کام لے کر اسے غرق کروا دیا) دعا کے سوا نوح کوئی اور تدبیر نہ رکھتا تھا + اس بے چارہ کی بات میں کوئی تاثیر نہ تھی یعنی اس کے پیغام نبوت کا کسی نے اثر نہ لیا۔

④ شہر (آبادی) کو چھوڑ دے اور کسی غار میں بیٹھ جا + (اس طرح) تو بھی فرشتوں کے گروہ کے ساتھ خلوت اختیار کر۔

⑤ اپنی ایک نگاہ سے مٹی کو سونا بنا + اپنی مناجات سے افلاک کو جلا (عالمِ بالا تک فریادی دعا کو پہنچا)۔

⑥ کلیم یعنی حضرت موسیٰ کی طرح پہاڑوں میں تو بھی آوارہ پھر (اس میں حضرت موسیٰؑ کے وادیٔ سینا اور کوہِ طور میں تجلیٔ خدا کی تلاش و آگہی کی طرف اشارہ ہے) + نظارہ کی آگ یعنی باری تعالیٰ کی تجلیات سے خود کو نیم سوز بنا (نیم سوز سے مراد مکمل طور پر نہ جلنے سے ہے اور اس میں اشارہ ہے حضرت موسیٰؑ کے اس تجلی سے بے ہوش ہونے کی طرف جو باری تعالیٰ نے کوہِ طور پر ان پر ڈالی تھی)۔

⑦ (اے زرتشت یہ سب کچھ کر) لیکن پیغمبری (کے کام) کو چھوڑ دینا چاہیے + اس قسم کی ملاگری سے بچنا چاہیے۔

⑧ کس ناکسوں کے درمیان رہنے سے ناکس ہو جاتا ہے یعنی اہل شخص نااہلوں کی صحبت سے نااہل ہو جاتا ہے + اس کی فطرت اگر شعلہ ہے تو وہ خس بن جاتی ہے۔

⑨ کیونکہ نبوت ولایت سے کم تر ہے + (اس لئے) عشق کے نزدیک پیغمبری دردِ سر ہے۔

⑩ اٹھ اور وحدت کے کاشانہ (گھر) میں جا بیٹھ + جلوت کو ترک کر دے اور خلوت کو اختیار کر لے (دنیا ترک کر کے راہبوں کی زندگی اختیار کر لے)۔

زرتشت

پہلا بند

نور دریائے است ظلمت ساحلش   ہم چو من سیلے نزاد اندر دلش
اندرونم موجہائے بے قرار   سیل را جز غارتِ ساحل چہ کار؟
نقش بیرنگے کہ او را کس ندید   جز بخون اہرمن نتواں کشید!
خویشتن را وا نمودن زندگی است   ضربِ خود را آزمودن زندگی است

✱

① (زرتشت اہرمن کے جواب میں کہتا ہے) نور دریا ہے (اور) ساحل ظلمت ہے + اس دریا کے دل میں مجھ جیسا سیلاب پیدا نہیں ہوا (یزداں نور ہے، اہرمن ظلمت ہے اور میری پیغمبری وہ سیلاب ہے جو ظلمت کو بہالے جاتی ہے)۔

② میرے اندر بے قرار موجیں ہیں + سیلاب کو ساحل کی تباہی کے سوا اور کیا کام ہے۔

③ وہ بے رنگ نقش جو کسی نے نہیں دیکھا + وہ اہرمن کے خون کے سوا نہیں کھینچا جا سکتا (یعنی یزداں جو نظروں سے اوجھل ہے جو بے رنگ ہے اس کا نقش اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب اہرمن کا خون کر دیا جائے۔ شیطان کو ختم کر کے خدا سے ملا جا سکتا ہے)۔

④ خود کو آشکارا کرنا یا اپنے اسرار سے آگاہ ہونا یہ زندگی ہے (آدمی کی زندگی اس کی صلاحیتوں اور قوتوں کے اظہار میں ہے نہ کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے ہے) + اپنی ضرب کو آزمانا (کہ میں کس قوت سے مخالف کو گرا سکتا ہوں) زندگی ہے۔

دوسرا بند

از بلاہا پختہ تر گردد خودی   تا خدا را پردہ در گردد خودی
مردِ حق بیں جز تجلی خود را ندید   لا الٰہ می گفت و در خوں می تپید!
عشق را در خوں تپیدن آبروست   ارہ و چوب و رسن عیدین اوست!
در رہِ حق ہرچہ پیش آید نکوست   مرحبا نا مہربانیہائے دوست!

*

① خودی بلاؤں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے + تا آنکہ خدا سے پردہ اٹھانے والی بن جاتی ہے مراد ہے اللہ کے رخ سے پردہ ہٹا کر اس کا نظارہ کرلیتی ہے۔

② مردِ حق بیں نے حق کے بغیر خود کو نہیں دیکھا (یعنی وہ حق کا رنگ خود پر چڑھاتا ہے اس کے احکام کا زندگی کو پابند بناتا ہے) + اس نے لا الٰہ کہا اور اپنے خون میں تڑپا (بندہ خدا اللہ کے سوا کسی کو تسلیم نہیں کرتا کسی کے آگے نہیں جھکتا چاہے اس کو خون میں کیوں نہ نہانا پڑے)۔

③ عشق کی آبرو خون میں تڑپنے سے ہے + آرہ پھانسی اور پھانسی کی رسی تو اس کی عیدیں ہیں۔

④ حق کے راستے میں جو کچھ بھی پیش آئے درست ہے + دوست کی نامہربانیاں بھی مبارک ہیں (دوست کے راستے میں جو مصائب آتے ہیں اور جس آزمائش میں سے گزرنا پڑتا ہے وہ عاشق کے لئے رحمت ہے نہ کہ زحمت)۔

تیسرا بند

جلوۂ حق چشمِ من تنہا نخواست — حسن را بے انجمن دیدن خطاست
چیست خلوت؟ درد و سوز و آرزوست — انجمن دید است و خلوت جستجو است
عشق در خلوت کلیم اللّٰہی است — چوں بجلوت می خرامد شاہی است!
خلوت و جلوت کمالِ سوز و ساز — ہر دو حالات و مقاماتِ نیاز
چیست آں؟ بگذشتن از دیر و کنشت — چیست ایں؟ تنہا نہ رفتن در بہشت!
گرچہ اندر خلوت و جلوت خداست — خلوت آغاز ست و جلوت انتہاست
گفتہ پیغمبری دردِ سر است — عشق چوں کامل شود آدم گر است!
راہِ حق با کارواں رفتن خوش است — ہمچو جاں اندر جہاں رفتن خوش است!

*

① میری آنکھ نے جلوۂ حق کو اکیلے دیکھنا نہیں چاہا + حسن کو انجمن کے بغیر دیکھنا غلطی ہے مراد یہ ہے کہ پیغمبر جلوۂ حق سے تنہا لطف اندوز نہیں ہوتا بلکہ اسے وہ عام کرتا ہے دوسروں کو اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے کہتا بھی ہے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے طریقے بھی بتاتا ہے۔

② خلوت کیا ہے؟ خلوت درد، سوز اور آرزو کا نام ہے یعنی خلوت میں عاشق کو محبوب کی آرزو رہتی ہے اس کی جستجو اسے درد و سوز سے آشنا کرتی ہے + انجمن یا جلوت کیا ہے یہ دیدار کا نام ہے۔ (خلوت میں جستجو کا درد و داغ عاشق کو جلوت میں دیدار آشنا کر دیتا ہے۔ یعنی سالک راہ جب تک تلاش یار میں ہے خلوت گزیں ہوتا ہے اور جب یار کو پالیا تو وہ جلوت اختیار کرلیتا ہے اور مسند ارشاد پر بیٹھ کر خلق خدا کو فیض پہنچاتا ہے)۔

③ خلوت میں عشق کلیم اللّٰہی ہے (وہ دوست سے راز و نیاز میں اسی طرح مصروف رہتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام باری تعالیٰ سے کوہ طور کی خلوت میں کلام کیا کرتے تھے اور کسی کو اس کی خبر تک

نہ تھی) + جب عشق جلوت میں آ جاتا ہے تو شاہی پر فائز ہو جاتا ہے۔ (لوگوں کے قلب و ذہن یا جسم و جان پر حکمران ہو جاتا ہے۔ وہ روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے اللہ کے بندوں کو اپنا مطیع بنا لیتا ہے)۔

④ خلوت اور جلوت دونوں سوز و ساز (عشق) کا کمال ہیں + دونوں نیاز کے احوال و مقامات ہیں مراد یہ ہے کہ جب عشق کمال کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں خلوت و جلوت کی دونوں شانیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ عاشقانہ نیازمندی ہی کی دو صورتیں ہیں خلوت یار سے ہم کلام ہونا اور جلوت لوگوں سے ہم کلام ہونا ہے مقصود دونوں حالتوں میں دوست ہی ہوتا ہے۔

⑤ وہ یعنی خلوت کیا ہے مندر اور آتش کدہ سے الگ ہونے کا نام ہے (اور الگ ہو کر صرف خدا کے طالب ہونے اور اس کا وصال حاصل ہونے کا مقام ہے) + یہ یعنی جلوت کیا ہے یہ جنت میں تنہا نہ جانے کا نام ہے مراد ہے کہ جب خلوت میں پختہ ہو کر بندۂ خدا جلوت میں آتا ہے تو سب کو اپنی ہدایت و محبت سے اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس کی طرح وہ بھی جنت کے حق دار ہو جائیں۔

⑥ اگرچہ خلوت اور جلوت دونوں جگہ خدا ہے یعنی بندہ حق دونوں جگہ حق کی معیت میں ہوتا ہے (لیکن) خلوت آغاز ہے اور جلوت انتہا ہے۔

⑦ تو نے اے اہرمن یہ کہا ہے کہ پیغمبری دردِ سر ہے + عشق جب کامل ہو جاتا ہے تو آدم گر بن جاتا ہے (پیغمبر خدا کا عاشق ہوتا ہے وہ خلوت میں مکمل ہو کر جب جلوت میں آتا ہے تو وہ دوسروں میں بھی عشق پیدا کر کے ان کو وہ آدمی بنا دیتا ہے جو خالق کا منشا ہے)۔

⑧ حق کی راہ قافلہ کے ساتھ چلنا اچھا ہے (یہ نہیں کہ قافلہ سالار تو ترک فرض کر کے بیابانوں کی تنہائیوں میں زندگی گزار دے اور قافلہ راہ میں بھٹکتا رہے۔ قافلہ سالار وہ ہے جو قافلہ کو ساتھ لے کے چلے اور اسے سلامتی سے منزل پر پہنچا دے۔ پیغمبر ایسا ہی قافلہ سالار ہوتا ہے جو اپنے قافلہ کو راہ حق پر سفر کراتا ہوا حق کی منزل تک پہنچا دیتا ہے) + جہان میں جان کی طرح چلنا اچھا ہے مراد ہے پیغمبر روح کی اور جہان والے جسم کی مصداق ہوتے ہیں اور روح کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اجسام میں زندگی پیدا کرتی ہے۔ پیغمبر لوگوں کے منتشر نا آشنا مردہ جسموں میں اپنے پیغام و عمل سے جان پیدا کر کے ان کو اس مقصد کے حصول کے لئے متحرک کر دیتا ہے جس کے لئے خالق نے ان کو تخلیق کیا ہے۔

طاسین مسیح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

رویائے حکیم طالسطائی

حکیم طالسطائی کا خواب

تعارف مسیح: مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں جو اسلام سے چند صدیاں پہلے بیت المقدس کے

مقام پر حضرت مریم کے بطن سے معجزاتی طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ انہوں نے توحید کا ہی درس دیا تھا لیکن ان کے پیروکاروں نے انہیں بن باپ کے پیدا ہونے کے تناظر میں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اس طرح وہ موحد نہ رہے اور مشرک ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ پر جو آسمانی کتاب اتری تھی وہ انجیل تھی آج جس کے آسمانی الفاظ کا کہیں وجود نہیں۔ موجودہ انجیلیں ان کے حواریوں کے قلم سے نکلے ہوئے حضرت عیسیٰ کے جھوٹے سچے ملفوظات ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب پر لٹکانے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی طرف اٹھا لیا اور ان کی جگہ ان کی شباہت والا ایک اور شخص غلطی سے پھانسی لگ گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے عیسائی کہلاتے ہیں اور ان کے نظام زندگی میں پاپا یا پادری کو اتنی بڑی اہمیت ہے کہ دین و دنیا میں وہی سب کچھ ہے۔ عیسائی مذہب میں دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ وہ تین خداؤں کو مانتے ہیں خدا" بیٹا اور روح القدس--- زرتشت کے ہاں ثنویت تھی عیسائیت میں تثلیث۔ زرتشت کے مقابلے میں مسیحیت کا عقیدہ بہتر ہے مسیحیت کہتی ہے کہ عالم میں خیر اور شر دونوں ہیں لیکن دونوں کا منبع ایک ہی ہے یعنی خدا......

تعارف حکیم طالسطائی: ٹالسٹائی (طالسطائی) ملک روس کا باشندہ تھا۔ 1828ء میں بستایا کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کا باپ بہت بڑا جاگیردار اور بادشاہ وقت کا خیر خواہ تھا۔ ٹالسٹائی اپنے باپ کے برعکس انقلاب پسند تھا۔ اس کی کئی حیثیتیں تھیں۔ وہ مذہبی مصلح' فلسفی" شاعر' افسانہ نگار اور علم الٰہیات کا عالم تھا۔ وہ فوج میں بھی رہا ہے اور جنگوں میں شریک بھی رہا ہے۔ اس نے جس عورت سے شادی کی وہ اس کے مزاج کے برعکس فیشن مزاج تھی جس کی وجہ سے طالسطائی بہت پریشان رہا۔ ٹالسٹائی کی یوں تو کئی تصانیف ہیں لیکن جس کتاب نے ان کو زیادہ شہرت بخشی اس کا نام "جنگ اور صلح" ہے۔ 1880ء کے قریب طالسطائی پر مذہبی رنگ غالب آ گیا۔ اس کے تحت اس نے عیسائیت اور اس کے عقائد پر کتابیں لکھیں جن میں "خدا کی بادشاہت" اور "مذہب کیا ہے" مشہور ہیں۔ اس دور میں اس کے اندر غریبوں' مزدوروں اور کسانوں سے ہمدردی کا ایسا جذبہ ابھرا کہ اس نے توابی ترک کر دی۔ اپنی ساری زمینیں ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں اور خود درویشانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ اس صورت کو دیکھ کر اس کی عیش پسند بیوی بھی اس کو چھوڑ گئی اور طالسطائی نے اسی حالت میں 1910ء میں وفات پائی اس نے صلیب کو گلے میں لٹکانے کی بجائے کندھے پر رکھا یعنی مسیح کے پیغام کی روح کو لیا اور عملاً اس پر چار کیا۔

پہلا بند

درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ وادیِ بے طائر و بے شاخ و برگ!
تابِ مہ از دود گردِ او چو قیر آفتاب اندر فضایش تشنہ میر!
رودِ سیماب اندراں وادی رواں خم بخم مانند جوئے کہکشاں
پیشِ او پست و بلندِ راہ ہیچ تند سیر و موج موج و پیچ پیچ
غرق در سیماب مردے تا کمر با ہزاراں نالہائے بے اثر!
قسمتِ او ابر و باد و آب نے تشنہ و آبے بجز سیماب نے!

بر کراں دیدم زنے نازک تنے   چشمِ او صد کارواں را رہزنے
کافری آموزِ پیرانِ کنشت   از نگاہش زشت' خوب و خوب' زشت
گفتمش تو کیستی' نام تو چیست؟   ایں سراپا نالہ و فریاد کیست؟
گفت در چشمم فسونِ سامری است   نام افرنگیں و کارم ساحری است!
ناگہاں آں جوئے سیمیں یخ بہ بست   استخوانِ آں جواں در تن شکست
بانگ زد اے وائے بر تقدیرِ من   وائے بر فریادِ بے تاثیرِ من
گفت افرنگیں "اگر داری نظر   اندر ے کے اعمالِ خود را ہم نگر
پورِ مریم آں چراغِ کائنات   نورِ او اندر جہات و بے جہات!
آں فلاطوس' آں صلیب' آں روئے زرد   زیرِ گردوں تو چہ کردی او چہ کرد!
اے بجانت لذتِ ایماں حرام   اے پرستارِ بتانِ سیمِ خام
قیمتِ روح القدس نشناختی   تن خریدی' نقدِ جاں درباختی!"

*

① کوہسار ہفت مرگ کے درمیان (جو چاند کا ایک پہاڑ ہے) + ایک وادی ہے جہاں نہ کوئی پرندہ ہے نہ درخت ہے نہ سبزہ ہے۔

② چاند کی روشنی اس کے دھوئیں سے تارکول کی طرح (سیاہ) ہو گئی ہے + اس کی فضا میں سورج بھی (روشنی کی) پیاس میں مرجاتا ہے یعنی وہ بھی روشنی سے محروم ہے۔

③ اس کی وادی میں پارے کی ندی بہہ رہی ہے + کہکشاں کی نہر کی طرح بل کھاتی ہوئی (جا رہی ہے)۔

④ اس کے آگے راستے کی بلندی اور پستی کوئی شے نہیں + وہ تیز بہنے والی' موج در موج اور پیچ در پیچ (الٹ پر بل کھاتی ہوئی) ہے۔

⑤ اس ندی کے پارے میں ایک شخص کمر تک غرق ہے + وہ ہزاروں بے اثر نالے (کر رہا ہے)۔

⑥ اس کی قسمت میں بادل' ہوا اور پانی نہ تھا + وہ پیاسا تھا (لیکن) وہاں سیماب کے پانی کے سوا کچھ نہ تھا (جس کو پیا نہیں جا سکتا تھا)۔

⑦ (اس پارے کی ندی کے) کنارے پر میں نے ایک عورت دیکھی + جس کی آنکھ سینکڑوں قافلوں کے لئے راہزن تھی یعنی جو بہت ہی حسین اور دلربا تھی۔

⑧ گرجاؤں کے پادریوں کو وہ کافری سکھانے والی تھی یعنی وہ اپنے ساحرانہ حسن سے ان کو خود پر فریفتہ کر کے ان کو مذہب نا آشنا بنانے والی تھی + اس کی نگاہ سے خوب' ناخوب اور ناخوب' خوب (بن جاتا تھا) یعنی وہ بھلائی کو برائی اور برائی کو بھلائی بنا کر دکھا سکتی تھی۔

⑨ میں نے اس (عورت) سے کہا تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے + (اور) یہ کون ہے (جو تیرے ہجر) میں سراپا نالہ اور فریاد بنا ہوا ہے۔

⑩ اس نے کہا میری آنکھوں میں سامری کا جادو ہے (سامری حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا ایک جادوگر تھا جس نے دھات سے بچھڑا بنا کر حضرت موسیٰ کی قوم کو گمراہ کر دیا تھا) + میرا نام افرنگیں اور میرا کام

جلوہ گری ہے۔

(11) اچانک وہ چاندی کی سی سفید ندی یخ بستہ (جمی ہوئی برف) بن گئی + اس جوان کی ہڈیاں اس کے بدن میں ٹوٹ گئیں۔

(12) (اس جوان نے) پکار کی یعنی وہ چلایا کہ افسوس ہے میری تقدیر پر + افسوس ہے میری اس فریاد پر جس میں کوئی تاثیر نہیں۔

(13) افرنگین کہنے لگی (اے جوان) اگر تو نظر رکھتا ہے + تو ذرا اپنے اعمال کو بھی دیکھ (یعنی تو نے مسیح کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر نگاہ کر)۔

(14) مریم کا بیٹا (مسیح) جو چراغ کائنات تھا + جس کا نور مکان اور لامکان میں تھا۔

(15) اس فلاطوس، اس صلیب، اور اس کے زرد چہرے (کو دیکھ) + (اور یہ بھی دیکھ) کہ آسمان کے نیچے یعنی دنیا میں اس نے کیا کیا اور تو نے کیا کیا (یعنی تو حضرت مسیح کے زرد چہرے، یہودیوں کو عیسیٰ پر کفر کا فتویٰ دیتے ہوئے، فلاطوس منصف کو اس کو پھانسی کی سزا کا حکم سناتے ہوئے بھی دیکھ۔ مسیح نے قوم پر کیا احسانات کئے اور قوم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا یہ بھی تو دیکھ)۔

(16) اے وہ شخص جس کی جان پر ایمان کی لذت حرام ہے + اے وہ شخص جو کہ چاندی کے بتوں کا پجاری ہے (یعنی مجھ جیسی حسینوں کی محبت میں گرفتار ہو کر ایمان تک کو پس پشت ڈال دیتا ہے)۔

(17) تو نے روح القدس یعنی حضرت مسیح کی قیمت نہ پہچانی + تو نے جسم کو خریدا اور روح کو ضائع کر دیا یعنی دنیا کے لئے تو نے دین اور آخرت کو تباہ کر دیا تو نے روح القدس کو نہ پہچانا۔

دوسرا بند

طعنۂ آں نازنین جلوہ مست — آں جواں را نشتر اندر دل شکست

گفت "اے گندم نمائے جو فروش — از تو شیخ و برہمن ملت فروش!

عقل و دیں از کافریہائے تو خوار — عشق از سوداگریہائے تو خوار!

مہرِ تو آزار و آزار نہاں — کینِ تو مرگ است و مرگِ ناگہاں!

صحبتے با آب و گل ورزیدۂ — بندہ را از پیشِ حق دزدیدۂ

حکمتے کو عقدۂ اشیاء کشود — با تو غیر از فکرِ چنگیزی نبود

واند آں مردے کہ صاحب جوہر است — جرمِ تو از جرمِ من سنگین تر است

از دمِ او رفتہ جاں آمد بتن — از تو جاں را وحشتی گردد بدن

آنچہ ما کردیم با ناسوتِ او — ملتِ او کرد با لاہوتِ او

مرگِ تو اہلِ جہاں را زندگی است — باش! تا بینی کہ انجامِ تو چیست!"

① اس (اپنے حسن کے) جلووں میں مست (حسینہ) کا طعنہ + اس جواں کے دل میں نشتر کی طرح (کھب کر) ٹوٹ گیا۔

② اس (نوجوان نے افرنگیں کو کہا) اے گندم دکھا کر جو بیچنے والی (فریبی عورت) + تیری وجہ سے شیخ اور برہمن قوموں کو بیچنے والے (بنے ہوئے ہیں) یعنی تو نے ان کو ملحد بنا کر ان کو اپنی اپنی قوموں کو الحاد سکھانے والا بنا دیا ہے۔

③ تیری کافری سے (سب کی) عقل اور دین خوار ہے۔ عشق تیری سوداگری کی وجہ سے خوار ہے یعنی تیری عشوہ طرازیوں کی وجہ سے عقل، عشق اور دین تینوں اپنی راہ بھول چکے ہیں۔

④ تیری محبت بیماری ہے اور پوشیدہ بیماری (ہے) + تیری دشمنی موت ہے اور ناگہانی موت ہے۔

⑤ تو نے آب و گل (دنیا یا جسم) سے محبت اختیار کر رکھی ہے یعنی تیرا مطمع نظر دنیا کمانا اور جسم پالنا ہے + (تو نے اللہ کے بندے کو) اللہ کے حضور سے چرا لیا ہے یعنی اللہ کے بندوں کو حق سے دور کر کے دنیا پرست بنا دیا ہے۔

⑥ وہ حکمت یعنی سائنس جس نے کہ اشیا کی ماہیت کا عقدہ کھولا + تجھے اس نے چنگیزی سوچ کے سوا یعنی عالم اور عالمیاں کو تباہ و برباد کرنے کے سوا کچھ نہیں دیا۔

⑦ وہ شخص جو صاحب جوہر ہے (حقیقت شناس ہے) + جانتا ہے کہ تیرا جرم میرے جرم سے زیادہ ہے۔

⑧ اس کے یعنی حضرت عیسیٰ کے دم سے جسم سے گئی ہوئی جان واپس آجاتی تھی یعنی وہ اللہ کے حکم سے معجزاتی طور پر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے + (اور) تیری وجہ سے بدن، جان کے لئے قبر بن جاتا ہے (تو روحوں کو ان کے جوہر سے نا آشنا کر کے بدن آشنا کر دیتی ہے اور زندہ لوگ مردوں سے بھی بدتر بن جاتے ہیں)۔

⑨ جو کچھ ہم نے اس کے یعنی حضرت عیسیٰ کے ناسوت (جسم) کے ساتھ کیا یعنی ان کو پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے گئے اور اسے ہر طرح سے ذلیل و خوار کیا + اس کی قوم نے اس کے لاہوت (روح) کے ساتھ کیا یعنی اسے خدا کا بیٹا بنا لیا۔ اس کی تعلیمات کو مسخ کر دیا وہ موحد سے مشرک ہو گئی۔

⑩ تیری موت اہل جہاں کے لئے زندگی ہے + ٹھہر! تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ تیرا انجام کیا ہے (حکیم طالسطائی نے اپنی تصانیف میں جو اعتراضات عیسائی مذہب پر اٹھائے تھے علامہ نے انہی کے پس منظر میں یہ اشعار کہے ہیں افرنگیں سے مراد یہاں مغرب کی ابلیسی تہذیب و ثقافت اور مسیحیت کی راہ سے بھٹکی ہوئی تعلیمات ہیں جن کی وجہ سے آج کا جہان حق سے دور اور دنیا کے نزدیک آگیا ہے۔ جہاں تن زندہ ہو گئے ہیں اور من مر گئے ہیں لیکن یہ سارا عمل چونکہ تخلیق آدم اور مقصد حیات آدم کے خلاف ہے اس لئے ایک نہ ایک دن اس کا جادو ضرور ٹوٹے گا)۔

طاسین محمدﷺ

حضرت محمدﷺ کی تعلیمات

نوحہ روح ابو جہل در حرم کعبہ

حرم کعبہ میں ابوجہل کا نوحہ

تعارف حضرت محمد: حضرت محمدﷺ ملک عرب کے شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ہیں یعنی انبیاء میں سب سے آخر میں آئے ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپؐ کا مذہب اسلام اور اس مذہب کے پیروکار مسلمان کہلاتے ہیں۔ توحید اس مذہب کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ میں زرتشت، گوتم اور عیسیٰ کے مذاہب کے برعکس یہ بات ہے کہ وجود یعنی حق تعالیٰ سراپا خیر ہے۔ خدا جسے صوفیا وجود مطلق کہتے ہیں ہر خیر و کمال کا مبدا ہے اور عدم یعنی غیر حق ہر شرارت لئے ہوئے ہے۔ عدم کا کوئی وجود نہیں ہے وجود صرف باری تعالیٰ کا ہے باقی جو کچھ ہے وہ چونکہ خدا تعالیٰ کے وجود کی وجہ سے موجود ہے اس لئے عدم ہے۔ اور شر کا تعلق چونکہ عدم سے ہے اس لئے شر بھی عدم ہے۔ مہاتما بدھ کو دنیا سراپا شر نظر آئی دوسرے مذاہب والے بھی اسی بنا پر ترک دنیا کا سبق دیتے ہیں لیکن اسلام نے پہلی دفعہ یہ جتایا کہ حق تعالیٰ، حسن اور خیر ہے اس سے شر کا صدور محال ہے۔ شر جہاں کہیں ہے ہمارے نفس امارہ کا عکس ہے۔ شر ہماری فکر اور عمل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ خیر ہے۔

تعارف ابو جہل: ابو جہل کا اصل نام عمرو بن ہشام تھا اور ابو الحکم اس کی کنیت تھی وہ قبیلہ قریش کے سرداروں میں سے سب سے زیادہ عقل مند تھا جب حضرت محمدﷺ نے حق ظاہر کیا اور توحید کا پیغام دیا تو ابو جہل نے ان کی سخت مخالفت کی اور وہ اہل مکہ کو شرک اور بت پرستی کی ترغیب دیتا رہا چونکہ اس نے حق کو نہیں پہچانا تھا اس لئے اس کے عالم ہونے کے باوجود نبی کریمﷺ نے اسے ابو جہل کا خطاب دیا تھا۔ اس نے آخر دم تک حق کی مخالفت اور بتوں کی حمایت جاری رکھی۔ مکہ میں جو ہزاروں سالوں سے کعبہ کے نام سے اللہ کا گھر تھا اس میں نبیﷺ کی بعثت سے پہلے بہت سے بت موجود تھے جن کی اہل مکہ پرستش کرتے تھے۔ جب نبی کریمﷺ کا دین غالب آگیا تو یہ سارے بت کعبہ سے نکال دیئے گئے۔ ابو جہل کو اس کا جو صدمہ تھا یہ نوحہ اسی پس منظر میں ہے۔

پہلا بند

سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ! از دم او کعبہ را گل شد چراغ!
از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود نوجواناں را ز دستِ ما ربود

ساحر و اندر کلامش ساحری است — ایں دو حرفِ لا الٰہ خود کافری است
تا بساطِ دینِ آبا در نورد — با خداوندانِ ما کرد آنچہ کرد!
پاش پاش از ضربتش لات و منات — انتقام از وے بگیر اے کائنات!
دل بغائب بست و از حاضر گسست — نقشِ حاضر را فسونِ او شکست
دیدہ بر غائب فروبستن خطاست — آنچہ اندر دیدہ می ناید کجاست!
پیشِ غائب سجدہ بردن کوری است — دینِ نو کور است و کوری دوری است
خم شدن پیشِ خدائے بے جہات! — بندہ را ذوقے نہ بخشد ایں صلوٰت!

*

① ہمارا سینہ محمد ﷺ کی وجہ سے داغ داغ ہے + (کیونکہ) اس کے دم سے کعبہ کا چراغ گل ہو گیا (کعبہ میں ہمارے آباؤ اجداد کے بت توڑ دیئے گئے اور ان کا دین ختم کر دیا گیا)۔

② آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ (کی بربادی) کی بات کی + انہوں نے نوجوانوں کو مجھ سے اچک لیا (یعنی انہیں میرے دین کے خلاف کر کے اپنے دین کا طرفدار بنا لیا)۔

③ وہ جادوگر ہے (اور) اور اس کے کلام میں جادوگری ہے (کہ جو ان سے ملتا ہے یا جو ان کی بات سنتا ہے وہ اپنے ماں باپ کی بت پرستی کا مذہب چھوڑ کر دین اسلام کی توحید کا شیدائی ہو جاتا ہے) + یہ لا الٰہ کے دو حرف یعنی کلمہ طیبہ کا اقرار خود کافری ہے۔ (جو اسے پڑھ لیتا ہے اور اس کا زبان اور دل سے اقرار کر لیتا ہے وہ ہمارے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کا کفر اختیار کر لیتا ہے۔ ابو جہل کے نزدیک بت پرستی حق اور حق پرستی کفر تھا)۔

④ جب اس نے ہمارے آباؤ اجداد کے دین کی بساط لپیٹ دی + تو اس نے ہمارے خداؤں یعنی کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کے ساتھ وہ کیا جو کیا یعنی وہ ناقابل بیان ہے جو کچھ کیا۔ اس نے ان کو توڑا اور ان کو رسوا کیا۔

⑤ اس کی ضرب سے (ہمارے بڑے بت) لات اور منات پاش پاش ہو گئے + اے کائنات اس سے انتقام لے۔

⑥ اس نے غیب سے (خدا سے جو غیب ہے) دل لگایا (اور اس نے) حاضر سے (بتوں سے جو سامنے تھے) دل توڑا + اس کے فسون نے حاضر کے نقش کو توڑ دیا یعنی لوگوں کو بتوں سے بے زار کر دیا اور حق (جو باطن سے ہے) کا شیدا بنا دیا۔

⑦ غیب پر نگاہ مرکوز کرنا غلطی ہے + جو کچھ نظر میں نہیں آتا وہ کہاں ہے (بت تو ظاہر میں دیکھے جا سکتے ہیں ان پر تو یقین کیا جا سکتا ہے لیکن یہ غیب از نظر تو کوئی شے نہ ہوئی۔ جس کو آپ دیکھ ہی نہیں سکتے اس کا کیا اعتبار ہے اعتبار اس کا ہے جو حواس خمسہ کی گرفت میں آئے اور غیب اس گرفت سے باہر ہے اس لئے اس کا کیا اعتبار ---)۔

⑧ غائب کے آگے سجدہ کرنا اندھا پن ہے + یہ (محمد ﷺ کا) نیا دین اندھا ہے اور اندھا پن (نظارہ حقیقت سے) دوری کا نام ہے۔

⑨ بے جہت یا لاتعین خدا کے سامنے جھکنا یعنی ایسے خدا کے سامنے جھکنا جو لاشئی ہے جس کی مثل

کوئی شے ہی نہیں جو زمان و مکاں میں مقید نہیں ہے + بندہ کو ایسی نماز ذوق عطا نہیں کرتی۔ (مزہ اسی عبادت میں ہے جو اس خدا کے لئے ہو جو سامنے ہے)۔

دوسرا بند

مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب　　از قریش و منکر از فضلِ عرب!
در نگاہِ او یکے بالا و پست　　با غلامِ خویش بر یک خواں نشست'
قدرِ احرارِ عرب نشناختہ　　با کُلفتانِ حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند　　آبروے دودمانے ریختند!
ایں مساوات' ایں مواخات اعجمی است　　خوب می دانم کہ سلماںؓ مزدکی است
ابن عبداللہ فریبش خوردہ است　　رستخیزے بر عرب آوردہ است!
عزتِ ہاشم ز خود مہجور گشت　　از دو رکعت چشمِ شاں بے نور گشت
اعجمی را اصلِ عدنانی کجاست　　گنگ را گفتارِ سحبانی کجاست
چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور　　بر نیائی اے زہیر از خاکِ گور؟
اے تو ما را اندریں صحرا دلیل　　بشکن افسونِ نوائے جبرئیل!

✹

① اس کا مذہب ملک اور نسب کی (جڑیں) کاٹتا ہے + وہ قریش اور عرب کی فضیلت کا منکر ہے (کیونکہ اسلام یہ درس دیتا ہے کہ رنگ' نسل' وطن' وغیرہ پہچان کے لیے تو ہیں فضیلت انسانی کے لئے نہیں ہیں۔ تم میں سے افضل وہی انسان ہے جو تقویٰ میں افضل ہے اس پس منظر میں ایک غیر عرب' عرب پر فضیلت اختیار کر سکتا ہے)۔

② اس کی نگاہ میں چھوٹا بڑا یا اعلیٰ ادنیٰ ایک یعنی برابر ہے + وہ اپنے غلام کے ساتھ (کھانے کے لئے) ایک دستر خوان پر بیٹھا۔

③ اس نے عرب کے احرار یعنی آزاد بندوں کی قدر نہیں پہچانی + اس نے حبشہ کے بد صورتوں یا درشت لوگوں سے موافقت پیدا کر لی۔

④ (ان کے دین کی وجہ سے) کالے گورے مل گئے (کسی کو کسی پر فضیلت نہ رہی) + انہوں نے خاندان کی آبرو خاک میں ملا دی۔

⑤ یہ برابری (اور) یہ بھائی چارہ عجمیوں یعنی ان لوگوں کا نظریہ ہے جو عرب نہیں ہیں + میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ سلمان فارسی مزدکی ہے (ایران میں ایک پیغمبر گزرا ہے جس کا نام مزدک تھا اس نے غریب و امیر کی برابری کا سبق دیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی چونکہ ملک ایران سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ابو جہل نے کہا کہ وہ چونکہ مزدک کے مذہب کے زیر اثر ہے اس لئے اس نے یہ برابری کا درس دیا ہے ورنہ اہل عرب کا یہ دستور نہیں ہے)۔

⑥ عبداللہ کے بیٹے (حضرت محمد ﷺ) نے اس کا فریب کھایا ہے + (اور اس طرح) اس نے

عرب پر جنگ یا قیامت مسلط کر دی ہے۔

⑦ حضرت ہاشم کی اولاد یعنی قریشان عرب یا نبی کریم ﷺ کے خاندان والے اپنے خاندان سے دور ہو گئے ہیں (ان کا خاندان اعلیٰ برتر اور افضل ہے لیکن انھوں نے غلاموں اور غیر عربوں کے ساتھ برابری کا درجہ قبول کر لیا ہے) + دو رکعتوں کی نماز نے ان کی آنکھوں کو بے نور کر دیا ہے (دین اسلام نے ان کو اس پہچان کی آنکھ سے بے بہرہ کر دیا ہے کہ عزت والا کون ہے اور بے عزت کون ہے) کیا تم دیکھتے نہیں کہ مسلمان جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو وہاں اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

⑧ (عجمیوں کو عربوں کے برابر تو کر دیا لیکن یہ تو بتایا جائے کہ) اعجمی کی عدنانی اصل کہاں ہے یعنی کوئی بھی عجمی عدنان کی نسل سے نہیں ہے (عدنان قریشؐ کے جد امجد تھے۔ عجمی قریش عرب کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں) + ایک گونگا شخص سحبان کی گفتار کیسے پا سکتا ہے (سحبان زمانہ اسلام کے قبل کا ایک نامور خطیب تھا جو فتح مکہ کے بعد اسلام لایا۔ پھر امیر معاویہ کے مصاحبوں میں شامل ہو گیا تھا معاویہ نے انھیں خطیب العرب کا خطاب دیا تھا)۔

⑨ عرب کے خاص لوگوں کی آنکھ اندھی ہو گئی + اے زہیر تو قبر سے کیوں نہیں نکل آتا (زہیر عرب کا ایک نامور شاعر تھا جو کفار کی طرف سے شعر کہہ کر دین اسلام کی برائی بیان کیا کرتا تھا)۔

⑩ اے کہ تو صحرائے (عرب) میں ہمارے لئے رہبر ہے + تو (اے زہیر) جبریل کی نوا کو یعنی قرآن کریم کا جادو (اپنی دین شکن شاعری سے) توڑ دے۔ (ابو جہل قرآن کی تاثیر کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ یہ جادو بھرے الفاظ ہیں)۔

تیسرا بند

باز گو اے سنگِ اسود باز گوے   آنچہ دیدیم از محمدؐ باز گوے

اے ہبلؑ اے بندہ را پوز پذیرے   خانہ خود را ز بے کیشاں بگیر

گلہِ شاں را بگرگاں کن سبیل   تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل!

صرصرے دہ با ہوائے بادیہ   انہم اعجاز نخل خاویہ

اے منات اے لات ازیں منزل مرو   گر ز منزل می روی از دل مرو

اے ترا اندر دو چشم ما وثاق   مہلتے ان کنت از معت الفراق

*

① پھر بیان کر اے (کعبہ میں لگے ہوئے متبرک) سنگ اسود پھر بیان کر + ہم نے محمد ﷺ کے ہاتھوں جو کچھ دیکھا ہے پھر بیان کر (تو نے تو وہ سب کچھ دیکھا ہے جو کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کے ساتھ اہل اسلام نے کیا ہے)۔

② اے ہبل (بت) اے بندوں کے عذر قبول کرنے والے (میرے آقا) + بے دینوں سے اپنا گھر واپس لے لے (مسلمانوں نے تجھے کعبہ سے نکال دیا ہے تو ان کو نکال دے اور اپنے مکان میں دوبارہ آ جا)۔

③ ان کے بھیڑوں کے گلے کو بھیڑیوں کے حوالے کر دے۔ (یا ان کی نذر کر دے) + درختوں پر ان کے لئے کھجوروں کو کڑوی کر دے۔

④ ان پر صحرا کی ہوا کو صرصر (تیز و تند اور زہریلی گرم ہوا) بنا کر بھیج + تاکہ وہ اسی طرح گر جائیں جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے گرتے ہیں۔

⑤ اے لات اے منات (اے میرے دو عظیم خداؤ) اس منزل یعنی کعبہ سے نہ جاؤ + اگر تم منزل سے چلے بھی جاؤ تو ہمارے دل سے نہ جاؤ۔

⑥ اے وہ کہ تمہارا ہماری آنکھوں کے اندر گھر ہے + اگر تم نے ہم سے جدا ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کچھ دیر کے لئے اور ٹھہر جاؤ۔

فلک عطارد

زیارت ارواح جمال الدین افغانی و سعید حلیم پاشا

تعارف افغانی و پاشا: جمال الدین افغانی اسعد آباد افغانستان کے رہنے والے تھے۔ 1254ھ/1838ء میں پیدا ہوئے ان کے والد سید محمد صفدر کابل کے امیر دوست محمد خان کے مشیر تھے۔ افغانی نے اٹھارہ برس کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پائی۔ اس کے بعد انہوں نے ملوکیت کی مخالفت شروع کر دی جس کی پاداش میں وہ افغانستان سے نکال دئے گئے پھر وہ ساری عمر وطن سے باہر ہندوستان، مصر، فرانس، ترکی روس وغیرہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے ہوئے 1897ء کے لگ بھگ ترکی میں فوت ہوئے۔ انہوں نے اس سارے عرصہ میں اسلام کی حقانیت اور دین کی تبلیغ کے لئے اور صحیح اسلامی حکومت کے خدوخال اجاگر کرنے کے لئے کام کیا۔

سعید حلیم پاشا 1865ء میں قسطنطنیہ (ترکی) کے مقام پر پیدا ہوئے ان کے والد مصر کے خاندان خدیو کے بانی بادشاہ محمد علی پاشاہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ باپ کی جگہ بادشاہ نہ بن سکنے کے سبب وہ مصر چھوڑ کر ترکی چلے گئے وہاں اس وقت کے خلیفہ عبدالحمید نے انہیں پاشا کا خطاب دے کر (1902ء میں) اپنا وزیر مقرر کر دیا اس کے بعد کبھی معزول ہوئے کبھی دوبارہ کسی عہدہ پر آئے پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر کے ترکی کی طرف سے لڑے۔ ترکی کو شکست ہونے پر انگریزوں نے ان پر مقدمہ چلایا اور 1919 میں جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ پھر جب رہا ہوئے تو ایک ارمنی نوجوان نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا یہ 6 دسمبر 1921ء کا واقعہ ہے سعید حلیم پاشا ساری عمر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور اسلام کے ضابطہ حیات کی احیا کے لئے کوشش کرتے رہے۔

پہلا بند

مشت خاکے کار خود را بردہ پیش بردہ — تراشاے تجلی ہائے خویش!

یا من افتادم بدام ہست و بود — یا بدام من اسیر آمد وجود!
اندریں نیلی تتق چاک از من است؟ — من ز افلاکم کہ افلاک از من است؟
یا ضمیرم را فلک در بر گرفت — یا ضمیرِ من فلک را در گرفت!
اندرون است ایں کہ بیرون است؟ چیست؟ — آنچہ می بیند نگہ چون است؟ چیست؟
پر زنم بر آسمانے دیگرے — پیش خود بینم جہانے دیگرے
عالمے با کوہ و دشت و بحر و بر — عالمے از خاک ما دیرینہ تر
عالمے از ابر کے بالیدۂ — دستبرد آدمے نادیدۂ
نقشہا نابستہ بر لوح وجود — خردہ گیرے فطرت آنجا نبود!

*

① ایک مٹی کی مٹھی نے یعنی آدمی نے (چاند کے فلک سے عطارد کے فلک کی طرف) اپنا کام آگے بڑھایا مراد ہے مسافر اقبال اب چاند سے عطارد پر وارد ہوا + اپنی تجلیات کا تماشا کرتے ہوئے (مراد ہے صاحب تجلیات کے لئے یہ مشکل نہیں ہے)۔

② یا (یہ عالم تھا) کہ میں ہست و بود کے دام میں گرفتار تھا + یا (اب یہ عالم ہے) کہ وجود میرے دامن میں اسیر ہے مراد یہ ہے کہ جب تک آدمی بخود آگاہ نہیں ہوتا زمان و مکاں کا قیدی رہتا ہے: جب وہ اپنی تجلیات سے منور ہو جاتا ہے یا اپنی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو یہی زمان و مکاں اس کے اسیر ہو جاتے ہیں۔

③ اس نیلے آسمان کے اندر چاک کیا مجھ سے ہے؟ (اس سوالیہ انداز میں اثبات کا پہلو ہے کہ ہاں واقعی مجھ سے ہے) کیا میں افلاک سے ہوں یا افلاک مجھ سے ہیں؟ (یہاں بھی یہی کہنا چاہتا ہے کہ میں افلاک سے نہیں ہوں افلاک مجھ سے ہیں)۔

④ یا (یہ بات ہے) کہ میرے ضمیر کو فلک نے اپنے اندر سمو لیا ہے + یا میرے ضمیر نے فلک کو اپنے پہلو میں لے لیا ہے (دوسری بات صحیح ہے)۔

⑤ (یہ جو کچھ میرے گردو پیش ہے) یہ میرے اندر ہے یا میرے باہر ہے حقیقت کیا ہے (حقیقت یہی ہے کہ یہ سب کچھ میرے اندر ہے) + نگاہ جو کچھ دیکھتی ہے کیسے ہے اور کیا ہے (عالم کا وجود میرے ہونے سے ہے)۔

⑥ (اب) میں ایک اور آسمان کی طرف پر مار رہا ہوں + میں اپنے سامنے ایک اور جہان دیکھ رہا ہوں۔

⑦ (جس جہان کی طرف میں اب جا رہا ہوں) وہ ایک ایسا عالم ہے جس میں پہاڑ' جنگل' سمندر اور خشکی (سب کچھ) ہے + یہ ایک ایسا عالم ہے جو میری خاک یعنی ہماری زمین سے پہلے کا جہان ہے۔

⑧ وہ عالم ایک چھوٹے سے بادل سے پیدا ہوا ہے + (اور یہ (ابھی تک) آدم کی دست برد سے بچا ہوا ہے۔

⑨ اس کے وجود کی لوح پر ابھی کوئی نقش ثبت نہیں تھا + وہاں ابھی کوئی شخص فطرت پر تنقید کرنے والا نہ تھا۔

دوسرا بند

من بہ رومی گفتم ایں صحرا خوش است ۔۔۔ در کہستاں شورش خوش است
من نیابم از حیات ایں جا نشاں ۔۔۔ از کجا می آید آوازِ اذاں؟
گفت رومی "ایں مقامِ اولیاست ۔۔۔ آشنا ایں خاکداں با خاکِ ماست
بوالبشر چوں رخت از فردوس بست ۔۔۔ یک دو روزے اندریں عالم نشست
ایں فضاہا سوزِ آہش دیدہ است ۔۔۔ نالہ ہائے صبحگاہش دیدہ است
زائرانِ ایں مقامِ ارجمند ۔۔۔ پاک مرداں از مقاماتِ بلند
پاک مرداں چوں فضیل و بوسعید ۔۔۔ عارفاں مثل جنید و بایزید
خیز تا مارا نماز آید بدست ۔۔۔ یک دو دم سوز و گداز آید بدست"

*

① میں نے (اس سفر میں اپنے راہنما) مولانا رومیؒ سے کہا یہ صحرا اچھا ہے + اس کے پہاڑوں میں دریا کا شور اچھا ہے۔

② (لیکن) میں یہاں زندگی کا نشان نہیں پاتا + (پھر) یہ اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔

③ رومیؒ نے کہا یہ اولیا کا مقام ہے + یہ زمین ہماری خاک یعنی آدم سے آشنا ہے۔

④ بوالبشر (بشر کے باپ یعنی حضرت آدمؑ) نے جب جنت سے رخت سفر باندھا + (تو وہ) ایک دو روز اس جہان میں ٹھہرا تھا۔

⑤ اس فضا نے اس کی یعنی آدم کی آہوں کے سوز کو دیکھا ہے (وہ آہیں جو وہ جنت سے نکالے جانے کی بنا پر کھینچ رہا تھا) + (اس فضا نے) اس کی صبح کے وقت کی فریادوں کو دیکھا یعنی سنا ہے۔

⑥ اس مبارک مقام کے زائر (زیارت کرنے والے) + بلند مقامات والے پاک مرد ہیں۔

⑦ پاک مرد فضیلؒ اور بوسعیدؒ جیسے + عارف جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسے (ہیں) (یہ چاروں نام سربلند صوفیائے کرام کے ہیں جو مختلف وقتوں میں مختلف ملکوں میں ہوئے ہیں)۔

⑧ اٹھ (جلدی کر) تاکہ ہمیں (ان بزرگوں کے ساتھ) نماز مل جائے + ایک دو دم کے لئے سوز و گداز (کی نعمت) ہمارے ہاتھ آجائے۔

تیسرا بند

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام ۔۔۔ مقتدی تاتار و افغانی امام
پیر رومی ہر زماں اندر حضور ۔۔۔ طلعتش برتافت از ذوق و سرور
گفت "مشرق زیں دو کس بہتر نزاد ۔۔۔ ناخنِ شاں عقدہ ہائے ما کشاد
سید السادات مولانا جمال ۔۔۔ زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال

ترک سالار آں حلیم دردمند   فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند
با چنیں مرداں دو رکعت طاعت است   ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است"

*

① میں گیا اور میں نے دو آدمیوں کو (نماز کے) قیام میں دیکھا + (اس نماز میں) افغانی امام اور مقتدی تاتار تھا (جمال الدین کا تعلق افغان نسل سے اور سعید حلیم پاشا کا تعلق تاتاری نسل سے تھا)۔

② پیر رومی" جو ہر وقت (خدا کی) حضوری میں رہتا ہے + اس کا چہرہ ذوق اور سرور (کی تجلی سے) چمک اٹھا۔

③ اس نے (رومی نے مجھ سے کہا کہ) مشرق نے ان دو اشخاص سے بہتر کسی کو نہیں جنا (مراد ہے اس دور میں) + ان کے ناخنوں نے ہمارے (بہت سے) عقدے کھولے (ان کی کاوش نے ہمارے بہت سی مشکلات حل کی ہیں)۔

④ سیدوں کا سید مولانا جمال + جن کی باتوں سے مٹی اور پتھر جاندار ہو گئے (مشرق کے خصوصاً مسلمانوں کے مردہ دلوں میں ولولے پیدا ہو گئے)۔

⑤ (دوسرے شخص ہیں) ترکوں کے راہنما وہ دردمند حلیم + جن کی فکر ان کے مرتبے کی طرح بلند ہے (حلیم پاشا سلطنت عثمانیہ کے وزیر اعظم اور دوسرے کئی اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بادشاہ زادہ تھے۔ بلند مرتبہ کا اس طرف اشارہ ہے)۔

⑥ ان جیسے مردوں کے ساتھ دو رکعت ادا کرنا (صحیح معنوں میں) طاعت (عبادت یا نماز) ہے + ورنہ عبادت یا نماز تو وہ کام ہے کہ جس کی مزدوری جنت ہے (جو جنت کے حصول کا ذریعہ ہے یا جو جنت کے حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے)۔

چوتھا بند

قرأتِ آں پیرِ مردے سخت کوش   سورۂ والنجم و آں دشتِ خموش!
قرأتے کز وے خلیل آید بوجد   روحِ پاکِ جبرئیل آید بوجد!
دل ازو در سینہ گردد ناصبور   شورِ الا اللہ خیزد از قبور!
اضطرابِ شعلہ بخشد دود را   سوز و مستی می دہد داؤد را
آشکارا ہر غیاب از قرأتش   بے حجاب اُمّ الکتاب از قرأتش!

*

① اس سخت کوش پیر مرد کی قرأت (قرآن کا پڑھنا) + سورہ والنجم اور وہ خاموش دشت (یعنی جمال الدین افغانی نماز میں امام کے طور پر اس وقت والنجم سورت کی قرات کر رہے تھے اور ان کی آواز اس بیابان کی خاموش فضا میں جس انداز سے گونج رہی تھی اس کی اثر انگیزی کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا سورۂ والنجم کا خاص طور پر اس لئے ذکر ہے کہ اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے معراج پر جانے اور وہاں کے اسرار و رموز کا اشارتاً بیان ہے۔ یہ ایک مومن کو عالم ناسوت سے عالم لاہوت میں جانے کی

ترغیب ہے۔ زمان و مکاں کو مسخر کرنے کی پند ہے۔ اور سب سے بڑھ کر دیدارِ ذات کے مقام کے حصول کی تحریص ہے)۔

② ایسی قراءت جس سے (خدا کا برگزیدہ پیغمبر) ابراہیم خلیل اللہ بھی وجد میں آجائے + (خدا کے مقرب فرشتے) جبرئیل کی روح بھی وجد میں آجائے۔

③ (یہ وہ قراءت تھی) جس سے سینے میں دل بے قرار ہو جاتا ہے + قبروں سے الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا شور اٹھتا ہے (جس کو سن کر مردے بھی خدا کا اقرار کرتے ہوئے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہوں)۔

④ (یہ قراءت) دھوئیں کو شعلے کا اضطراب بخشتی ہے + جو حضرت داؤد علیہ السلام پیغمبر کو سوز و مستی عطا کرتی ہے (حالانکہ حضرت داؤد وہ پیغمبر تھے جن کے اپنے لحن کی تاثیر سے شجرو حجر اور چرند و پرند وجد میں آجاتے تھے)۔

⑤ اس کی قراءت سے ہر غیب ظاہر (ہو رہا تھا) + اس کی قراءت سے ام الکتاب بے حجاب ہو رہی تھی یعنی قرآن کریم کے رموز و اسرار کی تفہیم ہو رہی تھی اور غیب حاضر بن کر سامنے آ رہا تھا۔

پانچواں بند

من ز جا برخاستم بعد از نماز — دستِ او بوسیدم از راہِ نیاز
گفت رومی "ذرۂ گردوں نورد! — در دلِ او یک جہان سوز و درد!
چشم جز بر خویشتن نکشادۂ — دل بکس ننہادۂ آزادۂ
تند سیر اندر فراخائے وجود — من ز شوخی گویمش زندہ رود"

*

① نماز کے بعد میں (اقبال) اپنی جگہ سے اٹھا + میں نے اس کا نیازمندی سے ہاتھ چوما (جمال الدین افغانی کا)۔

② رومیؒ نے (جمال الدین سے کہا کہ) یہ ایک ذرہ ہے جو آسمانوں کی سیر کے لئے (نکلا ہے) + اس کے دل میں درد و سوز کا ایک جہان (ہے) یعنی مولانا جلال الدین رومی نے جمال الدین افغانی سے میرا اس طرح تعارف کرایا۔

③ اس نے اپنے سوا کسی پر آنکھ نہیں کھولی یعنی خود آشنائی یا خود آگاہی اس کا شیوہ ہے + اس نے کسی کو اپنا دل نہیں دیا (وہ اس لحاظ سے (بھی) آزاد ہے)۔

④ یہ کائنات کی وسعت میں سرگرم سیر ہے + میں اس کو شوخی سے (اقبال نہیں) زندہ رود کہتا ہوں (زندہ رود ایک ندی کا نام ہے جو شمالی ایران میں ہے)۔

افغانی

زندہ رود! از خاکدان ما گوے / از زمین و آسمان ما بگوے
خاکی و چوں قدسیاں روشن بصر! / از مسلماناں بدہ ما را خبر!

*

① (افغانی زندہ رود کو کہتا ہے کہ) اے زندہ رود ہماری خاکدان یعنی دنیا کے متعلق کچھ بتا + ہماری زمین اور ہمارے آسمان کے متعلق کچھ کہہ۔
② تو ہے تو خاکی لیکن فرشتوں سے زیادہ روشن بصر ہے + تو مجھے مسلمانوں کے متعلق خبر کر۔

زندہ رود

در ضمیرِ ملتے گیتی شکن / دیدہ ام آویزشِ دین و وطن!
روح در تن مردہ از ضعفِ یقیں / نا امید از قوتِ دینِ مبیں
ترک و ایران و عرب مستِ فرنگ / ہر کسے را در گلو شستِ فرنگ
مشرق از سلطانیِ مغرب خراب / اشتراک از دین و ملت بردہ تاب!

*

① (زندہ رود یعنی اقبال نے جواب میں کہا کہ) دنیا شکن ملت کے ضمیر میں یعنی اس امت مسلمہ کے دل میں جو دنیا کے بت کو توڑنے کے لئے مبعوث کی گئی تھی + میں نے اس کے اندر دین اور وطن کی آویزش (جنگ) دیکھی ہے (آج کل کا مسلمان اس کشمکش میں ہے کہ دین وطنیت کا نام ہے یا اس سے الگ ہے یعنی آج کا مسلمان دین کی آفاقی روح کو چھوڑ کر رنگ نسل اور وطن کی قومیتوں کے چکر میں پھنس کر ملت کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکا ہے)۔
② یقین (ایمان) کی کمزوری کی وجہ سے اس کے جسم میں دل مردہ ہو چکا ہے + وہ روشن دین کی قوت سے ناامید ہے۔
③ ترک، عرب اور اہل ایران (سب مسلمان) افرنگیوں (کی تہذیبی اور فکری شراب پی کر) مست ہیں (میخانہ اسلام کا ہر گھونٹ انہیں تلخ اور افرنگی میخانے کا ہر گھونٹ انہیں شیریں نظر آتا ہے) + ہر کسی کے گلے میں افرنگیوں کا کانٹا اٹکا ہوا ہے یا پھندا پڑا ہوا ہے یعنی آج مسلمان سیاسی طور پر بھی افرنگیوں کے غلام ہیں اور فکری طور پر بھی)۔
④ مغرب والوں کی سلطانی یعنی حکمرانی کی وجہ سے مشرق (خصوصاً اسلامی مشرق) برباد ہو چکا ہے + اشتراکیت نے دین اور ملت کی چمک ختم کر دی ہے یعنی اہل مغرب کے سلطانی اور جمہوریت کے نظریات نے ان کے یعنی مسلمانوں کے اپنے دینی نظریہ کو ختم کر دیا ہے۔

افغانی

دین و وطن

پہلا بند

لردِ مغرب آں سراپا مکر و فن ۔ اہلِ دیں را داد تعلیمِ وطن
او بفکرِ مرکز و تو در نفاق ۔ بگذر از شام و فلسطین و عراق
تو اگر داری تمیزِ خوب و زشت ۔ دل نہ بندی با کلوخ و سنگ و خشت
چیست دیں برخاستن از روئے خاک ۔ تا ز خود آگاہ گردد جانِ پاک!
می نگنجد آنکہ گفت اللہ ہو ۔ در حدودِ ایں نظامِ چار سُو
برگِ کہ از خاک و بر خیزد ز خاک ۔ حیف اگر در خاک میرد جانِ پاک!
گرچہ آدم بر دمید از آب و گل ۔ رنگ و نم چوں گل کشید از آب و گل
حیف اگر در آب و گل غلطد مدام ۔ حیف اگر برتر نپرد زیں مقام
گفت تن در شو بخاکِ رہگذر ۔ گفت جاں پہنائے عالم را نگر!
جاں نگنجد در جہات اے ہوشمند ۔ مردِ حر بیگانہ از ہر قید و بند
حر ز خاک تیرہ آید در خروش ۔ زانکہ از بازاں نیاید کارِ موش!

*

① مغرب کا لارڈ وہ جو سراپا مکر و فن ہے + اس نے اہل دین کو وطن کی تعلیم دی ہے یعنی یہ کہا ہے کہ ملت وطن سے بنتی ہے دین سے نہیں ---- (لارڈ انگریزی لفظ ہے جس کے معنی امیر یا حکمران کے ہیں علامہ نے اسے لرد بنا لیا ہے اس سے مراد مغرب کا حکمران طبقہ ہے)۔

② (وہ ہمیں اپنے مکر و فریب سے نظریہ دین سے دور کر دینے کے بعد) خود تو مرکز کی فکر میں ہے یعنی متحد و متفق ہے + (اور) تو نفاق میں پڑا ہوا ہے (اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑ جھگڑ رہا ہے وطن کی بنیاد پر ملت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے)۔

③ اگر تو اچھے اور برے یا حق اور باطل میں تمیز رکھتا ہے + تو ڈھیلوں، اینٹوں اور پتھروں سے دل نہ لگا یعنی وطن کو خدا نہ بنا اور اس بنا پر ملت اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر۔

④ دین کیا ہے خاک پر سے اٹھنے کا نام ہے + تاکہ جان پاک اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے (دین مادیت سے بالاتر ہونے کا نام ہے)۔

⑤ جس نے اللہ ھو کہا وہ نہیں سماتا + اس چار سو یعنی زمان و مکاں کی حدود میں ---- مراد ہے سب کچھ اللہ کو ماننے والا یعنی موحد، وطنیت کی قیود میں نہیں رہتا وہ آفاقی بنتا ہے پوری دنیا کو مسلمان کا وطن سمجھتا ہے)۔

⑥ گھاس کا تنکا (اگرچہ) خاک سے ہے (لیکن) وہ خاک سے اوپر اٹھتا ہے (وہ خاک میں رہنا پسند نہیں

کرتا) + افسوس ہے اگر تیری پاک جان خاک میں مرجائے یعنی تو اے مسلمان روح سے بے گانہ تن پروری میں زندگی گزار دے۔

⑦ اگرچہ آدمی پانی اور مٹی سے پھوٹتا ہے یعنی عناصر کا بنا ہوا ہے یا پانی میں گوندھی ہوئی مٹی سے بنا ہوا ہے + (لیکن) اس نے اس سے گلاب کے پھول کی طرح رنگ اور نمی حاصل کی ہے۔ یعنی وہ صرف جسم نہیں کچھ اور بھی ہے۔ صرف بدن نہیں روح بھی ہے۔

⑧ افسوس ہے اگر وہ پانی اور مٹی میں ہی ہمیشہ لوٹتا رہے یعنی بدن یا مادیت ہی میں زندگی بھر غلطاں و پیچاں رہے + افسوس ہے اگر وہ عالم خاک سے بلند نہ ہو (اور اپنے رنگ و بو کو نہ پہچانے)۔

⑨ تن کہتا ہے کہ تو (زندگی کے) راستے کی خاک میں مل جا + جان کہتی ہے تو عالم کی وسعتوں کو دیکھ (اور وہاں پرواز کر)۔

⑩ اے ہوش والے مخلص جان جہات میں (زمان و مکاں کی حدود میں) نہیں سماتی + آزاد آدمی ہر قید اور ہر بند سے آزاد ہوتا ہے۔

(11) آزاد آدمی تاریک مٹی سے خروش میں آجاتا ہے (اس کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور روشن جہان کی تلاش میں رہتا ہے + کیونکہ بازوں سے چوہوں کا کام نہیں ہوتا۔

دوسرا بند

آں بکفِ خاکے کہ نامیدی وطن   ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن
با وطن اہلِ وطن را نسبتے است   زانکہ از خاکش طلوعِ ملّتے است
اندریں نسبت اگر داری نظر   نکتۂ بینی ز مو باریک تر
گرچہ از مشرق برآید آفتاب   با تجلی ہائے شوخ و بے حجاب
در تب و تاب است از سوزِ دروں   تا ز قیدِ شرق و غرب آید بروں
بر دمد از مشرقِ خود جلوہ مست   تا ہمہ آفاق را آرد بدست!
فطرتش از مشرق و مغرب بری است   گرچہ از روئے نسبت خاوری است!

*

① وہ مٹی کی مٹھی جس کو تو نے وطن کا نام دے رکھا ہے + یہ کہ جسے تو ایران مصر اور یمن کہتا ہے (وطن کو مٹی کی مٹھی اس لئے کہا ہے کہ وطنیت کا تصور قوم کو تقسیم کرکے محدود کر تا ہے)۔

② اہل وطن کو وطن سے نسبت ہے + کیونکہ اسی کی خاک سے ایک قوم ظہور میں آتی ہے یعنی نظریہ وطنیت کے مطابق قوم وطن سے بنتی ہے۔

③ اگر تو اس نسبت میں نظر کرے + تو پھر تو بال سے بھی باریک نکتہ (رمز کی بات) دیکھے گا۔

④ اگرچہ سورج مشرق سے آتا ہے + اپنی شوخ اور بے حجاب تجلیوں کے ساتھ۔

⑤ وہ اپنے اندرونی سوز کی بنا پر تب و تاب میں (کشمکش میں) ہوتا ہے + تاکہ وہ مشرق اور مغرب کی قید سے نکل آئے۔

⑥ وہ اپنے مشرق سے جلوؤں میں مست نکلتا ہے + تا آنکہ وہ ساری کائنات کو (اپنی کرنوں کی) لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

⑦ اس کی فطرت مشرق اور مغرب سے آزاد ہے + اگرچہ وہ نسبت کے لحاظ سے مشرقی ہے۔

اشتراکیت و ملوکیت

پہلا بند

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل ۔۔۔ یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل
زانکہ حق و باطلِ او مضمر است ۔۔۔ قلبِ او مومن دماغش کافر است،
غربیاں گم کردہ اند افلاک را ۔۔۔ در شکم جویند جانِ پاک را!
رنگ و بو از تن نگیرد جانِ پاک ۔۔۔ جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرِ حق ناشناس ۔۔۔ بر مساواتِ شکم دارد اساس
تا اخوت را مقام اندر دل است ۔۔۔ بیخ او در دل نہ در آب و گل است!

*

① حضرت ابراہیم خلیلؑ کی نسل سے (ایک شخص جو اپنی کتاب بنام) سرمایہ کا مصنف ہے + یعنی (میری مراد) اس بے جبرئیل پیغمبر سے ہے (پیغمبر سے یہاں مراد خدا کا بھیجا ہوا رسول یا نبی نہیں ہے لیکن محض پیغام دینے والا ہے بے جبرئیل پیغمبر میں اسی طرف اشارہ ہے اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ وہ پیغام بر تو ہے اور اس کے پیغام پر مشتمل ایک کتاب بھی ہے لیکن یہ کتاب خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغام پر مشتمل نہیں ہے بلکہ خود اس کے اپنے فکر کا پیغام ہے اسی لئے جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا اس کے پیغام نے انسانیت اور انسان کی دنیا کی تعمیر کی بجائے اس کی تخریب کے سامان پیدا کئے۔ کارل مارکس اس صاحب سرمایہ کا نام تھا اور وہ یہودی تھا۔ اس دور میں قوموں اور ان کے مذہبوں کو تباہ کرنے کے جو مختلف افکار ایک سازش کے طور پر یہودیوں نے پیش کئے کارل مارکس کی کتاب سرمایہ میں موجود نظام اشتراکیت اس کی ایک کڑی ہے۔ اگر یہ نظام دنیا تعمیر اور انسان ساز ہوتا تو سب سے پہلے یہودی اپنی اسرائیلی مملکت اسرائیل میں نافذ کرتے۔ اس کا وہاں نافذ نہ کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ یہودی فکر دوسروں کے معاشروں کو برباد کرنے کی ایک سازش کے سوا کچھ نہیں۔ علامہ نے بے جبرئیل پیغمبر یہودی کارل مارکس کو کہا ہے اس کی بے جبرئیل پیغمبری کا نتیجہ ہے کہ کارل مارکس کی اشتراکیت میں خدا کا اور مذہب کا کہیں وجود نہیں ہے)۔

② کیونکہ اس کا حق اور باطل چھپا ہوا ہے + (اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ) اس کا دل مومن اور اس کا دماغ کافر ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ کارل مارکس کے نظریہ اشتراکیت (کمیونزم) میں باطل کے ساتھ کہیں حق بھی نظر آتا ہے وہ محض باطل کے مضر اثرات کو لوگوں سے مخفی رکھنے کے لئے ارادتاً کیا گیا ہے کارل مارکس کے دماغ کو کافر اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ کارل مارکس خدا کا منکر ہے۔

③ اہل مغرب نے افلاک کو (عالم لاہوت کو) گم کر رکھا ہے یعنی ان کے افکار و نظریات اسی زمین تک یا مادہ تک محدود ہیں + وہ پاک جان کو پیٹ میں ڈھونڈتے ہیں یعنی وہ اپنی نادانی کی بنا پر مادہ میں سرگرداں ہیں۔ اور شکم پرستی یعنی روٹی کپڑا وغیرہ کے حصول کی تلقین کرتے ہیں۔

④ جان پاک (روح) تن سے رنگ و بو حاصل نہیں کرتی + (لیکن) اشتراکیت تن کے سوا کسی چیز سے کام نہیں رکھتی۔

⑤ اس حق ناشناس پیغمبر (یعنی خدا سے منکر پیغام۔ کارل مارکس) کا دین + پیٹ کی مساوات کی بنیاد پر قائم ہے۔

⑥ چونکہ اخوت کا مقام دل میں ہے + (اس لئے) اس کی جڑ دل میں ہے نہ کہ آب و گل (یعنی جسم) میں۔ کارل مارکس جس اخوت کی بات کرتا ہے اس کا تعلق پیٹ سے ہے یہ مساوات قدرت کے منشا کے خلاف ہے اسلام جس مساوات کی بات کرتا ہے اس کا تعلق دل سے ہے جو عین منشائے فطرت ہے۔ پیٹ کی مساوات میں کالے گورے کی تمیز باقی رہتی ہے دل کی مساوات میں یہ تمیز اٹھ جاتی ہے۔

دوسرا بند

ہم ملوکیت بدن را فربہی است — سینۂ بے نورِ او از دل تہی است!
مثلِ زنبورے کہ بر گل می چرد — برگ را بگذارد و شہدش برد
شاخ و برگ و رنگ و بوئے گل ہماں — بر جمالش نالۂ بلبل ہماں
از طلسمِ رنگ و بوئے او گذر — ترکِ صورت گوے و در معنی نگر
مرگِ باطن گرچہ دیدن مشکل است — گل مخواں او را کہ در معنی گل است!

*

① ملوکیت بھی بدن کو موٹا کرتی ہے + اس کا بے نور سینہ دل سے خالی ہے۔

② اس (شہد کی) مکھی کی مانند جو پھول چرتی ہے یعنی اس سے رس حاصل کرتی ہے + (جو) پتوں کو چھوڑ دیتی ہے اور اس کا شہد لے جاتی ہے۔

③ مکھی کے شہد چوسنے کے بعد پھول کی شاخ، پتے اور رنگ اسی طرح رہتے ہیں + اس کے جمال پر بلبل کا نعرہ (بھی) اس طرح رہتا ہے (یعنی پھول کا حسن بدستور قائم رہتا ہے۔ لیکن اس کا اندر شہد سے خالی ہو جاتا ہے)

④ اس کے رنگ و بو کے جادو سے گزر جا + صورت کو ترک کر اور معنی میں دیکھ۔ (ظاہر سے قطع نظر کر کے باطن پر نظر کر۔ دیکھ پھول کا ظاہر جس طرح باقی ہے اور اس کا باطن شہد سے خالی ہے اسی طرح ملوکیت میں لوگ بہ ظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آتے ہیں لیکن اندر سے غلامی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ انسان کا جسم زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح مردہ ہو جاتی ہے)۔

⑤ باطن کی موت کا دیکھنا اگرچہ مشکل ہے + اسے یعنی شہد سے خالی پھول کو پھول نہ کہہ (وہ ظاہر میں تو پھول ہے لیکن) باطن میں مٹی ہے۔ (ملوکیت میں انسان کا باطن بھی اسی طرح مٹی ہو جاتا ہے)۔

تیسرا بند

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب | ہر دو یزداں ناشناس، آدم فریب!
زندگی ایں را خروج آں را خراج | درمیان ایں دو سنگ آدم زجاج!
ایں بہ علم و دین و فن آرد شکست | آں برد جاں را ز تن، ناں را ز دست
غرق دیدم ہر دو را در آب و گل | ہر دو را تن روشن و تاریک دل!
زندگانی سوختن با ساختن | در گلے تخمِ دلے انداختن!

*

① دونوں نظاموں میں یعنی اشتراکیت اور ملوکیت کے نظاموں میں روح غیر مطمئن اور بے چین رہتی ہے + دونوں خدا ناآشنا اور آدمیوں کو فریب دینے والے ہیں۔

② زندگی اس کے لئے یعنی اشتراکیت کے لئے (ملوکیت اور مذہب کے خلاف) خروج ہے یعنی ان کے خلاف بغاوت کا نام ہے (اور) اس کے لئے یعنی ملوکیت کے لئے زندگی خراج ہے (لوگوں کا خون چوس کر خزانے جمع کرنا ہے) + ان دو پتھروں کے درمیان آدمی شیشہ ہے (اس کو شیشے کی طرح چکنا چور کیا جا رہا ہے)۔

③ یہ (اشتراکیت) علم، مذہب اور فن کے ذریعے (معاشرے) کی توڑ پھوڑ کرتی ہے + وہ (ملوکیت) بدن سے جان اور ہاتھ سے روٹی لے جاتی ہے۔

④ میں نے دونوں کو آب و گل (مادیت) میں غرق دیکھا ہے + دونوں کا بدن روشن اور دل تاریک ہے (یعنی دونوں نظاموں میں آدمی کے بدن کی پرورش کا انتظام تو ہے روح کی غذا کا کوئی بندوبست نہیں ہے)۔

⑤ زندگی ساختن کے ساتھ سوختن کا یعنی سوز و ساز کا نام ہے + (زندگی) مٹی یعنی بدن میں دل کا بیج ڈالنے کا نام ہے (انسان کی زندگی کا یہ مقصد نہیں کہ وہ حیوانوں کی طرح کھائے، پئے، سوئے، جاگے اور مر جائے بلکہ زندگی بدن کے اندر روح کو بالیدہ کرنے کا نام ہے اور اس کے لئے اس سوز و ساز کی ضرورت ہے جو انسان کے سوا کسی اور مخلوق میں نہیں ہے)۔

سعید حلیم پاشا

شرق و غرب

پہلا بند

غربیاں را زیرکی سازِ حیات | شرقیاں را عشق رازِ کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس | کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چوں با زیرکی ہمبر شود | نقشبندِ عالمِ دیگر شود

خیزد و نقش عالم دیگر بنہ ۔ عشق را با زیرکی آمیز دہ
شعلۂ افرنگیاں نم خوردہ ایست ۔ چشم شاں صاحب نظر، دل مردہ ایست!
زخمہا خوردند از شمشیر خویش ۔ بسمل افتادند چوں نخچیر خویش!
سوز و مستی را مجو از تاک شاں ۔ عصر دیگر نیست در افلاک شاں!
زندگی را سوز و ساز از نار تست ۔ عالم نو آفریدن کار تست!

*

① اہل مغرب کے لئے زیرکی (دانش و حکمت) زندگی کا سامان ہے + اہل مشرق کے لئے کائنات کا راز عشق ہے (محض عقل آدمی کو گمراہ کرتی ہے اگر عشق اس کا راہبر بن جائے تو یہ صحیح سمت پر چلتی ہے)۔

② عقل عشق سے حق شناس بن جاتی ہے + عشق کا کام عقل سے مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جاتا ہے۔

③ عشق جب عقل کے ساتھ ہم آغوش ہو جاتا ہے + وہ ایک اور (ہی) عالم کا نقش پیدا کرنے والا بن جاتا ہے۔

④ اٹھ اور ایک نئے جہان کا نقش ثبت کر + عشق کو عقل کے ساتھ ملا۔

⑤ فرنگیوں (یورپ والوں) کا شعلہ نم خوردہ ہو گیا ہے (اس کی حرارت ختم ہو رہی ہے یعنی اہل مغرب کی تہذیب اور فکر کا جادو ٹوٹ رہا ہے اس کی سیاسی برتری بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے) + ان کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن دل مردہ ہیں۔

⑥ (یورپ والوں نے) اپنی ہی تلوار کے زخم کھائے ہیں یعنی اپنی گستاخ فکر کی بدولت مقصد زندگی سے محروم ہو کر تنگ معیشت کا شکار ہو چکے ہیں + اپنے ہی شکار کی طرح بسمل پڑے ہیں۔

⑦ ان کی انگور کی بیل (کی شراب) سے سوز و مستی تلاش نہ کر (یورپ والے سوز و مستی کی نعمت سے محروم ہیں) + ان کے افلاک میں کوئی اور زمانہ نہیں ہے مراد ہے ان کی فکر کا نظام اب کوئی انقلاب پیدا کرنے سے قاصر ہے ایسا انقلاب جو آدمی کو اس کی کھوئی ہوئی آدمیت دلا سکے)۔

⑧ زندگی میں سوز و ساز تیری آگ سے ہے + ایک نیا جہان پیدا کرنا (اب) تیرا کام ہے (یہاں خطاب مسلمانوں سے ہے جو ایسا نظام زندگی رکھتے ہیں جو فطرت کے مطابق ہے جس میں روح و بدن اور عقل و عشق دونوں کی پرورش اور تربیت کا انتظام ہے)۔

دوسرا بند

مصطفیٰ کو از تجدد می سرود ۔ گفت نقش کہنہ را باید زدود
نو نگردد کعبہ را رخت حیات ۔ گر ز افرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگ نو در چنگ نیست ۔ تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست
سینۂ او را دمے دیگر نبود ۔ در ضمیرش عالمے دیگر نبود

لا جرم با عالم موجود ساخت ⠀ مثل موم از سوز ایں عالم گداخت
طرفگیہا در نہاد کائنات ⠀ نیست از تقلید تقویم حیات
زندہ دل خلاق اعصار و دہور ⠀ جانش از تقلید گردد بے حضور
چوں مسلماناں اگر داری جگر ⠀ در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہان تازہ در آیات اوست ⠀ عصرہا پیچیدہ در آنات اوست
یک جہانش عصر حاضر را بس است ⠀ گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
بندۂ مومن ز آیات خداست ⠀ ہر جہاں اندر بر او چوں قباست!
چوں کہن گردد جہانے در برش ⠀ می دہد قرآں جہانے دیگرش

*

① (جدید ترکی کے بانی) مصطفیٰ کمال پاشا جس نے تجدد کا راگ الاپا یعنی جس نے اسلام کو جدید رنگ میں پیش کیا + اس نے کہا کہ (اسلامی قدروں اور روایات) کے پرانے نقوش کو مٹا دینا چاہیے (چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا جدید ترکی کو ایسے خطوط پر استوار کیا جس میں اسلام کا ہر نقش مٹا دیا گیا ہے اور ترکی کو مغربیت کا مکمل رنگ دے دیا گیا ہے)۔

② کعبہ کا سامان حیات نیا نہیں ہو جاتا + اگر (اس میں) فرنگیوں سے ان کے لات اور منات یعنی غلط اور باطل نظریات کے بت آجائیں (افرنگ کا ہر نقش تو نقش باطل ہے مصطفیٰ کمال نے اسلام کے نقوش حق مٹا کر فرنگی باطل کے نقش مسلمانوں کے کعبہ معاشرہ میں سجا دیے ہیں)۔

③ (مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کو جدید بنانے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس سے ترکی کے ساز میں یا اتاترک مصطفیٰ کمال میں نیا سر نہیں ہے + اس کی جو چیز بھی نئی ہے وہ سوائے افرنگیوں کی پرانی چیز کے کچھ اور نہیں ہے۔

④ اس کے یعنی اتاترک کے سینے میں کوئی نیا سانس نہ تھا + اس کے ضمیر میں کوئی نیا جہان نہیں تھا (اس نے مغرب کے فرسودہ اور باطل نظام کو جدید ترکی میں نافذ کر دیا)۔

⑤ (اس بنا پر) اس نے بے شک (ترکی میں) موجودہ عالم سے موافقت پیدا کر لی + اور اس عالم کے سوز سے وہ موم کی طرح پگھل گیا۔

⑥ کائنات کی فطرت میں جو عجائبات یا جدیدیت ہے + وہ زندگی کی تقویم کی اندھا دھند پیروی سے نہیں ہے (تقویم ان چند اوراق کو کہتے ہیں جن میں نجومی سال بھر کے حالات و واقعات کے ظہور کا حساب رکھتے ہیں)۔

⑦ زندہ دل زمانوں اور ادوار کا خالق ہوتا ہے (نہ کہ مردہ دل جو مغرب کا ہے) + اس کی روح (حقیقت دریافت کئے بغیر) پیروی سے بے حضور ہو جاتی ہے یعنی خدا کے حضور سے دور ہو جاتی ہے اور اس کے فیضان سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسی روح والا شخص حق نا آشنا ہونے کی بنا پر باطل ہی کا نقش قائم کر سکتا ہے حق کا نہیں۔

⑧ اگر تو مسلمانوں کا سا جگر (حوصلہ) رکھتا ہے + تو پھر اپنے ضمیر اور قرآن پر نگاہ کر (کسی اور کا دست نگ ۰ ۱۰۲)۔

⑨ اس کی یعنی قرآن کریم کی آیات میں سینکڑوں نئے جہان ہیں + اس کی یعنی مرد مومن کی [illegible] زمانے پیچ کھا رہے ہیں (ان پر غور کرنے سے تو نئے نئے ایسے جہان پیدا کر سکتا ہے جو فطرت کا منشا ہے)۔

⑩ اس کا یعنی قرآن کی آیات میں موجود جہانوں میں سے ایک جہان دور حاضر کے لئے کافی ہے + اسے حاصل کرلے اگر تیرے سینہ میں معنی رس یعنی حقیقت تک رسائی والا دل موجود ہے۔

(11) بندۂ مومن خدا کی نشانیوں میں سے ہے + اس کے پہلو کا ہر جہان اس کے لئے قبا ہے (جس طرح کسی کی قامت کے مطابق لباس اس پر پورا اترتا ہے اسی طرح ہر جہان بندہ مومن کے لئے سازگار ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بھی خدا کی آیات میں سے ہوتا ہے اور قرآن کریم بھی آیات خداوندی سے معمور زمانوں کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔

(12) جب اس کے ایک پہلو میں جہان پرانا ہو جاتا ہے + تو قرآن اس کو ایک اور جہان دے دیتا ہے۔ یعنی بندہ مومن قرآن کے فیضان سے جہان پر جہان تخلیق کرتا چلا جاتا ہے۔

زندہ رود

زورق ما خاکیاں بے ناخداست   کس نداند عالم قرآں کجاست!

٭

① ہم خاکیوں یعنی آدمیوں کی کشتی ناخدا کے بغیر ہے + کوئی نہیں جانتا کہ قرآن کا جہان کہاں ہے۔

افغانی

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز   عالمے در انتظار قم ہنوز
عالمے بے امتیاز خون و رنگ   شام او روشن تر از صبح فرنگ
عالمے پاک از سلاطین و عبید   چوں دل مومن کرانش ناپدید
عالمے رعنا کہ فیض یک نظر   تخم او افگند در جان عمر!
لایزال و وارداتش نو بنو   برگ و بار محکماتش نو بنو
باطن او از تغیر بے غمے   ظاہر او انقلاب ہر دمے
اندرون تست آں عالم نگر   می دہم از محکمات او خبر!

٭

① (اے زندہ رود جس قرآن کے جہان کے متعلق تم نے پوچھا ہے) وہ ایک ایسا جہان ہے جو ابھی تک ہمارے سینوں میں گم ہے + وہ ایسا عالم ہے جو ابھی تک قم کے انتظار میں ہے یعنی کسی کے منہ سے نکلے ہوئے ان الفاظ کا منتظر ہے کہ قم باذن اللہ (اٹھو خدا کے حکم سے)۔۔۔۔ جب ایسا وقت آگیا تو وہ جہان بھی ظاہر ہو جائے گا۔

② وہ ایک رنگ و خون کی تمیز نہ رکھنے والا جہان ہے + اس جہان کی شام فرنگیوں کی صبح سے زیادہ

روشن ہے۔

③ وہ ایک ایسا جہان ہے جو آقاؤں اور غلاموں (کی تمیز سے) پاک ہے + مومن کے دل کی طرح اس کا کنارہ (بھی) ظاہر نہیں ہے۔

④ وہ ایک تازہ اور شاداب جہان ہے جس کی ایک نظر کے فیض نے + حضرت عمر فاروقؓ کی جان میں اس کا بیج ڈال دیا تھا (اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر تم نے اس جہان کا فیضان دیکھنا ہے تو حضرت عمر فاروقؓ کا دور دیکھ لو)۔

⑤ (اس جہان کا ایک اور وصف یہ ہے کہ) یہ جہان لازوال ہے یعنی قرآن کا پیدا کردہ یہ جہان ایسا ہے جس کو زوال نہیں ہے اور اس کی وجہ سے نئے نئے کارنامے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں + اس کی محکمات کے برگ و بار تازہ بہ تازہ ہیں یعنی ان سے نئے نئے نتائج برآمد ہوتے رہتے ہیں (محکمات سے مراد وہ آیات قرآنی ہیں جن کے احکام واضح اور ناقابل تغیر ہیں۔ ان میں قرآن کی بنیادی تعلیمات ہیں)۔

⑥ اس جہان کا باطن تغیر سے بے غم ہے + اس کا ظاہر ہر لمحہ کا انقلاب ہے (باطن قرآن سے مراد اس کے وہ اصول ہیں جو دائمی اور بے تغیر ہیں۔ ظاہر قرآن سے مراد اس کی جزئیات یا فروعات ہیں جن میں ضروریات کے مطابق تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے)۔

⑦ وہ جہان تیرے اندر ہے اسے دیکھ + میں اس کی محکمات سے تجھے اطلاع کرتا ہوں۔ (اے مسلمان جس قرآنی عالم کا ذکر ہوا ہے وہ کہیں باہر نہیں ہے تیرے اندر موجود ہے ضرورت اسے ظاہر کرنے یعنی عملی شکل دینے کی ہے)۔

محکمات عالم قرآنی

قرآنی جہان کی بنیادی تعلیمات جو واضح احکام رکھتی ہیں

① خلافت آدم

پہلا بند

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق — ابن آدم سرّے از اسرارِ عشق
سرِّ عشق از عالمِ ارحام نیست — او ز سام و حام و روم و شام نیست
کوکبِ بے شرق و غرب و بے غروب — در مدارش نے شمال و نے جنوب
حرفِ اِنّی جاعل تقدیرِ او — از زمیں تا آسماں تفسیرِ او
مرگ و قبر و حشر و نشر احوال اوست — نور و نارِ آں جہاں اعمالِ اوست
او امام و او صلوٰت و او حرم — او مداد و او کتاب و او قلم!
خردہ خردہ غیبِ او گردد شہود — حدود او را نہ ملکش را

از وجودش اعتبارِ ممکنات   اعتدال او عیارِ ممکنات
من چہ گویم از یم بے ساحلش   غرق اعصار و دہور اندر دلش
آنچہ در آدم بگنجد عالم است   آنچہ در عالم نگنجد آدم است!
آشکارا مہر و مہ از جلوتش   نیست رہ جبریل را در خلوتش!
برتر از گردوں مقام آدم است   اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

*

① دونوں جہانوں میں جہاں کہیں بھی عشق کے آثار ہیں + (وہاں) ابنِ آدم عشق کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے)۔

② عشق کا راز ماں کے رحموں کے عالم سے نہیں ہے + وہ سام، حام، روم اور شام سے نہیں ہے مراد ہے عشق کا تعلق نہ وراثت سے ہے نہ نسل سے اور نہ وطن سے۔ (سام اور حام سے دو نسلیں چلی ہیں۔ روم اور شام دو ملکوں کا نام ہے ایسا آدم جو سرِ عشق یا صفات خداوندی کا مظہر ہے انسان کلی یا انسان کامل ہوتا ہے وہ پیدا تو ماں کے رحم سے ہی ہوتا ہے لیکن سب سے الگ ہوتا ہے۔

③ وہ ایک ایسا ستارہ ہے جس کا تعلق نہ مشرق سے ہے اور نہ مغرب سے ہے اور نہ وہ کبھی غروب ہوتا ہے + اس کے مدار میں نہ شمال ہے اور نہ جنوب ہے (آدم کامل جو تجلیات ذات کا مظہر ہے ازلی، ابدی، بے بدل، اور آفاقی ہوتا ہے وہ زمان و مکاں کی قیود سے بالاتر ہوتا ہے)۔

④ اس کی تقدیر انی جاعل ہے (یہ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں اور وہ خلیفہ آدم ہو گا) مراد ہے آدمی باری تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس لئے اس کی صفات کا مظہر ہے + زمین سے آسمان تک اسی کی تفسیر ہے اس سے ایک مراد تو یہ ہے کہ ساری کائنات جو باہر تفصیلی طور پر موجود ہے آدم میں خلیفۃ اللہ ہونے کی وجہ سے اجمالی طور پر موجود ہے اور دوسری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات آدم کے لئے بنائی ہے کیونکہ وہ اس کا خلیفہ ہے اگر وہ نہ ہوتا تو یہ کائنات بے مقصد ہوتی۔

⑤ موت، قبر، حشر اور نشر اس کے احوال ہیں + اس جہان کا نور (جنت) اور نار (دوزخ) اس کے اعمال ہیں (موت اس کی زندگی کا خاتمہ نہیں کرتی بلکہ اس کے بعد جو کچھ بھی اسے پیش آئے گا وہ سب کچھ اس کی زندگی ہی کے مختلف مراحل ہیں)۔

⑥ وہ امام وہ نماز اور وہ کعبہ ہے + وہ سیاہی ہے وہ کتاب ہے وہ قلم ہے (آدمی ہی ہر شے کا مدار ہے وہی تخلیق کائنات کی وجہ ہے۔ وہ ہے تو سب کچھ ہے)۔

⑦ اس کا غیب آہستہ آہستہ اس کے لئے حضور بن جاتا ہے + نہ اس کی کوئی حدود ہیں (اور) نہ اس کے ملک کی —— یعنی اس میں اللہ تعالیٰ نے لاتعداد صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں۔ کائنات کی حدود اس کی حدود میں مدغم ہیں وہ اگر چاہے تو اپنے اندر کی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے کائنات کو مطیع بنا سکتا ہے۔

⑧ ممکنات کا اعتبار اس کے وجود سے ہے + اس کا اعتدال ممکنات کی کسوٹی ہے (ممکنات سے مراد جہان کی مخلوقات ہیں پہلے مصرع کا مطلب پھر یہ ہوا کہ تمام مخلوقات کی قدر و قیمت آدم کی وجہ سے ہے دوسرے مصرع سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ جو شے اس کے اعتدال مزاج پر پوری اترتی ہے وہی قیمتی

ہے)۔

⑨ میں اس کے بے ساحل سمندر کے متعلق کیا کہوں + اس کے دل میں زمانے اور ادوار غرق ہیں (اس کا دل ایسا بے کراں سمندر ہے)۔

⑩ جو کہ آدم میں سما سکتا وہ عالم ہے + اور جو کہ عالم میں نہیں سما سکتا وہ آدم ہے (کائنات جہان اصغر اور آدم جہان اکبر ہے۔ جو کچھ خارج میں موجود ہے وہ آدم کے اندر ہے)۔

(11) سورج اور چاند آدم کی جلوت سے آشکار ہیں + اس کی خلوت میں جبرئیل کا بھی گزر نہیں ہے (آدم کے ظہور سے مہرو ماہ کا ظہور ہے اگر آدم نہ ہو تا مہرو ماہ کے خواص کون جانتا۔ اس کے باطن کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کے ساتھ اس انداز اور اس مقام کا تعلق پیدا کر لیتا ہے کہ اللہ کے مقرب فرشتے کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہے)۔

(12) آدم کا مقام آسمان سے بلند ہے + تہذیب کی اصل آدم کا احترام ہے (آدمی کا احترام صرف دین اسلام سکھلاتا ہے تہذیب مغرب نے تو آدم کو تذلیل کے مقام تک پہنچا دیا ہے صرف تہذیب مغرب ہی کی بات نہیں دوسری اقوام کی تہذیبوں کا بھی یہی حال ہے۔ توحید وہ مدار ہے جس کے گرد احترام آدمی گردش کرتا ہے۔ یہی وہ مسلک ہے جو جملہ افرادِ بنی آدم کی مساوات کا درس دیتا ہے۔ تہذیب اسلام میں کالے گورے، عربی عجمی، نسلی وطنی، لسانی علاقائی وغیرہ کی بنیاد پر تفریق آدم کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں دوسرے سے افضل وہ ہے جو تقویٰ میں افضل ہے)۔

دوسرا بند

زندگی اے زندہ دل دانی کہ چیست؟	عشق یک بیں در تماشاے دوئی است!
مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند	کائناتِ شوق را صورت گر اند!
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات	فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات
آتشِ ما را بجانِ خود زند	جوہرِ او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی	از تب و تابش ثباتِ زندگی
شعلۂ کز وے شرر در گست	جان و تن بے سوزِ او صورت نہ بست
ارجِ ما از ارجمندی ہاے او	ما ہمہ از نقش بندی ہاے او
حق ترا داد است اگر تابِ نظر	پاک شو قدسیتِ او را نگر

٭

① اے زندہ دل کیا تو جانتا ہے کہ زندگی کیا ہے + (زندگی) دوئی میں ایک کو دیکھنے کا یعنی کثرت میں وحدت کے تماشے کا نام ہے۔

② عورت اور مرد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں + شوق کی کائنات کے صورت گر ہیں (مرد و عورت میں جو کشش اور تعلق ہے وہ آدم کی نسل بڑھانے کا سبب ہے)۔

③ عورت زندگی کی آگ کی حفاظت کرتی ہے یعنی مرد و زن کے تعلق سے عورت کے رحم میں جو

نطفہ قرار پاتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتی ہے + اس کی فطرت زندگی کے اسرار کی محتی ہے یعنی وہ نسل انسانی کی افزائش کا سبب بنتی ہے جملہ انسان اس کی وساطت سے ظہور اختیار کرتے ہیں)۔

④ وہ ہماری آگ کو (حرارت جنسی سے تخلیق شدہ نطفے کو) اپنی جان میں (رحم مادر میں) لیتی ہے + اور اس کے رحم کا جوہر خاک کو آدم بنا دیتا ہے۔

⑤ اس کے ضمیر میں زندگی کے ممکنات ہیں یعنی زندگی کا وجود اور تسلسل اس کی وجہ سے ہے + اس کی تب و تاب سے زندگی کا ثبات ہے (عورت تسلسل نسل انسانی کا سبب ہے)۔

⑥ ایسا شعلہ جس سے کہ بہت سی چنگاریاں نکلتی ہیں + اس کے سوز کے بغیر جسم و جان یا روح و بدن صورت اختیار نہیں کرتے (شعلہ اور شرر سے مقصود ایک عورت سے کئی بچوں کا پیدا ہونا ہے)۔

⑦ ہمارا وقار اس کی (یعنی عورت کی) سربلندی سے ہے + ہم سب اس کی (یا ماں کی) نقشبندی کے سبب موجود ہیں۔

⑧ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے نظر کی روشنی بخشی ہے + (پہلے) خود پاک ہو (اور پھر) اس کی یعنی ماں کی قدسیت (پاکیزگی اور فرشتگی) کو دیکھ۔

تیسرا بند

اے ز دینت عصرِ حاضر بردہ تاب — فاش گویم با تو اسرارِ حجاب
ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن — از فروغِ او فروغِ انجمن!
ہر کہ بر دارد ازیں آتش نصیب — سوز و سازِ خویش را گردد رقیب
ہر زماں بر نقشِ خود بندد نظر — تا نگیرد لوحِ او نقشِ دگر
مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید — مدتے جز خویشتن کس را ندید
نقشِ ما را در دلِ او ریختند — ملتے از خلوتش انگیختند
می تواں منکر ز یزداں شدن — منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن
گرچہ داری جانِ روشن چوں کلیم — ہست افکارِ تو بے خلوت عقیم!
از کم آمیزی تخیل زندہ تر — زندہ تر جویندہ تر یابندہ تر!

✱

① (عہد حاضر کے مسلمان) اے کہ تجھ سے دور جدید نے دین کی روشنی چھین لی ہے + میں تجھے (عورت کے) پردہ کے راز (کی بات) صاف صاف بتاتا ہوں۔

② تخلیق کا ذوق بدن میں ایک آگ ہے + اس کی روشنی سے انجمن کی روشنی ہے (تخلیق کا یہی ذوق نسل آدم کے جاری و ساری رہنے کا سبب ہے۔ دنیا کی رونق اسی وجہ سے ہے اگر تخلیق کے ذوق کی یہ آگ مرد و زن میں نہ ہو تو توالد و تناسل کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا)۔

③ جو بھی اس آگ سے حصہ رکھتا ہے + وہ اپنے سوز و ساز کا رقیب (حفاظت کرنے والا) بن جاتا ہے یعنی اسے نگہبانی کرنا بلکہ اس پر اس کی نگہبانی لازم ہے ورنہ تخلیق کا عمل سرد پڑ جائے گا۔

ہے)۔

⑨ میں اس کے بے ساحل سمندر کے متعلق کیا کہوں + اس کے دل میں زمانے اور ادوار غرق ہیں (اس کا دل ایسا بے کراں سمندر ہے)۔

⑩ جو کہ آدم میں سما سکتا وہ عالم ہے + اور جو کہ عالم میں نہیں سما سکتا وہ آدم ہے (کائنات جہان اصغر اور آدم جہان اکبر ہے۔ جو کچھ خارج میں موجود ہے وہ آدم کے اندر ہے)۔

(11) سورج اور چاند آدم کی جلوت سے آشکار ہیں + اس کی خلوت میں جبرئیل کا بھی گزر نہیں ہے (آدم کے ظہور سے مہر و ماہ کا ظہور ہے اگر آدم نہ ہوتا مہر و ماہ کے خواص کون جانتا۔ اس کے باطن کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کے ساتھ اس انداز اور اس مقام کا تعلق پیدا کر لیتا ہے کہ اللہ کے مقرب فرشتے کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہے)۔

(12) آدم کا مقام آسمان سے بلند ہے + تہذیب کی اصل آدم کا احترام ہے (آدمی کا احترام صرف دین اسلام سکھلاتا ہے تہذیب مغرب نے تو آدم کو تذلیل کے مقام تک پہنچا دیا ہے صرف تہذیب مغرب ہی کی بات نہیں دوسری اقوام کی تہذیبوں کا بھی یہی حال ہے۔ توحید وہ مدار ہے جس کے گرد احترام آدمی گردش کرتا ہے۔ یہی وہ مسلک ہے جو جملہ افرادِ بنی آدم کی مساوات کا درس دیتا ہے۔ تہذیب اسلام میں کالے گورے، عربی عجمی، نسلی وطنی، لسانی علاقائی وغیرہ کی بنیاد پر تفریق آدم کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں دوسرے سے افضل وہ ہے جو تقویٰ میں افضل ہے)۔

دوسرا بند

زندگی اے زندہ دل دانی کہ چیست؟ | عشق یک بیں در تماشائے دوئی است!
مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند | کائناتِ شوق را صورت گر اند!
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات | فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات
آتشِ ما را بجانِ خود زند | جوہرِ او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی | از تب و تابش ثباتِ زندگی
شعلۂ کز وے شرر ور گست | جان و تن بے سوزِ او صورت نہ بست
ارج ما از ارجمندیہائے او | ما ہمہ از نقشبندیہائے او
حق ترا داد است اگر تابِ نظر | پاک شو قدسیتِ او را نگر

*

① اے زندہ دل کیا تو جانتا ہے کہ زندگی کیا ہے + (زندگی) دوئی میں ایک کو دیکھنے کا یعنی کثرت میں وحدت کے تماشے کا نام ہے۔

② عورت اور مرد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں + شوق کی کائنات کے صورت گر ہیں (مرد و عورت میں جو کشش اور تعلق ہے وہ آدم کی نسل بڑھانے کا سبب ہے)۔

③ عورت زندگی کی آگ کی حفاظت کرتی ہے یعنی مرد و زن کے تعلق سے عورت کے رحم میں جو

نطفہ قرار پاتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتی ہے + اس کی فطرت زندگی کے اسرار کی تختی ہے یعنی وہ نسل انسانی کی افزائش کا سبب بنتی ہے جملہ انسان اس کی وساطت سے ظہور اختیار کرتے ہیں)۔

④ وہ ہماری آگ کو (حرارت جنسی سے تخلیق شدہ نطفے کو) اپنی جان میں (رحم مادر میں) لیتی ہے + اور اس کے رحم کا جوہر خاک کو آدم بنا دیتا ہے۔

⑤ اس کے ضمیر میں زندگی کے ممکنات ہیں یعنی زندگی کا وجود اور تسلسل اس کی وجہ سے ہے + اس کی تب و تاب سے زندگی کا ثبات ہے (عورت تسلسل نسل انسانی کا سبب ہے)۔

⑥ ایسا شعلہ جس سے کہ بہت سی چنگاریاں نکلتی ہیں + اس کے سوز کے بغیر جسم و جان یا روح و بدن صورت اختیار نہیں کرتے (شعلہ اور شرر سے مقصود ایک عورت سے کئی بچوں کا پیدا ہونا ہے)۔

⑦ ہمارا وقار اس کی (یعنی عورت کی) سربلندی سے ہے + ہم سب اس کی (یا ماں کی) نقشبندی کے سبب موجود ہیں۔

⑧ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے نظر کی روشنی بخشی ہے + (پہلے) خود پاک ہو (اور پھر) اس کی یعنی ماں کی قدسیت (پاکیزگی اور فرشتگی) کو دیکھ۔

تیرا بند

اے ز رمز عصر حاضر بردہ تاب   فاش گویم با تو اسرار حجاب
ذوق تخلیق آتشے اندر بدن   از فروغ او فروغ انجمن!
ہر کہ بر دارد ازیں آتش نصیب   سوز و ساز خویش را گردد رقیب
ہر زماں بر نقش خود بندد نظر   تا نگیرد لوح او نقش دگر
مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید   مدتے جز خویشتن کس را ندید
نقش ما را در دل او ریختند   ملتے از خلوتش انگیختند
می توانی منکر یزداں شدن   منکر از شان نبیؐ نتواں شدن
گرچہ داری جان روشن چوں کلیم   ہست افکار تو بے خلوت عقیم!
از کم آمیزی تخیل زندہ تر   زندہ تر جوئندہ تر یابندہ تر!

*

① (عہد حاضر کے مسلمان) اے کہ تجھ سے دور جدید نے دین کی روشنی چھین لی ہے + میں تجھے (عورت کے) پردہ کے راز (کی بات) صاف صاف بتاتا ہوں۔

② تخلیق کا ذوق بدن میں ایک آگ ہے + اس کی روشنی سے انجمن کی روشنی ہے (تخلیق کا یہی ذوق نسل آدم کے جاری و ساری رہنے کا سبب ہے۔ دنیا کی رونق اسی وجہ سے ہے اگر تخلیق کے ذوق کی یہ آگ مرد و زن میں نہ ہو تو تولد و تناسل کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا)۔

③ جو بھی اس آگ سے حصہ رکھتا ہے + وہ اپنے سوز و ساز کا رقیب (حفاظت کرنیوالا) بن جاتا ہے یعنی اسکو نگہبانی کرتا بلکہ اس پر اس کی نگہبانی لازم ہے ورنہ تخلیق کا عمل سرد پڑ جائے گا۔

④ وہ ہر وقت اپنے نقش پر نظر رکھتا ہے + تاکہ اس کی لوح کوئی اور نقش اختیار نہ کرلے اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی توجہ اپنے تخلیقی فعل پر مبذول رکھتا ہے تاکہ جو نقش وہ اپنے تخلیقی فعل سے پیدا کرنا چاہتا ہے وہی پیدا ہو اس کی جگہ کوئی اور نقش ثبت نہ ہو جائے۔

⑤ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے غار حرا میں خلوت اختیار کی + ایک مدت اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔

⑥ (اس حالت خلوت میں) آپ ﷺ کے دل میں ہمارا یعنی امت کا نقش ڈالا گیا + (اور) ایک ملت ان کی خلوت سے وجود میں لائی گئی۔

⑦ تیرے لئے یہ تو ممکن ہے کہ تو خدا کا منکر ہو جائے + لیکن پیغمبر خدا نبی آخر زماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان کا منکر نہیں بنا جا سکتا۔

⑧ اگرچہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کی تجلی بھری یا روشن جان کیوں نہ رکھتا ہو + خلوت کے بغیر تیرے افکار بانجھ رہیں گے (ان سے کوئی نتیجہ خیز بات نہیں نکل سکتی)۔

⑨ کم آمیزی سے تخیل پہلے سے (بھی) زندہ ہو جاتا ہے + پہلے سے زیادہ زندہ، زیادہ تلاش کرنے والا اور زیادہ (اپنے مقصد تلاش کو) پانے والا بن جاتا ہے۔

چوتھا بند

علم و ہم شوق از مقاماتِ حیات ہر دو می گیرد نصیب از واردات!
علم از تحقیق لذت می برد عشق از تخلیق لذت می برد
صاحبِ تحقیق را جلوت عزیز صاحبِ تخلیق را خلوت عزیز
چشم موسیٰ خواست دیدارِ وجود ایں ہمہ از لذتِ تحقیق بود
لن ترانی نکتہ ہا دارد دقیق اندکے گم شو دریں بحرِ عمیق
ہر کجا بے پردہ آثارِ حیات چشمہ زارش در ضمیر کائنات
در نگر ہنگامۂ آفاق را زحمتِ جلوت مدہ خلاق را
حفظِ ہر نقش ہی از صوت است خاتم او را نگیں از خلوت است

●

① علم اور عشق بھی زندگی کے مقامات میں سے ہیں + دونوں واردات سے اپنا نصیب پاتے ہیں (واردات سے مراد وہ کیفیات ہیں جو علم اور عشق ایک آدمی میں پیدا کرتے ہیں۔ زندگی انہی کی مدد سے اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ زندگی کے لئے عقل اور عشق یا علم اور عشق دونوں ضروری ہیں۔ بے علم عشق اور بے عشق علم دونوں زندگی کے معاون حقیقی نہیں بن سکتے)۔

② علم تحقیق (کے عمل) میں لذت پاتا ہے + عشق تخلیق سے لذت حاصل کرتا ہے۔

③ تحقیق کرنے والے کو جلوت پیاری ہے + تخلیق (عشق) والے کو خلوت پیاری ہے۔

④ موسیٰ کی آنکھ نے وجود (ذات خداوندی) کا دیدار چاہا + یہ سب کچھ تحقیق کی لذت کی وجہ سے

(کہ جس خدا سے میں باتیں کرتا ہوں اسے دیکھ بھی لوں وہ کون ہے کیسا ہے)۔

⑤ لنترانی مشکل باریک باتیں رکھتی ہے + اس گہرے سمندر میں تھوڑی دیر کے لئے غرق ہو (معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کیا راز تھا) اس شعر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب انہوں نے کوہ طور پر خدا سے کہا کہ رب ارنی (اے خدا مجھے اپنا دیدار کرا) تو اس کے جواب میں خدا نے کہا تھا لنترانی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) علامہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے جواب میں بہت سی رمزیں چھپی ہوئی ہیں ایک رمز یہ ہو سکتی ہے کہ باری تعالیٰ کو جو پردۂ غیب میں ہے اس کی صفات کے ذریعے سے پہچاننا چاہیے نہ کہ اس کو پردے سے باہر آنے کے لئے کہنا چاہیے۔

⑥ جہاں کہیں آثار حیات بے پردہ نظر آتے ہیں + اس کا سرچشمہ کائنات کی ضمیر کے اندر ہے (یعنی تخلیق کا نقش ہمیشہ خلوت اختیار کر کے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے)۔

⑦ آفاق کے ہنگامے کو دیکھ یعنی خدا کی نشانیاں کائنات میں دیکھ کر اس بے نشان پر یقین کر مصنوعات کو دیکھ کر صانع پر ایمان لے آ + خلاق آفاق کو ظاہر ہونے کی تکلیف مت دے (ہر خالق کو خلوت عزیز ہوتی ہے خدا تو خالقوں کا خالق اور بہت بڑا خالق ہے اس کا غیب میں ہونا ہی مناسب ہے)۔

⑧ ہر نقش پیدا کرنے والے کی حفاظت خلوت میں ہے مراد ہے کسی بھی خالق کی تخلیقی قوت کی حفاظت اس کے خلوت میں رہنے کی وجہ سے ہی ہے + اس کی انگوٹھی کا نگینہ خلوت ہی ہے (اور خدا تو خلاق عظیم ہے اس کا غیب میں رہنا ہی مناسب ہے)۔

② حکومت الٰہی

پہلا بند

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندۂ حق مرد آزاد است و بس — ملک و آئینش خداداد است و بس
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق — زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
عقل خود بیں غافل از بہبود غیر — سود خود بیند نہ بیند سود غیر
وحی حق بینندۂ سود ہمہ — در نگاہش سود و بہبود ہمہ
عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف — وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف
غیر حق چوں ناہی و آمر شود — زور ور بر ناتواں قاہر شود
زیر گردوں آمری از قاہری است — آمری از ما سوا اللہ کافری است

*

① بندۂ حق ہر مقام سے بے نیاز (ہے) + نہ اس کا کوئی غلام (ہے) اور نہ وہ کسی کا غلام (ہے)۔

② بندہ حق آزاد مرد ہے اور بس + اس کا ملک اور آئین خدا کا دیا ہوا ہے۔

③ اس کی رسم و راہ اس کا دین اور اس کا آئین خدا کی طرف سے ہے + اس کا اچھا اور برا اس کا تلخ

اور شیریں (سب کچھ) حق کی طرف سے ہے۔

④ خود کو دیکھنے والی (یا صرف اپنا مفاد چاہنے والی) عقل دوسرے کی بھلائی سے غافل ہے + وہ (صرف) اپنا فائدہ دیکھتی ہے دوسرے کا فائدہ نہیں دیکھتی۔

⑤ وحی حق (یعنی جو کچھ پیغمبروں پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے) سب کا فائدہ دیکھتی ہے + اس کی نگاہ میں سب کا فائدہ اور بھلائی ہوتی ہے۔

⑥ وحی حق صلح (کی حالت) میں اور جنگ (کی حالت) میں بھی انصاف کرنے والی (ہوتی ہے) + وہ دوستی اور دشمنی میں نہ کسی کی رعایت کرتی ہے نہ کسی سے خوف کھاتی ہے۔

⑦ حق کے سوا (جب کوئی اور کسی کام کے) کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینے والا بن جاتا ہے + تو طاقت ور کمزور پر مسلط ہو جاتا ہے۔

⑧ آسمان کے نیچے یعنی دنیا میں آمریت (مطلق العنان حکمرانی) قاہری (ظلم و جبر) سے قائم کی جاتی ہیں + جو آمری (حکمرانی قوت) خدا کے ماسوا ہو وہ کافری ہے۔ (ہاں اگر آمر خدا کے احکام کے نفاذ کے لئے کام کرے تو وہ عین دین ہے)۔

دوسرا بند

قاہر آمر کہ باشد پختہ کار — از قوانیں گرد خود بندد حصار
جرہ شاہین تیز چنگ و زود گیر! — صعوہ را در کار ہا گیرد مشیر
قاہری را شرع و دستورے دہد — بے بصیرت سرمہ با کورے دہد!
حاصل آئین و دستور ملوک! — دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک!
وائے بر دستور جمہور فرنگ — مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ!
حقہ بازاں چوں سپہر گرد گرد — از امم بر تختہ خود چیدہ نرد!
شاطراں ایں گنج ور آں رنج بر — ہر زماں اندر کمین یک دگر
فاش باید گفت سرّ دلبراں — ما متاع و ایں ہمہ سوداگراں!
دیدہ بے نم ز حبّ سیم و زر — مادراں را بار دوش آمد پسر
وائے بر قومے کہ از بیم ثمر — می برد نم راز اندام شجر!
تا نیارد زخمہ از تارش سرود — می کشد نازادہ را اندر وجود!
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ — من بجز عبرت نگیرم از فرنگ!
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو — دامن قرآں بگیر آزاد شو!

*

① قہر کرنے والا مطلق العنان حاکم جو پختہ کار ہوتا ہے + وہ اپنے گرد قوانین کا قلعہ بنا لیتا ہے۔

② نر شکاری باز جو تیز پنجوں اور جلد (شکار) پکڑ لینے والا ہوتا ہے + اپنے کاموں میں ممولوں کو مشیر بنا لیتا ہے یعنی طاقت ور آمر آمریت کو مسلط کرنے کے لئے جہاں سیاہ قوانین بناتا ہے لوگوں کو یہ تسلی دینے

کے لئے کہ تم بھی میری حکمرانی میں شریک ہو انہیں امیر، وزیر اور مشیر مقرر کرتا ہے جو اس کے زور (قوت) کے سامنے کمزور ہوں۔

③ (لوگوں کو فریب دینے کے لئے) وہ قاہری کو شرع اور دستور کا (رنگ) دے دیتا ہے + (اس کی مثال یوں ہے) کہ جیسے نابینا شخص ایک اندھے کو سرمہ دیتا ہو۔

④ بادشاہوں کے آئین اور دستور کا حاصل (نتیجہ) یہ ہے + کہ جاگیردار موٹے ہوتے جاتے ہیں اور کسان چرخے کے تکلے کی مانند کمزور ہوتے جاتے ہیں۔

⑤ یورپ والوں کے جمہوری آئین پر افسوس ہے + افرنگیوں کے صور پھونکنے کے عمل سے (جاگ اٹھنے کی بجائے) مردہ پہلے سے بھی زیادہ مردہ ہو گیا (کہا جاتا ہے کہ قیامت کے روز اسرافیل فرشتہ صور پھونکے گا جس سے مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے لیکن فرنگی جس جمہوریت اور آئین کا صور پھونک رہا ہے اس سے غلام قومیں غلامی میں اور جکڑی جا رہی ہیں کمزور امتیں کمزور تر ہوتی جا رہی ہیں اور یہی ان فرنگیوں کے دستور کا مقصد ہے تا کہ لولی قوم ان کے جبر و تسلط سے نہ نکل سکے)۔

⑥ مداری (جمہوری تماشا دکھانے والے افرنگی) نے گردش کرنے والے آسمان کی طرح + اپنے تختہ (شطرنج) پر ماتوں کے مہرے رکھے ہوئے ہیں (جس طرح چاہتا ہے بازی کھیلتا ہے)۔

⑦ (افرنگی) شاطر خزانے اکٹھے کرتے ہیں اور دوسرے تکلیف اٹھاتے ہیں + ہر وقت ایک دوسرے کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔

⑧ محبوبوں کے راز فاش بیان کر دینے چاہئیں + ہم مال ہیں اور یہ (افرنگی) اس مال کے سوداگر ہیں (وہ کمزور قوموں کا خون نچوڑ کر اپنا چہرہ سرخ کرتے ہیں۔ قوموں کو غلام بنا کر ان کو نادار بنا دیتے ہیں اور خود مالدار بن جاتے ہیں)۔

⑨ چاندی سونے کی محبت کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں نمی نہیں ہے (انہیں کسی کے دکھ کا احساس نہیں ہے) + یہاں تک کہ مائیں بیٹوں کو بوجھ سمجھنے لگی ہیں (یہ خاندانی منصوبہ بندی کا عمل بھی اسی سوچ کا ایک شاخسانہ ہے)۔

⑩ اس قوم پر افسوس ہے جو پھل کے خوف سے + درخت کے جسم کے اندر سے نمی کھینچ لیتی ہے۔

(11) تاکہ اس کی مضراب ساز سے سر پیدا نہ کرے + وہ نہ پیدا ہونے والے (بچوں کو) وجود کے اندر (ماؤں کے رحموں کے اندر) ختم کر دیتے ہیں۔ (وضع حمل روکنے یا اسقاط حمل کی مختلف صورتیں اختیار کر کے)۔

(12) اگرچہ افرنگ رنگ کے انداز رکھتا ہے (یعنی اہل یورپ کی تہذیب و ثقافت اور علم و ہنر نے بڑے بڑے معرکے مارے ہیں) لیکن میں ان سے سوائے عبرت کے کچھ حاصل نہیں کرتا (افرنگیوں کی ساری ترقی آدمی اور آدمیت کے زوال کا سبب بنی ہے)۔

(13) اے وہ جو کہ اس کی (فرنگی) کی اندھا دھند پیروی میں مقید ہے آزاد ہو جا + قرآن کا دامن تھام لے اور (افرنگی آئین و قوانین) سے آزاد ہو جا۔

③ ارض ملک خدا است

زمین خدا کی ملکیت ہے

پہلا بند

سرگذشتِ آدم اندر شرق و غرب — بہرِ خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب!
یک عروس و شوہرِ او ما ہمہ — آں فسونگر بے ہمہ ہم با ہمہ!
عشوہ ہائے او ہمہ مکر و فن است — نے ازانِ تو نہ ازآنِ من است!
ور نسازد با تو ایں سنگ و حجر — ایں ز اسبابِ حضر تو در سفر!
اختلاطِ خفتہ و بیدار چیست؟ — ثابتے را کار با سیار چیست؟
حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت — ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا! نکتۂ از من پذیر — رزق و گور از وے بگیر او را مگیر
صحبتش تا کے تو بود و او نبود — تو وجود و او نمودِ بے وجود
تو عقابی طائفِ افلاک شو — بال و پر بکشا و پاک از خاک شو
باطنِ الارض للہ ظاہر است — ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

*

① مشرق اور مغرب میں رہنے والے آدمیوں کی کہانی یہ بتاتی ہے کہ + ان میں زمین کے لئے لڑائی جھگڑے اور جنگوں کے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔

② وہ ایک دلہن ہے اور ہم سب اس کے شوہر ہیں + وہ ایک جادوگر ہے ہمارے ساتھ بھی ہے اور ہمارے بغیر بھی (زمین کسی ایک کی ملکیت میں ہونے کے باوجود اس سے بے وفائی بھی کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی دلہن ہے جو کسی ایک کی ہو کر نہیں رہتی)۔

③ اس کے ناز نخرے سب کے سب مکر و فن ہیں + یہ نہ تیری ہے اور نہ میری ہے۔

④ یہ پتھر اور روڑے تجھ سے موافقت نہیں رکھتے + یہ وطن کے قیام میں ہیں یعنی ایک جگہ موجود رہتے ہیں اور تو سفر میں ہے (آدمی آتے اور جاتے رہتے ہیں لیکن زمین وہیں کی وہیں رہتی ہے کبھی کسی کے قبضے میں اور کبھی کسی کے قبضے میں)۔

⑤ سوئے ہوئے اور جاگتے ہوئے میں میل جول کیسا + ساکن کو متحرک سے کیا کام ہے یعنی مقیم وطن اور مسافر میں کیا تعلق —— (اے انسان تو کیوں زمین کا غلام بنا ہوا ہے)۔

⑥ حق نے زمین کو ہماری متاع (مال) کے سوا کچھ نہیں کہا + اور یہ بے بہا متاع مفت ہے مفت (کیونکہ زمین اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے ہمارے لئے)۔

⑦ اے گاؤں کے خدا (اے وڈیرے زمیندار) مجھ سے ایک باریک بات قبول کر + زمین سے رزق

اور قبر حاصل کر اس پر قبضہ نہ کر۔

⑧ (اے جاگیردار) اس کی محبت کب تک (اختیار کر رکھے گا) + تو بود ہے اور وہ نابود یعنی تو ہست ہے اور وہ نیست تو ہے اور وہ نہیں ہے کیونکہ یہ زمین اگر تو کاشت نہ کرے تو مردہ ہے اس میں سے کچھ پیدا نہ ہو اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کو تو ایک نہ ایک دن مکمل فنا ہونا ہے لیکن تو بحیثیت انسان مرنے کے بعد بھی کہیں موجود ہو گا + تو وجود ہے اور وہ یعنی زمین وجود بے نمود ہے (جس سے مقصود یہ ہے کہ تیرا وجود اصل ہے زمین کا وجود نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں نہیں ہے کیونکہ اس کا وجود تیرے ہونے پر منحصر ہے تو ہے تو وہ بھی ہے تو اسے کاشت کرتا ہے تو اس کو زندگی ملتی ہے۔ تو افضل ہے زمین سے۔ اسی کو سب کچھ سمجھ کر اپنی ساری زندگی اسی کے لئے نہ گزار دے۔ حق تعالیٰ نے تجھے اس لئے پیدا نہیں کیا کہ تو زمین جیسی ہیچ اور پوچ چیز کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے)۔

⑨ (اے انسان تو) عقاب ہے آسمانوں کا طواف کر یا سیر کر + اپنے بازو اور پر کھول اور مٹی سے پاک ہو جا یعنی تو اپنی زندگی اس زمین میں جذب ہو کر نہ گزار دے تیرے لئے اور اعلیٰ اور ارفع مقاصد بھی ہیں جن کو تجھے حاصل کرنا ہے یاد رکھ تیری اصل خاکی نہیں ہے لولاکی ہے۔ تو زمین کے لئے نہیں ہے زمین تیرے لئے ہے۔

⑩ الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) قرآن کی یہ آیت باطن بھی رکھتی ہے اور ظاہر بھی۔ اس کا باطن یعنی مفہوم بالکل واضح اور ظاہر ہے + جو کوئی اس ظاہر کو نہیں دیکھتا وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن کی آیت کا انکار کرتا ہے۔ الارض للہ کے باطن سے مراد اس کے معنی ہیں اور اس کے ظاہر سے مراد ان معانی کو عملی شکل دینا ہے۔ اب اگر مسلمان ہوتے ہوئے ہر کوئی اس آیت کے معنی تو جانتا ہو لیکن ان معانی کو ان پر عمل کر کے ظاہر نہ کرے اور زمین کو اللہ کی ملکیت کی بجائے اپنی ملکیت سمجھے تو بتایئے وہ مسلمان کہلانے کا حق دار ہے۔ زمین کی ملکیت سے مراد وہ کاغذی رجسٹریوں والی ملکیت نہیں وہ تو کسی نہ کسی کی ہو گی بلکہ اس سے مراد زمین کو اللہ کی زمین نہ سمجھتے ہوئے اور اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے استعمال کرنا ہے اس طرح قبضے میں لانا اور اس ظالمانہ انداز میں اس پر قابض ہونا ہے۔ جس طرح وڈیرے، زمیندار اور جاگیردار اس پر قابض ہیں۔ کمزوروں اور حق داروں کے حقوق چھین کر زمین کی روزی پر اپنی جاگیرداری اور وڈیرہ پن کا مظاہرہ کرنا اور کسانوں اور ہاریوں کو گائے بھینسوں کی طرح سمجھنا اور ان سے حیوانوں جیسا سلوک کرنا یہ جتاتا ہے کہ مالک زمین نے اپنی زمین کو اللہ کی نہیں اپنی ملک سمجھ رکھا ہے۔ اگر وہ الارض للہ کا مفہوم سمجھ کر اس کو عمل میں نہیں لاتا تو وہ قرآن کے نزدیک قابل گرفت ہے۔ وہ مسلمان تو کیا انسان بھی نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم کارل مارکس کی اشتراکیت کو بروئے کار لا کر زمین کو حکومت کی ملک میں لے آئیں وہ دوسرے انداز کی بلکہ زیادہ خطرناک انداز کی الارض للہ کی مخالفت ہے۔

دوسرا بند

من نگویم در گذر از کاخ و کوے ۔ دولت تست ایں جہان رنگ و بوے

دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر ۔ صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر

تیشۂ خود را بہ کہسارش بزن نورے از خود گیر و بر نارش بزن
از طریقِ آزری بیگانہ باش بر مرادِ خود جہانِ نو تراش!
دل بہ رنگ و بوے و کاخ و کو مدہ دل حریمِ اوست جز با او مدہ!
مردن بے برگ و بے گور و کفن؟ گم شدن در نقرہ و فرزند و زن!
ہر کہ حرفِ لا الٰہ از بر کند عالمے را گم بخویش اندر کند
فقر جوع و رقص و عریانی کجاست فقر سلطانی است رہبانی کجاست

*

① میں یہ نہیں کہتا کہ مکان اور آبادی کو چھوڑ دے + یہ جہان رنگ و بو یعنی دلکش مگر فانی جہان تیری دولت ہے (میں تجھے رہبانیت کا درس نہیں دے رہا)۔

② اس کی زمین سے دانوں کا موتی موتی چن (اس سے خوب پیداوار لے) + شاہین کی طرح شکار اس کے آسمانوں سے حاصل کر۔ (زمین کے علاوہ اگر آسمانی فضا سے بھی فوائد حاصل ہوتے ہوں تو حاصل کر لے۔

③ اپنے تیشے کو اس کے پہاڑوں کے سلسلہ پر مار + خود سے نور حاصل کر اور اس کی نار (آگ) پر لگا مراد ہے زمین کی مادی پیداوار اور دوسرے مفادات کو اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے نور ہدایت کی روشنی میں دیکھ اور مادی فوائد کو روحانی فوائد پر غالب نہ آنے دے بلکہ ان کو مغلوب کر کے فنا کی نیند سلا دے۔

④ آزری کے طریقے سے بیگانہ ہو جا + اپنی مراد کے مطابق نیا جہان تخلیق کر۔۔۔ آزر حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ایک شخص تھا جو بت تراشتا تھا بت بیچتا تھا اور بت پرستی کی تعلیم دیتا تھا یہ یا تو حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا بابا تھا یا ان کے آبا و اجداد میں سے کوئی شخص تھا جیسا کہ بعض کہتے ہیں وہ حضرت ابراہیمؑ کے والد ہرگز نہیں تھے۔ یہاں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ زمین کو اور اس کے مادی فوائد کو خدا نہ بنا بیٹھ اسے ہی مقصود زندگی نہ بنا لینا بلکہ اس کو خدا کی مرضی کے مطابق اور خدا کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق استعمال کر اور اس طرح اپنے لئے ایک نیا جہان پیدا کر۔

⑤ (دنیا کے) رنگ و بو یعنی دلکشیوں اور دلچسپیوں اور محل و آبادی یعنی دنیاوی آسائشوں اور لذتوں میں دل نہ لگا + دل تو اسی کا یعنی خدا کا گھر ہے اسے کسی اور کو نہ دے (اس میں دنیا کو نہیں خدا کو بسا)۔

⑥ بغیر گور و کفن اور بے سروسامانی کی حالت میں مرنا کیا ہے (یعنی ذلت ہے) + (اس قسم کا ذلت کا مرنا) اولاد' عورت اور دولت میں گم ہو جانا ہے یعنی ساری زندگی انہی کے حصول کے لئے گزار دینا ہے اور یہ زندگی طبعی موت سے بھی بدتر ہے۔

⑦ جو شخص کہ لا الٰہ کے حرف کو یاد کر لیتا ہے + وہ جہان کو اپنے اندر گم کر لیتا ہے مراد ہے توحید کا عقیدہ رکھنے والا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے والا اس دنیا میں گم نہیں ہوتا بلکہ دنیا کو اپنے اندر گم کر لیتا ہے وہ دنیا میں رہتا ہوا دنیا سے الگ ہوتا ہے بایں معنی کہ وہ دنیا کو اس طرح اپناتا ہے کہ جس طرح اللہ نے اپنانے کا حکم دیا ہے۔

⑧ بھوک' رقص اور عریانی فقر کہاں ہے یعنی ہمارے درویشوں نے جو آج اس قسم کی باتوں کو اختیار کر رکھا ہے یہ فقر نہیں ہے + فقر تو شاہی ہے رہبانی کہاں ہے (جن مسلمانوں نے فقیری کی ہے انہوں نے

فقیری میں شہنشاہی کی ہے۔ اور جن مسلمانوں نے شہنشاہی کی ہے انہوں نے شاہی میں فقیری کی ہے)۔

④ حکمت خیر کثیر است

حکمت خیر کثیر ہے یعنی بڑی نعمت ہے

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر — ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
علم حرف و صوت را شہپر دہد — پاکیِ گوہر بہ ناگوہر دہد
علم را بر اوجِ افلاک است رہ — تا ز چشمِ مہر برکند نگہ
نسخۂ او نسخۂ تفسیرِ کل — بستۂ تدبیرِ او تقدیرِ کل
دشت را گوید حبابے دہ، دہد — بحر را گوید سرابے دہ، دہد!
چشمِ او بر وارداتِ کائنات — تا ببیند محکماتِ کائنات
دل اگر بندد بہ حق پیغمبری است — ور ز حق بیگانہ گردد کافری است!
علم را بے سوزِ دل خوانی شر است — نورِ او تاریکیِ بحر و بر است!
عالمے از غازِ او کور و کبود — فرودینش برگ ریزِ ہست و بود
بحر و دشت و کوہسار و باغ و راغ — از بمِ طیارۂ او داغ داغ!
سینۂ افرنگ را نارے ازوست — لذتِ شبخون و یلغارے ازوست
سیرِ واژونے دہد ایام را — می برد سرمایۂ اقوام را!
قوتش ابلیس را یارے شود — نور نار از صحبتِ نارے شود
کشتنِ ابلیس کارے مشکل است — زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است!
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی — کشتۂ شمشیرِ قہرآنش کنی
از جلالِ بے جمالے الاماں — از فراقِ بے وصالے الاماں!
علم بے عشق است از طاغوتیاں — علم با عشق است از لاہوتیاں!
بے محبت علم و حکمت مردۂ — عقل تیرے بر ہدف ناخوردۂ
کور را بینندہ از دیدار کن — بولہب را حیدرِ کرار کن!

*

① اللہ تعالیٰ نے حکمت کو خیر کثیر کہا ہے (قرآن کریم میں) + جہاں کہیں اس خیر کو دیکھو لے لو (دیکھئے قرآن کی آیت 2-269)۔

② علم حرف اور آواز کو شہپر (بڑی اڑان والے پر) عطا کرتا ہے + اور ان موتیوں کو جو اپنی آب کھو چکے ہوتے ہیں پاکی آب عطا کرتا ہے (حرف سے مراد تحریر اور آواز سے مراد تقریر — یہ دونوں ایسے ذرائع ہیں جن کے ذریعے لوگوں کی تقدیر بدلی جا سکتی ہے)۔

③ علم کو آسمانوں کی بلندیوں تک راہ مل جاتی ہے + یہاں تک کہ وہ سورج کی آنکھ سے بھی نگاہ چھین،

لیتا ہے (علم میں یہ طاقت ہے کہ وہ صرف زمینی اشیاء سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ آسمانی اشیاء سے بھی استفادہ کر سکتا ہے سورج' چاند' ستاروں اور کہکشاؤں تک کو اپنی گرفت میں لا سکتا ہے)۔

④ اس کا (علم کا) نسخہ ساری (موجودات کائنات) کی تفسیر بیان کرنے کا نسخہ ہے + اس کی تدبیر سے سب کی تقدیر وابستہ ہے (علم ہی کی بدولت تمام اشیائے کائنات کے خواص کا اندازہ لگا سکتے ہیں یا علم ہی کی بدولت ہم ان کے مقاصد تخلیق کا پتہ کر سکتے ہیں اور اس طرح ان کو مسخر کر سکتے ہیں اور ان سے وہ خاطر خواہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں یا ان سے وہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ان کے اندر رکھے ہیں)۔

⑤ (علم میں یہ طاقت ہے کہ اگر) وہ صحرا کو کہتا ہے کہ بلبلہ دے تو وہ دے دیتا ہے مراد وہ صحراؤں سے پانی نکال سکتا ہے یا ان سے وہ فائدے اٹھا سکتا ہے جو کسی بے علم کے ذہن میں بھی نہیں آسکتے + اگر وہ سمندر کو کہے کہ سراب (صحرا کی ایک کیفیت جس میں ریت پانی نظر آتی ہے) دے تو وہ دے دیتا ہے مراد ہے علم صحراؤں اور سمندروں سے بھی جس طرح چاہے فائدے اٹھا سکتا ہے۔

⑥ اس کی (علم کی) آنکھ کائنات کی واردات پر ہوتی ہے + تاکہ وہ کائنات کی محکمات دیکھ سکے (علم کائنات اور اس کی اشیا کی جزئیات تک رسائی حاصل کر سکتا ہے ان کے مشاہدات اور ان پر تجربات سے طرح طرح کے نتائج و فوائد حاصل کر سکتا ہے وہ جزئیات سے کلیات یا محکمات سے واقف ہو کر کائنات کے بنیادی اصولوں سے واقف ہو سکتا ہے۔)

⑦ (علم) اگر حق سے دل لگائے تو پیغمبری ہے + اگر علم حق سے بیگانہ کرتا ہے تو یہ کافری ہے۔

⑧ علم کو سوز دل کے بغیر پڑھے گا تو یہ شر ہے + اس کا نور بحر و بر کی تاریکی ہے (ایسا علم انسان کے لئے وبال جان بن جائے گا جیسا کہ آج کل کے علم سے ظاہر بھی ہے۔ اس نے آدمی کو حیوان بنایا ہے بلکہ آدمی بھی نہیں رکھا اس نے جو روشنی دی ہے وہ تاریکی سے بھی بدتر ہے۔ اس نے فطرت کی جن طاقتوں کو عریاں کیا ہے ان سے انسانی معاشرہ دوزخ بن چکا ہے)۔

⑨ اس کی گیس (کے دھوئیں سے) جہان میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور وہ اندھا ہو جاتا ہے + اس کی بہار کائنات کے برگ و بار کو گرا دیتی ہے (اسی طرح جس طرح خزاں میں درختوں سے پتے اور پھل گر جاتے ہیں)۔

⑩ سمندر' بیابان' پہاڑی سلسلے' باغ اور سبزہ زار + اس کے ہوائی جہازوں کے گرائے ہوئے بموں سے داغدار ہیں' (تباہ و برباد ہو گئے ہیں)۔

(11) یورپ والوں کے سینے میں (اس علم بے حق سے) دوزخ بھری ہوئی ہے + اور اسی نے انہیں شبخون مارنے اور حملے کرنے کی لذت سے آشنا کیا ہے (وہ کمزور قوموں پر یلغار کر کے اور ان پر شب خون مار کر ان کی ہر طرح کی بربادی اور اپنی آبادی کے سامان پیدا کر رہے ہیں)۔

(12) یہ علم (جو یورپ نے ہمیں دیا ہے) زمانے کی رفتار کو الٹا کر دیتا ہے (انسان الٹی ترقی کر رہا ہے) + اور اقوام سے (ان کا ہر قسم کا) سرمایہ چھین لیتا ہے۔

(13) اس کی قوت ابلیس کی مددگار بن جاتی ہے + آگ کی یعنی شیطان کی یاری سے اس علم کا اپنا نور بھی نار بن جاتا ہے (علم بے حق کی بدولت انسان شیطان بن جاتا ہے)۔

(14) ابلیس کو مارنا بڑا مشکل ہے + کیونکہ وہ (ہمارے) دلوں کی گہرائیوں میں گم ہے (اس کو قتل یا زیر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ علم حق سے اسے مسلمان کر لیا جائے)۔

(15) بہتر یہی ہے کہ تو اسے مسلمان کر لے + (اور) اسے قرآن کی تلوار سے قتل کر دے (ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کہا تھا کہ شیطان ہر انسان کے خون میں گردش کر رہا لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ اس کی صورت کہ شیطان مسلمان ہو جائے صرف یہی ہے کہ اپنی زندگی کو قرآن کے مطابق ڈھال لیا جائے)۔

(16) (ایسے علم کے) جمال سے جس میں جلال نہ ہو خدا کی پناہ (مانگئے) + اس کے بے وصال فراق سے خدا کی پناہ (طلب کریں) مراد یہ ہے کہ ایسا علم جو ہمیں تفریح طبع‘ تعیش زندگی‘ اور دنیاوی آرائش و زیبائش کے سامان کو بہم کرتا ہو لیکن شکوہ آدمیت‘ مجد انسانیت اور شرف بنی آدم بحال نہ کرتا ہو وہ علم ابلیسی علم ہے ایسا علم آدمی کو شرافت‘ انسانیت‘ آدمیت‘ یہاں تک کہ خدا سے دور لے جاتا ہے یہ علم شیطانی علم ہے۔ یورپ کے جملہ جدید علوم‘ جمال بے جلال اور فصل بے وصال کے بین ثبوت ہیں۔ ان سے شیطان سستا اور خدا نایاب ہو گیا ہے۔ بدن فربہ اور دل مردہ ہو گیا ہے۔

(17) بغیر عشق کے جو علم ہے اس کا تعلق شیاطین سے ہے + (لیکن وہ) علم جو عشق والا ہے وہ لاہوتیوں کا علم ہے۔ (ان لوگوں کا علم ہے جو زمین پر ہوتے ہوئے عالم لاہوت (اللہ کے جہان) سے تعلق رکھتے ہیں)۔

(18) محبت کے بغیر علم و حکمت مردہ ہیں + (اور بے محبت) عقل وہ تیر ہے جو نشانہ پر نہیں پہنچتا۔ یعنی ایسی عقل گمراہ کرتی ہے مقصود تک نہیں پہنچاتی۔

(19) اندھے کو دیدار سے بینا کر دے + بولہب کو حیدر کرار کر دے۔ (بولہب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چچا تھے جو ایمان نہیں لائے تھے اور ان کی بیوی نبی کریم ﷺ کو ایذائیں دیتی تھی۔ حیدر کرار حضرت علیؓ کا لقب ہے جو آپ ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے۔ علامہ تمنا یہ چاہتے ہیں کہ وہ علم و حکمت جو سوز دل سے خالی ہے بولہب کی مانند ہے اور جو عشق کا حامل ہے وہ حضرت علیؓ کی مانند ہے اس لئے اپنے علم و حکمت کو بے محبت رکھ کر اندھا نہ بناؤ اسے محبت کا سرمہ عطا کر کے بینا کر دو۔

زندہ رود

محکماتش را وا نمودی از کتاب　　هست آں عالم ہنوز اندر حجاب!

پردہ را از چہرہ نکشاید چرا　　از ضمیر ما بروں ناید چرا

پیش ما یک عالم فرسودہ ایست　　ملت اندر خاک او آسودہ ایست

رفت سوز سینۂ تاتار و کرد　　یا مسلماں مرد یا قرآں بمرد!

*

① (افغانی سے زندہ رود کہتے ہیں) تو نے قرآن سے محکمات (بنیادی تعلیمات قرآن) کو تو ظاہر کر دیا + ابھی تک وہ جہان (جس کا تو نے ذکر کیا ہے) پردے میں ہے یعنی آج کل کسی ملک میں وہ نظام نظر نہیں آتا جس

پر تو نے روشنی ڈالی ہے۔

② اس (نظام محکمات) کے چہرے سے تو پردہ کیوں نہیں اٹھا دیتا + تو اسے ہمارے ضمیر سے باہر کیوں نہیں لے آتا یعنی یہ کسی بھی اسلامی ملک میں موجود نہیں ہے آخر اس کا کیا سبب ہے۔

③ ہمارے سامنے تو ایک ناکارہ جہان ہے (جو فرنگیوں کے علوم و فنون کا پیدا کردہ ہے) + ملت (اسلامیہ بھی) اس کی مٹی میں سوئی ہوئی ہے یا آرام کر رہی ہے (ملت اسلامیہ کیوں اس نظام حیات کو اپنے اپنے ملک میں نافذ نہیں کر رہی جس کا ذکر محکمات قرآنی کے سلسلے میں آپ نے کیا ہے)۔

④ تاتاریوں اور کردوں کے سینوں کا سوز ختم ہو گیا + یا (تو) مسلمان مر گیا یا (پھر) قرآن مر گیا مراد ہے وہ تاتاری اور کرد نسل کے مسلمان جو بھی اسلام کی خاطر ہر تگ و دو کرتے تھے اب ان میں وہ لگن کیوں ختم ہو گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مسلمان بے عمل ہو گیا ہے یا قرآن کا پیغام باقی نہیں رہا (قرآن تو دائمی ہے مسلمان ہی بے عمل ہو گیا ہے۔)

سعید حلیم پاشا

پہلا بند

دینِ حق از کافری رسوا تر است | زانکہ ملّا مومن کافر گر است!
شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است | از نگاہِ او یمِ ما شبنم است!
از شگرفیہائے آں قرآں فروش | دیدہ ام روح الامیں را در خروش!
زانسوے گردوں دلش بیگانہ | نزدِ او اُم الکتاب افسانہ
بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ | آسمانش تیرہ از بے کوکبی!
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد | ملت از قال و اقولش فرد فرد!
مکتب و ملّا و اسرارِ کتاب | کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب!
دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد | دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد!

٭

① (افغانی کی جگہ پاشا زندہ رود کے سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دور میں) دین حق یعنی اسلام کافری سے بھی زیادہ رسوا ہے + چونکہ ملا کافر بنانے والا مومن ہے (دین کے علم بردار چونکہ ملا سمجھے جاتے ہیں اس لئے سعید حلیم پاشا نے کہا ہے کہ وہ ملا جو کبھی دین کی علامت اور عزت سمجھا جاتا تھا آج خود بھی رسوا ہے اور اس نے دین کو بھی رسوا کر رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ آج کے ملا دین کی روح سے بے بہرہ ہو کر شکم کے بندے ہو گئے ہیں)۔

② ہماری شبنم ہماری نگاہ میں سمندر ہے + اس کی نگاہ سے ہمارا سمندر شبنم ہے مراد یہ ہے کہ ہم تو دین کے فروعی مسائل اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی دین کی اصل سمجھتے ہیں لیکن یہ آج کل کے ملا بنیادی اصول اسلامی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا شبنم کنایہ ہے شعائر اسلامی یا اسلام کے فروعی مسائل سے اور یم

اشارہ ہے اسلام کے بنیادی ارکان اور اصولوں کی طرف۔

③ اس قرآن فروش ملا کی عجیب عجیب باتوں سے + میں نے روح الامین (جبریل) کو واویلا کرتے دیکھا (کہ یہ باتیں میں تو نبی ﷺ کے پاس لے کر نہیں گیا تھا یہ ملائے عہد حاضر نے کہاں سے نکال لیں)۔

④ اسکا یعنی ملا کا دل آسمان سے دوسری طرف کے جہان سے بے گانہ ہے یعنی وہ اللہ کی اس ہدایت سے جو قرآن کی صورت میں اللہ کی طرف سے زمین پر اہل زمین کے لئے اتاری گئی ہے واقف نہیں ہے + اس کے نزدیک سب کتابوں کی جڑ یا ماں یعنی قرآن کریم (اللہ کا کلام ہونے کی بجائے) کوئی افسانہ ہے (وہ اسے صرف قصے کہانیوں اور خیالی باتوں کی کتاب سمجھتا ہے)۔

⑤ دین نبی ﷺ کی حکمت سے وہ بے خبر ہے + اس کا آسمان ستارے نہ ہونے کی وجہ سے تاریک ہے (مراد ہے اس کے اندر قرآن کو سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے جس حکمت کو خیر کثیر کہا ہے اس سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے)۔

⑥ وہ کم نگاہ، کم ذوق اور فضول باتیں کرنے والا ہے + ملت اس کے قال اقول یعنی بحثوں اور مناظروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے (فرقوں میں بٹ گئی ہے)۔

⑦ مدرسہ، ملا اور قرآن کے بھید + (یوں ہیں کہ جیسے) مادر زاد اندھا اور سورج کی روشنی۔۔۔ مراد ہے ملا اور اس کے مدرسے سے قرآنی تعلیمات کی وہی نسبت ہے جو اندھے کی سورج کی روشنی سے ہوتی ہے۔ اندھا سورج کی روشنی سے اور آج کا ملا قرآن کی روشنی سے بے خبر ہے۔

⑧ کافر کا دین تو فکر، تدبیر اور جہاد ہے (یہاں جہاد سے مراد دنیاوی جنگ ہے) + (اور) ملا کا دین اللہ واسطے کا فساد ہے مراد ہے کہ غیر مسلم تو اپنے دین کو پھیلانے اور اپنی ہر طرح کی سربلندی کے لئے فکر بھی کرتے ہیں اور اس کے لئے تدبیریں بھی کرتے ہیں یہاں تک کہ دوسروں پر جنگ مسلط کر کے بھی اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں لیکن ہمارا ملا فکر اور تدبیر سے بھی عاری ہے اور جہاد سے بھی گریزاں ہے وہ صرف ایک کام کر رہا ہے فرقوں کو فرقوں سے لڑا رہا ہے اور اس طرح ملت میں فساد برپا کر رہا ہے۔

دوسرا بند

مردِ حق جانِ جہانِ چار سوے ۔۔۔ آں بخلوت رفتہ را از من بگوے
اے ز افکار مومن را حیات ۔۔۔ از نفسہاے تو ملت را ثبات
حفظِ قرآنِ عظیم آئینِ تست ۔۔۔ حرفِ حق را فاش گفتن دینِ تست
تو کلیمی چند باشی سرنگوں ۔۔۔ دستِ خویش از آستیں آور بروں
سرگذشتِ ملتِ بیضا بگوے ۔۔۔ با غزال از وسعتِ صحرا بگوے
فطرتِ تو مستنیر از مصطفیٰ ست ۔۔۔ باز گو آخر مقامِ ما کجاست؟

*

① مرد حق جہان چار سو یعنی اطراف میں گھرے ہوئے جہان کی جان ہے + (اب) اس خلوت اختیار کئے ہوئے (مرد حق) کو میری طرف سے کہہ۔

② اے کہ تیرے افکار سے مومن کی زندگی ہے + تیری سانسوں سے ملت کو ثبات ملت ہے (ملت محکم ہوتی ہے) (مرد حق سے مراد اللہ کا مقرب یا اللہ کا ولی ہے)۔

③ قرآن کریم کی حفاظت تیرا دستور ہے + حق کی بات کو صاف صاف کہہ دینا تیرا دین ہے۔

④ تو تو کلیم ہے کب تک سرنگوں بیٹھا رہے گا (اٹھ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ سے کلام کیا کرتے تھے اور جس طرح انہوں نے اپنی قوم کو فرعون سے نجات دلائی تھی تو بھی اے مرد حق خلوت سے باہر آ اور آج کے فرعونوں کے قابو میں آئی ہوئی امت مسلمہ کو ان سے نجات دلا) + اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر لا (حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھی معجزہ کے طور پر اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر لاتے تھے تو وہ سورج چاند کی طرح چمک رہا ہوتا تھا اس معجزاتی ہاتھ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی تو بھی اے مرد حق خلوت سے باہر آ اور کراماتی ہاتھ سے ملت کو نجات دلا)۔

⑤ روشن ملت یا ملت اسلامیہ کی سرگزشت بیان کر + ہرن سے صحرا کی وسعت کی بات کر مراد ہے تو مسلمانوں کے سامنے ان کی گذشتہ عظمت کی تاریخ بیان کر کے ان کے اندر پھر سے اسلام کی سربلندی کا جذبہ پیدا کر اور انہیں یہ بتا کہ تمہارے پاس جو تعلیمات ہیں وہ تو صحرا کی سی وسعت رکھتی ہیں جب کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ محدود ہے۔

⑥ تیری فطرت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور سے روشن ہے + پھر سے بیان کر کہ آخر ہم مسلمانوں کا مقام کیا ہے۔

تیرا بند

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو ۔۔ مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

ہر زماں اندر تنش جانے دگر ۔۔ ہر زماں او را چو حق شانے دگر

راز ہا با مرد مومن باز گوے ۔۔ شرح رمز کلّ یومٍ باز گوے

جز حرم منزل ندارد کارواں ۔۔ غیر حق در دل ندارد کارواں

من نمی گویم کہ راہش دیگر است ۔۔ کارواں دیگر نگاہش دیگر است!

*

① مرد حق کسی سے رنگ و بو نہیں لیتا (وہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا رنگ و بو اختیار کرتا ہے یعنی زندگی کو ان کے رنگ میں ڈھالتا ہے + مرد حق (صرف) حق سے رنگ و بو لیتا ہے۔

② ہر گھڑی اس کی تپش میں ایک نئی جان ہوتی ہے (وہ ہر وقت سرگرم عمل رہتا ہے) + ہر لحہ حق کی طرح اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے (اس مصرع میں قرآن کی آیت کل یوم ھو فی شان کی طرف اشارہ ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ یعنی خدا ہر لحظہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے)۔

③ (اے مرد حق) مرد مومن سے (بھولے ہوئے) راز پھر سے بیان کر + اس سے کل یوم ھو فی شان کی رمز بیان کر (کہ جس طرح حق ہر لحہ ایک نئی صفاتی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہتا ہے تو بھی میدان عمل میں سرگرم ہو کر ہر لحہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہو)۔

④ (مسلمانوں کا) قافلہ کعبہ کے سوا کوئی منزل نہیں رکھتا + (یہ) قافلہ حق کے سوا دل میں کچھ نہیں رکھتا یعنی مومن کے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور نہیں بستا اور اس کی منزل زندگی بھی اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

⑤ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا یعنی کاروان ملت کا راستہ کوئی اور ہے (راستہ تو وہی ہے جو کعبہ کو جاتا ہے) + (البتہ آج صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ) قافلہ وہ نہیں اور اس قافلہ کی نگاہ وہ نہیں یعنی مسلمانوں کی سوچ بھی بدل گئی ہے اور ان کی مسلمانی بھی بدل گئی ہے۔

افغانی

از حدیثِ مصطفیٰ داری نصیب؟ دینِ حق اندر جہاں آمد غریب
با تو گویم معنیِ ایں حرفِ بکر غربتِ دیں نیست فقرِ اہلِ ذکر
بہرِ آں مردے کہ صاحبِ جستجو است غربتِ دیں ندرتِ آیاتِ اوست
غربتِ دیں ہر زماں نوعِ دگر نکتہ را دریاب اگر داری نظر
دل بآیاتِ مبیں دیگر بہ بند تا بگیری عصرِ نو را در کمند!
کس نمی داند ز اسرارِ کتاب شرقیاں ہم غربیاں در پیچ و تاب
روسیاں نقشِ نوی انداختند آب و ناں بردند و دیں درباختند
حق ببیں حق گوے و غیر از حق مجوے یک دو حرف از من بآں ملت بگوے

*

① (سعید حلیم پاشا کی بات ختم ہوئی تو جمال الدین افغانی زندہ رود کو کہنے لگے) کیا تو حدیث مصطفیٰ ﷺ سے کچھ حصہ رکھتا ہے یعنی تجھے نبی ﷺ کی یہ حدیث معلوم ہے + کہ اسلام دنیا میں غریب (اجنبی) آیا تھا۔

② میں تیرے سامنے اس اچھوتے لفظ یعنی غریب کا مفہوم بیان کرتا ہوں + دین کی غربت سے مراد اہل ذکر کا فقر نہیں یعنی غربت سے مراد یہاں دنیاوی ساز و سامان کا نہ ہونا نہیں ہے یا یوں کہہ لیں کہ اس سے مراد مسکینی اور مفلسی نہیں ہے بلکہ یہاں غریب سے مراد کچھ اور ہے۔

③ اس مرد کے لئے جو جستجو والا ہے + دین کی غربت اس کی آیات کی ندرت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے عجائبات ہیں (اللہ تعالیٰ کی نشانیوں یا قرآن کریم کی آیات پر جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کو یہ عجائبات ہاتھ آجاتے ہیں)۔

④ دین کی غربت ہر زمانے میں نئی قسم کی ہوتی ہے + اس باریک بات کو سمجھ اگر تو نظر رکھتا ہے (آیات وہی ہیں لیکن ہر زمانے میں ان کے نئے نئے معنوں کا ظہور ہوتا ہے)۔

⑤ قرآن کی روشن آیات سے دوبارہ دل لگا + تاکہ تو نئے زمانے کو کمند میں لا سکے (تاکہ تو عصر نو کی خرابیوں کو دور کر کے اسے ایسی شکل دے سکے جو منشائے قدرت ہے)۔

⑥ کوئی کتاب (قرآن) کے بھید نہیں جانتا + اس لئے مشرق والے اور مغرب والے دونوں بے قرار

اور گمراہ ہیں (ان کے سامنے ابھی تک آیات کے وہ عجائبات نہیں آئے جو اس دور کے لئے ان کے اندر موجود ہیں)۔

⑦ روسیوں نے (کمیونزم کی شکل میں) نیا ہی نقش ڈالا ہے۔ انہوں نے روٹی اور پانی تو پالیا لیکن دین ہار گئے (1920ء میں روسیوں نے اشتراکیت کو اپنا لیا تھا جو مذہب اور خدا سے بیزاری اور روٹی کپڑے سے محبت کا سبق دیتا تھا۔ بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ یہودی کارل مارکس کا دیا ہوا یہ نظام روٹی کپڑا بھی صحیح طور پر مہیا نہ کر سکا دین تو گیا ہی تھا یہ نظام دنیا کے خلاف اس یہودی سازش تھی)۔

⑧ (تو اے زندہ رود) حق کو دیکھ حق کہہ اور سوائے حق کے کسی چیز کی جستجو نہ کر۔ ایک دو باتیں مجھ سے لے کر اس (روس کی) قوم تک پہنچا۔

پیغام افغانی باملت روسیہ

جمال الدین افغانی کا پیغام روسی قوم کے لئے

پہلا بند

حرفِ و مقصودِ قرآن دیگر است   رسم و آئینِ مسلمان دیگر است
در دلِ او آتشِ سوزندہ نیست   مصطفیٰ در سینۂ او زندہ نیست
بندۂ مومن ز قرآں برنخورد   در ایاغِ او نہ مے دیدم نہ درد
خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست   خود سرِ تختِ ملوکیت نشست!
تا نہالِ سلطنت قوت گرفت   دینِ او نقش از ملوکیت گرفت
از ملوکیت نگہ گردد دگر   عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر!

*

① قرآن کا مقصود اور حرف اور ہے۔ مسلماں کی رسم اور آئین اور ہے مراد آج کے مسلمان سے ہے کہ اس کو قرآن سے کوئی نسبت نہیں رہی۔

② اس کے یعنی آج کے مسلمان کے دل میں (ایمان کو) جلا دینے والی آگ نہیں ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے سینے میں زندہ نہیں ہیں یعنی ان کی محبت اس کے سینے میں موجود نہیں ہے۔

③ بندہ مومن نے قرآن سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اس کے پیالے میں میں نے نہ شراب دیکھی اور نہ تلچھٹ۔۔۔۔ یعنی ان کی زندگی تعلیمات اسلامی سے ہر طرح بے گانہ ہو چکی ہے۔

④ اس نے (مسلمان نے) خود قیصر و کسریٰ کا جادو توڑا یعنی ملوکیت کا نظام ختم کر کے اس نے نظام خلافت قائم کیا۔ (لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد) خود ہی بادشاہت کے تخت پر بیٹھ گیا یعنی اس نے خلافت کی جگہ ملوکیت کا نظام اپنا لیا (اس میں اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدی کے ان واقعات کی طرف اشارہ ہے جو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کے خاتمے کے بعد ظہور میں آئے)۔

⑤ جیسے جیسے مسلمان کی سلطنت کے درخت نے قوت پکڑی یعنی مضبوط ہوتا گیا + اس کے دین نے ملوکیت کا نقش اختیار کر لیا (اور خلافت کا نظام ختم ہو گیا۔ خلافت میں دین اول اور سلطنت ثانوی ہوتی ہے ملوکیت میں سلطنت اول اور دین ثانوی ہو جاتا ہے۔ خلافت کے نظام میں خلیفہ سلطان ہوتے ہوئے فقیر ہوتا ہے وہ محض سیاسی شخصیت نہیں ہوتا بلکہ شریعت و طریقت کا حامل بھی ہوتا ہے جب کہ بادشاہ صرف سیاسی شخصیت ہوتا ہے ہاں دین کا محافظ ہو تو الگ بات ہے)۔

⑥ ملوکیت سے نگاہ کچھ اور ہو جاتی ہے + عقل، ہوش اور رسم و راہ اور ہو جاتی ہے۔

دوسرا بند

تو کہ طرح دیگرے انداختی　　دل ز دستورِ کہن پرداختی
ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں　　قیصریت را شکستی استخواں
تا بر افروزی چراغے در ضمیر　　عبرتے از سرگذشتِ ما بگیر
پاے خود محکم گذار اندر نبرد　　گردِ ایں لات و ہبل دیگر مگرد
ملتے می خواہد ایں دنیاے پیر　　آنکہ باشد ہم بشیر و ہم نذیر!
باز می آئی سوے اقوام مشرق　　بستہ ایام تو با ایامِ مشرق
تو بجاں افگندۂ سوزے دگر　　در ضمیر تو شب و روزے دگر!
کہنہ شد افرنگ را آئین و دیں　　سوے آں دیرِ کہن دیگر مبیں
کردۂ کارِ خداونداں تمام　　بگذر از لا جانبِ الا خرام
در گذر از لا اگر جوئندۂ　　تا رہِ اثبات گیری زندۂ
اے کہ خواہی نظام عالمے　　جستۂ او را اساسِ محکمے؟

*

① اے (روسی قوم) تو نے جو ایک (نئے نظام کی) بنیاد رکھی ہے + (اور) پرانے دستور (حیات و سلطنت) سے دل اٹھا لیا ہے۔

② ہم مسلمانوں کی طرح تو نے (بھی) جہان میں + بادشاہت کی ہڈی توڑ دی ہے۔

③ تاکہ تو اپنے ضمیر میں چراغ روشن کر سکے + ہماری سرگزشت سے عبرت حاصل کر۔

④ اس جنگ میں (جو نظریاتی طور پر اے ملت روسیہ تو نے شروع کی ہے) مضبوطی سے اپنے پاؤں رکھ یا جما + ان (بادشاہت کے) کے لات و ہبل (بتوں) کے گرد پھر طواف نہ کر (لات و ہبل اسلام سے پہلے کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کے نام ہیں۔ مراد ہے ملوکیت کے نظام کو دوبارہ نہ اپنا لینا۔

⑤ یہ پرانی دنیا (اب) ایک ایسی قوم چاہتی ہے + جو کہ بشیر (خوش خبری دینے والی) اور نذیر (ڈرانے والی) بھی ہو (دنیا اور آخرت کی خوش خبری ایمان والوں کو دے اور بے ایمانوں کو آخرت کا ڈر سنائے)۔

⑥ تو دوبارہ مشرقی اقوام کی طرف آ + تیرے زمانے مشرق کے زمانوں سے ملے ہوئے ہیں (تیری تاریخ کے اوراق مغرب سے نہیں مشرق کے واقعات سے پر ہیں)۔

⑦ تو نے اپنی جان میں (اب) ایک نیا سوز پیدا کیا ہے (نئے نظام کو دل سے اختیار کر لیا ہے) + تیرے ضمیر کے اندر (اب) نئے شب و روز ہیں۔

⑧ فرنگیوں کے لئے ان کا دین اور ان کا آئین پرانا ہو گیا ہے + ان کے پرانے مندر یا بت خانے کی طرف دوبارہ نہ دیکھ۔

⑨ تو نے (پرانے) آقاؤں کا کام تمام کر دیا ہے (زار روس اور اس کے امرا کو اور روس کے جملہ جاگیرداروں اور وڈیروں کو ختم کر دیا ہے) + (اب) تو لا' (کی منزل سے) گزر جا اور الا (کی منزل کی طرف) چل مراد ہے کہ کلمہ طیبہ کے مفہوم کی طرف آ جا جس کی رو سے پہلے لا الٰہ کہہ کر (کوئی معبود نہیں ہے کہہ کر) جملہ خداؤں اور آقاؤں کی نفی کر دی جاتی ہے اور پھر الا اللہ کہہ کر (ہاں ایک معبود ضرور ہے اور وہ ہے اللہ یہ کہہ کر) ایک اللہ کا اقرار کر لیا جاتا ہے تو نے اے ملت روسیہ ہر آقا کی نفی کر دی ہے اب ایک آقا کو مان لے وہ آقا جو سب آقاؤں کا آقا ہے جس کو فنا نہیں جس کے نظام کو زوال نہیں اور وہ آقا ہے اللہ---

⑩ اگر تو جستجو کرنے والا ہے تو لا (نفی) سے (انکار خدا کی منزل سے) گزر جا (کیونکہ اس نفی کے آگے ایک اور منزل ہے جو آخری ہے اور وہ منزل ہے اثبات کی۔ خدا تعالیٰ کے اثبات کی اس کے نظام کے اثبات کی)۔

(11) اے کہ تو (اے ملت روسیہ) ایک عالم گیر نظام قائم کرنا چاہتی ہے + کیا تو نے اس کے لئے کوئی مضبوط بنیاد تلاش کر لی ہے۔

تیسرا بند

داستانِ کہنہ شستی باب باب — فکر را روشن کن از ام الکتاب
با سیہ فاماں یدِ بیضا کہ داد؟ — مژدۂ لا قیصر و کسریٰ کہ داد؟
در گذر از جلوہ ہائے رنگ رنگ — خویش را یاب از ترکِ فرنگ!
گر ز مکرِ غربیاں باشی خبیر — روبہی بگذار و شیری پیشہ گیر
چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ — شیرِ مولا جوید آزادی و مرگ
جز بقرآں ضیغمی روباہی است — فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر — فکر را کامل ندیدم جز بذکر
ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب — کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب
خیزد از شعلہ ے سوز — با مزاجِ تو نمی سازد ہنوز
اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر — با تو گویم از تجلی ہائے فکر

*

① تو نے پرانی داستان (تاریخ روس) کا ایک ایک باب دھو ڈالا ہے (اور ایک نئی تاریخ رقم کی ہے) + (اب تو یہ کام کر کہ) اپنی فکر کو ام الکتاب یعنی قرآن کریم سے روشن کر۔

② سیاہ رنگ والوں کو ید بیضا (چمکتا ہوا ہاتھ) کس نے دیا + قیصر و کسریٰ کی نفی کی خوش خبری کس نے سنائی یعنی وہ کون شخص تھا یا وہ کون سی کتاب تھی یا وہ کون سا مذہب تھا جس نے کالوں کو گوروں کے برابر درجہ عطا فرمایا اور قیصر و کسریٰ کے یعنی ملوکیت کے طلسم کو توڑا اور اللہ کے بندوں کو ان کے نظام ملوکیت سے آزاد کیا۔ وہ شخص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ وہ کتاب قرآن تھی اور وہ مذہب اسلام تھا۔

③ (یہ عہد حاضر کے) رنگ رنگ کے (فکری اور سیاسی) جلوے جو ہیں ان کو چھوڑ دے + فرنگ کے (دیئے ہوئے ان رنگ رنگ کے جلووں کو) ترک کر کے اپنے آپ کو پا (ان کی پیروی نہ کر۔ اپنا سیاسی اور فکری مسلک خود پیدا کر اور اس کے لئے قرآن اور اسلام سے راہنمائی حاصل کر)۔

④ اگر تو مغرب والوں کے مکر سے خبردار ہے + تو لومڑی کا انداز چھوڑ اور شیری کا پیشہ اختیار کر (مغرب کے مکارانہ طرز حکومت کی بجائے مخلصانہ اور بے باکانہ طرز حکومت اختیار کر اور یہ صرف اسلام کی راہنمائی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے)۔

⑤ یہ روباہی یعنی یہ لومڑی کی طرز کا نظام زندگی کیا ہے (دنیاوی) ساز و سامان کی تلاش کرنا ہے + اللہ کے شیر کے لئے یا آزادی ہے یا موت--- (روباہی کا نظام یہ ہے کہ اس میں کمزوروں کا استحصال کر کے اپنا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ یہ ابلیسی نظام ہے جس میں اللہ کے آزاد بندوں کو نہ صرف غلام بنایا جاتا ہے بلکہ ان کی عزت نفس بھی محفوظ نہیں ہوتی اس کے مقابلے میں اسد اللہی اللہ کے شیروں کے) نظام میں بندوں کو دنیا کی متاع کا حریص نہیں بنایا جاتا بلکہ انہیں استحصال سے آزاد کرایا جاتا ہے اور ان کی عزت نفس کو بحال کیا جاتا ہے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اللہ کے سوا کسی کو آقا نہیں مانتے۔ موت کو گوارا کر لیتے ہیں لیکن غلامی کو برداشت نہیں کرتے۔

⑥ فقر کے بغیر شیری بھی روباہی ہے + قرآن کا فقر اصل شاہی ہے (فقر کے بغیر شہنشاہی اور شہنشاہی کے بغیر فقر شیری نہیں روباہی ہے فقر قرآن وہ فقر ہے جو فقر میں شاہی اور شاہی میں فقر کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ جن مسلمانوں نے شیری کی ہے فقر کے رنگ ہی میں کی ہے)۔

⑦ قرآن کا فقر ذکر اور فکر کا اختلاط (ہے) + میں نے فکر کو ذکر کے بغیر کامل نہیں دیکھا (فکر خود پر، اپنے گرد و پیش پر، خدا اور اس کی آیات پر غور کرنے اور ذکر خدا اور اس کی نعمتوں کو یاد کرنے کا نام ہے۔ (جب انسان یہ دونوں طریقے اختیار کرتا ہے تو فقیری لباس میں آتا ہے)۔

⑧ ذکر (کیا ہے) ذوق و شوق کو ادب سکھاتا ہے + یہ جان کا کام ہے نہ کہ ہونٹوں کا---- مراد یہ ہے کہ ذکر جذبات انسانی کی نگہداشت کرتے اور ان کو ان کی صحیح سمت عطا کرنے والا ہے۔ ذکر ذوق و شوق کو ہوس سے بچا کر عشق الٰہی کا رنگ عطا کرتا ہے اور اس ذکر کا تعلق زبان سے نہیں بلکہ جان سے ہے۔ زبان پر تو اللہ کا ذکر ہو اور دل میں گائے گدھے کے سودے ہو رہے ہوں یہ ذکر بے کار ہے۔ کسی بھی شے کا زبان سے اقرار کرنا لیکن دل سے تصدیق نہ کرنا بے کار ہے۔ اللہ کا ذکر وہ ہے جو اللہ کا نقش دل پر بٹھائے نہ کہ لبوں کو ہلائے۔

⑨ اس سے یعنی اللہ کے ذکر سے سینے کو جلا دینے والے شعلے اٹھتے ہیں (عشق کی آگ پیدا ہوتی ہے ایسی آگ جو سوائے اللہ کے ہر شے کو جلا دیتی ہے) + جو ابھی تک تیرے مزاج سے موافقت نہیں رکھتے مراد ہے ابھی تمہارا مزاج ذکر کی لذت سے آشنا اور اس کا طالب نہیں ہے۔

⑩ (ذکر کے بعد علامہ اب فقر کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ) اے فقر کے شاداب محبوب پر مر مٹنے والے + میں تجھے فقر کی تجلیوں کی بات بتاتا ہوں۔

چوتھا بند

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ — دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ!
ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو — لن تنالوا البر حتی تنفقوا
از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن! — کس نداند لذتِ قرضِ حسن!
از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ — آدمی درندہ بے دندان و چنگ!
رزقِ خود را از زمیں بردن رواست — ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خداست
بندۂ مومن امیں، حق مالک انت — غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است
رایتِ حق از ملوک آمد نگوں — قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں
آب و نانِ ماست از یک مائدہ — دودۂ آدم "کنفس واحدہ"

✱

① قرآن کیا ہے آقا کے لئے موت کا پیغام ہے + یہ بے سروسامان بندے کا مددگار ہے۔

② سونا کھینچنے والے یعنی سونے کے طالب یا دولت کے پجاری (چھوٹے آدمی) سے خیر کی امید نہ رکھ + (قرآن کریم ایک آیت میں کہتا ہے کہ) تم نیکی (یا بھلائی یا خیر) نہیں پا سکتے جب تک کہ تم اپنی محبوب ترین چیز اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو۔ (قرآن سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور وڈیروں کے لئے سامان موت اور غریبوں اور ناداروں کے لئے زندگی کا پیغام ہے اسلام تو یہ کہتا ہے جو کچھ اللہ نے تمہیں سرمایہ کی صورت میں عطا کیا ہے اسے بیٹھ سینت کے نہ رکھو۔ تجوریاں بھر کر کہیں چھپا نہ دو بلکہ خرچ کرو۔ اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ ہے وہ خرچ کرو۔ عزیزوں پر' رشتہ داروں پر' غریبوں پر اور ضرورت مندوں پر ــــ دنیا کی فلاح کا اگر کوئی اقتصادی نظام ہے تو وہ صرف وہی ہے جو قرآن نے دیا ہے)۔

③ سود سے آخر کیا پیدا ہوتا ہے فساد + کوئی شخص قرض حسنہ کی لذت کو نہیں جانتا (اسلام واحد مذہب ہے جو سود کے کاروبار کو نہ صرف حرام کہتا ہے بلکہ اللہ کے خلاف جنگ کے مترادف قرار دیتا ہے۔ قرآن جہاں دولت خرچ کرنے کے لئے کہتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ اسے حرام ذرائع سے حاصل نہ کرو اور حرام ذرائع میں سے سب سے خطرناک ذریعہ سود کے کاروبار کا ہے۔ بنکاری کا نظام ہے جو یہودیوں کی فکر چالاک کا نتیجہ ہے جو لوگ اس سے پیٹ کے دوزخ کو بھر رہے ہیں ان کے دلوں کا نور غائب ہو گیا ہے۔ سود خور کو آدمی سے نہیں دولت سے محبت ہوتی ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جذبہ رحم سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ وہ قرض نہ دے سکنے والے کی روزی تنگ کے سازوسامان کو نیلام یا قرق کروا دیتا ہے وہ اپنا پیٹ موٹا کرنے کے لئے مقروض اور اس کے بچوں کی روزی چھین کر ان کو ذلیل و خوار ہونے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایک کا سود لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات کا سبب بن جاتا ہے + کوئی شخص قرض حسنہ کی لذت کو نہیں جانتا (ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اسلام نے زکوٰۃ' خیرات' صدقات

اور جو کئی دوسرے طریقے بتائے ہیں اس میں سے ایک طریقہ قرض حسنہ کا بھی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ضرورت مندوں کو قرض کے طور پر رقم دو لیکن سود نہ لو البتہ اس کی واپسی کی مدت وغیرہ کی شرط طے کی جا سکتی ہے۔ صرف یہی نہیں یہ بھی حکم ہے کہ قرض خواہ اپنے مقروض سے قرضے کی رقم احسن طریقے سے واپس مانگے مقروض کی مجبوریوں سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ ہو سکے تو اسے چھوٹ دے وقت میں بھی اور رقم میں بھی۔۔۔

④ سود سے روح تاریک اور دل اینٹ پتھر کی مانند ہو جاتا ہے (جس میں نہ اپنے لئے سوز رہتا ہے نہ کسی کے لئے درد) + (اس سے) آدمی پنجوں اور دانتوں کے بغیر درندہ بن جاتا ہے۔

⑤ اپنے رزق کو زمین سے حاصل کرنا روا ہے + یہ (زمین) بندے کی متاع (ضرور) ہے + (لیکن) اس کا حقیقی مالک خدا ہے (ملکیت زمین خدا کی اور استعمال زمین بندے کا)۔

⑥ بندہ مومن اللہ کی زمین کا امین ہے مالک نہیں ہے + حق کے بغیر تو جو کچھ بھی دیکھتا ہے ہلاک ہونے والا ہے (اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ سوائے اللہ کے چہرے کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ ظاہر ہے مالک زمین وہ ہوگا جو باقی ہے۔ بندے کو اللہ کی طرف سے اس کو اپنے کام میں لانے کی اجازت دی گئی ہے ۔

⑦ اللہ تعالیٰ کا جھنڈا بادشاہوں نے سرنگوں کر دیا یعنی انہوں نے ملکوں پر اللہ کے نظام کی بجائے اپنے تخلیق کردہ نظام کا جھنڈا بلند کر دیا + اس طرح ان کی مداخلت کی وجہ سے۔ بستیوں کی بستیاں تباہ ہو گئیں (اس مصرع میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔ 27-34)۔

⑧ ہمارا پانی اور روٹی یعنی رزق ایک دسترخوان سے ہے + آدم کا خاندان ایک نفس ہے (اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا اور تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا پیدا کرنا اور تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا (28-34)۔ سب ایک آدم کی اولاد ہیں لیکن ہوس نے نوعِ انساں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

پانچواں بند

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست	نقشہائے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است	ایں کتابے نیست چیزے دیگر است!
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود	جاں چو دیگر شد۔ جہاں دیگر شود
مثلِ حق پنہان و ہم پیداست ایں	زندہ و پایندہ و گویاست ایں
اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق	سرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ	ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

آفریدی شرع و آئینے دگر اند کے با نور قرآنش نگر
از بم و زیرِ حیات آگہ شوی ہم ز تقدیرِ حیات آگہ شوی

*

① قرآن کا نقش جب اس جہان پر ثبت ہوا + تو کاہنوں اور پاپاؤں کے نقوش مٹ گئے (اسلام میں برہمنوں اور پادریوں یا مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

② جو کچھ میرے دل میں چھپا ہوا ہے میں اسے صاف صاف ظاہر کر رہا ہوں + یہ یعنی قرآن ایک کتاب نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔

③ جب یہ جان میں سرایت کر جاتا ہے تو جان اور ہو جاتی ہے + جب جان اور ہو جاتی ہے تو جہان اور ہو جاتا ہے۔

④ خدا کی طرح یہ ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی ہے + یہ زندہ ہمیشہ رہنے والا اور بولنے والا ہے (زندہ اور پائندہ ان معنوں میں کہ نہ اس کے متن میں تبدیلی ہو گی اور نہ یہ قیامت تک مٹ سکے گا اللہ تعالیٰ اس کا خود محافظ ہے جو کچھ قرآن میں موجود ہے وہ قیامت تک کے اور ہر دور کے لئے ہے اور اس طرح ہے کہ جیسے گویا ہو کر ہر چیز بتا رہا ہے)۔

⑤ اس کے اندر مشرق اور مغرب کی تقدیریں ہیں + انہیں سمجھنے کے لئے) بجلی کی طرح کی تیز فکر پیدا کر مراد ہے کہ اس کے اندر پوری دنیا کے لئے ہدایت موجود ہے اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے قوانین و ضوابط پائے جاتے ہیں البتہ ان سے استفادہ کے لئے اپنی فکری صلاحیتوں کو روشن کرنا ہو گا۔

⑥ اس نے یعنی قرآن نے مسلمانوں سے یہ کہا ہے کہ جان ہتھیلی پر رکھ لو (اللہ کی خاطر جہاد کرو اور جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرو) + جو کچھ تم اپنی ضرورت سے زیادہ رکھتے ہو (دوسروں کو) دے دو مراد ہے اے مسلمان جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کو اپنا لو۔

⑦ (اے ملت روس) تو نے ایک نئی ہی شرع اور آئین پیدا کیا ہے (کیمونزم کے طور طریقے اور اس کے قوانین و ضوابط کو اپنے ملک میں نافذ کیا ہے) + ذرا انہیں قرآن کے نور کی روشنی میں دیکھ مراد ہے کہ کیمونزم کے نظریہ کو قرآن کی روشنی میں دیکھ کر اس کے حسن کو قائم رکھو اور اس کی بد صورتی کو دور کرو اس طرح ترمیم و اضافہ اور اصلاح سے یہ نظام قرآن کا نظام بن جائے گا ورنہ کارل مارکس کی کتاب سرمایہ ہی کا نظام رہے گا جو فلاح کی بجائے نقصان کا موجب ہو گا اور آج پون صدی گزرنے کے بعد یہ بات سچ ثابت ہو گئی ہے کہ کارل مارکسی نظام اصلاح کی بجائے ا[illegible] ار کا موجب بنا ہے۔ اصل نظام اسی خالق کا ہے جس نے ہر شے تخلیق کی ہے۔

⑧ زندگی کے زیر و بم (اونچ نیچ یا اچھائی برائی) پر نظر ڈال + [illegible] زندگی کی تقدیر سے بھی آگاہ ہو (زندگی کے نشیب و فراز سے بلکہ اس کی تقدیر سے بھی اگر تم آگاہ ہونا [illegible] ہے ہو تو کارل مارکس کی بجائے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف آؤ کتاب سرمایہ کی بجائے ام الکتاب قرآن میں غور کرو)۔

چھٹا بند

محفل ما بے مے و بے ساقی است ساز قرآں را نواہا باقی است
زخمۂ ما بے اثر افتد اگر آسماں دارد ہزاراں زخمہ ور
ذکر حق از امتاں آمد غنی از زمان و از مکان آمد غنی!
ذکر حق از ذکر ہر ذاکر جدا است احتیاج روم و شام او را کجاست
حق اگر از پیش ما بر داردش پیش قومے دیگرے بگذاردش
از مسلماں دیدہ ام تقلید و ظن ہر زماں جانم بلرزد در بدن!
ترسم از روزے کہ محرومش کنند آتش خود بر دل دیگر زنند!

*

① ہماری محفل ساقی اور شراب کے بغیر ہے + (مگر) قرآن کے ساز کے نغمے باقی ہیں مراد ہے کہ مسلمانوں میں دین کی روح مفقود ہے اور ان کو دوبارہ اسلام کی طرف راغب کرنے والا کوئی شخص بھی موجود نظر نہیں آتا لیکن قرآن اور اس کا نور تو موجود ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے اپنا راہنما بنا کر اس سے استفادہ کریں۔

② اگر ہماری مضراب بے اثر ہو چکی ہے (اور وہ قرآن کے ساز سے نغمہ نکالنے کے قابل نہیں رہی ہے) + تو آسمان کے پاس ہزاروں اور مضراب لگانے والے موجود ہیں مراد ہے کہ اگر ہم مسلمان قرآن سے استفادہ نہیں کریں گے اور استفادہ کرنے کے بعد دوسروں کو اس کے فائدوں سے فیض یاب نہیں کریں گے تو اللہ کسی اور قوم کو پیدا کر دے گا جو ہماری جگہ یہ فرض ادا کرے گی۔

③ اللہ تعالیٰ کا ذکر قوموں سے بے نیاز ہے + وہ زمان و مکاں سے (بھی) بے نیاز ہے (قرآن اپنی تعلیمات کے نفاذ کے لئے کسی قوم، کسی جگہ یا کسی زمانے کا محتاج نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد یہاں قرآن کریم ہے)۔

④ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر ذکر کرنے والے (کے ذکر) سے جدا ہے + اسے روم و شام کی احتیاج نہیں ہے یعنی قرآن کریم اپنی تبلیغ اور اشاعت کے لئے کسی قوم کا محتاج نہیں۔

⑤ اللہ اگر اس کو یعنی قرآن کریم کو ہمارے سامنے سے اٹھا لے + تو وہ اسے کسی اور قوم کے سامنے رکھ دے گا (ہم مسلمانوں نے اگر قرآن سے غفلت شعاری اختیار کر رکھی تو اللہ ان کی جگہ کسی اور قوم کو قرآن پر توجہ کی توفیق عنایت کر دے گا)۔

⑥ مسلمانوں میں تو میں نے تقلید (بغیر تحقیق کے پیروی) اور ظن (قیاس) کو دیکھا ہے + (اس کو دیکھ کر) ہر لمحہ میری جان بدن میں کانپ رہی ہے۔

⑦ میں اس دن سے ڈرتا ہوں کہ جس دن مسلمان کو (قرآن) سے اللہ تعالیٰ محروم کر دیں + اور اللہ تعالیٰ اپنے عشق کی آگ کسی اور پر پھینک دیں یعنی کسی اور دل کو عطا کر دیں (مسلمان کو قرآن پر توجہ دینی چاہیے تاکہ [illegible] سماوی کے محروم نہ رہیں)۔

پیر رومی بہ زندہ رود می گوید کہ شعرے بیار

پیر رومی زندہ رود کو کہتا ہے کہ کوئی شعر سنا

پیر رومی آں سراپا جذب و درد ‏ ایں سخن دانم کہ با جانش چہ کرد
از درون آہے جگر دوزے کشید ‏ اشک او رنگیں تر از خون شہید
آنکہ تیرش جز دل مرداں نہ سفت ‏ سوے افغانی نگاہے کرد و گفت
دل بخوں مثل شفق باید زدن ‏ دست در فتراک حق باید زدن
جاں ز امید است چوں جوئے رواں ‏ ترک امید است مرگ جاوداں
باز در من دید و گفت "(۶) اے زندہ رود ‏ با دو بیتے آتش افگن در وجود
ناقہ ما خستہ و محمل گراں ‏ تلخ تر باید نوائے سارباں
امتحان پاک مرداں از بلاست ‏ تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست
درگذر مثل کلیم از رود نیل ‏ سوئے آتش گام زن مثل خلیل!
نغمۂ مردے کہ دارد بوے دوست ‏ ملتے را می برد تا کوے دوست!"

*

① پیر رومی وہ جو سراپا جذب اور درد ہے + میں جانتا ہوں کہ افغانی کی اس بات نے (جس کی تفصیل اوپر آئی ہے) اس کی جان سے کیا کیا یعنی کیا اثر ڈالا۔

② اس نے اپنے اندر سے ایک جگر کو چیر دینے والی آہ نکالی + (اس کی آنکھوں سے) آنسو نکلے جو شہید کے خون سے زیادہ رنگین تھے۔

③ وہ رومی جس کی (نگاہ کے) تیر نے مردوں کے دلوں کے بغیر کسی کو نہیں چھیدا (مردوں سے یہاں مراد بندگان حق ہیں) + اس نے (جلال الدین) افغانی کی طرف نگاہ کی اور کہا۔

④ دل کو شفق کی مانند خون میں رنگین کرنا چاہیے (شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو شام کے وقت مغرب کے افق پر نمودار ہوتی ہے) + اور اپنا ہاتھ اللہ کی فتراک میں دے دینا چاہیے (فتراک وہ چکر سا ہوتا ہے جو شکاری کے گھوڑے کے ساتھ لٹک رہا ہوتا ہے اور جس میں شکاری اپنا شکار باندھ دیتا ہے) مراد ہے ہمیں مستقبل سے ناامید ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ حتی الامکان قرآن پر عمل کر کے روشن مستقبل کی امید رکھنی چاہیے۔

⑤ (آدمی کی) جان امید ہی سے بہتی ہوئی ندی کی مانند بنی ہے + امید کا ترک کر دینا اس کی ہمیشہ کی موت ہے (امید ہی انسان کو عمل پر آمادہ کرتی ہے)۔

⑥ (ان باتوں کے بعد رومی نے) میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے زندہ رود + ایک دو شعروں سے وجود کے اندر آگ لگا۔

⑦ ہماری اونٹنی کمزور اور اس کا محمل بوجھل ہے + (اس لئے) ساربان کا نغمہ زیادہ تیز ہونا چاہیے (تا کہ یہ کمزور اونٹنی بھاری بوجھ کو مستی کے عالم میں محسوس نہ کرے اور منزل ہی کی طرف رواں دواں رہے)۔

⑧ پاک مردوں کا یعنی اللہ کے مقرب بندوں کا امتحان مصائب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دعویٰ محبت کو آزمانے کے لئے ان کو آزمائش میں ڈالتا ہے + (اس لئے) پیاسوں کو اور پیاسا بنا رہا ہے۔

⑨ دریائے نیل سے کلیم یعنی حضرت موسیٰؑ کی طرح گزر جا + اور خلیل یعنی حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ کی طرف قدم بڑھا (پہلے مصرع میں حضرت موسیٰ کے اپنی قوم کو فرعون سے بچا کر دریائے نیل سے گزر جانے اور فرعون اور اس کے لشکر کے (جو ان کا پیچھا کر رہا تھا) دریا میں غرق ہو جانے کی طرف تلمیح ہے اور دوسرے مصرع میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وقت کے بادشاہ نمرود کی طرف سے ان کے لئے جلائی جانے والی آگ میں ان کے کودنے کی طرف اشارہ ہے مراد دونوں اشاروں سے یہ ہے کہ مرد حق تو بلاؤں سے دوچار رہتا ہے لیکن ان پر قابو پاتا ہے)۔

⑩ اس مرد کا (اللہ کے بندے کا) نغمہ جس میں دوست کی خوش بو ہو + ملت کو دوست کی گلی میں لے جاتا ہے۔

غزل زندہ رود

این گل و لالہ تو گوئی کہ مقیم اند ہمہ
راہ پیما صفت موج نسیم اند ہمہ

معنی تازہ کہ جوئیم و نیابیم کجاست
مسجد و مکتب و میخانہ عقیم اند ہمہ

حرفے از خویشتن آموز و دراں حرف بسوز
کہ دریں خانقہ بے سوز کلیم اند ہمہ

از صفا کوشی ایں تکیہ نشیناں کم گوے
موئے ژولیدہ و ناشستہ گلیم اند ہمہ

چہ حرمہا کہ درون دل ما ساختہ اند
اہل توحید یک اندیش و دو نیم اند ہمہ

مشکل ایں نیست کہ بزم از سر ہنگامہ گذشت
مشکل این است کہ بے نقل و ندیم اند ہمہ

*

① یہ لالہ اور گلاب کے پھول جن کے متعلق تو کہتا ہے کہ یہ سب مقیم ہیں (ثابت و ساکن ہیں) + یہ موج نسیم کی طرح راستہ چلنے والے ہیں مراد یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و اقتدار ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا یہ تو آنی جانی چیز ہے۔ (اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ کائنات کی ہر شے فنا کی طرف جا رہی ہے)۔

② وہ نئے معانی جو کہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں اور ہم نہیں پا رہے وہ کہاں ہیں + مسجد، میخانہ، مدرسہ سب بانجھ ہیں (ان سے کچھ حاصل نہیں ہوا اور جس چیز کی مجھے تلاش ہے وہ یہ نہیں دے سکے)۔

③ اپنے آپ سے ایک حرف سیکھ اور اس حرف میں جل جا + (کیونکہ) اس خانقاہ میں سارے کلیم سوز سے بغیر ہیں (صوفیا ایک نکتہ یا رمز کی بات یہ کہتے ہیں کہ اے طالب تجھے صرف ایک حرف درکار ہے سب کچھ چھوڑ کر اسے اختیار کر لے اور یہ حرف ہے اللہ اور اسے اپنے ضمیر پر نقش کر لے۔ آج کل

کی خانقاہوں میں جو درویش ہیں ان میں ذات باری تعالیٰ کی تجلی کے لئے وہ سوز نہیں ہے جو حضرت موسیٰ میں تھا۔ وہ طلب مولیٰ اور متاع عشق الٰہی سے خالی ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بجائے خود اپنے ضمیر کے اندر سے اللہ کا نقش ابھار۔

④ یہ (درویش) جو تکیوں میں بیٹھے ہیں ان کی (باطن کی) صفائی کے عمل کی بات نہ کر + ان کے بال الجھے ہوئے اور گودڑی ناصاف ہے (ان لوگوں نے مریدوں کو دھوکہ دینے کے لئے بال بڑھائے ہوئے ہیں اور درویشانہ لباس پہنا ہوا ہے ورنہ یہ تقویٰ اور تزکیہ سے خالی ہیں)۔

⑤ انہوں نے حرم کے اندر کتنے حرم بنا رکھے ہیں + اہل توحید کی فکر واحد ہے لیکن (عملاً) وہ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں (خانقاہ والوں کی بات کرنے کے بعد اب زندہ رود مدرسے والوں کی بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے علما کا حال یہ ہے کہ انہوں نے موحد ہونے کے باوجود دین کے حصے بخرے کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے)۔

⑥ مشکل یہ نہیں ہے کہ محفل ہنگامہ آرائی کا خیال چھوڑ چکی ہے + (بلکہ) مشکل یہ ہے کہ جملہ اہل محفل بغیر نقل (شیرینی) اور ندیم (دوستوں) کے ہیں یعنی مسلمان تو آج بھی جذبہ اسلام رکھتے ہیں لیکن ان کو کوئی مناسب راہنما نہیں مل رہا ایسا راہنما جو ان کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار کر کے ان کے جذبہ کو کام میں لائے۔

فلک زہرہ

پہلا بند

در میانِ ماہ و نورِ آفتاب — از فضائے تو چو چندیں حجاب!
پیشِ ما صد پردہ را آویختند — جلوہ ہائے آتشیں را بیختند
تا ز کم سوزی شود دل سوزِ تر — سازگار آید بشاخ و برگ و بر
از تب او در عروقِ لالہ خوں — آبجو از رقصِ او سیماب گوں
ہمچناں از خاک خیزد جانِ پاک — سوئے بے سوئی گریزد جانِ پاک
در رہِ او مرگ و حشر و حشر و مرگ — جز تب و تابے ندارد ساز و برگ
در فضائے صد سپہرِ نیلگوں — غوطہ ہم خوردہ باز آید بروں
خود حریمِ خویش و ابراہیمِ خویش — چوں ذبیح اللہ در تسلیمِ خویش!
پیشِ او نہ آسماں نہ خیبر است — ضربتِ او از مقامِ حیدرؓ است
ایں ستیزہ و صدم پاش کند — محکم و سیار و چالاکش کند!
می کند پرواز در پہنائے نور — مخلبش گیرندۂ جبریل و حور!
تا ز "ما زاغ البصر" گیرد نصیب — جز مقامِ "عبدہ" گردد رقیب!

*

① سورج کے نور او چاند کے درمیان + تہ بہ تہ فضاؤں کے کئی حجاب ہیں۔
② ہمارے سامنے سینکڑوں پردے لٹکا دیئے گئے ہیں + اور (ان میں) آتشیں جلوؤں کو لپیٹ دیا گیا ہے۔
③ تاکہ ان کی کم سوزی سے دل میں زیادہ سوز پیدا ہو + اور یہ سوز شاخ' پتے اور پھل کے لئے سازگار ہو جائے مراد ہے اگر سورج کی تپش اور اشیائے زمین کے درمیان پردے نہ ہوتے عالم مادی فنا ہو جاتا ۔
④ اس کی حرارت سے لالہ کے پھول کی رگوں میں خون (سرخی) ہے + اس کے رقص سے ندی پارے کی مانند بے قرار رہتی ہے مراد ہے زمین کی اشیا کی زندگی سورج کی شعاعوں کی وجہ سے ہے لیکن اشیا پر یہ شعاعیں اگر راست پڑیں اور حجابات میں سے ہو کر نہ گزریں تو ہر شے فنا ہو جائے۔
⑤ مٹی سے پاک جان (بھی) اسی طرح پیدا ہوتی ہے + (اور) جان پاک بے سوئی کی طرف (لامکاں کی طرف) دوڑتی ہے (جس طرح زمین اور نور آفتاب کے درمیان بہت سے حجابات ہیں اور ان حجابات میں سے گزرنے والی سورج کی شعاعوں ہی سے زمین پر زندگی کا وجود ہے اسی طرح ہماری زمین یعنی بدن میں بھی روح اسی طرح پیدا ہوتی ہے۔ اگر روح اور خدا کی تجلی کے درمیان حجاب نہ ہوں تو ہم اس کے جلوؤں کی تاب نہیں لاسکیں گے۔
⑥ اس کے راستے میں مرگ و حشر اور حشر و مرگ ہیں مراد ہے روح کے سفر میں موت اور موت کے بعد مر کر جی اٹھنے کے مقامات آتے ہیں + اس سفر میں اس کے پاس تب و تاب کے سوا کوئی اور سامان نہیں ہوتا۔ یعنی اس کا زادِ راہ عشق کے سوا کچھ نہیں ہے یہ عشق ہی ہے۔ جس کی بدولت مسافر آخرت کے سفر سے باسانی گزر سکے گا۔
⑦ یہ جان پاک سینکڑوں نیلے آسمانوں کی فضا میں + مسلسل غوطے لگانے (کے بعد) باہر آتی ہے مراد ہے کہ جس طرح زمین سے دانہ کی نمو ہوتی ہے اسی طرح بدن میں موجود روح کی نمو ہوتی ہے روح کی صلاحیتوں کا عرفان حاصل کرنے کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی کئی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔
⑧ (یہ جان پاک) خود ہی اپنا کعبہ ہے اور خود ہی اپنا ابراہیم ہے + ذبیح اللہ (حضرت اسمٰعیل) کی طرح خود ہی اپنے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے مراد ہے جان پاک عشق کی بدولت اپنے دل کو اپنا کعبہ بنا لیتی ہے۔ وہ حضرت ابراہیم کی طرح اس باطنی کعبہ کی تعمیر کرتی ہے اور وہ اپنے نفس امارہ پر اسی طرح چھری چلا دیتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل پر چلا دی تھی۔ اس طرح اس کا نفس بتوں سے پاک ہو جاتا ہے اور مقام تسلیم و رضا پا لیتا ہے۔
⑨ اس کے یعنی جان پاک کے سامنے نو آسمان اور نو خیبر ہیں + اس کی ضرب حیدر کے مقام سے ہے یعنی اس میں حضرت علیؓ کی سی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ ہر باطل کو شکست دیتی ہوئی عروج کرتی جاتی ہے۔
⑩ یہ ہر لمحہ کی کشمکش یا جنگ جان پاک کو پاک کر دیتی ہے + اسے محکم' متحرک اور چالاک بنا دیتی ہے۔ یعنی جان پاک ہر دم اپنے نفس کے خلاف جہاد میں لگی رہتی ہے اور اس طرح استقامت' عروج اور

بیداری کے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔

(11) وہ نور کی وسعتوں میں پرواز کرتی ہے + اس کا چنگل جبریل و حور کو گرفت میں لینے والا بن جاتا ہے۔

(12) یہاں تک کہ وہ مازاغ البصر سے نصیب پاتی ہے + اور مقام عبدہ کی نگران بن جاتی ہے (اس میں مازاغ البصر وماطغی یعنی نہ تو آپ کی نگاہ میں کجی پیدا ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی ۔ 17-52۔ کی آیت کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق نبی کریم ﷺ کی معراج سے ہے اور **عبدہ** آیت **سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا** کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا مفہوم ہے کہ پاک ہے وہ اللہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات (1-17) اس کا تعلق بھی نبی کریم ﷺ کے شب معراج خدا تعالیٰ کے حضور جانے سے ہے مراد ہے کہ جان پاک اللہ کے دیدار کے مقام پر پہنچ جاتی ہے اور عبدہ بن جاتی ہے یہ مقام اس وقت حاصل ہو جاتا جب جان پاک خود کو نبی کریم ﷺ کے رنگ میں رنگ لیتی ہے یا صوفیا کی زبان میں یہ کہہ لیں کہ فنافی الرسول ﷺ ہو جاتی ہے۔

دوسرا بند

از خود نعہانم کجاست   این قدر دانم کہ از یاراں جداست
اندرونم جنگ بے خیل و سپہ   ہند آں کو ہم چو من دارد نگہ
بے خبر مرداں ز رزمِ کفر و دیں   جانِ من تنہا چو زین العابدینؒ!
از مقام و راہ کس آگاہ نیست   جز نوائے من چراغِ راہ نیست!
غرقِ دریا طفلک و برنا و پیر   جاں بساحل بردہ یک مرد فقیر!
برکشیدم پردہ ہائے این وثاق   ترسم از وصل و بنالم از فراق!
وصل اگر پایانِ شوق است الحذر   اے خنک آہ و فغانِ بے اثر!
راہ رو از جادہ گم گیرد سراغ   گر بجانش سازگار آید فراغ
آں دلے دارم کہ از ذوقِ نظر   ہر زماں خواہد جہانے تازہ تر!
رومی از احوالِ جانِ من خبیر   گفت "می خواہی دگر عالم؟ بگیر!
عشق شاطر ما بدشش مہرہ ایم   پیش بنگر در سواد زہرہ ایم
عالمے از آب و خاک او را قوام   چوں حرم اندر غلافِ مشک فام
با نگاہِ پردہ سوز و پردہ در   از درونِ مسخ و ماغ او گذر
اندرو بینی خدایانِ کہن   می شناسم من ہمہ را تن بہ تن
بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر   رم خن و لات و منات و عسر و ھسر
بر قیامِ خویش می آرد دلیل   از مزاجِ ایں زمانِ بے خلیل"

*

① **میں اپنے** مقام کے متعلق نہیں جانتا کہ کہاں ہے + (البتہ) اتنا جانتا ہوں کہ وہ دوستوں سے الگ

ہے یعنی میرا مقام عام لوگوں سے الگ ہے۔

② میرے اندر لشکر اور فوج کے بغیر جنگ جاری ہے + (اس کو) وہ دیکھ سکتا ہے جو بری طرح کی نگاہ رکھتا ہو مراد ہے میرے اندر حق اور باطل میں مسلسل جنگ رہتی ہے۔

③ لوگ کفر اور دین کی جنگ سے بے خبر ہیں + میری جان (اس جنگ میں،) زین العابدین کی طرح تنہا ہے اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جب میدان کربلا میں حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے تو بچنے والوں میں صرف ان کا ایک بیٹا زین العابدین نام کا رہ گیا تھا جس نے باپ کے مشن کو جاری رکھا زندہ رود کہتے ہیں کہ آج میں بھی کفر اور دین کی جنگ لڑنے کے لئے ان کی طرح اکیلا ہوں ورنہ عام مسلمان تو اس سے بے پرواہ ہیں۔ عام مسلمانوں کی ہی بات نہیں ان کے خواص بھی غیر ذمہ داری سے کام لے رہے ہیں۔

④ (عام و خاص مسلمانوں کی بات کرتے کرتے ہوئے زندہ رود کہتے ہیں) کہ مقام و راہ سے کوئی آگاہ نہیں ہے + میری نوا (پیغام شاعری) کے سوا کوئی شے راستے کا چراغ نہیں ہے۔ (یہی اب ان کی راہنمائی کر سکتی ہے کیونکہ اسی سے ان کو معلوم ہو سکے گا کہ ان کی منزل کیا ہے اور اس منزل تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے)۔

⑤ چھوٹے بچے، جوان اور بوڑھے (سب غفلت) کے دریا میں غرق ہیں + (صرف) ایک مرد فقیر اپنی جان ساحل تک لے گیا ہے مراد ہے پوری قوم میں سے صرف زندہ رود غرق ہونے سے بچ سکا ہے اور وہ دوسروں کو پکار پکار کر غفلت کے دریا میں غرق نہ ہونے کے لئے اور راہ عمل پر گامزن ہونے کے لئے کہہ رہا ہے۔

⑥ میں نے (غفلت کے) مکان سے پردے اٹھا دئے ہیں (اور راہ و منزل دکھا دی ہے) + میں وصل سے ڈرتا ہوں اور فراق سے نالاں ہوں مراد ہے میں مسلمانوں کے منزل پر نہ پہنچنے کے عالم کو دیکھ کر رو رہا ہوں اور جس منزل کو انہوں نے منزل بنا رکھا ہے اس سے خوف کھا رہا ہوں یا اس سے علامہ کا اپنا نظریہ فراق بھی لیا جا سکتا ہے جس کے مطابق وہ وصل کو موت اور فراق کو زندگی کہتے ہیں۔

⑦ اگر وصل شوق کا خاتمہ ہے تو اس سے بچو + اے کہ مبارک ہو وہ آہ و فغاں جس میں اثر نہیں ہے۔

⑧ راستہ چلنے والا راستے کا کم سراغ لگاتا ہے + اگر فرصت اس کی جان کو راس آ جائے یعنی سکون اور فرصت کو چاہنے والے راہ اور منزل کی تلاش نہیں کرتے۔

⑨ میں وہ دل رکھتا ہوں کہ جو ذوق نظر کی وجہ سے + ہر لحہ نئے جہان کا طلب گار رہتا ہے یعنی مجھے حضر نہیں سفر پسند ہے۔

⑩ رومی جو میری جان کے احوال سے خبر رکھنے والے ہیں + کہنے لگے اور یعنی کوئی دوسرا جہان چاہتے ہو یہ لو یعنی تمہارے سامنے ہے اس کی طرف سفر اختیار کرو۔

(11) عشق شطرنج کا کھلاڑی ہے اور ہم اس کے ہاتھ میں مہرے ہیں + آگے دیکھ ہم زہرہ کے ماحول میں ہیں۔

(12) (زہرہ کا جہان) ایسا جہان ہے جس کا قوام آب و خاک سے ہے + کعبہ کی طرح یہ سیاہ مشک کے رنگ کے غلاف میں ہے (اس کی فضا تاریک ہے)۔

(13) پردہ جلا دینے والی اور پردہ پھاڑ دینے والی نگاہ سے + اس کے بادلوں اور دھند میں سے گزر۔

(14) اس میں تو (دنیا کے) پرانے خداؤں کو (یعنی ان لوگوں کو جنھوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا یا ان بتوں کو جن کو لوگوں نے خدا بنا رکھا تھا) دیکھے گا + میں ان سب کو ایک ایک کر کے پہچانتا ہوں۔

(15) یہ پرانے خدا ہیں بعل' مرودخ' یعوق' نسر' فسر + رم خن' لات' منات' عسر اور غسو۔

(16) یہ اپنے قیام یعنی اپنی زندگی یا زندہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں + اس زمانے یعنی دور حاضر کے زمانے کے مزاج سے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ (جیسے بت شکن) سے خالی ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ عہد حاضر میں سب بت گر ہیں بت شکن کوئی نہیں یعنی سب باطل کے پرستار ہیں حق کا پرستار کوئی نہیں اس لئے یہ پرانے خدا خود کو زندہ سمجھنے لگے ہیں اور سمجھیں بھی کیوں نہ کیونکہ عہد حاضر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان کے مزاج کے مطابق ہے خلیل اللہ کی مزاج کے مطابق نہیں ہے۔

مجلس خدایان اقوام قدیم

پرانے زمانے کی قوموں کے خداؤں کی مجلس

آں ہوائے تند و آں شبگوں سحاب / برق اندر ظلمتش گم کردہ تاب
قلزمے اندر ہوا آویختہ / چاک دامان و گہر کم ریختہ!
ساحلش ناپید و موجش گرم خیز / گرم خیز و با ہوا ہا کم ستیز!
رومی و من اندر آں دریائے قیر / چوں خیال اندر شبستان ضمیر!
او سفرہا دیدہ و من نوسفر / در دو چشم ناصبور آمد نظر
ہر زماں گفتم نگاہم نارساست / آں دگر عالم نمی بینم کجاست
تا نشان کوہسار آمد پدید / جوئبار و مرغزار آمد پدید!
کوہ و صحرا صد بہار اندر کنار / مشکبار آمد نسیم از کوہسار!
نغمہ ہائے طائرانِ ہم نفس / چشمہ زار و سبزہ ہائے نیم رس
تن ز فیضِ آں ہوا پایندہ تر / جانِ پاک اندر بدن بینندہ تر!
از سپہرِ کہ پارہ کردم نظر / خرم آں کوہ و کمر آں دشت و در!
وادی خوش بے نشیب و بے فراز / آب بر خضر آرد بخاکِ او نیاز
اندریں وادی خدایانِ کہن / آں خدائے مصر و ایں ربّ الیمن
آں ز ارباب عرب ایں از عراق / ایں الٰہ الوصل و آں ربّ الفراق
ایں ز نسلِ مہر و داماد قمر / آں زوج دارد نظر
آں یکے در دستِ او تیغ دو رو / واں دگر پیچیدہ مارے در گلو
ہر یکے ترسندہ از ذکرِ جمیل / ہر یکے آزردہ از ضربِ خلیل
گفت مرودخ "آدم از یزداں گریخت / از کلیسا و حرم نالاں گریخت

تا بیفزاید با دراک و نظر سوئے عہدِ رفتہ باز آید مگر!
می برد لذت ز آثارِ کہن از تجلی ہائے ما دارد سخن!
روزگار افسانۂ دیگر کشاد می وزد زاں خاکداں بادِ مراد!!
بعل از فرطِ طرب خوش می سرود بر خدایاں رازہائے ما کشود!

*

① (پرانے زمانے کی اقوام کی مجلس جس ماحول میں ہو رہی ہے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں) وہ تیز ہوا اور وہ رات کی تاریکی کی طرح کا کالا بادل + جس کی تاریکی میں بجلی کی چمک بھی اپنی روشنی کھوئے ہوئے تھی۔

② وہ ہوا میں لٹکا ہوا ایک ایسا سمندر (تھا) + جس کا دامن چاک (تھا) مگر اس سے موتی بالکل نہیں گرتے تھے۔

③ اس کا ساحل ظاہر نہیں تھا اور اس کی موجوں میں سخت تلاطم تھا + گرم خیز تھیں اور ہوا سے نہیں ٹکراتی تھیں۔

④ رومی اور میں اس سیاہ دریا کے اندر + اس طرح تھے جس طرح کہ ضمیر کے شبستان میں خیال---

⑤ اس نے یعنی رومی نے سفر دیکھے ہوئے تھے میں نیا مسافر تھا + میری دونوں آنکھوں میں نظر بے صبر ہو گئی۔

⑥ میں ہر گھڑی کہہ رہا تھا میری نگاہ (یہاں کی اشیا تک) نہیں پہنچ رہیں یعنی میں کچھ نہیں دیکھ رہا + وہ دوسرا جہان (جس کا تو ذکر کر رہا ہے) میں نہیں دیکھ رہا کہ وہ کہاں ہے۔

⑦ تا آنکہ پہاڑوں کے سلسلے کے نشان ظاہر ہوئے + ندی اور سبزہ زار ظاہر ہوا۔

⑧ یہ ایسے پہاڑ اور صحرا تھے جن کے پہلو میں سینکڑوں بہاریں تھیں + (ان) پہاڑوں سے جو نرم و لطیف ہوا آ رہی تھی وہ مشک کی طرح کی خوشبو بکھیر رہی تھی۔

⑨ (وہاں) ہم دم یعنی ایک جیسے راگ گانے والے پرندوں کے نغمے (تھے) + چشمہ زار اور نیا اگا ہوا سبزہ (تھا)۔

⑩ تن اس کے فیض سے زیادہ مضبوط یا زیادہ دیر رہنے والا (ہو گیا تھا) + (اور) پاک جان بدن کے اندر زیادہ دیکھنے والی (ہو رہی تھی)۔

(11) میں نے ایک پہاڑی پر سے نظر کی + وہ پہاڑ اس کی وادی، بیاباں اور گھاٹی یا درہ مبارک یا پسندیدہ تھا۔

(12) ایک اچھی وادی جس میں نشیب و فراز نہ تھا + جس کی خاک کے آگے خضر کا پانی (یعنی آب حیات بھی) نیاز (کا سر رکھتا ہے) یعنی جس میں ایسی زندگی تھی کہ مردہ زمین زندہ ہو جائے۔

(13) اس وادی کے اندر پرانے (زمانے کے) خدا (تھے) + وہ (اگر) مصر والوں کا خدا تھا (تو) یہ یمن والوں کا رب تھا۔

(14) وہ عرب والوں کے رب (تھے) اور یہ عراق والوں کے + یہ وصل کا (صلح کا یا محبت کا) دیوتا تھا تو

وہ فراق (جنگ یا نفرت) کا رب تھا۔

(15) یہ (دیوتا) سورج کی نسل سے اور وہ قمر کا داماد تھا (کوئی سورج دیوتا تھا کوئی چاند دیوتا) + (اور) ایک اور مشتری کی زوج پر نظر رکھتا تھا یعنی مشتری کو چاہنے والا دیوتا تھا۔

(16) وہ ایک (دیوتا تھا) جس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار تھی + ایک اور تھا جس کے گلے میں سانپ لپٹے ہوئے تھے (پرانی اقوام نے جس جس طرح اور جس جس عقیدے کے خدا بنا رکھے تھے ان کا اشارتاً ذکر ہو رہا ہے)۔

(17) یہ سب ذکر جمیل سے یعنی ذکر حق سے ڈرے ہوئے + (اور) حضرت ابراہیم خلیل اللہ بت شکن کی ضرب سے آزردہ خاطر تھے۔

(18) مردوخ نے کہا (اے میرے ساتھی دیوتاؤ آج کا آدمی) خدا سے بھاگ گیا + گرجے اور مسجد سے یعنی مذہب سے نالہ و فریاد کرتا ہوا نکل آیا ہے یعنی مبارک ہو آج کی دنیا کے لوگ خدا سے دور ہو گئے ہیں ہماری نشاۃ ثانیہ کا وقت آگیا ہے۔

(19) تاکہ وہ یعنی آج کا آدمی اپنی نظر اور سمجھ کو بڑھائے + دیکھو وہ گزرے ہوئے عہد کی طرف (جو دیوتاؤں کا عہد تھا) واپس آ رہا ہے یعنی آج کا آدمی حق کی بجائے باطل میں اپنی بہتری ڈھونڈ رہا ہے آج اسے ہماری ضرورت ہے۔

(20) آج وہ پرانے آثار سے لذت حاصل کر رہا ہے + وہ ہماری تجلیوں کی باتیں کر رہا ہے (تہذیب کہن کے دریافت ہونے کے پردے میں ہمیں اجاگر کر رہا ہے۔ ہمیں اور ہماری خدائی کو آثار قدیمہ کے بھیس میں لوگوں سے متعارف کرا رہا ہے)۔

(21) اس زمانے نے ایک اور افسانے (کا باب) کھولا ہے (لکھا ہے) + اس خاکدان (نئے باب) سے ہماری لئے باد مراد آ رہی ہے یعنی پتہ چل رہا ہے کہ عہد حاضر ہماری مرادوں کے لئے سازگار ہوگا اور پھر سے ہماری خدائی تسلیم ہوگی۔

(22) (مردوخ خدا کی یہ باتیں سن کر) بعل خدا نے فرط خوشی میں پیارا نغمہ گایا + اور (باطل) خداؤں پر ہمارے راز کھولے۔

نغمۂ بعل

پہلا بند

آدم این نیلی تتق را بر درید　　آن سوئے گردوں خدائے را ندید
در دل آدم بجز افکار چیست　　ہمچو موج این سر کشید و آں رمید!
جانش از محسوس می گیرد قرار　　بو کہ عہد رفتہ باز آید پدید
زندہ باد افرنگی مشرق شناس　　آنکہ ما را از لحد بیروں کشید!
اے خدایان کہن وقت است وقت!

*

① و(آج کے دور کے) آدمی نے اس نیلے سراپردہ یعنی آسمان کو پھاڑ ڈالا (اور وہ ستاروں) سیاروں تک پہنچ گیا) + (لیکن اس نے) آسمانوں سے دوسری طرف (لامکاں میں) خدا کو نہ دیکھا۔

②، (آج کے) آدمی کے دل میں سوائے افکار کے کیا ہے یعنی کچھ نہیں ہے (وہ عقل کا بندہ ہے) + موج کی طرح اس آدمی میں فکر سر اٹھاتا ہے اور وہ بھاگ جاتا ہے یعنی وہ سوز عشق سے خالی اور عقائد پختہ سے بیزار ہے اور افکار پریشاں کا شکار چکا ہے۔

③ اس کی جان کو محسوس سے قرار آتا ہے یعنی وہ ان اشیا سے لذت پاتا ہے جو اس کے حواس خمسہ میں آ سکتی ہیں۔ وہ روحانیت کی بجائے مادیت میں مگن رہتا ہے + ہو سکتا ہے (یا ہمیں امید ہے) کہ (بت پرستی کا) گزرا ہوا زمانہ واپس آ جائے۔

④ مشرق (کے مزاج کو) پہچاننے والا افرنگی زندہ رہے + جس نے ہمیں قبر سے باہر کھینچا یعنی لوگوں کو بدن سے رغبت دلا کر روح سے بے گانہ کر دیا اور اس طرح خدا سے غافل کر کے مادہ پرستی کو لوگوں کا مسلک بنا دیا۔ اس طرح اس نے ہمارے پرستاروں کا گروہ پیدا کر کے ہمیں زندہ کر دیا۔

مصرع: اے پرانے خداؤ وقت ہے وقت (تمہارے عروج کا)۔

دوسرا بند

در نگر آں حلقۂ وحدت شکست آلِ ابراہیم بے ذوقِ الست!
صحبتش پاشیدہ، جامش ریز ریز آنکہ بود از بادۂ جبریل مست!
مردِ حر افتاد در بندِ جہات با وطن پیوست و از یزداں گسست!
خونِ او سرد از شکوہِ دیریاں لاجرم پیرِ حرم زنار بست!
اے خدایانِ کہن وقت است وقت!

*

① دیکھو وہ توحید کا حلقہ ٹوٹ گیا ہے (خود مسلمان توحید کے قائل نہیں رہے) + ابراہیم کی اولاد یعنی دینِ ابراہیم کے پیروکار (آج) الست کے ذوق کے بغیر ہیں (اس میں اشارہ ہے آیت الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کی طرف جس میں بتایا گیا ہے کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانی اجسام میں آنے والی روحوں سے جب یہ پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو انھوں نے جواب میں بلیٰ (ہاں) کہا تھا۔ آج کے دور کے لوگ یہاں تک کہ سب خداؤں سے منہ موڑ کر ایک اللہ کو ماننے والے مسلمان بھی اس وعدے کو بھول چکے ہیں۔

② اس کی محفل پراگندہ اور اس کا جام ٹکڑے ٹکڑے ہے + وہ جو کہ (کبھی) جبریل کی شراب سے مست تھا یعنی مسلمانوں کی وحدت ملی پارہ پارہ ہو چکی ہے اور وہ قرآن کو چھوڑ کر طرح طرح کے فرسودہ اور باطل عقائد میں گرفتار ہے۔

③ آزاد مرد (اب) اطراف کی قیود میں جکڑا ہوا ہے + وہ وطن سے جڑ گیا اور خدا سے جدا ہو گیا یعنی

آج کے مسلمان نے وطن کو معبود بنا لیا ہے حالانکہ مسلمان قوم کی تشکیل وطنیت پر نہیں توحید پر ہے۔
④ ان کا خون بت پرستوں اور مشرکوں کے شکوہ (دبدبہ) سے سرد ہو چکا ہے یعنی وہ دنیا کی باطل افکار و عقائد رکھنے والی قوموں سے مرعوب ہو کر ان کا رنگ اختیار کر رہا ہے + جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پیر حرم نے برہمنوں کا جنیو پہن لیا ہے یعنی وہ غیر اسلامی عقائد اور رسوم و رواج کا شیدا ہو گیا ہے۔
مصرع: اے پرانے خداؤ (اٹھو تمہارے اقتدار کا یہ) وقت ہے وقت۔

تیسرا بند

در جہاں باز آمد ایامِ طرب ؎ دیں ہزیمت خوردہ از ملک و نسب!
از چراغِ مصطفیٰ اندیشہ چیست؟ ؎ زانکہ او را پف زند صد بولہب!
گرچہ می آید صدائے لا الٰہ ؎ آنچہ از دل رفت کے ماند بہ لب!
اہرمن را زندہ کرد افسونِ غرب ؎ روزِ یزداں زرد رو از بیمِ شب!
اے خدایانِ کہن وقت است وقت!

*

① ہماری خوشی کا دور دنیا میں پھر واپس آ گیا + دین نے ملک و نسب سے شکست کھائی (دین اسلام میں رنگ، نسل، وطن، ملک وغیرہ کی تفریق نہیں ہے لیکن آج کے مسلمانوں نے دین کی بات کو چھوڑ کر مغرب والوں کے ان نئے نئے نظریات کو اپنا لیا ہے۔
② (اب) چراغِ مصطفیٰ ﷺ یعنی دین اسلام کا ــــ کوئی خطرہ نہیں (مسلمان تو خود دین مصطفیٰ ﷺ کو چھوڑ چکے ہیں) + کیونکہ آج کے دور میں اس چراغ کو بجھانے کے لئے سینکڑوں بولہب پھونکیں مار رہے ہیں (بولہب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک چچا تھے جو اسلام کی سخت مخالفت کیا کرتے تھے)۔
③ اگرچہ لا الٰہ کی صدا آ رہی ہے + جو کچھ دل سے چلا گیا ہو وہ لب پر کیسے رہتا ہے (یہ سچ ہے کہ مسلمان ابھی کلمہ طیبہ پڑھ رہے ہیں لیکن یہ بات بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ جو توحید ان کے دل سے نکل چکی ہے وہ لب پر بھی کیسے قائم رہ سکے گی)۔
④ مغرب کے جادو نے شیطان کو زندہ کر دیا + خدا کا دن رات کے خوف سے زرد رو ہے مراد ہے مغربی علوم و فنون اور مغربیوں کے افکار و نظریات نے لوگوں کے دلوں سے خدا کو نکال دیا ہے اور شیطان کو ان میں بسا دیا ہے۔
مصرع: اے پرانے خداؤ یہ وقت ہے وقت ہے فائدہ اٹھانے کا۔

چوتھا بند

بندۂ دیں از گردش باید کشود ؎ بندۂ ما بندۂ آزاد بود
تا صلوٰت او را گراں آید ہمے ؎ رکعتے خواہیم و آں ہم بے سجود

جذبہ از نغمہ می گردد بلند پس چہ لذت در نمازِ بے سرود!
از خداوندے کہ غیب او را سزد خوشتر آں دیوے کہ آید در شہود!
اے خدایانِ کہن وقت است وقت!

*

① اس کی گردن سے دین کا پھندا کھول دینا چاہیے + ہمارا بندہ تو آزاد بندہ تھا (جو چاہے کرے لیکن دین اسلام نے ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں)۔

② (اب مسلمان کے لئے) چونکہ نماز بوجھ بن گئی ہے + ہم اس کو (قریب مسلمانی میں رکھنے کے لئے صرف) ایک رکعت کی نماز اور وہ بھی سجدے کے بغیر چاہتے ہیں۔

③ گیت (موسیقی) سے (انسانی) جذبات بلند ہوتے ہیں + اس لئے ایسی نماز میں کیا لذت (ہو سکتی ہے) جس میں راگ نہ ہو (عبادتوں میں راگ رنگ کی شمولیت اسی دیوتائی تصور کی بنا پر ہے)۔

④ اس خدا سے جس کو غیب میں رہنا سازگار ہے + وہ دیوتا زیادہ اچھا ہے جو ظاہر ہے۔

مصرع: اے پرانے خداؤ یہ وقت ہے وقت (تمہارے لئے کامیابی کا)۔

فرو رفتن بدریائے زہرہ و دیدن ارواح فرعون و کشنر را

زہرہ کے دریا میں اترنا اور وہاں فرعون اور کشنر کی روحوں کو دیکھنا

تعارف فرعون: حضرت موسیٰ کے زمانے کا ملک مصر کا ایک بادشاہ جو خود کو خدا کہتا تھا اور جو بنی اسرائیل پر بہت ظلم کرتا تھا۔ آخر کار وہ حضرت موسیٰ کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے نیل میں لشکر سمیت غرق ہو گیا تھا۔

تعارف کشنر: اصل انگریزی نام کچنر علامہ نے فارسی اثر کے تحت کشنر لکھا ہے۔ 1850ء میں انگلستان میں پیدا ہوا۔ وہ ایک لارڈ اور فوجی تھا جس کو حکومت انگلستان نے 1885 میں افریقہ کے ملک سوڈان میں ان فوجوں کی امداد کے لئے بھیجا جو سوڈان کی آزادی کے لئے لڑنے والے مسلمان مجاہدین کے خلاف لڑ رہی تھیں اس نے سوڈان اور مصر کے مسلمانوں پر ظلم و جبر کر کے ان کی جو حالت بنائی اس پر انگریزی حکومت نے اسے خطابات اور انعامات سے نوازا۔ مجاہدوں کے سالار مہدی سوڈانی کی قبر میں سے اس کی لاش نکال کر جب اس کے ساتھ درندوں کا سا سلوک کیا گیا تو مہذب کہلانے والی انگلستان کی حکومت نے اس پر مزید نوازشات کیں۔ آخر کار قدرت نے اسے یہ سزا دی کہ وہ ایک جہاز کے غرق ہونے سے سمندر میں غرق ہو گیا اور اس کو قبر تک نصیب نہ ہوئی۔

پیر رومم آں صاحبِ ذکرِ جمیل ضرب او را سطوتِ ضربِ خلیل
ایں غزل در عالمِ مستی سرود ہر خدائے کہنہ آمد در سجود!

*

① پیر روم جو صاحب ذکر جمیل ہے (یعنی جس نے فارسی میں مثنوی معنوی کے نام سے ایک مثنوی

لکھی ہے جسے فارسی زبان میں قرآنی مضامین کا عکس کہا جاتا ہے) + اس کی ضرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دبدبہ ہے (یعنی جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنی ضرب سے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تھا اسی طرح رومی کے پیغام کی ضرب مومن کے نفس کے بتوں کو اور کافر کے خدائی بتوں کو توڑ پھوڑ دیتی ہے)۔

② اس نے عالم مستی میں یہ غزل گائی + (جس کو سن کر) ہر پرانا خدا سجدے میں گر گیا۔

غزل

"باز بر رفتہ و آئندہ نظر باید کرد ‏ ‏ ہلہ برخیز کہ اندیشہ دگر باید کرد
عشق بر ناقۂ ایام کشد محمل خویش ‏ ‏ عاشقی؟ راحلہ از شام و سحر باید کرد
پیر ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست ‏ ‏ از خوش و ناخوش او قطع نظر باید کرد
تو اگر ترکِ جہاں کردہ سرِ او داری ‏ ‏ پس نخستیں ز سرِ خویش گذر باید کرد
گفتمش در دلِ من لات و منات است بسے ‏ ‏ گفت ایں بتکدہ را زیر و زبر باید کرد"

*

① جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ آنے والا ہے اس پر پھر سے نظر دوڑانی چاہیے + ہاں اٹھ کہ (سب معاملات پر) پھر سے فکر کرنی چاہیے یعنی سوچنا چاہیے۔

② عشق زمانے کی اونٹنی پر اپنا محمل باندھتا ہے یعنی زمانے پر حکمران ہوتا ہے + کیا تو عاشق ہے (اگر ایسا ہے تو تجھے صبح اور شام کو اپنے سفر کا سامان بنانا چاہیے یعنی وقت کو اپنی سواری (مرکب) بنانا چاہیے۔

③ میرے پیر نے مجھے بتایا کہ جہان ایک روش پر مضبوطی سے قائم نہیں ہے + اس کے اچھے اور برے سے قطع نظر کرنی چاہیے (زمانے کی خوشی اور غم دونوں بے ثبات ہیں جب یہ بات ہے تو ان کی پرواہ کیوں کی جائے)۔

④ اگر تو ترک دنیا کر کے اس کا یعنی خدا کا آرزومند ہے + تو پہلے تجھے اپنے سر سے گزر جانا چاہیے مراد یہ ہے کہ دنیا سے قطع تعلق سے پہلے اپنے وجود سے بے تعلق ہونا ضروری ہے اور وجود سے بے تعلق ہونے سے مراد دنیا کی لذتوں اور نفس امارہ کی خواہشات کو ترک کرنا ہے نہ کہ وجود کو فنا کر دینا۔

⑤ میں نے اس سے (اپنے پیر سے) کہا میرے دل میں لات و منات (کی قسم کے) بہت سے بت ہیں + اس نے کہا کہ اس بت کدے کو تباہ کر دینا چاہیے۔

رومی نے غزل ختم کی تو میری طرف متوجہ ہو کر کہا

پہلا بند

با من گفت "برخیز اے پر جز بدامانم میاویز اے پسر
کہستاں' آں جبالِ بے میم آنکہ از برف است چوں انبارِ سیم!

در پس او قلزم الماس گوں — آشکارا تر درونش از بروں!
نے بموج و نے بسیل او را خلل — در مزاج او سکون لم یزل
ایں مقام سرکشان زور مست — منکران غائب و حاضر پرست!
آں یکے ز شرق و آں دیگر ز غرب — ہر دو با مردان در حرب و ضرب!
آں یکے بر گردنش چوب کلیم — واں دگر از تیغ درویشے دو نیم!
ہر دو فرعون ایں صغیر و آں کبیر — ہر دو در آغوش دریا تشنہ میر!
ہر کسے با تلخی مرگ آشناست — مرگ جباراں ز آیات خداست!
در پے من پا بنہ از کس مترس — دست در دستم بدہ از کس مترس
سینۂ دریا چو موسیٰ بر درم — من ترا اندر ضمیر او برم"

---

(1) پھر مجھ سے (رومی) نے کہا کہ اے بیٹے اٹھ (کہ آگے چلیں) + میرے دامن کے بغیر کسی اور شے کو نہ پکڑنا ~~میرے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا~~

(2) (آگے ایک پہاڑ آیا) وہ پہاڑ وہ بے کلیم جہان + جو کہ برف سے چاندی کے ڈھیر کی طرح ہے (جہان بے کلیم سے مراد یہ ہے کہ یہ ایسا جہان ہے جہاں رب کی تجلی کی آرزو کرنے والا کوئی نہیں ہے)۔

(3) اس پہاڑ کے پیچھے الماس کے رنگ کا سمندر ہے + اس کا اندر اس کے ظاہر سے زیادہ ظاہر ہے۔

(4) نہ اس میں موج سے (اور) نہ سیلاب سے کوئی خلل آتا ہے یعنی وہ سمندر ایسا ٹھہرا ہوا ہے کہ نہ اس میں کوئی موج اٹھتی ہے اور نہ کوئی تلاطم برپا ہوتا ہے + اس کے مزاج میں ایک ایسا سکون ہے جس کو زوال نہیں ہے (وہاں مسلسل سکون رہتا ہے)۔

(5) (یہ اپنی طاقت میں مست (خدا سے) سرکشی اختیار کرنے والوں کا مقام ہے + وہ جو غیب کے (خدائے غیب کے یا خدا کی غیبی طاقتوں کے) منکر تھے اور جو کچھ سامنے تھا اس کے پرستار تھے۔

(6) ان میں سے ایک مشرق سے اور دوسرا مغرب سے تعلق رکھتا تھا + دونوں مردانِ حق سے جنگ و جدال میں مصروف رہے۔

(7) ان میں سے ایک وہ ہے جس کی گردن پر چوب کلیم ہے یعنی اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کی ضرب لگائی تھی اس کا نام فرعون تھا + اور وہ دوسرا جو تھا وہ وہ تھا جو ایک درویش یعنی مہدی سوڈانی کی تلوار سے دو ٹکڑے ہوا تھا اس کا نام لارڈ کچنر تھا۔

(8) دونوں فرعون تھے یہ چھوٹا اور وہ بڑا فرعون تھا + دونوں دریا کی آغوش میں پیاسے مرے۔

(9) ہر کوئی مرگ کی تلخی سے آشنا ہے یعنی ہر کسی کو مرنا ہے + لیکن (لوگوں پر) جبر کرنے والوں کی موت اللہ کی نشانیوں میں سے ہوتی ہے (ان کی موت ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں اللہ کی خدائی کو چیلنج کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے)۔

(10) (رومی نے مجھ سے کہا آؤ چلیں اس کو دیکھیں) میرے پیچھے پیچھے قدم رکھ کر (چلا آ) کسی سے خوف نہ کھا + میرے ہاتھ میں ہاتھ دے اور کسی سے نہ ڈر۔

(11) میں موسیٰ کی طرح دریا کا سینہ چیر دوں گا + میں تجھے اس کی تہ تک لے جاؤں گا۔

دوسرا بند

بحر بہر ما خود را گشود یا ہوا بود و چو آبے وا نمود
او یک وادی بے رنگ و بو
تو جو
رومی سورۂ سرود زیرِ ماہتاب آمد فرود!
کوہ ے و عریان و سرد اندراں سرگشتہ و حیراں دو مرد!
سوئے رومی یک نظر نگریستند باز سو یک دگر نگریستند
گفت فرعون ایں سحر! ایں جوے نور! از کجا ایں صبح و ایں نور و ظہور!

*

① سمندر نے ہم پر اپنا سینہ کھول دیا + وہ تو کوئی ہوا تھی کہ جو پانی دکھائی دیتی تھی یعنی جس طرح کوئی ہوا کے سمندر میں سے آسانی سے گزر جاتا ہے ہم بھی گزر گئے۔

② اس کی گہرائی میں ایک بے رنگ و بو وادی تھی + وہ ایک ایسی وادی تھی جو تہ بہ تہ تاریکی کے پردوں میں تھی۔

③ پیر رومی نے سورہ طٰہٰ کی قرآت کی + دریا کے نیچے سورج طلوع ہو گیا یعنی اس سورۃ کی تلاوت کی برکت سے دریا کی تہ میں روشنی ہو گئی۔

④ (اس روشنی میں میں نے دیکھے) ڈھلے ہوئے، بے سبزہ (اور) سرد پہاڑ + ان کے اندر دو آدمی حیران و سرگشتہ تھے یعنی حیران و پریشان پھر رہے تھے۔

⑤ انہوں نے رومی کی طرف ایک نظر دیکھا + پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

⑥ فرعون نے کہا یہ صبح کی روشنی، یہ نور کی ندی + یہ صبح اور یہ نور و ظہور کہاں سے (آیا)۔

رومی

ہر چہ پنہان است از پیدا ستے ایں نور از ید ستے!

*

⑦ (رومی نے جواب میں کہا) جو کچھ بھی چھپا ہوا ہے وہ اس (نور) سے ظاہر ہے + اس نور کا اصل ید بیضا سے ہے یعنی نبوت کے معجزہ میں سے ہے۔ ید بیضا (یعنی پر نور ہاتھ) حضرت موسیٰ کا معجزاتی ہاتھ تھا یعنی وہ جب اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکالتے تھے تو وہ سورج کی طرح روشنی دیا کرتا تھا رومی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ اس سورۃ کی تلاوت کی برکت سے ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی طٰہٰ سے شروع ہوتی ہے۔

فرعون

آہ نقدِ عقل و دیں در باختم   دیدم و ایں نور را نشناختم!
اے جہاں داراں سوئے من بنگرید   اے زیاں کاراں سوئے من بنگرید!
وائے قومے از ہوس گردیدہ کور   می برد لعل و گہر از خاکِ گور!
پیکرے کو در عجائب خانہ ایست   بر لبِ خاموشِ او افسانہ ایست!
از ملوکیت خبرہا می دہد   کور چشماں را نظرہا می دہد
چیست تقدیرِ ملوکیت؟ شقاق   محکمی جستن ز تدبیرِ نفاق!
از بد آموزی زبوں تقدیرِ ملک   باطل و آشفتہ تر تدبیرِ ملک!
باز اگر بینم کلیم اللہ را   خواہم از وے یک دلِ آگاہ را

*

① آہ! میں نے دین اور عقل کی نقدی ہار دی + میں نے یہ نور دیکھا لیکن اسے نہ پہچانا (ید بیضا کا معجزہ اللہ تعالیٰ نے اسی فرعون کے مقابلے کے لئے عطا کیا تھا لیکن فرعون حضرت موسیٰ اور ان کے رب پر ایمان نہ لایا تھا اسی طرح بعض لوگوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور و بشری معجزاتی حقیقت سے بھی انکار کیا حالانکہ اسی نور محمدی ﷺ کی برکت سے جو سورہ طٰہٰ کی تلاوت کے نتیجہ میں پیدا ہوا دریا کی تاریکی روشنی میں بدل گئی اور فرعون ششدر رہ گیا کہ یہ کیسے ہوا)۔

② اے جہان کے حکمرانو میری طرف دیکھو + اے نقصان اٹھانے والو میری طرف دیکھو۔ (اے دنیا کے حاکمو مجھ سے عبرت حاصل کرو۔ میں نے اقتدار دنیا کے لئے اس نور کو نہ دیکھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ میں نے اپنے خالق کی پہچان نہ کی اور خود رب بن بیٹھا۔ میرا انجام تمہارے سامنے ہے۔ دیکھنا تم ایسا نہ کرنا)۔

③ افسوس ہے اس قوم پر کہ جو ہوس سے اندھی ہو گئی ہے + جو قبر کی مٹی سے لعل و گہر لے جاتی ہے (اس میں اشارہ ہے فرعونوں کے مقبروں کو کھود کر ان میں سے زر و جواہرات اور قیمتی اشیاء لے اڑنے والی لٹیری انگریزی قوم کی طرف)۔

④ وہ مجسمہ جو (ان کے) عجائب خانہ میں ہے + اس کے لبوں پر خاموش افسانہ ہے (انگریز اہرام مصر میں سے جو حنوط شدہ لاشیں لے گئے ان میں اس فرعون کی حنوط شدہ لاش (ممی) بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا بادشاہ تھا۔ یہ لاش انگلستان کے ایک عجائب گھر میں نمائش کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ یہ لاش منہ بولتی تصویر ہے اس بات کی کہ رب وہی ہے جس کو فنا نہیں۔ بادشاہ وہی ہے جو خالق زمین و آسمان ہے۔ دنیا کے بادشاہ چاہے کتنے عظمت‘ شکوہ اور شان والے کیوں نہ ہوں محتاج‘ بے بس اور فانی ہیں۔ مجھے دیکھیں جس کے آگے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا آج وہ بے بس ہے۔ موسیٰ اور اس کا رب ہی سچا ہے۔ وہی ملک کا مالک ہے۔ باقی سب جھوٹے بادشاہ ہیں اور ہیچ ہیں)۔

⑤ (یہ پیکر) ملوکیت کے بارے میں خبریں دے رہا ہے + اندھوں کو آنکھیں دے رہا ہے (جھوٹے

بادشاہوں کی جھوٹی بادشاہت کا منہ بولا ثبوت پیش کر رہا ہے لوگوں کو درس عبرت دے رہا ہے)۔

⑥ ملوکیت (بادشاہی نظام) کی تقدیر یعنی غرض و غایت کیا ہے؟ نفاق ہے یعنی رعایا کے طبقوں میں پھوٹ ڈالنا ہے تاکہ ان کی طرف کوئی نہ دیکھے اور لوگ آپس میں دست و گریباں رہیں + (بادشاہت) نفاق کی تدبیر سے اپنی مضبوطی تلاش کرتا ہے (پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو)۔

⑦ اس بد آموزی (برے طرز عمل کو سکھانے) کی بنا پر بادشاہ کی تقدیر بری ہو جاتی ہے + (اور) اسکی تدبیر زیادہ باطل اور ابتر یا پریشان ہو جاتی ہے مراد ہے اسکا ملک تباہ ہو جاتا ہے اور اہل ملک پریشان حال ہو جاتے ہیں۔

⑧ اگر میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو دوبارہ دیکھوں + تو میں ان سے ایک دل آگاہ کی خواہش کروں گا یعنی ایسا دل چاہوں گا جو اللہ اور اس کے پیغمبروں کے نور ہدایت کو دیکھ سکے۔

رومی

حاکمی بے نور جاں خام است خام	بے ید بیضا ملوکیت حرام
حاکمی از ضعف محکوماں قوی است	بیخش از حرمانِ محروماں قوی است!
تاج از باج است و از تسلیم باج	مرد اگر سنگ است میگردد زجاج!
فوج و زندان و سلاسل رہزنی است	اوست حاکم کز چنیں ساماں غنی است

*

① جان کے نور کے بغیر حاکمی خام ہے + ید بیضا کے بغیر بادشاہت حرام ہے یعنی نبوت کی دی ہوئی روشنی کے بغیر حاکمیت برکت کی بجائے زحمت ہے۔

② حاکمی محکوموں کی کمزوری سے مضبوط ہوتی ہے + اس کی جڑ محروموں کی محرومی سے قوی ہوتی ہے (نبوت کی روشنی کے بغیر حاکمیت کی عمارت رعایا کو کمزور اور محروم رکھنے کی غرض سے تعمیر کی جاتی ہے)۔

③ تاج یعنی بادشاہت کا وجود باج (لوگوں سے خراج لینے پر) اور لوگوں کے خراج دینے پر ہے + اس سے پتھر جیسا مضبوط آدمی بھی شیشے کی طرح (نازک) ہو جاتا ہے یعنی بادشاہ رعایا کا خون چوس کر انہیں کو کمزور اور خود کو مضبوط بناتے چلے جاتے ہیں۔

④ (رعایا کو بے بس اور محکوم رکھنے کے لئے بادشاہ کا) فوج 'قید خانہ اور زنجیریں رکھنا رہزنی ہے یعنی اللہ کے پیدا کردہ آزاد بندوں کے حقوق کو سلب کرنا ہے + (اصل) حاکم تو وہ ہے جو اس قسم کے سامان سے بے نیاز ہے۔

ذوالخرطوم

خرطوم سوڈان کا دارالحکومت ہے جس کو 1898ء میں لارڈ کچنر نے فتح کیا تھا اس فتح پر انگلستان کی حکومت نے اسے خرطوم کا لارڈ کہا تھا یعنی خرطوم والا لارڈ --- ذوالخرطوم کے لفظی معنی ہیں خرطوم

والا۔ یہاں مراد ہے لارڈ کچنر۔

مقصدِ قومِ فرنگ آمد بلند از پئے لعل و گہر گورے نکند
سرگذشتِ مصر و فرعون و کلیم می تواں دیدن ز آثارِ قدیم!
علم و حکمت کشفِ اسرار است و بس حکمت بے جستجو خوار است و بس

*

① فرنگی قوم (انگریزوں) کا مقصد بلند ہے + وہ لعل و گوہر کے لئے کوئی قبر نہیں کھودتے (جیسا کہ انہوں نے مصر میں فرعون کی قبریں کھودنے کا عمل کیا ہے اور وہاں سے ہر قیمتی شے انگلستان لے گئے ہیں۔ دوسری جگہوں پر آثار قدیمہ دریافت کرنے کے سلسلے میں بھی انہوں نے یہی عمل کیا ہے۔ لارڈ کچنر کہتا ہے کہ ان آثار کو دریافت کرنے سے مقصود صرف دولت لوٹنا نہیں ہے بلکہ اس سے بلند ہے یعنی ان فرعونی تہذیبوں کو دکھا کر مصر کے مسلمانوں کو ان کا فریفتہ کرنا۔ اور اسلامی تہذیب سے دور کرنا ہے)۔ جیسا کہ پاکستان میں موہنجو دھارو، ٹیکسلا اور ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ کو پاکستان کی دیرینہ ثقافت کہہ کر مسلمانوں کو بت پرستی اور بتوں کی عظمت کی طرف راغب کیا جا رہا ہے۔

② مصر، فرعون اور کلیم کی سرگذشت + آثار قدیم سے دیکھی جا سکتی ہے۔ (ہمیں یہ یوں الزام دیا جاتا ہے کہ ہم فرعون کے مقبرے سے سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں ہم نے تو دنیا پر احسان کیا ہے کہ ان آثار قدیمہ سے مصر کی وہ تاریخ لوگوں کے سامنے لا رکھی ہے۔ جس کا تعلق حضرت موسیٰؑ اور ان کے زمانے کے فرعون سے تھا)۔

③ پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنا ہی علم و حکمت ہے اور بس + جو حکمت جستجو کے بغیر ہے وہ خوار ہے اور بس (ہم تو تحقیق و جستجو کر کے حکمت کو سربلند کرتے ہیں۔ آثار قدیمہ کو دریافت کرنے سے ہمارا مقصود صرف یہی ہے باقی جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ ہم پر الزام ہے)۔

فرعون

قبر ما را علم و حکمت بر کشود لیکن اندر تربتِ مہدی چہ بود؟

*

① (شیطان فطرت اور بدباطن لارڈ کچنر نے سوڈان کی آزادی کے لئے لڑنے والے عظیم مجاہد مہدی سوڈانی کی قبر کو کھود ڈالا تھا۔ فرعون خبیث کچنر کی بات سن کر کہتا ہے کہ ہم تیری بات سچ مان لیتے ہیں کہ) ہماری قبر کو (تو تیری قوم نے) علم و حکمت سے یا علم و حکمت کے لئے کھولا یعنی کھودا + لیکن مہدی سوڈانی کی قبر میں کیا تھا؟ کہ تو نے اسے بھی کھود ڈالا)۔

نمودار شدن درویش سوڈانی

درویش سوڈانی کا نمودار ہونا

برق سیبے تابانہ رخشید اندر آب
موجہا بالید و غلطید اندر آب

بوے خوش از گلشن جنت رسید
روح آں درویش مصر آمد پدید

در صدف از سوز او گوہر گداخت
سنگ اندر سینۂ کشنر گداخت

گفت "اے کشنر اگر داری نظر
انتقام خاک درویشے نگر!

آسماں خاک ترا گورے نداد
مرقدے جز در یم شورے نداد"

باز حرف اندر گلوے او شکست
از لبش آہے جگر "تا بے گسست!

گفت "اے روح عرب بیدار شو
چوں نیاگاں خالق اعصار شو!

اے فواد اے فیصل اے ابن سعود
تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود!

زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت
در جہاں باز آور آں روزے کہ رفت!

خاک بطحا خالدے دیگر بزاے
نغمۂ توحید را دیگر سراے

اے نخیل دشت تو بالندہ تر
بر نخیزد از تو فاروقے دگر؟

اے جہان مومنان مشک فام
از تو می آید مرا بوے دوام!

زندگانی تا کجا بے ذوق سیر
تا کجا تقدیر تو در دست غیر!

بر مقام خود نیائی تا کجے
استخوانم در پیے نالد چو نے!

از بلا ترسی؟ حدیث مصطفیٰ است
مرد را روز بلا روز صفاست"

*

① پانی کے اندر بجلی بے قرار ہو کر چمکی + اس میں موجیں اٹھیں اور (آپس میں ٹکرا کر) پانی میں مل گئیں۔

② جنت سے خوشبو آئی + اور مصر کے اس درویش کی روح نمودار ہوئی یعنی مہدی سوڈانی کی روح جنت سے وہاں آ گئی۔ (مہدی سوڈانی کا نام محمد احمد بن عبداللہ تھا 1843ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سوڈان کے مشہور شیخ طریقت شیخ محمد شریف کے خلیفہ روحانی تھے۔ 1861ء سے انہوں نے انگریزوں اور انگریزوں کی حاشیہ بردار مصری حکومت کے خلاف جہاد شروع کیا اور آخر عمر یعنی 1885ء یعنی موت تک جاری رکھا خرطوم میں دفن ہوئے۔ 1898ء میں جب کچنر خبیث نے خرطوم فتح کیا تو اپنی خباثت کا پہلا تمدنی مظاہرہ یہ کیا کہ اس نے مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا ڈالی اور اس کی نعش کو سر بازار نذر آتش کیا۔ یہ ہے طرز عمل اس قوم کے بچے کا جو خود کو تہذیب کا علم بردار سمجھتی ہے۔ پوری انگریز بلکہ ہر یورپی قوم کا ظاہر شرافت اور باطن خباثت ہے۔)

③ اس کے سوز سے صدف کے اندر موتی پگھل گیا۔ لارڈ کچنر کے سینے میں جو (پتھر کا) دل تھا وہ

پگھل گیا۔

④ (مہدی سوڈانی کہنے لگے) اے کچھنو اگر تو نظر رکھتا ہے + تو درویش کی خاک کا انتقام دیکھ۔

⑤ آسمان نے تیری خاک کو قبر نہیں دی (تو سمندر میں ڈوب کر مرگیا تیری لاش کو دو گز زمین بھی نہ ملی) تجھے سوائے شور سمندر کے کوئی قبر نہ ملی۔

⑥ اس کے بعد اس کے گلے میں آواز اٹک گئی + اس کے لبوں سے جگر کو پگھلا دینے والی آہ نکلی۔

⑦ اس نے کہا کہ اے عرب کی روح جاگ + اپنے اسلاف (گزرے ہوئے بزرگوں) کی طرح نئے زمانے تخلیق کر۔

⑧ اے فواد (شاہ مصر) اے فیصل (شاہ عراق) اے ابن سعود (شاہ عرب) + کب تک دھوئیں کی طرح خود پر بل کھاتے رہو گے یعنی کب تک ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دیتے رہو گے۔ (علامہ کے زمانے میں ان ملکوں کے یہ بادشاہ تھے)۔

⑨ اپنے سینے میں اس سوز کو زندہ کرو جو جا چکا ہے + جہان میں وہ زمانہ واپس لاؤ جو جا چکا ہے یعنی اپنے اندر مصطفیٰ ﷺ کا عشق پیدا کر کے پھر سے مسلمانوں کے لئے وہ دور واپس لاؤ جو ہمارے اسلاف نے دنیا میں تقریباً بارہ سو سال قائم رکھا ہے۔

⑩ اے مکہ کی سرزمین ایک اور خالد بن ولید پیدا کر (جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا عظیم سپہ سالار اور فاتح تھا) + توحید کے نغمے پھر سے گا (شرک و کفر کو مغلوب کر)۔

(11) اے کہ تیرے صحرا کی کھجوریں یعنی کھجوروں کے درخت بلند ہوں + تجھ سے کوئی اور فاروق (کیوں) پیدا نہیں ہو رہا۔ تجھ سے کوئی عمر فاروق جیسا جرنیل اور خلیفہ کیوں پیدا نہیں ہوتا۔

(12) اے سیاہ رنگ کے مومنوں کے جہان یعنی اے افریقہ کے مسلمانوں کے ملکو تمہاری جانب سے + مجھے ہمیشہ قائم رہنے والی خوشبو آ رہی ہے (اس میں خصوصی طور پر مہدی سوڈانی مصر اور سوڈان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مجھے ان کے حالات مسلسل پریشان کر رہے ہیں۔ آزادی نی فضا وہاں کب قائم ہو گی)۔

(13) تم کب تک حرکت اور عمل کے ذوق کے بغیر زندگی (اختیار کئے رکھو گے) + کب تک تمہاری تقدیر دوسروں کے ہاتھ میں رہے گی (کب تک غلام رہو گے)۔

(14) کب تک اپنے مقام پر نہیں آؤ گے + میری ہڈیاں (اس غم میں یہاں) سمندر کے اندر بانسری کی طرح نالہ کناں ہیں۔

(15) کیا تو مصیبت سے ڈرتا ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث ہے کہ + مرد کے لئے بلا کا روز صفا کی روز ہوتا ہے یعنی مرد مومن کے لئے جنگ کا دن نفس کی پاکی کا دن ہوتا ہے۔ مجاہد ہر گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ مر جائے تو شہید اور زندہ رہے تو غازی بن جاتا ہے۔

دوسرا بند

ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد   آں حدی کو ناقہ را آرد بوجد

ابر بارید از زمیں ہا سبزہ رست   می نشود شاید کہ پاے ناقہ سست!
جانم از دردِ جدائی در نفیر   آں رہے کو سبزہ کم دارد بگیر!
ناقہ مستِ سبزہ و من مستِ دوست   او بدستِ تست و من در دستِ دوست!
آب را کردند بر صحرا سبیل   بر جبل ہا شستہ اوراقِ نخیل!
آں دو آہو در قفاے یک دگر   از فرازِ تل فرود آید نگر!
یک دم آب از چشمہ صحرا خورد   باز سوے راہ پیما بنگرد!
ریگِ دشت از نم مثالِ پرنیاں   جادہ بر اشتر نمی آید گراں
حلقہ حلقہ چوں پرِ تیہو غمام   ترسم از باراں کہ دوریم از مقام!
ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد   آں حدی کو ناقہ را آرد بہ وجد!"

✱

① ساربان یار مدینہ منورہ میں ہیں اور ہم (وہاں سے دور) نجد میں ہیں + وہ حدی کہاں ہے جو اونٹنی کو وجد میں لائے (ساربان وہ شخص ہوتا ہے جو صحرا میں اونٹنی کی نکیل پکڑ کر اونٹنی سے آگے جا رہا ہوتا ہے۔ نجد کا علاقہ عرب کا وہ علاقہ ہے جو حجاز کے علاقے سے جس میں مکہ مدینہ ہے بہت دور ہے۔ حدی اس گانے کو کہتے ہیں جو ساربان اونٹنی کے آگے چلتا ہوا گا رہا ہوتا ہے تاکہ وہ خود اور اس کے عقیدے کے مطابق اس کی اونٹنی گانے کی لے کی مستی میں تھکاوٹ محسوس کئے بغیر چلتی رہے نجد کے علاقے میں ہونے اور مدینے سے دور ہونے سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ مہدی سوڈانی آج کے عربوں کو اسلام سے دور سمجھتا ہوا انہیں دوبارہ دینِ محمدی کا پرستار بننے کے لئے کہہ رہا ہے اور یہ بھی مراد ہے کہ مہدی سوڈانی کو عشقِ رسول ﷺ نے مدینے اور اس کے گرد و نواح کی یاد نے تڑپا دیا ہے اور وہ اس یاد کی کیفیات بیان کر رہا ہے)۔

② ابر برسا اور زمین سے سبزہ اگا + شاید کہ اونٹنی کا پاؤں (سفر کے لئے) سست پڑ جائے۔

③ میری جان دردِ جدائی میں فریاد کر رہی ہے + اے (ساربان) وہ راستہ اختیار کر جہاں سبزہ کم اگا ہوا ہے (تاکہ ناقہ جلد مدینے پہنچے)۔

④ ناقہ سبزہ میں مست ہے اور میں دوست میں مست ہوں + وہ تیرے ہاتھ میں ہے اور میں دوست کے ہاتھ میں ہوں۔

⑤ (بارش ہو چکی ہے اس طرح قدرت نے) پانی کو صحرا میں سب کے لئے وقف کر دیا ہے یعنی اس کا فیض سب کے لئے جاری کر دیا ہے یا یہ کہیں کہ صحرا میں پانی چلنے لگا ہے + پہاڑوں پر کھجور کے درختوں کے پتے دھل گئے ہیں۔

⑥ وہ (دیکھو) دو ہرن ایک دوسرے کے پیچھے + ٹیلے کی چوٹی سے نیچے آ رہے ہیں (دیکھو)۔

⑦ ان (ہرنوں نے) ایک لمحہ کے لئے صحرا کے چشمہ سے پانی پیا + پھر راہ پیما (راہ چلتے ہوئے مسافر) کی طرف دیکھا۔

⑧ نمی کی وجہ سے صحرا کی ریت ریشمی کپڑے پرنیاں کی مانند (ہو گئی ہے) + (اس وجہ سے) اونٹ پر راستہ گراں نہیں (آسان) ہے۔

⑨ بادل (آسمان پر) تیتر کے پر کی طرح (رنگ برنگ) کے حلقے بنائے ہوئے ہیں + (ان بادلوں کو دیکھ کر معلوم ہو رہا ہے کہ وہ برسیں گے اس لئے) میں بارش سے ڈرتا ہوں کہ ہم منزل سے دور ہیں (کہیں بارش ہمارا سفر نہ روک دے)۔

⑩ ساربان میرے یار مدینے میں اور میں نجد میں ہوں + وہ حدی کہاں ہے جو ناقہ کو وجد میں لائے یعنی ناقہ کو وجد میں لانے والا گیت گا تا کہ ناقہ جلد یاروں کے پاس مدینے پہنچے اور ان کے ساتھ شریک ہو کر دیدار دوست کرے) اس کے استعاراتی معنوں کو لے کر ہم یہ معنی بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ ہم غیر اسلامی زندگی (نجد) اپنائے ہوئے ہیں ہمیں اسلامی زندگی (مدینہ) کو اپنانا چاہیے۔ کاش ایسا ہو کہ کوئی ایسا اللہ کا بندہ (حدی خواں) ہاتھ آجائے جو پیغام اسلام (حدی) سے ناقہ (مسلمان قوم) میں ولولہ پیدا کر دے۔

فلک مریخ

اہل مریخ

مریخ سیارے پر رہنے والے

پہلا بند

چشم را یک لحظہ بستم اندر آب   اندکے از خود گسستم اندر آب!
رخت بردم زی جہانے دیگرے   با زمان و با مکانے دیگرے!
آفتاب ما بآفاقش رسید   روز و شب را نوعِ دیگر آفرید!
تن ز رسم و راہ اں بیگانہ ایست   در زمان و از زماں بیگانہ ایست!
جانِ ما سازد بہر روزے کہ ہست   وقتِ او خرم بہر روزے کہ ہست!
لی نگردد کنہ از پروانِ روز   روز ہا از نورِ او عالم فروز!
روز و شب را گردشِ بیم ازوست   سیرِ او کن زانکہ ہر عالم ازوست!

*

① (زندہ رود کہتا ہے کہ میں نے) پانی کے اندر ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھ بند کی + اور تھوڑا سا اپنے آپ سے دور ہو گیا (پچھلے باب میں زندہ رود اس پانی کی گہرائی میں موجود ہے جہاں اس نے فرعون اور کچنر کو اور مہدی سوڈانی کو روحی کی موجودگی میں دیکھا۔ یہ شعر اسی کے تسلسل میں ہے)۔

② میں اس جہان سے ایک اور جہان کی طرف رخت (سفر باندھا) لے گیا + ایک اور (جگہ کی طرف) جس کے زمان و مکان مختلف تھے۔

③ ہمارا سورج اس کے آفاق میں پہنچا + (اور) اس نے وہاں دن اور رات کو اور طریقے پر پیدا کیا یعنی وہاں کے دن رات پہلے جہان سے مختلف تھے۔

④ (زمین اور مریخ کے روز و شب میں فرق ہونے کے پس منظر میں علامہ نے کہا ہے کہ) بدن، جان کی رسم و راہ سے بیگانہ ہے + یہ زمان میں ہوتے ہوئے بھی زمان سے نا آشنا ہے مراد ہے جان اور ہے بدن اور ہے۔

⑤ ہماری جان ہر سوز کے ساتھ موافقت پیدا کرلیتی ہے + جو بھی دن ہو اس میں اس کا وقت خرم ہے یعنی خوشی میں گزر جاتا ہے۔

⑥ وہ یعنی ہماری جان دن (وقت) کی پرواز سے (یعنی گزرنے سے) پرانی نہیں ہوتی + (بلکہ) دن اس کے نور سے جہان کو روشن کردیتے ہیں (مراد ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آدمی کا بدن تو ضعیف اور پرانا ہو سکتا ہے لیکن جان بوڑھی نہیں ہوتی وہ بدستور جوان رہتی ہے اور بدن کو روشن رکھتی ہے)۔

⑦ روز و شب کی گردش مسلسل اس سے ہے + اس کی سیر کر کہ ہر عالم اسی سے ہے (بدن میں غرق رہنا نادانی ہے روح میں سیر کرنا دانائی ہے آدمی کو چاہیے کہ مادیات سے اتنا دل لگائے جتنا کہ زندگی کے لئے ضروری ہے اصل دل روحانیات میں لگائے۔ بدن کی بجائے روح کی ترقی چاہیے۔ روح زندہ ہے تو بدن بھی زندہ ہے روح مردہ ہے تو بدن بھی مردہ ہے۔ اصل آدمی بدن نہیں روح ہے۔ روح کے لئے بدن خول ہے اس کا استوار اور صحت مند رہنا صرف روح کی حفاظت کے لئے ہے)۔

دوسرا بند

مرغزارے با رصدگاہِ بلند ۔ دوربین او ثریا در کمند!
خلوتِ نہ گنبدِ خضر است ایں ۔ یا سوادِ خاکدانِ ماست ایں؟
گاہ جستم وسعتِ او را کراں ۔ گاہ دیدم در فضائے آسماں!
پیرِ رومم آں مرشدِ اہلِ نظر ۔ گفت "مریخ است ایں عالم نگر!
چوں جہانِ ما طلسمِ رنگ و بوست ۔ صاحبِ شہر و دیار و کاخ و کوست!
ساکنانش چوں فرنگاں ذوفنوں ۔ در علومِ جان و تن از ما فزوں!
بر زمان و بر مکاں قاہر تر اند ۔ زانکہ در علمِ فضا ماہر تر اند
بر وجودش آں چناں پیچیدہ اند ۔ ہر خم و پیچِ فضا را دیدہ اند
خاکیاں را دل بہ بندِ آب و گل ۔ اندریں عالم بدن در بندِ دل!
چوں دلے در آب و گل منزل کند ۔ ہر چہ می خواہد بآب و گل کند
مستی و ذوق و سرور از حکمِ جاں ۔ جسم را غیب و حضور از حکمِ جاں!
در جہانِ ما دو تا آمد وجود ۔ جان و تن، آں بے نمود آں با نمود!
خاکیاں را جان و تن مرغ و قفس ۔ فکرِ مریخی یک اندیش است و بس!
چوں کسے را می رسد روزِ فراق ۔ چست تر می گردد از سوزِ فراق!
یک دو روزے پیشتر از آں مرگ ۔ می کند پیشِ کساں اعلانِ مرگ!
جان شاں پروردۂ اندام نیست ۔ لاجرم خو کردۂ اندام نیست!

تن بخویش اندر کشیدن مردن است   از جہاں در خود رمیدن مردن است!
برتر از فکر تو آمد ایں سخن   زاں کہ جان او نَیَست محکوم بدن!
رخت ایں جا یک دو دم باید کشاد   ایں چنیں فرصت خدا کس را نداد!"

*

① (وہاں) ایک سبزہ زار (تھا) جس میں بلند رصد گاہ (نصب تھی) + اس رصد گاہ کی دوربین ثریا کو اپنی کمند میں (لاتی تھی) (رصد گاہ وہ مقام ہے جہاں سے اہل نجوم ستاروں اور سیاروں کی گردش اور ان کے اثرات کے احوال معلوم کرتے ہیں۔ یہ کام یہاں دوربینوں سے لیتے ہیں)۔

② (میں سوچنے لگا کہ یہ جگہ) تو سبز گنبدوں یعنی تو آسمانوں کی خلوت کی جگہ ہے + یا یہ ہماری زمین ہی کے گرد و پیش میں سے کوئی مقام ہے۔

③ کبھی میں اس کی وسعت کا کنارا ڈھونڈتا + کبھی میں اس کے آسمان کی فضا کو دیکھتا۔

④ پیر رومؒ نے جو اہل نظر کا مرشد ہے + (مجھ سے کہا حیران نہ ہو) یہ مریخ ہے۔ اس جہان کو دیکھ۔

⑤ جب (میں نے اسے اچھی طرح دیکھا تو پتہ چلا کہ) اس کا طلسم رنگ و بو ہمارے جہان کی طرح (ہی) ہے (اس میں بھی وہی اشیا اور ماحول ہے جو ہمارا اہل زمین کا ہے) + یہ بھی شہر، آبادی، محل اور گلی رکھنے والا ہے۔

⑥ اس کے رہنے والے فرنگیوں (یورپ والوں) کی طرح ہنر جاننے والے + اور جان و تن کے علم میں ہم سے بڑھ کر ہیں۔

⑦ وہ زمان و مکاں پر ہم سے بڑھ کر قدرت رکھتے ہیں + کیونکہ وہ فضا کے علم میں ہم سے زیادہ ماہر ہیں۔

⑧ وہ اس کے یعنی فضا کے وجود پر اس طرح لپٹے ہوئے ہیں (اس پر ایسی قدرت رکھتے ہیں) + کہ انہوں نے فضا کے ہر خم اور پیچ کو دیکھا ہے (وہ اس کے رموز اور اسرار سے اچھی طرح آگاہ ہیں)۔

⑨ زمین والوں کے دل، آب و گل (بدن) میں قید ہیں + (لیکن) اس عالم میں یعنی مریخ میں بدن دل کی قید میں ہیں۔

⑩ جب دل آب و گل (مادہ یا بدن) میں منزل بنا لیتا ہے + (تو پھر) وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے آب و گل (بدن) کے لئے کرتا ہے۔

(11) مستی، ذوق اور سرور جان کے حکم سے ہے + جسم کے لئے غیب و حضور (بھی) جان کے حکم سے ہے یعنی اصل جان ہے بدن نہیں اس لئے ذوق و شوق، سرور و مستی، غیب و حضور سب کچھ روح کی کیفیات سے ہیں بدن ان سے نا آشنا ہے۔

(12) ہمارے جہان میں (یعنی زمین والوں کے لئے) وجود دوہرا ہے یعنی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک کو جسم اور دوسرے کو جان یا روح کہتے ہیں + (یہ دو حصے کیا ہیں) یہ جان اور تن ہیں ان میں سے وہ یعنی روح نظر نہیں آتی اور یہ یعنی بدن نظر آتا ہے۔

(13) خاک کے پتلوں کے لئے جان و تن (مثال مرغ و قفس (کی مثال) ہے) یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح پرندہ پنجرے میں قید ہے اسی طرح روح بدن میں قید ہے + مریخ والوں کی فکر الگ سوچ رکھتی ہے (وہ وجود کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتے)۔

(14) (مریخ میں) جب کسی کے لئے فراق (موت) کا دن آجاتا ہے + تو وہ اس فراق کے سوز سے پہلے سے زیادہ چست ہو جاتا ہے۔

(15) موت کے وقت سے ایک دو دن پہلے + وہ لوگوں کے سامنے (اپنی) موت کا اعلان کر دیتا ہے۔

(16) ان کی جان جسموں کی پروردہ نہیں ہے + اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ یعنی جان یا روح بدن کی (صحبت) کی عادی نہیں ہے۔

(17) ان کے لئے مرنا اپنے اندر دم گھسیٹ لینے کے نام ہے + جہان سے اپنی طرف جانا یا خود کو اپنے اندر ہی سمیٹ لینا (ان کے لئے یہ موت ہے)۔

(18) یہ بات تیری فکر سے بلند تر ہے (تو اسے نہیں سمجھ سکے گا) + کیونکہ جو تیری جان ہے وہ بدن کی محکوم ہے۔

(19) (ہمیں) یہاں ایک دو دم کے لئے سامان سفر کھول دینا چاہیے یعنی کچھ عرصہ کے لئے ٹھہرنا چاہیے + اللہ تعالیٰ نے ایسا موقع کسی کو عطا نہیں کیا (مریخ پر پہنچنے کی توفیق جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے اور ہم یہاں آگئے ہیں تو اس کے بسنے والوں کو دیکھنے کے لئے ہمیں کچھ دیر ضرور رکنا چاہیے)۔

بر آمدن انجم شناس مریخی از رصد گاہ

رصد گاہ سے ایک مریخ کے رہنے والے ستارہ شناس کا باہر آنا

پیر مردے ریشِ او مانندِ برف — سالہا در علم و حکمت کردہ صرف

تیز بیں مانندِ دانایانِ غرب — کسوتش چوں پیرِ ترسایانِ غرب

دیر سال و قامتش بالا چو سرو — طلعتش تابندہ چوں ترکانِ مرو

آشنائے رسم و راہِ ہر طریق — آشکار از چشمِ او فکرِ عمیق

آدمی را دید و چوں گل بر شگفت — در زبانِ طوسی و خیام گفت

"پیکرِ گل آں اسیرِ چند و چوں — از مقامِ تحت و فوق آمد بروں!

خاک را پرواز بے طیارہ داد — ثابتاں را جوہرِ سیارہ داد!"

حلق و دو اندرش رواں چو آبجو — محو حیرت بودم از گفتارِ او

ایں ہمہ خواب است یا افسونگری — بر لبِ مریخی حرفِ دری!

گفت مسعود اندر زمانِ مصطفیٰ — مردے از مریخیانِ با صفا

بر جہاں چشمِ جہاں بیں را کشاد — دل بہ سیرِ خطۂ آدم نہاد

پر کشود اندر فضاہائے وجود — تا بہ صحرائے حجاز آمد فرود

آنچہ دید از مشرق و مغرب نوشت — نقشِ او رنگیں تر از باغِ بہشت!

بودہ ام من ہم بایران و فرنگ — گشتہ ام در ملکِ نیل و رودِ گنگ

دیدہ ام امریک و ہم ژاپون و چیں — بہرِ تحقیقِ فلزاتِ زمیں

از شب و روز زمین دارم خبر کردہ ام اندر بر و بحرش سفر
پیش ما ہنگامہ ہائے آدم است گرچہ او از کار ما نامحرم است!"

*

① ایک بوڑھا جس کی داڑھی برف کی مانند (سفید تھی) + (اور جس نے) سالہا سال علم و حکمت (حاصل کرنے) میں صرف کیے تھے۔

② (وہ) مغرب والوں کے داناؤں کی مانند تیز دیکھنے والا (تھا) + اس کا لباس مغرب کے کلیسائی پادریوں کی مانند تھا۔

③ وہ سمر (تھا) اس کا قد سرو کی طرح اونچا (تھا) + اس کا چہرہ علاقہ مرو کے ترکوں کی طرح چمکتا (تھا)۔

④ وہ ہر طریقہ کی رسم و راہ سے واقف تھا + اس کی آنکھ سے گہرا فکر ظاہر ہو رہا تھا۔

⑤ اس نے آدمی کو دیکھا یعنی ہمیں زمین پر رہنے والے آدمیوں کو دیکھا اور وہ پھول کی طرح کھل گیا (بہت خوش ہوا) + اس نے نصیر الدین طوسی اور عمر خیام کی زبان میں یعنی فارسی زبان میں کہا (فارسی میں شاید اس لئے کیا کہ رومی نے اپنی مشہور مثنوی اسی زبان میں لکھی ہے)۔

⑥ اے مٹی کے مجسمہ (اے آدم) جو تو دلائل و مقدار کا قیدی ہے (جو تو عقل سے باہر نہیں آتا) + (اب تو) اوپر نیچے کے مقام سے باہر آگیا ہے یعنی زمین پر جو زمان و مکان ہیں ان سے تو نکل آیا ہے اور ایک نئے جہان میں آگیا ہے جہاں کے زمان و مکاں زمیں جیسے نہیں ہیں۔

⑦ اس نے یعنی آدمی نے اپنی مٹی کو ہوائی جہاز کے بغیر پرواز دی ہے (جو زمین سے یہاں پہنچ گیا ہے) + اس نے ساکن کو حرکت کرنے والے کا جو ہر عطا کیا ہے یعنی اپنے بدن کو پرواز عطا کی ہے۔

⑧ اس (مریخی) کی زبان اور فہم ندی کی طرح رواں تھی + میں اس کی گفتار سے حیرت میں محو تھا۔

⑨ یہ سب کچھ خواب ہے یا جادوگری ہے + کہ مریخ کے رہنے والوں کے لبوں پر فارسی زبان ہے۔

⑩ اس (مریخی) نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے میں تھا + ایک مرد باصفا مریخیوں میں سے۔

(11) اس نے اپنی جہان کو دیکھنے والی آنکھ کو جہان پر کھولا + (اور) آدم کے خطے یعنی زمین کی سیر پر دل کو آمادہ کیا۔

(12) اس نے کائنات کی فضا میں پر کھولے۔ تا آنکہ وہ حجاز کے صحرا میں (جس علاقہ میں مکہ مدینہ ہے) نیچے اتر آیا۔

(13) اس نے (اس وقت) مشرق اور مغرب میں جو کچھ دیکھا اس کو لکھ لیا + اس کا نقش یعنی کتاب یا تحریر باغ بہشت سے زیادہ رنگین (تھی)۔

(14) میں ایران اور یورپ میں بھی رہا ہوں + میں نیل دریا کے ملک (مصر) اور گنگا دریا کے ملک (ہندوستان) میں (بھی) پھرا ہوں۔

(15) میں نے امریکہ، جاپان اور چین کو بھی دیکھا ہے + (ان ملکوں میں میں گیا ہوں) زمین کی مختلف قسم کی دھاتوں کی تحقیق کے لئے۔

(16) میں زمین کے دن رات سے خبر رکھتا ہوں + میں نے اس کی خشکی اور تری میں سفر کیا ہے۔

(17) آدم کے ہنگامے میرے سامنے ہیں + اگرچہ وہ یعنی زمین پر بسنے والے آدمی میرے کام سے نامحرم ہیں۔

رومی

من ز افلاکم، رفیقِ من ز خاک   سرخوش و ناخوردہ از رگہائے تاک!
مرد بے پروا و نامش زندہ رود   مستیِ او از تماشائے وجود!
ما کہ در شہرِ شما افتادہ ایم   در جہان و از جہاں آزادہ ایم
در تلاشِ جلوہ ہائے نو بنو   یک زماں ما را رفیقِ راہ شو

*

① میں تو آسمانی ہوں لیکن میرا ساتھی زمینی ہے + اس نے انگور (کی بیل) کی شراب (اگرچہ) نہیں پی. (لیکن) وہ پھر (بھی) خوش یعنی مست ہے۔
② وہ ایک بے پروا آدمی ہے اس کا نام زندہ رود ہے + اس کی مستی (انگور کی شراب سے نہیں) کائنات کے نظارے کی بنا پر ہے۔
③ ہم کہ تمہارے شہر میں وارد ہوئے ہیں + ہم جہان میں ہیں (لیکن) اس سے آزاد ہیں۔
④ نئے نئے جلووں کی تلاش میں + کچھ عرصہ کے لئے ہمارے راستے کے ساتھی بن جائیے۔

حکیم مریخی

مریخ کا رہنے والا حکیم

ایں نواحِ مرغدین، برخیاست   برخیا نامِ ابوالآبائے ماست
فرزِ مرد، آں آمرِ کردارِ زشت   رفت پیشِ برخیا اندر بہشت
گفت "تو ایں جا چساں آسودہ؟   عمرہا محکومِ یزداں بودہ!
از مقامِ تو نکوتر عالمے است   پیشِ او جنت بہارِ یکدمے است
آں جہاں از ہر جہاں تر است   آں جہاں از لامکاں بالاتر است
نیست یزداں را ازاں عالم خبر   من ندیدم عالمے آزاد!
نے خدائے در نظامِ او دخیل   نے کتاب و نے رسول و جبرئیل!
نے طوافے نے سجودے اندرو   نے دعائے نے درودے اندرو!"
برخیا گفت "اے فسوں پرداز خیز   نقشِ خود را اندراں عالم بریز"
تا ابوالآبا فریبِ او نخورد   حق جہانے دیگرے با ما سپرد
اندریں ملکِ خداداد ے گذر   مرغدین و رسم و آئینش نگر!

① یہ مرغدین برخیا کے گرد کا علاقہ ہے + برخیا ہمارے باپوں کے باپ کا یعنی مورث اول کا نام ہے (اور یہ علاقہ جس میں آپ کھڑے ہیں برخیا یہاں تھا اور اس کو مرغدین کہتے ہیں)۔

② فرز مرزوہ جو برائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے + وہ برخیا کے پاس جنت میں گیا (اور شیطان نے جس طرح تمہارے باوا آدم کو بہکایا تھا فرز مرز نے ہمارے باوا برخیا کو بہکانا چاہا)۔

③ اس نے یعنی فرز مرز نے (برخیا سے) کہا تو یہاں کس لئے آرام کر رہا ہے + تو سالہا سال سے یزداں (خدا) کا محکوم رہا ہے یعنی جس طرح خدا نے تجھے حکم دیا ہے اس کے مطابق یہاں زندگی بسر کر رہا ہے اور تیری اپنی مرضی اور ارادہ اس نے مسلوب کر رکھا ہے۔

④ ایک اور جہان ہے جو تیرے مقام یعنی جنت سے زیادہ اچھا ہے + اس کے سامنے جنت ایک لمحہ کی بہار ہے یعنی کچھ بھی نہیں۔

⑤ وہ جہان ہر جہان سے زیادہ اونچا ہے + وہ جہان لامکاں (عالم لاہوت) سے (بھی) بلند تر ہے۔

⑥ خدا کو اس جہان کی خبر نہیں ہے + میں نے اس سے آزاد جہان کوئی نہیں دیکھا (جو چاہو کرو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے)۔

⑦ نہ تو خدا اس کے نظام میں دخل دیتا ہے + نہ وہاں کتاب ہے نہ رسول ہے اور نہ جبریل ہے (وہاں خدا کوئی حکم نہیں چلتا اور نہ اس کے پیغمبر وہاں لوگوں پر اپنے قوانین مسلط کرنے کے لئے آتے ہیں)۔

⑧ اس کے اندر نہ (کسی جگہ کا) طواف (ہے) اور نہ (کسی کو) سجدہ + اس کے اندر نہ دعا ہے اور نہ درود ہے۔

⑨ برخیا نے کہا اے جادوگر (یہاں سے) اٹھ جا + اور اس جہان میں (جس کا تو نے نقشہ کھینچا ہے) اپنا نقش جما (مجھ کو چھوڑ)۔

⑩ چونکہ ہمارے ابوالآبا (باپوں کے باپ یا مورث اعلیٰ و اول) نے اس کا یعنی فرز مرز کا فریب نہیں کھایا + حق نے ایک اور قسم کا جہان ہمارے سپرد کر دیا۔

(11) اس خدا کے دیئے ہوئے ملک کی سیر کر + (اور اس شہر) مرغدین اس کی رسم اور اس کے دستور کو دیکھ۔

گردش در شہر مرغدین

مرغدین شہر کی سیر

مرغدین و آں عمارات بلند — من چہ گویم زاں مقامات ارجمند

ساکنانش در سخن شیریں چو نوش — خوب روئے و نرم خوئے و سادہ پوش!

فکرشاں بے درد و سوز اکتساب — رازدان کیمیائے آفتاب

ہر کہ خواہد سیم و زر گیرد ز نور — چوں نمک گیریم ما از آب شور!

خدمت آمد مقصدِ علم و ہنر کارہا راکس نمی سنجد بزر!
کس ز دینار و درم آگاہ نیست ایں بتاں را در حرمہا راہ نیست
بر طبیعت دیو ماشیں چیرہ نیست آسمانہا از دخانہا تیرہ نیست!
سخت کش دہقان، چراغش روشن است از نہابِ دِہ خدایاں ایمن است!
کشت و کارش بے نزاعِ آبجوست حاصلش بے شرکتِ غیرے ازوست!
اندراں عالم نہ لشکر، نے قشوں نے کسے روزی خورد از کشت و خوں!
نے قلم در مرغدیں گیرد فروغ از فنِ تحریر و تشہیرِ دروغ،
نے بہ بازاراں ز بے کاراں خروش نے صداہائے گدایاں در گوش!

*

① مرغدین اور اس کی وہ بلند عمارتیں + میں اس اعلیٰ مقام کے متعلق کیا کہوں یعنی اس کی شان بیان میں نہیں آسکتی۔

② اس کے رہنے والے شہد کی طرح میٹھی زبان والے (ہیں) + وہ خوب صورت، نرم عادت اور سادہ لباس پہننے والے (ہیں)۔

③ ان کی فکر (اشیا یا مال) حاصل کرنے کی تکلیف اور رنج کے بغیر ہے + وہ سورج کے کیمیا کے رازوں کو جانتے ہیں (وہ محنت اور مشقت سے مال اور دولت کمانے کی بجائے سورج کی شعاعوں سے سونا بنا لیتے ہیں)۔

④ جو کوئی چاندی اور سورج چاہتا ہے وہ اسے سورج کے نور سے حاصل کر لیتا ہے + اسی طرح جس طرح ہم شور پانی سے نمک حاصل کر لیتے ہیں۔

⑤ یہاں علم و ہنر کا مقصد لوگوں کی خدمت ہے (نہ کہ سوداگری اور لوٹ مار کا ذریعہ) + یہاں کاموں کو سونے میں کوئی نہیں تولتا۔

⑥ یہاں دینار اور درم سے یعنی دنیا کی کرنسی کی طرح کے نظام سے کوئی واقف نہیں ہے + ان کے کعبوں میں ان بتوں کا گزر نہیں ہے۔

⑦ ان کی طبیعت پر مشینوں کا دیو حاوی نہیں ہے + وہاں کے آسمان ان مشینوں کے دھوئیں سے تاریک نہیں ہیں۔

⑧ (وہاں کا) کسان سخت محنت کرنے والا ہے اور (اس کے گھر میں) اس کا چراغ روشن ہے مراد ہے وہاں زمین کے کسانوں کی طرح ان کو ان کی محنت کے صلے سے محروم نہیں رکھا جاتا اس لئے وہ خوش حال ہیں + (اور) وہ گاؤں کے خداؤں یعنی وڈیروں کی لوٹ کھسوٹ، ظلم و ستم اور ناانصافی سے محفوظ ہیں۔

⑨ ان کے کھیت اور ان پر کام نہروں (کے پانی) کے جھگڑے کے بغیر ہیں + (ان کے کھیتوں سے ان کی محنت کے سبب جو کچھ) حاصل ہوتا ہے یعنی جو پیداوار بھی ہوتی ہے اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے ساری پیداوار کا وہ خود مالک ہے۔

⑩ اس جہان میں نہ لشکر ہے نہ ملکی فوج + نہ کوئی کسی کو مار کر یا کسی کا خون بہا کر اپنی روزی حاصل کرتا ہے۔

(11) مرغدین میں قلم فروغ نہیں پاتا+ تحریر کے فن اور جھوٹ کی تشہیر کے لئے (یہاں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے یا معاشرے میں شیطنت پھیلانے کے لئے تحریر سے کام نہیں لیا جاتا)۔

(12) نہ یہاں کے بازاروں میں بے کاروں کا شور (ہے) + (اور) نہ بھیک مانگنے والوں کی آوازیں کانوں کی تکلیف کا باعث (ہیں)۔

حکیم مریخی

کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا حاکم و محکوم نیست!

*

① اس جگہ نہ کوئی شخص سوال کرنے والا ہے اور نہ کوئی (کسی شے) سے محروم ہے + یہاں بندہ اور آقا اور حاکم و محکوم (کی تمیز) نہیں ہے۔

زندہ رود

سائل و محروم تقدیر حق است حاکم و محکوم تقدیر حق است
جز خدا کس خالقِ تقدیر نیست چارۂ تقدیر از تدبیر نیست!

*

① سائل اور محروم حق کی تقدیر ہے + حاکم اور محکوم حق کی تقدیر ہے یعنی یہ منشائے خدا ہے کہ یہ تمیز قائم رہے۔

② خدا کے سوا تقدیر کا خالق کوئی اور نہیں ہے + (اور) تقدیر کا علاج تدبیر سے نہیں ہے۔ یعنی جو کچھ تقدیر میں حق تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہتا ہے چاہے کوئی لاکھ چارہ کیوں نہ کرے۔

حکیم مریخی

پہلا بند

گر ز یک تقدیر خوں گردد جگر خواہ از حق حکمِ تقدیر دگر
تو اگر تقدیرِ نو خواہی رواست زانکہ تقدیراتِ حق لا انتہاست
ارضیاں نقدِ خودی درباختند نکتۂ تقدیر را نشناختند
رمز باریکش بحرفے مضمر است تو اگر دیگر شوی او دیگر است!
خاک شو نذرِ ہوا سازد ترا سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا

شبنمی؟ افتندگی تقدیر تست   قلزمی؟ پایندگی تقدیر تست!
ہر زماں سازی ہماں لات و منات   از جتاں جوئی ثبات اے بے ثبات؟
تا بخود ناساختن ایمان تست   عالم افکار تو زندان تست
رنج بے گنج است، تقدیر ایں چنیں   گنج بے رنج است، تقدیر ایں چنیں!
اصل دین این است اگر اے بے خبر   ی شود محتاج ازو محتاج ترا!
وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا!   باز در خواب گراں دارد ترا!
سحر و افسون است یا دین است ایں؟   حب افیون است یا دین است ایں؟

*

① اگر ایک تقدیر سے تیرا جگر خون ہو جائے + تو خدا سے ایک اور تقدیر کے حکم کی خواہش کر اس کا یہ مطلب ہے کہ تقدیر کے آگے تدبیر کو بے کار نہ سمجھ۔ تدبیر کرنا بھی حکم خدا ہے اس لئے یہ بھی تقدیر ہی ہے۔ اگر ایک تقدیر خداوندی سے تو مصیبت میں ہے تو اس کی دوسری تقدیر یعنی تدبیر اختیار کر لے تو مصیبت سے نکل جائے گا۔ کوئی ایسی مشکل نہیں ہے جس کا اللہ نے حل پیدا نہ کیا ہو۔

② تو اگر نئی تقدیر چاہتا ہے تو یہ بجا ہے + کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیروں کی کوئی انتہا نہیں ہے یعنی اگر تو تقدیر بدلنے کے لئے نئی تقدیر یعنی تدبیر چاہتا ہے تو ضرور طلب کر۔ جتنی تقدیریں ہیں اتنی تدبیریں بھی ہیں۔

③ زمین والوں نے خودی کی نقدی ہار دی + انہوں نے تقدیر کی باریک بات کو نہیں پہچانا۔

④ اس کی یعنی تقدیر کی باریک رمز ایک بات میں پوشیدہ ہے + (اور وہ بات یہ ہے کہ) اگر تو بدل جائے تو تقدیر بھی بدل جائے گی۔

⑤ تو اگر خاک ہو جائے تو تجھے ہوا کی نذر کر دیا جائے گا (وہ تجھے اڑا کر لے جائے گی) + اگر تو پتھر ہو گا تو تجھے شیشے پر ماریں گے یعنی اگر تم خاک ہو اور کوشش کر کے پتھر بن جاؤ تو تمہاری تقدیر بدل جائے گی خاک کو دوسرے ذلیل کرتے ہیں پتھر دوسروں کو زخمی کرتا ہے۔ تیرے اپنے بدلنے سے تیری تقدیر بدل جاتی ہے۔

⑥ کیا تو شبنم ہے (اگر یہ بات ہے) تو تیری تقدیر میں اوپر سے نیچے گرنا ہے + کیا تو سمندر ہے (اگر یہ بات ہے) تو ہمیشہ رہنا تیری تقدیر ہے۔

⑦ تو ہر وقت وہی لات و منات بناتا ہے + اے بے ثبات (اے فانی شخص) تو بتوں سے ثبات (بقا) چاہتا ہے مراد یہ ہے کہ تو تقدیر و تدبیر کے غلط تصورات سے زندگی کو ثبات نہیں دے سکتا۔ یہ غلط تصورات تو تیرے لئے ایسے ہی ہیں جیسے کہ کفار مکہ کے لئے لات اور منات کے بت تھے۔ ان بتوں نے حق کو اور تیرے بتوں نے حق کی تقدیر کو تجھ سے اوجھل کر رکھا ہے۔

⑧ جب تک تیرا ایمان خود سے موافقت نہ کرنا ہے یعنی جب تک تو اپنی معرفت حاصل نہیں کرتا یا اپنی خودی کو نہیں پہچانتا + تو تیرے افکار کا عالم تیرے لئے قید خانہ ہے (جب تک تم خودی کی مخفی طاقتوں سے بے گانہ رہو گے تب تک تم غلط خیالات و افکار میں پھنسے رہو گے۔ تقدیر اور تدبیر کا مفہوم بھی نہیں سمجھ سکو گے)۔

⑨ (اے شخص اگر تیرا یہ عقیدہ ہے کہ) محنت کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جب تیری تقدیر ہی ایسی ہے + اور خزانہ بغیر محنت کے ہاتھ آجاتا ہے اگر تقدیر میں یونہی ہے (تو یہ عقیدہ غلط ہے)۔

⑩ اگر دین کی اصل اے بے خبر یہی ہے + تو اس سے محتاج زیادہ محتاج ہو جاتا ہے یعنی پھر کوئی غریب امیر اور کوئی محتاج غنی نہیں ہو سکتا بلکہ محنت نہ کرنے کی وجہ سے وہ پہلے سے بھی مفلس اور محتاج ہو جائے گا۔

(11) افسوس ہے اس دین پر جو تجھ پر نیند طاری کرتا ہے (تجھے بے عمل بناتا ہے + صرف نیند ہی نہیں لاتا بلکہ اس کے بعد اس نیند میں تجھے مسلسل رکھتا ہے اور جاگنے نہیں دیتا (دین تو اس کے برعکس مسلسل بیداری اور عمل کا نام ہے)۔

(12) کیا یہ کوئی جادو (سحر و افسوں) ہے یا دین ہے + یہ افیون (نیند) کی گولی ہے یا کوئی دین ہے (ایسا دین جو تجھے عمل سے بے گانہ کرتا ہے وہ دین نہیں کچھ اور ہے۔ دین اسلام تو مسلسل عمل کا پیغام دیتا ہے)۔

دوسرا بند

می شناسی طبعِ دراک از کجاست؟ حورے اندر پیکرِ خاک از کجاست؟
قوتِ فکرِ حکیماں از کجاست؟ طاقتِ ذکرِ کلیماں از کجاست؟
ایں دل و ایں وارداتِ او ز کیست؟ ایں فنون و معجزاتِ او ز کیست؟
گرمیِ گفتار داری؟ از تو نیست شعلۂ کردار داری؟ از تو نیست
ایں ہمہ فیض از بہارِ فطرت است فطرت از پروردگارِ فطرت است!
زندگانی چیست؟ کانِ گوہر است تو امینی صاحبِ او دیگر است!
طبعِ روشن مردِ حق را آبروست خدمتِ خلقِ خدا مقصود اوست!
خدمت از رسم و رہِ پیغمبری است مزدِ خدمت خواستن سوداگری است

✱

① کیا تو پہچانتا ہے کہ نہایت ذہین اور مقصود کو پانے والی طبع (انسان کے اندر) کہاں سے ہے یا کہاں سے آئی ہے + خاک کے حجرہ یعنی بدن انسانی کے اندر یہ حور کہاں سے (اتر کر) آئی ہے۔

② فلسفیوں کی فکر کی قوت کہاں سے ہے + کلیموں کے ذکر کی طاقت کہاں سے ہے یعنی فکر و ذکر یا عقل و عشق کی قوتیں آدمی میں کہاں سے آئی ہیں۔

③ یہ دل اور اس کی واردات کس کی طرف سے ہیں + یہ اس کے فنون اور معجزات کس کی طرف سے ہیں۔

④ کیا تو گرمیِ گفتار رکھتا ہے یہ تجھ سے نہیں ہے یعنی اگر تیرے اندر بات کرنے کی اثر انگیز اہلیت ہے۔ تو اس کا فیض رساں کوئی اور ہے یہ تیری اپنی کمائی ہوئی چیز نہیں ہے + (اسی طرح) اگر تو کردار کا شعلہ رکھتا ہے (اعلیٰ اور منور کردار کا مالک ہے) تو یہ بھی تیری وجہ سے نہیں ہے۔

⑤ یہ سارا فطرت کی بہار کا فیض ہے + اور فطرت (انسانی) کی اصل پروردگار فطرت ہے (جو ہمارے

چاروں طرف جلوہ گر ہے) اور اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فطرت جو میرے گردوپیش نظر آتی ہے اس کی پروردگار ایک اور فطرت ہے اور وہ فطرت خالق فطرت یعنی رب ہے خدا ہے یعنی جن نعمتوں کا اوپر چار پانچ شعروں میں ذکر کیا گیا ہے وہ سب بندے کو خالق و پروردگار بندہ کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔

⑥ زندگانی کیا ہے۔ موتیوں کی کان ہے + تو اس کا امین ہے اس کا مالک کوئی اور ہے۔

⑦ روشن طبع مردِ حق کی آبرو ہے + اس کا مقصود خلقِ خدا کی خدمت ہے مراد ہے جب یہ ساری چیزیں بندے کو اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں اور اس کا اپنا کچھ نہیں ہے تو اسے ان کو اللہ کے بندوں کے لئے خرچ کرنا چاہیے۔ اور یہ خدمتِ خلق صلہ کے بغیر ہونی چاہیے کیونکہ طبع دراک، قوت ذکر و فکر، واردات قلبی، علوم و فنون، کرامات و معجزات، گرمی گفتار، شعلہ کردار وغیرہ جو نعمتیں بھی تجھ میں ہیں وہ اللہ کی عطا کردہ ہیں تیری اپنی نہیں ہیں اس لئے تجھے خلقِ خدا پر انہیں بلا صلہ خرچ کرنا چاہئے یہی انبیاء و اولیا کی سنت ہے۔

⑧ خدمتِ خلق پیغمبروں کی رسم و راہ ہے + خدمت خلق کی مزدوری یا معاوضہ چاہنا تو سوداگری ہے۔

تیسرا بند

ہمچناں ایں باد و خاک و ابر و کشت ۔۔۔ باغ و راغ و کاخ و کوے و سنگ و خشت
اے کہ می گوئی متاعِ ما ز ماست ۔۔۔ مردِ ناداں ایں ہمہ ملکِ خداست
ارضِ حق را ارضِ خود دانی بگو ۔۔۔ چیست شرحِ آیۂ لا تفسدوا؟
ابنِ آدم دل بابلیسی نہاد ۔۔۔ من بابلیسی ندیدم جز فساد!
کس امانت را بکارِ خود نبرد ۔۔۔ اے خوش آں کو ملکِ حق با حق سپرد
بردۂ چیزے کہ از آنِ تو نیست ۔۔۔ وا از کارے کہ شایانِ تو نیست!
گر تو باشی صاحبِ شے، می سزد ۔۔۔ ور نباشی، خود بگو کے می سزد
ملکِ یزداں را بیزداں باز دہ ۔۔۔ تا ز کارِ خویش بکشائی گرہ
زیرِ گردوں فقر و مسکینی چراست؟ ۔۔۔ آنچہ از مولاست، می گوئی ز ماست!
بندۂ کز آب و گل بیروں نجست ۔۔۔ شیشۂ خود را بسنگِ خود شکست!
اے کہ منزل را نمی دانی ز رہ ۔۔۔ قیمتِ ہر شے ز اندازِ نگہ!
تا متاعِ تست گوہر گوہر است ۔۔۔ ورنہ سنگ است از پشیزے کمتر است!
نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود ۔۔۔ ایں زمین و آسماں دیگر شود

✱

① اسی طرح یہ ہوا، مٹی، بادل اور کھیت + یہ باغ، راغ، محل، آبادی، پتھر اور اینٹ۔

② (جن کے متعلق) تو یہ کہتا ہے کہ یہ ساری دولت ہماری ہے + (یہ تیرا خیال تیری نادانی پر مبنی ہے) اے ناداں یہ سب کچھ خدا کی ملکیت ہے۔

③ تو خدا کی زمین کو اپنی زمین کہتا ہے + مجھے بتا تو سہی کہ لا تفسدوا کی آیت کی کیا شرح ہے؟ (قرآن کی آیت ہے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ اس سے بڑھ کر تم کیا فساد پھیلا رہے ہو کہ زمین کسی کی (خدا کی) ہے اور ملکیت اپنی ظاہر کر رہے ہو۔ زمین کا اصل مالک خدا ہے ہم اس کے امین ہیں۔ ہمیں جاگیرداروں اور وڈیروں کی طرح اس کو استعمال میں لا کر روئے زمین پر فساد برپا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ کے امینوں کی طرح اس کا استعمال کر کے عدل قائم کرنا چاہیے۔ الارض للہ زمین اللہ کی ہے اسے یاد رکھنا چاہیے۔ ہر چیز کا اصل مالک اللہ ہے اسے نہیں بھولنا چاہیے۔

④ ابن آدم نے (حق کو چھوڑ کر) ابلیس کے ساتھ دل لگایا + میں نے ابلیسی یعنی شیطانی نظام میں فساد کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

⑤ کسی شخص نے کسی کی امانت کو اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں کیا + مبارک ہے وہ شخص جس نے خدا کی ملکیت کو خدا کے سپرد کر دیا یعنی زمین کو اس طرح استعمال میں لایا جو اس کے مالک اصلی کا منشا ہے۔

⑥ تو وہ چیز لے اڑا جو تیری ملک نہیں ہے + میں تیرے کام سے دکھ میں ہوں کہ تو نے وہ کام کیا جو تیرے لائق نہیں ہے۔

⑦ اگر تو چیز کا مالک ہوتا تو یہ بات تجھے زیب بھی دیتی ہے + اگر تو مالک نہیں ہے تو خود یہ کہہ کہ یہ تیرے لئے کیسے مناسب ہے۔

⑧ خدا کی ملکیت کو واپس خدا کو دے دے + تاکہ تیرے کام کی الجھنیں دور ہوں۔ (تیری مشکلات کی گرہیں کھل جائیں)۔

⑨ آسمان کے نیچے محتاجی اور مسکینی کیوں ہے + (اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ) کہ جو کچھ آقا (خدا) کا ہے تو کہتا ہے میرا ہے۔

⑩ وہ بندہ جو اپنے آب و گل سے یعنی اپنے بدنی اور مادی فوائد سے باہر نہیں گیا + اس نے اپنی (زندگی کا) شیشہ (اپنے افکار اور اعمال کے) پتھر سے توڑ دیا۔

(11) اے کہ تو منزل کو راہ سے نہیں پہچانتا یعنی تو راستے اور منزل کے فرق کو نہیں جانتا + ہر شے کی قیمت نگاہ کے انداز سے ہوتی ہے (خریدار سے ہوتی ہے)۔

(12) جب تک تیری متاع ہے تو گوہر گوہر ہے + ورنہ وہ پتھر ہے جس کی قیمت دمڑی سے بھی کم ہے۔

(13) (تو زمین اور اشیا کی ملکیت کو اپنی ملکیت سمجھنے کی بجائے جس طرح اس کے اصل مالک نے کہا ہے) ایک نئے انداز سے دیکھ (اس طرح) یہ جہان ہی بدل جائے گا + یہ زمین اور یہ آسمان ہی اور ہو جائے گا (زمین و آسمان کا سارا فساد ہر شے کو خدا کی بجائے اپنی ملکیت قرار دینے میں ہے۔ یہ پیغام خداوندی صرف قرآن اور اسلام کے پاس ہے لیکن افسوس ہے مسلمان خود اس کے مخالف عمل کر رہا ہے دوسروں کو کیا سبق دے گا)۔

احوالِ دوشیزہ مریخ کہ دعوائے رسالت کردہ

مریخ کی اس کنواری لڑکی کے حالات جس نے رسول ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا

در گذشتم از ہزاراں کوے و کاخ — بر کنارِ شہر میدانِ فراخ!
اندراں میداں ہجومِ مرد و زن — درمیاں یک زن قدش چو نارون
چہرہ اش روشن ولے بے نورِ جاں — معنیِ او ہم بہ بیانِ او گراں!
حرفِ او بے سوز و چشمِ بے نمے — از سرورِ آرزو نامحرمے!
فارغ از جوشِ جوانی سینہ اش — کور و صورت ناپذیر آئینہ اش!
بے خبر از عشق و از آئینِ عشق — صعوہ رو کردہ شاہینِ عشق!
گفت با ما آں حکیمِ نکتہ داں — "نیست ایں دوشیزہ از مریخیاں
سادہ و آزادہ و بے ریو و رنگ — فرزمرز او را بدزدید از فرنگ
پختہ در کارِ نبوت ساختش — اندریں عالم فرو انداختش!
گفت نازل گشتہ ام از آسماں — دعوتِ من دعوتِ آخر زماں!
از مقامِ مرد و زن دارد سخن — فاش تر می گوید اسرارِ بدن!
نزدِ ایں آخر زماں تقدیرِ زیست — در زبانِ ارضیاں گویم کہ چیست"

٭

① میں ہزاروں کاخ و کو (گلیوں اور محلوں) سے گزرا + (تا آنکہ) میں شہر کے کنارے ایک وسیع میدان (تک پہنچا)۔

② اس میدان کے اندر عورتوں اور مردوں کا ایک ہجوم تھا + ان کے درمیان ایک عورت نارون کے قد کی طرح کی (کھڑی تھی) نارون ایک لمبا پودا ہے جو عام طور پر باغوں میں کیاریوں کے کنارے اگایا جاتا ہے اسے ناروند بھی کہتے ہیں۔

③ اس کا چہرہ روشن تھا لیکن روح کے نور سے کے بغیر (تھا) + اس کے بیان پر اس کے معنی گراں تھے یعنی وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بے معنی لگتا تھا۔

④ اس کے الفاظ بے سوز اور اس کی آنکھ بے نم تھی + وہ آرزو کے سرور سے نا آشنا تھی۔

⑤ اس کا سینہ جوانی کے جوش سے فارغ تھا + اس کا آئینہ یعنی دل کا آئینہ اندھا تھا جس کے اندر کوئی صورت، عکس پیدا نہیں کر رہی تھی مراد ہے اس کا دل نور سے اور اس کی باتیں ذوق و شوق سے خالی تھیں۔

⑥ وہ عشق اور عشق کے آئین سے بے خبر تھی + وہ ایک ایسے ممولے کی طرح تھی جس کو عشق کا باز رد کر چکا ہو (وہ سراپا ہوس تھی)۔

⑦ اس حکیم نکتہ داں یعنی حکیم مریخی نے ہم سے کہا + یہ دوشیزہ مریخ کے باشندوں میں سے نہیں

ہے۔

⑧ وہ سادہ، آزاد اور مکر و فریب کے بغیر (تھی) + فرزمرز (شیطان) نے اسے افرنگ (یورپ) سے اغوا (کیا تھا)۔

⑨ (اسے اغوا کرنے کے بعد) اسے نبوت کے کاروبار میں پختہ کر دیا گیا + (اور پھر اسے) اس جہان میں لا ڈالا (یعنی جہان مریخ میں داخل کر دیا)۔

⑩ وہ کہنے لگی میں آسمان سے نازل ہوئی ہوں + میری دعوت آخر زماں کی دعوت ہے یعنی قیامت سے پہلے آخری زمانے میں جس نبی کو آنا ہے وہ میں ہوں۔

(11) (میں نے دیکھا) وہ مرد اور عورت کے (مقام) کی بات کہہ رہی ہے + (اور) وہ بدن کے بھید کھلم کھلا بیان کر رہی ہے یعنی وہ مرد اور عورت کے آپس کے تعلقات کی باتیں بے خوف و خطر اور بے حیا ہو کر بیان کر رہی ہے۔

(12) اس آخر زمانے کی (عورت نبی) کے نزدیک زندگی کی تقدیر (کا جو مطلب ہے) + وہ میں زمین والوں کی زبان میں بتاتا ہوں کہ کیا ہے۔

تذکیر نبیہ مریخ

مریخ کی عورت نبی کا وعظ

پہلا بند

اے زناں! اے مادراں! اے خواہراں! زیستن تا کے مثالِ دلبراں؟
دلبری اندر جہاں مظلومی است دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیم ما مرد را نخچیر خود دانیم ما
مرد صیادی بہ نخچیری کند گردِ تو گردد کہ زنجیری کند!
خود گدازیہاے او مکر و فریب درد و داغ و آرزو مکر و فریب!
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا مبتلاے درد و غم سازد ترا
ہمسرِ او بودن آزارِ حیات وصلِ او زہر و فراق او نبات
مارِ پیچاں از خم و پیچش گریز زہر ہایش را بخونِ خود مریز!
از امومت زرد روے مادراں! اے خنک آزادیِ بے شوہراں!

*

① (مریخ کی نبیہ کہہ رہی تھی کہ) اے عورتو! اے ماؤں اے بہنو + معشوقوں کی طرح (صنف نازک اور محبوب بن کر) کب تک زندگی بسر کرتی رہو گی۔

② دلبری (مردوں کا محبوب یا بیوی بن کر رہنا) جہان میں مظلومی یعنی مظلوم بن کر رہنا ہے + دلبری تو

(مردوں کی) محکومی (اور اپنے حقوق سے) محرومی ہے۔

③ ہم اپنے دو گیسوؤں میں کنگھی کرتی ہیں (خود کو مردوں کے لئے خوبصورت بناتی ہیں) + (اور اس طرح) ہم مرد کو اپنا شکار سمجھتی ہیں۔

④ (تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں ہے تم سمجھتی ہو کہ تم اپنی حسن آرائی سے مردوں کو شکار کرتی ہو حالانکہ بات اس سے الٹ ہے) مرد ہمارا شکار ہوتے ہوئے ہمیں شکار کرتا ہے + وہ تمہارے گرد گھومتا ہے تاکہ (تمہیں فریب عشق دے کر تمہیں غلام بنالے)۔

⑤ اس کی خود گدازیاں یعنی اس کا تیرے لئے ایسے جذبات کا اظہار کرنا کہ میں تیرے عشق میں جل رہا ہوں مکرو فریب ہے + وہ جو (اس عشق فریب کار میں) درد، داغ اور آرزو کی (باتیں کرتا ہے) وہ اس کا فریب ہے۔

⑥ اگرچہ وہ کافر (حقوق زناں کا منکر) تجھے حرم (بیوی) بناتا ہے + (مگر وہ اس طرح تجھے گھر میں ڈال کر اور تجھ سے بیوی کے تعلقات پیدا کر کے) تجھے درد و غم میں مبتلا کر دیتا ہے۔

⑦ اس کے پہلو میں آنا زندگی کے لئے مصیبت ہے + اس کا وصل زہر اور اس سے جدائی مصری کی ڈلی ہے (دیکھنا اس کے قریب نہ جانا۔ اس سے مرد عورت کے تعلقات پیدا نہ کرنا)۔

⑧ مرد بل کھاتا ہوا سانپ ہے اس کے خم و پیچ سے بچ + اس کے زہروں کو اپنے خون میں نہ ملا (اس کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات پیدا نہ کر اور اپنے خون میں اس کے خون کو نہ ملا)۔

⑨ (جب تو مرد سے مرد و زن والے تعلقات پیدا کرے گی تو لازماً تجھے بچہ جننا اور پرورش کرنا پڑے گا اس لئے یاد رکھ کہ) ماں بننے سے ماؤں کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے (ان کا خون نچڑ جاتا ہے) + کتنی مبارک ہے یا کتنی اچھی ہے شوہروں کے بغیر آزادی ----- (سب کچھ کرو بچہ نہ جنو)۔

دوسرا بند

وحی یزداں پے بہ پے آید مرا   لذتِ ایماں بیفزاید مرا
آمد آں وقتے کہ از اعجازِ فن   می تواں دیدن جنین اندر بدن!
حاصلے برداری از کشتِ حیات   ہر چہ خواہی از بنین و از بنات!
گر نباشد بر مرادِ ما جنین   بے محابا کشتنِ او عین دیں!
در ایں عصرِ اعصارِ دگر   آشکارا گردد اسرارِ دگر
پرورش گیرد جنیں نوعِ دگر   بے شبِ ارحام دریابد سحر!
تا بمیرد آں سراپا اہرمن   ہمچو حیوانات ایامِ کہن!
لالہ ہا بے داغ و با دامانِ پاک   بے نیاز از شبنمے خیزد ز خاک!
خود بخود بیروں فتد اسرارِ زیست   نغمہ بے مضراب بخشد تارِ زیست!
آنچہ از نیساں فرو ریزد مگیر   اے صدف در زیرِ دریا تشنہ میر!
خیز و با فطرت بیا اندر ستیز   تا ز پیکارِ تو حر گردد کنیز!

رستن از ربط دو تن توجیہ زن حافظ خود باش و بہ مرداں متن!

*

① مجھ پر اللہ کی طرف سے ہردم وحی آتی رہتی ہے (یا وحی پر وحی آتی رہتی ہے) + اور یہ وحی مجھ میں ایمان کی لذت کو زیادہ کرتی ہے (وہ ایمان جس کو وہ ایمان سمجھتی ہے وہ عورت نبی اس کی بات کر رہی ہے اور خدا کی طرف سے وحی کے آنے کی جھوٹ بات اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کہہ رہی ہے)۔

② وہ وقت آنے والا ہے کہ فن (سائنس) کے معجزے سے + جنین کو (یعنی ماں کے رحم میں جو بچہ ہے) اس کو عورت کے بدن کے اندر دیکھا جا سکے گا اور یہ بتایا جا سکے گا کہ بچہ کتنے ماہ کا ہے کس حالت میں ہے اور اس کی جنس کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی۔ آج یہ کام سائنس کر رہی ہے۔

③ (وہ وقت آ رہا ہے جب تم) حیات کے کھیت سے (اپنی مرضی سے) فصل حاصل کر سکو گی + جو کچھ تم بیٹوں اور بیٹیوں میں سے چاہو گی یعنی بیٹا اور بیٹی پیدا کرنا بھی آنے والے علوم و فنون تیری چاہت کے مطابق پیدا کر سکیں گے بلکہ مرد کی مس جنسی کے بغیر بھی اور مرد کے نطفہ داخل ارحام ہوئے بغیر بھی پیدا کر سکیں آج سائنس نے یہ بھی ممکن بنا رکھا ہے علامہ کی کہی ہوئی یہ باتیں آج سچ ثابت ہو رہی ہیں۔

④ اگر جنین یعنی پیٹ میں بننے والا بچہ ہماری مرضی کے مطابق نہ ہو گا + تو بے خوف ہو کر اسے مار دینا یہ بھی ہمارا عین دین ہو گا (یہ بھی اسقاط حمل کی شکل میں ہو رہا ہے اور جائز اور قانونی سمجھ کر ہو رہا ہے)۔

⑤ اس زمانے کے بعد (جس میں موجودہ بالا باتیں رونما ہوں گی) اور زمانے (آئیں گے) + (اور ان زمانوں میں) اور نئے نئے اسرار ظاہر ہوں گے۔

⑥ ماں کے پیٹ میں بننے والا بچہ اور ہی طریقہ سے پرورش پائے گا + اس کی ماں کے پیٹ (رحم) کی رات (گزارے بغیر ہی) صبح ہو جائے گی (یہ بھی ہو رہا ہے)۔

⑦ تاکہ وہ سراپا شیطان یعنی مرد مر جائے + پرانے زمانے کے حیوانات کی طرح (جن کا آج کل کوئی نشان نہیں ملتا)۔

⑧ بے داغ لالے کے پھول اپنے پاک دامن کے ساتھ + شبنم سے بے نیاز مٹی سے اگتے ہیں (تم اے عورت تو مرد اور اس کی وساطت و وسیلہ کے بغیر اولاد پیدا کرو۔ مرد کے ہر قسم کے تعلق سے آزاد ہو جاؤ۔ بچہ کی خواہش ہے تو وہ تجھے اس کے بغیر بھی حاصل ہو سکے گی۔ بلکہ اگر تم چاہو گی تو تمہیں اسے رحم میں نو مہینے رکھنے کی تکلیف بھی برداشت نہیں کرنا پڑے گی وہ خود رو پودوں کے عمل کی مانند معرض وجود میں آ سکیں گے)۔

⑨ زندگی کے بھید خود بخود باہر آ جائیں گے + بغیر مضراب کے زندگی کے ساز سے نغمے پھوٹیں گے (جنسی فعل کے بغیر اولاد ہو جایا کرے گی)۔

⑩ جو کچھ بہار کے موتی برسانے والے بادل سے گرتا ہے اس کو نہ لے یعنی مرد سے نطفہ نہ لے + اے سیپ تو دریا کے نیچے پیاسی مر جا (موتی پیدا ہونے کا اصول یہ ہے کہ ایک خاص قسم کا بادل جب بارش برساتا ہے تو سمندر یا دریا پر تیرتی ہوئی سیپیاں (جو زندہ ہوتی ہیں) ان قطروں کو اپنے اندر لے لیتی ہیں اور پانی کی تہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ قطرے سالہا سال گزر جانے کے بعد ان کے اندر موتی بن جاتے ہیں)۔

(11) اٹھ اور فطرت کے ساتھ جنگ کر + تاکہ تیری جنگ سے عورت (مرد کی گرفت اور ہر پابندی سے) آزاد ہو جائے (عورت پن سے آزاد ہو جائے۔ مرد سے ہر قسم کے تعلق سے آزاد ہو جائے۔ اور فطرت نے ان کے درمیان جو رابطے قائم کر رکھے ہیں ان کو ختم کر دیا جائے)۔

(12) دو جسموں کے ربط سے آزاد ہونا ہی عورت کی توحید ہے + تو اپنی حفاظت آپ کر اور مرد پر ناز نہ کر۔

رومی

مذہبِ عصرِ نو آئینے نگر | حاصلِ تہذیبِ لادینے نگر!
زندگی را شرع و آئین است عشق | اصلِ تہذیب است دیں، دین است عشق!
ظاہرِ او سوزناک و آتشیں | باطنِ او نورِ ربّ العالمین!
از تب و تابِ درونش علم و فن | از جنونِ ذو فنونش علم و فن!
دیں نگردد پختہ بے آدابِ عشق | دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق!

*

① نئے آئین والے زمانے کے مذہب کو دیکھ + بے دین تہذیب کے حاصل (نتائج) کو دیکھ۔

② زندگی کا آئین اور اس کی شریعت (قانون) عشق ہے + تہذیب کی اصل دین ہے اور دین عشق ہے (یہ جو کچھ مریخ کی عورت نبی کہہ رہی ہے یہ سب کچھ تہذیب بے دین اور دین بے عشق کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ مشرق و مغرب کے معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں ہیں اس کا سبب یہی ہے)۔

③ (عشق) کا ظاہر سوزناک اور آتشیں ہے + (اور) اس کا باطن رب العالمین کا نور ہے۔

④ اس کے یعنی عشق کی اندرونی تب و تاب سے علم اور فن (پیدا ہوتے ہیں) + اس کے ہزاروں ہنروں سے واقف جنوں کی بدولت (علم و فن ظہور میں آتے ہیں (جو علوم و فنون اس طرح پیدا ہوں ان میں آدم کی فلاح ہے وہ مقصود فطرت ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں وہ غیر فطری ہیں اور آدم کی فلاح کی بجائے اس کے نقصان میں ہیں)۔

⑤ عشق کے آداب کے بغیر دین پختہ نہیں ہوتا + دین کو ارباب عشق سے لو (اولیا و صلحا کی صحبت اور نگاہ سے حاصل کرو یہ صرف علم یا مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہوتا)۔

فلک مشتری

ارواح جلیلہ حلاج و غالب و قرۃ العین طاہرہ
کہ بہ نشیمن بہشتی نگرویدند و بگردش جاوداں گرائیدند

(حلاج، غالب اور قرۃ العین طاہرہ کی ارواح جو بہشت گھر کی طرف مائل نہیں ہوئیں اور وہ ہمیشہ کی گردش کی طرف مائل رہیں)۔

تعارف حلاج: حسین بن منصور نام، ابو المغیث کنیت، حلاج لقب طور (فارس) کے مقام پر 858ء میں پیدا ہوئے معروف صوفی تھے 922ء میں انا الحق کہنے پر بغداد میں قاضی کے عدالتی فیصلہ پر سولی چڑھائے گئے۔ انا الحق سے مراد دراصل انا حق ہے یعنی انا حق ہے۔ قاضی نے یہ بات نہ سمجھتے ہوئے یہ سمجھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں حق ہوں اور اسے پھانسی دینے کا حکم دیا۔ انا الحق کہنے کا معاملہ اولیا اور صلحا میں زیر بحث رہا ہے اکثر منصور کو برحق سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس وارداتی جذب میں ان کے منہ سے یہ بات نکلی تھی اس میں یہ بات عین فطرتی تھی البتہ انہیں اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا آج ان کی کتابوں میں سے کتاب الطواسین نام کی تصنیف موجود ہے۔

تعارف غالب: مرزا اسد اللہ نام غالب اور اسد تخلص ہندوستان کے شہر اکبر آباد میں 1212ھ میں پیدا ہوئے۔ عمر ساری دلی میں گزری اور یہیں 1285ھ میں وفات پا کر مدفون ہوئے۔ اردو اور فارسی کے بہت بڑے نثر نگار اور شاعر تھے۔

تعارف قرۃ العین: اصل نام زرین تاج تھا۔ انیسویں صدی عیسوی میں قزوین (ایران) میں پیدا ہوئی۔ شعر گوئی کے علاوہ خطابت میں بھی ماہر تھی۔ اس زمانے میں ایک شخص علی محمد شیرازی نے جب اپنے باب اللہ (اللہ کا دروازہ) یا بہ الفاظ دیگر نبی ہونے کا اعلان کیا تو قرآۃ العین اپنے شوہر اور عزیز و اقارب کی مخالفت کے باوجود گرویدگی کی حد تک اس کی معتقد ہو گئی۔ بابیوں نے اس کے باپ کو قتل کر دیا اس کے بعد وہ فرار ہو کر خراسان میں باب کے پاس پہنچی جس نے اسے قرۃ العین کا لقب عطا کیا۔ شاعری میں طاہرہ تخلص کرتی تھی 1850ء میں اس وقت کے شاہ ایران ناصر الدین قاچار نے باب کو قتل کرا دیا۔ دو سال بعد طاہرہ بھی پکڑی گئی اور اس نے بھی اپنی جان اپنے جھوٹے نبی پر قربان کر دی۔ علامہ نے اس کردار کا انتخاب محض اس لئے کیا ہے کہ ہمیں اس بات پر شرم آئے کہ ایک جھوٹے نبی پر تو ایک عورت اس طرح قربان ہو رہی ہے اور ہم سچے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے جان قربان کرنے سے ڈرتے ہیں۔

پہلا بند

من فدائے ایں دلِ دیوانہ ہر زماں بخشد دگر ویرانہ
چوں بگیرم منزلے گوید کہ خیز! مردِ خود رس بحر را داند قفیز
زانکہ آیاتِ خدا لاانتہاست اے مسافر جادہ را پایاں کجاست؟
کار حکمت دیدن و فرسودن است کار عرفاں دیدن و افزودن است!
آں بسنجد در ترازوے ہنر ایں بسنجد در ترازوے نظر!
آں بدست آورد آب و خاک را ایں بدست آورد جانِ پاک را!
آں نگہ را بر تجلّی می زند ایں تجلّی را بخود گم می کند!

*

① میں اپنے اس دیوانہ دل کے قربان جاؤں + جو مجھے ہر لحہ ایک نیا ویرانہ بخشتا ہے۔

② جب میں کہیں منزل بناتا ہوں (تو یہ مجھے کہتا ہے کہ) اٹھ + خود رس مرد یعنی اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کو پہچاننے والا مرد تو سمندر کو پیالہ جانتا ہے۔

③ چونکہ خدا کی نشانیاں بے حد ہیں + اے مسافر راستہ کی انتہا کہاں ہے مراد ہے خود رس مرد کے لئے ہر منزل ایک نئی منزل کا پتہ دیتی ہے اور یوں وہ رواں دواں رہتا ہے۔

④ حکمت کا کام دیکھنا اور پیچھے ہٹنا ہے + عرفان کا کام دیکھنا اور آگے بڑھنا ہے (عقل جو نظریات قائم کرتی ہے انہیں خود ہی غلط قرار دے دیتی ہے جب کہ معرفت کے قائم کردہ نظریات یقینی ہوتے ہیں اور عارف آگے بڑھتا رہتا ہے)۔

⑤ وہ یعنی حکمت (ہر شے کو) ہنر کے ترازو میں تولتی ہے (دلیل کے فن سے کام لیتی ہے) + یہ یعنی معرفت (ہر شے کو) نظر کے ترازوں میں وزن کرتی ہے (عقل دلیل سے اور معرفت عشق سے کام لیتی ہے)۔

⑥ وہ یعنی حکمت آب و خاک کو اپنی گرفت میں لائی + (جب کہ) یہ یعنی معرفت پاک جان کو گرفت میں لائی (فلسفہ، سائنس یا دوسرے عقلی علوم و فنون مادہ سے باہر نہیں نکلتے جب کہ تصوف، طریقت اور معرفت روحانیت کی تجلیات سے فیض یاب ہوتی ہے)۔

⑦ وہ یعنی حکمت نگہ کو تجلی (کے سمجھنے میں) صرف کرتی ہے) + (جب کہ) یہ یعنی معرفت تجلی کو خود میں گم کر لیتی ہے یعنی جذب کر لیتی ہے۔

دوسرا بند

در تلاشِ جلوہ ہاے پے بہ پے طے کنم افلاک و می نالم چو نے!
ایں ہمہ از فیضِ مردے پاکِ زاد آنکہ سوزِ او بجانِ من فتاد!

کاروانِ ایں دو بینائے وجود   بر کنارِ مشتری آمد فرود!
آں جہاں آں خاکدانے ناتمام   در طوافِ او قمرہا تیزگام
خالی از مے شیشۂ تاکش ہنوز   آرزو نارستہ از خاکش ہنوز
نیم شب! از تابِ ماہاں نیم روز   نے برودت در ہوائے او نہ سوز
من چو سوئے آسماں کردم نظر   کوکبش دیدم بخود نزدیک تر
ہیبتِ نظارہ از ہوشم ربود   شد دگرگوں نزد و دور و دیر و زود!
پیشِ خود دیدم سہ روحِ پاکباز   آتش اندر سینۂ شاں گیتی گداز!
در برِ شاں حلہ ہائے لالہ گوں   چہرہ ہا رخشندہ از سوزِ دروں!
در تب و تابے ز ہنگامِ الست   از شرابِ نغمہ ہائے خویش مست!
گفت رومی "ایں قدر از خود مرو   از دمِ آتش نوایاں زندہ شو!
شوقِ بے پروا ندیدستی نگر!   زورِ ایں صہبا ندیدستی نگر!
غالب و حلاج و خاتونِ عجم   شورہا افگندہ در جانِ حرم!
ایں نواہا روح را بخشد ثبات   گرمیِ او از درونِ کائنات!"

*

① جلوہ کے بعد جلوہ کی تلاش کے شوق میں + میں افلاک کو طے کرتا ہوا اور جرس کی طرح فریاد کرتا ہوا چلا جا رہا ہوں۔

② یہ سب اس پاک زاد مرد یعنی رومی کے فیضان کی (وجہ سے ہے) + وہ کہ جس کے (عشق کا) سوز میری جان میں پڑا یعنی آیا۔

③ وجود کو پا کائنات کو دیکھنے والے ان دو (مسافروں کا) قافلہ + مشتری کے کنارے پر اترا۔

④ وہ جہان یعنی مشتری ایک ناقص زمین (تھی) + اس کے گرد کئی چاند تیزی سے چکر لگا رہے تھے۔

⑤ اس کی انگوروں کی بیل کا پیالہ ابھی تک شراب سے خالی تھا + اس کی مٹی سے ابھی آرزو پیدا نہیں ہوئی تھی مراد ہے کہ اس کی زمین پر روئیدگی اور زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

⑥ آدھی رات اس کے چاندوں کی روشنی سے آدھے دن یعنی دوپہر کی طرح (روشن) تھی + نہ اس کی ہوا میں ٹھنڈک تھی اور نہ گرمی۔

⑦ میں نے جب آسمان کی طرف نظر کی + (تو) میں نے اس کے ستارے کو اپنے زیادہ نزدیک پایا (مراد ستارے سے مشتری ہے)۔

⑧ اس کے نظارے کا دبدبہ مجھ سے ہوش لے اڑا + اس کے نزد و دور (مکان) اور دیر و زود (زماں) کی صورت بدل گئی۔ (یہاں کے زمان و مکاں زمین سے بالکل مختلف تھے)۔

⑨ میں نے اپنے سامنے تین پاک باز روحیں دیکھیں + ان کے سینوں میں کائنات کو پگھلا دینے والی (عشق کی) آگ تھی۔

⑩ ان کے پہلوؤں میں لالہ کے پھول کے سرخ رنگ کی چادریں تھیں یعنی وہ سرخ چادریں پہنے ہوئے تھے + ان کے اندر کے سوز (عشق) کی وجہ سے ان کے چہرے روشن تھے۔

(11) وہ ہنگام الست سے تب و تاب میں تھے + وہ اپنے نغموں کی شراب میں مست تھے (الست کا موقع وہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں روحوں سے پوچھا تھا کہ الست بربکم ـــــ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو روحوں نے جواب میں کہا تھا بلیٰ ـــــ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ عاشق لوگ دنیا میں آکر بھی اسی کے سوزِ الست میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اسی کے نغمے گا کر زندگی کو بامزہ بناتے ہیں۔ یعنی ان میں اسی روز الست کے وعدے کا سوز و ساز ہوتا ہے)۔

(12) رومی نے (مجھ سے) کہا اپنے آپ سے اس قدر باہر نہ ہو یعنی بے خود نہ ہو جا + ان آگ کی طرح کی نوائیں (آوازیں) رکھنے والوں کے دم سے زندہ ہو جا (یہاں نوا سے مراد کلام ہے)۔

(13) تو نے (اب تک) بے پروا عشق نہیں دیکھا (اب) دیکھ لے + تو نے اس شراب کا زور نہیں دیکھا ہے (اب) دیکھ۔

(14) غالب، حلاج اور ایران کی خاتون (قرۃ العین) + (جنہوں نے) کعبہ کی جان میں شور برپا کر رکھا ہے (ان کو دیکھ اور ان کی نواؤں کو سن)۔

(15) یہ نوائیں روح کو ثبات بخشتی ہیں + (کیونکہ) ان کی گرمی کائنات کے اندر سے ہے یعنی ان میں کائنات کی ضمیر کی آواز ہے۔ ان سے کائنات کے اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے۔

نوائے حلاج

حلاج کی صدا یا کلام

ز خاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
تجلیِ دگرے در خورِ تقاضا نیست!

نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست!

بملکِ جم ندہم مصرعِ نظیری را
"کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست"

اگرچہ عقلِ فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

تو رہ شناس نہ و ز مقامِ بیخبری
چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سلیمیٰ نیست

ز قید و صیدِ نہنگاں حکایتے آور
مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست

مریدِ ہمتِ آں رہروم کہ پا نگذاشت
بہ جادۂ کہ در و کوہ و دشت و دریا نیست

شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ مردِ غوغا نیست!

*

① اپنی خاک سے وہ آگ طلب کر جو پیدا نہیں ہے یعنی جو تجھ سے ظاہر نہیں ہے + کسی اور کی تجلی تقاضا کے قابل نہیں ہے (اپنا نظارہ کر تیری تجلی کسی کی تجلی سے کم نہیں ہے۔ تو خالق کا شاہکار ہے۔ اس کا نائب ہے۔ شرط اپنے جسمِ خاکی میں اپنی تجلی کو دیکھنے کی ہے اپنی تجلی دیکھ لے گا تو خالق کی تجلی دیکھ لے گا)۔

② میں نے اپنے آپ پر نظر اس طرح ڈال رکھی ہے کہ دوست کا جلوہ + جہان کا احاطہ کئے ہوئے

ہے مگر مجھے اس کو دیکھنے کی فرصت نہیں ہے (کیونکہ میں اپنی تجلی میں مست ہوں اور جو تجلی مجھ میں ہے وہ دوست ہی کی تجلی تو ہے اسے اپنے باہر کیوں تلاش کروں جب کہ وہ خود مجھ میں موجود ہے۔ شرط صرف اس کو دیکھنے کے لئے نگاہ پیدا کرنے کی ہے۔ جب کوئی خود آشنا ہو جاتا ہے تو وہ خدا آشنا ہو جاتا ہے)۔

③ میں (فارسی کے مشہور شاعر) نظیری کے اس مصرع کو جمشید بادشاہ کے ملک کے عوض بھی نہ دوں + (کہ) جو کوئی کشتہ نہیں ہوا (عشق میں مارا نہیں گیا) وہ ہمارے قبیلے میں سے نہیں ہے (عاشق وہ ہے جو معشوق پر اپنی جان نثار کر دے۔ شمع اور پروانہ کے معاملہ عشق کو دیکھو اس میں یہی رمز تو ہے)۔

④ اگرچہ جادو کرنے والی عقل نے ایک لشکر اکٹھا کر رکھا ہے (وہ طرح طرح کی دلیلیں دے کر عشق کو شکست دینا چاہتی ہے) + مگر تو غمگین نہ ہو عشق بھی تنہا نہیں ہے (عشق بذات خود ایک لشکر ہے)۔

⑤ تو راستہ سے ناواقف نہیں ہے اور تو اپنے مقام یا منزل سے بے خبر ہے + (ورنہ) کونسا نغمہ ہے جو سلمٰی کے بربط میں نہیں ہے مراد ہے تو عشق کی راہ و رسم اور اس کی طاقت اور رسائی سے بے خبر ہے ورنہ دین و دنیا کی کونسی بات ہے جو عشق کی رسائی سے باہر ہے۔ (سلمٰی عرب کی ایک حسینہ کا نام ہے۔ عرب کی حسینہ کے ساز میں ہر قسم کے نغمہ ہونے سے یہی مراد ہے کہ اس میں ہر وہ لے موجود ہے جو زندگی کے لئے ضروری ہے یعنی حجازی لے میں تسکین ذوق کی ہر شے موجود ہے)۔

⑥ مگرمچھوں کے شکار اور ان کو قید کرنے کی بات کر + یہ نہ کہہ کہ ہماری کشتی دریا سے آشنا نہیں ہے مراد ہے عاشق ساحل پر سیر کرنے والے کی طرح سکون پسند نہیں ہوتا بلکہ وہ دریا کے طوفانوں سے کھیلتا ہے اس کے مگرمچھوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ عاشق کو مشکلات کا سامنا کرنے میں مزہ آتا ہے جب کہ صاحب عقل مشکلات سے گریز چاہتا ہے۔

⑦ میں اس راستہ چلنے والے کی ہمت کا مرید ہوں جس نے پاؤں نہیں رکھا + اس راستہ میں جس میں کہ پہاڑ بیابان اور دریا نہیں ہیں یعنی جو مشکلات سے متصادم نہیں ہوتا میں اس کی پیروی نہیں کرتا۔

⑧ شراب نوش رندوں کے حلقے میں شریک ہو جا + اس پیر کی بیعت سے بچ جو ہنگامہ خیز نہیں ہے۔ (رہبانیت کی زندگی سکھانے والے پیر سے بچ اور ہنگاموں سے نبرد آزما ہونے کا سبق دینے والے پیر کا حلقہ بگوش ہو جا)۔

نوائے غالب

مرزا غالب کی صدا یا کلام

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم — قضا بگردش رطل گراں بگردانیم
اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم
اگر کلیم شود ہمزباں سخن نکنیم — وگر خلیل شود میہماں بگردانیم
بجنگ باج ستانان شاخساری را — تہی سبد ز در گلستاں بگردانیم
بصلح بال فشانان صبحگاہی را — ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم"

٭

① اٹھ کہ آسمان کا قاعدہ بدل دیں یعنی زمانے کو آسمان کی گردش کی بجائے اپنی مرضی کے مطابق کر لیں + رطل گراں کی گردش سے (عشق کے پیالے کی گردش یا مسلک عشق کی پیروی سے) قضا کو بدل دیں۔ (اسے اپنی مرضی کے مطابق کر لیں)۔

② اگر کوتوال کی طرف سے پکڑ دھکڑ ہو تو نہ ڈریں + اور اگر بادشاہ کی طرف سے نذر آئے تو اسے واپس کر دیں (ارباب اقتدار کی مخالفت کی پروا نہ کریں ان سے کوئی خوف نہ کھائیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ سلاطین کے درباروں کی کشش اور ان کے عہدوں اور نوازشوں سے بھی بے نیاز رہیں)۔

③ اگر خدا سے کلام کرنے والا پیغمبر موسیٰ بات کرے تو اس سے بات نہ کریں + اور اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ آپ کے مہمان بننا چاہیں تو انہیں لوٹا دیں (یہاں ان پیغمبروں کے ناموں سے مراد واقعی وہ پیغمبر نہیں ہیں بلکہ صاحب اقتدار و رعب ہستیاں مراد ہیں)۔

④ جنگ کر کے یا جنگ کی حالت میں شاخوں کے پھولوں کا خراج وصول کرنے والوں کو + باغ کے دروازے سے خالی ٹوکری واپس کر دیں مراد ہے تمہاری زندگی، ملک یا حکومت سے دشمن اگر مال و دولت اور عزت و شوکت لوٹنا چاہے تو اسے ہر قسم کی طاقت کے استعمال سے اپنے مقاصد سے محروم کر دیں۔ (صاحبان اقتدار کو اپنی عزت نفس اور آزادی کا خراج نہ دیں بلکہ ان کا مقابلہ کریں)۔

⑤ صلح کر کے یا صلح کی حالت میں صبح کے وقت پر کھولنے والوں یا اڑنے والے پرندوں کو + شاخوں سے گھونسلوں کی طرف بھیج دیں یعنی خلق خدا کو امن، عدل، احسان وغیرہ کی دولت سے مالا مال کر دیں ان کے حقوق کی نگہداشت کریں اور ہر قسم کے ظلم سے ان کو بچائیں۔

⑥ میں اور تو حضرت علی جیسی شجاعت رکھنے والے ہیں (اس لئے) ہم سے عجیب نہ ہو گا + اگر ہم سورج کو (مغرب سے) مشرق کی جانب لوٹا دیں (حضرت علی ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی معیت میں تھے کہ سورج مغرب میں غروب ہونے والا تھا اور یوں ان کی نماز عصر قضا ہو رہی تھی نبی ﷺ کے معجزاتی ہاتھ نے سورج کو کچھ عرصہ کے لئے واپس کر دیا اور انہوں نے نماز عصر ادا کی۔ اس شعر میں اس معجزے کی طرف اشارہ ہے)۔

نوائے طاہرہ

طاہرہ کی صدا یا کلام

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو بہ رو — شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بمو!
از پئے دیدن رخت ہمچو صبا فتادہ ام — خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو!
می رود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام — دجلہ بدجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بجو!
مہر ترا دل حزیں بافتہ بر قماش جاں — رشتہ بہ رشتہ نخ بہ نخ تار بہ تار پو بہ پو!

درِ دلِ خویش طاہرہ گشت و ندید جز ترا صفحہ بہ صفحہ لا بہ لا پردہ بہ پردہ تو بہ تو!

*

① اگر تجھ پر میری نظر (اس انداز سے) پڑے کہ تو میرے روبرو یعنی بالکل سامنے ہو اور میرا چہرہ تیرے چہرے کے سامنے ہو + تو میں تیرے غم یعنی تیرے غم عشق کی شرح ایک ایک باریک بات اور رمز کے انکشاف کے ساتھ کروں۔ یعنی تجھ پر اپنی حالت مکمل طور پر اور وضاحت کے ساتھ بیان کروں۔

② تیرے چہرے کو دیکھنے کے لئے میں صبا (صبح کی نرم و لطیف ہوا) کی مانند پھری ہوں + گھر گھر، در در، کوچہ کوچہ، گلی گلی (پھری ہوں)۔

③ تیری جدائی میں میری دونوں آنکھوں سے خون بہہ رہا ہے + دریا دریا، سمندر سمندر، چشمہ چشمہ، ندی ندی، (دجلہ ملک عراق کے ایک دریا کا نام ہے)۔

④ میرے غم زدہ دل نے تیری محبت کو جان کے ریشمی کپڑے پر بن لیا ہے + رگ رگ، ریشہ ریشہ، دھاگا دھاگا، تانا بانا خوب ملا کر۔

⑤ طاہرہ اپنے دل میں پھری اور اس نے (وہاں) تیرے سوا کچھ نہ دیکھا + صفحہ صفحہ، گوشہ گوشہ، پردہ پردہ، تہہ بہ تہہ۔

تینوں ارواح جلیلہ کے نغمات یا نوائیں سننے کے بعد

سوز و ساز عاشقانِ دردمند شورہائے تازہ در جانم فگند

مشکلاتِ کہنہ سر بیروں زدند باز بر اندیشہ ام شبخوں زدند!

قلزم فکرم سراپا اضطراب ساحلش از زور طوفانے خراب!

گفت رومی وقت را از کف مدہ اے کہ می خواہی کشودِ ہر گرہ!

چند در افکارِ خود باشی اسیر ایں قیامت را بروں ریز از ضمیر!

*

① (ان) دردمند عاشقوں کے سوز و ساز نے + میری جان کے اندر نئے ہنگامے برپا کر دیئے۔

② پرانی مشکلات نے سر اٹھایا + (اور) انہوں نے ایک بار پھر میری فکر پر شب خون مارا یعنی میری فکر کو سوچنے پر ابھارا۔

③ میری فکر (حکمت / عقل یا سوچ بچار) کا سمندر سراپا بے قرار یعنی تلاطم خیز (بن گیا) مراد ہے اس میں کئی طرح کی سوچوں کی لہریں بے قرار ہو کر اٹھنے لگیں + (سمندر میں) جو طوفان کا زور تھا اس سے اس کا ساحل بھی خراب (ہو گیا تھا) یعنی فکر نے میرے اندر اور باہر اضطراب کا ایک زبردست ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور میں اپنی مشکلات کے حل کے لئے بے تاب تھا۔

④ (میری یہ حالت دیکھ کر) رومیؒ نے کہا وقت ضائع نہ کر + اے وہ کہ تو ہر گرہ کی کشاد چاہتا ہے یعنی ہر مشکل کو حل کرنا چاہتا ہے۔

⑤ تو کب تک اپنے افکار میں قید رہے گا (اور انہیں کسی کے آگے ظاہر کر کے ان کا حل نہیں ڈھونڈے گا) + اس فکر کی قیامت کو جو تیرے ضمیر میں برپا ہے باہر لا (دیکھ تیرے سامنے ارواح جلیلہ بیٹھی ہیں۔ ان کے سامنے اپنی فکر کے اضطراب کو ظاہر کر یہ یقیناً تجھے سکون بخشیں گی۔ یقیناً تیری مشکلات کا

حل بتائیں گی)۔

زندہ رود مشکلات خود را پیش ارواح بزرگ می گوید

زندہ رود اپنی مشکلات کو بزرگ روحوں کے سامنے بیان کرتا ہے

پہلی مشکل جو زندہ رود کی طرف سے بیان کی گئی (حلاج کے سامنے)۔

از مقامِ مومناں دوری چرا؟ یعنی از فردوس مجوری چرا؟

٭

شعر: مومنوں کے مقام سے دوری کیوں یا کس لئے + یعنی جنت کے اعلیٰ مقام سے مجور رہنا (اس سے باہر رہنا) کیوں یا کس لئے ــــ اے حلاج تجھ جیسے بزرگ کو تو فردوس (جنت کے اعلیٰ مقام) میں ہونا چاہئے لیکن تم اس سے باہر گھومتے پھرتے نظر آرہے ہو۔ لوگ تو جنت کی تمنائیں اور دعائیں کر کے اس میں جانا چاہتے ہیں اور تم ہو کہ جنت سے دور رہنا پسند کرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے۔

حلاج

مرد آزادے کہ داند خوب و زشت / می نگنجد روح او اندر بہشت!
جنتِ ملا مے و حور و غلام / جنتِ آزادگاں سیرِ دوام!
جنتِ ملا خور و خواب و سرود / جنتِ عاشق تماشائے وجود!
حشرِ ملا شقِ قبر و بانگِ صور / عشقِ شور انگیزِ خود صبحِ نشور!
علم بر بیم و رجا دارد اساس / عاشقاں را نے امید و نے ہراس!
علم ترساں از جلالِ کائنات / عشق غرق اندر جمالِ کائنات
علم را بر رفتہ و حاضر نظر / عشق گوید آنچہ می آید نگر!
علم پیماں بستہ با آئینِ جبر / چارۂ او چیست غیر از جبر و صبر!
عشق آزاد و غیور و ناصبور / در تماشائے وجود آمد جسور!
عشقِ ما از شکوہ ہا بیگانہ ایست / گرچہ او را گریۂ مستانہ ایست
ایں دلِ مجبورِ ما مجبور نیست / ناوکِ ما از نگاہِ حور نیست!
آتشِ ما را بیفزاید فراق / جانِ ما را سازگار آید فراق!
بے خلشہا زیستن نا زیستن / باید آتش در تہِ پا زیستن!
زیستن ایں گونہ تقدیرِ خودی است / از ہمیں تقدیر تعمیرِ خودی است!
ذرۂ از شوقِ بے حد رشکِ مہر / گنجد اندر سینۂ او نہ سپہر!
شوق چوں بر عالمے شبخوں زند / را جاودانی می کند!

*

① (علاج جواب میں کہتا ہے) وہ آزاد مرد جو اچھائی اور برائی کو جانتا ہے + اس کی روح بہشت میں نہیں سما سکتی۔

② ملا کی جنت شراب، حور اور غلمان (والی جنت ہے) + آزاد لوگوں کی جنت ہمیشہ کی سیر ہے یعنی وہ جنت میں پہنچنے کے بعد بھی مدارج روحانی طے کرتے رہتے ہیں تا آنکہ ذات خداوندی کا چہرہ روبرو آ جائے۔ وہ جنت کی لذتوں اور آسائشوں کو اپنے اس مقصد کے راستے کی رکاوٹیں سمجھتے ہیں جب کہ ملا اسی فضائے جنت سے مطمئن ہو جاتا ہے۔

③ ملا کی جنت کھانا پینا، سونا اور راگ سننا (عیش جنت) ہے + (لیکن) عاشق کی جنت وجود کا تماشا ہے (وہ ذات حق کے چہرے کا تماشا کرنا چاہتا ہے)۔

④ ملا کے نزدیک حشر (نام ہے) قبر کے کھلنے (ان سے مردوں کے اٹھنے) اور اسرافیل فرشتے کے صور پھونکنے کا (مردوں کو جگانے کے لئے) + ہنگامہ برپا کرنے والا عشق خود قیامت کی صبح ہے مراد ہے عاشق حشر و نشر سے پہلے ہی تماشائے قیامت کر لیتا ہے۔ وہ جیتے جی سب معاملات حشر میں سے گزر کر ذات کا دیدار کر لیتا ہے۔

⑤ علم کی بنیاد امید اور خوف پر ہے (چونکہ اس نے آنے والی زندگی کا مشاہدہ نہیں کیا ہوتا اس لئے وہ بیم و رجا کے عالم میں رہتا ہے کہ نہ جانے حشر میں کیا ہوگا لیکن اس کے برعکس عاشق چونکہ مشاہدۂ حق کی منزل پر ہوتا ہے اس لئے) + عاشق کے لئے نہ حالت امید ہے اور نہ حالت خوف ---- (وہ تو منزل مشاہدہ پر ہوتا ہے)۔

⑥ علم کائنات کے جلال سے ڈرتا ہے + (لیکن) عشق کائنات کے جمال میں غرق ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ عالم و زاہد خدا کی ہیبت سے دبے، ڈرے، سہمے رہتے ہیں کیونکہ وہ اس کے احکام تو جانتے ہیں لیکن اس کی ذات و صفات سے ناآشنا ہیں اس کے برعکس عاشق ذات کے جمال میں مست ہوتا ہے۔ اس مستی میں اسے کچھ اور سوچنے اور دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

⑦ علم کی نظر ماضی اور حال پر (ہے) + عشق کہتا ہے جو کچھ آنے والا یا ہونے والا ہے اس پر نظر کر یعنی اس کا نظارہ کر (عالم یہ سوچتا رہتا ہے کہ جو زندگی گزر گئی اور جو گزر رہی ہے اس میں میں نے اللہ تعالی کے کتنے احکام کی پابندی کی ہے یا اب کر رہا ہوں جس کا صلہ مجھے آگے چل کر آخرت میں ملے گا۔ اس آخرت میں، جس کو اس نے دیکھا نہیں جس کے نتائج کا اس کو علم نہیں لیکن عاشق اعمال کو دیکھنے تولنے کی بجائے ان کے ان نتائج کو دیکھ لیتا ہے جو حشر میں اس کے سامنے آنے والے ہیں اس لئے وہ امید و بیم کی حالت میں نہیں ہوتا۔

⑧ علم نے جبر کے آئین سے پیمان باندھ رکھا ہے (وہ جبر کے فلسفہ کو تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آدمی مجبور محض ہے) + (اس لئے) اس کا چارہ اور کیا ہے سوائے جبر اور صبر کے (جو کچھ اسے پیش آتا ہے یا آنے والا ہے وہ اس کو دل و جاں سے تسلیم کر لیتا ہے اور اس پر صبر کر کے بیٹھا رہتا ہے)۔

⑨ (لیکن) عشق آزاد یعنی جبر کو نہ تسلیم کرنے والا، غیرت مند اور صبر نہ کرنے والا ہے + وہ ذات خداوندی کے تماشے کے سلسلے میں جسارت والا ہے۔

⑩ ہمارا عشق (اپنے محبوب) سے گلے شکوے نہیں کرتا (اس کی رضا پر قائم رہتا ہے۔ اس کی مرضی میں اپنی مرضی کو گم کر دیتا ہے اس مقام پر شکوہ لب پر نہیں آتا بلکہ اگر ایسا ہو تو یہ گناہ عشق ہے) + اگرچہ (وہ روتا ہے) لیکن اس کا رونا (شکوے شکایت کی حالت کا رونا نہیں ہے) بلکہ مستی کا رونا ہے (گداز عشق کا رونا ہے۔ کیفیات ہجر و وصال کا رونا ہے)۔

(11) یہ ہمارا مجبور دل مجبور نہیں ہے + ہم پر آنے والے تیر حور کی نگاہ سے نکلے ہوئے نہیں ہیں یعنی ہم عاشق لوگ حور و غلمان کی تمنا کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ذات حق کے چاہنے والے ہیں ہم عام لوگوں کی طرح دل مجبور نہیں رکھتے بلکہ ہماری مجبوری جذبہ عشق کی مجبوری ہے جسے نہ لگائے لگایا اور نہ بجھائے بجھایا جا سکتا ہے۔

(12) فراق ہمارے (عشق کی) آگ کو بڑھاتا ہے + فراق ہماری جان کے موافق ہے۔ (فراق میں لذت طلب ہے اور وصل میں آرزو کی موت ہے اس لئے عاشق دل کو اور عشق کو زندہ رکھنے کے لئے جدائی میں ہی رہتا ہے)۔

(13) خلشوں یعنی دل میں عشق کے کانٹوں کی چبھن کے بغیر جینا کیا جینا ہے + (ہمیں اگر جینا ہی ہے تو ہمیں) مسلسل بے قراری کی حالت میں جینا چاہیے (اور یہ کیفیت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب عاشق عالم جدائی میں ہو)۔

(14) اس طرح یعنی مسلسل اضطراب میں جینا خودی کی تقدیر ہے + اسی تقدیر سے خودی کی تعمیر ہوتی ہے (خالق آدم نے آدم میں خودی کی تخلیق ہی اس انداز سے کی ہے کہ وہ فراق کے عالم میں رہے کیونکہ فراق ہو گا تو خدا کو دیکھنے کی تڑپ پیدا ہو گی تڑپ پیدا ہو گی تو خدا کی تلاش ہو گی)۔

(15) ایک ذرہ اپنے اندر بے حد شوق کی بنا پر سورج کے لئے قابل رشک بن جاتا ہے + اس کے سینے میں نو آسمان سما جاتے ہیں (اس سے پہلے جو شعر گزرا ہے اس میں عشق کے بغیر زندگی کو بے مزہ بلکہ موت کہا گیا ہے۔ اب اس شعر میں یہ کہا جا رہا ہے کہ عشق اگر ذرے میں پیدا ہو جائے تو اس کے اندر وہ صفات آ جائیں کہ ہماری دنیا کا سورج اسے دیکھ کر رشک کرنے لگے اور کہے کہ اے کاش میرے اندر بھی وہ تجلیات آ جائیں جو اس ذرہ شوق دار میں ہیں۔ جب کسی انسان کے دل میں عشق حق کی تابکاری پیدا ہو جاتی ہے تو زمین و آسمان اور عرش و کرسی سب کچھ اس کے اندر سما جاتا ہے)۔

(16) عشق جب جہان پر شب خون مارتا ہے + تو وہ فانی لوگوں کو باقی بنا دیتا ہے یا عارضی زندگی رکھنے والوں کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر دیتا ہے (جب بندہ صفات ایزدی کا حامل ہو جاتا ہے تو بقا حاصل کر لیتا ہے)۔

زندہ رود

گردشِ تقدیر، مرگ و زندگی است   کس نداند گردشِ تقدیر چیست!

*

شعر: تقدیر کی گردش، موت اور زندگی ہے (یعنی میں تسلیم کرتا ہوں کہ زندگی اور موت تقدیر کی گردش کی وجہ سے ہے۔ اس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے) + لیکن کوئی نہیں جانتا کہ یہ تقدیر کی گردش کیا

ہے اس پر روشنی ڈالیے)۔

حلاج

ہر کہ از تقدیر دارد ساز و برگ — لرزد از نیروے او ابلیس و مرگ!
جبر دینِ مردِ صاحب ہمت است — جبرِ مرداں از کمالِ قوت است!
پختہ مردے پختہ تر گردد ز جبر — جبرِ مردِ خام را آغوشِ قبر!
جبرِ خالد عالمے برہم زند — جبرِ ما بیخ و بنِ ما برکند!
کارِ مردان است تسلیم و رضا — بر ضعیفاں راست ناید ایں قبا!
تو کہ واقفی از مقامِ پیرِ روم — می ندانی از کلامِ پیرِ روم!
"بود گبرے در زمانِ بایزید — گفت او را یک مسلمانِ سعید
خوشتر آں باشد کہ ایماں آوری — تا بدست آید نجات و سروری
گفت ایں ایماں اگر ہست اے مرید — آں کہ دارد شیخِ عالم بایزید
من ندارم طاقتِ آں، تابِ آں — کاں فزوں آمد ز کوشش ہاے جاں!"

(رومی)

کارِ ما غیر از امید و بیم نیست — ہر کسے را ہمتِ تسلیم نیست!
اے کہ گوئی بودنی ایں بود، شد — کارہا پابندِ آئیں بود، شد
معنیِ تقدیر کم فہمیدۂ — نے خودی را، نے خدا را دیدۂ
مردِ مومن با خدا دارد نیاز — با تو ما سازیم تو با ما بساز
عزمِ او خلاقِ تقدیرِ حق است — روزِ ہیجا تیرِ او تیرِ حق است!

*

① جو شخص کہ تقدیر کا ساز و سامان رکھتا ہے یعنی جس کو تقدیر پر کامل یقین ہے + اس کی طاقت سے شیطان اور موت دونوں ڈرتے ہیں۔

② جبر ہمت والے مرد کا دین ہے + مردوں کا جبر قوت کے کمال سے ہے یہاں جبر سے مراد خدا کی تخلیق شدہ تقدیر کو تسلیم کر لینا ہے۔ مثلاً یہ یقین کر لیتا ہے کہ جو تکوینی امور ہیں وہ کائنات کی تخلیق سے پہلے طے ہو چکے ہیں مثلاً آدم پیدا ہو گا۔ فلاں فلاں زمانے اور حکومتیں آئیں گی۔ کون کون سی قومیں اور افراد آئیں گے اور جائیں گے۔ مختلف مخلوقات کے پیدا اور فنا ہونے' زمین پر طرح طرح کی آفات کے آنے' جنگ و جدال' ہر جنس کے خواص' فصلوں' پھلوں درختوں پودوں' پھلوں' دھاتوں' معدنیات وغیرہ کے پیدا ہونے اور ان کے استعمال کے فوائد و نقصانات وغیرہ سب کچھ قدرت نے ان کے اندر طے شدہ پروگرام کے مطابق رکھ چھوڑا ہے اس عقیدے سے بندے میں کسی جسمانی اذیت' کسی مصیبت اور کسی مشکل میں گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے اللہ کی مشیت سمجھتا ہے اور اسے خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ اس لئے وہ ہر حال میں خدا سے راضی رہتا ہے اس طرح وہ اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن یہ کام

صرف ان لوگوں کا ہے جو صاحب ہمت ہیں۔ اور یہ ہمت ان میں دین پیدا کرتا ہے۔ تسلیم و رضا کا یہی عقیدہ ایک مومن کو موت و حیات سے بھی بے پرواہ بنا دیتا ہے وہ زندگی اور موت کو اللہ کی دین سمجھتے ہوئے میدان کارزار میں آ جاتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ نہ موت میرے اختیار میں ہے اور نہ زندگی۔۔۔ اس لئے وہ مردانہ وار جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ تسلیم و رضا یا جبر کا یہ عقیدہ اس کے اندر ہمت اور عمل کے جوہر پیدا کر دیتا ہے۔ نہ کہ اسے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا اور مرگ و ابلیس سے ڈرنا سکھاتا ہے جیسا کہ تقدیر اور تسلیم و رضا کی حقیقت کو نہ سمجھنے والے لوگ سمجھتے ہیں۔

③ جبر سے پختہ (کامل) مرد مزید پختہ ہو جاتا ہے + (البتہ) مرد خام کے لئے جبر آغوش قبر (موت) ہے۔ (جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ علم الٰہی میں سب کچھ پہلے طے ہو چکا ہے وہ باہمت مرد ہے۔ اور جب عملاً اس کا اظہار کرتا ہے تو وہ مزید پختہ و کامل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ تقدیر الٰہی پر یقین نہیں رکھتا تو وہ خام ہے وہ کبھی حق کے لئے نبرد آزما نہ ہو گا وہ موت سے خوف کھائے گا وہ کبھی شیطان کی چالوں کو نہیں سمجھ سکے گا اس کے شر میں جتلا ہو جائے گا)۔

④ حضرت خالد بن ولید کا جبر (جو نبی کریم ﷺ کے زمانے کے عظیم فاتح اور جرنیل تھے) ایک عالم کو تہ و بالا کر دیتا ہے + اور ہمارا جبر ہماری جڑ اور بنیاد اکھاڑ دیتا ہے (ہمیں تہ و بالا کر دیتا ہے) مراد یہ ہے کہ خالد بن ولید ہماری طرح کے ہی ایک آدمی تھے لیکن چونکہ وہ اس بات پر کہ جو کچھ علم الٰہی میں لکھ دیا گیا ہے وہ ہو کر رہے گا پختہ یقین رکھتے تھے اس لئے وہ بے خوف ہو کر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے تھے ان کے برعکس عام آدمی چونکہ اس قسم کا عقیدہ جبر نہیں رکھتا اس لئے وہ عمل سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔ اسے خوف ہوتا ہے کہ اگر میں شر سے متصادم ہوا اگر میں کفر اور باطل کے مقابلے میں میدان جنگ میں اترا تو مارا جاؤں گا میرا نقصان ہو جائے گا تو وہ نہ صرف اپنی موت خریدتا ہے بلکہ قوموں کی موت کا سبب بھی بنتا ہے۔

⑤ تسلیم و رضا (کا عقیدہ رکھنا اس پر قائم رہنا اور اس کی روشنی میں زندگی گزارنا کمزور اور ناقص مردوں کا کام نہیں ہے بلکہ) مردوں کا کام ہے (پختہ اور کامل مردوں کا کام ہے) + کمزوروں پر یہ قبا راست یا پوری نہیں آتی یعنی کمزور عقیدہ و عمل لوگ تسلیم و رضا کا شیوہ نہیں اپنا سکتے کیونکہ وہ خدا کی مشیت پر یقین نہ رکھنے کی بنا پر ہر قدم پر گھبراتے اور موت کا خوف رکھتے ہیں۔

⑥ تو (اے زندہ رود) جو کہ پیر رومیؒ کے مقام کو جانتا ہے + کیا تجھے مولانا روم کے اس کلام کا علم نہیں ہے (جس کا ذکر اگلے شعر میں ہے)۔

⑦ (مشہور فقیر اسلام) حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانے میں ایک گبر (بت پرست / کافر / یا مجوسی) تھا + اسے ایک نیک بخت مسلمان نے کہا۔

⑧ بہتر یہ ہے کہ تو ایمان لے آئے (مسلمانی اختیار کر لے) + تا کہ تجھے (دنیا میں) سرداری اور (آخرت) میں نجات حاصل ہو (بات یوں ہے کہ جب بایزیدؒ کے مریدوں نے یہ بات کہی تو اس نے جواب میں کہا کہ اگر اسلام اسی طریق زندگی کا نام ہے جو بایزیدؒ کا ہے تو اس کا اختیار کرنا میرے لئے مشکل ہے کیونکہ ان جیسا ہونا میری ہمت اور طاقت میں نہیں ہے۔ اگر میں کوشش بھی کروں تو ایسے اسلام پر عمل نہیں کر سکوں گا اور اگر اسلام اس زندگی کا نام ہے جو اسے مجھے دعوت دینے والے مسلمان تو بسر کر رہا ہے

تو ایسے اسلام کی طرف میرا دل رغبت نہیں کر رہا (بایزید کا اسلام میری ہمت اور دسترس سے باہر ہے جب کہ تیرا اسلام میرے دل کو پسند نہیں ہے۔ اس حکایت کی طرف اشارہ کر کے اقبال نے حلاج کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ اسلام پر عامل ہونا مردانگی کا کام ہے۔ آج مسلمان بزدل ہونے کی وجہ سے اسلام کی اصل روح سے بے گانہ ہو کر شارٹ کٹ اسلام کے پرستار بن چکے ہیں۔ آج کے مسلمان علم الٰہی' تقدیر الٰہی' مشیت ایزدی یا شیوۂ تسلیم و رضا کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے بزدل بن چکے ہیں اس لئے وہ خام' مجبور محض' اور ذلیل و خوار ہیں۔

⑨ اس (مجوسی نے) کہا کہ اے (مجھے اسلام کی دعوت دینے والے) ارادت مند اگر یہی ایمان ہے + جو کہ شیخ عالم بایزید بسطامی" رکھتے ہیں۔

⑩ تو (ایسے ایمان کی) نہ میں طاقت رکھتا ہوں اور نہ حوصلہ + کیونکہ وہ (میری) جان کی کوششوں سے بڑھ کر ہے۔

(11) ہمارا کام امید اور خوف کے سوا کچھ نہیں ہے + ہر کسی میں (تقدیر الٰہی کے آگے) سر تسلیم خم کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

(12) اے وہ شخص کہ تو کہتا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا وہ یہی تھا اور ہو گیا یعنی تقدیر کے غلط مفہوم پر شاکر ہو کر بے ہمت و عزم اور بے کردار و عمل ہو کر بیٹھ گیا ہے + اور تو یہ کہتا ہے کہ کام ایک خاص آئین (یا تقدیر) کے پابند تھے جیسے کہ ہونے تھے ہو گئے (اب ہم کیا کر سکتے ہیں)۔

(13) تو تقدیر کے معنی نہیں سمجھا ہے + تو نے نہ خدا کو دیکھا ہے اور نہ خودی کو ــــــ تقدیر الٰہی کا مفہوم صرف خود آگاہ اور خدا آگاہ مرد مومن ہی سمجھ سکتا ہے۔

(14) (وہ اس لئے یہ تفہیم پر رکھتا ہے کہ) مرد مومن خدا کے ساتھ نیاز مندی رکھتا ہے (وہ جو کچھ تقدیر الٰہی ہے اس کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے) + (وہ نیازمندی کا تعلق یہ ہے کہ) ہم تجھ سے موافقت کرتے ہیں (تیرے آگے سر تسلیم و رضا خم کرتے ہیں) تو ہم سے موافقت کر (یعنی ہمارے شیوۂ تسلیم و رضا کو قبول فرما اور ہمیں کامیابی و سرخروئی سے سرفراز فرما)۔

(15) اس کا یعنی مرد مومن کا ارادہ حق کی تقدیر کا خلاق ہے یعنی مرد مومن جو چاہتا ہے ویسا ہوتا ہے اس کی مرضی خدا کی مرضی بن جاتی ہے + جنگ کے دن اس کا تیر حق کا تیر ہوتا ہے۔ وہ چلتا ضرور مومن کی کمان سے ہے لیکن چلاتا اس کو خالق برحق ہے (قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ کہتا ہے کہ یہ کنکریاں اے رسول ﷺ آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھیں اس مضمون کی تائید کے لئے کافی ہے)۔

زندہ رود

کم نگاہاں فتنہ ہا انگیختند بندۂ حق را بدار آویختند!
آشکارا بر تو پنہاں وجود باز گو آخر گناہ تو چہ بود؟

*

① نگاہ نہ رکھنے والوں نے فتنے برپا کر دیئے + انہوں نے اے حلاج تجھ جیسے خدا کے بندے کو سولی پر

لٹکا دیا۔

② (اے کہ) تجھ پر وجود کا باطن یعنی وجود کے بھید ظاہر ہیں + پھر بتا تو سہی (آخر) تیرا گناہ کیا تھا۔

حلاج

بود اندر سینۂ من بانگِ صور ملتے دیدم کہ دارد قصدِ گور!

مومناں با خوے و بوے کافراں لا اِلٰہ گویان و از خود منکراں!

امرِ حق گفتند نقش باطل است زانکہ او وابستۂ آب و گل است

من بخود افروختم نارِ حیات مردہ را گفتم ز اسرارِ حیات!

از خودی طرح جہانے ریختند دلبری با قاہری آمیختند!

ہر کجا پیدا و ناپیدا خودی بر نمے تابد نگاہِ ما خودی!

نارہا پوشیدہ اندر نور جلوہ کائنات از طور

ہر زماں ہر دل دریں دیرِ کہن از خودی در پردہ میگوید سخن

ہر کہ از نارش نصیبِ خود نبرد در جہاں از خویشتن بیگانہ مرد

ہند و ہم ایران ز نورش محرم است آنکہ نارش ہم شناسد آں کم است!

من ز نور و نار او دادم خبر بندۂ محرم! گناہِ من نگر!

آنچہ من کردم تو ہم کردی بترس! محشرے بر مردہ آوردی بترس!

*

① میرے سینے کے اندر بانگ صور تھی (اسرافیل فرشتے کے صور پھونکنے کی وہ آواز تھی جس سے قیامت کے روز مردے قبروں سے زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے) + میں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو قبر کا ارادہ کر رہی تھی (یعنی میرے زمانے کے مسلمان ذہنی اور عملی طور پر توحید سے دور ہو رہے تھے۔ توحید سے دوری چونکہ آدمی کی اپنے مقصد تخلیق سے دوری ہے اور مقصد تخلیق سے دوری والی زندگی زندگی نہیں موت ہوتی ہے۔ اس لئے میں نے ایک ایسا نعرہ بلند کیا جو لوگوں کو موت کی طرف جانے سے روک سکتا تھا)۔

② (میرے وقت کے) مومن کافروں کی خو بو والے تھے یعنی مومن ہونے کے باوجود ان کے افکار و اعمال کافروں جیسے تھے + وہ لا الٰہ کہتے ہوئے اپنے آپ کے انکاری تھے یعنی اپنی خودی اور اپنے خدا سے نا آشنا تھے وہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود عملاً اس سے بیزار تھے یعنی وہ توحید کے حامل نہ تھے اس لئے خود سے اور خدا سے وہ رشتہ استوار نہ رکھتے تھے جو کلمہ طیبہ کا تقاضا تھا۔

③ وہ امر حق کو یعنی آدمی کی روح کو باطل کہتے تھے + (اس لئے وہ کہتے تھے کہ روح) آب و گل یعنی بدن سے وابستہ ہے۔ (وہ بدن کو روح پر فوقیت دیتے تھے اس لئے ان کی زندگی میں خدا کی بجائے غیر خدا کا یا روح کی بجائے بدن کا زیادہ عمل دخل تھا۔ وہ مادیت کو روحانیت پر ترجیح دے رہے تھے)۔

④ میں نے اپنے اندر زندگی کی آگ روشن کی + (اور اس طرح خود زندگی کے اسرار سے واقف

ہونے کے بعد) میں نے مردے کو یعنی مردوں کی سی زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کو زندگی کے راز بتائے۔

⑤ (میں نے ان سے کہا کہ کارکنان قضا و قدر نے) جہان کی بنیاد خودی پر رکھی ہے + انہوں نے دلبری (جمال) کو قاہری (جلال) کے ساتھ ملایا ہے مراد ہے کہ خودی میں دونوں صفتیں ہوتی ہیں۔ اگر وہ ایک صفت رکھتی ہو اور دوسری صفت نہ رکھتی ہو تو وہ خودی کامل نہیں ہے۔ اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔

⑥ خودی (جہان میں) ہر جگہ ہے کہیں ظاہر اور کہیں پوشیدہ + (البتہ) ہماری نگاہ خودی کی (تجلی کی) تاب نہیں لا سکتی۔

⑦ اس کے یعنی خودی کے نور کے اندر نار چھپی ہوئی ہے + کائنات کے سارے جلوے اسی طور (کی تجلیات) کے ہیں مراد ہے خودی کا تعلق صرف روح سے نہیں بدن سے بھی ہے۔ صرف روحانیت ہی سے نہیں مادیت سے بھی ہے۔ اس سے روح و بدن یعنی نور و نار دونوں کی آبیاری ہوتی ہے۔

⑧ اس پرانے جہان میں ہر دل ہر لحہ + پوشیدہ طور پر خودی سے گفتگو کرتا ہے یعنی ہر شخص ہر وقت اپنے قال و حال سے خودی کے وجود پر شہادت دیتا رہتا ہے کیونکہ خودی اپنے وجود کے لحاظ سے پنہاں اور اپنے عمل کے اعتبار سے ظاہر ہے۔

⑨ جس کسی نے (اس کے نور سے تو فائدہ اٹھایا لیکن) اس کی نار سے استفادہ نہ کیا + وہ جہان میں خود سے بیگانہ (خودی سے محروم) مر گیا۔ مراد یہ ہے کہ خودی چونکہ نور یعنی روح اور نار یعنی مادہ دونوں پر مشتمل ہے اس لئے اس کے دونوں رخوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

⑩ ہندوستان اور ایران ان دو ملکوں کے لوگ خودی کے نور یعنی روحانیات کے تو محرم ہیں + لیکن اس کی نار کو بھی جو کوئی پہچانے وہ نہیں ہے۔ (انہوں نے دین کو اپنا رکھا ہے دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ رکھا ہے یہ بات کلمہ توحید کے اقرار کے خلاف ہے۔ توحید ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کے حسنات طلب کرنے کے لئے کہتی ہے)۔

(11) میں نے ان کو (خودی کے) نور اور نار (دونوں کی) خبر دی + اے اسرار سے محرم شخص اے زندہ رود میرا گناہ دیکھ (کیا تھا جس پر مجھے نامحرموں نے پھانسی دے دی) علامہ محرم اس لئے ہیں کہ وہ نامحرموں کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انا الحق سے مراد یہ نہیں ہے کہ میں حق ہوں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ انا حق ہے۔ اور یہ کہنا کہ انا یعنی خودی برحق ہے یا خود کو پہچاننا برحق ہے کوئی گناہ نہیں۔ منصور تو یہ نعرہ لگا کر اپنی قوم کو کہہ رہا تھا کہ اپنی خودی پہچانو کیونکہ یہی حق ہے اور اس طرح حسنات دنیا و آخرت سے سرفراز ہو جاؤ۔

(12) اے زندہ رود جو کچھ میں نے (کبھی) کیا تھا (اب) تو کر رہا ہے تو بھی ڈر (کہیں تمہیں بھی خودی کا درس دینے کی بنا پر خودی سے نامحرم لوگ تختہ دار پر نہ لٹکا دیں) + تو نے بھی (میری طرح) مردہ قوم کو جگانے کے لئے (اپنی شاعری کے پیغام کے ذریعے صور پھونک کر) محشر برپا کیا ہے تو بھی خوف کھا (کہ کہیں تو بھی نامحرموں کی گرفت میں نہ آ جائے)۔

طاہرہ

از گناہِ بندۂ صاحب جنوں　　کائناتِ تازۂ آید بروں!
شوقِ بے حد پردہ ہا را بر درد　　کہنگی را از تماشا می برد!
آخر از دار و رسن گیرد نصیب　　بر نگردد زندہ از کوئے حبیب!
جلوۂ او بنگر اندر شہر و دشت　　تا نہ پنداری کہ از عالم گذشت!
در ضمیرِ عصرِ خود پوشیدہ است　　اندریں خلوت چساں گنجیدہ است؟

*

① (طاہرہ کو بھی چونکہ لوگوں نے ایک کاذب نبی بنام باب اللہ کا مذہب اختیار کرنے کی بنا پر قتل کر دیا تھا اس لئے وہ خود کو حق پر ثابت کرنے کے لئے حلاج کی طرف داز ہوتی ہوئی کہنے لگی) جنوں والے بندوں یعنی عشق میں سرگشتہ و وارفتہ لوگوں کے گناہ سے + ایک نئی کائنات وجود میں آتی ہے یعنی عشق میں اگر کسی سے گناہ بھی ہو جاتا ہے تو اس میں خلق خدا کے لئے کوئی بھلائی کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے وہ اپنے اس گناہ سے دنیا میں انقلاب برپا کر دیتا ہے یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہے جو لوگوں کے نزدیک گناہ ہوتا ہے خود عاشق کے نزدیک وہ گناہ نہیں ہوتا۔ منصور کا اناالحق کہنا یا طاہرہ کا کاذب باب اللہ کا مذہب اختیار کرنا ان کے نزدیک گناہ نہیں تھا لوگ اسے گناہ سمجھتے تھے دونوں نے اپنے آپ کو اپنے گناہوں کے بدلے میں موت کے سپرد کر دیا۔ بالفاظ دیگر دونوں نے جان دے کر اپنے عقائد کی تصدیق کی۔

② عشق بے حد (کائنات اور انسان کے اسرار کے پردے) پھاڑ دیتا ہے یا اس سے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ عشق بے حد باطل کے پردے چاک کر دیتا ہے + (اور) اس کے تماشا سے جہان کی قدامت پسندی کو دور کر دیتا ہے۔ (وہ ایک نیا جہان تخلیق کرتا ہے)۔

③ (چونکہ عاشق کامل کے نظریات باطل پرستوں کو پسند نہیں آتے یا ان تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی اس لئے عاشق کامل) آخر دار و رسن سے نصیب پاتا ہے (لوگ اسے پھانسی دے دیتے ہیں) + وہ حبیب کے کوچے سے زندہ واپس نہیں مڑتا۔ (جان دے کر کوئے یار کو رنگین کر دیتا ہے)۔

④ اس کا یعنی منصور جیسے عاشق صادق کا جلوہ تو شہر اور بیابان میں (آج بھی) دیکھ + تاکہ تو یہ نہ سمجھے کہ وہ تو جہان سے چلا گیا (اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا دیکھو حق کہنے پر لوگ آج بھی دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ یہ منصوری کا جلوہ عام ہے)۔

⑤ وہ یعنی منصور اپنے زمانے کے ضمیر کے اندر پوشیدہ ہے + (لیکن) وہ اس (ضمیر کی) خلوت میں کیسے سمایا ہے (وہ تو کائنات میں نہیں سما سکتا اس کے زمانے کے ضمیر میں سمانے سے مراد اس کے کارناموں کا زندہ رہنا اور لوگوں کا ان کی تقلید کرنا ہے)۔

زندہ رود

مرزا غالب کی روح سے

اے ترا دادند درد جستجوے معنی یک شعر خود با من بگوے
"قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشان جگرِ سوختہ چیست؟"

*

① ابھی حلاج سے زندہ رود کی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہاں اس نے غالب کی روح سے بھی ایک سوال کر دیا۔ وہ کہنے لگا اے غالب) اے کہ تجھے (قدرت کے کارکنوں نے) تلاش کا درد عطا کیا ہوا ہے (تو اپنی شاعری میں نئے نئے مضامین پیدا کرتا رہتا ہے) + اپنے ایک شعر کے معنی مجھ سے کہہ ۔۔۔ (وہ شعر یہاں اگلے شعر میں موجود ہے)۔

② قمری تو کفِ خاکستر ہے یعنی اس کا خاکی رنگ اس کے اندر کے سوز کو ظاہر کر رہا ہے اور بلبل رنگ کا ایک پنجرہ ہے یعنی بلبل کے سیاہ رنگ سے بھی اس کے اندر جلی ہوئی عشق کی آگ کا پتہ چل جاتا ہے + لیکن (اے آدمی کے دل سے نکلے ہوئے) نالے جلے ہوئے دل کا نشان کیا ہے غالب کا اصل شعر یوں ہے جو ان کے دیوان میں ہے۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

یہاں "کیا ہے" کا فارسی چیست کا بطورِ بدل لکھ دیا ہے۔

غالب

نالہ کو خیزد از سوزِ جگر ہر کجا تاثیرِ او دیدم دگر!
قمری از تاثیرِ او وا سوختہ بلبل از وے رنگہا اندوختہ!
اندرو مرگے باغوشِ حیات یک نفس اینجا حیات، آنجا ممات!
آنچناں رنگے کہ ارژنگی ازوست آنچناں رنگے کہ بیرنگی ازوست
تو ندانی ایں مقامِ رنگ و بوست قسمتِ ہر دل بقدرہائے و ہوست!
یا برنگ آ یا بہ بے رنگی گذر تا نشانے گیری از سوزِ جگر!

*

① وہ نالہ (فریاد) کہ جو جگر کے سوز سے اٹھتا ہے + میں نے ہر جگہ اس کی تاثیر مختلف دیکھی ہے۔

② قمری اس کی تاثیر سے مکمل طور پر جل جاتی ہے + جب کہ بلبل ان کی تاثیر سے کئی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ (وہ زندہ رہتی ہے اور پھولوں سے طرح طرح کے انداز سے اظہار عشق کرتی رہتی ہے)۔

③ اس کے (یعنی قمری کے) اندر زندگی کی آغوش میں موت ہے (وہ مرجاتی ہے جب کہ اسی نالہ سے

بلبل زندہ رہتی ہے) + ایک ہی دم یہاں یعنی بلبل کو زندگی (دیتا ہے) اور وہاں (قمری کو) موت ـــ یا یوں کہیں کہ سانس کا لمحہ ایک ہی ہے جو یہاں موت بن جاتا ہے اور وہاں زندگی ـــ

④ یہ ایک ایسا رنگ ہے کہ اس سے کئی رنگ (پیدا ہوتے ہیں) + یہ ایک ایسا رنگ ہے کہ اس سے بے رنگی (پیدا ہوتی ہے)۔

⑤ تو نہیں جانتا یہ رنگ و بو کا مقام ہے + ہر دل کی قسمت اس کی ہائے وھو کے مطابق ہے یعنی دنیا ایک ایسا مقام ہے جہاں ہر کسی کو اس نالے کی شدت کے مطابق حصہ ملتا ہے۔

⑥ یا تو رنگ میں آیا بے رنگی اختیار کر + تاکہ تو جگر کے سوز سے کوئی نشان حاصل کر سکے یعنی قمری و بلبل کی مانند نالہ کشی کی کوئی ایک صورت اختیار کر تاکہ تجھے فریاد کے اثر کا علم ہو سکے۔

زندہ رود

صد جہاں پیدا دریں نیلی فضا ست ہر جہاں را اولیا و انبیا ست؟

*

شعر: اس نیلی فضا میں سینکڑوں جہان موجود ہیں + کیا ہر جہان میں نبی اور ولی ہوتے ہیں۔

غالب

نیک بنگر اندریں بود و نبود پے بہ پے آید جہانہا در وجود!

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود رحمۃ اللعالمینے ہم بود!

*

① تو اس جہان بود و نبود میں (جہاں چیزیں کبھی ہست ہیں اور کبھی عدم) غور سے نظر کر + جہان کے بعد جہان پیدا ہو رہا ہے۔

② جہاں کہیں بھی ہنگامہ عالم ہے (وہاں) ایک رحمۃ اللعالمین بھی ہے (جہانوں کی رحمت چونکہ نبی کریم ﷺ ہیں اس لئے غالب کے اس قول سے شک پیدا ہوا کہ شاید نبی ﷺ کے علاوہ دوسرے جہانوں میں رحمۃ اللعالمین کوئی اور لوگ ہیں حالانکہ اس بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ غالب کے زمانے میں اور اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی رہا ہے کہ جتنے بھی عالم ہیں ان سب کے لئے نبی کریم ﷺ ہی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس شک کو دور کرنے کے لئے جو غالب کی بات سے زندہ رود کے ذہن میں پیدا ہوا زندہ رود اس سے سوال کرتا ہے)

زندہ رود

فاش تر گو زانکہ فہم نارسا ست

مصرع: (اے غالب) کھل کر بات کر کیونکہ میری فہم تیری بات کو نہیں پا سکی۔

غالب

این سخن را فاش تر گفتن خطا ست!

مصرع: اس بات کو زیادہ کھول کر بیان کرنا خطا ہے (کیونکہ یہ بات عقل انسانی میں کیسے آسکے گی کہ ایک ہستی سب جہانوں میں موجود ہو صرف ان جہانوں میں ہی نہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں موجود تھے بلکہ ان جہانوں میں بھی جو بعد میں قیامت تک کے لئے وجود میں آتے رہیں گے۔ برصغیر میں انگریزی دور کی چھتری کے تحت بعض ہندوستانی مسلمانوں نے جو طرح طرح کے اختلافی مسائل کھڑے کروئے تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ رحمتہ اللعالمین بھی تھا اور ایک عالم جن کا نام محمد اسمٰعیل تھا اس مسئلے پر خاص طور پر بحثیں کر رہے تھے وہ چاہتے تھے جس طرح اللہ نئے جہان پیدا کر سکتا ہے نئے رحمت عالم بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس کے لئے مشکل نہیں وہ حضرت محمد ﷺ کی طرح کا اور پیغمبر پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اس طرح ہر جہان کے لئے ایک الگ رحمت عالم ہو سکتا ہے جب کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ کو ہی جملہ عالموں کی رحمت قرار دیتا ہے اس لئے کسی اور جہان میں کسی نئے رحمت عالم کے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ جہان چاہے لاکھوں ہوں رحمت عالم سب کے لئے صرف ایک ہی ہے۔ جس کو خود خالق کائنات نے رحمتہ اللعالمین یعنی جملہ جہانوں کے لئے رحمت قرار دیا ہے اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس وقت کے ایک مشہور عالم مولانا فضل حق خیر آبادی نے مولانا اسمٰعیل کے عقیدے کا (جو برصغیر میں مسلمانوں کے اندر وہابیت کے نام سے پہلا فرقہ تخلیق کرنے کا سبب بنے ہیں) ابطال کیا اور بارہ تیرہ سو سال سے چلے آئے عقیدہ رحمتہ اللعالمین کی پشت پناہی کی۔ یہ 1820ء کا واقعہ ہے جب مولوی اسمٰعیل کی ایک تقریر کی وجہ سے یہ اختلاف شروع ہوا۔ غالب نے بھی ایک فارسی مثنوی لکھ کر اس بات کی پشت پناہی کی جو مولانا فضل حق کہہ رہے تھے اور جو صدیوں سے مسلمانان عالم کا متفقہ عقیدہ تھا۔ غالب چونکہ اس عقیدہ رحمتہ اللعالمینی کو واشگاف طور پر اس لئے نہیں کہنا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کو کھول کر بیان کرنے میں کئی اور رموز و اسرار کا انکشاف ہو گا جس کو مولانا اسمٰعیل جیسے عالم سمجھ نہ پانے کی وجہ سے غالب پر اسی قسم کا الزام لگا دیں گے جس طرح کا کہ منصور پر لگا تھا اس لئے وہ اس کو رمز و کنایہ میں تو بیان کر رہے ہیں لیکن کھل کر منصور حلاج کی زبان سے ادا کروانے کی سوچ رہے ہیں چنانچہ وہ زندہ رود سے ایک دو باتیں کر کے اس مسئلہ کی وضاحت کا بوجھ حلاج پر ڈال دیتے ہیں جو پھر دلیری سے اس کی وضاحت کرتا ہے آخر اسے خوف کس کا تھا اسے تو پہلے ہی اسرار و رموز کائنات و آدم سے ناواقفیت رکھنے والے لوگ پھانسی لگا چکے تھے ایک دفعہ پھر لگا دیں گے تو کونسی آفت آجائے گی۔ آگے چل کر حلاج کے ضمن میں یہ بات پڑھیں گے۔

زندہ رود (غالب سے)

گفتگوے اہل دل بے حاصل است؟

مصرع: کیا اہل دل کی گفتگو بے حاصل ہے (اب تک مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے کئی عالم اس مسئلہ پر بات کر چکے ہیں اور برصغیر میں وہابیت اور ملت اسلامیہ میں پہلے فرقے کے موجد مولانا اسمٰعیل دہلوی کے بیان کو رد کر چکے ہیں تو کیوں ڈر رہا ہے حالانکہ تو اپنی مثنوی امتناع مثل خاتم النظیر (فارسی) میں بھی اس پر بات کر چکا ہے۔

غالب

نکتہ را بر لب رسیدن مشکل است!

مصرع: (یہ سچ ہے کہ میں نے اپنی مثنوی میں مولانا اسمٰعیل کے عقیدے کا رد لکھا ہے لیکن تو اس مسئلہ رحمتہ اللعالمینی کے اندر جو پوشیدہ راز ہے اس کو جاننا چاہتا ہے اس مسئلہ کو مکمل کر بیان کرنا اب اس لئے خطا ہے کہ پہلے تو سب مسلمان ایک عقیدہ کے تھے۔ ان میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی اب مولانا اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی کی ایجاد کردہ وہابیت اور اس کے نبی کریم ﷺ کی شان کے متعلق عقائد پر بات کرنا خود کو پھانسی پر لٹکانا ہوگا یہ لوگ چونکہ محض عالم ہیں اس لئے ان کی فہم میں وہ باریک باتیں جو عقیدہ رحمتہ اللعالمینی میں پوشیدہ ہیں نہیں آسکیں گی اس لئے) اے زندہ رود جس باریک بات کو تو مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے وہ میرے لب پر آنی مشکل ہے۔

زندہ رود

تو سراپا آتش از سوزِ طلب / بر سخن غالب نیائی اے عجب

*

شعر: (اے غالب) تو تو طلب کے سوز سے سراپا آگ ہے مجھ عجب بات ہے کہ تو سخن پر غالب نہیں آرہا ہے یعنی یہ کہہ رہا ہے کہ اس نکتے کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

غالب

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست / رحمۃ للعالمینی انتہاست!

*

شعر: (اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام) کی ابتدا "خلق" تقدیر اور ہدایت سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا رحمتہ اللعالمینی پر ہوتی ہے یہ مضمون قرآن کریم کی ایک آیت سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جس نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اسے ٹھیک ٹھاک بنایا جس نے ہر شے کی تقدیر معین کی اور پھر اسے حصول کمال کا راستہ بھی دکھایا۔ اس آیت سے غالب نے یہ استنباط کیا ہے کہ کیونکہ خالق نے آدم کو خلق کیا اس کی ہدایت کے لئے آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پیغمبر بھیجے۔

ہدایت کا یہ پروگرام حضرت محمد ﷺ پر ختم ہو گیا اسی لئے وہ خاتم النبیین ٹھہرے اور چونکہ ان کی بعثت سے ہدایت خداوندی کی نعمت ان میں کامل ہو گئی اور اس پر ان پر چونکہ اللہ کی رحمت کی انتہا ہو گئی اس لئے وہ رحمۃ اللعالمین بھی ہوئے اور رحمت ایزدی کی انتہا بھی ٹھہرے۔

زندہ رود

من ندیدم چہرۂ معنی ہنوز   آتشے داری اگر ما را بسوز!

*

شعر: میں (اے غالب) ابھی تک معنی کا چہرہ نہیں دیکھ سکا یعنی تیری رمز کو نہیں پا سکا + اگر تو کوئی آگ رکھتا ہے تو مجھ کو جلا یعنی صاف صاف بات کر کے مجھے بتا کہ یہ راز کیا ہے۔

غالب

اے چو من بینندۂ اسرارِ شعر   ایں سخن افزوں تر است از تارِ شعر
شاعراں بزمِ سخن آراستند   ایں کلیماں بے یدِ بیضا استند
آنچہ تو از مَن بخواہی کافری است   کافری کو ماورائے شاعری است

*

① اے کہ تو (اے زندہ رود) میری طرح شعر کے اسرار کو جاننے والا ہے + (تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ) یہ بات شعر کے تار سے بڑھ کر ہے یعنی شعر میں نہیں سما سکتی۔

② شاعروں نے شاعری کی محفلیں تو سجائیں + لیکن یہ وہ کلیم (کلام کرنے والے) ہیں جن کے پاس ید بیضا نہیں ہے (ید بیضا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا معجزہ تھا جس کی بنا پر ان کا ہاتھ روشن نظر آتا تھا۔ مراد ہے ایک شاعر کے لئے اس نکتے کو بیان کرنا ممکن نہیں جو مسئلہ رحمت عالم میں ہے۔

③ جو کچھ تو مجھ سے (کہلوانا) چاہتا ہے وہ تو کافری (کی بات) ہے + یہ وہ کافری ہے جو شاعری سے ماورا ہے مراد ہے کہ کافری یعنی انکار ادب و مقام رسالت نبی کریم ﷺ کی بات یا ان کے ادب و مقام کی ایسی بات جو ہے تو حقیقت لیکن علم و عقل کی پہنچ سے باہر ہے میں اسے شعر میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ان کے مقام کو کم ظاہر کروں تو بے ادبی ہے اور اگر حقیقت ظاہر کروں تو اہل علم کی گرفت میں آنے کا مقام ہے۔ میں اس طرح تو ہر دونوں اعتبار سے کافری (بے ادبی) کا مرتکب ٹھہروں گا۔

حلاج

ہر بینی رنگ و بو   آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

✱

① (غالب کو شان مصطفیٰ ﷺ واشگاف طور پر بیان کرنے سے کتراتے کو دیکھ کر حلاج دخل اندازی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ) تو (اے زندہ رود) جہاں کہیں بھی رنگ و بو کا جہان دیکھتا ہے + ہر وہ جہان جس کی خاک سے آرزو پھوٹتی ہے یعنی جس کی اشیا میں کمال کو پہنچنے کی آرزو ہے۔

② یا تو اس کی قیمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کے سبب سے ہے + یا پھر وہ ابھی مصطفیٰ ﷺ کی تلاش میں ہے مراد یہ ہے کہ جتنے بھی فضائے بسیط میں جہان موجود ہیں یا تو وہ نور محمدی ﷺ سے منور ہو چکے ہیں اور اگر ابھی تک کوئی جہان محروم ہے تو وہ اس نور کی تلاش میں ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ نامکمل اور بے مقصود ہے سب جہان چاہے معلوم ہیں یا نامعلوم نور محمدی ﷺ کے محتاج ہیں۔ ایک ہی نبی کا نور ہے جو سب جہانوں میں ہے اس لئے محمد ﷺ کے نام کا ایک ہی نبی ہے جو سب جہانوں کے لئے نبی اور سب جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ سب جہان ان کے ہی محتاج ہیں اور سب جہانوں میں ان کی ہی شان ہے۔ ان کی نظیر نہ ہے نہ ہو گی۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی کا یہ کہنا کہ محمد ﷺ کی نظیر تحت قدرت ممکن ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا قادر مطلق کہلانا ممکن نہیں وہ ایک اور محمد ﷺ پیدا کرنے پر قادر ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ ایک اور محمد ﷺ پیدا کرنے پر قادر ہے تو ایک اور اللہ پیدا کرنے پر قادر کیوں نہیں۔ مولوی صاحب کا اپنے ساتھی سید احمد بریلوی سے مل کر اس وقت جب انگریز ہندی مسلمانوں پر مسلط ہونے کے ہر قسم کے حیلے کر رہا تھا۔ سکھ' جاٹ' مرہٹے ان کو لوٹ رہے تھے وحدت اور یگانگت پیدا کرنے کی بجائے عجیب و غریب مسائل پیدا کر کے تفریق و تقسیم ملت کے اسباب پیدا کرنا ناقابل فہم ہے۔ مولانا فضل حق اور مرزا غالب نے اس وقت ان لوگوں کے خاطر خواہ جواب دئے تھے لیکن یہاں غالب چاہتا ہے کہ جو باتیں مصلحت کے تحت وہ اپنی مثنوی میں بیان نہیں کر سکا اسے اب وہ حلاج کی زبان سے کھل کر بیان کروا دے تاکہ اس طرح وہ ان مقام مصطفیٰ ﷺ سے نامحرم مولویوں کی لگائی ہوئی پھانسی سے خود بچ جائے اور حلاج کو آگے کر دے جو پہلے ہی دار پر چڑھ چکا ہے۔

زندہ رود

از تو پرسم' گرچہ پرسیدن خطاست   سرِّ آں جوہر کہ نامش مصطفیٰؐ ست!
آدمے یا جوہرے اندر وجود   آں کہ آید گاہے گاہے در وجود؟

✱

① (اے حلاج) میں تجھ سے پوچھتا ہوں اگرچہ یہ پوچھنا خطا ہے + اس جوہر کا بھید کیا ہے۔ جس کا نام مصطفیٰ ﷺ ہے۔

② وہ آدم ہے یا وجود کے اندر کوئی جوہر ہے + جو کہ کبھی کبھی وجود میں آتا ہے۔ (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی حقیقت کے اعتبار سے بنی نوع آدم میں سے ہیں یا وہ خدا کے ایسے جوہر ہیں جو کبھی کبھی حرض وجود میں آتا ہے یعنی ان کے سوا کسی کے وجود میں وہ جوہر نہیں آیا۔ یاد رہے یہاں نبی کریم

ﷺ کے وجود ظاہری کی بات نہیں پوچھی جو بلاشبہ آدمی کی نوع سے ہے بلکہ اس پیکر آدم کے اندر جو جوہر خدا ہے اس کی بات کی گئی ہے۔ نورٌ من نور اللہ کی بات پوچھی گئی ہے۔

حلاج

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است / خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است!
عبدہٗ از فہم تو بالاتر است! / زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے اعجم است / آدم است و ہم ز آدم اقدم است!
عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا / اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا!
عبدہٗ ہم جانفزا ہم جانستاں / عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں!
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر / ما سراپا انتظار او منتظر!
عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ ست / ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست!
عبدہٗ با ابتدا بے انتہاست / عبدہٗ را صبح و شام ما کجاست!
کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست / عبدہٗ جز سرِ الا اللہ نیست!
لا الہ تیغ و دم او عبدہٗ / فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ
عبدہٗ چند و چگون کائنات / عبدہٗ رازِ درون کائنات
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت / تا نہ بینی از مقامِ ما رمیت
بگذر از گفت و شنود اے زندہ رود / غرق شو اندر وجود اے زندہ رود!

*

① (حلاج زندہ رود کے جواب میں کہتے ہیں) ان کے سامنے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کے سامنے کائنات جبین جھکائے ہوئے ہے + انہوں نے خود اپنے آپ کو عبدہٗ (اس کا بندہ) کہا ہے (ایک وقت تھا جب نہ خدا تھا اور اس کے سوا اور کچھ یا کوئی نہ تھا اس مقام کو صوفیا مقام احدیت کہتے ہیں۔ پھر ایک وقت آیا جب خدا نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے خود پر تجلی فرمائی اور اپنی صفات کے آئینہ میں خود کو دیکھا۔ یہ مقام مقام وحدت کہلاتا ہے۔ اسے ہی حقیقت محمدیؐ کہا جاتا ہے۔ جب اس نے اپنا غیر یعنی کائنات تخلیق کرنا چاہی تو اس حقیقت محمدیؐ یا تعین اول سے تعین ثانی میں ظہور فرمایا اسے مرتبہ واحدیت کہتے ہیں اور کائنات کو وجود بخشا۔ اس وجود کائنات کا اصل سبب تعین اول یعنی حقیقت محمدی ﷺ بنا جس میں اللہ تعالیٰ اپنا اجمالی مشاہدہ کرتا رہا۔ یہ حقیقت تعین اول نور محمد ﷺ بھی کہلاتی ہے۔ چونکہ کائنات اور اشیا کا ظہور اس نور سے ہوا ہے اس لئے حلاج نے اس شعر میں کہا ہے کہ ساری کائنات اس کے آگے سربسجود ہے۔ اگر محمد ﷺ کے نور کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو کائنات ہی نہ ہوتی اسی کو لولاک لما خلقت الافلاک کی حدیث بیان کرتی ہے کہ اے محمد ﷺ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو افلاک ہی پیدا نہیں کرتے۔ یہی وہ جوہر نور مصطفیٰ ﷺ ہے جو ہر شے کے وجود کا سبب ہے۔

② عبدہٗ تیری فہم سے بالاتر ہے + کیونکہ وہ آدم بھی ہے اور جوہر بھی ہے (عبدہٗ تو وہ ہے

حقیقت وہ تعین اول ہے جس کا پہلے شعر میں ذکر ہے یہ وہ تعین ہے جس میں ذات نے اپنی صفات کا اجمالی طور پر مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چار پانچ مقامات پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عبدہ' کے لقب سے یاد کیا ہے دیکھئے آیات (9-57/10-53/1-25/1-18/1-17) ان آیات میں باری تعالیٰ نے جہاں نبی اکرم کو بندہ ﷺ کہا ہے اس مقام و مرتبہ کا اظہار بھی کیا ہے جو ان کو بارگاہ خداوندی میں حاصل ہے۔ عبدہ' کا لفظ کلمہ شہادت میں بھی عبدہ' و رسولہ کے الفاظ میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں (عبد یا عباد بندوں یا اپنے بندوں کا) جگہ جگہ ذکر کیا ہے لیکن قرب کے جس مقام کا عبدہ' کے لفظ میں بیان ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا ہے۔ اس مقام کا کسی کی فہم بھی احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دوسرے عباد کی طرح صرف بنی نوع آدم ہی میں سے نہیں ہیں بلکہ جوہر بھی ہیں نور بھی ہیں۔ نبی ﷺ نے خود فرمایا ہے سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس شے کی تخلیق کی وہ میرا نور تھا۔ اسی نور کے مقام کو تعین اول اور حقیقت محمدی ﷺ کا نام دیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اسی لئے کہا ہے کہ میں تو اس وقت بھی تھا جب ابھی آدم کا خمیر گوندھا جا رہا تھا جب لوح و قلم' عرش و کرسی' زمین و آسمان' آدم و فرشتہ کچھ بھی نہ تھا۔ آپ ﷺ کا یہی وہ جوہر ہے جو بطن آمنہؓ سے حضرت محمد ﷺ کی بشریت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آپ ﷺ کا یہ جوہر ناسوت اور لاہوت کے درمیان برزخ کبریٰ ہے۔ وہ ادھر مخلوق میں شامل ہیں اور ادھر اللہ سے واصل ہیں اگر ان کے آدمیت کے پہلو کو دیکھا جائے تو وہ نوع بشر میں سے ہیں لیکن اگر ان کے نوری پہلو کو دیکھا جائے تو وہ جوہر ہیں۔ یہ ہے وہ سبب جس کی رو سے حلاج نے کہا ہے کہ عبدہ' تیری فہم سے بالاتر ہے۔ ایسا پوری مخلوق میں ایک بھی نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔ ان کی حقیقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (اس سلسلے میں دیکھئے کتاب نور مجسم مصنفہ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم)۔

③ اس کا جوہر نہ عربی ہے اور نہ عجمی ہے + وہ آدم ہیں لیکن آدم سے پہلے ہوئے ہیں مراد ہے آپ ﷺ کا جوہر ہر قسم کی قید سے آزاد ہے یعنی اس کا کسی طرح بھی تخمینی یا عقلی احاطہ نہیں کیا جا سکتا یہ جوہر زمان و مکاں اور رنگ و بو سے مبرا ہے۔ یہ تعین اول یا حقیقت محمدی ﷺ کا وہ آئینہ ہے جس میں پہلے ذات باری تعالیٰ نے اپنا تماشا کیا؛ اور پھر اس میں ساری کائنات اور اس کی جملہ اشیاء اس کے بعد وجود میں آئی ہیں اس لئے محمد ﷺ وہ جوہر ہیں جو آدم کی پیدائش بلکہ ساری کائنات کی تخلیق سے پہلے تھا۔ مرزا بیدل نے سچ کہا ہے کہ آپ ﷺ جوہر ایجاد صفات ہیں۔ جب آپ ﷺ سے ایک صحابی نے پوچھا تھا کہ حضور ﷺ آپ کب نبی بنائے گئے تو آپ ﷺ نے کہا تھا کہ میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور پانی کے خمیر میں تھے۔

④ عبدہ' تقدیروں کو بنانے والا ہے + اس کے اندر ویرانے ہیں عمارتیں ہیں اس شعر کی تفہیم کے لئے پہلے اشعار کی تشریحات دوبارہ دیکھئے اگر نبی کریم ﷺ حقیقت محمدی ﷺ کے طور پر تعین اول پر ظہور نہ کرتے تو نہ باری تعالیٰ کا ظہور ہوتا اور نہ کائنات وجود میں آتی۔ آپ ﷺ چونکہ کائنات اور اس کی ہر شے کی تخلیق کی وجہ ہیں اس لئے آپ ﷺ ہر شے کی تقدیر ٹھہرے۔ اس کائنات کے وجود کا سبب بنے جس میں ویرانے بھی ہیں اور بستیاں بھی ہیں۔ عبدہ' باعث ایجاد عالم بھی ہے اور صورت گر تقدیر کائنات بھی ہے۔ اس جوہر کے دو پہلو ہیں ایک پہلو بقا کا اور دوسرا فنا کا آئینہ دار۔ جہاں میں فنا و بقا اور زندگی کا جو سلسلہ ہے اس کا محرک اول بھی یہی جوہر یا نور محمدی ﷺ ہی ہے۔ یہی

عبدہٗ ہے جو آدم بھی ہے اور جوہرا نور ابھی ہے۔

⑤ عبدہٗ جان کو بالیدگی دینے والا یعنی مومنوں کو خوش خبری دینے والا (اور) جان لینے والا یعنی کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا (قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اسی لئے بشیر و نذیر کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ وہ بشیر بن کر مومنوں کے لئے رحمت ہیں کہ ان کو نجات "جنت اور ملاقات رب کی خوش خبری دیتے ہیں اور کافروں کے لئے نذیر بن کر رحمت ہیں کہ ان کو دوزخ اور نار "کا ڈر دے کر ان کو کفر سے اسلام "گمراہی سے ہدایت یا دوزخ سے جنت کی طرف لاتے ہیں + عبدہٗ "شیشہ بھی ہے اور بھاری پتھر بھی۔ (عبدہٗ مومنوں کے لئے رؤف و رحیم اور کافروں کے لئے ان کو غضب بنانے والے ہیں یا عبدہٗ "کائنات کی ہر شے میں جلوہ گر ہے چاہے وہ سخت ہو یا نرم۔ کیونکہ ہر شے جب اس نور سے وجود میں آئی ہے تو پھر اس نور کا اشیا میں موجود ہونا قدرتی امر ہے)۔ تم

⑥ عبد (بندہ) اور ہے اور عبدہٗ (اس کا بندہ) کچھ اور شے ہے + (دیکھئے عبد اور عبدہٗ "کا فرق کہ) ہم تو (خدا کے لئے) سراپا انتظار رہتے ہیں (کہ کسی طرح اس کا جلوہ نظر آسکے) مگر وہ یعنی خدا عبدہٗ "کا انتظار کر رہا ہوتا ہے (خدا اس کا جلوہ دیکھنے کا متمنی ہے جیسا کہ واقعہ معراج سے اور تعین اول سے ظاہر ہے۔ تعین اول کی بات اوپر کے چند شعروں میں ہو چکی ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عبد اللہ تعالیٰ کی توجہ کا منتظر ہوتا ہے یا اس کی آرزو کرتا رہتا ہے جب کہ عبدہٗ "کا خدا منتظر ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے تاکہ جو وہ چاہتا ہے وہ کرے)۔

⑦ عبدہٗ زمانہ ہے اور زمانہ عبدہٗ ہے + ہم سب رنگ کے ہیں وہ رنگ و بو کے بغیر ہے (اس شعر کی تفہیم کے لئے ہمیں پھر تخلیق کائنات کی وجہ اور طریقہ کار کی طرف جانا ہو گا۔ ایک وقت تھا جب کچھ نہ تھا صرف خدا تھا ایک وقت ایسا آیا خدا نے چاہا کہ میں پوشیدہ نہ رہوں بلکہ پہچانا جاؤں تو اس نے اپنا غیر یعنی کائنات کو پیدا کر دیا۔ اور اس کے لئے طریقہ کار یہ اختیار کیا کہ پہلے خدا نے اپنے آپ پر تجلی کی اور اس تجلی میں جسے تعین اول یا حقیقت محمدی ﷺ کہتے ہیں اپنی صفات کا یا اپنے آپ کا تماشا کیا۔ یہ عالم نہ جانے کتنے عرصے تک رہا۔ پھر وسیع طور پر اپنی صفات کا تماشا کرنے کے لئے اس نے تعین اول سے تعین ثانی میں ظہور کیا اور اپنا غیر یعنی کائنات اور اس کی جملہ اشیا پیدا کر دیں۔ اس طریقہ کار میں ہم دیکھتے ہیں کہ عبدہٗ "یا نور محمدی ﷺ باری تعالیٰ کے اسماء و صفات سے کائنات کی ایجاد کا باعث بنا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ زمانہ حق کی تجلیات کے پیہم نزول یا ان کے تسلسل کا نام ہے اور یہ تب ممکن ہو سکا جب پہلے نور محمدی ﷺ کو مرتبہ تعین اول پر تخلیق کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ عبدہٗ "یا نور محمدی ﷺ خدا کی فعلیت کا دوسرا نام ہے اگر عبدہٗ "یا جوہر مصطفیٰ ﷺ یا نور مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتا تو نہ ذات حق کی جلوہ گری ہوتی اور نہ یہ کائنات نظر آتی۔ ہم عرفا کی زبان میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عبدہٗ (جوہر / نور) اور خدا عین یک دگر ہیں یا کھل کر یوں کہہ لیں کہ وجود مطلق اور عبدہٗ "ایک ہی ذات کے دو نام ہیں۔ ایک ذات مطلق کے اعتبار سے اور دوسرا اپنے اندر ذات مطلق کے ظہور کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ بطور بشر بنی آدم میں سے ہیں اور بطور جوہر کچھ اور ہی شے ہیں۔ بشر کے اعتبار سے وہ رنگ و بو رکھتے ہیں۔ ضروریات بشریات سے استفادہ کرتے ہیں لیکن جوہر یا نور کے لحاظ سے وہ بے رنگ و بو ہیں ہر شے سے بے نیاز ہیں بلکہ ہر شے اپنے وجود میں اس جوہر کی مرہون منت ہے۔ جس طرح ذات خداوندی بے رنگ و بو ہے اسی طرح سے اس کے نور میں سے پیدا شدہ نور محمدی

ﷺ (جوہر/عبدہ) بھی بے رنگ و بو ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عبدہ' ذات حق کا پرتو بلکہ عین ذات ہے۔

⑧ عبدہ' (یعنی جوہر/نور) ابتدا تو رکھتا ہے لیکن اس کی انتہا کہیں نہیں ہے + عبدہ' کے لئے ہماری طرح کی صبح شام کہاں ہیں یعنی نہیں ہیں۔ اس کے زمان و مکاں اور ہیں (عبدہ' کی ابتدا تو بے شک ہے کیونکہ وہ خدا کی طرح قدیم نہیں بلکہ تعین اول پر اس کے نور سے پیدا ہوا ہے لیکن اس کی انتہا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نور حق نے اسے تخلیق کیا ہے وہ خود بے انتہا ہے۔ جس طرح ذات حق رنگ و بو اور زمان و مکاں سے بری ہے اسی طرح عبدہ' بھی اپنے جوہر کے لحاظ سے انہا سے بری ہے)۔

⑨ کوئی شخص بھی عبدہ' کے بھید سے آگاہ نہیں ہے + عبدہ' الا اللہ کے بھید کے سوا کچھ نہیں مراد ہے کہ عبدہ' لا الہ الا اللہ (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) کی حقیقت ہے۔ وہ ذات حق سے جدا کوئی شے نہیں ہے جو ذات کی حقیقت ہے وہی اس کی حقیقت ہے کیونکہ ذات حق کا نور اور محمد ﷺ کا نور ایک ہی شے ہے محمد نور من نور اللہ ہیں۔ اس میں خدا کے سارے بھید موجود ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے اسرار کی طرح عبدہ' کے اسرار کو سمجھنا بھی ممکن نہیں۔ عبدہٗ کی حقیقت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

⑩ لا الہ (کلمہ طیبہ) تلوار ہے اور عبدہ' اس کی دھار ہے + اگر تو زیادہ کھلا بیان چاہتا ہے تو کہہ دے کہ ھو (ذات حق) عبدہ' ہے (اب تک حلاج مصلحت سے کام لیتا رہا تھا۔ اشاروں کنایوں میں عبدہ' اور اس کے مقام کو سمجھانا چاہتا تھا لیکن اب دار و رسن سے بے پروا کھل کر کہہ رہا ہے کہ ذات حق اور عبدہٗ (یعنی جوہر یا نور محمدی ﷺ) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں خدا کا نور (جوہر) چونکہ بشریت محمدی ﷺ میں موجود ہے اس لئے ذات حق اور ذات محمد ﷺ کو ایک کہنے میں باک نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھئے دھار تلوار سے جدا نہیں ہوتی۔ ان دونوں میں نام کا فرق ہے ورنہ جسطرح دھار اور تلوار ایک ہی شے ہے۔ اسی طرح ہو اور (یعنی خدا) اور ہو کا بندہ یعنی عبدہٗ بھی جوہر کے لحاظ سے ایک ہی ہیں صرف اعتباری طور پر دو نام ہیں۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ سے لا الہ الا اللہ یعنی خدا کی وحدت کی تصدیق ہوتی ہے۔ طرح کائنات میں ھو کی جلوہ گری ھو کے عبد یعنی عبدہ' سے ہے۔ اگر عبدہ' نہ ہوتا تو باری تعالیٰ کو کون جانتا کون پہچانتا بلکہ اس کی جلوہ گری ہی کہیں نہ ہوتی کیونکہ کائنات ہی نہ ہوتی)۔

(11) عبدہ' کائنات کا چندو چگوں یعنی اس کی حقیقت ہے + عبدہ' کائنات کے اندر کا راز ہے (عبدہٗ نہ ہوتا تو کائنات ہی نہ ہوتی۔ تشریح کے لئے گزرے ہوئے اشعار کی تشریح دیکھئے)۔

(12) ان دو شعروں میں جو مدعا (میں بیان کرنا چاہتا ہوں تجھ پر) ظاہر نہیں ہو گا + جب تک کہ تو مقام ما رمیت کو نہیں سمجھے گا (قرآن کریم کی آیت 8-17 میں ہے کہ اے نبی ﷺ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" یعنی جب آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ خود ہم نے (اللہ نے) پھینکی تھیں۔ اسی قسم کی ایک اور آیت 48-10 ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر آپ ﷺ کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ خدا کا ہاتھ ہے۔ حلاج نے ان آیتوں خصوصاً پہلی آیت کے مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے زندہ رود کو سمجھانا چاہا ہے کہ دیکھو خدا نے خود اپنے ہاتھ کو اپنے رسول ﷺ کا ہاتھ کہا ہے اس لئے میرا "ھو عبدہ" کہنا درست ہے۔ عبدہ' خدا کا نور ہے وہ ایک جوہر ہے عبدہٗ ذات کا پہلا پرتو ہے اس بنا

پر عین ذات کے عین حق ہے یعنی عبدہ' چونکہ ھو ہی کا تعین اول یا پرتو ہے اس لئے ھو اور عبدہ' (عبد ھو) عین یک گر ہیں یا صاف صاف یوں کہہ لیں کہ ھو ہی عبدہ' ہے۔ (جہاں تک عبدہ' کے جوہر کا تعلق ہے ورنہ جسمانی لحاظ پر تو وہ نوع آدم میں سے ہیں۔

(13) اے زندہ رود قیل و قال بس کر + (اور) اے زندہ رود وجود کے اندر غرق ہو جا۔ یعنی عشق اور مستی کا راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کی معرفت حاصل کر پھر جا کر تجھے عبدہ' کے متعلق میری بات کی سمجھ آسکے گی۔

زندہ رود

کم شناسم عشق را ایں کار چیست؟ ذوقِ دیدار است؟ پس دیدار چیست؟

*

شعر: میں عشق کو نہیں پہچانتا ہوں (آخر) یہ کیا کام (مشغلہ) ہے۔ کیا یہ کسی کے دیدار کا ذوق ہے۔ یا تجھے دیدار کا ذوق تو ہے (لیکن) یہ دیدار کیا ہے۔

حلاج

معنیِ دیدار آں آخر زماںؐ حکمِ او بر خویشتن کردن رواں
در جہاں زی چوں رسولؐ انس و جاں تا چو او باشی قبولِ انس و جاں
باز خود را بیں' ہمیں دیدارِ اوست سنتِ او سرّے از اسرارِ اوست

*

① اس آخر زماں یعنی آخری زمانے کے نبی یا خاتم النبیین نبی ﷺ کے دیدار کا مطلب + اس کے حکم کو خود پر جاری کرنا ہے (ان کی شریعت و طریقت کے انداز و اعمال کو اپنانا ہے۔ ان کی اتباع میں زندگی بسر کرنا ہے۔ ان کی مرضی میں اپنی مرضی کو گم کر کے زندگی کی راہ چلنا ہے عرفا کی زبان میں فنا فی الرسول ﷺ کا مقام حاصل کرنا ہے ان کے ظاہر اور باطن کے رنگ میں اپنے ظاہر اور باطن کو رنگنا ہے)۔

② دنیا میں انسانوں اور جنوں کے رسول (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کی طرح جی + تاکہ تو بھی ان کی طرح جنوں اور انسانوں کا محبوب بن جائے۔

③ پھر خود کو دیکھ یہی ان کا دیدار ہے + ان کی سنت ان کے اسرار میں سے ایک بھید ہے مراد ہے ان کی سنت کی پیروی سے تیرے اندر بھی ان کی صفات کا عکس پیدا ہو جائے گا پھر خود کو دیکھو گے تو ان کا دیدار ہی کرو گے اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ ان کے دیدار کی نعمت صرف اس وقت نصیب ہوگی جب تم ان کی سنت کی پیروی کر کے اپنے ظاہر و باطن میں ان کی صفات کا عکس پیدا کر لو گے۔

زندہ رود

چیست دیدارِ خدائے نہ سپہر آں کہ بے حکمش نہ گردد ماہ و مہر؟

نو آسمانوں یعنی کل کائنات کے خدا کا دیدار کیا ہے + وہ خدا کہ جس کے حکم کے بغیر چاند سورج گردش نہیں کرتے۔

حلاج

نقشِ حق اول بجاں انداختن ۔ باز او را در جہاں انداختن!
نقشِ جاں تا در جہاں گردد تمام ۔ می شود دیدارِ حق دیدارِ عام!
اے خنک مردے کہ از یک ہوے او ۔ نہ فلک دارد طواف کوے او!
وائے درویشے کہ ہوے آفرید ۔ باز لب بربست و دم در خود کشید
حکمِ حق را در جہاں جاری نکرد ۔ نانے از جو خورد و کراری نکرد
خانقاہے جست و از خیبر رمید ۔ راہبی ورزید و سلطانی ندید!
نقشِ حق داری؟ جہاں نخچیرِ تست ۔ ہم عنانِ تقدیر با تدبیرِ تست
عصرِ حاضر با تو می جوید ستیز ۔ نقشِ حق بر لوحِ ایں کافر بریز!

① حق کے نقش کو پہلے اپنی جان میں ڈالنا + پھر اس کو سارے جہان میں ڈالنا یعنی دیدار حق کا طالب پہلے اپنے اندر صفات حق پیدا کرے پھر ان کا دنیا والوں کے سامنے مظاہرہ کرے اپنے عمل سے اپنے وجود میں ذات باری تعالیٰ کی صفات کا اثبات کرے۔ خود اس طرح رہے اور دوسروں کے ساتھ اس طرح معاملات کرے جیسا کہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔

② اپنی جان میں ڈالا ہوا نقش جب جہان میں مکمل ہو جاتا ہے + (تو پھر) دیدار حق عام دیدار بن جاتا ہے یعنی جب طالب حق میں نقش حق پوری طرح ثبت ہو جاتا ہے اور وہ اس نقش کو جہان پر بھی ثبت کر دیتا ہے تو گویا سب دنیا والے دیدار حق پا لیتے ہیں۔ حق کے مکمل تبع یا فنا فی اللہ شخص کا دیدار اللہ ہی کا دیدار ہے۔

③ مبارک ہے وہ شخص کہ جس کی ایک ھو (ھو اللہ ھو) سے + نو آسمان اس کی گلی کا طواف کرنے لگتے ہیں مراد ہے کہ اللہ کی صفات میں رنگا ہوا شخص وہ ہے کہ کائنات اس کا حکم ماننے لگتی ہے۔ چونکہ وہ اس خالق کا حکم نہیں موڑتا جس کی یہ ساری مخلوق ہے اس لئے ساری مخلوق اس کا حکم نہیں موڑتی ایسا شخص زمانے کے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے جس انداز سے چاہے چلا سکتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کے تابع ہو جاتی ہے۔

④ افسوس ہے اس درویش پر جو ھو حق تو کرتا ہے (جس نے آواز ھو تو پیدا کی ہے) + پھر اس نے اپنے لب سی لئے اور اپنا دم روک لیا (حلاج ان درویشوں پر افسوس کا اظہار کرتا ہے جو بخود گم تو ہوئے لیکن انہوں نے خود کو خلق خدا میں گم نہیں کیا یعنی جو نقش حق انہوں نے خود پر ثبت کیا تھا جہان پر ثبت نہ کیا۔ وہ ریاضت و مجاہدہ سے فنا فی اللہ کے مقام پر تو پہنچے لیکن لوگوں کو فیضان سے محروم رکھا۔ سجادہ

درویشی پر تو بیٹھے لیکن مسند رشد و ہدایت پر نہ بیٹھے۔

⑤ اس نے حکم حق کو (خود پر تو جاری کیا لیکن) جہان پر جاری نہ کیا + اس نے جو کی روٹی تو (حضرت علیؓ کی طرح کھائی لیکن) کراری نہ کی یعنی حضرت علیؓ کا سا بہادری اور مقابلہ کفر کا عمل اختیار نہ کیا۔ وہ خانقاہ میں بیٹھا رہا اور اس نے رسم خیبری ادا نہ کی وہ خود تو ہدایت یافتہ ہو گیا لیکن اس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف نہ بلایا۔ وہ خود خدا رسیدہ تو ہو گیا لیکن اس نے لوگوں کو شیطان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

⑥ اس نے خانقاہ ڈھونڈی یعنی خانقاہی زندگی کو پسند کیا اور تکبیر سے دور بھاگا یعنی اس نے مجاہد کی زندگی کو ناپسند کیا + اس نے رہبانیت اختیار کی یعنی دنیا کو ترک کر دیا اور اس نے سلطانی نہ دیکھی یعنی حکمرانی سے گریز کیا۔

⑦ کیا تو نقش حق رکھتا ہے (اگر رکھتا ہے تو) جہان تیرا شکار ہے + تقدیر تیری تدبیر کی ہم عناں ہے یعنی تیری تقدیر تیری تدبیر کے مطابق ہے۔

⑧ آج کا دور تجھ سے جنگ چاہتا ہے + اس کافر کی لوح پر حق کا نقش ثبت کر دے مراد ہے کہ موجودہ دور خالص مادہ پرستانہ سرشت رکھتا ہے اہل مغرب کے علوم و فنون، ان کی سنگ پرستانہ تہذیب اور خنزیری ثقافت نے آدمی کے دل سے نور کھینچ لیا ہے۔ شیطان کو ارزاں اور خدا کو نایاب بنا دیا ہے اے مسلمان اب تیرا یہ کام ہے کہ عہد حاضر کے انسان کی راہنمائی کرے۔ اس کو شیطان کے چنگل سے نجات دلائے۔ اس کے لوح دل پر حق کا نقش ثبت کرے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تو خود حق پرست ہو جائے۔

زندہ رود

نقشِ حق را در جہاں انداختند من نمی دانم چساں انداختند؟

*

شعر: نقش حق کو اہل حق نے جہاں پر ڈالا ہے جہاں میں ڈالنا (یہ بات تو اے حلاج سمجھ میں آ گئی لیکن یہ بھی تو بتا کہ اسے کیسے ڈالنا ہے) + میں نہیں جانتا کہ اسے کیسے ڈالا جائے۔

حلاج

یا بزورِ دلبری انداختند یا بزور قاہری انداختند!

زانکہ حق در دلبری پیدا تر است دلبری از قاہری اولیٰ تر است!

*

① (نقش حق کو جہان میں ڈالنے کے دو طریقے ہیں) لوگوں نے یا تو اسے دلبری کے زور سے ڈالا + یا (پھر) قاہری کے زور سے ڈالا (یعنی یا تو درویشوں کی محبت کے ذریعے یا مجاہدوں کے دبدبے کے ذریعے ڈالا)۔

② چونکہ حق طریقہ دلبری سے زیادہ واضح ہوتا ہے + (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) طریقہ دلبری طریقہ قاہری سے بہتر ہے (اسلام دنیا میں درویشوں کی محبت نے ہی پھیلایا ہے۔ بادشاہوں نے ملک ضرور فتح کئے ہیں لیکن لوگوں کے دل درویشوں نے ہی مسخر کئے ہیں)۔

زندہ رود

باز گو اے صاحبِ اسرارِ شرق درمیانِ زاہد و عاشق چہ فرق؟

*

شعر: ایک بار پھر بیان کر اے صاحب اسرار شرق (مشرق اور اہل مشرق کے بھیدوں کو جاننے والے) + عاشق اور زاہد کے درمیان کیا فرق ہے۔

حلاج

زاہد اندر عالمِ دنیا غریب عاشق اندر عالمِ عقبیٰ غریب!

*

شعر: زاہد دنیا کے جہان میں اجنبی ہے + (اور) عاشق آخرت کے جہان میں اجنبی ہے یعنی زاہد وہ ہے جو دنیا میں رہتا ہوا دنیا کے تمام علائق اور تمام آلائشوں سے دور رہے اور عاشق وہ ہے جو آخرت کے تمام علائق اور آلائشوں سے دور ہے دنیا کے علائق اور آلائشیں زن' زر' زمین' خواہشات نفسانی وغیرہ ہیں اور عقبیٰ کی آلائشیں جنت' حور' غلمان' نہریں' میوے' پھل وغیرہ ہیں۔ زاہد کا مقصود صرف عبادت و ریاضت ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں حور و جنت کے صلے کی امید رکھنا ہوتا ہے جب کہ عاشق کا مقصود صرف ذات حق ہوتی ہے اسے دوسری چیزوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

زندہ رود

معرفت را انتہا نابودن است زندگی اندر فنا آسودن است؟

*

شعر: معرفت کی انتہا اپنی فنا ہے + کیا زندگی فنا میں آرام و سکون سے رہنے کا نام ہے۔

حلاج

سکرِ یاراں از تہی پیمانگی است نیستی. از معرفت بیگانگی است

اے کہ جوئی در فنا مقصود را در نمی یابد عدم موجود را!

*

① یاروں کی مستی ان کے خالی پیالے کی وجہ سے ہے + فنا معرفت سے بے گانگی کا نام ہے مراد ہے کہ جو لوگ معرفت کا انجام فنا سمجھتے یا قرار دیتے ہیں وہ معرفت اور اس کے مقصود سے بے گانہ ہیں یہ ہندوؤں' بودھوں' عیسائیوں اور کئی غیر اسلامی مسالک کے لوگوں کا مسلک ہے۔ وہ ترک دنیا کو معرفت کہتے ہیں مسلمان درویش اس کا قائل نہیں وہ ترک دنیا کو رہبانیت اور مقصد تخلیق انسان سے بغاوت قرار دیتا ہے۔

② اے کہ تو فنا میں مقصود کو تلاش کرتا ہے + (یاد رکھ) عدم موجود کو نہیں پا سکتا (کیونکہ ان دونوں میں ضد کی حد تک بعد ہے۔ جو معدوم ہو جائے وہ موجود کو کیسے پا سکتا ہے۔ خدا تو موجود ہے جب اس کی تلاش کرنے والا موجود نہ رہا تو یہ سارا بکھیڑا کیسا۔ معرفت تو وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو باقی رہے۔ باقی رہتے ہوئے خدا کی معرفت پانا یہ ہے اصل عرفان --- اور یہ صرف اسلامی نقطہ نظر کی درویشی میں ملے گا۔ (مسلمان درویش دین و دنیا دونوں کے حسنات سے مستفید ہوتا ہے)۔

زندہ رود

آنکہ خود را بہتر از آدم شمرد   در خم و جامش نہ مے باقی' نہ درد
مشتِ خاکِ ما بگردوں آشناست!   آتشِ آں بے سروساماں کجاست؟

*

① وہ جس نے کہ خود کو آدم سے بہتر شمار کیا + اس کے مٹکے اور پیالے میں نہ شراب باقی ہے اور نہ تلچھٹ (اشارہ ابلیس کی طرف ہے جس نے خدا کے حکم کے آگے سر جھکانے کی بجائے سرکشی اختیار کی اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اس کے پاس تعلق خداوندی کے اعتبار سے کچھ باقی نہ رہا اس کے مٹکے میں شراب اور تلچھٹ کے نہ ہونے سے یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر اس نے انکار کیا کیونکہ وہ کہتا تھا میں آگ سے بنا ہوا ہوں اور آدم مٹی سے بنا ہوا ہے اس لئے میں اس سے افضل ہوں میں اس کو سجدہ کیوں کروں۔ ابلیس نے آدم کے ظاہر یعنی مٹی کے جسم کو دیکھا لیکن اس کے اندر جو روح تھی اس کو نہ دیکھ سکا جس کی وجہ سے انکاری ہو گیا۔ اسی طرح ابو جہل اور ابو لہب جیسے لوگوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ظاہر کو دیکھا۔ ان کے اندر جو جوہر تھا جو نور تھا اس کو نہ دیکھا اس بنا پر وہ بھی کہہ اٹھے کہ ہم اسے نبی کیوں مانیں یہ تو ہماری ہی طرح کا بشر ہے۔ انہوں نے عبد کو دیکھا عبدہ' کو نہ دیکھا۔ ابلیس آدم کے اندر روح کو اور ابو جہل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اندر جوہر یا نور کو دیکھ لیتا تو ان کا اقراری ہو جاتا۔

② ہماری یعنی ہم آدمیوں کی مٹی تو آسمان کی بلندیوں کی شناسا ہے (دیکھو حضرت محمد ﷺ آدمی ہوتے ہوئے آنسوئے افلاک چلے گئے) + اس بے سروساماں کی آگ کہاں ہے (جس پر وہ ناز کرتا تھا۔ وہ آسمانوں سے زمین پر آ رہا اور دوبارہ اسے آسمان تک جانے کی نہ جراءت ہے نہ ہمت۔ جب کہ جس کو وہ مٹی کا طعنہ دیتا تھا وہ آنسوئے افلاک تک رسائی رکھتی ہے)۔

حلاج

کم زاں خواجۂ اہل فراق تشنہ کام و از ازل خونیں ایاق!
ما جہول، او عارف بود و نبود کفر او ایں راز را بر ما کشود!
از فتادن لذت برخاستن عیش افزودن ز درد کاستن!
عاشقی در نار او وا سوختن سوختن بے نار او ناسوختن!
زانکہ او در عشق و خدمت اقدم است آدم از اسرار او نامحرم است!
چاک کن پیراہن تقلید را تا بیاموزی ازو توحید را

●

① اس خواجۂ اہل فراق یعنی ابلیس کی بات نہ کر + وہ جو کہ پیاسا ہے اور ازل سے اس کا پیالہ خون سے بھرا ہوا ہے (شیطان کو حلاج نے ازل سے محروم کہا ہے وہ اہل فراق کا سردار اس لئے ہے کہ وہی پہلا فرد ہے جس کو باری تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے خود سے دور کر رکھا ہے۔ اب جتنے بھی لوگ خود کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہیں وہ شیطان کے پیروکار ہیں اور شیطان ان کا خواجہ ہے۔ اس کا پیالہ ازل سے خون سے اس لئے بھرا ہوا ہے کہ قصہ ابلیس و آدم میں اس کی آرزوؤں کا خون ہو چکا ہے۔ آدم کو جملہ فرشتوں نے سجدہ کر کے عظمت عطا کر دی اور اسے سجدہ نہ کرنے کی بنا پر ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ کر کے خدا نے اس کی آرزوؤں کا خون کیا اسی لئے غضب ناک ہو کر اس نے خدا سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں کو ضرور گمراہ کروں گا)۔

② ہم جہول ہیں اور وہ ہستی و نیستی کا عارف ہے + اس کے کفر یعنی انکار نے یہ راز مجھ پر کھولا۔ مراد ہے کہ ہم بنی نوع آدم ان اسرار ہست و بود سے واقف نہیں ہیں جن سے ابلیس واقف ہے کیونکہ وہ اللہ کے قریب رہا ہے یہ راز ابلیس کے انکار یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت میں آدم کو سجدہ کرنے کے انکار کے معاملے سے مجھ پر کھلا۔ ابلیس جانتا تھا کہ آدم کی سرشت میں خیر و شر دونوں مادے ہیں اور میں اس کے شر کے مادہ کو انگیخت کر کے اپنی ایک مضبوط قوم پیدا کر سکوں گا اسی لئے تو اس نے باری تعالیٰ کو کہا تھا کہ مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے تاکہ میں تیرے بندوں کو بہکاتا رہوں اور یہ ثابت کر سکوں کہ آدمی تجھ سے زیادہ میری اطاعت میں مزہ لیں گے اور اس طرح میں ثابت کر دوں گا کہ میں آدم پر حکمران ہوں اس پر باری تعالیٰ نے مہلت عطا کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو میرے بندے ہوں گے وہ تیرے قابو میں نہیں آئیں گے بلکہ تجھے مزید روند دیں گے۔ حلاج نے ہم آدمیوں کو اسی لئے جہالت والے کہا ہے کہ وہ شیطان کے منصوبے سے جہالت کی بنا پر شیطان کا فریب کھا جاتے ہیں۔ لیکن اس چال سے واقف یعنی جو اہل علم و عرفان ہیں ابلیس کو شکست دے دیتے ہیں۔

③ اٹھنے کی لذت گرنے ہی سے ہے + (کسی شے کے) کھو دینے کے یا کم ہونے کے رنج ہی سے پالینے یا بڑھنے کی خوشی حاصل ہوتی ہے مراد ہے۔ کسی نے بیماری دیکھی ہو تو اس کو صحت کی قدر ہوگی۔ کسی نے تنگی دیکھی ہو تو اس کو فراخی کی قیمت کا پتہ ہوگا؟

④ عاشقی اس کی یعنی شیطان کی آگ میں مکمل طور پر جل جانا ہے + اس کی آگ کے بغیر جلنا جلنا

نہیں ہے۔ (شیطان نے حکم خداوندی کا انکار اس لئے کیا تھا کہ وہ کہتا تھا کہ اے خدا جب تو میرا آقا و مالک ہے تو میرا خدا ہے تو میں تجھے چھوڑ کر ایک تیرے مٹی کے بنے ہوئے آدم کو کیوں سجدہ کروں حلاج اس بیان سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ محبوب کے سوا کسی اور کی طرف توجہ کرنا یہ عاشقی نہیں ہے۔ عشق کی یہ اہمیت و کیفیت شیطان کے خدا کو سجدہ نہ کرنے کے فعل میں مضمر ہے۔ کچھ ہو غیر محبوب کی طرف توجہ نہ کی جائے یہی عاشقی ہے۔ حلاج کے اس نظریہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ محبوب کی حکم عدولی بھی تو دستور عشق کے خلاف ہے۔ لیکن حلاج نے صرف یہ پہلو لیا ہے کہ غیر محبوب کی طرف دھیان کرنا محبت کے آئین کی مخالفت ہے اور شیطان نے انکار سجدہ آدم سے یہی بات ثابت کرنا چاہی ہے یا اس سے یہی ثابت ہوتی ہے۔

⑤ چونکہ وہ (خدا کے) عشق اور خدمت میں (آدم سے) پہلے ہوا ہے + اس لئے آدم اس کے یعنی ابلیس کے اسرار سے آگاہ نہیں ہے۔

⑥ تو اے زندہ رود کسی کی اندھا دھند پیروی کے لباس کو چاک کر دے + تاکہ تو اس سے یعنی شیطان سے توحید سیکھ سکے (بظاہر یہ نصیحت علم و معرفت اور شریعت و طریقت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف نظر آتی ہے لیکن اس میں جو نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ شیطان نے غیر اللہ کو سجدہ نہ کر کے توحید کا نقش ثبت کیا ہے یعنی اس کے آدم کو سجدہ نہ کرنے میں یہ نکتہ تھا کہ موحد خدا کے بغیر کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔ ہمیں بھی اس سے توحید کا یہ پہلو لے لینا چاہئے کہ اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکو اللہ کے سوا کسی اور کو مقصود و محبوب نہ بناؤ اس کی دوسری باتوں کو پس پشت ڈال دینا چاہئے۔

زندہ رود

اے ترا اقلیم جاں زیر نگیں   یک نفس با ما دگر صحبت گزیں

*

شعر: اے کہ روح کی سلطنت تیرے زیر نگیں ہے یعنی اے حلاج کہ تو روح اور اس کے اسرار و رموز سے واقف ہے + تھوڑی دیر کے لئے ہمیں مزید اپنی صحبت سے نواز۔

حلاج

با مقامے در نمی سازیم و بس   ما سراپا ذوق پروازیم و بس
ہر زماں دیدن تپیدن کار ماست   بے پر و بالے پریدن کار ماست!

*

① ہم ایک مقام پر نہیں ٹھہرتے بس اتنا کافی ہے + ہم سراپا ذوق پرواز ہیں اور بس (اوپر سے اوپر اڑان میں رہتے ہیں)۔

② ہر لحہ دیکھنا اور تڑپنا ہمارا کام ہے + بغیر بال و پر کے اڑتے رہنا ہمارا کام ہے۔ (ہمارا کام تو نت نئی

تجلیات محبوب کا دیکھنا اور ایک کے بعد دوسری کی دید کی تڑپ میں لگے رہنا ہے اس لئے ہم ہروقت محو سفر رہتے ہیں۔ ہر لحظہ ایک نئی تجلی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اس لئے اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہم ہروقت محو پرواز رہتے ہیں)۔

نمودار شدن خواجہ اہل فراق ابلیس

اہل فراق کے خواجہ ابلیس کا ظاہر ہونا

تعارف: ابلیس جس کو ہم شیطان کا نام بھی دیتے ہیں کبھی قریب خدا تھا لیکن جب اس نے خدا کے حکم کے مطابق اس کی شاہکار تخلیق آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو خدا نے حکم عدولی کی بنا پر اس کو راندہ درگاہ کر دیا۔ اقبال نے ابلیس کو خواجہ اہل فراق اس لئے کہا ہے کہ وہ پہلا فرد ہے جو خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر خدا سے اور خدا کی رحمت سے دور ہوا وہ ان تمام لوگوں کا خواجہ یا آقا ہے جو اس کی پیروی کر کے خدا سے دور ہو جاتے ہیں۔

پہلا بند

صحبتِ روشندلاں یک دم، دو دم   آں دو دم سرمایہ بود و عدم!
عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت،   عقل را صاحب نظر کرد و گذشت
چشم بر بستم کہ با خود دارمش   از مقامِ دیدہ در دل آرمش
ناگہاں دیدم جہاں تاریک شد   از مکاں تا لامکاں تاریک شد
اندراں شب شعلۂ آمد پدید   از درونش پیر مردے بر جہید
یک قبائے سرمئی اندر برش   غرق اندر دودِ پیچاں پیکرش
گفت رومی خواجۂ اہل فراق!   آں سراپا سوز و آں خونیں ایاق!

*

① (زندہ رود کہتا ہے کہ مجھے ان) روشن دلوں کی صحبت ایک دو دم کے لئے یعنی قلیل عرصے کے لئے ملی) + وہ دو دم (میرے لئے) بود و عدم یعنی میری پوری زندگی کا سرمایہ تھے۔

② (اس صحبت نے میرے) عشق کو اور زیادہ شورید بنایا اور ختم ہو گئی + (اس نے میری عقل کو نظر عطا کی اور رخصت ہو گئی۔

③ میں نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ میں (اس صحبت کے نقش کو) اپنے اندر ثبت کر لوں + آنکھوں کی راہ سے اسے دل میں بسا لوں۔

④ اچانک میں نے دیکھا کہ جہان سیاہ ہو گیا + مکان سے لے کر لامکان تک تاریک ہو گیا۔

⑤ اس رات یعنی تاریکی میں سے ایک شعلہ نمودار ہوا + اس میں سے ایک بوڑھا آدمی نکلا (ابلیس

آگ کا بنا ہوا ہے اس لئے شعلہ کا ذکر ہے)۔

⑥ وہ ایک سرمہ کے رنگ یعنی سیاہ قبا پہنے ہوئے تھا + اس کا پیکر پیچ کھاتے ہوئے دھوئیں میں غرق تھا۔

⑦ رومیؒ نے (مجھ سے) کہا کہ یہ اہل فراق کا سردار (ہے) + وہ جو سراپا سوز (ہے) + (اور) وہ کہ جس کے پیالے یعنی دل میں خون (بھرا ہے) (سراپا سوز تو وہ آگ کی وجہ سے ہے جس سے کہ اس کی تخلیق ہوئی ہے اور اس کے دل میں جو خون ہے وہ اس کی آرزوؤں کا خون ہے۔ اس نے اپنے سامنے آدم کو سربلند ہوتے اور خود کو ذلیل ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے آدم کو جنت میں جاتے ہوئے اور خود کو راندہ درگاہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ مٹی کو آگ پر فوقیت پاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا دل خون نہ ہوتا تو کیا ہوتا)۔

دوسرا بند

کہنہ کم خندہ اندک سخن | چشم او بینندۂ جاں در بدن!
رند و ملا و حکیم و خرقہ پوش | در عمل چوں زاہدان سخت کوش
فطرتش بیگانۂ ذوقِ وصال | زہد او ترکِ جمالِ لایزال!
تا گسستن از جمال آساں نبود | کار پیش افگند از ترکِ سجود
اندکے در واردات او نگر | مشکلاتِ او ثباتِ او نگر!
غرق اندر رزم خیر و شر ہنوز | صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز!

*

① (رومی اس پیر مرد یعنی ابلیس کے متعلق مزید کہتے ہیں کہ) یہ ایک ایسا بوڑھا ہے جو نہ ہنسنے والا یعنی بالکل سنجیدہ اور کم باتیں کرنے والا ہے + اس کی آنکھ (آدمی کے) جسم میں جان کو دیکھنے والی ہے۔

② (وہ) رند، ملا، حکیم اور خرقہ پوش (ہے) + (اور) عمل میں سخت محنت و ریاضت کرنے والے زاہدوں کی طرح (ہے) یعنی اس کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں وہ رند، فلسفی، ملا، صوفی وغیرہ سب کی سرشت کو جانتا ہے اور سب کو بہکانے کے فن سے واقف ہے۔ وہ ان کے بدنوں میں ان کی جانوں کو دیکھ کر کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس نیت سے چاہتے ہیں ان کو خدا سے ہٹا کر اپنا پیرو کار بنا سکتا ہے۔

③ اس کی فطرت وصال کے ذوق سے بے گانہ ہے (وہ خدا سے دور رہنے کو پسند کرتا ہے اور دوسروں کو اس سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے) + اس کا زہد اس جمال کو ترک کرنا ہے جس کو زوال نہیں (مراد خدا کے حسن سے دور رہے۔ زاہد اس کو کہتے ہیں جو دنیا کے علائق اور آلائشوں سے دور رہے۔ مگر شیطان وہ زاہد ہے جو خود کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہے)۔

④ (پہلے ابلیس خدا کے دربار میں تھا جمال لایزال کا تماشائی تھا لیکن وہ فطرتاً اس جمال کا نااہل تھا وہ اس سے دور ہونے کی کوئی نہ کوئی صورت تلاش کر رہا تھا اور یہ صورت اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کے فعل سے پیدا کرلی) چونکہ اس کے لیے یعنی خدا کے جمال سے (خود کو) علیحدہ رکھنا آسان نہ تھا + اس نے (آدم کو خدا کے حکم کے مطابق) سجدہ نہ کرنے کے (فعل سے) اس کام کو سرانجام دے دیا (اور ہمیشہ

کے لئے خدا کے لازوال حسن سے دور ہو گیا)۔

⑤ (اے زندہ رود) ذرا اس کی واردات پر نظر ڈال + اس کی مشکلات کو (اور ان مشکلات میں) اس کی ثابت قدمی کو دیکھ (ہزاروں لعنتوں اور درگاہ باری تعالیٰ سے اخراج کے باوجود وہ اپنے راستہ پر مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہے)۔

⑥ (تخلیق آدم اور اس کو سجدہ کے واقعے کو ہزاروں لاکھوں سال گزر چکے ہیں (لیکن) وہ یعنی ابلیس ابھی تک خیر و شر کی جنگ میں لگا ہوا ہے (وہ اللہ کے بندوں کو ہر ممکن کوشش سے بدی پر آمادہ کرنے اور نیکی سے دور رکھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے + (اس کے دور سے آج تک سینکڑوں پیغمبر گزر چکے ہیں) اس نے سینکڑوں پیغمبر دیکھے ہیں (لیکن وہ ابھی تک کافر ہے (حکم خداوندی کے نہ ماننے پر نہ تو خود شرمندہ ہے اور نہ ہی دوسروں کو شرمندہ ہونے دیتا ہے وہ مسلسل اللہ کی نافرمانی کی رو میں بہہ رہا ہے اور دوسروں کو اس رو میں بہائے لئے جا رہا ہے)۔

تیسرا بند

جانم اندر تن ز سوزِ او تپید — بر لبش آہے غم آلودے رسید
گفت و چشم نیم وا بر من گشود — "در عمل جز ما کہ برخوردار بود؟
آنچناں بر کارہا پیچیدہ ام — فرصتِ آدینہ را کم دیدہ ام!
نے مرا افرشتہ نے چاکرے — وحیِ من بے منتِ پیغمبرے!
نے حدیث و نے کتاب آوردہ ام — جانِ شیریں از فقیہاں بردہ ام
رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نہ رشت — کعبہ را کردند آخر خشت خشت!
کیشِ ما را ایں چنیں تاسیس نیست — فرقہ اندر مذہبِ ابلیس نیست!
در گذشتم از سجود اے بے خبر — ساز کردم ارغنونِ خیر و شر
از وجود مرا منکر مگیر — دیدہ بر باطن کشا، ظاہر مگیر
گر بگویم نیست، ایں از ابلہی است — زانکہ بعد از دید نتواں گفت نیست!
من بلیٰ در پردۂ لا گفتہ ام — گفتۂ من خوشتر از ناگفتہ ام!
تا نصیب از دردِ آدم داشتم — قہرِ یار از بہرِ او نگذاشتم!
شعلہ ہا از کشتِ زارِ من دمید — او ز مجبوری بہ مختاری رسید!
زشتیِ خود را نمودم آشکار — با تو دادم ذوقِ ترک و اختیار
تو نجاتے دہ مرا از نارِ من — وا کن اے آدم گرہ از کارِ من!
اے کہ اندر بسترِ من افتادۂ — رخصتِ عصیاں بشیطاں دادۂ
در جہاں با ہمتِ مردانہ زی — غمگسارِ من! ز من بیگانہ زی!
بے نیاز از نیش و نوشِ من گذر — تا نہ گردد نامہ ام تاریک تر!
در جہاں صیاد با نخچیر ہاست — تا تو نخچیری بکشم تیر ہاست!

صاحبِ پرواز را افتاد نیست صید اگر زیرک شود صیاد نیست!"

*

① (زندہ رود کہتا ہے کہ) اس کی یعنی ابلیس کی آگ سے میرے جسم کے اندر میری جان مضطرب ہو گئی + اس کے لب پر ایک غم آلود آہ پہنچی یعنی اس نے ایک ایسی آہ بھری جو کوئی غم کا مارا ہی کھینچتا ہے۔

② اس نے اپنی نیم کھلی آنکھیں مجھ پر کھولیں اور کہا + ہمارے سوا عمل میں کون برخوردار یعنی عمل سے فائدہ اٹھانے والا ہوا ہے۔ یعنی مجھ سے بڑھ کر عمل میں کون ثابت قدم ہے۔ دیکھ میں نے خدا کے حکم کا انکار کیا اور اس پر اب تک نادم نہیں ہوں۔ میں نے خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس کام سے ذرا برابر بھی غفلت نہیں کی۔

③ میں اپنے کام میں اس قدر الجھا ہوا ہوں + کہ میں نے جمعہ کے دن کی فراغت نہیں دیکھی (جمعہ ایک مبارک دن ہے میں اس دن بھی لوگوں کو ہدایت کے راستہ سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں)۔

④ نہ میرا کوئی فرشتہ ہے اور نہ ملازم + میری وحی تو پیغمبر کے احسان کے بغیر ہے مراد ہے کہ اگرچہ مجھ پر کوئی وحی نہیں آئی لیکن اس کے باوجود لوگ میرے پیغام پر عمل پیرا ہیں میرے احکام کو خدا کے احکام سے زیادہ مانتے ہیں اور خوشی سے مانتے ہیں۔

⑤ نہ میں کوئی حدیث (کی کتاب) اور نہ کوئی (آسمانی) کتاب لایا ہوں + (لیکن) میں نے فقیہوں کے اندر سے میٹھی جان نکال لی ہے یعنی ان کو بے روح جسم کی طرح بنا دیا ہے ان کو پیٹ کے دھندے میں لگا دیا ہے بلکہ پیٹ کا بندہ بنا دیا ہے۔ وہ ہر مسئلہ کو ذاتی مفادات اور اغراض کے تحت رکھے ہوئے ہیں۔ علمائے اسلام کو میں نے عمل و فکر سے بے گانہ کر رکھا ہے۔ وہ علمائے حق کی بجائے علمائے سوء بن چکے ہیں۔

⑥ دین کا دھاگا فقیہوں کی طرح کسی نے تانے بانے میں استعمال نہیں کیا + آخر انہوں نے کعبہ کو (اکھاڑ کر) اینٹ اینٹ کر دیا مراد ہے کہ فقیہوں نے جس طرح دین کا تانا بانا بنا ہے اس سے دین ایک کپڑا بننے کی بجائے تار تار ہو گیا ہے۔ علمائے سوء نے دین کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ملت واحدہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

⑦ ہمارے مذہب کی بنیاد اس طرح کی نہیں ہے + ابلیس کے مذہب میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ یعنی اسلام میں یا خدا کے مذہب میں تو کئی فرقے ہیں جو آپس میں دست و گریباں ہیں لیکن شیطان کے پیروکار شیطنت کے کاروبار میں متحد و متفق ہیں یہاں کوئی فرقہ بندی نظر نہیں آتی۔ یہاں صرف ایک فرقہ شیطان کا فرقہ صرف ایک مذہب شیطان کا مذہب ہے۔ جب کہ خدا کے مذہب کے کئی رخ بن چکے ہیں۔

⑧ (اے بے خبر! اے مجھ پر خدا کے حکم کے مطابق آدم کو سجدہ نہ کرنے کا الزام دینے اور اس کی رمز باطنی کو نہ سمجھنے والے) میں نے سجدے سے انکار کیا + (اس طرح) میں نے خیر و شر کے باجے کو نغمہ نکالنے کے قابل بنا دیا مراد یہ ہے کہ تخلیق آدم سے پہلے جو فرشتے تھے وہ تو سراپا خیر تھے اور اگر آدم کو میں نہ بہکاتا تو وہ بھی فرشتوں کی طرح خیر ہی خیر ہوتا۔ میں نے اس کو بہکا کر اس کو شر آشنا کر دیا۔ اب دنیا کی ساری رونق اس شر اور اس شر سے بچنے کی کشمکش میں ہے۔ میں نے تو انکار سجدہ سے آدم پر احسان کیا

ہے۔ اگر میں اسے سجدہ کر بیٹھتا تو یہ آدم فرشتہ کی طرح بے سوز اور بے شر ہوتا جس سے اس کی زندگی اور دنیا کا ماحول ویرانہ بن جاتا۔

⑨ مجھے خدا کے وجود سے انکار کرنے والا نہ سمجھ + میرے باطن پر آنکھ کھول میرا ظاہر نہ دیکھ۔ (میں خدا کے وجود کا کیسے منکر ہو سکتا ہوں میں نے تو اسے روبرو دیکھا ہے۔ اس سے باتیں کی ہیں۔ میرا آدم کو سجدہ کرنے سے انکار خود اس بات پر دلیل ہے کہ میں خدا کے وجود کو تسلیم کرتا ہوں۔ انکار اس کا ہوتا ہے جو موجود ہو جو وجود رکھتا ہو جو موجود ہی نہیں جس کا وجود ہی نہیں اس کا انکار کیا معنی رکھتا ہے وہ تو پہلے ہی نہیں ہے۔ تو میرے ظاہری فعل کو نہ دیکھ میرے باطن میں دیکھ کہ میرے انکار کی کیا مصلحت تھی (یہ مصلحت اگلے شعروں میں ہے)۔

⑩ اگر میں یہ کہوں کہ (خدا) نہیں ہے تو یہ (میری) بے وقوفی ہے + کیونکہ (کسی کو) دیکھنے کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نہیں ہے۔

(11) میں نے نہیں کے پردے میں ہاں کہی ہے۔ یعنی میں نے انکار کے پردے میں اقرار کیا ہے + میرا کہنا میرے نہ کہنے سے بہتر ہے (یہ بہتر اس لئے ہے کہ میں نے انکار آدم اور اولاد آدم کی بہتری کے لئے کیا ہے میں نے انکار کر کے خدا کا غصہ خود پر لے لیا اور آدم کو بچا لیا اور جہاں مجھے مردود قرار دیا گیا اسے کئی قسم کے انعام و اکرام سے نوازا گیا)۔

(12) چونکہ میں آدم کے درد سے حصہ رکھتا ہوں (آدم کی طرح میں بھی درد سے واقف ہوں۔ فرشتوں کی طرح بے درد نہیں ہوں) + میں نے یار یعنی خدا کے قہر کو اس کے لئے یعنی آدم کے لئے نہیں چھوڑا (بلکہ اسے خود پر لے لیا)۔

(13) میری کھیتی سے (انکار اور شر کے) شعلے اگے + جس کے نتیجے میں وہ یعنی آدم مجبوری سے مختاری تک پہنچا (اگر میں انکار سجدہ نہ کرتا تو آدم بھی فرشتوں کی طرح سراپا خیر ہوتا اسے خبر ہی نہ ہوتی کہ خدا سے سرکشی کیا ہے اور وہ فرشتوں کی طرح نیکی کرنے پر مجبور رہتا میں نے اسے نیکی سے ہٹنے اور بدی اپنانے کا اختیار دے دیا اس طرح اس کی زندگی کو سوز و ساز سے آشنا کر دیا)۔

(14) میں نے اپنی بدی کو ظاہر کیا + (اور اس طرح) تمہیں (اے آدم) اختیار اور ترک کا ذوق دیا۔ یعنی میری اس سرکشی نے جو میں نے خدا کے سامنے اختیار کی تجھ میں بھی کسی چیز کو ترک کرنے یا اختیار کرنے کا شعور پیدا کر دیا۔

(15) تو مجھے میری آگ سے نجات دے + اے آدم تو میرے کام کی گرہ کھول (میری مشکل حل کر اور وہ تو اس طرح کر سکتا ہے کہ تو میری اطاعت نہ کر اس طرح مجھے شب و روز جو تجھے گمراہ کرنے کی آگ میں جلنا پڑتا ہے مجھے اس سے سکون حاصل ہو جائے گا)۔

(16) اے کہ تو میرے پھندے میں گرفتار ہے + تو نے ہی شیطان کو یعنی مجھ کو گناہ کی اجازت دے رکھی ہے یعنی تو میرے ہتھے چڑھتا ہے تو میں تجھ سے بدی کرواتا ہوں۔ (بدی تو تو خود کرتا ہے نام میرا بدنام ہو جاتا ہے۔ اپنے اندر میرے مقابلے کے لئے جان پیدا کر میری چالوں میں نہ آ اس طرح خود بھی بچ اور مجھ کو بھی بچا)۔

(17) دنیا کے اندر مردوں کی سی ہمت کے ساتھ جی (یہ نہیں کہ ادھر میں نے دیکھا ادھر تو میرے آگے

گر پڑا) + اے میرے غم میں شریک (میرا غم نہ کھا بدی کر کے میرا مددگار نہ بن) اور مجھ سے بے گانوں کی طرح زندگی بسر کر۔ (میرا پیچھا چھوڑ دے اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ جب میں تجھے برائی پر اکساؤں تو میرا مردانہ وار مقابلہ کر۔ بدی کرنا میری تو سرشت ہے میرا تو یہ فطری کام ہے تیری فطرت تو ایسی نہیں تو تو اس سے بچ سکتا ہے۔

(18) میری شیرینی اور تلخی سے بے نیاز گزر جا + تاکہ میرا نامہ (اعمال) اور زیادہ سیاہ نہ ہو۔

(19) دنیا میں شکاری اس لئے ہیں کہ شکار موجود ہیں + جب تک تو شکار بنا رہے گا میرے ترکش میں تیر رہیں گے (اگر تو شکار نہ بننے کا ارادہ اور ہمت کرنے گا تو میری کیا مجال میں تجھے شکار کر سکوں۔ قصور تیری کم ہمتی کا ہے کہ تو میرا کمینہ شکار بن جاتا ہے۔ عالی ہمتی سے کام لے خود بھی بدی سے بچ اور مجھ کو بھی اس کی زحمت وہی کے فعل سے بچا)۔

(20) جو پرواز جانتا ہو وہ گرتا نہیں + شکار اگر ہوشیار ہو جائے تو شکاری بھی نہیں بیگا (اگر ایک شکاری کو پتہ ہے کہ شکار میری چالوں سے باخبر ہے تو وہ کبھی اس کے شکار کا خیال نہیں کرے گا)۔

چوتھا بند

گفتمش "بگذر ز آئین اق   ابغض الاشیاء عندی الطلاق"

گفت "سازِ زندگی" سوز اق   اے خوشا سرمستیِ روزِ فراق!

بر لبم از وصل می ناید سخن   وصل اگر خواہم نہ او ماند نہ "من"

حرفِ وصل او را ز خود بیگانہ کرد   تازہ شد اندر دلِ او سوز و درد!

اندکے غلطید اندر دودِ خویش   باز گم گردید اندر دودِ خویش!

نالہ زاں دودِ پیچاں شد بلند   اے خنک جانے کہ گردد دردمند!

*

① زندہ رود کہتا ہے کہ یہ باتیں سن کر) میں نے ابلیس سے کہا کہ تو فراق کے دستور کو چھوڑ دے (خدا سے معافی مانگ لے۔ اس سے دوبارہ تعلق اطاعت پیدا کر لے تاکہ تو اس مسلسل تکلیف سے بچ جائے جس کا تو ذکر کر رہا ہے) + (تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ) میرے نزدیک طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے (اس لئے تو خدا سے بے تعلق نہ ہو اس کی معیت پھر سے اختیار کر لے)۔

② اس نے کہا فراق کے سوز ہی میں زندگی کا ساز (لذت / مزہ) ہے + کیا خوب ہے فراق کے دن کی مستی --- (اس میں اس دن کی طرف اشارہ ہے جب ابلیس نے حکم خداوندی کا انکار کیا تھا اور اسے راندۂ درگاہ کر دیا گیا تھا۔ میری زندگی تو اب قائم ہی اس فراق پر ہے اور میرا فراق قائم ہی میری بدی پر ہے۔ اگر میں بدی چھوڑ دوں تو میری انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ میں خود ختم ہو جاؤں گا بلکہ سارا نظام جو میرے انکار کے دن سے شروع ہوا ہے ختم ہو جائے گا)۔

③ • میرے ہونٹوں پر وصل کی (یعنی دوبارہ خدا کے حضور اطاعت گزار بن کر رہنے کی) بات نہیں آتی + (کیونکہ) اگر میں وصل چاہوں تو نہ وہ رہتا ہے اور نہ میں (ہم دونوں کی شناخت اسی خیر و شر کی تمیز سے

ہے کہ خدا سراپا خیر ہے اور میں سراپا شر ہوں۔ اگر یہ تمیز خیر و شر ختم ہو جائے گی تو خدا کو کون جانے گا۔ شناخت اشیا کی اضداد پر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ضد پیدا کی ہے جیسے دن رات‘ گرمی سردی‘ شفا بیماری‘ تلخ شیریں‘ سیاہ سفید‘ اچھائی برائی وغیرہ وغیرہ۔

④ وصل کی بات نے اس کو (ابلیس کو) اپنے آپ سے بے گانہ کر دیا یعنی وہ بے خود ہو گیا + اس کے دل میں درد اور سوز (پھر سے) ابھر آیا (پرانی یادیں تازہ ہو کر اسے بے خود کر گئیں)۔

⑤ وہ کچھ دیر اپنے دھوئیں میں لپٹا + (اور) پھر اپنے اس دھوئیں میں غائب ہو گیا۔

⑥ اس بل کھاتے ہوئے دھوئیں سے ایک نالہ بلند ہوا + کتنی اچھی اور پیاری ہے وہ جان جس میں درد ہے (جس جان میں درد نہیں وہ جان کہلانے کی مستحق نہیں)۔

نالۂ ابلیس

ابلیس کی فریاد

اے خداوند صواب و ناصواب من شدم از صحبت آدم خراب!

ہیچ گہ از حکم من سر برنتافت چشم از خود بست و خود را در نیافت!

خاکش از ذوق ابا بیگانۂ از شرار کبریا بیگانۂ!

صید خود صیاد را گوید بگیر الاماں از بندۂ فرماں پذیر!

از چنیں صیدے مرا آزاد کن طاعت دیروزۂ من یاد کن

پست ازو آں ہمت والائے من وائے من‘ اے وائے من‘ اے وائے من!

فطرت او خام و عزم او ضعیف تاب یک ضربم نیارد ایں حریف

بندۂ صاحب نظر باید مرا یک حریف پختہ تر باید مرا!

لعبت آب و گل از من باز گیر می نیاید کودکی از مرد پیر!

ابن آدم چیست؟ یک مشت خس است مشت خس را یک شرار از من بس است!

اندریں عالم اگر جز خس نبود ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود؟

شیشہ را بگداختن عارے بود سنگ را بگداختن کارے بود!

آنچناں تنگ از فتوحات آمدم پیش تو بہر مکافات آمدم

منکر خود از تو می خواہم بدہ سوے آں مرد خدا راہم بدہ

بندۂ باید کہ پیچد گردنم لرزہ اندازد نگاہش در تنم

آں کہ گوید از حضور من برو آں کہ پیش او نیرزم با دو جو

اے خدا یک زندہ مرد حق پرست لذتے شاید کہ یابم در شکست!

*

① اے نیکی اور بدی کے خالق مالک خدا + میں آدم کی صحبت سے خراب ہو گیا۔

② اس نے کبھی بھی میرے حکم سے سرتابی نہیں کی (میں نے جو کہا اس نے بلا چون وچرا مان لیا) + اس نے اپنے آپ سے آنکھیں بند کرلیں اور خود کو نہ پایا (کہ وہ تو خدا کی احسن تقویم ہے۔ اس کا خلیفہ ہے۔ وہ اس مقام کو بھول کر میرے قدموں میں آگرا۔ اے کاش وہ اپنی معرفت حاصل کرتا! اے کاش اسے معلوم ہوتا کہ وہ تو وہ ہستی ہے جس کو اللہ نے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور میرے انکار سجدہ پر مجھے راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ افسوس آتا ہے آج آدم پر کہ فرشتوں سے اعلیٰ و بالا اور مجھ سے ارفع و والا ہو کر آج خوشی سے میرے قدموں میں گر رہا ہے)۔

③ اس کی مٹی انکار کے ذوق سے بے گانہ ہے (اے میرے خالق میں نے تو انکار کرنے کی جرأت کی اور وہ بھی تیرے حضور اور اسے انکار کی کبھی جرأت نہیں ہوئی اور وہ بھی میرے حضور ——— میرے خالق اس سے میں شرمندہ ہوں لیکن یہ شرمندہ نہیں ہے) + یہ اپنی بڑائی کی چنگاری سے بے گانہ ہے۔ (اسے خبر نہیں رہی کہ وہ فرشتوں سے افضل ہے۔ وہ خلیفتہ اللہ ہے)۔

④ یہ تو وہ شکار ہے جو شکاری کو خود کہتا ہے کہ مجھے شکار کرلے + (اللہ کی) پناہ ایسے (شیطان کے) احکام ماننے والے بندہ سے۔

⑤ (اے خدا) مجھے ایسے شکار سے نجات دلا + میری پرانی طاعت یاد کر (اور اس کے صدقے میں مجھے اس آدم سے نجات دلا جو میرا کمینہ شکاری ہے کوئی اور آدم پیدا کر جو میرا مقابلہ تو کرے)۔

⑥ اس سے میری وہ بلند ہمت پست ہو گئی ہے (جس نے مجھے تیرے آگے بھی سرکش بنا دیا تھا کیونکہ مد مقابل کوئی ہمت والا ہو تو میرے ذوق ہمت کو تسلی ہو۔ یہ تو کوئی ایسا بزدل ہے کہ نگاہ میں بعد میں کرتا ہوں اور وہ میرے قدموں میں پہلے آن گرتا ہے) + افسوس ہے مجھ پر افسوس ہے مجھ پہ۔

⑦ اس کی فطرت خام اور اس کا ارادہ کمزور ہے + یہ مد مقابل میری ایک ضرب کی تاب بھی نہیں لا سکتا۔

⑧ (میرے مد مقابل) میرے لئے کوئی نظر والا بندہ چاہیے (جو نیک و بد کو پہچان سکے) + مجھے ایک زیادہ پختہ مد مقابل چاہیے (میرے لئے اب کوئی اور آدم پیدا کر)۔

⑨ یہ مٹی اور پانی کی گڑیا (نازک اور کمزور مخلوق) مجھ سے واپس لے لے + ایک بوڑھے آدمی سے بچگانہ حرکتیں نہیں ہو سکتیں (مجھے تو کوئی باہمت باعزم "دانا" زیرک اور خود آگاہ آدم چاہیے)۔

⑩ یہ (عہد حاضر کی) اولاد آدم کیا ہے ایک تنکوں کی مٹھی ہے (ادھر میں اس سے بدی کروانے کی ہوائے ارادہ چلاتا ہی ہوں کہ وہ اڑ جاتا ہے ابھی اس ارادہ بدی کا شرر ہی پھینکتا ہوں کہ وہ جل جاتا ہے) + اس خس کی مٹھی کو مجھ سے ایک شرر کافی ہے (اس کو جلانے کے لئے)۔

(11) (اے خدا) اگر جہان میں تنکوں کے سوا (تنکوں کی طرح کے آدمیوں کے سوا) کچھ اور نہ تھا + تو مجھے اتنی زیادہ آگ عطا کرنے کا کیا فائدہ تھا۔ (خس کی طرح کے آدمیوں کے لئے تو میری ایک چنگاری ہی کافی تھی)۔

(12) شیشے کو پگھلانا (آگ کے لئے) شرمندگی کا باعث ہے + پتھر کو پگھلانا اس کے لئے (البتہ) کوئی کام (فخر والا ضرور) ہے۔

(13) میں (آدم پر) اپنی فتوحات سے اتنا تنگ آ چکا ہوں + کہ (اب) تیرے حضور انصاف کے لئے حاضر ہوا ہوں (تو خود فیصلہ کر کہ یہ آدم میرے لائق ہے یا نہیں ہے۔ میرے لائق تو پتھر جیسے مضبوط ارادہ و ہمت والے آدمی چاہئیں تھے نہ کہ شیشے جیسے نازک۔ میری ایک نگاہ کی ضرب سے ٹوٹنے والے)۔

(14) میں تجھ سے ایسے آدمی کی طلب کر رہا ہوں جو میرا منکر ہو (اے خدا مجھے اپنے مدمقابل) ایسا آدمی دے + ایسے خدا کے مرد کی جانب میری راہنمائی کر (جو میرا انکار ہی نہ کرے مجھے پچھاڑ بھی دے)۔

(15) مجھے تو وہ بندہ چاہئے جو میری گردن مروڑ دے + جس کی نگاہ میرے جسم پر لرزہ طاری کر دے۔

(16) وہ جو یہ کہے کہ میرے سامنے سے دور ہو جا (جس طرح کہ تو نے مجھے دور کیا تھا) + وہ کہ جس کے سامنے میری قدر و قیمت دو جو کے برابر بھی نہ ہو۔

(17) اے خدا (میرے مدمقابل) ایک خدا کا حق پرست مرد (لا) + شاید کہ میں (اس سے) شکست کھانے میں لذت محسوس کروں (مجھے مقابلے میں کوئی مزہ آئے)۔

فلک زحل

ارواح رذیلہ کہ با ملک و ملت غداری کردہ و دوزخ ایشاں را قبول نکردہ

(رذیل روحیں جنہوں نے ملک و ملت سے غداری کی اور جن کو دوزخ نے بھی قبول نہیں کیا)۔

پیر رومی آں امام راستاں / آشنائے ہر مقام راستاں
گفت "اے گردوں نورد سخت کوش / دیدۂ آں عالم زنار پوش؟
آنچہ بر گرد کمر پیچیدہ است / از دم استارۂ دزدیدہ است!
از گراں سیری خرام او سکون / ہر نکو از حکم او زشت و زبوں!
پیکر او گرچہ از آب و گل است / بر زمینش پا نہادن مشکل است
صد ہزار افرشتۂ تندر بدست / قہر حق را قاسم از روز الست!
ذرہ بیم زند سیارہ را / از مدارش بر کند سیارہ را
عالمے مطرود و مردود سپہر / صبح او مانند شام از بخل مہر!
منزل ارواح بے یوم النشور / دوزخ از احراق شاں آمد نفور
اندرون او دو طاغوت کہن / روح قومے کشتہ از بہر دو تن!
جعفر از بنگال و صادق از دکن / ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن!
ناقبول و ناامید و نامراد / ملتے از کارشاں اندر فساد!
ملتے کو بند ہر ملت گشاد / ملک و دینش از مقام خود فتاد!
می ندانی خطۂ ہندوستاں / آں عزیز خاطر صاحب دلاں
خطۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز / درمیان خاک و خوں غلطد ہنوز
در گلش تخم غلامی را کہ کشت؟ / ایں ہمہ کردار آں ارواح زشت!

در فضائے نیلگوں یک دم بایست تا مکافاتِ عمل بینی کہ چیست!؟

*

① پیروی وہ راست شعار لوگوں کا امام + جو راست شعار لوگوں کے ہر مقام سے آگاہ ہے۔
② (مجھ سے کہنے لگے) اے آسمانوں کی سیر کرنے والے سخت کوش مسافر + کیا تو نے وہ زنار پوش عالم دیکھا ہے (ایک جہان کی طرف جو ان کے سامنے تھا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ زنار ہندو برہمنوں کا وہ دھاگا ہے جو وہ کمر اور کندھوں کے گرد لپیٹتے ہیں اور جو ان کے کفریا مذہب کی دلیل ہے۔ یہ جہان چونکہ ایسی ارواح کا ٹھکانہ ہے جنہوں نے دین سے غداری کر کے کفر کو ہندوستان پر مسلط کروا دیا تھا اس لئے اس جہان کو رومی نے زنار پوش جہان کہا ہے)۔
③ اس (جہان) نے اپنی کمر کے گرد جو (زنار) لپیٹا ہوا ہے + وہ اس نے ایک ستارے کی دم سے چرایا ہے۔ (یعنی وہ ایک دم دار ستارہ ہے جو جنیویا زنار کی مانند اس کے گرد لپٹا ہوا ہے)۔
④ وہ (سیارہ) اتنا سست رفتار ہے کہ اس کا چلنا اس کا ٹھہرنا ہی دکھائی دیتا ہے یعنی معلوم ہی نہیں ہو رہا کہ وہ چل بھی رہا ہے یا نہیں + ہر نیکی اس کے حکم سے یعنی اس سے نسبت کی وجہ سے برائی اور رذالت ہو جاتی ہے (یہ ایسا منحوس جہان ہے)۔
⑤ اس کا پیکر اگرچہ پانی اور مٹی ہی سے ہے + لیکن اس کی زمین پر پاؤں رکھنا مشکل ہے یعنی وہاں پہنچنا اور قیام کرنا بڑا مشکل ہے۔
⑥ سینکڑوں ہزار فرشتے ہاتھوں میں رعد کے کوڑے لئے + روز الست سے یعنی ابتدائے آفرینش سے وہاں اللہ تعالیٰ کا قہر تقسیم کر رہے ہیں (رعد بادل کی گرج کو کہتے ہیں)۔
⑦ (یہ فرشتے) سیارے پر مسلسل درے مارتے رہتے ہیں۔ (کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ رعد کے کوڑے نہیں مار رہے) + وہ سیارے کو اس کے مدار سے الجیزر رہا ہے۔

⑧ وہ ایک آسمان کا رد کیا ہوا اور ایک صحبت سے نکالا ہوا جہان تھا یعنی فضائے آسمان کا وہ ایک ایسا سیارہ تھا جسے اس کی خرابیوں کی وجہ سے آسمان اپنے حلقے سے نکال بیٹھا تھا + اس کے سورج کے روشنی نہ خرچ کرنے کے سبب اس کی صبح بھی شام کی مانند تھی۔
⑨ یہ جہان ایسی ارواح کی جائے قیام تھا جن کی (قسمت میں) یوم النشور یعنی قیامت بھی نہیں ہے۔ (ان کو قیامت بھی قبول نہیں کر رہی۔ ان کا فیصلہ تو پہلے ہی قیامت دے چکی ہے) + جن کو جلانے سے دوزخ بھی نفرت کر رہی تھی (ان کو دوزخ بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ اس قدر قابل نفرت روحیں تھیں)۔
⑩ ان کے اندر دو پرانے طاغوت (قوم کے باغی) تھے + جنہوں نے اپنے دو بدنوں کی خاطر یعنی مادی منفعت کی خاطر ایک قوم کی روح قتل کر دی تھی (اس قوم کو صرف ایک غیر قوم کا سیاسی غلام ہی نہیں بنایا بلکہ غیر قوم کی ثقافتی، تہذیبی اور مذہبی غلامی میں بھی اس کو جکڑ دیا)۔
(11) (وہ دو شیطان یا قوم کے باغی) بنگال کا جعفر اور دکن کا صادق تھے + جو آدمیت، دین اور وطن کے لئے باعث شرم تھے (اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں بنگال کے نواب سراج الدولہ کے خلاف

اس کی فوج کے سپہ سالار میر جعفر نے اس وقت کے انگریز حاکم کمپنی لارڈ کلائیو سے سازباز کر کے نہ صرف بنگال پر انگریزوں کا حملہ کروایا بلکہ جنگ کے میدان میں غداری کر کے نواب سراج الدولہ کو شکست بھی دلائی۔ اس کے بعد انگریزوں نے میر جعفر کو کٹھ پتلی نواب بنا دیا اور نواب سراج الدولہ کو قتل کر دیا۔ اس طرح برصغیر میں مسلمانوں کی سلطنت ختم کرنے اور انگریزوں کی سلطنت قائم کرنے کی بنیاد رکھ دی۔ یہ واقعہ 1757ء کا ہے میر جعفر کو بھی بعد میں انگریزوں نے محروم حکومت کر دیا)۔

(میر صادق ارکاٹ جنوبی ہند کا باشندہ تھا۔ جب حیدر علی میسور کا نواب تھا تو وہ میسور آیا اور چھوٹے عہدے سے بڑے عہدے پر ترقی کرتا کرتا حیدر علی کے بیٹے ٹیپو سلطان کے عہد میں وزارت کے عہدے پر پہنچ گیا۔ میر جعفر کی طرح اس نے بھی ذاتی مفاد کی خاطر اس کے وقت کے انگریز حاکم سے سازباز کی۔ 1799ء میں جنگ میں غداری کر کے ٹیپو کو مروا دیا اور خود کٹھ پتلی حکمران بن کر انگریزوں کو دکن (جنوبی ہند) پر قابض کرانے کا سبب بن گیا۔ اس طرح صادق اور جعفر کی غداریوں سے انگریز ڈکیت اور لٹیرے شرقی ہند اور جنوبی ہند کے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اس غدار کو بھی بعد میں انگریزوں نے ذلیل و خوار کر کے نکال دیا)۔

(12) یہ دونوں ناقبول' ناامید اور نامراد رہے (نہ ان انگریزوں نے انہیں قبول کیا جن سے مل کر انہوں نے نوابان بنگال و دکن کو شکست دلوائی تھی اور نہ ان کی وہ امیدیں بر آسکیں جن کی خاطر انہوں نے یہ کام کیا تھا۔ وہ ہر طرح نامراد رہے۔ دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی) + ان کی کرتوت کی وجہ سے ایک قوم فساد کی نذر ہو گئی (مسلمانوں کی سلطنت ختم ہو گئی اور انگریز غاصب ملک پر قبضہ کر بیٹھے اس کے بعد انہوں نے مسلمانان ہند کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مہذب قوموں کے لئے قابل شرم ہے)۔

(13) وہ مسلمان ملت جس نے ہر غلام قوم کی غلامی کی زنجیروں کو کھولا تھا + (ان غداروں کی وجہ سے) اپنے دین اور بلند مقام سے گر گئی۔ (انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر کے ارد گرد کے سارے مسلمان علاقوں کو کسی نہ کسی طرح اپنے ماتحت یا اپنے اثر میں کر لیا۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو سیاسی غلامی میں جکڑ لیا بلکہ مذہبی' تہذیبی' ثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی غلام بنا لیا)۔

(14) کیا تو نہیں جانتا کہ ہندوستان کا خطہ + وہ خطہ ہے کہ جو کہ صاحب دل لوگوں کا پیارا خطہ ہے (جہاں اولیا و صلحا نے بسنا اور تبلیغ کرنا پسند کیا ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے کہا ہے کہ مجھے اس طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے)۔

(15) یہ وہ خطہ ہے جس کا ہر جلوہ دنیا کو روشن کرنے والا ہے (علم' ہنر' مذہب' تہذیب' ثقافت' روحانیت' شعر' ادب غرض کہ ہر قسم کے علوم و فنون کا یہ گہوارہ رہا ہے) + اب یہ خطہ خاک و خون میں تڑپ رہا ہے (غیر ملکی انگریز غاصبوں اور لٹیروں نے اس سونے کی چڑیا کو خاکی چڑیا بنا دیا ہے وہ یہاں کی ہر شے لوٹ کر انگلستان لے گئے ہیں اور انہوں نے یہاں کے لوگوں کو نہ صرف بھوکا ننگا کر دیا ہے بلکہ طرح طرح کی نفرتوں کے فسادات میں بھی جتلا کر دیا ہے۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو کے فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے یہاں کے لوگوں کو قتل و غارت کی نذر کر دیا ہے)۔

(16) اس خطے میں غلامی کے بیج کو کس نے بویا (کس نے یہاں کے لوگوں کو سمندر پار کی خنزیری تہذیب اور سگ پرستانہ ثقافت رکھنے والی مسلم دشمن' اخلاق دشمن اور حیا دشمن انگریز قوم کا غلام بنا دیا)

+ یہ سارا گزاران (دو) بری روحوں کا ہے۔

(7) اس کی یعنی اس سیارہ کی نیلی فضا میں (جہاں میر جعفر اور میر صادق کی روحیں ہیں) کچھ عرصہ (اے زندہ رود) رک جا + تاکہ تو خود دیکھ لے کہ ان کے اعمال کی مکافات (بدلہ / سزا) کیا ہے۔

قلزم خونیں

خون کا سمندر

آنچہ دیدم می نگنجد در بیاں ۔۔۔ تن ز سہمش بے خبر گردد ز جاں!
من چہ دیدم؟ قلزمے دیدم ز خوں! ۔۔۔ قلزمے، طوفاں بروں، طوفاں دروں!
در ہوا ماراں چو در قلزم نہنگ ۔۔۔ کفچہ شب گوں بال و پر سیماب رنگ!
موجہا درندہ مانند پلنگ! ۔۔۔ از نہیبش مردہ بر ساحل نہنگ!
بحر ساحل را اماں یک دم نداد ۔۔۔ ہر زماں کہ پارۂ در خوں فتاد
موجِ خوں با موجِ خوں اندر ستیز ۔۔۔ درمیانش زورقے در افت و خیز!
اندراں زورق دو مردِ زرد روے ۔۔۔ زردہ رو، عریاں بدن، آشفتہ موے!

*

① (وہاں) میں نے جو کچھ دیکھا وہ بیان میں نہیں سماتا + اس کے ڈر سے بدن جان سے بے خبر ہو جاتا ہے یعنی آدمی سکتے کے عالم میں آجاتا ہے۔

② میں نے کیا دیکھا ایک سمندر دیکھا خون سے بھرا ہوا + ایسا سمندر جس کے اندر بھی طوفان ہیں اور باہر بھی طوفان ہیں۔

③ اس کی فضا میں سانپ تھے جس طرح کہ سمندر میں مگرمچھ ہوتے ہیں + جن کے پھن رات کی طرح سیاہ اور جن کے بال و پر پارے کی طرح سفید تھے۔

④ اس سمندر کی موجیں چیتوں کی طرح پھاڑ کھانے والی تھیں + اس کے خوف اور دبدبہ سے مگرمچھ اس کے ساحل پر مردہ پڑے تھے۔

⑤ یہ سمندر ساحل کو ایک لمحہ کا آرام نہیں لینے دیتا تھا یعنی وہاں ایک لمحے کے لئے سکون نہ تھا + کیونکہ اس سمندر کے اندر خون میں ہر وقت پہاڑ کی چٹانیں گر رہی تھیں۔

⑥ اس سمندر میں ایک خون کی موج دوسرے خون کی موج سے جنگ کی حالت میں تھی یعنی ان کے اندر بے حد تلاطم تھا + اس کے اندر ایک کشتی تھی جو کبھی ڈوبتی اور کبھی تیرتی تھی۔

⑦ اس کشتی میں دو زرد چہرے والے مرد تھے + زرد رو تو تھے ہی وہ بدن کے ننگے اور بکھرے ہوئے بالوں والے (بھی) تھے۔

آشکارا می شود روح ہندوستان

ہندوستان کی روح ظاہر ہوتی ہے

آسماں شق گشت و حورے پاک زاد پردہ را از چہرۂ خود بر کشاد
در جبینش نار و نورِ لایزال . در دو چشم او سُرورِ لایزال!
حُلّۂ در بر سبک تر از سحاب تار و پودش از رگِ برگِ گلاب
باچنیں خوبی نصیبش طوق و بند بر لبِ او نالہ ہائے دردمند!
گفت رومی "روحِ ہند است ایں نگر از فغانش سوزہا اندر جگر!"

*

① آسمان شق ہو گیا اور ایک پاک زاد (پاکیزہ) حور نے + اپنے چہرے سے پردہ اٹھایا یعنی ظاہر ہوئی۔
② اس کے ماتھے میں نہ ختم ہونے والا نور اور روشنی تھی + (اور) اس کی دو آنکھوں میں نہ ختم ہونے والا سرور تھا۔
③ وہ بادل سے بھی زیادہ ہلکا (لطیف) لباس پہنے ہوئی تھی + اس (لباس) کا تانا بانا گلاب کی پتیوں کے ریشے سے بنا ہوا تھا۔
④ اس خوبی کے باوجود اس کے نصیب میں قید و بند تھی + اس کے ہونٹوں پر (اس حالت کے سبب) دردمند نالے تھے۔
⑤ رومیؒ نے (زندہ رود کو) کہا یہ ہندوستان کی روح ہے اسے دیکھ + (سن اس کی فریادوں کو سن ان فریادوں کو) جن کو سن کر جگر میں سوز کی کئی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔

روح ہندوستان نالہ و فریاد می کند

ہندوستان کی روح نالہ و فریاد کرتی ہے

پہلا بند

شمعِ جاں افسرد در فانوسِ ہند ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند!
مردکے نامحرم از اسرارِ خویش زخمۂ خود کم زند بر تارِ خویش!
بر زمانِ رفتہ می بیند نظر زآتشِ افسردہ می سوزد جگر
بندہا بر دست و پائے من ازوست نالہ ہائے نارسائے من ازوست
خویشتن را از خودی پرداختہ رسوم کہنہ زنداں ساختہ

آدمیت از وجودش دردمند عصرِ نوازِ پاک و ناپاکش نژند

٭

ہندوستان کے فانوس میں جان کی شمع بجھ گئی + (اور خود) ہندوستان والے ہندوستان کی عزت و آبرو سے بے خبر ہیں۔

② ایک چھوٹا آدمی جو اپنے اسرار سے ناواقف ہے + وہ اپنے (ساز کے) تاروں پر اپنی مضراب نہیں لگاتا یعنی وہ آدمی جو اپنی خودی سے نا آشنا ہے وہ اپنی اور اپنے متعلقات کی عزت و ناموس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ ہندوستان کے لوگ غلامی سے اس قدر خوگر ہو گئے ہیں کہ انہیں آزاد ہونے کا خیال تک ہی نہیں آتا۔ انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہے کہ عزت نفس کیا ہوتی ہے۔ آزادی کی نعمت اور غلامی کی ذلت کیا ہوتی ہے (جس زمانے میں جاوید نامہ لکھا گیا ہندوستان پر انگریز حکمران تھے)۔

③ ہندی (خصوصاً ہندوستان کا مسلمان) پرانے زمانے پر نظر رکھے ہوئے ہے (کہ وہ کہتا ہے کہ ہم دور گزشتہ میں ہندوستان کے حاکم تھے اور بہ جہد وا بھی پرانی تہذیب پر اتراتا ہے۔ وہ اپنی موجودہ ناگفتہ بہ حالت پر نظر نہیں دوڑاتا اور مستقبل کو درخشاں کرنے کی نہیں سوچتا) + اسکی (آرزو کی) بجھی ہوئی آگ سے جگر جلتا ہے۔

④ میرے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں اس کی وجہ سے ہیں (میں اگر غلام ہوں تو اس کی بے عملی کی وجہ سے ہوں) + میری وہ فریادیں جن کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اس کے سبب ہیں۔

⑤ اس نے خود کو خودی سے بے گانہ کر رکھا ہے + اس نے پرانی رسوم کا قید خانہ بنا رکھا ہے (وہ پرانی رسوم کا دلدادہ ہے اور نئے زمانے کے نئے تقاضوں سے نا آشنا ہے)۔

⑥ اس کے وجود سے آدمیت دکھ میں ہے + نیا زمانہ اس کی پاکی اور ناپاکی (کے عقیدے کی بنا پر) ذلیل و خوار ہے یعنی اس ترقی یافتہ دور میں بھی ہندوستان کے لوگ ذات پات کی قسم کی غیر انسانی تقسیم رکھتے ہیں جس کی رو سے ایک برہمن لاکھ برائی کے باوجود معزز اور ایک شودر لاکھ اچھائی کے باوجود ذلیل ہے۔ برہمن پاک شودر ناپاک۔ شودر کے برہمن سے چھو جانے کی بات تو الگ ہے اگر شودر کا برہمن پر سایہ بھی پڑ گیا تو برہمن ناپاک ہو گیا اور اس کی سزا کے طور پر برہمن نہیں شودر قابل گرفت ہے۔ نفرت اور انسانی تذلیل کی اس قسم کی رسوم نے جو ہندوؤں میں مروج ہیں عہد حاضر کو شرمسار کر رکھا ہے۔ ہندوؤں کو چھوڑیے ان کی ریس میں ہندوستان کے مسلمان بھی ذات برادری کی اونچ نیچ میں پھنسے ہوئے ہیں ایسی تقسیم شدہ قوم غلام نہ رہے تو کیوں نہ رہے۔ اور ان سے آدمیت شرم سار نہ ہو تو کیوں نہ ہو۔

دوسرا بند

بگذر از فقرے کہ عریانی دہد اے خنک فقرے کہ سلطانی دہد!

الحذر از جبر و ہم از خوئے صبر جابر و مجبور را زہر است جبر!

ایں بہ صبرِ پیہمے خوگر شود آں بہ جبرِ پیہمے خوگر شود

ہر دو را ذوقِ ستم گردد فزوں وردِ من یا لیت قومی یعلمون

٭

① اس فقر سے گزر جو عریانی دیتا ہے + کیا مبارک ہے وہ فقر جو سلطانی عطا کرتا ہے (ہندوؤں کے فقیر جو سادھو، رشی منی وغیرہ کہلاتے ہیں ترک دنیا بھی کئے ہوئے ہیں اور بعض مادر زاد ننگے بھی رہتے ہیں۔ ہندوستان کی روح اس قسم کے فقر کے خلاف واویلا کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ فقر وہ اختیار کرو جو فقیر کو سلطانی کا درجہ دے۔ جو فقر عریانی اور تن آسانی سکھاتا ہے وہ کافرانہ فقر ہے۔ ترک دنیا پر ابھارنے والا فقر ہے غیر انسانی فقر ہے۔ فقر وہ صحیح ہے جو پاک باز، پاک دل، پاک نظر اور حیا آموز ہو جو دنیا سے نفرت نہ سکھائے جو ہر قسم کی احتیاج سے بے نیاز ہو اور تسلیم و رضا کے مقام پر فائز ہو کر شاہوں کا شاہ ہو۔ یہ فقر صرف مسلمان کا فقر ہے لیکن ہندوستان میں ہندی فقر کے زیر اثر اس کی شکل بھی تبدیل ہو گئی ہے)۔

② خدا کی پناہ مانگو یا ڈرو جبر سے اور صبر کی عادت سے + جابر اور مجبور کے لئے جبر زہر ہے (اگر جابر کی بجائے صابر ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صابر اور مجبور کے لئے جبر زہر ہے) یہاں صبر سے وہ صبر مراد نہیں جس کی اللہ تعالیٰ قرآن میں تلقین کرتا ہے اور جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے بلکہ صبر سے مراد بے چارگی ہے۔ اپنی مظلومی اور غلامی کو اپنی مجبوری سمجھتے ہوئے اس کے خلاف کچھ نہ کرنا۔ جبر کا یہ عقیدہ کہ ہم مجبور ہیں اس لئے کیوں اپنے دکھوں کے مداوا کے لئے کوشش کریں خطرناک عقیدہ ہے جو مجبور کو جابر کا ظلم و ستم سہنے پر آمادہ رکھتا ہے۔ اس لئے جبر مجبور اور جابر دونوں کے لئے زہر ہے یا جبر مجبور اور صابر دونوں کے لئے زہر ہے۔

③ یہ یعنی صابر مسلسل صبر کا عادی بن جاتا ہے + اور وہ یعنی مجبور مسلسل جبر (سہنے کا) عادی بن جاتا ہے دونوں میں جابر کا ظلم و ستم برداشت کرنے کی عادت سی پڑ جاتی ہے اور وہ اس صورت حال میں زندگی بسر کرنے کو برا نہیں سمجھتا اور اس میں جابر کے جبر سے نجات حاصل کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ یا معنی ہو سکتے ہیں کہ جابر مسلسل جبر اور ظلم کا عادی بن جاتا ہے اور مجبور و مظلوم اس صورت حال میں زندگی بسر کرنے کو برا نہیں سمجھتا۔

④ ہر دو کے اندر یعنی مجبور اور صابر کے اندر (یا جابر اور مجبور کے اندر اگر لفظ جابر ہے صابر نہیں ہے) ظلم کا ذوق بڑھ جاتا ہے۔ (صابر اور مجبور میں ظلم سہنے کا اور اگر جابر ہو تو جبر کرنے کا) + میری زبان پر نالہ قومی بعملوں کا ورد ہے یعنی اے کاش میری قوم اس نکتہ کو جانتی (اور اپنے غلط تصور صبر سے اور جابر کے جبر سے نجات حاصل کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرتی)۔

تیسرا بند

مرد جعفر، زندہ روح او ہنوز! | کے شب ہندوستاں آید بروز!
آشیاں اندر تنِ دیگر نہد! | تا ز قید یک بدن وا می رہد
گاہ پیشِ دیریاں اندر نیاز | گاہ او را با کلیسا سازباز
عنتری اندر لباسِ حیدری است | دین او آئینِ او سوداگری است
رسم او آئینِ او گرود دگر | تا جہاں رنگ و بو گرود دگر
در زمانِ ما وطن معبودِ او | پیش ازیں چیزے دگر مسجودِ او
باطنش چوں دیریاں زنار بند | ظاہر او از غمِ دیں دردمند
ایں مسلمانے کہن ملت کش است | جعفر اندر ہر بدن ملت کش است

خند خندان است و با کس یار نیست ۔ مار اگر خنداں شود جز مار نیست!
از نفاقش وحدتِ قومے دو نیم ۔ ملتِ او از وجود او لئیم!
ملتے را ہر کجا غارت گرے است ۔ اصلِ او از صادقے یا جعفرے است
الاماں از روحِ جعفر الاماں ۔ الاماں از جعفرانِ ایں زماں!"

*

① ہندوستان کی رات کا دن کیسے آسکتا ہے + میر جعفر تو مر گیا لیکن اس کی روح ابھی تک زندہ ہے (ہندوستان پر انگریز لٹیروں اور غاصبوں کے قبضہ کو مضبوط اور طویل کرنے میں کئی افراد ان کے معاون بنے ہوئے ہیں اور قوم سے غداری کر رہے ہیں)۔

② (میر جعفر کی) روح جب ایک بدن کی قید سے رہا ہوتی ہے + تو وہ ایک دوسرے بدن کے اندر آشیانہ بنالیتی ہے (یعنی یہاں غدار کے بعد غدار پیدا ہو رہے ہیں)۔

③ (میر جعفر کی) روح کبھی کلیسا سے یعنی عیسائی حکمرانوں سے سازباز کرتی ہے + اور کبھی بت کدہ والوں سے نیازمندی کا اظہار کرتی ہے (ہندوؤں سے سازباز کرتی ہے)۔

④ (میر جعفر کی) روح کا دین اور آئین سوداگری ہے (اپنا نفع سوچنا چاہیے کچھ ہو جائے) + اس کا کام حضرت علی کی حیدری کے لباس میں عنتری کرتا ہے (عنتر بن حارث ایک کافر تھا جو طبیب بھی تھا اور جنگ جو بھی۔ وہ جنگ بدر میں حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا تھا) (ہندوستان کی روح یہ کہنا چاہتی ہے کہ یہ غدار لوگ بہ ظاہر مسلمان ہیں لیکن بہ باطن کفر کے لئے کام کرتے ہیں اور انگریزوں، غاصبوں، اور لٹیروں کی ہندوستان پر مضبوط سے مضبوط تر گرفت کرانے میں مددگار ہیں)۔

⑤ جب رنگ و بو کا جہان بدل جاتا ہے + (تو اس تبدیلی کے ساتھ) غدار کا دستور اور رسم بھی بدل جاتی ہے۔ (غدار ابن الوقت ہوتا ہے اپنے فائدے کے لئے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے چاہے ملک و قوم کا کتنا نقصان کیوں نہ ہو جائے)۔

⑥ اس سے پہلے یعنی دور حاضر سے پہلے غدار کا مسجود کوئی اور شے تھی۔ (وہ انگریزوں کی وفاداری کو سجدے کیا کرتا تھا اب جب کہ آزادی ہند کی بات چلی ہوئی ہے تو وہ ہندی قوم خصوصاً مسلمانوں کو ایک اور غلط سمت کی طرف لگا رہا ہے اور وہ غلط سمت ہے وطنیت کی۔ وطن پرستی کی) + ہمارے زمانے میں اس کا معبود وطن ہے (اسلام کے مطابق ملت رنگ، نسل، خون، وطن، زبان، علاقہ کی بنیاد پر نہیں دین کی بنیاد پر بنتی ہے۔ جہاں کہیں بھی ایک دین کو ماننے والے لوگ ہیں وہ ایک ملت ہے۔ لیکن دور حاضر میں خدائے واحد کے دیئے ہوئے اس اصول کو چھوڑ کر لوگوں نے وطن، زبان، رنگ، نسل، خون وغیرہ کو ملت کی بنیاد بنا لیا ہے ہندوستان میں کانگرس کی ہم نوائی میں مسلمان علما نے بھی جن میں دیوبندی فرقہ کے (ایک دو کو چھوڑ کر) سب عالم شامل تھے وطن کو ملت کی بنیاد قرار دے دیا تھا اور کہا تھا ہندوستان میں رہنے والے جملہ مسلمان اور ہندو اور دوسرے مذاہب والے مل کر ایک قوم ہیں کیونکہ وہ ایک ملک میں رہتے ہیں۔ ان علما کے اس نظریہ باطل کو ایک دنیادار حق شناس نے جس کا نام محمد علی جناح تھا چیلنج کیا اور کہا کہ اسلام کی رو سے وطن کو قوم کی بنیاد بنانا صریحاً غلط ہے۔ ہندوستان میں ایک قوم نہیں دو قومیں آباد ہیں ایک مسلمان جن کا اپنا دین ہے اور ایک ہندو (بشمول دوسرے مذاہب والے لوگ) جن کا اپنا دین ہے۔ وہ بت

پرست ہیں ہم موحد ہیں وہ گائے کو پوجتے ہیں ہم گائے کو کھاتے ہیں یہ اور اس طرح کی اور بہت سی دلیلیں دے کر جناح صاحب نے جو بعد میں قائداعظم کہلائے انگریز حاکموں کو قائل کیا اور اس بنیاد پر پاکستان کا الگ اور آزاد ملک حاصل کیا)۔

⑦ (میر جعفر کی روح رکھنے والے اس دور کے ہندوستان کے راہنماؤں کی بات مزید آگے بڑھاتے ہوئے روح ہندوستان واویلا کرتی ہے اور کہتی ہے) ایسے شخص کا ظاہر دین کے غم سے دردمند ہے یعنی وہ بظاہر دین کا غم کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے + لیکن اس کا باطن بت پرست (ہندوؤں) کی طرح جنیو پہنے ہوئے ہے۔ (اندر سے وہ ہندوؤں کے نظریہ وطن پرستی کے قائل ہیں۔ اور ان کی جماعت کانگرس میں شامل ہو کر ان کے نظریہ کو تقویت پہنچا رہے ہیں)۔

⑧ جعفر کسی بدن میں آ جائے وہ ملت کش ہی ہوتا ہے (چاہے وہ اس دور کے قوم پرست' کانگرس نواز اور ہندو دوست دیوبندی' احراری اور کانگرسی علما کے روپ میں کیوں نہ ہو) + یہ قدیم مسلمان ملت کا دشمن ہے (علامہ نے اپنی آخری کتاب ارمغان حجاز میں ایک کانگرس نواز اور ہندو دوست دیوبندی عالم حسین احمد کے متعلق اسی لئے لکھا ہے کہ اس نے مسجد کے منبر پر یہ وعظ کیا ہے کہ ملت وطن سے بنتی ہے وہ مقام محمد عربی (ﷺ) سے کتنا بے خبر ہے)۔

⑨ (یاد رکھو ایک شخص اگر) ہنس رہا ہے (تو اس سے دھوکا نہ کھائیں ہو سکتا ہے کہ وہ دھوکا دینے کے لئے مسکرا رہا ہو) ایسا شخص کسی کا دوست نہیں ہوتا + سانپ اگر ہنسنے لگے تو پھر بھی وہ سانپ کے سوا کچھ نہیں۔ (یاد رکھو غدار بظاہر ملت کا ہمدرد نظر آتا ہے لیکن اندر سے اس کی جڑیں اکھاڑنے والا ہوتا ہے)۔

⑩ اس کے نفاق سے قوم کی وحدت دو ٹکڑے ہو گئی (مسلمانان ہند کا ایک دھڑا مسلم لیگ کے ساتھ اور دوسرا کانگرس کے ساتھ ہو گیا۔ ایک دھڑا کہتا تھا کہ مسلمان اور ہندو مل کر ایک قوم ہے اور دوسرا فریق کہتا تھا ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔ پہلا فریق ہندو اکثریت کے تحت ہندوستان کو متحد رکھ کر ہندوؤں کی بالادستی اور حکمرانی قائم کرنے پر تلا ہوا تھا دوسرا فریق مسلمانوں کو ہندوؤں کی عددی اکثریت کی غلامی سے نکال کر ایک علیحدہ مسلمان ریاست قائم کرنے کے لئے کوشاں تھا) + (اس دور حاضر کے جعفر) کی ملت اس کے وجود سے کم مایہ اور ذلیل ہو گئی۔ (قائداعظم اگر یہ کہتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ان خطوں پر مشتمل ایک آزاد ملک ملنا چاہیے جہاں وہ اکثریت میں ہیں تو مسلمان علما کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ قائداعظم کا مطالبہ مکمل نہیں ہے۔ ہمیں پورا ہندوستان ملنا چاہیے کیونکہ انگریز نے مکاری سے پورا ہندوستان مسلمان حکمرانوں سے لیا تھا اب ہندوستان کو چھوڑتے ہوئے انگریز حاکموں کو پورے ہندوستان کی امانت یہاں کے مسلمانوں کو لوٹانی چاہیے لیکن یہ علما تو یہ کہہ رہے تھے کہ جس مسلم اکثریت والے علاقے کو جناح پاکستان کے نام سے لینا چاہتا ہے وہ بھی ہندو اکثریت ہی کو ملنے چاہئیں۔ اگر ہمارے علما اس وقت دانشمندی سے کام لیتے تو ایک تو ان کا عمل دخل مسلم لیگ میں ہو جاتا اور پاکستان کی سکیم میں شمالی پنجاب' بنگال اور آسام کے مسلم اکثریت والے صوبوں کو انگریز و ہندو کی سازش تقسیم کر کے مسلمان کی جھولی میں کمزور پاکستان نہ ڈال سکتی۔ اور ان علاقوں کے تمام معدنیاتی' نباتاتی' زراعتی' آبی' بندرگاہی' صنعتی اور افرادی وسائل جن کو آج ہندو استعمال کر کے بھارت کو مضبوط سے مضبوط تر کئے جا

رہا ہے مسلمانوں کے قبضے اور عمل داری میں ہوتے۔ ہندوستان کمزور اور پاکستان مضبوط ہوتا۔ ان قوم پرست مخالف پاکستان کانگرسی علما کا جن علمانے ساتھ نہیں دیا ان میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے نام اہم ہیں)۔

(11) جہاں کہیں بھی ملت کو غارت کرنے والا ہے + اس کی اصل صادق اور جعفر ہے۔

(12) جعفر کی روح سے خدا کی پناہ + اس زمانے کے جعفروں سے خدا کی پناہ (اللہ ان سے ملت کو بچائے)۔

فریادِ یکے از زورق نشینانِ قلزمِ خونیں

خون کے سمندر میں کشتی پر سواروں میں سے ایک کی فریاد

پہلا بند

"نے عدم ما را پزیرد نے وجود ۔ وائے از بے مہری بود و نبود!
تا گذشتیم از جہانِ شرق و غرب بر درِ دوزخ شدیم از درد و کرب!
یک شرر بر صادق و جعفر نزد بر سرِ ما مشتِ خاکستر نزد
گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ شعلۂ من زیں دو کافر پاک بہ!

*

① نہ ہمیں عدم قبول کرتا ہے نہ وجود + افسوس ہے بود و نبود کی بے مہری پر (ہمیں دنیا میں بھی غدار و مردود کہا گیا اور یہاں عاقبت میں بھی ہم سے نفرت کی جاتی ہے اور کوئی ہمیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہستی اور نیستی یعنی زندگی اور موت یا فنا و بقا کے عالموں کی ہمارے ساتھ اس بے رغبتی بلکہ نفرت پر ہم افسوس کرتے ہیں۔ ہم غدار نہ ہوتے تو اس حالت کو کیوں پہنچتے)۔

② جب مشرق اور مغرب والے جہان سے گزر گئے یعنی ہم پر موت وارد ہو گئی اور ہم موت کے بعد والے جہان میں آ گئے + اور تکلیف اور اضطراب کے عالم میں ہم دوزخ کے دروازے پر پہنچے (کیونکہ ہمارے اعمال کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔ ہمیں دوزخ ہی میں پہنچنا تھا تو پھر کیا ہوا۔ یہ اگلے شعر میں دیکھئے)۔

③ تو دوزخ نے (ہم) صادق و جعفر پر آگ کی ایک چنگاری تک نہ پھینکی + (آگ تو کیا) ہمارے سر پر راکھ کی مٹھی تک نہ ڈالی (دوزخ بھی ہمارے کارناموں کی وجہ سے ہمارے اس قدر خلاف تھی۔ ہم سے اس قدر نفرت کرتی تھی۔ وہ بھی ہمیں قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی)۔

④ دوزخ کہنے لگی (کہ ان صادقوں اور جعفروں سے تو) دوزخ کو گھاس پھوس اور تنکے بہتر ہیں + میرا شعلہ ان دو کافروں (کو جلانے) سے پاک ہی بہتر ہے۔ (میں خشک گھاس کے تنکوں کو جلا کر خوشی محسوس کروں گی لیکن جعفروں اور صادقوں کو جلا کر خود کو بے آبرو نہیں کروں گی۔ یہ مجھ سے دور ہی رہیں تو بہتر ہے)۔

دوسرا بند

آں سوئے ایں آسماں رفتیم ما — پیش مرگِ ناگہاں رفتیم ما
گفت جاں سِرّے ز اسرارِ من است — حفظ جان و ہم تن کارِ من است
جان زشتے گرچہ نرزد با دو جو — اے کہ از من ہم جہاں خواہی برو!
ایں چنیں کارے نمی آید ز مرگ — جانِ غدارے نیاساید ز مرگ!

*

① ہم تو آسمانوں کے اس پار گئے + ہم ناگہانی موت کے سامنے گئے (یعنی زندہ رود اور رومی تو آسمانوں کے پار جا کر اچانک آنے والی موت سے بھی ملے۔ عام طور پر تو سات آسمان ہی کہے جاتے ہیں لیکن بعض ان کے ساتھ عرش اور کرسی کے دو مزید افلاک کا اضافہ کر کے نو بنا لیتے ہیں۔ مراد یہ ہم عرش و کرسی سے بھی کہیں آگے گئے جہاں موت کا ٹھکانہ ہے موت و حیات چونکہ اللہ کی طرف سے ہے اس لئے اس کا ٹھکانہ ایسے ہی لاہوتی عالم میں ہے۔

② (موت) نے کہا کہ جان میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے + جان کی حفاظت کرنا اور بدن کو ہلاک کرنا میرا کام ہے (یعنی میں بدن سے جان ضرور نکال لیتی ہوں لیکن جان کو ختم نہیں کرتی۔ جسم ضرور مرجاتا ہے لیکن روح اسی طرح زندہ بلکہ پائندہ رہتی ہے)۔

③ بری جان اگرچہ دو جو کے برابر قیمت نہیں رکھتی + اے کہ تو مجھ سے جان کی ہلاکت چاہتا ہے مجھ سے دور ہو جا (میں اے غدارو تمہاری جانوں کو جو کہ انتہائی بدشکل اور ناپاک ہیں نہیں جلاؤں گی۔ تم تو جانوں کو ہلاک کرنے کا مطالبہ اپنی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کر رہے ہو لیکن یاد رکھو یہ ممکن نہیں۔ تم عذاب میں پیہم مبتلا رہو گے)۔

④ موت سے ایسا کام انجام نہیں پاتا + غدار کی جان موت سے آرام نہیں پاتی (اس کا ظاہری جسم تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کا روحانی جسم مسلسل عذاب میں مبتلا رہتا ہے)۔

تیسرا بند

اے ہوائے تند! اے دریائے خوں! — اے زمیں! اے آسمانِ نیلگوں!
اے نجوم! اے ماہتاب! اے آفتاب! — اے قلم! اے لوحِ محفوظ! اے کتاب!
اے بتانِ ابیض! اے لردانِ غرب! — اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب!
ایں جہاں بے ابتدا بے انتہاست! — بندۂ غدار را مولا کجاست؟"

*

① اے تیز ہوا اے خون کے دریا + اے زمین اے نیلے آسمان۔
② اے تارو اے چاند اے سورج + اے قلم اے لوح محفوظ اے کتاب۔

③ اے سفید جو (یعنی) اے مغرب کے لارڈو (امراء اور رؤسا) + اے وہ کہ تم نے ایک جہان کو لڑائی اور فوج کے بغیر (اپنی مکارانہ چالوں کی بنا پر) قبضے میں کر رکھا ہے (میری کچھ مدد کرو)۔

④ یہ جہان بے ابتدا اور بے انتہا ہے یعنی بڑا وسیع و عریض ہے + لیکن (اس جہان میں اس کی وسعت کے باوجو غداروں کا والی یا سرپرست کہاں ہے یعنی غداروں کا کوئی والی نہیں ہے۔ کوئی ان کو اپنے قریب تک لانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

چوتھا بند

ناگہاں آمد صدائے ہولناک — سینۂ صحرا و دریا چاک چاک!
ربطِ اقلیمِ بدن از ہم گسیخت — دمبدم کہ پارہ بر کہ پارہ ریخت
کوہ با مثلِ سحاب اندر مرور — انہدام عالمے بے بانگِ صور!
برق و تندر از تب و تابِ دروں — آشیاں جستند اندر بحرِ خوں!
موجہا پُر شور و از خود رفتہ تر! — غرقِ خوں گردید آں کوہ و کمر!
آنچہ بر پیدا و ناپیدا گذشت — خیلِ انجم دید و بے پروا گذشت!

*

① اچانک ایک ہولناک آواز آئی + جس سے دریا اور صحرا کا سینہ چاک چاک ہو گیا۔

② (اس آواز سے) بدن کی اقلیم کے ربط ٹوٹ گئے یعنی بدن کے جوڑ ڈھیلے ہو گئے + ہر لحہ چٹان پر چٹان گرنے لگی۔

③ پہاڑ بادلوں کی طرح اڑنے لگے + اور صور کی آواز کے بغیر جہان تہ و بالا ہونے لگا (قیامت کے روز تو اسرافیل فرشتے کے صور پھونکنے سے ایسا ہو گا ہی لیکن یہاں تو اس کے بغیر ہی وہی کچھ ہو رہا تھا جو اسرافیل کے صور کی آواز کو کرنا تھا)۔

④ آسمانی بجلی اور کڑک اپنی اندرونی تب و تاب کی وجہ سے + خون کے سمندر میں ٹھکانہ ڈھونڈنے لگی۔

⑤ اس کی موجیں پر شور اور بے قابو تھیں + وہاں کے پہاڑ اور گھاٹیاں خون میں غرق ہو گئیں۔

⑥ وہاں جو کچھ ظاہر میں اور باطن میں گزرا + ستاروں کے لشکر نے دیکھا (لیکن) وہ (ان سب حالات و معاملات سے) بے پروا گزر گیا مراد ہے کہ ان غداروں پر جو کچھ بھی گزر رہی تھی کسی نے بھی اس پر افسوس نہیں کیا۔

آں سوئے افلاک

آسمانوں سے آگے یا اس طرف

مقام حکیم المانوی نطشے

جرمن کے فلاسفر نطشے کا مقام

تعارف نطشے:(اصل تلفظ نیٹشے)(1844ء تا 1900ء)- وہ زندگی کی نفی کی بجائے اس کے اثبات پر یقین رکھتا تھا وہ کہتا تھا کہ ہمیں زندگی کی حفاظت پوری طاقت سے کرنی چاہیے- کمزوری گناہ ہے طاقت پیدا کرنی چاہیے تاکہ غلبہ حاصل رہے- اس نے کہا کہ انسان کو چاہیے کہ طاقت ور بشر پیدا کرے تاکہ مستقبل کا ہر بچہ ہر فرد فوق البشر ہو اس نے اپنے اس نظریہ کو اپنی کتاب "بقول زرتشت" میں بیان کیا ہے اور جرمن قوم کو مسیحیت کے بزدلانہ مسلک اور شوپنہار فلسفی کے فنا کے فلسفہ سے باز رہنے کی تلقین کی ہے اور طاقت پیدا کر کے ہر فرد کو فوق البشر بنانے کی نصیحت کی ہے ایسا فوق البشر جو بدن اور ذہن کی طاقتیں رکھتا ہے نہ کہ ایسا فوق البشر جو روح اور دل کی طاقتوں والا ہو-

پہلا بند

ہر کجا استیزۂ بود و نبود — کس نداند سرّ ایں چرخ کبود!
ہر کجا مرگ آورد پیغامِ زیست — اے خوش آں مردے کہ داند مرگ چیست!
ہر کجا مانندِ باد ارزاں حیات — بے ثبات و با تمنائے ثبات!
چشمِ من صد عالمِ شش روزہ دید — تا حدِ ایں کائنات آمد پدید!
ہر جہاں را ماہ و پروینے دگر — زندگی را رسم و آئینے دگر!
وقت ہر عالم رواں مانندہ رو — دیریاز ایں جا و آں جا تندرو!
سال ما ایں جا مہے آنجا دمے! — بیش ایں عالم بہاں عالم کمے!
عقل ما اندر جہانے ذو فنوں — در جہانے دیگرے خوار و زبوں!

✱

① ہر کہیں ہستی اور نیستی میں جنگ ہے + کوئی شخص اس نیلے آسمان کا بھید نہیں جانتا (کہ موت اور حیات میں یہ جنگ کیوں جاری ہے)-

② موت ہر جگہ زندگی کا پیغام لاتی ہے + مبارک ہے وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ موت کیا ہے (موت ایک نئی زندگی کا وقفہ ہے)-

③ ہوا کی طرح موت ہر کہیں ارزاں ہے + یہ بے ثبات بھی ہے اور ثبات کی تمنا بھی رکھتی ہے۔ یعنی موت اگرچہ فنا ہے لیکن فنا کے بعد کی بقا کا بھی پیش خیمہ ہے۔

④ میری آنکھوں نے سینکڑوں چھ روزہ جہان دیکھے + تا آنکہ اس کائنات کی حد ظاہر ہوئی (میں نے اپنی اس روحانی سیر کے درمیان اپنے جہان کی طرح کے بہت سے جہان دیکھے تا آنکہ یہ نئی کائنات میرے سامنے آئی جو آسمانوں کے اس پار ہے)۔

⑤ ہر جہان کے اپنے چاند اور پروین ستارے ہیں + ہر جہان میں زندگی کی اپنی رسم و راہ ہے۔

⑥ ہر جہان کا وقت دریا کی رشتہ رواں ہے + (جو) اس جہان میں سست رفتار اور اس جہان میں تیز رفتار ہے۔

⑦ ہمارے سال اس جگہ مہینے ہیں اور اتنی جگہ لمحے + اس جہان کا زیادہ دوسرے جہان کا کم ہے (یعنی ہر جہان کے اپنے زمانے' اپنا وقت اور اپنی مقدار ہے)۔

⑧ اس جہان میں اگر ہماری عقل ذوفنوں ہے (یعنی وہ عقل جو ہر قسم کے فنون ظاہر کرنے والی ہے) + تو دوسرے جہان میں وہ ذلیل و خوار ہے (اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس کی رسائی کسی شے تک نہیں ہے)۔

دوسرا بند

بر ثغور ایں جہانِ چون و چند — بود مردے با صدائے دردمند!
دیدۂ او از عقابان تیز تر — طلعتِ او شاہدِ سوزِ جگر!
دمبدم سوزِ درون او فزود — بر لبش بیتے کہ صد بارش سرود!
"نہ جبریلے' نہ فردوسے' نہ حورے' نے خداوندے — کف خاکے کہ می سوزد ز جان آرزومندے!"

*

① اسباب اور مقدار کے اس جہان یعنی ہماری دنیا کی سرحد پر + ایک مرد تھا جو درد بھری صدا بلند کر رہا تھا۔

② اس کی آنکھیں عقابوں سے زیادہ تیز تھیں + اس کا چہرہ اس کے جگر کے سوز کا گواہ تھا۔ (اس کی صورت سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ صاحب سوز ہے)۔

③ اس کے اندر کا سوز لحہ بہ لحہ بڑھ رہا تھا + اس کے ہونٹوں پر ایک شعر تھا جسے وہ سینکڑوں بار پڑھ رہا تھا۔

④ نہ جبریل' نہ فردوس' نہ حور' نہ خداوند + یہ مٹی کی مٹھی یعنی آدمی ہی ہے جو ایک آرزومند جان سے سلگ رہا ہے مراد ہے آرزو کا پیدا ہونا یا آرزو کرنا صرف آدمی کا کام ہے۔ اس کی اس دردمندی میں اس کا کوئی اور شریک نہیں ہے۔

تیسرا بند

من بہ رومی گفتم ایں دیوانہ کیست؟ — گفت "ایں فرزانۂ المانوی است
درمیان ایں دو عالم جائے اوست — نغمۂ دیرینہ اندر نائے اوست!
باز ایں حلاج بے دار و رسن — نوعِ دیگر گفتہ آں حرفِ کہن!
حرفِ او بے باک و افکارش عظیم — غربیاں از تیغِ گفتارش دو نیم!
ہم نشیں بر جذبۂ او پے نبرد — بندۂ مجذوب را مجنوں شمرد!
عاقلاں از عشق و مستی بے نصیب! — نبضِ او دادند در دستِ طبیب!
با پزشکاں چیست غیر از ریو و رنگ — وائے مجذوبے کہ زاد اندر فرنگ!
ابن سینا بر بیاضے دل نہد — رگ زند یا حبِ خواب آور دہد
بود حلاجے بشہرِ خود غریب — جاں ز ملا برد و کشت او را طبیب!

*

① میں نے رومی سے کہا کہ یہ دیوانہ کون ہے + اس نے کہا یہ جرمنی کا حکیم ہے (نطشے ہے جو حکیم دیوانہ کہلاتا ہے یورپ والے اسے دیوانہ کہتے ہیں۔ اقبال نے اسے مجذوب کہا ہے)۔

② اس کا مقام ان دو جہانوں کے درمیان ہے + اس کی بنسری میں وہی پرانا نغمہ ہے (نطشہ حکیم ہے لیکن اس پر مجذوبی یا دیوانگی کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ وہ ان دو حالتوں کے درمیان زندگی بسر کر رہا تھا)۔

③ اس بے دار و رسن حلاج نے (یعنی جسے پھانسی نہیں ملی) دوبارہ + وہی پرانی (انا الحق) کی بات ایک نئے انداز سے کی ہے (بات حلاج کی طرح نطشے بھی انا کی کرتا ہے لیکن اس انا کی جو قلب و روح سے بے گانہ ہو)۔

④ اس کی باتیں بے باک اور اس کے افکار عظیم ہیں + مغرب کے لوگ اس کی باتوں کی تلوار سے دو ٹکڑے ہیں (کیونکہ نطشے نے مغرب والوں کے مروجہ مذہبی اور فکری عقائد پر سخت تنقید کی ہے یہاں تک کہ اس نے عیسائیت' اس کی تہذیب اور اس کی ثقافت پر اپنے افکار کی وہ تلوار چلائی ہے کہ اس کو خون میں لت پت کر دیا ہے)۔

⑤ اس کے ساتھی اس کے جذبہ کو نہ سمجھ سکے + انہوں نے اس مجذوب شخص کو دیوانہ سمجھا (مجذوب وہ ہوتا ہے جس پر جذب کا عالم طاری ہوتا ہے۔ دماغ اس کا ٹھیک ہوتا ہے جب کہ دیوانہ دماغی طور پر خراب ہوتا ہے)۔

⑥ عقل مندوں نے جو عشق و مستی سے بے نصیب (تھے) + اس کی نبض کو طبیبوں کو ہاتھ میں دے دیا۔ (اسے دیوانہ قرار دے کر اس کے علاج معالجے میں مشغول ہو گئے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ زندگی کے آخری حصے میں نطشے پر فالج کا حملہ ہوا تھا جس کی بنا پر اس کے دماغ پر کسی قسم کے اثر ہونے کا لوگوں نے شبہ کیا ہو)۔

⑦ معالجوں کے پاس نمائش اور فریب کے سوا کیا ہے + افسوس ہے اس مجذوب پر جو افرنگیوں میں

پیدا ہوا (فرنگیوں کو کیا علم کہ عالم جذب کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے محرومی فہم کی بنا پر اسے پاگل قرار دے کر معالجوں کے سپرد کر دیا۔ جو خود جذب کی کیفیت سے نا آشنا تھے اس لئے انہوں نے اس کے پاگل پن کا علاج شروع کر دیا)۔

⑧ ایک ابن سینا یعنی بہت بڑے معالج نے نسخہ جات کی بیاض پر توجہ کی یعنی جو کچھ کتابوں میں لکھا ہوتا ہے اس کے مطابق اس کا علاج شروع کیا انہیں کیا خبر تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ وہ تو کتابوں کے غلام تھے + ایسا طبیب یا تو مریض پر عمل جراحی کرکے اس کی فصد کھول دیتا ہے یا پھر نیند لانے والی گولی کھلا دیتا ہے۔ نطشے کے ساتھ اس کے معالجوں نے یہی کچھ کیا اور اس کے جذب کی حقیقت تک نہ پہنچے۔ دیوانگی کا علاج کرتے رہے۔

⑨ وہ ایک علاج تھا جو اپنے شہر میں اجنبی تھا + ملا سے یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں سے تو اس کی جان چھوٹ گئی لیکن اسے طبیبوں نے مار ڈالا۔

چوتھا بند

مردِ رہ دانے نبود اندر فرنگ
پس فزوں شد نغمہ اَش از تارِ چنگ!

راہرو را کس نشاں از رہ نداد
صد خلل در وارداتِ او فتاد!

نقد بود و کس عیار او را نکرد
کاردانے مردِ کار را نکرد!

عاشقے در آہِ خود گم گشتہ
سالکے در راہِ خود گم گشتہ!

مستیِ او ہر زجاجے را شکست
از خدا ببرید و ہم از خود گسست!

خواست تا بیند بچشمِ ظاہری
اختلاطِ قاہری با دلبری!

خواست تا از آب و گل آید بروں
خوشۂ کز کشتِ دل آید بروں!

آنچہ او جوید مقامِ کبریاست
ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست

زندگی شرحِ اشاراتِ خودی است
لا و الا از مقاماتِ خودی است!

او بہ لا درماند و تا الا نرفت
از مقامِ عبدہٗ بیگانہ رفت!

با تجلی ہمکنار و بے خبر
دور تر چوں میوہ از بیخِ شجر

چشمِ او جز رویتِ آدم نخواست
نعرہ بے باکانہ زد آدم کجاست!

ورنہ او از خاکیاں بیزار بود
مثلِ موسیٰ طالبِ دیدار بود!

کاش بودے در زمانِ احمدے
تا رسیدے بر سرورِ سرمدے

عقلِ او با خویشتن در گفتگوست
تو رہِ خود رو کہ راہِ خود نکوست!

پیش نہ گامے کہ آمد آں مقام
کاندرو بے حرف می روید کلام!

*

① فرنگ (یورپ) میں کوئی راہ داں آدمی نہ تھا + (جس کی وجہ سے) اس کا یعنی نطشے کا نغمہ اس کے ساز کے تاروں سے بڑھ گیا مراد یہ ہے کہ اس کے فکر کو حدود میں رکھنے کے لئے اگر کوئی اس کا مرشد ہوتا

تو ضرور وہ دیوانگی کے الزام سے بچ جاتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ منزل تک پہنچنے کے لئے راہنما کا ہونا ضروری ہے۔

② راہرو کو کسی نے (منزل کے صحیح) راستے کا پتہ نہ بتایا + اس لئے اس کی واردات میں سینکڑوں خلل پیدا ہو گئے (اسے کوئی اقبال یا رومی کی طرح کا مرد راہ داں مل جاتا تو نہ صرف یہ کہ وہ دیوانگی کے الزام سے بچ جاتا بلکہ مومن بن جاتا)۔

③ وہ نقدی تھا (سونا تھا) کسی نے اسے کسوٹی پر نہیں لگایا (اس کو نہیں پرکھا) + کسی مرد کار یعنی کامل مرد نے اسے کاروان (بات کو سمجھنے والا) نہ بنایا یعنی نطشے خدا رسیدگی کی صلاحیت تو رکھتا تھا لیکن اسے راہنما کوئی نہ ملا اس لئے وہ ایسے فوق البشر کا قائل ہو گیا جو اقبال کے مرد مومن (فوق البشر) کی ضد ہے۔

④ وہ ایک ایسا عاشق تھا جو اپنی آہ میں گم تھا + وہ ایک ایسا سالک تھا جو اپنے راستہ میں گم ہو گیا تھا (منزل تک نہیں پہنچ سکا تھا)۔

⑤ اس کی مستی نے ہر شیشے کو توڑ دیا + وہ خدا سے بھی بے تعلق ہوا اور اس نے اپنے آپ سے بھی رشتہ توڑ لیا۔ (اگر اس کے جذب کو کوئی سنبھالا دینے والا ہوتا تو وہ اس طرح خود سے اور خدا سے بے گانہ نہ ہو جاتا)۔

⑥ اس نے چاہا کہ وہ ظاہری آنکھوں سے دیکھ لے + دلبری اور قاہری کے اختلاط کو یعنی وہ یہ چاہتا تھا کہ جمال و جلال کی جو صفات خدا میں ہیں وہ انہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھ لے اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ کوئی ایسا آدمی تلاش کر لیتا جو خدا کی ان دو صفات کا مظہر ہوتا لیکن وہ ان صفات کا مشاہدہ کئے بغیر جرمن قوم کو کہتا رہا کہ یہ دو صفتیں قاہری اور دلبری کی اپنے اندر پیدا کر لو تم فوق البشر یعنی تمام بشروں سے اعلیٰ و ارفع بشر بن جاؤ گے وہ ان میں دلبری اور قاہری کی یہ قوتیں جسمانی طور پر پیدا کرنا چاہتا تھا جب کہ بندہ مومن میں یہ صفتیں روحانی طور پر ہوتی ہیں۔ روحانی طور پر ہوں تو جسمانی طور پر خود بخود آ جاتی ہیں۔ اس لئے اقبال کا فوق البشر جو بندہ مومن ہے نطشے کے فوق البشر سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اگر کسی پر فوق البشر کا اطلاق ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔

⑦ نطشے نے چاہا کہ (یہ فوق البشر جو قاہری و دلبری کا اختلاط اپنے اندر رکھتا ہے) مٹی اور پانی سے باہر آئے یعنی جسم آدمی سے باہر آئے وہ جسمانی طور پر ایسا ہو اور عقل و ذہن کے لحاظ سے ان صفات کا حامل ہو + وہ خوشہ جو دل کی کھیتی سے باہر آنا چاہیے نطشے اسے جسم کی کھیتی سے اگانا چاہتا تھا۔

⑧ جس چیز کی وہ تلاش کرتا ہے وہ تو کبریا کا مقام ہے + یہ مقام عقل اور حکمت سے ماورا ہے (اس کے بس کا نہیں)۔

⑨ زندگی خودی کے اشاروں (رمزوں) کی شرح ہے + لا اور الا خودی کے مقامات میں سے ہیں (مرشد جب ہمہ لا الٰہ کی رمز سمجھاتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ ہر شے کی نفی کر دو تاکہ مقام لا حاصل ہو جائے اور پھر الا کہہ کر ایک الٰہ کا اقرار کر لو۔ نفی و اثبات کا یہ سبق سالک کو خدا کے سوا سب سے افضل ہونے کی رمز بتاتا ہے۔ لیکن نطشے لا میں الجھ کر رہ گیا اور وہ الا کہہ کر الٰہ کے مقام کو اور اس کے حوالے سے فوق البشر کے مقام کو نہ پا سکا۔

(10) وہ یعنی نطشے لا میں پھنسا رہا اور الا کے مقام تک نہ گیا + اس لئے وہ عبدہ' کے مقام سے بے گانہ گیا (عبدہ' حضرت محمد مصطفی ﷺ کا جوہر ہے۔ وہ جس کے متعلق حلاج کہہ چکا ہے کہ اگر فاش طور پر کہوں تو حقیقت یہ ہے کہ ھو ہی عبدہ' ہے۔ فلک مشتری میں غالب' حلاج اور زندہ رود کے درمیان جو مکالمے ہوئے ہیں ان میں اس کی مکمل تشریح موجود ہے وہاں سے دیکھئے کہ عبدہ' ھو کیسے ہے۔ فوق البشر کا یہ مقام جو روز ازل سے لے کر آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا اور نہ ہو گا وہ مقام ہے۔ جس سے اگر نطشے آلف ہو جاتا تو بھٹکتا نہ پھرتا۔

(11) وہ یعنی نطشے تجلی اپنے پہلو میں رکھتا ہے لیکن اس سے بے خبر ہے (اگر وہ اس تجلی کو پہچان لے تو خود کو پہچان لے) لیکن وہ تو اس تجلی کا خواہاں ہے جو آدمی کو فکری اور جسمانی طور پر فوق البشر بنا دے) + وہ اپنی تجلی سے۔ اسی طرح دور ہے جس طرح کہ ایک درخت کا پھل اپنی جڑ سے دور ہوتا ہے۔

(12) (اس نے تجلی خدا کے دیدار کی بجائے آدم کی فکری و مادی تجلی دیکھنی چاہی) اس کی آنکھوں نے آدم کی رویت کے سوا کچھ نہ چاہا (وہ صرف آدم کو ہر شے سے فوق دیکھنا چاہتا تھا یہاں تک کہ خدا اور نروان سے بھی) + اس نے بے باکانہ طور پر یہی نعرہ لگایا کہ آدم (یعنی فوق البشر آدم) کہاں ہے۔

(13) ورنہ وہ بھی خاکیوں (آدمیوں) سے بیزار تھا + حضرت موسیٰ (جس طرح تجلی کے طالب تھے) وہ بھی ان کی طرح دیدار کا طالب تھا (فرق یہ تھا کہ موسیٰ خدا کی تجلی چاہتے تھے اور یہ آدمی کی ---- عام آدمی کی نہیں اس سے تو وہ بیزار تھا ایسے آدمی کی جو فوق البشر ہو۔ سب بشروں میں اعلیٰ ذہنی 'فکری' جسمانی وغیرہ صفات کا مالک ہو۔ چاہے روح سے بے خبر ہو۔

(14) اے کاش وہ شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی کے وقت میں ہوتا + تاکہ وہ سرمدی سرور تک پہنچ جاتا (وہ اسے فوق البشر کی منزل حقیقی دکھا دیتے اور اس تک اسے پہنچا دیتے۔ بال جبریل میں علامہ نے اپنے متعلق کہا ہے کہ اگر نطشے میرے عہد میں ہوتا تو میں اسے سمجھاتا کہ مقام کبریائی کیا ہے۔ نطشے آدمی کی فکری' مادی' جسمانی وغیرہ طاقتوں کو بروئے کار لا کر آدمی کو اعلیٰ و ارفع آدمی بنانا چاہتا ہے جب کہ اسلام اس میں صفات الٰہیہ پیدا کر کے اسے اس مقام پر فائز کرتا ہے۔ اور یہی وہ صفات ہیں جن سے آدمی حقیقی معنوں میں فوق البشر بن جاتا ہے۔ اقبال کا مرد کامل' مرد فقیر' مرد مومن اور مرد درویش اس فوق البشر ہی کے نام ہیں وہ فوق البشر جس کے متعلق قرآن کہتا ہے **انتم الاعلون ان کنتم مومنین** کہ اگر تم مومن ہو تو تم ہی ہر ایک سے فوق 'اعلیٰ' اور ارفع ہو۔ تم ہی سپر ہو۔ اور یہ مقام صاحب ایمان ہونے اور صاحب ایمان ہونے کے بعد کسی مرد راہ داں کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ علامہ نے نطشے کے متعلق اسی لئے یہ آرزو کی ہے کہ کاش وہ حضرت مجدد الف ثانی جیسے مرد کامل کے زمانے میں ہوتا اور ان کی صحبت اختیار کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ مرد فوق یا فوق البشر کون ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔

(15) نطشے کی عقل اپنے آپ سے گفتگو میں مصروف ہے (اے زندہ رود تو نطشے کو اس مقام اور اسی حالت میں چھوڑ کر) + اپنا راستہ چل کہ تیرا ہی راستہ اچھا ہے یعنی جس سفر پر تو نکلا ہے اس کے لئے آگے بڑھ۔

(16) قدم آگے رکھ اب وہ مقام آگیا ہے + جہاں بغیر الفاظ کے باتیں ہوتی ہیں۔ (یہ مقام عالم لاہوت

کے متعلق کیا بیان کروں جو قیاس میں بھی نہیں آتا۔

تیسرا بند

اندراں عالم جہانے دیگرے — اصلِ او از کن نے دیگرے!
لازوال و ہر زماں نوع دگر — نایدِ اندر وہم و آید در نظر!
ہر زماں او را کمالے دیگرے — ہر زماں او را جمالے دیگرے!
روزگارش بے نیاز از ماہ و مہر — گنجد اندر ساحتِ او نہ سپہر!
ہر چہ در غیب است آید روبرو — پیش ازاں کز دل برویدِ آرزو!
در زبانِ خود چساں گویم کہ چیست — ایں جہاں نور و حضور و زندگی ست
لالہ ہا آسودہ در کہسار ہا — نہر ہا گردندہ در گلزار ہا!
غنچہ ہاے سرخ و اسپید و کبود — از دمِ قدوسیاں او را کشود!
آب ہا سیمیں، ہوا ہا عنبریں — قصر ہا با قبہ ہاے زمردیں!
خیمہ ہا یاقوت گوں زریں طناب — شاہداں با طلعتِ آئینہ تاب!
گفت رومی "اے گرفتارِ قیاس — در گذر از اعتباراتِ حواس
از تجلی کارہاے خوب و زشت — می شود آں دوزخ ایں گردد بہشت!
ایں کہ بینی قصرہاے رنگ رنگ — اصلش از اعمال و نے از خشت و سنگ!
آنچہ خوانی کوثر و غلمان و حور — جلوۂ ایں عالمِ جذب و سرور!
زندگی ایں جا ز دیدار است و بس — ذوقِ دیدار است و گفتار است و بس"!

*

① اس جہان کا ایک اور ہی عالم ہے + اس کی اصل ایک اور کن فکاں سے ہے (اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات کے متعلق خود فرماتا ہے کہ میں نے کن (ہو جا) کہا فیکون کے (وہ ہو گئی) اس زماں و مکاں والے جہان کو عالم کن فکاں اسی لئے کہتے ہیں لیکن دل کا عالم کن فیکون کے عمل سے نہیں ہوا اس کا انداز تخلیق کچھ اور ہے۔

② یہ لازوال ہے اور ہر لحہ ایک نئی قسم میں (جلوہ گر) ہے + یہ وہم میں نہیں آتا (اور) نظر میں آتا ہے یعنی صرف احساسات کی نظر اسے دیکھ سکتی ہے کیونکہ یہ عقل سے ماورا مگر عشق کی گرفت میں ہے۔

③ ہر گھڑی اس کا ایک نیا ہی کمال ہے + ہر گھڑی اس کا ایک نیا ہی جمال ہے۔

④ اس کے دن رات سورج اور چاند سے بے نیاز ہیں + اس کے ایک گوشے میں نو آسمان سا سکتے ہیں (سات آسمان مشہور ہیں بعض ان میں عرش اور کرسی کا اضافہ کر کے نو بنا لیتے ہیں)۔

⑤ (یہاں) جو کچھ غیب میں ہے وہ سامنے آجاتا ہے + پیشتر اس کے کہ دل اس کی آرزو کرے۔

⑥ میں اپنی زبان میں کیسے کہوں کہ (یہ جہان) کیا ہے + یہ جہان جو نور، حضور اور زندگی ہے (جہاں ظلمت بالکل نہیں ہے یہاں عقل، فہم، ادراک وغیرہ عاجز ہیں)۔

⑦ اس کے پہاڑی سلسلوں میں لالے کے پھول آسودہ ہیں یعنی موجود ہیں یا کھلے ہوئے ہیں + اس کے باغوں کے اندر نہریں رواں ہیں۔

⑧ (یہاں) سرخ' سفید اور نیلے غنچے (ہیں) + جو فرشتوں کے دم سے کھلے ہیں۔

⑨ اس کے پانی سفید (اور) اس کی ہوائیں عنبر (کی خوشبو لئے ہوئے ہیں) + اس کے محل اور اس کے گنبد زمرد کے ہیں۔

⑩ اس کے خیمے یاقوت کے رنگ کے (اور) طنابیں (رسیاں) سونے کی ہیں + (ان خیموں میں) آئینوں کی سی روشنی رکھنے والے حسین ہیں یا آئینوں کو روشن کر دینے والے حسین ہیں۔

(11) رومیؒ نے (زندہ رود سے) کہا اے قیاس میں گرفتار + تو حواس کے اعتبارات سے گزر جا یعنی جن چیزوں کا اوپر ذکر ہوا ہے ان کا تعلق مادہ سے نہیں ہے اس لئے ان کو قیاس کی گرفت یا محسوسات کے اندر نہیں لایا جا سکتا۔

(12) اچھے اور برے اعمال (کا تعلق خداوند کریم کی) تجلی سے (ہے) + (اس تجلی کی وجہ سے) وہ یعنی اعمال بدُ دوزخ اور یہ یعنی اعمال صالح بہشت بن جاتے ہیں۔

(13) یہ جو تو رنگ رنگ کے محل دیکھتا ہے + اس کی اصل اعمال سے ہے نہ کہ اینٹ اور پتھر سے (دنیا میں کئے گئے صالح اعمال یہاں عالم بالا میں محل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں)۔

(14) جن کو تو کوثر' غلمان اور حور کہتا ہے + وہ اس عالم جذب و سرور کے جلوے ہیں۔

(15) یہاں زندگی دیدار سے ہے اور بس + یہاں دیدار کا ذوق ہے اس کے متعلق باتیں ہیں اور بس مراد ہے اس عالم لاہوت کی اشیا کو دنیا کی مادی اشیا پر قیاس مت کرو۔ یہاں زندگی سانسوں کے آنے جانے کا نام نہیں ہے بلکہ محض دیدار کا نام ہے اور اس کے متعلق گفتار کا نام ہے۔ یہاں کی اشیا چونکہ اشیائے دنیا کی طرح مادی نہیں ہیں اس لئے ان کا استعمال بھی مادی نہیں ہے بلکہ احساساتی اور کیفیاتی ہے۔

قصر شرف النسا

شرف النسا کا محل

تعارف شرف النسا: مغلیہ دور کے پنجاب کے صوبیدار نواب عبد الصمد خان کی بیٹی اور نواب زکریا خان کی بہن تھی۔ اس کو قرآن اور تلوار سے محبت تھی۔ جب وہ قرآن پڑھتی تو تلوار ساتھ رکھتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ قرآن کے بغیر تلوار چنگیزی تلوار بن جاتی ہے اور تلوار کے بغیر قرآن کا آئین نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی اسے ساری عمر تلاوت قرآن کا ذوق و شوق رہا۔ مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی کہ مجھے اتنے اونچے چبوترے پر دفن کیا جائے کہ اگر کوئی ہاتھی یا اونٹ پر سوار بھی گزرے تو اس کا سایہ مجھ پر نہ پڑے۔ جب میں نے زندگی بھر کسی نامحرم کو نہیں دیکھا تو میرے مرنے کے بعد اس کا سایہ بھی مجھ پر کیوں پڑے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اسے ایک بلند چبوترے پر دفن کیا گیا

اور اس کی دوسری وصیت کے مطابق اس تلوار اور قرآن کو بھی جس سے عمر بھر اس کا تعلق رہا اس کی قبر کے سرہانے دفن کر دیا گیا۔ 1840ء کے قریب تک یہ اشیا اس کی قبر کے سرہانے دفن رہیں اس وقت پنجاب پر سکھوں کی حکمرانی تھی۔ ان میں سے کسی ایک نے اس افواہ پر کہ یہاں کوئی دفینہ ہے قبر کے سرہانے سے قرآن اور شمشیر کو نکال لیا۔ دفینہ بھی نہ ملا اور یہ دو چیزیں بھی اپنی جگہ نہ رہیں۔ شرف النسا کے مقبرے کے ارد گرد چونکہ سرو بنا دیئے گئے تھے اس لئے لوگ اسے سرو والا مقبرہ بھی کہتے تھے۔ یہ مقبرہ شالیمار باغ لاہور والے مغلوں کے قبرستان میں اب بھی موجود ہے۔

پہلا بند

گفتم ایں کاشانہ از لعل ناب   آنکہ می گیرد خراج از آفتاب!
ایں مقام، ایں منزل، ایں کاخ بلند   حوریاں بر درگہش احرام بند!
اے تو وادی سالکاں را جستجوے   صاحب او کیست؟ با من بازگوے
گفت "ایں کاشانۂ شرف النسا ست   مرغ بامش با ملائک ہم نوا ست!
قلزم ما ایں چنیں گوہر نزاد   ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد!
خاکِ لاہور از مزارش آسماں   کس نداند راز او را در جہاں!
آں سراپا ذوق و شوق و درد و داغ   حاکم پنجاب را چشم و چراغ
آں فروغ دودۂ عبدالصمد   فقر او نقشے کہ ماند تا ابد!
تا ز قرآں پاک می سوزد وجود   از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغ دو رو قرآں بدست   تن بدن ہوش و حواس اللہ مست!
خلوت و شمشیر و قرآن و نماز   اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز!
بر لب او چوں دم آخر رسید   سوے مادر دید و مشتاقانہ دید!
گفت اگر از رازِ من داری خبر   سوے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند   کائناتِ زندگی را محور اند!
اندریں عالم کہ میرد ہر نفس   دخترت را ایں دو محرم بود و بس!
وقتِ رخصت با تو دارم ایں سخن   تیغ و قرآں را جدا از من مکن
دل بآں حرفے کہ می گویم بنہ   قبرِ من بے گنبد و قندیل بہ!
مومناں را تیغ با قرآں بس است   تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است!

*

① میں نے کہا یہ خالص لعل کا بنا ہوا گھر ہے + جو کہ آفتاب سے خراج لیتا ہے (سورج بھی اس کے سامنے بے رونق ہے)۔

② یہ مقام 'یہ منزل' یہ بلند محل' + (جس کے) دروازے پر حوریں احرام بند کھڑی ہیں (اس طرح ادب و احترام سے کھڑی ہیں جس طرح کعبے کے سامنے حاجی احرام باندھے کھڑا ہوتا ہے)۔

③ اے (رومی) کہ تو نے راہ حق پر چلنے والوں کو جستجو (کی نعمت) عطا کی ہے + اس محل کا مالک کون ہے مجھ سے کہہ۔

④ اس نے کہا یہ شرف النسا کا گھر ہے + اس کی چھت کا پرندہ فرشتوں سے کلام کرتا ہے (بہت پاک و بلند محل ہے)۔

⑤ ہمارے سمندر نے اس قسم کا موتی پیدا نہیں کیا (ہند کے مسلمانوں میں اس قسم کی پاکیزہ لڑکی پیدا نہیں ہوئی) + کسی ماں نے ایسی بیٹی نہیں جنی۔

⑥ اس کے مزار کی وجہ سے لاہور کی زمین آسمان ہے (شہر کو بلند مرتبہ ملا ہے) + اس کے راز کو جہان میں کوئی نہیں جانتا (اس دختر نیک کے مقام بلند کو کوئی نہیں جانتا)۔

⑦ وہ سراپا ذوق و شوق اور درد و داغ (تھی) + وہ پنجاب کے حاکم (عبدالصمد) کی چشم و چراغ یعنی بیٹی تھی۔

⑧ وہ (پنجاب کے گورنر) عبدالصمد کے خاندان کا فروغ (رونق/وقار) تھی + اس کا فقر ایک ایسا نقش تھا جو ابد تک رہے گا۔

⑨ تاکہ قرآن (کے فیض سے) اس کا وجود مکمل طور پر سوز (حاصل کر لے) + وہ (قرآن کی) تلاوت سے ایک لمحہ فارغ نہیں رہتی تھی۔

⑩ اس کی کمر میں دودھاری تلوار (اور) اس کے ہاتھ میں قرآن تھا + اس کا جسم (اور) اس کے ہوش و حواس اللہ (کی یاد میں) مست تھے۔

(11) تنہائی، تلوار، قرآن اور نماز (یہ اشیا اس کی شب و روز کی ساتھی تھیں) + کیسی اچھی ہے وہ زندگی جو (خدا کے حضور اس طرح) نیازمندی میں گزر جائے۔

(12) اس کے ہونٹوں پر جب آخری دم پہنچا + اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور مشتاقانہ انداز سے دیکھا۔

(13) کہنے لگی اگر تو میرے راز سے خبر رکھتی ہے + (تو) اس تلوار اور اس قرآن کی طرف دیکھ (جو میری زندگی کا سرمایہ رہا ہے)۔

(14) یہ دو طاقتیں ایک دوسرے کی حفاظت کرنے والی ہیں + (اور) زندگی کی کائنات کا محور ہیں یعنی زندگی ان دو کے گرد ہی گھومتی ہے قرآن نافذ کرنے کے لئے طاقت اور طاقت کے صحیح استعمال کے لئے قرآن کی ضرورت ہے۔

(15) اس دنیا میں کہ وہ لحظہ بہ لحظہ مر رہی تھی ہے + تیری بیٹی کے لئے یہی دو (چیزیں) محرم تھیں۔ (ورنہ تو تو میرے اس راز سے خبر رکھتی ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی نامحرم کو نہیں دیکھا)۔

(16) (آخرت کے لئے) رخصت کے وقت میں تجھ سے یہ بات کہتی ہوں + تیغ اور قرآن کو مجھ سے جدا نہ کرنا۔

(17) میں جو بات کہہ رہی ہوں اس پر دل سے غور کر یا توجہ دے + میری قبر گنبد اور قندیل کے بغیر اچھی ہے۔

(18) مومنوں کے لئے (دنیا و آخرت میں) تیغ اور قرآن کافی ہے + میری قبر کے لئے یہی سامان کافی

ہے (اسے میرے ساتھ دفن کر دینا سرہانے میرے)۔

دوسرا بند

عمر ہا در زیرِ ایں زریں قباب ① بر مزارش بود شمشیر و کتاب
مرقدش اندر جہانِ بے ثبات ② اہلِ حق را داد پیغامِ حیات!
تا مسلماں کرد با خود آنچہ کرد ③ گردشِ دوراں بساطش در نورد
مردِ حق از غیرِ حق اندیشہ کرد ④ شیرِ مولا روبہی را پیشہ کرد!
از دلش تاب و تبِ سیماب رفت ⑤ خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت!
خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد ⑥ اندراں کشور مسلمانی بمرد"

① اس سنہری گنبد کے نیچے اس کے یعنی قبر شرف النسا میں برسوں قرآن اور تلوار

② اس جہان فانی میں اس کی قبر نے + اہل حق کو زندگی کا پیغام دیا (آپنی مثال قائم کر کے مسلمانوں کو زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھایا)۔

③ تا آنکہ مسلمان نے اپنے آپ سے کیا جو کچھ کیا یعنی ہندوستان کے مسلمان نے اس کی زندگی کو نمونہ بنانے یا اس سے سبق حاصل کرنے کی بجائے قرآن اور تلوار سے بے گانگی اختیار کر لی اور اس کے نتیجے میں ذلت و رسوائی کی گھاٹیوں میں جا گرا + زمانے کی گردش نے اس کی (حاکمیت اور عروج کی) بساط لپیٹ دی (کل کا حکمران آج کا غلام بن گیا)۔

④ مرد حق (جو صرف خدا سے ڈرتا تھا) غیر حق سے ڈرنے لگا + اللہ کے شیر نے لومڑی کا پیشہ اختیار کر لیا (بہادری کو چھوڑ کر بزدل ہو گیا)۔

⑤ اس کے دل سے (عشق کی) پارے کی طرح کی تڑپ چلی گئی + تو اے (زندہ رود) خود جانتا ہے جو کچھ پنجاب پر (مسلمانوں کے قرآن و تلوار کو چھوڑنے کی وجہ سے) گزری (سکھوں نے 1801 سے لے کر 1846 تک کی پنجاب پر اپنی حکمرانی کے دور میں مسلمانوں کی جو درگت بنائی وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔

⑥ (مسلمانوں کی اس ذلت اور خواری کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان قرآن اور تلوار کو چھوڑ گئے) سکھوں نے وہ قرآن اور وہ تلوار (دونوں چیزیں جو مقبرہ شرف النسا میں دفن تھیں) نکال لیں اور اپنے ساتھ لے گئے + جس کے نتیجے میں یعنی مسلمانوں کے قرآن و تلوار سے بے رغبتی کی بنا پر اس ولایت میں مسلمانی مر گئی۔ یعنی جب سے مسلمانوں نے قرآن کی راہبری میں اپنی ہر قسم کی طاقت کو بروئے کار لانے کی بجائے اس کے برعکس عمل کیا تو حکمرانی ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی و ملا طاہر غنی کشمیری

تعارف امیر کبیر سید علی ہمدانی: سید علی ہمدانی 714ھ میں ایران کے شہر ہمدان میں پیدا ہوئے۔ مروجہ علوم حاصل کرنے کے بعد آپ کشمیر کے سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں 774ھ کے قریب بہت سے درویشوں کے ساتھ کشمیر (ہندوپاک) میں تبلیغ اسلام کے لئے آئے۔ بادشاہ وقت نے بہت قدر افزائی کی۔ شہاب الدین کے بعد بادشاہ قطب الدین نے بھی سر آنکھوں پر بٹھایا۔ 786ھ میں ترکستان کے سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں وفات پائی اور ختلان نامی ایک قصبہ میں دفن ہوئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کشمیر میں اسلام اور مسلمانی ان کی وجہ سے پھیلی۔

تعارف غنی کاشمیری: محمد طاہر نام غنی تخلص' باشندہ کشمیر' گیارھویں صدی ہجری کے معروف فارسی شاعر تھے۔ بڑے' خوددار' قناعت پسند اور درویش طبع تھے سلطان عالم گیر نے جب ان کی شہرت سنی تو انہیں گورنر کشمیر کے ذریعے بلوایا لیکن غنی نے معذرت کرلی جو ان کی بے نیازی کی دلیل ہے تقریباً چالیس سال کی عمر میں فوت ہوگئے۔ مزار ان کا سری نگر (کشمیر) میں ہے۔ ان کے زمانے کے بڑے بڑے شاعروں نے ان کی شاعری کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔

پہلا بند

حرفِ رومی در دلم سوزے فگند ۔۔۔ آہ پنجاب! آں زمینِ ارجمند!
از تبِ یاراں تپیدم در بہشت ۔۔۔ کہنہ غمہا را خریدم در بہشت!
تا دراں گلشن صدائے دردمند ۔۔۔ از کنارِ حوضِ کوثر شد بلند!
"جمع کردم مشتِ خاشاکے کہ سوزم خویش را ۔۔۔ گل گماں دارد کہ بندم آشیاں در گلستاں"
(غنی)

*

① رومیؒ کی باتوں نے میرے دل میں سوز پیدا کردیا + آہ پنجاب وہ مبارک زمین۔
② میں بہشت میں یاروں کی (یاد) کی گرمی میں خوب تڑپا + (اس طرح) میں نے بہشت میں (اچھے ہوئے) پرانے غموں کو خرید لیا (تازہ کرلیا)۔
③ تا آنکہ اس گلشن میں ایک دردمند آواز + حوض کوثر کے کنارے سے بلند ہوئی۔
④ آواز یہ تھی کہ میں نے تنکوں کی مٹھی جمع کی کہ خود کو جلا ڈالوں + پھول یہ گمان کر رہا ہے کہ میں گلستاں میں (ان تنکوں سے) گھونسلہ بنا رہا ہوں (یہ شعر ملا طاہر غنی کا ہے جو کہ وہ خود ہی الاپ رہے تھے)۔

دوسرا بند

گفت رومی "آنچہ می آید نگر — دل مدہ با آنچہ بگذشت اے پسر!
شاعرِ رنگیں نوا طاہر غنی — فقرِ او باطن غنی، ظاہر غنی!
نغمۂ می خواند آں مستِ مدام — در حضورِ سیدِ والا مقام
سیدِ الساداتؑ سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیرِ امم!
تا غزالی درسِ اللہ ھو گرفت — ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت!
مرشدِ آں کشورِ مینو نظیر — میر و درویش و سلاطیں را مشیر!
خطہ را آں شاہِ دریا آستیں — داد علم و صنعت و تہذیب و دیں
آفرید آں مردِ ایرانِ صغیر — با ہنرہائے غریب و دلپذیر
یک نگاہِ او کشاید صد گرہ — خیز و تیرش را بدل راہے بدہ"

*

① رومی (زندہ رود کو) کہنے لگے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے (اس سے دل لگا اس پر غور کر) + اے بیٹے جو کچھ گزر چکا ہے اس پر دل نہ لگا۔

② (یہ) رنگین نوا شاعر طاہر غنی + جس کا فقر ظاہر میں (بھی) غنی (ہے) اور باطن میں (بھی) غنی (ہے) یعنی وہ ظاہر اور باطن دونوں اعتبارات سے بے نیاز ہے۔ وہ اسم با مسمّٰی ہے۔

③ وہ ہمیشہ مست رہنے والا (طاہر غنی) نغمہ الاپ رہا تھا + سید والا مقام کے حضور (یعنی سید علی ہمدانی کی محبت میں) ــــ طاہر کی مستی شراب الست سے تھی۔

④ (وہ ہمدانی) جو عجمیوں کے سالار اور سادات کے سردار (ہیں) + ان کا ہاتھ امتوں کی تقدیر کا معمار (ہے) (وہ کہ جن کی تبلیغ سے کشمیریوں کی قسمت بدل گئی اور وہ کفر سے اسلام کی طرف آ گئے)۔

⑤ جب امام غزالی نے اللہ ھو کا سبق لیا یعنی وہ علم ظاہر و باطن میں اللہ والے ہو گئے + (تو یہ اس لئے ہوا کہ) انہوں نے ذکر و فکر (کی تعلیم) ان کے خاندان (کے بزرگوں) سے لی (یعنی ہمدانی کے بزرگوں سے فیض حاصل کیا)۔

⑥ وہ جنت کی مثل مملکت (کشمیر) کے مرشد تھے + وہ امیروں، درویشوں اور سلاطین کو (علم و عشق یا ذکر و فکر) میں مشورہ دینے والے تھے مراد ہے ان طبقات کے لوگ آپ کے مرید تھے اور آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔

⑦ اس دریا کی آستیں والے یعنی نہایت سخی اور فیاض (ہمدانی) نے اس (کشمیر کے) خطہ کو + علم، صنعت، تہذیب اور دین عطا کیا (کہتے ہیں کہ شاہ صاحب اپنے ساتھ ایران سے صنعت کار بھی لائے تھے جنہوں نے کشمیریوں کو نقاشی، خطاطی، قالین سازی، پارچہ بافی وغیرہ کا ہنر سکھایا تھا۔ دین اسلام پھیلانے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے مقامی لوگوں کو کافرانہ اور مشرکانہ تہذیب و ثقافت سے نکال کر اسلامی تہذیب و ثقافت سے آشنا کیا تھا۔ جگہ جگہ علوم اسلامی کی درسگاہیں قائم کی تھیں۔ عربی زبان کو رواج دیا تھا۔

⑧ اس (حق کے) مرد نے (برصغیر میں) ایک چھوٹا ایران بنا دیا + نادر اور دل پذیر ہنر (وہاں کے لوگوں کو) سکھا کر۔

⑨ اس کی ایک نگاہ سو گرہیں کھولتی ہے (سو مشکلات حل ہوتی ہیں) + اٹھ اور اس کے تیر کو دل میں راہ دے (اس کی صحبت میں جا اور فیض حاصل کر۔ چنانچہ زندہ رود اس کی طرف جاتا ہے)۔

در حضور شاہ ہمداں
(شاہ ہمدان کے حضور میں)
زندہ رود

از تو خواہم سرِّ یزداں را کلید ۔۔۔ طاعت از ما جست و شیطاں آفرید
زشت و ناخوش را چناں آراستن! ۔۔۔ در عمل از ما نکوئی خواستن!
از تو پرسم ایں فسوں سازی کہ چہ! ۔۔۔ با قمارِ بدنشیں بازی کہ چہ!
مشتِ خاک و ایں سپہرِ گرد گرد ۔۔۔ خود بگو می زیبدش کارے کہ کرد؟
کارِ ما افکارِ ما آزارِ ما ۔۔۔ دست با دنداں گزیدن کارِ ما!

*

① (اے شاہ ہمدان) میں آپ سے خدا کے (ایک) بھید کی کنجی چاہتا ہوں یعنی اس بات کا حل چاہتا ہوں کہ + خدا نے شیطان کو پیدا کیا (اور اتنی بڑی اپنی مخالف قوت کو تخلیق کر کے) ہم سے اپنی اطاعت چاہی (یہ کتنی عقل سے بعید بات ہے کہ اس نے شیطان کو تو ہمیں بہکانے کی کھلی چھٹی دے دی لیکن ساتھ ہی ہمیں حکم دے دیا کہ اس کی اطاعت نہ کرنا میری اطاعت کرنا۔ یہ معمہ میری فہم و عقل کے سلجھانے کا نہیں ہے آپ اس کا حل بتایئے۔

② برائی اور گناہ کو اس طرح آراستہ کرنا (دلفریب اور دلکش بنانا) + (پھر) ہم سے یعنی اپنے بندوں سے نیکی چاہنا (یہ کہاں تک مناسب ہے)۔

③ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ فسوں سازی (جادو گری) کس لئے ہے یا کیا ہے + ایک برے ساتھی کے ساتھ جوا کھیلنے کا کیا مطلب ہے۔ (شیطان برا ہے اس کے ساتھ ہمیں زندگی کا جوا کھیلنے کے لئے لگا دیا گیا ہے۔ برے ساتھی سے تو دھوکا ہی دھوکا ہے۔ اس نے ہیر پھیر کر کے ہمیں ہرانا ہی ہرانا ہے)۔

④ (ایک طرف یہ) مشت خاک یعنی آدمی (اور دوسری طرف) یہ گردش کرنے والا آسمان + تو خود کہہ کیا اسے زیب دیتا ہے وہ کام جو اس نے کیا یعنی ہمیں حالات کا پابند بھی کر دیا اور جزا و سزا کا قاعدہ بھی مقرر کر دیا۔ یہ کہاں تک درست ہے۔

⑤ ہمارے اعمال (اور) ہمارے افکار ' ہمارے لئے باعث تکلیف ہیں + دانتوں سے (اپنے) ہاتھوں کو کاٹنا ہمارا کام ہے (یعنی ہم پہلے کوئی کام کر بیٹھتے ہیں اور پھر اس پر حیرت ' افسوس اور ملامت بھی کرتے ہیں۔ علامہ نے ان پانچ شعروں میں آدم اور شیطان اور ان کے تعلق و تصادم کی بنا پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کے متعلق شاہ ہمدان سے پوچھنا چاہا ہے کہ جب خدا نے خود ہی شیطان پیدا کر کے ہمیں

آزمائش میں ڈال دیا ہے تو ہم پر پھر گرفت کیوں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علامہ کو خدا کے فعل میں کوئی کجی یا کمی نظر آئی ہے بلکہ وہ تو اس سوال کو جو اکثر لوگوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے شاہ ہمدان سے پوچھ کر ہماری غلط فہمیوں کو دور کرنا اور اس بارے میں صحیح عقیدہ و عمل کی تلقین کرنا چاہتے ہیں)۔

شاہ ہمدان

بندۂ کز خویشتن دارد خبر — آفریند منفعت را از ضرر!
بزم با دیو است آدم را وبال — رزم با دیو است آدم را جمال!
خویش را بر اہرمن باید زدن — تو ہمہ تیغ آں ہمہ سنگ فسن!
تیز تر شو تا فتد ضرب تو سخت — ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت!

*

① وہ بندہ جو اپنے آپ کی خبر رکھتا ہے (یعنی اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے باخبر ہے یا اپنی معرفت رکھتا ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں) + وہ نقصان سے بھی نفع پیدا کر لیتا ہے (مثال کے طور پر وہ ایک برائی کو دیکھتا ہے تو اس میں مبتلا ہونے کی بجائے اس سے متصادم ہو کر اسے ختم کر سکتا ہے اور بھلائی اختیار کر سکتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب اسے اپنی تخلیق کے مقصد سے واقفیت ہو گی جب اسے معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سب مخلوق سے افضل بنایا ہے اور اس میں وہ قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ حالات کو اپنے موافق کر سکتا ہے اپنے شیطان کو فرشتہ بنا سکتا ہے)۔

② دیو (شیطان) کے ساتھ بزم آرائی آدم کے لئے وبال ہے + دیو کے ساتھ (بزم کی بجائے) رزم یعنی جنگ اور تصادم اختیار کرنا آدم کے لئے جمال ہے (ہم اپنی صلاحیتوں، اپنے مقام اور اپنی تخلیق کے مقصد سے ناآشنا ہونے کی بنا پر دیو کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں اور اگر ہم اس کے چنگل میں نہ پھنسنے کا تہیہ کر لیں تو اس کے ہاتھ کو موڑ سکتے ہیں۔ ہمارا قصور یہ ہوتا ہے کہ ہم دیو کی صحبت کو پسند کرنے لگ جاتے ہیں اگر تھوڑا سا بھی سوچ لیں کہ دیو تو ڈراؤنے چہرے والا ہے ہم اس کی صحبت سے بچ سکتے ہیں اور زندگی کو وبال کی بجائے جمال بنا سکتے ہیں)۔

③ خود کو شیطان کے مقابلے میں لانا چاہیے + تو تو سراپا تلوار ہے اور وہ سان ہے (جس پر تلوار تیز کی جاتی ہے) مراد یہ ہے کہ تو اس سے متصادم ہوتا رہے گا تو تیری تلوار کند نہیں ہو گی تیز ہوتی رہے گی۔ ابلیس سے برسرپیکار رہنے میں ہی زندگی کی تلوار تیز رہتی ہے۔ جب ہم اس کلیہ اور قاعدہ کو بھول جاتے ہیں اور اپنی زندگی کی تلوار کو شیطان کی فسان پر مارنے اور رگڑنے کی بجائے میان میں ڈال لیتے ہیں تو وہ کند ہو جاتی ہے اور دنیا آخرت کا نقصان ہمارا مقدر بن جاتا ہے۔

④ تو زیادہ تیز ہو (زندگی کی تلوار کو زیادہ تیز کر) تاکہ تیرا وار (دشمن پر) سخت پڑے + ورنہ تو دونوں جہانوں میں سیاہ بخت رہے گا (مطلب ان چار شعروں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہم اس سے چوکنا رہ کر اور اس کا مقابلہ کر کے اپنے اندر کی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکیں جب تک آدمی ابلیس کے ساتھ برسرپیکار نہیں ہو گا اس کی خودی مستحکم نہیں ہو گی)۔

زندہ رود

پہلا بند

زیرِ گردوں آدم، آدم را خورد — ملتے بر ملتے دیگر چرد!

جاں ز اہلِ خطہ سوزد چوں سپند — خیزد از دل نالہ ہائے دردمند!

زیرک و دراک و خوش گل ملتے است — در جہاں تر دستیِ او آیتے است

ساغرش غلطندہ اندر خونِ اوست — در نئے من نالہ از مضمونِ اوست!

از خودی تا بے نصیب افتادہ است — در دیارِ خود غریب افتادہ است!

دستِ مزدِ او بدستِ دیگراں — ماہیِ رودش بہ شستِ دیگراں!

کارواں ہا سوئے منزل گام گام — کارِ او ناخوب و بے اندام و خام!

از غلامی جذبہ ہائے او بمرد — آتشے اندر رگِ تاکش فسرد!

تا نہ پنداری کہ بود است ایں چنیں — جبہہ را ہموارہ سود است ایں چنیں!

در زمانے صف شکن ہم بودہ است! — چیرہ و جانباز و پُردم بودہ است!

① آسمان کے نیچے یعنی اس دنیا میں آدمی آدمی کو کھا رہا ہے + ایک ملت دوسری ملت پر چر رہی ہے (ایک قوم دوسری قوم کو لوٹ کھسوٹ کر خود کو خوش حال بنا رہی ہے یہی حال افراد کا ہے)۔

② (میری) جان اہل خطہ یعنی کشمیر کے لوگوں (کے حالات دیکھ کر) سپند کے دانے کی طرح جل رہی ہے (فریاد کر رہی ہے۔ تڑپ رہی ہے۔ سپند جسے حرمل کہتے ہیں ایک قسم کا دانہ ہے کہ جب اسے کوئلوں پر رکھیں تو وہ چٹ چٹ کی آواز پیدا کرتا ہے)۔

③ ایک ایسی ملت جو باریک بیں، عقل مند اور خوش شکل (والے لوگوں پر مشتمل ملت) ہے + جہان میں جس کی تر دستی (ہنرمندی) ایک دلیل ہے یعنی اہل کشمیر مختلف قسم کے فنون، ہنروں، اور صنعتوں میں بڑے کاریگر ہیں اور وہ ہنر اور فن کے ایسے ایسے عجائبات تخلیق کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے مثال کا کام دیتے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ ان کی ہنرمندی ساری دنیا کے لئے مثال ہے۔

④ (اس قوم کا یہ حال ہے کہ) اس کا پیالہ اس کے اپنے ہی خون میں لت پت ہے + میری بانسری سے اسی کے حالات کی فریاد نکل رہی ہے (ایک ایسی ہنرمند قوم جو دنیا کے لئے مثال ہے آج غیروں کی محکوم ہے۔ صرف محکوم ہی نہیں کافر حکمران اس کے مذہب، عقیدہ، آرزو، عزت، آبرو، غرض کہ ہر شے کا خون کر رہا ہے)۔

⑤ یہ قوم چونکہ خودی سے بے نصیب ہو گئی ہے (اسے اپنے اندر کی قوتوں اور صلاحیتوں کا علم نہیں رہا) + (اس لئے) وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی ہے (کسی وقت یہی قوم سربلند تھی آج محکوم ہے)۔

⑥ اس کا مزدوری کرنے والا ہاتھ دوسروں کے ہاتھ میں ہے مراد ہے اس کی مزدوری کا ثمر دوسروں کے قبضے میں ہے + اس کی ندی کی مچھلی دوسروں کے کانٹے میں پھنسی ہوئی ہے مراد ہے اس قوم کی

ساری کمائی اور محنت کا صلہ اس کے حاکم ڈوگرے لے جاتے ہیں۔ وہ غریب کا غریب ہے اور حاکم امیر و خوش حال ہیں۔

⑦ (آج دنیا میں اور قوموں کے) قافلے منزل کی طرف قدم بقدم جا رہے ہیں + (لیکن) اس کا کام ناخوب، ان گھڑت اور ناقص ہے۔ (وہ ہر لحاظ سے پیچھے ہے۔ منزل نا آشنا ہے)۔

⑧ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ کشمیری قوم نالائق ہے وہ تو قدرت کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں سے مالا مال ہے لیکن جب سے انسان شکار اور مکار انگریز نے کشمیر اور کشمیریوں کو ہندو ڈوگروں کے ہاتھ بیچ دیا ہے اس وقت سے ان کو ہر قسم کی نعمتوں سے محروم کر دیا گیا ہے) غلامی کی وجہ سے اس کے جذبے مر گئے + اس کی انگور کی بیل کے اندر شراب خشک ہو گئی (اس کو ہر لحاظ سے محروم و مجبور بنا دیا گیا)۔

⑨ کہیں تو یہ نہ سمجھے کہ یہ کشمیری قوم (ہمیشہ سے) اسی طرح تھی + (اور) اس نے ماتھے کو (دوسروں کے آگے ہمیشہ) اسی طرح رگڑا ہے یعنی وہ اسی طرح ہمیشہ سے محکوم، مجبور اور محتاج تھی۔ ایسا نہیں ہے۔

⑩ کسی زمانے میں یہ (دشمنوں کی) صفیں توڑنے والے یعنی جنگ جو رہے ہیں + زبردست، جاں باز اور حوصلہ مند رہے ہیں۔

دوسرا بند

کوہ ہائے خنگ سارِ او نگر	آتشیں دستِ چنارِ او نگر!
در بہاراں لعل می ریزد ز سنگ	خیزد از خاکش یکے طوفانِ رنگ!
لکہ ہائے ابر در کوہ و دمن	پنبہ پراں از کمانِ پنبہ زن!
کوہ و دریا و غروبِ آفتاب!	من خدا را دیدم آنجا بے حجاب!
با نسیمِ آوارہ بودم در نشاط	"بشنو از نے" می سرودم در نشاط
مرغکے می گفت اندر شاخسار	با پشیزے می نیرزد ایں بہار!
لالہ رست و نرگسِ شہلا دمید	بادِ نوروزی گریبانش درید!
عمرہا بالید ازیں کوہ و کمر	نسترن از نورِ قمر پاکیزہ تر!
عمرہا گل رخت بربست و کشاد	خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد!

① اس کے یعنی ملک کشمیر کے برف پوش پہاڑ دیکھ + اس کے چنار کے درختوں کے آگ کی طرح سے سرخ ہاتھوں کو یعنی سرخ پتوں سے لدے ہوئے چنار کے درختوں کو دیکھ۔

② موسم بہار میں اس کے پتھروں سے لعل (سرخ رنگ کے لالے) اگتے ہیں + اس کی مٹی سے رنگ کا ایک طوفان اٹھتا ہے (ہر طرف رنگ برنگ کے پھول لہلہانے لگتے ہیں)۔

③ بادلوں کے ٹکڑے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں + (اس طرح پھرتے یا اڑتے پھرتے ہیں) جیسے کہ روئی دھننے والے کی کمان سے روئی اڑتی ہے۔

④ اس کے پہاڑ، دریا اور غروب آفتاب (کا سماں) + میں نے اس جگہ خدا کو بے حجاب دیکھا ہے یعنی

خدا کی نشانیوں اور آیات کو دیکھ کر خدا کی ہستی کا اعتراف کیا ہے۔ خدا کی قدرت کے نظارے ہر سو پھیلے ہوئے ہیں۔

⑤ میں (کشمیر کے شہر سری نگر کے) باغ میں جس کا نام نشاط باغ ہے نسیم کی ہوا کے ساتھ ادھر ادھر پھرتا رہا + (اور) میں نے خوشی میں (مولانا روم کی مثنوی کا پہلا شعر) بشنو از نے چوں حکایت می کند (بنسری سے سنو کہ کیا حکایت بیان کر رہی ہے) گایا۔

⑥ درخت کی شاخوں میں سے ایک پرندے نے کہا + کہ یہ بہار ایک دمڑی یا کوڑی کی بھی قیمت نہیں رکھتی۔ (باغ سے باہر کے کشمیر کو دیکھو وہاں اور ہی بہار ہے۔ یعنی اہل کشمیر کی حالت زار ہے)۔

⑦ لالے کے پھول نکلے' سیاہ نرگس پھوٹی + نوروز کی ہوا نے یا بہار کی ہوا نے (کشمیر کے خطہ کی زمین کو) پھاڑ ڈالا (ہر طرح کا سبزہ' پودہ' پھول' رنگ' خوش بو نکل آئی)۔

⑧ اس کے پہاڑوں اور گھاٹیوں سے برس ہا برس سے اگے + نسترن کے یا چنبیلی کے سفید پھول جو چاند کے نور سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔

⑨ (اس خطے میں) عمروں گلاب کے پھول کھلے اور مرجھا کر ختم ہو گئے + (لیکن) (ہم کشمیریوں) کی مٹی نے کوئی اور شہاب الدین پیدا نہیں کیا (سلطان شہاب الدین سلطان شمس الدین کا تیسرا بیٹا تھا جو اپنے بھائی سلطان علا الدین کی وفات کے بعد 755ھ میں تخت کاشمیر پر بیٹھا اسے سیامک یا شیر آسامک بھی کہتے تھے کیونکہ وہ دودھ زیادہ پیتا تھا۔ اس کی سلطنت میں وسیع و عریض علاقے شامل تھے وہ جنگ جو تھا اور کئی حکمران اس کی ہیبت سے کانپتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عیش دوست بھی تھا ایک ہندو عورت رانی لکشمی اس کی محبوبہ اور ملکہ تھی۔ اسی کے نام پر اس نے ہری پربت کے دامن میں لکھشمی نگر کا قصبہ آباد کیا تھا شاہ ہمدان کی وفات سے ایک سال پہلے کاشمیر میں آئے۔ سلطان نے 775ھ میں وفات پائی۔ سلطان شہاب الدین نے شاہ ہمدان کی بڑی پذیرائی کی اور ان سے فیضان بھی حاصل کیا)۔

تیسرا بند

نالۂ پُر سوزِ آں مرغِ سحر   داد جانم را تب و تابِ دگر!
تا یکے دیوانہ' دیدم در خروش   آنکہ برد از من متاعِ صبر و ہوش!

*

① اس مرغ سحر کے پر سوز نالے نے + میری جان کو نیا ولولہ اور تڑپ عطا کی۔

② تا آنکہ میں نے ایک دیوانے کو دیکھا خروش میں (شور کرتے یا فریاد کرتے ہوئے) + وہ کہ جو مجھ سے صبر اور ہوش کی متاع لے اڑا (وہ خروش اس کے نغمہ مستانہ کا تھا۔ وہ جو نغمہ الاپ رہا تھا وہ اگلے شعروں میں ہے)۔

غزل یا نغمہ دیوانہ یہ تھا

"بگذر ز ما و نالۂ مستانہ ء مجوے | بگذر ز شاخ گل کہ طلسمے است رنگ و بوے
گفتی کہ شبنم از ورقِ لالہ می چکد | غافل دلے است ایں کہ بگرید کنارِ جوے!
ایں مشتِ پر کجا و سرود ایں چنیں کجا | روحِ غنی است ماتمِ مرگِ آرزوے!
بادِ صبا اگر بہ جنیوا گذر کنی | حرفے ز ما بہ مجلسِ اقوام بازگوے
دہقان و کشت و جوے و خیابان فروختند | قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند!"

*

① ہم سے گزر جا یا ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دے + اور ہم سے کوئی مستانہ نالہ طلب نہ کر + شاخ گل سے گزر جا جو (صرف) رنگ و بو کا جادو ہے (اور اس میں کچھ نہیں ہے۔ دنیا فانی اور مکار ہے اس سے دل نہ لگا۔ اس کے پھندے میں گرفتار ہو کر مقصد زندگی کو نہ بھول جا)۔

② تو نے یہ کہا کہ شبنم لالہ کے پھول کی پتی سے گرتی ہے + اے غافل یہ تو دل ہے جو کہ ندی کے کنارے بیٹھا رو رہا ہے۔

③ یہ پروں کی مٹھی یعنی پرندہ کہاں اور اس کا اس قسم کا گانا کہاں + یہ تو غنی (کاشمیر کے شاعر) کی روح ہے جو آرزو کی موت کا ماتم کر رہی ہے یعنی جو مسلمانوں میں آرزوئے سربلندی کے نہ ہونے پر نالہ کناں ہے۔

④ اے باد صبا اگر تو جنیوا کی طرف گزر کرے + تو میری طرف سے وہاں جا کر مجلس اقوام متحدہ سے میری یہ بات کہنا (پہلی جنگ عظیم کے بعد جو جمعیتہ الاقوام بنی تھی اس کا صدر دفتر یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت جنیوا میں قائم کیا گیا تھا اور یہ جمعیت نیویارک میں موجود موجودہ یو۔ این۔ او کی طرح قوموں کو انصاف دینے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ لیکن نہ پہلی اور نہ موجودہ انجمن اقوام اپنا فرض ادا کر سکی کیونکہ بڑی قوموں نے انہیں بدنیتی پر قائم کیا تھا۔ کمزور قوموں کو کمزور تر کرنے اور مضبوط قوموں کو مضبوط تر کرنے کے لئے دونوں انجمنیں بنائی گئی تھیں)۔

⑤ (ہندوستان پر قبضہ کرنے والے مکار اور انسانیت دشمن انگریز حاکموں نے اپنے عہد حکومت میں کشمیری مسلمانوں کی تذلیل کے لئے انہیں کچھ روپوں کے عوض ایک ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس نے وہاں کی اکثریتی مسلمان آبادی پر ایک طویل عرصہ تک جو ظلم ڈھائے اور اب تک ڈھائے جا رہے ہیں وہ انسانی تاریخ میں درندگی کی خوفناک مثال ہے۔ علامہ نے اسی پس منظر میں کہا ہے کہ انگریزوں نے) کسان' اس کی کھیتی' اس کی ندیاں اور اس کے پھولوں کی کیاریاں سب بیچ دیں + انہوں نے پوری (کاشمیری) قوم کو بیچ دیا اور کتنا سستا بیچ دیا (لیکن یو این او اس طرف کیوں کان دھرے گی وہ تو انسان نما حیوان یورپی اقوام کی مکاریوں اور چالبازیوں کو چھپانے اور غریب' کمزور اور محکوم قوموں کو مزید کمزور و محکوم بنانے کا ایک ادارہ ہے۔ وہ تو چند کفن چوروں کی ایک انجمن ہے جو قوموں کی قبروں میں سے کفن چرانے کے لئے بنی ہے)۔

شاہ ہمدان

با تو گویم رمزِ باریک اے پسر | تن ہمہ خاک است و جاں والا گہر
جسم را از بہرِ جاں باید گداخت | پاک را از خاک می باید شناخت!
گر ببری پارۂ تن را ز تن | رفت از دستِ تو آں لختِ بدن!
لیکن آں جانے کہ گردد جلوہ مست | گر ز دست او را دہی آید بدست!
جوہرش با ہیچ شے مانند نیست | ہست اندر بند و اندر بند نیست!
گر نگہداری بمیرد در بدن | در بیفشانی فروغ انجمن!
چیست جانِ جلوہ مست اے مرد راد؟ | چیست جاں دادن ز دست اے مرد راد؟
چیست جاں دادن؟ بحق پرداختن! | کوہ را با سوزِ جاں بگداختن!
جلوہ مستی ؟ خویش را دریافتن! | در شباں چوں کوکبے برتافتن!
خویش را نایافتن نابودن است | یافتن خود را بخود بخشودن است!
ہر کہ خود را دید و غیر از خود ندید | رخت از زندانِ خود بیروں کشید!
جلوہ بدمستے کہ بیند خویش را | خوشتر از نوشینہ داند نیش را!
در نگاہش جاں چو باد ارزاں شود | پیشِ او زندانِ او لرزاں شود!
تیشۂ او خارہ را بر می درد | تا نصیبِ خود ز گیتی می برد
تا ز جاں بگذشت جانش جانِ اوست | ورنہ جانش یک دو دم مہمانِ اوست!

*

① اے بیٹے میں تجھے رمز کی ایک باریک بات بتاتا ہوں + جسم سب کا سب مٹی ہے اور (اس کے اندر) جو روح ہے وہ قیمتی موتی ہے۔

② جسم کو جان کی (پرورش اور حفاظت کے لئے) پگھلا دینا چاہیے + پاک کو یعنی روح کو مٹی سے یعنی جسم سے شناخت کرنا چاہیے (ان میں فرق کو سمجھ لینا چاہیے)۔

③ اگر تو جسم سے جسم کا ٹکڑا کاٹ لے + تو تیرے ہاتھ سے جسم کا وہ ٹکڑا چلا گیا۔

④ لیکن وہ روح کہ جو (خداوند کریم کی تجلی) کے جلوہ میں مست ہوتی ہے + اگر تو ہاتھ سے اسے دے دے تو وہ پھر ہاتھ آ جاتی ہے یعنی جسم کا حصہ کٹا ہوا دوبارہ نہیں جڑتا۔ وہ ہمیشہ کے لئے چلا جاتا ہے لیکن روح جب جسم سے نکل جاتی ہے تو کہیں موجود رہتی ہے یا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کی جان نکل کر بھی اس کو دوبارہ مل جاتی ہے۔ کیونکہ شہید کے متعلق اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسے مردہ نہ کہو اسے تو رزق دیا جاتا ہے۔ لیکن تم اس زندگی کا شعور نہیں رکھتے جسے ہم شہید کو دوبارہ عطا کر دیتے ہیں۔

⑤ اس کا یعنی روح کا جوہر کسی شے سے مماثلت نہیں رکھتا + وہ قید میں ہے لیکن قید سے آزاد ہے (جسم میں ہے لیکن جسم سے آزاد ہے)۔

⑥ اگر تو جان کو بچا بچا کے رکھے گا تو یہ بدن میں مر جائے گی + اگر تو اس کو خدا پر قربان کر دیتا ہے تو یہ انجمن کی رونق ہے (جان کو محفوظ رکھو گے تو خود بھی مر جاؤ گے قوم کو بھی مار دو گے اسے اللہ کی راہ میں

قربان کردو گے تو خود بھی زندہ رہو گے قوم کو بھی زندہ کر دو گے)۔

⑦ اے علی یا اے جوان مرد (خدا کے جلوے میں) مست جان کیا ہے + اے جواں جان کو ہاتھ سے دینے (یا قربان کر دینے) سے کیا مراد ہے۔

⑧ جان دینا کیا ہے اسے حق کے سپرد کر دینا ہے + پہاڑوں کو اپنے (عشق کی آگ کی) حرارت سے پگھلانا ہے (پہاڑ جیسی مخالف حق قوتوں سے ٹکرا کر ان کو پاش پاش کر دینے اور اپنی جان کو حق کے سپرد کر دینے کا نام جان دینا ہے ورنہ کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کی طرح تو ہر کوئی جان دیتا ہے۔ جان کو حق پر قربان کر دینا۔ حق کی مدافعت میں نثار کر دینا یہ مردوں کی طرح جان دینا ہے)۔

⑨ جلوہ مستی (کیا ہے) خود کو پا لینے (کا نام ہے) + راتوں میں تارے کی مانند چمکتا ہے (خود روشن ہونا اور دوسروں تک روشنی پہنچاتا ہے۔ زندگی کی تاریک رات میں بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتا ہے۔ جو خود متجلی ہو جاتا ہے دوسروں کو تجلی آشنا کرنے پر مجبور ہے۔ تارے کی طرح روشنی پھیلانے میں)۔

⑩ خود کو نہ پانا (گویا) خود کو معدوم کرنا ہے + خود کو پانا اپنے آپ کو خود کے سپرد کر دینا ہے (وجود صرف اس کا ہے جس نے اپنی معرفت حاصل کر لی۔ اپنی خودی کو پہچان کر خود کو مستحکم کر لیا۔ وہ اس جہان میں بھی زندہ ہے اور اگلے جہان میں بھی)۔

(11) جس نے خود کو دیکھا اس نے اپنے سوا کسی اور کو نہ دیکھا + اس نے قید خانہ سے اپنا سامان باہر نکال لیا یعنی وہ قید خانہ سے باہر آگیا (وہ زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو گیا)۔

(12) وہ جلوہ بدمست جو خود کو دیکھتا ہے (اپنی معرفت حاصل کر لیتا ہے) + وہ (مشکلات و مصائب کے) ڈنگ یا زہر کو (آسودگی اور آسائش) کی مٹھاس سے زیادہ اچھا جانتا ہے (یعنی وہ خدا کی راہ میں چلتے ہوئے کسی خوف و خطر، کسی حزن و ملال، کسی مشکل و مصیبت اور کسی ہیبت و سطوت کو خاطر میں نہیں لاتا صرف منزل دوست تک رسائی کو پیش نظر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا و صلحا اور انبیا و رسل کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** (کہ ان کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن) یہ ایسے سالکان راہ کے متعلق ہے جو تسلیم و رضا کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور جو حصول خوشنودی محبوب کے لئے جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

(13) اس کی نگاہ میں (اس کی جان) ہوا کی طرح سستی ہوتی ہے (وہ یار کی خوشنودی کے حصول کے عوض اسے پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا) + اس کے سامنے اس کا زندان (جسم کا قید خانہ) لرزاں ہوتا ہے (اور وہ قید سے جان کو آزاد کرنے پر تل جاتا ہے) یا اس سے مراد جان کو زمان و مکاں کی قید سے آزاد کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

(14) اس کا تیشہ سخت پتھر کو چیر دیتا ہے + یہاں تک کہ وہ زمانے سے اپنا حصہ چھین لیتا ہے (وہ جان دے کر اپنا مقصد حیات حاصل کر لیتا ہے)۔

(15) جب وہ جان سے گزر جاتا ہے یعنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا ہے تو اس کی جان اس کی جان بن جاتی ہے (یعنی وہ مر کر بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ یہی شہید کی زندگی ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق بھی دیا جاتا ہے لیکن تم اس زندگی کا شعور نہیں رکھتے) + (اگر ہم جان کو راہ خدا میں قربان نہیں کریں گے تو جان نے تو آخر جانا ہی ہے) ورنہ یہ اس کی کی ایک دو دم کی

مہمان ہے۔ (عارضی ہے آج نہیں تو کل چلی جائے گی کیوں نہ اس کو نذرانہ جاناں کر کے آبرو سے رخصت کریں)۔

زندہ رود

گفتہ از حکمتِ زشت و نکوے — پیرِ دانا نکتہ دیگر بگوے
مرشدِ معنی نگاہاں بودۂ — محرمِ اسرارِ شاہاں بودۂ
ما فقیر و حکمراں خواہد خراج — چیست اصلِ اعتبارِ تخت و تاج؟

*

① آپ نے اچھائی اور برائی کی حکمت کے متعلق فرمایا ہے + اے دانا پیر ایک اور باریک بات بھی بیان کریں۔

② آپ ان لوگوں کے مرشد رہے ہیں جو معنی پر نگاہ رکھتے تھے (یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو صاحب باطن ہیں جو صاحب عرفان ہیں) + آپ بادشاہوں کے اسرار کے بھی واقف رہے ہیں۔

③ ہم غریب ہیں اور حکمران ہم سے خراج مانگتا ہے + تخت اور تاج کے اعتبار کی اصل کیا ہے (بادشاہوں کی بادشاہت کا معتبر ہونا کیا ہم عوام سے وصول کئے گئے خراج اور ہم پر ڈھائے گئے مظالم پر نہیں ہے شاہ ہمدان نے بادشاہوں کی راہبری کے لئے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کی بنا پر یہ سوال بھی ان سے ضروری تھا)۔

شاہ ہمدان

اصلِ شاہی چیست اندر شرق و غرب؟ — یا رضائے امتاں یا حرب و ضرب
فاش گویم با تو اے والا مقام — باج را جز با دو کس دادن حرام!
یا اولی الامرے کہ منکم شان اوست — آیۂ حق حجت و برہانِ اوست
یا جواں مردے چو صرصر تند خیز — شہر گیرد خویش باز اندر ستیز
روزِ کیں کشور از قاہری — روزِ صلح از شیوہ ہائے دلبری
می توں ایران و ہندوستاں خرید — پادشاہی را ز کس نتواں خرید
جامِ جم را اے جوانِ باہنر — کس نگیرد از دکانِ شیشہ گر
ور بگیرد مالِ او جز شیشہ نیست — شیشہ را غیر از شکستن پیشہ نیست

*

① مشرق اور مغرب میں بادشاہی کی اصل کیا ہے + یا قوموں کی مرضی یا پھر جنگ و جدل (یعنی یا تو کوئی قوم کسی کو اپنی مرضی سے بادشاہ بنالیتی ہے یا پھر بادشاہ اپنے زور بازو سے اس قوم پر مسلط ہو جاتا ہے)۔

② اے اعلیٰ مرتبے والے شخص میں تجھ سے کھل کر بیان کرتا ہوں + سرکاری محصولات کو صرف دو

اشخاص کے علاوہ کسی اور کو دینا حرام ہے۔

③ یا وہ اولی الامر ہو جو منکم کے تحت آئے + (جس کے لئے) حق کی یعنی قرآن کی آیت دلیل اور برہان ہے (قرآن کریم میں آیت - 4-59 - کہتی ہے کہ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور اولی الامر منکم کی یعنی ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبان اختیار و حکومت ہوں۔ اس لفظ منکم سے صاف ظاہر ہے کہ اہل ایمان کے لئے صاحب امر یا صاحب اختیار و اقتدار وہ شخص ہے جو ایمان والوں میں سے ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار ہو۔ ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق حکمرانی کرتا ہو یہ نہیں کہ نظریہ تو وہ غیر اسلامی رکھتا ہو۔ قرآن کے قوانین اور احکام کو تسلیم نہ کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں اور نظاموں کو بہتر تسلیم کر کے ان کو لوگوں پر مسلط کرنا چاہتا ہو ایسے حاکم کے خلاف خروج شرعاً اور ضرورتاً دونوں لحاظ سے جائز ہے۔ اس کے لئے محصولات روک لینا بھی درست ہے۔

④ یا (خراج کا حق دار) وہ جواں مرد ہے جو (دشمن حق کے خلاف) تند و تیز ہوا کی طرح اٹھے + اور جو شہر (کافراں) فتح کرنے والا اور (حق و باطل کے) معرکہ میں اپنی جان کی بازی لگا دینے والا ہو (وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے یا اپنے نفس امارہ کے خلاف جہاد کرنے کے لئے نکلے)۔

⑤ جو جنگ کے روز اپنی قاہرانہ قوت سے ملک فتح کرنے والا (ہو) + امن کے زمانے میں دلبری کے انداز و ادا سے (لوگوں کے دلوں کی ولایتیں فتح کرنے والا ہو (ایک طرف کشور کشا ہو تو دوسری طرف دلکشا ہو۔ میدان جنگ میں جلال اور بزم امن میں جمال ہو)۔

⑥ ہندوستان اور ایران کو یعنی دنیا کے کسی ملک کو بھی خریدا تو جا سکتا ہے جیسے کہ گلاب سنگھ ڈوگرے نے کشمیر انگریزوں سے خرید لیا تھا + لیکن بادشاہی کو کسی سے نہیں خریدا جا سکتا (یہ یا تو طاقت سے حاصل کی جاتی ہے اور یا رعایا کے دل جیتنے سے)۔

⑦ اے باہنر نوجوان (اے زندہ رود) ملک ایران کے بادشاہ جمشید کے جام کو (جو بڑا نادر اور قیمتی تھا) + کوئی شیشہ گر کی دکان سے نہیں خریدتا (اسے طاقت سے چھیننا پڑتا ہے)۔

⑧ اگر کوئی وہاں سے یعنی شیشہ گر کی دکان سے شیشہ خرید بھی لیتا ہے تو وہ مال شیشے کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس میں جام جم کی صفات کہاں ہوں گی۔ جام جم تو شیشے کا وہ پیالہ تھا جس میں جمشید دنیا کے حالات کا عکس دیکھ لیتا تھا کیا کسی عام دکان سے خریدے ہوئے کسی شیشے کے پیالے میں یہ صفت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں) + (اور کون نہیں جانتا) کہ شیشے کا کام سوائے ٹوٹنے کے اور کچھ نہیں ہے (گلاب سنگھ نے کشمیر کسی سے جنگ کر کے نہیں لیا اس نے تو اسے اس وقت کے انگریز حاکم سے خریدا ہے۔ ایسے خریدار سے اپنے ملک کو چھڑوانا عین عدل ہے۔ اس کو خراج نہ دینا عین انصاف ہے۔ اس جام جم کو اس نے جمشید کاشمیر سے لڑ کر چھینا ہوتا تو اور بات تھی ایسے ہی بیٹھے بٹھائے راتوں رات ہزاروں مربع میل علاقہ اور لاکھوں افراد انگریزوں نے اس کے قبضے میں دے دیے۔ انگلستان سے آکر ہندوستان پر مکارانہ اور غاصبانہ قبضہ کرنے والے انگریز کو کیا حق پہنچتا تھا کہ دولت کسی کی اور دے دے وہ کسی کو۔ یہ سب کچھ اس نے اپنی کافرانہ اور بزدلانہ مسلم دشمن ذہنیت کو بروئے کار لا کر کیا)۔

غنی

پہلا بند

ہند را ایں ذوقِ آزادی کہ داد؟ صید را سودائے صیادی کہ داد؟
آں برہمن زادگانِ زندہ دل لالۂ احمر ز روئے شاں خجل!
تیز بین و پختہ کار و سخت کوش از نگاہِ شاں فرنگ اندر خروش!
اصلِ شاں از خاکِ دامنگیرِ ماست! مطلعِ ایں اختراں کشمیرِ ماست!
خاکِ ما را بے شرر دانی اگر بر درونِ خود یکے بکشا نظر!
ایں ہمہ سوزے کہ داری از کجاست؟ ایں دمِ بادِ بہاری از کجاست؟
ایں ہماں باد است کز تاثیرِ او کوہسارِ ما بگیرد رنگ و بو!

*

① ہند کو یعنی ہندوستان والوں کو یہ آزادی کا ذوق کس نے دیا + شکار کو شکاری کا سودا کس نے بخشا۔

② وہ زندہ دل برہمن زادے + جن کے چہروں کے سامنے سرخ لالہ کے پھول شرمندہ ہیں۔

③ جو تیز نگاہ، تجربہ کار اور سخت محنت کرنے والے ہیں + جن کی نگاہوں سے انگریز واویلا کر رہا ہے (کہ یہ آزادی کی تلاش میں ہیں)۔

④ ان کی اصل ہماری دامن گیر مٹی سے ہے + ان ستاروں کا مطلع ہمارا کشمیر ہے (جب علامہ جاوید نامہ لکھ رہے تھے اس وقت ہندوستان پر قابض انگریز غاصبوں اور لٹیروں کے خلاف تحریک آزادی شروع ہو چکی تھی۔ اس آزادی کے جذبے کو پیدا کرنے میں موتی لال نہرو اور ان کے بیٹے جواہر لال نہرو کا بڑا عمل دخل تھا اور یہ دونوں کشمیری برہمن تھے۔ علامہ نے اس لئے کہا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک اصل میں کشمیر کی مٹی کی مرہون منت ہے۔ وہی کشمیر جس کو غلام رکھنے میں آج انہی برہمنوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اور کشمیر آج تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ یہی جواہر لعل نہرو تھا جس نے رائے شماری کی یو۔ این۔ او میں پاس شدہ قرارداد کو کشمیر میں آج تک نافذ نہیں ہونے دیا اور کشمیریوں کو بدستور غلامی کی قید میں جکڑا ہوا ہے۔ ان برہمنوں کی یہ چال بھی تو دیکھئے کہ انگریزی دور میں انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے تو تحریکیں چلائیں لیکن جب مسلمانانِ کشمیر نے ڈوگرہ راج کے خلاف یہی قدم اٹھایا تو ان برہمنوں نے ہندو راجہ کی حمایت کی اور مسلمان محکوموں کی مخالفت کی)۔

⑤ اگر تو ہماری خاک کو یعنی کشمیریوں کی خاک کو شرر سے خالی سمجھتا ہے + تو ایک دفعہ اپنے اندر نظر کر (آخر اے زندہ رود تو بھی تو کاشمیری ہے کیا تو کشمیروں کی آزادی کی آرزو نہیں رکھتا۔ ضرور رکھتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی رکھتے ہیں)۔

⑥ یہ سارا سوز جو تو اپنے اندر رکھتا ہے (کیا تو جانتا ہے) کہ کہاں سے ہے + یہ بادِ بہار کے جھونکے کہاں سے آتے ہیں (یعنی آزادی حاصل کرنے کا جو جذبہ ہندوستان کے لوگوں میں پیدا ہوا ہے وہ کہاں سے آیا ہے)۔

⑦ یہ وہی ہوا ہے کہ جس کی تاثیر سے + ہمارے پہاڑوں کے سلسلے بھی رنگ و بو رکھتے ہیں (یعنی ہمارے اندر بھی ڈوگرہ راج سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے)۔

دوسرا بند

هیچ میدانی که روزے در ولر / موجه می گفت با موج دگر
چند در قلزم بیک دیگر زنیم / خیز تا یک دم بساحل سر زنیم
زادۂ ما یعنی آں جوئے کہن / شور او در وادی و کوه و دمن!
هر زماں بر سنگِ ره خود را زند / تا بنائے کوه را بر می کند
آں جواں کو شهر و دشت و در گرفت / پرورش از شیرِ صد مادر گرفت
سطوتِ او خاکیاں را محشرے است / ایں همه از ماست نے از دیگرے است
زیستن اندر حدِ ساحل خطاست / ساحلِ ما سنگے اندر راهِ ماست
با کراں در ساختن مرگِ دوام / گرچه اندر بحر غلطی صبح و شام
زندگی جولاں میانِ کوه و دشت / اے خنک موجے که از ساحل گذشت!

*

① کیا تو جانتا ہے کہ ایک دن (کشمیر کی جھیل) ولر میں + ایک لہر نے دوسری لہر سے کہا۔

② ہم کب تک سمندر میں ایک دوسرے سے ٹکریں مارتی رہیں گی + اٹھ کہ ایک لمحہ ہم ساحل سے سر ٹکرائیں۔

③ ہماری پیدا کی ہوئی (یعنی ہماری جھیل کی لہروں سے بن کر نکلی ہوئی) وہ پرانی ندی + جس کا شور وادیوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں میں ہے۔

④ ہر وقت خود کو راستے کے پتھروں سے ٹکراتی ہے + یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی بنیاد کو کھود دیتی ہے۔

⑤ وہ جوان کہ جس نے شہر، بیابان اور آبادی کو لپیٹ میں لے رکھا ہے + اس نے سینکڑوں ماؤں کا دودھ پیا ہے (یہاں جوان سے مراد دریائے جہلم ہے جو جھیل ولر کی بہت سی لہروں کے پانی سے پہلے ایک ندی کی شکل میں تھا پھر کئی طرف کے آبی ذرائع کے ملنے سے ایک دریا کی شکل اختیار کر گیا اور کاشمیر کی سرحدوں سے نکل کر پنجاب کے میدانوں میں بہتا ہوا سینکڑوں میل کا سفر طے کر رہا ہے۔ سینکڑوں ماؤں کا دودھ پینے سے مراد یہ ہے کہ اس دریا میں جو پانی ہے وہ بہت سے ندی نالوں کے اس میں گرنے سے اکٹھا ہوا ہے)۔

⑥ اس کا دبدبہ آدمیوں کے لئے محشر ہے (جب طوفان پر آتا ہے تو سب کچھ لپیٹ کر نکل جاتا ہے)؛ + یہ سب کچھ ہم سے (یعنی کاشمیر کی بنا پر ہے۔ نہ کشمیر ہوتا نہ اس کی جھیل سے دریا نکلتا نہ میدان کے لوگ اس سے اپنی زمینوں کو سیراب کرتے) یہ کسی اور سبب سے نہیں ہے۔

⑦ (جھیل، اس کی موجوں، اس سے نکلی ہوئی ندی اور اس سے بننے والے دریا کی یہ ترتیب و ترکیب بیان کرنے کے بعد غنی کہتے ہیں کہ) ساحل کے اندر رہ کر جینا (موجوں کی) غلطی ہے + ہمارے لئے ساحل

ہماری راہ کے پتھر ہیں۔ (ہمیں اے موجو ساحل سے باہر نکلنا ہے)۔

⑧ ساحل کے ساتھ بنا کر رکھنا یعنی ساحل کے اندر ہی رہنا (ہمارے لئے) ہمیشہ کی موت ہے + اگرچہ اے موج تو سمندر کے اندر دن رات متلاطم ہی کیوں نہ رہے۔

⑨ (موج کی) زندگی کوہ و دشت میں اس کا جولانیاں دکھانا ہے + مبارک ہے وہ موج جو ساحل سے نکل گئی (ان نو اشعار میں غنی کاشمیری نے موج اور دریا کے استعاروں سے یہ بات سمجھانا چاہی ہے کہ دریا کے اندر ہی موجوں کا آپس میں ٹکراتے رہنا اور ان کو خود کو ساحل سے باہر نہ لے جانا اور ندی یا دریا کی صورت اختیار نہ کرنا جس طرح ان موجوں کی موت ہے اسی طرح کسی قوم کا جمود اختیار کر رکھنا اور خود کو عمل سے محروم رکھنا اس قوم کی موت ہے۔ کشمیری جنہوں نے دوسروں کو آزادی کا درس دیا ہے خود کو آزادی کی راہ پر عمل پیرا کیوں نہیں کرتے)۔

تیسرا بند

اے کہ خواندی خطِ سیمائے حیات
اے بہ خاور دادہ غوغائے حیات

اے ترا آہے کہ می سوزد جگر
تو ازو بے تاب و ما بے تاب تر!

اے ز تو مرغِ چمن را ہاے و ہو
سبزہ از اشکِ تو می گیرد وضو!

اے کہ از طبعِ تو کشتِ گل دمید
اے ز امیدِ تو جانہا پر امید!

کاروانہا را صدائے تو درا
تو ز اہلِ خطہ نومیدی چرا؟

دل میانِ سینۂ شاں مردہ نیست
اخگرِ شاں زیرِ یخ افسردہ نیست!

باش تا بینی کہ بے آوازِ صور
ملتے برخیزد از خاکِ قبور!

غم مخور اے بندۂ صاحب نظر
برکش آں آہے کہ سوزد خشک و تر

شہرہا زیرِ سپہرِ لاجورد
سوخت از سوزِ دلِ درویش مرد

سلطنت نازک تر آمد از حباب
از دمے او را تواں کردن خراب

ز نوا تشکیلِ تقدیرِ امم
از نوا تخریب و تعمیرِ امم

نشترِ تو گرچہ در دلہا خلید
مر ترا چونانکہ ہستی کس ندید!

پردۂ تو از نوائے شاعری است
آنچہ گوئی ماورائے شاعری است!

تازہ آشوبے فگن اندر بہشت!
یک نوا مستانہ زن اندر بہشت!

*

① اے وہ (زندہ رود نام کے شاعر) کہ تو نے زندگی کے ماتھے کی لکیریں پڑھی ہیں یعنی تجھے علم ہے کہ قوموں کی زندگی اور موت کا اور ان کی اچھی بری تقدیر کا راز کیا ہے + اے کہ تو نے (اپنی شاعری کے ذریعے) مشرق کو زندگی کا ولولہ عطا کیا ہے۔

② اے کہ تیرے (سینے میں) وہ آہ ہے جو جگر کو جلا دیتی ہے + تو اس آہ سے بے تاب ہے اور میں تجھ سے زیادہ بے تاب ہوں۔

③ اے کہ تیری (نوا) سے چمن کے پرندوں میں ہائے وہو (کا شور) ہے + (اور) سبزہ تیرے آنسوؤں سے وضو کرتا ہے۔

④ اے کہ تیری سرشت سے پھولوں کی کیاری کھلی + اے کہ تیری امید سے (دوسروں کی) جانیں پرامید ہیں۔

⑤ اے کہ تیری آواز قافلوں کے لئے (بیداری اور کوچ) کی گھنٹی ہے + تو اہل خطہ یعنی کاشمیریوں سے ناامید کیوں ہے۔

⑥ ان کے (کشمیریوں کے) دل ان کے سینوں میں مردہ نہیں ہیں + ان کا شعلہ برف کے نیچے (دب کر) بجھ نہیں گیا (وہ اپنے اندر آزادی کا جذبہ رکھتے ہیں)۔

⑦ ٹھہر تاکہ تو صور کی آواز کے بغیر دیکھے کہ + ایک ملت قبروں کی مٹی سے اٹھتی ہے یعنی وقت آئے گا کہ کشمیری قوم غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے گی۔ آج قوم مردہ نظر آتی ہے وہ کل زندہ ہو جائے گی۔

⑧ اے صاحب نظر بندے غم نہ کھا + وہ آہ کھینچ جو خشک و تر کو جلا دے (کشمیریوں کے اندر وہ روح پھونک جوان کو ہر طرف سے بے نیاز کر کے صرف غلامی کی زنجیروں کو توڑنے پر آمادہ کر دے)۔

⑨ اس نیلے آسمان کے نیچے بہت سے شہر + ایک درویش مرد کے سوز سے جل اٹھے ہیں (درویشوں نے قوموں کی تقدیر بدلی ہے تو بھی اے زندہ رود درویش ہے تو بھی اپنی آہ سے غیر حق کو جلا دے۔ اور کشمیریوں میں آزاد ہونے کا ولولہ پیدا کر دے۔ تیری آہ تیری شاعری ہے۔ تیری شاعری کا پیغام ہے۔ اس کو کام میں لا)۔

⑩ سلطنت پانی کے بلبلے سے بھی نازک ہوتی ہے + ایک پھونک سے اسے خراب کیا یعنی ختم کیا جا سکتا ہے۔

(11) نوا سے (شاعری سے) امتوں کی تشکیل (کی جا سکتی ہے) + نوا سے امتوں کی تخریب اور تعمیر (کی جا سکتی ہے)۔

(12) تیرا نشتر اگرچہ دلوں میں چبھ چکا ہے + (لیکن) جیسا کہ تو ہے اس خاص صورت میں تجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ مراد ہے کہ لوگ تجھے صرف شاعر سمجھتے ہیں انہوں نے تجھے پیغام بر اور مسیح قوم کے اعتبار سے نہیں دیکھا۔ تیرے پیغام پر کان نہیں دھرے)۔

(13) تیرا پردہ شاعری کی نوا میں سے ہے (پردہ راگ کی ایک صورت ہے) مراد ہے شاعری تیری پیغامبری کا ایک پردہ ہے۔ تو شاعری نہیں کرتا بلکہ اس کے ذریعے قوم تک پیغام رسائی کا کام لیتا ہے + تو جو کچھ کہتا ہے یہ شاعری سے بالا ہے۔

(14) (اس) بہشت میں (کہ جس میں تو اب ہے) نیا آشوب (فتنہ یا ہنگامہ) پیدا کر دے + اس بہشت کے اندر ایک مستانہ نوا پیدا کر۔

زندہ رود

(زندہ رود غنی کا حکم سن کر ایک غزل گانا شروع کرتا ہے یہ غزل علامہ کی کتاب زبور عجم کی ہے)

با نشہ ٔ درویشی در ساز و دمادم زن
چون پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن
گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتند کہ برہم زن!
در میکدہ ہا دیدم شائستہ حریفے نیست!
با رستم دستاں زن با مغبچہ ہا کم زن!
اے لالۂ صحرائی تنہا نتوانی سوخت
ایں داغِ جگر تابے بر سینۂ آدم زن
تو سوزِ درونِ او، تو گرمیِ خونِ او
باور نکنی چاکے در پیکر عالم زن
عقل است چراغِ تو؟ در راہگذارے نہ
عشق است ایاغِ تو با بندۂ محرم زن
لختِ دلِ پرخونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بخاتم زن!

*

① درویشی کے نشہ سے موافقت پیدا کر اور دمادم اس میں مست رہ + جب اس نشہ میں پختہ ہو جائے تو پھر خود کو جشید کی سلطنت کے مقابل لا۔ (یعنی پہلے اپنے اندر فقر کی شان پیدا کر اور ہر وقت ایک شان سے دوسری شان پیدا کرنے میں لگا رہ اور جب تو اس رنگ درویشی میں پختہ ہو جائے تو وہ سلطنت قائم کر جو منشائے الٰہی ہے جو اللہ کے درویشوں کی حکومت ہو بادشاہوں کی بادشاہت نہیں جو خلافت ہو ملوکیت نہیں)۔

② (کارکنان قضا و قدر نے) کہا کہ ہمارا جہان تمہارے موافق ہے + میں نے کہا کہ میرے موافق نہیں ہے انہوں نے کہا اس کو تس نس کر دے (اور جو جہان تیرے موافق ہو وہ پیدا کر۔ تو خلافت چاہتا ہے۔ اللہ کی حکومت چاہتا ہے ملوکیت کے بت کو پاش پاش کر کے نظام الٰہیہ لے آ)۔

③ میں نے میخانوں میں دیکھا ہے کوئی شائستہ مدمقابل (پینے والا) نہیں ہے یعنی ایسا ساتھی نہیں ہے جو میرے حال کے تقاضے کے مطابق ہو جو میری طرح کا پینے والا ہو میرا ہم خیال ہو + کسی رستم دستان جیسے مضبوط ہاتھوں والے (طاقت ور) کے ساتھ پنجہ آزمائی کر ان (نازک بدن) مغ بچوں کے ساتھ واسطہ نہ رکھ۔ (ان عالی ہمت والوں کا ساتھی بن جو اللہ کی راہ میں بے باک اور بے خوف ہو کر نکل ۔ مصلحت اندیشوں اور حیلے بہانے کرنے والوں کا ساتھ چھوڑ دے۔ دستاں رستم کے باپ زال کا دوسرا نام ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی عالی ظرف بہادر اور باہمت بھی ہے)۔

④ اے صحرا میں کھلے ہوئے لالے کے پھول اکیلے نہیں جلا جا سکتا + اس جگر کو حرارت پہنچانے والے داغ کو آدمی کے سینے میں پیدا کر مراد ہے تنہائی چھوڑ اور امت کے لئے کام کر۔ اس کے سینے میں عشق کی حرارت پیدا کر۔

⑤ تو اس کا سوز درون ہے تو اس کے خون کی گرمی ہے + اگر تو یقین نہیں رکھتا تو جہان کے جسم میں چاک پیدا کر کے دیکھ لے (کہ کائنات کی اصل اے آدم تو ہے تو نے نادانی سے دنیا کو خود پر سوار کر رکھا ہے حالانکہ دنیا تیری خادم ہے اور تو مخدوم ہے)۔

⑥ عقل (زندگی کی اندھیری رات میں) تیرے لئے چراغ ہے (اس کو زندگی کے) راستہ میں رکھ (تا کہ تو دنیاوی لحاظ سے وہ زندگی بسر کر سکے جو فطرت کا تقاضا ہے) + عشق تیرا پیالہ ہے اس کو محرم راز کے ساتھ مل کر پی مراد ہے عقل سے کائنات کی تسخیر اور عشق سے اپنی تسخیر کا کام لے اور اس اپنی تسخیر کا راز صاحبان عشق سے پوچھ۔ درویشوں کی صحبت سے حاصل کر۔

⑦ میں اپنی آنکھوں سے دل کے ٹکڑے گرا رہا ہوں جو خون بھرے ہیں + میرے ملک بدخشاں کے یہ لعل اٹھا اور اپنی انگوٹھی میں جڑ لے مراد ہے اے مخاطب میں تجھے معارف و حقائق سے آگاہ کر رہا ہوں اس سے فائدہ اٹھانا اب تیرا کام ہے۔

صحبت با شاعر ہندی بھرتری ہری

تعارف بھرتری ہری: بھرتری ہری قدیم زمانے میں علاقہ اجین (بھارت) کا حکمران تھا۔ شاعری، مصوری اور موسیقی کا دلدادہ تھا۔ پہلے عیش پسند تھا عورتوں کا شوقین تھا پھر یکے بعد دیگرے ایسے واقعات اسے پیش آئے کہ اس نے تخت چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی آخر ایک رشی منی گورکھ ناتھ کی صحبت میں درویش کا اعلیٰ مقام پایا اس نے ہندوانہ درویشی پر کتابیں بھی لکھیں اور اس مسلک کا پرچار بھی کیا۔ اس کے بہت سے حکیمانہ اور عارفانہ اقوال ہیں جن میں سے ایک علامہ نے بال جبریل کے شروع میں نقل کیا ہے۔ نطشے کی طرح علامہ اس کو بھی ایک مقام ضرور دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی اصلاح کی گنجائش بھی باقی دیکھتے ہیں)۔

حوریاں را در قصور و در خیام ... نالۂ من دعوتِ سوز تمام!
آں یکے از خیمہ سر بیروں کشید ... واں دگر از غرفہ رخ بنمود و دید!
ہر دلے را در بہشت جاوداں ... دادم از درد و غم آں خاکداں!
زیرِ لب خندید پیرِ پاک زاد ... گفت اے جادوگر ہندی نژاد
آں نوا پردازِ ہندی را نگر ... شبنم از فیضِ نگاہ او گہر!
نکتہ آرائے کہ نامش برتری است ... فطرتِ او چوں سحاب آذری است!
از چمن جز غنچۂ نورس نچید ... نغمۂ تو سوئے ما او را کشید!
پادشاہے با نوائے ارجمند ... با فقر اندر مقامِ او بلند!
نقشِ خوبے بست از فکرِ شگرف ... یک جہاں معنی نہاں اندر دو حرف!
کارگاہِ زندگی را محرم است ... او جم است و شعر او جامِ جم است!"
ما بہ تعظیمِ ہنر برخاستیم ... باز با وے صحبتے آراستیم

•

① حوریں جو محلات اور خیموں میں رہتی تھیں ان کے لئے بہشت میں گائے جانے والی میری یہ غزل سوز تمام کی دعوت بن گئی یعنی ان کو میری غزل نے سوز کی نعمت عطا کر دی۔
② ان میں سے ایک نے خیمہ سے سر باہر نکالا اور دوسری نے (محل کی) اوپر کی کھڑکی سے منہ نکالا اور دیکھا۔
③ میں نے ان ہمیشہ قائم رہنے والی بہشت میں ہر دل کو اس خاکدان یعنی ہندوستان (کے غم کا) درد دیا۔
④ پاک زاد پیر یعنی رومی زیر لب مسکرایا + اس نے کہا۔ اے ہند میں پیدا ہونے والے جادوگر۔

⑤ اس ہنری نوا پیدا کرنے والے کو دیکھ + اس کے فیض نگاہ سے شبنم (کا قطرہ) گوہر بن جاتا ہے۔
⑥ وہ ایک نکتہ سنج (رمز کی باریک باتیں کرنے والا ہے) اس کا نام برتری ہے + اس کی فطرت آذری بادل کی طرح کی ہے اس کی فطرت بہار کے بادل کی طرح تخی ہے۔
⑦ اس نے چمن سے نئے کھلے ہوئے غنچے کے سوا کچھ نہیں چنا + تیرے نغمہ نے اسے ہماری طرف کھینچ لیا۔ یعنی تیرا نغمہ اس کے لئے نیا تھا اسی لئے ہماری طرف وہ کھنچا چلا آیا ہے۔
⑧ وہ ایک بادشاہ ہے جو بلند شاعری کا حامل بھی ہے + (بادشاہ ہوتے ہوئے) فقر کے اندر بھی اس کا مقام بلند ہے۔
⑨ وہ اپنے نادر فکر سے خوبصورت نقش بناتا ہے + اس کے چند حروف میں معنوں کا جہان پوشیدہ ہے یعنی اس کے کلام میں بلیغ مضامین ہیں۔
⑩ وہ زندگی کے کارخانے سے خبر رکھتا ہے (کہ یہ کیا ہے اور اسے کس طرح چلاتا ہے) + وہ جمشید ہے اور اس کے شعر جمشید کا پیالہ ہیں مراد وہ بادشاہ بھی ہے اور شاعر بھی ہے لیکن اس کے شعر نادر اور منفرد ہیں جام جم کی طرح۔
(11) (جب بھرتری ہری ہماری طرف آیا تو) ہم اس کے ہنر کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے + پھر اس کے ساتھ صحبت آراستہ کی۔

زندہ رود

اے کہ گفتی نکتہ ہائے دلنواز مشرق از گفتارِ تو دانائے راز!
شعر را سوز از کجا آید؟ بگوے از خودی یا از خدا آید؟ بگوے!

*

① اے کہ تو نے دل کو لبھانے والی باریک باتیں کہی ہیں + تیری گفتار یا کلام سے مشرق (والے) دانائے راز ہو گئے ہیں۔
② شعر میں سوز کہاں سے آتا ہے کہہ + یہ خودی سے آتا ہے یا خدا سے آتا ہے کہہ۔

برتری ہری

کس نداند در جہاں شاعر کجاست پردۂ او از بم و زیر نواست!
آں دلِ گرمے کہ دارد در کنار پیشِ یزداں ہم نمی گیرد قرار!
جانِ ما را لذت اندر جستجوست شعر را سوز از مقامِ آرزوست!
اے تو از تاکِ سخن مستِ مدام گر ترا آید میسر ایں مقام

با دو بیتے در جہان سنگ و خشت می تواں بردن دل از حور بہشت!

*

① کوئی نہیں جانتا کہ جہان میں شاعر کہاں ہے + اس کا پردہ اس کی نوا کا زیر و بم ہے مراد ہے شاعر حقیقی کا پتہ ملنا مشکل ہے۔ عام آدمی اس کی تلاش نہیں کر سکتا وہ اپنی شاعری کے پردے میں مستور ہوتا ہے جو شخص اس کی شاعری کے رموز و اسرار کو سمجھتا ہے وہ شاعر کو بھی سمجھتا ہے۔

② شاعر جو بے قرار دل اپنے پہلو میں رکھتا ہے + وہ (مرنے کے بعد) خدا کے حضور جا کر بھی قرار نہیں پاتا (کیونکہ شاعر عاشق ہوتا ہے اور عاشق غیب و حضور کہیں بھی قرار نہیں پاتا۔ مسلسل اضطراب کے عالم میں رہتا ہے۔

③ ہماری جان کے لئے جستجو میں لذت ہے + شعر کو مقام آرزو سے سوز حاصل ہوتا ہے۔ مراد ہے زندگی منزل کا نہیں سفر کا نام ہے۔ عشق وصل کا نہیں فراق کا دلدادہ ہے۔ شعر کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کہنے والا اپنے اندر کوئی آرزو رکھتا ہو کسی چیز کی لگن اس کے اندر موجود ہو۔ اس کی جستجو سے اس کے اندر جو لذت پیدا ہو گی وہ اس کے شعر کو شعر بنائے گی۔ بغیر سوز و گداز کے شعر شعر نہیں کچھ اور ہے۔ سوز و گداز تو حکمت کی بات کو بھی شعر بنا دیتا ہے۔

④ اے (زندہ رود) کہ تو شاعری کی انگوری شراب سے ہمیشہ مست رہتا ہے + اگر تجھے یہ مقام (آرزو) میسر آئے (تو پھر) انگلا شعر و کہئے۔

⑤ اس جہان سنگ و خشت یعنی مادی جہان میں ایک دو شعر کہہ کر + بہشت کی حوروں کے دل چھینے جا سکتے ہیں۔

زندہ رود

ہندیاں را دیدہ ام در پیچ و تاب وقت است گوئی بے حجاب!

*

شعر: میں نے اہل ہند کو پیچ و تاب یا عالم بے قراری میں دیکھا ہے + یہ وقت ہے کہ اب تو حق کے بھید کو صاف صاف کہہ دے (تاکہ ان کا پیچ و تاب ختم ہو)۔

برتری ہری

ایں خدایان تنک مایہ ز سنگ و خشت!
برترے ہست کہ دور است ز دیر و کنشت!
سجدہ بے ذوق عمل خشک و بجائے نرسد
زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت!
فاش گویم بتو حرفے کہ نداند ہمہ کس
اے خوش آں بندہ کہ بر لوح دل او را بنوشت!
ایں جہانے کہ تو بینی اثر یزداں نیست
چرخہ از تست و ہم آں رشتہ کہ بر دوک تو رشت!
پیش آئین مکافات عمل سجدہ گذار
زانکہ خیزد ز عمل دوزخ و اعراف و بہشت!

(ترجمہ از برتری ہری)

*

① (اے ہندوالو) یہ تمہارے محتاج اور بے اختیار خدا پتھر اور اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں + خدا تو ان (مادی اشیا) سے بالاتر ہے۔ وہ ہندوؤں کے مندر (بت خانہ) اور یہودیوں کی عبادت گاہ سے دور ہے (وہ ان مذہبی عبادت گاہوں میں تقسیم نہیں ہے ان سب سے الگ ہے اور سب کا ہے)۔

② ذوق عمل کے بغیر سجدہ خشک (ہے) یہ کہیں نہیں پہنچاتا + زندگی تو سب کی سب کردار کا نام ہے چاہے وہ اچھا ہو یا برا ہو (جو عبادت عمل سے بے گانہ کرتی ہے وہ عبادت نہیں)۔

③ میں تمہیں ایک بات صاف کہتا ہوں وہ بات جسے ہر کوئی نہیں جانتا + بہت اچھا ہے وہ بندہ جس نے اسے دل کی تختی پر لکھ لیا۔

④ یہ جہان جو تو دیکھتا ہے خدا کے اثر سے نہیں ہے (اس سے یہ مطلب نہیں کہ خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ بنایا ہوا تو خدا کا ہی ہے لیکن اسے ہم نے جو رنگ دے دیا ہے۔ جس شکل میں ڈھال لیا ہے وہ خدا کے منشائے تخلیق جہان کے خلاف ہے) + چرخہ تو تیرا ہے اور وہ دھاگا بھی تیرا ہے جو تو نے اس کے تکلے پر کاتا ہے یعنی جہان میں جو کچھ اچھا برا ہو رہا ہے وہ اے انسان تیرے عمل کا نتیجہ ہے۔

⑤ عمل کے بدلے کے قانون کے آگے سجدہ کر + کیونکہ یہ عمل ہی ہے۔ جس سے دوزخ، بہشت اور (ان کے درمیان کا مقام) اعراف پیدا ہوتا ہے (بھرتری ہری کا یہ پیغام جو اس کے شعروں ہی کا ترجمہ ہے اقبال کے پیغام کے عین مطابق ہے آدمی اپنی پیدائش اور فطرت میں نوری اور ناری نہیں ہے۔ یہ اس کے اعمال ہیں جو اسے جنتی اور دوزخی بناتے ہیں دنیا میں جو بو کر آخرت میں گندم کاٹنے کا یقین رکھنا بے وقوفی ہے)۔

1081

حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق

مشرق کے بادشاہوں کے محلوں میں حرکت کا پیدا ہونا

نادر، ابدالی اور سلطان شہید

تعارف نادر شاہ: اصلی نام قلی بیگ تھا۔ 1100ھ میں معمولی کاشت کار امام قلی بیگ کے گھر خراسان میں پیدا ہونے والا یہ بچہ 1148ھ میں نادر شاہ کے نام سے بادشاہ بن گیا۔ وہ محمد شاہ کے زمانے میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اس نے دلی پہنچ کر نہ صرف یہ کہ قتل عام کیا بلکہ جو کچھ بھی وہاں دربار میں موجود تھا لوٹ کر ایران لے گیا اور دربار دہلی کو مفلس کر گیا 1747ء میں مارا گیا۔

تعارف ابدالی: احمد شاہ ابدالی افغانستان کا وہ عظیم بادشاہ تھا جس نے اٹھارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر پے در پے حملے کر کے مسلمانوں اور ان کی سلطنت سے برسرپیکار مرہٹوں کو شکستیں دے کر ان کا ہمیشہ کے لئے زور توڑ دیا تھا۔ 1761ء تک پنجاب سے لے کر جنوب میں دریائے چنبل تک سارا ملک ہند اس کے قبضے میں تھا۔ لیکن اس نے بوجوہ ہندوستان پر بادشاہت نہیں کی۔ ایران کی طرف سے افغانستان میں حالات خراب کئے جانے کی بنا پر اسے وطن کی طرف توجہ دینی پڑی اور وہ ہند جو دوبارہ مسلمانوں کے ایک عظیم ملک کی حیثیت سے ابھر سکتا تھا ابھر نہ سکا بلکہ اس کے جانے کے بعد حالات مسلمانوں کے لئے اور ناسازگار ہو گئے احمد شاہ کو درانی بھی کہتے تھے۔ وہ ایشیا کا عظیم ترین فاتح تھا سلطان محمود غزنوی کی طرح اس نے بھی کبھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھائی تھی 1773ء میں وفات پائی۔ مزار افغانستان میں ہے۔

تعارف سلطان شہید: فتح علی نام' میسور (ہند) کے بادشاہ حیدر علی کا بیٹا تھا 1749ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات کے بعد 1782 میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت مشرقی ہند پر انگریز غاصب قبضہ کر چکے تھے۔ سلطان کے ان سے کئی معرکے ہوئے۔ مکار انگریزوں نے شکست پر شکست کھانے کے بعد ایک انگریز کو درویش بنا کر میسور بھیجا جس نے لوگوں کو سلطان کے خلاف اکسایا اور بڑے بڑے افسروں کو بھاری رشوتیں دے کر سلطان کے خلاف کیا۔ ان سرداروں کی غداری کی وجہ سے جن میں میر صادق کا کردار سب سے زیادہ بھیانک تھا سلطان کو شکستیں ہونے لگیں اور آخر 1799 میں میسور کے دارالحکومت سرنگاپٹم کے مقام پر وہ انگریز مکاروں اور مسلمان غداروں سے لڑتا ہوا 1799ء میں شہید ہو گیا۔

رفت در جانم صدائے برتری — مست بودم از نوائے برتری
گفت رومی "چشم دل بیدار بہ — پا بروں از حلقۂ افکار نہ
گروہ بر بزم درویشاں گذر — یک نظر کاخ سلاطیں ہم نگر!
خسروانِ مشرق اندر انجمن — سطوتِ ایراں و افغان و دکن
نادر آں دانائے رمزِ اتحاد — با مسلماں داد پیغامِ وداد
مردِ ابدالی و جودش آیتے — داد افغاں را اساسِ ملتے
آں شہیدانِ محبت را امام — آبروئے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر — خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر!
عشق رازے بود بر صحرا نہاد — تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد؟
از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین — فقر سلطاں وارثِ جذبِ حسین
رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز — نوبتِ او در دکن باقی ہنوز!"

*

① بھرتری کی آواز میری جان میں اتر گئی + میں بھرتری کی نوا سے مست تھا۔
② رومی نے کہا کہ چشم دل کا بیدار رہنا بہتر ہے + اپنے افکار کے حلقہ سے باہر نکل۔

③ تو درویشوں کی محفل سے گزر آیا ہے + (اب) ایک نظر بادشاہوں کے محل بھی دیکھ لے۔

④ (یہاں) مشرق کے بادشاہ انجمن سجائے ہوئے ہیں + (وہ بادشاہ جو) ایران' افغانستان اور دکن کی شوکت (یا ہیبت) تھے۔

⑤ (ان میں سے) ایک نادر شاہ ہیں جو اتحاد کی رمز کے دانا ہیں + اس نے مسلمانوں کو محبت کا پیغام دیا (مسلمانوں کے مختلف طبقات اور فرقوں میں اتحاد کے لئے کوشاں رہا)۔

⑥ ایک ابدالی (نام کا) مرد ہے (جس کا) وجود نشانی ہے (اس بات کی کہ اس نے) + افغانیوں کو ایک قوم بننے کی بنیاد فراہم کی۔

⑦ ایک وہ محبت کے شہیدوں کا امام تھا + جو ہند' روم' چین اور شام کی آبرو تھا (اشارہ ہے سلطان فتح علی ٹیپو شہید کی طرف)۔

⑧ اس کا نام سورج اور چاند سے زیادہ روشن ہے + اس کی قبر کی مٹی مجھ سے اور تجھ سے زیادہ زندہ ہے۔

⑨ عشق ایک راز تھا جسے اس نے صحرا کو دے دیا یعنی عام کر دیا + تو کیا جانتا ہے کہ اس نے (کافر اور مکار انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے) کس ذوق شوق سے جان دی۔

⑩ بدر اور حنین کی جنگوں کے خواجہ یعنی حضرت محمد ﷺ کی نگاہ سے + (سلطان ٹیپو) کا فقر جذبہ حسینؓ کا وارث تھا (انہوں نے شہادت اسی انداز سے پیش کی جس انداز سے حضرت حسینؓ نے پیش کی تھی)۔

(11) سلطان تو اس ہفت روزہ جہان سے جا چکا ہے یعنی وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکا ہے + (لیکن) اس کا ڈنکا دکن میں اب تک بج رہا ہے۔

دوسرا بند

حرف و صوتم خام و فکرم ناتمام — کے تواں گفتن حدیثِ آں مقام!
نوریاں از جلوہ ہائے او بصیر — زندہ و دانا و گویا و خبیر!
قصرے از فیروزہ دیوار و درش — آسماں نیلگوں اندر برش!
رفعت او برتر از چند و چگوں — می کند اندیشہ را خوار و زبوں!
آں گل و سرو و سمن' آں شاخسار — از لطافت مثلِ تصویرِ بہار!
ہر زماں برگِ گل و برگِ شجر — دارد از ذوقِ نمو رنگِ دگر!
ایں قدر بادِ صبا افسوں گر است — تا مژہ برہم زنی زرد احمر است!
ہر طرف فوارہ ہا گوہر فروش — مرغکِ فردوس زاد اندر خروش!
بارگاہے اندراں کاخِ بلند — ذرۂ او آفتاب اندر کمند!
سقف و دیوار و اساطین از عقیق — فرشِ او از یشم و پرچیں از عقیق!
بر یمین و بر یسارِ آں وثاق — صف بستہ حوریاں با زریں نطاق!

درمیاں نشستہ بر اورنگ زر خسروان جم حشم بہرام فرا!
رومی آں آئینۂ حسن ادب با کمال دلبری بکشاد لب!
گفت مردے شاعرے از خاور است شاعرے یا ساحرے از خاور است!
فکرِ او باریک و جانش دردمند شعرِ او در خاوراں سوزے فگند!"

*

① میرے الفاظ اور میرا بیان خام اور میری فکر ناتمام ہے + میں اس مقام کی (جہاں یہ سلاطین مشرق مجلس آرا ہیں) بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔

② فرشتے اس کے نور سے آنکھوں کی روشنی حاصل کرتے ہیں + وہ اس سے زندہ' دانا' گویا اور خبر رکھنے والے ہیں۔

③ وہ ایک ایسا محل ہے جس کے دیوار و در فیروزہ کے بنے ہوئے ہیں + نیلا آسمان اس کے پہلو میں ہے یعنی وہ بہت بلند ہے۔

④ اس کی رفعت چند و چگوں یعنی دنیاوی پیمانوں اور اندازوں سے برتر ہے یعنی کوئی دنیاوی پیمانہ اس کی بلندی کو نہیں ناپ سکتا + یہ (آدمی کی) فکر کو ذلیل و خوار کرتی ہے۔ (آدمی کو حیرت زدہ کرتی ہے)۔

⑤ اس کے وہ پھول' سرو' سمن اور وہ شاخوں کے سلسلے + لطافت میں بہار کی تصویر ہیں۔

⑥ ہر لحہ پھولوں کی پتیاں اور درختوں کے پتے + ذوق نمو سے ایک نیا رنگ رکھتے ہیں۔

⑦ اس کی باد صبا اس قدر جادو چلاتی ہے + کہ جب تک تو پلک جھپکے زرد رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔

⑧ ہر طرف اس کے فوارے گوہر فروش ہیں یعنی ان میں سے پانی اس طرح گرتا ہے جیسے کہ موتی گر رہے ہوں + اور جنت میں پیدا ہونے والے پرندے (ہر طرف) چہچہا رہے ہیں۔

⑨ س بلند محل کے اندر ایک بارگاہ ہے + جس کا ذرہ آفتاب کو کمند میں لاتا ہے یعنی جس کے ذرے سورج کی طرح روشن ہیں۔

⑩ (اس محل) کی چھتیں' دیواریں اور ستون عقیق کے ہیں + اس کے فرش ریشم کے اور ان (فرشوں) کے حاشیے بھی عقیق کے ہیں۔

(11) اس گھر کے دائیں اور بائیں + حوریں زرین کمربندوں کے ساتھ صف بستہ (کھڑی ہیں)۔

(12) ان کے درمیان سونے کے تخت پر بیٹھے ہیں + جمشید کی شوکت اور بہرام کی شان والے بادشاہ۔ (جمشید اور بہرام قدیم ایران کے شان و شکوہ والے بادشاہ گزرے ہیں)۔

(13) رومی نے جو کہ حسن ادب کا آئینہ ہے + نہایت انداز دلبری میں لب کھولے یعنی کہا۔

(14) (ان بادشاہوں کو کہا کہ میرے ساتھ) ایک شاعر مرد ہے جس کا تعلق مشرق سے ہے + وہ کوئی شاعر ہے یا ساحر ہے مشرق سے (کیا کہا جا سکتا ہے) یہاں اشارہ زندہ رود یعنی اقبال کی طرف ہے۔

(15) اس کی فکر باریک اور اس کی جان دردمند ہے + اس کی شاعری نے مشرق والوں کے دلوں میں سوز پیدا کر دیا ہے۔

نادر

خوش بیا اے نکتہ سنج خاوری | اے کہ می زیبد ترا حرفِ دری
محرمِ رازیم! با ما راز گوے | آنچہ میدانی ز ایراں باز گوے!

✱

① (نادر نے زندہ رود سے کہا) اے مشرق کے نکتہ دان خوش آمدید + اے کہ تجھے فارسی زبان (میں شاعری) زیب دیتی ہے۔

② ہم محرمِ راز ہیں ہم سے راز کہہ + جو کچھ تم ایران کے متعلق جانتے ہو وہ کہو۔

زندہ رود

بعد مدت چشمِ خود بر خود کشاد | لیکن اندر حلقۂ دامے فتاد
کشتۂ نازِ بتانِ شوخ و شنگ | خالقِ تہذیب و تقلیدِ فرنگ!
کارِ آں وارفتۂ ملک و نسب | ذکرِ شاپور است و تحقیرِ عرب!
روزگارِ او تہی از واردات | از قبورِ کہنہ می جوید حیات!
با وطن پیوست و از خود درگذشت | دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت!
نقشِ باطل می پذیرد از فرنگ | سرگذشتِ خود بگیرد از فرنگ!

✱

① (اے نادر ایران نے ایک مدت کے بعد خود پر اپنی آنکھ کھولی یعنی اپنی قدر و قیمت کا اندازہ کیا لیکن (پھر) وہ ایک جال کے حلقے میں پھنس گیا مراد ہے ایرانیوں نے مسلم قومیت کی بجائے ایرانی وطنیت کو اپنا نظریہ بنا لیا۔ اس نے پرانے آتش پرست اور کافر ایرانی بادشاہوں کو ہیرو سمجھا اور اسلامی دور کے عمائدین و قائدین خصوصاً عرب نژاد لوگوں کے خلاف نفرت پھیلائی۔ وہ حیدر کی بجائے رستم کی بہادری کی باتیں کرنے لگے۔ اسلام کی بجائے زرتشت کے اقوال سنانے لگے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ فرنگی تہذیب کے علم بردار ہو گئے۔

② (ایران آج یورپ کے) شوخ و شنگ حسینوں کا مارا ہوا ہے + جو خود ایک تہذیب کا خالق تھا تقلید فرنگ (کر رہا ہے)۔

③ اس ملک و نسب پر فریفتہ (ایران) کا کام + شاہ پور یعنی ایران کے پرانے کافر بادشاہ کا ذکر کرنا اور عربوں کی تحقیر کرنا (رہ گیا ہے) مراد ہے وہ اسلامی عہد پر ناز کرنے کی بجائے اسلام سے پہلے کے کافرانہ دور پر ناز کر رہا ہے۔

④ اس کی زندگی واردات سے یعنی نئے نئے تجربات و مشاہدات کرنے سے خالی ہے + وہ پرانی قبروں سے یعنی پرانی ایرانی تہذیب و ثقافت سے زندگی تلاش کر رہا ہے۔

⑤ وہ وطن سے جڑ گیا ہے اور خود سے گزر گیا ہے یعنی اس نے وطن پرستی کا مشرکانہ نظریہ اختیار کر رکھا ہے + اس نے (ایران کے مشہور بہادر رستم آتش پرست) کو دل دے رکھا ہے اور وہ حضرت علیؓ حیدر کرار کو چھوڑ چکا ہے (کیونکہ وہ عرب تھے۔ وطن پرستی کی دھن میں وہ مجوسیوں کا تو مداح ہے لیکن عرب مسلمانوں کا دشمن ہے۔

⑥ وہ یورپ والوں سے باطل نقش لے رہا ہے (وطن پرستی کا تصور بھی اس نے انھی سے لیا ہے) + اور اپنی کمائی ان سے لے رہا ہے مراد ہے خود کو ہر اعتبار سے فرنگی رنگ میں رنگ کر ان جیسا ہو رہا ہے۔

دوسرا بند

پیری ایراں زمانِ یزدجرد
چہرۂ او بے فروغ از خونِ سرد!
دین و آئین و نظامِ او کہن
شید و تارِ صبح و شامِ او کہن!
موجِ مے در شیشۂ تاکش نبود
یک شرر در تودۂ خاکش نبود!
تا ز صحرائے رسیدش محشرے
آں کہ داد او را حیاتِ دیگرے!
ایں چنیں حشر از عنایاتِ خدا است
پارس باقی! رومۃ الکبریٰ کجاست؟
آنکہ رفت از پیکرِ او جانِ پاک
بے قیامت بر نمی آید ز خاک!
مردِ صحرائی بایراں جاں دمید
باز سوئے ریگ زارِ خود رمید!
کہنہ را از لوحِ ما بسترد و رفت
برگ و سازِ عصرِ نو آورد و رفت!
آہ احسانِ عرب نشناختند
ز آتشِ افرنگیاں بگداختند!

⁕

① (اسلام سے پہلے یزدجرد ایران کا آخری بادشاہ تھا جو مجوسی تھا۔ مذہب زرتشت کا پیروکار تھا) یزدجرد کے زمانے میں ایران پر بڑھاپا تھا + اس کا چہرہ خون سے سرد اور چہرہ بے رونق تھا مراد ہے اسلام سے پہلے کے ایران میں زرتشتی عقائد رائج تھے جن میں زندگی کی کوئی کشش نہیں تھی۔

② (اس وقت کے ایران کا) دین، آئین اور نظام فرسودہ تھا + اس کی صبح و شام کی روشنی و تاریکی پرانی تھی۔ (تہذیب و ثقافت اور دین و عقائد میں کوئی طاقت نہ تھی)۔

③ اس کے انگور کی بیل کے شیشے میں شراب بالکل نہ تھی + اس کی مٹی کے تودہ میں ایک چنگاری (بھی) نہ تھی۔ مراد ہے ایران اسلام سے پہلے ہر لحاظ سے پس ماندہ اور گمراہ تھا۔

④ تا آنکہ (عرب کے) صحرا سے (ایران میں) ایک محشر بپا ہوا یعنی اسلام نے خود کو ایرانیوں سے شناسا کر کے ان کی زندگی بدل دی۔ ان کو مردہ سے زندہ قوم بنا دیا + وہ محشر کہ جس نے ایرانیوں کو ایک نئی زندگی عطا کی۔

⑤ اس قسم کا حشر خدا کی عنایات میں سے ہے + دیکھو پارس (ایران) اب تک باقی ہے وہ عظیم رومن سلطنت کہاں ہے مراد ہے کہ اسلام کی قبولیت کی بنا پر ایران اب تک زندہ ہے اور رومن سلطنت عربوں کی مفتوح ہونے کے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کی بنا پر فنا ہو گئی۔ عربوں نے ایران کو زندگی عطا کی اور

آج وطنیت کی رو میں بہہ کر وہ عربوں ہی کی مخالفت کر رہا ہے۔

⑥ وہ کہ جس کے (جسم سے) پاک جان نکل جاتی ہے + وہ قیامت برپا ہوئے بغیر مٹی سے (قبر سے) نہیں اٹھتا۔

⑦ (عرب کے) صحرا نشین مردوں نے ایران (کے مردہ جسم میں) روح پھونکی + پھر اپنے ریگستان کی طرف واپس چلے گئے انہوں نے ایران کو مستقل طور پر اپنا دست نگر نہیں بنایا۔

⑧ انہوں نے ہماری (زندگی کی) تختی سے پرانی (تحریر کو) مٹا دیا اور چلے گئے یعنی انہوں نے ایران کو ایک جاندار مذہب' تہذیب' آئین وغیرہ دیا + وہ ایران کے لئے نئے سازوسامان لائے (یعنی اسے دے گئے) اور خود چلے گئے۔

⑨ افسوس ایرانیوں نے عربوں کے احسان کو نہ پہچانا + وہ افرنگیوں کی آگ میں پگھل گئے یعنی انہوں نے افرنگی خیالات و افکار اور تہذیب و ثقافت تو اپنا لی جس نے انہیں کہیں کا نہ رکھا اور عربی رنگ کی مخالفت کی وہ عربی رنگ جس نے انہیں مسلمانی اور انسانی رنگ دے کر دنیا و آخرت میں سرخرو کیا۔

نمودار می شود روح ناصر خسرو علوی و غزلے مستانہ سرائیدہ غائب می شود

ناصر خسرو علوی کی روح نمودار ہوتی ہے اور ایک مستانہ غزل گا کر غائب ہو جاتی ہے۔

تعارف ناصر خسرو علوی: ناصر خسرو 394ھ کے قریب بلخ کے نواحی گاؤں قبادیاں میں پیدا ہوا۔ وہ یوں تو بہت سے علوم و فنون کا ماہر تھا لیکن علوم عقلیہ میں خاص طور پر مکمل مہارت رکھتا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مصر میں بنو فاطمہ حکمران تھے اور جو اسماعیلی مذہب کے پیروکار تھے۔ ناصر خسرو بھی یہ مذہب اختیار کر کے دربار مصر تک پہنچا اور پھر اس کی عنایت خسروانہ کی بدولت خراسان و بدخشاں کے علاقے کو اس کے سپرد کر دیا گیا کیونکہ وہ اسماعیلی مذہب کا بہت بڑا داعی تھا اس لئے اس نے اپنی زیادہ زندگی مختلف ممالک کے سفر میں گزاری اور اپنا ایک سفرنامہ بھی لکھا اس نے اسماعیلی مذہب پر فلسفیانہ انداز میں زاد المسافرین کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے وہ شاعر بھی تھا اقبال نے اس کے کلام سے یہ چند اشعار قلم بند کئے ہیں۔ ناصر کی اور بھی کئی تصانیف ہیں وہ 480ھ میں فوت ہوا۔

"دست را چوں مرکب تیغ و قلم کردی مدار / ہیچ غم مرکب تن لنگ باشد یا عرن
از سرِ شمشیر و از نوکِ قلم زاید ہنر / اے برادر ہمچو نور از نار و نار از نارون
بے ہنر واں نزد بے دیں ہم قلم ہم تیغ را / چوں نباشد دین نباشد کلک و آہن را ثمن
دیں گرامی شد بدانا و بنادان ... گشت / پیشِ ناداں دیں چو پیشِ گاؤ باشد یاسمن!
ہمچو کرپاسے کہ از یک نیمہ زو ... / کرتہ آید وز دگر نیمہ یہودی را کفن"

*

① ... قلم (کے گھوڑوں) کا سوار بنا لیا ہے یعنی تیرے پاس قوت بھی ... تیرے جسم کا گھوڑا لنگڑا بھی کیوں نہ ہو یا اس کے پاؤں ... ایسے ...

② ہنر شمشیر کی دھار اور قلم کی نوک سے پیدا ہوتا ہے + اے بھائی جیسے کہ آگ سے روشنی اور نارون (درخت کی لکڑی) سے آگ پیدا ہوتی ہے یعنی اگر طاقت ہے اور علم نہیں یا علم ہے تو طاقت نہیں تو کوئی فرد یا قوم باہنر نہیں ہو سکتی۔

③ اگر بے دین کے ہاتھ میں قلم اور تلوار ہو تو اسے بے ہنر جان + (کیونکہ) اگر دین نہیں ہے تو کلک (قلم / علم) اور آہن (تلوار / طاقت) کی کوئی قیمت نہیں۔

④ دین دانا آدمی سے باعزت ہوا اور نادان آدمی سے خوار ہوا + نادان کے سامنے دین اسی طرح کا ہے جس طرح گائے کے سامنے چنبیلی (اسے اس کی کیا سمجھ اس کی کیا قدر۔ اس کی قسمت میں تو گھاس پھوس ہے)۔

⑤ اس کھدر کے کپڑے کی طرح کہ جس کے نصف سے حضرت الیاس پیغمبر کا + کرتہ بنتا ہے اور اس کے دوسرے حصے سے یہودی کا کفن بنتا ہے مراد ہے دین کی مثال اس کپڑے کی سی ہے۔ جو الیاس جیسے پیغمبر کی نسبت سے سرفراز ہے اور ایک یہودی کی نسبت سے سرِ بزیر ہے۔

ابدالی

آں جواں کو سلطنت ہا آفرید باز در کوہ و قفار خود رمید!
آتشے در کوہسارش بر فروخت خوش عیار آمد بروں یا پاک سوخت؟

*

① (ابدالی زندہ رود سے کہتا ہے کہ) وہ (افغانی) جوان جس نے کئی سلطنتیں پیدا کیں + وہ پھر خود کو پہاڑوں اور بے آب و گیاہ بیابانوں میں لے گیا۔ یعنی وہاں تک محدود ہو کر رہ گیا۔

② (کبھی وہ وقت تھا کہ) اس جوان نے پہاڑی سلسلوں میں آگ بھڑکا رکھی تھی (ہر وقت طلب، جستجو، اور دریافت میں لگے رہتے تھے) + (زندہ رود مجھے یہ بتائیں کہ) جو آگ ان افغانیوں نے جلائی تھی اس میں سے وہ زمانے کے تول پر پورا اترتا ہوا نکلا ہے یا پورے طور پر جل بھن گیا ہے (آج کل اس کی کیا صورت ہے۔ سربلند ہے یا ذلیل و خوار ہے)

زندہ رود

امتاں اندر اخوت گرم خیز   او برادر با برادر در ستیز
از حیاتِ او حیاتِ خاور است   طفلکِ دہ سالہ اش لشکر گر است!
بے خبر خود را ز خود پرداختہ   ممکناتِ خویش را نشناختہ!
ہست دارا اے دل و غافل ز دل   تن ز تن اندر فراق و دل ز دل!
مردِ رہرو را بمنزل راہ نیست   از مقاصدِ جانِ او آگاہ نیست!
خوش سرود آں شاعرِ افغان شناس   آنکہ بیند باز گوید بے ہراس!

آں حکیم ملت افغانیاں	آں طبیبِ ملت افغانیاں
راز قومے دید و بے باکانہ گفت	حرفِ حق با شوخیِ رندانہ گفت!
"اشترے یابد اگر افغان حر	با یراق و ساز و با انبارِ در
ہمت دونش ازاں انبارِ در	می شود خوشنود با زنگِ شتر!"

*

① (دنیا کی دوسری اقوام) اخوت میں گرم خیز (سرگرم) ہیں (آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا کر رہی ہیں) + (لیکن جہاں تک افغانوں کا حال ہے) وہاں بھائی سے بھائی لڑ رہا ہے (حالانکہ اسلام کا درس اخوت ان کے پاس ہے لیکن وہ اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں)۔

② ان کی زندگی سے مشرق کی زندگی ہے + (کیونکہ) ان کا تو دس سال کا بچہ بھی لشکر گر ہے (لڑائی کرنے والوں کی صف کو بنانے والا ہے یعنی جنگجو۔ ہے)۔

③ اس اپنے آپ سے بے خبر نے خود کو گنوا دیا ہے + اس نے (اپنے اندر کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اور ان سے جو کچھ ظہور پذیر ہو سکتا ہے ان کو) نہیں پہچانا (ورنہ تو وہ بہت بڑی عسکری قوت ہے اور کئی دوسرے اوصاف کا حامل ہے)۔

④ وہ دل رکھتا ہے لیکن دل سے غافل ہے + (اس قوم کے افراد کے) جسم جسم سے اور دل دل سے جدا ہیں (افغان قوم سخت نفاق اور افتراق کا شکار ہے)۔

⑤ اس مسافر کو منزل تک کا راستہ نہیں ملتا + (اس لئے نہیں ملتا) کہ اس کی جان مقاصد (زندگی) سے آگاہ نہیں ہے۔

⑥ ان افغانوں (کی ذہنیت کو) پہچاننے والے شاعر نے کیا اچھی بات کہی + وہ جو کہ جو کچھ دیکھتا ہے اس کو بے خوف کہہ دیتا ہے۔

⑦ وہ افغانی قوم کا حکیم + وہ افغانی قوم کا معالج (تھا)۔

⑧ اس نے قوم کا راز دیکھا اور بے خوف ہو کر کہا + اس نے سچی بات رندانہ شوخی سے کہہ دی۔

⑨ اگر آزاد افغان ایک اونٹ پالیتا ہے + ساز، قیمتی سامان اور موتیوں کے انبار کے ساتھ۔

⑩ تو اس کی پست ہمتی (کا یہ حال ہے) کہ وہ موتیوں کے اس ڈھیر سے اونٹ کی گھنٹی سے خوش ہو جاتا ہے (یہ اشعار خوش حال خان خٹک سے ماخوذ ہیں۔ خٹک 1042ھ میں اکوڑہ خٹک ضلع پشاور میں پیدا ہوا تھا خود سردار اور سردار کا بیٹا تھا۔ اس نے افغان قوم کو بیدار کرنے کی بڑی کوشش کی۔ شاعری میں افغانیت اور تصوف کا رنگ غالب ہے اس نے 1100ھ میں وفات پائی)۔

ابدالی

پہلا بند

در نہادِ ما تب و تاب از دل است	خاک را بیداری و خواب از دل است!

تن ز مرگِ دل دگرگوں می شود در مساماتش عرق خوں می شود!
از فسادِ دل بدن ہیچ است ہیچ دیدہ بر دل بند و جز بر دل مپیچ!
آسیا یک پیکر آب و گل است ملتِ افغاں در آں پیکر دل است
از فساد او فساد آسیا در کشادِ او کشادِ آسیا
تا دل آزاد است آزاد است تن ورنہ کاہے در رہِ باد است تن!
ہمچو تن پابندِ آئین است دل مردہ از کیں زندہ از دیں است دل!
قوتِ دیں از مقامِ وحدت است وحدت ار مشہود گردد ملت است

*

① ہماری فطرت میں جو تب و تاب ہے وہ دل کی بنا پر ہے + مٹی کی بیداری اور نیند دل سے ہے یعنی بدن انسان کی بیداری یا خواب کا تعلق دل کے بیدار یا خواب میں ہونے سے ہے۔

② دل کی موت سے بدن کی حالت بدل جاتی ہے + اس کے مسامات میں پسینہ خون بن جاتا ہے۔

③ دل کے فساد کی وجہ سے بدن ہیچ ہے ہیچ ہے (بے کار اور بے قیمت ہے) + آنکھوں کو دل پر جما اور دل کے بغیر کسی اور شے پر نہ لپٹ (کسی اور پر توجہ نہ دے۔ پہلے دل کو درست کر۔ اس کے فساد کو ختم کر جب یہ درست ہو جائے گا تو پھر اس کی نگاہ سے سب کو دیکھ)۔

④ ملک ایشیا ایک مٹی اور پانی کا مجسمہ ہے یعنی اگر ایشیا کو بمنزلہ جسم قرار دیں + تو افغان قوم اس کے دل کی مانند ہے (اگر یہ قوم درست ہو جائے ایشیا خوش بخت ہو سکتا ہے)۔

⑤ اس کے بگاڑ سے ایشیا کا بگاڑ ہے + اس کی خوش حالی سے ایشیا کی خوش حالی ہے۔

⑥ جب تک دل آزاد ہے تن آزاد ہے + ورنہ جسم ہوا کی راہ کا ایک تنکا ہے (بے وقعت اور بے قیمت ہے)۔

⑦ جسم کی طرح دل بھی آئین کا پابند ہے + بغض اور حسد سے دل مرجاتا ہے اور دین سے دل زندہ ہوتا ہے۔

⑧ دین کی قوت مقام وحدت سے ہے (توحید سے ہے) + وحدت اگر مشہود ہو جائے (عمل میں آ جائے) تو ایک قوم بن جاتی ہے (مسلمان کا ایمان اور عقیدہ وحدت ہے لیکن وہ قومی اعتبار سے اس کے مخالف ہے اور اس طرح اس کی ملت پارہ پارہ ہے)۔

دوسرا بند

شرق را از خود برد تقلیدِ غرب باید ایں اقوام را تنقیدِ غرب
قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب!
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ روست نے ز عریاں ساق و نے از قطعِ موست!
محکمی او را نہ از لادینی است نے فروغش از خطِ لاطینی است!
قوتِ افرنگ از علم و فن است از ہمیں آتش چراغش روشن است!

حکمت از قطع و برید جامہ نیست   مانع علم و ہنر عمامہ نیست!
علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ   مغز می باید نہ ملبوسِ فرنگ!
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست   ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست!
فکرِ چالاکے اگر داری بس است   طبعِ دراکے اگر داری بس است!

*

① مشرق نے مغرب کی اندھا دھند پیروی کی بنا پر خود کو بھلا دیا + (تقلید کی بجائے) مشرقی اقوام کو مغرب پر تنقید کرنی چاہئے (ان کی تہذیب و ثقافت اور فکر و عمل کے نقائص بیان کر کے ان سے بچنے کی تلقین کرنی چاہئے لیکن وہ اس سے الٹ تقلید کا جرم کر رہی ہیں)۔

② (ہم ہر میدان میں چونکہ مغرب کی اندھا دھند پیروی کر رہے ہیں اس لئے ابدالی کہتے ہیں کہ) مغرب والوں کی قوت چنگ و رباب سے یعنی ان کے گانے بجانے اور موسیقارانہ ماحول کی وجہ سے نہیں ہے + نہ بے پردہ لڑکیوں کے رقص کرنے کی بنا پر ہے۔

③ نہ (وہاں کے) لالے کے پھولوں کی طرح سرخ چہرے والے جادوگروں (حسینوں) کے جادو سے ہے + نہ (ان حسینوں کی) ننگی پنڈلیوں اور نہ ان کے کٹے ہوئے (سر کے) بالوں کی بنا پر ہے۔

④ ان کی مضبوطی لادینی کے سبب بھی نہیں ہے + نہ ان کی ترقی ان کی زبانوں کے لاطینی رسم الخط کی بنا پر ہے۔

⑤ یورپ کی قوت علم اور ہنر سے ہے + اس کی (ترقی اور خوش حالی کا) چراغ اسی آگ سے روشن ہے۔

⑥ ان کی یعنی اہل یورپ کی حکمت ان کے لباس کی قطع و برید (شکل و انداز) کی وجہ سے نہیں + پگڑی علم و ہنر کے حصول سے منع نہیں کرتی یعنی مسلمان اپنے لباس میں رہتا ہوا علوم حاصل کر سکتا ہے۔

⑦ اے شوخ اور نخرے والے جوان علم و فن کے لئے + مغز (ذہن) چاہئے نہ کہ فرنگیوں کا لباس۔ (ہمیں فرنگی لباس کی نہیں علم کی ضرورت ہے۔ اس علم کی جو نافع ہو)۔

⑧ اس راستے میں (تحقیق و جستجو کی) نگاہ کے سوا کچھ نہیں چاہئے + یہ ٹوپی یا وہ ٹوپی مطلوب نہیں ہے یعنی علم و ہنر کے حصول کا تعلق لوگوں کے لباس وغیرہ سے نہیں کہ وہ ہیٹ پہنتے ہیں اور ہم پگڑی باندھتے ہیں بلکہ کسی لباس میں بھی ملبوس شخص علم و حکمت اور ہنر و فن سیکھ سکتا ہے۔

⑨ اگر تو چالاک فکر رکھتا ہے تو کافی ہے + اگر تو تیز عقل والی طبیعت رکھتا ہے تو کافی ہے (علم و ہنر کے حصول کے لئے)۔

تیسرا بند

گر کسے شبہا خورد دودِ چراغ   گیرد از علم و فن و حکمت سراغ!
ملکِ معنی کس حد او را نہ بست   بے جہادِ پیہمے ناید بدست!
ترک از خود رفتہ و مستِ فرنگ   زہرِ نوشیں خوردہ از دستِ فرنگ!

زانکہ تریاقِ عراق از دست داد   من چہ گویم جز "خدایش یار باد"
بندۂ افرنگ از ذوقِ نمود!   می برد از غربیاں رقص و سرود!
نقدِ جانِ خویشتن در بازد بہ لہو   علم دشوار است می سازد بہ لہو!
از تن آسانی بگیرد سہل را   فطرت او در پذیرد سہل را!
سہل را جستن دریں دیرِ کہن   ایں دلیلِ آنکہ جاں رفت از بدن!

*

① جب کوئی کافی راتیں چراغ کا دھواں کھاتا ہے یعنی راتوں کو جاگ کر غور و فکر کرتا ہے۔ اور محنت کرتا ہے + تو وہ علم و حکمت اور فن کا سراغ پالیتا ہے۔ (ان کو حاصل کر لیتا ہے)۔

② معانی کی سلطنت (علم و حکمت کے ملک) کی حد بندی کوئی نہیں کر سکا + (معانی کا ملک) مسلسل جہاد (محنت و ریاضت) کئے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔

③ ترک (ترکی کے لوگ) اپنا آپ بھول چکے ہیں اور یورپ والوں (کی شراب میں) مست ہو گئے ہیں + انہوں نے فرنگیوں کے ہاتھ سے میٹھا زہر پی لیا ہے یعنی انہوں نے فرنگی تہذیب و ثقافت کو زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا کر اپنی شناخت کو ختم کر لیا ہے مگر اصل شے جس کا تعلق علم و حکمت سے ہے وہ حاصل نہیں کی۔ وہ تو یورپ والوں کی بود و باش اور خیال و فکر کی نقالی کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی تھی اپنے مشرق اور اسلامی تشخص کو قائم رکھتے ہوئے بھی مل سکتی تھی لیکن ترکوں نے فریب کھایا۔ وہ خود کو فراموش کر کے فرنگی تمدن کے سمندر میں غرق ہو گئے مگر ان کے علوم و فنون کی برکات سے محروم رہے۔

④ چونکہ انہوں نے عراق کا تریاق ہاتھ سے دے دیا + میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ ان کا خدا حافظ ہو۔ (مراد یہ ہے کہ ترکوں نے اپنے تشخص کا کوئی نشان بھی تو باقی نہیں چھوڑا کہ جس سے وہ دوبارہ خود کو پا سکیں --- عراق سے تریاق یعنی زہر کا توڑ لانے کی بات اس لئے کی ہے کہ ایک محاورہ ہے فارسی کا جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک عراق سے تریاق لایا جائے گا سانپ کا ڈسا ہوا مر جائے گا۔ ترکوں نے جو کچھ خود سے کیا ہے اور جس طرح اپنے تشخص کو کھویا ہے اب اس کا دوبارہ حاصل کرنا ناممکن نظر آ رہا ہے اللہ ہی ہے اگر ان کے دن پھیر دے۔

⑤ یورپ کا غلام اپنی (جھوٹی) نمود کی خاطر + مغرب والوں سے رقص و سرود لے لیتا ہے۔

⑥ اپنی جان کی نقدی کھیل میں ہار دیتا ہے + علم حاصل کرنا چونکہ مشکل ہے اس لئے وہ کھیل تماشے سے موافقت پیدا کر لیتا ہے۔

⑦ اپنی تن آسانی کی وجہ سے وہ آسان کو پکڑ لیتا ہے + اس کی فطرت آسان کو قبول کر لیتی ہے (وہ علم و حکمت حاصل کرنے کی بجائے کھیل تماشے میں محو ہو جاتا ہے)۔

⑧ اس پرانی دنیا میں آسانی کی تلاش کرنا + اس بات کی دلیل ہے کہ بدن سے جان نکل گئی ہے (وہ زندہ ہے لیکن مردوں کے برابر ہے۔ زندہ لوگ تو مشکلات کو دعوت دیتے ہیں اور ان سے متصادم ہو کر اور ان کو شکست دے کر مزہ لیتے ہیں۔ بے کردار و عمل زندگی موت ہے)۔

زندہ رود

می شناسی چیست تہذیب فرنگ　در جہان او دو صد ... بی رنگ!
جلوہ ہایش خانماں ہا سوختہ　شاخ و برگ و ... نا سوختہ!
ظاہرش تابندہ و گیرندہ ایست　دل ضعیف است و ... بندہ ایست!
چشم بیند دل بلغزد اندروں　پیش ایں بت ... سرنگوں!
کس نداند شرق را تقدیر چیست!　دل بظاہر بستہ ... چیست؟

*

① کیا تو پہچانتا ہے کہ فرنگی تہذیب کیا ہے + ان کی (تہذیب کے) جہان میں ... و جنتیں ہیں یعنی یورپی تہذیب ظاہری چمک دمک اور عیش و عشرت کے اعتبار سے فردوس ... اں پیدا کردیتی ہے۔

② (ان تہذیب کی جنتوں کے) جلووں نے خاندانوں کے خاندان جلائے ہیں + انہوں نے (باغ انسانیت کے کئی) گھونسلے، پتے اور شاخیں جلائی ہیں یعنی اپنی تجلی سے ان کو اپنا فریفتہ بنایا ہے بلکہ پوری دنیا اس فردوس فرنگ کی طلب گار نظر آتی ہے۔

③ اس (تہذیب فرنگ) کا ظاہر چمک دار اور اپنی طرف کھینچنے والا ہے + اس تہذیب سے آدمی کا دل کمزور ہو جاتا ہے اور وہ نگاہ کا غلام بن جاتا ہے (جو کچھ تابناک نظر آتا ہے ا... کی طرف لپکتا ہے چاہے اس سے اندر کا انسان ہی کیوں نہ مرجائے)۔

④ (آدمی کی) آنکھ (ان جلووں کو) دیکھتی ہے (اور) دل اندر سے بھٹک ... جاتا ہے + (اس خوف کے مارے) وہ بھی اس ... ... کے آگے سرنگوں ہو جاتا ہے (اور اس طرح اپنی موت خرید لیتا ہے)۔ گر بلرزد کی بجائے بلغزد پڑھا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا۔

⑤ کوئی نہیں جانتا کہ مشرق کی تقدیر کیا ہے + اس ظاہر میں دل لگانے والے کی تدبیر کیا ہے مراد یہ ہے کہ مشرق والوں نے مغرب کے علوم و فنون اور تحقیق و مشاہداتی تجربوں سے تو فائدہ نہ اٹھایا البتہ وہ ان کی تہذیب کی عیش و عشرت والی چمک دمک سے چندھیا گئے ہیں اور اس طرح ان کے پاس جو کچھ اپنا تھا وہ بھی کھو بیٹھے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ اس تقدیر کو بدلنے کے لئے کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔

ابدالی

آنچہ بر تقدیر مشرق قادر است　عزم و حزم پہلوی و نادر است،
پہلوی آں وارث تخت قباد　ناخن او عقدۂ ایراں کشاد
نادر آں سرمایۂ درانیاں　آں نظام ملت افغانیاں
از غم دین و وطن زار و زبوں　لشکرش از کوہسار آمد بروں

ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر
با عدو فولاد و با یاراں حریر!
من فدائے آنکہ خود را دیدہ است
عصرِ حاضر را نکو سنجیدہ است!
غربیاں را شیوہ ہائے ساحری است
تکیہ جز بر خویش کردن کافری است!

*

① وہ جو مشرق کی تقدیر (بدلنے پر) قادر ہے + وہ (اس وقت کے ایران کے بادشاہ) رضا شاہ پہلوی اور (افغانستان کے شاہ) نادر شاہ کے ارادہ اور تدبر پر ہے۔

② رضا شاہ پہلوی (ایران کے پرانے بادشاہوں) قباد کے تخت کا وہ وارث ہے + جس کے ناخن نے ایران کے عقدہ کو کھولا (ایران اور اہل ایران کو مشکلات سے نکالا اور ترقی کے ایک نئے دور میں داخل کیا)۔

③ نادر شاہ وہ جو کہ درانیوں کا سرمایہ ہے (احمد شاہ ابدالی بھی درانی تھا (درانی ایک قبیلہ ہے) + وہ جس نے افغانی ملت کو ایک نظام دیا (اس کو ایک قوم کی حیثیت دی)۔

④ وہ یعنی نادر دین اور وطن کے غم میں نڈھال ہے + اس کا لشکر اس کے پہاڑوں سے باہر آیا (اور اس نے بچہ سقہ کی برائے نام حکومت ختم کر کے افغانی ملت کی شناخت پر مشتمل مستحکم حکومت قائم کی)۔

⑤ وہ سپاہی، سپاہ گر اور امیر سپاہ تھا + وہ دشمنوں کے لئے فولاد اور دوستوں کے لئے ریشم تھا۔

⑥ میں اس پر فدا جاؤں جس نے خود کو دیکھا ہے (اپنی صلاحیتوں کو پہچانا ہے) + اس نے عہد حاضر کو خوب تولا ہے (اور اس کی روح کو پہچان لیا ہے)۔

⑦ (اس نے زمانہ حاضر کی روح کو پہچان کر ہی یہ کہا ہے کہ) اہل مغرب کے طور طریقے جادوگرانہ ہیں (ان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے) + (یاد رکھو) اپنے بغیر کسی اور پر تکیہ کرنا کافری ہے۔

سلطان شہید

باز گو از ہند و از ہندوستاں
آنکہ با کاہش نیرزد بوستاں!
آنکہ اندر مسجدش ہنگامہ مرد
آنکہ اندر دیر او آتش فسرد!
آنکہ دل از بہر او خوں کردہ ایم
آنکہ یادش را بجاں پروردہ ایم
از غمِ ما کن غمِ او را قیاس
آہ ازاں معشوق عاشق ناشناس!

*

① (جب زندہ رود ابدالی سے فارغ ہوا تو سلطان ٹیپو شہید نے بات شروع کر دی کہنے لگے اے زندہ رود) ہند اور ہندوستان کے متعلق پھر اور کچھ بات کر + (وہ ہندوستان) جس کے ایک تنکے کے برابر بوستان کی قیمت نہیں۔

② وہ ہندوستان جس کی مسجدوں میں (مومنانہ) ہنگامے مر گئے + وہ ہندوستان جس کے مندروں کے اندر (کافرانہ) آگ بجھ گئی یعنی یہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں خود کو بھلا کر انگریز حاکم کے گرویدہ بن چکے ہیں۔

③ وہ ہندوستان جس کے لئے ہم نے اپنا دل خون کیا ہے + وہ ہندوستان جس کی یاد کو ہم نے اپنی جان میں پالا ہے۔

④ ہمارے غم سے اس کے غم کا قیاس کر لے + افسوس ہے اس عاشق کو نہ پہچاننے والے معشوق پر (ہندوستان کے اصل خیر خواہ تو ہم ہیں۔ ہم نے اس کی آزادی بچانے کے لئے جان اور سلطنت کی قربانی دی ہے لیکن وہ ہمیں بھول کر اب غیروں کا یعنی انگریزوں کا دلدادہ ہو گیا ہے۔)

زندہ رود

ہندیاں منکر ز قانون فرنگ درنگیرد سحر و افسون فرنگ!
روح را بارِ گراں آئین غیر گرچہ آید ز آسماں آئین غیر!

*

① (اے سلطان فکر نہ کر) ہندوستانی قانون فرنگ کے منکر ہو گئے ہیں (اس وقت انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں) + وہ افرنگی کے سحر و افسوں کو قبول نہیں کرتے (وہ انکی جادوگری کا بھرم کھول رہے ہیں)۔

② روح کے لئے غیروں کا آئین بوجھ ہوتا ہے + چاہے یہ غیروں کا آئین آسمان سے کیوں نہ آیا ہو۔

سلطان شہید

چوں بروید آدم از مشتِ گلے با دلے با آرزوئے در دلے!
لذتِ عصیاں چشیدن کارِ اوست غیرِ خود چیزے ندیدن کار اوست!
زانکہ بے عصیاں خودی ناید بدست تا خودی ناید بدست آید شکست!
زائر شہر و دیارم بودۂ چشم خود را بر مزارم سودۂ
اے شناسائے حدودِ کائنات در دکن دیدی ز آثار حیات؟

*

① چونکہ آدم مٹی کی مٹھی سے اگتا ہے یعنی وہ مٹی کا بنا ہوا آدمی جب معرض وجود میں آتا ہے + ایک دل (اور) دل میں ایک آرزو کے ساتھ۔

② تو گناہ کی لذت چکھنا اس کا کام ہے + اپنے سوا کسی اور کو نہ دیکھنا اس کا کام ہے (وہ گناہ بدست اور خودمست رہتا ہے)۔

③ کیونکہ بغیر گناہ کے خودی ہاتھ نہیں آتی + اور جب تک خودی ہاتھ نہ آئے آدمی کے ہاتھ میں (صرف) شکست آتی ہے (یہاں یہ فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک آدمی ماحول سے برسرپیکار نہ ہو اس کی پوشیدہ صلاحیتیں بروئے کار نہیں آتیں۔ جب تک انسان سے غلطیاں نہ ہوں وہ ان کو سنوارنے اور ان سے باز رہنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ خودی کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ اسے مشکلات کا سامنا

ہو)۔

④ اے زندہ رود تو (1929ء میں) میرے شہر اور میرے مزار کا زائر ہوا ہے یعنی ان کو دیکھا ہے + تو نے اپنی آنکھوں کو میرے مزار پر (عقیدت و احترام) میں ملا ہے۔

⑤ اے حدود کائنات کے شناسا یعنی اے دنیا سے اس جہان بالا میں آئے ہوئے مسافر (کچھ بتا) + کیا دکن میں (جنوبی ہند میں جہاں میری سلطنت تھی) تو نے زندگی کے آثار دیکھے ہیں (یا داں کے لوگ بدستور انگریز مکاروں لٹیروں اور غاصبوں کے اقتدار پر راضی ہیں)۔

زندہ رود

تخم اشکے ریختم اندر دکن — لالہ ہا روید ز خاکِ آں چمن
رودِ کاویری مدام اندر سفر — دیدہ ام در جانِ او شورے دگر!

*

① میں نے اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کے بیج دکن میں بو دئے ہیں + اب اس چمن کی مٹی سے لالے کے پھول اگتے ہیں (آزادی کے عاشق میرے دئے گئے پیغام کی وجہ سے پیدا ہونے لگے ہیں)۔

② کاویری دریا (پہلے کی طرح) ہمیشہ سفر میں ہے + میں نے اس کی جان میں ایک نیا شور دیکھا ہے (وہاں کے لوگ اب بیدار ہو رہے ہیں اور انھیں اپنی آزادی کے سلب ہونے کا احساس ہونے لگا ہے۔ وہ انگریز غاصب سے اس کو یعنی اپنی آزادی کو چھیننے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں)۔

سلطان شہید

اے ترا دادند حرفِ دلفروز — از تپِ اشکِ تو می سوزم ہنوز
کاو کاوِ ناخنِ مردانِ راز — جوئے خوں بکشاد از رگہائے ساز
آں نوا کز جانِ تو آید بروں — می دہد ہر سینہ را سوزِ دروں!
بودہ ام در حضرتِ مولائے کل — آنکہ بے او طے نگردد سبل!
گرچہ آنجا جرأتِ گفتار نیست — روح را کارے بجز دیدار نیست!
سوختم از گرمیِ اشعارِ تو — بر زبانم رفت از افکارِ تو
گفت "ایں بیتے کہ برخواندی زکیست؟ — اندرو ہنگامہ ہائے زندگی است"!
با جہاں سوزے کہ در ساز و بجاں — یک دو حرف از ما بہ کاویری رساں!
در جہاں تو زندہ رود او زندہ رود — خوشتر آید سرود اندر سرود

*

① اے کہ خدا نے تجھے دلوں کو چمکا دینے والا کلام عطا کیا ہے + میں تیرے آنسوؤں کی تپش سے ابھی تک جل رہا ہوں (تیرے کلام پر سوز اور تیری شخصیت پر درد سے میں بہت متاثر ہوا ہوں)۔

② راز جاننے والے مردوں کے ناخن نے محنت و کاوش سے + ساز کی رگوں سے جوئے خون نکالی ہے مراد ہے تجھ جیسا کلام کہنا ہر قسم کا کام نہیں۔

③ وہ نوا جو تیری جان سے باہر آئی ہے یعنی جو کلام تو کہتا ہے + وہ ہر سینے کو سوز دروں عطا کرتا ہے۔

④ میں مولائے کل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضور رہا ہوں + وہ کہ جن کے بغیر (زندگی کے) راستے طے نہیں ہوتے (جن راستوں کو لوگ ان کے بغیر طے کرتے ہیں وہ زندگی کے نہیں شرمندگی کے راستے ہیں)۔

⑤ اگرچہ وہاں (کسی کو) بات کرنے کی جرأت نہیں ہے + (اور) وہاں روح کو سوائے ان کا دیدار کرتے رہنے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔

⑥ میں (چونکہ) تیرے اشعار کی گرمی سے جلا ہوا تھا + میری زبان پر (اچانک اور بے ساختہ) تیرے افکار (شعر) آگئے۔ (اور میں نے وہاں سنا دیئے)۔

⑦ مجھ سے حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ شعر جو تو نے پڑھے ہیں کس کے ہیں + اس کے اندر زندگی کے ہنگامے ہیں۔

⑧ اب تو اسی سوز سے جو جان سے موافقت رکھتا ہے + میری طرف سے ایک دو باتیں دریائے کاویری یعنی وہاں کے رہنے والوں کو پہنچا دے۔

⑨ جہان میں تو بھی زندہ رود (ندی) ہے اور وہ بھی ندی ہے + سرود کے اندر سرود بہت خوب رہے گا (تو بھی گا رہا ہو گا وہ بھی مترنم ہو گی کیا سماں بندھے گا)۔

پیغام سلطان شہید بہ رودِ کاویری
(سلطان شہید کا پیغام کاویری ندی کو)

حقیقت حیات و مرگ و شہادت
(زندگی، موت اور شہادت کی حقیقت)

رودِ کاویری یکے نرمک خرام — خستۂ شاید کہ از سیرِ دوام!
در کہستاں عمرہا نالیدۂ — راہِ خود را با مژہ کاویدۂ
اے مرا خوشتر ز جیحون و فرات — اے دکن را آبِ تو آبِ حیات
آہ شہرے کو در آغوشِ تو بود — حسنِ نوشین جلوہ از نوشِ تو بود
کہنہ گردیدی شبابِ تو ہماں — پیچ و تاب و رنگ و آبِ تو ہماں!
موجِ تو جز دانۂ گوہر نزاد — طرۂ تو تا ابد شوریدہ باد!
اے ترا سازے کہ سوزِ زندگی است — ہیچ میدانی کہ ایں پیغام کیست؟
آنکہ میدانی طوافِ سطوتش — بودہ آئینہ دارِ دولتش!
آنکہ صحراہا ز تدبیرش بہشت! — آنکہ نقشِ خود بخونِ خود نوشت!
آنکہ خاکش مرجعِ صد آرزوست — اضطرابِ موجِ تو از خونِ اوست!
آنکہ گفتارش ہمہ کردار بود — مشرق اندر خواب و او بیدار بود

*

① اے کاویری ندی ذرا آہستہ چل + شاید تو مسلسل چلنے سے تھک گئی ہے۔

② تو پہاڑوں میں ایک عمر سے رو رہی ہے یعنی شور مچاتی ہوئی چل رہی ہے + تو نے اپنی راہ کو اپنی مژگان سے کھودا ہے (اپنے زور سے اپنا راستہ بنایا ہے)۔

③ اے کہ تو مجھ کو جیحوں اور فرات سے زیادہ اچھی لگتی ہے (جیحوں وسط ایشیا اور فرات عراق کا دریا ہے) + اے کہ دکن کے لئے تیرا پانی زندگی کا پانی ہے۔

④ آہ وہ شہر جو کبھی تیرے پہلو میں یعنی کنارے پر تھا + اس شہر کا شیریں جلووں والا حسن تیرے پانی کی وجہ سے تھا (سلطان شہید کے دارالحکومت سرنگاپٹم کی طرف اشارہ ہے)۔

⑤ تو (اے کاویری) اگرچہ پرانی ہو گئی ہے لیکن تیرا شباب اسی طرح ہے + تیرا پیچ و تاب اور تیرا رنگ و آب اسی طرح ہے۔

⑥ تیری موج نے موتی کے ایک دانہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کیا (یعنی سلطان ٹیپو جیسا گوہر پیدا نہیں کیا) + (خدا کرے) تیرا طرہ ابد تک شوریدہ رہے یعنی تیری لہریں اسی طرح ساحل کے اندر شور مچاتی رہیں۔ (طرہ کے معنی یہاں ساحل ہے)۔

⑦ اے وہ کاویری کہ جس کی لہروں کا ساز (ترنم) زندگی کا سوز (حرارت) پیدا کر رہا ہے + کیا تو جانتی ہے کہ یہ پیغام کس کا ہے۔

⑧ تو جانتی ہے یہ وہ ہستی ہے جس کی سطوت کا تو طواف (کرتی رہی ہے) + جس کے دارالحکومت سلطنت کی تو آئینہ دار (رہی ہے)۔

⑨ وہ کہ جس کی تدبیر سے صحرا بہشت بن گئے + وہ کہ جس نے اپنے خون سے اپنا نقش لکھا (جس نے شہادت کو گلے لگایا)۔

⑩ وہ کہ جس کی خاک ہزاروں آرزوؤں کا مرجع ہے یعنی جس سے ہزاروں آرزوئیں اپنی مراد کو پہنچیں + تیری موجوں کا اضطراب اس کے خون سے ہے۔

(11) وہ کہ جس کی گفتار سراپا کردار تھی یعنی جو کچھ وہ کہتا تھا کرتا بھی تھا + مشرق (جس وقت) خواب میں تھا وہ بیدار تھا یعنی جب مشرق کے لوگ یورپی اقوام کی یلغار کے سامنے بے بس ہو کر غلامی کی زندگی پر قناعت کر رہے تھے اس نے آزادی کے لئے انگریز مکار سے وہ جنگ لڑی کہ خود شہید ہو گیا لیکن غلامی قبول نہیں کی۔

دوسرا بند

اے من و تو موجے از رودِ حیات　　ہر نفس دیگر شود ایں کائنات!
زندگانی انقلابِ ہر دمے ست　　زانکہ او اندر سراغ عالمے ست!
تار و پودھر وجود از رفت و بود　　ایں ہمہ ذوقِ نمود از رفت و بود
جادہ ہا چوں رہرواں اندر سفر　　ہر کجا پنہاں سفر پیدا حضر!

کاروان و ناقہ و دشت و نخیل ہر چہ بینی نالد از دردِ رحیل!
در چمن گل میہمانِ یک نفس رنگ و آبش امتحانِ یک نفس!
موسمِ گل؟ ماتم و ہم نائے و نوش غنچہ در آغوش و نعشِ گل بدوش!
لالہ را گفتم یکے دیگر بسوز گفت رازِ ما نمی دانی ہنوز!
از خس و خاشاک تعمیرِ وجود غیرِ حسرت چیست پاداشِ نمود؟

*

① اے کہ میں اور تو (دونوں) زندگی کے دریا کی موجیں ہیں + ہر لحہ یہ کائنات ایک نیا رخ اختیار کر لیتی ہے (ہم سب موجوں کی طرح دریائے حیات میں اٹھتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی حال کائنات کی دوسری اشیا کا ہے کائنات ایک حال پر نہیں رہتی)۔

② زندگی ہر لحہ کے انقلاب کا نام ہے + وہ ہر لحہ ایک نئے عالم کے سراغ میں لگی رہتی ہے مراد ہے زندگی عمل کا اور آگے بڑھنے کا نام ہے۔ سکون اور ثبات زندگی کے لئے موت ہے۔

③ ہر وجود کا تار و پود رفت و بود سے ہے یعنی کائنات کی ہر شے ماضی میں چلی جاتی ہے۔ فنا ہو جاتی ہے کائنات کا وجود ہی فنا پر قائم ہے ایک شے فنا ہو گی تو دوسری وجود میں آئے گی + یہ سارا ذوق نمود (جو اشیا میں نظر آ رہا ہے) یہ اسی فنا کی بدولت ہے۔ (ایک شے مٹتی ہے تو دوسری وجود میں آ جاتی ہے)۔

④ مسافروں کی طرح راستے بھی سفر میں ہیں + ہر کہیں سفر پوشیدہ اور قیام ظاہر ہے مراد یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے بدلتی رہتی ہے جو وہ اس لحہ میں ہے اگلے لحہ میں نہیں ہوتی یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ قیام دیکھنے میں ہے حقیقت میں سفر ہی ہر شے کا مقدر ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ہر شے فرسودہ ہوتی جاتی ہے اور ہر لحہ گھس کر کچھ اور شکل اختیار کر لیتی ہے۔ سکون و ثبات محض فریب نظر ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ تڑپ رہا ہے۔

⑤ قافلہ، اونٹنی، بیابان، کھجور کا درخت + جس کسی کو بھی دیکھو گے وہ کوچ کی تکلیف سے فریاد میں ہے۔ (سب محو سفر ہیں۔ فنا کی جانب)۔

⑥ باغ میں پھول ایک دم کا مہمان ہے (پھر وہ مرجھا جاتا ہے) + اس کا رنگ اور چمک دمک بس ایک دم کا امتحان ہے (پھر وہ نہیں رہتا)۔

⑦ موسم گل (کیا ہے) یہ ماتم بھی ہے اور پینے پلانے یعنی عیش کا (عالم بھی ہے) موت کسی کے مرجھانے پر اور خوشی نئے غنچہ کے کھلنے پر + غنچہ اس کی آغوش میں ہوتا ہے اور پھول کی نعش اس کے کندھوں پر ہوتی ہے یعنی ادھر باغ میں پھول مر رہا ہوتا ہے ادھر کوئی غنچہ کھل رہا ہوتا ہے۔

⑧ میں نے لالے کے پھول سے کہا تھوڑی دیر کے لئے اور جل (اس کا جلنا اس کے سرخ رنگ اور اس کے سینے میں داغ کی بنا پر سمجھا جاتا ہے) + وہ کہنے لگا تو میرے راز کو ابھی تک نہیں جانتا۔

⑨ وجود کی تعمیر خس و خاشاک سے ہے + نمود کی سزا حسرت کے سوا اور کیا ہے (ہر شے خس و خاشاک کی طرح جل کر فنا ہونے کے لئے آتی ہے جو شے بھی وجود میں آتی ہے وہ ہزاروں حسرتیں لئے آغوش فنا میں چلی جاتی ہے۔ اس کی جگہ دوسری شے لے لیتی ہے اسی طریقہ کار سے گزرنے کے لئے)۔

تیر ابند

در سرائے ہست و بود آئی؟ میا — از عدم سوئے وجود آئی؟ میا
ور بیائی چوں شرار از خود مرو — در تلاشِ خرمنے آوارہ شو!
تاب و تب داری اگر مانندِ مہر — پا بنہ در وسعت آبادِ سپہر!
کوہ و مرغ و گلشن و صحرا بسوز — ماہیاں را در تہِ دریا بسوز!
سینۂ داری اگر درخورد تیر — در جہاں شاہیں بزی شاہیں بمیر!
زانکہ در عرضِ حیات آمد ثبات — از خدا کم خواستم طولِ حیات!
زندگی را! چیست رسم و دین و کیش؟ — یک دمِ شیری بہ از صد سال میش!

٭

① کیا تو اس ہست و بود یعنی بقا و فنا کی سرائے میں آنا چاہتا ہے نہ آ + کیا تو عدم سے وجود کی طرف آتا ہے مت آ۔

② اگر تو آجائے تو پھر چنگاری کی طرح خود سے نہ گزر + کسی خرمن (اناج کے ڈھیر) کی تلاش میں آوارہ رہ مراد ہے زندگی کو بے کار بسر نہ کر بلکہ اسے کسی مقصد کے تحت گزار۔

③ اگر تو سورج کی طرح کی چمک اور گرمی رکھتا ہے + تو پھر آسمانوں کی وسعت آباد میں قدم رکھ مراد ہے جہان میں آکر خود کو شرر نہ بناؤ کہ ادھر چمکا اور ادھر غائب ہو گیا اپنے اندر سورج کی طاقت پیدا کرو خود بھی روشن رہو دوسروں کو بھی روشنی دو اس کے لئے ارادہ و عمل کی ضرورت ہے۔

④ پہاڑ' پرندہ' باغ' صحرا (سب کو) جلا دے + مچھلیوں کو دریا کی تہ میں جلا دے مراد ہے تصادم اور تلاش سے اپنی ہستی اور خودی کا ثبوت بہم پہنچاؤ۔ تمہارے ارادوں اور کوشش کے راستے میں جو چیز بھی مزاحم ہو اس سے ٹکرا لو اور اس کو مٹا دو۔

⑤ اگر تو ایسا سینہ رکھتا ہے جو تیر کے لائق ہے یعنی تیر کھا سکتا ہے (محنت و مشقت کر کے ہر مخالفت پر قابو پا سکتا ہے) + تو جہان میں شاہین بن کر جی اور شاہین بن کر مر (کسی کا محتاج نہ بن۔ اپنی روزی آپ پیدا کر۔ ہر شے پر غلبہ حاصل کر۔ ہر شے سے بے نیاز جی۔ ناسوت کی بجائے ملکوت ولاہوت میں گزر کر)۔

⑥ کیونکہ زندگی میں کچھ کر کے دکھانے میں (زندگی کی) ثبات ہے (اظہار عمل اور نمود کردار کے بغیر زندگی زندگی نہیں موت ہے) + (اس لئے) میں نے خدا سے بھی عمر نہیں مانگی (کیونکہ شیر کی زندگی کا ایک لمحہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے)۔ اس عمر طویل سے جس میں آدمی زندگی کو سنوارنے بنانے کے لئے کچھ نہ کرے وہ مختصر زندگی بہتر ہے۔ جس میں وہ زندگی کے چہرے کو ایسی زینت دے سکے جو اس کا تقاضا ہے۔ یاد رہے کہ ٹیپو سلطان کی عمر طویل نہیں تھی)۔

⑦ زندگی کے لئے رسم' دین اور مسلک کیا ہے + شیر کا ایک دم بھیڑ کے سو سال سے بہتر ہے (یہ وہ فقرہ ہے جو سلطان شہید نے مرتے وقت کہا تھا۔ واقعی زندگی کا دستور' اس کا دین اور اس کی رسم و راہ شیروں کی طرح زندہ رہنے اور شیروں کی طرح مرنے ہی میں ہے)۔

چوتھا بند

زندگی محکم ز تسلیم و رضاست ۔۔۔ موت نیرنج و طلسم و سیمیاست!
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ ۔۔۔ یک مقام از صد مقام اوست مرگ!
می فتد بر مرگ آں مردِ تمام ۔۔۔ مِثلِ شاہینے کہ افتد بر حمام!
ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ ۔۔۔ زندگی او را حرام از بیمِ مرگ!
بندۂ آزاد را شانے دگر ۔۔۔ مرگ او را میدہد جانے دگر!
او خود اندیش است مرگ اندیش نیست! ۔۔۔ مرگِ آزاداں ز آنے بیش نیست!
بگذر از مرگے کہ سازد با لحد ۔۔۔ زانکہ ایں مرگ است مرگِ دام و دد!
مردِ مومن خواہد از یزدانِ پاک ۔۔۔ آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک!
آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق ۔۔۔ آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق!
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر! ۔۔۔ مرگِ پورِ مرتضیٰؓ چیزے دگر!
جنگِ شاہانِ جہاں غارت گری است ۔۔۔ جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است!
جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوے دوست! ۔۔۔ ترکِ عالم، اختیارِ کوے دوست!
آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت ۔۔۔ جنگ را رہبانیِ اسلام گفت!
کس نداند جز شہید ایں نکتہ را ۔۔۔ کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

*

① زندگی تسلیم و رضا (کا شیوہ اختیار کرنے سے) مضبوط ہے + موت تو نیرنگ، طلسم اور سیمیا ہے (موت سیمیا کے فن، جادو کے علم، اور شعبدہ بازی کی طرح فریب نظر ہے۔ موت بھی زندگی ہی کی ایک منزل ہے لیکن ہم اسے زندگی کی فنا سمجھتے ہیں۔ یہ حقیقت شیوہ تسلیم و رضا سے ہاتھ آتی ہے۔ یہ نکتہ شریعت و طریقت کی روح ہے۔ فقر اور شاہی دونوں رضا کے مقامات میں سے ہیں۔ تسلیم و رضا سے مراد ہر شے کے آگے ہتھیار ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کرتا ہوا اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرنے سے بندے کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے تو پھر اس سے مقابلہ کرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔ مثلاً ایک شخص جب یہ یقین کرلے گا کہ موت و حیات میرے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ میدان جہاد میں جانے سے بالکل نہیں گھبرائے گا کیونکہ اس میں یہ یقین پختہ طور پر موجود ہو گا کہ موت اگر اٹل ہے تو وہ ہر جگہ آجائے گی کیوں نہ اسے یعنی زندگی کو اعلیٰ مقصد کیلئے قربان کر دیا جائے اور اگر زندگی بچ گئی تب بھی خدا کی مرضی سے بچے گی اور اس وقت وہ غازی بن جائے گا)۔

② اللہ کا بندہ تو شیر ہے اور موت (اس کے آگے) ہرن ہے + اس کے سینکڑوں مقامات میں سے موت ایک مقام ہے (یہ خاتمہ حیات کا نام نہیں بلکہ ایک اور مقام حیات میں داخل ہونے کا دروازہ ہے)۔

③ وہ مردِ کامل (جو تسلیم و رضا کا شیوہ رکھتا ہے) موت پر اس طرح جھپٹتا ہے + جس طرح کہ شاہین

کبوتر پر جھپٹتا ہے (وہ موت سے خوف نہیں کھاتا شیر ہرن سے کیا خوف کھائے گا وہ تو اس کو شکار کرے گا مجاہد جب میدان جنگ میں جاتا ہے تو زندگی قربان کرنے ہی جاتا ہے۔ وہ زندگی جو مر کر بھی زندگی رہتی ہے۔ شہادت کی موت والی زندگی۔ ہمیشہ رہنے والی زندگی---)۔

④ غلام ہر گھڑی موت کے ڈر سے مرتا ہے + موت کے ڈر کی وجہ سے اس کی زندگی حرام ہو جاتی ہے (اس لئے وہ آزادی کے لئے بھی کوشش نہیں کرتا۔ دشمن کے خلاف میدان جنگ میں جانے سے ڈرتا ہے۔ وہ مرنے کے خوف سے عمر بھر غلامی کو ترجیح دے گا آزادی کے لئے کوشش نہیں کرے گا)۔

⑤ آزاد بندے کی شان ہی اور ہوتی ہے + موت اس کو ایک اور زندگی عطا کرتی ہے۔

⑥ وہ یعنی بندہ خدا اپنی فکر کرتا ہے موت کی فکر نہیں کرتا (وہ تو یہ سوچتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی اس زندگی کو کس انداز میں بسر کرے کہ خدا کے روبرو سرخرو ہو جائے اس خوشنودی خدا میں اسے جان سے بھی کیوں نہ گزرنا پڑے)+ آزاد لوگوں کی موت ایک لمحہ سے زیادہ نہیں ہوتی (وہ صرف ایک لمحہ کے لئے موت کے دروازے سے گزرتے ہیں ادھر دوبارہ زندہ ہونے کے لئے--- جس طرح سورج مغرب میں ڈوب کر مشرق میں نکل آتا ہے بندہ حق' مرد مومن یا مرد آزاد کی زندگی و موت کی بھی یہی صورت ہے)۔

⑦ اس موت سے گزر جا جو قبر سے موافقت کرتی ہے (جو مر کر زندہ ہونے کی خواہش نہیں رکھتی) + کیونکہ یہ موت تو چرندوں' پرندوں' درندوں کی موت ہے (مر کر ہمیشہ کے لئے وہ فنا ہوتے ہیں آدمی کی موت ان سے مختلف ہے بشرطیکہ وہ آدمی ہو حیوان نہ بن چکا ہو۔ اقبال کے الفاظ میں مرد مومن' مرد درویش' مرد کامل' یا بندہ حق جو موت دنیا کے بندوں کے لئے ہے حق کے بندوں کے لئے نہیں ہے)۔

⑧ مرد مومن خدائے پاک سے چاہتا ہے + وہ دوسری موت جو مٹی سے الحق ہے یعنی جو مرنے کے بعد قبر میں جا کر پھر زندگی پالیتی ہے۔

⑨ وہ دوسری موت (کیا ہے) راہ شوق کی انتہا ہے (معشوق سے ملنے کی انتہائی خواہش ہے) + ہنگامہ شوق میں یہ اس کی آخری تکبیر ہے (عاشق کے لئے موت محبت کی آخری منزل ہے۔ محبوب کے لئے سر کٹانا اللہ اکبر کہہ کر یہ ہے محبت کی آخری منزل---)۔

⑩ اگرچہ مومن کے لئے ہر موت شیریں ہے + لیکن حضرت علی کے بیٹے کی موت ایک اور چیز ہے (یہ عاشقوں کے سردار کی موت ہے۔ اور سردار کی موت کا انداز اپنا ہوتا ہے)۔

(11) دنیا کے بادشاہوں کی جنگ تباہی لاتا ہے۔ مومن کی جنگ پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کو نبھانا ہے (جنگ اور جہاد میں یہی فرق ہے ایک دنیا کے لئے دوسری دین کے لئے ایک اپنی ذات کے لئے دوسری خدا کے لئے اور ایک اپنی قوم کے لئے اور دوسری اللہ کی مخلوق کے لئے لڑی جاتی ہے۔ پہلی جنگ میں موت واقعی موت ہے دوسری جنگ میں موت حیات ہے)۔

(12) مومن کی جنگ کیا ہے دوست کی طرف ہجرت کرنا ہے (اس یقین پر جان دینا ہے کہ خدا سے ملاقات ہوگی) + دنیا چھوڑ کر یار کی گلی کو اختیار کرنا ہے۔

(13) وہ ہستی کہ جس نے عشق کی بات قوموں کو بتائی + اس نے جنگ کو اسلام کی رہبانیت کہا ہے۔ (یہ پیغام بر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ وہ رہبانیت جس میں آدمی دنیا سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ زندگی کے کاموں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا وہ رہبانیت اسلام میں حرام ہے ہاں دنیا کو

اللہ کے لئے ترک کرنا اور میدان جہاد میں اللہ کا نام سربلند کرنے کے لئے جانا یہ رہبانیت جائز ہے۔ یہ جہادی رہبانیت ہے۔ جس میں مجاہد ہر شے سے منہ موڑ کر صرف اللہ اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اولیا و صلحا جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتے ہیں وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمان درویش راہب نہیں ہوتا مجاہد ہوتا ہے)۔

(14) اس نکتہ کو شہید کے بغیر کوئی نہیں جانتا (اس کا علم صرف خدا کی راہ میں جان دینے والے کو ہوتا ہے) + وہ شہید کہ جو اپنا خون دے کر اس باریک بات کو خریدتا ہے (اس نکتے کا تعلق قال سے نہیں حال سے ہے۔ سر پر کفن باندھ کر میدان جہاد میں نکلنے والا اور خون میں نہانے والا شہید مجاہد ہی سمجھ سکتا ہے کہ ترک دنیا کا خدائی مفہوم کیا ہے)۔

زندہ رود رخصت می شود از فردوس بریں و تقاضائے حوران بہشتی

زندہ رود فردوس بریں سے رخصت ہوتا ہے اور بہشت کی حوریں اس سے تقاضا کرتی ہیں۔

شیشۂ صبر و سکونم ریز ریز   پیر رومی گفت در گوشم کہ خیز!
آں حدیثِ شوق و آں جذب و یقیں   آہ آں ایوان و آں کاخِ بریں!
دل بہ خوں رسیدم بر درش   یک ہجوم حور دیدم بر درش!
بر لبِ شاں زندہ رود' اے زندہ رود   زندہ رود' اے صاحب سوز و سرود!
شور و غوغا از یسار و از یمیں   یک دو دم با ما نشیں' با ما نشیں!

*

① (سلطان شہید کی باتیں سن کر) میرے صبر و سکون کا پیمانہ لبریز ہو گیا (میں بے صبر و بے قرار ہو گیا) + (اس وقت) پیر رومیؒ نے میرے کان میں کہا اٹھ (کہ اب یہاں سے چلیں)۔

② آہ وہ (سلطان شہید) کی عشق کی باتیں اور (ان کو سن کر پیدا ہونے والا) وہ جذب و یقیں + آہ وہ ایوان اور وہ بلند و پاک محل (سب کچھ چھوڑ کر جانا پڑا)۔

③ میں خون بھرے دل کے ساتھ اس کے (بہشت کے) دروازے تک پہنچا + میں نے دروازے پر حوروں کا ایک ہجوم دیکھا۔

④ ان کے ہونٹوں پر زندہ رود زندہ رود تھا + زندہ رود اے سوز و ساز کے مالک۔

⑤ دائیں بائیں سے (حوروں کا) شور و غوغا تھا + (وہ کہہ رہی تھیں) اے زندہ رود ایک دو دم کے لئے ہمارے پاس بیٹھو ہمارے ساتھ رہو۔

زندہ رود

راہرو کو داند اسرارِ سفر ترسد از منزل ز رہزن بیشتر
عشق در ہجر و وصال آسودہ نیست بے جمالِ لایزال آسودہ نیست!
ابتدا پیشِ بُتاں افتادگی انتہا از دلبراں آزادگی!
عشق بے پروا و ہر دم در رحیل در مکان و لامکاں ابن السبیل!
کیشِ ما مانندِ موجِ تیز گام اختیار جادہ و ترکِ مقام!

*

① وہ مسافر جو سفر کے اسرار جانتا ہے + وہ رہزن سے زیادہ منزل (اختیار کرنے) سے ڈرتا ہے (اسے تو ہردم کی حرکت میں مزہ ملتا ہے)۔

② عشق ہجر و وصال میں آسودگی نہیں پاتا + وہ نہ زوال پانے والے حسن کے بغیر آسودہ نہیں ہوتا وہ کہتا ہے کہ میں تو خدا کا عاشق ہوں مجھے اس کے دیدار کے سوا کوئی اور شے مطمئن نہیں کر سکتی)۔

③ اس کی یعنی عشق کی ابتدا بتوں کے سامنے جھکنا ہے یعنی دنیا کے حسینوں سے محبت کرتا ہے یا عشق مجازی اختیار کرتا ہے + اس کی انتہا ان دلبروں سے آزاد ہوتا ہے (اور خود کو اس حسن کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے جو لازوال ہے اور وہ صرف جمالِ حق ہے)۔

④ عشق (سوائے محبوب کے ہر شے سے) بے نیاز ہے اور ہر دم (تلاش محبوب کے لئے) سفر میں رہتا ہے + مکان ہو یا لامکان یہ دنیا ہو یا وہ آخرت کی دنیا وہ ہر جگہ ابن السبیل ہے (مسافر ہے۔ کسی منزل کی جانب رواں رہتا ہے)۔

⑤ ہمارا مسلک تو تیز بہنے والی موج کی طرح کا ہے + ہر وقت راستہ اختیار کئے رکھنا یعنی چلتے رہنا اور مقام کو ترک کرنا یعنی کہیں منزل نہ کرنا ہے۔ عشق وہ مسافر ہے جس کے ہزاروں مقام ہیں۔ ایک مقام مل گیا تو دوسرا پیش نظر ہو جاتا ہے تا آنکہ ملاقات محبوب حقیقی ہو جائے۔ قطرہ سمندر کو پالے۔ ذرہ سورج کو دیکھ لے اس لئے اے حور و مجھے معاف کرو میں تمہارے پاس ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتا)۔

حورانِ بہشت

شیوہ ہا داری مثالِ روزگار یک نوائے خوش دریغ از ما مدار

*

شعر: تیرے طور طریقے (اے زندہ رود) زمانے کی طرح کے ہیں یعنی زمانے کی طرح تو بھی مختلف کیفیات رکھتا ہے + (اچھا نہ بیٹھ مگر جاتے جاتے) ایک اچھی نوا کو تو ہم سے دور نہ رکھ یعنی اپنی شاعری کا کچھ حصہ ہمیں بھی سنا۔ ہم بھی تو محظوظ ہوں۔

غزل زندہ رود

بآدمی نرسیدی' خدا چہ می جوئی | ز خود گریختۂ آشنا چہ می جوئی!
دگر بشاخِ گل آویز و آب و نم در کش | پریدہ رنگ! ز بادِ صبا چہ می جوئی؟
دو قطرہ خونِ دل است آنچہ مشک می نامند | تو اے غزالِ حرم در خطا چہ می جوئی؟
عیارِ فقر ز سلطانی و جہانگیری است | سریرِ جم بطلب' بوریا چہ می جوئی؟
سراغِ او ز خیابانِ لالہ می گیرند | نوائے خوں شدۂ ما ز ما چہ می جوئی؟
نظر ز صحبتِ روشندلاں بیفزاید | ز دردِ کم بصری توتیا چہ می جوئی؟
قلندریم و کراماتِ ما جہاں بینی است | ز ما نگاہ طلب کیمیا چہ می جوئی!

*

① تو تو آدمی تک نہیں پہنچا خدا کیوں ڈھونڈ رہا ہے + تو تو خود سے بھاگا ہوا ہے تو آشنا کیا تلاش کرتا ہے (یعنی تو ابھی آدمی کو نہیں پہچان سکا کہ کیا ہے خدا کو کیا پہچانے گا۔ خدا کو پہچاننے سے پہلے ضروری ہے کہ آدمی کی پہچان کی جائے کہ آدمی کیا ہے اور کون ہے جب آدمی کی یعنی اپنی پہچان ہو جائے گی تو خدا کی پہچان بھی ہو جائے گی)۔

② پھر پھول کی شاخ سے لٹک اور پانی اور نم جذب کر + اے اڑے ہوئے رنگ (والے) تو باد صبا سے کیا تلاش کرتا ہے مراد ہے کہ کسی مرشد کامل کا دامن پکڑ تاکہ تجھے اس کے فیض سے فائدہ و کامیابی حاصل ہو اے عاشق یا اے سالک تجھے رسوم ظاہری اور علوم کتابی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا جس طرح شاخ سے گرا ہوا پھول مرجھا جاتا ہے اسی طرح مرشد کے فیضان سے دور شخص بھی مقاصد حیات کے حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ یا اس سے یہ مراد بھی ہے کہ شجر سے جو ٹہنی ٹوٹ جاتی ہے وہ سوکھ جاتی ہے اس کا شجر کے ساتھ پیوستہ رہنا ہی اس کے سرسبز رہنے کی دلیل ہے۔ مسلمان کو بھی ملت کے درخت کے ساتھ خود کو ٹہنی کی طرح وابستہ و پیوستہ رکھنا چاہیے تب وہ امید کامیابی رکھ سکتا ہے)۔

③ جس کو کستوری (مشک) کہتے ہیں وہ خون دل کے دو قطرے تو ہیں + تو اے حرم کے ہرن ملک خطا میں کیا تلاش کر رہا ہے مراد ہے کہ اگر عشق کار فرما ہو تو ہر جگہ کامیابی ہے۔ تو اے مسلمان عشق پیدا کر اور مشک والے ہرنوں کی طرح ہو جا ورنہ حرم ہو یا خطا ہو دونوں جگہ تو مشک سے بے نصیب رہے گا۔

④ فقر کی کسوٹی سلطانی اور جہانگیری ہے + جمشید بادشاہ کا تخت طلب کر بوریا کیا تلاش کرتا ہے مراد ہے کہ فقر جو محض بوریا نشین ہے اور اس میں سلطانی کی بو اور جہانگیری کی خوش بو نہیں ہے وہ فقر احتیاجی فقر ہے اصل فقر وہ ہے جو بوریا نشین ہو کر سلطان و جہانگیر ہوتا ہے وہ کائنات کا محتاج نہیں کائنات اس کی محتاج ہوتی ہے۔

⑤ اس کا سراغ تو لالہ کی کیاریوں سے لگاتے ہیں + ہماری خوں شدہ نوا کو ہم سے کیا ڈھونڈتا ہے (عاشق کی نوا کا فیضان دیکھنا ہو تو دیکھو اس سے کتنے لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ اگر شاعر کی شاعرانہ نوا سے سننے والوں کے دلوں میں عشق پیدا نہیں ہوتا تو وہ نوا بے کار ہے۔ یہاں اگر شاعر نے خود اپنی خوں شدہ نوا کو خطاب کر کے کہا ہو تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ اے میری نوا تو مجھ سے اپنی اثر انگیزی کے متعلق کیا پوچھتی

ہے دیکھ تجھ سے دوسروں کے دل بھی خون ہوئے ہیں یا نہیں۔

⑥ نظر روشن دلوں کی محبت سے بڑھتی ہے + تو اپنی کمزوری نظر کے لئے سرمہ کیا تلاش کرتا ہے (یہاں نظر کی کمزوری اور تیزی سے مراد آدمی کی ظاہری نظر نہیں ہے بلکہ دل کی نظر ہے۔ معرفت کی نگاہ ہے)۔

⑦ ہم قلندر ہیں ہماری کرامات جہان بینی ہے + مجھ سے نگاہ طلب کر کیمیا کیا تلاش کرتا ہے (ہم قلندر لوگ کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہیں ہم سے تو معرفت کی نگاہ طلب کر دنیا کی نعمتوں کا کیوں طلب گار ہے۔ وہ تو تمہیں کہیں سے بھی ہاتھ آسکتی ہیں ہم سے تو صرف نگاہ حق شناس اور نظر خود شناس طلب کر۔ جب یہ نظر حاصل ہو جائے گی تو سونا کیا پوری کائنات تیرے قدموں میں ہوگی)۔

حضور

مراد یہ ہے کہ زندہ رود حوروں سے رخصت ہو کر بارگاہ خدا کی طرف جاتا ہے۔

پہلا بند

گرچہ جنت از تجلی ہائے اوست — جاں نیاساید بجز دیدار دوست!
ما ز اصلِ خویشتن در پردہ ایم — طائریم و آشیاں گم کردہ ایم!
علم اگر کج فطرت و بدگوہر است — پیشِ چشمِ ما حجابِ اکبر است
علم را مقصود اگر باشد نظر — می شود ہم جادہ و ہم راہبر
می نہد پیشِ تو از وجود — تا تو پرسی چیست رازِ ایں نمود
جادہ را ہموار سازد ایں چنیں — شوق را بیدار سازد ایں چنیں
درد و داغ و تاب و تب بخشد ترا — گریہ ہائے نیمِ شب بخشد ترا
علمِ تفسیرِ جہانِ رنگ و بو — دیدہ و دل پرورش گیرد ازو
بر مقامِ جذب و شوق آرد ترا — باز چوں جبریل بگذارد ترا!
عشق کس را کے بخلوت می برد — او ز چشمِ خویش غیرت می برد!
اولِ او ہم رفیق و ہم طریق — آخرِ او راہ رفتن بے رفیق!

*

① اگرچہ جنت اس کی یعنی خدا کی تجلیوں میں سے ہے + لیکن جان دوست کے دیدار کے بغیر آرام نہیں پاتی (اس لئے میں اب جنت سے رخصت ہو کر حضور دوست جا رہا ہوں)۔

② ہم اپنے اصل سے پردہ میں ہیں + ہم پرندے ہیں لیکن آشیاں گم کئے ہوئے ہیں (ہماری اصل تو ذات حق ہے جس سے ہم دنیا میں آکر جدا ہو گئے ہیں اور پھر یہاں آکر اسے بھول گئے ہیں۔ ہمیں اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے اصل سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کس طرح یہ کوئی فقیر بتائے گا۔)

③ علم اگر کج فطرت اور بد گہر ہے + (تو وہ علم) ہمارے لئے حجاب اکبر ہے (جدید دور کے جملہ مغربی علوم و فنون اسی نوع کے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہی آدمی خدا دور اور شیطان قریب ہے یہ سب علوم تن کی پرورش اور ذہن کی جلا کے لئے پڑھے جاتے ہیں اور یہ سب فنون اسی غرض سے سیکھے جاتے ہیں اس لئے وہ اپنی فطرت میں بد اصل اور کج ہیں اور ظاہر ہے کمینہ محض سے کمینگی ہی کی امید ہو سکتی ہے)۔

④ علم کا مقصود اگر (راہ میں، خدا میں اور خود میں) نظر پیدا کرنا ہو + تو وہ علم خود ہی راستہ اور خود ہی راہبر بن جاتا ہے۔

⑤ (ایسا علم) تیرے سامنے وجود کا چھلکا رکھ دیتا ہے + تاکہ تو یہ پوچھے کہ اس نمود کا مقصد کیا ہے مراد ہے وجود مطلق جو کہیں پردوں میں ہے وہ کائنات اور اس کی اشیا میں جلوہ گر ہے۔ اس جلوہ گری سے ہم اس کے وجود کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس کی صفات سے اس کی ذات کا رخ دیکھ سکتے ہیں۔ کائنات کی اشیا چھلکے کی مثل ہیں۔ اس کے اندر جو چیز ہے وہ اصل ہے۔ چھلکا مقصود نہیں مقصود پھل ہے اشیا مقصود نہیں مقصود ان اشیا کے اندر جو جلوہ گر ہے وہ ہے۔

⑥ (وہ علم) راستہ کو اس طرح ہموار کر دیتا ہے + (اور) شوق کو اس طرح بیدار کر دیتا ہے (یعنی دیدار دوست یا منزل دوست کی طرف سفر کے شوق کو پیدا کر دیتا ہے)۔

⑦ وہ تجھے (عشق کا) درد، داغ، چمک، حرارت، اور تڑپ عطا کرتا ہے + تجھے آدھی رات کا رونا عطا کرتا ہے (دیدار دوست اور ملاقات دوست میں تجھے بے چین رکھتا ہے اور اس بے چینی کی ساری کیفیتیں تیرے اندر پیدا کر دیتا ہے)۔

⑧ وہ علم جہان رنگ بو (کائنات) کی ایسی تفسیر بیان کرتا ہے کہ + (ہماری) آنکھیں اور دل اس سے تربیت و پرورش پاتے ہیں۔

⑨ (وہ علم) تجھے جذب و شوق کے مقام پر لاتا ہے + پھر تمہیں جبرئیل کی طرح چھوڑ دیتا ہے (لیکن یہ علم خدا کے جہان کی حد تک تو لے جاتا ہے آگے خدا کے حضور نہیں لے جاتا۔ جس طرح معراج کی شب نبی کریم ﷺ کے ساتھی جبرئیل فرشتہ تو سدرۃ المنتہی کے مقام پر ٹھہر گئے اور خود نبی کریم ﷺ ذات کے حضور چلے گئے جبرئیل نے کہا تھا کہ اگر میں اس مقام سے آگے بال برابر بھی گیا تو میرے پر جل جائیں گے)۔

⑩ عشق کسی کو خلوت میں کب لے جاتا ہے + وہ تو اپنی نظر سے بھی غیرت کھاتا ہے (عشق یہاں علم کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے)۔

(11) عشق شروع میں رفیق بھی رکھتا ہے اور طریق بھی رکھتا ہے + (لیکن) اس کا آخر بغیر رفیق کے راہ چلنا ہے (جس طرح مصطفی ﷺ سدرہ تک تو جبرئیل کے ساتھ گئے آگے تنہا پہنچے)۔

دوسرا بند

در گذشتم زاں ہمہ حور و قصور   زورق جاں باختم در بحر نور!
غرق بودم در تماشائے جمال   ہر زماں در انقلاب و لازوال!

گم شدم اندر ضمیرِ کائنات ۔۔۔ چوں رباب آمد بچشمِ من حیات!
آنکہ ہر تارش ربابِ دیگرے ۔۔۔ ہر نوا از دیگرے خونیں ترے!
ما ہمہ یک دودمان نار و نور ۔۔۔ آدم و مہر و مہ و جبریل و حور!
پیش ما آئینۂ آویختند ۔۔۔ حیرتے را با یقیں آمیختند!
صبحِ امروزے کہ نورش ظاہر است ۔۔۔ در حضورش دوش و فردا حاضر است!
حق ہویدا با ہمہ اسرارِ خویش ۔۔۔ با نگاہِ من کند دیدارِ خویش!
دیدنش افزودن بے کاستن! ۔۔۔ دیدنش از قبرِ تن برخاستن!
عبد و مولا در کمینِ یک دگر ۔۔۔ ہر دو بیتاب اند از ذوقِ نظر!
زندگی ہر جا کہ باشد جستجو است! ۔۔۔ حل نشد ایں نکتہ من صیدم کہ اوست!

*

① میں نے سب حوروں اور محلوں کو پیچھے چھوڑ دیا + میں نے اپنی جان کی کشتی کو نور کے سمندر میں بہا دیا۔

② میں (دوست کے) جمال کے نظارہ میں مست تھا + ہر گھڑی وہ جمال جو کم ہونے والا نہیں ہے میرے سامنے ایک نئے روپ میں جلوہ گر تھا۔ یا یہ کہ یہ وہ نور تھا جو ہر لحہ بدلتا رہتا ہے لیکن زوال پذیر نہیں ہوتا۔

③ میں کائنات کی ضمیر میں غرق ہو گیا + میں نے زندگی کو رباب کی مثل دیکھا۔

④ وہ کہ جس کا ہر تار ایک نیا رباب تھا + جس کی ہر نوا پہلی نوا سے زیادہ خونیں تھی۔

⑤ ہم سب نار و نور کے ایک ہی خاندان سے ہیں + آدم اور سورج اور چاند اور جبریل اور حور (مراد ہے کائنات اور اس کی جملہ اشیا ایک ہی وجود مطلق کے آئینے ہیں۔ ایک ہی وحدت ہے جو کثرت میں موجود ہے۔ ہر شے ذات مطلق کی صفات کی نمود لئے ہوئے ہے)۔

⑥ میرے سامنے آئینہ لٹکا دیا گیا + حیرت کو یقین سے ملا دیا گیا یعنی میری حیرانی یقین میں بدل گئی جب مجھے سارا مشاہدہ کرا دیا گیا۔ حیرت یہ تھی کہ عقل میری ذات کو خدا کی ذات سے الگ دکھا رہی تھی یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا میں تو عین ذات ہوں۔ اور مجھے اپنی ذات کے ہونے کا یقین آ گیا۔

⑦ (میں نے دیکھا کہ) کہ آج کی صبح کہ جس کا نور ظاہر ہے + اس کے حضور گزری ہوئی کل اور آنے والی کل (کی صبح) حاضر ہے مراد ہے کہ دنیا کے زمانے میں ماضی، حال اور مستقبل کی تقسیم ہے اللہ کے حضور ہر وقت زمانہ حال ہی کی کیفیت رہتی ہے۔

⑧ (یہاں) حق اپنے پورے اسرار کے ساتھ ظاہر ہے + (جہاں) وہ میری نگاہ سے اپنا دیدار کرتا ہے یعنی مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ کائنات کا وجود ظلی اور وہمی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عالم صرف حس کے مرتبہ میں موجود ہے حقیقی وجود صرف باری تعالیٰ کا ہے۔ حق اپنے تمام پردوں کے باوجود ظاہر ہے اس کا ظہور اس کی صفات کے ذریعے ہے۔ "وہ میری ہی نگاہ سے اپنا دیدار کر رہا ہے" سے مراد یہ ہے کہ میں چونکہ بذات خویش موجود نہیں ہوں بلکہ حق کی وجہ سے موجود ہوں اس لئے میرا دیکھنا اس کا دیکھنا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہے۔ یہاں یاد رہے کہ یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بندہ اپنی خودی کو پہچان

لیتا ہے کیونکہ جو خود کو پالیتا ہے وہ خدا کو پالیتا ہے۔

⑨ اس کا دیکھنا بغیر کم ہونے کے بڑھتا ہے + اس کا دیکھنا یعنی جمال حق کا مشاہدہ کرنا تن کی قبر سے اٹھنا ہے مراد اس شعر سے یہ ہے کہ دیدار ذات کا پالینا سب سے بڑی صداقت کو پالینا ہے یہ وہ صداقت ہے جس پر یقین بڑھتا تو رہتا ہے کم نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق مشاہدہ سے ہے۔ اور اس مقام پر آدمی جملہ مادی قیود سے آزاد ہوتا ہے تب جا کر نور حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ خود نور ہو جاتا ہے تب یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ نور کو مادہ نہیں نور ہی دیکھ سکتا ہے۔ مشاہدہ حق میں غرق اللہ کے بندے کا جسم سب مادیات اور سب کثافتوں سے مبرا ہو جاتا ہے۔

⑩ (یہاں آکر اس بات کا مشاہدہ اور یقین ہوتا ہے کہ) بندہ اور آقا (بندہ اور خدا) دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں + دونوں ذوق نظر سے بے تاب ہیں (بندہ اپنے خالق کو اور خالق اپنے شاہکار فن پارے یعنی بندے کو دیکھنے کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد کی تلاش میں رہتا ہے جو اپنی خودی کی معرفت حاصل کر کے اس کی معرفت حاصل کر سکے۔ وہ ہر ایرے غیرے کی تلاش میں نہیں رہتا صرف مرد حق کی تلاش میں رہتا ہے کیونکہ صرف اسی پر احسن تقویم کا اطلاق ہو سکتا ہے)۔

(11) زندگی جہاں کہیں بھی ہے، جستجو (میں لگی ہوئی) ہے + مجھ سے یہ باریک بات حل نہیں ہوئی کہ میں شکار ہوں یا وہ۔ مراد یہ ہے کہ خدا ہو یا بندہ دونوں ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں خدا تو زندہ و پائندہ ذات ہے ہی بندہ بھی وہ تلاش حق میں نکلتا ہے جو ذات کی صفات کا مظہر ہو۔ رہی بات شکار کی کون شکار ہے تو جب حق کے سوا اور کوئی وجود ہی نہیں رکھتا تو میرا دیکھنا اس کا دیکھنا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہے۔ دونوں شکاری ہیں دونوں شکار ہیں۔

تیسرا بند

عشق جاں۔ را لذتِ دیدار داد ۔۔۔ با زبانم جرأتِ گفتار داد
"اے دو عالم از تو با نور و نظر ۔۔۔ اندکے . آں خاکدانے را نگر
بندۂ آزاد را ناسازگار ۔۔۔ بر دمد از سنبلِ او نیشِ خار!
غالباں غرق اند در عیش و طرب ۔۔۔ کارِ مغلوباں شمارِ روز و شب!
از ملوکیت جہانِ تو خراب ۔۔۔ تیرہ شب در آستینِ آفتاب!
دانشِ افرنگیاں غارت گری ۔۔۔ دیرہا خیبر شد از بے حیدری!
آنکہ گوید لا الٰہ بیچارہ ایست ۔۔۔ فکرش از بے مرکزی آوارہ ایست!
چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر ۔۔۔ سود خوار و والی و ملّا و پیر!
ایں چنیں عالم کجا شایانِ تست ۔۔۔ آب و گل داغے کہ بر دامانِ تست!"

*

① عشق نے جان کو دیدار کی لذت دی + اور (پھر) میری زبان میں گفتار کی جرأت (بھی) دی (اور میں نے حق تعالیٰ کے حضور یوں عرض کی)۔

② اے کہ دونوں جہان تیری وجہ سے نور اور نظر والے ہیں + ذرا اس خاکدان (دنیا کے جہان) کو بھی دیکھ مراد یہ ہے کہ جہان میں جس قدر نور ہے وہ تیرے ہی نور کا عکس ہے اور جہان والوں میں جو اس نور کو دیکھنے والی نظر ہے وہ بھی تیری ہی عطا کردہ ہے۔ جب صورت حال یہ ہے کہ دنیا اور دنیا والے تجھ سے الگ نہیں ہیں تو اب ان کی جو صورت حال ہو چکی ہے ذرا اس پر بھی نگاہ ڈال۔

③ (یہ دنیا) آزاد بندے کے موافق نہیں ہے + اس کے نرم سنبل سے کانٹے اگتے ہیں (سنبل روئی کی طرح نرم و لطیف چیز ہے) مراد یہ ہے کہ آج کی دنیا کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جہاں پھول ہونے چاہئیں وہاں کانٹے ہیں تیرے آزاد بندے اس دنیائے زار و زبوں سے تنگ ہیں۔

④ اس دنیا کے غالب لوگ (کسی نہ کسی قسم کا دوسروں پر غلبہ رکھنے والے لوگ) عیش و طرب میں غرق ہیں + اور مغلوب لوگوں کا کام (مصیبت میں) رات دن گن گن کر کاٹنا ہے یعنی ان کی زندگیاں سخت مشکلات کا شکار ہیں۔

⑤ بادشاہت (کے نظام اور رویہ) کی وجہ سے تیرا جہان خراب ہے + اس کی آستین کے سورج میں تاریک رات چھپی ہوئی ہے یعنی یہ شاہی نظام انسانوں کے لئے اندھیری رات کی مانند ہے اگرچہ خود بادشاہ روشن آفتاب کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔

⑥ افرنگیوں کی دانش غارت گری (ہے) + بے حیدری کی وجہ سے بت کدے خیبر بن گئے ہیں یعنی جس طرح مدینہ کے قریب مقام خیبر کا قلعہ سر کرنا مشکل ہو گیا تھا اور اسے آخر کار حیدر کرار حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا اسی طرح آج کے بت خانوں کے لئے کوئی حیدر کرار چاہیے یہ بت خانے مٹی کی مورتوں کے نہیں ہیں فکری، نظری اور علمی ہیں۔ یہ فرنگیوں کی دانش نے بنائے ہیں۔ ان کی پوجا پاٹ کرنے والے خود سے بھی غافل ہیں اور اپنے خدا سے بھی۔۔۔ جس کے نتیجے میں وہ آدمیت و انسانیت کے موتی لٹا چکے ہیں۔ فرنگیوں نے اور کئی طرح کی غارت گری بھی کی ہے انہوں نے اپنے علم اور سائنس کی برتری کی بنا پر ملکوں اور قوموں کے وسائل کو بھی لوٹا ہے۔ ان فرنگی ڈکیتوں نے اقوام عالم اور ممالک دنیا کو بھوک اور ننگ کا شکار بنا دیا ہے اور وہ خود دوسروں کا خون پی پی کر خوش حال ہو گئے ہیں۔

⑦ آج حال یہ ہے کہ جو شخص لا الٰہ کہتا ہے (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یعنی (آج کا مسلمان) وہ بے چارہ ہے + جس کا فکر بے مرکزی کی وجہ سے آوارہ ہے (آج ملت اسلامیہ پارہ پارہ ہو چکی ہے)۔

⑧ اس مشکل سے مرنے والے (مسلمان) کے پیچھے چار موتیں لگی ہوئی ہیں (دیر سے مرنے والا اس لئے کہا کہ پچھلی دو تین صدیوں سے ہر دور اور ہر خطے کے کافر مسلمان کو مٹانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن وہ سخت جان پوری طرح ان سے مرا نہیں ہر قسم کی موت کی یلغار کے باوجود ابھی تک وہ اسلام کا نام لے رہا ہے چاہے زبان ہی سے کیوں نہ ہو) + (یہ چار موتیں) سود خوار، اور حاکم اور ملا اور پیر (کی ہیں)۔

⑨ (اے خدا) اس قسم کا جہان تمہاری شان کے قابل نہیں ہے + یہ پانی اور مٹی کا جہان یعنی یہ مادی سامان تیرے دامن کا داغ ہے۔ (یہ دنیا جس کو فرنگیوں نے مادی اور روحانی دونوں طرح غارت کر دیا ہے یہ دنیا جس میں مسلمانی کو تباہ کر کے برائے نام رہنے دیا گیا ہے۔ اور جس کی تباہی میں کافروں کے علاوہ خود مسلمانوں کا اپنا ہاتھ ہے۔ اس قوم میں پیدا ہونے والے سود خواروں نے، اس کو لوٹنے والے پیروں نے

اس کے اندر فساد پیدا کرنے والے مولویوں نے اور اس کے رعایا کش اور مغرب نواز حاکموں نے اس کو زبوں حالی تک پہنچا دیا ہے)۔

ندائے جمال

کلکِ حق از نقشہائے خوب و زشت ہرچہ ما را سازگار آمد نوشت!
چیست بودن دانی اے مردِ نجیب؟ از جمالِ ذاتِ حق بردن نصیب!
آفریدن؟ جستجوئے دلبرے! وا نمودن خویش را بر دیگرے!
ایں ہمہ ہنگامہ ہائے ہست و بود بے جمالِ ما نیاید در وجود!
زندگی ہم فانی و ہم باقی است ایں ہمہ خلاقی و مشتاقی است!
زندہ؟ مشتاق شو، خلاق شو ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو!
در شکن آنرا کہ ناید سازگار از ضمیرِ خود دگر عالم بیار!
بندۂ آزاد را آید گراں زیستن اندر جہانِ دیگراں!
ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست!
از جمالِ ما نصیبِ خود نبرد از نخیلِ زندگانی بر نخورد
مردِ حق! برندہ چوں شمشیر باش خود جہانِ خویش را تقدیر باش!

*

① حق کے قلم نے اچھے اور برے نقوش میں سے + جو کچھ ہمیں پسند آیا وہ لکھ دیا۔

② اے صحیح النسل مرد کیا تو جانتا ہے کہ بودن (زندہ رہنا) کیا ہے + ذات حق کے جمال سے نصیب حاصل کرنا (زندگی ہے)۔ یعنی اپنے اندر حق کا جمال پیدا کرنا یا جمال حق کا تماشا کرنا ہے ذات حق کا تماشا وہی کر سکے گا جو خود جمال حق سے منور ہو گا۔

③ تخلیق یا پیدا کرنا کیا ہے کسی دلبر کی تلاش کرنا ہے + خود کو کسی دوسرے پر ظاہر کرنا ہے یعنی جو جمال حق تم میں پیدا ہو چکا ہے اس کو دوسروں میں پیدا کر دینا یہ تخلیق ہے۔ نقش حق کو پہلے اپنی جان میں ڈالنا اور پھر اسے سارے جہان میں ڈالنا یہ ہے تخلیق یا آفریدن۔

④ یہ زندگی اور نیستی کے جتنے ہنگامے ہیں + ہمارے جمال کے بغیر وجود میں نہیں آتے (سب کا منبع و ماخذ میرا جمال ہے۔ میرا جمال ہے تو سب کا جمال ہے۔ میرا وجود ہے تو سب کا وجود ہے میں کبھی تنہا تھا میرے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے جب چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خود پر اپنی صفات کی تجلی ڈال کر حقیقت محمدیہ ﷺ کا آئینہ پیدا کیا میں مدتوں اس میں اپنا تماشائی رہا پھر اس آئینہ حقیقت محمدی ﷺ کے ذریعے اپنی صفات اور اسما کی شعاعوں سے کل کائنات پیدا کر دی۔ کائنات کی ہر شے میں بواسطہ نور محمدی ﷺ میرا ہی نور جلوہ گر ہے اگر میں یوں جلوہ گری نہ کرتا تو کسی شے کا بھی وجود نہ ہوتا۔ اور اب بھی میرے سوا کسی کا وجود نہیں ہے۔ کیونکہ میرے سوا جو وجود بھی نظر آتا ہے وہ چونکہ میری وجہ سے وجود میں آیا ہے اس لئے اس کا وجود ظلی ہے وہمی ہے۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ نہیں ہے یعنی

"لاموجود الا اللہ" اللہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ یہی توحید خالص ہے۔ یہی وجودی توحید ہے۔

⑤ زندگی فانی بھی ہے اور باقی بھی ہے + یہ سب کی سب خلاقی (عمل تخلیق) اور مشتاقی (ذوق عشق) ہے۔ مراد ہے ذوق عشق اور عمل تخلیق سے تم زندگی کو جو فانی ہے بقادے سکتے ہو۔ بہ الفاظ دیگر اپنے اندر جمال حق پیدا کر کے باقی رہ سکتے ہو۔

⑥ اگر تو زندہ ہے تو (جمال یار کا) مشتاق بن اور جس طرح (تیرے یار کے) جمال نے اپنی تجلی سے ہر شے تخلیق کی ہے تو بھی خالق اشیا بن جا + (اور اس طرح کے عمل سے) ہماری طرح آفاق (ساری کائنات) کا احاطہ کر لے مراد ہے اپنے اندر ہماری صفات جلوہ گر کر کے ہماری طرح آفاق گیر ہو جا ہماری طرح خلاق بن جاؤ۔

⑦ جو کچھ تیرے موافق نہیں ہے اس کو توڑ دو + اور اپنے ضمیر کے اندر سے ایک نیا جہان پیدا کر لو (کیونکہ جب تمہارے اندر میرا جمال آ جائے گا تو تم سے یہ ممکن ہو سکے گا)۔

⑧ (دنیا کے بندھنوں سے) آزاد بندے کو یعنی مرد حق کو بھاری معلوم ہوتا ہے + دوسروں کے جہان میں جینا ——— (تو اپنا جہان آپ پیدا کر اور اس جہان کو نیست و نابود کر دے جو تجھے ناپسند ہے۔ اور یاد رکھ یہ تو کر سکتا ہے لیکن اس وقت جب اپنے اندر میری صفات پیدا کر کے مظہر صفات خالق بن جائے گا)۔

⑨ جس کسی میں تخلیق کی قوت نہیں ہے + وہ ہمارے نزدیک کافر اور زندیق کے سوا کچھ نہیں ہے (وہ کافر و زندیق اس لئے ہو گا کہ دوسروں کے پیدا کردہ نظام حیات میں اسے اللہ کی نہیں بندوں کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنی پڑے گی اس جہان کو تہ و بالا کر کے اس کی جگہ وہ جہان تعمیر کرنا جس میں خدا کا قانون ہو مرد حق کی قوت تخلیق کی بدولت ہی ہو سکے گا اس جہان میں زندگی بسر کرنا مومن کی زندگی ہو گی۔

⑩ اس نے ہمارے جمال سے اپنا حصہ نہیں لیا + اس نے زندگی کے درخت سے پھل نہیں کھایا (کس نے مذکورہ بالا شعر میں دیکھیئے)۔

(11) مرد حق (بن) تلوار کی طرح کاٹنے والا ہو (ہر مخالف قوت کو کاٹ کے رکھ دے) + اپنے جہان کا آپ خالق بن (دوسروں کے جہان میں مت جی۔ اگر تو زندہ ہے تو اپنی دنیا آپ پیدا کر یہاں نیا سے مراد یہ مادی دنیا نہیں بلکہ اس کا نظام ہے)۔

زندہ رود

چیست آئین جہان رنگ و بو جز کہ آب رفتہ می ناید بجو!
زندگانی را سر تکرار نیست فطرت او خوگر تکرار نیست!
زیر گردوں رجعت او را نارواست چوں ز پا افتاد قومے برنخاست!
ملتے چوں مرد، کم خیزد ز قبر چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر!

*

① اس جہان رنگ و بو کا آئین کیا ہے + (اس کا قانون تو) اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ گزرا ہوا پانی واپس ندی میں نہیں آتا۔ یعنی گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ایک قوم جو مٹ گئی ہے وہ کس طرح خود کو دوبارہ

وجود دے سکتی ہے۔ کس طرح اپنی فنا کو بقا میں یا اپنے زوال کو عروج میں تبدیل کر سکتی ہے۔

② زندگی میں تکرار کی بات تو نہیں ہے (زندگی تو صرف ایک دفعہ ملتی ہے جو زندگی چلی گئی وہ تو واپس نہیں آتی + تکرار اس کی فطرت ہی میں نہیں ہے۔

③ (آسمان کے نیچے یعنی دنیا میں ایک گئی ہوئی زندگی کا) واپس آنا نامناسب ہے + ایک قوم جب پاؤں سے گر جاتی ہے پھر نہیں اٹھتی (مٹ جاتی ہے)۔

④ ایک قوم جب مر گئی تو (اپنی بربادی اور زوال کی) قبر سے نہیں اٹھتی + اسکا چارہ قبر اور صبر کے سوا اور کیا ہے (کہ وہ اپنی حالات موجودہ پر صبر کر کے باقی زندگی گزار دے)۔

ندائے جمال

جمال کی آواز

پہلا بند

زندگانی نیست تکرارِ نفس   اصلِ او از حی و قیوم است و بس!

قربِ جاں با آنکہ گفت انی قریب   از حیاتِ جاوداں بردن نصیب!

فرد از توحید لاہوتی شود   ملت از توحید جبروتی شود!

بایزید و شبلی و بوذر ازوست   امتاں را طغرل و سنجر ازوست!

بے تجلی نیست آدم را ثبات   جلوۂ ما فرد و ملت را حیات!

ہر دو از توحید می گیرد کمال   زندگی ایں را جلال آں را جمال!

ایں سلیمانی است' آں سلمانی است   آں سراپا فقر و ایں سلطانی است'

آں یکی را صفد ایں گردد یکی   در جہاں با آں نگیں با ایں بزی!

●

① زندگی سانسوں کے بار بار آنے کا نام نہیں ہے + اس کی اصل حی و قیوم سے ہے اور بس (حی یعنی زندہ اور قیوم یعنی ہمیشہ قائم خدا کے صفاتی ناموں میں سے دو نام ہیں جس کے معنی ہیں کہ نہ وہ مرتا ہے نہ مٹتا ہے ہمیشہ کے لئے زندہ اور ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ جو شخص اپنے سانسوں کو اس حی و قیوم سے جوڑ لیتا ہے وہ بھی اسی کی طرح حی و قیوم ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس جو صرف سانسوں والی زندگی گزارتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے)۔

② اس (خدا سے) قرب پیدا کرنا جس نے کہا ہے اے بندے میں تیرے قریب ہوں + ہمیشہ کی زندگی سے حصہ پانا ہے۔

③ ایک آدمی توحید سے لاہوتی (عالم لاہوت کا زندہ و پائندہ شخص) ہو جاتا ہے + (اور) ملت توحید سے جبروتی ہو جاتی ہے (لاہوتی ہونے سے مراد آدمی کا اپنے اندر خدا کی صفات پیدا کر کے خدا کی صفات کا مظہر

بن جاتا ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے مادی پہلو کو فنا کر دیتا ہے اور وہ روحانی ہو جاتا ہے اس کا جسم بھی روح ہی کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ صوفیا نے اسی لئے کہا ہے کہ ہمارے جسم ہماری روحیں اور ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں۔ اسی بنا پر ان سے ان کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے جو بندہ خاکی سے ممکن نہیں اور اگر قوم کی قوم میں توحید کی شان پیدا ہو جائے تو وہ قوم دوسروں پر غالب آ جاتی ہے لیکن توحید اختیاری کے سبب افراد و جماعت میں ان شانوں کا پیدا ہونا کسی مرشد کے طفیل ہے۔ یہ شان فقر جو فرد کو لاہوتی اور قوم کو جبروتی بناتی ہے مرد کامل کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اظہار اگلے شعر میں ہے۔

④ (دیکھو صحبت فقیر میں توحید کی شان کا نتیجہ) بایزید بسطامی' ابوبکر شبلی اور بوذر غفاری (جیسے فقرائے امت اسی صحبت اختیاری کی وجہ سے) ہیں + قوموں کے لئے طغرل اور سنجر (جیسے شان و شوکت اور ہیبت و دبدبہ والے بادشاہ اسی سبب سے) ہوئے ہیں (طغرل جس کا پورا نام رکن الدین ابو طالب محمد بن میکائیل ہے سلجوق خاندان کا پہلا بادشاہ ہے اس کی حکومت اصفہان سے بغداد تک تھی وہ 385ھ میں پیدا ہوا اور 455ھ میں فوت ہوا۔ سنجر بھی سلجوق خاندان کا بادشاہ تھا اس کا نام احمد لقب ناصر الدین اور کنیت ابو الحارث تھی 479 میں پیدا ہوا اور 552ھ میں وفات پائی۔ یہ دونوں بادشاہ نہ صرف یہ کہ علم و دانش اور عقل و حکمت میں بالغ نظر تھے بلکہ شعائر اسلامی کے پابند اور فقر دوست بھی تھے ان کا دبدبہ اپنے زمانے کے لوگوں اور سلاطین پر دور دور تک تھا۔ بوذر غفاری نبی کریم ﷺ کے صحابی اور فقر کے علم بردار تھے نام جندب بن جنادہ اور ابوذر کنیت تھی 32ھ میں فوت ہوئے۔ بایزید بسطامی دوسری اور تیسری ہجری کے مشہور صوفی تھے۔ ابوبکر شبلی ایک مشہور و معروف صوفی گزرے ہیں 247ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور 334ھ میں اسی شہر میں فوت ہوئے۔ مشہور صوفی حضرت جنید بغدادی کے شاگرد اور مالکی مسلک کے بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے)۔

⑤ تجلی کے بغیر آدم کو ثبات نہیں ہے + ہمارا جلوہ یا تجلی فرد اور ملت کی زندگی ہے (تجلی سے مراد باری تعالیٰ کی تجلی ہے جو توحید کی راہ سے افراد و جماعت پر پڑتی ہے۔ یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو افراد و اقوام توحید کی قائل نہیں وہ بھی تو زندہ ہیں۔ لیکن دونوں کی زندگی میں فرق ہے جو قوم توحید کو نصب العین بناتی ہے وہ خلق خدا کے لئے خدا کی رحمت ہے کیونکہ وہ اس قانون کی پابند ہوتی ہے جو اللہ کا قانون ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کا قانون ہی خلق خدا کی بہتری کا قانون ہے۔ یہ وہ قانون ہے جو آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی نصیب کرتا ہے جب کہ مشرک افراد و اقوام بہتر سے بہتر نظام تخلیق کیوں نہ کر لیں اللہ کے قانون کی بی اس میں برکت صحت اور رحمت نہیں ہو سکتی۔ وہ چونکہ بندوں کے بنائے ہوئے قوانین کو خدا کے بندوں پر نافذ کرتی ہیں اس لئے وہ رحمت کی بجائے زحمت کا سامان پیدا کرتی ہیں)۔

⑥ دونوں یعنی افراد اور اقوام توحید سے کمال حاصل کرتے ہیں (یہاں کمال سے مراد وہ کمال ہے جس کو خالق کمال سمجھتا ہے نہ کہ وہ کمال جس کو مخلوق کمال سمجھتی ہے) + زندگی ان کے لئے یعنی قوم کے لئے جلال ہے اور اس کے لئے یعنی فرد کے لئے جمال ہے۔

⑦ یہ یعنی جلال سلیمانی (بادشاہت خدا پسند) ہے اور وہ یعنی جمال سلمانی (فقر خدا پسند) ہے۔ (سلیمانی کا اشارہ حضرت سلیمان پیغمبر کی بادشاہت کی طرف ہے اور سلمانی کا اشارہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فقیر صحابی حضرت سلمان فارسی کی طرف ہے)۔

⑧ وہ یعنی فرد ایک کو دیکھتا ہے (ایک خدا کا قائل ہے توحید پر ایمان رکھتا ہے) + یہ (اس توحید کے عقیدے کی بنا پر) ایک (متحدہ و متفق) قوم بن جاتی ہے (رنگ، نسل، وطن، زبان وغیرہ کے اختلاف کے باوجود صرف موحد ہونے کی بنا پر ایک ملت بن جاتی ہے) + جہان میں اس کے ساتھ یعنی موحد افراد کے ساتھ بیٹھ اور اس کے ساتھ یعنی توحید کی بنا پر متحد ہونے والی قوم کے ساتھ زندگی بسر کر۔

دوسرا بند

چیست ملت اے کہ گوئی لا الہ؟ با ہزاراں چشم بودن یک نگہ!
اہل حق را حجت و دعویٰ یکے است خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے است!
ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب!
یک نگاہی را بچشم کم مبیں از تجلی ہائے توحید است ایں!
ملتے چوں می شود توحید مست قوت و جبروت می آید بدست

*

① اے لا الہ کہنے والے مسلمان (اے کلمہ طیبہ پڑھ کر خدا کی توحید کا اقرار کرنے والے مسلمان) کیا تو جانتا ہے کہ ملت کیا ہوتی ہے + (ملت کی مثال) ہزاروں آنکھوں کے ساتھ ایک نگاہ کا ہونا ہے (افراد طرح طرح کے کیوں نہ ہوں ان کا جماعتی نقطہ نظر ایک ہونا چاہیئے توحید ہمیں یہی سکھاتی ہے)۔

② اہل حق کی دلیل اور مقدمہ ایک ہے + ہمارے خیمے جدا جدا ہیں اور دل ایک ہیں مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ دعوٰی کہ خدا ایک ہے ان کے عمل میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ توحید کو ملت کی بنیاد بنا کر مختلف افراد کے ہوتے ہوئے اسے ایک ملت بنا دیتے ہیں وہ ایک گلدستہ کے پھول بن جاتے ہیں۔

③ ذرے یک نگاہی کی وجہ سے آفتاب (بن جاتے ہیں) + ایک نگاہ والا بن جا تاکہ تجھ پر حق ظاہر ہو جائے (جب سب مسلمان ایک خدا کے ماننے کی بنا پر ایک ملت بن جائیں گے تو ان کی طاقت ذرات ہیں ہونے کے باوجود آفتاب کی سی بن جائے گی)۔

④ یک نگاہی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ + یہ توحید کی تجلیوں میں سے ہے (جب سارے مسلمان عملاً توحید پرست بن جائیں گے تو ان کے اندر وحدت کی شان پیدا ہو جائے گی اور وحدت چونکہ ہماری تجلیوں میں سے ایک تجلی ہے۔ اس لئے ان کے اندر ہماری تجلی کا ظہور ہو جائے گا)۔

⑤ جب ایک قوم توحید میں مست ہو جاتی ہے + تو اس کے ہاتھ قوت اور جبروت آجاتی ہے (قوت مشرکوں کو بھی حاصل ہوتی ہے، لیکن یہ شیطنت پھیلانے میں اور بندگان خدا کو اذیت دینے میں صرف ہوتی ہے جب کہ موحد قوم کی قوت اور اس کا دبدبہ فلاح آدمی کے لئے ہوتا ہے)۔

تیسرا بند

روح ملت را وجود از انجمن روح ملت نیست محتاج بدن!

تا وجودش را نمود از صحبت است　　مرد چون شیرازهٔ صحبت شکست!
مردہ؟ از یک نگاہی زندہ شو　　بگذر از بے مرکزی پایندہ شو
وحدتِ افکار و کردار آفریں　　تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں!

٭

① ملت کی روح کا وجود انجمن سے ہے (جس طرح کسی انجمن میں مختلف افراد ہوتے ہیں لیکن ان کا نقطہ نظر ایک ہوتا ہے اسی طرح اسلامی ملت کے افراد طرح طرح کے ہوتے ہیں لیکن ان کا نقطہ نظر ایک ہوتا ہے اور اسی نقطہ نظر کی وحدت سے وہ ایک قوم بن جاتی ہے اور یہ نقطہ نظر صرف ایک ہے یعنی اللہ کو واحد اور لاشریک جاننا) + ملت کی روح بدن کی محتاج نہیں ہے (مسلمان قوم کی بنیاد بدن نہیں ان کا عقیدہ توحید ہے۔ بدن مختلف ہو سکتے ہیں لیکن فکر ایک ۔۔۔۔)۔

② چونکہ اس کے وجود کی نمود صحبت سے ہے + جب اس کی صحبت کا شیرازہ بکھر گیا تو سمجھو وہ قوم مر گئی مراد یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا دارومدار اس کی ذاتی زندگی پر نہیں اجتماعی زندگی پر ہے۔ فرد ملت سے قائم ہے۔ ملت نہیں تو وہ بھی نہیں ہے۔ صحبت سے یہاں مراد اجتماعی زندگی سے ہے)۔

③ کیا تو مردہ ہے یک نگاہی پیدا کر کے زندہ ہو جا + بے مرکزی سے گزر جا اور ہمیشہ کی زندگی اختیار کر لے (اپنے اندر وحدت کی شان پیدا کر۔ توحید کے مرکز پر جمع ہو یہ ہے زندگی کا گر جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اگر اس کو اختیار کرے گا تو پھر سے زندہ ملت کا فرد بن جائے گا)۔

④ افکار اور کردار کی وحدت پیدا کر + تاکہ تو جہان میں صاحب نگیں (حکمران) بن جائے (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم مومن ہو تو تم سب پر فوق ہو گے۔ تمہارا دوسروں پر فوق (سرا نہ ہونا کس بات کی دلیل ہے کہ تم نام کے مومن ہو کردار کے مومن نہیں ہو جس دن کردار کے مومن بن گئے تو تم پھر قوموں میں فوق ہو جاؤ گے)۔

زندہ رود

من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست　　درمیان ما و تو دوری چراست؟
من چرا در بند تقدیرم بگوے　　تو نمیری من چرا میرم بگوے!

٭

① میں کون ہوں تو کون ہے (یعنی کیا ہے اور کہاں ہے) اور عالم کہاں ہے + میرے اور تیرے درمیان دوری کیوں ہے۔

② میں تقدیر کی زنجیر میں کیوں جکڑا ہوا ہوں (کچھ) فرما + تو تو مرتا نہیں (لیکن) میں مرجاتا ہوں بتا (ایسا کیوں ہے)۔

ندائے جمال

بودہ اندر جہان چہار سو ہر کہ گنجد اندر و میرد درو
زندگی خواہی خودی را پیش کن چار سو را غرق اندر خویش کن
باز بینی من کیم تو کیستی! در جہاں چوں مردی و چوں زیستی!

٭

① تو اس جہان چار سو میں رہا ہے + جو کوئی اس میں گم رہتا ہے وہ مرجاتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو اس مادی جہان میں رہتا ہے موت اس کا مقدر ہے یہ ہمارا قانون ہے۔

② اگر تو زندگی چاہتا ہے (ایسا زندہ رہنا کہ جس میں موت کا عمل دخل نہ ہو) تو خودی کو اختیار کر + اور اس چار سو کو اپنے اندر غرق کرلے (چار سو میں گم ہونے والا شخص مرجاتا ہے اور چار سو کو اپنے اندر گم کرلینے والا شخص ہمیشہ کی زندگی پالیتا ہے اگرچہ اسے بھی ظاہری موت کے دروازے سے گزرنا پڑتا ہے اس حیات دوام کا مقام اس وقت ہاتھ آتا ہے جب آدمی اپنی معرفت حاصل کرلیتا ہے)۔

③ (جب تو یہ مقام حاصل کرلے گا تو) پھر تو دیکھ لے گا کہ میں کون ہوں اور تو کون ہے + (اور تجھے اس بات کا بھی علم ہو جائے گا کہ) تو جہاں میں کیسے مرا اور کس طرح زندہ رہا یعنی تجھے موت و حیات کا سراغ بھی مل جائے گا۔

زندہ رود

پوزش این مرد ناداں در پذیر پردہ را از چہرۂ تقدیر گیر
انقلاب روس و آلماں دیدہ ام شور در جانِ مسلماں دیدہ ام
دیدہ ام تدبیرہائے غرب و شرق وانما تقدیرہائے غرب و شرق

٭

① اس مرد ناداں کی یعنی اے جمال حق میری معذرت قبول کرلے + تقدیر کے چہرے سے پردہ اٹھا (تاکہ تقدیر کیا ہے)۔

② میں نے جرمنی اور روس کے انقلاب دیکھے ہیں + میں نے مسلمان کی جان میں بھی شور دیکھا ہے۔

③ میں نے مشرق اور مغرب کی تدبیریں بھی دیکھی ہیں + مجھ پر مشرق اور مغرب کی تقدیر ظاہر کر (ان کو کیا پیش آنے والا ہے)۔

افتادن تجلی جلال

حق تعالیٰ کے جلال کی تجلی کا گرنا

ناگہاں دیدم جہانِ خویش را — آں زمین و آسمانِ خویش را
غرق در نورِ شفق گوں دیدمش — سرخ مانندِ طبرخوں دیدمش!
زاں تجلی ہا کہ در جانم شکست — چوں کلیم اللہ فتادم جلوہ مست!
نورِ او ہر پردگی را وا نمود — تابِ گفتار از زبانِ من ربود!
از ضمیرِ عالمِ بے چند و چوں — یک نوائے سوزناک آمد بروں!
"بگذر از خاور و افسونیِ افرنگ مشو — کہ نیرزد بجوئے ایں ہمہ دیرینہ و نو
آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختہ — ہم بجبریلِ امینے نتواں کرد گرو!
زندگی انجمن آرا و نگہدارِ خود است — اے کہ در قافلہ' بے ہمہ شو با ہمہ رو!
تو فروزندہ تر از مہرِ منیر آمدۂ — آنچناں زی کہ بہر ذرہ رسانی پرتو!
چوں پرِ کاہ کہ در رہگذرِ باد فتاد — رفت اسکندر و دارا و قباد و خسرو!
از تنک جامیِ تو میکدہ رسوا گردید — شیشہ گیر و حکیمانہ بیاشام و برو!"

✱

① اچانک میں نے اپنے جہان کو دیکھا + اپنے اس (جہان کے) آسمان کو اور زمین کو دیکھا۔

② میں نے اسے شفق کی روشنی کی طرح کے نور میں غرق دیکھا + اور اسے مجیٹھ کی طرح سرخ دیکھا (مجیٹھ ایک سرخ رنگ کی لکڑی ہے جس کو پانی میں ابال کر اس سے سرخ رنگ حاصل کرتے ہیں)۔

③ ان تجلیوں کی وجہ سے جو میری جان پر گریں + میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی طرح جلوہ مست بے ہوش ہو گیا (حضرت موسیٰ پر اللہ کی تجلی نے کوہ طور پر نزول فرمایا تھا تو طور جل گیا تھا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے تھے)۔

④ اس (تجلی) کے نور نے ہر پوشیدہ کو ظاہر کر دیا + (لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ) اس نے مجھ سے بولنے کی قوت چھین لی (میں اس قابل نہ رہا کہ اسے بیان کر سکوں یا یوں کہہ لیں کہ جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا وہ بیان میں نہیں آ سکتا)۔

⑤ ضمیر عالم لامکاں سے + ایک سوزناک آواز سنائی دی (جو کہہ رہی تھی۔ یہ اقبال کی ایک غزل کے اشعار ہیں جو ان کی فارسی تصنیف زبور عجم میں ہے)۔

⑥ مشرق سے گزر جا (اور) افرنگ یعنی مغربیوں سے بھی مسحور نہ ہو۔ (آج کے دور کی نہ مشرق اقوام اور نہ مغربی اقوام اس قابل ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے)۔

⑦ وہ نگینہ جو کہ تو نے شیطانوں کے پاس ہار دیا ہے + وہ تو جبرائیل امیں کے پاس بھی گروی نہیں رکھا جا سکتا (تجھے قدرت نے ایک نگینہ دل کی شکل میں دیا تھا مگر افسوس ہے تو نے اس نگینے کو بیچا بھی تو کس کے

پاس اپنے دشمن شیطان کے پاس۔ تجھ جیسا کم عقل اور کون ہو گا۔ دل کے نگینے کو شیطان کے ہاتھوں بیچنے سے مراد یہ ہے کہ تو نے دل میں خدا کی بجائے شیطان کو بسا لیا۔ یہ دل جس خدا کا گھر ہے اس میں تو جبریل جیسے فرشتے کو بھی نہیں بسانا چاہیئے کیونکہ یہ بھی مالک کے حقوق کی نگہداشت کے خلاف ہو گا مگر تو نے تو اس گھر کے ساز و سامان کو لٹانے کے لئے خود لٹیروں کو اس میں داخل کیا ہے)۔

⑧ زندگی انجمن آراستہ کرتی ہے اور اپنی نگہداشت بھی کرتی ہے + اے کہ تو قافلہ میں ہے سب کے بغیر رہ اور سب کے ساتھ چل مراد ہے۔ زندگی کی دو شانیں ہیں ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ اس لئے تو قوم کے ساتھ بھی وابستہ رہ اور اپنی انفرادیت کو بھی قائم رکھ۔ "ہاتھ کام کی طرف اور دل دوست کی یاد کی طرف" کا مقولہ اپنا۔ سب میں رہ کر سب سے جدا رہ۔

⑨ تو روشن سورج سے بھی زیادہ روشن ہے + اس طرح زندگی گزار کہ ہر ذرہ تک تیری دھوپ پہنچے (ہر شخص تیری ذات سے مستفیض اور مستفید ہو)۔

⑩ اس گھاس کے خشک تنکے کی طرح جو ہوا کے راستے میں پڑا ہوتا ہے (نہ جانے کب اڑ جائے) + (یونان کا) سکندر اور ایران (کے بادشاہ) دارا کیقباد اور کیخسرو (فنا کی منزل کی طرف) چلے گئے۔ (ثبات صرف اس کو ہے جو اللہ کا بندہ ہے باقی سب آنی و فانی ہیں۔ اللہ کے بندوں نے تو جو فن پیدا کیا ہو وہ بھی زندہ و پائندہ ہوتا ہے)۔

(11) تیری تنگ جامی (کم ظرفی) کی بنا پر میکدہ رسوا ہو گیا + پیالہ اٹھا ہوش مندوں کی طرح پی اور جا (اے میخانہ دنیا میں آنے والے پیر مغان حقیقی نے تو اس میں تیرے لئے رحمتوں اور رفعتوں کی شراب کے مٹکے بھر کر رکھے ہوئے ہیں۔ تیرے ہی اندر ان کو پینے کی خواہش نہیں ہے تجھے شیطانی شراب پینے کا چسکا پڑا ہوا ہے اے رند ہوش کر۔ وہ شراب پی جو تجھے اپنی حقیقت سے آگاہ کرے۔ اپنے مقصد تخلیق کا پتہ بتائے۔ کائنات اور خدا سے اپنی نسبت کا راز تیرے دل میں ڈالے میخانہ حیات میں اس طرح کی زندگی گزار اور رخصت ہو جا۔ یہ زندگی چونکہ منشائے خالق کے مطابق ہو گی۔ اس لئے تجھے خالق عام لوگوں کی طرح فنا نہیں کرے گا۔ اپنوں کو کون مارتا ہے محبوبوں کو کون جدا کرتا ہے)۔

خطاب بہ جاوید (سخنے بہ نژاد نو)

جاوید سے خطاب۔ نئی نسل سے چند باتیں

پہلا بند

این سخن آراستن بے حاصل است ... بر نیاید آنچہ در قعرِ دل است!
گرچہ من صد نکتہ گفتم بے حجاب ... نکتۂ دارم کہ ناید در کتاب!
گر بگویم می شود پیچیدہ تر! ... حرف و صوت او را کند پوشیدہ تر!
سوزِ او را از نگاہِ من بگیر ... یا ز آہِ صبح گاہِ من بگیر!

*

① - یہ جو میں نے گفتگو کی انجمن سجائی ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا + کیونکہ جو کچھ دل کی گہرائی میں ہے (وہ گفتگو سے) باہر نہیں آسکتا مراد یہ ہے کہ دل کی بات زبان ادا نہیں کر سکتی۔ قال کو حال کی بات بیان کرنے کا کوئی یارا نہیں ہے۔

② اگرچہ میں نے سینکڑوں رمزی باریک باتوں کو کھول کر بیان کیا ہے + لیکن میں ایک ایسا نکتہ (باریک رمزیہ بات) رکھتا ہوں جو کتاب میں نہیں آسکتی یعنی تحریر میں نہیں آسکتی یا بیان نہیں کی جا سکتی۔

③ اگر میں اس کو کہتا ہوں تو وہ پہلے سے زیادہ الجھ جاتی ہے + میرے الفاظ اور میری آواز اس کو (پہلے سے بھی) زیادہ پوشیدہ کر دیتی ہے۔

④ اس نکتے کا سوز میری نگاہ سے حاصل کر + یا میری صبح کے وقت کی آہ سے لے مراد یہ ہے کہ اس نکتہ نے میری نگاہ میں جو سوز اور میری صبح کی آہ میں جو درد پیدا کیا ہے اگر تو اس کو میرے دل کی باریک بات کا نشان سمجھے تو شاید اس سے اصل بات کی طرف رجوع کر سکے لیکن یہ اسی وقت ہو سکے گا جب تو خود صاحب سوز ہو گا)۔

دوسرا بند

مادرت درس نخستیں با تو داد ‏ ‏ غنچہ تو از نسیم او کشاد!
از نسیم او ترا ایں رنگ و بوست ‏ ‏ اے متاع ما بہائے تو ازوست
دولت جاوید ازو اندوختی ‏ ‏ از لب او لا الہ آموختی
اے پسر! ذوق نگہ از من بگیر ‏ ‏ سوختن در لا الہ از من بگیر!
لا الہ گوئی؟ بگو از روے جاں ‏ ‏ تا ز اندام تو آید بوے جاں!
مہر و مہ گردد ز سوز لا الہ ‏ ‏ دیدہ ام ایں سوز را در کوہ و کہ!
ایں دو حرف لا الہ گفتار نیست ‏ ‏ لا الہ جز تیغ بے زنہار نیست!
زیستن با سوز او قہاری است ‏ ‏ لا ضرب است و ضرب کاری است!

*

① پہلا سبق تجھے تیری ماں نے دیا + اور تیری کلی اس کی نسیم سے کھلی (یعنی پہلی تربیت گاہ تیری ماں کی گود تھی جس نے لوریاں دے دے کر تیرے کانوں میں اللہ کا رس اور کلمہ طیبہ کی مٹھاس گھولی)۔

② یہ تیرے اندر جو رنگ و بو ہے یہ اس کی نسیم سے ہے + اے میری متاع تیری قیمت اس سے ہے اس کی تربیت نے تجھے وہ کچھ بنایا ہے جو تو اب ہے (یاد رہے اقبال نے جس وقت یہ اشعار لکھے تھے اس وقت جاوید ابھی لڑکا تھا اس وقت تک اس کے اندر ماں کے عقائد کی خوش بو موجود تھی۔ جوان ہو کر وہ خوش بو کہاں گئی اس کے عوامل کی بات الگ ہے)۔

③ تو نے (ایمان اور اسلام کی) ہمیشہ رہنے والی دولت اسی سے حاصل کی ہے + تو نے اس کے لب سے لا الہ سن کر سیکھا ہے (تجھے اس نے کلمہ توحید پڑھا کر مسلمان بنایا ہے)۔

④ (اس کا جو کام تھا وہ اس نے کر دیا) اے بیٹے نگاہ کا ذوق مجھ سے حاصل کر + (لا الٰہ کا سبق تو تو نے ماں سے لے لیا ہے اب) اس لا الٰہ میں جلنا مجھ سے سیکھ یعنی لا الٰہ کو قال سے گزار کر حال بنانے کا گر مجھ سے لے۔

⑤ کیا تو "لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ" کہتا ہے (اگر کہتا ہے تو) جان کے روسے کہہ + تاکہ تیرے جسم سے جان کی خوش بو آئے مراد ہے زبان سے کلمہ طیبہ ضرور پڑھ مگر اس کا دل سے اقرار بھی کر۔ کلمہ طیبہ کی روح کو اپنے اندر بسا کر اس کے مطابق زندگی بسر کر۔ تیرا ہر انگ اور تیرا ہر بال توحید کی گواہی دے یہ ہے کلمہ طیبہ کے پڑھنے اور اس کے اقرار کا مقصد۔

⑥ چاند اور سورج لا الٰہ کے سوز سے گردش کرتے ہیں + میں نے اس سوز کو پہاڑ اور تنکے میں یعنی کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں دیکھا ہے (یہ توحید کا نقطہ ہے جس کے گرد ہر شے دائرے کی طرح گھومتی ہے۔ خدا جو کبھی واحد تھا اور اس کے سوا کچھ موجود نہ تھا اس نے چاہا کہ میرا پہچاننے والا بھی کوئی ہو اس نے اپنا غیر یعنی کائنات پیدا کر دی۔ اس لئے ہر شے کا وجود اس وحدت کے کثرت میں ظہور کرنے کی وجہ سے ہے اگر وحدت خود کو کثرت کے آئینوں میں جلوہ گر نہ کرتی تو وحدت تو ہوتی کثرت نہ ہوتی۔ دنیا اور اس کی ہر شے اپنے وجود اور اپنی حرکات و سکنات میں اسی وحدت کی محتاج ہے۔ لا الٰہ ہمیں یہی درس دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی اللہ کے سوا ہم سب کی نفی کرتے ہیں حالانکہ سب اشیا موجود ہوتی ہیں لیکن ان کی موجودگی چونکہ اللہ کے وجود کی وجہ سے ہے اس لئے ہم اشیا کے وجود کو اللہ کے وجود کا مرہون منت سمجھتے ہیں)۔

⑦ یہ لا الٰہ (کوئی الٰہ نہیں ہے الا اللہ مگر اللہ الٰہ ہے) کے دو حرف گفتار (قال) نہیں ہے + (یاد رکھو) یہ لا الٰہ سوائے بے زنہار تلوار کے سوا کچھ نہیں (بے زنہار تلوار وہ ہوتی ہے جس سے کسی کو پناہ نہ مل سکے جس کے وار کو کوئی نہ روک سکے)۔

⑧ اس (لا الٰہ) کے سوز میں جینا قہاری ہے + لا الٰہ ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے یعنی لا الٰہ زبان سے کہہ کر یہ سمجھ لینا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں درست نہیں ہے۔ مسلمان اس وقت ہوتا ہے جب وہ توحید کا دل سے اقرار کرتا ہے اور اقرار کرنے کے بعد پہلے خود پر اسے نافذ کرتا ہے اور پھر دوسروں پر اس کا رنگ جماتا ہے۔ لا الٰہ تو ایک ایسی تلوار ہے کہ اگر موحد اس کو کام میں لائے تو باطل کو کہیں پناہ نہ ملے۔ کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان پر وہ ذمہ داریاں آن پڑتی ہیں کہ جن کو نبھانا بڑے دل گردے کا کام ہے اور ہم ہیں کہ کئی کئی لاکھ دفعہ اس کا ورد کر لیتے ہیں لیکن نفس میں غیر اللہ کے بت اسی طرح موجود رہتے ہیں۔ لا الٰہ جب صدق دل سے پڑھا جاتا ہے تو یہ بت لرز لرز کر گرنے لگتے ہیں۔

تیسرا بند

مومن و پیش کساں بستن نطاق! مومن و غداری و فقر و نفاق!
با بہائے دین و ملت را فروخت ہم متاع خانہ و ہم خانہ سوخت!
لا الٰہ اندر نمازش بود و نیست نازہا اندر نیازش بود و نیست

نور در صوم و صلوٰت او نماند — جلوۂ در کائناتِ او نماند!

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ — فتنۂ او حب مال و ترسِ مرگ!

رفت ازو آں مستی و ذوق و سرور — دینِ او اندر کتاب و او بگور!

صحبتش با عصر حاضر در گرفت — حرفِ دیں را از دو پیغمبر گرفت

آں ز ایراں بود و ایں ہندی نژاد — آں ز حج بیگانہ و ایں از جہاد!

تا جہاد و حج نماند از واجبات — رفت جاں از پیکرِ صوم و صلوٰت

روح چوں رفت از صلوٰت و از صیام — فرد ناہموار و ملت بے نظام!

سینہ ہا از گرمیِ قرآں تہی — از چنیں مرداں چہ امیدِ بہی!

از خودی مردِ مسلماں در گذشت — اے خضر دستے کہ آب از سر گذشت!

*

① مومن ہو کر غلامی کا کپڑا کمر پر باندھنا + مومن ہو کر غداری اور غریبی اور نفاق (کی زندگی بسر کرنا) (یہ متضاد باتیں ہیں)۔

② (اب اسی مومن نے) ایک کوڑی کے عوض دین اور قوم کو فروخت کر دیا + اس نے گھر اور گھر کا اثاثہ جلا دیا۔

③ (کبھی) اس کی نمازوں میں لا الٰہ (توحید کا رنگ) تھا (اب نہیں ہے) + اس کے نیاز میں (کبھی) ناز تھا اب نہیں ہے یعنی خدا کے حضور جس نیاز سے وہ سربسجود ہوتا تھا اس میں ایک مومنانہ شان تھی جو اب نہیں ہے۔

④ اس کے روزوں اور اس کی نمازوں میں نور نہیں رہا + اس کی کائنات میں جلوہ حق نہیں رہا (یعنی آج اس کی نمازیں اور روزے بے تجلی ہیں)۔

⑤ وہ جس (کی زندگی کا) ساز و سامان اللہ تھا + اس کا فتنہ حب مال اور اس کا خوف موت ہے (اب وہ مال کی محبت میں گرفتار ہے اور اللہ کی راہ میں جان دینے سے ڈرتا ہے۔ کبھی وہ اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کی ملکیت سمجھتا تھا اس لئے ان کو بے دریغ اس کی راہ میں خرچ کر دیتا تھا لیکن اب اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے ان کو خرچ نہیں کرتا)۔

⑥ اس سے وہ ذوق و سرور کی مستی چلی گئی ہے + اس کا دین کتاب میں اور وہ خود قبر میں ہے یعنی اس نے قرآن پر عمل چھوڑ دیا ہے اور مردوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔

⑦ اس نے عصر حاضر کی صحبت اختیار کر لی ہے + اور اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو چھوڑ کر (زمانہ حال کے) دو پیغمبروں سے دین کی بات لے لی ہے (ان دو پیغمبروں سے مراد پیغمبری کے وہ دو جھوٹے دعویٰ کرنے والے ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

⑧ وہ ایک ایران سے تھا اور یہ ہندی نسل سے تھا + وہ حج سے بے گانہ تھا اور یہ جہاد سے بے گانہ تھا (ایران میں پیدا ہونے والے جھوٹے پیغمبر کا نام مرزا حسین علی بہاء اللہ ہے یہ 1817ء میں ایران میں نور کے مقام پر پیدا ہوا جس نے صرف حج ہی نہیں پوری شریعت محمدی ﷺ کو منسوخ کر دیا اس کے پیروکار بہائی کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں پیدا ہونے والے جھوٹے نبی کا نام مرزا غلام احمد تھا جو مشرقی

پنجاب (بھارت) کے شہر قادیاں میں 1838ء میں پیدا ہوا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کرتے وقت شریعت محمدی ﷺ کو تو منسوخ نہیں کیا البتہ جہاد کی ضرورت کی نفی کر دی وہ بمقام قادیاں ہی فوت ہوا)۔

⑨ جب حج اور جہاد (مسلمانوں کے لئے) واجب نہ رہے + تو پھر نماز اور روزے (کے جسم) سے جان بھی نکل گئی (یہ بھی بے اثر ہو گئے)۔

⑩ جب نماز اور روزے سے روح نکل گئی + فرد بے لگام اور ملت بے نظام ہو گئی۔

(11) ان کے سینے قرآن کی گرمی سے خالی ہو گئے + (تو پھر) ایسے مردوں سے اچھائی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

(12) مرد مسلمان نے خودی کو چھوڑ دیا + اے خضر مدد کر کہ پانی سر سے گزر گیا ہے۔

چوتھا بند

سجدۂ کز وے زمیں لرزیدہ است — بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود — در ہوا آشفتہ گردد ہم چو دود!

ایں زماں جز سر بزیری ہیچ نیست — اندرو جز ضعفِ پیری ہیچ نیست!

آں شکوہ ربی الاعلیٰ کجاست — ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ماست؟

ہر کسے بر جادۂ خود تند رو — ناقۂ ما بے زمام و ہرزہ دو!

صاحبِ قرآن و بے ذوقِ طلب — **العجب ثم العجب ثم العجب!**

*

① وہ سجدہ کہ جس سے زمین لرزتی تھی + جس کی مراد پر سورج اور چاند گردش کرتا تھا۔

② اگر پتھر اس سجدے کا نشان (خود پر) ثبت کر لیتا تھا + (تو وہ پتھر) دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتا تھا۔

③ (وہ سجدہ) اس زمانے میں سوائے سر جھکانے کے اور کچھ نہیں ہے + اس میں سوائے بڑھاپے کی کمزوری کے اور کچھ نہیں ہے (نمازی بڑے مجبور ہو کر اور بڑی مصیبت سمجھ کر سجدہ ادا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی ذوق کوئی شوق نہیں ہوتا)۔

④ وہ **ربی الاعلیٰ** کا دبدبہ کہاں ہے + اس کا گناہ ہے یا ہماری تقصیر ہے (جب مسلمان سجدہ کرتا ہے تو کہتا ہے اے رب تو سب سے اعلیٰ ہے اب وہ یہ الفاظ کہتا ضرور ہے لیکن وہ اعلیٰ رب کے سوا غیر رب کو سمجھتا ہے)۔

⑤ ہر کوئی اپنے راستہ پر سرپٹ دوڑا جا رہا ہے + ہماری ہر اونٹنی بغیر نکیل کے ہے اور بے مقصد دوڑی جا رہی ہے۔ (یعنی آج مسلمان خدا کی راہ کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے راستوں پر جن کی کوئی منزل نہیں ہے دوڑے جا رہے ہیں)۔

⑥ (عجب بات ہے کہ مسلمان) قرآن رکھتا ہے لیکن طلب کا ذوق نہیں رکھتا + عجیب ہے پھر عجیب ہے پھر عجیب ہے۔

پانچواں بند

گر خدا سازد ترا صاحب نظر / روزگارے را کہ می آید نگر!

عقلہا بے باک و دلہا بے گداز / چشمہا بے شرم و غرق اندر مجاز!

علم و فن، دین و سیاست، عقل و دل / زوج زوج اندر طواف آب و گل!

آسیا آں مرز و بوم آفتاب / غیر بیں، از خویشتن اندر حجاب!

قلب او بے وارداتِ نو بنو / حاصلش را کس نگیرد با دو جو!

روزگارش اندریں دیرینہ دیر / ساکن و یخ بستہ و بے ذوقِ سیر!

صیدِ ملایان و نخچیرِ ملوک / آہوے اندیشہ او لنگ و لوک!

عقل و دین و دانش و ناموس و ننگ / بستۂ فتراکِ لردانِ فرنگ!

تاختم بر عالمِ افکارِ او / بر دریدم پردۂ اسرارِ او!

درمیان سینہ دل خوں کردہ ام / تا جہانش را دگرگوں کردہ ام

*

① اگر خدا تجھے صاحب نظر بنائے + تو وہ زمانہ جو کہ آرہا ہے اس کو دیکھنا۔

② (یہ آنے والا دور ایسا ہو گا کہ جس میں لوگوں کی) عقلیں نڈر اور دل بے گداز (ہوں گے) + آنکھیں بے شرم ہوں گی اور مجاز (ہوس / جنس) میں غرق (ہوں گی)۔

③ علم اور فن، دین اور سیاست، عقل اور دل + گروہ در گروہ آب و گل کے طواف میں لگے ہوئے ہیں یعنی ان کا روح سے کوئی تعلق نہیں رہا صرف تن کے دلدادہ ہیں۔

④ ایشیا جو آفتاب کی جنم بھومی ہے + (اس ایشیا کے لوگ) خود سے حجاب میں ہیں اور غیروں کا نظارہ کر رہے ہیں (سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ کبھی علوم و فنون بھی مشرق سے نکلتے تھے آج وہ مشرق جہالت کے اندھیرے میں ہے اپنے علوم و فنون سے ناواقف اور یورپ کے علوم و فنون کا شیدائی ہے)۔

⑤ اس کا یعنی ایشیا کا قلب نئی نئی واردات سے خالی ہے + اس کی فکر کو کوئی دو جو کے عوض بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

⑥ اس پرانی دنیا میں اس کی زندگی + ساکن، یخ بستہ (منجمد) اور حرکت کے ذوق کے بغیر ہے۔

⑦ وہ (جاہل اور غلط) ملاؤں کا اور بادشاہوں (نوابوں، جاگیرداروں اور وڈیروں) کا شکار ہو چکا ہے + وہ تو وہ ہرن ہے جس کا فکر لنگڑا اور گھٹنوں کے بل ہاتھ ٹیک کر چلنے والا ہے۔

⑧ اس کی عقل، دین، دانش، ناموس، ننگ + فرنگیوں کے لارڈوں کی فتراک میں (شکار کی طرح) بندھے ہوئے ہیں یعنی یہ سب کچھ ان فرنگیوں کے تابع ہیں۔

⑨ میں نے اس کے یعنی مشرق کے افکار پر چڑھائی کی + اور اس کے پردوں کو پھاڑ دیا یعنی میں نے اہل مشرق کی کمزوری کا راز کھول کر بیان کر دیا ہے۔

⑩ (مشرق والوں کے حالات کو دیکھ کر) میں نے اپنے سینے میں دل کو خون کر لیا ہے + تب جا کر میں

نے اس کا جہان بدلا ہے۔

چھٹا بند

من بہ طبعِ عصرِ خود گفتم دو حرف کردہ ام بحرین را اندر دو ظرف!
حرفِ پیچا پیچ و حرفِ نیش دار تا کنم عقل و دلِ مرداں شکار!
حرفِ تہ دارے بانداز فرنگ نالہ مستانہ از تار چنگ!
اصل ایں از ذکر و اصل آں ز فکر اے تو بادا وارث ایں فکر و ذکر!
آبجویم از دو بحر اصلِ من است فصلِ من فصل ست و ہم وصلِ من است!
تا مزاجِ عصرِ من دیگر فتاد طبعِ من ہنگامۂ دیگر نہاد!

*

① میں نے اپنے زمانے کی طبیعت کی دو باتیں کی ہیں + (یوں سمجھیں کہ یہ دو باتیں نہیں ہیں بلکہ) میں نے دو سمندروں کو دو برتنوں میں بند کر دیا ہے۔

② یہ باتیں گنجلک چبھتی ہوئی ہیں + تاکہ میں مردوں کی عقل اور دل کو شکار کروں۔ علامہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میں نے اپنے کلام میں دو قسم کی باتیں کی ہیں ایک وہ ہیں جن کا تعلق عقل اور ذہن سے ہے اور دوسری وہ کہ جن کا تعلق عشق اور دل سے ہے۔ ایک قسم میری باتوں کی فکر کے تحت آتی ہے اور دوسری قسم ذکر کے تحت مثلاً میں نے اپنی کتب فلسفہ عجم اور تشکیل الٰہیات جدید میں جو باتیں کی ہیں وہ عقل و ادراک اور فلسفہ و حکمت کا پہلو رکھتی ہے اور جو باتیں میں نے اپنے اردو اور فارسی منظوم کلام میں کی ہیں ان پر عشق و مستی غالب ہے وہاں عقل و حکمت بھی دل کے تابع ہے۔ تو اے بیٹے دونوں سے استفادہ کر میں مانتا ہوں میری ساری کتابوں کا انداز پیچ دار' تہ دار اور نیش دار ہے لیکن میری اور میرے مخاطبین کی ضرورت ہی یہ تھی کہ میں یہ انداز بیان اختیار کروں۔ بات عشق کی ہو یا عقل کی عام شاعروں کی طرح سادہ انداز میں بیان نہیں کی جا سکتی اس کے لئے مشکل انداز بیان مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے۔ خدا کرے کہ تیری فہم میں آ جائے۔ آج نہیں تو بڑے ہو کر۔۔۔۔

③ میں نے فرنگیوں کی طرح تہ دار باتیں کی ہیں یعنی فلسفہ اور حکمت کی باتیں کی ہیں (فرنگی کی طرح ہر بات کو دماغ کی راہ سے سمجھنا چاہتا ہے

+ (اور اپنے) رباب کے تاروں سے مستانہ نالے بھی پیدا کئے ہیں یعنی عاشقانہ اور مومنانہ انداز بھی اختیار کیا ہے۔ ضرورت کے مطابق میں نے عشق و عقل کے دونوں اسلوب اختیار کئے ہیں۔

④ اس کی یعنی عشق کی اصل ذکر ہے اور اس کی یعنی عقل کی اصل فکر ہے + اے کہ تو ان (دونوں میراثوں) ذکر اور فکر کا وارث بن جائے۔

⑤ میں ایک ندی ہوں میری اصل ان (عقل و عشق) کے دو سمندروں سے ہے + میری جدائی میری جدائی بھی ہے اور میرا وصل بھی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے عقل اور عشق کو الگ الگ

خصوصیات کے ساتھ بھی بیان کر دیا ہے اور ایک کے دوسرے سے تعلق کی بنا پر بھی۔۔۔

⑥ چونکہ میرے زمانے کا مزاج اور طرح کا ہے + اس لئے میری طبع نے بھی ایک اور طرح کا ہنگامہ برپا کیا ہے۔ مراد ہے کہ پہلے ادوار کے شاعروں نے ان ادوار کے تقاضوں کے مطابق شاعری کی ہے اور میں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق کلام پیدا کیا ہے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ عقل کی بے راہ روی دکھا کر عشق کی راہ مستقیم دکھائی جاتی اور محض اس عقل کو اختیار کرنے کے لئے کہا جاتا جو عشق کے تابع ہے۔ جہاں فکر کی بات کی جاتی ذکر کی اہمیت بھی بتائی جاتی اور یہ بات بھی قارئین کے ذہن نشین کرائی جاتی کہ ذکر بغیر فکر اور فکر بغیر ذکر کے بے کار ہے۔ زندگی کا تانا بانا ذکر و فکر کے دو ریشمی دھاگوں سے مل کر بنتا ہے۔

ساتواں بند

نوجواناں تشنہ لب، خالی ایاغ　　　شستہ رو، تاریک جاں، روشن دماغ!
کم نگاہ و بے یقین و ناامید　　　چشمِ شاں اندر جہاں چیزے ندید!
ناکساں منکر ز خود مومن بغیر　　　خشت بند از خاکِ شاں معمارِ دیر!
مکتب از مقصودِ خویش آگاہ نیست　　　تا بجذبِ اندرونش راہ نیست!
نورِ فطرت را ز جانہا پاک شست　　　یک گلِ رعنا ز شاخِ او نرست!
خشت را معمارِ ما کج می نہد　　　خوئے بط با بچۂ شاہیں دہد!
علم تا سوزے نگیرد از حیات　　　دل نگیرد لذتے از واردات!
علم جز شرحِ مقاماتِ تو نیست　　　علم جز تفسیرِ آیاتِ تو نیست!
سوختن می باید اندر نارِ حس　　　تا بدانی نقرۂ خود را ز مس!
علمِ حق اول حواس، آخر حضور　　　آخرِ او می نگنجد در شعور!

✱

① (اس زمانے کے) نوجوان پیاسے ہونٹوں والے اور خالی پیالوں والے ہیں یعنی ان کو نہ ذکر و فکر کی مے کی خبر ہے اور نہ اس کے ذائقہ کا ان کو کچھ پتہ ہے + (اس لئے) ان کے چہرے شیشے کی طرح چمک دار (مگر جانیں) تاریک اور دماغ روشن ہیں۔ مراد ہے وہ بدن کی تزئین اور ذہن کی جلا کے قائل ہیں روح کی نزہت اور اس کی تجلی کے قائل نہیں ہیں یا اگر قائل ہیں تو اس طرف توجہ نہیں کر رہے۔

② وہ کم نگاہ، بے یقین اور ناامید (بھی ہیں) + ان کی آنکھوں نے جہان میں کوئی چیز نہیں دیکھی یعنی وہ دنیا کی حقیقت سے آشنا نہ ہو سکے اور ہوتے بھی کیسے ان کے پاس وہ نگاہ ہی نہیں ہے۔ ان کو حقیقت کائنات کے ہونے کا یقین ہی نہیں ہے وہ زندگی کے مقاصد سے بے خبر ہونے کی بنا پر مایوسانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

③ (یہ نوجوان) ناکس (ہیں) (کسی شمار میں نہیں ہیں کیونکہ وہ) اپنی ہستی کا انکار کرتے ہیں اور دوسروں کی ہستی پر ایمان لاتے ہیں یعنی وہ اپنی روایات اور قدروں کو ہیچ سمجھتے ہیں اور دوسروں کی قدروں،

اور روایات کو جان سے لگائے ہوئے ہیں + (یہی وجہ ہے) کہ بت خانے کا معمار ان کی مٹی سے اینٹیں بناتا ہے (اور اپنے بت خانہ پر لگاتا ہے) یعنی دوسرے ان کی اپنی قدروں اور روایات پر بے یقینی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کا رنگ اتار کر ان پر اپنا رنگ چڑھاتے ہیں۔

④ آج کا وہ مکتب (جس میں یہ نوجوان تعلیم پاتے ہیں) اپنے مقصود سے آگاہ نہیں ہے + کیونکہ اس کی (آدمی کے) اندر کے جذب تک راہ نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ آج کا مدرسہ اور آج کا استاد ذہن اور بدن کی عمارتیں تو تعمیر کرتا ہے روح لیکن دل کی عمارتوں کو مسمار کرتا ہے۔ ان مدرسوں کا علم تن کی پرورش کے لئے ہے من کی پرورش کے لئے نہیں ہے اور مولانا روم کے الفاظ میں جو علم تن کے لئے پڑھا جاتا ہے وہ آدمی کو سانپ بن کر ڈس لیتا ہے اور جو علم دل کے لئے پڑھا جا. ہے وہ آدمی کا یار بن جاتا ہے۔

⑤ (ہمارے ان مدرسوں اور ان مدرسوں کے استادوں نے) ان (نوجوانوں) کی جانوں سے فطرت کے نور کو دھو ڈالا + اس کی (یعنی مدرسے کی) شاخ سے ایک شاداب پھول نہیں کھلا یعنی ان مدرسوں سے' سائنس دان اور علوم و فنون کے دوسرے ماہر تو پیدا ہوئے ہیں مرد حق ایک بھی پیدا نہیں ہوا۔

⑥ ہمارا معمار یعنی مدرسے کا استاد پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھتا ہے + وہ شاہین بچوں کو بطخ کی عادت ڈالتا ہے۔ (طالب علموں کو زندگی کے بلند اور حقیقی مقاصد سے آشنا کرنے کی بجائے ان کو سفلی اور جبلی مقاصد سے آشنا کرتا ہے. جس سے وہ آدم. جس کو ملائک نے سجدہ کیا تھا شیطان صفت بن جاتا ہے)۔

⑦ علم جب تک زندگی سے سوز نہیں لیتا + اس وقت تک دل واردات کی لذت سے آشنا نہیں ہوتا۔ یعنی علم بے عشق دل کی موت ہے۔

⑧ علم سوائے تیرے (یعنی آدمی کے) مقامات کی شرح کے سوا کچھ نہیں ہے + علم سوائے تیری (اے آدمی) آیات کی تفسیر کے اور کچھ نہیں (یہ علم جو عصر حاضر نے تجھے دیا ہے یہ آدمی کو اس کے مقامات سے ناآشنا کرتا ہے اسے اس کے مقصد تخلیق سے دور لے جاتا ہے اس لئے یہ علم' علم نہیں جہالت ہے علم تو وہ ہوتا ہے جو تجھے تیری معرفت عطا کرے تجھے تیرے مقامات اور اس کی نشانیوں سے آگاہ کرے۔ محض روزگار اور تن پروری کے لئے علم حاصل کرنا یہ تو خود کو حیوان بنانا ہے۔ کھانا پینا اور ختم ہو جانا تو حیوانوں کی زندگی ہوتی ہے۔ علم وہ حاصل کر جو تجھے تجھ سے آشنا کرے۔ تیری مخفی انسانی صلاحیتوں کو اجاگر کرے اور جو تجھے انسان بنائے بلکہ اس سے بھی آگے کے مقامات سے تجھے آشنا کرے)۔

⑨ حس کی آگ میں جلنا چاہیے + تاکہ تو اپنی چاندی کو تانبے سے پہچان سکے اس کی تشریح یہ ہے آدمی کو پہلے وہ علوم حاصل کرنے چاہئیں جو ظاہری حواس خمسہ سے حاصل ہوتے ہیں یعنی علم الاسماء کے تحت آفاق کے علم سے آشنا ہونا چاہیے اس کے بعد وہ علوم حاصل کرنے چاہئیں جو باطنی حواس خمسہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ تب جا کر کھرے کھوٹے' اور انسان حیوان کی پہچان ہو گی۔

⑩ حق کا علم پہلے حواس سے (حاصل کیا جاتا ہے) اور آخر میں مشاہدات سے + (یہ علم کا آخر جو ہے جو حضوری عطا کرتا ہے یہ) عقل کی گرفت میں نہیں آسکتا مراد یہ ہے کہ علم حق کی ابتدا بے شک شعور سے ہوتی ہے لیکن اس کی انتہا کا شعور کو علم نہیں اسے صرف کوئی مرد درویش ہی جانتا ہے کیونکہ اس علم کا استاد صرف وہ ہے۔

آٹھواں بند

صد کتاب آموزی از اہلِ ہنر   خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
ہر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر   مست میگردد باندازِ دگر!
از دمِ بادِ سحر میرد چراغ   لالہ زاں بادِ سحر مے در ایاغ!
کم خور و کم خواب و کم گفتار باش   گردِ خود گردندہ چوں پرکار باش!
منکرِ حق نزدِ ملا کافر است   منکرِ خود نزدِ من کافر تر است!
آں بانکارِ وجود آمد عجول   ایں عجول و ہم ظلوم و ہم جہول!
شیوۂ اخلاص را محکم بگیر   پاک شو از خوفِ سلطان و امیر
عدل در قہر و رضا از کف مدہ   قصد در فقر و غنا از کف مدہ
حکم دشوار است؟ تاویلے مجو   جز بقلبِ خویش قندیلے مجو
حفظِ جاں ہا ذکر و فکرِ بے حساب   حفظِ تن ہا ضبطِ نفس اندر شباب
حاکمی در عالمِ بالا و پست   جز بحفظِ جان و تن ناید بدست
لذتِ سیر است مقصودِ سفر   گر نگہ بر آشیاں داری مپر
مہ گردد تا شود صاحب مقام   سیرِ آدم را مقام آمد حرام!
زندگی جز لذتِ پرواز نیست   آشیاں با فطرِ او ساز نیست!
رزقِ زاغ و کرگس اندر خاکِ گور   رزقِ بازاں در سوادِ ماہ و ہور

●

① اگر تو اہلِ ہنر سے سو کتابیں بھی پڑھے + تو اس سے وہ ایک درس بہتر ہے جو تو (کسی مردِ کامل کی) نظر سے لے (اس لئے کہا جاتا ہے کہ اولیا کی صحبت کا ایک لمحہ صد سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہوتا ہے)۔

② ہر شخص اس شراب سے جو نظر سے ٹپکتی ہے + اپنے اپنے انداز میں مست ہوتا ہے یعنی ہر شخص اپنی طلب اور ظرف کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔

③ (دوسرے شعر کی وضاحت کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ دیکھئے) صبح کی ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ جاتا ہے + اسی جھونکے سے لالے کے پھول کے پیالے میں شراب (آجاتی ہے) یعنی وہ سرخ و شاداب ہو جاتا ہے۔ چراغ کو موت اور لالے کو زندگی نصیب ہوتی ہے حالانکہ جھونکا ایک ہی ہے۔

④ کم کھانے، کم بات کرنے اور کم سونے والا بن + (اور) اپنے گرد پرکار کی طرح گھومنے والا بن یعنی اپنا طواف کر غیروں کا دست نگر نہ ہو اپنی معرفت حاصل کرنے میں کوشاں رہ روٹی، نیند اور باتوں ہی کو اوڑھنا بچھونا نہ بنا لے۔ ان سے کم سے کم تعلق رکھ اور تو دیکھے گا کہ یہ بے تعلقی تجھے تیری خودی کی معرفت اور اس کے استحکام میں مددگار ثابت ہوگی۔

⑤ اللہ کا منکر ملا کے نزدیک کافر ہے + (لیکن) اپنا منکر میرے نزدیک بڑا کافر ہے مراد ہے کہ خدا تو

پوشیدہ ہے لیکن تو خود تو ظاہر ہے۔ ظاہر کا انکار کرنا اور پوشیدہ کی تلاش کرنا یہ کہاں کی دانش مندی ہے۔ پہلے خود کو تلاش کر جب تو اپنی تلاش کر لے گا تو خدا مل جائے گا۔ جس کو ملا اپنے سے باہر ڈھونڈتا ہے وہ اس کے اندر ہے۔ اس کی شہ رگ سے قریب ہے اس کے دل میں ہے۔ جس نے خود کو تلاش کر لیا اس نے اپنے رب کو پا لیا۔ علامہؒ نے اسی لئے بار بار کہا ہے کہ خدا تلاش کرتے ہو اپنے نزدیک ہو جاؤ۔ یہ بات حضرت علیؓ کے اس مشہور مقولے پر مبنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ صاحبان راز نے اسی لئے کہا ہے کہ جس کو تم زمینوں اور آسمانوں میں ڈھونڈتے ہو وہ تو تیرے دل میں مکین ہے۔ اسے یہاں تلاش کر لیکن کس طرح یہ کوئی واقف راز ہی بتائے گا۔ کسی کی صحبت اختیاری سے ہی اس کا علم ہو گا۔ یہ بات کتابوں اور دوسرے علوم سے ہاتھ نہیں آتی۔

⑥ وہ یعنی حق کا منکر خدا کے وجود کے انکار کی وجہ سے عجول (جلد باز) ہے (کہ اس نے بلا سوچے سمجھے بلا تفتیش و تحقیق اس کا انکار کر دیا) + (اور یہ) یعنی اپنا انکار کرنے والا عجول کے علاوہ ظلوم اور جہول بھی ہے (ظلوم اس لئے کہ اس نے اپنا انکار کر کے خود پر ظلم کیا اور اپنی مخفی صلاحیتوں سے بے خبر رہ کر خود سے جاہل رہا)۔

⑦ اخلاص کے شیوہ کو سختی سے اختیار کر + (اور اس طرح) سلطان اور امیر کے خوف سے آزاد ہو جا مراد ہے اللہ کے دامن کو خلوص کے ساتھ پکڑ لے اس طرح تو غیر اللہ سے بے نیاز ہو جائے گا۔

⑧ تو غصے میں ہو یا خوش نودی کی (حالت میں ہو دونوں حالتوں میں) عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دے + مفلسی ہو یا امیری میانہ روی کو نہ چھوڑ۔

⑨ (اگر خدا) کا کوئی حکم دشوار ہے تو اس کی تاویل نہ ڈھونڈ (کسی مشکل کشا سے اس مشکل کا حل ڈھونڈ اپنے معنی پیدا نہ کر) + اپنے قلب کے سوا کہیں اور سے چراغ نہ ڈھونڈ (اپنے دل کو معرفت خداوندی کے نور سے روشن کر پھر تو احکام خداوندی کی صحیح روح کو دیکھ سکے گا)۔

⑩ روح کی حفاظت (اللہ کے) بے حساب یعنی کثرت سے ذکر کرنے میں ہے + اور بدن کی حفاظت جوانی میں ضبط نفس کرنے سے ہے۔

(11) عالم بالا و پست (دنیا اور آخرت کے جہانوں) میں سرفرازی یا سرداری ہاتھ نہیں آتی + سوائے جان و تن کی حفاظت کے۔

(12) سفر کا مقصد سیر کی لذت ہے + اگر تو آشیاں پر نظر رکھے ہوئے ہے تو نہ اڑ مقصد یہ ہے کہ ترقی کے حصول کے لئے بہت سی آسائشوں کو چھوڑنا پڑتا ہے مثال کے طور پر اگر تو روحانی ترقی کرنا چاہتا ہے تو تجھے دنیا کے علائق سے الگ ہونا پڑے گا۔ یاد رکھ اس سفر میں جو لذت تجھے نصیب ہو گی وہ دنیا کی لذتوں سے بڑھ کر ہو گی۔ پرواز کی لذت آشیانے کے سکون کی لذت سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ سکون چھوڑ حرکت اختیار کر۔ تن کے آرام سے قطع نظر کر اور روح کو بالیدگی دینے کے اسباب پیدا کر۔

(13) چاند اس لئے گردش کرتا ہے تاکہ وہ صاحب مقام ہو جائے یعنی چودھویں کی رات تک مکمل ہو جائے اس کے بعد اس کا سفر ارتقا ختم ہو جاتا ہے + (لیکن) آدمی کے لئے مقام کرنا حرام ہے (وہ تو ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے اس کے ارتقا کی کوئی حد نہیں ہے)۔

(14) زندگی پرواز کی لذت کے سوا کچھ نہیں ہے + آشیانہ اس کی فطرت کو راس نہیں آتا

(13) کوے اور گدھ کا رزق قبر کی مٹی میں ہے وہ مردہ لاشوں کا گوشت کھاتے ہیں + بازوں کا رزق چاند اور سورج کے نواح میں ہے (وہ بلند پرواز کرتے ہوئے فضا میں زندوں کا شکار کرتے ہیں)۔

نواں بند

سرِ دیں صدقِ مقال، اکلِ حلال   خلوت و جلوت تماشائے جمال!
در رہِ دیں سخت چوں الماس زی   دل بحق بربند و بے وسواس زی!
سرّے از اسرارِ دیں بر گویمت   داستانے از مظفر گویمت
اندر اخلاصِ عمل فردِ فرید   پادشاہے با مقامِ بایزید
پیشِ او اسپے چو فرزنداں عزیز   سخت کش چوں صاحبِ خود در ستیز
سبزہ رنگے از نجیبانِ عرب   باوفا، بے عیب، پاک اندر نسب
مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس   چیست جز قرآن و شمشیر و فرس؟
من چہ گویم وصفِ آں خیر الجیاد   کوہ و روئے آبہا رفتے چو باد
روزِ ہیجا از نظر آمادہ تر   تند بادے طائفِ کوہ و کمر!
در تگِ او فتنہ ہائے رستخیز   سنگ از ضربِ سمِ او ریز ریز
روزے آں حیواں چو انساں ارجمند   گشت از دردِ شکم زار و نژند
کرد بیطارے علاجش از شراب   اسپِ شہ وا رہانہ از پیچ و تاب
شاہِ حق بیں دیگر آں یکراں نخواست   شرعِ تقویٰ از طریقِ ما جداست
اے ترا بخشد خدا قلب و جگر   طاعتِ مردِ مسلمانے نگر!

*

① دین کا بھید سچ بولنے اور حلال کھانے میں ہے + خلوت ہو کہ جلوت دونوں جگہ جمالِ خداوندی کا تماشا کرنے میں ہے (ظاہر ہے جب خدا کا جلوہ ہر جگہ نظر آئے گا تو کج فکری اور کج عملی اختیار ہی نہیں کی جا سکتی کوئی دیکھ رہا ہو تو چوری کون کرتا ہے)۔

② دین کی راہ میں الماس کی طرح سخت جی + حق کے ساتھ دل لگا اور وسواس کے بغیر جی مراد ہے دین کی راہ پر اس طرح ثابت قدمی سے چل کہ کوئی چیز بھی تیری راہ کی رکاوٹ نہ بن سکے اور تیرے پاؤں کو لغزش نہ دلا سکے۔

③ میں تجھے دین کے اسرار میں سے ایک سِر (بھید) بتاتا ہوں + میں تمہیں (اس کے لئے) مظفر (بادشاہ) کی ایک حکایت بیان کرتا ہوں (سلطان مظفر پندرھویں صدی عیسوی میں گجرات (مشرقی ہند) کے علاقے کا ایک نہایت ہی طاقت ور، بہادر اور دین دار بادشاہ تھا)۔

④ وہ عمل کے اخلاص میں ایک بے مثل شخص تھا + وہ ایک بایزید بسطامی (جیسے مردِ فقیر کا) مرتبہ رکھنے والا تھا۔

⑤ اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اس کو بیٹوں کی طرح عزیز تھا + وہ جنگ کے موقع پر اپنے مالک کی

طرح سخت کوش تھا۔

⑥ وہ گھوڑا (نسل کا) سبزہ رنگ اور عرب کے اصیل گھوڑوں میں سے تھا + وہ باوفا، بے عیب اور نسب میں پاک تھا۔

⑦ مرد مومن کے لئے اے بات کی تہ کو پہنچنے والے شخص + قرآن، تلوار اور گھوڑے کے سوا (اور کیا ساز و سامان) ہے۔

⑧ میں اس شریف و نجیب اور گھوڑوں میں سب سے بہتر گھوڑے کے اوصاف کے متعلق کیا کہوں وہ پہاڑوں اور دریاؤں کے پانی سے ہوا کی طرح گزر جاتا تھا۔

⑨ وہ جنگ کے دن نظر سے بھی زیادہ آمادہ یعنی اس سے بھی تیز نکلنے والا ہوتا تھا + وہ تیز ہوا کی طرح پہاڑوں اور گھاٹیوں کو عبور کر لیتا تھا۔

⑩ اس کی دوڑ دھوپ میں قیامت کے فتنے تھے + اس کے سم کی ضرب سے پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے

(11) ایک روز وہ انسان کی طرح کا ارجمند گھوڑا + پیٹ کے درد کی وجہ سے کمزور اور بے حال ہو گیا۔

(12) ایک جانوروں کے معالج نے اس کا شراب سے علاج کیا + اور (اس طرح) اس نے بادشاہ کے گھوڑے کو (درد کے) پیچ و تاب سے رہائی دلا دی۔

(13) خدا شناس بادشاہ (حق کو دیکھنے والے بادشاہ) نے پھر اس گھوڑے کو (سواری کے لئے) طلب نہ کیا + تقویٰ کا راستہ ہمارے راستہ سے جدا ہے (گھوڑے نے چونکہ شراب پی لی تھی اس لئے بادشاہ نے اس پر سوار ہونے کو بھی حق پرستی کے خلاف سمجھا)۔

(14) اے کہ خدا تجھے قلب و نظر عطا کرے + ایک مسلمان کی اطاعت خدا دیکھ۔ (کہ اس نے اس گھوڑے پر بھی سوار ہونا گوارا نہ کیا جس نے شراب پی لی تھی)۔

دسواں بند

دیں سراپا سوختن اندر طلب — انتہایش عشق و آغازش ادب!
آبروے گل ز رنگ و بوے اوست — بے ادب بے رنگ و بو، بے آبروست!
نوجوانے را چو بینم بے ادب — روز من تاریک می گردد چو شب
تاب و تب در سینہ افزاید مرا — یادِ عہدِ مصطفیٰ آید مرا!
از زمانِ خود پشیماں می شوم — در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم!
سترِ زن زوج یا خاک لحد — سترِ مرداں حفظِ خویش از یارِ بد
حرفِ بد را بر لب آوردن خطاست — کافر و مومن ہمہ خلق خداست
آدمیت احترامِ آدمی — باخبر شو از مقامِ آدمی!
آدمی از ربط و ضبط تن بہ تن — بر طریقِ دوستی گامے بزن!
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق — می شود بر کافر و مومن شفیق!
کفر و دیں را گیر در پہنائے دل — دل اگر بگریزد از دل، وائے دل!

گرچہ دل زندانیِ آب و گل است　　ایں ہمہ آفاق ' آفاقِ دل است!

*

① دین (کیا ہے) اللہ کی طلب میں خود کو سوختہ کرنا ہے + اس کی انتہا عشق ہے اور اس کا آغاز ادب ہے۔

② (دیکھو) پھول کی آبرو اس کے رنگ اور خوش بو سے ہے + بے ادب بے رنگ و بو اور بے آبرو ہوتا ہے۔

③ میں کسی نوجوان کو جب بے ادب دیکھتا ہوں + میرا دن میری رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے۔

④ میرے سینے کا اضطراب بڑھ جاتا ہے + اور نبی کریم ﷺ (کے ادب) کا دور یاد آ جاتا ہے۔

⑤ میں اپنے زمانے سے پچھتاتا ہوں (کہ ایسے زمانے میں پیدا ہوا جو بے ادب لوگوں کا زمانہ ہے) + میں خود کو پرانی صدیوں میں چھپا لیتا ہوں (پرانے باادب زمانے کی یاد میں کھو جاتا ہوں)۔

⑥ عورت کا ستر یا اس کا خاوند ہے یا قبر + آدمی کا ستر خود کو برے دوستوں سے بچانا ہے (ستر کے معنی اس کا پردہ یا اس کا محرم ہے)۔

⑦ بری بات کو لب پر لانا خطا ہے + کافر اور مومن سب خدا کے پیدا کردہ ہیں (سب سے محبت کا برتاؤ کرنا چاہیے)۔

⑧ آدمیت آدمی کے احترام کا نام ہے + آدمی کے مقام سے باخبر ہو۔

⑨ آدمی تن بہ تن کے ربط و ضبط سے ہے یعنی ایک آدمی کے دوسرے آدمی کے ساتھ جو تعلقات ہوتے ہیں آدمیت اس کا نام ہے۔

⑩ بندہ عشق خدا سے مسلک (زندگی) لیتا ہے یعنی جس طرح خدا سب پر مہربان ہے اسی طرح + وہ بھی کافر اور مومن دونوں پر مہربان ہوتا ہے۔

(11) کفر اور دین کو دل کی وسعت میں رکھ + ایک دل اگر دوسرے دل سے بھاگے تو ایسے دل پر افسوس ہے (قلب میں اتنی وسعت پیدا کر کہ وہ سب سے محبت کرے)۔

(12) اگرچہ دل آب و گل (بدن) کے قید خانہ میں ہے + مگر یہ ساری کائنات دل ہی کی کائنات ہے یعنی دل بہت وسیع ہے اس کو دوسروں سے نفرت کر کے تنگ نہ بنا۔

گیارھواں بند

گرچہ باشی از خداوندانِ دہ　　فقر را از کف مدہ ' از کف مدہ
سوزِ او خوابیدہ در جانِ تو ہست　　ایں کہن مے از نیاکانِ تو ہست!
در جہاں جز دردِ دل ساماں مخواہ　　نعمت از حق خواہ و از سلطاں مخواہ!
اے بسا مردِ حق لیث و بصیر　　می شود از کثرتِ نعمت ضریر!
کثرتِ نعمت گداز از دل برد　　نازمی آرد نیاز از دل برد!
سالہا اندر جہاں گردیدہ ام　　نم بچشمِ منعماں کم دیدہ ام!

من فدائے آنکہ درویشانہ زیست وائے آں کو از خدا بیگانہ زیست!

٭

① اگرچہ تو گاؤں کا مالک کیوں نہ ہو + فقر کو ہاتھ سے نہ دے۔ ہاتھ سے نہ دے۔

② اس کا یعنی فقر کا سوز تیری جان میں سویا ہوا ہے + (یعنی تیرے اندر موجود ہے) + (کیونکہ) یہ وہ پرانی شراب ہے جو تجھے تیرے بزرگوں نے عطا کی ہے (تیرے بڑے بھی سوز فقر رکھتے تھے وہ سوز فقر تجھ میں بھی ہے)۔

③ جہان میں درد دل کے سوا کسی اور سامان کی خواہش نہ کر + تو جو نعمت بھی چاہتا ہے خدا سے چاہ سلطان سے نہ چاہ (درد دل سے مراد ہے مخلوق کے دکھوں میں شریک ہونے والا دل)۔

④ اے کہ بسا اوقات حق اندیش اور حق دیکھنے والے لوگ + نعمتوں کی کثرت کی وجہ سے اندھے ہو جاتے ہیں (حق و ناحق میں تمیز نہیں کرتے)۔

⑤ نعمتوں کی کثرت دل سے گداز لے اڑتی ہے + وہ ناز لے آتی ہے اور نیاز لے جاتی ہے۔

⑥ میں برسوں دنیا میں پھرا ہوں + میں نے منعموں (دولت مندوں) کی آنکھ میں نم نہیں دیکھا۔

⑦ میں اس شخص کے قربان جس نے درویشانہ زندگی بسر کی + افسوس ہے اس شخص پر جو زندگی میں خدا سے غافل رہا (نبی کریم ﷺ نے خود کو مسکین و درویش رکھنے میں اسی لئے فخر کیا ہے)۔

بارھواں بند

در مسلماں مجو آں ذوق و شوق آں یقیں، آں رنگ و بو، آں ذوق و شوق!
عالماں از علم قرآں بے نیاز صوفیاں درندہ گرگ و مو دراز!
گرچہ اندر خانقاہاں ہائے و ہوست کو جوانمردے کہ صہبا در کدوست!
ہم مسلمانان افرنگی مآب چشمۂ کوثر بجویند از سراب!
بے خبر از سرِ دیں اند ایں ہمہ اہلِ کیں اند اہلِ کیں اند ایں ہمہ!
خیر و خوبی بر خواص آمد حرام دیدہ ام صدق و صفا را در عوام!
اہلِ دیں را بازداں از اہلِ کیں ہم نشینِ حق بجو با او نشیں،
کرگساں را رسم و آئیں دیگر است سطوتِ پروازِ شاہیں دیگر است!

٭

① (آج کے دور میں) مسلمانوں میں وہ ذوق و شوق تلاش نہ کر + وہ یقین وہ رنگ و بو اور وہ ذوق و شوق ان میں تلاش نہ کر (جو کبھی ان کے آباء و اجداد اور اسلاف میں تھا)۔

② (آج کے مسلمانوں کے) عالم قرآن کے علم سے بے نیاز ہیں + (اور) صوفی پھاڑنے والے بھیڑیے اور لمبے بالوں والے ہیں (نہ عالموں میں علم دین کی روح ہے اور نہ صوفیوں میں تصوف باقی ہے)۔

③ (آج) اگرچہ (درویشوں کی) خانقاہوں میں ہائے و ہو (کا شور) ہے + (لیکن) ایسا جوان مرد (صوفی) کہاں ہے کہ جس کے مٹکے میں (تصوف) کی شراب ہو (سب خالی نعرے مار رہے ہیں)۔

④ افرنگیوں سے متاثر مسلمان بھی + سراب میں سے چشمہ کوثر ڈھونڈ رہے ہیں یعنی وہ تقلید تو کافروں کی کر رہے ہیں اور انسانی و مسلمانی فوائد کی توقع کر رہے ہیں۔

⑤ یہ سب دین کے بھید سے بے خبر ہیں + یہ سب باہمی عداوت رکھنے والے ہیں یعنی اہل کین ہیں۔

⑥ (مسلمانوں کے جو) خواص ہیں ان میں (سے ان میں) کوئی خیر و خوبی نظر نہیں آتی + (البتہ میں نے) ان کے عوام میں (ابھی تک) صدق و صفا کو (ضرور) دیکھا ہے۔

⑦ اہل دین کو اہل کین سے الگ رکھ (دونوں میں فرق کر) + کسی خدا کے ساتھ بیٹھنے والے کی تلاش کر اور اس کے ساتھ بیٹھ (اس کی صحبت اختیار کر)۔

⑧ گدھوں کی رسم اور دستور اور ہے + شاہینوں کی پرواز کی ہیبت اور ہے (دنیا کے طالب گدھ ہیں خدا کے طالب شاہین ہیں۔ گدھوں کو چھوڑ کر شاہینوں کی صحبت اختیار کر)۔

تیرھواں بند

مردِ حق از آسماں افتد چو برق   ہیزمِ او شہر و دشتِ غرب و شرق
ما ہنوز اندر ظلامِ کائنات   او شریکِ اہتمامِ کائنات
او کلیمؑ و او مسیحؑ و او خلیلؑ   او محمدؐ او کتابؐ او جبرئیل!
آفتابِ کائنات اہلِ دل   از شعاعِ او حیاتِ اہلِ دل
اول اندر نارِ خود سوزد ترا   باز سلطانی بیاموزد ترا
ما ہمہ با سوزِ او صاحب دلیم   ورنہ نقشِ باطلِ آب و گلیم
ترسم ایں عصرے کہ تو زادی دراں   در بدن غرق است و کم داند ز جاں!
چوں بدن از قحطِ جاں ارزاں شود   مردِ حق در خویشتن پنہاں شود!
درنیابد جستجو آں مرد را   گرچہ بیند روبرو آں مرد را!
تو مگر ذوقِ طلب از کف مدہ   گرچہ در کارِ تو افتد صد گرہ!
گر نیابی صحبتِ مردِ خبیر   از اب وجد آنچہ من دارم بگیر!
پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز   تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست   پائے او محکم فتد در کوئے دوست!
شرحِ او کردند و او را کس ندید   معنیِ او چوں غزال از ما رمید
رقصِ تن از حرفِ او آموختند   چشم را از رقصِ جاں بر دوختند!
رقصِ تن در گردش آرد خاک را   رقصِ جاں برہم زند افلاک را!
علم و حکم از رقصِ جاں آید بدست   ہم زمیں ہم آسماں آید بدست!
فرد ازوے صاحبِ جذبِ کلیم!   ملت ازوے وارثِ ملکِ عظیم!
رقصِ جاں آموختن کارے بود   غیرِ حق را سوختن کارے بود
تا ز نارِ حرص و غم سوزد جگر   جاں برقص اندر نیاید اے پسر

توجوانا! تیشہ پیری است غم! ضعفِ ایمان است و دلگیری است غم
می شناسی؟ حرص فقرِ حاضر است من غلام آنکہ برخود قاہر است
اے مرا تسکینِ جانِ ناشکیب تو اگر از رقصِ جاں گیری نصیب
سِترِ دینِ مصطفیٰ گویم ترا ہم بقبر اندر دعا گویم ترا!

*

① (اگر کوئی مردِ حق ہو تو اس کی شان یہ ہے کہ وہ) آسمان سے بجلی کی طرح گرتا ہے + اس کا ایندھن شہر، بیابان اور مشرق و مغرب (کی ہر چیز) ہوتی ہے (مردِ حق جب خدا کی طرف سے دنیا پر مبعوث ہوتا ہے تو وہ باطل کے ایندھن کو اسی طرح جلا دیتا ہے جس طرح بجلی خرمن کو جلا دیتی ہے)۔

② ہم ابھی تک کائنات کے اندھیروں میں ہیں + اور وہ یعنی مردِ حق کائنات کے انتظام میں شامل ہے (ہم کائنات کی سواری ہیں وہ کائنات پر سوار ہوتا ہے)۔

③ وہ مردِ حق ہی خلیل ہے مسیح ہے کلیم ہے + وہ محمد ﷺ ہے وہ کتاب ہے وہ جبرئیل ہے (وہ ان ہستیوں اور ان کے صحائف و کتب کے فیوض اور اوصاف کا وارث اور آئینہ دار ہوتا ہے)

④ وہ اہلِ دل کی کائنات کا آفتاب (ہے) + اس کی شعاعوں سے اہلِ دل کی حیات ہے۔

⑤ وہ یعنی مردِ حق پہلے تجھے اپنی آگ میں جلاتا ہے + پھر تجھے سلطانی سکھاتا ہے (جب بندہ عشق کی آگ میں راکھ ہو جاتا ہے تو وہ سوائے باری تعالیٰ کے ہر ایک سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑی سلطانی اور کیا ہے)۔

⑥ ہم سب اسی کے سوز سے صاحبِ دل ہیں + ورنہ ہم آب و گل (مادہ) کے باطل نقش ہیں (مردِ حق کی صحبت سے آدمی دل والا آدمی یعنی صحیح آدمی بنتا ہے ورنہ تو وہ مٹی کا ایک مجسمہ ہے جو چل پھر رہا ہے)۔

⑦ میں اس زمانے سے ڈرتا ہوں کہ تو جس میں پیدا ہوا ہے + (کیونکہ یہ زمانہ) بدن میں غرق ہے (اور) جان کو نہیں جانتا کہ کیا ہے (تن پرستی کا زمانہ ہے لوگ روح کو بھولے ہوئے ہیں۔ شکم پیشِ نظر ہے دل پر دھیان نہیں)۔

⑧ جب روح کے قحط سے بدن سستا ہو جاتا ہے + تو مردِ حق خود میں چھپ جاتا ہے یعنی وہ کہیں موجود ہے تو ہوتا ہے لیکن لوگوں کی مادہ پرستانہ نگاہیں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔ اسے تلاش کرنا پڑتا ہے اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے زمانے میں اللہ کے بندے پردے میں چلے جاتے ہیں۔

⑨ (ایسے زمانے میں) تلاش بھی اس مرد کو نہیں پا سکتی + اگرچہ وہ اسے روبرو کیوں نہ دیکھ رہی ہو (یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اسکی پہچان نہیں ہوتی)۔

⑩ لیکن تو ذوقِ طلب کو ہاتھ سے نہ دے + اگرچہ تیری راہ میں سو مشکلات کیوں نہ آئیں۔

(11) اگر تو کسی خدا کی خبر رکھنے والے کی صحبت نہیں پاتا + تو جو کچھ میں نے اپنے آباء و اجداد سے لیا ہے تو وہ لے لے (وہ بھی تیرے لئے مردِ خبیر کی صحبت کا کام دے گا)۔

(12) پیرِ رومی کو راستے کا رفیق بنا لے + تاکہ تجھے خدا (عشق کا) سوز و گداز عطا کر دے۔

(13) کیونکہ رومی (وہ مرد ہے) جو مغز کو چھلکے سے پہچانتا ہے + اس کا پاؤں دوست کی گلی میں مضبوطی

سے پڑتا ہے (وہ محرم اسرار دوست ہے وہ حق و باطل کی تمیز جانتا ہے)۔

(14) لوگوں نے (رومی کی مثنوی کی) شرح کی لیکن اس کو یعنی رومی کو نہ دیکھا یعنی اس کا راز نہ پایا کہ وہ کون تھا کیا تھا کہاں سے تھا اس کا مقام فقر کیا تھا اور اس سے فیض کس طرح حاصل کرتا ہے + اس کے معنی ہم سے یوں بھاگے ہیں جیسے کہ ہم سے ہرن بھاگتا ہے (ہم رومی کے فقر کی تہ تک نہیں پہنچے۔ اس کی مثنوی کے اندر جو رموز و اسرار ہیں ان کے واقف نہیں ہو سکے)۔

(15) ہم نے اس کے کلام سے تن کا رقص سیکھ لیا + (اور) آنکھوں کو جان کے رقص سے رہی رکھا۔ یعنی بند رکھا۔

(16) تن کا رقص مٹی کو گردش میں لاتا ہے + جان کا رقص افلاک کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔

(17) روح کے رقص سے علم اور حکمت ہاتھ آتی ہے + زمین اور آسمان بھی ہاتھ آتے ہیں (رقص روح سے صاحب رقص زمان و مکاں پر حاوی ہو جاتا ہے)۔

(18) روح کے رقص سے ایک شخص حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا جذب حاصل کر لیتا ہے + ملت اس سے ایک عظیم ملک کی وارث بن جاتی ہے (کیونکہ اس رقص سے اس میں نبوت کے فیوض آ جاتے ہیں)۔

(19) روح کا رقص سیکھنا آسان نہیں ہے + غیر حق کو جلانا آسان نہیں ہے۔

(20) جب تک (آدمی کا) جگر حرص اور غم کی آگ میں جلتا رہے گا + اے بیٹے روح رقص میں نہیں آئیگی (یہ رقص تو ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو علائق دنیا سے پاک صاف ہو جاتے ہیں)۔

(21) غم و دلگیری بے ایمان کی کمزوری ہے + اے جوان غم آدھا بڑھاپا ہے (غم دنیا مراد ہے)۔

(22) کیا تو پہچانتا ہے کہ حرص عہد حاضر کا فقر ہے + میں تو اس کا غلام ہوں جو خود پر قاہر ہے (یعنی عہد حاضر کے لوگ حرص کے غلام ہونے کی وجہ سے محتاج ہیں چاہے کتنے دولت مند اور کسی عہدے پر کیوں نہ ہوں۔ بندہ تو وہ ہے جو اپنے حرص پر قابو پا لیتا ہے)۔

(23) اے میری بے قرار جان کی تسکین (اے میرے بیٹے) + تو اگر روح کے رقص سے نصیب حاصل کر لے۔

(24) تو پھر میں تجھے دین مصطفیٰ ﷺ کا راز بتاؤں گا + میں قبر کے اندر بھی تیرے لئے دعا گو رہوں گا (یاد رہے کہ رقص جان عشق الٰہی سے نصیب ہوتا ہے عشق مصطفیٰ ﷺ میں سوختہ ہو جانے سے ہاتھ آتا ہے)۔

ختم شد

9 محرم الحرام 1317ھ



عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے



مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے

تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی



دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی



علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن

نسیم گلستان خلق و نسیم خاور

فی ترجمہ و مطالب

مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق

مع

مثنوی مسافر

علامہ محمد اقبالؒ

مترجم: ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

عثمان پبلی کیشنز

جلال الدین ہسپتال بلڈنگ،

چوک اُردو بازار، لاہور

042-7640094, 0333-4275783

upublications@hotmail.com

sh_publication@yahoo.com

محمد عثمان

نے

سے چھپوا کر

عثمان پبلی کیشنز

سے شائع کی

7640094, 0333-4275783

قیمت: R,S 180/-

فہرست

بخوانندہ کتاب

کتاب پڑھنے والے سے

سپاہ تازہ بر انگیزم از ولایت عشق   کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است
زمانہ ہیچ نداند حقیقت او را   جنوں قباست کہ موزوں بقامت خرد است
بآں مقام رسیدم چو در برش کردم   طواف بام و در من سعادت خرد است
گماں مبر کہ خرد را حساب و میزاں نیست   نگاہ بندۂ مومن قیامت خرد است

*

(1) میں عشق کے ملک سے ایک نئی سپاہ کھڑی کر رہا ہوں + (کیونکہ) کعبہ میں عقل کی بغاوت سے خطرہ ہے (دور حاضر کا مسلمان عقل کا غلام ہوتا جارہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اسے اس غلامی سے آزاد کرانے کے لیے عشق کی سپاہ تیار کی جائے یعنی اس میں عشق پیدا کر کے اس کی عقل کو عشق کے تابع کر دیا جائے)۔

(2) زمانہ اس کی حقیقت کو بالکل نہیں جانتا + (ورنہ) جنوں تو وہ قبا ہے جو عقل کے قد کے مناسب ہے (عشق اور عقل متضاد اس وقت ہیں جب وہ ایک دوسرے کی دشمن ہوں لیکن موافق اس وقت ہیں جب ایک دوسرے کی دوست ہوں عقل جب عشق کے تابع فرمان ہو جاتی ہے تو وہ درست ہے ورنہ غلط ہے)۔

(3) میں نے جب اس کو یعنی عشق کی قبا کو جسم پر نہیں لیا + تو میرے بام و در کا طواف کرنا عقل کے لیے سعادت کا موجب بن گیا (جب میں نے مسلک عشق اختیار کر لیا تو میری عقل وہ عقل بن گئی جو سعید ہوتی ہے)۔

(4) یہ گمان نہ کر کہ عقل کا حساب و میزان نہیں ہے + بندہ مومن کی نگاہ عقل کی قیامت ہے (عقل بذات خود کوئی راہنما نہیں ہے اس کا اپنا کوئی حسن یا اپنی کوئی قباحت نہیں ہے بندہ مومن کی نگاہ جس عقل کو صحیح کہتی ہے وہ صحیح ہے اور جس کو وہ غلط قرار دیتی ہے وہ غلط ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

تمہید

پہلا بند

پیر رومی مرشد روشن ضمیر   کاروان عشق و مستی را امیر

منزلش برتر ز ماہ و آفتاب   خیمہ را از کہکشاں سازد طناب
نور قرآں درمیان سینہ اش   جام جم شرمندہ از آئینہ اش
از نے آں نے نواز پاک زاد   باز شورے در نہاد من فتاد
گفت جانہا محرم اسرار شد   خاور از خواب گراں بیدار شد
جذبہ ہائے تازہ او را دادہ اند   بند ہائے کہنہ زفتہ بکشادہ اند
جز تو اے دانائے اسرار فرنگ   کس نکو ننشست در نار فرنگ
باش مانند خلیل اللہ مست   ہر کہن بتخانہ را باید شکست
امتاں را زندگی جذب دروں   کم نظر ایں جذب را گوید جنوں
ہیچ قومے زیر چرخ لاجورد   بے جنون ذو فنون کارے نکرد
مومن از عزم و توکل قاہر است   گر ندارد ایں دو جوہر کافر است
خیر را او باز میداند ز شر   از نگاہش عالمے زیر و زبر
کوہسار از ضربت او ریز ریز   در گریبانش ہزاراں رستخیز
تا مے از میخانہ من خوردۂ   کہنگی را از تماشا بردۂ
در چمن زی مثل بو مستور و فاش   درمیان رنگ پاک از رنگ باش
عصر تو از رمز جاں آگاہ نیست   دین او جز حب غیر اللہ نیست
فلسفی ایں رمز کم فہمیدہ است   فکر او بر آب و گل پیچیدہ است
دیدہ از قندیل دل روشن نکرد   پس ندید الا کبود و سرخ و زرد
اے خوش آں مردے کہ دل باکس نداد   بند غیر اللہ را از پا کشاد

٭

(1) پیر رومی جو روشن ضمیر مرشد (ہیں) + جو عشق و مستی کے قافلے کے امیر (ہیں) (مولانا روم کے مرشد پیر رومی 604ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے بچپن ہی میں مشہور عارف خواجہ فرید الدین عطار کی صحبت میں آ گئے زندگی کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے اور حضرت شمس تبریز کی نگاہ عارفانہ سے فیض یاب ہوتے ہوئے آخر آپ قونیہ کے مقام پر 674ھ میں فوت ہوئے وہیں ان کا مزار ہے)۔

(2) ان کی منزل سورج اور چاند سے بڑھ کر ہے + وہ اپنے خیمہ کی طناب (رسیاں) کہکشاں سے بناتے ہیں۔

(3) ان کے سینے کے درمیان قرآن کا نور ہے + ان کے (دل کے) آئینے کے سامنے جام جم شرمندہ ہے (جمشید یا جم ایران کا ایک بادشاہ تھا جس کے پاس ایک ایسا پیالہ تھا جس میں دنیا کے حالات کا عکس آجاتا تھا)۔

(4) اس پاک زاد نے نواز کی نے سے + میری طبیعت میں پھر ایک شور برپا ہو گیا (مولانا روم ابتدا میں جب حضرت شمس تبریز کے عشق میں سرمست ہوئے تو نے یعنی بنسری بجاتے رہے ان کی مثنوی معنوی بھی نے ہی کی بات سے شروع ہوتی ہے یہاں نے نواز سے مراد رومی اور نے سے مراد ان کا کلام ہے)۔

(5) انہوں نے مجھ سے کہا کہ (مشرق کے لوگوں کی) جانیں اسرار سے واقف ہو گئی ہیں یعنی افرنگ

سے نجات پانے کا احساس پیدا ہو گیا ہے + مشرق (مدت کے بعد) گہری نیند سے جاگ اٹھا ہے۔

(6) کارکنان قضا و قدر نے ان کو نیا جذبہ عطا کیا ہے + اور (اس کے گرد لپٹے ہوئے) زنجیروں کے پرانے بندھنوں کو کھول دیا ہے (ان میں غلامی سے نجات حاصل کرنے کا احساس پیدا کر دیا ہے)۔

(7) اے فرنگیوں کے بھیدوں کو جاننے والے (اقبال) سوائے تیرے + کوئی شخص فرنگی نار میں بغیر نقصان کے نہیں بیٹھا یعنی جس کو بھی دیکھو فرنگی فکر و فن کی آگ میں سڑ رہا ہے لیکن تو نے اس آگ کو پا کر بھی اور اس میں کود کر بھی خود کو بچائے رکھا ہے تو اس میں اس لئے کودا تھا کہ اس کے اسرار سے آگاہ ہو جائے جس طرح تو فرنگی شعبدہ بازی اور مکاری سے آگاہ ہوا ہے کوئی دوسرا نہیں ہو سکا)۔

(8) حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح (جسے نمرود نے آگ میں پھینک دیا تھا اور وہ محفوظ رہا تھا) تو بھی اللہ کی مستی میں رہ + (جس طرح حضرت ابراہیم نے ہر پرانے بت کدہ کو توڑ دیا تھا تجھے بھی ان کو توڑ دینا چاہئے یعنی فرنگیوں کے بت کدے کو توڑ کر اور اس کے بتوں کے آگے جھکنے والوں کو ان سے ہٹا کر صراط مستقیم اور مقام وحدت پر لے آنا چاہیے)۔

(9) امتوں کی زندگی ان کے جذب دروں کی وجہ سے ہے + کم خطر اس جذب دروں کو جنوں کہتے ہیں یعنی قوموں کی زندگی کا دارومدار عقل پر نہیں عشق پر ہے لیکن جو لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے وہ عشق کو پاگل پن قرار دیتے ہیں۔

(10) اس نیلے آسمان کے نیچے کسی قوم نے + جنون ذوفنوں کے بغیر کوئی کام نہیں کیا (ذوفنوں جنوں وہ ہے جو کسی شخص یا قوم کو اس کے اعلیٰ مقاصد تک کشاں کشاں لے جاتا ہے یہ جنوں ایک نعمت ہے)۔

(11) مومن عزم رور توکل کی وجہ سے قاہر ہے + اگر وہ یہ دو جوہر نہیں رکھتا تو وہ کافر ہے (پہلے کسی مقصد کے حصول کا ارادہ کرنا اور پھر اللہ پر بھروسہ کرکے اس کے لیے میدان عمل میں قدم رکھ دینا یہ ہے یہ مومن کی شان جس میں یہ شان نہیں وہ مومن نہیں)۔

(12) وہ یعنی مومن خیر کو شر سے الگ جانتا ہے + اس کی نگاہ سے ایک عالم تہ و بالا ہو جاتا ہے (خیر کو پھیلاتا ہے اور شر کو مٹاتا ہے اس طرح پرانے جہان کی جگہ نیا جہان پیدا کرتا ہے)۔

(13) اس کی ضرب سے پہاڑوں کا سلسلہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے + اس کے گریبان میں ہزاروں قیامتیں ہیں (مومن ہر دشواری پر قابو پالیتا ہے اور ان دشواریوں پر قابو پانے کے لیے اس کے پاس ہر قسم کا ساز و سامان موجود ہوتا ہے)۔

(14) (اے اقبال) چونکہ تو نے میرے شراب خانے سے شراب پی ہے یعنی میری صحبت کا تربیت یافتہ ہے + (اور) قدامت کو اپنی تجلی سے لے اڑا ہے یا اس کا یہ مطلب ہے کہ تو نے پرانی قدروں کو سامنے سے ہٹا دیا ہے)۔

(15) (دنیا کے) چمن میں بو کی مانند ظاہر اور پوشیدہ جی + رنگ میں رہ کر رنگ سے پاک رہ یعنی دنیا کے کام کاج بھی کرو لیکن دنیا کی آلائشوں سے پاک بھی رہو دنیا اور دنیا والوں سے تعلق بھی رکھو اور ان سے الگ اپنی چال بھی چلو۔

(16) تیرا زمانہ روح (جان) کی رمز سے آگاہ نہیں ہے (جس کو دیکھو وہ تن پرست ہے روح سے ناواقف ہے) + اس کا دین غیر اللہ کی محبت کے سوا کچھ نہیں (اس زمانے کے لوگ مادہ پرست ہیں)۔

(17) فلسفی نے یہ رمز نہیں پہچانی ہے + اس کی فکر صرف آب و گل پر پیچ کھاتی رہی ہے یعنی فلسفی نے بھی روح کی نہیں بدن ہی کی بات کی ہے۔

(18) اس نے یعنی فلسفی نے دل کی قندیل روشن نہیں کی (صرف عقل پر بھروسہ کیا) + پس اس نے سوائے سرخ نیلے اور زرد کے کچھ نہ دیکھا یعنی فلسفی کی عقل ظاہر میں پھنسی رہی اگر دل کی آنکھ پیدا کرتا تو اسے ظاہر کے پیچھے جو باطن ہے وہ نظر آجاتا)۔

(19) مبارک ہے وہ شخص جس نے کسی کو دل نہیں دیا + جس نے غیر اللہ کی زنجیریں اپنے پاؤں سے کھول دیں یعنی خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے غیر اللہ کی محبت کو اپنے دل سے نکال دیا ہے)۔

دوسرا بند

سر شیری را نہ فہمد گاو و میش · جز بہ شیراں کم بگو اسرار خویش

با حریف سفلہ نتواں خورد مے · گرچہ باشد پادشاہ روم و رے

یوسف ما را اگر گرگے برد · بہ کہ مردے نا کسے او را خرد

اہل دنیا بے تخیل' بے قیاس · بوریا باف اطلس نا شناس

اعجمی مردے چہ خوش شعرے سرود · سوزد از تاثیر او جاں در وجود

"نالہ عاشق بگوش مردم دنیا · بانگ مسلمانی و دیار فرنگ است"

*

(1) شیری کے بھید کو گائے اور بھیڑ نہیں سمجھتی + سوائے شیروں کے اپنے بھید کسی کو نہ بتا (صرف اہل لوگوں کو عشق کا پیغام دے)۔

(2) کمینے مدمقابل کے ساتھ شراب نہیں پی جا سکتی + چاہے وہ ملک روم یا ملک رے کا بادشاہ کیوں نہ ہو۔

(3) ہمارے یوسف کو اگر بھیڑیا لے جائے + تو اس سے بہتر ہے کہ اس کو ایک نا کس مرد خرید لے مراد یہ ہے کہ عشق کے اسرار ناقصوں کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہیں)۔

(4) دنیا کے لوگ تو بے تخیل اور بے عقل ہوتے ہیں + وہ بوریا بننے والے اور اطلس کے کپڑے کو نہ پہچاننے والے ہوتے ہیں یعنی وہ عشق اور ہوس میں تمیز نہیں کر سکتے اس لیے نہیں کہ سکتے کہ وہ صرف ہوس آشنا ہوتے ہیں عشق آشنا نہیں ہوتے۔

(5) ایک عجمی شخص نے کیا اچھا شعر گایا کہ اس کی تاثیر سے وجود کے اندر جان جلنے لگی (شعر آگے ہے)۔

(6) عاشق کا نالہ دنیا کے لوگوں کے کان میں + (ایسا ہی ہے جیسا کہ) مسلمانوں کی اذان ہو اور یورپ کے عیسائیوں کا شہر ہو (نالہ عاشق کو دنیا پرست نہیں سمجھ سکتے) یہ تھا وہ شعر جس کا اشارہ اس سے پہلے شعر میں ہے۔

تیسرا بند

معنی دین و سیاست بازگوے اہل حق را زیں دو حکمت بازگوے
"غم خور و نان غم افزایاں مخور زانکہ عاقل غم خورد کودک شکر"
(رومی)

خرقہ خود با راست بر دوش فقیر چوں صبا جز بوے گل ساماں مگیر
قلزمی؟ باد شت و در پیم ستیز شبنمی؟ خود را بہ گلبرگے بریز

*

(1) دین اور سیاست کے معنی پھر بتا اہل حق کو ان دو حکموں کے بارے میں پھر بتا (کیونکہ مسلمان ان کو بھول چکا ہے اور نئے سرے سے بتانے کی ضرورت ہے۔

(2) غم کھالے لیکن غم بڑھانے والوں کی روٹی نہ کھا + کیونکہ عقل مند غم کھاتا ہے اور بچے شکر کھاتے ہیں (راست گوئی میں کئی قسم کے غموں سے واسطہ پڑے گا اس راہ میں لطف اندوزی اور راحت کوشی کا خیال نہ رکھ یہ شعر مولانا روم کا ہے)۔

(3) فقیر کے کندھے پر تو اس کا خرقہ بھی بوجھ ہے + صبا کی طرح سوائے پھول کی خوشبو کے اور کوئی سامان نہ لے (اللہ مست فقیر تو خرقہ کو بھی سامان دنیا سمجھ کر ترک کر دیتا ہے جس طرح صبح کی نرم اور لطیف ہوا باغ سے جدا بھی نہیں ہوتی اور باغ میں ملوث بھی نہیں ہوتی تو بھی اسی طرح زندگی گزار چمن کی خوشبو سے واسطہ رکھ چمن بردوش نہ ہو)۔

(4) جنگ رکھ + کیا تو شبنم ہے (اگر ایسا ہے تو خود کو کسی پھولوں کے چمن میں گرا مراد ہے کہ اگر تو طاقت ور ہے تو باطل کے خلاف ڈٹ جا اگر تو لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر تو دنیا والوں کی خدمت کر خدا کو بندوں کی خدمت بہت پسند ہے یہ بھی جہاد فی النفس کی ایک قسم ہے۔

چوتھا بند

سر حق بر مرد حق پوشیدہ نیست روح مومن ہیچ میدانی کہ چیست؟
قطرۂ شبنم کہ از ذوق نمود عقدۂ خود را بدست خود کشود
از خودی اندر ضمیر خود نشست رخت خویش از خلوت افلاک بست
رخ سوے دریاے بے پایاں نکرد خویشتن را در صدف پنہاں نکرد
اندر آغوش سحر یک دم تپید تا بکام غنچہ نورس چکید

*

(1) حق کا بھید مرد حق سے پوشیدہ نہیں ہے + کیا تو جانتا ہے کہ مومن کی روح کیا ہے یعنی مومن کی حقیقت کیا ہے (اس کی تشریح آگے شبنم کی مثال دے کر کی ہے)۔

(2) شبنم کا قطرہ جنت سے ذوق نمود کی وجہ سے + اپنا عقدہ اپنے ہاتھ سے خود کھولا (یعنی اس نے کسی

کا احسان اٹھائے بغیر خود کو ظاہر کیا آسمان کی طرف سے نیچے آیا)۔

(3) جو خودی سے اپنے ضمیر میں بیٹھا + اس نے اپنا سامان افلاک کی خلوت سے لیا (وہ پستی سے نہیں بلندی سے نسبت رکھتا ہے اور اپنے وجود میں کسی اور کا محتاج نہیں ہے اس نے فضا میں خودی کی معرفت حاصل کر کے وجود اختیار کیا ہے)۔

(4) اس نے بے کنار دریا کی طرف رخ نہیں کیا + اس نے خود کو سیپ کے اندر نہیں چھپایا (اس نے اپنے وجود کے لئے کسی کا سہارا نہیں لیا)۔

(5) وہ سحر کی آغوش میں ایک لحہ تڑپا + تا آنکہ نئے کھلے ہوئے غنچے کے حلق میں پہنچ گیا (شبنم کے قطرے کے اس انداز کی طرح جس کا ذکر ان تین چار شعروں میں ہوا ہے مومن بھی اپنی خودی کا اظہار چاہتا ہے وہ بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا وہ بھی اپنی محنت سے مرتبہ کمال کو پہنچتا ہے وہ بھی خود مست نہیں رہتا بلکہ دوسروں کی خاطر اور دوسروں کی خدمت کے لیے اپنی زندگی بسر کرتا ہے دیکھا نہیں شبنم کا قطرہ اپنی قربانی دے دیتا ہے لیکن غنچہ کو پھول بنا دیتا ہے مرد مومن بھی اپنی زندگی اسی طرح بسر کرتا ہے وہ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جیتا ہے)۔

خطاب بہ مہر عالمتاب

جہان کو روشن کرنے والے سورج سے خطاب

تعارف: علامہ اقبال کا سورج سے خطاب بانگ درا کی ایک نظم میں بھی موجود ہے اس کا عنوان آفتاب ہے وہاں اسے فطرت کے ایک کارکن کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے یہاں آفتاب سے خطاب اس لئے ہے کہ آفتاب مشرق سے ابھرتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اصل دانش اور اصل حکمت مشرق والوں کے پاس ہے یا مشرق ہی ان علوم وفنون کا سرچشمہ ہے جو دنیائے آدمیت کو روشن کرتے ہیں جب کہ مغربی علوم وفنون اس میں تاریکی پھیلاتے ہیں مشرق کے سورج سے خطاب کے پردے میں علامہ دراصل اہل مشرق کو خصوصاً مسلمانوں کو ان کے مقام سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں مغرب کی دریوزہ گری سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔

اے امیر خاور اے مہر منیر   می کنی ہر ذرہ را روشن ضمیر
از تو ایں سوز و سرور اندر وجود   از تو ہر پوشیدہ را ذوق نمود
می رود روشن تر از دست کلیم   زورق زرین تو در جوئے سیم
پرتو تو ماہ را مہتاب داد   لعل را اندر دل سنگ آب داد
لالہ را سوز دروں از فیض تست   در رگ او موج خوں از فیض تست
نرگساں صد پردہ را بر می درد   تا نصیبے از شعاع تو برد
خوش بیا صبح مرا آوردۂ   ہر شجر را نخل سینا کردۂ
تو فروغ صبح و من پایان روز   در ضمیر من چراغے بر فروز

تیرہ خاکم را سراپا نور کن | در تجلی ہاے خود مستور کن
تا بروز آرم شب افکار شرق | بر فروزم سینۂ احرار شرق
از نوائے پختہ سازم خام را | گردش دیگر دہم ایام را
فکر شرق آزاد گردد از فرنگ | از سرود من بگیرد آب و رنگ
زندگی از گرمی ذکر است و بس | حریت از عفت فکر است و بس
چوں شود اندیشہ قومے خراب | ناسرہ گردد بدستش سیم ناب
میرد اندر سینہ اش قلب سلیم | در نگاہ او کج آید مستقیم
بر کراں از حرب و ضرب کائنات | چشم او اندر سکوں بیند حیات
موج از دریاش کم گردد بلند | گوہر او چوں خزف نا ارجمند
پس نخستیں بایدش تطہیر فکر | بعد ازاں آساں شود تعمیر فکر

*

(1) اے مشرق (کی مملکت کے بادشاہ اے روشن سورج + تو (کائنات کے) ہر ذرہ کو روشن ضمیر بناتا ہے یعنی منور کرتا ہے۔

(2) یہ سوز و سرور جو وجود (کائنات) میں (نظر آرہا ہے) تیری وجہ سے (ہے) + تیری وجہ سے ہر پوشیدہ (شے) کے اندر ظاہر ہونے کا ذوق (موجود ہے) (کائنات کی زندگی آفتاب سے ہے اگر سورج نہ ہوتا تو کائنات کو وجود یعنی اس میں جو بھی نباتاتی حیواناتی انسانی اور دوسری رونقیں موجود ہیں سب ناپید ہو جائیں ہر شے کے اندر زندگی اور ہر پوشیدہ چیز کے اندر ظاہر ہونے کا ولولہ سورج ہی کی وجہ سے ہے زمین کے اندر سے جو روئیدگی ہوتی ہے اس کا سبب بھی آفتاب ہے اسی وجہ سے بعض مشرک قومیں سورج کو دیوتا مانتی ہیں اور پوجتی ہیں علامہ نے بتایا ہے کہ یہ دیوتا نہیں اللہ کا ایک کارکن ہے جو اپنی ڈیوٹی نبھا رہا ہے جو اللہ نے اس کے سپرد کر رکھی ہے)۔

(3) حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے (ید بیضا یا روشن ہاتھ سے) زیادہ روشن جا رہی ہے + تیری سنہری کشتی چاندی کی ندی میں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ جب وہ اپنا ہاتھ آستین سے نکالتے تھے تو سورج کی طرح روشن ہوتا تھا اس سے علامہ نے تشبیہاتی انداز میں سورج کی روشنی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روشن سورج اپنی سنہری کرنوں کے ساتھ چاندی جیسی فضا میں صبح سے شام تک سفر کرتا ہے اور کائنات کو زندگی بخشتا ہے)۔

(4) تیرے سایہ یا عکس نے ہر مہینے کو چاند عطا کیا ہے (کیونکہ چاند کی روشنی اپنی نہیں سورج کی روشنی کی وجہ سے) + (اور) لعل کو پتھر کے دل میں یعنی جو پہاڑوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں رونق بخشی ہے۔

(5) لالے کے پھول کے اندر جو سوز ہے وہ تیرے فیض سے ہے + اس کی رگ سے جو موج خوں (بہہ رہی ہے) وہ تجھ سے ہے یعنی لالے کے پھول میں جو سرخی اور اس کے اندر جو داغ سیاہ ہے وہ تیری وجہ سے ہے۔

(6) نرگس کے پھول سینکڑوں پردے پھاڑتے ہیں + تب جا کر وہ تیری شعاع سے نصیب پاتے ہیں (دنیا

کی ساری نباتاتی حیات تیری وجہ سے ہے)۔

(7) تیرا آنا مبارک ہو تو مراد کی صبح لے کر آیا ہے + تو نے ہر درخت کو وادی سینا کا درخت بنا دیا ہے یعنی پر نور کر دیا ہے (وادی سینا کا درخت وہ ہے جس میں سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی کہ میں تیرا رب ہوں یہ درخت اس وقت اللہ کے نور سے روشن تھا سورج کے طلوع ہونے کو مبارک کہنے کے پردے میں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ مشرق میں دو تین صدیوں سے مغرب کا پیدا کردہ اندھیرا اب چھٹ رہا ہے اور اقوام مشرق اپنی خودی کو پہچان رہی ہیں)۔

(8) (اے آفتاب) تو صبح (کی طلوع) کا نور ہے اور میں دن کے اختتام کا (اندھیرا ہوں) مراد یہ ہے کہ میں نے مغرب کے علوم و فنون سے اپنی دنیا میں اندھیرا کر رکھا ہے اہل مغرب کے پاس دانش و حکمت اور سوز و ساز کا وہ سورج نہیں جو مشرق کے پاس ہے دیکھا نہیں کہ مغرب میں جا کر تو سورج غروب ہو جاتا ہے۔

(9) تو میری سیاہ مٹی کو سراپا نور بنا دے + اسے اپنی تجلی کے اندر چھپا لے یعنی منور کر دے (مٹی سیاہ اس لیے ہے کہ مغرب کے علوم و فنون نے میرے جسم کے اندر وہ روحانی روشنی پیدا نہیں کی جو زندگی کے صراط مستقیم پر چلنے کے لیئے ضروری ہے)۔

(10) تاکہ میں مشرق کے افکار کی رات کا دن طلوع کروں + میں مشرق کے آزادی پسند لوگوں کے سینوں کو روشن کر دوں (اے آفتاب تو کائنات کو زندہ کرتا ہے میں اقوام کو زندہ کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ اس وقت ممکن ہو گا جب میرے جسم کے اندر روح روشن ہو جائے گی ذہن کی بجائے دل منور ہو جائے گا)۔

(11) میں اپنی نوا (شاعری کے ذریعے) سے (ان لوگوں کو جو) خام ہیں پختہ بنا دوں + میں ایام کو ایک نئی گردش دوں یعنی انقلاب برپا کر دوں۔

(12) (تاکہ) مشرق کی فکر مغرب (کی فکر کے اثرات سے) آزاد ہو جائے + (اور) وہ مغرب کی بجائے میرے نغمہ سے آب و رنگ حاصل کرے (کیونکہ میرا نغمہ یا میری شاعری میں جو پیغام ہے وہ مشرق کی بیداری اور مغرب سے بیداری کا ہے)۔

(13) زندگی ذکر کی گرمی سے ہے اور بس + آزادی فکر کی عفت (پاکیزگی) کی وجہ سے ہے اور بس (اصل زندگی عشق سے ہے اور اصل آزادی فکر کی پاکیزگی سے ہے اگر یہ نہیں تو نہ زندگی زندگی ہے اور نہ آزادی آزادی ہے)۔

(14) جب کسی قوم کی سوچ خراب ہو جاتی ہے اس کے ہاتھ کی خالص چاندی کھوٹی ہو جاتی ہے یعنی ایسی قوم برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی سمجھنا شروع کر دیتی ہے۔

(15) اس کے سینے میں سلیم دل مر جاتا ہے + اس کی نگاہ میں سیدھا راستہ بھی ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے (قلب سلیم وہ دل ہوتا ہے جو ہر مرض روحانی سے پاک ہو اور جو کسی شے کا صحیح نتیجہ بر آمد کر سکتا ہو)۔

(16) (ایسا شخص) کائنات کی حرب و ضرب (جنگ) سے الگ رہتا ہے (بے عمل ہوتا ہے) + اس کی آنکھ سکون میں زندگی دیکھتی ہے (حالانکہ زندگی اپنی مخالف قوتوں سے جنگ کر کے آگے بڑھنے کا نام ہے)۔

(17) اس کے دریا سے موج نہیں اٹھتی (اس میں جدو جہد کرنے کا خیال تک نہیں آتا) + اس کی

زندگی کا) موتی ٹھیکری کی طرح بے قیمت (ہوتا ہے)۔

(18) بس اول فکر کی (سوچ کی) تطہیر کرنی چاہیے یعنی اسے پاک وصاف بنانا چاہیے + اس کے بعد فکر کی تعمیر آسان ہو جاتی ہے (یعنی جب کوئی قوم اپنی سوچ میں اچھائی کو برائی سے تمیز کرنے کی اہلیت سے عاری ہو جائے تو سب سے پہلے اس سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے)۔

حکمت کلیمی

حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی حکمت

تعارف: حکمت کے لغوی معنی دانش یا عقل کے ہیں فلسفیانہ اعتبار سے حکمت سوچ بچار کی باتوں کو کہتے ہیں دین کے تعلق سے حکمت کا اطلاق صرف ان علوم پر یا اس فکر پر ہوتا ہے جو انبیا تک بذریعہ وحی آتی ہے یہاں حکمت انہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے اس سے آگے جو عنوان حکمت فرعونی کے نام سے آتا ہے اس میں بھی حکمت سے مراد فلاسفہ یا حکما کی حکمت ہے قرآن کے نزدیک حکمت چونکہ ان حکما کی حکمت کا سرچشمہ اللہ کی وحی نہیں ہے اس لیے حکمت غلط ہے اصل حکمت نبوی حکمت ہے جو وحی کے ذریعے آتی ہے یہاں اقبال نے نبوی حکمت کو کلیمی حکمت کہا ہے یہاں ان کا مقصد دو ناموں یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور ان کے عہد کے فرعون مصر کے ناموں کو استعاراتی رنگ میں پیش کر کے قارئین کو حق و باطل میں تمیز کے حدود سے آشنا کرنا ہے مختصر یہ ہے کہ حکمت کلیمی کا مقصد انبیا کی تعلیمات کا طریقہ کار ہے اور حکمت فرعونی ابلیس کا)۔

تا نبوت حکم حق جاری کند　　پشت پا بر حکم سلطاں می زند
در نگاہش قصر سلطاں کہنہ دیر　　غیرت او بر نتابد حکم غیر
پختہ سازد صحبتش ہر خام را　　تازہ غوغائے دہد ایام را
درس او اللہ بس باقی ہوس　　تا نیفتد مرد حق در بند کس
از نم او آتش اندر شاخ تاک　　در کف خاک از دم او جان پاک
معنی جبریل و قرآن است او　　فطرۃ اللہ را نگہبان است او
حکمتش برتر ز عقل ذو فنوں　　از ضمیرش امتے آید بروں
حکمرانے بے نیاز از تخت و تاج　　بے کلاہ و بے سپاہ و بے خراج
از نگاہش فرو دیں خیزد زدے　　در بجوے غم تلخ تر گردد زمے
اندرو آہ صبحگاہ او حیات　　تازہ از صبح نمودش کائنات
بحر و بر از زور طوفانش خراب　　در نگاہ او پیام انقلاب
درس لا خوف علیھم می دہد　　تا دلے در سینہ آدم نہد
عزم و تسلیم و رضا آموزدش　　در جہاں مثل چراغ افروزدش
من نمیدانم چہ افسوں میکند　　روح را در تن دگرگوں میکند

صحبت او ہر خزف را دُر کند   حکمت او ہر تہی را پُر کند
بندۂ درماندہ را گوید کہ خیز   ہر کہن معبود را کن ریز ریز
مرد حق! افسون ایں دیرِ کہن   از دو حرف **ربی الاعلیٰ** شکن
فقر خواہی؟ از تہیدستی منال   عافیت در حال و نے در جاہ و مال
صدق و اخلاص و نیاز و سوز و درد   نے زر و سیم و قماش سرخ و زرد
بگذر از کاؤس و کے اے زندہ مرد   طوف خود کن گرد ایوانے مگرد
از مقام خویش دور افتادۂ   کرگسی کم کن کہ شاہیں زادۂ
مرغک اندر شاخسار بوستاں   بر مراد خویش بندد آشیاں
تو کہ داری فکرت گردوں مسیر   خویش را از مرغکے کمتر مگیر
دیگر ایں نہ آسماں تعمیر کن   بر مراد خود جہاں تعمیر کن
چوں فنا اندر رضائے حق شود   بندۂ مومن قضائے حق شود
چار سوے با فضائے نیلگوں   از ضمیر پاک او آید بروں
در رضائے حق فنا شو چوں سلف   گوہر خود را بروں آر از صدف
در ظلام ایں جہان سنگ و خشت   چشم خود روشن کن از نور سرشت
تا نہ گیری از جلال حق نصیب   ہم نیابی از جمال حق نصیب
ابتدائے عشق و مستی قاہری است   انتہائے عشق و مستی دلبری است
مرد مومن از کمالات وجود   او وجود و غیر او ہر شے نمود
گر بگیرد سوز و تاب از لا الٰہ   جز بکام او نہ گردد مہر و مہ

*

(1) جب نبوت یعنی صاحب نبوت حکم حق جاری کرتا ہے + وہ حکم سلطانی پر ایڑھی مارتا ہے یعنی اسے ٹھکرا دیتا ہے (نبوت کا مقصد لوگوں کو سلاطین اور وڈیروں کی فرماں برداری کی بجائے اللہ کی فرمانبرداری پر لگاتا ہے ہر نبی خدائے واحد کی اطاعت و عبادت کی تلقین کرنے اور دنیاوی حاکموں اور باطل معبودوں کی غلامی سے لوگوں کو چھڑانے کے لیے آیا ہے اللہ کے قانون کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے آیا ہے اجرائے حکم حق سے یہاں یہی مراد ہے قرآن کریم اس سلسلے کا آخری قانون اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون کو نافذ کرنے والے آخری نبی ہیں)۔

(2) نبوت (یا نبی) کی نگاہ میں بادشاہ کا محل ایک پرانا مندر ہوتا ہے (جس کو وہ ڈھانے کے لیے آتا ہے) + (کیونکہ) اس کی غیرت (اللہ کے سوا) کسی اور کے حکم کو گوارا نہیں کرتی (نبی صرف احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے اور اس کے سوا ہر حکم کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے آتا ہے نبی کی غیرت غیراللہ کی حکومت کو برداشت ہی نہیں کر سکتی)۔

(3) اس کی یعنی منصب نبوت کی صحبت ہر خام کو پختہ بنا دیتی ہے + وہ زمانے کو نیا غوغا یا ولولہ دیتا ہے (زمانے میں انقلاب برپا کرتا ہے)۔

(4) نبوت (یا نبی) کا درس اللہ بس اور باقی ہوس (ہوتا ہے) تاکہ مرد حق (اللہ کے سوا) کسی اور کی قید

میں نہ پڑ جائے یعنی نبی صرف اللہ کو اپنا محبوب و مقصد اور معبود و مسجود بنانے کا درس دیتا ہے اور ہر اس بندھن کو توڑ دینے کے لیے کہتا ہے جو آدمی کو اس کے اس مقصد سے ہٹائے)۔

(5) اس کے نم سے انگور کی بیل کی شاخ کے اندر آگ یعنی شراب (پیدا ہو جاتی ہے) + اس کے دم سے خاک کی مٹھی یعنی جسم آدمی میں پاک جان (پیدا ہو جاتی ہے) مراد ہے نبی کی تعلیم و تدریس سے لوگوں کے اندر وہ خصوصیات ابھر آتی ہیں جو منشائے خالق ہیں۔

(6) وہ جبریل اور قرآن کا معنی ہے (یہاں خاص طور پر نبوت نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے) + وہ اللہ کی فطرت کا نگہبان ہے (نبی کے جبریل اور قرآن کے معنی یا مفہوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ نبی اللہ کے وجود اور اس کے ملائکہ کے اس کے کارکن ہونے پر دلیل ہوتا ہے نہ کسی نے خدا کو دیکھا ہے اور نہ جبریل کو لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت علم و عمل اور پیغام و سبق اس بات پر قوی اور یقینی دلیل ہے کہ واقعی خدا بھی ہے اور خدا کے فرشتے بھی ہیں وہ چلتا پھرتا قرآن ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی وحی بھیجنے والا بھی ہے اور کوئی وحی لانے والا بھی ہے دوسرے مصرع میں نبی کے فطرۃ اللہ کے نگہبان ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد اللہ کا دین ہے یا اس سے مراد انسان کی وہ فطرت ہے جس پر وہ پیدا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں ماحول اور تربیت اسے جو چاہے بنا دیتی ہے کسی شخص کا دین اسلام پر ہونا اور اس کے احکامات کو ماننا عین انسانی فطرت کے مطابق ہے اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسی فطرت پر قائم رکھنے اور قائم رہنے کی تلقین کرنے کے لیے آیا ہے کیونکہ ان کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا اس لئے ان کو اللہ کی فطرت کا ہمیشہ کے لئے نگہبان کہنا درست اور حقیقت ہے)۔

(7) اس کی یعنی نبی کی حکمت مختلف قسم کے ہنر رکھنے والی عقل سے برتر ہوتی ہے + اس کے ضمیر سے ایک امت ظاہر ہوتی ہے (عقل انسانی خواہ لاکھ ہنر کیوں نہ رکھتی ہو اس سے غلطی کا امکان ہے اللہ کی وحی سے جو نبی پر آتی ہے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی اس لئے عقل پر وحی کو ترجیح دینی چاہیے نبی کی نبوت اور اس کے احکام وحی کو ماننے والے خود بخود ایک قوم بن جاتے ہیں مسلمان قوم کی بنیاد اسی لئے دین ہے نہ کہ اور کئی قسم کے باطلی نظریات جو کہ آج کل مسلمانوں میں پھیلائے جا رہے ہیں)۔

(8) نبی وہ حکمران ہوتا ہے جو تخت و تاج سے بے نیاز (ہوتا ہے) + وہ بے کلاہ بے سپاہ اور بے خراج (ہوتا ہے) (وہ بوریائے فقر پر بیٹھا لوگوں کے دل و دماغ پر حکمران ہوتا ہے)۔

(9) اس کی نگاہ سے خزاں کے موسم سے بہار کا موسم پیدا (ہو جاتا ہے) + ہر شراب کے مٹکے کی تلچھٹ اس کی شراب سے زیادہ تلخ ہو جاتی ہے (نبی کی نگاہ میں غیر معمولی تاثیر ہوتی ہے نبی مایوسی کو امید میں بدل دیتا ہے لوگوں کی زندگیوں میں خوش گوار تبدیلی پیدا کر دیتا ہے بدوؤں کو نیک غلاموں کو مولا اور گداؤں کو شہنشاہ کر دیتا ہے شراب میں مزید تلخی پیدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ نبی ہر کمی کو پورا کر دیتا ہے ناقص کو مکمل خام کو پختہ اور ناکارہ کو کارہ بنا دیتا ہے)۔

(10) اس کی صبح کے وقت کی آہ میں زندگی ہے + کائنات اسکی صبح کی نمود سے تازہ (ہو جاتی ہے) یعنی نبی کی زندگی اور پیغام سے ایک نئی دنیا جنم لیتی ہے۔

(11) اس کے طوفان کے زور سے۔ بحر و بر خراب (ہو جاتے ہیں) یعنی وہ اپنے پیغام سے دنیا میں پہلے سے موجود باطل نظریات کو بہا کر لے جاتا ہے + اس کی نگاہ میں ایک انقلاب کا پیغام (ہوتا ہے)۔

(12) وہ لا خوف علیھم (ان پر کوئی خوف نہیں ہے) کا درس دیتا ہے + (وہ ایسا اس لیے کرتا ہے) تاکہ آدمی کے سینے میں اس کا دل رکھ دے (قرآن کریم میں ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ بلاشبہ جو لوگ مرتبہ ولایت پر فائز ہو جاتے ہیں ان کی زندگی خوف اور حزن دونوں حالتوں سے پاک ہوتی ہے دیکھئے آیت 10-62= وہ نہ صرف دنیا میں بلکہ عقبیٰ میں بھی ان دونوں حالتوں سے محفوظ ہوں گے جو شخص اللہ کا نہیں ہوتا وہ ہر وقت طرح طرح کے خوف اور حزن میں مبتلا رہتا ہے جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ ان سے آزاد ہو جاتا ہے وہ خود کو تسلیم و رضا کے سپرد کر دیتا ہے۔ جس سے نہ خوف خوف رہتا ہے نہ غم غم رہتا ہے آدمی کے سینے میں دل رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو دل خدا شناس اور دل خود شناس عطا کر دیتا ہے یہ غم اور خوف کے احساس سے آزاد ہونا اسی دل کی بنا پر ہوتا ہے)۔

(13) وہ یعنی نبی اس کو عزم تسلیم اور رضا سکھاتا ہے + اسے جہان میں چراغ کی مانند روشن کر دیتا ہے (جو خود بھی روشن ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی روشنی دیتا ہے)۔

(14) میں نہیں جانتا کہ وہ یعنی نبی کیا افسوں کرتا ہے + وہ بدن میں روح (کی حالت) کو بدل دیتا ہے (یہ سب کچھ نبی کی نگاہ اور صحبت سے ہو جاتا ہے)۔

(15) اس کی صحبت ٹھیکری کو موتی بنا دیتی ہے اس کی حکمت ہر خالی کو پر کر دیتی ہے۔

(16) (زندگی کے میدان کی دوڑ میں) پیچھے رہ جانے والے (یا زبردستوں کے پچھاڑے ہوئے) بندے کو (نبی کہتا ہے) کہ اٹھ + ہر پرانے معبود (کے بت) کو ریزہ ریزہ کر دے (ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دے ان تمام ہاتھوں کو توڑ دے جنہوں نے تجھے معذور بنا رکھا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب تو ایک خدا کو مان لے گا جب تو موحد بن جائے گا اور ہر غیر خدا کے بت کو توڑ دے گا اسے اپنے دماغ، دل اور نفس سے نکال دے گا اسی لیے ہر نبی توحید کا پیغام لے کر آیا ہے)۔

(17) مرد حق (ہو اور وہ) اس پرانے مندر یا اس پرانی دنیا یا اس پرانے زمانے کے جادو میں آچکا ہو (حیرت ہے) + (اے اللہ کے بندے اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو چکی ہے تو) اس دیر کہن کو ربی الاعلیٰ کے دو حرفوں سے توڑ دے (جب تو یہ اقرار کرے گا اور اس کا اعلان کر دے گا کہ اللہ پاک کا مرتبہ سب سے اعلیٰ اور بلند ہے تو ہر شے خود بخود تیرے تابع ہو جائے گی یہ دنیا تجھ پر سوار ہے خود بخود تیرے قدموں میں آ لگے گی اور تو اس پر سوار ہو جائے گا)۔

(18) اگر تو فقر چاہتا ہے تو تہی دستی (مال و دولت کے نہ ہونے سے) رنج نہ کر + عافیت حال میں ہے جاہ و مال میں نہیں ہے مراد ہے جب اللہ کا بندہ زبانی جمع خرچ کی بجائے واقعی اللہ کا غلام ہو جاتا ہے کلمہ طیبہ اس کا حال بن جاتا ہے وہ اللہ کے سوا ہر معبود سے واقعی چھٹکارا پالیتا ہے عافیت (یا زندگی میں سکون) مال و دولت اولاد اور مرتبہ سے نہیں اللہ سے لو لگانے میں نصیب ہوتی ہے فقیر بوریا پر مطمئن اور بادشاہ تخت پر غیر مطمئن ہوتا ہے۔

(19) صدق، اخلاص، نیاز، سوز اور درد (سے اطمینان قلب اور عافیت زندگی نصیب ہوتی ہے) + نہ کہ سونے، چاندی، روزگار اور سرخ و زرد یعنی طرح طرح کی دنیاوی نعمتوں اور آسائشوں سے۔

(20) اے زندہ مرد تو کاؤس و کے سے گزر جا + اپنا طواف کر (بادشاہوں کے) محلوں کے گرد نہ گھوم ۔(کاؤس و کے سے مراد جاہ و جلال والے ایرانی بادشاہ ہیں۔

(21) تو اپنے مقام سے دور گرا ہوا ہے + گدھ پن نہ کر تو شاہین کا جنا ہوا ہے (مراد ہے گدھوں کی طرح مردار نہ کھا زمین پر اپنا رزق تلاش نہ کر تو شاہین ہے فضاؤں میں اڑ اور ہواؤں میں پرندوں پر جھپٹ کیونکہ قدرت نے تجھے شاہین کا مقام عطا کیا ہے اس سے گر کر گدھ نہ بن)۔

(22) (کیا تو نے دیکھا نہیں کہ) چھوٹا پرندہ باغ (کے درخت) کی شاخ کے اندر + اپنی مراد یا مرضی کے مطابق گھونسلہ بناتا ہے (تو کیوں دوسروں کا تابع ہے)۔

(23) تو کہ گردوں میسر (آسمانوں کو اپنی میسر گاہ بنانے والی) فطرت رکھتا ہے + تو خود کو چھوٹے پرندے سے کم نہ لے یعنی نہ سمجھ (تو بھی اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے تابع کر)۔

(24) ان نو آسمانوں کو یعنی جہان کو دوبارہ تعمیر کر + یعنی جہان کو اپنی مراد کے مطابق تعمیر کر (یہی اس کا دوبارہ تعمیر کرنا ہے)۔

(25) جب وہ حق کی رضا کے اندر فنا ہو جاتا ہے + (تو) بندہ مومن حق کی قضا ہو جاتا یعنی جو بندہ مومن چاہتا ہے خدا وہی کرتا ہے۔

(26) چاروں اطراف اپنی نیلے رنگ کی فضا کے ساتھ + اس کے ضمیر پاک سے باہر آتی ہیں مراد یہ ہے کہ بندہ مومن کی مرضی کے مطابق انتظام و انصرام کائنات چلتا ہے۔

(27) اپنے پرانے بزرگوں کی طرح (تو بھی) رضا میں فنا ہو جا (اپنی مرضی کو حق کی مرضی میں گم کر دے) + سیپ سے اپنے موتی کو باہر لا یعنی اس طرح اپنی مخفی صلاحیت و قوت کو اجاگر کر اور اسے عملی جامہ پہنا۔

(28) اس سنگ و خشت یعنی مادی جہان کے اندھیرے میں + اپنی سرشت کے نور سے اپنی آنکھوں کو روشن کر (تو بے شک خاکی ہے لیکن فطرت تیری نوری ہے اپنی اس فطرت کو بروئے کار لا)۔

(29) جب تک تو حق کے جلال سے نصیب نہیں پائے گا + تو اس کے جمال سے بھی نصیب نہیں پائے گا (جس طرح خالق آدم میں جلال اور جمال کی دونوں صفات پائی جاتی ہیں اسی طرح یہ صفات آدم میں بھی موجود ہو سکتی ہیں کیونکہ آدم اللہ کی ان صفات کا مظہر ہے پہلے جلال حق کی صفت پیدا کر پھر جمال حق کی بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب جلال حق پیدا ہو جائے گا تو جمال حق بھی میسر آجائے گا جلال قوت کا اور جمال سکون کا مظہر ہے جلال رزم میں اور جمال بزم میں کام آتا ہے بندہ مومن میں جلال اور جمال کی دونوں صفتیں موجود ہوتی ہیں وہ دشمنوں پر شدید اور دوستوں پر رحیم ہوتا ہے)۔

(30) عشق و مستی کی ابتدا قاہری ہے + عشق و مستی کی انتہا دلبری ہے (جیسا کہ اس سے پہلے کے شعر میں واضح کیا گیا ہے پہلے جلال یا صفت قاہری سے غیر خدا کی نفی کی جاتی ہے جب اس صفت سے نقش غیر مٹ جاتا ہے تو باقی دلبری یا جمال رہ جاتی ہے محبوب کی دلبرانہ محبت سے فیض یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے ان تمام اسباب کا سختی سے قلع قمع کر دیا جائے جو بزم محبوب کے جمال کو مکدر کر سکتے ہیں جس طرح بندہ مومن پہلے لا الہ کہہ کر ہر معبود باطل کو ختم کر دیتا ہے اور پھر الا اللہ کہہ کر ایک معبود کا اثبات کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے جلال سے کائنات میں جمال پیدا کرتا ہے)۔

(31) مرد مومن وجود کے کمالات میں سے ہے + صرف وہ وجود ہے اس کے سوا ہر شے نمود ہے (وجود نہیں رکھتی) اس شعر میں تصوف وجودی کی دو اصطلاحیں استعمال کر کے مومن اور غیر مومن کا تعارف کرایا گیا ہے وحدۃ الوجودی تصوف کے مطابق وجود صرف خالق کائنات کا ہے اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ موجود تو ضرور ہے لیکن وجود نہیں رکھتا کیونکہ ہر شے اللہ کی صفت تخلیق کی بنا پر معرض وجود میں آئی ہے اس لئے اس کو تجلی وجود تو کہہ سکتے ہیں حقیقی وجود کا نام نہیں دے سکتے اس کی نمود چونکہ وجود حقیقی کی بدولت ہوئی ہے اس لئے اسے ہم نمود تو کہہ سکتے ہیں لیکن وجود نہیں کہہ سکتے ہاں ایک بندہ مومن کی ہستی ضرور ہے جس پر ہم وجود مطلق کی طرح وجود کا اطلاق کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کا مظہر ہوتا ہے)۔

(32) اگر وہ یعنی بندہ حق یا کوئی بھی شخص بھی لا الہ سے سوز حاصل کرے تو سورج اور چاند اس کے ارادے یا مرضی کے بغیر گردش نہیں کر سکتے (لا الہ سے مراد ہے کہ کوئی اللہ یعنی معبود یا رب نہیں ہے الا اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کے یعنی جب ایک مرد مومن صرف اللہ کو مقصود و محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ اس کو مقصود و محبوب بنا لیتا ہے اور جو اللہ کا مقصود و محبوب ہو اللہ اس کی مرضی کا خیال رکھتا ہے۔

حکمت فرعونی

حکمت ارباب دیں کردم عیاں
حکمت ارباب کیں را ہم بداں

حکمت ارباب کیں مکر است و فن
مکر و فن؟ تخریب جاں تعمیر تن!

حکمتے از بند دیں آزادۂ
از مقام شوق دور افتادۂ

مکتب از تدبیر او گیرد نظام
تا بکام خواجہ اندیشد غلام!

شیخ ملت با حدیث دلنشیں
بر مراد او کند تجدید دیں

از دم او وحدت قومے دو نیم
کس حریفش نیست جز چوب کلیم

وائے قومے کشتۂ تدبیر غیر
کار او تخریب خود، تعمیر غیر

می شود در علم و فن صاحب نظر
از وجود خود نگردد باخبر!

نقش حق را از نگین خود سترد
در ضمیرش آرزو ہا زاد و مرد

بے نصیب آمد ز اولاد غیور
جاں بہ تن چو مردۂ در خاک گور

از حیا بیگانہ پیران کہن
نوجواناں چوں زناں مشغول تن

در دل شاں آرزو ہا بے ثبات
مردہ زایند از بطون امہات

دختران او بزلف خود اسیر
شوخ چشم و خود نما و خردہ گیر

ساختہ، پرداختہ، دل باختہ
ابرواں مثل دو تیغ آختہ

ساعد سیمین شاں عیش نظر
سینہ ماہی بموج اندر نگر

ملتے خاکستر او بے شرر
صبح او از شام او تاریک تر

ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ
کار او فکر معاش و ترس مرگ

منعمان او بخیل و عیش دوست غافل از مغز اند و اندر بند پوست
قوت فرمانروا معبود او در زیان دین و ایماں سود او
از حد امروز خود بیروں نجست روزگارش نقش یک فردانہ بست
از نیاگاں دفترے اندر بغل الاماں از گفتہ ہائے بے عمل!
دین او عہد وفا بستن بغیر یعنی از خشت حرم تعمیر دیر
آہ قومے دل ز حق پرداختہ مرد و مرگ خویش را نشناختہ

*

(1) میں نے ارباب دین کی حکمت ظاہر کردی ہے + (اب) کینہ یا دشمنی رکھنے والوں کی حکمت کو بھی جان لے (ارباب کیں سے مراد یہاں موسیٰ کے دشمن فرعون کی طرح کے وہ بر سر اقتدار لوگ ہیں جو بدی اور شر کے شہنشاہ ہیں)۔

(2) ارباب کیں کی حکمت مکر اور فن ہے (انکا) مکر و فن کیا ہے (ان کا مکر و فن) جان کی تخریب اور تن کی تعمیر ہے (وہ تن کی جملہ آسائشیں پیدا کرتا ہے مگر روح کو ناپید کرتا ہے)۔

(3) یہ ایسی حکمت ہے جو دین کی قید سے آزاد ہے + (یہ ایسی حکمت ہے) جو شوق کے مقام سے دور پڑی ہوئی ہے یعنی اس میں سوز و مستی کا نام و نشان تک نہیں ہے (اس حکمت میں مادہ پرستی تن پرستی اور شکم پرستی کے جملہ سامان ہیں لیکن دل کی تربیت اور روح کی نشو و نما کا کوئی انتظام نہیں ہے)۔

(4) مکتب اس کے (مکر و فن) کی تدبیر سے نظام حاصل کرتا ہے + تاکہ غلام آقا کی مرضی کے مطابق سوچنے لگے (ہمارا نظام تعلیم مغرب کے ذہنی غلام پیدا کر رہا ہے یہی فرعونی حکمت کا مقصود ہے تاکہ کوئی مومن پیدا نہ ہو سکے)۔

(5) حکمت فرعونی کا کام یہ ہے کہ شیخ ملت یعنی قوم کے علما اور صوفیا دل کو بھانے والی حکایتوں کو بیان کرکے + اس کی یعنی فرعونی حکمت کی مراد پر دین کی تجدید کرتے ہیں (وقت کے فرعونوں کو خوش کرنے کے لیے دین میں طرح طرح کی تاویلوں سے کام لیتے ہیں)۔

(6) (اس طرح) اس کے یعنی شیخ ملت کے دم سے قوم کی وحدت دو ٹکڑے ہو جاتی ہے + اس کا کوئی (مد مقابل) نہیں ہے سوائے چوب کلیم کے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے پاس فرعونی فریب اور طاقت کو توڑنے والا ایک معجزاتی عصا تھا جسے یہاں چوب کلیم کہا گیا ہے آج کے فرعونوں یا ان کے گماشتوں کا زور توڑنے کے لیے اس قسم کی ضرب کلیمی کی ضرورت ہے)۔

(7) افسوس ہے اس قوم پر جو دوسروں کی تدبیر کی کشتہ ہو (اس کو اپنائے ہوئے ہو یا اس پر فریفتہ ہو) + اس کا کام اپنی تخریب اور دوسروں کی تعمیر کرنا ہے۔

(8) (ایسی قوم) علم و فن میں صاحب نظر ہو جاتی ہے + (لیکن) اپنے وجود سے باخبر نہیں ہوتی۔

(9) (افسوس ہے ایسی قوم پر کہ جس نے دوسروں کی پیروی میں) حق کے نقش کو اپنے نگین سے صاف کر دیا + اس کے ضمیر میں آرزوئیں پیدا ہوئیں لیکن مر گئیں (اول تو ایسی قوم میں کوئی آرزو پیدا ہی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو سرے نہیں چڑھتی)۔

(10) (ایسی قوم) غیرت والی اولاد سے بے نصیب ہوتی ہے + اس کے تن میں جان ایسے ہی ہوتی ہے

جیسے کہ قبر میں مردہ۔
(11) (ایسی قوم) کے بڑے بڑے بوڑھے حیا سے بے گانہ (ہوتے ہیں) + اس کے نوجوان عورتوں کی طرح بدن کو (آراستہ پیراستہ کرنے) میں مشغول ہوتے ہیں۔
(12) انکے دلوں میں آرزوئیں پائیدار نہیں ہوتیں (ادھر پیدا ہوئیں ادھر مر گئیں + وہ ماں کے پیٹوں ہی سے مردہ پیدا ہوتے ہیں یہاں موت سے مراد جسمانی موت نہیں روحانی اخلاقی انسانی ملی اور غیرت کی موت ہے)۔
(13) (ایسی قوم کی) بیٹیاں اپنی ہی زلف میں اسیر ہیں + شوخ چشم اور خود نما اور دوسروں کے عیب نکالنے والی ہوتی ہیں۔
(14) (یہ لڑکیاں) اپنے بناؤ سنوار اور سنگھار میں مصروف نور دل کو ہارے ہوئے ہیں + ان کے ابرو دو تلواروں کی طرح کھنچے ہوئے ہوتے ہیں مراد ہے وہ جسم کی آرائش کی دلدادہ اور دل کی حفاظت نہ کرنے والی ہیں۔
(15) ان کی چاندی کی سی پنڈلیاں (لوگوں کے لئے) عیش نظر ہیں + دریا کی موج کے اندر مچھلی کے سینے کو دیکھ لے مراد ہے کہ وہ ایسے لباس میں ملبوث ہوتی ہیں کہ ان کے بدنوں تک کو دیکھا جاسکتا ہے۔
(16) (فرعون حکمت کی دلدادہ ملت) وہ ملت ہے جس کی مٹی میں کوئی چنگاری نہیں ہے + اس کی صبح اس کی شام سے زیادہ تاریک ہے۔
(17) وہ ہروقت اپنے (آرام و آسائش) کے سامان کی تلاش میں لگی رہتی ہے + اس کا کام صرف روزی کی فکر کرنا اور موت سے ڈرنا ہوتا ہے۔
(18) (ایسی قوم کے) دولت مند کنجوس اور عیش دوست (ہوتے ہیں) + وہ مغز سے غافل ہیں اور پوست کی قید میں ہیں یعنی ان کو جسم کا علم ہے اور روح کا پتا نہیں شکم کو جانتے ہیں اور دل کو بھولے ہوئے ہیں ان کی ساری زندگی جسم کی فکر میں بسر ہو جاتی ہے۔
(19) حاکموں کی قوت ان کا معبود ہے (وہ خدا کی بجائے ان کے آگے جھکتے ہیں) + ان کا نفع دین اور ایمان کے نقصان میں ہے۔
(20) وہ اپنے آج کی حد سے باہر نہیں نکلے (انہیں کل کی کوئی فکر نہیں نہ دنیا کے کل کی اور نہ آخرت کے کل کی ان کو تو صرف ایک ہی فکر ہے کہ دنیا کا آج کس طرح آرام و آسائش اور عیش و عشرت سے گزرتا ہے) + ان کی زندگی نے آنے والی کل کا ایک نقش ثبت نہیں کیا (انہیں کل کی کوئی فکر نہیں ہے)۔
(21) ان کی بغل میں ان کے پرانے بزرگوں کا ایک دفتر ہے یعنی بہت سی کتب ہیں + خدا کی پناہ ان کی باتوں کی بے عملی سے (یعنی وہ بزرگوں کی کتابیں پڑھتے ہیں ان میں سے باتیں بھی بتاتے ہیں لیکن خود بے عمل ہیں)۔
(22) ان کا دین غیروں سے عہد وفا باندھنا ہے + یعنی وہ حرم کی اینٹ سے مندر تعمیر کرتے ہیں یعنی وہ دینی کتب سے حتیٰ کہ قرآن اور حدیث سے غیروں کے ساتھ سیاسی تہذیبی اور ثقافتی وغیرہ وابستگی کے درست ہونے کو نہ صرف ثابت کرتے ہیں بلکہ ایسا کرنے کی لوگوں کو تلقین بھی کرتے ہیں۔

(23) آہ ہے (افسوس ہے) اس قوم پر جس نے حق سے دل اٹھالیا + جو مرگئی لیکن اس نے اپنی موت کو نہیں پہچانا۔

لا الٰہ الا اللہ

نہیں کوئی معبود مگر اللہ

پہلا بند

نکتہ می گویم از مردان حال / امتاں را لا جلال الا جمال
لا و الا احتساب کائنات / لا و الا فتح باب کائنات
ہر دو تقدیر جہان کاف و نون / حرکت از لا زاید از الا سکوں
تا نہ رمز لا الٰہ آید بدست / بند غیر اللہ را نتواں شکست
در جہاں آغاز کار از حرف لاست / ایں نخستیں منزل مرد خداست
ملتے کز سوز او یک دم تپید / از گل خود خویش را باز آفرید
پیش غیر اللہ لا گفتن حیات / تازہ از ہنگامہ او کائنات
از جنونش ہر گریباں چاک نیست / در خور ایں شعلہ ہر خاشاک نیست
جذبہ او در دل یک زندہ مرد / می کند صد رہ نشیں را رہ نورد
بندہ را با خواجہ خواہی در ستیز؟ / تخم لا در مشت خاک او بریز
ہر کرا ایں سوز باشد در جگر / ہوش از ہول قیامت بیشتر
لا مقام ضرب ہائے پے بہ پے / ایں غور عد است نے آواز نے
ضرب او ہر بود را سازد نبود / تا بروں آئی گرداب وجود

*

(1) میں تمہیں مردان حال کا ایک نکتہ (رمزی یا باریک بات) بتاتا ہوں + امتوں کے لئے لا جلال اور الا جمال (ہے) مراد یہ ہے کہ اہل تصوف کی محبت سے مجھے یہ رمز ہاتھ آئی ہے کہ جب کوئی قوم کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے کے بعد اسے دل و نگاہ پر وارد کرلیتی ہے تو اس میں جلال و جمال کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جب وہ خدا کے سوا ہر معبود کی نفی کرتی ہے تو قہاری کی مظہر ہوتی ہے یہی اس کا جلال ہے جب وہ ہر معبود کے انکار کے بعد ایک معبود یعنی اللہ کا اثبات کرتی ہے تو وہ دلبری کی مظہر ہوتی ہے یہی اس کا جمال ہے۔

(2) لا اور الا یعنی لا الہ الا اللہ کائنات کا احتساب ہے + لا اور الا کائنات کے دروازے کا فتح کرتا ہے (جب کوئی قوم لا الہ الا اللہ کو نیا حال بنا لیتی ہے تو اس میں بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کے آگے کائنات سر تسلیم خم کردیتی ہے)۔

(3) دونوں یعنی لا اور الا جہان کاف و نون یعنی اللہ کے لفظ کن کہنے پر پیدا ہونے والے جہان کی تقدیر

ہیں + لا سے حرکت (پیدا ہوتی ہے) اور الا سے سکون (پیدا ہوتا ہے) مراد ہے لا الہ کہنے سے آدمی کے اندر باطل کے خلاف عمل پیدا ہونے کی حرکت پیدا ہوتی ہے اور الا اللہ کہنے سے حق کے ساتھ مجلس آرا ہونے کی رغبت پیدا ہوتی لا سے جلال اور الا سے جمال کی شان پیدا ہوتی ہے بندہ مومن لا رزم میں اور الا بزم میں لاتی ہے۔

(4) جب تک لا الہ کی رمز ہاتھ نہیں آتی + غیر اللہ کے بندھنوں (زنجیروں) کو نہیں توڑا جا سکتا (لا الہ کی رمز لا موجود الا اللہ ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے کے اقرار میں پوشیدہ ہے)۔

(5) جہان میں کام کا آغاز حرف لا سے ہے + یہ مرد خدا کی پہلی مرضی ہے مراد یہ ہے کہ مرد خدا سب سے پہلے غیر اللہ کی نفی کرتا ہے جب تک ہر غیر اللہ کی نفی نہیں کی جاتی اگلا قدم اٹھانا بے سود ہے۔

(6) وہ ملت جو اس کے سوز سے ایک دم کے لیے تڑپی + اس نے اپنی مٹی سے خود کو دوبارہ پیدا کر لیا (جب کسی شخص میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں تو وہ اپنی قدرتی پیدائش کے علاوہ ایک نیا جنم اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح وہ دوسروں کو بھی نئی زندگیاں اختیار کرنے کے علم و عمل سے آشنا کر دیتا ہے جب افراد اس شان کو اختیار کر لیتے ہیں تو پوری قوم کی یہ شان ہو جاتی ہے)۔

(7) غیر اللہ کے سامنے لا کہنے میں زندگی ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی کیسا اور کتنا کیوں نہ ہو اسے ہیچ سمجھنا اور اس کے سامنے اللہ برحق کا اقرار کرنا یہ زندگی ہے یہ وہ نئی زندگی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے + اس کے یعنی غیر اللہ کا اقرار کرنے والے ایسے شخص سے کائنات میں ہنگامے تازہ ہوتے ہیں (کائنات کی زندگی اور رونق اس سے ہے)۔

(8) اس کے جنوں سے ہر گریباں چاک ہو جاتا ہے) + ہر گھاس کا تنکا اس شعلے کے قابل نہیں ہے (کوئی اہل ہو تو اس کو نوازا جاتا ہے)۔

(9) اس کا جذبہ ایک زندہ مرد کے دل میں (جب پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زندہ مرد) سینکڑوں راستے میں بیٹھے ہوؤں کو راہ پر چلا دیتا ہے (اور منزل تک پہنچا دیتا ہے)۔

(10) تو چاہتا ہے کہ غلام آقا سے جنگ آزما ہو جائے + (اگر ایسا ہے تو) اس کی مٹی میں لا کا بیج ڈال (اسے غیر اللہ سے نہ صرف بے نیاز کر دے بلکہ اس سے برسرپیکار ہونے کا اس میں عزم و عمل پیدا کر دے)۔

(11) ہر وہ شخص جس کے جگر میں یہ یعنی لا کا سوز ہو + اس کا ہول (ڈر لوگوں کے دلوں میں) قیامت کے ڈر سے زیادہ ہوتا ہے۔

(12) لا مسلسل (پے در پے) ضربوں کا مقام ہے + یہ بجلی یا بادل کی کڑک کی آواز ہے نہ کہ جنسری کی آواز۔

(13) اس کی ضرب ہر بود کو نابود کر دیتی ہے + تاکہ تو وجود کے گرداب سے باہر آ جائے مراد ہے کہ مرد حق لا کی ضرب سے کائنات میں موجود ہر باطل وجود سے باہر نہیں نکلا جائے گا بندہ بندہ کائنات رہے گا بندہ خدا نہیں بنے گا بندہ خدا بننے کے لیے لا موجود الا اللہ کی ضرب سے خود کو کائنات کے وجود سے باہر لایا جا سکتا ہے۔

دوسرا بند

با تو میگویم ز ایام عرب — تا بدانی پختہ و خام عرب
ریز ریز از ضرب او لات و منات — در جہات آزاد از بند جہات
ہر قبائے کہنہ چاک از دست او — قیصر و کسرٰی ہلاک از دست او
گاہ دشت از برق و بارانش بدرد — گاہ بحر از زور طوفانش بدرد
عالمے در آتش او مثل خس — ایں ہمہ ہنگامہ لا بود و بس
اندریں دیر کہن پیہم تپید — تا جہانے تازہ آمد پدید
بانگ حق از صبح خیزیہائے اوست — ہر چہ ہست از تخم ریزیہائے اوست
اینکہ شمع لالہ روشن کردہ اند — از کنار جوئے او آوردہ اند
لوح دل از نقش غیر اللہ شست — از کف خاکش دو صد ہنگامہ رست

*

(1) میں تمہیں عرب کے ایام کے بارے میں بتاتا ہوں + تاکہ تو عرب کے پختہ اور خام سے آگاہ ہو جائے (عرب کے ایام سے مراد عرب والوں کے گزشتہ حالات ہیں)۔

(2) (ایک وقت تھا کہ ان عربوں کی) ضرب سے (کعبہ میں رکھے ہوئے) لات اور منات کے بت ریزہ ریزہ ہو گئے تھے + وہ جہات میں یعنی جہان میں رہتے ہوئے جہان آزاد تھے (دنیا پر سوار تھے دنیا کو خود پر سوار نہیں کر رکھا تھا دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے آزاد تھے)۔

(3) ان کے ہاتھوں سے ہر پرانی قبا چاک (ہو گئی تھی) یعنی انہوں نے پرانی سیاسی اقتصادی معاشرتی تہذیبی ثقافتی اور مذہبی اقتدار کو مٹا کر ایک نئے جہان کی بنیاد رکھی تھی اپنے وقت کی بڑی بڑی جابر حکومتوں کو تہس نہس کر دیا تھا + ان کے ہاتھوں سے (رومن سلطنت کے) قیصر اور (ایرانی سلطنت کے) کسریٰ بادشاہ ہلاک ہو گئے تھے)۔

(4) کبھی بیابان انکے (جاہ و جلال اور ترک و تاز) کی بارش اور بجلیوں سے درد میں تھا + (اور) کبھی اس کے (لشکروں کی یورش) کے طوفانوں سے ۔بحر و بر درد میں تھے یعنی وہ کوہ و دشت اور بحر و بر کو روندتے ہوئے اور اپنے مذہبی اور تہذیبی علم بلند کرتے ہوئے دندنا رہے تھے خشکی و تری بیابان و گلزار غرض کہ ہر میدان ان سے لرزتے تھے۔

(5) سارا جہان ان کی آگ میں تنکے کی مانند تھا (آخر ایسا کیوں تھا) یہ صرف لا کا ہنگامہ تھا اور بس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرست عرب صحرا نشینوں کو لا الہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کا درس دیکر ہر غیر اللہ پر ضرب لگانے ہر غیر اللہ کو شکست و ریخت سے دوچار کرنے اور ہر جگہ اللہ کا نقش قائم کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ اس مقصد عظیم کو لے کر نہ صرف یہ کہ ساری دنیا پر چھا گئے بلکہ جس نقش کو وہ قائم کرنا چاہتے تھے اسے سینہ کائنات پر ثبت بھی کر دیا)۔

(6) وہ اس پرانے جہان میں (لا الہ الا اللہ (کا نقش ثبت کرنے کے لیے) مسلسل تڑپتے رہے (سرگرم عمل رہے) + تا آنکہ انہوں نے ایک نیا جہان پیدا کر دیا جو توحید کا نقش لئے ہوئے تھا جہاں ہر غیر اللہ نیست

و نابود ہو چکا تھا۔

(7) (دنیا میں جہاں کہیں بھی) حق کی آواز بلند ہے وہ ان کی صبح خیزی کی وجہ سے ہے + جو کچھ بھی (توحید کے سلسلے میں نظر آرہا ہے) وہ ان کی تخم ریزی کی وجہ سے ہے۔

(8) یہ جو (باغ دنیا میں) لالے کے پھول کی شمع روشن کی گئی ہے یعنی توحید کا نور نظر آتا ہے (اس لالے کو) اس کی ندی کے کنارے سے لایا گیا ہے یعنی دنیا میں حق جہاں کہیں بھی نظر آرہا ہے وہ ان عرب صحرا نشینوں کے طفیل ہے جن کی تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور ان تربیت یافتہ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مشرق و مغرب کی تربیت کی۔

(9) (ان تربیت یافتہ عربوں نے) دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے پاک کر دیا (دھو ڈالا) + (جس کے نتیجے میں) ان کی کف خاک سے یعنی ان آب و گل کے بنے ہوئے انسانوں کے (عزم و عمل سے دنیا میں) دو صد ہنگامے یعنی بہت سے پیدا ہوئے (صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے انقلابات سے دنیا دو چار ہو گئی)۔

تیسرا بند

ہم چناں بینی کہ در دورِ فرنگ بندگی با خواجگی آمد بجنگ
روس را قلب و جگر گردیدہ خوں از ضمیرش حرفِ لا آمد بروں
آں نظامِ کہنہ را برہم زدست تیز نیشے بر رگِ عالم زدہ است
کردہ ام اندر مقاماتش نگہ لا سلاطین، لا کلیسا، لا الٰہ
فکرِ او در تندبادِ لا بماند مرکبِ خود را سوئے الا نراند
آیدش روزے کہ از زورِ جنوں خویش را زیں تند باد آرد بروں
در مقامِ لا نیاساید حیات سوئے الا می خرامد کائنات
لا و الا سازِ و برگِ امتاں نفیِ بے اثبات مرگِ امتاں
در محبت پختہ کے گردد خلیل تا نگردد لا سوئے الا دلیل
اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن
ایں کہ می بینی نیرزد باد و جو از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو
ہر کہ اندر دستِ او شمشیرِ لاست جملہ موجودات را فرمانرواست

٭

(1) اسی طرح تو دیکھے گا کہ فرنگیوں کے دور میں + غلامی آقائی سے جنگ آزمائی ہوئی یعنی یورپ والوں نے کئی علاقوں کو فتح کیا لوگوں کو غلام بنایا پھر ایک وقت آیا کہ یہی غلام ان کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔

(2) روس کا دل اور جگر خون ہوا (وہاں انقلاب آیا زار روس کی سلطنت ختم ہوئی اور کیمونزم نے غلبہ پایا) + اس کے ضمیر سے لا کا حرف باہر آیا (روسیوں نے ہر چیز کی نفی کر دی نہ خدا نہ مذہب نہ بادشاہ نہ جاگیر اور نہ اخلاق کیمونزم نے ہر چیز کی نفی کر دی اور صرف محنت اور مزدوری کا اثبات کیا یہ لا تعمیر کی

بجائے تخریب کا سبب بنا کیونزم نے ایک خدا کا انکار کر دیا اور کئی خداؤں کو جنم دیا جن کے سامنے بچارے مزدوروں کسانوں غریبوں اور بے بس انسانوں کو جھکنا پڑا اس طرح پیٹ تو کیا بھرتا ان کی عزت نفس تک باقی نہ رہی اگر کیمونزم لا الٰہ کا وہ نقش ثبت کرتا جس کے بعد الا اللہ کا نقش ابھرتا تو آج کیمونسٹ دنیا کی حالت ہی کچھ اور ہوتی اے کاش کیمونزم والے کیمونزم کو مسلمان کر سکتے)۔

(3) روس میں کیمونزم کے نفاذ نے) اس کے پرانے نظام کو تہ و بالا کر دیا ہے + اس نے عالم کی رگ پر ایک تیز نیش مارا ہے اشتراکیوں نے یہ جبر اور ہزاروں قسم کے ظلم روا رکھ کر قدیم شاہی نظام کی جگہ کیمونزم کا بے خدا بے اخلاق اور بے نور نظام نافذ کر دیا)۔

(4) میں نے اس کے یعنی روس اور اس میں نافذ کیمونزم کے نظام کے مقامات میں نگاہ کی ہے + اس نے لا سلاطین (کوئی بادشاہ نہیں ہے) لا کلیسا (کوئی گرجا یعنی مذہب نہیں ہے) کوئی الٰہ (کوئی خدا یا معبود نہیں ہے کا (نعرہ لگایا ہے)۔

(5) اس کی فکر لا کی تیز ہوا میں رہ گئی + اس نے اپنے گھوڑے کو الا کی طرف نہ چلایا (لا الٰہ یعنی ہر اللہ کی نفی کے بعد روس الا اللہ یعنی ہاں ایک اللہ یا الٰہ ہے کی طرف نہ آیا)۔

(6) (وہ الا اللہ کی طرف آئے گا) جس روز کہ وہ جنوں کے زور سے + خود کو اس تیز ہوا سے یعنی لا کے چکر سے نکال لے گا۔

(7) زندگی لا کے مقام پر آرام نہیں کرتی + کائنات الا اللہ کی طرف جاتی ہے مراد یہ ہے کہ لا الٰہ (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) کا اعلان کر کے قدرتی طور پر الا اللہ (اللہ کے سوا یعنی اللہ معبود ہے) کی طرف دھیان جاتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارا خالق رب اور معبود کوئی نہ ہو ساری کائنات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی خالق ہے)۔

(8) لا اور الا امتوں کا ساز و سامان ہے + بغیر اثبات یعنی الا کے نفی یعنی لا امتوں کی موت ہے (جیسا کہ بے دین معاشرہ سے ظاہر ہے کیمونزم ہی کو دیکھ لیجئے اس نے ملکوں کو جنگل کے قانون کے سوا کچھ نہیں دیا یہ لا میں پھنسا رہا اگر الا کی طرف آتا تو انسانی قانون اور انسانی معاشرے کی تخلیق کرتا انسانی معاشرے کے لیے نفی و اثبات یا لا و الا دونوں کی ضرورت ہے)۔

(9) حضرت خلیلؑ محبت میں پختہ کیسے ہوں گے + جب تک لا (نفی) الا (اثبات) کی طرف جانے کی دلیل نہیں بنے گا (حضرت ابراہیم خلیل اللہ ایک برگزیدہ پیغمبر ہوئے ہیں جن کی قوم بتوں کو پوجتی تھی اس قوم کا بابا آذر نام کا ایک شخص تھا جو اسے بت پرستی میں لگائے ہوئے تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اس بابا کی اور اس کے نظریہ کی نفی کی اور سب باطل معبودوں کو توڑ دیا پھر اللہ کے اثبات کی طرف قوم کو لائے۔

(10) اے وہ شخص جو حجرے (تنہائی) میں بیٹھا باتیں بنا رہا ہے + (حجرے سے باہر آ اور اپنے وقت کے) نمرود کے آگے لا کا نعرہ لگا (تو یہ کہہ کہ اے نمرود تو جو خدا بنا ہوا ہے میں اس کی نفی کرتا ہوں تیری خدائی کو آگے بڑھانے والے تیری قوم کے بابا آذر کی نفی کرتا ہوں اور پھر الا کا نقش ثبت کر کے فطرت کے مقاصد کو بروئے کار لا)۔

(11) یہ کچھ تو دیکھتا ہے وہ جو کے برابر قیمت نہیں رکھتا + لا الٰہ کے جلال سے آگاہ ہو مراد یہ ہے کہ

جب تک پہلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کا نعرہ لگا کر کائنات کے باطل خداؤں کو پاش پاش نہیں کیا جائے گا سب کچھ بے کار ہے لا الٰہ میں وہ جلال ہے کہ اسکے آگے ہر غیر اللہ جھک جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے۔

(12) ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں لا (لا الٰہ کوئی معبود نہیں) کی تلوار ہے + وہ ساری موجودات کا فرماں روا ہے (کیونکہ جب وہ ہر شئے کی نفی کر دیتا ہے اور الا اللہ کہہ کر خدا کا اثبات کر دیتا ہے تو ہر چیز نہ صرف یہ کہ اس کے لیے ہیچ ہو جاتی ہے بلکہ اس کی خادم بھی بن جاتی ہے ظاہر ہے جو شخص خدا کا ہو جائے گا ہر شئے اس کی ہو جائے گی کیونکہ ہر شئے خدا کی شے ہے جو شخص خدا کا حکم مانے گا ہر شے اس کا حکم مانے گی کیونکہ ہر شے خدا کے تابع ہے۔

فقر

تعارف: فقر کے کئی لغوی اور اصطلاحی معنی ہیں یہاں یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث الفقرو فخری (فقر میرا فخر ہے) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے تصوف یا درویشی اور ولایت یا طریقت اسی کے دوسرے نام ہیں یہاں فقر سے مراد غریبی عاجزی اور بے کسی نہیں بلکہ اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیازی اور استغنا مراد ہے یہ رہبانیت سے بھی یکسر مختلف ہے فقر دنیا ترک کرنا نہیں سکھاتا دنیا پر حکمران ہو کر اسے اپنے تابع بنانے کا گر بتاتا ہے مزید آگے شعروں میں دیکھئے۔

پہلا بند

چیست فقر اے بندگان آب و گل   یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر کار خویش را سنجیدن است   بر دو حرف لا الٰہ پیچیدن است
فقر خیبر گیر با نان شعیر   بستہ فتراک او سلطان و میر
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست   ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ ست
فقر بر کر و بیاں شبخوں زند   بر نوامیس جہاں شبخوں زند
بر مقام دیگر اندازد ترا   از زجاج الماس می سازد ترا
برگ و ساز او ز قرآن عظیم   مرد درویشے نہ گنجد در گلیم
گرچہ اندر بزم کم گوید سخن   یک دم او گرمی صد انجمن
بے پراں را ذوق پروازے دہد   پشہ را تمکین شہبازے دہد
با سلاطیں در فتد مرد فقیر   از شکوہ بوریا لرزد سریر
از جنوں می افگند ہوئے بہ شہر   وارہاند خلق را از جبر و قہر
می نگیرد جز باں صحرا مقام   کاندرو شاہیں گریزد از حمام
قلب او را قوت از جذب و سلوک   پیش سلطاں نعرۂ او لا ملوک!

آتش ما سوز ناک از خاک او شعلہ ترسد از خس و خاشاک او
برنیفتد ملتے اندر نبرد تا در و باقیست یک درویش مرد
آبروئے ما ز استغنائے اوست سوز ما از شوق بے پروائے اوست
خویشتن را اندر ایں آئینہ بیں تا ترا بخشند سلطان مبیں
حکمت دیں دل نوازی ہائے فقر قوت دیں بے نیازی ہائے فقر

*

(1) اے آب و گل کے (بنے ہوئے) بندو (کیا تمہیں خبر ہے کہ) فقر کیا ہے + (فقر نام ہے) ایک راہ میں نگاہ (اور) ایک زندہ دل کا مراد ہے فقیر کے پاس صحیح علم و عرفان کے ذریعے حق تعالیٰ کو پہچاننے اور اس تک پہنچنے کی بصیرت موجود ہوتی ہے اور اس کا دل انوار الٰہی کی تجلیات کا مرکز ہوتا ہے یہ دل زندگی ہے نہ کہ وہ جو طبیب کہتے ہیں۔

(2) فقر اپنے کام یا عمل کو تولنے کا نام ہے + (فقر) لا الٰہ کے دو حروف کے گرد طواف کرنے کا نام ہے مراد ہے فقیر اپنے ہر سکون ہر حرکت ہر خیال ہر فکر اور ہر عمل کو شریعت اور رضائے الٰہی کے ترازو میں تولتا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ اس کا وزن درست ہے یا نہیں فقیر لا الٰہ الا اللہ کا (کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا) کا صرف زبان و دل سے اقرار ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے فکر و عمل کے ساتھ اس کی کلی مطابقت پیدا کرتا ہے وہ اس کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔

(3) فقر جو کی روٹی کھا کر قلعہ خیبر فتح کرنے والا (ہوتا ہے) + بادشاہ اور امیر اسکی فتراک میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضرت علی جنہوں نے خیبر کا قلعہ فتح کیا تھا فقر نے یہ قوت فاتحانہ پیدا کی تھی ورنہ وہ تو جو کی روٹی کھا کر گزارا کیا کرتے تھے جو جسمانی طاقت کیا پہنچا سکتی ہے جس طرح شکاری کے گھوڑے سے لٹکے ہوئے لوہے کے چھلے (فتراک) میں شکار بندھے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے بادشاہ اور امیر فقیر کے قدموں میں ہوتے ہیں۔

(4) فقر (کیا ہے) ذوق اور شوق اور تسلیم اور (رضا کا نام ہے) + ہم تو امین ہیں یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال ہے مراد یہ ہے کہ فقر عشق الٰہی میں گم ہو جانے کا نام ہے فقر کی نعمت ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے اس امانت کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے ہمیں نہ صرف عشق الٰہی اور شیوہ تسلیم و رضا اختیار کر کے بلکہ نعمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری اور حفاظت کر کے فقر کو قائم اور دائم رکھنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔

(5) فقر فرشتوں پر شبخون مارتا ہے + فقر جہان کے اندر پوشیدہ قوتوں پر شبخون مارتا ہے (فقر عالم ملکوت سے بھی آگے عالم لاہوت میں پہنچ جاتا ہے فرشتوں سے کہیں آگے نکل جاتا ہے فقر زمان و مکان پر حکمران ہو جاتا ہے)۔

(6) (فقر) تجھے کسی اور مقام پر پھینک دیتا ہے + تجھے زجاج (شیشے) سے الماس بنا دیتا ہے (فقر آب و گل کے بنے ہوئے آدمی کو مظہر صفات الٰہی بنا کر نیابت الٰہی کے مقام پر لے جاتا ہے چکنا چور ہو جانے والے شیشے کو جوہر الماس عطا کر دیتا ہے ہیرا بنا دیتا ہے جو شیشے کو کاٹ سکتا ہے کائنات کے تخت پر خلیفۃ الارض بنا کر بٹھا دیتا ہے جملہ مخلوق اس کے تابع ہو جاتی ہے زمان و مکاں پر وہ قابو پا لیتا ہے)۔

(7) اس کا برگ و ساز قرآن عظیم ہے درویش مرد گو دڑی میں نہیں کماتا (مرد فقیر جو کچھ حاصل کرتا ہے یا وہ جو کچھ بنتا ہے اس کا مبلغ قرآن کریم ہے وہ بیٹھا بوریائے فقر پر ہوتا ہے لیکن کائنات اس کے قدموں میں ہوتی ہے۔

(8) اگرچہ وہ یعنی مرد فقیر بزم میں بہت کم بات کرتا ہے یا (بات نہیں کرتا ہے) + لیکن اس کا ایک دم سو انجمنوں کی گرمی ہے (وہ اپنی ایک دم کی صحبت سے فقیر وہ کچھ کر دیتا ہے جو کئی انجمنیں اور ان کے ہنگامے مل کر نہیں کر سکتے)۔

(9) (مرد فقیر) بے پروں کو پرواز کا ذوق عطا کرتا ہے + وہ مچھر کو شاہین کی تمکنت بخشتا ہے (وہ ضعیفوں کو طاقت اور غلاموں کو آقا اور گداؤں کو شہنشاہ کر دیتا ہے)۔

(10) (مرد فقیر) وقت آنے یا ضرورت پڑنے پر) بادشاہوں سے ٹکر لے لیتا ہے + اس کے بوریا کے شکوہ سے تخت لرزتے ہیں۔

(11) (مرد فقیر) اپنے جنوں سے شہر میں ہائے و ہو برپا کر دیتا ہے (سوئے ہوؤں کو جگا دیتا ہے مقصد زندگی حاصل کرنے کے لیے + اور خلق کو خدا کو (وڈیروں امیروں اور زبردستوں کے) جبر اور قہر سے نجات دلا دیتا ہے۔

(12) وہ اس صحرا کے سوا کہیں مقام نہیں بناتا + جہاں شاہین کبوتر سے بھاگتا ہو (وہ کمزوروں میں طاقت اور کبوتروں میں شاہین کا ولولہ جب تک پیدا نہیں کر دیتا اس جگہ قیام نہیں کرتا)۔

(13) اسکے دل کی قوت جذب و سلوک کی وجہ سے ہے + سلاطین کے سامنے اس کا نعرہ لاملوک ہے یعنی کوئی بادشاہ نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے حقیقی بادشاہ صرف وہی ہے یہ بے باکی اور جرأت اس میں عشق الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔

(14) ہمارے اندر جو آگ ہے اس کی حرارت اس کی وجہ سے ہے (اگر فقر نہ ہو تو ہم مٹی کے مجسمے ہیں اور کچھ نہیں ہیں) + اس کے خس و خاشاک سے شعلہ بھی ڈرتا ہے (مرد فقیر لوگوں میں دین کی حرارت پیدا کرتا ہے اور ایسے لوگوں سے بڑے بڑے زبردست بھی ڈرتے ہیں)۔

(15) کوئی ملت (آپس میں) لڑائی جھگڑا یا خانہ جنگی میں نہیں پڑتی + جب تک اس میں ایک مرد درویش بھی باقی ہے (وہ اپنی دینی سوجھ بوجھ اخلاقی اثر و روح صلح کل کے نادر اصول اور روحانی قوتوں کے نفوذ سے ایسا ہونے نہیں دیتا اس کی خیر و برکت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس قسم کے فساد کی نوبت ہی نہیں آتی جس ملت کے لوگ آپس میں دست و گریباں ہیں سمجھیں کہ اس میں کوئی درویش یا فقیر نہیں ہے وہ درویش جس کا معیار فقیری علامہ نے بتایا ہے ورنہ چھوٹے موٹے درویشوں کا ہونا اور بات ہے بات جنگل کے بادشاہ ببر شیر کی ہے ہرنوں ریچھوں چیتوں بھیڑیوں کی نہیں)۔

(16) ہماری آبرو اس کے استغنا کی بدولت ہے + ہمارا سوز اس کے بے پروا شوق کی وجہ سے ہے۔

(17) خود کو اس آئینہ کے اندر دیکھ تاکہ تجھے (کارکنان قضا و قدر) سلطان مبین عطا کریں (قرآن کی ایک آیت میں ہے کہ تم زمین و آسمان کے کناروں سے نہیں نکل سکتے بغیر سلطان کے یہ سلطان جو مبین یعنی روشن اور بغیر دلیل کے ظاہر ہے بڑا حقیقت کے پاس ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اسپ کائنات پر سوار ہوتا ہے تو بھی اس کو فقر سے استوار رابطہ پیدا کر کے حاصل کر)۔

(18) دین کی حکمت (کیا ہے) فقر کی دل نوازیاں ہیں + قوت دین (کیا ہے؟) فقر دین کی بے نیازیاں ہیں (ملت میں حکمت یا دانش جو پاکیزہ ترین اخلاقی نصب العین کی ضامن ہیں اور قوت جو سیاسی اور دوسرے ہر قسم کے غلبہ سے تعلق رکھتی ہے صرف فقر کی وجہ سے کیوں اور کیسے اگر اس کا علم نہیں تو یہ کسی اہل ذکر فقیر سے پوچھیں)۔

دوسرا بند

مومناں را گفت آں سلطان دیں، مسجد من ایں ہمہ روے زمیں
الاماں از گردش نہ آسماں مسجد مومن بدست دیگراں
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش تا بگیرد مسجد مولاے خویش
اے کہ از ترک جہاں گوئی مگو ترک ایں دیرِ کہن تسخیر او
راکبش بودن ازو وارستن است از مقام آب و گل برجستن است
صید مومن ایں جہان آب و گل باز را گوئی کہ صید خود بہل؟
حل نشد ایں معنی مشکل مرا شاہیں از افلاک بگریزد چرا
واے آں شاہیں کہ شاہینی نکرد مرغکے از چنگ او نامد بدرد
درکنا رے ماند زار و سرنگوں پر نہ زد اندر فضاے نیلگوں

*

(1) مومنوں کو اس سلطان دین یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا + یہ ساری زمین میری مسجد ہے۔

(2) نو آسمانوں کی گردش سے (اللہ) امان میں رکھے + مومنوں کی مسجد (آج) دوسروں یعنی کافروں کے قبضہ میں ہے (اگر ہم مومن ہوتے تو غالب ہم ہوتے کافر نہیں روئے زمین پر ہمارے حاکمانہ قدم ہوتے کافروں کے نہیں ایسا نہ ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں مومن نہیں ہیں)۔

(3) پاکیزہ ملک رکھنے والا (اللہ کا) بندہ سخت کوشش (محنت اور جدوجہد) کرتا ہے + تا آنکہ وہ اپنے مولا کی مسجد کو لے لیتا ہے یعنی دوسروں کے قبضے میں نہیں جانے دیتا۔

(4) اے کہ تو جہان کو ترک کرنے (اور جدوجہد سے دور رہنے) کے متعلق بات کر رہا ہے ایسا نہ کہہ + اس پرانے مندر یعنی دنیا کے ترک کرنے کے مقصد (دراصل اس کا) تسخیر کرنا ہے (نہ کہ اس سے بے تعلق ہو کر بے عملی کی زندگی بسر کرنا) تسخیر کائنات کو ترک کائنات اس پہلو سے کہا ہے کہ مومن پہلے کائنات کی تسخیر کرتا ہے پھر اسے اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں اللہ کی رضا اور اللہ کے بندوں کی خدمت کے لیے استعمال کرتا ہے مومن کا ترک دنیا یہ ہے کہ یعنی اپنے مفادات اور اپنی اغراض و خواہشات کو اللہ کی مرضی اور بندوں کی خدمت کے تابع کر دینا نہ کہ دنیا سے بے تعلق ہو کر بیٹھ جانا جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے)۔

(5) (ترک دنیا جو مومن کرتا ہے اسکی وضاحت کرتے ہوئے علامہ خود کہتے ہیں کہ) اس کے یعنی دنیا

(کے گھوڑے پر) سوار ہو جانا یہ ہے اس سے چھٹکارا پانا یا اسکو ترک کرنا نہ کہ راہبوں کی طرح کی دنیا سے بے تعلقی کی زندگی بسر کرنا + (حرمن کی ترک دنیا کا مفہوم اس کا) آب و گل کے مقام سے باہر آنا ہے یعنی اللہ نے اپنے بندے کے اندر جو نائب خدا اور خلیفۃ الارض ہونے کی صلاحیتیں رکھی ہیں ان کو بروئے کار لا کر اپنی مٹی میں وہ نور اور وہ قوت پیدا کرنا ہے کہ جس سے زمان و مکاں کی تسخیر ہو سکے جس سے کائنات پر سوار ہوا جا سکے کائنات کو مسخر کر کے اللہ اور اس کے بندوں کے فائدے کے لیے چھوڑ دینا یہ ہے مومن کی ترک دنیا۔

(6) یہ پانی اور مٹی کا جہان (جہاں سے مومن کا شکار ہے + عجیب بات ہے کہ تو اے راہبانہ ترک دنیا سکھانے والے) باز کو یہ کہہ رہا ہے کہ اپنا شکار چھوڑ دے جہان مومن کا شکار ہے اور وہ خود شکاری ہے کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ خالق کائنات نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے انسان کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان ہوتا ہی وہ ہے جو مومن ہو باقی انسان نما حیوان ہوتے ہیں اور تو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ سب کچھ چھوڑ دو)۔

(7) میرے لئے یہ مشکل (ابھی حل نہیں ہوئی) + کہ شاہین افلاک سے کیوں گریز کرتا ہے یعنی ایک شخص مومن ہو کر کائنات سے فرار کیوں اختیار کرتا ہے اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ جس کو ہم شاہین سمجھتے ہیں وہ کرگسوں (گدھوں) کی خصلتیں اپنا چکا تھا جبھی تو آسمانوں کی کھلی فضاؤں اور پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے گریز اس زمین پر رزق کی تلاش کر رہا ہے۔

(8) افسوس ہے اس شاہین پر کہ جس نے شاہینی نہیں کی + کوئی چھوٹا پرندہ اس کے (شکاری پنجوں میں پھنس کر) چیخا چلایا نہیں)۔

(9) وہ گھونسلے میں زار و زبوں بیٹھا رہا + اور اس نے نیلگوں فضا میں پر نہ مارے (مومن تو اللہ کا شاہین ہوتا ہے اور اس کا کام باطل کے جانوروں کو شکار کرنا ہوتا ہے مومن تو نائب خدا ہوتا ہے اور اس کا کام کائنات پر حکمران ہونا ہوتا ہے لیکن آج اس سے الٹ دیکھنے میں آ رہا ہے نہ مومن میں اللہ کے شاہین ہونے کی صفتیں باقی ہیں اور نہ کائنات پر غالب ہے سبب اس کا صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ وہ مومنانہ صفات سے عاری ہو چکا ہے)۔

تیسرا بند

فقر قرآں احتساب ہست و بود نے رباب و مستی و رقص و سرود
فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات بندہ از تاثیر او مولا صفات
فقر کافر خلوت دشت و دراست فقر مومن لرزۂ بحر و بر است!
زندگی آں را سکون غار و کوہ زندگی ایں را ز مرگ با شکوہ!
آں خدا را جستن از ترک بدن ایں خودی را بر فسان حق زدن
آں خودی را کشتن و وا سوختن ایں خودی را چوں چراغ افروختن
فقر چوں عریاں شود زیر سپہر از نہیب او بلرزد ماہ و مہر
فقر عریاں گرمی بدر و حنین فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ

فقر را تا ذوق عریانی نماند آں جلال اندر مسلمانی نماند

٭

(1) قرآن کا فقر (کیا ہے) قرآن کا فقر ہست و بود کا احتساب ہے (کائنات اور اس میں جو کچھ موجود ہے اس کا حساب رکھنا ہے اس کے اچھے برے کو پرکھنا ہے) + نہ کہ رقص مستی اور راگ رنگ ہے (جیسا کہ آج کل کی خانقاہوں میں دیکھا جاتا ہے)۔

(2) مومن کا فقر کیا ہے (مومن کا فقر) جہان یعنی اطراف کی یا کائنات کی تسخیر کا (نام ہے) + بندہ اس کی تاثیر سے مولا صفات بن جاتا ہے یعنی فقر مومن سے اللہ کے بندے میں اللہ کی صفات جلوہ گر ہو جاتی ہیں اور جس میں اللہ کی صفات کی جلوہ گری ہو جائے اس کے لئے کائنات کو مطیع کر لینا کونسی مشکل بات ہے۔

(3) کافر کا فقر بیابان اور گھر کی تنہائی ہے (دنیا اور اس کی ضروریات اور اس کی ذمہ داریوں سے الگ ہو کر گھر یا باہر کہیں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر آسودہ اور آرام طلب زندگی گزارنے کا نام ہے) + (لیکن) مومن کا فقر بحر و بر پر لرزہ طاری کرتا ہے۔

(4) زندگی اس کے لئے یعنی کافر کے لیے غار اور پہاڑ کا سکون ہے (دنیا سے الگ تھلگ ہو کر کسی پہاڑ یا اس کی غار میں جا بیٹھتا ہے) زندگی اس کے لئے یعنی مومن کے لیے مرگ باشکوہ ہے (اور مرگ باشکوہ وہ ہوتی ہے جو اللہ کے راستے میں زندگی صرف کرتے ہوئے پیش آئے دنیا میں حق کو پھیلانے اور باطل کو دبانے کے مسلسل عمل کے نتیجے میں ہاتھ آئے چاہے وہ موت طبعی ہو چاہے میدان جنگ میں شہید ہو کر آئے یہی موت شاندار موت ہے باقی اقسام کی اموات تو کیڑے مکوڑوں اور حیوانوں کو بھی پیش آتی ہیں ترک دنیا کر کے اور اللہ کے بندوں سے دور رہ کر زندگی گزارنا بذات خود موت ہے اور اس کے نتیجے میں انسان پر جو موت وارد ہوتی ہے وہ ذلیل موت ہوتی ہے)۔

(5) وہ یعنی کافر کا فقر خدا کو بدن (کی ضروریات) ترک کر کے ڈھونڈتا ہے + اور یہ یعنی مومن کا فقر اپنی خودی کو حق کی سان پر لگاتا ہے یعنی مومن بدن کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے جب اس کے اندر خودی پیدا کرتا ہے صرف پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ حق کے منشا کے مطابق اسے بروئے کار لاتا ہے تو یہ اس کا فقر ہے۔

(6) وہ یعنی کافر کا فقر خودی کو مار دیتا اور جلا دیتا ہے + اور یہ یعنی مومن کا فقر اپنی خودی کو چراغ کی طرح روشن کرتا ہے۔

(7) فقر جب آسمان کے نیچے عریاں ہو جاتا ہے یعنی جب وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے میدان عمل میں اتر آتا ہے + تو اس کی ہیبت سے چاند اور سورج لرز اٹھتے ہیں (کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ فقر میں وہ طاقت ہے کہ وہ ہم پر بھی کمند پھینک سکتا ہے)۔

(8) فقر عریاں (کی مثال میدان جنگ میں خنجروں کی چھاؤں میں) حضرت حسین کی اذان (اور ادیگی نماز) ہے (جنگ بدر اور جنگ حنین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے)۔

(9) جب سے فقر میں عریانی کا ذوق نہیں رہا (مرد فقیر خانقاہ نشین تو ہو گیا مگر اس نے رسم شبیری ادا کرنے سے گریز کیا) تو مسلمان کے اندر وہ جلال باقی نہ رہا (جو کبھی اس میں تھا اس میں وہ سطوت باقی نہ

رہی جس کے آگے۔ بحر و بر لرزتے تھے ماہ و مہر کانپتے تھے)۔

چوتھا بند

وائے ما اے وائے ایں دیر کہن   تیغ لا در کف نہ تو داری نہ من
دل ز غیر اللہ بہ پرداز اے جواں   ایں جہان کہنہ در باز اے جواں۔
تا کجا بے غیرت دیں زیستن   اے مسلماں مردن است ایں زیستن
مرد حق باز آفریند خویش را   جز بہ نور حق نہ بیند خویش را
بر عیار مصطفیٰؐ خود را زند   تا جہانے دیگرے پیدا کند

*

(1) افسوس ہے ہم پر اور افسوس ہے اس پرانے مندر یعنی جہان پر + (جس میں آج) لا الہ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کی تلوار نہ تو رکھتا ہے اور نہ میں رکھتا ہوں (جس کے نتیجے میں ہر جگہ غیر اللہ سر اٹھائے ہوئے ہے حالانکہ مومن ہونے کی حیثیت سے لا الہ پر یقین رکھنے کے ناتے سے ہمیں ان کا سر قلم کر دینا چاہیے تھا)۔

(2) اے (مسلمان) جوان دل کو غیر اللہ سے خالی کر + اس پرانے جہان کو بازی پر لگا دے یا ہار دے مراد ہے اس غیر اللہ کی زندگی کو ترک کر کے اللہ والی زندگی اختیار کر۔

(3) کب تک دین کی غیرت کے بغیر جینا (تو گوارا کرے گا) + اے مسلمان یہ (بے غیرتی کی) زندگی تو موت ہے۔

(4) حق کا بندہ خود کو دوبارہ پیدا کرتا ہے (یعنی وہ اپنی ناپسندیدہ زندگی کو عزم و عمل سے ایک نئی پسندیدہ زندگی میں تبدیل کر دیتا ہے) وہ خود کو نور حق کے سوا نہیں دیکھتا مراد ہے کہ وہ زندگی کے ہر سکون ثبات کو ایمان کی روشنی سے دیکھتا ہے وہ اپنے ہر عمل کو ایمان کے نور کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔

(5) وہ خود کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی اور اسوہ حسنہ) کی کسوٹی پر لگاتا ہے (جو اس پر پورا اترتا ہو اسے برقرار رکھتا ہے اور جو پورا نہ اترتا ہو اسے چھوڑ دیتا ہے) + تاکہ ایک نیا جہان پیدا کرے) (یہ دوبارہ جنم لیتا ہے پہلے غیر مصطفائی جہان کو چھوڑ کر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہان میں داخل ہو جاتا ہے ہر اعتبار سے)۔

پانچواں بند

آہ زاں قومے کہ از پا بر فتاد   میر و سلطاں زاد و درویشے نزاد
داستان او مپرس از من کہ من   چوں بگویم آنچہ ناید در سخن
در گلویم گریہ ہا گردد گرہ   ایں قیامت اندرون سینہ بہ
مسلم ایں کشور از خود نا امید   عمر ہا شد با خدا مردے ندید

32

لا جرم از قوت دیں بدظن است — کاروان خویش را خود رہزن است
از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں — زندہ بے سوز و سرور اندروں
پست فکر و دوں نہاد و کور ذوق — مکتب و ملاے او محروم شوق
زشتی اندیشہ او را خوار کرد — افتراق او را زخود بیزار کرد
تاند انداز مقام و منزلش — مرد ذوق انقلاب اندر دلش
طبع او بے صحبت مرد خبیر — خستہ و افسردہ و حق نا پذیر
بندۂ رد کردۂ مولاست او — مفلس و قلاش و بے پرواست او
نے بکف مالے کہ سلطانے برد — نے بدل نورے کہ شیطانے برد
شیخ او لرد فرنگی را مرید — گرچہ گوید از مقام بایزید
گفت دیں را رونق از محکوی است — زندگانی از خودی محروی است
دولت اغیار را رحمت شمرد — رقص ہا گرد کلیسا کرد و مرد

✱

(1) افسوس ہے اس (مسلمان) قوم پر کہ جو (عروج سے) گر گئی + اس نے امیر اور بادشاہ تو پیدا کیے لیکن درویش (فقیر) پیدا نہ کیا (جو ان میں ذوق یقین پیدا کرتا ہو ان میں عشق الٰہی پیدا کرتا اور اس طرح دوبارہ عروج حاصل کرنے کی ان کے اندر آرزو اور تکمیل آرزو کے لئے عمل کی تڑپ پیدا کرتا)۔

(2) (اس کے زوال) کی کہانی مجھ سے نہ پوچھ کہ میں + کیسے بیان کروں وہ جو کہ بیان میں نہیں آسکتا۔

(3) (اس کہانی کو بیان کرتے ہوئے) میرے گلے میں میرے رونے (کے انداز) کی گرہ بندھ جاتی ہے (رونے کا یہ انداز زبان تک میرے دل کی بات نہیں آنے دیتا) + یہ قیامت سینے کے اندر ہی بہتر ہے (نہ میں بیان کرسکوں نہ کوئی سن سکے)۔

(4) اس ولایت یعنی برصغیر پاک و ہند کا مسلمان اپنے آپ سے ناامید ہے + مدت ہوئی اس نے کوئی با خدا مرد نہیں دیکھا (جو ان میں پھر سے عروج حاصل کرنے کا یا دین و ایمان کا وہ یقین پیدا کرے جو مومن کی شان کے مطابق ہو)۔

(5) (اس لئے) لازمی طور پر وہ دین کی قوت سے بدظن ہے + وہ اپنے کارواں کا آپ رہزن ہے۔

(6) تین صدیوں سے یہ خوار و زبوں امت (ہندی مسلمان) + (یہ امت) اندر کے سوز اور سرور کے بغیر زندہ ہے (بے کیف زندگی بسر کر رہی ہے)۔

(7) وہ پست فکر کمینہ فطرت اور کور ذوق ہے + اس کا مدرسہ اور ملا شوق سے محروم ہے (مدرسوں میں تن پروری کے طریقے تو سکھائے جاتے ہیں من کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے)۔

(8) اس کی سوچ کی برائی نے اسے خوار کیا + اس کے افتراق (آپس کے لڑائی جھگڑوں اور نفاق) نے اسے خود سے بیزار کردیا۔

(9) چونکہ وہ اپنے مقام اور منزل کو نہیں جانتی + (اس لئے) اس کے دل میں انقلاب کا ذوق مر گیا۔

(10) اس کی طبیعت اللہ اور اس کی راہ سے) مسلسل خبر رکھنے والے شخص (مرد فقیر) کی صحبت کے بغیر ہے (اس لیے) وہ یعنی اس امت کے بندے کی طبیعت خستہ افسردہ اور حق نہ قبول کرنے والی (بن چکی

ہے)۔

(11) وہ یعنی اس امت کا بندہ اپنے مولا کا رو کیا ہوا ہے (اس کا خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دین سے سرد مہری اور دنیا سے گرم جوشی کی وجہ سے اس سے منہ پھیر چکا ہے) وہ قلاش مفلس (اور اپنی ترقی سے بے پروا ہے۔

(12) اس کے ہاتھ میں نا مال ہے کہ جسے کوئی بادشاہ لے جائے + نہ اس کے دل میں کوئی نور ہے کہ جسے شیطان لے اڑے (نہ اس کے پاس دنیا ہے اور نہ دین وہ نہ پیٹ بھرے ہوئے ہے اور نہ دل میں نور رکھتا ہے دین و دنیا دونوں لحاظ سے مفلس اور قلاش ہے)۔

(13) اس (امت کا یا اس امت کے لوگوں کا) شیخ فرنگی لارڈوں (امیروں/حاکموں) کا مرید ہے + اگرچہ وہ باتیں بایزید (جیسے باکمال فقیر) کی کرتا ہے (لیکن اس کے اپنے اندر فقیری کی رمق تک نہیں دوسروں کو مرید کرنے والا پیر انگریز حاکموں کی چوکھٹ پر سر بجود ہے وہ اپنے مریدوں کو خدا رسائی کی بجائے دنیا رسائی کے گر بتا رہا ہے)۔

(14) وہ (شیخ) کہتا ہے کہ دین کی رونق محکومی میں ہے (انگریز کی غلامی میں ہے یاد رہے اس وقت ہندوستان پر انگریز حکمران تھے) + زندگی خودی سے محروم ہونے کا (نام ہے) مراد ہے وہ اپنے مریدوں کو دین شناس اور حرمت شناس کرنے کی بجائے ان کے لیے ان کی بے دینی اور ذلت کے اسباب پیدا کر رہا ہے۔

(15) اس (شیخ) نے غیروں کی دولت کو رحمت سمجھا (یہ دولت چاہے اسے انگریز حاکموں سے ملے اور چاہے مریدوں کا خون چوس کر حاصل ہو) + اس نے گرجا یعنی انگریز حاکموں کے گرد رقص یا طواف کیا (اور اس طرح کی ذلیل زندگی گزار کر) مر گیا۔

چھٹا بند

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد	می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!
عصر ما ما را ز ما بیگانہ کرد	از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد
سوز او تا از میان سینہ رفت	جوہر آئینہ . از آئینہ رفت
باطن ایں عصر را نشناختی	داو اول خویش را در باختی
تا دماغ تو بہ چپاکش فتاد	آرزوے زندۂ در دل نزاد
احتساب خویش کن از خود مرو	یک دو دم از غیر خود بیگانہ شو
تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس	اندر ایں کشور مقام خود شناس
ایں چمن دارد بسے شاخ بلند	بر نگوں شاخ آ نشیمان خودمبند
نغمہ داری در گلو اے بے خبر	جنس خود بشناس و بازاغاں مپر
خویشتن را تیزیٔ شمشیر دہ	باز خود را در کف تقدیر دہ
اندرون تست سیل بے پناہ	پیش! او کوہ گراں مانند کاہ

سیل را تمکیں ز نا آسودن است   یک نفس آسودنش نابودن است
من نہ ملا، نے فقیہہ نکتہ ور   نے مرا از فقر و درویشی خبر
در رہ دیں تیز بین و ست گام   پختہ من خام و کارم ناتمام
تا دل بے اضطرابم دادہ اند   یک گرہ از صد گرہ بکشادہ اند
از تب و تابم نصیب خود بگیر   بعد ازیں ناید چو من مرد فقیر

*

(1) اے ذوق و شوق اور سوز و درد سے خالی (عہد حاضر کے مسلمان) + کیا تو جانتا ہے کہ ہمارے زمانے نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔

(2) ہمارے زمانے نے ہمیں اپنے آپ سے بے گانہ کر دیا + اس نے جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے گانا کر دیا (مسلمان جو کل تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقصود و محبوب سمجھتا تھا آج ان کو چھوڑ کر اوروں کی محبوبیت کے گن گا رہا ہے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسروں کے افکار کا تابع بن چکا ہے)۔

(3) چونکہ اس کا سوز اس کے سینے سے رخصت ہو گیا (اس میں وہ عشق نہ رہا جو کبھی اسے جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا) + (اس لئے) اس کے آئینہ سے اس کا جوہر (عکس کی صلاحیت) نکل گیا اسکے دل کا آئینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس جمال سے اب محروم ہے)۔

(4) تو نے اس عصر (کے ظاہر کو دیکھا ہے) اس کے باطن کو تو نے نہیں پہچانا + تو نے اپنے آپ کو پہلے داؤ میں ہار دیا۔

(5) چونکہ تیرا دماغ اس کے یعنی زمانہ حاضر کی لپیٹ میں آگیا + (اس لئے) ایک زندہ آرزو بھی تیرے دل میں پیدا نہ ہوئی (مراد ہے تو عہد حاضر کی تہذیبی و ثقافتی چمک دمک سے اس طرح چندھیا گیا ہے کہ تجھے اپنے دل کی طرف آنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا)۔

(6) (اے غافل اے بے خبر عہد حاضر کے مسلمان) اپنا احتساب کر (اور) خود سے مت گزر (اپنی پہچان کر کہ تو کس امت کا فرد ہے) + ایک دو دم کے لیے اپنے غیر سے بے گانا ہو جا (شاید تجھے تیرا بھولا ہوا مقام یاد آجائے)۔

(7) کب تک یہ خوف ہراس اور وسواس (تجھ میں رہے گا) + (اے بے خبر اس دنیا میں اپنا مقام پہچان (تو زمانے کے آئینے کا جوہر ہے تیرے پاس تو خدا کا آخری پیغام ہے)۔

(8) یہ (دنیا کا) چمن بہت سی بلند شاخیں (بھی) رکھتا ہے + جھکی ہوئی یا نیچی شاخوں پر اپنا آشیانہ نہ بنا (پست مقاصد کو چھوڑ اعلیٰ مقاصد اپنا غیروں کو چھوڑ اپنا بن)۔

(9) اے بے خبر تو گلے میں نغمہ رکھتا ہے (تیری اپنی انفرادیت ہے تو خود کو غیروں پر قیاس نہ کر جس طرح ہر پرندہ اس کی بولی سے شناخت کیا جاتا ہے اس کی آواز ہمیں جتاتی ہے کہ یہ فلاں پرندہ ہے اس طرح تیری بھی اپنی الگ دینی اور قومی شناخت ہے خود کو پہچان اور دیکھ کہ تو تو شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہین ہے) + اپنی جنس کو (اے شاہین) پہچان اور کوؤں کے ساتھ نہ اڑ۔

(10) (پہلے) خود کو تلوار کی تیزی دے + پھر خود کو تقدیر کے ہاتھ میں دے یعنی تقدیر پر تکیہ اس وقت کر جب تو وہ سب کچھ کر چکے جو تیری ہمت میں ہے بغیر کچھ کئے تقدیر پر خود کو چھوڑ دینا بے وقوفی ہے اپنی

ایک ٹانگ اٹھا دیکھ اٹھ گئی اب دوسری اٹھا یہ نہیں اٹھے گی بس اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے جو کچھ تجھ سے بن پڑتا ہے وہ کر انجام اللہ پر چھوڑ یہ ہے تقدیر)۔

(11) تیرے اندر بے پناہ سیلاب ہے + اس کے سامنے بھاری پہاڑ تنکے کی مانند ہے۔

(12) سیلاب کی شان و شکوہ آرام نہ کرنے میں ہے (مسلسل بہاؤ میں ہے) اس کا ایک دم کے لیے آرام کرنا اس کا ختم ہونا ہے (زندگی عمل پیہم اور جدوجہد مسلسل کا نام ہے)۔

(13) میں نہ تو ملا اور نہ باریک باتیں بتانے والا فقیہہ (ہوں) + نہ مجھے فقر اور درویشی کی خبر ہے۔

(14) میں دین کے راستے میں تیز بین (ضرور ہوں) لیکن سست گام (ہوں) + میرا پختہ خام اور میرا کام ناقص ہے۔

(15) چونکہ (مجھے قضا و قدر کے کارکنوں نے) پر اضطراب دل دیا ہے + (اس طرح) انہوں نے میری سینکڑوں گرہوں سے ایک گرہ کھول دی ہے یعنی مجھ میں اضطراب عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر دیا ہے جو ہر مشکل کا دل اور ہر گرہ کی کشاد ہے۔

(16) (اے مسلمان عہد حاضر) میری اس تب و تاب سے جو میرے اندر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے) اپنا نصیب حاصل کر لے + (کیونکہ) اس کے بعد مجھ جیسا مرد فقیر کوئی نہیں آئے گا۔

مرد حر

آزاد مرد

مرد حر محکم ز ورد لا تخف   ما بمیداں سر بجیب او سر بکف
مرد حر از لا الہ روشن ضمیر   می نہ گردد بندۂ سلطان و میر
مرد حر چوں اشتراں بارے برد   مرد حر بارے برد خارے خورد
پاے خود را آنچناں محکم نہد   نبض رہ از سوز او بر می جہد
جان او پایندہ تر گردد ز موت   بانگ تکبیرش بروں از حرف و صوت
ہر کہ سنگ راہ را داند ز جاج   گیرد آں درویش از سلطاں خراج
گرمی طبع تو از صہباے اوست   جوے تو پروردۂ دریاے اوست
پادشاہاں در قباہاے حریر   زرد رو از سہم آں عریاں فقیر
سر دیں ما را خبر، او را نظر   او درون خانہ، ما بیرون در
ما کلیسا دوست! ما مسجد فروش!   او ز دست مصطفیٰ پیمانہ نوش
نے مغاں را بندہ، نے ساغر بدست   ما تہی پیمانہ، او مست الست
چہرۂ گل از نم او احمر است   ز آتش ما دود او روشن تر است!
وارد اندر سینہ تکبیر امم   در جبین اوست تقدیر امم

قبلہ ما گہ کلیسا، گاہ دیر — او نخواہد رزق خویش از دست غیر
ما ہمہ عبد فرنگ او عبدہ، — او نہ گنجد در جہان رنگ و بو
صبح و شام ما بہ فکر ساز و برگ — آخر ما چیست؟ تلخیہاے مرگ!
در جہان بے ثبات او را ثبات — مرگ او را از مقامات حیات!
اہل دل از صحبت ما مضمحل — گل ز فیض صحبتش داراے دل
کار ما وابستہ تخمین و ظن — او ہمہ کردار و کم گوید سخن
ما گدایاں کوچہ گرد و فاقہ مست — فقر او از لا الہ تیغے بدست
ما بہ کاہے اسیر گرد باد — ضربتش از کوہ گراں جوے کشاد
محرم او شو، ز ما بیگانہ شو — خانہ ویراں باش و صاحب خانہ شو
شکوہ کم کن از سپہر گرد گرد — زندہ شو از صحبت آں زندہ مرد
صحبت از علم کتابی خوشتر است — صحبت مردان حر آدم گر است
مرد حر دریاے ژرف و بیکراں — آب گیر از بحر و نے از ناوداں
سینہ ایں مردی جوشد چو دیگ — پیش او کوہ گراں یک تودہ ریگ!
روز صلح آں برگ و ساز انجمن — ہم چو باد فرو دیں اندر چمن
روز کیں آں محرم تقدیر خویش — گور خود می کندد از شمشیر خویش
اے سرت گردم گریز از ما چو تیر — دامن او گیر و بے تابانہ گیر
می نہ روید تخم دل از آب و گل — بے نگاہے از خداوندان دل
اندر ایں عالم نیرزی با خسے — تا نیاویزی بدامان کسے!

*

(1) مرد حر (آزاد مرد) لا تخف کے ورد سے مضبوط (ہوتا ہے) + ہم میدان میں سر بجیب (سر کو بچانے والے) اور وہ سر کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے یعنی سر قربان کرنے والا (ہوتا ہے) پہلے مصرع میں لا تخف قرآن کی ایک آیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اللہ کی راہ میں کسی قسم کا بھی خوف نہ رکھنے اور نہ کھانے کی تلقین کرتا ہے بندہ حر کو جب دوست کی خاطر جان قربان کرنے سے دریغ نہیں تو اسے اور کیا ڈر ہو سکتا ہے کیونکہ جان دینا سب سے زیادہ مشکل ہے)۔

(2) مرد حر لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کے یقین و عقیدہ کی بدولت) روشن ضمیر ہوتا ہے (وہ اللہ کے سوا ہر شئے کی نفی کر چکا ہوتا ہے) + (اس لئے) وہ بادشاہ یا امیر کا غلام نہیں بنتا (صرف اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام رہتا ہے)۔

(3) مرد حر اونٹوں کی طرح بوجھ لے جاتا ہے + مرد حر بوجھ لے جاتا ہے اور کانٹے کھاتا ہے مراد ہے مرد حر دنیا میں ضرورت کی حد تک دل لگاتا ہے وہ دین کے کاموں میں مصروف رہتا ہے جو کی روٹی کھا کر خیبر شکن ہوتا ہے اونٹ کی طرح مشکل سے مشکل حالت میں بھی سرگرم عمل رہتا ہے۔

(4) وہ (اونٹوں کی طرح) اپنے پاؤں کو (زندگی یا خدا کی راہ میں) اس طرح مضبوطی سے رکھتا ہے + کہ راستے کی نبض اس کے سوز سے پھڑکنے لگتی ہے یعنی راستہ بھی اس کے سوز کی تاثیر سے فیض یاب ہوتا

رہتا ہے وہ جس راہ سے گزر جاتا ہے حریت کی خوشبو پھیلاتا جاتا ہے لوگوں کو حریت آشنا کرتا جاتا ہے۔

(5) موت سے اس کی جان زیادہ پائندہ (ہمیشہ رہنے والی) بن جاتی ہے (کیونکہ جب وہ راہ حق میں شہید ہو جاتا ہے تو خدا کے فیصلہ کے مطابق وہ زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے اگرچہ ہم اس زندگی کا شعور نہیں رکھتے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ طبعی موت مرنے والے لوگوں کے مقابلے میں زندہ و پائندہ ہوتا ہے) + اس کی تکبیر حروف اور آواز کے بغیر ہوتی ہے) مراد ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں ذبح ہونے کے لیے ظاہری تکبیر کہہ کر گلے پر دشمن کی چھری نہیں پھراتا بلکہ وہ تو سرتاپا تکبیر ہوتا ہے اللہ کی بڑائی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے شہید ہوتا ہے۔

B*(6) وہ جو کہ راستے کے پتھر کو شیشہ سمجھتا ہے (مشکلات کو آسان گردانتا ہے) + وہ درویش بادشاہوں سے خراج وصول کرتا ہے (اس کی عالی ہمتی کے آگے بڑی بڑی طاقتیں جھک جاتی ہیں)۔

(7) تیری طبیعت کی گرمی اس کی شراب سے ہے + تیری ندی اس کے دریا کی پروردہ ہے۔

(8) بادشاہ اپنے ریشمی لباس یا قبا میں + اس عریاں فقیر کے کے سامنے (خوف کے مارے) زرد رو ہوتے ہیں سہمے ہوئے ہوتے ہیں)۔

(9) دین کا بھید ہمارے لیے خبر اور اس کے لیے نظر ہے یعنی ہم کتابیں پڑھ کر دین حاصل کرتے ہیں وہ نظر سے سب کچھ حاصل کر لیتا ہے اور نظر سے ہی دوسروں کو منتقل کر دیتا ہے + وہ گھر کے اندر اور ہم گھر کے باہر ہیں یعنی وہ مشاہدہ حق میں ہوتا ہے اور ہم اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں مشاہدہ حق کے لیے اور دین کی روح سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے کسی درویش کی نظر اور صحبت ضروری ہے۔

(10) ہم کلیسا دوست (مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ اور غیر مسلموں کے شعار کو اپنانے والے) ہیں اور مسجد میں بیچنے والے (دین کو بیچنے والے ہیں + وہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پیالے پینے والا ہے مراد ہے وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شراب پینے والا اور ان سے راست فیض یاب ہونے والا ہے۔

(11) نہ وہ پیر مغاں کا بندہ ہے اور نہ اس کے ہاتھ میں پیالہ ہے + ہم خالی پیمانہ ہوتے ہیں یعنی ہمارے ہاتھوں میں پیالے تو ہوتے ہیں لیکن ان میں شراب نہیں ہوتی ہمارے برعکس وہ (بغیر شراب پئیے) مست الست ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کے عشق کی اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی شراب پی کر دائمی مست ہوتا ہے اس کے لیے ظاہری پیالوں کی ضرورت نہیں ہوتی یہ کام فیضان نگاہ ساقی سے ہو جاتا ہے۔

(12) گلاب کے پھول کا چہرہ اس کی نم سے سرخ ہے مراد ہے کائنات کی رونق اس سے ہے لوگوں کے اندر نور حق کی چمک دمک اس سے ہے + اس کا دھواں ہماری آگ سے زیادہ روشن ہے یعنی اس کی معمولی سے معمولی بات بھی ہماری افضل سے افضل بات پر بھاری ہے۔

(13) وہ اپنے سینے کے اندر امتوں کی تکبیر رکھتا ہے (اس کے اللہ اکبر کہنے سے گری ہوئی امتیں کھڑی ہو جاتی ہیں مردوں میں زندگی آ جاتی ہے) + وہ جبین میں امتوں کی تقدیر رکھتا ہے (اس کی نگاہ اس کی صحبت اور اس کے فیضان سے امتوں کی تقدیر سنور جاتی ہے)۔

(14) ہمارا قبلہ کبھی کلیسا (گرجا) اور کبھی دیر (مندر) ہوتا ہے یعنی ہم اپنے پیٹ کی خاطر نہ جانے

کس غیر اللہ کے آگے جھکتے ہیں + لیکن وہ دوسروں سے رزق نہیں چاہتا (وہ اللہ کو روزی رساں سمجھتا ہے اور اللہ اسے رزق پہنچاتا ہے جو دوسروں کو میسر نہیں ہوتا)۔

(15) ہم سب فرنگیوں کے عبد (غلام ہوتے ہیں (اور) وہ اس کا یعنی اللہ کا بندہ (غلام) ہوتا ہے + وہ جہان رنگ و بو میں نہیں سماتا (دنیا اور اس کی آلائشوں اور دنیاداری کی باتوں سے الگ تھلگ رہتا ہے وہ دنیا کو اپنے تابع فرمان رکھتا ہے نہ کہ اسے خود پر حکمران بنالیتا ہے)۔

(16) ہماری صبح و شام (زندگی کے لیے) ساز سامان اکٹھا کرنے کی فکر میں (گزر جاتی ہے) + ہمارا آخر کیا ہے موت کی تلخیاں یعنی ہم ساری عمر آخرت سے بے خبر دنیا اکٹھی کرنے میں لگے رہتے ہیں تا آنکہ موت ہمیں گھیر لیتی ہے اور سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے)۔

(17) (اس کے برعکس مرد حر یا مرد فقیر کی سنئے) اس سے اس فانی جہان میں بقا حاصل ہوتی ہے (وہ مر کر بھی نہیں مرتا) + اس کی موت زندگی کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

(18) اہل دل ہماری یعنی ہم دنیا داروں کی صحبت سے افسردہ ہوتے ہیں + لیکن اس کی یعنی مرد حر کی صحبت سے گلاب کا پھول دل رکھنے والا بن جاتا ہے یعنی جو لوگ جو دل سے نا آشنا ہیں دل والے بن جاتے ہیں یہاں دل سے مراد گوشت کا لوتھڑا نہیں بلکہ وہ دل مراد ہے جس میں صفات خداوندی کی تجلیات ہوتی ہیں۔

(19) ہمارا کام (حقیقت اور باطن کے معاملے میں) قیاس اور اندازہ کرنا ہے + وہ سراپا عمل ہوتا ہے اور بات نہیں کرتا یعنی وہ عملاً مشاہدہ حق میں ہوتا ہے اس لئے منزل یقین پر سرفراز ہوتا ہے۔

(20) ہم کوچہ گرد اور فاقہ مست گدا ہیں یعنی ہمارے دامن میں غربت اور دوسروں کی محتاجی کے سوا کچھ نہیں + اس کے برعکس مرد فقیر کا فقر لا الہ کی تیغ ہاتھ میں رکھتا ہے یعنی وہ اللہ کے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہے وہ صرف خدا کا محتاج ہے اس لئے کہ خدا اس کی جملہ احتیاجات اپنی جناب سے پوری کرتا ہے۔

(21) ہم وہ پر کاہ (تنکا) ہیں جو گرد باد میں ہو (ہوا جہاں چاہے ہمیں لے جاتی ہے ہم دنیا کے طوفان کے آگے بے بس ہیں) + (جبکہ) اس کی نفس مرد فقیر کی ضرب نے کوہ گراں سے نہر نکال دی مراد ہے مرد فقیر لوگوں کے لئے مشکل سے مشکل کام کو بھی حل کر دیتا ہے یا یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں آنے والی مشکل سے مشکل اور بڑی سے بڑی رکاوٹ کو دور کر دیتا ہے۔

(22) (اے مسلمان) اس مرد فقیر کا محرم بن (اور) ہم سے دور رہ + خانہ برباد رہ اور صاحب خانہ بن جا مراد ہے کہ اصل گھر وہ ہے جو اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا کر بنایا جاتا ہے دنیا کا گھر تو یہیں رہ جانے والا ہے اصل گھر آخرت کا گھر ہے۔

(23) گردش کرنے والے آسمان کا شکوہ نہ کر + (اور) اس زندہ مرد (فقیر) کی صحبت سے زندہ ہو جا (وہ زندگی پا جا جو مقصود تخلیق آدم ہے)۔

(24) علم کتابی سے صحبت (فقیر) زیادہ اچھی ہے + حر مردوں کی صحبت آدم گر (آدمی کی آدمیت کی تعمیر کرنے والی ہوتی ہے۔

(25) مرد حر ایک گہرا اور بے کنارہ دریا ہے + سمندر سے پانی لے نہ کہ پرنالے سے۔

(26) اس مرد (فقیر) کا سینہ (عشق الٰہی کی وجہ سے) دیگ کی طرح جوش مارتا ہے + اس کے سامنے

اس کے سامنے بھاری پہاڑ ریت کا تودہ (ہوتا ہے)۔

(27) صلح کے زمانے میں وہ انجمن کا ساز و سامان (رونق) ہوتا ہے + (اس زمانے میں) وہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح چمن میں بہار کی ہوا (ہوتی ہے)۔

(28) جنگ کے زمانے میں وہ اپنی تقدیر کا محرم ہوتا ہے (اسے پتہ ہوتا ہے کہ مجھے حق کے لیے جان قربان کرنا ہے باطل کے مقابلے میں بچ گئے تو غازی اور زندہ رہے تو شہید) + وہ اپنی تلوار سے اپنی قبر خود کھودتا ہے یعنی ہر وقت راہ حق میں بخوشی شہید ہونے کے لیے تیار رہتا ہے اور اس مقصد حصول کے لیے تلوار چلاتا ہے دشمن سے جنگ کرتا ہے۔

(29) اے میرے مخاطب) میں تیرے قربان جاؤں مجھ سے تیر کی طرح بھاگ + (اور) اس (فقیر) کا دامن پکڑ لے اور بڑی بے تابی سے پکڑلے (اس میں سوچ سمجھ کو دخل نہ دے میری بات پر یقین رکھ اور کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرلے)۔

(30) آب و گل میں سے دل کا بیج نہیں پھوٹتا + دل والوں کی نگاہ کے بغیر (تو اپنے دل کو دل نہ سمجھ یہ تو گوشت کا لوتھڑا ہے کسی اہل دل سے پوچھ کہ دل کیا ہے پھر یہ دل اس کے فیض نگاہ سے اپنے اندر پیدا کر)۔

(31) تو اس دنیا میں ایک تنکے کے برابر قیمت نہیں پائے گا + جب تک تو کسی کے دامن سے وابستہ نہیں ہوگا (وہ دامن صرف مرد فقیر یا مرد حر کا ہے اس کی تلاش کر اور اس کا ہو جا)۔

در اسرار شریعت

شریعت کے بھیدوں میں

پہلا بند

نکتہ ہا از پیر روم آموختم ‌ ‌ خویش را در حرف او وا سوختم

مال را گر بہر دیں باشی حمول ‌ ‌ نعم مال صالح گوید رسول"

(رومی)

گر نداری اندر ایں حکمت نظر ‌ ‌ تو غلام و خواجہ تو سیم و زر

از تہی دستاں کشاد استاں ‌ ‌ از چنیں منعم فساد امتاں

جدت اندر چشم او خوار است و بس ‌ ‌ کہنگی را او خریدار است و بس

در نگاہش نا صواب آمد صواب ‌ ‌ ترسد از ہنگامہ ہائے انقلاب

خواجہ نان بندۂ مزدور خورد ‌ ‌ آبروے دختر مزدور برد

در حضورش بندہ می نالد چو نے ‌ ‌ بر لب او نالہ ہائے پے بہ پے

نے بجاوش بادہ و نے در سبوست ‌ ‌ کاخہا تعمیر کرد و خود بکوست

اے خوش آں منعم کہ چوں درویش زیست در چنیں عصرے خدا اندیش زیست

*

(1) میں نے پیر روم (مولانہ جلال الدین رومی) سے بہت سی باریک باتیں سیکھیں + میں نے خود کو اس کی باتوں (کی آگ) میں بھسم کردیا (مکمل طور پر استفادہ کیا)۔

(2) (ان کی یہ بات دیکھئے وہ ایک حدیث کے حوالے سے کہتے ہیں کہ) اگر مال کو تو دین کی خاطر جمع کرے گا یا اس کا بوجھ اٹھائے گا + تو اس کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خدا کے رسول ہیں مال صالح کی نعمت کہا ہے یا مال صالح کو نعمت کہا ہے (اس میں مال کو جائز طور پر اکٹھا کرنے یا رزق حلال جمع کرنے کی بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے مال کو ناجائز طور پر اکٹھا کرنا چاہے اعلیٰ دینی مقاصد کے لئے کیوں نہ ہو غلط ہے)۔

(3) اگر تو اس (حدیث) کی حکمت میں نظر نہیں رکھتا + تو پھر تو غلام ہے اور سونا اور چاندی تیرا آقا ہے (مال و دولت جمع کرنا اپنی ذات میں مقصد نہیں بلکہ اسے کسی اچھے مقصد کے لیے جمع کرنا مقصود ہے)۔

(4) خالی ہاتھ والوں سے امتوں کی کشاد ہے + اس قسم کے دولت مندوں سے امتوں کا فساد ہے (جو لوگ دولت نہیں رکھتے وہی امت کا سرمایہ ہوتے ہیں کیونکہ ان میں ایمان کی دولت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے دولت والے تو معاشرے میں دولت کے لالچ میں طرح طرح کے فساد برپا کرتے ہیں)۔

(5) جدت اس کی یعنی سرمایہ دار کی نظر میں بری بات ہے اور بس + وہ تو قدامت کا خریدار ہے اور بس (یہاں دولت والے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ رویہ کی قدیم روایات پر قائم رہتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہوتا چاہے اس بارے میں کوئی کچھ کیوں نہ کہے)۔

(6) اس کی (سرمایہ داری کی) نگاہ میں غلط درست ہوتا ہے + وہ انقلاب کے ہنگاموں سے ڈرتا ہے (اور اس خوف سے کہ کہیں کوئی انقلابی قدم ان کی سرمایہ داری کو نقصان نہ پہنچائے وہ ہر غلط بات اور غلط اقدام کو درست قرار دیئے رکھتا ہے اور اس پر سختی سے جما رہتا ہے)۔

(7) آقا نے مزدور بندے کا نان کھالیا یعنی اس نے مزدور کو غلام سمجھ رکھا محنت کرائی لیکن معاوضہ یا معقول معاوضہ نہ دیا سرمایہ دار سرمایہ جمع کرتا رہا اور مزدور روٹی کے لیے ترستا رہا + (اس نے صرف مزدور کی روٹی ہی نہیں چھینی) بلکہ وہ مزدور کی بیٹی کی آبرو بھی لے گیا (وہ اس کی عصمت دری سے بھی باز نہیں رہا)۔

(8) اس کے یعنی سرمایہ دار کے حضور بندہ (مزدور غلام) جنری کی طرح روتا ہے (اپنی تکالیف اور مصائب بیان کرتا ہے) + اس کے لب پر پے در پے (مسلسل) نالے ہوتے ہیں (لیکن سرمایہ دار پر کوئی اثر نہیں ہوتا)۔

(9) اس کے یعنی مزدور کے نہ جام میں شراب ہے اور نہ اس کے مٹکے میں مراد وہ ہر لحاظ سے بے سرو سامان ہے + اس نے (امیروں کے) محل تعمیر کئے اور وہ خود گلیوں میں (خوار ہے) اسے چھت تک میسر نہیں۔

(10) مبارک ہے وہ دولت مند جو درویش (کی طرح) جیا + اس زمانے میں خدا کے خوف والا (بن کر) جیا (دولت بجائے خود بری نہیں دولت مند کا سارویہ برا ہے جو وہ اپنے سے کمتر غریب مزدور اور بے بس

• کے لیے رکھتا ہے یہی دولت اگر وہ ان کی بہبود کے لئے ان کے تحفظ کے لیے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خرچ کرے تو یہ اس کی درویشانہ خو پسندیدہ ہوگی خاص طور پر اس دور میں جب نفسا نفسی اور زر پرستی کا بازار گرم ہے)۔

دوسرا بند

تا ندانی نکتۂ اکل حلال   بر جماعت زیستن گردد وبال
آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست   چشم او ینظر بنور اللہ نیست
او نداند از حلال و از حرام   حکمتش خام است و کارش ناتمام
امتے بر امتے دیگر چرد   دانہ ایں می کارد' آں حاصل برد
از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است   از تن شاں جاں ربودن حکمت است
شیوۂ تہذیب نو آدم دری است   پردۂ آدم دری سوداگری است
ایں بنوک' ایں فکر چالاک یہود   نور حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام   دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

✱

(1) جب تک تو رزق حلال کی باریک بات یا رمز نہیں سمجھے گا + تو قوم پر تیرا رہنا سہنا وبال بن جائے گا (کیونکہ تو ہر اچھے برے طریقے سے دولت جمع کرنے کی کوشش کرے گا جس سے لازماً معاشرے کو نقصان پہنچے گا)۔

(2) آہ (افسوس) یورپ اس مقام سے آگاہ نہیں ہے (یورپ والے انفرادی طور پر اور اجتماعی لحاظ سے ہر اچھے برے طریقے سے افراد اور اقوام کو لوٹ رہے ہیں ان کی ہوس زر اور شکم پرستی نے پوری دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے) + اس کی یعنی یورپ کی آنکھ اللہ کے نور سے نہیں دیکھتی (ان کا نقطہ نظر سراسر مادی ہے دینی یا روحانی یا اخلاقی نہیں ہے)۔

(3) وہ یعنی یورپ حرام اور حلال میں فرق نہیں جانتا اس کی حکمت خام اور اس کا کام ناقص ہے (اس کا سارا انتظام مادہ پرستی پر قائم ہے اس لئے اس میں سوائے فساد کے اور کچھ نہیں ہے)۔

(4) (اہل یورپ کے دیئے ہوئے نظام میں) ایک قوم دوسری قوم پر چرتی ہے (طاقت ور قوم کمزور قوم کو کھا رہی ہے) + دانہ یہ (قوم) کاشت کرتی ہے اور اس کا حاصل وہ (قوم) لے جاتی ہے (صدیوں سے یورپ کی طاقت ور اور مکار قومیں دوسرے علاقوں کے لوگوں سے یہی سلوک روا رکھے ہوئے ہیں وسائل چاہے کسی ملک اور قوم کے کیوں نہ ہوں اہل یورپ اپنی دغا بازی اور فریب کاری سے اور اپنی بے پناہ مادی قوت کی بدولت خود استعمال کر رہے ہیں اہل یورپ کی ساری ترقی اور خوش حالی اسی لوٹ کھسوٹ کا نتیجہ ہے)۔

(5) اہل یورپ کی حکمت یا طاقت ور قوموں کی حکمت کمزوروں کی روٹی چھیننا ہے + ان کے تن سے جان کرا چک لے جانا ان کی حکمت ہے۔

(6) نئی تہذیب کا شیوہ آدم دری (آدم کو پھاڑ کر کھانا) ہے + (اور) اس آدم دری کو سوداگری کے پردے میں روا رکھا جا رہا ہے (تجارت کے نام پر ایسی ایسی اقتصادی حکمت عملی سے کام لیا جاتا ہے کہ طاقتور یورپی اقوام امیر سے امیر اور دوسری دنیا کی اقوام غریب سے غریب تر ہوتی جا رہی ہیں اہل یورپ رات دن عیش و عشرت میں مصروف ہیں اور دوسری دنیا کے لوگ فاقوں مر رہے ہیں یاد رہے اہل یورپ میں سارا یورپ اور اس کا مضبوط بازو امریکہ بھی شامل ہے)۔

(7) یہ بنک جو یہودی (سود خوروں) کی چالاک فکر کا نتیجہ ہے + یہ آدم کے سینے سے دل کا نور کھینچ کر لے گئے ہیں (بنکوں کے ذریعے اجتماعی سود خوری کا نظام رائج کر کے لوگوں میں دولت کی محبت پیدا کر دی گئی ہے اور انسانیت اور روحانیت کا جنازہ نکال دیا گیا ہے ایک کا سود لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات کا سبب بنا ہوا ہے بہ ظاہر یہ تجارت ہے مگر حقیقت میں جوا ہے اللہ تعالیٰ نے سود کے کاروبار کرنے والے کو خود سے جنگ کرنے والا کہا ہے لیکن اس جنگ میں اب مسلمان بھی شریک ہے)۔

(8) جب تک یہ (سود کا) نظام تہ و بالا نہیں ہوتا + (اس وقت تک دانش اور تہذیب سودائے خام ہے (اس سے انسان کو مادی فائدے تو پہنچ سکتے ہیں روح و دل مفلس اور آدمیت و انسانیت قلاش ہو جاتی ہے)۔

تیسرا بند

آدمی اندر جہان خیر و شر — کم شناسد نفع خود را از ضرر
کس نداند زشت و خوب کار چیست — جادۂ ہموار و ناہموار چیست
شرع بر خیزد ز اعماق حیات — روشن از نورش ظلام کائنات
گر جہاں داند حرامش را حرام — تا قیامت پختہ ماند ایں نظام
نیست ایں کار فقیہاں اے پسر — با نگاہے دیگرے او را نگر
حکمتش از عدل است و تسلیم و رضاست — بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰ است
ز فراق است آرزو ہا سینہ تاب — تو نمانی چوں شود 'او' بے حجاب
از جدائی گرچہ جاں آید بلب — وصل 'او' کم جو' رضائے 'او' طلب
مصطفیٰ داد از رضائے 'او' خبر — نیست در احکام دیں چیزے دگر
تخت جم پوشیدہ زیر بوریا است — فقر و شاہی از مقامات رضاست
حکم سلطان گیرو از حکمتش منال — روز میداں نیست روز قیل و قال
تا توانی گردن از حکمش مپیچ — تا نہ پیچد گردن از حکم تو ہیچ
از شریعت احسن التقویم شو — وارث ایمان ابراہیم شو

٭

(1) جہان خیر و شر میں آدمی + اپنے نفع کو نقصان سے نہیں پہچانتا (اس جہان میں اچھائی بھی ہے اور برائی بھی ہے ہر آدمی میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ان میں تمیز کر سکے امت میں اولیا و صلحا اس لئے آتے

ہیں تاکہ لوگوں میں اس تمیز کی حد کا شعور پیدا کر سکیں اللہ کی وحی بھی پیغمبروں کے ذریعے یہی کام کرتی ہے خیر و شر کی جو حدیں لوگ اپنی مرضی سے قائم کرتے ہیں ان میں فساد ہوتا ہے)۔

(2) (یہاں جہان خیر و شر میں) کوئی نہیں جانتا کہ برا کام اور اچھا کام کون سا ہے + (زندگی کی) کون سی راہ ہموار ہے اور کون سی راہ ناہموار ہے۔

(3) شریعت زندگی کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے (اس کا تعلق زندگی کی حقیقت سے ہوتا ہے) + (اس لئے) اس سے کائنات کے اندھیرے روشن (ہو جاتے ہیں) یعنی شرع کی روشنی میں آدمی کے اندر خیر و شر کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے نیک و بد میں فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

(4) اگر جہان اس کے یعنی شرع کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھ لے + تو قیامت تک یہ نظام (یعنی نظام کائنات و حیات) پختہ رہے گا۔

(5) اے بیٹے یہ فقیہوں کا کام نہیں ہے + اسے کسی اور نگاہ سے دیکھ مراد ہے کہ اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ شریعت میں خیر کیا ہے اور شر کیا ہے عشق کی نگاہ کا ہونا ضروری ہے علم کی نگاہ یہاں پورا کام نہیں کرتی علم تو شریعت کی باتوں کو شک اور اعتراض کی نظر سے بھی دیکھ سکتا ہے لیکن عشق کے لئے ایسا ممکن نہیں وہ جو دیکھے گا اسے تسلیم کرلے گا۔

(6) اس کا حکم عدل اور تسلیم و رضا سے ہے + اس کی جڑ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمیر میں ہے (شریعت کسی اور کی ساختہ اور پرداختہ نہیں ہے بلکہ یہ سب نبیوں کے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے پیدا شدہ ایک حقیقت ہے جو وحی کا درجہ رکھتی ہے اس میں کسی قسم کا جھول اور کمی نہیں ہے لیکن اس کو بے چون وچرا تسلیم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عقلی طور پر ہم یہ سمجھیں کہ یہ ایک صادق اور امین شخص کا دیا ہوا نظام ہے اور عشقی طور پر یہ تسلیم کریں کہ یہ ہمارے محبوب برحق کا عطا کردہ آئین ہے جس میں نہ غلطی ہو سکتی ہے اور نہ خرابی شریعت کی بنیاد عدل پر ہے اور جس چیز کی بنیاد عدل پر ہو اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے ہی میں نفع انسان ہے۔

(7) آرزوئیں فراق سے سینے میں تپش پیدا کرنے والی ہیں (مراد بندہ اگر حق سے وصل پالے تو اپنی انفرادیت کھو بیٹھے گا زندگی فراق ہی کا نام ہے) + اگر وہ بے حجاب ہو جائے گا تو تو نہیں رہے گا (اس کی تجلی تجھے فنا کر دے گی)۔

(8) جدائی سے اگرچہ جان لبوں پر آجاتی ہے + (پھر بھی) اس کا وصل نہ طلب کر اس کی رضا طلب کر (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خدا کی رضا طلبی ہی کی تلقین کی ہے)۔

(9) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رضا کی خبر دی ہے + دین کے احکام میں (رضا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے) دین سوائے اللہ کے راضی کرنے کے اور کچھ نہیں شریعت اللہ کی رضا طلبی ہی کا ایک طریقہ ہے)۔

(10) جمشید بادشاہ کا تخت (یعنی سلطنت یا بادشاہت) فقیر کے بوریا کے نیچے چھپا ہوا ہے + فقر اور شاہی دونوں رضا کے مقامات ہیں (جب اللہ راضی ہو جاتا ہے تو تخت اور بوریا دونوں نصیب ہو جاتے ہیں لیکن اس کو راضی بوریا پر بیٹھ کر کیا جاتا ہے تخت پر بیٹھ کر نہیں تخت حاصل ہو جائے تو ضروری نہیں کہ بوریا بھی یعنی فقر بھی حاصل ہو جائے لیکن جب فقر حاصل ہو جائے گا تو تخت اس کے محتاج ہوں گے کوئی

تخت پر بیٹھ کر اور کوئی بوریا پر بیٹھ کر اللہ کی رضا چاہتا ہے اور یہ مقامات رضا صرف شریعت کی پابندی سے حاصل ہوتے ہیں)۔

(11) سلطان کا حکم مان اور اس کے حکم سے رنجیدہ نہ ہو + روز قیل و قال روز میداں نہیں ہے (یہاں سلطان سے مراد وہ سلطان ہے جو صاحب ایمان اور متبع شریعت ہو وہ حاکم مراد ہے جسے قرآن اولوالامر منکم کے الفاظ میں متعین کرتا ہے وہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان صاحب امر ہو زندگی بھی میدان جنگ ہی ہے جدوجہد کا میدان ہے زندگی محض باتیں بنانے سے نہیں خون جگر دے کر اسے سینچنے کا نام ہے یہ جل ترنگ نہیں لہو ترنگ ہے اس لئے صاحب امر کے ہر حکم کی تعمیل خوشی سے کرو)۔

(12) جہاں تک ہو سکے اس کے حکم سے گردن نہ پھیر + تاکہ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ پھیرے۔

(13) شریعت سے (یعنی اس کی پیروی کر کے) احسن تقویم ہو + ابراہیم خلیل اللہ پیغمبر کے ایمان کا وارث ہو (اللہ تعالیٰ قرآن کریم -95-4- آیت میں فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو احسن ساخت یا انداز پر پیدا کیا ہے یہ حسن ساخت و انداز اس کی شکل کا نہیں اس کے کردار کا ہے اور کردار کا حسن صرف اللہ کی اطاعت (رضا) سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا تعلق شریعت کی پاسداری اور پابندی سے ہے ایسا کرنے سے انسان اس ایمان کا وارث بن جائے گا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسی ایمان ابراہیمی کی تشریح و تفصیل ہے)۔

چوتھا بند

پس طریقت چیست اے والا صفات — شرع را دیدن بہ اعماق حیات
فاش می خواہی اگر اسرار دیں — جز بہ اعماق ضمیر خود مبیں
گر نہ بینی دین تو مجبوری است — ایں چنیں دیں از خدا مہجوری است
بندہ تا حق را نہ بیند آشکار — بر نمی آید ز جبر و اختیار
تو یکے در فطرت خود غوطہ زن — مرد حق شو بر ظن و تخمین متن
تا نہ بینی زشت و خوب کار چیست — اندر ایں نہ پردۂ اسرار چیست
ہر کہ از سر نبی گیرد نصیب — ہم بہ جبریل امیں گردد قریب
اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم — تا کجا در حجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرار دیں را فاش کن — نکتۂ شرع مبیں را فاش کن
کس نہ گردد در جہاں محتاج کس — نکتۂ شرع مبیں این است و بس
مکتب و ملا سخنہا ساختند — مومناں ایں نکتہ را نشناختند
زندہ قومے بود از تاویل مرد — آتش او در ضمیر او فسرد
صوفیان با صفا را دیدہ ام — شیخ مکتب را نکو سنجیدہ ام
عصر من پیغمبرے ہم آفرید — آنکہ در قرآں بغیر از خود ندید

ہر یکے دانائے قرآن و خبر در شریعت کم سواد و کم نظر
عقل و نقل افتادہ در بند ہوس منبر شاں منبر کاک است و بس
زیں کلیماں نیست امید کشود آستیں ہائے بے ید بیضا چہ سود؟
کار اقوام و ملل ناید درست از عمل بنما کہ حق در دست تست

*

(1) اے اچھی صفات رکھنے والے (میرے قاری) پس طریقت کیا ہے + (طریقت) شرع کو اعماق حیات (زندگی کی گہرائیوں سے) دیکھنے کا نام ہے (شروع خارج سے کسی پر مسلط نہیں ہوتی بلکہ یہ بندہ کی زندگی کے اندر کی گہرائیوں سے باہر آتی ہے مراد ہے انسان کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے اب شرع کو اعماق حیات سے دیکھنے کے لئے جو آنکھ درکار ہے وہ ہے طریقت یعنی طریقت شرع کو جو ایک علمی چیز ہے عملی بنا دیتی ہے شریعت جو کچھ کہتی ہے طریقت اسے وارد کرتی ہے آدمی کا حال بتاتی ہے شریعت کو علم سے عمل بناتی ہے اس کے جسم میں جان ڈالتی ہے)۔

(2) اگر دین کے بھیدوں کو صاف اور ظاہر دیکھنا چاہتا ہے + سوائے اپنے ضمیر کی گہرائیوں سے نہ دیکھ (کیونکہ اس کے بغیر ان کا مشاہدہ نہیں ہو سکے گا اور اس مشاہدہ کا طریقہ صرف طریقت بتاتی ہے)۔

(3) اگر تو دین کے یا شریعت کے اسرار نہیں دیکھتا تو دین تیری مجبوری ہے + اس قسم کا دین خدا سے (بندے) کو دور رکھتا ہے (اس لئے طریقت یا ولایت کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ شریعت یا دین مجبوری نہیں اختیاری بن کے خدا سے رابطہ کا ذریعہ بن سکے)4۔

(4) بندہ اگر حق کو ظاہرا طور پر نہ دیکھے + وہ جبر و اختیار سے باہر نہیں آتا (جب تک بندہ یہ نہ مشاہدہ کرلے گا کہ شریعت خارج سے مجھ پر مسلط نہیں ہوئی بلکہ اسکی فطرت کے تقاضوں نے اسے جنم دیا ہے وہ جبر کے چکر سے نہیں نکل سکتا اور اختیار کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا)۔

(5) تو ایک دفعہ اپنی فطرت میں غوطہ لگا + حق کا مرد بن قیاس اور اندازے (کے علم) پر فخر نہ کر (شریعت کا راز اپنے اندر غوطہ لگانے سے یا سیر انفسی سے کھلے گا اور اس کا طریقہ صرف طریقت بتائے گی)۔

(6) تاکہ تو دیکھ لے کہ عمل کا اچھا ہونا اور برا ہونا کیا ہے + اس نو پردوں کے اسرار کے اندر کیا ہے یعنی یہ نو آسمان والی کائنات کیا ہے کیوں ہے اور اس میں کیا ہے (عام طور پر سات آسمان کہے جاتے ہیں بعض اس میں عرش اور کرسی کو ملا کر نو بنا لیتے ہیں)۔

(7) جو کوئی نبی (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھید سے نصیب پالیتا ہے + وہ جبریل امین (جیسے مقرب اور وحی لانے والے فرشتے) کے بھی قریب ہو جاتا ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و نبوت کے اسرار کا پتہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کیا جائے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ شرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے اور شرع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں جان پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طریقت کا مسلک اختیار کیا جائے جبریل سے قرب حاصل ہو جانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب نبوت کے اسرار سے بندہ آگاہ ہوتا ہے تو اس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی باتیں القا یا الہام کر دیتا ہے)۔

(8) اے کہ تو (اے مرد مسلماں) قرآن کریم پر ناز کرتا ہے + کب تک حجرے میں بیٹھا رہے گا (کب تک دنیا سے الگ رہے گا اگر تجھے واقعی قرآن عزیز ہے تو میدان عمل میں نکل شریعت کو پہلے خود پر نافذ کر پھر دوسروں پر اس کا نقش ثبت کر)۔

(9) جہان میں دین کے بھیدوں کو ظاہر کر + روشن شرع کی باریک بات یا رمز کو ظاہر کر (اور باریک بات کو ظاہر کرنے کے لئے حجرہ نشینی ترک کرنا اور عمل اختیار کرنا پڑے گا)۔

(10) شرع کو آشکا کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ جہان میں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے + شرع روش کا نکتہ (باریک بات) صرف یہی ہے (جہاں شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نافذ ہو جاتی ہے کوئی شخص کسی شخص کا دست نگر نہیں رہتا سب اللہ غنی کے محتاج ہوتے ہیں)۔

(11) مدرسے اور ملا نے بہت باتیں بنائیں + لیکن (مومنوں کو چونکہ شرع کی رمز انہوں نے نہیں جتائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) مومنوں نے اس نکتہ کو نہ پہچانا یعنی شرع کی باریک بات ان پر منکشف نہ ہوئی وہ ظاہری شرع کے لئے پابند تو رہے لیکن اس شرع کی پابندی سے قاصر رہے جسے طریقت بتاتی ہے جب ایسی شرع کا نفاذ نہ ہوا تو اس کے خاطر خواہ نتائج بھی مرتب نہ ہوئے)۔

(12) (مسلمان) ایک زندہ قوم تھی (ان علما اور فقہا کی اسلام کی غلط تاویلوں کی وجہ سے) مر گئی (اس میں انتشار و نفاق پیدا ہو گیا دین تو رہا لیکن دین کے جسم سے روح نکل گئی) + اس کے یعنی مسلمان قوم کے سینے میں جو آگ تھی (دین کی حرارت تھی) وہ بجھ گئی۔

(13) میں نے (اس دور کے) باصفا صوفیوں کا دیکھا ہے + میں نے مدرسوں کے اساتذہ کو خوب تولا ہے (کسی میں وہ بات نہیں جس کا اسلام ان سے تقاضا کرتا ہے)۔

(14) () عصر حاضر نے (مسلمانوں میں) ایک پیغمبر بھی پیدا کیا (اشارہ ہے برصغیر کے صوبہ پنجاب کے قصبہ قادیاں ضلع گورداس پور میں پیدا ہونے والے شخص مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف جس نے انگریزی اقتدار کی چھتری کی حفاظت میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں (مسیح موعود ہوں) + اس (جھوٹے مدعی نبوت) نے قرآن میں سوائے اپنے کچھ نہ دیکھا (صرف نبوت مسیح والی آیت کو پکڑ لیا اور قرآن کے باقی حصوں پر نظر نہ کی یہاں تک کے اس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اس دور میں خصوصاً انگریز حاکموں کے خلاف جہاد حرام ہے)۔

(15) (مدرسہ ملا اور یہ جھوٹا نبی) ہر ایک (دعویدار ہے) کہ وہ قرآن اور حدیث کا جاننے والا ہے + لیکن (تینوں) شریعت (پر غور کرنے کے بارے میں) کم نظر اور کم سواد ہیں (جن کی آنکھیں شریعت کے صحیح رخ کو دیکھنے سے قاصر ہیں کم سواد وہ ہوتا ہے جس کی آنکھ کی پتلی میں روشنی نہ ہو)۔

(16) (اس دور کے علما و فقہا اور صوفیا و فقرا میں) عقلی علوم اور نقلی یعنی شرعی علوم ہوس کی قید میں ہیں (نفس اور پیٹ کی پرورش کے لئے ہیں) + ان کے (مسجدوں اور خطبوں) کے منبر پر صرف لکڑی کے منبر ہیں (ان کی حقیقت باطل ہو چکی ہے ان منبروں پر صرف خطیب دین کو اپنی ہوس پرستی کے لئے استعمال کرتے ہیں)۔

(17) ان کلیموں (خطبے دینے والے اور وعظ کرنے والوں) سے (دین کی مشکلات) کی کشود یعنی حل کی کوئی امید نہیں + ان کی آستینیں ید بیضا کے بغیر ہیں (ایسی صورت میں) ان کا فائدہ؟ یعنی ان سے کوئی

فوائد حاصل نہیں ہو سکتے (حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے کلام کرتے تھے اس لئے کلیم اللہ تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں ہاتھ کا معجزہ عطا کر رکھا تھا جب وہ اپنی آستین سے ہاتھ نکالتے تھے تو وہ چمکتا تھا ان کا کلام ان کے عمل کا آئینہ تھا ان کا کلام اور ان کا عمل اللہ کی راہنمائی میں تھا ہمارے علماء اور حاکموں واعظوں اور خطیبوں کا کلام اللہ کی بجائے نفس پرستی کا نقش لئے ہوئے ہوتا ہے ان کی بات کچھ ہوتی ہے اور عمل کچھ ان سے بہتری کی کیا توقع ہو سکتی ہے علماء تو انبیا کے وارث ہوتے ہیں عہد حاضر کے علماء میں یہ وصف موجود نہیں ہے الا ماشاءاللہ)۔

(18) (آج) اقوام و ملل عالم کا کام درست نہیں ہے (سب کو راہنمائی کی ضرورت ہے) + اپنے عمل سے پہلے (خود کو درست) دکھا پھر ان قوموں اور ملتوں کو درست کر کیونکہ (اگر جہان میں کسی کے پاس حق ہے) تو وہ صرف تو ہے (تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے تو آئینہ زمانہ کا جوہر ہے)۔

اشکے چند بر افتراق ہندیاں

ہندوستان کے لوگوں کے پراگندگی یا تنظیم کے نہ ہونے پر چند آنسو

پہلا بند

اے ہمالہ! اے اٹک! اے رود گنگ — زیستن تا کے چناں بے آب و رنگ؟
پیر مرداں از فراست بے نصیب — نوجواناں از محبت بے نصیب
شرق و غرب آزاد و ما نخچیر غیر — خشت ما سرمایہ تعمیر غیر
زندگانی بر مراد دیگراں — جاوداں مرگ است نے خواب گراں
نیست ایں مرگے کہ آید ز آسماں — تخم او می بالد از اعماق جاں
صید او نے مردہ شو خواہد نہ گور — نے ہجوم دوستاں از نزد و دور
جامہ کس در غم او چاک نیست — دوزخ او آں سوے افلاک نیست
در ہجوم روز حشر او را مجو — ہست در امروز او فردائے او
ہر کہ ایں جا دانہ کشت' ایں جا درود — پیش حق آں بندہ را بردن چہ سود
امتے کز آرزو نیشے نہ خورد — نقش او را فطرت از گیتی سترد
اعتبار تخت و تاج از ساحری است — تخت چوں سنگ ایں زجاج از ساحری است
در گزشت از حکم ایں سحر مبیں — کافری از کفر و دینداری ز دیں
ہندیاں بایک دگر آویختند — فتنہ ہائے کہنہ باز انگیختند
تا فرنگی قومے از مغرب زمیں — ثالث آمد در نزاع کفر و دیں
کس نداند جلوۂ آب از سراب — انقلاب! اے انقلاب! اے انقلاب!

*

(1) اے ہندوستان (کے بلند و بالا پہاڑ) ہمالہ اے علاقہ اٹک اور اے گنگا کے دریا + (یعنی اے ان علاقوں میں رہنے والے لوگو) کب تک تم ایسے بے آب و رنگ جیو گے (کب تک غلامی کی زندگی بسر کرو گے اور آپس میں علاقائی اور مذہبی منافرت پھیلاتے رہو گے یاد رہے علامہ نے یہ مثنوی 1936ء میں لکھی تھی جب کہ ہندوستان پر ابھی انگریز حکمران تھے اور وہ ہندو اور مسلم دو بڑی قوموں کو کئی اعتبارات سے لڑوا کر اپنی حکومت کو طول دینا چاہتا تھا علامہ نے یہ اشعار اس پس منظر میں لکھے ہیں)۔

(2) (تمھارے) بوڑھے فراست سے بے نصیب ہیں + (تمہارے) نوجوان محبت سے بے نصیب (ہیں)۔

(3) مشرق اور مغرب (کے لوگ) آزاد ہیں اور ہم غیروں یعنی انگریزوں کے غلام ہیں + ہماری اینٹیں دوسروں کی (عمارتوں) کی تعمیر کا سرمایہ (ہیں) یعنی ہم اپنی جو محنت کرتے ہیں وہ غیر ملکی حاکم کو تقویت پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔

(4) ہماری زندگی دوسروں کی مراد پر (بسر ہو رہی ہے) + یہ ہمیشہ کی موت ہے نہ کہ گہری نیند۔

(5) یہ وہ موت نہیں جو آسمان کی طرف سے آتی ہے + اس کا بیج جان کی گہرائی سے اگتا ہے مراد ہے یہ تمھارے جسم کی موت نہیں روح کی موت ہے تمھاری غیرت کی موت ہے۔

(6) (اس موت کا شکار جو تجھ پر طاری ہوئی ہے) نہ مردہ نہلانے والا مانگتا ہے نہ قبر + نہ (اپنے جنازے کے لئے) دور سے یا نزدیک سے آنے والے دوستوں کے ہجوم (کا طالب ہے)۔

(7) (اس مردے کی موت) کے غم میں کسی کے کپڑے نہیں پھٹتے + اس کی دوزخ آسمان کی اس طرف سے نہیں ہے (بلکہ اس دنیا میں ہے)۔

(8) (اس مردے کو) حشر کے ہجوم میں تلاش نہ کرنا + اس کی آج کے اندر ہی اس کی (آنے والی کل ہے یعنی اس کا حشر اور اس کی دوزخ یہی اس کی غلامانہ زندگی ہے غلام کی زندگی چونکہ اپنی نہیں ہوتی اس لئے وہ موت ہے زندگی نہیں ہے۔

(9) جس نے یہاں (دنیا میں) دانہ بویا اور اس نے اس جگہ (یعنی دنیا ہی میں کاٹا) اس بندہ کو (آخرت میں جزا و سزا کے لئے) خدا کے سامنے لے جانے کی کیا ضرورت ہے (اس کی دنیا بھی یہاں ہے اور اس کی آخرت بھی یہاں ہے اس نے جو کچھ یہاں کیا اس کا بدلہ یہیں مل گیا اس نے غلامی پر رضامندی ظاہر کی اس کو دوزخ یہی مل گئی کیونکہ غلامی کی زندگی دوزخی کی زندگی سے بھی بری ہے۔

(10) جس قوم نے آرزو کا نیش (ڈنگ) نہیں کھایا یعنی جس نے آرزو خصوصاً غلامی سے چھٹکارا پانے کی آرزو نہیں کی + اس کے (وجود کے) نقش کو قدرت نے دنیا سے مٹا دیا۔

(11) تخت و تاج کا اعتبار (بادشاہوں) کی جادوگری ہے (جس کے ذریعے وہ رعایا کو غلام بناتے ہیں) + یہ (بادشاہت) کا شیشہ جادوگری کی وجہ سے پتھر کی طرح سخت ہے (غلام قوم اگر اس بات کو سمجھ لے اور اپنے آقاؤں کی جادوگری کو توڑ دے تو آقاؤں کے بت پاش پاش ہو سکتے ہیں)۔

(12) (انگریز حکمرانوں) کی اس روشن اور صاف جادوگری سے + (ہندوستان کے کافروں یعنی ہندوؤں کی کافری کفر کو اور (مسلمانوں کی) دینداری دین کو چھوڑ گئی (نہ ہندو صحیح معنوں میں ہندو رہا اور نہ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان رہا ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں نے خود کو اپنے انگریز حاکموں کے رنگ میں

رنگ لیا اور اپنا رنگ ختم کر دیا)۔

(13) (فرنگیوں نے بہ ظاہر دلفریب مگر حقیقت میں زندگی (خراب چالوں سے) ہندوستان کے لوگ (ہند اور مسلم) ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں + انہوں نے پرانے فتنوں کو پھر کھڑا کر دیا (یعنی ہندو اور مسلمان جو مدتوں سے اکٹھے رہ رہے تھے ان میں دشمنیاں پیدا کر دی ہیں اور وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے درپے ہیں تقسیم کرو اور حکمران رہو کی چال سے وہ اپنی حاکمیت کو طول دے رہے ہیں)۔

(14) یہاں تک کہ فرنگی جو مغرب کے علاقے کی ایک قوم ہے + (یہاں آکر) کفر اور دین (ہندو اور مسلمان) کے درمیان ثالث بنی ہوئی ہے (اس ہندو مسلم اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کبھی وہ ایک قوم کو تھپکی دیتی ہے اور کبھی دوسری قوم کو اور اسی طرح خود کو مضبوط سے مضبوط تر بناتی جا رہی ہے)۔

(15) وہ (دونوں قوموں میں اس طرح کی ثالثی کر رہا ہے) کہ کوئی نہیں جانتا پانی کا جلوہ کیا ہے اور سراب کیا ہے (انگریز حاکم کی چالوں کو وہ سمجھ نہیں رہا) + (اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں قومیں اس انگریز مکار کی مکارانہ چالوں کو سمجھ کر اتحاد پیدا کریں اور اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں یہ نعرہ لگاتی ہوئی) انقلاب اے انقلاب (بدل دو اس سارے نظام کو نکال دو انگریز کو ملک سے)۔

دوسرا بند

اے ترا ہر لحظہ فکر آب و گل — از حضور حق طلب یک زندہ دل
آشیانش گرچہ در آب و گل است — نہ فلک سرگشتۂ ایں یک دل است
تا نہ پنداری کہ از خاک است او — از بلندی ہائے افلاک است او
ایں جہاں او را حریم کوئے دوست — از قبائے لالہ گیرد بوئے دوست
ہر نفس با روزگار اندر ستیز — سنگ رہ از ضربت او ریز ریز
آشنائے منبر و دار است او — آتش خود را نگہدار است او
آبجوئے و بحر ہا دارد ببر — می دہد موجش ز طوفانے خبر
زندہ و پائندہ بے نان نور — میرد آں ساعت کہ گردد بے حضور
چوں چراغ اندر شبستان بدن — روشن از وے خلوت و ہم انجمن
ایں چنیں دل خود نگر، اللہ مست — جز بہ درویشی نمی آید بدست
اے جواں دامان او محکم بگیر — در غلامی زادۂ آزاد میر

*

(1) (اے) کہ تجھے ہر وقت آب و گل کی (اپنے جسم کی پرورش کی) فکر لگی رہتی ہے + اللہ کے حضور سے ایک زندہ دل طلب کر (اسی میں تیری بہتری ہے اسی سے تجھے غلامی سے نجات ملے گی)۔

(2) تیرا آشیانہ اگرچہ آب و گل میں ہے + لیکن نو آسمان اس ایک دل کے سرگشتہ (حیران) ہیں (کیونکہ دل وسعت میں ان سے بھی زیادہ ہے)۔

(3) تو یہ نہ سمجھ لے کہ وہ یعنی دل بھی (جسم کی طرح) مٹی سے (پیدا ہوا) ہے + وہ تو افلاک کی بلندی

سے (آیا) ہے (دل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے جو ہر آدمی کے سینے میں ہے بلکہ اس سے مراد ایک خاص قسم کا جذبہ ہے جو دل آدمی سے متعلق ہے جس کو صوفیا جانتے اور پہچانتے ہیں)۔

(4) (دل اگرچہ افلاک کی بلندی سے تعلق رکھتا ہے) لیکن یہ جہان اس کے لئے یار کی گلی کا کعبہ ہے دل کا تعلق مادی ذرات سے نہیں ہے وہ جسم مادی میں ایک کعبہ کی حیثیت رکھتا ہے یا یہ کہ دل سارے جہان کو خدا کے انوار و تجلیات کا مقام سمجھتا ہے) وہ لالہ کی قبا سے دوست کی خوشبو پاتا ہے (وہ قدرت کے مظاہر سے صاحب قدرت کا پتہ پاتا ہے)۔

(5) وہ ہر لمحہ زمانے کے ساتھ جنگ میں رہتا ہے + راستے کا پتھر اس کی ضرب سے ریز ریز ہو جاتا ہے (کوئی مشکل اسکے سامنے مشکل نہیں رہتی)۔

(6) وہ منبر اور دار (دونوں) کا آشنا ہے (کبھی بزم میں اور کبھی رزم میں ہوتا ہے کبھی خطیب ہوتا ہے اور کبھی بر سردار ہوتا ہے یعنی ضرورت پڑنے پر سر بھی دے دیتا ہے) + وہ اپنی آگ کا (عشق کی آگ کا) خود نگہدار ہے (یہ منبر و دار کے کرشمے اس عشق کی وجہ سے ہیں جن کا دل حامل ہے)۔

(7) وہ ندی ہے لیکن اپنے پہلو میں کئی سمندر رکھتی ہے + اس کی موج طوفان کی خبر دیتی ہے مراد ہے دل کی وسعت گہرائی اور جوش کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

(8) (دل) تنور کی روٹی کھائے بغیر زندہ اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے + وہ اس وقت مرتا ہے جب وہ بے حضور ہو جاتا ہے (جب اللہ تعالیٰ کی حضوری سے وہ دور ہو جاتا ہے ایسے دل کو جس کی زندگی اللہ کے مشاہدے اور اس کے حضور قائم و دائم رہنے سے ہے زندہ رہنے کے لئے مادی ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اللہ کا نور کھاتا ہے وہ اللہ کے حضور رہتا ہے اس لئے زندہ و پائندہ رہتا ہے)۔

(9) بدن کی سیاہ رات کے کے مقام کے اندر (دل) چراغ کی مانند ہے + اس سے (انسان کی) خلوت بھی روشن ہے اور جلوت بھی (دل سے زندگی پر نور اور دل کے بغیر زندگی تاریک ہے)۔

(10) دل اس قدر خود نگر اور اللہ مست (ہوتا ہے) + کہ وہ بغیر درویشی کے ہاتھ نہیں آتا (دل کی حقیقت کو جاننا اور پھر اس حقیقت کو پانا صرف مرد درویش کا کام ہے درویش کے علاوہ کسی بھی اور طریقے سے یہ خود نگر اور اللہ مست ہاتھ نہیں آتا)۔

(11) اے جوان اس کا یعنی خود نگر اور اللہ مست دل کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے + تو غلامی میں پیدا ہوا ہے آزادی (کی فضا) میں مر مراد اس سے یہ ہے کہ انگریز کی سیاسی غلامی سے تو بے شک چھٹکارا نہیں پاسکتا تو اپنے جسم کو اور ذہن کو بے شک اس کی قید سے آزاد نہیں کرا سکتا لیکن دل کو تو آزاد رکھ سکتا ہے اور یاد رکھ دل کی آزادی شہنشاہی ہے اس کے مقابلے میں شکم موت کا سامان لئے ہوئے ہے اے جوان دل اختیار کر شکم کو نظر انداز کر دے دل آزاد ہو گا تو شکم بھی آزاد ہو گا شکم آزاد ہو گا تو دل غلام ہو جائے گا تو پھر وہ مقام آجائے گا کہ نہ تن تیرا اور نہ من۔

سیاسیات حاضرہ

دور حاضر کی سیاسی سرگرمیاں

پہلا بند

می کند بند غلاماں سخت تر حریت می خواند او را بے بصر
گرمی ہنگامہ جمہور دید پردہ بر روئے ملوکیت کشید
سلطنت را جامع اقوام گفت کار خود را پختہ کرد و خام گفت
در فضایش بال و پر نتواں کشود با کلیدش ہیچ در نتواں کشود
گفت با مرغ قفس "اے دردمند آشیاں در خانہ صیاد بند
ہر کہ سازد آشیاں در دشت و مرغ او نباشد ایمن از شاہین و چرغ"
از فسونش مرغ زیرک دانہ مست نالہ ہا اندر گلوئے خود شکست
حریت خواہی بہ پیچاکش میفت تشنہ میر و بر نم تاکش میفت
الحذر از گرمی گفتار او الحذر از حرف پہلو دار او
چشم ہا از سرمہ اش بے نور تر بندۂ مجبور از و مجبور تر
از شراب ساتگینش الحذر از قمار بد نشینش الحذر
از خودی غافل نہ گردد مرد حر حفظ خود کن حب افیونش مخور
پیش فرعوناں بگو حرف کلیم تا کند ضرب تو دریا را دو نیم

*

(1) (دور حاضر کی سیاست کا جو دراصل مغرب کے مکاروں اور چال بازوں نے دی ہے ایسی سیاست ہے جو) غلاموں کی زنجیر غلامی کو اور مضبوط بناتی ہے + حریت (آزادی) اسے بے بصر یعنی اندھی سیاست کہتی ہے (یہ سیاست لعنت ہے رحمت نہیں)۔

(2) (جب مغرب کے سیاستدانوں نے) جمہور کے ہنگاموں کی گرمی دیکھی (کہ لوگ اپنے حقوق مانگ رہے ہیں) تو انہوں نے بادشاہت کے چہرے پر پردہ کھینچ دیا (اور لوگوں کو جمہوریت کی نعمت عطا کی لیکن یہ جمہوریت کی نعمت جو ان مغربی جادو گروں نے دی ہے دراصل ملوکیت ہی کی ایک خوش نما مگر بد باطن شکل ہے)۔

(3) (ان مغربی سیاست دانوں نے مشرقی اقوام کو غلام رکھنے کے لئے) سلطنت کو اقوام کی جامع کہا (کہ سلطنت بری شے نہیں بشرطیکہ اسے اقوام کی جمعیت کی شکل دے دی جائے چنانچہ پہلی جنگ عظیم کے بعد انہوں نے جمعیت الاقوام کے نام سے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد یو این او کے نام سے اقوام کو ایک انجمن کی شکل میں جمع کیا صرف اس لئے کہ غلاموں کو آزادی نہ ملنے پائے غلام اقوام اگر سیاسی طور

پر آزاد ہو بھی جائیں تو کئی دوسرے طریقوں سے ان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاسکے) انہوں نے اپنے کام کو تو اس طرح پختہ کر لیا لیکن (دوسروں کو) خام کہا یعنی ان کو دھوکا دیا (ان کا دنیا کی تمام سلطنتوں کو ملا کر ایک سلطنت بناؤ بنا دراصل اپنی حکمرانی کو آسان بنانا ہے پہلے مختلف سلطنتوں سے فرداً نپٹنا پڑتا تھا اب ایک ہی جگہ یو این او کے ادارے کے ذریعے سب ملکوں کو زیر نگیں کیا جاسکتا ہے)۔

(4) اس کی فضا میں بال و پر نہیں کھولے جاسکتے + اس کی کنجی سے کوئی دروازہ نہیں کھولا جاسکتا (جو سیاست کی فضا اہل مغرب نے ہمیں دی ہے اس میں حقیقی معنوں میں آزادی کی فضا نصیب نہیں ہو سکتی یہ دنیا کا کوئی مسئلہ حل کرنے کا قابل نہیں ہے)۔

(5) اس پنجرے میں قید پرندے سے کہا اے تکلیف اٹھانے والے + تو شکاری کے گھر میں آشیانہ بنالے (پنجرے میں قید رہنے سے کہیں بہتر ہوگا) مراد یہ ہے کہ مغرب کے ارباب سیاست مکروفن سے کام لیتے ہوئے مشرق کی غلام اقوام سے کہتے ہیں کہ تم ہماری عمل داری میں رہو تو محفوظ رہو گے ورنہ نہ جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو یعنی شکاری پرندے کو دعوت دے رہا ہے کہ میرے گھر آجاؤ تو محفوظ رہو گے شکار کرنے میں تو پھر محنت کرنا پڑے گی جب شکار خود ہی شکاری کے گھر آ گیا تو بلا محنت اس کا مقصد پورا ہو گیا۔

(6) جو کوئی بیابان اور سبزہ زار میں آشیانہ بناتا ہے + وہ شاہین اور چرغ سے (شکار کرنے والے ان پرندوں سے) محفوظ نہیں رہتا (اس لئے تم شکاری کے گھر آجاؤ تم محفوظ رہو گے)۔

(7) اس کے جادو سے عقل مند پرندہ نے جو دانہ مست ہوتا ہے + اپنے نالے اپنے گلے میں دبائے مراد ہے کہ صیاد کے خلاف اس نے زبان بند کر دی اور دانہ کے لالچ میں صیاد کے گھر پہنچ گیا مراد یہ ہے کہ غلام اقوام کو طرح طرح کے دل خوش کن وعدے دے کر یہ مغربی سیاست دان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

(8) اگر تو آزادی چاہتا ہے تو (ان مغربی سیاست دانوں کے) مکر فریب میں نہ پھنس + پیاسا مر جا ان کی انگور کی بیل کی نم یعنی شراب نہ پی۔

(9) ان کی گرمی گفتار سے اللہ کی پناہ + ان کی (تقریروں) کے پہلو دار حروف سے اللہ بچائے (وہ کہتے کچھ ہیں اس کا مطلب کچھ ہوتا ہے وہ اپنی پہلو دار تقریروں سے غلام قوموں کو فریب دیتے ہیں)۔

(10) اس کے سرمہ سے آنکھیں پہلے سے زیادہ بے نور ہو جاتی ہیں + مجبور بندہ اس سے اور زیادہ مجبور ہو جاتا ہے۔

(11) اس کی صراحی کی شراب سے ڈرو (بچو) + اس کے بد نشین قمار (جوا) سے بچو (جوا کی بازی کا ساتھی اگر اچھا ہو تو پھر جوا بھی + گوارا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر بد ہو تو جوا بد سے بھی بد ہو جاتا ہے ایسے جوا باز سے خدا کی پناہ)۔

(12) آزاد مرد خودی سے غافل نہیں ہوتا + اپنی حفاظت کر (اور) اس کی افیون کی گولی مت کھا (مغربی سیاست دان اپنی باتوں اور اعمال سے غلام قوموں کو ایسی افیون کھلا دیتے ہیں کہ پھر ان افیمیوں کو ہوش ہی نہیں رہتا کہ ان کا فائدہ کس بات میں ہے اور نقصان کس بات میں)۔

(13) (ان) فرعون کے سامنے کلیم کا حرف کہہ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کے

فرعون کے مقابلے میں حق کی بات کہہ دیتے تھے تو بھی اپنے وقت کے ان مغربی فرعونوں کے سامنے کلمتہ الحق کہنے سے باز نہ رہ + تاکہ تیری ضرب سے دریا دو نیم ہو جائے (حضرت موسیٰ نے دریا میں عصا مارا تھا تو یہ دو حصوں میں ہو گیا تھا اور درمیان میں خشک راستہ بن گیا تھا جس پر سے موسیٰ اور بنی اسرائیل والے گزر کر فرعون کی گرفت سے بچ گئے تھے)۔

دوسرا بند

وا غم از رسوائی ایں کارواں — در امیر او ندیدم نور جاں
تن پرست و جاہ مست و کم نگہ — اندرونش بے نصیب از لا الٰہ
در حرم زاد و کلیسا را مرید! — پردۂ ناموس ما را بر درید
• دامن او را گرفتن ابلہی است — سینۂ او از دل روشن تہی است
اندریں رہ تکیہ بر خود برخود کن کہ مرد — صید آہو با سگ کورے نکرد
آہ از قومے کہ چشم از خویش بست — دل بہ غیر اللہ داد' از خود گست
تا خودی در سینۂ ملت بمرد — کوہ کاہی کرد و باد او را ببرد
گرچہ دارد لا الٰہ اندر نہاد — از بطون او مسلمانے نزاد
آنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں — آنکہ لرزد از سجود او زمیں
آنکہ زیر تیغ گوید لا الٰہ — آنکہ از خونش بروید لا الٰہ
آں سرور آں سوز مشتاقی نماند — در حرم صاحبدلے باقی نماند
اے مسلماں اندریں دیر کہن — تا کجا باشی بہ بند اہرمن
جہد با توفیق و لذت در طلب — کس نیابد بے نیاز نیم شب
زیستن تا کے بہ بحر اندر چو خس — سخت شو چوں کوہ از ضبط نفس

✱

(1) میں اس کارواں کی یعنی غلام مسلمانوں کے قافلے کی رسوائی سے دل میں داغ رکھتا ہوں + میں نے اس کے امیر کارواں میں کوئی نور نہیں دیکھا (اس قوم کے راہنما بے بصیرت ہیں)۔

(2) وہ تن پرست جاہ مست اور کم نگاہ ہے + اس کا اندر لا الٰہ سے بے نصیب ہے (زبان سے کلمہ گو ضرور ہے لیکن اس کا کوئی اثر اس میں نہیں ہے)۔

(3) وہ پیدا کعبہ میں یعنی مسلمانوں کے گھر میں ہوا ہے لیکن مرید گرجا کا ہے یعنی اس کی فکر اس کے طور اور اس کی زندگی کے انداز سب عیسائیوں جیسے ہیں + اس نے ہماری یعنی ملت اسلامیہ کی ناموس کے پردے کو چاک کر دیا (ملت کو ذلیل کر دیا ہے۔

(4) اس کا دامن پکڑنا بے وقوفی ہے + اس کا سینہ روشن دل سے خالی ہے۔

(5) اس راستے میں (ایسے بدخواہ امیر کارواں کی بجائے اے قافلے والے) خود پر بھروسہ کر کیونکہ کسی مرد نے + ہرن کا شکار اندھے کتے کی مدد سے نہیں کیا۔

(6) افسوس ہے اس قوم پر جس نے خود پر آنکھیں بند کرلیں یعنی جس نے اپنی خودی کو نہ پہچانا + جس نے اپنا دل غیر اللہ کو دے دیا اور اپنے آپ سے ناتہ توڑ لیا۔

(7) جب ملت کے سینے میں خودی مر گئی + (تو) پہاڑ تنکا ہو گیا اور ہوا اسے لے اڑی (مخالف قوتیں اس پر غالب آ گئیں)۔

(8) اگرچہ (مسلمان) اپنی فطرت میں لا الٰہ رکھتا ہے (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) لیکن اس کے اندر سے مسلمانی پیدا نہیں ہوئی مراد یہ ہے کہ مسلمان نام کا مسلمان ہے طیبہ کا اقرار کرنے کے بعد غیروں کا محتاج ہے۔

(9) وہ جو بے یقینوں کو یقین بخشتا ہے + وہ کہ جس کے سجدے سے زمین لرزتی ہے۔

(10) وہ جو تلواروں کے سائے میں لا الٰہ کہتا ہے + وہ جس کے خون سے لا الٰہ (کا پودا) اُگتا ہے یعنی جو شہید ہو جاتا ہے لیکن لا الٰہ پر آنچ آنے نہیں دیتا۔

(11) (آج اس مسلمان) میں وہ سوز مشتاقی (عشق کا سوز) اور وہ (عشق کی وجہ سے پیدا شدہ) سرور باقی نہیں رہا + (آج) حرم میں کوئی صاحب دل باقی نہیں رہا۔

(12) اے مسلمان اس پرانی دنیا میں + کب تک تو شیطان کی زنجیر میں بندھا رہے گا (کب تک اس کے پھندے میں گرفتار رہے گا)۔

(13) طلب میں لذت اور توفیق والی کوشش + کسی میں آدھی رات کی (آہ فغاں) سے بے نیاز ہو کر نہیں آ سکتی (رات کے پچھلے پہر خدا سے تعلق پیدا کر اسی میں تیری بہتری کا راز ہے)۔

(14) سمندر کے اندر تنکے کی طرح رہنا کب تک + ضبط نفس سے پہاڑ کی طرح سخت ہو (یہ دنیا ساحل سمندر کی طرح امن کی جگہ نہیں یہ تو سمندر کی گہرائیوں اور اس میں اٹھنے والے طوفانوں کی طرح ہے اس کے لئے سخت کوشش اور سخت جان ہونا پڑے گا)۔

تیسرا بند

گرچہ دانا حال دل باکس نگفت از تو درد خویش نتوانم نہفت
تا غلام در غلامی زادہ ام ز آستان کعبہ دور افتادہ ام
چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود از خجالت آب میگردد وجود
عشق می گوید کہ "اے محکوم غیر سینہ تو از بتاں مانند دیر
تانداری از محمدؐ رنگ و بو از درود خود میالا نام او"

✱

(1) اگرچہ دانا آدمی نے (کبھی) کسی سے دل کا حال بیان نہیں کیا + تجھ سے (اے عہد حاضر کے زبون و زار مسلمان) میں اپنا درد نہیں چھپا سکتا۔

(2) چونکہ میں غلام ہوں اور غلامی کے دور میں پیدا ہوا ہوں + (اس لئے) میں کعبہ کے آستان سے دور جا پڑا ہوں (مجھے دین سے کوئی شغف نہیں رہا)۔

(3) جب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود بھیجتا ہوں + تو شرمندگی سے میرا بدن پانی ہو جاتا ہے۔

(4) عشق کہتا ہے کہ اے غیروں کے محکوم تیرا سینہ توبتوں کی وجہ سے مندر کی مانند ہے (تو نے سینے میں تو غیر اللہ کو اور غیر مصطفیٰ کو جگہ دے رکھی ہے)۔

(5) جب تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ و بو ہی نہیں رکھتا (تو) اپنے درود سے اس کا نام گدلا نہ کر۔

چوتھا بند

از قیام بے حضور من مپرس   از سجود بے سرور من مپرس
جلوۂ حق گرچہ باشد یک نفس   قسمت مردان آزاد است و بس
مردِ آزادے چو آید در سجود   در طوافش گرم رو چرخ کبود
ما غلاماں از جلالش بے خبر   از جمال لازوالش بے خبر
از غلامے لذت ایماں مجو   گرچہ باشد حافظ قرآں مجو
مومن است و پیشہ او آزری است   دین و عرفانش سراپا کافری است
در بدن داری اگر سوز حیات   ہست معراج مسلماں در صلوٰت
ور نداری خون گرم اندر بدن   سجدۂ تو نیست جز رسم کہن
عید آزاداں شکوہ ملک و دیں   عید محکوماں ہجوم مومنیں!

*

(1) میرے (نماز) میں بے حضور قیام کے متعلق نہ پوچھ + میرے (نماز میں) بے سرور سجدے کے متعلق (بھی) مت پوچھ مراد ہے نہ میری نماز کا قیام درست ہے اور نہ سجدہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کی بجائے میں نہ جانے کہاں گھوم پھر رہا ہوتا ہوں ایسی نماز کے نہ قیام میں نرہ ہے اور نہ سجدے میں۔

(2) حق کا جلوہ اگرچہ ایک دم کے لئے کیوں نہ ہو + وہ صرف آزاد مردوں کی قسمت میں ہے اور بس (نماز یا حضور آزاد مردوں کی ہوتی ہے غلاموں کی نہیں ہوتی)۔

(3) آزاد مرد جب (نماز کے وقت) سجدے میں پڑتا ہے + تو اس کے طواف میں نیلا آسمان تیزی سے گھومنے والا ہوتا ہے (چونکہ نمازی اس وقت ہر شے سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائے ہوئے ہوتا ہے اس لئے ساری کائنات اس کی تماشائی ہوتی ہے اس کے آگے سر جھکائے ہوئے ہوتی اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوتی ہے)۔

(4) ہم غلام (ایسے سجدے کے) جلال سے بے خبر ہیں + ہم اس کے لازوال جمال سے بے خبر ہیں۔

(5) کسی غلام سے ایمان کی لذت تلاش نہ کر + اگرچہ وہ قرآن کا حافظ کیوں نہ ہو اس میں (لذت ایمان) تلاش نہ کر۔

(6) (آج صورت حال یہ ہے کہ) مومن ہے لیکن اس کا پیشہ آذری (بت پرستی) ہے (وہ کلمہ گو ہو کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے) + اس کا دین اور اس کا عرفان سراسر کافری یعنی کافروں کا سا ہے (آذر حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ان کی قوم کا بابا تھا جو بت پرست تھا)۔

(7) اگر تو بدن میں سوزِ حیات رکھتا ہے + تو نماز میں مسلمان کی معراج ہے۔

(8) اگر تو بدن کے اندر گرم خون (نور عشق) نہیں رکھتا + تو تیرا سجدہ سوائے ایک پرانی رسم کے اور کچھ نہیں ہے۔

(9) آزاروں کی عید دین اور ملک کا شکوہ (جلال / دبدبہ) ہوتا ہے + غلاموں کی عید (صرف) مومنوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔

حرفے چند با امت عربیہ

چند باتیں عرب قوم کے لئے

اے در و دشت تو باقی تا ابد
نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد؟

در جہان زود و دور و دیر و زود
اولیں خوانندۂ قرآں کہ بود؟

رمز الا اللہ کرا آموختند؟
ایں چراغ اول کجا افروختند؟

علم و حکمت ریزۂ از خوان کیست؟
آیہ فاصبحتم اندر شان کیست؟

از دم سیراب آں امی لقب
لالہ رست از ریگ صحرائے عرب

حریت پروردۂ آغوش اوست
یعنی امروز امم از دوش اوست

او دلے در پیکر آدم نہاد
او نقاب از طلعت آدم کشاد

ہر خداوند کہن را او شکست
ہر کہن شاخ از نم او غنچہ بست

گرمی ہنگامہ بدر و حنین
حیدرؓ و صدیقؓ و فاروقؓ و حسینؓ

سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد
قراءت الصفت اندر نبرد

تیغ ایوبی نگاہ با یزید
گنجہائے ہر دو عالم را کلید

عقل و دل را مستی از یک جام مے
اختلاط ذکر و فکر روم و رے

علم و حکمت، شرع و دیں، نظم امور
اندرون سینہ دل ہا ناصبور

حسن عالم سوز الحمرا و تاج
آنکہ از قدوسیاں گیرد خراج

ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست
یک تجلی از تجلیات اوست

ظاہرش ایں جلوہ ہائے دلفروز
باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز

حمد بیحد مر رسولؐ پاک را
آں کہ ایماں داد مشت خاک را

(خواجہ عطار بہ تغیر لفظی)

*

(1) اے کہ تیرے بیابانوں اور آبادیوں کو (خدا) ابد تک باقی رکھے + "کوئی کسریٰ (شاہ ایران) اور کوئی قیصر (شاہ روم) نہیں ہے" کا نعرہ کس نے لگایا تھا یعنی اے عرب کی قوم تو وہ ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرنے کے بعد ادھر ایرانی اور ادھر رومن سلطنت کو تباہ کر دیا تھا)۔

(2) اس نزد و دور اور دیر و زود کے جہان میں یعنی اس جہان میں جو زمان و مکاں میں مقید ہے + سب سے پہلے قرآن کا پڑھنے والا کون تھا (اے عرب تو ہی تو تھا)۔

(3) رمز الا اللہ کس کو سکھائی گئی تھی + یہ چراغ پہلے کہاں جلایا گیا تھا۔

(4) علم و حکمت کس کے دستر خوان کا ریزہ (پس خوردہ) ہے + فاصبحتم کی آیت کس کی شان میں آئی (اس میں قرآن کی آیت =3۔103= کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ یاد کرو احسان اللہ کا جو اس نے تم پر کیا جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی جس کی بدولت تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے) پہلے مصرع میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم عرب ہی تھے جنہوں نے علم و حکمت کی روشنی دنیا کو دی باقی سب نے اس سے استفادہ کیا یہاں تک کہ یورپ کی موجودہ ترقی کی بنیاد یہی بنتی ہے۔

(5) اس امی لقب یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے + صحرائے عرب کی ریت سے لالے اگے (بڑے بڑے علماء، صفیاء، فقراء، حکماء وغیرہ پیدا ہوئے)۔

(6) حریت (آزادی کی نعمت) ان کی آغوش کی پروردہ ہے + یعنی قوموں کا آج ان کے گزرے ہوئے کل کی وجہ سے ہے مراد ہے آج جس حریت کا چرچا ہے یا جس حریت کی نعمت سے اقوام عالم اور بندگان خدا سرفراز ہیں وہ اسی امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے آدمی آدمی کا غلام ہو یہ خلاف فطرت ہے کا اصول دنیا کو انہی نے دیا ہے۔

(7) انہوں نے آدمی کے جسم میں دل رکھا (لوگوں کو تن پرستی سے نکالا اور خدا پرستی کی طرف مائل کیا جسم کی طاقتوں کے ساتھ ساتھ دل کی طاقتوں کا بھی انکشاف کیا جان و تن دونوں کی پرورش کی تلقین کی + انہوں نے آدم کے چہرے سے نقاب اٹھایا مراد ہے انہوں نے آدمی کو اپنے ہونے کا احساس دلایا اپنی قدر و قیمت بتائی کہ تو ہی سب کچھ ہے باقی سب کچھ تو تیری خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

(8) انہوں نے ہر پرانے خداوند کو توڑ دیا (اور صرف ایک خدا کے آگے جھکنے کا درس دیا) + ہر پرانی شاخ نے ان کے نم کی وجہ سے غنچہ پیدا کیا (زندگی کی نئی نئی راہیں کھولیں)۔

(9) جنگ بدر اور جنگ حنین کے ہنگاموں کی گرمی + حیدر (حضرت علیؓ) صدیق (حضرت ابو بکرؓ) فاروق (حضرت عمر فاروقؓ) اور امام حسینؓ (ان کی شخصیت، کردار اور تعلیمات کا عکس لئے ہوئے ہیں)۔

(10) جنگ کے موقع پر (میدان جنگ میں) نماز کی اذان کی ہیبت + جنگ کے موقع پر قرآن کی سورۃ الصّٰفّٰت کی قرآت (انہی کے طفیل ہے انہوں نے یہی بتایا کہ جنگ کرتے ہوئے اگر نماز کا وقت آجائے تو اذان کہہ کر اللہ کے آگے سر بسجود ہو جاؤ مگر ایک خاص قاعدے کے مطابق جو اس وقت کے لئے انہوں نے بتایا ہے اس کی مثال نہ صرف انہوں نے خود بلکہ ان کے صحابہ اور تابعین تک نے قائم کی ہے

سورہ الصّٰفّٰت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں میدان جنگ میں صفیں باندھنے اور دوسری حربی ضربی باتوں کا ذکر ہے)۔

(11) حضرت صلاح الدین ایوبی (فاتح بیت المقدس) کی تلوار اور بایزید بسطامی (فقیر) کی نگاہ + جو دونوں جہانوں کے خزانوں کی کنجی ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی عطا کی ہوئی ہے (سلطان صلاح الدین نے تن تنہا سارے یورپ والوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی عزت کو چار چاند لگائے اور بایزید اپنی نگاہ کی تاثیر سے ہزاروں اور لاکھوں کے دلوں میں حق کا نفوذ کیا مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سرفرازی کے راستے دکھلائے)۔

(12) عقل و دل کو ایک ہی پیالے سے مستی ملی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو کامل کیا + روم اور رے کے ذکر و فکر میں اختلاط پیدا ہوا (روم کا اشارہ مولانا روم کی طرف ہے جو ذکر کے نمائندہ ہیں اور رے کا اشارہ فخرالدین رازی کی طرف ہے جو عقل کے نمائندہ ہیں مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے عقل اور عشق دونوں مراد پا گئے عقل کو غیاب و جستجو مل گئی اور عشق کو حضور و اضطراب نصیب ہو گیا)۔

(13) علم و حکمت شرع و دین اور امور کا انتظام (کیا ہے یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے معلوم ہوا) + ان کے (فیضان نگاہ ہی کے طفیل) سینوں کے اندر ناصبور دل (پیدا ہوئے) یعنی جذبہ عشق بھی انہوں نے ہی عطا کیا۔

(14) عالم سوز حسن یعنی وہ حسن جو اندلس کے محل) الحمرا اور بھارت کے شہر آگرہ کے تاج محل میں ہے + وہ جو کہ فرشتوں سے خراج وصول کرتا ہے یعنی جس کی پاکیزگی اور صفائی کے فرشتے بھی اقراری ہیں۔

(15) یہ سب کچھ ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات میں سے ایک لمحہ کے برابر ہے (اس قسم کے حسن عالم سوز کے نمونے فنون لطیفہ اور شخصیات پاکیزہ میں اور نہ جانے کتنے ہیں) + یہ ان کی تجلی میں سے ایک تجلی ہے (دنیا میں جہاں کہیں بھی مرد مومن نے اپنی داخلی شخصیت کا اظہار کیا ہے خواہ اس کے عمل و کردار میں ہو خواہ اس کے فکر و تخیل میں ہو اور خواہ اس کے فن و ہنر میں ہو سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کا ایک معمولی حصہ ہے)۔

(16) اس کا ظاہر یہ اس کے دل فروز جلوے ہیں + اس کا باطن ابھی تک عارفوں سے پوشیدہ ہے (اب تک جن باتوں کا ذکر ہوا ہے اس کا تعلق تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حسن و تجلی سے ہے ان کے باطن کا حسن کیا ہے اس کو علما و حکما تو کیا ابھی تک عارف لوگ بھی پورے طور پر نہیں جان سکے)۔

(17) بے حد حمد خصوصی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی + کہ جنہوں نے جس مٹی کی مٹھی کو یعنی بنی آدم کو ایمان بخشا (یہ شعر مشہور فارسی شاعر خواجہ فریدالدین عطار کے پند نامہ کا ہے۔ جس میں علامہ نے ادنیٰ تغیر کیا ہے۔

دوسرا بند

حق ترا برّان تر از شمشیر کرد   ساربان را راکب تقدیر کرد
بانگ تکبیر و صلوت و حرب و ضرب   اندران غوغا کشاد شرق و غرب
اے خوش آں مجذوبی و دل بردگی   آہ زیں دل گیری و افسردگی
کار خود را امتاں بردند پیش   تو ندانی قیمت صحرائے خویش
امتے بودی' امم گردیدۂ   بزم خود را خود زہم پاشیدۂ
ہر کہ از بند خودی وارست' مرد   ہر کہ با بیگانگاں پیوست' مرد
آنچہ تو با خویش کردی' کس نکرد   روح پاک مصطفیٰ آمد بدرد!
اے ز افسون فرنگی بے خبر   فتنہ ہا در آستین او نگر
از فریب او اگر خواہی اماں   اشترانش را ز حوض خود بران
حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد   وحدت اعرابیاں صد پارہ کرد
تا عرب در حلقۂ دامش فتاد   آسماں یک دم اماں او را نداد
عصر خود را بنگر اے صاحب نظر   در بدن باز آفریں روح عمرؓ
قوت از جمعیت دین مبیں   دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقیں
تا ضمیرش راز دان فطرت است   مرد صحرا پاسبان فطرت است
سادہ و طبعش عیار زشت و خوب   از طلوعش صد ہزار انجم غروب
بفگند از دشت و در و کوہ و دمن   خیمہ را اندر وجود خویش زن
طبع از باد بیاباں کردہ تیز   ناقہ را سردہ بمیدان ستیز
عصر حاضر زادۂ ایام تست   مستی او از مے گلفام تست
شارح اسرار او تو بودۂ   اولیں معمار او تو بودۂ
تا بہ فرزندی گرفت او را فرنگ   شاہدے گردید بے ناموس و ننگ
گرچہ شیرین است و نوشین است او   کج خرام و شوخ و بے دین است او
مرد صحرا! پختہ تر کن خام را   بر عیار خود بزن ایام را

*

(1) اے اہل عرب (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کی تربیت کے فیضان کی بدولت) حق نے تمھیں تلوار سے زیادہ تیز کاٹ والا بنایا + ساربانوں کو تقدیر کے (گھوڑے کا) سوار کیا (تم جدھر جاتے تھے ملک کے ملک فتح کرتے چلے جاتے تھے تم پہلے صحرا نشین اور اونٹ چرانے والے بدو شمار ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے تمھیں صرف اپنی ہی نہیں بلکہ قوموں کی تقدیر بدلنے والا بنایا)۔

(2) اذان کی آواز اور نماز اور جنگ وجدال (جہاد اللہ کی راہ میں) اس غوغا (ہنگامہ) کے اندر مشرق اور مغرب (کی قسمت) کی کشاد تھی تم نے اے اہل عرب دنیا کے لوگوں کو جہاد کے ذریعے اللہ اور اس کی

معبودیت سے آشنا کیا)۔

(3) کتنی اچھی تھی تمہاری وہ مجذوبی (اللہ کی راہ میں مستی) اور (لوگوں کے) دلوں کو کھینچ لانے کی (محبوبیت) یعنی تم اللہ کے لئے جہاد کرتے ہوئے جس طرف جاتے تھے لوگ تمہارے اور تمہارے دین کے فریفتہ ہو جاتے تھے + افسوس ہے تمہاری (آج کی) دل گیری اور افسردگی پر (یعنی آج تم میں کوئی خوبی نہیں ہے تم خود دل گرفتہ و افسردہ ہو قوموں کی دوڑ میں سب سے پیچھے ہو کہاں وہ بلندی اور کہاں یہ پستی)۔

(4) (دوسری) قومیں اپنے کاموں میں سبقت لے گئیں (تم سے کہیں آگے نکل گئیں ترقی کے اوج پر پہنچ گئیں) + (لیکن) تو اپنے صحرا کی قیمت کو نہیں جانتا (یہ وہ صحرا ہے جہاں سے تو نے اٹھ کر دنیا کو فتح کر لیا تھا یہ وہ صحرا ہے جہاں سے نبی آخر الزماں نے اپنی دعوت و عزیمت اور نگاہ و صحبت سے تمہیں ایک متحد زندہ اور غالب قوم بنادیا تھا آج تم ہو کہ اپنے صحرا کی قیمت کو بھول چکے ہو اسے یاد کرو اور دوبارہ سرفرازی حاصل کرنے کے لئے میدان عمل میں اترو)۔

(5) (اے عرب کے لوگو) تم ایک متحد قوم تھے (آج) کئی قوموں میں بٹ چکے ہو + تم نے اپنی بزم کو خود ہی الگ الگ کر کے بکھیر دیا۔

(6) جو کوئی خودی کی قید سے نکلا وہ مرگیا + جو کوئی غیروں سے گھل مل گیا مرگیا (یعنی جس نے اپنی خودی نہ پہچانی اور خود کو دوسروں کی خودی میں گم کر دیا وہ ختم ہو گیا اے اہل عرب تم نے بھی اپنی شناخت کو قائم رکھنے کی بجائے خود کو سیاسی' تہذیبی' ثقافتی غرض کہ ہر طور سے فرنگی کے رنگ میں رنگ دیا اور اس طرح خود کو کھو دیا)۔

(7) جو کچھ تم نے خود سے کیا ہے کسی اور نے نہیں کیا + (تمہاری کرتوتوں کو دیکھ کر) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو تکلیف پہنچتی ہے (انہوں نے اتنی محنت کے بعد تمہیں ہر لحاظ سے قابل بین قوم بنایا تھا ایسی قوم جس نے اپنی روحانی و جسمانی نعمتوں سے دوسروں کو بھی سرفراز کیا تھا لیکن آج تم ہر خوبی اور ہر نعمت سے خالی دامن ہو اور شعبہ زندگی میں غیروں کے محتاج ہو)۔

(8) اے کہ تو افرنگی (یورپ والوں) کے فریب سے بے خبر ہے + اس کی آستین میں (چھپے ہوئے) فتنوں کو دیکھ (وہ فتنے جو وہ اپنی طرح طرح کی فریب کاریوں سے تیرے اندر پیدا کر رہے ہیں اور اس طرح نہ صرف تمہیں آپس میں لڑا رہے ہیں بلکہ تم پر اپنی ہر قسم کی گرفت کو بھی مضبوط بنا رہے ہیں)۔

(9) اگر تو اس کے فریب سے اماں چاہتا ہے + اس کے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہانک دے یعنی ان کو اپنے کاموں میں دخل اندازی کا موقع نہ دے۔

(10) اس کی حکمت فرنگی کی سکمت نے (تمہیں ہی نہیں) ہر قوم کو بے چارہ بنادیا ہے + اس نے عربوں کی وحدت کو بھی پارہ پارہ کر دیا۔

(11) جب سے اہل عرب اس (فرنگی کی فریب کاری کے) جال میں پھنسے ہیں + آسمان نے ایک دم کے لئے ان کو اماں نہیں دی (وہ مسلسل مصائب میں گرفتار ہیں)۔

(12) اے صاحب نظر اپنے زمانے کو دیکھ + اپنے بدن میں پھر حضرت عمرؓ کی روح پیدا کر (تاکہ کفر پر رعب طاری ہو عدل و احسان کا دور دورہ ہو جہاد فی سبیل اللہ سے لوگوں کو چھٹکارا دلا کر ان کو رب قدوس کے بندے بنایا جائے اور اس طرح ان پر احسان عظیم کیا جائے)۔

(13) (یاد رکھ) تیری قوت روشن دین یعنی اسلام کی جمعیت سے ہے + (اور دین کیا ہے) سب ۃ سب عزم ہے اخلاص اور یقین ہے (کسی بھی کام میں کامیابی کے لئے پہلے مضبوط عزم کی ضرورت ہوتی ہے پھر اس کو اخلاص سے عمل میں لایا جاتا ہے اس یقین پر کہ کامیابی ہوگی)۔

(14) چونکہ اس کی ضمیر فطرت کی راز دان ہوتی ہے (اس لئے) مرد صحرا فطرت کا پاسبان ہوتا ہے (اس میں اس قسم کے دین اور اس قسم کے معاشرے کو پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو فطرت کے مطابق ہو)۔

(15) (مرد صحرا) سادہ (ہوتا ہے) اور اس کی طبیعت اچھے اور برے (کے پرکھنے کی) کسوٹی (ہوتی ہے) + اس کے طلوع سے سینکڑوں ہزار ستارے غروب ہو جاتے ہیں (یعنی ہر قسم کے غلط اور باطل افکار و اعمال ختم ہو جاتے ہیں)۔

(16) (ایسا کر کے اب تو) اپنے بیابان یا صحرا اور آبادی اور پہاڑ اور گھاٹی سے گزر جا (تو نے خارج کا بہت تماشا کر لیا) + (اب خارج سے نظر ہٹا کر) اپنے وجود کے اندر خیمہ گاڑ (خود کو پہچان غفلت سے نکل پھر وہ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عرب کا ماحول پیدا کر اور ان نعمتوں سے جو اس ماحول نے کبھی تمہیں عطا کی تھیں خود بھی سرفراز ہو اور دنیا کو بھی سرفراز کر)۔

(17) اپنی طبیعت کو بیابان کی ہوا سے تیز کر کے + اپنی ناقہ (اونٹنی) کو میدان جنگ کی طرف روانہ کر (یہ میدان ہتھیاروں والی جنگ کا میدان نہیں بلکہ حق و باطل کی جنگ کا میدان ہے جو آج ہر طرف چھڑی ہوئی ہے)۔

(18) عصر حاضر تیرا ہی پیدا کردہ ہے (یورپ والوں نے تیرے ہی علوم و فنون سے استفادہ کر کے موجود ترقی کی ہے) + اس کی مستی تیری ہی گلابی شراب کی وجہ سے ہے۔

(19) اس کے بھیدوں کا شرح کرنے والا تو ہوا ہے + اس کا پہلا معمار تو ہوا ہے یعنی وہ تہذیب و تمدن وہ دین و معاشرہ وہ علوم و فنون اور وہ نظریات و افکار جو تو نے اندلس فرانس اور دوسرے علاقوں کے ذریعے یورپ تک پہنچائے ہیں اہل یورپ ان کے سرے کو پکڑ کر ہی موجودہ منازل ترقی تک پہنچے ہیں لیکن انہوں نے ایک غلطی کی ہے انہوں نے عربوں کی محاسن کو ان سے نکال کر اپنے عیوب داخل کر دیئے ہیں اگر عربوں کے علوم و فنون کی صحیح شرح کو یورپ والے اپناتے تو وہاں انسانی معاشرہ ہوتا حیوانی نہ ہوتا اسلامی معاشرہ ہوتا باطلی معاشرہ نہ ہوتا)۔

(20) جب (تیرے علوم و فنون کو) فرنگیوں نے اپنی فرزندی میں لے لیا یعنی اپنایا تو (وہ فرزند) ایک بے ناموس تنگ شاہد بن گیا (ظاہر روشن اندر تاریک)۔

(21) اگرچہ (مغربی معاشرہ) میٹھا ہے اور پینے میں شیریں ہے + لیکن وہ ٹیڑھی چال چلنے والا شوخ اور بے دین ہے (ملحد' باطل اور مشرک معاشرہ ہے شوخ ایسا کہ اس کو خدا کا ڈر تک نہیں ہے جو جی میں آئے کر رہا ہے جس سمت کو منہ اٹھتا ہے جا رہا ہے یہ سراسر انسانیت و آدمیت کی تباہی کا معاشرہ ہے)۔

(22) مرد صحرا اٹھ جس طرح کبھی پہلے تو نے کیا تھا اب پھر دنیا کے خام کو پختہ تر کر + زمانے کو اپنی کسوٹی پر لگا (ان تمام خرابیوں اور خامیوں کو دور کر جو اس وقت دنیا کے لادین معاشرے میں پیدا ہو چکی ہیں یہ تیری ذمہ داری بنتی ہے کیونکہ تو اس نبی آخرالزماں کے ملک سے تعلق رکھتا ہے جس نے بھی دنیا کے

باطلی اور مشرکانہ اندھیرے میں توحید اور دین کی روشنی پھیلائی تھی دیکھ دنیا پھر اندھیرے میں جا چکی ہے اسے پھر سراج منیر کی ضرورت ہے اور اس سراج منیر کی روشنی تیرے بام و در تیرے صحرا و بیابان میں آج بھی موجود ہے اٹھ اس سے پہلے خود روشن ہو اور پھر اس سے ساری دنیا کو روشن کر۔

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق

پس اے مشرقی قوموں تمھیں کیا کرنا چاہیے

پہلا بند

آدمیت زار نالید از فرنگ زندگی ہنگامہ بر چید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق؟ باز روشن می شود ایام شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید شب گذشت و آفتاب آمد پدید
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد زیر گردوں رسم لا دینی نہاد
گرگے اندر پوستین برۂ ہر زماں اندر کمین برۂ
مشکلات حضرت انساں ازوست آدمیت را غم پنہاں ازوست
در نگاہش آدمی آب و گل است کاروان زندگی بے منزل است

✱

(1) آدمیت فرنگیوں (کے ہاتھوں) بہت روئی + (اس دور میں) زندگی نے فرنگی سے ہنگامہ حاصل کیا مراد ہے ہر طرف فرنگی تہذیب و تمدن اور افکار و خیالات کی چھاپ نظر آتی ہے انسانیت چیخ رہی ہے اور آدمی ہزاروں قسم کی پریشانیوں کا شکار ہے زندگی ہنگاموں سے دوچار ہے ہر طرف جنگ و جدال افراتفری اور بے سکونی ہے)۔

(2) (ایسی حالت میں جب فرنگیوں نے دنیا کو دوزخ بنا رکھا ہے) اے مشرق کی قوموں تمہیں کیا کرنا چاہیے + (تاکہ) مشرق کے دن پہلے کی طرح) پھر روشن ہوں۔

(3) اس کے یعنی یورپ کے دل میں انقلاب برپا ہوا + رات گزر گئی اور سورج نکل آیا یعنی اہل یورپ تنزل کے اندھیروں سے نکل کر ترقی کی روشنی میں آگئے۔

(4) یورپ اپنی ہی تلوار سے بسمل ہو گیا + آسمان کے نیچے یعنی دنیا میں اس نے لادینی کی رسم توڑ ڈالی (یعنی یورپ نے ترقی تو ضرور کی لیکن معاشرے کو لادین بنا دیا۔

(5) وہ بھیڑ کے بچے کی کھال میں بھیڑیا ہے + جو ہر زماں کسی بھیڑ کے بچے (کا شکار کرنے کے لئے اس کی) گھات میں بیٹھا ہے (یورپ نے ایسا بے دین معاشرہ دیا جس نے کمزور قوموں کو فتح کر کے ان کے خون چوسنے کو جائز قرار دیا)۔

(6) (آج) حضرت انسان کی (جتنی بھی) مشکلات ہیں اس کے یعنی فرنگی کے بے دین معاشرے کی وجہ

سے ہیں + آدمیت کو (جو) پوشیدہ غم لاحق ہے وہ اس کی بدولت ہے (آدمیت کا پوشیدہ غم یہ ہے کہ وہ اندر ہی اندر اپنی قدریں کھو رہی ہے بہ ظاہر آدم کے احترام کی بڑی باتیں ہو رہی ہیں لیکن آدمیت و انسانیت کو حیوانیت میں تبدیل کیا جارہا ہے)۔

(7) اس کے یعنی یورپ کے معاشرہ میں آدمی آب و گل کا نام ہے یعنی وہ مٹی اور پانی کا بنا ہوا ایک مجسمہ ہے اور بس + اسکی زندگی کا قافلہ بے منزل ہے (اہل یورپ کے سامنے آدمی کے جسم کی آسائشوں کے بڑے منصوبے ہیں لیکن اس کے جسم کے اندر جو اصل آدمی ہے اس کی تربیت و پرورش کی کوئی بات نہیں ہے)۔

دوسرا بند

ہر چہ می بینی ز انوار حق است	حکمت اشیا ز اسرار حق است
ہر کہ آیات خدا بیند حر است	اصل ایں حکمت ز حکم انظر است
بندۂ مومن ازو بہروز تر	ہم بہ حال دیگراں دل سوز تر
علم چوں روشن کند آب و گلش	از خدا ترسندہ تر گردد دلش
علم اشیا خاک ما را کیمیاست	آہ! در افرنگ تاثیرش جداست
عقل و فکرش بے عیار خوب و زشت	چشم او بے نم' دل او سنگ و خشت
علم ازو رسواست اندر شہر و دشت	جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت
دانش افرنگیاں تیغے بدوش	در ہلاک نوع انساں سخت کوش
با خساں اندر جہان خیر و شر	در نسازد مستی علم و ہنر
آہ از افرنگ و از آئین او	آہ از اندیشہ لا دین او
علم حق را ساحری آموختند	ساحری نے' کافری آموختند!
ہر طرف صد فتنہ می آرد نفیر	تیغ را از پنجہ رہزن بگیر
اے کہ جاں را باز می دانی ز تن	سحر ایں تہذیب لا دینے شکن
روح شرق اندر تنش باید دمید	تا بگردد قفل معنی را کلید
عقل اندر حکم دل یزدانی است	چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

*

(1) تو جو کچھ دیکھتا ہے یہ انوار حق سے ہے اشیا کی حکمت اسرار حق سے ہے (اہل یورپ نے کائنات کا مادی تصور پیش کیا ہے لیکن اسلام اور اس کے حکماء و صوفیا کہتے ہیں کہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ ہے کائنات کے ذرے میں اس کے خالق کے نور کی جلوہ گری ہے ہر ذرہ کائنات اسرار حق لئے ہوئے ہیں عارف کی نظر پیدا کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کتنا درست ہے "کہ میں زمینوں اور آسمانوں کا نور ہوں")۔

(2) جو کوئی (کائنات میں) اللہ کی نشانیاں دیکھتا ہے وہ آزاد مرد ہے (وہ مرد فقیر ہے) + اس حکمت کی

اصل قرآن کی یہ آیت ہے کہ انظرالی الابل کیف خلقت کہ اونٹ کو دیکھو کہ ہم نے اس کو کس طرح کا پیدا کیا مراد ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اس پر غور و فکر کرو یہ غور و فکر تمہیں سوائے اللہ کے ہر شے سے بے نیاز کر دے گا تم مرد حر بن جاؤ گے۔

(3) بندہ مومن اس سے زیادہ خوش حال اور فارغ البال (بن جاتا ہے) + وہ دوسروں کے حال (میں شریک ہونے کے لئے) زیادہ سوز دل رکھنے والا (ہو جاتا ہے) کیونکہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر شے میں اللہ کے نور کی جلوہ گری ہے اور یہ عقیدہ اسے اللہ کے سوا ہر شے سے بے نیاز بنا دیتا ہے جب ہر شے اپنے وجود میں خود اللہ کی محتاج ہو تو پھر ہر شے سے کنارہ کش ہو کر کیوں نہ صرف اللہ کی محتاجی اختیار کر لی جائے جب ہر شے اللہ ہی کی جلوہ گری لئے ہوئے ہے تو کیوں نہ ہر ایک سے محبت و مروت سے پیش آیا جائے۔

(4) علم جب اس کے یعنی بندہ مومن کے آب و گل کو روشن کرتا ہے + تو اس کا دل خدا سے بہت زیادہ ڈرنے والا بن جاتا ہے (جس کا دل خدا سے ڈرنے والا ہو وہ ہر شے کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے اور ہر سکون و ثبات میں احتیاط اور پرہیزگاری سے کام لیتا ہے)۔

(5) علم اشیا ہماری خاک کے لئے کیمیا ہے + افسوس ہے اس کی تاثیر یورپ والوں میں الگ ہے (اشیا کا علم مومن کے اندر خدا کے وجود کا یقین کامل پیدا کر دیتا ہے جب کہ یورپ والے اپنے مادی نقطہ نظر کی وجہ سے بے گانہ ہو جاتے ہیں اور جو خدا سے بے گانہ لوگوں کا معاشرہ ہو گا وہ حیوانی اور شیطانی معاشرہ ہو گا)۔

(6) اس کی یعنی یورپ کی عقل و فکر اچھے اور برے کی پرکھ کے بغیر ہے (وہ خیر و شر میں تمیز روا نہیں رکھتی اس کی آنکھ بے نم اور اس کا دل اینٹ اور پتھر ہے (دل نہیں ہے)۔

(7) علم اس سے شہروں اور جنگلوں میں رسوا (ہو گیا ہے) اس کی صحبت سے جبریل ابلیس ہو گیا ہے (یورپ والے اس قدر پست اخلاق ہیں کہ اگر کوئی فرشتہ بھی ان کی صحبت اختیار کر لے تو وہ بھی شیطان بن جائے گا)۔

(8) یورپ والوں کی دانش تو کندھے پر تلوار اٹھائے ہوئے ہے + وہ نوع انسان کی ہلاکت پر سخت کوش ہے (مغربی سائنس اور اس کی ایجادات نے آدمی کو جسمانی اور روحانی طور پر حیوان بنا رکھا ہے وہ انسان کے طور پر ختم ہو چکا ہے اس کی ہر ایجاد جنگ اور تخریب کے لئے ہے)۔

(9) جہان خیر و شر میں کمینے لوگوں کے ساتھ + علم و ہنر کی مستی موافقت پیدا نہیں کرتی (انسانی فطرت کے مخالف یورپ کے سائنس دانوں نے علم و ہنر سے آدمی کی روحانی اور جسمانی ہلاکتوں کے سامان پیدا کئے انہوں نے فطرت کی طاقتوں کو عریاں کر کے جہان میں فساد برپا کر رکھا ہے آدمیت کو مار رکھا ہے)۔

(10) افسوس ہے افرنگ پر اور اس کے آئین پر + افسوس ہے اس کی لادین فکر پر (جس نے فساد آدمیت پیدا کر رکھا ہے)۔

(11) (یورپ والوں نے) علم حق کو جادوگری سکھا دی + ساحری نہیں کافری سکھا دی (سب کو بے دین بنا دیا مادیت کا پرستار بنا دیا)۔

(12) ہر طرف سینکڑوں فتنے فریادیں پیدا کر رکھے تھے ہر طرف سینکڑوں فتنے فریادیں پیدا کر رہے ہیں (سائنس کی ایجادات اور فلسفیانہ افکار نے انسانیت کا قتل عام کر رکھا ہے ہر طرف آہ و زاری کی آوازیں

بلند ہیں) + تلوار کو رہزن (یورپ کے سائنس دانوں اور فلسفیوں) کے ہاتھ سے چھین لے (تاکہ انسانیت کا اور خون نہ ہو سکے)۔

(13) اے وہ شخص کہ تو جان کو تن سے الگ جانتا ہے + اس بے دین تہذیب کا جادو توڑ دے (جو تن اور جان میں امتیاز کرتی ہے جو تن کی پرورش کرتی ہے اور روح سے غافل رکھتی ہے)۔

(14) تیرے تن کے اندر مشرق کی روح پھر پیدا ہو جانی چاہیے + تاکہ وہ معنی کے تالے کی کنجی بن جائے (پہلے بھی مشرق نے یعنی مشرق کے مسلمانوں یا مسلمانوں نے دنیا کو صحیح علم و فن دانش و حکمت اور جان و تن کی صحیح تعلیم دی ہے اب دنیا کو پھر اس تعلیم کی ضرورت ہے اے مسلمان دنیا کے انسانوں کی فلاح و بہبود کے مکان پر مغرب والوں نے جو تالا لگا رکھا ہے اس کی کنجی صرف تیرے پاس ہے تیرے پاس اللہ اور رسول کا وہ پیغام ہے جو ہر مشکل کی کنجی ہے)۔

(15) عقل جب تک دل (عشق) کے حکم کے تابع رہتی ہے تو وہ یزدانی ہے (وہ راہ حق بتانے والی اور حق تک پہنچانے والی ہے) + جب وہ دل یا عشق سے آزاد ہوئی تو وہ شیطانی ہے عہد حاضر کے معاشرے میں جو فساد ہے وہ اسی شیطانی عقل کا ہے)۔

تیسرا بند

زندگانی ہر زماں در کش مکش   عبرت آموز است احوال حبش

شرع یورپ بے نزاع قیل و قال   برہ را کرد است بر گرگاں حلال

نقش نو اندر جہاں باید نہاد   از کفن دزداں چہ امید کشاد؟

در جنیوا چیست غیر از مکر و فن   صید تو ایں میش و آں نخچیر من!

نکتہ ہا کو می نہ گنجد در سخن   یک جہاں آشوب و یک گیتی فتن!

*

(1) زندگی ہر لحہ کش مکش میں ہے (یورپ والوں نے دنیا میں ہر طرف دنگہ اور فساد برپا کر رکھا ہے) + ملک حبشہ کے احوال عبرت آموز ہیں (حبشہ شمالی افریقہ کا ایک ملک ہے جس پر یورپ کے ایک ملک اٹلی نے 1935ء میں قبضہ کر لیا تھا)۔

(2) (اس ایک واقعہ اور اس سے پہلے کے کئی واقعات ثابت کرتے ہیں کہ) یورپ والوں کی شریعت یعنی قوانین و ضوابط بغیر کسی بحث کے یہ ہے + کہ انہوں نے بھیڑ کے بچے کو بھیڑیوں پر حلال کر رکھا ہے یعنی طاقت ور کمزوروں کو غلام بنانے اور ان کو لوٹ کھسوٹ کر اپنے پیٹ موٹے کرنے کا اختیار دے رکھا ہے انسانوں کی بجائے جنگل کے قانون کو روا رکھا ہوا ہے)۔

(3) (اب ہمیں) جہان میں ایک نیا نقش قائم کرنا چاہیے (فرنگیوں کے غیر انسانی نقوش کو مٹا کر اسلام کا انسانی نقش ثبت کرنا چاہیے) + ان کفن چوروں سے (مسائل کے) حل کی کیا امید ہے کفن چوروں سے مراد اہل یورپ ہیں جو کمزور قوموں کی قبروں کے کفن تک بھی چوری کر لیتے ہیں یعنی ان کا چھوٹا بڑا سب سامان زندگی لوٹ لیتے ہیں اور خود عیش کرتے ہیں)۔

(4) جنیوا میں مکروفن کے سوا کیا ہے + تیرا شکار یہ بھیڑ ہے اور وہ شکار میرا ہے (جنیوا یورپ کے ملک سوئزرلینڈ کا دارالحکومت ہے جہاں پہلی جنگ عظیم کے اسی قسم کی جمعیت الاقوام بنائی گئی تھی جس طرح کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد یو این او کے نام سے نیویارک میں قائم ہے دونوں کا کام بڑی طاقتوں کا تحفظ اور چھوٹی طاقتوں کے حقوق کی پامالی ہے بڑی طاقتوں نے اپنے اپنے مفاد کے لئے بندربانٹ کے ذریعے کمزور قوموں کے ملکوں کو اپنے اپنے حلقہ اثر میں لے رکھا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں لوٹ ماری کا بازار گرم رکھا ہے)۔

(5) وہ باریک باتیں جو بیان میں نہیں آسکتیں + (اگر بیان کروں) تو ایک جہان میں آشوب اور ایک دنیا میں فتنہ پیدا کردیں گی یہ باتیں یورپ والوں کی مکاری اور عیاری کے متعلق ہیں)۔

چوتھا بند

اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو　　مومن خود کافر افرنگ شو
رشتہ سود و زیاں در دست تست　　آبروئے خاوراں در دست تست
ایں کہن اقوام را شیرازہ بند　　رایت صدق و صفا را کن بلند
اہل حق را زندگی از قوت است　　قوت ہر ملت از جمعیت است
رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں　　قوت بے رائے جہل است و جنوں

*

(1) (اے مسلمان) تو رنگ کا اسیر ہے یعنی تو نے خود کو نسل رنگ وطن اور زبان وغیرہ میں تقسیم کر کے اپنی مرکزیت اور اتحاد کو ختم کر رکھا ہے تو اس (تمیز کے رنگ سے پاک ہو جا + اپنا مومن اور افرنگ کا کافر بن یعنی یورپ والوں کا انکار کر اور اپنا اقرار کر اپنی خودی پہچان غیروں کی ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو رنگ، نسل، زبان، وطن وغیرہ کی تمیز کے دائرے سے نکل ایک متحدہ قوم بن)۔

(2) تیرے فائدے اور نقصان کا رشتہ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے + مشرق والوں کی آبرو تیرے ہاتھ میں ہے (اللہ تعالیٰ نے تجھے آخری نبی اور آخری نبی کے ذریعے اپنا آخری پیغام دیا ہے ہر مشکل کا حل تیرے پاس ہے اٹھ پہلے اسلام کو خود پر اور پھر دنیا پر نافذ کر کے انسانیت کو دکھ درد سے نجات دے)۔

(3) ان پرانی (بکھری ہوئی) قوموں کی شیرازہ بندی کر (مسلمان جہاں جہاں ہیں ان کو اسلام کے ابدی رشتہ میں پرو کر یک جان کر) + (پھر) صدق و صفا کے جھنڈے کو بلند کر (تاکہ فریب اور نفاق دنیا سے ختم ہو جائے)۔

(4) اہل حق کی زندگی قوت سے ہے (باطل اور الحاد کو ختم کرنے کے لئے قوت پیدا کر + ہر قوم کی قوت اس کی جمعیت سے ہے (تو بھی مرکزیت اختیار کر)۔

(5) (کوئی بھی) رائے بغیر قوت کے مکروفسوں ہے (کوئی تسلیم نہیں کرتا) + اور بے رائے قوت جہالت اور جنوں ہے (رائے اچھی ہو لیکن اس کو منوانے کے لئے قوت نہ ہو تو کیا فائدہ اسی طرح اگر قوت ہو لیکن اچھی رائے نہ ہو تو وہ بھی غلط رائے اور قوت دونوں پیدا کر پھر تیری رائے اے مرد مسلمان

تسلیم کی جائے گی)۔

پانچواں بند

سوز و ساز و درد و داغ از آسیاست ہم شراب و ہم ایاغ از آسیاست
عشق را ما دلبری آموختیم شیوۂ آدم گری آموختیم
ہم ہنر ہم دیں ز خاک خاور است رشک گردوں خاک پاک خاور است
وا نمودیم آنچہ بود اندر حجاب آفتاب از ما و ما از آفتاب
ہر صدف را گوہر از نیسان ماست شوکت ہر بحر از طوفان ماست
روح خود در سوز بلبل دیدہ ایم خون آدم در رگ گل دیدہ ایم
فکر ما جویاے اسرار وجود زد نخستیں زخمہ بر تار وجود
داشتیم اندر میان سینہ داغ بر سر راہے نہادیم ایں چراغ
اے امین دولت تہذیب و دیں آں ید بیضا بر آر از آستیں
خیزد از کار امم بکشا گرہ نشہ افرنگ را از سر بنہ
نقشے از جمعیت خاور فگن واستاں خود را ز دست اہرمن

*

(1) (دنیا میں اگر کہیں) سوز و ساز ہے تو وہ آسیا (ایشیا) کی وجہ سے ہے + (زندگی کی صبح) شراب اور پیالہ بھی ایشیا میں ہے (ایشیا میں اس لئے ہے کہ یہاں مسلمان ہیں جن کے پاس زندگی کا حقیقی اور فطری پیغام ہے)۔

(2) عشق کو ہم نے (یعنی ہم ایشیائی مسلمانوں نے) دلبری سکھائی ہے یعنی لوگوں میں عشق کو ایک حسین جذبہ بنا کر پیش کیا ہے عشق حقیقی کا رنگ دے کر خدا رسیدہ بنایا ہے + عشق سکھانے سے (دراصل) ہم نے (انسانوں کو) آدم گری کا طریقہ سکھایا (آدم کو آدم بنایا جب کہ یورپ کے عشق نے ہوس پھیلائی اور آدمیت کو شرمساری کی حد تک رسوا کیا)۔

(3) ہنر (فن) بھی اور دین (مذہب) بھی مشرق سے متعلق ہے (صرف مسلمانی مذاہب ہی نہیں دوسرے سب مذاہب کا وطن مولود ایشیا ہے اور دنیا کو علوم و فنون اور حکمت و دانش بھی پہلے اہل مشرق ہی نے دی ہے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں یورپ والوں نے جو کچھ سیکھا ہے مشرق خصوصاً اسلامی مشرق سے سیکھا ہے لیکن اس میں اپنے ایسے پیوند لگائے کہ وہ اطلس سے بوریا بن گیا ہدایت کی بجائے گمراہی ہوگیا) + آسمان کے لئے رشک مشرق کی مٹی ہے (جس نے آدم خاکی کو ملکوتی رفعت عطا کی جس نے ناسوتی آدم کو لاہوتی بنایا جس نے انبیا و اولیا پیدا کئے)۔

(4) جو کچھ پردے میں تھا ہم نے کھول کر سامنے کردیا (ہم نے اللہ تعالیٰ کی غائب ہستی کو معرفت و طریقت کی راہ دکھا کر لوگوں پر ظاہر کردیا ہر ذرہ میں اس کی جھلک کا فلسفہ معرفت عطا کر کے انھیں اللہ کا نظارہ کرادیا) + ہم سورج سے ہیں اور سورج ہم سے ہے مراد ہے بندہ اور خدا میں دوئی نہیں ہے جب بندہ

میں خدا کی صفات کا مکمل انعکاس ہو جاتا ہے تو وہ مظہر صفات خداوندی ہو جاتا ہے وہ بندہ ہوتے ہوئے مولا صفات بن جاتا ہے اتنے بڑے راز سے مسلمان عرفا و فقرا نے نہ صرف یہ کہ پردہ اٹھایا بلکہ لوگوں کو عملاً اس راہ سے گزارا یورپ نے لوگوں کو شیطان آشنا کیا لیکن مسلمان نے لوگوں کو خدا شناس بنایا انھیں خدا کی ہی نہیں اپنی معرفت بھی عطا کی)۔

(5) ہر سیپ میں موتی ہمارے ابر نیساں (کے قطروں) کی بدولت ہیں + ہر سمندر کی شان و شوکت ہمارے طوفان سے ہے (دنیا میں جہاں کہیں بھی اچھائی ہے اسلام کی وجہ سے ہے جہاں کہیں بھی نور و دانش ہے اسلام کے سبب ہے)۔

(6) ہم نے اپنی روح کو بلبل کے سوز میں دیکھا ہے + آدم کے خون کو پھول کی رگ میں دیکھا ہے مراد ہے کہ ہم نے دنیا کو بتایا ہے کہ کائنات اور اس کے ذرے ذرے میں نور خداوندی کی جلوہ گری ہے جب ہر شے میں ایک ہی نور کا ظہور ہے تو اختلاف کیوں ہے محبت یگانگت اور صلح کل کیوں نہ ہو ہر ذرہ میں نور کا مشاہدہ کر کے نور والے کا مشاہدہ کیوں نہ ہو جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے گی تو آدمی لمحہ لمحہ کو نور خداوندی روشن کرے گا جس سے اس کی اپنی زندگی اور پھر پورے معاشرے کی زندگی سے شیطان غائب ہو جائے گا اور جب شیطان غائب ہو جائے گا تو وہ معاشرہ پیدا ہو گا جو مقصود خالق کائنات ہے اسی طرح یورپ کے شیطانوں کا دیا ہوا شیطانی معاشرہ ہوا میں تحلیل ہو جائے گا)۔

(7) ہماری فکر وجود کے اسرار کی تلاش کرنے والی ہے + ہم نے ہی سب سے پہلے وجود (کے ساز) کے تار پر مضراب لگائی تھی (مراد ہے کہ یہ مشرق خصوصاً اسلامی مشرق تھا جس کے عرفا و حکما نے سب سے پہلے لوگوں کو ان کے خدا کے اور ان کے گردوپیش جو کائنات ہے اس کے بھیدوں سے آگاہ کیا تھا)۔

(8) ہم اپنے سینے میں داغ رکھتے تھے + ہم نے اس (داغ کو) چراغ کو راستے میں رکھ دیا (تاکہ لوگ راستہ دیکھ سکیں منزل پا سکیں) مراد یہ ہے کہ یہ ہم اہل مشرق (مسلمان) ہی تھے جنھوں نے عشق کی روشنی کو عام کیا حقیقت و معرفت کے سربستہ رازوں کو لوگوں تک پہنچایا)۔

(9) اے تہذیب اور دین کی دولت کے امین (ایشیا) + وہ ید بیضا آستین سے (پھر) نکال (جو کبھی تو نے لوگوں کو دکھایا تھا) ید بیضا سے مراد وہ ہاتھ ہے جو حضرت موسیٰ اپنی آستین سے نکالتے تھے تو چمکتا تھا اے مشرق کے لوگوں دنیا کی تاریک' باطلی اور ملحدانہ رات کو تم نے پہلے بھی حق اور دین کی روشنی سے منور کیا تھا آج دنیا تہذیب کی چکا چوند کے باوجود اپنے آپ سے اور اپنے خدا سے اندھیرے میں ہے اسے پھر دین مبین کے نور سے روشن کر)۔

(10) اٹھ (اے مسلمان) قوموں کے کام میں پڑی ہوئی گرہوں کو کھول + (اس کا طریقہ یہ ہے) کہ فرنگیوں (کی شراب پی کر) تیرے سر میں جو نشہ ہے (پہلے) اسے اتار دے (پھر خود پر اسلام نافذ کر کے دنیا کی مشکلات کے حل کے لئے نکل کھڑا ہو)۔

(11) مشرق کی جمعیت (وحدت سے نقش ڈال (افراد اور اقوام کو متحد و مجتمع کر دے) + خود کو شیطان (یورپ) کے ہاتھ سے چھٹکارا دلا (جس طرح یورپ والوں نے اپنی جمعیت اقوام قائم کر رکھی ہے تم بھی ایشیائی جمعیت الاقوام بنالو اور یورپ کے جادوگروں سے چھٹکارا حاصل کر لو اپنے فیصلے خود کرو اپنی تقدیر خود بناؤ یورپ کے شیطانوں سے اپنے امور کا رشتہ چھین لو)۔

چھٹا بند

دانی از افرنگ و از کار فرنگ　　تا کجا در قید زنار فرنگ؟
زخم ازو، نشتر ازو، سوزن ازو　　ما وجوے خون و امید رفو!
خود بدانی پادشاہی قاہری است　　قاہری در عصر ما سوداگری است
تختۂ دکاں شریک تخت و تاج　　از تجارت نفع و از شاہی خراج
آں جہاں بانے کہ ہم سوداگر است　　بر زبانش خیر و اندر دل شر است
گر تو میدانی حسابش را درست　　از حریرش نرم تر کرپاس تست
بے نیاز از کار گاہ او گذر　　در زمستاں پوستین او مخر
کشتن بے حرب و ضرب آئین اوست　　مرگہا در گردش ماشین اوست
بوریاے خود بہ قالینش مدہ　　بیدق خود را بہ فرزینش مدہ
گوہرش تف دار و در لعلش رگ است　　مشک ایں سوداگر از ناف سگ است
رہزن چشم تو خواب مخملش　　رہزن تو رنگ و آب مخملش
صد گرہ افگندۂ درکار خویش　　از قماش او مکن دستار خویش
ہوشمندے از خم او مے نخورد　　ہر کہ خورد اندر ہمیں میخانہ مرد
وقت سوداخند خند و کم خروش　　ما چو طفلانیم و او شکر فروش
محرم از قلب و نگاہ مشتری است　　یا رب ایں سحر است یا سوداگری است
تاجران رنگ و بو بردند سود　　ما خریداراں ہمہ کور و کبود
آنچہ از خاک تو رست اے مرد حر　　آں فروش و آں بپوش و آں بخور
آں نکو بیناں کہ خود را دیدہ اند　　خود گلیم خویش را بافیدہ اند
اے ز کار عصر حاضر بے خبر　　چرب دستیہاے یورپ را نگر
قالی از ابریشم تو ساختند　　باز او را پیش تو انداختند
چشم تو از ظاہرش افسوں خورد　　رنگ و آب او ترا از جا برد
واے آں دریا کہ موجش کم تپید　　گوہر خود را ز غواصاں خرید!

(1)　تو فرنگ اور فرنگ کے کاموں کو جانتا ہے + (جب تجھے ان کے مکرو فریب کا علم ہے تو) تو کب تک فرنگیوں کے زنار یعنی قیود میں قید رہے گا۔

(2)　زخم اس سے نشتر اس سے اور سینے والی سوئی اس سے + ہم ہیں اور خون کی ندی ہے اور (زخم کے) رفو ہونے کی امید ہے مراد ہے فرنگ زخم رساں ہے اور ہم مشرق والے زخم خوردہ ہیں فرنگ ہمارے زخم لگا کر پھر اسے اس انداز میں سینے کی بھی کوشش کرتا ہے کہ ہم اسے اپنا ہمدرد اور غم گسار سمجھیں حالانکہ یہ اس کا ہم کو غلام بنائے رکھنے کا ایک مقصد ہے)۔

(3) تو خود چاہتا ہے کہ بادشاہی قاہری ہے + قاہری ہمارے زمانے میں سوداگری ہے مراد یہ ہے کہ آج کل یورپی اقوام کسی ملک میں تجارت کی غرض سے جاتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اپنی مکاری اور فریب کاری کی وجہ سے اسے قوم پر قہر کرنے والی بن جاتی ہے اور آخر میں اس پر حکمران ہو جاتی ہے خود برصغیر پر انگریزوں نے اسی عمل فریب سے قبضہ کیا تھا)۔

(4) دکان کا تختہ تاج و تخت کا شریک ہے + تجارت سے وہ نفع اور بادشاہی سے خراج (حاصل کرتے ہیں) یعنی انگریز تجارت کر کے بھی قوموں اور ملکوں کو لوٹتے ہیں اور حکمران ہو کر بھی رعایا کا خون چوس رہے ہیں اور اس طرح اپنے چہروں کو روشن اور رعایا کے چہروں کو زرد بنا رہے ہیں خود امیر سے امیر تر اور رعایا کو غریب سے غریب تر بنا رہے ہیں وہ انہیں سیاسی طور پر بھی اور معاشی طور پر بھی غلام بنائے ہوئے ہیں)۔

(5) وہ جہان کا حکمران جو سوداگر (بھی) ہے + اس کی زبان پر خیر اور اس کے دل میں شر ہے (وہ اپنی رعایا کو خوش رکھنے کے لئے باتیں خوش کن کرتا ہے لیکن اس کا عمل سراسر اس کے خلاف ہے)۔

(6) اگر تو اس کے حساب کو اچھی طرح جانتا ہے + (تو تجھے معلوم ہو گا کہ) تیرا کھدر یا ٹاٹ اس کے حریر (ریشمی کپڑے) سے بہتر ہے (یعنی تیری ہر شے یورپ کی ہر شے سے بہتر ہے اس لئے تمہیں یورپ کی ہر شے سے نفرت اور اپنی ہر شے سے محبت کرنی چاہیے)۔

(7) اس کے کارخانے سے بے نیاز گزر جا + سردیوں میں (بھی) اسکی پوستین نہ خرید (اس کی کوئی شے بھی اس قابل نہیں کہ اس پر توجہ کی جائے سخت ضرورت کے وقت بھی اشیائے یورپ نہ خرید)۔

(8) اس کا دستور قوموں کو بغیر حرب و ضرب (لڑائی) کے مار دیتا ہے (وہ یہ عمل اپنی فریب کارانہ سوداگری اور مکارانہ چالوں سے کرتا ہے) + ہماری اموات ہماری گردش میں اس کا شین ہے یعنی جس طرح لفظ گردش میں ش کا حرف ہے اسی طرح ہماری گردش میں اس کا یہ حرف موت ہے)۔

(9) اپنے بوریے کو اس کے قالین کے بدلے نہ دے + اپنی بیذق کو اس کی فرزین کے بدلے نہ دے (بعض جگہ بیذق کی بجائے بیدق لکھا ہے دال کے ساتھ بیذق شطرنج کی اس گوٹ کو کہتے ہیں جس کا عرف عام میں نام پیادہ ہے اور فرزیں شطرنج کا ایک مہرہ ہے جس کو وزیر یا بادشاہ کہتے ہیں بیذق کم تر اور فرزیں برتر سمجھی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ تو اپنی ادنیٰ چیز کے بدلے اس کی اعلیٰ چیز قبول نہ کر)۔

(10) اس کا گوہر عیب دار اور اس کا لعل بکیر دار ہے یعنی اس میں بھی عیب ہے + اس سوداگر کی مشک (ہرن کی ناف کی نہیں بلکہ (کتے کی ناف کی ہے (یورپ والوں کا سارا کاروبار ٹھگی پر چل رہا ہے)۔

(11) اس کے مخمل کے بستر پر سونا تیرے لئے تیری آنکھ کا رہزن ہے یعنی تیری نیند اچٹ لے گا + اس کی مخمل کا آب و رنگ تیرا رہزن ہے (ہر عمل فرنگ تیرے دین تیرے ایمان تیری آزادی اور تیرے سکون حیات کو لوٹنے والا ہے اس کا ظاہر کتنا خوش نما کیوں نہ ہو باطن وہ بھیانک ہے)۔

(12) تو نے (یورپ والوں کی پیروی کر کے یا ان کے فریب میں آ کر) اپنے کام میں سینکڑوں گرہیں ڈال رکھی ہیں + اس کی قماش (ململ یا کپڑے) سے اپنی دستار (پگڑی) نہ بنا مراد ہے اہل یورپ کا کسی بھی شعبہ زندگی میں احسان نہ لے۔

(13) کسی ہوش والے نے اس کے مٹکے سے شراب نہیں پی + جس نے پی وہ اسی سے خانے میں

مرگیا(اس نے اپنی متاعِ ہوش گنوادی اور عمر بے نفع گزار دی)۔
(14) اپنا سودا (بیچتے وقت) وہ خندہ خند (ہنستے چہرے والا ہوتا ہے) اور وہ کم خروش (صدا نہ لگانے والا ہوتا ہے) + ہم سب بچے ہیں اور وہ شکر بیچنے والا ہے (یورپ والے بڑے مکار اور چالاک ہیں وہ میٹھی گولیوں میں زہر بھر کر کھلا رہے ہیں اور بچوں کی طرح ان سے خرید رہے ہیں۔
(15) وہ خریدار کے دل اور نگاہ کا محرم ہے + یا رب یہ جادو ہے یا سوداگری ہے (جو یورپ والے اختیار کئے ہوئے ہیں)۔
(16) رنگ و بو کے تاجر نفع اٹھا گئے + ہم خریدار سب کے سب اندھے اور بے بصر (ہیں) وہ ہمارے پاس عیش و عشرت اور زیب و زینت کے سامان لاتے ہیں اور ہم بے دھڑک خرید کر خود کو کمزور اور ان کو مالی اعتبار سے مضبوط کر رہے ہیں ہمیں اگر اپنے نفع و نقصان کا علم ہو تو ایسا نہ کریں)۔
(17) اے آزاد مرد جو کچھ تیری مٹی سے اگا + اس کو بیچ اس کو پہن اور اس کو کھا (یورپ کی اشیا نہ خرید اس کی خوبصورت چیزوں پر فریفتہ ہو کر خود کو ضائع نہ کر)۔
(18) وہ اچھی نگاہ والے جنہوں نے کہ خود کو دیکھا + انہوں نے اپنی گودڑی کو خود سیا ہے (وہ دوسروں کا احسان نہیں لیتے وہ خود کفیل ہوتے ہیں)۔
(19) اے وہ شخص کہ تو اپنے عہد کے کاروبار سے بے خبر ہے + یورپ والوں کی فنی مہارت کو دیکھ (کہ کس مکاری اور عیاری سے تجھے لوٹ رہے ہیں)۔
(20) وہ تیرے (ملک کے) ریشم سے قالین بناتے ہیں + پھر تیرے ہی سامنے (بیچنے کے لئے لا ڈالتے ہیں مراد ہے وہ خام مال تیرے ملک سے سستے داموں لیتے ہیں اور پھر ان سے مصنوعات بنا کر تیرے پاس مہنگے داموں بیچتے ہیں تو سب کچھ اپنے ملک میں تیار کر ان کے ہاتھ خام مال بیچ کر دوبارہ اسی خام مال کی چیزیں مول نہ لے)۔
(21) تیری آنکھ نے اس کی یعنی یورپ کی ظاہری (چمک دمک سے) افسوں کھالیا (تجھ پر جادو ہو گیا) + اس کے رنگ و بو نے تجھے اپنے ہوش میں نہیں رکھا (تو یورپ والوں کی اشیا کو بے سوچے سمجھے خریدے جا رہا ہے چاہے وہ تیرے نقصان ہی میں کیوں نہ ہوں)۔
(22) افسوس ہے اس دریا پر جس کی موجیں نہ تڑپیں + (اور) اس نے اپنے موتی غوطہ خوروں سے خریدے (حالانکہ وہ دریا خود موتیوں سے بھرا ہوا ہے وہ کونسی چیز ہے جو مشرق میں نہیں لیکن ہم محتاج مغرب کے ہیں یاد رکھو حکمت (سائنس) یورپ میں پیدا نہیں ہوئی یہ اصل میں مشرق میں پیدا ہوئی ہے لیکن ہم اسے بھلا بیٹھے ہیں اور یورپ والوں نے اس کو ہم سے لے کر وہ عروج حاصل کر لیا ہے جو آج ہم ان میں دیکھ رہے ہیں)۔

در حضور رسالت مآب ﷺ

تعارف: علامہ کہتے ہیں کہ میں 3 اپریل 1936ء کی رات کو دار الاقبال بھوپال (ریاست ہند) (میں تھا کہ سید احمد خان رحمتہ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ فرما رہے تھے کہ اپنی بیماری کے متعلق حضور

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گزار علامہ ان دنوں بیمار تھے بلکہ یوں سمجھیں کہ مرض الموت میں مبتلا تھے انہوں نے اس امید پر کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے ان کو صحت ہو جائے یہ منظوم عرض داشت پیش کی موت کا مرض نہ ہوتا تو ضرور صحت ہو جاتی لیکن ان کی زندگی ہی اتنی تھی کہ وہ 1938ء میں فوت ہو گئے اس منظوم عرض داشت میں انہوں نے اپنی بیماری کی بات کو تو ثانوی رکھا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کی ہے اور موقع غنیمت جان کر امت مسلمہ کے کئی مسائل بھی عرض کیے ہیں۔

پہلا بند

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ　　وارہاں ایں قوم را از ترس مرگ
سوختی لات و منات کہنہ را　　تازہ کردی کائنات کہنہ را
در جہان ذکر و فکر انس و جاں　　تو صلوٰۃ صبح تو بانگ اذاں
لذت سوز و سرور از لا الٰہ　　در شب اندیشہ نور از لا الٰہ
نے خدا ہا ساختیم از گاو و خر　　نے حضور کاہناں افگندہ سر
نے سجودے پیش معبودان پیر　　نے طواف کوشک سلطان و میر
ایں ہمہ از لطف بے پایان تست　　فکر ما پروردۂ احسان تست
ذکر تو سرمایۂ ذوق و سرور　　قوم را دارد بہ فقر اندر غیور
اے مقام و منزل ہر راہرو　　جذب تو اندر دل ہر راہرو
ساز ما بے صوت گردید آنچناں　　زخمہ بر رگہائے او آید گراں
در عجم گردیدم و ہم در عرب　　مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب
ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ　　ظلمت آباد ضمیرش بے چراغ
در جوانی نرم و نازک چوں حریر　　آرزو در سینۂ او زود میر
ایں غلام ابن غلام ابن غلام　　حریت اندیشۂ او را حرام
مکتب از وے جذبۂ دیں در ربود　　از وجودش ایں قدر دانم کہ بود
ایں ز خود بیگانہ ایں مست فرنگ　　نان جو می خواہد از دست فرنگ
نان خرید ایں فاقہ کش با جان پاک　　داد ما را نالہ ہائے سوزناک
دانہ چیں مانند مرغاں سر است　　از فضائے نیلگوں نا آشناست
آتش افرنگیاں بگداختش　　یعنی ایں دوزخ دگرگوں ساختش
شیخ مکتب کم سواد و کم نظر　　از مقام او نداد او را خبر
مومن و از رمز مرگ آگاہ نیست　　در دلش لا غالب الا اللہ نیست!
تا دل او در میان سینہ مرد　　می نیندیشد مگر از خواب و خورد
بہر یک ناں نشتر لا و نعم　　منت صد کس برائے یک شکم

از فرنگی می خرد لات و منات مومن و اندیشہ او سومنات
قم باذنی گوے و او را زندہ کن درویش اللہ ھو را زندہ کن
ما ہمہ افسونی تہذیب غرب کشتہ افرنگیاں بے حرب و ضرب
تو ازاں قوے کہ جام او شکست وانما یک بندۂ اللہ مست
"تا مسلماں باز بیند خویش را از جہانے برگزیند خویش را"

*

(1) اے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بیچاروں کا ساز و سامان ہے (آسرو اور چارہ ہیں) + اس (مسلمان) قوم کو موت کے ڈر سے نجات دلائیں (موت کے ڈر سے اس میں جذبہ جہاد مرگیا ہے جب جہاد کا جذبہ نہ رہا تو اسلام دب گیا اور کفر چھاگیا)۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے بتوں (لات و منات) کو جلایا + تونے پرانی (شرک بھری) کائنات کو (توحید کا نقش ثبت کرکے) نیا رخ دیا (دنیا سے بت پرستی کا خاتمہ کردیا)۔

(3) انسانوں اور جنوں کے ذکر و فکر کے جہان میں + آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صبح کی نماز اور آپ صلی اللہ علیہ ہی اذان ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کو ذکر و فکر کے انداز سکھائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انہیں آہ سحرگاہی اور عبادت صبح گاہی کی لذت سے آشنا کیا ہے۔

(4) (زندگی میں) جو سوز و سرور کی لذت ہے وہ لا الہ (کلمہ طیبہ کے اقرار اور ذکر سے ہے) + فکر کی رات میں نور (اسی) کلمہ طیبہ سے ہے یعنی کلمہ طیبہ ذکر بھی ہے اور فکر کی دعوت بھی دیتا ہے اسی لئے اسے افضل الذکر کہا گیا ہے یا اس سے یہ مطلب بھی لے سکتے ہیں کہ کلمہ طیبہ عشق میں سوز و سرور اور عقل میں نور پیدا کرتا ہے)۔

(5) (کلمہ طیبہ کے اقرار اور اس پر عمل کی بدولت) ہم نے نہ تو (کافروں اور بت پرستوں کی طرح) گائے گدھے کے خدا بنائے + نہ ہم نے کاہنوں (مذہبی شعبدہ بازوں) کے آگے سر تسلیم خم کیا (ہم نے صرف خدائے واحد کے آگے سر جھکایا)۔

(6) ہم نے پرانے معبودوں (قدیم دیوی دیوتاؤں) کو سجدے کئے + نہ ہم نے امیروں اور بادشاہوں کے محلوں کے طواف کئے (کلمۂ طیبہ نے ہمیں خدا کے سوا ہر ایک سے بے نیاز کردیا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ اقرار سے یہی مقصود ہے)۔

(7) یہ سب کچھ تمہارے بے حد لطف کی وجہ سے ہے (اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو توحید کا نقش لوگوں کے دلوں پر ثبت نہ ہوتا) + ہمارا فکر تمہارے احسان کا پروردہ ہے یعنی عقل کو بھی صحیح سمت تمہارے احسان سے ملی ہے۔

(8) تیرا ذکر ذوق و سرور (عشق و مستی) کا سرمایہ (ہے) + جو قوم کو فقیری (احتیاج) میں بھی غیرت مند بنائے رکھتا ہے (کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اس کے لئے ممکن نہیں کیونکہ وہ ایک خدا کو اپنا رب اور پروردگار تسلیم کرتی ہے)۔

(9) ہر ہر راستہ چلنے والے کے مقام اور منزل + تمہارے عشق (جذب) ہر راہرو کے دل میں ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے مقصود اور منزل ہیں ہر طالب منزل کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کا نور اور عشق موجود ہوتا ہے)۔

(10) میرا ساز اس قدر بے آواز ہو گیا ہے + کہ اس کے تاروں پر مضراب لگانا بھاری یعنی بے فائدہ معلوم ہوتا ہے (علامہ اس وقت گلے کی ایسی تکلیف میں مبتلا تھے کہ آواز بھی نہیں نکلتی تھی اپنی اس بیماری کو ساز تار اور مضراب کی علامتوں میں بیان کیا ہے کہ گلے کے ساز کے تاروں سے کوشش اور ارادے کے باوجود نغمہ پیدا نہیں ہوتا)۔

(11) (یہ دور ایسا ہے کہ) میں عرب میں بھی پھرا اور عجم میں بھی گھوما + (میں نے یہی دیکھا ہے) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نایاب ہے اور بولہب سستا ہے (بولہب نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اور اس کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تنگ کیا تھا اقبال نے بولہب کو غیر اللہ یا باطل کے طور پر اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے طور پر استعمال کیا ہے مراد ہے آج دنیا میں حق ناپید ہے اور باطل عام ہے)۔

(12) یہ مسلمان کے گھر پیدا شدہ (نوجوان) جو روشن دماغ (ہے) + اس کے ضمیر (دل) کی ظلمت آباد (تاریک جہان) ہے چراغ ہے مراد ہے آج کل کا مسلم نوجوان جذبہ عشق سے محروم اور عقل سے مسرور ہے۔

(13) جوانی میں (مضبوط ہونے کی بجائے) ریشمی کپڑے کی طرح نرم و نازک ہے + اس کے دل میں آرزو (اول تو پیدا ہی نہیں ہوتی اور اگر پیدا ہو بھی جائے تو) جلد مرجاتی ہے (اور بے آرزو جینا کون نہیں جانتا کہ موت ہوتی ہے)۔

(14) یہ غلام غلام کا بیٹا غلام کا بیٹا (کیونکہ کئی پشتوں سے یورپی اقوام کا غلام ہے) + حریت (آزادی) اس کی فکر میں حرام ہے (وہ غلامی کا نشہ پی کا مسرور ہے اور اسی میں اپنی عافیت سمجھتا ہے)۔

(15) مدرسے نے اس میں سے جذبہ دین اچک لیا (اس انگریزی تعلیم کے مدرسوں نے مسلمان کو مسلمان نہیں رہنے دیا) + اس کے وجود کے متعلق میں اتنا جانتا ہوں کہ کبھی تھا (اب تو اس کا وجود غیر کا وجود ہے وہ غیروں کا غلام ہے اور محتاج ہے اس کی اپنی کوئی شناخت نہیں ہے)۔

(16) یہ خود سے بے گانہ اور فرنگی (تہذیب و تمدن کا دلدادہ (اس میں مست) + افرنگیوں سے جو کی روٹی چاہتا ہے (اپنی خودی اور قومی غیرت کو بیچ کر اور انگریز کا فر غاصب اور مکار کی چاپلوسی کر کے اس سے رزق کا طالب ہے)۔

(17) اس فاقہ کش نے پاک جان کے بدلے روٹی خریدی + اور ہمیں سوز ناک نالے دیئے (مسلمان قوم مصائب کا شکار ہو گئی)۔

(18) وہ گھر کے پرندوں کی طرح دانے چننے والا ہے یعنی آسائش اور آرام پسند ہے آرام طلبی میں روٹی مل جائے چاہے غلامی ہی کیوں نہ کرنا پڑے + وہ آسمان کی نیلی فضا (کی وسعتوں) سے ناآشنا ہے (اسے خبر نہیں کہ آزادی کی فضا میں طلب رزق اور تلاش رزق میں کیا لطف ہے)۔

(19) مدرسے کا استاد کم سواد اور کم نظر ہے یعنی اس کی آنکھوں میں ایک سچے استاد کی وہ روشنی نہیں ہے جو طالب علم کو زندگی کے اندھیرے میں صراط مستقیم سے آشنا کرتی ہے + اس نے اس کو یعنی اپنے طالب علم کو اس کے مقام سے خبر ہی نہیں دی (اسے بتایا ہی نہیں کہ تو اس موحد قوم کا فرزند ہے جس نے

دنیا سے بت پرستی کی لعنت کو ختم کیا جس نے غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر ہر انسان کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا جس نے عقل و عشق دونوں کی پرورش کی جس نے فاقہ میں بھی غیرت مند رہنا سکھایا جس نے زندگی کو ممولوں کی طرح نہیں شاہینوں کی طرح گزارنا سکھایا)۔

(20) اسے افرنگیوں کی آگ نے گداز کردیا (مغرب کے علوم وفنوں کا دلدادہ ہوگیا) + یعنی اس دوزخ نے اسے متغیر کردیا (اس کو بدل دیا اس کو دین داری سے بے دینی کی طرف راغب کردیا آزادی کی بجائے اسے غلامی میں لطف آنے لگا)۔

(21) وہ مومن ہے اور موت کی رمز سے آگاہ نہیں ہے (وہ نہیں جانتا کہ کوئی مر کر بھی نہیں مرتا بشرطیکہ اللہ کی راہ میں مرتا ہو) + اس کے دل میں اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں ہے کا عقیدہ اور جذبہ نہیں رہا (اسی لئے غیر اللہ کا محتاج ہوگیا ہے)۔

(22) جب اس کے سینے میں دل مرگیا یعنی جذبہ درد و سوز نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردہ ہوگیا + (تو اب) وہ کسی اور بات کی فکر نہیں کرتا سوائے کھانے پینے اور سونے کے (حالانکہ ایسی زندگی کی تو حیوانوں کی بھی ہوتی ہے انسانی زندگی کے تقاضے تو کچھ اور ہیں مگر ان تقاضوں کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق جاگزیں ہو)۔

(23) وہ ایک روٹی کی خاطر لا (نہیں) اور نعمت کے نشتر کھاتا ہے (کہیں سے اسے جھڑکی ملتی ہے اور کہیں اس کے کشکول میں پس خوردہ ڈال دیا جاتا ہے) + وہ ایک پیٹ کی خاطر سینکڑوں اشخاص کی منتیں کرتا ہے (دل نہ ہونے کی وجہ سے وہ غیرت مند نہیں رہا)۔

(24) وہ فرنگیوں سے لات و منات (فکری اور تہذیبی بت) خریدتا ہے + ہے تو وہ مومن لیکن فکر اس کی سومناتی (ملحد، رند اور مشرکانہ) ہے۔

(25) (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہیں "اٹھو اللہ کے حکم سے اور ان کو زندہ کردیں + ان کے دل میں اللہ ھو (اللہ کے سوا کچھ نہیں) زندہ کردیں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ وہ جس مردے کو کہتے تھے کہ اللہ کے حکم سے زندہ ہوجا وہ زندہ ہوجاتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم ہی نہیں دل بھی زندہ کئے ہیں)۔

(26) (آج کل) ہم سب (مسلمان) مغرب کی تہذیب کے طلسم میں آئے ہوئے ہیں + ہم بغیر جنگ کے افرنگیوں (کے ہاتھوں) قتل ہوگئے ہیں یعنی افرنگیوں نے اپنے ملحدانہ باطلی مشرکانہ اور غیر شریفانہ افکار، تمدن، تہذیب، علم، فن، سیاست وغیرہ سے ہمیں مسلمان کے طور پر ماردیا ہے ہم زندہ ضرور ہیں لیکن ہماری اپنی شناخت باقی نہیں رہی ہم مغرب کے رنگ میں خود کو رنگ کر اپنا آپ بھلا ہی نہیں بیٹھے بلکہ کھو چکے ہیں)۔

(27) اس قوم سے جس کی (خودی) کا جام ٹوٹ چکا ہے + ایک اللہ مست بندہ پیدا کریں (جو ان کو پھر سے شراب کہن پلا کر خود آگاہ اور خدا آگاہ بنادے)۔

(28) تاکہ مسلمان خود کو دوبارہ دیکھ لے یعنی اپنی پھر سے پہچان کرلے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں + اور اس طرح خود کو جہان والوں سے سربلند کرلے۔

دوسرا بند

شہسوارا! یک نفس در کش عناں حرف من آساں نیاید بر زباں
آرزو آید کہ ناید تا بہ لب؟ می نہ گردد شوق محکوم ادب
آں بگوید لب کشا اے درد مند ایں بگوید چشم بکشا، لب بہ بند
گرد تو گردد حریم کائنات از تو خواہم یک نگاہ التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی کشتی و دریا و طوفانم توئی
آہوئے زار و زبون و ناتواں کس بہ فتراکم نہ بست اندر جہاں
اے پناہ من حریم کوے تو من بامیدے رمیدم سوے تو

*

(1) (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں) اے گھوڑے پر سوار (تیزی سے جانے والے) ایک دم کے لئے لگام کھینچیں یعنی ٹھہر جائیں + میری بات میری زبان پر آسانی سے نہیں آرہی (میں دور سے نہیں سنا سکتا قریب ہو جائیں)۔

(2) میری آرزو (نہ جانے) لب تک آتی ہے یا نہیں آتی + کہیں میرا شوق محکوم ادب نہ ہو جائے یعنی جی تو بات کرنے کو چاہے لیکن ادب کے ایسا نہ کر مناسب نہیں خاموش رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا تقاضا ہی یہ ہے کہ زبان خاموش اور سر خمیدہ رہے)۔

(3) وہ یعنی آرزو کہتی ہے کہ اے دردمند (تکلیف میں مبتلا شخص) لب کھول (اور اپنی بیماری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر) + یہ یعنی ادب کہتا ہے کہ آنکھ کھول اور لب بند رکھ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا یہی تقاضا ہے۔ جو درویش لوگ بتاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اقبال کے سامنے ہیں اس لئے یہ سارے معاملات پیدا ہو رہے ہیں)۔

(4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد تو کائنات گھومتی ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے مدار ہیں وجہ تخلیق و قیام کائنات ہیں) + میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہربانی کی ایک نگاہ چاہتا ہوں۔

(5) (اس لئے کہ) میرا ذکر فکر علم اور عرفان سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں + میری کشتی میرا دریا اور میرا طوفان سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

(6) میں ایک کمزور اور زار و زبوں ہرن ہوں + جسے جہان میں (کسی بھی شکاری نے شکار کر کے) اپنے فتراک میں (گھوڑے کے ساتھ لٹکتے ہوئے حلقے میں) نہیں باندھا یعنی زمانے والوں نے مجھے بے قیمت سمجھا اور میرے جوہر کی قدر نہیں کی۔

(7) اے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی گلی میری پناہ گاہ ہے + میں ایک امید لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہوں۔

تیسرا بند

آں نوا در سینہ پروردن کجا و ز دمے صد غنچہ وا کردن کجا
نغمہ من در گلوے من شکست شعلہ از سینہ از بیروں نجست
در نفس سوز جگر باقی نماند لطف قرآن سحر باقی نماند
نالہ کو می نہ گنجد در ضمیر تا کجا در سینہ ام ماند اسیر
یک فضائے بے کراں می بایدش وسعت نہ آسماں می بایدش

*

(1) اس آواز کا سینے میں پرورش پانا اب کہاں ہے (جو پہلے تھی) یعنی میرا گلا اب بیٹھ گیا ہے میں آواز نہیں لگا سکتا + وہ ایک دم میں سینکڑوں غنچے کھلانے والی بات اب کہاں ہے یعنی کبھی میں ایک ایک دم میں کتنی باتیں کر لیتا تھا خوب تقریریں کیا کرتا تھا اب وہ صورت حال ختم ہو چکی ہے میری بات میرے لب تک نہیں آتی)۔

(2) میرا نغمہ میرے گلے (کے ساز) میں ہی ختم ہو گیا ہے + میرا شعلہ میرے سینے سے باہر چھلانگ نہیں لگاتا مراد ہے نہ بول سکنے کے سبب دل کی بات دل میں رہ جاتی ہے۔

(3) میری سانس میں جگر کا سوز باقی نہیں رہا + (اب صبح کے وقت کے قرآن پڑھنے کا لطف باقی نہیں رہا (پہلے میں خوش الحانی سے قرآن پڑھا کرتا تھا اب گلے کی اور سینے کی بیماری کی وجہ سے میں ایسا نہیں کر سکتا)۔

(4) وہ نالہ جو کہ ضمیر میں سما نہیں سکتا کب تک میرے سینے میں قید رہے گا (مجھے صحت ہو جائے تو دل کی فریادیں زبان پر لاؤں)۔

(5) (میرے اس نالے کے لئے) ایک بے کنارہ فضا چاہیے + اس کے لئے نو آسمانوں کی یعنی ساری کائنات کی وسعت چاہیے (عام طور پر تو سات آسمان بتائے جاتے ہیں بعض اس کے ساتھ عرش و کرسی کو ملا کر نو کہہ دیتے ہیں)۔

چوتھا بند

آہ زاں دردے کہ در جان و تن است گوشہ چشم تو داروے من است
در نسازد با دواہا جان زار تلخ و بویش بر مشام ناگوار
کار ایں بیمار نتواں برد پیش من چو طفلاں نالم از داروے خویش
تلخی او را فریبم از شکر خندہ ہا در لب بدوزد چارہ گر
چوں بصیری ازتو می خواہم کشود تا بمن باز آید آں روزے کہ بود
مہر تو بر عاصیاں افزوں تر است در خطا بخشی چو مہ مادر است

با پرستاران شب دارم ستیز باز روغن در چراغ من بریز
اے وجود تو جہاں را نو بہار پر تو خود را دریغ از من مدار
خود بدانی قدر تن از جاں بود قدر جاں از پر تو جاناں بود'
(رومی)
تا ز غیر اللہ ندارم ہیچ امید یا مرا شمشیر گرداں یا کلید
فکر من در فہم دیں چالاک و چست تخم کردارے ز خاک من نہ رست
تیشہ ام را تیز تر گرداں کہ من محنتے دارم فزوں از کوہکن
مومنم' از خویشتن کافر نیم بر فسانم زن کہ بد گوھر نیم

*

(1) آہ اس تکلیف پر جو میرے جان و تن میں ہے + آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشہ چشم (میری اس تکلیف کی) دوائی ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میری وہ بیماری دور کردے گی جس سے میرا بدن اور جان کی تکلیف میں ہے)۔

(2) (میری) جان زار (اب) دواؤں کی متحمل نہیں ہے + ان دواؤں کی کڑواہٹ اور بو میری قوت شامہ پر گراں ہے (سونگھنے کی قوت پر)۔

(3) (یہ دوائیاں) اس بیماری کے کام کو نہیں بنا سکتیں (صحت عطا نہیں کرسکتیں) + میں اپنے دارو (دوائی) سے بچوں کی طرح روتا ہوں (مجھ سے نہیں پی جاتیں)۔

(4) میں (ان دواؤں کی) تلخی کو شکر (کھا کر) دور کرتا ہوں + چارہ گر (میرا معالج) میری یہ حالت دیکھ کر زیر لب مسکراتا ہے۔

(5) امام بصیریؒ کی طرح (جن کی بیماری کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت عطا کی تھی) میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اپنی مشکل) کا حل چاہتا ہوں (چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے تندرست ہو جاؤں + تاکہ (میری زندگی) کا وہ زمانہ واپس آجائے جو کبھی تھا (یعنی میں دوبارہ تندرست ہو جاؤں اور اپنی مصروفیات کا پھر سے خوش اسلوبی سے آغاز کروں) امام بصیری وہ امام ہیں جن کا قصیدہ بردہ مشہور ہے۔

(6) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی گنہگاروں پر زیادہ ہے + آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطا بخشنے میں ماں کی (بچہ پر محبت) کی طرح ہیں۔

(7) میں رات کے پرستاروں سے جنگ میں ہوں + میرے چراغ میں تیل پھر سے ڈال دے (پرستاران شب سے مراد باطل کے پرستار ہیں جن سے اقبال نے ہمیشہ جنگ کی ہے اس لئے وہ عرض پرداز ہیں کہ میری ہمت کے چراغ کو جو بیماری کی وجہ سے گل ہو رہا ہے یا پھر سے تیل ڈال کر روشن کردے تاکہ میں باطل کی اندھیری رات میں حق کی روشنی پھر پھیلا سکوں)۔

(8) اے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود جہان کے لئے نو بہار ہے + اپنے سایہ کو مجھ سے دور نہ رکھیں (آپ تو سارے عالم کی زندگی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر خزاں کو بہار میں تبدیل کردیتے ہیں مجھے بھی صحت عطا ہو)۔

(9) (جیسا کہ مولانا رومی کے اس شعر سے ظاہر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود جانتے ہیں کہ تن کی قدر جان سے ہوتی ہے + (اور) جان کی قدر جاناں (محبوب) کے سایہ سے ہوتی ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف کا سایہ میری جان اور میرے جسم کو آسودہ کر سکتا ہے)۔

(10) چونکہ میں غیر اللہ سے کوئی امید نہیں رکھتا + یا مجھے تلوار کر دیں یا چابی تلوار سے مراد طاقت بدنی اور چابی سے مراد روحانی طاقت مراد ہے دفع تکلیف کے لئے دونوں میں سے کسی ایک کا تصرف عطا کر دیں)۔

(11) میری فکر دین کے فہم میں چالاک اور چست ہے + میری خاک سے ایک بیج بھی نہیں اگا (مراد ہے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں دین کو جانتا اور سمجھتا تھا لیکن میں نے اس پر عمل سے کوتاہی کی)۔

(12) میرے شیشے کو زیادہ تیز کر دیں میں + کوہکن (فرہاد) سے زیادہ محنت (والا کام رکھتا ہوں) یعنی مجھے دین پر خود عمل کرنا ہے اور اپنی قوم کو دین شناس کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور یہ کام فرہاد کے پہاڑ سے نہر کھود کر لانے سے کہیں زیادہ مشکل ہے یہ کام میں اسی وقت کر سکوں گا جب مجھ میں صحت ہو گی۔

(13) میں مومن ہوں اور خود سے کافر نہیں ہوں + اپنی فسان پر (سان پر) (میری تلوار زندگی کو) لگا کر دیکھ لیں کہ میں بدگوہر یعنی خراب کاٹ یا دھار (والی تلوار نہیں ہوں)۔

پانچواں بند

گرچہ کشت عمر من بے حاصل است   چیزکے دارم کہ نام او دل است

دارمش پوشیدہ از چشم جہاں   کز سم شبدیز تو دارد نشاں!

بندۂ را کو نخواہد ساز و برگ   زندگانی بے حضور خواجہ مرگ!

اے کہ وادی کرو را سوز عرب   بندۂ خود را حضور خود طلب

بندۂ چوں لالہ داغے در جگر   دوستانش از غم او بے خبر

بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نے   تفتہ جاں از نغمہ ہائے پے بہ پے

در بیاباں مثل چوب نیم سوز   کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز!

اندریں دشت و درے پہناورے   بو کہ آید کاروانے دیگرے

جاں ز مجبوری بنالد در بدن   نالہ من وائے من! اے وائے من

*

(1) اگرچہ میری عمر کی کھیتی بے حاصل ہے + (البتہ) میں ایک چھوٹی سی چیز رکھتا ہوں کہ جس کا نام دل ہے۔

(2) میں اسے جہان والوں کی آنکھ سے پوشیدہ رکھتا ہوں + کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سم کا نشان رکھتا ہے (مراد ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستے ہیں اتنی قیمتی دولت کو میں کیسے سر عام رکھ سکتا ہوں اقبال نے شروع میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہسوار کہہ کر خطاب

کیا تھا اس لئے یہاں گھوڑے کی علامت سے کام لیا ہے)۔

(3) وہ بندہ جو کہ دنیا کا کوئی سازو سامان نہیں چاہتا + اس کی زندگی (اپنے) آقا کے حضور میں نہ ہونے کی وجہ سے موت ہے (ایسے بندے کا سارا سازو سامان اس کا خواجہ ہی ہوتا ہے)۔

(4) اے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرد کو (کردستان کے علاقے کے ایک شخص کو) سوز عرب عطا کیا + اپنے بندے کو (یعنی مجھے) اپنے حضور طلب کر لے (شاید یہاں یہ خواہش ہے کہ اگر میری بیماری کو صحت نصیب نہیں ہوئی تو مجھے موت کے راستے سے گزار کر اپنی مجلس میں لے جا یا یہ کہ زندگی ہی میں مجھے مدینہ میں بلا لے کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں کردستان کا ایک باشندہ تھا جس نے مدینہ کی آرزو کی تھی اسے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں بلا لیا بلکہ عربی زبان سے بھی آشنا کر دیا)۔

(5) میں ایک ایسا بندہ ہوں جو لالے کے پھول کی طرح دل میں داغ رکھتا ہے + اس کے دوست اس غم سے بے خبر ہیں جس سے سینے میں داغ ہے)۔

(6) میں ایک ایسا بندہ ہوں جو جہان میں جنسری کی طرح فریاد کر رہا ہے + (اس جنسری) کے پے در پے نغموں سے میری جان میں تپش ہے (تڑپ ہے بے قراری ہے)۔

(7) بیاباں میں آدھی جلی لکڑی کی طرح + میں ابھی تک جل رہا ہوں جب کہ کارواں گزر چکا ہے (میرے غم میں کوئی شریک نہیں ہے)۔

(8) اس دشت و در میں جو وسیع ہے + ہو سکتا ہے کہ کوئی اور کارواں آجائے (جو میرے نور جگر کو سمجھ سکے)۔

(9) میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجر میں تن کے اندر رو رہی ہے + (میں ہوں) اور میرا نالہ ہے افسوس ہے مجھ پر افسوس ہے مجھ پر (کس کام کی یہ زندگی)۔

مثنوی مسافر

تعارف: 1933ء میں علامہ محمد اقبال اپنے دو ساتھیوں سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کے ساتھ افغانستان گئے تھے۔ افغانستان آنے کی دعوت انہیں اس وقت کے والی افغانستان نادر شاہ نے دی تھی۔ نادر شاہ جن کا نام نادر خاں تھا' اپنے سے پہلے والی افغانستان امان اللہ خان کے وزیر جنگ تھے۔ جب امان اللہ خان کو حالات کی بنا پر تخت چھوڑنا پڑا تو ملک افراتفری کا شکار ہو گیا۔ اس کے جانشین عنایت اللہ خان کو بھی تخت سے دست بردار ہونا پڑا اور معمولی جدوجہد کے بعد بچہ سقہ نام کا ایک عام آدمی ملک کا حکمران ہو گیا۔ اس وقت نادر خان فرانس میں تھا۔ واپسی پر اس نے کچھ فوج منظم کی اور 1929ء میں بچہ سقہ کو جو امیر حبیب اللہ خان کا لقب اختیار کئے ہوئے تھا' شکست دے کر خود نادر شاہ کے لقب سے ملک کا حکمران بن گیا۔ اس نے ملک کو صحیح خطوط پر لانے اور چلانے کی پوری کوشش کی۔ لیکن 1933 میں وہ ایک افغان نوجوان کی گولی لگنے سے مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ظاہر شاہ حکمران ہوا۔ جس کے عہد میں روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں۔ اور حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ظاہر شاہ ملک سے چلا گیا اور روسی پشت پناہی سے کمیونزم (اشتراکیت) پسند حکمران آتے اور جاتے رہے۔ اس اثنا میں پاکستان کے اس وقت کے صدر اور فوج کے سپہ سالار جنرل ضیاء الحق شہید نے اپنے چند مخلص جرنیلوں سے مل کر جہاد کی ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے نہ صرف روس جیسی عظیم سلطنت کی عظیم فوج کو افغانستان سے بھاگنا پڑا بلکہ یہ شکست و ریخت سے بھی دوچار ہو گئی۔ اور مشرقی یورپ اور وسط ایشیا کے بہت سے ملک روسی اقتدار سے آزاد ہو گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ کمیونزم کی یلغار کا جو خطرہ پاکستان کو اور یورپ کو تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ ضیاء الحق شہید اور اس کے ساتھی جرنیلوں کے اس کارنامہ پر دنیا انہیں ہمیشہ سلام کرتی رہے گی۔ نادر شاہ کا جلاوطن بیٹا ظاہر شاہ اب بھی زندہ ہے اور یورپ کے کسی ملک میں ہے۔ علامہ اقبال جب افغانستان سے واپس آئے تو انہوں نے وہاں کے تاثرات فارسی مثنوی مسافر کے نام سے قلم بند کئے۔ یہ مثنوی پہلے 1934ء میں الگ حیثیت سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں 1936ء سے یہ ان کی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کے ساتھ شائع ہونے لگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز مثنوی

(1) نادر افغان شہ درویش خو
رحمت حق بر روان پاک او

(2) کار ملت محکم از تدبیر او
حافظ دین مبیں شمشیر او

(3) چوں ابوذر خود گداز اندر نماز
ضربتش ہنگام کیں خارا گداز!

(4) عہد صدیقؓ از جمالش تازہ شد!
عہد فاروقؓ از جلالش تازہ شد!

(5) از غم دیں در دلش چوں لالہ داغ
در شب خاور وجود او چراغ!

(6) در نگاہش مستی ارباب ذوق
جوہر جانش سراپا جذب و شوق

(7) خسروی شمشیر و درویشی نگہ
ہر دو گوہر از محیط لا الٰہ!

(8) فقر و شاہی واردات مصطفیٰؐ است
ایں تجلیہائے ذات مصطفیٰؐ ست!

(9) ایں دو قوت از وجود مومن است
ایں قیام و آں سجود مومن است

(10) فقر سوز و درد و داغ و آرزو ست
فقر را در خوں تپیدن آبرو ست

(11) فقر نادر آخر اندر خوں تپید
آفریں بر فقر آں مرد شہید!

(12) اے صبا اے رہ نورد تیز گام
در طواف مرقدش نرمک خرام

(13) شاہ در خواب است' پا آہستہ نہ
غنچہ را آہستہ تر بکشا گرہ

*

(1) افغان نادر یعنی ملک افغانستان کا والی نادر شاہ ایک درویشوں کی عادت والا بادشاہ (ہے)۔

اس کی پاک روح پر حق کی رحمت ہو۔

(2) اس کی تدبیر سے ملت کا کام مضبوط ہے۔

اس کی تلوار روشن دین یعنی دین اسلام کی حفاظت کرنے والی ہے۔

(3) مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کی مانند وہ خود کو نماز میں پگھلانے والا ہے یعنی عشق رسولؐ میں فنا ہو کر عبادت کرتا ہے۔

جنگ کے وقت اس کا وار سخت پتھروں کو پگھلا دینے والا ہے۔

(4) اس کے جمال سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد تازہ ہو گیا۔

اس کے جلال سے حضرت عمر فاروقؓ کا جلال تازہ ہو گیا۔ مراد ہے وہ مسلمانوں کے لئے نرم اور دشمنان اسلام کے لئے سخت ہے۔

(5) دین کے غم کی وجہ سے اسکے دل میں لالہ کے پھول کی طرح کا داغ ہے۔
مشرق کی رات میں اس کا وجود چراغ کی طرح ہے۔
(6) اس کی نگاہ میں ذوق کی ربوبیت کرنے والوں یعنی اہل نظر و دل کی مستی ہے۔
اس کی جان کا جوہر (اس بنا پر) سراپا جذب و شوق ہے۔
(7) اس کی تلوار اس کی بادشاہت اور اس کی نگاہ اس کی درویشی ہے۔ یہ دونوں موتی لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ (کلمہ طیبہ) کے سمندر کے ہیں مراد ہے اگر کوئی حقیقی معنوں میں کلمہ طیبہ کا مظہر بن جائے تو وہ ان دونوں صفات کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کی شمشیر اجسام پر اور اس کی نگاہ قلوب پر حکمران ہو جاتی ہے۔
(8) فقیری اور شاہی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دو واردات (شانیں) ہیں۔
یہ دونوں تجلیاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات سے متعلق ہیں۔ مراد ہے جب کوئی کلمہ طیبہ پڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں خود کو رنگ لیتا ہے تو اس میں یہ دونوں شانیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ شہنشاہ ہوتے ہوئے فقیر اور فقیر ہوتے ہوئے شہنشاہ ہوتا ہے۔
(9) یہ دونوں قوتیں مومن کے وجود کی وجہ سے ہیں۔ یعنی صرف کلمہ طیبہ پڑھنے والے اور اسے خود پر وارد کرنے والے کی ہیں کسی اور میں نہیں ہو سکتیں۔
یہ یعنی شاہی مومن کا قیام ہے اور وہ یعنی درویشی مومن کا سجدہ ہے۔ مراد ہے مومن ایک طرف حق کے لئے سراپا عمل اور دوسری طرف سراپا نیاز ہوتا ہے۔ وہ جلال و جمال کا مرقع ہوتا ہے۔
(10) فقر (کیا ہے؟) فقر سوز، درد، داغ اور آرزو کا نام ہے۔
فقر کی آبرو خون میں تڑپنے سے ہے۔ مراد ہے فقر سراپا عشق الٰہی اور اس کی جملہ کیفیات کا حامل ہوتا ہے۔ وہ اس عشق میں جگر کو خون اور دل کو لہو کرتا ہے اور اسی میں اپنی زندگی اور عزت سمجھتا ہے اور اگر محبوب کے لئے ظاہری خون میں بھی نہانا پڑے تو اس سے بھی گریز نہیں کرتا۔ وہ محبوب پر جان کو قربان کر دینے میں اپنی زندگی اور عزت سمجھتا ہے۔
(11) (نادر شاہ کو ایک افغان نوجوان نے چونکہ گولی مار کر شہید کر دیا تھا اس پس منظر میں کہا گیا ہے کہ) نادر شاہ کا فقر آخر خون میں تڑپا۔
اس مرد شہید کے فقر پر آفرین (شاباش) ہے۔
(12) اے صبا اے تیز قدم مسافر یعنی اے تیزی سے چلنے والی صبح کی نرم اور لطیف ہوا جب تو نادر شاہ کی مرقد پر پہنچے تو وہاں آہستہ چلنا۔
(13) بادشاہ سو رہا ہے آہستہ پاؤں رکھ۔
غنچہ کی گرہ بھی زیادہ آہستگی سے کھولنا (کہیں اس کے کھلنے کی آواز بھی اس کے سکون میں خلل انداز نہ ہو جائے)۔

(14) از حضور او مرا فرماں رسید
آنکہ جان تازہ در خاکم دمید

(15) "سوختیم از گرمی آواز تو
اے خوش آں قومے کہ داند راز تو

(16) از غم تو ملت ما آشنا ست
می شناسیم ایں نوا ہا از کجا ست

(17) اے باغوش سحاب ما چو برق
روشن و تابندہ از نور تو شرق

(18) یک زماں در کوہسار ما درخش
عشق را باز آں تب و تابے بہ بخش

(19) تا کجا در بند ہا باشی اسیر
تو کلیمی راہ سینائے بگیر!"

(20) طے نمودم باغ و راغ و دشت و در
چوں صبا بگذشتم از کوہ و کمر

(21) خیبر از مردان حق بیگانہ نیست
در دل او صد ہزار افسانہ ایست!

(22) جادہ کم دیدم از و پیچیدہ تر
یاوہ گردد در خم و پیچش نظر

(23) سبزہ در دامان کہسارش مجوے
از ضمیرش بر نیاید رنگ و بوے

(24) سرزمینے کبک او شاہیں مزاج
آہوئے او گیرد از شیراں خراج!

(25) در فضایش جرہ بازاں تیز چنگ
لرزہ بر تن از نہیب شاں پلنگ!

(26) لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز
بے نظام و نا تمام و نیم سوز!

(27) فر بازاں نیست در پرواز شاں
از تذرواں پست تر پرواز شاں!

(28) آہ قومے بے تب و تاب حیات
روزگارش بے نصیب از واردات!

*

(14) اس کے یعنی نادر شاہ کے حضور سے مجھے حکم ملا۔
جس نے میری خاک میں سے تازہ جان کھلا دی۔ (اس شعر میں علامہ نے اس خط کی طرف اشارہ کیا ہے جو نادر شاہ نے اپنی زندگی میں افغانستان میں آنے کے لئے لکھا تھا)۔

(15) ہم تیری آواز کی گرمی سے جل گئے۔
خوش نصیب ہے وہ قوم جو تیرے راز کو جانتی ہے۔ یہ شعر اور اس کے بعد آنے والے چند شعر دراصل اس خط کے مضمون کا خلاصہ لئے ہوئے ہیں جو نادر شاہ نے علامہ اقبال کو لکھا تھا۔ اس شعر میں بادشاہ یہ کہتا ہے کہ اے اقبال میں نے تیری شاعری کا مطالعہ کیا ہے اور اس نے میرے اندر ایک خاص قسم کی حرارت اور تڑپ پیدا کر دی ہے۔ میں اس قوم کو خوش قسمت سمجھتا ہوں جو تیری شاعری کے راز کو جانتی ہے۔

(16) اے اقبال تیرے غم سے ہماری ملت واقف ہے۔
ہم جانتے ہیں کہ تیری نوا کہاں سے ہے (تیری شاعری کے محرکات اور رموز و اسرار سے ہم واقف ہیں)۔

(17) اے وہ شاعر کہ جو ہمارے بادل میں بجلی کی مانند ہے۔
تیرے نور سے مشرق روشن اور تابندہ ہے۔ (جس طرح اندھیرے میں بجلی چمک کر روشنی کرتی ہے تیری شاعری میری قوم کے لئے وہی کام کر رہی ہے)۔
(18) کچھ وقت کے لئے ہمارے پہاڑوں کے سلسلے میں بھی چمک۔
عشق کو پھر وہی حرارت اور تڑپ بخش جو کبھی اس میں تھی۔ مراد ہے ہمارے ملک میں آ اور اپنی شاعری اور اپنے پیغام سے ہمیں نور بخش۔
(19) تو کب تک بیڑیوں میں قید رہے گا یعنی مصروفیات میں الجھا رہے گا۔
تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی مانند ہے اور ہمارے پہاڑ سینا کی وادی کے پہاڑوں کی طرح ہیں۔ ان کی طرف گزر کر۔ مراد ہے ہماری وادیاں اور پہاڑ تیرے منتظر ہیں کہ تو ان کی طرف آئے اور وہاں کے لوگوں میں عشق کی تپش پیدا کرے۔ (یہاں اس دعوت نامہ کا مفہوم شعری ختم ہو جاتا ہے۔ جو نادر شاہ نے علامہ کو کابل آنے کے لئے لکھا تھا۔ اور سفر کے حالات شروع ہو جاتے ہیں)۔
(20) (علامہ کہتے ہیں میں نے دعوت نامہ قبول کر لیا اور کابل کی طرف سفر کے لئے روانہ ہو گیا) میں نے باغوں' سبزہ زاروں' جنگلوں اور آبادیوں کو طے کیا۔
(اور) میں پہاڑوں اور گھاٹیوں سے صبح کی نرم و لطیف ہوا کی طرح گزر گیا۔ مراد ہے میں نے شوق منزل میں بڑی آسانی سے راستہ طے کر لیا۔
(21) خیبر کا علاقہ جو افغانستان کی سرحد سے ملحقہ ہے اللہ کے مردوں سے بیگانہ نہیں ہے۔
اس کے دل میں سو ہزار افسانے ہیں۔ مراد ہے اس علاقے نے تاریخ' تمدن' معاشرت' اور تہذیب و ثقافت کے بہت سے دور دیکھے ہیں اور ان کی کہانیاں اس کے اوراق پر ثبت ہیں۔ خاص طور پر مردان حق کے بزمی اور رزمی کارناموں سے اس کی فضا معمور ہے۔
(22) میں نے اس سے زیادہ بل دار رستہ کم دیکھا ہے۔
اس کے خم و پیچ یعنی بل دار رستوں میں نظر گم ہو کر رہ جاتی ہے۔
(23) اس کے پہاڑوں کے دامن میں سبزہ تلاش نہ کر یعنی وہاں کے پہاڑ خشک ہیں۔
اس کے ضمیر سے رنگ و بو باہر نہیں آتی مراد ہے وہاں رنگ اور خوشبو کی بہار دکھانے والے پھول نہیں ہیں۔
(24) وہ ایسی سرزمین ہے کہ جہاں کے تیتر یا چکور شاہین مزاج ہیں مراد ہے یہاں کا بچہ اور کمزور نظر آنے والا شخص بھی طاقت ور اور بہادر ہے۔
اس کا ہرن شیروں سے خراج وصول کرتا ہے یعنی بڑے بڑے بہادر یہاں کے باشندوں کے آگے سر جھکاتے ہیں۔
(25) اس کی فضا میں تیز پنجوں والے نر باز ہیں (جو بڑی دلیری اور بے باکی سے شکار کرتے ہیں)۔
چیتے کے جسم پر ان کی ہیبت سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ (جرہ باز دراصل دلیر افغانوں کی طرف اشارہ ہے)۔
(26) (مذکورہ بالا چند شعروں میں افغانوں کی بہادری کا ذکر کرنے کے بعد شاعر کہتا ہے کہ المیہ یہ ہے کہ

اس سب کچھ کے باوجود یہاں کے باشندے قبائل میں بٹے ہوئے ہیں) لیکن ایک مرکز پر جمع نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے افغان آشفتہ روز (پریشان حال) ہیں۔

وہ بے نظام، نامکمل اور بے سوز لوگ ہیں۔ (مراد ہے وہ منظم بھی نہیں اور دوسری قوموں کے مقابلے میں ترقی یافتہ بھی نہیں)۔

(27) ان کی پرواز میں بازوں کی سی شان نہیں ہے۔

ان کی پرواز تیتروں سے بھی پست ہے۔ (مراد ہے وہ بہادر اور صلاحیتوں والے ضرور ہیں لیکن ان سے فائدہ نہیں اٹھا رہے)۔

(28) افسوس ہے اس قوم پر جو زندگی کی حرارت اور چمک نہیں رکھتی۔

اس کا روزگار واردات سے بے نصیب ہے۔ یعنی ان کی زندگی میں جمود ہے۔ وہ راہ عمل سے بیگانہ ہے۔ جہالت اور تنزلی کی زندگی پر قناعت کئے ہوئے ہے اس لئے ذلت کی زندگی گزار رہی ہے۔

(29) آں یکے اندر سجود' ایں در قیام
کاروبارش چوں صلوٰت بے امام!
(30) ریزہ ریزہ از سنگ او مینائے او
آہ! از امروز بے فردائے او

خطاب بہ اقوام سرحد

(1) اے ز خود پوشیدہ خود را باز یاب
در مسلمانی حرام است ایں حجاب!
(2) رمز دین مصطفیٰؐ دانی کہ چیست
فاش دیدن خویش را شاہنشہی است!
(3) چیست دیں؟ دریافتن اسرار خویش
زندگی مرگ است بے دیدار خویش
(4) آں مسلمانے کہ بیند خویش را
از جہانے برگزیند خویش را
(5) از ضمیر کائنات آگاہ اوست
تیغ لا موجود الا اللہ اوست
(6) در مکان و لامکاں غوغائے او
نہ سپہر آوارہ در پہنائے او
(7) تا دلش سرے ز اسرار خدا ست
حیف اگر از خویشتن نا آشنا ست
(8) بندۂ حق وارث پیغمبراں
او نگنجد در جہان دیگراں
(9) تا جہانے دیگرے پیدا کند
ایں جہان کہنہ را برہم زند
(10) زندہ مرد از غیر حق دارد فراغ
از خودی اندر وجود او چراغ!
(11) پائے او محکم بہ رزم خیر و شر
ذکر او شمشیر و فکر او سپر
(12) صبحش از بانگے کہ بر خیز و ز جاں
نے ز نور آفتاب خاوراں!

(29) (افغانوں کی بے نظمی' بے مرکزی اور اور نفاق کی بات نماز کے استعارے میں کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے) کہ ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے اگر وہ سجدہ میں ہے تو یہ قیام میں ہے۔

ان کا کاروبار اس نماز کی طرح ہے جس کا امام نہ ہو۔

(30) (آپس میں لڑنے جھگڑنے کا نتیجہ استعارہ میں بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے) اس کی مینا اس کے اپنے ہی پتھر سے ریزہ ریزہ (چور چور) ہے۔

آہ! (افسوس ہے) اس کے آج پر جس کی کوئی کل نہیں۔ یعنی جس کا کوئی اچھا مستقبل دکھائی نہیں دیتا۔ (کل اچھا تو تب آئے جب وہ آج عمل کے میدان میں قدم رکھے' وہ تو بالکل بے عمل ہے)۔

افغانستان کی سرحد پر بسنے والی افغان اقوام سے خطاب

(1) اے خود سے پوشیدہ خود کو پا۔ خود کو پہچان۔ (تجھے اللہ تعالیٰ نے مسلمان پیدا کیا ہے اور مسلمان مغلوب نہیں' غالب رہ کر زندہ رہتا ہے)۔
مسلمانی میں یہ حجاب (پردہ) یعنی اپنی حقیقت پر پڑا ہوا پردہ قائم رہنا حرام ہے۔ (ایک مسلمان کو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو کر جینا چاہئے)۔

(2) کیا تو جانتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین یعنی دین اسلام کی رمز کیا ہے۔
خود کو فاش دیکھنا یعنی اپنی معرفت حاصل کر لینا' یہی شہنشاہی ہے۔

(3) دین کیا ہے؟ (دین) اپنے بھید پا لینے کا نام ہے۔
زندگی اپنے دیدار (اپنی معرفت) کے بغیر زندگی نہیں موت ہے۔

(4) وہ مسلمان جو خود کو دیکھ لیتا ہے یعنی اپنی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔
وہ ایک جہان سے خود کو برگزیدہ کر لیتا ہے' خود کو چن لیتا ہے یعنی وہ اشرف المخلوقات کے زمرے میں آجاتا ہے۔

(5) وہ کائنات کے ضمیر سے آگاہ ہے۔ یعنی اس کی حقیقت کو سمجھتا ہے وہ لا موجود الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں) کی تلوار ہے۔ مراد ہے وہ وحدۃ الوجودی نظریہ کے مطابق یہ جانتا ہے کہ اصل وجود اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ موجود تو ہے اپنا وجود نہیں رکھتا۔ اور جو وجود دوسرے کے وجود کا مرہون منت ہو وہ لائق توجہ نہیں۔ اس لئے لائق توجہ اصلی وجود ہے اور وہ وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہی توحید خالص ہے اور یہی وہ نظریہ ہے جو بندہ کو اپنے آقا سے ربط و ضبط قائم رکھنے اور دوسری اشیا کو آقا کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

لا موجود الا اللہ کا عقیدہ رکھنے والا ہر وجود غیر اللہ میں چونکہ اللہ کے وجود کا عمل دخل سمجھتا ہے اس لئے وہ ان کا صحیح' مناسب اور ضروری استعمال کرتا ہے۔ اور حرکت و عمل کی ایک قوی اور یقینی موج اس کے اندر پیدا کرتا ہے نہ کہ اسے عمل سے گریز سکھاتا ہے۔ جیسا کہ وحدۃ الوجود کی صوفیانہ حقیقت کو نہ سمجھنے والے لوگ کہتے ہیں۔ لا موجود الا ھو کا وحدۃ الوجودی نظریہ معاشرے میں اعتدال' توازن اور صحت قائم رکھنے کے لئے بھی لازمی ہے کیونکہ جب کائنات اور اس کے ذرہ ذرہ میں ہم خالق کائنات کی صفات کی جلوہ گری دیکھیں گے یا سمجھیں گے تو ان کو غلط استعمال کرنے کی جراءت نہیں کریں گے۔ اور نفاق انتشار' فساد وغیرہ کو بھی ہوا نہیں دیں گے اور صلح کل کے علم بردار رہیں گے۔

(6) مکان ہو یا لامکان (یہ آسمان سے نیچے والی دنیا ہو یہ اس سے آگے کا کوئی جہان ہو) ہر جگہ اس کی دھوم مچی ہوئی ہے۔
نو آسمان اس کی وسعت کے اندر آوارہ پھر رہے ہیں (عام طور پر سات آسمان کہے جاتے ہیں بعض لوگ ان میں عرش اور کرسی کو شامل کر کے نو قرار دے لیتے ہیں)۔ مراد ہے کہ بندہ حق چونکہ زمان و مکان پر غالب آجاتا ہے اس لئے ساری کائنات کا وہ محور بن جاتا ہے۔ وہ کائنات کا نہیں بلکہ کائنات اس کی

مطیع ہو جاتی ہے۔

(7) چونکہ اس کا (بندۂ حق / مرد مومن کا) دل خدا کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔

(جب صورت حال یہ ہے) تو افسوس ہے اگر وہ خود سے آشنا نہیں ہے۔ مراد ہے بندہ حق کا دل محض گوشت کا لوتھڑا نہیں ہوتا بلکہ حق کی جلوہ گری کا آئینہ ہوتا ہے۔

(8) بندہ حق پیغمبروں کا وارث ہوتا ہے۔ مراد ہے ان کے علوم و فیوض کا حامل ہوتا ہے۔

وہ دوسروں کے جہان میں نہیں سماتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی پیغمبروں کے تعمیر کردہ جہان میں بسر ہوتی ہے نہ کہ دوسروں کے۔ ان کی ہر حرکت و سکون انہی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔

(9) تاکہ وہ ایک دوسرا جہان پیدا کرے (جو پیغمبروں کے دیئے ہوئے نقشہ کے مطابق ہو) (وہ لوگوں کے بنائے ہوئے) پرانے جہان کو برباد کردیتا ہے۔ اور اس کی تخریب سے ایک نیا جہان تعمیر کرتا ہے۔

(10) زندہ مرد جو ہوتا ہے وہ غیر حق سے فارغ ہوتا ہے۔

اس کے وجود (کی رات) میں خودی کا چراغ جل رہا ہوتا ہے۔ (کہنے کو تو ہر کوئی سانس لے رہا ہوتا ہے اور زندہ کہلاتا ہے لیکن جب اس کا جسم' اس کی روح' اس کا دل اور اس کا ذہن اپنے خالق سے ناواقف ہو کر دوسرے کئی قسم کے خالقوں کا مطیع ہو جاتا ہے اور اپنے شرف آدمیت کو بھول جاتا ہے اور اپنی پہچان نہیں کرتا تو وہ زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتا ہے اور جب زندگی کی اندھیری رات میں وہ اپنی پہچان کا چراغ جلا لیتا ہے تو پھر وہ غیر حق سے پیچھا چھڑا کر حق کا ہو جاتا ہے اور جب وہ حق کا ہو جاتا ہے تو غیر حق جو کچھ بھی ہے اس کا طواف کرنے لگتا ہے۔

(11) نیکی اور بدی کی جنگ میں وہ مضبوطی سے قدم جمائے رکھتا ہے (بدی کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے) اس جنگ میں اس کا ذکر اسکی تلوار اور اس کا فکر اس کی ڈھال ہوتی ہے۔ (وہ اللہ کے ذکر کی تلوار سے ابلیسی قوتوں پر وار کرتا ہے اور کائنات اور خود پر فکر کرنے کی ڈھال سے ان قوتوں سے مدافعت کرتا ہے۔ یاد رکھیں ذکر اور فکر صوفیانہ نظام کے دو اہم ستون ہیں)۔

(12) اس کی صبح اس اذان سے ہوتی ہے جو اس کی جان سے اٹھتی ہے (جو اذان رسمی نہیں ہوتی)۔

نہ کہ مشرق سے ابھرنے والے سورج کی روشنی سے۔ مراد ہے وہ صبح جو سورج کے طلوع ہونے سے پیدا ہوتی ہے وہ تو چرند' پرند' درند' حیوان' انسان' کافر' تمام مسلمان سب کے لئے ہوتی ہے لیکن وہ صبح جس سے انسان کی زندگی کی رات صبح میں بدلتی ہے وہ بندہ مومن کی اذاں سے بدلتی ہے۔ جب وہ اللہ اکبر کی صدا لگاتا ہے تو باطل کا ہر اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ سامع کے قلب و ذہن میں نور حق پھیل جاتا ہے۔ محمد الرسول اللہ ﷺ کی رسالت اس کی راہبر بن جاتی ہے۔ یہ صبح حقیقی صبح ہے۔

(13) فطرت او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات
(14) ذرہ از گرد رہش آفتاب
شاہد آمد بر عروج او کتاب
(15) فطرت او را کشاد از ملت است!
چشم او روشن سواد از ملت است!
(16) اندکے گم شو بقرآن و خبر
باز اے ناداں بخویش اندر نگر
(17) در جہاں آوارۂ بیچارۂ
وحدتے گم کردۂ صد پارۂ
(18) بند غیر اللہ اندر پائے تست
داغم از داغے کہ در سیمائے تست
(19) میر خیل! از مکر پنہانی بترس
از ضیاع روح افغانی بترس!
(20) ز آتش مردان حق می سوز مت
نکتہ از پیر روم آموز مت
(21) "رزق از حق جو، مجو از زید و عمر
مستی از حق جو، مجو از بنگ و خمر
(22) گل مخور، گل را مخور گل را مجو
زانکہ گل خوار است دائم زرد رو
(23) دل بجو تا جاوداں باشی جواں
از تجلی چہرہ ات چوں ارغواں
(24) بندہ باش و بر زمیں رو چوں سمند
چوں جنازہ نے کہ بر گردن برند!"
(25) شکوہ کم کن از سپہر لاجورد
جز بگرد آفتاب خود مگرد
(26) از مقام ذوق و شوق آگاہ شو
ذرۂ؟ صیاد مہر و ماہ شو!
(27) عالم موجود را اندازہ کن
در جہاں خود را بلند آوازہ کن

(13) اس کی فطرت اطراف (زمان و مکاں) میں بے اطراف (زمان و مکان سے آزاد) ہے۔

وہ کعبہ ہے اور کائنات کا طواف کرتی ہے (بندہ حق کائنات میں ہوتا ہوا کائنات سے بے نیاز ہے۔ وہ کائنات کا نہیں کائنات اس کی محتاج ہے)۔

(14) اس کے راستہ کی گرد کا ایک ایک ذرہ سورج ہے (اس کی ہر بات اور ہر عمل لوگوں کے لئے نور ہدایت ہے)۔

اس کے عروج (کمال) پر کتاب (قرآن) گواہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انتم الاعلون ان کنتم مومنین** اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب اور اعلیٰ رہو گے)۔

(15) اس کی فطرت کا اظہار ملت کی وجہ سے ہے یعنی وہ ملت سے بیگانہ نہیں ہوتا۔

اس کی آنکھوں کی پتلی کی روشنی ملت کی وجہ سے ہے (مرد حق جماعت میں اسی طرح ہے جس طرح آنکھ میں پتلی ہوتی ہے)۔

(16) کچھ دیر قرآن واحادیث میں گم ہو (ان کو پڑھ کر دیکھ کہ ایک بندہ حق کی شان کیا ہے)۔
پھر اے نا سمجھ اپنے اندر جھانک (کیا تو واقعی ایسا ہے) یہاں سے صوبہ سرحد کے عہد حاضر کے افغانوں کو خطاب کر کے شاعران کی حالت سے آگاہ کرتا ہے)۔

(17) تو دنیا میں آوارہ اور بیچارہ ہے۔
تو نے مرکز گم کر دیا ہے۔ اور تو (قبیلوں کی صورت میں) سو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ (تم واحد قوم نہیں رہے)۔

(18) تیرے پاؤں میں غیر اللہ کی بیڑیاں ہیں۔
میں اس داغ سے داغ ہوں (زخمی ہوں) جو غیر اللہ کے آگے جھکنے کی وجہ سے تیری پیشانی پر نظر آتا ہے۔

(19) اے قبیلے کے سردار چھپے ہوئے مکر (دغا و فریب) سے ڈر۔
اپنی افغانی روح کے برباد ہونے سے ڈر (دشمن اپنے مکرو فریب سے تمہیں قابو کر کے تمہارے ذریعہ قبیلہ کو قبیلہ سے جدا رکھنا چاہتا ہے اور افغانوں کی وحدت کو پارہ پارہ رکھنا چاہتا ہے۔ تو اس چال سے ہوشیار رہ)۔

(20) میں تمہیں مردان حق کی آگ سے جلاتا یعنی تمہارے اندر حرارت زندگی اور گرمی عمل پیدا کرنا چاہتا ہوں۔
(اور) پیر روم (مولانا جلال الدین رومی) کی ایک باریک اور رمز کی بات تمہیں سکھاتا ہوں۔

(21) (یہاں سے چار شعر مثنوی مولانا روم کے ہیں) رزق حق سے تلاش کر (کیونکہ وہی سب کا رازق ہے) زید و عمر یعنی غیر اللہ سے تلاش نہ کر۔
مستی حق سے تلاش کر بھنگ اور شراب سے نہیں (اس وقت کا انگریز حاکم چونکہ سرحدی قبائل کو دولت اور وظائف دے کر اپنے مطلب کے لئے استعمال کر رہا تھا اس کی طرف اشارہ ہے)۔

(22) مٹی نہ خرید' مٹی نہ کھا' مٹی تلاش نہ کر۔
کیونکہ مٹی کھانے والا ہمیشہ زرد رو ہوتا ہے۔ (اس کا چہرہ پیلا ہوتا ہے) غیر اللہ سے رزق تلاش کرنے اور محتاجی کا رزق ڈھونڈنے کو مٹی کھانے کے برابر کہا ہے۔

(23) دل تلاش کر (اپنے اندر دل پیدا کر) تاکہ تو ہمیشہ جوان رہے۔
(اور) نور یا تجلی سے تیرا چہرہ ارغوانی (سرخ) رہے (اہل دل نور حق کھاتا ہے اہل شکم کاہ و جو کھاتا ہے۔ نور سے چہرہ روشن اور کاہ و جو سے زرد رہتا ہے)۔

(24) (خدا کا) بندہ بن اور زمین پر گھوڑے کی مانند (اپنے پاؤں پر کسی کی محتاجی کے بغیر) چل۔
نہ کہ جنازے کی طرح جو لوگ گردن پر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

(25) نیلے آسمان کا شکوہ نہ کر (کہ اس کی وجہ سے یعنی تقدیر کے سبب میں ایسا ہو گیا ہوں اور ویسا ہو گیا ہوں)۔
اپنے آفتاب کے سوا کسی اور شے کے گرد نہ گھوم۔ مراد ہے کسی کی محتاجی کے بغیر اور تقدیر کا شکوہ کئے بغیر راہ عمل پر گامزن ہو۔ اور پھر دیکھ محتاجی اور تقدیر پامال ہوتی ہے یا نہیں۔

(26) ذوق و شوق (عشق) کے مقام سے آگاہ ہو۔

اگر تو ایک ذرہ ہے تو (اپنے اندر عشق پیدا کر کے) سورج اور چاند کا شکاری بن (آج تو کائنات کا محتاج ہے کل کائنات تیری محتاج ہو گی)۔

(27) آج جو جہان موجود ہے اس کا اندازہ کر (اور اس کی دوڑ میں اس کے قدم بقدم چل)۔

(اس طرح) جہان میں خود کو بلند آوازہ (بڑی شہرت والا) والا بنا۔



صُوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال
مُلا کی شریعت میں فقط مستیِ گُفتار

(28) برگ و ساز کائنات از وحدت است
اندریں عالم حیات از وحدت است
(29) در گذر از رنگ و بو ہاے کہن
پاک شو از آرزو ہاے کہن
(30) ایں کہن ساماں نیرزد باد و جو
نقشبند آرزوے تازہ شو
(31) زندگی بر آرزو دارد اساس
خویش را از آرزوے خود شناس
(32) چشم و گوش و ہوش تیز از آرزو
مشت خاکے لالہ خیز از آرزو
(33) ہر کہ تخم آرزو در دل نہ کشت
پانمال دیگراں چوں سنگ و خشت!
(34) آرزو سرمایہ سلطان و میر
آرزو جام جہاں بین فقیر
(35) آب و گل را آرزو آدم کند
آرزو ما راز خود محرم کند
(36) چوں شرر از خاک ما بر می جہد
ذرہ را پہناے گردوں می دہد!
(37) پور آزر کعبہ را تعمیر کرد
از نگاہے خاک را اکسیر کرد
(38) تو خودی اندر بدن تعمیر کن
مشت خاک خویش را اکسیر کن

(28) کائنات کا سارا سازو سامان وحدت (اکائی/ایکہ ہونا) میں ہے۔
اس جہان میں زندگی وحدت سے ہے (مل جل کر رہنے/ایک مرکز کے گرد رہنے کی وجہ سے ہے)۔
(29) پرانے رنگ اور پرانی خوشبو کو چھوڑ دے۔
پرانی آرزوؤں سے پاک ہو۔ مراد ہے پرانی رسم و رواج، پرانے خیالات و افکار اور پرانی امنگوں اور امیدوں کو چھوڑ کر جن کی وجہ سے تو محتاجی اور بے عملی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اپنے اندر نئی آرزوئیں اور نئے افکار پیدا کر اور راہ عمل کے نئے راستے بنا۔
(30) یہ تیرا پرانا سامان دو جو کے برابر قیمت نہیں رکھتا۔

مسافر وارد می شود بہ شہر کابل و حاضر می شود بحضور اعلیٰ حضرت شہیدؒ

(1) شہر کابل! خطہ جنت نظیر
آب حیواں از رگ تاکش بگیر!
(2) چشم صائب☆ از سوادش سرمہ چیں
روشن و پائندہ باد آں سرزمیں

نئی آرزو کا نقش پیدا کرنے والا بن۔
(31) زندگی آرزو پر بنیاد رکھتی ہے۔

خود کو اپنی آرزو سے پہچان (اپنے اندر غیرت مندوں کی طرح جینے اور دین و دنیا میں سربلند ہونے کی آرزو پیدا کر)۔

(32) آنکھ اور کان اور ہوش آرزو سے تیز ہوتا ہے۔

مٹی کی ایک مٹھی آرزو کی وجہ سے لالہ کا پھول پیدا کرنے والی بن جاتی ہے (دیکھئے مٹی مٹی ہے بے حس اور بے جان۔ لیکن جب اس کے اندر جب حرکت اور حرارت کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اسمیں سے نباتات پھوٹ پڑتی ہے)۔

(33) ہر وہ شخص جس نے کہ آرزو کا بیج دل میں نہیں بویا۔

وہ پتھر اور اینٹ کی مانند دوسروں کے پاؤں میں روندا جاتا ہے۔

(34) آرزو بادشاہ اور امیر کا سرمایہ ہے۔

آرزو فقیر کا جہان کو دیکھنے والا پیالہ (دل) ہے (ہر شے کے وجود و نمود کے پیچھے اس کی آرزو کی کارفرمائی ہے)۔

(35) آرزو مٹی کو آدم بناتی ہے۔

آرزو ہم کو اپنے آپ سے آشنا کرتی ہے (مٹی سے آدم بنانے سے یہ مراد نہیں کہ آرزو آدمی کا جسم تراشتی ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ اس کے جسم میں صفات آدمیت پیدا کرتی ہے اور اسے اپنی پہچان کرا کر نائب خدا اور خلیفتہ الارض کا مقام دلاتی ہے)۔

(36) (آرزو) ہماری خاک سے چنگاری کی مانند ابھرتی ہے۔

(اور) ذرہ کو آسمانی کی وسعت عطا کرتی ہے۔

(37) (آذر حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا بابا (سربراہ تھا) یہ غلط ہے کہ وہ ان کا باپ تھا۔ بعض کے نزدیک وہ ان کا چچا تھا۔ لیکن باپ ہرگز نہیں تھا۔ آذر بت پرست تھا۔ اس کی قوم میں یا خاندان میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے بت کدے توڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرنے والا گھر یعنی خانہ کعبہ بنایا)۔ آذر کی اولاد (یا قوم) نے کعبہ تعمیر کیا۔

اور ایک نگاہ سے مٹی کو سونا بنا دیا۔ (وہ مٹی یا پتھر جس سے خانہ کعبہ بنایا گیا مومنوں کی طواف کی جگہ اور اللہ کا گھر بن کر قابل احترام بن گیا۔ ورنہ ہے تو وہ مٹی ہی۔ صاحب نظر کا ہاتھ لگنے سے سونا بن گئی)۔

(38) تو بدن میں خودی کو تعمیر کر۔

(اور کعبہ کی مٹی کی طرح) اپنی مٹی کو سونا بنا۔

مسافر یعنی خود اقبال افغانستان کے دارالحکومت کابل کے شہر میں وارد ہوتا ہے اور اعلیٰ حضرت شہید یعنی نادر شاہ والی افغانستان کے حضور جو اس وقت زندہ تھے' حاضر ہوتا ہے۔ شہید اس لئے کہا گیا ہے کہ علامہ کے سفر کے کچھ عرصہ بعد انہیں یعنی نادر شاہ کو کسی افغان نوجوان نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا

(1) کابل کا شہر جنت کی مثل ایک خطہ ہے۔
اس کی انگوروں کی بیل سے زندگی کا پانی حاصل کر مراد ہے یہاں کے انگوروں اور پھلوں کے رس زندگی بخش ہیں۔
(2) صائب کی آنکھ اس کی حدود یا گردونواح سے سرمہ چننے والی یعنی یہاں کی گرد کا سرمہ لگانے والی ہے۔

خدا کرے وہ سرزمین روشن اور ہمیشہ قائم رہنے والی رہے (مرزا صائب مشہور فارسی شاعر تھا۔ ولادت تبریز (ایران) میں ہوئی۔ تعلیم اصفہان (ایران) میں پائی۔ جس وقت ظفر خان مغلیہ حکومت کی طرف سے کابل کا صوبہ دار تھا وہ کابل پہنچا۔ اس کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ ☆ اس وقت کے ہندوستان کے بادشاہ شاہجہان کے ساتھ بھی رہا۔ پھر وہ واپس ایران چلا گیا۔ ایران کے بادشاہ شاہ عباس نے اسے ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ مرزا صائب 1040 میں ایران ہی میں فوت ہوا۔ مرزا صائب نے شہر کابل کی تعریف میں کہا تھا۔

خوشا وقتے کہ چشمم از سوادش سرمہ چیں گردد

علامہ نے اپنے شعر میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(3) در ظلام شب سمن زارش نگر
بر بساط سبزه می غلطد سحر!

(4) آں دیار خوش سواد آں پاک بوم
باد او خوشتر ز باد شام و روم

(5) آب او براق و خاکش تابناک
زندہ از موج نسیمش مردہ خاک

(6) ناید اندر حرف و صوت اسرار او
آفتاباں خفتہ در کہسار او

(7) ساکنانش سیر چشم و خوش گہر
مثل تیغ از جوہر خود بے خبر!

(8) قصر سلطانی کہ نامش دلکشا ست
زائراں را گرد راہش کیمیا ست

(9) شاہ را دیدم دراں کاخ بلند
پیش سلطانے، فقیرے دردمند

(10) خلق او اقلیم دلہا را کشود
رسم و آئین ملوک آنجا نبود

(11) من حضور آں شہ والا گہر
بے نوا مردے بدربار عمرؓ

(12) جانم از سوز کلامش در گداز
دست او بوسیدم از راہ نیاز

(13) پادشاہے خوش کلام و سادہ پوش
سخت کوش و نرم خوے و گرم جوش

(14) صدق و اخلاص از نگاہش آشکار
دین و دولت از وجودش استوار

(15) خاکی و از نوریاں پاکیزہ تر
از مقام فقر و شاہی با خبر

(16) در نگاہش روزگار شرق و غرب
حکمت او رازدار شرق و غرب

(17) شہر یارے چوں حکیماں نکتہ داں
رازدان مد و جزر امتاں

*

(3) اس کی رات کی تاریکیوں میں چنبیلی کے سفید تختے دیکھ۔

(یوں معلوم ہوتا ہے کہ) سبزہ کی چادر سے صبح لپٹ رہی ہے۔

(4) وہ اچھی گرد و نواح والا شہر (اور) وہ پاک زمین۔

اس کی ہوا شام اور روم کے ملکوں کی ہوا سے زیادہ اچھی ہے۔

(5) اس کا پانی بجلی کی طرح چمکتا ہوا صاف شفاف ہے اس کی مٹی روشن ہے۔

اس کی نسیم کی موج سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے (سبزہ اور فصلیں اگ آتی ہیں۔ خشک زمین ہری بھری ہو جاتی ہے)۔

(6) اس کے بھید لفظ اور آواز میں نہیں آتے۔

اس کے پہاڑی سلسلہ میں سورج سوئے ہوئے ہیں۔ مراد اس علاقہ نے بڑے بڑے مشہور بادشاہ، فقیر، شاعر، مجاہد وغیرہ پیدا کئے ہیں جو اس کی مٹی میں مدفون ہیں۔ ان کے رموز و اسرار حرف و صوت (تحریر و تقریر) میں نہیں سما سکتے۔

(7) اس کے رہنے والے سیر چشم (دولت کی بھوک نہ رکھنے والے۔ حوصلہ مند' فیاض) اور اچھی نسل اور خاندان کے لوگ ہیں۔

(لیکن) جس طرح تلوار خود اپنے جوہر (دھار کی کاٹ کی صلاحیت) سے بے خبر ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی صلاحیتوں سے بے خبر ہیں۔ تلوار کو اپنی دھار کی صفت کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ کسی پر چلتی ہے۔ یہاں کے لوگوں کو بھی اپنی صفات کا اس وقت علم ہو گا جب وہ ان کو بروئے کار لائیں گے۔

(8) یہاں کا شاہی محل جس کا نام دلکشا ہے (یا جس کے نام سے ہی دل کی کلی کھل جاتی ہے)۔

اس کی زیارت کرنے والوں کے لئے اس کی راہ کی گرد کیمیا کا اثر رکھتی ہے (کیونکہ اس میں ایک ایسا بادشاہ رہتا ہے جو مومنانہ صفات رکھتا ہے)۔

(9) میں نے بادشاہ کو اس بلند محل میں دیکھا۔

(میں نے اس سے ملاقات کی اور ہماری ملاقات کی صورت یہ تھی کہ جیسے) ایک بادشاہ اور ایک دردمند فقیر کی ملاقات ہو رہی ہو۔

(10) اس کے حسن اخلاق نے دلوں کی سلطنت کو وسیع کر دیا۔

بادشاہوں کی سی رسم اور طریقہ وہاں نہ تھا۔

(11) میں اس اعلیٰ خاندان کے بادشاہ کے حضور ایسے تھا (جیسا کہ)۔

کوئی بے سروسامان حضرت عمرؓ کے دربار میں ہو (جس طرح حضرت عمرؓ اتنے جلیل القدر' عظیم المرتبت اور وسیع السلطنت حاکم ہونے کے باوجود کوئی شاہانہ تکلفات رکھتے تھے او ہر کس و ناکس بے خوف ان تک رسائی حاصل کر سکتا تھا یہاں یہی صورت حال تھی)۔

(12) اس کے کلام کی حرارت سے میری جان گداز ہو رہی تھی (پگھل رہی تھی۔ میں بے حد متاثر ہو رہا تھا) میں نے نیاز مندی کے طور پر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

(13) وہ ایک اچھی گفتگو کرنے والا اور سادہ لباس پہننے والا۔

سخت محنت اور کوشش کرنے والا' نرم طبیعت اور محبت سے پیش آنے والا بادشاہ تھا۔

(14) اس کی نگاہ سے اس کا صدق اور اخلاص ظاہر ہے۔

اس کے وجود سے اس کی حکومت اور دین مضبوط بنیادوں پر استوار ہے (مضبوط ہے)۔

(15) وہ ہے تو مٹی کا بنا ہوا یعنی بنی نوع آدم میں سے ہے لیکن فرشتوں سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

وہ فقر اور شاہی کے مرتبہ سے باخبر ہے۔

(16) مشرق اور مغرب کا زمانہ یعنی حالات زمانہ اس کی نگاہ میں ہیں۔

اس کی حکمت مشرق اور مغرب کی رازدار ہے یعنی معاملات شرق و غرب کو خوب سمجھتی ہے۔

(17) وہ ایک بزرگ بادشاہ ہے جو حکیموں (اہل خرد) کی مانند باریک باتوں کو جاننے اور سمجھنے والا ہے۔

وہ قوموں کے اتار چڑھاؤ یعنی عروج و زوال (کے اسباب و نتائج) کا رازداں ہے۔

(18) پردہ ہا از طلعت معنی کشود
نکتہ ہاے ملک و دیں را وا نمود
(19) گفت ازاں آتش کہ داری در بدن
من ترا دانم عزیز خویشتن
(20) ہر کہ او را از محبت رنگ و بو ست
در نگاہم ہاشم و محمود او ست
(21) در حضور آں مسلمان کریم
ہدیہ آوردم ز قرآن عظیم
(22) گفتم ایں سرمایہ اہل حق است
در ضمیر او حیات مطلق است
(23) اندرو ہر ابتدا را انتہا است
حیدرؓ از نیروے او خیبر کشا است
(24) نشہ حرفم بخون او دوید
دانہ دانہ اشک از چشمش چکید
(25) گفت "نادر در جہاں بے چارہ بود
از غم دین و وطن آوارہ بود
(26) کوہ و دشت از اضطرابم بے خبر
از غمان بے حسابم بے خبر
(27) نالہ با بانگ ہزار آمیختم
اشک با جوے بہار آمیختم
(28) غیر قرآں غمگسار من نہ بود
قوتش ہر باب را بر من کشود"
(29) گفتگوے خسرو والا نژاد
باز با من جذبہ سرشار داد
(30) وقت عصر آمد صداے الصلوت
آں کہ مومن را کند پاک از جہات
(31) انتہاے عاشقاں سوز و گداز
کہ دم اندر اقتداے او نماز
(32) راز ہائے آں قیام و آں سجود
جز بہ بزم محرماں نتواں کشود!

*

(18) اس نے معنی کے چہرے سے پردہ اٹھایا یعنی حقیقت معاملات کو دکھایا۔

اس نے ملک اور دین کی باریک باتوں کو کھولا۔

(19) (بادشاہ مجھ سے کہنے لگا) اس نے کہا کہ اس آگ کی وجہ سے یعنی آتش عشق کی وجہ سے جو تو اپنے بدن میں رکھتا ہے۔

میں تجھے اپنا عزیز (قریبی دوست) سمجھتا ہوں۔

(20) ہر وہ شخص کہ جس میں محبت کی رنگ و بو ہے۔

میری نگاہ میں وہ ہاشم اور محمود ہے۔ یعنی میرے بھائیوں کی طرح ہے۔ (یہ دونوں نام بادشاہ کے بھائیوں کے تھے)۔

(21) (جب نادر شاہ اپنی بات کر چکا تو اقبال کہتے ہیں کہ) اس کریم (لوگوں پر کرم کرنے والے) مسلمان کے حضور۔

میں قران عظیم (عظمت والے قرآن) کا تحفہ لایا یعنی اسے عظیم کتاب قرآن پیش کی (اس نے یہ ہدیہ قبول کرلیا)۔

(22) (جب شاہ کو اقبال نے تحفہ پیش کیا تو ساتھ ہی یہ بات کہی) میں نے کہا کہ (یہ قرآن) اہل حق کا سرمایہ ہے۔

اس کے ضمیر میں حیات مطلق ہے مراد ہے یہ مسلمانوں کا اصل سرمایہ ہے۔

اس کے اندر زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہدایات وضوابط موجود ہیں۔ حیات مطلق سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ قرآن پر عمل پیرا ہونے سے وہ زندگی حاصل ہو سکتی ہے جس کو فنا نہیں۔

(23) یہ وہ کتاب ہے جس کے اندر ہر چیز کی ابتدا اور انتہا موجود ہے۔

اس سے طاقت حاصل کر کے حیدر کرار حضرت علیؓ نے قلعہ خیبر کا (جو مدینتہ المنورہ کے قریب تھا) دروازہ اکھاڑ دیا تھا (حیدر کے لفظی معنی شیر کے ہیں حضرت علی کو شیر خدا یا اسد اللہ بھی کہتے ہیں)۔

(24) میری بات (کی شراب) کا نشہ اس کے یعنی بادشاہ کے خون میں دوڑ گیا۔

(اور) اس کے آنکھ سے دانہ دانہ (قطرہ قطرہ) آنسو گرنے لگے۔

(25) (جب امان اللہ خان کی حکومت کو، جس کا نادر خان وزیر جنگ تھا، بچہ سقہ نے ختم کیا اس وقت نادر ملک سے باہر فرانس کے علاقہ میں تھا۔ اور وہ دین کی خرابی اور وطن کی بربادی پر پردیس میں کڑھ رہا تھا۔ اس پس منظر میں بادشاہ نے علامہ کی بات کے جواب میں کہا) اس نے کہا کہ (ایک وقت تھا جب) نادر خان جہان میں بے چارہ تھا (ملک کی حکومت تبدیل ہو چکی تھی اور وہ فرانس میں بے یارو مددگار زندگی بسر کر رہا تھا۔

(اور) وہ دین اور وطن کے غم میں پریشان تھا۔ (اور ملک غیر میں بیٹھا آنسو بہا رہا تھا)۔

(26) (میرے وطن کے) پہاڑ اور جنگل میری بے قراری سے بے خبر تھے۔

(اور وہ) میرے بے حساب غموں سے بے خبر تھے۔ (مراد ہے میرے اہل وطن کو کچھ خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے)۔

(27) (بے چارگی کے عالم میں، میں آبادی سے باہر نکل جاتا اور وہاں) اپنے نالوں کو بلبل کے نالوں کے ساتھ ملاتا اور یوں سمجھتا کہ میرا کوئی ہم نوا ہے۔

میں اپنے آنسو موسم بہار میں بہتی ہوئی ندی میں ملا دیتا اور دل کو تسلی دیتا کہ میں ہی نہیں یہ بھی کسی کے اضطراب میں رو رہی ہیں۔

(28) (اس عرصہ میں) قرآن کے سوا میرا کوئی غم کھانے والا نہ تھا (میں قرآن پڑھتا اس طرح میرے دل کو اطمینان ہوتا اور کچھ تدبیریں بھی ہاتھ آتیں)۔

اس کی (قرآن کی) قوت نے مجھ پر ہر دروازہ کھول دیا (اور میں وطن واپس آگیا۔ میں نے قوت جمع کی اور بچہ سقہ کو شکست دے کر حکمرانی حاصل کرلی۔ یہ سب کچھ اس عظیم کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کی وجہ سے ہوا جو اے اقبال آج تو مجھ کو پیش کر رہا ہے)۔

(29) اس عالی نسب (اعلیٰ خاندان) والے بادشاہ کی گفتگو نے۔

مجھے دوبارہ سرشاری کا جذبہ عطا کر دیا (میں وجد میں آگیا)۔

(30) عصر کا وقت ہو گیا اور نماز کے بلاوے (اذان) کی آواز آئی۔

وہ نماز جو مومن کو اطراف (زمان و مکاں کی حدود) سے پاک کر دیتی ہے یعنی رنگ، نسل، وطن،

خاندان، عہدہ، مرتبہ غرض کہ ہر قسم کے فرق کو مٹا کر اہل ایمان کو ایک صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔

(31) عاشقوں کی انتہا سوز و گداز ہے۔

(بادشاہ نے امامت کی) اور میں نے اس کے پیچھے نماز ادا کی۔

(32) (ہندوستان میں انگریز حاکمیت کے دوران میں غلاموں کی طرح کی نماز پڑھتا تھا۔ بے سوز نماز بے گداز نماز۔ یہاں آکر میں نے آزاد فضا میں شریعت کے احکام کے مطابق بادشاہ کی امامت میں نماز ادا کی) اس نماز کے قیام اور سجدوں کے اندر جو راز پایا۔

وہ سوائے محرم لوگوں کی مجلس سے کہیں اور نہیں کھولا جا سکتا۔ (عام اور غلام لوگ اس کیفیت کو نہیں پا سکیں گے۔

بر مزار شہنشاہ بابر خلد آشیانی

شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے مزار پر جس کا گھر جنت میں ہے

تعارف: ظہیر الدین بابر عمر شیخ مرزا (والی فرغانہ) کا بیٹا تھا۔ فرغانہ میں پیدا ہوا اور باپ کی وفات کے بعد پہلے فرغانہ کا بادشاہ بنا پھر مختلف علاقے فتح کرتا ہوا دلی پر قابض ہو گیا اور یہاں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ 937ھ میں آگرہ (ہند) کے مقام پر وفات پائی اور دفن کابل میں ہوا۔

(1) بیا کہ ساز فرنگ از نوا بر افتاد است
درون پردۂ او نغمہ نیست، فریاد است!

(2) زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آر است
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

(3) در فش ملت عثمانیاں دوبارہ بلند
چہ گونمت کہ بہ تیموریاں چہ افتاد است!

(4) خوشا نصیب کہ خاک تو آرمید اینجا
کہ ایں زمیں ز طلسم فرنگ آزاد است!

(5) ہزار مرتبہ کابل نکو تر از دلی است
کہ آں عجوزہ عروس ہزار داماد است'

(6) درون دیدہ نگہ دارم اشک خونیں را
کہ من فقیرم و ایں دولت خداداد است!

(7) اگرچہ پیر حرم ورد لا الہ دارد
کجا نگاہ کہ برندہ تر ز پولاد است!

(1) (چونکہ اس حصہ کے جملہ شعر غزل کے رنگ میں ہیں اس لئے استعاراتی انداز میں شاعر کہتا ہے) آ کہ فرنگی کے ساز میں آواز ٹوٹ گئی ہے۔

اس ساز کے پردہ سے اب جو نغمہ نکل رہا ہے وہ نغمہ نہیں فریاد ہے۔ مراد ہے کہ ہندوستان میں انگریز حاکموں کی ہوا اکھڑ چکی ہے۔ تو آ اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت ان سے واپس لے (شاعر اس صورت حال میں بابر جیسی کسی شخصیت کا پھر طلب گار ہے جو مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا اقتدار واپس دلا سکے)۔

(2) زمانے نے پرانے بتوں کو ہزار بار آزمایا۔

سفر بہ غزنی و زیارت مزار حکیم سنائیؒ

(1) از نوا ز شہاے سلطان شہید
صبح و شام، صبح و شام روز عید

(2) نکتہ سنج خاوراں ہندی فقیر
میہمان خسرو کیواں سریر!

*

میں نے کعبہ کو نہیں چھوڑا کیونکہ اس کی بنیاد مضبوط اور پکی ہے۔ مراد ہے زمانے نے طرح طرح کے غیر خدائی نظام آزمائے فلاح انسانیت کی نہیں نکلی۔ انہیں خود ہی اپنے نظریاتی بت توڑ توڑ کر نئے تراشنے پڑے۔ یہ صرف کعبہ کا پیغام ہی ہے جو ازلی و ابدی صداقت لئے ہوئے ہے۔ آ پھر سے اس بت کدہ جہان میں حرم کے چراغ کی روشنی پھیلائیں اور تاریکی باطل پھیلانے والے نظریاتی بتوں کو توڑ دیں۔

(3) عثمانی ترکوں کا جھنڈا پھر بلند ہو گیا ہے۔ انہوں نے دنیا میں دوبارہ سربلندی حاصل کر لی ہے۔

میں تجھے کیا کہوں کہ آخر تیموریوں کو کیا ہو گیا ہے (جنگ عظیم اول میں عثمانی ترکوں نے شکست کھائی لیکن پھر زور بازو سے اپنی سلطنت قائم کر لی لیکن ان تیموریوں یعنی ہندوستان کے مغلوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھ رہے۔ (تیموریوں سے مراد ہندوستان کے مغل ہیں۔ امیر تیمور جو چنگیز خان کی اولاد سے تھا اور مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ بابر اس کی اولاد سے تھا جس نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بہادر شاہ ظفر اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا جس سے انگریزوں نے حکومت چھینی)۔

(4) تو خوش نصیب ہے کہ تیری مٹی نے یہاں (کابل میں) آرام پایا یعنی تو یہاں (آزاد ملک میں) دفن ہوا۔

کیونکہ یہ زمین فرنگی جادوگری سے آزاد ہے (جس وقت اقبال کابل گئے ہیں اس وقت ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی جو طرح طرح کے مکر و فریب اور حیلے بہانوں سے یہاں کے باشندوں کو غلام بنائے ہوئے تھے اور ان کی تہذیب و تمدن کو تباہ کر رہے تھے اور لوگ ان غاصبوں کی چالوں کو نہ سمجھتے ہوئے ان کا شکار ہو رہے تھے۔ ان کے اسی طرز فکر و عمل کو علامہ نے ان کی جادوگری کہا ہے)۔

(5) کابل دلی سے ہزار مرتبہ زیادہ اچھا ہے۔

کیونکہ یہ بوڑھی عورت (شہر دلی) ایک ایسی دلہن کی مانند ہے جس کے ہزاروں نئے نئے شوہر ہوئے ہوں (کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے کئی حکمرانوں کے قبضہ میں خصوصاً بیرونی حکمرانوں کے قبضہ میں رہی ہے)۔

(6) میں اپنی آنکھوں میں خون بھرے آنسوؤں کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہوں یعنی لئے ہوئے ہوں۔

کیونکہ میں فقیر ہوں اور یہ خدا کی دی ہوئی دولت ہے (یہ آنسو ملت کے غم میں ہیں اور میرا قیمتی سرمایہ ہے ورنہ آج کون ہے جو ملت کا غم کھا رہا ہے)۔

(7) اگرچہ حرم کا پیر (دین کا پیشوا، عالم دین) کلمہ لا الٰہ الا اللہ (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) کا ورد کرتا ہے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ توحید پر وہ کاربند نہیں۔ زبان سے وہ اس کا اقرار تو کرتا ہے لیکن عملاً "غیر اللہ کے آگے جھکتا ہے۔ نفس کے بتوں کا پجاری ہے اسی لئے اس کے ورد کا نہ اس پر کوئی اثر ہے اور نہ اس کے حلقہ اثر میں لوگوں پر)۔

(صوفیا اور علما کی) وہ نگاہ کہاں ہے جو فولاد (کی تلوار) سے بھی زیادہ کاٹ رکھنے والی ہوتی ہے (جس سے باطل کی گردن کٹ جاتی ہے)۔

غزنی کا سفر اور حکیم سنائیؒ کی زیارت یعنی ان کے مزار کی زیارت

تعارف: غزنی کابل سے تقریباً 80 میل دور ایک شہر ہے جو سلطان محمود غزنوی کے حوالے سے اہل ہند میں خاص طور پر مشہور ہے۔ حکیم سنائی کا مزار یہاں ہے۔ حکیم سنائی کا نام مجدد، کنیت ابو المجد اور تخلص سنائی تھا۔ اس کی جائے ولادت بھی غزنی ہے اور اس کی جائے تدفین بھی غزنی ہے۔ سنائی بڑا عالم اور فاضل شخص تھا۔ بہرام شاہ غزنوی کی مدح میں قصیدے بھی لکھتا تھا۔ شراب نوش بھی تھا۔ قسمت اچھی تھی۔ ایک مجذوب بنام لائے خور کی نگاہ سے بدل گیا۔ توبہ کی اور شیخ یوسف ہمدانی کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک کی وہ منزلیں طے کیں کہ صوفیا کے حلقہ میں ان کی خاص شہرت ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے وسط کے قریب وفات پائی۔

(1) سلطان شہید (نادر شاہ) کی نوازشوں سے (میرے دن اس طرح گزر رہے تھے کہ)۔
میری صبح اور میری شام عید کے دن کی صبح اور شام معلوم ہوتی تھی۔

(2) (علامہ اپنے متعلق کہتے ہیں کہ) مشرق کی قوموں (کے مزاج، حالات وغیرہ) کی باریکیوں کو سمجھنے والا ہندوستان کا فقیر
مہمان بنا ہوا ہے اس بادشاہ کا جو کیواں سریر ہے یعنی جس کا تخت ساتواں آسمان ہے (کیواں زحل ستارہ) جو فلک ہفتم پر ہے) یا ساتویں آسمان کی بلندی کا مرتبہ رکھتا ہے۔

(3) تا ز شہر خسروی کردم سفر
شد سفر بر من سبک تر از حضر

(4) سینہ بکشا دم باں بادے کہ پار
لالہ رست از فیض او در کوہسار

(5) آہ غزنی آں حریم علم و فن
مرغزار شیر مردان کہن

(6) دولت محمود را زیبا عروس
از حنا بندان او دانائے طوس!

(7) خفتہ در خاکش حکیم غزنوی
از نوائے او دل مرداں قوی

(8) آں 'حکیم غیب' آں صاحب مقام
'ترک جوش' رومی از ذکرش تمام

(9) من ز 'پیدا' او ز 'پنہاں' در سرور
ہر دو را سرمایہ از ذوق حضور

(10) او نقاب از چہرۂ ایماں کشود
فکر من تقدیر مومن وا نمود

(11) ہر دو را از حکمت قرآں سبق
او ز حق گوید من از مردان حق

(12) در فضائے مرقد او سوختم
تا متاع نالہ اندوختم

(13) گفتم اے بینندۂ اسرار جاں
بر تو روشن ایں جہان و آں جہاں

(14) عصر ما وارفتہ آب و گل است
اہل حق را مشکل اندر مشکل است

(15) مومن از افرنگیاں دید آنچہ دید
فتنہ ہا اندر حرم آمد پدید

(16) تا نگاہ او ادب از دل نخورد
چشم او را جلوۂ افرنگ برد

(17) اے 'حکیم غیب' امام عارفاں
پختہ از فیض تو خام عارفاں

*

(3) (بادشاہ کی نوازشوں نے ایسی سہولتیں مہیا کی تھیں یا شوق زیارت غزنی نے یہ کیفیت پیدا کر دی تھی) جب میں نے بادشاہ کے شہر یعنی کابل سے سفر اختیار کیا۔

تو یہ سفر مجھ پر قیام سے بھی زیادہ نرم اور آسان ہو گیا۔

(4) میں نے اپنا سینہ اس ہوا کے لئے کھول دیا کہ پچھلے سال

جس کے فیض سے پہاڑی سلسلہ میں لالہ کے (سرخ و شاداب) پھول کھلے ہوئے تھے۔

(5) آہ غزنی! وہ علم و فن کا گھر۔

پرانے شیر مردوں کا سبزہ زار (مراد ہے کہ یہ شہر کبھی اہل علم اور اہل تیغ کا شہر تھا۔ آج وہ ان بہادروں اور عالموں سے خالی ہے)۔

(6) (یہ شہر) سلطان محمود غزنوی کی سلطنت کی حسین دلہن تھا۔

اس دلہن کی حنابندی کرنے والوں (مہندی لگا کر اسے خوبصورت بنانے والوں) میں طوس کا دانا یعنی مشہور شاعر فردوسی بھی تھا (جو شہر طوس کا باشندہ تھا)۔

(7) اس (شہر) کی مٹی میں غزنوی کا حکیم (یعنی حکیم سنائی) سویا ہوا ہے (اس کا مزار یہاں ہے)۔
(وہ حکیم) جس کی شاعری اور پیغام سے مردوں کے دل مضبوط ہوتے ہیں۔ (مردوں سے مراد وہ جو راہ حق میں ثابت قدم رہتے ہیں)۔
(8) (مولانا جلال الدین رومی حالانکہ بذات خود بہت بڑے عالم اور درویش گزرے ہیں انہوں نے حکیم سنائی کو حکیم غیب یعنی غیب کے اسرار و رموز کی حکمت جاننے والا کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ سنائی کے ذکر کے بغیر ہماری بات فضول ہے۔ مولانا روم کا شعر یہ ہے۔
ترک جوشی کردہ ام من نیم خام از حکیم غزنوی بشنو تمام
ترجمہ: مجھ نیم خام نے تو ترک جوشی یعنی ناقص اور نامکمل باتیں کی ہیں۔
مکمل باتیں سننا ہو تو غزنوی حکیم یعنی حکیم سنائی سے سنو۔
علامہ نے اپنے اس شعر کو مولانا روم کے مذکورہ شعر کے پس منظر میں کہا ہے) وہ غیب (کے اسرار و رموز جاننے اور مشاہدہ غیب کرنے والا) حکیم (اور) وہ مقام و مرتبہ والا (درویش)
کہ جس کے ذکر سے رومی کا ناقص کلام مکمل ہوا۔
(9) میں ظاہر سے اور وہ باطن سے سرور حاصل کرتا ہے۔
ذوق حضور کا سرمایہ دونوں کے پاس ہے۔ یعنی ہم دونوں خدا کی حضوری میں ہیں۔ (اس شعر میں پیدا یا ظاہر سے مراد خدا کی صفات کے ذریعے ذات تک رسائی اور نہاں یا باطن سے مراد ذات کا راست مشاہدہ ہے)۔
(10) اس نے ایمان کے چہرے سے نقاب اٹھایا۔
(اور) میری فکر نے مومن کی تقدیر کو کھول کر دکھایا۔ (سنائی نے ایمان کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور میں نے ایمان لانے والے کی تقدیر پر)۔
(11) ہم نے دونوں نے قرآن کی حکمت سے سبق لیا ہے۔
(فرق یہ ہے) وہ حق کے متعلق بات کرتا ہے اور میں مردان حق کے متعلق۔
(12) (میں نے حکیم سنائی کے مزار پر حاضری دی اور) اسکی قبر کی فضا میں (غم یا غم عشق میں) جلتا رہا۔
یہاں تک کہ میں نے نالہ (فریاد) کی دولت جمع کر لی۔ یعنی میرے اندر ایک ایسا نالہ پیدا ہو گیا کہ میں حکیم سنائی سے بات کرنے پر مجبور ہو گیا۔ علامہ نے جو بات کی وہ اگلے شعروں میں ہے)۔
(13) میں نے کہا اے جان کے بھیدوں کو جاننے والے۔
تجھ پر یہ جہان اور وہ (آنے والا یا پوشیدہ) جہان روشن ہے۔ (تو ان کے متعلق سب کچھ جانتا ہے)۔
(14) ہمارا زمانہ پانی اور مٹی کا (یعنی مادیت کا یا جسم پروری اور شکم پروری کا) دلدادہ ہے (جس کو دیکھو اسی کا فریفتہ ہے)۔
(اور) جو اہل حق ہیں ان کے لئے ایک کے بعد دوسری مشکل پیش آ رہی ہے۔
(15) مسلمانوں نے یورپ والوں سے دیکھا جو کچھ دیکھا یعنی اہل یورپ نے پچھلی چند صدیوں میں مسلمانوں کو سیاسی، علمی، روحانی، تہذیبی وغیرہ اعتبار سے جو نقصان پہنچایا ہے اسے کون نہیں جانتا۔

(ان کی مسلم کش اور اسلام دشمن سازشوں اور منصوبوں کی وجہ سے) کعبہ میں یعنی اسلام اور مسلمانوں میں کئی فتنے پیدا ہو گئے۔

(16) چونکہ اس کی (مسلمان کی) نگاہ نے دل سے ادب (کا طریقہ) نہیں سیکھا۔

(اس لئے) اس کی آنکھوں کو فرنگ کا جلوہ لے گیا مراد ہے مسلمان فرنگیوں کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی جلوہ گری سے متاثر ہو کر اپنا شناختی سرمایہ کھو بیٹھا ہے۔ یعنی اس کی نگاہیں جلوۂ اسلام کی روشنی سے محروم ہو چکی ہیں۔ اور یورپ والوں کی جھوٹی چمک دمک اور ملمع سازی سے چندھیا گئی ہیں اور وہ دین کے اس خالص اور اصلی سونے کو جو اس کے پاس تھا تانبا اور لوہا سمجھ کر پھینک چکا ہے۔

(17) اے غیب کی حکمت جاننے والے اے عارفوں کے امام
تیرے فیض سے عارفوں کی ناپختگی پختہ ہو جاتی ہے۔

(18) آنچہ اندر پردۂ غیب است گوے
بو کہ آب رفتہ باز آید بجوے

(18) جو کچھ پردۂ غیب میں ہے کہہ

روح حکیم سنائیؒ از بہشت بریں جواب می دہد

حکیم سنائی کی روح بہشت بریں سے جواب دیتی ہے

(1) رازدان خیر و شر گشتم ز فقر
زندہ و صاحب نظر گشتم ز فقر

(2) یعنی آں فقرے کہ داند راہ را
بیند از نور خودی اللہ را

(3) اندرون خویش جوید لا الہ
در تہ شمشیر گوید لا الہ

(4) فقر جاں کن چوں زناں بر تن متن
ہمچو مرداں گوے در میداں فکن

(5) سلطنت اندر جہان آب و گل
قیمت او قطرۂ از خون دل

(6) مومناں زیر سپہر لاجورد
زندہ از عشق اندو نے از خواب و خورد

(7) می ندانی عشق و مستی از کجا ست؟
ایں شعاع آفتاب مصطفیٰؐ ست

(8) زندۂ تا سوز او در جان تست
ایں نگہ دارندۂ ایمان تست

(9) با خبر شو از رموز آب و گل
پس بزن بر آب و گل اکسیر دل

(10) دل ز دیں سرچشمہ ہر قوت است
دیں ہمہ از معجزات صحبت است

(11) دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب' دیں از نظر

(12) بو علی دانندۂ آب و گل است
بے خبر از خستگیہاے دل است

شاید کہ گیا ہوا یا بہا ہوا پانی پھر سے نہر میں آ جائے۔ مراد ہے شاید مسلمان پھر اسلام اور اس کی اقدار سے محبت کرنے لگے اور پھر سے سرافراز ہو جائے۔

(1) میں فقر کی وجہ سے خیر و شر (نیکی بدی) کا رازدان بن گیا۔

میں فقر سے زندہ اور صاحب نظر ہو گیا۔

(2) یعنی وہ ایک فقر جو راہ (راہ خدا) کو جانتا ہے۔

جو خودی کے نور سے اللہ کو دیکھتا ہے (اس کے علاوہ جو فقر ہے وہ فقر نہیں کچھ اور ہے)۔

(3) وہ لا الہ کو اپنے اندر تلاش کرتا ہے مراد ہے لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اس کا حال بن جاتا ہے۔

تلوار کے سایہ میں بھی وہ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے یعنی کوئی خوف اور کوئی طاقت یہاں تک کہ موت کی دھمکی بھی اسے توحید کے راستہ سے نہیں ہٹا سکتی۔

(4) جان (روح) کی فکر کر (اسے آراستہ کر) عورتوں کی طرح جسم کو زینت نہ دے۔

مردوں کی طرح گیند کو میدان میں پھینک۔ مراد ہے زندگی کے میدان عمل میں اتر اور مشکلات کا مقابلہ کر۔ جسم جاتا ہے تو جائے روح نہ مرنے پائے۔

(5) آب و گل (مٹی اور پانی کے یا مادی) جہان میں سلطنت

خون دل کے ایک قطرہ کی قیمت رکھتی ہے (دل کی دولت کے سامنے سلطنت ہیچ ہے)۔

(6) مومن نیلے آسمان کے نیچے یعنی دنیا میں عشق سے زندہ ہیں نہ کہ سونے اور کھانے سے (کھانا پینا اور سونا تو حیوانوں کی زندگی کا مقصد ہے) مومن زندہ رہنے کے لئے کھاتا ہے نہ کہ کھانے کے لئے زندہ رہتا ہے۔ وہ پیٹ کی خاطر روح اور دل کی موت مول نہیں لیتا۔

(7) (زندگی کی حقیقت علم سے نہیں عشق سے ہاتھ آتی ہے) کیا تو نہیں جانتا کہ عشق و مستی کہاں سے ہے۔

یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سورج کی شعاع ہے (اور ہر مومن کا دل اس سے روشن ہے۔ اگر اس عشق کی کرن تیرے دل میں ہے تو پھر تو زندہ بھی ہے اور مومن بھی ورنہ زندہ اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی نہ زندہ ہے نہ مسلمان)۔

(8) جب تک اس کا سوز تیری جان میں ہے تو زندہ ہے۔

یہ تیرے ایمان پر نگاہ رکھنے والا یعنی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔

(9) (پہلے) مٹی اور پانی (جسم خاکی) کی رمزوں سے آگاہ ہو۔

پھر اس پر دل کی اکسیر لگا۔ مراد ہے دل کو اکسیر بنا لے اس طرح تیرا فنا ہونے والا مادی جسم بھی قائم و دائم ہو جائے گا۔

(10) دل کی وجہ سے دین ہر قوت کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

دین سب کا سب (اہل نظر و دل) کی صحبت کے معجزات میں سے ہے۔

(11) اے بے خبر دین کو کتابوں میں تلاش نہ کر۔

کتابوں سے علم اور حکمت تو حاصل ہوتی ہے (دین حاصل نہیں ہوتا) دین (کسی صاحب نظر کی) نظر سے حاصل ہوتا ہے۔

(12) بو علی سینا مٹی اور پانی یعنی آدمی کے جسم کی خصوصیات کو جاننے والا ہے۔

وہ دل کی شکستہ حالی سے بے خبر ہے (عشق میں جو دل شکستہ ہو جاتا ہے اس کی قدر و قیمت اور اس کے اسرار و رموز کا اسے علم نہیں)۔

(13) نیش و نوش بو علی سینا بہل
چارہ سازیہائے دل از اہل دل

(14) مصطفیٰ بحر است و موج او بلند
خیز و ایں دریا بجوے خویش بند

(15) مدتے بر ساحلش پیچیدۂ
لطمہ ہائے موج او نا دیدۂ

(16) یک زماں خود را بہ دریا در فگن
تا روان رفتہ باز آید بہ تن

(17) اے مسلماں جز براہ حق مرو
تا امید از رحمت عامے مشو

(18) پردہ بگذار آشکارائی گزیں
تا بہ لرزو از سجود تو زمیں

(19) دوش دیدم فطرت بیتاب را
روح آں ہنگامہ اسباب را

(20) چشم او بر زشت و خوب کائنات
در نگاہ او غیوب کائنات

(21) دست او با آب و خاک اندر ستیز
آں بہم پیوستہ و ایں ریز ریز

(22) گفتمش در جستجوے کیستی؟
در تلاش تار و پوے کیستی؟

(23) گفت از حکم خدائے ذوالمنن
آدمے .تو سازم از خاک کہن

(24) مشت خاکے را بصد رنگ آزمود
پے بہ پے تا بید و سنجید و فزود

(25) آخر و را آب و رنگ لالہ داد
لا اللہ اندر ضمیر او نہاد

(26) باش تا بینی بہار دیگرے
از بہار پاستاں رنگیں ترے

(27) ہر زماں تدبیر ہا دارو رقیب
تا نگیری از بہار خود نصیب

(13) بو علی سینا کی کلفت اور راحت کی باتوں کو چھوڑ۔
دل کی چارہ سازیاں اہل دل سے ہوتی ہیں۔

(14) حضرت محمد مصطفیٰؐ ایک سمندر ہیں اور اس کی موجیں بہت بلند ہیں۔
اٹھ اور اس دریا کو اپنی نہر میں لے۔ مراد ہے آپؐ کی ذات ہر قسم کے کمالات لئے ہوئے ہے تو ان کو اپنے اندر سمولے۔

(15) تو ایک عرصہ (اس سمندر) کے کنارہ پر چکر لگاتا رہا ہے۔
تو نے (اس میں اتر کر) اس کی موجوں کے تھپیڑوں کو نہیں دیکھا۔ مراد ہے تو زبانی عشق مصطفیٰؐ کا دعویٰ کرتا رہا ہے تو نے اس کا عملی مزہ نہیں چکھا۔ آ اور اس عشق کو عملاً اپنی زندگی بنا لے۔

(16) کچھ عرصہ خود کو (اس) دریا میں پھینک۔
تا کہ تیری جسم سے گئی ہوئی جان واپس جسم میں آ جائے (مراد ہے تو صحیح معنوں میں زندہ ہو جائے۔ جو زندگی نبی کریمؐ کی اتباع میں نہیں گزرتی وہ زندگی نہیں

سوت ہے۔ اصل زندگی وہ ہے جس پر ان کا رنگ چڑھا ہوا ہو)۔
(17) اے مسلمان حق کی راہ کے سوا کسی اور راہ پر نہ چل۔
(ور) اللہ تعالیٰ کی رحمت عام سے ناامید نہ ہو۔
(18) پردہ اٹھادے اور ظہور و نمود اختیار کر۔
تاکہ تیرے سجدوں سے زمین لرز اٹھے۔ مراد ہے اپنی معرفت حاصل کر کے اپنی خودی کی طاقتوں کو آشکار کر اور پھر دیکھ تیرے دین میں کیا طاقت ہے۔
(19) کل میں نے بے قرار فطرت کو دیکھا۔
وہ فطرت جو اسباب کے ہنگامہ کی روح ہے۔ یعنی جس کی وجہ سے یہ عالم اسباب یعنی کائنات قائم ہے۔
(20) اس کی آنکھ کائنات کی اچھائی اور برائی پر ہے۔
اس کی نگاہ میں کائنات کے ہر قسم کے غیب کی باتیں ہیں۔
(21) اس کے ہاتھ پانی اور مٹی (عناصر کائنات) کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں۔
کہیں وہ ان کو اکٹھا کر کے چیزوں کو وجود دے رہے ہیں اور کہیں وجود شدہ چیزوں کو ریزہ ریزہ یعنی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔
(22) میں نے اس سے کہا تو کس کی تلاش میں ہے۔
تو کس کے تانے بانے کی تلاش میں ہے۔
(23) اس نے کہا احسان کرنے والے خدا کے حکم سے۔
میں پرانی مٹی سے ایک نیا آدم بنا رہی ہوں۔
(24) اس نے (فطرت نے) خاک کی مٹھی کو سو رنگ سے آزمایا۔
وہ لگاتار تڑپی چمکی' اس نے ناپا تولا پرکھا اور ایک نئی مٹی بنائی۔
(25) آخر اسے لالہ کے پھول کا آب و رنگ دیا (عشق سے اسے گوندھا) اور لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کا جوہر) اس کے دل میں رکھ دیا۔
(26) ٹھہر تاکہ تو ایک اور بہار دیکھے۔
(وہ بہار) جو پچھلے سال کی بہار سے زیادہ رنگین ہے (مراد ہے فطرت جو ایک نیا آدم تراش رہی ہے وہ آج کے گئے گزرے آدم سے بہتر اور صحیح آدم ہو گا)۔
(27) (یاد رکھ) دشمن ہر وقت ایسی تدبیریں کر رہا ہے۔
کہ تو اس اپنی نو بہار سے فائدہ حاصل نہ کر سکے یا اپنا نصیب نہ بنا سکے (تجھے دشمن کی چالوں سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے)۔

(28) بر درون شاخ گل دارم نظر
غنچه ہا را دیده ام اندر سفر!
(29) لاله را در وادی و کوه و دمن
از دمیدن باز نتواں داشتن
(30) بشنود مردے که صاحب جستجو است
نغمه را کو ہنوز اندر گلو است!

بر مزار سلطان محمود علیه الرحمته

(1) خیزد از دل ناله ہا بے اختیار
آه! آں شہرے که اینجا بود پار!
(2) آں دیار و کاخ و کو ویرانه ایست
آں شکوه و فال و فر افسانه ایست
(3) گنبدے! در طوف او چرخ بریں
تربت سلطان محمود است ایں!
(4) آنکه چوں کودک لب از کوثر بشست
گفت در گہواره نام او نخست!
(5) برق سوزاں تیغ بے زنہار او
دشت و در لرزنده از یلغار او
(6) زیر گردوں آیت الله رائتش
قدسیاں قرآں سرا بر تربتش
(7) شوخی فکرم مرا از من ربود
تا نبودم در جہان دیر و زود
(8) رخ نمود از سینه ام آں آفتاب
پردگیہا از فروغش بے حجاب
(9) مہر گردوں از جلالش در رکوع
از شعاعش دوش می گردد طلوع!
(10) وا رہیدم از جہان چشم و گوش
فاش چوں امروز دیدم صبح دوش
(11) شہر غزنیں! یک بہشت رنگ و بو
آبجو ہا نغمه خواں در کاخ و کو

(28) میں شاخ گل کے اندر نظر رکھے ہوئے ہوں۔
میں نے وہاں غنچوں کو سفر میں دیکھا ہے۔ یعنی وہاں غنچے پھوٹنے کے لئے تیار ہیں۔ مراد ہے اگلی نوجوان نسل صحیح معنوں میں اسلام کا رنگ لئے ہو گی۔
(29) (دشمنان اسلام تو اس کوشش میں ہیں کہ دین اسلام کا احیا نہ ہو سکے لیکن اب صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ) وادی، پہاڑ اور اجڑی ہوئی بستی میں لالہ (کے پھولوں) کو
کھلنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ احیائے اسلام کا زمانہ شروع ہو چکا ہے اور امت مسلمہ میں اسلام کے احیا اور ترقی کے لئے اپنا خون تک دینے کے لئے جو نوجوان نسل پیدا ہو رہی ہے وہ ہر قسم کی مخالفت کے باوجود اپنا کام کرے گی۔
(30) وہ مرد جو جستجو والا ہے۔ یعنی باریک بینی سے حالات کا مطالعہ کر رہا ہے وہ سن رہا ہے۔
اس نغمہ کو جو ابھی تک گلے میں ہے مراد ہے مسلمانوں کے اس شاندار

مستقبل کو دیکھ رہا ہے یا اس کا اندازہ کر رہا ہے۔ جس کے لئے اب حالات بن رہے ہیں۔

سلطان محمود علیہ الرحمتہ کے مزار پر

تعارف: محمود 970ھ میں غزنی میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ سبکتگین تھا۔ وہ برصغیر پاک و ہند کی شمالی سرحدوں کے آس پاس کے علاقہ کا حاکم تھا۔ غزنی اس کا دارالحکومت تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد جب محمود تخت نشین ہوا تو اپنے باپ کی طرح اسے بھی اپنی سلطنت سے ملحقہ ریاستوں کے ہندو راجاؤں کے حملوں کا خطرہ درپیش رہتا تھا جو اکثر غزنوی سلطنت کے علاقے میں لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ ان کی دہشت گردی کو روکنے اور اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے محمود نے ان پر کئی حملے کئے۔ سومنات کا مشہور مندر بھی انہی حملوں میں سے ایک میں اس کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اس وجہ سے وہ محمود بت شکن مشہور ہوا۔ محمود کو فتوحات سے زیادہ دین کی تبلیغ سے رغبت تھی۔ اس بنا پر وہ خلیفہ بغداد کی طرف سے امین اللہ اور یمین الدولہ کے خطابات سے بھی نوازا گیا۔ اس نے 1030ھ میں وفات پائی اور غزنی میں دفن ہوا۔

(1) دل سے بے اختیار نالے نکلتے ہیں۔
آہ وہ شہر جو اس جگہ پچھلے دور میں موجود تھا (عہد غزنوی میں موجود تھا جو بڑا پر رونق تھا اور آج کھنڈر ہے)۔

(2) وہ شہر، محل اور گلی کوچے (جو محمود کے زمانے میں تھے) ویراں ہو چکے ہیں۔
وہ شکوہ، اور شان و شوکت (جو محمود کے زمانے میں تھی) افسانہ بن چکی ہے (صرف کہانیوں میں باقی رہ گئی ہے)۔

(3) ایک گنبد جس کے طواف میں چکر کھانے والا بلند آسمان ہے۔
سلطان محمود کی یہی تربت ہے۔

(4) وہ محمود کہ جب کوئی بچہ کوثر سے یعنی اپنی ماں کے دودھ سے لب دھوتا تھا مراد ہے بولنے کے قابل ہو جاتا تھا تو ہنگھوڑے میں سب سے پہلے اس کا نام لیتا تھا۔

(5) اس کی وہ تلوار جس سے کسی کو پناہ نہ مل سکے جلا دینے والی بجلی کی مانند تھی۔
بیابان اور بستیاں اس کی یلغار سے لرزتی تھیں۔

(6) آسمان کے نیچے اسکا جھنڈا اللہ کی نشانی ہے۔
فرشتے اس کی قبر پر قرآن پڑھتے ہیں۔

(7) میرے فکر کی شوخی نے مجھ کو مجھ سے چھین لیا (میں بے خود ہو گیا)۔
یہاں تک کہ میں اس زمان و مکاں کے جہاں میں نہ تھا (تخیل میں کہیں اور پہنچ گیا)۔

(8) میرے سینے سے اس سورج نے چہرہ نمائی کی۔
کہ جس کے نور سے پردے میں چھپے ہوئے راز ظاہر ہو جاتے ہیں (مخفی باتیں بے پردہ ہو کر سامنے آجاتی ہیں یعنی میں تخیل میں اس زمانے میں پہنچ کر جب غزنی محمود کا شہر تھا وہاں کے حالات و کوائف کا

نظارہ کرنے لگا)۔

(9) آسمان کا سورج اس کے جلال سے رکوع میں ہے۔

اس کی شعاع سے گزری ہوئی کل طلوع ہو جاتی ہے (سامنے آجاتی ہے۔ حالات گذشتہ نظروں کے سامنے پھر جاتے ہیں)۔

(10) میں آنکھ اور کان کے جہان سے رہا ہو گیا یعنی ایک ایسے خیالی جہان میں پہنچ گیا جہاں کی باتیں سننے اور دیکھنے کے لئے ان ظاہری آنکھوں اور کانوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(اس لئے) میں نے آج کی مانند گزری ہوئی کل کی صبح کو بالکل صاف صاف دیکھا (حالات گذشتہ میرے سامنے آگئے)۔

(11) (میں نے دیکھا کہ محمود غزنوی کے زمانے کا) شہر غزنی ایک رنگ و بو کی بہشت تھا یعنی ہر طرف سبزہ، پھل، پھول اور ان کی خوشبوئیں تھیں۔

اس کے گلی کوچوں اور محلوں میں نہریں نغمہ گاتی پھرتی تھیں۔

(12) قصر ہائے او قطار اندر قطار
آسماں با قبہ ہالش ہم کنار

(13) نکتہ سنج طوس را دیدم بہزم
لشکر محمود را دیدم برزم

(14) روح سیر عالم اسرار کرد
تا مرا شوریدۂ بیدار کرد

(15) آں ھمہ مشتاق و سوز و سرور
در سخن چوں رند بے پروا جسور

(16) تخم اشکے اندراں ویرانہ کاشت
گفتگو ہا با خدائے خویش داشت

(17) تا نبودم بے خبر از راز او
سوختم از گرمی آواز او

مناجات مرد شوریدہ در ویرانہ غزنی

(1) لالہ بہر یک شعاع آفتاب
دارد اندر شاخ چندیں پیچ و تاب

(2) چوں بہار او را کند عریان و فاش
گویدش جز یک نفس اینجا مباش!

(3) ہر دو آید یک دگر را ساز و برگ
من ندانم زندگی خوشتر کہ مرگ!

(4) زندگی پیہم مصاف نیش و نوش
رنگ و نم امروز را از خون دوش!

(5) الاماں از مکر ایام الاماں
الاماں از صبح و از شام الاماں

(6) اے خدا اے نقشبند جان و تن
با تو ایں شوریدہ دارد یک سخن

(7) فتنہ ہا بینم دریں دیر کہن
فتنہ ہا در خلوت و در انجمن

(8) عالم از تقدیر تو آمد پدید
یا خدائے دیگر او را آفرید!

(12) اس کے محل قطار اندر قطار تھے۔ (بلند اتنے تھے کہ) کہ آسمان اس کے گنبدوں سے بغل گیر تھا۔

(13) میں نے شہر طوس کے نکتہ سنج (رمز اور باریک باتوں کو جاننے والے حکیم اور شاعر فردوسی کو) محفل میں دیکھا (کہ اپنے شعر سنا رہا ہے اور رموز و اسرار کی باتیں کر رہا ہے)۔

میں نے میدان جنگ میں سلطان محمود کے لشکر کو دیکھا کہ لڑائی میں مصروف ہے (میں نے زمانہ محمود کے شہر غزنی کے جمال و جلال کو خوب دیکھا)۔

(14) میری روح نے بھیدوں کے جہان کی سیر کی۔ (ابھی میں اس سیر میں مصروف تھا کہ) ایک شوریدہ نے یعنی ایک پریشان حال شخص نے یا ایک عاشق دیوانہ نے مجھے بیدار کر دیا (اور میں روحانی سیر کے جہان سے باہر نکل کر پھر اس عالم زمان و مکاں میں آگیا۔ یہ شوریدہ علامہ کا ایک خیالی کردار ہے)۔

(15) وہ شوریدہ، سرتاپا سرور، سوز اور آرزو (یا عشق) تھا وہ باتوں میں ایک ایسے رند کی طرح تھا جو بے نیاز اور جراءت والا ہوتا ہے۔

(16) اس نے آنسو کا بیج اس ویرانے میں بویا (وہ رویا)۔

(اور) وہ اپنے خدا سے باتیں کر رہا تھا۔

(17) چونکہ میں اس شورید سر (مجذوب/دیوانہ) کے راز سے بے خبر نہ تھا (مجھے معلوم تھا کہ ایسے لوگ کس مقام پر ہوتے ہیں اور ان کے کیا اوصاف اور صلاحیتیں ہوتی ہیں میں نے روحانی دنیا یا تخیلاتی دنیا کی سیر سے نکل کر اس کی طرف توجہ کی)۔

(اور) میں اس کی گرمی آواز سے جل اٹھا (وہ آواز کیا تھی اس کا ذکر اگلے عنوان کے تحت ملے گا)۔

شوریدہ مرد کی مناجات غزنی کے ویرانہ میں

(1) لالہ کا پھول سورج کی ایک شعاع کے لئے۔

پودے کی شاخ کے اندر کتنے پیچ و تاب کھاتا ہے یعنی کتنی کوشش کرتا ہے کہ اس شعاع کا فیض مجھ تک پہنچے اور میں شاخ سے نکل کر پھول بن جاؤں (زندگی پالوں)۔

(2) جب بہار اس کو ننگا اور ظاہر کر دیتی ہے۔ یعنی وہ شاخ پر کھل جاتا ہے۔

تو بہار اسے یہ کہتی ہے کہ ایک سانس کے عرصہ کے سوا (زیادہ) یہاں نہ ٹھہر۔ مراد ہے جس زندگی کے لئے وہ پھول اتنے پیچ و تاب کھاتا ہے اس کی وہ زندگی جلد ہی خزاں کی نذر ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔

(3) دونوں یعنی لالہ کا پھول اور بہار (یا زندگی اور موت) ایک دوسرے کے لئے سازو سامان ہے۔

میں نہیں جانتا کہ زندگی زیادہ اچھی ہے کہ موت۔

(4) زندگی راحت اور رنج میں مسلسل جنگ کا نام ہے۔

اس کی آج میں جو رنگ اور تراوت ہے وہ گزری ہوئی کل کے خون کی ہے۔ (گزری ہوئی کل آج میں اور آج آنے والے کل میں بدل جاتا ہے اور زندگی یوں رواں دواں رہتی ہے)۔

(5) ایام (زمانہ) کے مکر سے (خدا) کی پناہ۔

اس کی صبح اور اس کی شام سے خدا کی پناہ۔ (جسے قرار نہیں اور زمانہ اپنی چال سے ان کو بدلتا رہتا ہے ہر دوش امروز کا اور ہر امروز مستقبل کی نذر ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ مستقبل پھر آج بن جاتا ہے)۔

(6) اے خدا اے جان اور تن کے نقش بنانے والے (اے خالق آدم یا خالق کائنات) یہ شوریدہ تجھ سے ایک بات کرنا چاہتا ہے (تجھ سے ایک گلہ کی بات کرنا چاہتا ہوں)۔

(7) میں اس پرانے جہان میں فتنے دیکھتا ہوں۔

خلوت میں فتنے انجمن میں فتنے۔ (ہر جگہ فتنے ہی فتنے)۔

(8) (یہ جتا کہ) یہ کائنات (جہان) تیری تقدیر (قدرت) سے ظہور میں آیا ہے۔

(9) ظاہرش صلح و صفا، باطن ستیز
اہل دل را شیشۂ دل ریز ریز!

(10) صدق و اخلاص و صفا باقی نماند
"آں قدح بشکست و آں ساقی نماند"

(11) چشم تو بر لالہ رویان فرنگ
آدم از افسون شاں بے آب و رنگ

(12) از کہ گیرد ربط و ضبط ایں کائنات؟
اے شہید عشوۂ لات و منات

(13) مرد حق آں بندۂ روشن نفس
نائب تو در جہاں او بود و بس

(14) او بہ بند نقرہ و فرزند و زن
گر توانائی سومنات او شکن

(15) ایں مسلماں از پرستاران کیست؟
در گریبانش یکے ہنگامہ نیست!

(16) سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش
او اسرافیل است و صور او خموش!

(17) قلب او نامحکم و جانش نژند
در جہاں کالائے او نا ارجمند

(18) در مصاف زندگانی بے ثبات
دارد اندر آستیں لات و منات

(19) مرگ را چوں کافراں داند ہلاک
آتش او کم بہا مانند خاک!

(20) شعلہ از خاک او باز آفریں
آں طلب، آں جستجو باز آفریں

(21) باز جذب اندروں او را بدہ
آں جنون ذو فنون او را بدہ

(22) شرق را کن از وجودش استوار
صبح فردا از گریبانش بر آر!

(23) بحر احمر را بچوب او شگاف
از شکوہش لرزۂ افگن بہ قاف!

✱

(9) اس جہان کا ظاہر تو صلح و صفا پر مبنی ہے لیکن اس کا باطن جنگ کا سامان لئے ہوئے ہے۔

اہل دل کے دل کا شیشہ اس میں چور چور ہے (جو اہل دل نہیں ہیں اور اہل شکم ہیں اور جو تیری بجائے شیطان کے پیروکار ہیں وہ موجیں کر رہے ہیں)۔

(10) (جہان والوں میں) صدق، اخلاص اور وفا باقی نہیں رہی۔

وہ صراحی ٹوٹ گئی اور وہ ساقی نہ رہا۔ مراد ہے پہلے لوگوں میں تو یہ اوصاف موجود تھے آج کے دور میں نہیں ملتے۔ (لیکن پھر بھی ان کو عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا ہیں۔ نیک اور صدوق بدحال ہیں)۔

(11) (اے خدا) تیری نظر کرم تو یورپ کے لالہ کے پھول جیسے چہرے رکھنے والے لوگوں پر ہے۔

وہ جن کے جادو سے آدم بے آب اور بے رنگ ہو گیا ہے (فرنگیوں نے اپنے چہرہ کو سرخ کرنے کے لئے دوسری اقوام کا خون کیا ہے۔

انھوں نے کمزور اقوام و ممالک کو لوٹ کر انھیں بے جان کر دیا ہے اور خود جاندار بن گئے ہیں)۔

(12) (فرنگیوں کی وجہ سے) کائنات جس طرح بے ربط و ضبط ہو چکی ہے۔ اب وہ کس سے ربط و ضبط حاصل کرے۔

(بتا) اے لات و منات (بتوں) پر فریفتہ اور قربان ہونے والے بتا۔ (مراد ہے تو تو بت پرست اور مشرک اقوام کو نواز رہا ہے لوگ اب کس کو پکاریں)۔

(13) (ایک امید تھی) مرد حق (مومن) جو روشن نفس بندہ ہے۔

جہان میں تیرا نائب ایک وہی تھا اور تو کوئی نہیں تھا (وہ اگر اپنی اصلیت پر قائم رہتا اور اپنے نائب خدا ہونے کا کردار ادا کرتا تو کائنات بے ربط و ضبط ہونے سے بچ جاتی اور اگر بے ربط و ضبط ہو گئی تھی تو اس کی توجہ سے سدھر جاتی لیکن اس کا حال یہ ہے جو اگلے شعروں میں ہے یہاں مرد حق سے وہ مرد مومن نہیں جو کلام اقبال کا بنیادی اور پسندیدہ کردار ہے بلکہ خدا کو ماننے والا اور خود کو اللہ کا بندہ کہنے والا وہ عالم اور صوفی ہے جو حق پرست کی بجائے نفس پرست ہے۔

(14) وہ سونے چاندی' عورت اور اولاد کے بندھنوں میں گرفتار ہے (حق سے منہ موڑ کر دنیا کے چکروں میں پڑا ہوا ہے)۔

اگر تجھ سے ہو سکے تو اس کے اس سومنات کو (دنیا کے بت کدے کو جو اس نے اپنے نفس میں بنایا ہوا ہے) توڑ دے۔

(15) یہ مسلمان (اس دور کے مسلمان) کس کو پوجنے والے ہیں (خدا کو چھوڑ کر دنیا کو پوجنے والے ہیں)۔

ان کے گریبان (سینہ) میں ایک بھی ہنگامہ نہیں ہے (کمزوروں' غلاموں اور مردوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں)۔

(16) اس کا سینہ بے سوز اور اس کی جان بے خروش ہے۔

وہ اسرافیل ضرور ہے لیکن اس کا صور خموش ہے (اسرافیل ایک فرشتہ کا نام ہے جو قیامت کے روز ایک قسم کا آلہ جس کا نام صور ہے' پھونکے گا تو مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مراد ہے مسلمان کے پاس زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے والا دین موجود ہے لیکن وہ اس سے غافل ہے اسے اس کی طاقت کا علم نہیں)۔

(17) اس کا دل کمزور (اور) اس کی جان ذلیل و خوار (ہے)۔

جہان میں اس کی پونجی کی کوئی شان نہیں (یہ بے قیمت ہے)۔

(18) وہ زندگی کی جنگ میں ٹھہرنے والا (ثابت قدم رہنے والا) نہیں ہے۔

وہ اپنی آستین کے اندر لات و منات (طرح طرح کے بت) رکھتا ہے (یہ بت پتھر مٹی کے نہیں اس کے نفس کے پیدا کردہ بت ہیں)۔

(19) کافروں کی طرح موت کو زندگی ختم کرنے والی جانتا ہے۔

اس کی آگ مٹی کی طرح بے قیمت ہے۔ (اس کی روح اس کے جسم کی طرح مردہ ہو جاتی ہے)۔

(20) اس کی مٹی سے دوبارہ شعلہ پیدا کر۔

وہ طلب اور وہ جستجو (جو کبھی اس میں تھی) دوبارہ اس میں پیدا کر (اس کے جسم میں روح کو پھر زندہ کر جو اس کے مرنے پر اس کے جسم کی طرح نہ مر جائے۔ دل زندگی اور روح زندگی کی تڑپ اس میں دوبارہ پیدا کر دے۔

(21) جذب اندروں (ذوق و شوق کا جذبہ) دوبارہ اس کو دے۔

وہ جنون ذو فنون (وہ دیوانگی جو طرح طرح کے رنگ اختیار کرتی ہے اور رنگ رنگ سے عمل کا ظہور کرتی ہے) اس کو دے (جو پہلے کبھی اس میں تھا)۔

(22) مشرق کو (جسے مغرب والوں نے اپنی طرح طرح کی لوٹ کھسوٹ سے بے جان کر دیا ہے) اس کے وجود سے قائم اور مضبوط کر۔

آنے والی کل کی صبح اس کے گریبان سے نکال یعنی اسے آنے والے دور کا معمار بنا۔ ایسا معمار جو پھر سے دنیا کو کعبہ اور جنت بنا سکے)۔

(23) اس کی لکڑی (لاٹھی) سے بحر احمر میں شگاف کر دے۔

اس کے دبدبے سے کوہ قاف پر لرزہ طاری کر دے۔ (بحر احمر کو جس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا سے دولخت کر دیا تھا اور فرعون سے بنی اسرائیل کو نجات دلانے میں کامیاب ہو گئے تھے اسی طرح آج کے مومن کے اندر بھی وہ طاقت پیدا کر دے کہ وہ آج کے فرعونوں سے نجات حاصل کر سکے اور مسلمانوں کے وہ علاقے جو روس میں کوہ قاف تک پھیلے ہوئے ہیں اور غیروں کے تسلط میں ہیں ان کو آزاد کرایا جا سکے اور مسلمانوں کو پھر سے عروج دلایا جا سکے)۔

قندھار و زیارت خرقہ مبارک

قندھار اور خرقہ مبارک کی زیارت

(1) قندہار آں کشور مینو سواد
اہل دل را خاک او خاک مراد
(2) رنگ ہا بو ہا ہوا ہا آب ہا
آب ہا تابندہ چوں سیماب ہا
(3) لالہ ہا در خلوت کہسار ہا
نار ہا یخ بستہ اندر نار ہا
(4) کوے آں شہر است ما را کوے دوست!
ساربان بر بند محمل سوے دوست
(5) می سرایم دیگر از یاران نجد
از نواے ناقہ را آرم بوجد!

تعارف: قندھار افغانستان کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہاں پر حضرت محمد مصطفیٰؐ کا ایک خرقہ مبارک محفوظ ہے۔ علامہ اس کی زیارت کے لئے بھی گئے اور پھر احمد شاہ ابدالی کے مزار پر بھی جاکر فاتحہ پڑھی۔

(1) ۔ قندھار ایک ایسا علاقہ ہے جس کا گردو نواح عالم علوی (جنت) کی طرح کا ہے۔ اہل دل کے لئے یہاں کی مٹی مراد کی مٹی ہے (کیونکہ یہاں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بدن کا لباس مبارک محفوظ ہے جس کو اس کی زیارت ہو گئی اس کی مراد بر آئی۔

(2) (پوری فضا) رنگ لئے ہوئے، خوشبوؤں سے مہکی ہوئی اور زمین پانی کی گزرگاہوں اور ذخیروں کو لئے ہوئے ہے۔ یہاں کے پانی (اتنے صاف اور شفاف ہیں کہ) پارہ کی مانند معلوم ہوتے ہیں۔

غزل

(1) از دیر مغاں آیم بے گردش صہبا مست!
در منزل لا بودم از بادۂ الا مست!
(2) دانم کہ نگاہ او ظرف ھمہ کس بیند
کرد است مرا ساقی از عشوہ و ایما مست!
(3) وقت است کہ بکشائم میخانہ رومی باز
پیران حرم دیدم در صحن کلیسا مست!
(4) ایں کار حکیمے نیست، دامان کلیمے گیر
صد بندۂ ساحل مست، یک بندۂ دریا مست!
(5) دل را بچمن بر دم از باد چمن افسرد
میرد بہ خیابانہا ایں لالہ صحرا مست!
(6) از حرف دلاویزش اسرار حرم پیدا
دی کافر کے دیدم در وادی بطحا مست!

*

(3) اس کے پہاڑی سلسلے کے اندر لالہ کے پھول کثرت سے کھلے ہوئے ہیں۔
اس کے اناروں کے اندر آگ کی طرح کے سرخ دانے یخ بستہ (ایک دوسرے میں جمے ہوئے) ہیں۔ (قندھار کا سرخ انار دنیا بھر میں مشہور ہے)۔
(4) اس شہر کی گلی میرے لئے دوست کی گلی ہے (کیونکہ اس گلی میں میرے محبوب کی نشانی خرقہ مبارک کی صورت میں موجود ہے)۔
اے ساربان (اے اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے جانے والے) اونٹ کے کجاوے کو باندھ (تا کہ میں اس میں بیٹھوں اور اس طرح تو) میرے دوست کی طرف مجھے لے جا۔
(5) میں پھر نجد کے یاروں کی یاد میں نغمہ الاپتا ہوں۔
(اور اس طرح) نوا پیدا کر کے ناقہ (اونٹنی) کو وجد میں لاتا ہوں (تا کہ وہ میری طرح ذوق و شوق سے سفر طے کر سکے) (یاران نجد سے مراد عشاق اس لئے ہے کہ مشہور عاشق قیس جو مجنوں کے نام سے مشہور ہے اسی علاقہ نجد میں ہوا ہے جو عرب میں ہے)۔

غزل

تعارف: علامہ نے یہاں مثنوی کی عام طرز کو چھوڑ کر غزل کا رنگ اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خرقہ مبارک کی زیارت کے ذوق و شوق کی وجہ سے اس پر جو وجدانی کیفیت طاری ہو چکی ہے اس کا بہتر اظہار غزل کے پیرایہ ہی میں ہو سکتا ہے یہ صنف شاعری عشق و محبت' ذوق و شوق اور جذبہ و عقیدت کے اظہار کے لئے زیادہ موزوں ہے)۔
(1) میں دیر مغاں (شراب کشید کرنے والے کے مندر) سے بغیر شراب پئے مست چلا آ رہا ہوں۔
میں منزل لا ہی میں الا کی شراب سے مست تھا۔ دیر مغاں یہاں استعارہ ہے مرشد کی خانقاہ سے۔ مرشد عام طور پر پہلے لا (یعنی لا الٰہ کوئی معبود نہیں ہے) کا سبق دے کر ہر شے کی نفی کراتا ہے یہاں تک کہ اپنے آپ کی بھی۔ اسے نفی کا ذکر کہتے ہیں پھر الا (الا اللہ خدا کے سوا یعنی کوئی معبود نہیں ہے ہاں ایک ہے اللہ) کا سبق دے کر اللہ کا اثبات کراتا ہے اسے اثبات کا ذکر کہتے ہیں۔ لا و الا سے مراد یہاں یہی ذکر نفی و اثبات ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ دوست کی منزل تک رسائی کے۔ ذوق و شوق کے جنوں نے مجھے منزل لا ہی میں الا کا مقام عطا کر دیا انہوں نے اسی کو کہا ہے کہ یہ میں بے پئے خانقاہ مرشد سے مست چلا آ رہا ہوں۔ جو کچھ مجھے الا کی شراب پی کر حاصل ہوتا تھا وہ مجھے لا کا جام پیتے ہی سے مل گیا۔
(2) میں جانتا ہوں کہ (پیر مغاں یا مرشد) کی نگاہ ہر کسی کا ظرف دیکھتی ہے اور اس کے مطابق اسے شراب پلاتی ہے۔
مجھے تو میرے ساقی نے (شراب پلائے بغیر صرف اپنے ناز' نخرہ اور اشارہ ہی سے مست کر دیا ہے۔ (اور جسے محبوب کی نگاہ پلادے اور مست کر دے اس سے بڑا خوش نصیب میخوار اور کون ہے)۔
(3) یہ وقت ہے کہ میں (اپنے مرشد) مولانا روم کا میخانہ کھولوں (تا کہ میرے ملا اور صوفی اس کی شراب پی کر دین و تصوف کے دائرہ حقیقی میں رہے ہیں)۔

(یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ) میں نے کعبہ کے پیروں یعنی ملاؤں اور صوفیوں کو (مسجد کی بجائے) گرجوں میں مست دیکھا ہے مراد ہے وہ دین اور تصوف کی روح کو چھوڑ کر اہل یورپ سے متاثر ہیں۔ انگریزوں کی وفاداری کا دم بھر رہے ہیں اور اسلام کی حقیقت سے روگردانی کر رہے ہیں۔

(4) (پیران حرم کو راہ راست پر لانا یا آج کے مسلمانوں میں عشق رسول ؐ کی لذت پیدا کرنا) کسی حکیم (فلسفی یا اہل عقل) کا کام نہیں اس کے لئے کسی کلیم (حضرت موسیٰ ؑ کی طرح خدا سے باتیں کرنے والے) کا دامن پکڑ۔

ساحل پر مستی کرنے والے سو لوگوں کے مقابلے میں دریا کے اندر مستی کرنے والا ایک شخص بدرجہا بہتر ہے۔ اہل عقل کی مثال ساحل دریا پر مستی کرنے والوں کی سی ہے جو دریا میں اترے بغیر یعنی مشاہدہ حق کے بغیر محض دلیلی اور خیالی باتیں کرتے ہیں۔ دریا کی حقیقت کا اصل علم تو ان کو ہے جو دریا میں غوطہ زن ہیں یعنی جو مشاہدہ حق میں ہیں یہ لوگ اہل عشق ہوتے ہیں۔

(5) میں دل کو چمن میں لے گیا (محفلوں میں گیا کہ شاید اس کی بیقراری دور ہو) وہ چمن کی ہوا سے اور غمگین ہو گیا (محفل کی رونق بھی اسے خوشی نہ دے سکی)۔

سچ ہے پھولوں کی کیاریوں میں جا کر یہ لالہ جو صحرا کی فضا میں مست رہتا ہے مرجاتا ہے مرجھا جاتا ہے مراد ہے اہل عشق کو انجمن نہیں خلوت پسند ہے اور اگر کوئی انجمن اس کو راس آتی ہے تو وہ صرف دوست کی انجمن ہے۔ قندھار کی کوئی شے بھی زائر کی تسلی کا باعث نہ بن سکی کیونکہ وہ تو دوست کے لباس کی زیارت کے لئے بیتاب تھا۔

(6) اس کے دل کو لبھانے والی بات سے کعبہ کے اسرار ظاہر ہو رہے تھے۔

کل میں نے ایک چھوٹے سے کافر کو بطحا کی وادی میں (جس میں مکہ ہے) مست دیکھا۔ اس کا کفر شریعت کا کفر نہیں تھا بلکہ عشق کا کفر تھا۔ وہ عشق کی باتیں اور معشوق کی باتیں کر رہا تھا اور مست تھا۔ دراصل عشق رسول ؐ کی مستی ہی اصل مستی ہے۔ اسی مستی سے دین و شرع کی حقیقت ہاتھ آتی ہے۔ بے عشق رسول ﷺ دین ایک تحریک بن جاتا ہے دین نہیں رہتا۔ آج مسلمان کی خرابی اس کے اندر اسی عشق کے نہ ہونے سے ہے۔

(7) سینا است کہ فاران است؟ یا رب چہ مقام است ایں؟
ھر ذرۂ خاک من چشمے است تماشا مست؟

(1) خرقہ آں "برزخ لا یبغیان"
دیدمش در نکتہ "لی خرقتان"

(2) دین او آئین او تفسیر کل
در جبین او خط تقدیر کل

(3) عقل را او صاحب اسرار کرد
عشق را او تیغ جوھر دار کرد

(4) کاروان شوق را او منزل است
ما ھمہ یک مشت خاکیم او دل است

(5) آشکارا دیدنش اسرائے ما ست
در ضمیرش مسجد اقصائے ما ست

(6) آمد از پیراہن او بوے او
داد ما را نعرۂ اللہ ھو

(7) بادل من شوق بے پروا چہ کرد!
بادۂ بے زور با مینا چہ کرد!

(8) رقصد اندر سینہ از زور جنوں
تا ز راہ دیدہ می آید بروں!

(9) گفت من جبریلم و نور مبیں
پیش ازیں او را ندیدم ایں چنیں!

(10) شعر رومی خواند و خندید و گریست
یا رب ایں دیوانہ فرزانہ کیست!

(11) در حرم با من سخن رندانہ گفت
از مے و مغ زادہ و پیمانہ گفت!

(12) گفتمش ایں حرف بیباکانہ چیست
لب فروبند ایں مقام خامشی است

(13) من ز خون خویش پرور دم ترا
صاحب آہ سحر کردم ترا

(14) بازیاب ایں نکتہ را اے نکتہ رس
عشق مرداں ضبط احوال است و بس

*

(7) یہ جگہ جہاں خرقہ مبارک رکھا ہوا ہے وادی سینا کا مقام ہے یا کوہ فاران کی جگہ ہے (وادی سینا وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اپنی تجلی فرمائی تھی اور فاران وہ پہاڑ ہے جہاں سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور نبوت چمکا تھا۔ زائر کے نزدیک خرقہ مبارک کا یہ مقام اللہ اور اس کے رسولؐ کی تجلیات و انوار لئے ہوئے ہے)۔

میری مٹی (جسم) کا ہر ذرہ اک تماشہ مست (نظارہ میں مست رہنے والی) آنکھ بن گیا ہے۔ (اہل عقل کے لئے تو وہ خرقہ مبارک محض ایک لباس ہے مگر اہل عشق کے لئے وہ صاحب لباس کی خوشبو اور تجلیات لئے ہوئے ہے اس کی زیارت صاحب لباس کی زیارت ہے اس لئے اقبال کہتے ہیں کہ میرے جسم کا ایک ایک مسام ایک ایک بال آنکھ بن کر اس کا نظارہ کر رہا ہے)۔

یہاں غزل کے سات اشعار ختم ہو جاتے ہیں اور پھر سے مثنوی کے اصل مضمون پر مشتمل اشعار شروع ہو جاتے ہیں)۔

(1) اس برزخ **لا یبغیان** کا خرقہ۔

میں نے اس کو **لی خرقتان** کی باریک رمز میں دیکھا۔ پہلے مصرع میں آیت **مرج البحرین یلتقین o بینھما برزخ لا یبغیان o** کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ہے (خدا نے) دو دریا مل کر چلنے والے بنائے۔ ان دونوں میں ایک پردہ ہے تاکہ ایک دریا دوسرے دریا پر زیادتی نہ کرے۔ دوسرے مصرع میں حدیث **لی خرقتان الفقر و الجھاد** کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ (نبی کریم ﷺ کہتے ہیں) میرے لئے دو خرقے یعنی دو شانیں ہیں۔ ایک فقر اور دوسرا جہاد (مراد ہے ان کی زندگی ان دو پہلوؤں پر مشتمل ہے پہلی شان کے مطابق جب آپ ﷺ پر فقیری یا درویشی خرقہ ہوتا ہے تو آپ ﷺ ساری کائنات سے لاتعلق اللہ سے تعلق پیدا کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری شان کے مطابق جب آپ ﷺ جہاد کے لئے زرہ بکتر کا خرقہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں تو دنیا کو قانون خداوندی کے تحت لانے میں پوری طرح سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ علامہ نے یہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس آیت اور حدیث کے مطابق برزخ سے تعبیر کیا ہے۔ برزخ وہ شے ہوتی ہے جو دو چیزوں کے درمیان اس طرح حائل ہو کہ اس کا ایک سرا ایک شے سے اور دوسرا سرا دوسری شے سے ملتا ہو۔ دونوں میں رابطہ بھی رکھے ہوئے ہو اور دونوں کو الگ الگ بھی کئے ہوئے ہو۔ اس اعتبار سے صوفیا نے نبی کریم ﷺ کی شان کو حقیقت محمدی یا برزخیت محمدی ﷺ بھی کہا ہے یعنی وہ خدا اور بندہ' خالق و مخلوق اور واجب و ممکن کے درمیان اس طرح ہیں کہ دونوں کو الگ الگ بھی کئے ہوئے ہیں اور دونوں سے متصل بھی ہیں (اور اس طرح ان میں دونوں کی شانیں موجود ہیں یعنی ادھر مخلوق میں شامل اور ادھر اللہ سے واصل-----

(2) اس کا دین اور اس کا آئین کل کی تفسیر ہے۔

اس کی پیشانی میں کل کی تقدیر کا خط ہے۔ مراد ہے آپ کے دئے ہوئے دین اسلام اور آئین قرآن میں سب کچھ ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اس میں ہر شے موجود ہے آپ ﷺ ساری کائنات اور اس کی ہر شے کی تقدیر اس لحاظ سے ہیں کہ ساری کائنات خالق نے اپنے محبوب کے لئے پیدا کی ہے اس لئے کائنات اور اس کے ذرہ ذرہ کی غرض پیدائش نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہے کیونکہ جو شے اپنے وجود میں یا اپنے موجود ہونے میں جس شے کی محتاج ہوتی ہے اس کی اطاعت اس پر فرض ہوتی ہے۔

(3) عقل کو اس نے بھیدوں کا جاننے والا بنا دیا۔

عشق کو اس نے جوہر رکھنے والی تلوار کر دیا۔ مراد ہے جس نے عقل کو ٹامک ٹوئیاں مارنے کی تکلیف سے نکال کر صاحب اسرار کرنا ہو اور جس نے عشق کو پر تاثیر بنانا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کو صاحب اسرار اور پر تاثیر کرنے والے کی یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرے۔ یہ دونوں قوتیں یعنی عقل اور عشق اگر مرتبہ کمال کو پہنچ سکتی ہیں تو صرف نبی کریم ﷺ یا ان کے دین اور آئین کی اطاعت سے پہنچ سکتی ہیں اگر ایسا نہیں ہوگا تو دونوں خام رہیں گی۔

(4) شوق کے قافلے کی وہ منزل ہے۔

ہم سب مٹی کی ایک مٹھی ہیں (جسم خاکی) ہیں وہ دل ہے۔ مراد ہے آپ کو مخلوق سے وہی نسبت ہے جو دل کو جسم خاکی سے ہے۔ جس طرح دل کے بغیر آدمی مردہ ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کے شوق یا عشق کے بغیر آدمی ناکارہ ہے۔ آدمی کی قدر و قیمت عشق محمد ﷺ سے ہے اور جس کا سامان عشق مصطفیٰ ﷺ ہے اس کے گوشہ دامان میں بحر و بر ہے۔ جس نے نبی کریم ﷺ کو محبوب بنایا اس کو خدا نے محبوب بنا لیا اور جس کو خدا نے محبوب بنا لیا ہر شے اس کی ہو گئی۔ قرآن کریم کی آیت ہے کہ اے رسول ﷺ آپ مسلمانوں کو آگاہ کر دیں کہ اگر تو اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

(5) اس کو آشکارا دیکھنا ہماری اسریٰ ہے۔

اس کے ضمیر میں ہماری مسجد اقصیٰ ہے۔ اس شعر میں شب معراج کے واقعات کی طرف تلمیح ہے دو مصرعوں میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے **سبحان الذی اسری بعبدہ... الخ** (پاک ہے اللہ جو لے گیا راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی کعبہ سے مسجد اقصیٰ کی طرف۔ علامہ نے اس سے یہ رمز اخذ کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے سفر میں اپنا دیدار ان کو کرایا اسی طرح ہماری معراج یہ ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کا دیدار کر لیں جس نے ان کا دیدار کر لیا اس نے خدا کا دیدار کر لیا۔ آپ ﷺ کا دیدار ایک تو آپ کی صورت کا دیدار ہے دوسرا دیدار جو دیدار اصلی ہے وہ آپ ﷺ کی حقیقت محمدی ﷺ سے آگاہ ہونا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم فنا فی الرسول کا مقام حاصل کر لیں یعنی اپنی مرضی کو نبی کریم ﷺ کی مرضی میں گم کر کے ان کے جملہ جمالات کا عکس بن جائیں۔

(6) (قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کے خرقہ کا ذکر ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کے بھائی خرقہ کو لے کر مصر سے کنعان گئے تو حضرت یعقوب نے جو اس وقت نابینا ہو چکے تھے خرقہ کے قریب آتے ہی کہا کہ اس میں سے یوسف کی خوشبو آتی ہے اور پھر جب حضرت یوسفؑ کے فرمان کے مطابق وہ خرقہ حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں پر پھیرا گیا تو ان کی بینائی لوٹ آئی اس سے لباس اور صاحب لباس کی نسبت کا علم ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کی خوشبو کو سونگھنے کے لئے حضرت یوسفؑ کے بھائی کی نہیں باپ کے مرتبہ کے شخص کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو کچھ علامہ کے ذوق و شوق نے سونگھا اور جو کچھ ان کی آنکھوں نے دیکھا چونکہ دوسرے اس کے اہل نہیں اس لئے ان کو علامہ کی بات پر یقین کر لینا چاہئے۔ اس شعر میں وہ کہتے ہیں) مجھے اس کے (نبی کریم ﷺ کے) لباس سے نبی کریم ﷺ کی خوشبو آئی۔

جس کو سونگھ کر میں نے اللہ ھو کا نعرہ لگایا۔ (اس خوشبو نے مجھے مست کر دیا اور مجھ میں اللہ بس اور باقی ہوس کی کیفیت پیدا ہو گئی)۔

(7) شوق بے پروا نے میرے دل کے ساتھ کیا کیا۔

پر زور شراب نے صراحی کے ساتھ کیا کیا (میرے بے پرواہ شوق نے میرے اندر ایسا جوش پیدا کر دیا کہ خود کو قابو میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ جس طرح بہت تیز شراب صراحی کو پگھلا دیتی ہے یا ریزہ ریزہ کر دیتی ہے میرے دل کی صورت بھی ایسی ہو گئی میں بے خود و مست ہو کر رقص کرنے لگا اور اللہ ھو کے

نعرے لگانے لگا)۔

(8) میرا دل میرے سینے میں جنوں کے زور کی وجہ سے رقص کر رہا ہے۔
تاکہ وہ آنکھوں کے راستے باہر آجائے۔ (مجھ سے میرے دل کی سنبھال مشکل سے ہو رہی ہے)۔

(9) اس نے یعنی دل نے مجھ سے کہا کہ میں جبرئیل اور ظاہر نور ہوں۔
میں نے اس سے پہلے اسے یعنی اپنے دل کو اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا (یہ خرقہ مبارک کی زیارت کا نتیجہ تھا کہ میرا دل پاکی اور قرب خداوندی کے لحاظ سے جبرئیل فرشتہ کی طرح کا اور اللہ کے نور یا قرآن کی مانند ہو گیا)۔

(10) میرا دل مولانا روم کے شعر پڑھ رہا تھا کبھی ہنس رہا تھا اور کبھی رو رہا تھا۔
یا رب یہ فرزانہ (عقل مند) دیوانہ کون ہے (مجھ سے یہ کیسی کیسی باتیں کر رہا ہے اور کیسی کیسی حرکتیں اس سے سرزد ہو رہی ہیں)۔

(11) (یہ تو مقام حرم ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کا خرقہ مبارک ہے) دل نے اس مقام حرم میں مجھ سے رندوں کی سی باتیں کیں۔
مستی کے عالم میں شراب، پیالہ اور شراب دینے والے بچوں کی باتیں کیں۔ (یہ استعارے ہیں جن سے مراد شراب معرفت یا شراب عشق اور اس سے متعلقات ہیں)۔

(12) میں نے اس سے کہا کہ یہ بے باک گفتگو کیا ہے۔
ہونٹ سی لے یہ تو خاموشی کا مقام ہے۔ (مقام ادب ہے نبی کریم ﷺ کے خرقہ کا مقام ہے)۔

(13) میں نے تیری اپنے خون سے پرورش کی۔
تجھے سحر کے وقت کی آہ نکالنے کے قابل بنایا یعنی تجھے غم عشق سے آشنا کیا۔

(14) اے باریک بات کو پا جانے والے (کیوں بھول گیا ہے) اس باریک بات کو پھر سے پا۔
کہ مردوں کا عشق ضبط احوال کا نام ہے اور بس۔ (جو مرد ہوتے ہیں وہ اپنے احوال عشق کو قابو میں رکھتے ہیں اس کا کسی طرح سے حرکاتی و سکناتی یا صوتی و حرفی اظہار نہیں کرتے)۔

(15) گفت عقل و ہوش آزار دل است!
مستی و وارفتگی کار دل است!
(16) نعرہ ہا زد تا فتاد اندر سجود
شعلہ آواز او بود، او نبود!

بر مزار حضرت احمد شاہ بابا علیہ الرحمتہ

موسس ملت افغانیہ

(1) تربت آں خسرو روشن ضمیر
از ضمیرش ملتے صورت پذیر
(2) گنبد او را حرم داند سپہر
با فروغ از طوف او سیمائے مہر
(3) مثل فاتح آں امیر صف شکن
سکہ زد ہم با قلیم سخن
(4) ملتے را داد ذوق جستجو
قدسیاں تسبیح خواں بر خاک او
(5) از دل دوست گہر ریزے کہ داشت
سلطنت ہا برد و بے پروا گذاشت
(6) نکتہ سنج و عارف و شمشیر زن
روح پاکش با من آمد در سخن
(7) گفت می دانم مقام تو کجا ست
نغمہ تو خاکیاں را کیمیا ست
(8) خشت و سنگ از فیض تو دارائے دل
روشن از گفتار تو سینائے دل
(9) پیش ما اے آشنائے کوئے دوست
یک نفس بنشیں کہ داری بوئے دوست
(10) اے خوش آں کو از خودی آئینہ ساخت
و ندراں آئینہ عالم را شناخت
(11) پیر گردید ایں زمین و ایں سپہر
ماہ کور از کور چشمیہائے مہر

(15) (دل نے میری نہ مانی۔ میرے قابو نہ آیا) اس نے کہا کہ یہ عقل اور ہوش (کی باتیں جو تو کر رہا ہے) دل کو تکلیف پہنچاتی ہیں۔
دل کا کام تو مستی کرنا اور وارفتہ رہنا ہے (تو ہوش اور صبر کی تلقین کر رہا ہے یہ دونوں متضاد باتیں ہیں)۔

(16) (یہ کہہ کر) اس نے نعرے مارے تا آنکہ سجدے میں گر گیا۔
(اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ) وہ ایک آواز کا شعلہ رہ گیا تھا خود نہ تھا مراد ہے آتش عشق میں جل کر فنا ہو گیا تھا ہاں جس طرح جلتی ہوئی لکڑی سے آواز آتی ہے ایک آواز ضرور آ رہی تھی۔ عشق کی آگ میں فنا ہو جانے والے کی آواز یا محبوب------

احمد شاہ بابا علیہ الرحمتہ کے مزار پر جو ملت افغانیہ کے بانی ہیں

تعارف: احمد خان نام' زمان خان کا بیٹا پٹھانوں کے سدوزئی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ زمان خان ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے کسی سبب سے ملتان آ گئے تھے۔ احمد خان کی پیدائش یہیں کی ہے۔ کچھ عرصہ بعد زمان خان پھر ہرات چلے گئے۔ جب 1747 میں نادر شاہ (ایران کا بادشاہ) قتل ہو گیا تو افغانوں نے احمد خان کو جو اس وقت نادر شاہ کا باڈی گارڈ تھا اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ جس نے افغانستان کو ایران کے قبضہ سے چھڑایا اور افغان ملت کی الگ شناخت کرائی۔ اسی احمد خان کو احمد شاہ ابدالی یا درانی کہتے ہیں۔ بادشاہ بننے کے بعد اس نے نہ صرف افغانستان کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا بلکہ ہندوستان پر بھی کئی حملے کیئے۔ ان کا سب سے مشہور حملہ وہ ہے جس میں پانی پت کے میدان میں اس نے مرہٹوں کو شکست دے کر ہمیشہ کے لئے ان کا زور توڑ دیا۔ اس نے 1772ء میں وفات پائی۔

(1) یہ اس روشن ضمیر بادشاہ کی قبر (ہے)۔
جس کے ضمیر سے ایک ملت نے صورت اختیار کی (افغانیوں کو ایک قوم کی حیثیت دی)۔

(2) آسمان اس کے (مزار کے) گنبد کو حرم جانتا ہے (جھک کر سلام کرتا ہے)۔
سورج کی پیشانی اس کے طواف کی وجہ سے چمک رہی ہے (یعنی سورج اس کے طواف سے روشنی حاصل کر رہا ہے۔ مبالغہ کے مضامین ہیں مراد احمد شاہ کی شان بیان کرتا ہے)۔

(3) قسطنطنیہ کے فاتح سلطان محمد فاتح ترک کی طرح اس صف شکن (دشمنوں کی صفیں الٹ دینے والا) امیر نے بھی۔
شعر و شاعری کی ولایت میں اپنا سکہ جمایا۔ مراد ہے وہ بھی سلطان فاتح کی طرح علوم و فنون کا قدر دان تھا۔

(4) اس نے ایک قوم کو جستجو کا ذوق عطا کیا۔ (ملت افغانیہ میں اپنی انفرادیت اور ترقی کا جذبہ پیدا کیا)۔
فرشتے اس کی خاک (قبر) پر تسبیح پڑھتے ہیں (مراد ہے وہ ایک درویش منش اور نیک احوال بادشاہ تھا)۔

(5) اس نے گوہر لٹانے والے ہاتھ اور دل سے۔
بہت سی سلطنتوں کو فتح کیا لیکن ان کو بے پروائی سے چھوڑ دیا (جس طرح کہ اس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دینے اور ہندوستان کا بہت سا علاقہ فتح کرنے کے باوجود یہاں اپنا پایہ تخت نہیں بنایا)۔

(6) وہ باریک بات کو تولنے والا' معرفت حق رکھنے والا اور تلوار چلانے والا (بادشاہ تھا)۔
اس کی پاک روح مجھ سے بات کرنے لگی۔

(7) اس نے کہا (اے اقبال) میں جانتا ہوں تیرا مرتبہ کیا ہے۔
تیری شاعری مٹی کے بنے ہوئے انسانوں کے لئے کیمیا کا اثر رکھتی ہے (ان کو سونا بنا سکتی ہے)۔

(8) اینٹ اور پتھر (کی طرح کے انسان) تیرے فیض سے دل رکھنے والے (صاحب دل) ہو گئے۔

تیری باتوں سے دل کی وادی سینا میں تجلی ہو گئی۔ (دل روشن ہو گئے۔ تجلی خداوندی کے قابل ہو گئے)۔

(9) اے دوست کے کوچے سے آشنا میرے سامنے
ایک لمحہ کے لئے بیٹھ کر تو دوست کی خوشبو رکھتا ہے (تیرے اندر عشق رسول ﷺ ہے)۔

(10) وہ شخص خوش بخت ہے کہ جس نے (خود کو یا اپنے دل کو) خودی سے (اپنی معرفت سے) آئینہ بنا لیا ہے۔
اور اس آئینہ کے اندر جہان کو پہچان لیا (اس کے رموز و اسرار سے آگاہ ہو گیا ہے)۔

(11) یہ زمین اور یہ آسمان بوڑھے (بہت پرانے) ہو گئے ہیں۔
سورج کی آنکھوں کے اندھا ہونے کی وجہ سے چاند تاریک ہو گیا ہے (سورج کی روشنی اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ چاند کو روشن نہیں کر سکتی)۔

(12) گرمی ہنگامہ می بایدش
تا بخشتیں رنگ و بو باز آیدش

(13) بندۂ مومن سرافیلی کند
بانگ او ہر کہنہ را برہم زند

(14) اے ترا حق داد جان ناشکیب
تو ز سر ملک و دیں داری نصیب

(15) فاش گو با پور نادر فاش گوے
باطن خود را بہ ظاہر فاش گوے

خطاب بہ پادشاہ اسلام اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ
ایدہ اللہ بنصرہ

(1) اے قبائے پادشاہی بر تو راست
سایہ تو خاک ما را کیمیاست

(2) خسروی را از وجود تو عیار
سطوت تو ملک و دولت را حصار

(3) از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر
تخت احمدؒ شاہ را شانے دگر

(4) سینہ ہا بے مہر تو ویرانہ بہ
از دل و از آرزو بیگانہ بہ

(5) آنچنوں تیغے کہ داری در کمر
نیم شب از تاب او گردد سحر

(6) نیک می دانم کہ تیغ نادر است
من چہ گویم باطن او ظاہر است

(7) حرف شوق آوردہ ام از من پذیر
از فقیرے رمز سلطانی بگیر

*

(1) اے نگاہ تو ز شاہیں تیز تر
گرد ایں ملک خدا دادے نگر

(2) ایں کہ می بینیم از تقدیر کیست؟
چیست آں چیزے کہ می بانست و نیست؟

(12) ان کے لئے گرمی ہنگامہ چاہیے۔ تا کہ ان کی پہلی خوشبو اور ان کا پہلا رنگ واپس آسکے۔

(13) بندۂ مومن تو سرافیلی کرتا ہے یعنی اسرافیل فرشتے کی طرح صور پھونک کر قیامت تک کے لئے سونے والوں کو جگاتا ہے۔ (مردوں کو زندہ کرتا ہے)۔ اس کی آواز ہر پرانی روش کو اکھاڑ دیتی ہے۔

(14) اے کہ تجھے حق نے بے قرار جان بخشی ہے۔ (تیری جان سوز و گداز عشق سے آشنا ہے)۔ تو ملک اور دین کے بھید سے نصیب رکھتا ہے یعنی جانتا ہے۔

(15) صاف کہہ نادر شاہ شہید کے بیٹے سے صاف کہہ۔ اپنے باطن کو (اس کے بیٹے) ظاہر سے صاف کہہ (دین اور سیاست کے جن رموز و اسرار سے تو آگاہ ہے ان سے اسے آگاہ کر دے)۔

خطاب بہ پادشاہ اسلام اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ

تعارف: ظاہر شاہ اعلیٰ حضرت نادر شاہ شہید والی افغانستان کا (جس نے علامہ اقبال کو افغانستان آنے کی دعوت دی تھی) بیٹا تھا۔ باپ کے شہید کئے جانے کے بعد تخت نشین ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کے مزار سے اشارہ ملنے پر اقبال نے ظاہر شاہ کو پادشاہ اسلام سمجھتے ہوئے خصوصی پیغام دیا۔ مگر افسوس ہے روسی فوجوں کے افغانستان میں داخلے کے سبب ملک چھوڑنے تک وہ علامہ کی امیدوں پر پورا نہ اترا۔ آج کل یورپ کے کسی علاقہ میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے)۔

پہلا بند

(1) اے کہ شاہی لباس تیرے موافق ہے (یعنی تو واقعی بادشاہت کے لائق ہے)۔

تیرا سایہ ہماری مٹی کے لئے کیمیا کا اثر رکھتا ہے مراد ہے تیری بادشاہی میں مسلمان جو اب بے قیمت و بے اہمیت ہیں قیمت و اہمیت حاصل کر سکتے ہیں۔

(2) بادشاہت کو تیرے جوہر سے معیار یا کسوٹی ملی ہے یعنی تیری بادشاہت ایک معیار ہے اس بات کا کہ شاہی کیا ہوتی ہے تو واقعی بادشاہی صفات کا حامل ہے۔

ملک اور حکومت کے لئے تیری ہیبت حصار (قلعہ) ہے (دشمن کو ہمت نہیں کہ تیرے ملک اور حکومت کی طرف دیکھ سکے)۔

(3) اے کامیابی اور تسخیر دشمن کے سرمایہ تجھ سے۔

احمد شاہ ابدالی کے تخت کو ایک نئی شان ملی ہے۔ (اس کے باپ نادر شاہ شہید کی بجائے علامہ نے احمد شاہ ابدالی کے تخت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس سے پہلے افغان ملک اور قوم کا کوئی الگ وجود نہ تھا۔ یہ دونوں دوسروں کے تابع تھے۔ احمد شاہ نے افغانوں کو ایک قوم کی حیثیت دی)۔

(4) تیری محبت کئے بغیر جو سینے ہیں وہ ویران ہی رہیں تو بہتر ہے۔

وہ آرزو اور دل سے بیگانہ ہی رہیں تو زیادہ اچھا ہے۔

(5) وہ چمکتی ہوئی تلوار جو تو کمر میں باندھے ہوئے ہے۔

اس کی چمک سے آدھی رات صبح میں بدل جاتی ہے مراد ہے تیرے پاس وہ طاقت ہے کہ جس سے تو ذلت کو عزت اور شکست کو فتح دے سکتا ہے۔ اور باطل کو حق میں تبدیل کر سکتا ہے۔

(6) میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ (تیرے باپ) نادر شاہ مرحوم کی تلوار ہے۔

میں کیا کہوں اس کا باطن ظاہر ہے (ظاہر کو دو معنی استعمال کیا گیا ہے اس سے ایک مراد تو یہ ہے کہ جو جوہر تیرے باپ نے اس تلوار سے دکھائے تھے وہ تیری کمر میں لٹکی ہوئی تلوار سے ظاہر ہیں دوسرے یہ کہ نادر شاہ تو مرحوم ہو گیا وہ پردۂ دنیا سے غائب ہو گیا البتہ اس کی صفاتی شکل میں تو ظاہر شاہ کے نام سے ظاہر میں موجود ہے)۔

(7) میں تیرے لئے محبت کا پیغام لے کر آیا ہوں اس کو قبول کر۔
ایک فقیر سے سلطانی (بادشاہ کون ہوتا ہے اور بادشاہی کیا ہوتی ہے) کی رمز حاصل کر۔

دوسرا بند

(1) اے وہ (بادشاہ) جس کی نگاہ شاہین سے بھی تیز ہے۔
تو اس خدا کے دئے ہوئے ملک کے گرد دیکھ (اپنے ملک اور بیرون ملک کے حالات کا جائزہ لے)۔

(2) یہ جو کچھ ہم (اپنے گردو پیش) دیکھ رہے ہیں یہ کس کی تقدیر ہے۔
وہ کون سی چیز ہے جو چاہئے اور نہیں ہے۔ یعنی تو اس بات پر غور کر کہ قوموں کی تقدیر کیا ہے۔ یہ کس طرح بنتی ہے۔ تیرے ملک کو کن حالات کی ضرورت ہے وہ کون سی چیزیں ہیں جو اس میں نہیں اور اس کو چاہئیں ان کو پیدا کر اور یوں ملک و قوم کو ترقی دے۔

(3) روز و شب آئینۂ تدبیر ما ست
روز و شب آئینۂ تقدیر ما ست
(4) با تو گویم اے جوان سخت کوش
چیست فردا؟ دختر امروز و دوش!
(5) ہر کہ خود را صاحب امروز کرد
گرد او گردد سپہر گرد گرد
(6) او جہان رنگ و بو را آبرو ست
دوش ازو و امروز ازو فردا ازو ست!
(7) مرد حق سرمایہ روز و شب است
زاں کہ او تقدیر خود را کوکب است
(8) بندۂ صاحب نظر پیر امم
چشم او بینائے تقدیر امم
(9) از نگاہش تیز تر مشیر نیست
ما ہمہ نخچیر! او نخچیر نیست!
(10) لرزد از اندیشہ آں پختہ کار
حادثات اندر بطون روزگار!
(11) چوں پدر اہل ہنر را دوست دار
بندۂ صاحب نظر را دوست دار
(12) ہچوں آں خلد آشیاں بیدار زی
سخت کوش و پر دم و کرار زی
(13) می شناسی معنی کرار چیست؟
ایں مقامے از مقامات علیؓ است
(14) امتاں را در جہان بے ثبات
نیست ممکن جز بکراری حیات
(15) سرگشت آل عثماں را نگر
از فریب غربیاں خونیں جگر
(16) تا ز کراری نصیبے داشتند
در جہاں دیگر علم افراشتند
(17) مسلم ہندی چرا میداں گذاشت؟
ہمت او بوے کراری نداشت!

(3) دن اور رات (زمانہ) ہماری تدبیر کا آئینہ ہیں۔
دن اور رات (ایام) ہماری تقدیر کا آئینہ ہیں۔ (یہ ہماری تدبیر کے مطابق ڈھلتے اور ہماری تقدیر بناتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا ہماری تقدیر کا بننا اور فائدہ نہ اٹھانا ہماری تقدیر کا بگڑنا ہے اس لئے ایام یا زمانہ سے فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے ورنہ یہ تو گزر جائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

(4) اے سخت جدوجہد کرنے والے نوجوان (بادشاہ) میں تجھے بتاتا ہوں۔
آنے والی کل (زمانہ مستقبل) کیا ہے؟ یہ آج اور گزری ہوئی کل کی بیٹی ہے۔ (جس نے جس طرح اپنے گزرے ہوئے کل اور اپنے آج کو استعمال کیا اس کے مطابق اس کا مستقبل ہو گا۔ اس لئے آج کو اہم جانو اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ)۔

(5) جس نے خود کو امروز کا مالک بنا لیا (زمانہ حال کو قابو میں لا کر اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا)۔

*

یہ چکر پر چکر کھانے والا آسمان اس کے گرد گھومنے لگتا ہے (حالات اس کی آرزو کے موافق اور تقدیر اس کی تدبیر کے مطابق ہو جاتی ہے)۔

(6) وہ رنگ و بو کے جہان (اس دلکش مگر فانی جہان) کی عزت ہوتی ہے۔
گزری ہوئی کل، گزرتا ہوا آج اور آنے والی کل اس کی منشا کے مطابق ہوتی ہے۔

(7) اللہ کا بندہ روز و شب (زمانہ) کا سرمایہ ہوتا ہے۔
(وہ حق مرد ہوتا ہے) اس لئے وہ اپنی تقدیر کا آپ ستارہ ہوتا ہے (وہ کسی ستارہ کو اپنی تقدیر بنانے والا نہیں سمجھتا۔ جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا جس کا اللہ ہو گیا اس کی قدرت میں سب کچھ آگیا)۔

(8) مرد حق صاحب نظر بندہ ہوتا ہے (اس کے پاس ظاہر و باطن اور دوش و فردا کو دیکھنے والی نظر ہوتی ہے) وہ قوموں کا پیر (راہنما) ہوتا ہے۔ (اس لئے کہ) اس کی آنکھ قوموں کی تقدیر کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔

(9) تلوار اس کی نگاہ سے زیادہ تیز نہیں ہے۔
ہم سب (حالات، زمانہ اور تقدیر کے) شکار ہو جاتے ہیں (لیکن) وہ (مرد حق) شکار نہیں ہوتا (بلکہ ان کو شکار کر لیتا ہے)۔

(10) اس پختہ کار (آزمودہ کار یا تجربہ کار) کی فکر سے لرزتے ہیں۔
وہ حادثات زمانہ جو ابھی زمانہ (کی ماں) کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔

(11) (اے ظاہر شاہ) اپنے باپ کی طرح اہل ہنر کو دوست رکھ۔
(اور) صاحب نظر بندہ (نظر آئے) تو اسے دوست رکھ۔

(12) اس جنت میں گھر بنائے ہوئے (اپنے مرحوم باپ) کی طرح بیدار (ہر طرح سے ہوشیار) ہو کر زندگی گزار۔
سخت محنت کرنے والا، بڑی ہمت اور حوصلہ والا اور کرار (دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے والا)

بن کر جی۔

(13) کیا تو جانتا ہے کہ کرار کے کیا معنی ہیں۔
یہ حضرت علیؓ کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ (حضرت علیؓ چونکہ دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے اور ان کو کاٹ دینے کی صفت رکھتے تھے اس لئے کرار مشہور تھے اسی صفت کی بنا پر وہ شیر خدا اور اسد اللہ بھی کہلاتے ہیں۔ ان معنوں میں حیدر کرار کا لقب بھی استعمال ہوتا ہے)۔

(14) قوموں کے لئے اس فانی جہان میں
کراری کے سوا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے (کراری کے لئے شعر 12 اور 13 دیکھئے)۔

(15) عثمانی ترکوں کی سرگذشت دیکھ۔
وہ مغربی اقوام کی فریب کاری کی وجہ سے جگر کو خون کئے ہوئے تھے۔ (مصائب و آلام کا شکار تھے ان کی سلطنت کو جنگ عظیم اول میں ان کی شکست کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا اور ان کو ذلت سے دوچار کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے گئے تھے)۔

(16) (ترکوں نے جنگ عظیم اول میں شکست کھانے کے باوجود ہمت نہ ہاری) چونکہ کراری کی صفت ان کے نصیب میں تھی۔

انھوں نے جہان میں دوبارہ اپنا جھنڈا بلند کر لیا (اور 1922 میں مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں نئے ترک ملک اور حکومت کی بنیاد رکھی) (کراری کے لئے شعر 12 اور 13 دیکھئے)۔

(17) (ترکوں نے تو دوبارہ فتوحات حاصل کر کے اپنی سلطنت پھر سے قائم کر لی لیکن) ہندوستان کے مسلمانوں نے کیوں میدان چھوڑ دیا (اور ہمیشہ کے لئے شکست تسلیم کر کے دوسروں کے کیوں مغلوب ہو گئے۔ حالانکہ انھوں نے یہاں آٹھ سو سال تک حکومت کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ)

ان کی ہمت میں کراری کی بو نہیں تھی۔ یہاں کے مغل شکست کھانے کے بعد پھر نہ اٹھ سکے۔ وجہ صرف یہ کہ انھوں نے کراری ہمت چھوڑ دی اور ذلت کو تسلیم کر لیا) (کراری کے لئے دیکھئے شعر 12 اور 13)۔

(18) مشت خاکش آنچناں گردیدہ سرد
گرمی آواز من کارے نکرد!

(19) ذکر و فکر نادری در خون تست
قاہری با دلبری در خون تست

(20) اے فروغ دیدۂ برنا و پیر
سر کار از ہاشم و محمود گیر

(21) ہم ازاں مردے کہ اندر کوہ و دشت
حق ز تیغ او بلند آوازہ گشت

(22) روز ہا شب ہا تپیدن میتواں
عصر دیگر آفریدن میتواں

(23) صد جہاں باقی است در قرآں ہنوز
اندر آیاتش یکے خود را بسوز

(24) باز افغاں را ازاں سوزے بدہ
عصر او را صبح نو روزے بدہ

(25) ملتے گم گشتہ کوہ و کمر
از جبینش دیدہ ام چیزے دگر

(26) زانکہ بود اندر دل من سوز و درد
حق ز تقدیرش مرا آگاہ کرد

(27) کاروبارش رانکو سنجیدہ ام
آنچہ پنہاں است پیدا دیدہ ام

(28) مرد میداں زندہ از اللہ ہو ست
زیر پاے او جہان چار سو ست!

(29) بندۂ کو دل بہ غیر اللہ نہ بست
ی تواں بسنگ از زجاج او شکست

(30) او نگنجد در جہان چون و چند
تہمت ساحل بایں دریا مبند

(31) چوں زروے خویش بر گیرد حجاب
او حساب است او ثواب است، او عذاب!

*

(1) برگ و ساز ما کتاب و حکمت است
ایں دو قوت اعتبار ملت است

(18) ان کی (ہندی مسلمانوں کی) مٹی اتنی سرد ہو چکی ہے۔ کہ میری شاعری کی گرم آوازی نے بھی ان کے اندر کوئی اثر نہیں کیا۔

(19) (اے ظاہر شاہ) تیرے خون میں نادر شاہ مرحوم کے ذکر اور فکر کی تاثیر موجود ہے۔ (اپنے باپ کی طرح) قاہری (جلال) دلبری (جمال) کے ساتھ تیرے خون میں موجود ہے (تو بزم اور رزم دونوں کی ضروریات و آداب سے آگاہ ہے)۔

(20) اے جوانوں اور بوڑھوں کی آنکھوں کی روشنی اپنی سلطنت کے کاموں کے اسرار (نشیب و فراز کو اپنے چچاؤں) ہاشم اور محمود سے حاصل کر (ظاہر شاہ چونکہ ابھی کم عمر تھا اس کے دونوں چچا اس کے رہبر و مددگار تھے)۔

(21) اس مرد سے بھی (جس کا نام شاہ ولی خان ہے اور جو تیرا تیرا چچا ہے) اور پہاڑوں، بیابانوں اور جنگلوں میں

جس کی تلوار کی وجہ سے حق کا شہرہ ہوا ہے۔ (اعانت اور راہبری حاصل کر)۔

(22) راتوں کو اور دنوں کو گرمایا جا سکتا ہے یا ان میں تڑپا جا سکتا ہے مراد ہے ان کو سخت جدوجہد میں گزارا جا سکتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ راتوں اور دنوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

ایک نیا زمانہ پیدا کیا جا سکتا ہے یعنی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

(23) قرآن میں ابھی تک سو ہزار جہان باقی ہیں (جو دریافت نہیں ہوئے)۔

تو اے ظاہر شاہ اس کی آیتوں میں خود کو جلا (ان پر غور کر اور ان سے سبق لے کر حکومت کے کاروبار کو چلا اور اپنی قوم کو عزت کی منزل تک لے جانے کے لئے کام کر)۔

(24) افغانیوں کو پھر وہی سوز عطا کر (جو کبھی مردان حق میں تھا)۔

(اس طرح) ان کے زمانے کو ایک نئے دن کی صبح بخش (ان کو زندہ قوموں کی صف میں لا)۔

(25) یہ موجود افغان قوم ایک ایسی قوم ہے جو افغانستان کے پہاڑوں اور وادیوں (گھاٹیوں) میں گم ہے (زمانہ کہاں پہنچ گیا ہے اسے کچھ خبر نہیں)۔

میں نے اس کے ماتھے سے ایک نئی چیز دیکھی ہے (اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی ایک نئی بات معلوم کی ہے)۔

(26) چونکہ میرے دل میں (افغاں قوم کے لئے) سوز اور درد تھا۔

(اس لئے) حق نے مجھے اس کی تقدیر سے آگاہ کر دیا۔

(27) میں نے اس کے کاروبار (حالات و معاملات) کو اچھی طرح پرکھا ہے۔

جو کچھ چھپا ہوا ہے اسے میں نے ظاہرا طور پر دیکھ لیا ہے۔

(28) جو میدان کا یعنی (اللہ کے لئے جدوجہد کرنے اور لڑنے بھڑنے والا) مرد ہوتا ہے وہ اللہ ھو سے زندہ ہے۔

(اس بنا پر) اس کے قدموں کے نیچے یہ جہان چار سو (چاروں اطرف والا یا زمان و مکان والا) جہان ہوتا ہے۔ (اللہ ھو کے لفظی معنی ہیں اللہ وہی ایک ہے یہاں مراد ہے توحید کا دلوں میں جاگزیں ہونا اور عشق الٰہی کا بس جانا اور اس کیفیت میں ہر وہ قدم اٹھانا جو نقش اللہ جہان کے صفحہ پر قائم کرنے کے لئے ضروری ہو)۔

(29) وہ بندہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور سے دل نہ لگایا۔

اس کے شیشے سے پتھر کو توڑا جا سکتا ہے۔

(30) وہ جہان چون و چند (اسباب کے جہان میں) نہیں سما سکتا۔

اس دریا پر ساحل کی تہمت نہ لگا۔ (مراد ہے وہ لا محدود قوتوں کا مالک ہوتا ہے اور دریا کے اس پانی کی طرح جس کا کوئی ساحل نہ ہو جس طرح چاہے جس طرف چاہے نکل جاتا ہے۔ وہ اس طرح نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی تقدیر بھی بناتا ہے)۔

(31) جب وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھا لیتا ہے (اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لاتا ہے)۔

تو وہ حساب ہے ثواب ہے اور عذاب ہے (وہ پہلے اپنا اور پھر دوسروں کا حساب کرتا ہے اور جو لوگ یا اقوام راہ راست پر ہوتی ہیں یا آ جاتی ہیں ان کو ثواب یعنی عزت و سرخروئی سے سرفراز کرتا ہے

اور جو لوگ اور اقوام اللہ کے نافرمان ہوتے ہیں ان کے لئے وہ عذاب بن جاتا ہے)۔

تیسرا بند

(1) ہماری (زندگی کا) سازو سامان اللہ کی کتاب قرآن اور حکمت (علم دانش)
یہ دو قوتیں ملت کا اعتبار ہیں۔ (ان سے ملت معتبر ہے)۔

(2) آں فتوحات جہان ذوق و شوق
ایں فتوحات جہان تحت و فوق
(3) ہر دو انعام خدائے لایزال
مومناں را آں جمال است، ایں جلال!
(4) حکمت اشیا فرنگی زاد نیست
اصل او جز لذت ایجاد نیست
(5) نیک اگر بینی مسلماں زادہ است
ایں گہر از دست ما افتادہ است
(6) چوں عرب اندر اروپا پر کشاد
علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
(7) دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند
(8) ایں پری از شیشۂ اسلاف ماست
باز صیدش کن کہ او از قاف ماست
(9) لیکن از تہذیب لادینے گریز
زاں کہ او با اہل حق دارد ستیز
(10) فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزیٰ در حرم باز آورد
(11) از فسونش دیدۂ دل نابصیر
روح از بے آبی او تشنہ میر!
(12) لذت بیتابی از دل می برد
بلکہ دل زیں پیکر گل می برد
(13) کہنہ دزدے غارت او برملاست
لالہ می نالد کہ داغ من کجاست!

*

(1) حق نصیب تو کند ذوق حضور
باز گویم آنچہ گفتم در زبور
(2) "مردن و ہم زیستن اے نکتہ رس
ایں ہمہ از اعتبارات است و بس
(3) مرد کر سوز نوا را مردہ
لذت صوت و صدا را مردہ

(2) وہ یعنی قرآں ذوق و شوق کی فتوحات حاصل کرتا ہے یعنی اس سے اللہ اور اس کے رسولؐ اور ان کی متابعت کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ یعنی حکمت (فلسفہ/ سائنس وغیرہ) پست و بلند جہان یعنی مادی جہان کو فتح کرتی ہے (اس لئے ملت کو با اعتبار بنانے کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے)۔

(3) دونوں خدائے لایزال (ہمیشہ رہنے والے خدا) کے انعام ہیں۔

مومنوں کے لئے وہ (قرآن) جمال اور یہ (حکمت) جلال ہے۔

(4) اشیا کی حکمت (نئی نئی چیزیں معرض وجود میں لانے کا علم یا سائنس) فرنگی زاد یعنی یورپ والوں کی پیدا کردہ میراث نہیں ہے۔

اس کی اصل ایجاد کی لذت کے سوا کچھ نہیں جو شخص یا قوم بھی نئی نئی چیزیں اختراع کرنے کا عملی ذوق اپنے اندر رکھتی ہے یہ اس کی لونڈی ہے۔

(5) اگر درست اور صحیح دیکھے تو یہ یعنی حکمت (فلسفہ و سائنس) مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والا علم ہے۔

یہ موتی انہی کے ہاتھ سے گرا ہے (جو اوروں نے اٹھالیا ہے)۔

(6) جب عرب (تاجروں، عالموں اور فاتحوں) نے یورپ میں پر کھولے یعنی وہاں پہنچے۔
تو انہوں نے علم اور حکمت کی نئی بنیاد رکھی۔

(7) اس کا دانہ ان صحرا نشینوں (عربوں) نے بویا۔
اس کا حاصل یورپ والوں نے کاٹا۔

(8) یہ پری ہماری ہی پرانے بزرگوں کے شیشہ کی ہے۔
اس کو دوبارہ قابو میں کر (شکار کر) کہ وہ تمہارے کوہ قاف سے گئی ہوئی ہے (کوہ قاف پریوں کے لئے مشہور ہے)۔

(9) (حکمت ضرور حاصل کر) لیکن اس کے ساتھ فرنگیوں نے جو لادینی تہذیب پیدا کی ہے اس سے بھاگ
کیونکہ یہ تہذیب اہل حق کے خلاف جنگ ہے۔

(10) یہ فتنہ پرداز (فتنہ پیدا کرنے والی مغربی تہذیب جہاں جاتی ہے ساتھ) فتنے لے جاتی ہے۔
(اور) کعبہ سے نکالے ہوئے لات اور عزیٰ کے بت پھر کعبہ میں واپس لاتی ہے مراد ہے اللہ سے دور کر کے غیر اللہ کا پجاری بناتی ہے۔

(11) اس کے جادو سے دل کی آنکھ اندھی (ہو جاتی ہے)۔
اس کے پاس پانی نہ ہونے کی وجہ سے روح پیاسی مرجاتی ہے (وہ مادیت کی طرف مائل کر کے آدمی کو روح سے بیگانہ کردیتی ہے)۔

(12) وہ دل سے بے قراری کی (ذوق و شوق مستی) لذت لے جاتی ہے۔
بلکہ اس پیکر خاکی سے دل ہی لے جاتی ہے۔

(13) وہ ایک پرانا چور ہے اور اس کی لوٹ کھسوٹ ظاہرا (کھل کھلا) ہے لالہ کا پھول فریاد کر رہا ہے کہ میرا داغ کہاں ہے (مسلمان کے سینہ سے دل اور دل سے عشق کے لے اڑنے کو لالہ اور اس کے اندر سینے کے داغ کو لے اڑنے سے واضح کیا ہے۔ تہذیب جدید نے مسلمان کو عشق رسول ﷺ سے خالی کردیا ہے اور اب وہ اسے جس طرح چاہتی ہے استعمال کر رہی ہے)۔

چوتھا بند

(1) (اے ظاہر شاہ) خدا تیرے نصیب میں ذوق حضور کرے یعنی اللہ کے حضور میں یا اس کی معیت میں رہنے کا ذوق عطا کرے۔
میں دوبارہ کہتا ہوں جو کچھ میں نے اپنی کتاب زبور عجم میں کہا ہے (اس کے بعد کے چند شعر زبور عجم کے عنوان مذہب غلاماں سے لئے گئے ہیں)۔

(2) اے نکتہ کی تہ تک پہنچنے والے مرنا (موت) اور جینا (زندگی)
یہ سب اعتبارات میں سے ہے اور بس۔ مراد ہے کہ یہ اعتباری ہیں اعتباری وہ چیز ہوتی ہے جو

ایک کی نظر میں کچھ ہو اور دوسرے کی نظر میں کچھ (اس کی تشریح میں چند مثالیں اگلے شعروں میں دی گئی ہیں)۔

(3) بہرہ شخص، نغمہ کے سوز کے اعتبار سے مردہ ہے۔

صوت وصدا (آواز) کے لحاظ سے مردہ ہے یعنی جو کچھ دوسروں کے لئے آواز ہے اس کے لئے وہ بے آواز ہے۔

(4) پیش چنگے مست و مسرور است کور
پیش رنگے زندہ درگور است کور
(5) روح با حق زندہ و پائندہ است
ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ است
(6) آنکہ حی لا یموت آمد حق است
زیستن با حق حیات مطلق است
(7) ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتم او زار نیست"

*

(1) بر خور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آب حیات
(2) می دھد ما را پیام **لا تخف**
می رساند بر مقام **لا تخف**
(3) قوت سلطان و میر از لا الہ
ہیبت مرد فقیر از لا الہ
(4) تا دو تیغ لا و الا داشتیم
ما سوا اللہ را نشاں **نگذاشتیم!**
(5) خاوراں از شعلہ من روشن است
اے خنک مردے کہ در عصر من است
(6) از تب و تابم نصیب خود بگیر
بعد ازیں ناید چو من مرد فقیر!
(7) گوہر دریائے قرآں **سفتہ** ام
شرح رمز صبغۃ اللہ گفتہ ام
(8) با مسلماناں **غمے بخشیدہ** ام
کہنہ شاخے را **نمے بخشیدہ** ام
(9) عشق من از زندگی دارد سراغ
عقل از صہبائے من روشن ایاغ
(10) نکتہ ہائے خاطر افروزے کہ گفت؟
با مسلماں حرف پر سوزے کہ گفت؟
(11) ہمچو نے نالیدم اندر کوہ و دشت
تا مقام خویش بر من فاش گشت

(4) چنگ (ایک قسم کا ساز) کے سامنے اندھا مست' اور مسرور ہے۔
(لیکن) رنگ کے سامنے وہ زندہ درگور ہے (مردہ ہے اسے رنگ کا کچھ علم نہیں کہ کیا ہے)۔
(5) روح (اگر) حق کے ساتھ ہے تو زندہ اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔
ورنہ اس کے لئے (جو حق کے ساتھ نہیں) مردہ ہے اور اس کے لئے (جو حق کے ساتھ ہے) زندہ ہے۔
(6) وہ ہستی جو زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گی وہ حق ہے۔
(اس لئے) حق کے ساتھ جینا حیات مطلق (نہ مرنے والی زندگی) کا حاصل کرنا ہے۔
(7) جو کوئی حق کے بغیر جیا وہ مردار کے سوا کچھ نہیں۔
اگرچہ کوئی اس کے ماتم میں رنجیدہ و غمزدہ نہیں (کیونکہ وہ بہ ظاہر زندہ ہے) (یہاں زبور کے اشعار ختم ہو گئے)۔

پانچواں بند

(1) اگر تو ثبات (ہمیشہ کی زندگی) چاہتا ہے تو قرآن سے پھل کھا (فائدہ اٹھا)۔
میں نے اس کے ضمیر میں زندگی کا پانی دیکھا ہے۔

(2) وہ ہمیں لا تخف (مت ڈر) کا پیغام دیتا ہے۔
وہ ہمیں لا تخف (خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنے) کے مقام تک پہنچا دیتا ہے (لا تخف قرآن کی ایک آیت کا جز ہے۔ جس میں حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے اور عصا کے بنے ہوئے اژدہا سے نہ ڈرنے کے لئے کہا گیا ہے)۔

(3) بادشاہ اور امیر کی قوت (اللہ کی منشا کے مطابق طاقت) لا الہٰ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) سے ہے۔
مرد فقیر کے اندر جو دبدبہ ہوتا ہے وہ بھی اسی لا الہٰ کی وجہ سے ہے۔ (جس کا معبود و مقصود صرف اللہ ہو گیا اور اس نے ہر غیر اللہ کی نفی کر دی وہی صحیح طاقت' دبدبہ اور شان و شوکت رکھتا ہے چاہے تخت پر ہو اور چاہے بوریا پر)۔

(4) جب تک ہم لا اور الا کی یہ دو تلواریں رکھتے تھے۔
ہم نے غیر اللہ کا نشان نہیں چھوڑا تھا (لا الہٰ: کوئی معبود نہیں کہہ کر ہر غیر اللہ کی نفی کر رکھی تھی اور الا اللہ: اللہ کے سوا کہہ کر اللہ کا اثبات کر رکھا تھا)۔

(5) (اقبال اپنے متعلق کہتے ہیں کہ) مشرق کے علاقے میری (شاعری اور پیغام کے) شعلہ سے روشن ہیں۔
مبارک ہے وہ مرد جو میرے زمانہ میں ہے۔

(6) (اے ظاہر شاہ) تو میری تب و تاب (حرارت اور سوز) سے اپنا نصیب حاصل کر۔
میرے بعد مجھ جیسا مرد فقیر نہیں آئے گا۔

(7) میں نے اپنے کلام میں قرآن کے دریا سے موتی نکال کر پروئے ہیں۔
میں نے اس میں صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) کی رمز کی شرح بیان کی ہے یعنی مسلمانوں کو وہ طریقہ بتایا ہے۔ جس کی بدولت وہ خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ سکتے ہیں (اپنے شب و روز کو اللہ کی منشا کے مطابق گزار سکتے ہیں)۔

(8) میں نے مسلمانوں کو (عشق کا) غم عطا کیا ہے۔
ان کی پرانی شاخ کو جو بے نم ہو گئی تھی میں نے نم بخشا ہے (اسے ہرا بھرا کیا ہے)۔

(9) میرا عشق زندگی کا سراغ بہم پہنچاتا ہے۔
عقل کا پیالہ میری شراب کی وجہ سے روشن ہے مراد ہے میں نے لوگوں کو عشق اور عقل کا صحیح مفہوم بتایا ہے۔

(10) (میرے سوا) مسلمانوں کو خاطر افروز (دل منور کرنے والی) باریک باتیں کس نے بتائی ہیں۔

پر سوز (عشق بھری) باتیں ان سے کس نے کی ہیں۔

(11) میں بانسری کی طرح پہاڑوں اور بیابانوں میں روتا رہا۔
تب جا کر مجھ پر اپنا مقام ظاہر ہوا۔ (مجھے اپنے مقام کی معرفت یونہی حاصل نہیں ہو گئی اس میں قرآن کے معارف اور عشق رسول ﷺ کا ہاتھ ہے)۔

(12) حرف شوق آموختم وا سوختم
آتش افسردہ باز افروختم!

(13) با من آہ صبحگاہے دادہ اند
سطوت کوہے بکاہے دادہ اند

(14) دارم اندر سینہ نور لا الٰہ
در شراب من سرور لا الٰہ

(15) فکر من گردوں مسیر از فیض او ست
جوے ساحل نا پذیر از فیض او ست

(16) پس بگیر از بادۂ من یک دو جام
تا درخشی مثل تیغ بے نیاز!

*

(12) میں نے حرف شوق سیکھا (عشق رسولؐ اپنے اندر پیدا کیا) اس میں جلا (خود کو رسول اللہؐ کے رنگ میں ڈھالا)۔

(تب جا کر میں اس قابل ہوا کہ) میں نے اپنی قوم میں بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ روشن کیا (اس کے اندر حرکت و عمل کا جذبہ اور عشق کی حرارت پیدا کی)۔

(13) مجھے صبح کے وقت کی آہ عطا کی گئی ہے (میرے اندر عشق کی نعمت ودیعت کی گئی ہے)۔
ایک گھاس کے تنکے کو پہاڑ کی ہیبت اور دبدبہ عنایت کر دیا گیا ہے۔

(14) میں اپنے سینہ کے اندر کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ) کا نور رکھتا ہوں۔
میری شراب میں (زندگی کی شراب میں) اس لا الٰہ کا سرور ہے۔ مراد ہے میرا سینہ توحید کا امین ہے وہ توحید جس کی تصدیق محمد الرسول اللہ ﷺ کی رسالت نے کی ہے۔

(15) میری فکر جو آسمان کی بلندی کو اسیر کرتی ہے اسی کے فیض سے ہے۔
میری ندی جو بے کنار ہو گئی ہے وہ اسی کے فیض کی بنا پر ہے مراد ہے میری فکر (میری شاعری اور میرے پیغام) کی رفعت اور وسعت اسی کے فیض سے ہے۔

(16) پس مجھ سے میری شراب کے ایک دو جام لے (اور لے کر پی)۔
تاکہ تو (اس کو پی کر) ننگی تلوار کی طرح چمکے۔
(شراب سے مقصود علامہ کی شاعری اور اس کا پیغام ہے) اگر اے مخاطب تو میرے دیئے گئے پیغام کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے گا تو حق کی ایسی تلوار بن جائے گا جس کے سامنے کوئی باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ ایسی طاقت بن جائے گا کہ ہر مخالف قوت کو زیر کر لے گا)۔

ختم شد

الحمد للہ